کلیاتِ بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر

Presented by: SAMI

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ نعتیہ

اے سرور دوکون شہنشاہ ذوالکرم — سرخیل مرسلین و شفاعت گرام

موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق — مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم

رنگ ظہور سے ترے گلشن رخ حدوث — نور وجود سے ترے روشن دل قدم

ہوتا کبھی نہ قالب آدم میں نفخ روح — بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم

کرتا تھ جس سے مردہ کو زندہ دم مسیح — تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علاشیم

ٹوٹا جو کفر قوت اسلام سے ترے — صد جائے سے شکست ہے زنار موج یم

تو تھا سریر اوج رسالت پہ جلوہ گر — آدم جہاں ہنوز پس پردہ عدم

کرتا تھا تیرے اسم مبارک کو دل پہ نقش — اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا ورم

اے معدن کرم تری ہمت کے روبرو — کمتر ہے سنگریزہ سے قدر نگین جم

جو کچھ سوائے عرش وہ سب اس کے سایہ میں — تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہان علم

صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں — رکھتا سرمیں نہ اگر اپنا تو قدم

محروم تیرے دست مبارک سے رہ گیا — کیونکر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم

عالم کو تیرا نور وا باعث ظہورا — آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم

ہیں زائران روضہ اقدس ترے جہاں — آتا ہے پائے بوس کو واں روضہ ارم

واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا — والشمس ہے ترے رخ پرنور کی قسم

انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشاں — دنداں سیئیں اہ کشاں ہو سر ستم

قرآں میں جبکہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا — کیا تاب پھر قلم کی جو کچھ کر سکے رقم

تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض — صدقے میں اپنی آل کے اے شاہ محتشم

صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر — آئینہ ضمیر سے میرے غبار غم

پہنچا نہ آستان مقدس کو تیرے میں — اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم

پر خاک آستاں کو تری اپنی چشم میں!

کرتا اس و سرمہ سیل تصور سے دم بدم

آغاز غزلیات

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا
اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قیل کا

پانی میں اس نے راہبری کی کلیم کی
آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا

اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا
لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا

پیدا کیا وہ اس نے بشر عوج بن عنق
پلی جس کی ساق پا سے ہنارو د نیل کا

پھرتا ہے اس کے حکم سے گردوں یہ رات دن
چلتا ہے یاں عمل کوئی جز تعطیل کا

بلوایا اپنے دوست کو اس نے وہاں جہاں
مقدور پر زدن نہ ہوا جبرئیل کا

کیا پائے کنہ ذات کو اس کی کوئی ظفر
واں عقل کا نہ دخل نہ ہرگز دلیل کا

کشتہ ہوں اس کے طرہ عنبر شمیم کا
خوشبو ہے میری خاک سے دامن نسیم کا

گلشن ہو خلد کا کہ چمن ہو نعیم کا
کب دل لگے ہے تیری گلی کے مقیم کا

دولت سے عشق کی مرے ہر قطرہ سرشک
تکمہ ہے میری جیب میں در یتیم کا

تاراج یوں کیا جو مرا ملک دل تمام
مژگاں تھی تیری یا کوئی لشکر غنیم کا

ہو جائے کام نیم نگہ میں ترے تمام
اے شوخ تیرے شیفتہ دل دو نیم کا

دکھلائیں سوزش دل بیتاب ہم اگر
کانپ اٹھے شعلہ شوق سے نار جحیم کا

حیرت نہیں کہ پرتو رخسار یار سے
آئینہ ہو اگر ید بیضا کلیم کا

آتی ہیں یاد ہجر کی ہم کو اذیتیں
واعظ سے ذکر سن کے عذاب الیم کا

آنکھوں میں اپنے نور اسی سے ہے اے ظفر
یہ مردمک ہے سایہ محمدؐ کے میم کا

کسی نے اس کو سمجھایا تو ہوتا
کوئی یاں تک اسے لایا تو ہوتا

مزہ رکھتا ہے زخم خنجر عشق
کبھی اے بوالہوس کھایا تو ہوتا

نہ بھیجا تو نے لکھ کر ایک پرچہ
ہمارے دل کو پرچایا تو ہوتا

کہا عیسیٰؑ نے قم کشتے کو تیرے
کچھ اب تو نے بھی فرمایا تو ہوتا

نہ بولا ہم نے کھڑکایا بہت در
ذرا درباں کو کھڑکایا تو ہوتا

یہ نخل آہ ہوتا بید ہی کاش
نہ ہوتا گو ثمر سایا تو ہوتا

جو کچھ ہوتا سو ہوتا تو نے تقدیر
وہاں تک مجھ کو پہنچایا تو ہوتا

کیا کس جرم پر تو نے مجھے قتل
ذرا تو دل میں شرمایا تو ہوتا

کیا تھا گر مریض عشق مجھ کو
عیادت کو کبھی آیا تو ہوتا

دل اس کی زلف میں الجھا ہے کب سے
ظفر اک روز سلجھایا تو ہوتا

مژدہ اے دل کہ مرے پاس وہ یارا دے گا
خاک پا اس کی ہوں گا وہ سوار آوے گا

اس لیے صید کہ عشق میں ہم صید بنے
کہ کبھی صید فگن بہر شکار آوے گا

دیکھ اے دل تو نہ پی جام محبت کی شراب
بے مزہ ہووے گا جس وقت خمار آوے گا

دم لبوں پر ہے مرا آ جو تجھے آنا ہے
مجھ کو کیا گرچہ پس از مرگ ہزار آوے گا

تو جو آئینہ صفت غیر سے ہو جائے گا صاف
تیری جانب سے مرے دل میں غبار آوے گا

یہ یہیں تک ہے گلہ کہنا نہیں کوئی ہمیں
گنتیاں بھولیں گے جب روز شمار آوے گا

لے گیا ایک ہی بار آنے میں دل اپنا ظفر
ہو گا کیا دیکھیے جب وہ کئی بار آوے گا

یار ہمیشہ ہے پہ روز ہے وہ یار نیا ہر ستم اس کا نیا اس کا ہے ہر پیار نیا
نئی انداز کا ہے دام بلا طرہ یار روز ہے ایک نہ اک اس میں گرفتار نیا
تیری ہاں میں ہے نہیں اور نہیں میں ہے ہاں تیرا اقرار نیا ہے ترا انکار نیا
کیسے بیدرد دل آزار کو دل ہم نے دیا روز ہے درد نیا، روز اک آزار نیا
کیا قیامت ہے ستمگار تری طرز خرام فتنہ ہر گام پہ اٹھا دم رفتار نیا
کریں وہ کس کی دوا دیکھتے ہیں روز طبیب تیرے اس نرگس بیمار کا بیمار نیا

پھیر لے اس سے ظفر دل کا جو سودا پھر جائے
ایک موجود ہے اور اس کا خریدار نیا

نہ پوچھو دل کہاں پہنچا کسی کو کیا کہیں پہنچا
جہاں پہنچا نہ کوئی یہ وہیں پہنچا وہیں پہنچا

کہاں پہنچا ہے دیکھو ہمدم پیک خیال اپنا
کہ اب تک اس جگہ کوئی فرشتہ بھی نہیں پہنچا

زمیں لرزی تڑپنے سے ترے بسمل کے یہ قاتل
کہ آخر اس کا اک صدمہ سر گاو زمیں پہنچا

نہ پہنچا تو نہ پہنچا طالب دیدار تک اپنے
تری تکتے ہی تکتے راہ وقت واپسیں پہنچا

چھپا خورشید تاباں شرم سے زیر زمیں جا کر
مری جو آہ کا شعلہ سر چرخ بریں پہنچا

مجھے ڈر ہے نہ پہنچے مچھیوں کے بوجھ سے صدمہ
کہ نازک ہے نہایت ہی ترا اے نازنیں پہنچا

ظفر دامان مژگاں سے ٹپکا چاہے تھا آنسو
اگر پہنچا سکے آنکھوں تلک تو آستیں پہنچا

ہاں فرو سوز دل اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا
اور گریہ سے بڑھا کم نہ ہوا پر نہ ہوا

سن کر احوال جگر سوز غریب عشق کا
ہائے افسوس تجھے غم نہ ہوا پر نہ ہوا

کشتہ از کے افسوس جنازے پہ ذرا
چشم پر آب تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

چارہ گر کی نہیں تقصیر بہت کی تدبیر
کارگر زخم پہ مرہم نہ ہوا پر نہ ہوا

سن کے نالوں کو مرے ہو گئے پتھر پانی
سر مژگاں کبھی ترا نم نہ ہوا پر نہ ہوا

ہے مثل آ گیا دم ناک میں اپنا لیکن
یار اپنا کبھی ہمدم نہ ہوا پر نہ ہوا

میری جانب سے پڑی سخت گرہ دل میں ترے
سست پیماں ترا محکم نہ ہوا پر نہ ہوا

ہوں وہ آزاد کہ جوں سرو کسی کی خاطر
قد تعظیم مرا خم نہ ہوا پر نہ ہوا

رات ہمسایوں نے اٹھ اٹھ کے دعائیں مانگیں
سوز نالہ مرا مدھم نہ ہوا پر نہ ہوا

جہد کی صنع قدرت نے دلے تیرا سا
کسی مخلوق پہ عالم نہ ہوا پر نہ ہوا

کھل کھلا کے بلے گلشن میں ہزاروں غنچے
دل ہمارا خوش و خرم نہ ہوا پر نہ ہوا

اے ظفر دیکھئے عقبے میں ہو کیا حال اپنا
چین دنیا میں تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

آیا نہ اگر نامہ و پیغام کسی کا
آخر ہے کوئی روز میں یاں کام کسی کا

دیں جان تو ہم غیر کو دو بوسہ ستم ہے
لے جائے کوئی اور ، ہوا نام کسی کا

اس چشم کی گردش سے ہو دل کیونکر نہ برباد
گھر چھوڑے ہے کب گردش ایام کسی کا

وہ کرتے ہیں آرام سدا غیر کے گھر میں
کیا کام انہیں جائے ہو آرام کسی کا

شب ہالہ مہ رشک سے گردوں پہ نہ نکلا
چھلا جو پڑا دیکھا لب بام کسی کا

ساقی نہ کھلا بھید کہ اوندھا ہے فلک کیوں
مدت سے ہے اوندھا ہوا بس جام کسی کا

جو ہے وہ مرے نام سے ہے عشق میں آگاہ
بدنام ظفر نہ ہو غرض نام کسی کا

ہم نے دنیا میں آ کے کیا دیکھا
دیکھا جو کچھ سو خواب سا دیکھا

ہے تو انسان خاک کا پتلا
ایک پانی کا بلبلا دیکھا

خوب دیکھا جہاں کے خوباں کو
ایک تجھ سا نہ دوسرا دیکھا

ایک دم پر ہوا نہ باندھ حباب
دم کو دم بھر میں یاں ہوا دیکھا

سامنے اس نگاہ کے دل کو
ہدف ناوک قضا دیکھا

نہ ہوئے تیری خاک پا ہم نے
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

اب نہ دیجئے ظفر کسی کو دل
کہ جسے دیکھا بے وفا دیکھا

اٹھا دے پردہ نہیں، پردہ میں اٹھا دوں گا
طپش سے دل کی ابھی عرش تک ہلا دوں گا

نہ ہوتا عشق کا سیکش اگر خبر ہوتی
کہ ایک جام میں دونوں جہاں بھلا دوں گا

کہے ہے مجھ سے وہ قاتل کہ میرے کوچے میں
دکھا جو تو نے قدم سر ترا اڑا دوں گا

میں اس کو دیکھ کے یہ محو ہوں کہ حیران ہوں
جو کچھ وہ پوچھے گا مجھ سے جواب کیا دوں گا

اگر تو آوے گا تو جائے فرش پا انداز
میں اپنی آنکھیں ترے زیر پا بچھا دوں گا

دم خرام وہ بولا کہ ایک ٹھوکر میں
ہزار فتنہ خوابیدہ کو جگا دوں گا

جو پوچھا میں نے لب زخم تو کہے گا کیا
کہا کہ خنجر قاتل کو میں دعا دوں گا

یہ دے کے دم مجھے لایا تھا کھینچ جوش ظہور
کہ چل جہاں کا تماشا تجھے دکھا دوں گا

نہ پوچھ مجھ سے ظفر میری تو حقیقت حال
اگر کہوں گا ابھی تجھ کو میں رلا دوں گا

ڈالے ہوئے گردن جو مرا نامہ بر آیا
کچھ مطلب دل یار کا معلوم کر آیا

صورت ہے بتوں کی عجب اللہ کی قدرت
ہر جلوے میں اک اور ہی جلوہ نظر آیا

گر فکر میں ہو، راہ کے توشے کا کرو فکر
اے غافلو نزدیک ہے روز سفر آیا

باندھی ترے ہاتھوں میں جو گل غیر نے مہندی
آنکھوں میں مری دیکھ کے لو ہوا تر آیا

لوٹے گا پڑا خاک کے بستر پہ وہ تا حشر
آرام کی گھڑی کو جو ہستی میں دھر آیا

کیا حرف زباں پر ترے آیا تھا کہ اے شمع
گل گیر ترے سر پہ جو منہ کھول کر آیا

کیا جانے بنی قیس پہ کیا دشت جنوں میں
جو خاک بسر آج بگولا نظر آیا

اک ہم ہی نہیں بے خبر آئے ہیں جہاں میں
جو آیا جہاں میں ہے سو وہ بے خبر آیا

میں شرم سے عصیاں کے ہوا سر بگریباں
جس وقت خیال آہ ادھر کا ظفر آیا

اس در پہ جو سر بار کے رہتا کوئی ہوتا
تو بستر راحت پہ نہ سوتا کوئی ہوتا

کس کا فلک اول و ہفتم کہ مرا اشک
اک آنکھ جھپکنے میں ڈبوتا کوئی ہوتا

یہ دل ہی تھا ناداں کہ تری زلف سے الجھا
یوں اپنے لیے خار نہ بوتا کوئی ہوتا

بلبل بھی تھی جاں باختہ پروانہ بھی جانباز
پر میری طرح جان نہ کھوتا کوئی ہوتا

لالہ کے بھی کام آتا صبا گریہ شبنم
گر داغ جگر اشک سے دھوتا کوئی ہوتا

ہم بھی گل لخت جگر اپنے اسے دیتے
یہ پھول جو بالوں میں پروتا کوئی ہوتا

تنہائی میں اتنا تو نہ گھبراتا ظفر میں
دل گرچہ مرے پاس نہ ہوتا کوئی ہوتا

خط و رخ اس سیمبر کا سیہ ایسا سفید ایسا
ورق کب ماہ انور کا سیہ ایسا سفید ایسا

ڈزلف اور مانگ ہے اس کی کہ کوئی سانپ عالم میں
نہیں اس کے برابر کا سیہ ایسا سفید ایسا

مرے مژگان اشک آلودہ کو دیکھو کہ برسے ہے
یہ بادل دیدہ تر کا سیہ ایسا سفید ایسا

مسی زیب اس کے دنداں دیکھ حیراں ہوں کہ ہے کیونکر
یہ رنگ اس سلک گوہر کا سیہ ایسا سفید ایسا

نہ دیکھوں نرگس شہلا کا گل کیونکر کہ ہے نقش
بعینہ چشم دلبر کا سیہ ایسا سفید ایسا

خجالت کش سواد شام و نور صبح ہیں دونوں
دوشالہ ہے ترے سر کا سیہ ایسا سفید ایسا

سرشک سرمہ آلود اپنا دکھلا کر وہ کہتے ہیں
کہ ہے رنگ میں اس کبوتر کا سیہ ایسا سفید ایسا

نہ ہوویں سوسن و نسریں خجل کیونکر کہ ہے زیبا
لباس اس ماہ پیکر کا سیہ ایسا سفید ایسا

ظفر ہیں نیلم و الماس پتھر ایک صانع نے
کیا ہے رنگ پتھر کا سیہ ایسا سفید ایسا

ترا گر ناخن پا تیرا مائل دھو کے پی جاتا
تو اس کے ہاتھ پاؤں ل کے کال دھو کے پی جاتا

نہ آتا ہاتھ خوں میرا اگر اس تشنہ خوں کے
تو اپنی تیغ پرخون کو وہ قاتل دھو کے پی جاتا

اگلتا زہر پھر کیا کیا وہ تیرہ بخت سودائی
اگر کوئی ترے رخسار کا تل دھو کے پی جاتا

اگر ہو سکتا عالم میں حصول علم بے محنت
تو پھر ساری کتابیں ایک جاہل دھو کے پی جاتا

اٹھا سکتا جو مجنوں نقش پائے ناقہ لیلی
تو جوں تعویذ ہول دل وہ بیدل دھو کے پی جاتا

حلاوت یاد کر کر تیری آب تیغ کی قاتل
بدن کے زخم اپنے آپ گھائل دھو کے پی جاتا

ظفر بے شغل ہی ہو جاتا سب کچھ منکشف اس پر
در فخر جہاں گر کوئی شاغل دھو کے پی جاتا

اپنی جانب کو جسے تو نے لبھایا ہو گا
کوئی اور اس کو سوا تیرے نہ بھایا ہو گا

در فلک جس کو رسائی ترے ہو گی اس نے
سنگ در چوم کے آنکھوں سے لگایا ہو گا

دے گا وہ حرص و ہوس کو نہ کبھی دل میں جگہ
دل میں جس شخص کے تو آپ سمایا ہو گا

منہ تھا کیا ماہ کا کوٹھے پہ ترے منہ چڑھتا
مہر پرنور نے بھی منہ نہ دکھایا ہو گا

درد سر تم جو بتاتے ہو نصیب اعدا
درد دل آپ کو عاشق نے سنایا ہو گا

درپے قتل نہیں میرے وہ قاتل اے دل
تیغ ابرو کو جو کھینچا تو ڈرایا ہو گا

بے خطا تو نہیں ہوتے ہیں ظفر وہ برہم
زلف کو ہاتھ کہیں تو نے لگایا ہو گا

زلف میں بل اور کاکل پرخم پیچ کے اوپر پیچ پڑا
وہ ہوئی سرکش یہ ہوئی برہم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

دل کو ہے پیچ و تاب الم سے دود جگر پیچیدہ دم سے
دیکھ تو کیسا عشق میں ہمدم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

پیچ سے وہ کرتا ہے یاری باتیں اس کی پیچ کی ساری
نکلیں اس کے پیچ سے کیا ہم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

دل تو کمند غم میں پھنسا ہے جان اسیر دام بلا ہے
عشق کے ہاتھوں ناک میں ہے دم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

یار نے جب یکہ پیچ کج کر باندھا پھر سر پیچ کو سر پر
ہو گیا اپنا اور ہی عالم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

دونوں طرف کوتا نظر کے کھنچتے ہیں دل دونوں طرف سے
خوب پتنگوں میں ہے باہم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

موت نے آکر ٹھونکا جب خم بھول گیا تو کشتی اس دم
یوں تو بڑا تھا سب پر رستم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

زلف نے کھل کر پیچ پہ مارے پیچ میں لائے دل کو ہمارے
چوٹی کھلی تو اور بھی اس دم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

جبکہ فتح پیچ اس نے سر پہ گوندھ کے باندھا جوڑا کافر
دل نے جانا آج مسلم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

عشق ظفر ہے گورکھ دھندا اس کے کھولے پیچ کوئی کیا
ایک کھلا تو دوسرا محکم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

اشک کا قطرہ فقط کیا صاف گوہر سا بنا
بلکہ لخت دل بھی ہے یاقوت احمر سا بنا

صبحدم گلشن میں آیا میکشی کو کیا وہ گل
ہر گل لالہ جو ہے یکدست ساغر سا بنا

گل سے بھی نازک بدن اس کا ہے لیکن دوستو
یہ غضب کیا ہے کہ دل پہلو میں پتھر سا بنا

دشت میں بھی تیرے مجنوں کی تگر تدبیر ہے
خار وادی جنوں جو تیر و نشتر سا بنا

کیا گریباں ہے بنا اس ماہ کا ہیکل ہلال
بلکہ تکمہ بھی گریباں کا ہے اختر سا بنا

در پہ اس پردہ نشیں کے آہ وقت انتظار
چشم کا حلقہ ہمارے حلقہ در سا بنا

کیا عجب حال سوید اگر جلے مثل سپند
سوزش الفت سے دل اپنا ہے مجمر سا بنا

عشق نے کیا جانیے کیا دل میں بھڑکائی ہے آگ
اب جو سینے میں مرے ہر داغ اخگر سا بنا

اے ظفر منظور تھا اس چشم کو عاشق کا قتل
اس لیے ہر موئے مژگاں اس کا خنجر سا بنا

مہ نظر آوے نہ کیوں کر آنکھ میں اس یار کا
آنکھ اپنی بن گئی ہے آئنہ دیوار کا

صفحہ قرآن پہ کھینچی ہے اک جدول سیاہ
مصحف رخ پر وہ سایہ زلف کے ہر تار کا

پاس ابرو کے مرصع کار دیتا ہے کہاں
ہے میاں قبضہ جڑاؤ یار کی تلوار کا

زخم دل کو صاف کرتا ہے خیال خط سبز
چارہ گر مرہم نہ رکھ بے فائدہ زنگار کا

گرمی مژگان تر برسائے موتی ایک بار
نام دھو ڈالے جہاں سے ابر گوہر بار کا

دیکھا جھانکا کہیں وہ مہوش شاید کہ ہے
اختر صبح قیامت روزن اس دیوار کا

محو حیرت کیوں نہ ہو وہ اے ظفر آئینہ دار
دیکھنے والا جو ہو اس آئینہ رخسار کا

غم دل کس سے کہوں کوئی بھی غمخوار نہیں
غم فرقت کے سوا

اور اگر پوچھے کوئی قابل اظہار نہیں
چپکا رہنا ہے بھلا

زلف کے پیچ سے چھٹ سکتا نہیں کوئی دل
اور یہ پیچ پہ پیچ

کون سا دل ہے کہ جو اس میں گرفتار نہیں
ہے عجب دام بلا

سیکڑوں ہیں جگر افگار ہزاروں دلریش
ترے ہاتھوں لیکن

پاس تیرے کوئی خنجر کوئی تلوار نہیں
ہاں مگر ناز و ادا

کیا تری چشم سیہ مست کی کیفیت ہے
کہ جہاں ہے بدمست

جس کو اب دیکھو وہ بیہوش ہے ہشیار نہیں
اسے بہت ہوش ربا

مر مٹے خاک در یار پہ عشاق ظفر
کہ جو ہونا ہو سو ہو

اٹھ کے اب جائیں کہاں طاقت رفتار نہیں
مثل نقش کف پا

دل کا کچھ کام نہ تجھ سے بت پر فن نکلا
دوست جانا تھا تجھے، جان کا دشمن نکلا

جب تو آیا کہ مرا دم بت پر فن نکلا
نکلا ارمان تو لیکن اس پس مردن نکلا

رات چھیڑا تھا جسے زلف سمجھ کر ہم نے
ہائے شامت کہ وہ اک افعی رہزن نکلا

نام سے کام نکلتا نہیں بے جوہر اصل
گل سے عارض کے نہ ہرگز کبھی روغن نکلا

خون عاشق کا ہے گلگو نہ ترے عارض کا
قتل ہونے سے ہمارے ترا جوبن نکلا

چارہ گر بھر نہ سکے میرے جگر کے ناسور
ایک گر بند کیا دوسرا روزن نکلا

اے ظفر نالہ دل نے مرے کچھ کی تاثیر
گھر سے گھبرا کے جو وہ غیرت گلشن نکلا

سر تلک دست ستم جونہی ترا قاتل بڑھا
خون جسم ناتواں جل جل گھٹا، جل جل بڑھا

مت گھٹا دل کو مرے بوسہ مجھے چپکے سے دے
حصر کو تہ کر نہ اتنی بات اے جاہل بڑھا

ہر بھنور عکس رخ روشن سے بن جاوے قمر
مہ جبیں منہ کو ذرا اپنے لب ساحل بڑھا

دل کو تو کر اپنے دولت سے قناعت کی غنی
بس بہت دست ہوس اپنا نہ اے غافل بڑھا

وادی مجنوں کی اے لیلی سے کیا دلکش زمیں
اک قدم ہرگز نہ آگے ناقہ محمل بڑھا

کوئی دم ہے بحر ہستی میں ابھی تو اے حباب
جس دم کی بڑھ سکے کثرت تو ہوں شاغل بڑھا

جب ہوئی تجھ کو شباہت اس رخ پر نور سے
مرتبہ پھر اور بھی تیرا مہ کامل بڑھا

غنچہ گل دیکھ کر اس رشک گل کے ہاتھ میں
دل جو اپنا سمجھے ہم کیا کیا ہمارا دل بڑھا

جامہ فانوس میں کیا کیا جلی غیرت سے شمع
بے جو پوشاک اے ظفر وہ رونق محفل بڑھا

زلف کے سائے تلے وہ رخ اگر چھپ جائے گا
رات کے پردے میں پھر روئے سحر چھپ جائے گا

خواب غفلت سے تری جس وقت کھل جائے گی آنکھ
ہے جو کچھ آنکھوں کے آگے جلوہ گر چھپ جائے گا

دیکھنے کو ہم گئے تھے آج اس کو بے خبر
کیا خبر تھی یہ کہ ہم کو دیکھ کر چھپ جائے گا

ڈال مت اشکوں کا پردہ دیکھ تو پیش نظر
یار عین وصل میں اے چشم تر چھپ جائے گا

تاک میں ہیں آج سارے غمزہ و انداز و ناز
ان نظر بازوں سے دل بچ کر کدھر چھپ جائے گا

اپنی ہستی پر نہ پھس اتنا کہ ہستی ہے فنا
دیکھ جلتے جلتے ہی تو اے شرر چھپ جائے گا

اور چمکے گا زیادہ شعلہ سوز دروں
زیر پنبہ کیا مرا داغ جگر چھپ جائے گا

زندگی جب تک ہے کوئی عیب دیکھے یا ہنر
ورنہ زیر خاک سب عیب و ہنر چھپ جائے گا

عشق مہوش میں ظفر کھینچوں گا میں شب کو جو آہ
درد دل کا بن کے اک بادل قمر چھپ جائے گا

نہ ہوس سیر چمن کی نہ گل تر کی ہوا
سر عاشق میں ہے اس سرو سمن بر کی ہوا

کیا کہا آ کے صبا نے کہ جو مانند حباب
ہو گئی جان ترے عاشق مضطر کی ہوا

تیرے عاشق کو ترے تیغ ادا ہووے نصیب
اے ستمگار لگے اس کو نہ خنجر کی ہوا

زاہدا تجھ کو مبارک ہو ہوائے جنت
ہم سلامت رہیں اور کوچہ دلبر کی ہوا

خانہ چشم میں اک لحظہ نہ ٹھہرا آنسو
لگ گئی جیسے کہ اس طفل کو باہر کی ہوا

سنبلستاں میں سر شام ہوئی مشک فشاں
لے کے خوشبو ترے گیسوئے معنبر کی ہوا

دل کو راحت ہو بلے گر مژہ اشک آلود
ہے علاج خفقاں بال کبوتر کی ہوا

جھومتی آتی ہے کیا شکل سیہ مست گھٹا
ساقیا آج تو ہے شیشہ و ساغر کی ہوا

داغ سوزاں کو بجھاوے نہ دم سرد ظفر
کہ یہ دشمن ہے چراغ دل مضطر کی ہوا

جسم لاغر تیرے سودائی کا اب ایسا ہوا
عکس چشم سرو جولاں پاؤں میں ڈھیلا ہوا

دود دل سے تفتہ جانوں کے ترے اے رشک ماہ
نیک فلک اب اور زیر نہ فلک پیدا ہوا

کان پر سے زلف اس کی اب سرکتی کیوں نہیں
یا کہیں یہ سانپ اس بانبی سے ہے کیلا ہوا

اور پری کی بائیں پہلی پر جو دیکھا میں نے خال
وہ مرے تعویذ ہول دل کا اک نقطہ ہوا

تو ہے اے دل ناتواں دیکھ آہ کو مت چھوڑنا
یہ عصا تیرے لیے ہنگام پیری کا ہوا

اف ترے کشتہ کا سوز دل کہ ظالم سنگ بھی
گور پر اس کے رہا محشر تلک جلتا ہوا

اے ظفر انجم نہیں ہیں میرے تیر آہ سے
ہے مشبک سر بسر یہ گنبد مینا ہوا

وہ بے حجاب جو کل پی کے یاں شراب آیا
اگرچہ مست تھا میں پر مجھے حجاب آیا

ادھر خیال مرے دل میں زلف کا گزرا
ادھر وہ کھاتا ہوا دل میں پیچ تاب آیا

خیال کس کا سمایا ہے دیدہ و دل میں
نہ دن کو چین مجھے اور نہ شب کو خواب آیا

تمہارے نقش کف پا کا بوسہ لینے کو
زمیں پہ سایہ کے مانند آفتاب آیا

وہ رخ صفا ترا آئینہ روبرو جس کے
جب آیا شرم سے یاں ہو کے غرق آب آیا

جب آیا طرہ مشکیں کا تیرے دل میں خیال
زباں پہ میرے وہیں ذکر مشک ناب آیا

ترا سخن ہے ظفر وہ کہ سامنے تیرے
ہوئے خموش سخنور نہ کچھ جواب آیا

چشم میں دنبالہ دیکھیں اس بت گمراہ کا
مست آہو مشک میں کیا پا لیے ہے کاہ کا

کون سے میکش کی دعوت ہے فرشتوں میں ہے دھوم
دیکھ کر مینا فلک کا اور ساغر ماہ کا

خال کا جل کا نہ سمجھو اس زنخداں کے قریب
آ گیا ہے ہاتھ زنگی کے کنارہ چاہ کا

کہکشاں کا خط نہیں یہ صاف آتا ہے نظر
عکس فانوس فلک میں میری شمع آہ کا

منزل الفت میں غم کو میں جدا کیونکر کروں
مجھ کو ہے اس کا سہارا ہے یہ توشہ راہ کا

اس کے دنداں پر نہیں رنگیں مسی کی دیکھنا
بے قلم کیا جا بجا لکھا ہے اسم اللہ کا

رتبہ عالی سے اس کے آسماں بھی پست ہے
اے ظفر جو خاک پا ہے فخر عالی جاہ کا

خوشی خوشی ہے جو خط نامہ بر لیے آتا
یہ کچھ نہ کچھ ہے خوشی کی خبر لیے آتا

ممانعت نہ کر اتنی خدا سے ڈر ظالم
ہمیں ہے شوق ترا تیرے گھر لیے آتا

قدم رکھے ہے وہی عاشق کے میدان میں
کہ جو ہتھیلی پہ ہے اپنا سر لیے آتا

جب اشک آتا ہے مژگاں تلک مرے دل سے
تو ساتھ اپنے ہے لخت جگر لیے آتا

ہزار آپ کو وہ کھینچتے ہیں پر ان کو
مرا ہے جذبہ دل کھینچ کر لیے آتا

بچے کب اس بت صیاد وش سے طائر دل
کہ دام زلف کو ہے دوش پر لیے آتا

کہاں وہ جائیں کہ میری نظر سے ہوں غائب
تصور ان کو ہے زیر نظر لیے آتا

جو آتا ہے تری مژگاں کا ذکر چھیڑتا ہے
مرے لیے ہے ہر اک نیشتر لیے آتا

ظفر ہے واسطے ہر طفل کے مہیا شیر
کہ رزق ساتھ ہے اپنے بشر لیے آتا

سبزہ خط میں کیا مہاسا گال پر پیدا ہوا
بچہ طاؤس ہے بے بال و پر پیدا ہوا

پہلے تو دل میں محبت کا شجر پیدا ہوا
پھر لگے حسرت کے گل غم کا ثمر پیدا ہوا

خال مشکیں آتش رخسار پر پیدا ہوا
چشمہ خورشید میں بھی نیلوفر پیدا ہوا

کھل گیا بے نامہ مضموں یک قلم نامے کا صاف
واہ کیا پیک تصور نامہ بر پیدا ہوا

اس جبیں پر جلوہ گر الماس کا ٹیکا نہیں
آسماں پر دن چڑھے دیکھو قمر پیدا ہوا

کھائے ہے کس کس حلاوت سے دل عاشق اسے
شیر غم شیریں مثال نیشکر پیدا ہوا

ہو سکا تیغ ادا کا کچھ ادا تجھ سے نہ شکر
کس لیے تو اے لب زخم جگر پیدا ہوا

فصد مجنوں کی جنوں نے خوب ہی تدبیر کی
خار صحرا تیز مثل نیشتر پیدا ہوا

گریہ ہنگام ولادت کیوں نہ ہو ہر طفل کو
جو ہوا دنیا میں پیدا نوحہ گر پیدا ہوا

بے شرارت کوئی ہوتے ہیں بہم دو سنگدل
دیکھو پتھر پر گرا پتھر، شرر پیدا ہوا

عکس روئے آتشیں ساقی کا دریا میں پڑا
ہمسر خورشید تاباں ہر بھنور پیدا ہوا

حق میں پروانوں کے تھا اک نیزہ پر خورشید حشر
شمع کے سر پر جو شعلہ اے ظفر پیدا ہوا

کوہکن کا فقط پتھر میں لہو جم گیا
کچھ تو تیشے میں جما کچھ سر میں لوہو جم گیا

زخم پہلو سے اگر میرے نہیں ٹپکا لہو
پھر کہاں سے چارہ گر بستر میں لوہو جم گیا

اشک خونی نے بنائی شاخ مرجاں ہر پلک
اس قدر مژگان چشم تر میں لوہو جم گیا

کہتا ہے ساقی شیشے میں دیکھ کر رنگ شفق
کس کا یہ اس چرخ کے ساغر میں لوہو جم گیا

اتنا گاڑھا جوش سودائے محبت سے ہوا
قیس کا فصاد کے نشتر میں لوہو جم گیا

گریہ خونیں سے تیرے باغ میں اے عندلیب
گر کے جام لالہ احمر میں لوہو جم گیا

خون دل سے لکھ کے خط گرچہ کبوتر کو دیا
پر اڑے کیونکر کہ بال و پر میں لوہو جم گیا

اس قدر قائم محبت میں ہے تیرا صید عشق
قاتل اس مذبوح کا خنجر میں لوہو جم گیا

اے ظفر دلچسپ تھی کیا کوئے قاتل کی زمیں
گر کے جو بسمل کا اک دم بھر میں لوہو جم گیا

بیچ میں پردہ دوئی کا تھا جو حائل اٹھ گیا
ایسا کچھ دیکھا کہ دنیا سے مرا دل اٹھ گیا

میری آنکھوں میں سمایا اس کا ایسا نور حسن
شوق نظارہ ترا اے بدر کامل اٹھ گیا

ہوں تو میں دیوانہ لیکن ایسی کہہ دیتا ہوں بات
جو کہ بیٹھا پاس میرے ہو کے قائل اٹھ گیا

شمع نے رو رو کے کاٹی رات سولی پر تمام
شب کو جو محفل سے تو اے زیب محفل اٹھ گیا

اے ظفر کیا پوچھتا ہے بیگناہ و پر گناہ
اٹھ گیا اب تو جدھر کو دست قاتل اٹھ گیا

میں ہو عاشق مجھے غم کھانے سے انکار نہیں
کر ہے غم میری غذا

تو ہے معشوق تجھے غم سے سروکار نہیں
کھائے غم تیری بلا

دل و دیں تیرے حوالے کیے کرتے ہی طلب
اور جو کچھ کہا سب

پھر جو بیزار ہے تو مجھ سے بتا اس کا سبب
میری تقصیر ہے کیا

بھیجے خط سینکڑوں لکھ کر تمہیں ہشیاری سے
بڑی دشواری سے

تم نے بھیجا نہ جواب ایک بھی عیاری سے
یہ بھی قسمت کا لکھا

طلب بوسہ پہ کیوں اتنا برا مانتے ہو
ہمیں پہچانتے ہو

دیکھو ہم ہیں وہی جانباز جنہیں جانتے ہو
کرتے ہیں جان فدا

ہے حیات ابدی گر ہو شہادت حاصل
تیرے ہاتھوں قاتل

تیرے آب دم شمشیر کو تیرا بسمل
بجھے ہے آب بقا

کیا کہوں میں ترے انداز و ادا کا عالم
ہے ستم ہائے ستم

دیکھ کر ہوش رہیں کیا کہ نکل جائے گا دم
اے بت ہوشربا

نہ تو تقریر سے ہو اور نہ تحریر سے ہو
اور نہ تدبیر سے ہو

ہم تو کہتے ہیں ظفر جو ہو سو تقدیر سے ہو
ہے بھی بات بجا

دیکھے دل کو جو آنکھوں سے جمال اور لگا   بھولا میں سارے خیالات خیال اور لگا
یاد دلوا کے مجھے تو خم ابرو اس کا   زخم دل پہ مرے ناخن نہ ہلال اور لگا
حلقہ زن حلقہ خط پر نظر آئی وہ زلف   مرغ دل کیوں نہ دے جال پہ جال اور لگا
پھیل کر رخ پہ جو کاجل نے دکھائی شب تار   دن دیے تارے دکھانے ترا حال اور لگا
آ گیا زلف کے سودے میں جو کاکل کا خیال   تیرہ بختوں کے تیرے جی کو وبال اور لگا
جل ہی جائے گا اگر گور پہ مجنوں کی ترے   بید مجنوں کے سوا کوئی نہال اور لگا

دیکھ تو آ کے ہے کیا پیار ظفر کو تجھ پر
گال سے اس کے ذرا اپنا تو گال اور لگا

رات بھر مجھ کو غم یار نے سونے نہ دیا   صبح کو خوف شب تار نے سونے نہ دیا
شمع کی طرح مجھے رات کٹی سولی پر   چین سے او قد یار نے سونے نہ دیا
یہ کراہا ترا بیمار الم درد کے ساتھ   کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
اے دل زار تو سویا کیا آرام سے رات   مجھے پل بھر میں دل زار نے سونے نے دیا
میں وہ مجنوں اس کر زنداں میں نگہبانوں کو   میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا
ووں میں کیا کر مرے پاؤں کو بھی زنداں میں   آرزوئے خلش خار نے سونے نہ دیا

یاس و غم رنج و تعب میرے ہوئے دشمن جاں
اے ظفر شب انہی دو چار نے سونے نہ دیا

سوزش داغ الم سے پہلے بھیجا جل گیا   بعد اس کے دل جلا اور پھر کلیجا جل گیا
اف مرے مضمون سوز دل میں بھی کیا آگ ہے   خط جو قاصد اس کو میں نے لکھ کے بھیجا، جل گیا
تفتہ جانوں کو ترے دوزخ ہے گلزار بہشت   وہ وہاں اراسے ہے تو کہے جا جل گیا
بعد اس کے دل جلا اور پھر کلیجا جل گیا   کام کا تیرے نہیں یہ اس کو دے جا جل گیا

آتش فرقت سے میرا خانہ آتشبار ہے
اے ظفر کاغذ اٹھا کر یاں سے لے جا جل گیا

نہ درویشوں کا خرقہ چاہیے نہ تاج شاہانہ
مجھے تو ہوش دے اتنا رہوں میں تجھ پہ دیوانا

کتابوں میں دھرا ہے کیا بہت لکھ لکھ کے دھو ڈالیں
ہمارے دل پہ نقش کالحجر ہے ترا فرمانا

غنیمت جان جو دم گزرے کیفیت سے گلشن میں
دیے جا ساقی پیماں شکن بھر بھر کے پیمانا

نہ دیکھا وہ کہیں جلوہ جو دیکھا خانہ دل میں
بہت مسجد میں سر مارا بہت سا ڈھونڈا بت خانا

کچھ ایسا ہو کہ جس سے منزل مقصود کو پہنچوں
طریق پارسائی ہووے یا ہو راہ رندانا

یہ ساری آمد و شد ہے نفس کی آمد و شد پر
اسی تک آنا جانا ہے نہ پھر جانا نہ پھر آنا

ظفر وہ زاہد بیدرد کی ہو حق سے بہتر ہے
کرے گر رند درد دل سے ہاؤ ہوئے مستانا

کیا عجب گر ہے بہادر میرے آنسو سے بنا
بیش قیمت لعل بھی تو میرے لوہو سے بنا

کشتگان چشم ہیں جو تیرے اے وحشی نگاہ
تو چراغ گوران کا چشم آہو سے بنا

اس کی چشم پرفسوں ہی کچھ فقط جادو نہیں
سر سے پاؤں تک ہی جادوگر ہے جادو سے بنا

اے مصور میری اس کی کھینچے گر تصویر تو
اس کے پہلو کو بھڑا کر میرے پہلو سے بنا

اڑ کے آؤں گا تیرے در پہ ہوائے شوق میں
میرا پتلا ہے تری خاک سر کو سے بنا

مر گیا فرہاد آخر سر سے تیشہ مار کر
کام قسمت کا نہ ہرگز زور بازو سے بنا

اے ظفر مجھ کو غرض کیا مسجد و محراب سے
قبلہ طاعت مرا اس طاق ابرو سے بنا

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر میں نور جمال تھا
کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ وہ خواب تھا کہ خیال تھا

دم بسمل اے بت عشوہ گر خوشی عید کی سی ہوئی مجھے
خم تیغ تیرا جو سامنے نظر آیا مثل ہلال تھا

کہو اس تصور یار کو کہوں کیوں نہ خضر خجستہ پے
کہ یہی تو دشت فراق میں مجھے رہنمائے وصال تھا

مرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں یہ دل پہ رنج و ملال ہے
وہ جب آ گیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا

وہ ہے بے وفا وہ ہے پر جفا وہاں لطف کیسا وفا کہاں
فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا

پس پردہ سن کے تری صدا ترا شوق دید جو بڑھ گیا
مجھے اضطراب کمال تھا یہی وجد تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے چھٹ کے جو جست کی تو یہ جانا ہم نے کہ واقعی
فقط ایک قید خودی کی تھی نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

درد جگر نے دل پہ جو سر پوش سا ڈھکا
سینہ میں دل ہے ساغر سر جوش سا ڈھکا

دیکھا جو کوئی اختر تابندہ ابر میں
یاد آیا زیر زلف بنا گوش سا ڈھکا

اٹھا ہے یوں جو زور سے صحرا میں گرد باد
اس پردہ میں ہے کس کا تن و توش سا ڈھکا

چھاہا نہ زخم دل سے اٹھا میرے چارہ گر
رہنے دے اس کو تو جسم پرجوش سا ڈھکا

سبزہ نے خط کے چاہ زنخدان یار کو
رستہ پہ دل کے ہے چہ خس پوش سا ڈھکا

جوہر جو آدمی کا کھلا کچھ تو ہوش سے
جب تک رہا ظفر کوئی بیہوش سا ڈھکا

بھید دل کا گریہ سے اے چشم نم کھل جائے گا
وہ جو ہے پوشیدہ اپنا حال غم کھل جائے گا

بولتے جو ہمیں منہ سے کچھ اس میں بھید ہے
بولنا اچھا نہیں سارا بھرم کھل جائے گا

عقدہ دل ہے ہمارا غنچہ گل تو نہیں
جو یہ تجھ سے اے نسیم صبحدم کھل جائے گا

کھول مت جوڑا کہ سودائی کا تیرے سر بسر
راز سربستہ ترے سر کی قسم کھل جائے گا

گر اثر ہے شوق میں اپنے تو بن خط کے کھلے
اپنا مضموں ان پہ قاصد ایک قلم کھل جائے گا

کتنے ہی چھٹ جائیں گے پابند زنجیر بلا
جبکہ تیرا طرہ پر پیچ و خم کھل جائے گا

اس کے رکنے پر نہ جا پیتے ہی جام مے ظفر
دیکھنا باتوں میں وہ کافر صنم کھل جائے گا

باتوں باتوں میں جو وہ مجھ سے بگڑ کر رہ گیا
غیر تو اپنا کلیجہ ہی پکڑ کر رہ گیا

اٹھتے اٹھتے میرے پہلو سے گئے بارے ڈیٹھ
دم مرا اکھڑا ہی تھا لیکن اکھڑ کر رہ گیا

شوق پابوسی رہا پہنچا نہ قدموں تک ترے
تیرا بسمل پاؤں اے قاتل رگڑ کر رہ گیا

چشم میں آنسو کہاں جو رویئے اب خوب سا
کوئی قطرہ تھا سو وہ مژگاں سے جھڑ کے رہ گیا

جب دکھایا تو نے اپنا قد رعنا باغ میں
پھر تو خجلت سے زمیں میں سرو گڑ کر رہ گیا

دل میں اک مکا سا جو مارا کسی کی یاد نے
یہ ہوئی حالت کہ دم سینے میں اڑ کر رہ گیا

پہلوان عشق کا کیا پوچھتے ہو مجھ سے حال
جو چڑھا جے پر اس کے وہ پچھڑ کر رہ گیا

کارواں منزل پہ پہنچا اور سارے ہم سفر
مثل گرد کارواں اک میں بچھڑ کر رہ گیا

اور تبدیل قوافی میں غزل لکھ کر اے ظفر
ہاتھ میں اپنے قلم کو کیوں پکڑ کر رہ گیا

جبکہ وہ خط پڑھ کے بھڑکا اور بھڑک کر رہ گیا دل خطا واروں کا دھڑکا اور دھڑک کر رہ گیا
حسرت اس مذبوح پر تیرے کہ قاتل کوئی دم زیر تیغ ناز پھڑکا اور پھڑک کر رہ گیا
پھر گیا کون آن کر در پر ترے خانہ خراب شب کو جو دروازہ کھڑکا تو کھڑک کر رہ گیا
سن کے نالہ اور جوش گریہ میرا دیکھ کر آسماں پر ابر کڑکا اور کڑک کر رہ گیا

ہر نفس اس دامن مژگاں کی جنبش سے ظفر
دل میں اک شعلہ سا بھڑکا اور بھڑک کر رہ گیا

غمزہ وہ برسر بیداد آیا مژدہ اے مرگ کہ جلاد آیا
دہن تنگ جو یاد آیا مجھے تنگ کیا کیا دل ناشاد آیا
عشق میں تیشہ آخر کے سوا کچھ ترے کام نہ فرہاد آیا
بلبلو دیکھو چمن میں اتنا نہ کرو شور کہ صیاد آیا
بول اٹھا دیکھ کے مجنوں مجھ کو یہ تو کوئی مرا استاد آیا
اڑ گئے ہوش مرے ناصح کے سامنے جب وہ پریزاد آیا
جو لکھا تھا مری پیشانی میں سو وہ پیش اے دل ناشاد آیا
نہ تو آیا مری سن کر فریاد دم لبوں پر دم فریاد آیا

دیکھ کر اس بت کافر کے ستم
اے ظفر مجھ کو خدا یاد آیا

جو دل میں تیرا شوق ابروئے خمدار ہو پیدا عجب کیا کفر کعبہ سے اگر اے یار ہو پیدا
مرے گریے سے یوں اس کا خط رخسار ہو پیدا تو اس کی خاک سے بھی نرگس بیمار ہو پیدا
محبت میں ملا ہے رتبہ منصور قمری کو نہ کیوں کر سرو گلشن میں بشکل دار ہو پیدا
اگر معجزنما آئینہ رخسار ہو تیرا زبان طوطی تصویر سے گفتار ہو پیدا
قدم رنجہ کرے مجنوں ترا گر دشت وحشت میں جہاں رکھے قدم سبزہ نہ ہو وہاں خار ہو پیدا
مثال برق حال عاشق بیتاب ہے تجھ بن کہ سو سو بار ناپیدا ہو سو سو بار ہو پیدا
بلا سے جس کی موت آئی مرض کچھ اور ہو اس کو کسی کو پر نہ یا رب عشق کا آزار ہو پیدا
ترا مشتاق یہ دل کیوں بجائے داغ سینہ میں ہمیشہ دیدہ حسرت کش دیدار ہو پیدا

ظفر کرتے نہیں اظہار ہم سوز محبت کو
وگرنہ دل سے ہر دم آہ آتشبار ہو پیدا

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا
مطلع ثانی
دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا
ترے رخ کے خیال میں کون سے دن اٹھے مجھ پہ نہ فتنہ روز جزا
تری زلف کے دھیان میں کون سی شب مرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا
ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہد نشاط یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا
کئی روز میں آج وہ مہر لقا ہوا میرے جو سامنے جلوہ نما
مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا اسے پاس حجاب و حیا نہ رہا
ترے خنجر و تیغ کی آب رواں ہوئی جبکہ سبیل ستمزدگاں
گئے کتنے ہی قافلے خشک زباں کوئی تشنہ آب بقا نہ رہا
مجھے صاف بتائے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو رو کے خون جگر
ملے پاؤں سے کس کے ہیں دیدہ تر کف پا جو رنگ حنا نہ رہا
اسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کیے لاکھ فریب کروڑ فسوں نہ رہا نہ رہا نہ رہا نہ رہا
لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا
ظفر آدمی اسکو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خدا جانے کہاں بیٹھا ہے وہ اور ہے کدھر پھرتا
مگر چشم تصور سے ہے سب پیش نظر پھرتا
تماشا دیکھتا کیا دوڑتا ہے اشک مژگاں پر
یہ لڑکا شعبدہ بازی سے ہے یکبار پر پھرتا
لکھا قسمت کا اپنی آ گیا دم اپنی آنکھوں میں
نہیں لے کر جواب نامہ اب تک نامہ بر پھرتا
جو سرگردانی اپنی ان سے کہتا ہوں تو کہتے ہیں
خدا کے واسطے چپکے رہو ہے میرا سر پھرتا
محبت جیتے جی کی ہے وگرنہ بعد مرنے کے
نہیں کوئی کسی کی قبر پر بھی آن کر پھرتا
کوئی آرام سے کیوں کر زمیں پر بیٹھنے پائے
رہے جب درپئے گردش فلک آٹھوں پہر پھرتا
جنوں نے سلطنت دی کشور صحرا کی مجنوں کو
بگولے کا ہے چتر اس کے جو سر پائے ظفر پھرتا
ہمارے آنسوؤں کا اب ہے جیسا جوش میں دریا
نہ دیکھا ہم نے پرجوش ایسا اپنے ہوش میں دریا
قسم ہے میں ہوں عین وصل میں ناکام جوں ساحل
کہ لب ہیں خشک میرے اور ہے آغوش میں دریا
رواں اشکوں کو تیرے دیکھ کر وہ مست ناخوش ہے
بھلا لگتا ہے ورنہ دیدہ مے نوش میں دریا
تپ لرزہ نہ اترے تیرے بیمار محبت کی
پسینے سے اگر بہہ جائے بالا پوش میں دریا
حباب اس کو سر گرداب مت سمجھیو کہ پہنچے ہے
مرے گریہ سے قائل ہو کے کوڑی گوش میں دریا
والا غوطہ نہ کھاتا سبزہ خط سے زنخداں میں
فریبوں کا بھرا ہے اس چہ خس پوش میں دریا
حباب اتنا ابھر جاتا ہے کیوں اک دم کی ہستی پر
الٰہی پھونک دیتا کیا ہے اس کے گوش میں دریا
چھپے یہ کشت و خوں کیونکر کہ ہے خون شہیداں سے
رواں دن رات کوئے قاتل روپوش میں دریا
لب لعلیں سے تیرے کام کیا تھا تشنہ کاموں کو
مگر دیکھا کہیں اس آتش خاموش میں دریا
سبو و خم سے کیا سیراب ہوں وہ تشنہ لب ساقی
جنہیں یہ حوصلہ پی جائیں نوشا نوش میں دریا
اگر بولوں ظفر بہہ جائے سپاری آب و دشمن کی
سخن کا بند ہے میرے لب خاموش میں دریا

دنبالہ دیکھ کر تری چشم سیاہ کا
آہو چھپانا چھوڑ دے پھر برگ کاہ کا

خورشید آسمان چہارم پہ ہے کہاں
شعلہ کوئی بلند ہوا میری آہ کا

کثرت ہے آنسوؤں کی ہجوم سپاہ غم
نالہ نہیں نشان ہے یہ اس سپاہ کا

تکنے پچنے گا وحشیوں کی طرح ناصحا
دیکھے گا گر کرشمہ اس آہو نگاہ کا

کس مہروش نے چہرہ سے برقع اٹھا دیا
منہ ہو گیا سفید فلک پہ جو ماہ کا

کرتا ہے جس کے ساتھ فلک کج ادائیاں
دیتا ہے اس کو عشق کسی کج کلاہ کا

رکھے قدم جو کوئے محبت میں اے ظفر
لازم ہے پہلے ڈھونڈھ لے رستہ نباہ کا

تو کہیں ہو یہ دل دیوانہ واں پہنچے ہی گا
شمع ہووے گی جہاں پروانہ واں پہنچے ہی گا

گرچہ تیری زلف کا کوچہ بلا تاریک ہے
پر دل صد چاک مثل شانہ واں پہنچے ہی گا

عشق کے میداں میں بے ہمت نہیں رکھتے قدم
جس کو ہو گی ہمت مردانہ واں پہنچے ہی گا

دل کو ہو میرے نہ کیوں میلان سوئے چشم یار
بادہ کش ہو گا جہاں میخانہ واں پہنچے ہی گا

ان کی محفل میں کہوں گا جب کہانی اپنی میں
سب کے کانوں تک مرا افسانہ واں پہنچے ہی گا

اے صدف کیوں منہ پسارے ہے کہ اس رزاق کو
ہے جہاں پہنچانا آب و دانہ واں پہنچے ہی گا

تجھ کو اس کے بوسہ لب کا ہے لپکا اے ظفر
لب ترا مثل لب پیمانہ واں پہنچے ہی گا

صریحا دل تو اے مژگان یار آنکھوں کے آگے تھا
لگایا کیوں نہ تیرا اپنا شکار آنکھوں کے آگے تھا

سبک رو کو نہیں کھٹکا کر گزرا صاف نظارہ
ہر اک سوئے مژہ کو مثل خار آنکھوں کے آگے تھا

دم گریہ عجب کیا گر نہ سوجھے آبرو اپنی
کہ اک پردہ مری ان اشکبار آنکھوں کے آگے تھا

بلا گرداں نہ پھرتا تھا دلا اس جعد کے پیچھے
فدا ہونا تجھے اے جاں نثار آنکھوں کے آگے تھا

خجل تھا باغ میں لالہ بھی رخ کے روبرو اس کے
گل نرگس نہ تنہا شرمسار آنکھوں کے آگے تھا

بنی چشم سیہ کا ناتواں بیمار کیا اٹھتا
اندھیرا اس کے آنا بار بار آنکھوں کے آگے تھا

دھواں سا خط نہ تھا وہ شعلہ رخسار پہ اس کے
برنگ سرمہ اک میرے غبار آنکھوں کے آگے تھا

شب مہتاب میں تو جو نظر سے ہو گیا غائب
سراسر عالم شبہائے تار آنکھوں کے آگے تھا

تصور جب تلک تھا مجھ کو اپنے رشک گلشن کا
عجب اک جلوہ باغ و بہار آنکھوں کے آگے تھا

ہوا دل خاک جل کر کس طرح سے ہے ابھی تو یہ
برنگ شعلہ کیا کیا بیقرار آنکھوں کے آگے تھا

ظفر چھل بل کہیں اس شعلہ خو کی کیا کہ برق آسا
کبھی پنہاں تھا گاہے آشکار آنکھوں کے آگے تھا

خون دل سے اشک سرخ اے دیدہ گریاں بنا
کیا تماشہ ہے کہ موتی دانہ مرجاں بنا

باندھے اشک سرمہ آلودہ نگہوں اپنی نمود
تیر مژگاں پہ ترے یہ ہمسر پیکاں بنا

کیا ترقی دمبدم کی دیکھو میرے اشک نے
قطرہ سے دریا بنا دریا سے پھر طوفاں بنا

عشق میں رکھتا ہے کب طوق گلوئے فاختہ
سرو گلشن کیا ہو اگر صورت سوہاں بنا

سینہ میرا عرصہ گاہ روز محشر ہو گیا
آفتاب حشر جب داغ دل سوزاں بنا دے

ٹھہرنے دے گا زمیں پر خاک ہم کو چین سے
جبکہ یہ گردون گرداں آپ سرگرداں بنا

چشم آہوئیوں نہ اس کو حلقہ زنجیر ہو
دشت ان آنکھوں کے وحشی کیلئے زنداں بنا

تیرہ بختی سے جو میری کچھ سیاہی بچ رہی
اے فلک تو نے دیا اس کو شب ہجراں بنا

اس کو انسان مت سمجھ ہو سرکشی جس میں ظفر
خاکساری کے لیے ہے خاک سے انساں بنا

کسی کو ہم نے یاں اپنا نہ پایا
جسے پایا اسے بیگانہ پایا

کہاں ڈھونڈا اسے کس جا نہ پایا
کوئی پر ڈھونڈنے والا نہ پایا

ہلال عید کو گردوں پہ تیرا
بجز یک نعل نقش پا نہ پایا

اڑا کر آشیاں صرصر نے میرا
کیا صاف اس قدر تنکا نہ پایا

اسے پایا نہیں آساں کہ ہم نے
نہ جب تک آپ کو کھویا نہ پایا

دوائے درد دل میں کس سے پوچھوں
طبیب عشق کو ڈھونڈا نہ پایا

گریباں کیا کہ چاک سینہ پر بھی
جنوں کے ہاتھ سے ٹانکا نہ پایا

صبا نے جس دم سیکھا ہے کس سے
چمن میں ملتے اک پتا نہ پایا

ظفر دل جانے یا ہم کون جانے
کہ پایا اس میں کیا اور کیا نہ پایا

کبھی جو خواب میں وہ شوخ پرعتاب آیا
تو پھر نہ خوف سے آنکھوں میں میری خواب آیا

جو تجھ کو دیکھ کے اے رشک آفتاب آیا
مثال آئینہ بادیدہ پر آب آیا

بجائے اشک دم آنکھوں میں آ گیا میرا
وہ میرے پوچھنے آنسو بھلا شتاب آیا

قفس میں مجھ کو نہ چین آیا پر فغاں سے مری
تمام رات نہ صیاد کو بھی خواب آیا

ہزار نخل خزاں دیدہ پر بہار آئی
نہ اپنا شیب سے پھر عالم شباب آیا

میں وہ ہوں غمزدہ عشق خاک پر جس کی
جب آیا دور سے روتا ہوا سحاب آیا

کہے ہے دیکھ کے پروانہ شمع کا شعلہ
قیامت آئی کہ نیزہ پہ آفتاب آیا

جھکی ہوئی ہے گلستاں میں آنکھ نرگس کی
ظفر وہ کون ہے جس سے اسے حجاب آیا

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا مراج تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خردمند بنایا نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاک در جانا نہ بنایا ہوتا

نشہ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دل صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن
زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے
قابل جلسہ رندانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اوور دوری ساقی سے مجھے
تو چراغ در میخانہ بنایا ہوتا

شعلہ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے
ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا تھا

روز معمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

شعلہ بلند ہوتے ہی اس رخ کی تاب کا
روشن ہوا فلک پہ چراغ آفتاب کا

ساقی کو یک نظر جو دکھائے وہ چشم مست
بدمست ہو کے پھینک دے ساغر شراب کا

رو رو کے میرا راز نہاں فاش کر دیا
خانہ خراب ہو جیو چشم پر آب کا

جو دیکھتا ہوں دیدہ بیدار ہی سے میں
قائل نہ خواب کا ہوں نہ تعبیر خواب کا

دریا پہ اپنی موج میں کس مے پرست نے
پیکر شراب اٹھا ہے ساغر شراب کا

پی جانا میرے ہاتھ سے مے اک بہانہ تھا
منظور تھا اسی کو اٹھانا حجاب کا

اعمال کا گر اپنے ظفر کیجئے حساب
ہر روز معاملہ روز حساب کا

خس و سے اشک آنکھوں میں جب مل کر گلابی ہو گیا
پھر تو رومال سفید اکثر گلابی ہو گیا

تیرے دامن سے جو ٹپکا خوں شہید ناز کا
خوب گہرا دامن محشر گلابی ہو گیا

تر پسینے میں ہوا وہ جو گلابی پوش آج
بر میں جوڑا اور زیبا تر گلابی ہو گیا

بزم میں دیکھی گلابی تو نے کس کی چشم مست
ساقیا بیہوش کیوں بھر کر گلابی ہو گیا

یاد میں اس کے گل عارض کی اشک خوں سے رات
لی جدھر کروٹ ادھر بستر گلابی ہو گیا

ہو چکی گری گلابی بادہ گلگوں سے بھر
اب تو جاڑا اے پری پیکر گلابی ہو گیا

وہ گلابی آنکھ جو یاد آئی وقت مے کشی
پھر تو میرے حق میں ہر ساغر گلابی ہو گیا

خون کا دعوی کیا جو اس گلابی پوش نے
صاف رنگ کاغذ محضر گلابی ہو گیا

باغ میں چمکا گلاب آیا جنوں پہ جوش پر
پنبہ خوں سے داغ سودا پر گلابی ہو گیا

منہ پہ تانا وقت خواب اس نے دوپٹہ تو سفید
عکس روئے لالہ گوں سے پر گلابی ہو گیا

وہ ترش ابرو ہوا جو اس کی شوخی پر ظفر
رنگ لالہ باغ میں کٹ کر گلابی ہو گیا

جوش گریہ سے نہ کچھ دامن مژگاں بھیگا ہے یہی رشک کہ آخر کو گریباں بھیگا
ہو گیا سہم کے یہ خون ترے نخچیر کا خشک تیر لاکھوں لگے پر ایک نہ پیکاں بھیگا
آب یاقوت سے گلبرگ ہوا ہے سیراب مے گلگوں سے ہے بادہ لب خنداں بھیگا
تر زبانی سے ہوا میری شہادت کا گواہ جب مرے خوں سے ترا خنجر براں بھیگا
ادباں کا ملکشاں کا بھی سرکشی چرخ میرے اشکوں سے ہمیشہ دم طوفاں بھیگا
پڑ گئی غنچے سوسن پہ وہیں باغ میں اوس خال رخ تیرا عرق سے جو مری جاں بھیگا
نہیں معلوم کہاں آج نہائی ہولی آئے ہے رنگ میں وہ رشک گلستاں بھیگا
لے کے خط نامہ بر آیا تو یہ آیا رونا آہ سر نامہ سے تا نامہ تھا یکساں بھیگا

پاک دنیا سے رہے اہل صفا دنیا میں
اے ظفر آب میں کب گوہر غلطاں بھیگا

کیا اے ناوک افگن کب دل نخچیر کا کھٹکا ترا پیکاں سدا سینہ میں میرے تیر کا کھٹکا
پکڑ سکتا ہے دامن کون وا رستہ مزاجوں کا ہوا گردشت میں کیا خار دامن گیر کا کھٹکا
ہم ان کے گھر میں چوری سے رہے پر دم نکلتا تھا در ہمسایہ پہ ہوت تھا گر زنجیر کا کھٹکا
بنایا شکل نیش ایسا خدا نے اس کی مژگاں کو کہ اک عالم کو ہے اس عالم تصویر کا کھٹکا
درختوں میں اگر کھٹکا بندھا بلبل کو کیا پروا اسے ہے باغباں پر اور کچھ تدبیر کا کھٹکا
مرے نالوں سے جگر خوں ہو رگ ہر سنگ سے جاری نہ ہو اس سنگ دل کو نشتر تاثیر کا کھٹکا
شمگر تا بمحشر دل میں محروم شہادت کے برنگ خار جوہر تری شمشیر کا کھٹکا
گریزاں مجھ سے وہ وحشی نگہ یوں ہے کہ جوں آہو رمیدہ ہووے سن کر پائے آہو گیر کا کھٹکا

کھٹک جاتی ہے ان کے دل میں ایسی بات کہتے ہو
ظفر کیوں نہ ہووے آپ کی تقریر کا کھٹکا

خلش گر ہے جو پاس ہر گل کے کانٹا کھٹکتا ہے وہ دل میں بلبل کے کانٹا
سمجھتا ہے عکس مژہ وہ نشے میں کہ ہے درمیاں ساغر مل کے کانٹا
چبھوتی ہے کافر ہر انگشت شانہ جگر میں گرفتار کاکل کے کانٹا
ادھر کو پھرے آنکھ کاش اس مژہ سے چبھے نیچے پائے تغافل کے کانٹا
پروئے جو پھول اس نے زلفوں میں اپنی ہوئے سوکھ کر پھول سنبل کے کانٹا
تجھے بھی خبر ہے کہ او غیرت گل کوئی ہو گیا غم میں گھل گھل کے کانٹا
ہوا اس قدر گرم بازار وحشت لگا بکنے کانٹے میں تل تل کے کانٹا
شتر بردباری سے ہے خار کھاتا نصیبوں میں ہے پر تحمل کے کانٹا
تن زار سے میرے وہ بچ کے نکلا کہ الجھے نہ دامن میں فرغل کے کانٹا
اک الجھاؤ کا پیچ ہے راہداری کہ ہے واسطے تختہ پل کے کانٹا
کہو چارہ سازوں سے جلدی نکالو مرے دل سے یہ غم کا مل جل کے کانٹا
اسیر قفس اڑ چلے تھے چمن میں پہ اٹھتے ہی پنجرا گرا کھل کے کانٹا

ظفر حرص کا ہووے کیونکر نہ کھٹکا
کہ رستے میں ہے یہ توکل کے کانٹا

لے سیہ بختی کہ دل زلف دوتا میں پھنس گیا
اب رہائی ہو چکی کالی بلا میں پھنس گیا

سوج نقش بوریا ہی کم نہیں زنجیر سے
زاہد گوشہ نشیں قید ریا میں پھنس گیا

ہے نشاط افزائے گلشن دیکھ کر غنچہ تجھے
اس قدر پھولا کہ تنگی سے قبا میں پھنس گیا

پھر نہ آیا پھر کے اقلیم فنا سے جو گیا
جا کے کیا جانے کہاں ملک بقا میں پھنس گیا

کچھ تو جانا اس نے اپنے غم کے پابندوں کا حال
اک ذرا چھلا جو گل انگشت پا میں پھنس گیا

نعمت دنیا ہے دنیا میں عجب دام فریب
آیا جو مہمان اس مہماں سرا میں پھنس گیا

تھا نہ قائل اس قفس کے طائر گلزار اقدس
پر خدا جانے کہ آ کر کس بلا میں پھنس گیا

ناز و غمزے کے اگر پھندے سے دل چھٹ بھی گیا
تو وہیں پھر دام انداز و ادا میں پھنس گیا

مثل قمری اس سے پوچھو گری بازار عشق
اے ظفر جس کا گلا طوق وفا میں پھنس گا

کیوں کیا رنگ اس گل کا اہا ہا ہا اہا ہا ہا
ہوا رنگیں چمن سارا اہا ہا ہا اہا ہا ہا

نمک چھڑکے ہے وہ کس کس مزے سے دل کے زخموں پر
مزے لیتا ہوں میں کیا کیا اہا ہا ہا ا ہا ہا ہا

خدا جانے حلاوت کیا بھی آب تیغ قاتل میں
لب ہر زخم ہے گویا اہا ہا ہا ا ہا ہا ہا

شرار و برق میں کیا فرق میں سمجھوں کہ دونوں میں
ہے اک شعلہ بھبھوکا سا اہا ہا ہا ا ہا ہا ہا

بلا گرداں ہوں ساقی کا کہ جام عشق سے مجھ کو
دیا گھونٹ اس نے اک ایسا اہا اہا ہا ہا اہا ہا ہا ہا

مری صورت پرستی حق پرستی ہے کہوں میں کیا
کہ اس صورت میں ہے کیا کیا اہا ہا ہا اہا ہا ہا

ظفر عالم کہوں کیا میں طبیعت کی روانی کا
کہ ہے امڈا ہوا دریا اہا ہا ہا اہا ہا ہا

وہ بگڑے ایسے کہ پھر کچھ معاملہ نہ بنا
رہی نہ جائے سخن موقع گلہ نہ بنا

چلا نہ قافلہ اشک تا کہ لخت جگر
سر مژہ مرے سردار قافلہ نہ بنا

کہیں ہیں تیرے مریدان زلف کافر کیش
کہ نے بنے گا کوئی ایسا سلسلہ نہ بنا

بلا سے گرچہ وہ ظاہر مفاصلہ سے ہیں
مگر دلوں میں خدایا مفاصلہ نہ بنا

بنائے شیشے ہزاروں ہیں شیشہ سازوں نے
پر ایک بھی مرے دل کا سا آئینہ نہ بنا

دو منزل دل و دیدہ ہیں تیرے رہنے کو
مکان اپنے لیے تو دو منزلہ نہ بنا

ہمیشہ کھائے ہے تو داغ کبک انگاری
ترا سا طائر دل اس کا حوصلہ نہ بنا

ڈرا نہ موت سے مردان عشق کو ناصح
خدا کیواسطے شیروں کو بزدل نہ بنا

جو دل لیا ہے تو عہد وفا پہ قائم رہ
ظفر سے آپ کو تو بدمعاملہ نہ بنا

تیر تیرا جس کے سینہ سے گزر کر جائے گا
آپ جائے گا گزر پہ دل میں گھر کر جائے گا

وہ مقام عیش ہے دنیا کہ یاں سے جیتے جی
کون جاتا ہے اگر مر جائے گا مر کر جائے گا

چپکے چپکے نالہ کب سینے سے جائے گا نکل
جائے گا جس وقت یہ سب کو خبر کر جائے گا

تیرا کوچہ وہ گلستاں ہے کہ جو آئے گا اس
اشک خوں سے اپنے گل دامن میں بھر کر جائے گا

امتحاں کرتی محبت کا نہ پروانے سے شمع
گر خبر ہوتی کہ خیرات اس قدر کر جائے گا

تیری ہستی پیش خیمہ ہے یہ تیرا اے حباب
اب تو کوئی دم میں یاں سے تو سفر کر جائے گا

کر گیا گر اک تبسم باغ میں آ کر وہ گل
دیکھنا غنچے کا سو ٹکڑے جگر کر جائے گا

ہے زیادہ دمبدم بحر محبت کا چڑھاؤ
پار کیوں کر دیکھئے یہ دل اتر کر جائے گا

جذبہ دل کھینچ ہی لائے گا اس خود کام کو
کام اپنا ایک دن یہ اے ظفر کر جائے گا

کوئی زخمی جو اس کے تیر مژگاں کا ہوا ہو گا
جیا ہو گا نہ وہ نہ زخم دل اچھا ہوا ہو گا

ترا جو اے ستمگر عاشق شیدا ہوا ہو گا
اسی سے کوئی پوچھو حال اس کا کیا ہوا ہو گا

چلے ہیں حضرت ناصح ترے عاشق کو سمجھانے
خدا جانے وہ اپنے کلیں کیا سمجھا ہو گا

نشے میں دے کیا بہکا ہوا جو گالیاں مجھ کو
کسی کا آج مست ناز بہکایا ہوا ہو گا

تری زلفوں کو چھیڑا ہو گا جس شامت کے مارے نے
یقیں ہے اے بت کافر اسے سودا ہوا ہو گا

ہوئے گر صاحب تدبیر و خوش تحریر کیا حاصل
وہ پیش آئے گا پیشانی پہ جو لکھا ہوا ہو گا

گیا ہو گا جو سوئے کشتگان ناز وہ قاتل
تو کیا ہنگامہ محشر وہاں برپا ہوا ہو گا

بھر آیا ہو گا جس کا دل تری جوش محبت سے
مقرر اس کی چشموں سے رواں دریا ہوا ہو گا

ظفر سب جاگتے تھے شب کو اس کے گھر میں کیا باعث
ترے آنے کا چوری سے مگر کھٹکا ہوا ہو گا

داغ کیا دل کو اے نگار لگا   عشق کے گھر پہ اشتہار لگا

اپنا جوڑا دکھا دکھا کر تو   دل پہ کے نہ بار بار لگا

تیرے ہاتھوں سے اے جنوں نہ رہا   جیب و دامن میں ایک تار لگا

جو ہوا تیرا کشتہ قامت   سرو اس کے سر مزار لگا

ہم کو سیراب کر شہادت سے   قاتل اک تیغ آب دار لگا

کچھ اٹھائی ہے عشق نے آفت   پھر جو دل ہونے بے قرار لگا

دل پہ عاشق کے ایک تیر لگا   آنکھیں ہوتے ہی جب دو چار لگا

خوش ہوا دل میں وہ شکار افگن   کر مرے ہاتھ اک شکار لگا

اے ظفر کب سنے ہے وہ میری
اس کو باتوں میں تو ہزار لگا

اس دلربا سے کیجئے گلہ دلبری کا کیا ہو دل ہی بر خلاف تو شکوہ کسی کا کیا

جب تک کہ تو نہ ہو گا نمک پاش ہر خراش پائے گا کوئی خستہ مزا خستگی کا کیا

اے وقتِ دوست کس کا ہوا تو ہمیشہ دوست ہو اعتبار ہم کو تری دوستی کا کیا

آئے ہے لب پہ حرف کئی جائے لیکے دم احوال مجھ سے پوچھے ہے بیطاقتی کا کیا

اس سوچ میں ہے یہ دل بیکس کو دیکھیے ہو بعد مرگ حال مری بیکسی کا کیا

کہتا ہے مجھ سے پھر دل بیتاب چل وہیں کیا جانے مدعا ہے اب اس مدعی کا کیا

یک میں نہیں ہے دیدہ بینا کوئی ظفر
وحدت میں اس کی دخل ہے ورنہ دوئی کا کیا

دے دیا دل اور نہیں یہ یاد وہ کس کو دیا عشق کو کھودے خدا اس نے جہاں سے کھو دیا

تیر اس ناوک فگن نے جب لیا دل سے نکال زخم دل نے چارہ گر ناچار ہو کر رو دیا

خواہ وہ داغ جنوں ہے خواہ کوئی اشک خوں ہم نے سر آنکھوں پہ رکھا عشق تو نے جو دیا

عرصہ یک دم پہ دریا میں ابھرت ہے حباب ہستی موہوم نے کیا اس کو دم دیکھو دیا

دیکھتا رنگ محبت کیا دکھاتا ہے بہار تختہ دامن پہ اشک خوں نے لالہ بو دیا

میرے گریے نے نہ دھویا دل کا میرے ایک داغ اور دل سے یار کے حرف محبت دھو دیا

چاہے دل داری کرے چاہے دل آزاری کرے
اے ظفر اس دلربا کو ہم نے دل اب تو دیا

نیچے آنکھوں کے ترا جوڑا جو دھانی پھر گیا کشت سبز چرخ پہ گریہ سے پانی پھیر گیا

دل نہ پھرتا تجھ سے گر ہوتی تجھے الفت کی قدر اے ستمگر باعث ناقدر دانی پھر گیا

کیجئے کیا اعتبار اس کا جو اپنے قول سے دے کے چھلا قول کا ہم کو نشانی پھر گیا

اس پہ بھی گر دم نہ نکلے تو بتا پھر کیا کروں حلق پر خنجر تلک اے سخت جانی پھیر گیا

حال دل اس سے جو کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ چپ سر مرا بس سنتے سنتے یہ کہانی پھر گیا

کتنے دور اس بزم رنگیں میں پھریں یاں لاکھ بار ساقیا جام شراب ارغوانی پھر گیا

جانب قبلہ جو پھر اکور میں عاشق کا منہ تیرے کوچے کی طرف اے یار جانی پھر گیا

نام دل کا قلب ہے اور کہتے ہیں پھرنے کو قلب دل کا کیا پھرنا جب آئی بدگمانی پھر گیا

خط اسے دے کر ابھی آیا تھا قاصد اے ظفر
آفریں ہے لے کے پیغام زبانی پھر گیا

بحر کوزے میں کہاں ہے ہمدم سمٹ کر آ گیا
ظرف دل میں پر محیط غم سمٹ کر آ گیا

تنگ تھا وسعت سے جس کے عرصہ ارض و سما
جی میں کیونکر اے دل آدم سمٹ کر آ گیا

شوق نظارہ اسے کہتے ہیں تیرے آتے ہی
چشم میں سینہ سے میرا دم سمٹ کر آ گیا

زلف کے حلقے میں رخ ہے یا بغل میں رات ہے
سارا نور نیر اعظم سمٹ کر آ گیا

تھا دل صد چاک میں شانہ کے تو ہر خاک تنگ
کیونکہ تار گیسوئے پر خم سمٹ کر آ گیا

کان میں اس کے گہر یا چشمہ خوبی کا آب
ہے برنگ قطرہ شبنم سمٹ کر آ گیا

کشتی دل غرقہ دریائے وحدت جو ہوئی
اک بھنور میں سارا آب یم سمٹ کر آ گیا

دامن صحرائے دل میں گرد باد نالہ سے
اک غبار خاطر عالم سمٹ کر آ گیا

اے ظفر دار قناعت کا ہے صحن اتنا وسیع
جس کے اک کونے میں ملک جم سمٹ کر آ گیا

ہم نے شبدیز قلم کو اپنے جب جولاں کیا
ملک معنی کا قلمرو یک قلم میداں کیا

جوں شرار سنگ ہم کو عشق کی گرمی نے آہ
دفعتہ پیدا کیا پھر دفعتہ پنہاں کیا

دیکھ غافل صانع قدرت کی تو صنعت گری
ایک مشت خاک کو کیا صورت انساں کیا

بار عصیاں لے چلے دنیا سے رکھ کے سر پہ ہم
کیا کہیں اپنے سفر کا ہم نے کیا ساماں کیا

وصف کس کے عارض روشن کا لکھا جائے گا
صفحہ اپنا چرخ نے جو شب کو یوں افشاں کیا

مل گئی ہیں خاک میں کیا جانے کیا کیا صورتیں
چشم نقش پا کو چل کے حسن نے حیراں کیا

اپنی غفلت پر ظفر جائے تاسف ہے کہ آہ
ہم نے سب کچھ جان کر جو آپ کو ناداں کیا

نہیں کھلتا ہے عقدہ اس کی زلف عنبر و افشاں کا
کہ ہے یہ شاخ سنبل یا بنفشہ صحن بستاں کا

دیار ہند ہے یا کشور زنگ و ختن ہے یا
کوئی آتش پرستوں میں ہے یا حافظ ہے قرآں کا

کوئی دام بلا ہے یا ہے قلاب کمند دل
کوئی ہے حلقہ زنجیر ماہی قفل زنداں کا

سیہ کاروں کا ہے یہ نامہ اعمال پیچیدہ
کہ ہے یہ طالع واژوں کسی مجھ سے پریشاں کا

کوئی ہے لام نستعلیق یا خط چلیپا ہے
کوئی شاخ شکستہ یا چمن ہے عشق پیچاں کا

کوئی شرح مطول ہے کہ ہے واللیل کا سورہ
کوئی یا مصرع دلکش ہے آشفتہ کے دیواں کا

پر زاغ سیہ ہے یا وبال جان عاشق ہے
کوئی ہے سلسلہ یا خاندان عشق خوباں کا

یہ موج بحر زینت ہے کہ مار گنج خوبی ہے
کوئی یا تازیانہ ہے سمند ناز جاناں کا

شب تیرہ ہے یہ یا اے ظفر شام غریباں ہے
گھٹا ہے یا دھواں یا شعلہ ہے شمع شبستاں کا

کرے ہے ذکر اس کے روبرو بلبل اگر گل کا	تو وہ منہ پھیر کر سنتا ہے پھر قصہ اگر گل کا
لگاتی ہچو بلبل سوزن منقار سے ٹانکے	خدا جانے کیا ہے کس نے سو ٹکڑے جگر گل کا
عدم کو گلشن ہستی سے ہنستے ہنستے جائے گا	کہ جوش خندہ گل ہی ہے اسباب سفر گل کا
ہزاروں کھا کے گل ہم نے بنایا ہاتھ گلدستہ	ہمارے دست گل پر عجب عالم ہے ہر گل کا
ترے دست حنائی سے جو کی تھی ہمسری اس نے	دھرا انگارہ اس خاطر سے دست شاخ پر گل کا
فغاں عاشق کی سننا حق میں ہے معشوق کے بہتر	دماغ اب نالہ بلبل سے ہو کیونکر نہ تر گل کا

ظفر باد صبا بھی ایک بادی چور ہے دیکھا
اڑا کر لے گئی کیسا چمن سے گنج زر گل کا

جب ترے بیمار کی گردن کا منکا ڈھل گیا	ہم دموں کی آنکھ میں نقشہ کفن کا ڈھل گیا
جان شیریں دیتے ہیں لاکھوں مثال کوہکن	گرچہ جوبن اس بت شیریں دہن کا ڈھل گیا
شام بھی پکڑی تو پھر کیونکر کٹے گی غم کی رات	دن تو یہ ہر طرح سے رنج و محن کا ڈھل گیا
شمع کا کیا منہ ہے جو اس قد سے ہمسر ہو سکے	صاف سانچے میں بدن اس سیمتن کا ڈھل گیا
جائے تحسیں ہے سراپا اس غزل میں اے ظفر	واہ وا کیا خوب مضمون ہے سخن کا ڈھل گیا

خط رخ پہ تیرے آئے نظر گلبدن لگا	ہو کیوں نہ شور دن دیے مہ کو گہن لگا
گلشن میں اس کے جلوہ قامت کے سامنے	مانند بید کانپنے سرو چمن لگا
کروٹ بدل کے سونے سے کیا خاک ہے مزا	سینے سے سینہ اور بدن سے بدن لگا
گرنے سے تھم گیا یہ فلک میری آہ سے	دیکھو تو کیا ستون تہ سقف کہن لگا
پھولا برنگ گل نہ سمایا میں آپ میں	آ کر مرے گلے جو وہ گل پیرہن لگا
کیوں کر نہ اپنا زور بھی ہو کر اب ترا	قسمت سے ہاتھ بوسہ سیب ذقن لگا

طرز سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے
اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا

ہے پسینے میں کہاں وہ خال لب ڈوبا ہوا
نیلوفر کا پھول ہے پانی میں سب ڈوبا ہوا

آئینہ کیا دیکھ تجکو آب خجلت میں ہے غرق
اپنی نظروں میں تو ہے کلک طلب ڈوبا ہوا

گردش چشم بتاں سے کیا ہو دل کو مخلصی
حلقہ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا

دل سے کب بھولے ہے میرے تیرے زلف و رخ کی تاب
دھیان میں رہتا ہوں ان کے روز و شب ڈوبا ہوا

پنجہ خورشید ہے یارو شفق آلود آج!
دست قاتل یہ نہیں ہے خون میں اب ڈوبا ہوا

خار سا کھٹکے ہے دل میں اس کے مژگاں کا خیال
ہے رگ جاں میں یہ نشتر کیا غضب ڈوبا ہوا

جب تہ دل سے کہا یک بار گی یا بو تراب
بحر عصیاں سے ظفر نکلے ہے تب ڈوبا ہوا

کیا کہوں کیونکہ ترے کوچے میں ہو کر آیا
تجکو پایا جو نہیں خوب میں رو کر آیا

اس میبازی کبھی چوسر کی جو کھیلا کوئی
ماچہ زندگی اپنی سبھی کھو کر آیا

آیا مژگاں پہ میرے جیب پہ سو بار سرشک
پر غبار اس کے تہ دل سے کبھی یہ دھو کر آیا

جس سے تو نے بہت خونخوار لڑائیں آنکھیں
تیغ مژگاں سے اسے اپنے تو دو کر آیا

پوچھ خاموشی کو مت میری تو اے غنچہ دہن
دل مرا جانتا ہے مجھ سے جو تو کر آیا

دیدہ تر کا مرے نام نہ لے تو اے دل
کام کو اپنے تو ہے آپ ڈبو کر آیا

پیرہن سے ترے بو آتی ہے خوشبو کی ظفر
ساتھ تو کون سے گلرو کے ہے سو کر آیا

تو آ اس دم کہ ہے وقت سحر اے گلبدن ٹھنڈا
زمیں ٹھنڈی ہوا ٹھنڈی مکاں ٹھنڈا چمن ٹھنڈا

خدا جانے سحر کس کی گلی سے یہ ہوا آئی!
حباب آ سا جو میرا ہو گیا ہے پیرہن ٹھنڈا

برنگ کاسہ یخ بستہ آہ سرد سے میرے
ہوا شب کو مہ کامل سر چرخ کہن ٹھنڈا

جو وہ خورشید رو بھی محفل آرا رات کو ہوگا
تو پھر ہو جائے گا بازار شمع انجمن ٹھنڈا

سحر گر بام پر دیکھے اکڑنا میرے مہ رو کا
وہیں ہو چرخ کج رفتار کا پھر بانکپن ٹھنڈا

حرارت اس قدر سوز محبت کی ہے سینے میں
نہ ہو گا بعد مردن بھی بدن زیر کفن ٹھنڈا

تو مت منہ موڑ اب مجھ کو لگا لے اپنے سینے سے
کہ میرا سینہ سوزاں ہوا اے غنچہ دہن ٹھنڈا

مریض عشق کی تیرے بیاں کیا کیجئے حالت
کہ بس پتھرا گئیں آنکھیں ہوا یکسر بدن ٹھنڈا

ہوا کیوں ایک شب کے واسطے پروانہ سے سرکش
سحر ہو جائے گا اے شعلہ شمع لگن ٹھنڈا

مرا دل تشنہ ہے زلف عرق آلودہ سے کہہ دو
پلا دے اس کو پانی تو سر چاہ ذقن ٹھنڈا

برنگ شمع ہنس ہنس کر وہ آتش خو جلاتا ہے
شتاب اے دیدہ پر آب کر میرا بدن ٹھنڈا

سدا دل شعلہ افروز آتش ہجراں سے رہتا ہے
نہیں ہوتا ہے یہ کمبخت کبھی اے جان من ٹھنڈا

چلے ہیں رات کو چوری سے ہم اس ماہ کے گھر میں
چراغ ماہ کو کر دے تو اے چرخ کہن ٹھنڈا

ظفر لکھوں غزل وہ اور تبدیل قوافی میں
کہ تا ہو جائے اب بازار ارباب سخن ٹھنڈا

ہماری آہ سے کب داغ سینے کا ہوا ٹھنڈا
چراغ گل نہیں ہوتا صبا سے بھی دلا ٹھنڈا

عرق آلودہ میرے بر سے شب لپٹا جو رشک مہ
داغ سینہ جو تھا سوزاں وہ یکسر ہو گیا ٹھنڈا

پیوں کیونکر نہ آنسو دل میں گرمی سے محبت کی
کہ پانی موسم گرما میں دیتا ہے مزا ٹھنڈا

تپ ہجراں سے آتش پھنک رہی ہے میرے سینے میں
گلے سے تو جو لگ جاوے تو دل ہو مہ لقا ٹھنڈا

رہے تر کیوں نہ اشکوں سے ہماری یک قلم مژگاں
کہ خس خانہ رہے ہے آب سے اے دلربا ٹھنڈا

ہمیشہ عشق میں لالہ رخاں کے داغ کھاتا ہوں
ہزار افسوس دنیا میں نہ دل میرا رہا ٹھنڈا

بدل کر قافیہ لکھ تو ظفر اک گرم وہ مطلع
کہ جس کے روبرو اب شعر ہووے اور کا ٹھنڈا

نہ کیوں کر چشم کو میرے کرے اب اشک تر ٹھنڈا
کہ وہ آ کر رہے گا چاہیے ہے خوب گھر ٹھنڈا

صبا شبنم کو رونے دے زیادہ دیر اب مت کر
جنازہ لے ہی چل بلبل کا ہے وقت سحر ٹھنڈا

جو اس کے ہجر میں گزری ہے حالت کیا کہوں یارو
خوشی سے یہ پڑا رہتا ہے دل دو دو پہر ٹھنڈا

اگر اے رشک مہ تو خانہ دل میں رہے آ کر
فقط سینہ ہو کیا ٹھنڈا کہ ہو جائے جگر ٹھنڈا

ہمارے اشک کے قطرہ میں ہر دم ایسی سردی ہے
کہ جیسے برف کا ہوتا ہے کوزہ سر بسر ٹھنڈا

گرے جو اشک مژگاں سے مرے تن سے لگا لے تو
کہ خس کا عطر ہوتا ہے سنا رشک قمر ٹھنڈا

ظفر کس شعلہ رو نے تیرے نامہ کے کیے پرزے
چلا آتا ہے دم بھرتا ہوا جو نامہ بر ٹھنڈا

مکان دل جو مرا عمدہ تر بنایا تھا
خدا نے آپ سے وہ اپنا گھر بنایا تھا

کل اس نے کی جو علم دل پہ میرے تیغ نگاہ
تو میں نے داغ جگر کو سپر بنایا تھا

رہا جو عشق میں لب خشک چشم تر میرے
خدا نے مجھ کو شبیہ بحر و بر بنایا تھا

کہے تھی شب یہ گلگیر شمع رو رو کر
وہاں سر پہ مرے تاج زر بنایا تھا

مجھے تو بوسہ نہ دے تا ہو تلخ کامی دور
اسی لیے تو تجھے لب شکر بنایا تھا

اسی نے مجھ کو بنایا برنگ مو لاغر
کہ جس نے تجھ کو میاں مو کمر بنایا تھا

بدل کے قافیہ لکھ اور بھی غزل کوئی
قلم اسی لیے تو نے ظفر بنایا تھا

خدا نے جبکہ جمال بتاں بنایا تھا
مژہ کو تیر بھووں کو کماں بنایا تھا

ہنسے ہے دیکھ کے محفل میں وہ بت بیدرد
الٰہی کیوں مجھے گریہ کناں بنایا تھا

نہ رکھیو روزن سینہ کو بند اے جراح
اندھیرے گھر کا اسے ناوداں بنایا تھا

گیا تھا سیر کو گلشن میں کون سا گل رو
صبا نے غنچۂ گل عطر داں بنایا تھا

رہا نہ آ کے وہ ایوان چشم میں میری
مژہ سے میں نے عبث و سائباں بنایا تھا

مثال نقش قدم بیٹھ کر اٹھوں کیوں کر
ازل سے حق نے مجھے ناتواں بنایا تھا

ملی نہ بحر میں ہستی کے ایک دم فرصت
حباب وار عبث یہ مکاں بنایا تھا

غزل اک اور قوافی بدل کے پڑھئے ظفر
اسی لیے تو تمہیں خوش زباں بنایا تھا

خدا نے جبکہ تجھے مہ جبیں بنایا تھا
تو خط سے رخ مہ ہالہ نشیں بنایا تھا

دو چار کیا ترے جھمکوں سے شب ہوئی پرویں
فلک نے ان کا انھیں خوشہ چیں بنایا تھا

جلایا آتش ہجراں سے کیوں مجھے یا رب
اگرچہ شمع شبستاں نہیں بنایا تھا

بہار تو نے نہ دیکھی کہ ہم نے اشکوں سے
مژہ کو شاخ گل و یاسمیں بنایا تھا

برنگ غنچہ رہوں سر بجیب میں کب تک
الٰہی کیوں مجھے اندوہ گیں بنایا تھا

ظفر نہ کیونکہ ہو دل سے غلام قطب الدین
ازل سے معتقد فخر دیں بنایا تھا

پیچ اس زلف کا تھا شب جو قفس سے لپٹا
بوسہ لیتے ہی میرے سانپ دہن سے لپٹا

یاد کر اس قد موزوں کو چمن میں ساقی
کثرت نشہ سے میں سرو چمن سے لپٹا

لب پاں خوردہ میں اس کے نہیں یہ رنگ مسی
ہے دھواں آتش یا قوت یمن سے لپٹا

شمع ساں عشق میں اس بت کے ہر اک تار سرشک
شکل زنار رہا تیرے بدن سے لپٹا

بے کلی دل کو ہوئی اور بھی کھلتے ہی آنکھ

تیرے دل سوختہ کو پیرہن خاک ہوا

بے سبب رنگ فلک کا نہیں کالا دیکھو

بے کلی دل کو ہوئی اور بھی کھلتے ہی آنکھ
شب جو میں خواب میں اس رشک چمن سے لپٹا

تیرے دل سوختہ کو پیرہن خاک سوا !
نہ تو لپٹا تھا کفن ، نے وہ کفن سے لپٹا

بے سبب رنگ فلک کا نہیں کالا دیکھو
ہے مرادود دل اس سقف کہن سے لپٹا

رنگ ہے رنگ حنا کو ترے پاؤں سے یار
جا کے لپٹا ہے تو چوری ہی کے فن سے لپٹا

حلقہ چوڑی کا ترے ہاتھ میں بے وجہ نہیں
سانپ رہتا ہے سدا شاخ سمن سے لپٹا

سب پہ روشن ہے کہ عاشق دلسوز اس کا
کیوں نہ پروانہ ، رہے شمع لگن سے لپٹا

دیکھ روتے جو مجھے آیا ظفر رحم اسے ،
ہنس کے وہ میرے گلے زور پھبن سے لپٹا

اشک کو ٹک دیکھ اے دیدہ تر چھپا
جو بری بازار میں مت تو یہ گوہر چھپا

دست مژگاں پر نہ رکھ اے چشم یوں لخت جگر
ہیں گے گل لالہ کے یہ ان کے چھڑک کر چھپا

آہ ہوتی ہے لگن آخر و بال سد یہاں
عشق پروانہ سے سیکھے شمع سے سر چھپا

گردش چشم اپنی مت دکھلا چمن میں صبحدم
بھول جائے گی یہ نرگس ساغر زر چھپا

عشق کے بازار میں کہتا ہوں تجھ کو اے ظفر
شیشہ دل کو مے الفت سے بھر کر چھپا

لگے ہے سیر گلشن میں دل اے غنچہ دہن کس کا
ترے فرقت کے مارے کو روشن کس کی چمن کس کا

مری وحشت سے ہمسر ہو سکے دیوانہ پن کس کا
بہ رنگ گل ہے سینہ چاک مثل پیرہن کس کا

سراپا آتش الفت سے مثل شمع جلتا ہوں
نہیں پروا یہ عاشق کو کہ جلتا ہے بدن کس کا

خطا ہے گر نہ اس کو ناقص مشک ختن کہیے
خدا جانے نظر میں کھب رہا ہے بانکپن کس کا

تصور میں ہمیشہ جس کے اپنے دم سے لڑتا ہوں
شرر انگیز ہے ناکہ ہجوم سو ختن کس کا

زمیں سے تا فلک برپا جو اک طوفان آتش ہے
یہ منزل آمد و شد کی ہے اس میں ہے وطن کس کا

مسافر خانہ دنیا میں جو آیا ، ہوا راہی !
زبان تیشہ پر مذکور ہو جز کوہ کن کس کا

عزیز و جان شیریں دی ہے کس نے عشق شیریں میں
لب زخم جگر ہنستا ہے اب زیر کفن کس کا

مہ تو غرق ہے خون شفق میں دیکھ خجلت سے

ظفر اس کے لب رنگیں سے ہم تو کام رکھتے ہیں
کہاں کا لعل رمانی ہے یا قوت یمن کس کا

بیاں کیجے اگر احوال اپنی شام غربت کا
گریباں تا بداماں چاک ہو صبح قیامت کا

نہیں چھٹتا ہے داغ معصیت اشک ندامت سے
برائے شست مشو ہوں منتظر باران رحمت کا

برنگ شاخ گل اب بار سے پھول کے لچکے ہے
کروں عالم بیان میں اس کمر کی کیا نزاکت کا

نہیں کچھ مرقد عاشق پہ حاجت شمع گریاں کی
چراغ چشم آہو ہے دیا مجنوں کی تربت کا

مرقع کو جہاں کے خوب میں نے غور سے دیکھا
نظر آیا کوئی نقشہ نہ ہرگز تیری صورت کا

دکھاؤ تم ابرو کہ تا ہم سرخرو ہو ویں
دل اپنا ہے سدا مشتاق محراب عبادت کا

ظفر تشبیہ دوں کیونکر اسے سرو گلستاں سے
کہ اس کا جلوہ قامت نمونہ ہے قیامت کا

ساقی نے جو ساغر مجھے دکھلا کے پلایا
خون لالہ صفت جام میں لالا کے پلایا

کچھ پوچھو نہ بات اس بت بے رحم کی مجھ سے
شربت بھی دم نزع نہ تک آ کے پلایا

میں صدقے اس انداز کے کل بزم میں اس نے
جام مے گلگوں مجھے ڈھلکا کے پلایا

ہر ترس یہاں تک ہے، وہ خونخوار کہ جس نے
آب دم شمشیر بھی ترسا کے پلایا

میں کیوں نہ پیوں خون دل اپنا کہ کسی نے
پھر ساغر مے اور کو واں جا کے پلایا

گھر اس کے گیا آج جو میں چارہ کا مارا
پانی بھی نہ اک دم مجھے بٹھلا کے پلایا

دل کیوں نہ کباب آتش حسرت سے ظفر ہو
کل ساغر مے اور کو بلوا کے پلایا

جس کا دل شیفتۂ زلف گرہ گیر ہوا
وہ گرفتار بلا پائے بہ زنجیر ہوا

اس کمال وار کے ہاتھوں نہ کیوں ہوں قرباں
جو لگا تیر جگر میں سو وہ تصویر ہوا

جلوہ فرمانہ ہوا بام پہ وہ رشک قمر
کیا اثر خاک ترا نالۂ شب گیر ہوا

اس قدر بحر جہاں میں نہ ابھرا تھا حباب
دم میں برباد ترا نقش تعمیر ہوا

تکمہ لعل یہ اے شوخ نہیں زیب گلو
کسی بے جرم کا خون تیرے گلو گیر ہوا

چلیں ابرو نے ترے قتل کیا ایک جہاں
آج ظاہر یہ ترا جوہر شمشیر ہوا

اٹھ گیا منہ سے نقاب آج یہ کس کے کہ صبا
اڑا رنگ رخ گل باغ میں تغیر ہوا

کیمیا ڈھونڈتے پھرتے ہیں ظفر اہل ہوس
دل گداز اپنا کیا جس نے وہ اکسیر ہوا

زخم چھپاتا ہے پھنس پھنس کر دل بے تاب کا
کس نے یہ مرہم لگایا اس پہ ہے تیزاب کا

زلف تیری سر بسر ہے موجۂ دریائے حسن
کان میں بالا نہیں حلقہ ہے یہ گرداب کا

تو نے مہتابی پہ چمکایا جو اپنے حسن کو
رنگ پھیکا آسماں پر ہو گیا مہتاب کا

شاخ ہے لیکن نہیں گل اس میں ساقی جلوہ گر
گر نہ ہووے ہاتھ میں ساغر شراب ناب کا

تیرے شعر تر میں ہے وہ آبداری اے ظفر
اس سے روکش ہو سکے کیا منہ دُرِ خوش آب کا

رخ تاباں جو تہ زلف گرہ گیر رہا
کفر و اسلام شب و روز بغل گیر رہا

حلقۂ زلف بہم دیکھ کے اس ابرو سے
موج دریا سے بھنور روز گلو گیر رہا

ہو چکی فصل بہار اور ترا دیوانہ
حیف صد حیف کہ وابستۂ زنجیر رہا

ناوک اندازی مژگاں کو تری دیکھ کے آج
دل کی چھاتی پہ ہے ظالم ہدف تیر رہا

خاک پا یار کی میری ہے مہوس اکسیر
تو مرا مس یہ عبث درپے اکسیر رہا

کام مسجد سے رہا اور نہ غرض کعبہ سے
جب تلک مجھ کو خیال بے پیر رہا

کوچۂ یار میں ہنگام شہادت طلبی
دم سے ہمدم مرے دم شمشیر رہا

دل تو کیا چیز ہے تڑپا کہ اثر اس میں نہ ہو
تا فلک نالہ مرا صاحب تاثیر رہا

رستم ہند تجھے کیوں نہ کہے اک عالم
اے ظفر تیرا سخن سب میں جہانگیر رہا

موئے مژگاں اشک میں کیا چشم تر پیدا ہوا
بال یہ دُر نجف میں سر بسر پیدا ہوا

پھونک دوں گا دامن چرخ کہن کو میں ابھی
نالۂ سوزاں میرے دل سے اگر پیدا ہوا

دور دامن کیوں دکھایا تو نے اے رشک پری
پھر نئے سر سے مجھے دوران سر پیدا ہوا

یاں تلک روئے جدائی میں ترے دن رات ہم
اشک کی جا چشم سے لخت جگر پیدا ہوا

بے قراری سے مری کس نے کیا واقف اسے
کوئی تو غمّاز اے یارو مگر پیدا ہوا

شمع محفل نے کہا رو رو کے شب گل گیر سے
کیا وبال سر مرا یہ تاج زر پیدا ہوا

جان شیریں اپنی دے کر کوہکن جاتا رہا
جبکہ ملک عشق میں تو اے ظفر پیدا ہوا

وہ لعل لب ہی نہ برگ گلاب سا چمکا
کہ اس کا رخ بھی آفتاب سا چمکا

کہیں تو ذرے میں وہ آفتاب سا چمکا
کسی کے شیشۂ دل میں شراب سا چمکا

فلک کے منہ لگیں شب ہوائیاں اڑنے
مرا جو نالہ پہ تیر شہاب سا چمکا

نکل کے زلف سے جا اس کے طاق ابرو پر
یہ دل بھی شیشۂ صہبائے ناب سا چمکا

وفور گریہ سے ہر موج آتشیں پر آہ
ہلال چرخ پہ بن کر رکاب سا چمکا

خرام دیکھ کے شبرنگ ناز کا تیرے
ہلال چرخ پہ بن کر رکاب سا چمکا

صنم خدا کی قسم قشقہ جبیں تیرا
نظر میں خلق کی لوح کتاب سا چمکا

ہزاروں روپ دکھاتا ہ قطرہ سیماب
دلے نہ اس دل پہ اضطراب سا چمکا

ظفر کلام میں تیرے عجب صفائی ہے
کہ ہر سخن ترا دُر خوش آب سا چمکا

تم کمر بند اب نہ بالائے کمر باندھو کڑا پڑ سکے ہیں تیغ رکھ بند سپر باندھو کڑا
میں کھلیں کلیاں نکلے فصل گل آئی ہے آہ دیکھ صیاد و نہ تم بلبل کا پر باندھو کڑا
جائیں گے مرہم نہ جڑا جو تم اب مرہم لگاؤ اس مرے زخم جگر کو کھول کر باندھو کڑا

ہاتھ آئے ہیں عدو اب تو تمہارے آج سب
پشت پر دست ان کا اب تم اے ظفر باندھو کڑا

بہار گریے سے میرے اس قدر سیلاب پانی کا نظر آنے لگا جو بلبلا مہتاب پانی کا
ترے کیا ہجر میں روئے کہ ہم اب آپ حیراں ہیں یہ دور آنکھیں یا رب ہے یا گرداب پانی کا
عجب کیا ہے جو اپنا پارہ دل چشم میں ٹھہرے جو سچ ہے عاشق ہووے ہے سرخاب پانی کا
تمہارے آب خنجر نے کیا سیراب اب بارے نہایت تشنہ تھا مرغ دل بیتاب پانی کا
فراق یار میں کھینچے سیل اشک کی دولت گیا ہے چشمہ بن یہ دیدۂ بے خواب پانی کا

ظفر یہ دیدہ پر آب اپنا کوئے جاناں میں
رہا یوں جس طرح سے باغ میں تالاب پانی کا

اشک خونیں سے مرت جبکہ بہت سر کھینچا دیدہ تر نے اسے وار مژہ پر کھینچا
گھر پہ مانند کماں وہ بت بد کیش پھرا پر مرے دل کی کشش نے اسے اکثر کھینچا
نقش ہے موتیوں کے ہار کا سینے پہ تمام رات تھا کس نے بغل میں تجھے دلبر کھینچا
رو برو کس قدر نازک کے چمن میں لچکی تو نے خمیازہ جو شاخ گل اہر کھینچا

باغ دنیا میں ظفر سن کے فغاں کو میری
نالہ مرغان چمن نے نہ برابر کھینچا

طائر دل کو اسیر اے بت خود کام بنا   خال کو دانہ بنا زلف کو دام بنا

منتظر جلوہ دیوار کے ہم ہیں تیرے   اپنی بیٹھک تو کوئی یار لب بام بنا

شب رہا تھا کہیں ہے چشم جو مخمور تری   باتیں جھوٹی نہ بس اب ہم سے گل اندام بنا

تیرہ بختوں کا ترے دیکھ بگڑ جائے گا کھیل   دیکھ چہرے پہ نہ تو زلف سیہ فام بنا

اے ظفر فخر دو عالم کے تصدق سے ترا
حسب دل خواہ زمانے میں رہے کام بنا

جبکہ باتوں میں وہ مجھ سے بہت مغرور کھلا   میرا دل ایسا کھلا جوں در معمور کھلا

حق کے کہنے سے سردار جو کھینچا تم کو !   عشق کا بھید ہمیں حضرت منصور کھلا

نام ناسور کا ہم جانتے ہرگز بھی نہ تھے   گریہ چشم سے بس پردہ ناسور کھلا

باغ میں غنچہ نکل جیسے کوئی کھلتا ہے '   اس روش سے لب زخم دل رنجور کھلا

بوسہ جب اس سے طلب میں نے کیا یوں بولا   کل کی باتوں پہ تو پھر آج بدستور کھلا

اسی باعث سے نہ آیا تھا میں تیرے گھر میں   ہائے آنے کا مرے باتوں میں مذکور کھلا

فضل یزداں سے بس اب دیکھ ظفر تیرے لیے
ایک دو روز میں گنج زر تیمور کھلا !

دلا اس زلف کے کوچے میں گر جانا بھی ہووے گا   بہت مت چھیڑنا شب واں سے پھر آنا بھی ہوویگا

دل پر خوں سے کیونکر چشم میں ہم خون نہ بھر لاویں   جو شیشہ ہوگا مے ہوگی تو پیمانہ بھی ہووے گا

تڑپتا ہوں پڑا میں بستر غم پر یہ کہہ کہہ کر   خدا وندا کبھی اس کا یہاں آنا بھی ہووے گا

جو لائے تھے انہیں مجھ پاس وہ اٹھے تو یوں بولے   ابھی جاؤ نہ گھر تک مجھ کو پہنچانا بھی ہووے گا

ظفر اس سے جدا ہو یہ نہیں ہے ممکن اے یارو
جہاں ہوگا وہ شمع بزم پروانہ بھی ہووے گا

جنہوں نے جبکہ دکھلایا ہمیں عالم بیاباں کا   تو پھر اپنی نظر سے گر گیا جلوہ خیاباں کا
جنوں صد آفریں کیا ہی اڑائیں دھجیاں تو نے   رہا پر زانہ دامن کا نہ اک ٹکڑا گریباں کا
نہ زلف معنبر ہے جو تاب اس روئے روشن کی !   کب ایسا رات کو ہوتا ہے جلوہ مہ تاباں کا
نہ آویں کیونہ نہ گردش میں فلک پر آفتاب و مہ   اگرچہ پھر کر باندھے وہ اک پیچ سرایاں کا
شب و یجور میں اک سانپ سا چھاتی پہ لوٹے ہے   ہوا ہوں جب سے میں آشفتہ یارو زلف خوباں کا

دکھا دلوے اگر تو اپنے انوار صفا میں کو
ظفر کیونکر نہ بازار سخن ہو سرد تاباں کا

پھبن دکھائے جو تو اپنی یار سرتاپا   بلائیں کیونکہ نہ لوں لاکھ بار سرتاپا
تو آکے سیر کر اے گلبدن کر داغوں سے   بنا ہے جسم مرا لالہ زار سرتاپا
مژہ کہاں ہے میری خونچکاں کر پھولا ہے   نئی روش سے یہ نخل چنار سرتاپا
پڑے گی جس پہ نہ مانگے گا وہ کبھی پانی   غضب ہے تیغ نگہ آب دار سرتاپا
ترے غم فراق میں اے شعلہ روتپ غم سے   ہمیشہ جلتا ہوں میں شمع وار سرتاپا
ملے ہے صاف بظاہر وہ ہم سے آئینہ   رکھے ہے جی میں پر اپنے غبار سرتاپا

ظفر جنوں نے مرے جوش عشق میں یکدست
قبائے تن کو کیا تار تار سرتاپا

کرے وہ تیغ لے کر ہاتھ کو اپنے اگر اونچا یقین ہے ہو سکے اس دم نہ رستم کا بھی سر اونچا
دماغ اس ماہرو کا ہے جو اب عرش معلے پر بنایا چاہتا ہے کاخ گردوں سے بھی گھر اونچا
گرا جو آشنا اس میں نہ نکلا وہ قیامت تک کنارہ عشق کے دریا کا ہے یہ کس قدر اونچا
یل گردوں میں یارو دیکھنا کیا زور بازو ہے اٹھایا ہیر سے اب جو ہے ناملی قمر اونچا

پھرے کیونکر نہ حاتم سا سخاوت سے تری اب دم
کہ ہے جو مہر دست زر فشاں تیرا ظفر اونچا

اشک آ کر یہ نہیں دیدہ تر سے پلٹا مرو ماں کو وک اختر ہے جو در سے پلٹا
گرد میں اس کے پھرا اور اس پھرے میرے دن رشک خورشید مرا جبکہ سفر سے پلٹا
تھی یہ تا ثیر میرے مطلع بر گشتہ کی ' رات وہ ماہ جو آ کر مرے گھر سے پلٹا
فوج حسرت نے یورش کی تھی دل زار پہ ہائے پھر گری جان پہ آ کھا کے ادھر سے پلٹا

دم گیا و وہیں ظفر اپنا الٹ رات کو آہ
جونہی وہ آ کے ذرا میری نظر سے پلٹا

جس طرف آہ کا شعلہ مرا جھلتا ہوگا ہے یقین خانہ مردم وہاں پھکتا ہوگا
قیمت دل میری بازی محبت میں نہ پوچھ یہ وہ سودا ہے کہ ہرگز نہیں چکتا ہوگا
خال کا جل کا جو ہے منہ پہ ترے اس کے سوا تیرہ بختوں کو پسند اور نہ لگتا ہوگا
کیوں نہ گھڑیال کے مانند رہے گا لاں جس کا دل ضرب غم عشق سے پھکتا ہوگا

دیا دھوکا جسے جینے سے لگاتا اس کا
اس کا دم کیوں نہ ظفر سینے میں رکتا ہوگا

میں ہوں وہ سوختہ جاں ان بت گمراہوں جس کا پہنچے ہے دھواں چرخ تلک آہوں کا
خاک ہو کر بھی بگولے کی طرح چین نہیں حال ابتر ہے یہ کچھ تیرے ہوا خواہوں کا
حج اکبر ہو جسے کعبہ دل سے حاصل ہو خیال اس کو بھلا کس لیے در گاہوں کا
جائے گا جبکہ تہ خاک ترا سوختہ جاں گرم ہو جائے گا وہیں سب چاہوں کا

اے ظفر دل سے ہوں میں خاک در فخر الدین
معتقد میں ء گداؤں کا ہوں نے شاہوں کا !

دست صیاد سے ہے کیا پر بلبل ٹوٹا   زیر ہر شاخ ہی آتا ہے نظر گل ٹوٹا
زلف میں پھول پرو کر جو دکھائے اس نے   رشک سے وہیں چمن میں گل سنبل ٹوٹا
زاہد گر سنہ کاسہ بکف آتا ہے نظر   حرص کے ہاتھ سے ہے پائے توکل ٹوٹا
آ کے در پر سے مرے پھر گیا وہ غیر کے گھر   عہد و پیماں تھا جو مجھ سے وہ بالکل ٹوٹا
قلزم چشم سے اشک بہے جاتے ہیں   دل کے ٹکڑوں سے بندھا تھا جو یہاں پل ٹوٹا
آج دل محتسب شہر کا میخانے میں   سنتے ہی دور سے آوازہ قلقل ٹوٹا

صدمہ پہنچا وہ ظفر دل پہ نشے میں اپنے
دست ساقی سے جونہی جام پر از مل ٹوٹا

زلف کا کب سے پڑا رخ پہ سرا سر پیچ آ   کھائے ہے مارسیہ گلشن میں گل پر پیچ آ
ڈر ہے کس کا کہ جو چھپ چھپ کے اڑاتا ہے پتنگ   کیوں لڑاتا نہیں لوگوں میں تو دلبر پیچ آ
جو کوئی بھولا ہے باتوں پہ تری او ظالم   کھائے ہیں عشق میں اس نے ترے اکثر پیچ آ
چاند برابر گھر آیا نہیں، سوچھا مجھ کو !   جب پڑا اودی رومالی کا وہ سر پر پیچ آ
نکل آتا ہے ابھی ظلمت شب سے خورشید   زلف کا رخ سے ذرا اپنے اٹھا کر پیچ آ
ہوتا گر خواہش دنیا میں نہ غلطاں پیچاں   تو نہ دیتا کبھی دارا کو سکندر پیچ آ

پیچ ہے منی تہ دار میں تیرے وہ ظفر
جس کے اب فکر میں کھاتے ہیں سخنور پیچ آ

ہوا نصیب میں گو وصل یار کا ہونا   ولے محال ہے بوس و کنار کا ہونا
کیا تو ضبط فغاں رات ہم نشیں لیکن   عجب ہے دل پہ میرے اختیار کا ہونا
ہوائے ظلمت گیسو تری صریحا ہے   یہ گل ہمارے چراغ مزار کا ہونا
ہمارے مرگ تحیر کی یہ نشانی ہے   بہ رنگ آئنہ یہ انتظار کا ہونا
کسی کو بہر عیادت بلایا چاہتے ہیں !   نہیں ہے خالی از علت بخار کا ہونا

بغیر وصل گل اندام اے ظفر مجھ کو
خزاں ہے آنکھوں میں میری بہار کا ہونا

نمود کیوں نہ دکھائے چراغ سے دریا   کہ خالی اب نہیں الفت کے داغ سے دریا
اٹھا چمن سے نہ باز خزاں جنازہ گل   بہے گا دیدہ مرغان باغ سی دریا
ہوا ہے شیخ جی کو تو بے طرح سے زکام   بہا کرے ہے تمہارے دماغ سے دریا
بہے جو شمع صفت میرے داغ دل سے شریک   کہا کہ اللہ سے ہے کیوں دل کے داغ کے دریا
پڑے یہ چھلے میں رونا ترا کہ تو نے آج   رواں کیا ہے یہ گویا ایاغ سے دریا

بہ رنگ ساقی بدمست ہے نظر میں مری
ظفر حباب کے ہر ایک داغ سے دریا

کب اشک سر مہ رخ نازنین سے چھٹتا یہ بھونرا آ کے گل یاسمین سے چھٹتا
اٹھا سکے ہے مجھے کون اس کوچہ سے مثال نقش قدم میں زمین سے چھٹتا
پڑا جو سایہ زلف اس کے ہاتھ پر تو کہا کہاں سے سانپ میری آستین سے چھٹتا
مثال غنچہ شگفتہ اس نے ہنس کے کہا دیا ہے آپ کو میں فخر دین سے چھٹتا

ظفر نے دل سے پوچھا کیوں تو دیا ہے
مگر تو ہے کسی پردہ نشین سے چھٹتا

ڈس گیا کاکل کا تیری جس کالا ہو وے گا اس کو چھوڑا ہی نہ ہوگا مار ڈالا ہووے گا
ذکر اس دست حنائی کا نہ لاؤ و مبدم ورنہ جاری خون کا چشموں سے نالا ہووے گا
رخش بیتابی پہ ہوگا جبکہ میرا دل سوار ساتھ اس کے دردوغم کا اک رسالا ہووے گا
عقل چکر میں جو آئی حلقہ گرداب کی کان میں اس لجہ خوبی کے بالا ہووے گا
حلقہ زلف اس کے رخ پر جس طرح سے ہے پڑا گردمہ شب کو اسی صورت سے ہالا ہووے گا
خار صحرا کے جنوں کی پوچھتے ہو کیا خراش جانتا اس کے مرے پاؤں کا چھالا ہووے گا

فیض سے استاد کے ہم کو یقین ہے اے ظفر
شعر عالی پر مرا ہر شعر بالا ہووے گا

ہے قبا پر تری چھلکاری کے گلشن کا بوٹا دیکھ کر کیوں نہ ہو پژمردہ چمن کا بوٹا
آستیں پر مرے ہر تار سر شک خوں سے کاڑھا کیا سوزن مژگاں نے چکن کا بوٹا
گل ہی سے عارض گلگوں کو نہیں کچھ تشبیہ قدر موزوں بھی ہے اس غنچہ دہن کا بوٹا
دیکھ وہ زلف و خط و عارض و داماں ہیں مجل سنبل و لالہ و ریحان و سمن کا بوٹا

کیا عجب طرہ دستار سر مہر ہو کر
اے ظفر یار کے پاؤں کے چھن کا بوٹا

مر جائے یا کچھ ہو' کسے دھیان کسی کا دنیا میں نہیں کوئی میری جان کسی کا
یہ سنگ دلی اپنی بتو چھوڑ دو للہ دل توڑتے ہو کس لیے ہر آن کسی کا
ہوتی ہے عشق کی آتش مجھے ڈر ہے گھر پھونکے نہ یہ آتش سوزان کسی کا
ہے عشق کی منزل میں یہ حال اپنا کر جیسے لٹ جائے کہیں راہ میں سامان کسی کا
سوجھے ہے مجھے رونے سے دن رات کر اک دن گھر دیں گے ڈبو دیدہ گریان کسی کا
ہے زلف و رخ یار کر قائل کوئی ہرگز ہندو نہ کسی کا نہ مسلمان کسی کا

اب قافیہ و بحر ظفر پھر غزل لکھ
ہٹ جائے نہ اس سمت سے پھر دھیان کسی کا

نہیں دیکھے بہتر ستانا کسی کا — کڑھانا کسی کا کڑھانا کسی کا
مجھے یاد آتا ہے فنس فنس کے یارو — رولانا کسی کا رولانا کسی کا
کبھی تو سنا کر ذرا گوش دل سے — فسانا کسی کا بہانا کسی کا
مجھے یاد کرکے آنسو بہانا — بہانا کسی کا بہانا کسی کا
نہ سمجھا تو ناصح کر مدت سے میں ہوں — رونا کسی کا رونا کسی کا
عزیزو مرے آگے جز ذکر دلبر — نہ لانا کسی کا نہ لانا کسی کا
نہ ہووے گا دل تیر مژگاں بن اس کے — نشانا کسی کا نشانا کسی کا
نہ ملنا کرو میری جانب سے اب تم — لگانا کسی کا لگانا کسی کا

قوافی بدل کر ظفر پڑھ غزل تو
رہے تا نہ آگے ٹھکانہ کسی کا

جلاتی نہ دل مفت لے کر کسی کا — کہا بھی تو مان اے ستمگر کسی کا
نہ کیوں تنگ ہو کش کش سے قفس میں — نہ باقی رہا ایک شہ پر کسی کا
بھلا ہووے کس رو سے اب غنچے روکش — کہاں منہ ہے اس کے برابر کسی کا
دل میں اس کا ملے کس طرح میرے دل سے — کہ بس کب چلے ہے کسی پر کسی کا
جو مژگاں کا عالم ہے اب اس کے ہمدم — نہ دیکھا کوئی ایسا خنجر کسی کا
یہ جی چاہتا ہے کہ سر ہی سے ماریں — اٹھا کر ہم اس در سے پتھر کسی کا

بدل بحر اور قافیہ کو ظفر تو
کہ خوش ہووے دل شعر سن کر کسی کا

کیا حال دل اس سے کریں اظہار کسی کا — سنتا ہی نہیں ذکر وہ زنہار کسی کا
گر ہم ہیں گنہگار تو کر خاک کا پیوند — پردہ نہ اٹھا چرخ ستمگار کسی کا
جو آئینہ اب حیرت دیدار سے تیر — رہتا ہے کھلا دیدہ خونبار کسی کا
رونے کا رہے گا یہی عالم تو پھر ایک دن — گھروے گا ڈبو دیدہ خونبار کسی کا
پابند ہو گر لاکھ بلا میں تو بلا سے — پر زلف میں دل ہو نہ گرفتار کسی کا
ہاں تو بھی خبر برق صفت آن کے لینا — پہلو میں تڑپتا ہے دل زار کسی کا

مستغنی کونین ہی رکھ اپنے ظفر کو
محتاج نہ کر حیدر کرار کسی کا

ظفر وہ دشمن جاں قدر دان دل نہ ہووے گا
نہ دینا دل بہ رب کعبہ کچھ حاصل نہ ہووے گا

جسے ہے ورک فن عشق میں غافل نہ ہووے گا
اے گر لاکھ قاتل کیجیے قاتل نہ ہووے گا

جو وہ سرمست ساقی رونق محفل نہ ہووے گا
نشہ ہوگا مجھے البتہ پر کامل نہ ہووے گا

جھکاوے گا وہی محراب بیت اللہ میں سر کو
جسے زاہد خیال ابروئے قاتل نہ ہووے گا

گلی میں یار کی اشکوں کے رو پے تو بھی چل اے دل
ابھی تو قافلہ پہنچا سر منزل نہ ہووے گا

کئی بوسے مقرر گر کیے دیجے مجھے تم نے
تو کیا صاحب حساب دوستاں در دل نہ ہووے گا

میانہ میں خط و رخسار کے تو غور سے دیکھا
کچھ اپنا ہوگا باقی آپ کا فاصل نہ ہووے گا

ظفر تو نام لے مشکل کشا کا اور پڑھ مطلع
بدلنا قافیہ اب کچھ مشکل نہ ہووے گا

ہے ترے ہاتھوں سے عاشق کا گلا کاٹا ہوا
اور پھر پوچھے ہے تو یہ کیسا غرانا ہوا

سہم کر اس ناتواں کا ہوگیا بس دم ہوا
صدا قلن تیرے ناوک کا یہ سناٹا ہوا

دے کے دل اس زلف کو ہم نے نہ دیکھا فائدہ
بلکہ اس سودے میں ہم کو ہم نشیں گھاٹا ہوا

کھینچے ہے دامن مرا خار جنوں جب دشت میں
پوچھے ہے آہوں سے مجنوں کیا یہ جھرانا ہوا

ہونٹ چاٹے ہے ہمیشہ اس مزے سے اپنے وہ
وہ لب شیریں ظفر جس کا کہ ہے چاٹا ہوا

چھوڑو دو لوگوں میں گورے بازوں کا ناپنا
ناپنا ہے گا تو ڈورالے کے نیلا ناپنا

آشناؤ جوش پر آنے دو سیل اشک کو
پاٹ پھر دریا کا اور دامن ہمارا ناپنا

بخت کی کوتاہی سے کوتاہ سب نکلے کمند
پہلے تھا ناظر سے اس کا کوٹھا ناپنا

ہے ابھی اٹھتی جوانی شوخ جامہ زیب کی
قطع میں خیاط دامن اس کا نیچا ناپنا

عشق نے اس زلف و خط کے سب ہمیں سکھلا دیا
ریسمان آہ سے کشت فلک کا ناپنا

ٹھیک آیا جسم پر پیراہن عریاں تنی
ورنہ پڑتا جامہ سینا قطع کرنا ، ناپنا

اس زمین میں اے ظفر تو اور بھی لکھ اک غزل
روبرو تیرے زمین شعر کا کیا ناپنا

واللہ گر تو اسیر حلقۂ گیسو نہووے گا
تو کھٹکا جان کا تجھ کو سر یک مو نہووے گا

اسے آنے دے ساقی کچھ پھر بادہ پیمائی
مزا کیا خاک ہوگا گرچہ وہ گلرو نہووے گا

رگ مجنوں میں ناحق نیشتر کو کیوں ڈبوتا ہے
کر اے فصاد اس میں بوند بھر لو ہو نہووے گا

دل بیتاب کو تسکین نہ ہوگی میرے پہلو میں
جو وہ آرام دل اب آکے ہم پہلو نہووے گا

مثال آئینہ جو ہوگا حیران دیکھ کر تجھ کو
تو اس کے دیدہ پر آب میں لوہو نہووے گا

مرا قاصد پھر آیا لے کے خط کیوں کوئے جاناں سے
یقین ہے خط کے دینے کا انھیں قابو نہووے گا

بدل کر قافیہ کم کر ردیف اک اور پڑھ مطلع
مقابل اے ظفر کوئی زیادہ گو نہووے گا

جہاں اے ہمنشیں ذکر مے گلرنگ ہووے گا
وہاں پھر رنگ محفل کا نہ کیوں بدرنگ ہووے گا

ترے رخسار میں اے سادہ رو اب اس صفائی پر
تجھے آئینہ دیکھے گا تو وہ بھی دنگ ہووے گا

مژہ کے نیزہ بازوں سے ہے طفل اشک کو جت
یہ لڑکا یوں نظر آتا ہے خانہ جنگ ہووے گا

عیاں ہے لخت دل مژگاں پہ میرے کیا تماشا ہے
کہیں پیدا نیستاں میں گل اورنگ ہووے گا

دیا ہووے گا جس نے عاشقی میں جان شیریں کو
نشان کوہکن چھاتی پہ اس کی سنگ ہووے گا

میری آنکھوں میں اس کے سبز خط کی جو ہے کیفیت
تجھے ساقی نصیب ایسا نہ جام بنگ ہووے گا

کھلیں جس جا گل معنی تمہارے اے ظفر اس جا
نہ کیوں کر قافیہ غنچے کا بولو تنگ ہووے گا

نزلہ شبنم سے گرا دل پہ ترے گل ٹھنڈا
نالہ کھینچے ہے تاسف سے جو بلبل ٹھنڈا

تپ دوری سے جو میں مر کے ہوں بالکل ٹھنڈا
تب کیا ہو ترا مست تغافل ٹھنڈا

دل سیپارہ کے شیرازے کو باندھے ہے ولے
کہیں قرآں نہ کرے ہندوئے کاکل ٹھنڈا

ہے کہاں مرغ تکلم جسم میں زیر ابرو
مرغ آبی نے مکاں ڈھونڈا ترا پل ٹھنڈا

نم پہ بوسے کے وہ گرم ہوئے تھے لیکن
کیا تدبیر سے ان کو بہ تامل ٹھنڈا

اس کے بے شربت دیدار نہ ہوگی تسکیں
پانی بے شورہ کے ہرگز نہو ل جل ٹھنڈا

اہ کیا عشق کی آتش نہ سمندر سے بجھے
کر چکا دل کو پس اشکوں کا تسلسل ٹھنڈا

رہنے دے آنکھوں سکھ اب اور کلیجے ٹھنڈک
گرم جلا نہو جب تک کر مر گل ٹھنڈا

کیا ہی گھبرائے ہیں وہ رات کو جس وقت چراغ
ہوگیا لگ کے مرا دامن فرغل ٹھنڈا

کھا گیا جلتا ہوا لقمہ شعلہ گل گیر
تل بے گری نہ کیا وقت تناول ٹھنڈا

یادو نالہ نے دی پھونک مرے دلیں آگ
کون کہتا ہے کر برگ قرنفل ٹھنڈا

جوشش گرم ظفر دیکھ ترے مضموں کی
ہوگیا بس سخن طالب آمل ٹھنڈا

تن پہ ہر زخم بسان گل خوش رنگ کھلا
دست طفلاں سے جنوں ور نہ بس سنگ کھلا

کان میں جھمکے ہیں یاقوت کے وہ پہلوے زلف
شاخ سنبل میں عجب یہ گل اورنگ کھلا

دل شگفتہ ہے دم سیرو سے اپنا ایسا
جس کے آگے نہ سحر غنچہ دل تنگ کھلا

بخت اس دور میں ساقی مرے ایسے پھوٹے
شیشیں کے ٹکتے ہی جام مے گل رنگ کھلا

موسم گل کی خبر سن کے قفس میں صیاد
آکے کریاں میں ہر مرغ خوش آہنگ کھلا

لخت دل ریزۂ مژہ ہے یہ کہاں دیدہ تر !
طرفہ تر پھول کنول کا ہے لب گنگ کھلا

زلف جاناں ہے ظفر اک بلا ہزر کی گانٹھ
ایسے کالے کو نہ تو صاحب فرہنگ کھلا

تو خیال زلف کو اے دل نہ بس اتنا چڑھا
وہ چڑھا سر پہ تو اتنا جان لے کالا چڑھا

تو اتر جائے گا نظروں سے ابھی خورشید و
نالہ سوزا اپنا گرفلک پہ جاچڑھا

کاسۂ گردوں ابھی بہتا پھرے گا جوں حباب
جوش گریا سے مرے اے چشم گردیا چڑھا

کشور دل میں اٹھے ہے غلغلہ بھونچال کا
تو بھوؤں کو اپنے غصے سے جو ہے لیتا چڑھا

خاک میں کس کو ملاوے پھونک دے کس کس کا گھر
باؤ کے گھوڑے پہ وہ آتش کا پرکالا چڑھا

عاشق گل خوردہ تیرا ہے جہاں مدفون ہوا !
اس کے مرقد پہ نہ ہرگز جز گل لالہ چڑھا

ہر روش پہ سیر گلشن آنکھ میں ہے مثل خار
اپنی نظروں میں ہے جب سے وہ گل رعنا چڑھا

کاش خالق نے کیا ہوتا مجھے مانند خاک
تیرے نقش پاکو جوں گل سر پہ میں لیتا چڑھا

سر اٹھا سکتے نہیں تم آج مستی میں ظفر
بادہ الفت کا تم کو اب نشہ اچھا چڑھا

حیف جوں غنچہ نہ اپنا دل پہ یاس کھلا
ہر گل زخم جگر اس کے سدا پاس کھلا

صبح گلشن میں جو گل سونگھے تیری باس کھلا
اس کو شبنم نے دیا پاروہ الماس کھلا

شانہ ساں اے دل صد چاک تو وہ الجھی ہے
ہاتھ میں اپنے نہ کر مرنے کا وسواس کھلا

دل دلگیر ہے جوں غنچہ تصویر مرا !
یارب اس کے نہیں کھلنے کی مجھے آس کھلا

چمن دہر میں حیراں ہوں صبا دیکھ کے میں
کیونکہ بن پانی رہے ہے گل قرطاس کھلا

میں ہوافسردہ کسی کا تو برنگ غنچہ
دے ہے تاثیر دم صاحب انفاس کھلا

مارڈالے گی تجھے زلف سیاالفت مت کر
دیکھ کالے کو نہ بس اے دل پریاس کھلا

رہبری دشت میں کر خضر سے کہہ دوں گا میں
غوطہ دریائے محبت میں نہ الیاس کھلا

کیا فقط گریہ سے چشم تر پہ پانی پھر گیا
ایک پل میں ایک جہاں کے گھر پہ پانی پھر گیا

لمعہ خورشید عالمتاب سے دریا میں صبح
کیا طلائی موج کے خنجر پہ پانی پھر گیا

دیکھ کر دنداں کی آب و تاب تیری رشک مہ
دامن ساحل میں ہر گوہر پہ پانی پھر گیا

سامنے اس کے عرق آلودہ چہرے کے نسیم
شرم سے کیا لالہ احمر پہ پانی پھر گیا

خالی پیشانی پسینے میں جو وہ آیا نظر !
آسماں پہ صاف ہر اختر پہ پانی پھر گیا

چشمہ حیواں خجل ہے لب سے اسکے کیا ظفر
بلکہ دیکھا تو لب کوثر پہ پانی پھر گیا

تیرا رخسارہ عرق کیا ہے نعیم و دریا
اشک و چشم اپنی بھی ہے دریتم و دریا

دل سوزاں میں تیرے یاد خلیل و آتش
چشم پرنم میں تصور ہے کلیم و دریا

ساقیا مے کے نشے میں مجھے خواہش آئے ہے
گلشن باد صبا باد نسیم و دریار

بحر مواج تو ہے اس کی جبیں اور یہ چین
پر ہے بینی سے عیاد ماہ دونیم و دریا

دیکھ کر آئینہ میں عکس دہن یہ بولے
کس نے دیکھا ہے بہم حلقہ میم و دریا

صف مژگاں کو ترے دیکھ کے اے لیلی حسن
دل کو آتی ہے نظر فوج غنیم و دریا

چاندنی کے ہے جبھی دیکھنے کا لطف ظفر
ساقی و بادہ ہو اور ساغر سیم و دریا

عشق جس دم مجھ کو یار آنکھیں روکا دیا
نالہ سوزاں نے سینہ میں مرے لوکا دیا

ڈر نہیں جلا و کچھ تیغ ستم کا اب تری
خم دکھا جب اس نے ہم کو اپنی ابرو کا دیا

کیوں نہ ہم قاصد کے منہ کی لیں بلائیں و مبدم
جس نے لا پیغام وصل اب ہم کو مہرو کا دیا

شمع کی حاجت نہیں گور غریباں پہ جنوں
تربت مجنوں پہ تبس ہے چشم آہو کا دیا

قشقہ سیندور ہے یا قتل کر عشاق کو
تونے ماتھے پر ہے ٹیکا ان کے لوہو کا دیا

تیرہ بختوں کو پریشانی ہوئی ایک اور بھی !
تاراں نے توڑ کر جب اپنے گیسو کا دیا

جو غیر کا ترے گھر میں پلنگ بچھے گا تو اپنی چھاتی پہ یاں فرش سنگ بچھے گا

غریق بحر خجالت نہ کیوں ہو زاہد خشک مصلا اپنا سرآب گنگ بچھے گا

پلا مجھے مے گلگوں اس ابر میں ساقی چمن میں غاشیہ سبز رنگ بچھے گا

اگر ہے قصد ہم آغوشی اب تجھے گلرو بچھونا تیرے لیے بیدرنگ بچھے گا

ظفر کو خواب نہ آوے گا فرش مخمل پر
بغیر تیرے اگر شوخ و شنگ بچھے گا

کیا وصف جبیں میں کہوں اس ماہ جبیں کا
اک تختہ سراسر ہے وہ فردوس بریں کا

یا صبح ہے یا آئینہ یا ہے ید بیضا
یا صفحہ رخسار کسی شوخ جبیں کا

یا مشتری و زہرہ ہے یا مہر درخشاں !
یا جلوہ پرنور ہے یہ ماہ مبیں کا

یا تخت بلوریں ہے کہ لوح یہ سمیں
یا صفحہ سادہ کسی انمول نگیں کا

کیا زور زمین شعر کی یہ تو نے نکالی !
ہے وصف ظفر اس میں بیاں اس کی جبیں کا

ہے ہماری خاک پر تیرا سراغ نقش
شمع مرقد سے یہ بہتر ہے چراغ نقش پا

گل نہیں چھاتی پہ میرے نقش پائے عشق میں
جلوہ گر ہے لالہ رویہ دیکھ باغ نقش پا

فندق پائے ہوا ہے جس کے اک عالم شہید
ہر گل ورنگ سا اس کا ہے داغ نقش پا

ٹپکے ہے مستی تری رفتار سے وہ مست ناز
نشہ بخش وہ جہاں ہے ہر ایاغ نقش پا

ہے زمیں پر نقش پائے صاحب لولاک ' پر
اے ظفر اس کا فلک پر ہے دماغ نقش پا

فلک پہ مہر نے پیدا بہت فروغ کیا
پر اس کے رخ سے جو دعویٰ کیا دروغ کیا

سرہانے مر قمری کے عشق نے شب عرس
چمن میں سرو کو استادہ مثل توغ کیا

دیا جو عشق نے شوربہ سرشک ہمیں
تو نوش جاں اسے ہم نے مثال دوغ کیا

شکوہ عشق میں کام آئے دونوں نالہ و آہ
کیا علم اسے ہم نے تو اس کو طوغ کیا

کل اک حریص نے تخفیف وقت پہ خواری
عجب کیا ظفر آروغ پہ اروغ کیا

مری جانب سے غیروں نے لگایا کچھ نہ کچھ ہوگا
نہ آیا وہ تو اس کے دل میں آیا کچھ نہ کچھ ہوگا

تیری تیغ ستم کے جو مزے سے زخم کھاتے ہیں
مزا ان کو محبت نے چکھایا کچھ نہ کچھ ہوگا

خبر جب لائی ہوگی اس گل خنداں کے آنے کی
تو گلشن میں صبا نے گل کھلایا کچھ نہ کچھ ہوگا

لڑے ہیں میکدہ میں آج جو یوں شیشہ و ساغر
کرشمہ چشم ساقی نے دکھایا کچھ نہ کچھ ہوگا

نہ ڈھونڈا اور نہ پایا ہم نے کچھ اس بحر ہستی میں
وگرنہ جس نے ڈھونڈا ہوگا پایا کچھ نہ کچھ ہوگا

میرے خط کے جواب میں بن پڑھے پرزے کیے قاصد
کسی نے میری جانب سے پڑھایا کچھ نہ کچھ ہوگا

سنا میں نے کٹی ان کو بھی ساری رات آنکھوں میں
کسی نے میرا افسانہ سنایا کچھ نہ کچھ ہوگا

بتاں کرتے جو ہیں ظلم و ستم پر چاہتا ہوں میں
کبھی انصاف بھی اس کا خدایا کچھ نہ کچھ ہوگا

بنا کر قصر کیا نازاں ہے، یہ تو سوچ اے منعم
کہ پہلے بھی کسی نے یاں بنایا کچھ نہ کچھ ہوگا

الم ہو رنج و غم ہو داغ ہو یا درد ہو دل میں
دل آزادوں سے دل ہم نے لگایا کچھ نہ کچھ ہوگا

کہا ہوگا نہ گرچہ صاف حال دل ظفر اپنا
پر ان کو رمز والوں نے جتایا کچھ نہ کچھ ہوگا

مزار کوہکن اب سوء باغ پتھر کا
رکھے ہے دیکھ کے شیریں چراغ پتھر کا

کرے جو خال صنم سے ہمارے چشمی
تو بن ہی جائے مقرر وہ زاغ پتھر کا

یہ دل ہی ہے کہ رکھے جس میں عشق کی آتش
وگرنہ رکھوں تو شق ہوا جاغ پتھر کا

نہ مرتا کوہکن آخر تو گھر تراشیریں
بناتا کوہ سے پاکر فراغ پتھر کا

بتوں کی سنگدلی نقش کالحجر ہے ہمیں
یہ سچ ہے مٹ نہیں سکتا ہے داغ پتھر کا

تو لے کے شیشہ دل اس روش نہ پھر بلبل
کہ فرش سنگ بھی ہے صحن باغ پتھر کا

ادا و ناز اٹھانے کو تیرے سنگیں دل
کہاں سے لائے کوئی اب دماغ پتھر کا

سبھوں کو جام مرصع میں دے ہے ساقی مے
ہمیں فقط یہ بلوریں ایاغ پتھر کا

ظفر کا یہ سخن گر یہ سنے تو بن جاوے
ہر ایک شاعر نازک دماغ پتھر کا

دھیان و نداں پہ ترے آٹھ پہر ہے اپنا ہے — بن گیا تارِ نگہ سلکِ گہر ہے اپنا

مہرِ خشاں نہ فقط داغ جگر ہے اپنا — سینہ چاک بھی مانندِ سحر ہے اپنا

موج زن تا بہ گلو ہے جو وہ آب و دمِ تیغ ! — چوں حباب لب جو کاسۂ سر ہے اپنا

زخمِ سینہ پہ چھڑکتے ہیں سدا اشکِ نمک — کم نم داں سے نہیں دیدۂ تر ہے اپنا

ہم وہ ہیں دہر میں نخلِ گُلِ آتشبازی — کر جو شعلہ ہے وہی برگ و ثمر ہے اپنا

تیغ کھینچے ہے جو موجِ نگہ یار ادھر — یاں بھی ہر داغِ جگر شکلِ سپر ہے اپنا

غیر کا کس لیے یاں شکوہ بیجا کیجے
اپنے قابو میں نہیں دل ہی ظفر ہے اپنا

مرغِ دل میں تیرے مژگاں نے ہے لیکر گانٹھا — جیسے چنگل میں ہو شاہیں نے کبوتر گانٹھا

جائے حسرت ہے کہ ہے تارِ رگِ جاں سے مرے — کفشِ پا کو نہ کسی نے ترے دلبر گانٹھا

نفسِ سرد سے باہم ہے دمِ سرد مرا — میں نے اس غیر کو اس طرح ستمگر گانٹھا

ہم سے ہر بات پر اکڑے ہیں تو یوں او ظالم — نہیں معلوم تجھے غیر نے کیونکر گانٹھا

کشمکش سے یہ اسیروں کے وہ ٹوٹا کہ ظفر
رشتۂ دام کو صیاد نے پھر کر گانٹھا

خالِ زیبا ہے ترے چاہِ زنخداں میں کیا — نیلوفر ہے یہ کھلا چشمۂ حیواں میں کیا

چرخ وار کان میں کیا انس و پری جان میں گیا — سب میں ہے تو ہی سو تیرے ہے' اعیان میں کیا

توڑ زنجیر کو دیوانہ بھاگا ہو کہیں — دیکھ غُل ہے پڑا خانہ' زنداں میں کیا

زینتِ ظاہری جن کو ہے وہ ہیں خالی ہاتھ — کوئی بتلاوے کہ ہے پنجۂ مرجاں میں کیا

دور ہو جاتی حسد سے ہے محبت دیکھو — حالِ یوسف کا ہو صحبتِ اخواں میں کیا

روش حلقۂ زنجیر ہے گو چشمِ غزال — پہ تیرا وحشی ہو پابندِ بیاباں میں کیا

اس کو منظور ہ پھر آن دکھائی اپنی — دیکھئے حال مرا ہوتا ہے اک آن میں کیا

کیا عجب جنبشِ مژگاں سے ترے مر جاؤں — مرتا ہے تنکے کا مارا کہ ہے نسیاں میں کیا

اس کے رخسار پہ رہتا ہے خطِ سبز ظفر
پر طاؤس رکھا دیکھو ہے قرآن میں کیا

کچھ نہ تنہا پاس سے وہ دلربا چمپت بنا
ساتھ اس کے ہمدم من دل بھی مرا چمپت بنا

غم نہیں گر پاس سے وہ مہ لقا چمپت بنا
پر مرے پہلو سے دل سا آشنا چمپت بنا

ایک بادی چور ہے جھونکا ہوا کا عندلیب
صبح گلشن سے زر گل کو اڑا چمپت بنا

کھینچ کر نالہ پس دیوار میں جو چھپ رہا
بولے دیکھو تو کوئی وہ ہی ہے یا چمپت بنا

فرصت نظارہ ہے کس کو کہ مانند حباب
بحر ہستی میں جہاں کی چشم وا چمپت بنا

کل سمجھ لوں گا ظفر اس سے جو وہ آئے گا ہاتھ
آج دھوکا دے کے مجھ کو کیا ہوا چمپت بنا

قاتل اب ڈھونڈے ہے اس عاشق بیجان میں کیا
جب گئی جان تو باقی رہا انسان میں کیا

فرق اب تجھ میں ہے اور یوسف کنعان میں کیا
کچھ جز حسن علی ہے خط ریحان میں کیا

خط رخسار کا تیری نہیں انشاک حرف
نہیں معلوم لکھا ہے خط ریحان میں کیا

روش پاکو ہے ہر جادہ جنوں نے تیرے
ہاتھ مارے ہیں کہیں دشت کے دامان میں کیا

بھوں کی جنبش سے تمہاری کہیں بھونچال نہ آئے
نکلو میدان میں تم بیٹھے ہو والان میں کیا

ہوگیا جس سے کہ مسجود ملائک تہ خاک
نہیں معلوم کہ وہ چیز ہے انسان میں کیا

نالہ بلبل کا جو سنتا نہیں وہ گلشن میں
پارہ شبنم نے بھر اگل کے کہیں کان میں کیا

جو کہ پنجیں میں ظاہر میں وہ ہیں خالی ہاتھ
کوئی بتلاوے کہ ہے پنجہ مرجان میں کیا

ہر لب زخم سے کشتے جو دعا دیتے ہیں!
قاتل آیا ہے کہیں قتل کے میدان میں کیا

مے کے بھبکے نظر آئے تو لگے پوچھنے مست
آفتاب آیا ہے ساقی کہیں میدان میں کیا

جلوہ گر نوراسی کا نظر آتا ہے ظفر
چرخ وارکان میں کیا انس و بنی جان میں کیا

آپ نے خوب کیا کاٹ کے گر سر پھینکا
پر مری لاش کو کیوں کوچے سے باہر پھینکا

تیرے گھر جاتے ہی بیتابی دل نے جوں برق
کہ زمیں پر مجھے اور گاہ فلک پر پھینکا

روش برگ خزاں دیدہ گلی سے اس کی
اے صبا تو نے ہمارا تن لاغر پھینکا

ہوں میں وہ سنگ کہ دہقان فلک نے مجھ کو
گردش دہر کے گوپن میں پھرا کر پھینکا

دل سوزاں کو مرے لے تو لیا اس نے ظفر
لیک جب جلنے لگا ہاتھ میں لے کر پھینکا

کب چلی گوش ترا طرہ کا گل اٹھا
باد کے جھونکے سے پھر شاخ پہ گل اٹھا

لب جو دیکھ کے ساقی نے کہا جام حباب
پی کے مستوں نے مگر یہ قدح مل اٹھا

جنبش دست مژہ سے یہ عیاں ہے کہ مجھے
پھیر چاہے ہے تری چشم تغافل اٹھا

گل کو روبرو کے کیا شرم سے تو نے پانی
روش شبنم کو گئی دیکے تو بلبل اٹھا

کھائی لکنت جو زباں نے تری مخموری میں
دم جو شیشے کا ہنسی سے دم قلقل اٹھا

بند محرم ہنسی میں جب ٹوٹا مجھ پہ غصے سے ایک غصہ ٹوٹا
مانگ کا گوہر اسی کی کب ٹوٹا اک ستارا ہے وقت شب ٹوٹا
تیرے ہاتھوں سے میرا شیشہ دل روش وانہ عجب ٹوٹا
کیا کہوں اپنی گردش قسمت جام مے ہو کے لب بلب ٹوٹا
بادہ خون دل کہاں دیکھے ساغر دل تو سب کا سب ٹوٹا
خاک میں دشت زر پہ باندھوں ناک کر سر کو قوال اب ٹوٹا

تیغا دیوان خانے میں اس کے
اے ظفر آج کیا سبب ٹوٹا

مرا کھیل سنبھالا سنبھالا بگاڑا کسی کا تھا کیا میں نے ڈالا بگاڑا
مرے کاسہ سر میں کیوں بھر دیا خوں یہ تم نے اچھا پیالا بگاڑا
گئے تھے کہاں دھبے کس جا لگے ہیں نیا گل کا اوڑھا دوشالا بگا
مرے ساتھ کھاتے ہیں کردیا کس کو بناتے بناتے نوالہ بگاڑا
کھینچا وہ نہ مانی سے بالے کا نقش بنا کر کئی بار مالا بگاڑا
قلم نے ترے سر کا عمامہ مجنوں جنوں کو لگا کر اچھالا بگاڑا

بنا کام اپنا ظفر کب کسی سے
کہا ہم نے جس کو بنالا بگاڑا

پہلے تو ہاتھوں سے وہ ڈوڑا چکی کا ناپا اور اسی دورے سے ہے پھر اپنا ناپا

نعش لاغر کی مر یصندوق کا کیا ناپا مور کے پر لے کے تم لکڑی کا تختہ ناپا
آئے ہے وہ سرو کے سایہ میں صدقے داد گر تو برابر قد کے اپنے سبز کپڑا ناپا
سینہ پہ چوڑی کا گل اپنے مجھے کھانے دو پھر شعلہ جوالہ سے پر کار لیا ناپا
گن کے اشتر کے قدم فرسنگ کا کرکے حساب قیس ہے راہ زمین نجد کا کیا ناپا
تنگ نکالو طوق الفت ہائے صیاد ازل گردن قمری کا پہلے چاہیے تھا ناپا
گریہ وزاری کا میری آہ لکھتا ماجرا کوزے میں دریا ہے لاتا آسمان کا ناپا
آئے گی کسی کام اے منصور یہ دار و رسن طول معراج محبت کا ہے کتنا ناپا
قسمہ قسمہ کردیا بس کاٹ کر عاشق کی کھال وہ فرنگی زاد گلگتہ جو سیکھا ناپا
موج جادہ کی ہے پٹی فصد مجنوں کو بہت اے جنوں کس واسطے و امان صحرا ناپا

محرم راز اس نے جانا تو کہا اس نے ہمیں
اے ظفر لے کر میری محرم کا گوشہ ناپا

عجب کیا چشم میں خوں اشک سے جاتا نہ جم جاتا
مے گلرنگ کا یخ سے اگر پیمانہ جم جاتا

جہاں ساقی کے ہوتا جام چشم مست کا چرچا
یقین ہے شرم سے اس جائے پر اصلانہ جم جاتا

بلا ہے سرزمین دلچسپ وادی محبت کی !
سر ہر گام ہے پاؤں دل دیوانہ جم جاتا

دکھا کر خال بینی سرو سیم اندام کہتا تھا
کہ دیکھو شمع سوئی پر ہے یوں پروانہ جم جاتا

اٹھایا غیر کو محفل سے تو نے جی گیا عاشق
بغیر از جاں لیے ورنہ یہ چھاتی کا نہ جم جاتا

تمہارے عارض گلگوں پہ جیسی خال زیبا ہے
نہیں سیلاب سے یوں خاک میں ہے دانہ جم جاتا

ہوا اس در پہ نقش کا لجحراب غیر تمکیں دل
ظفر پہلے ہی گرچہ وہ اکھڑ جاتا نہ جم جاتا

آنسوؤں سے سینہ کے یوں گھاؤ پر پانی چڑھا
جیسے ہو دریا میں ڈوبی ناؤ پر پانی چڑھا

کھینچے گا نقاش نقشہ کس کے روئے زرد کا
اس قدر زرکا دیا جو تاؤ پر پانی چڑھا

کشتگاں کو کون دیوے آن کر مقتل میں غسل
دے برس کر ابر اس ستھراؤ پر پانی چڑھا

کوچہ جاناں میں مردم جوش زن ہے چشم تر
بند بند ہواؤ کر پلے ہواؤ پر پانی چڑھا

آج گریہ سے میرے دریا چڑھا ہے ورنہ کل
یوں تو تا پو خشک تھا اور پاؤں پر پانی چڑھا

مستعد ہے جنگ پر غیروں کے کہنے سے ظفر
ہے یہ مرغ بنیا کس چاؤ پر پانی چڑھا

بولے وہ جب ہم نے شب کو نالہ پر حسرت بھرا
یوں جتائی چاہ تو بھی ایک ہے فطرت بھرا

سوزباں سے غنچہ کرتا ہے پریشانی بیاں
یہ خدا جانے کہ دل ہے کس کا سو حسرت بھرا

بھرتا تھا سنگ جراحت جس جراحت میں مرے
واں نمک کان ملاحت تو نے ہے شدت بھرا

کھینچی جب تصویر زخمی کی ترے بہزاد نے
رنگ کی جا خون اس نے دیدے کو رنگت بھرا

دیکھا اے حضرت عشق آنسوؤں کے جوش کو
ہم نے دامن موتیوں سے آپ کی دولت بھرا

دھجیاں ہوکر اڑا دامن وے تانکا کبھی
سوزن خارمغیاں سے تمہارے وحشت بھرا

یاد چشم مست میں بیہوش ہیں کس کو خبر
زہر ساقی نے بھرا ساغر میں یا شربت بھرا

سیر گل گشت چمن سے کام کچھ ہم کو نہیں
اے ظفر اس گل کا جس دن سے دم الفت بھرا

تن گل خوردہ کو عاشق کے جو کفنایئے گا
تھان اچھا کوئی پھلکاری کا منگوایئے گا

دل کو سمجھائے مرے کہ وہ یہ ناصح سے کوئی
ہم کو کیا مشفق من آن کے سمجھایئے گا

تم کنارا جو لگے کرنے یہ معلوم ہوا
اب کنارے ہی مجھے گور کے پہنچایئے گا

جب کہا میں نے کہ ہے سبزہ خط آپ کا زہر
بولے کیا کام تمہیں اس سے تم کھایئے گا

کتنے دل الجھے ہوئے ہیں کہیں کھل کر نہ گریں
زلف کو اپنی سمجھ کر ابھی سلجھایئے گا

ڈر کے وہ آہ شرر بار سے کہتے ہیں مری
دیکھئے گا کہیں اب آگ نہ برسایئے گا

جب کہا میں نے کہ ہو تم تو کوئی آتش خو
تو وہ کہنے لگے ہاں آپ نہ جل جایئے گا

دو گے تم دامن مژگاں کو گر اپنی جنبش
اور بھی آتش دل کو میری بھڑکایئے گا

جب کہ میں نے کہ آجائیں جو دو بوسہ زلف
ہنس کے کہنے لگے ہاں شام کو آج آیئے گا

اے ظفر لائے ہو تم چھین کے چھلا ان سے
خیر تو ہے کہو گل کیا کہیں اب کھایئے گا

شعلہ حسن تو اوروں کو دکھا کے مارا
تونے ظالم ہمیں بے آگ جلا کے مارا

سوتے تھے چین سے ہم خواب عدم میں لیکن
شور ہستی سے ہمیں آہ جگا کے مارا

کیونکہ انکار پہ بوسے کے نکل جائے نہ دم
تونے تو ناز سے گردن کو ہلا کے مارا

مرحبا عشق کہ تو نے مجھے مجنوں کی طرح
الفت الیلیٰ و شاں میں ہے گھلا کے مارا

چین سے گھر میں پڑے کرتے تھے باتیں دل سے
وحشت عشق نے دے ہم کو اٹھا کے مارا

نالہ بھی کرنے نہ پائے کہ نکلتی حسرت
ہم کو اے عشق گلا تو نے دبا کر مارا

یاد میں مرتے تھے ہم تجھ جہاں کی آپ ہی
اور فارغ نے وہ تصویر دکھا کے مارا

آنکھوں آنکھوں میں ہمیں اس بت بیدرد نے آہ
تیغ سے ناز کے خنجر سے ادا کے مارا

طرز نظارہ میر ان سے ہے کچھ مت پوچھو
مرغ دل پر مرے اک دام پھرا کے مارا

نازبوکیوں نہ مری خاک سے ہو روئیدہ
مجکو اس شوخ نے ہے ناز دکھا کے مارا

صغر سن کی ہیں یہ باتیں کہ جو وہ روٹھ گئے
ہم نے زانوں پہ جونہی ہاتھ اٹھا کے مارا

ہے کفن چادر مہتاب سے میرا لازم
کہ مجھے جلوہ نے اس ماہ لقا کے مارا

داد دیجئے ظفر اس غمزہ پنہانی کی
جس کو مارا اسے کافر نے جتا کے مارا

تو جو مہتابی پہ کل رات کھڑا گاتا تھا
دائرہ مہ بھی لیے ساتھ کیے جاتا تھا

بندھ گئی تھی یہ ہوا گانے کی تیرے کہ مرا
ساتھ ہر تان کے جی تھا کہ اڑا جاتا تھا

کیا ہوں رقص کا عالم عجب انداز کے ساتھ
ساتھ ٹھوکر کے تری ٹھوکریں دل کھاتا تھا

ہاتھ کو ہاتھ پہ تو رکھ کے لگا جب چلنے
اتھ ہم ملتے تھے دل تھا کہ ملا جاتا تھا

کیا کہوں عالم چشمک کو ہلا آتش دل
جنبش دامن مژگاں سے وہ بھڑکاتا تھا

دامن اپنا تو اٹھا چلتا تھا اس ناز کے ساتھ
گھیرا دامن کا مجھے گھیر کے لے آتا تھا

آنکھ چاہت کی ظفر کوئی بھلا چھپتی ہے
اس سے شرماتے تھے ہم ہم سے وہ شرماتا تھا

تیرا صید ناز جو لو ہو میں ہے ڈوبا ہوا
تیر برق چشم کا پہلو میں ہے ڈوبا ہوا

کیونہ پھولے نرگستاں میری آنکھوں کے سے
دل خیال نرگس جادو میں ہے ڈوبا ہوا

رشک سے اس قامت رعنا کے یارو کیا عجب
مثل سایہ سرداب جو میں ہے ڈوبا ہوا

آشناؤ کیا کروں تدبیر نکلے کس طرح
دل تو چاہ غبغب گل رو میں ہے ڈوبا ہا

دیکھ کر اس کو ہوا تھا میں جو غرقاب شرم
اب تلک سر کاسہ زانو میں ہے ڈوبا ہوا

لوگ کہتے ہیں کہ پانی میں نہیں خس ڈوبتی
میرا ہر موئے مژہ آنسو میں ہے ڈوبا ہوا

رات کس گل کو لگایا تھا گلے ہم نے ظفر
پیرہن جو عطر کی خوشبو میں ہے ڈوبا ہوا

تم ایک بوسہ دو اور دل کا میرے لو سودا
بتاؤ تو غنچہ دہن رکھو گو کہ سودا

بلائیں زلف کی لیں میں نے وہ لگے کہنے
پھر ان دنوں میں ہوا شاید آپ کو سودا

نہیں حکیم و مالخولیا جنونی ہے
ہمارے عشق کو کہتا ہے یار جو سودا

جبیں کے بوسے پہ دیتا ہوں مانگ کو دل کو
غرض ٹھہرتا ہے کس کا دوستو سودا

کیا ہے اس کے خط سبز نے مجھے مجنوں
بہار آئی ہے کیوں جوش میں نہ ہو سودا

جنوں کے جوش نے تن میں تمہارے مجنوں کے
بنایا بلغم و صفرا و خون کو سودا

ظفر بھی شعر و سخن میں ہے ایک ہی استاد
تم اپنے وقت کا رو اسے کہو سودا

یہ آسماں غلام ہے کس مہ جمال کا
پہنے پھرے ہے کان میں بالا ہلال کا

رکھا ذقن پہ یار نے کیوں دانہ خال کا
ہے ہیضہ ہما پہ عجب ہوتا دال کا

انبوہ خال و خط سے ترا صفحہ عذار
گویا کہ فال نامہ ہے یہ دانیال کا

دل سیلی چمن زلف کی بیعت گزیں ہوا
کوئی اسے مرید کہو کوئی بالکا

ہوتا ہے چودھویں کو ہمیشہ خسوف ماہ
جو دن کمال کا ہے وہی ہے زوال کا

عبرت کے لیے ہے قبر سکندر کو دیکھنا
یارو کچھ اعتبار نہیں ملک و مال کا

بارش سے مرے ابر مژہ کی عجب نہیں
موسم رہے تمام برس برشگال کا

ہے آئنہ رخوں کا تصور جو آنکھ میں
ہے آ رہا نظر مجھے عالم مثال کا

منہ ہم نے چوم چوم لیا شب کو اے ظفر
یاد آیا ان کے گال پہ رکھنا جو گال کا

نہ ہرگز درد دل سے میں کراہا
غرض پوشیدہ الفت کو نباہا

محبت کے یہ معنے ہیں کہ میں نے
وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا

عیاں ہے صفحہ رخ پہ ترے خط
کہ ہے مخواہ بوسوں کا سیاہا

فقیروں سے تو پوچھو لذت عشق
اہاہاہا، اہاہاہا، اہاہا

ظفر کو باز رکھ اعمال بد سے
خطا بخشا، کرم گارا، الہا

صرفت العمر فی لہو و لعب
فاہا، تم آہا، تم آہا

ظفر ہے عرض یہ ہی فخر دیں سے
کہ شاہا دیں پناہا تکیہ گاہا

جس گھڑی مشق ستم کیجیے گا پہلے سر میرا قلم کیجیے گا

تم پہ ہے حضرت دل سایۂ زلف پڑھ کے والیل کو دم کیجیے گا
واہ واہ پیر مغاں واہ کر اب دختر رز کو حرم کیجیے گا
گر ہے یہ موج تبسم منجر چاک غنچے کا شکم کیجیے گا
کام عاشق کا تو مر جانا ہے آپ کچھ اس کا نہ غم کیجیے گا

ق

خط جسے چاہو لکھو تم لیکن اتنا بندے پہ کرم کیجیے گا
وہ جو القاب لکھا ہے مجھ کو وہ کسی کو نہ رقم کیجیے گا
اے ظفر دل کو وہ لیں گے بقسم ان کی باور نہ قسم کیجیے گا
یعنی دل لے کے نہ دیں گے وہ تمہیں لاکھ گر چشم کو نم کیجیے گا

دل انہیں دے کے تم اپنے دل پر
اپنے ہاتھوں سے ستم کیجیے گا

دل میں اس قامت موزوں کا جو مضمون ہے بھرا تم نے جانا بھرا دل سے وہ موزوں ہے بھرا

مطلع ثانی

تو نے گر بزم میں جام مے گلگوں ہے بھرا اے اشک سے دیدہ ہم نے بھی رشک سے آنکھوں میں یہاں خوں ہے بھرا
تر میرا کہاں ہے لبریز معجزہ عشق سے یہ کوزے میں جیحوں ہے بھرا
غم لیلےٰ نے لٹا کر اسے مارا شاید خاک صحرا میں جو یک سرتن مجنوں ہے بھرا
کشتۂ مژگاں کا ترے دشت میں مدفون ہے کیا اس قدر کانٹوں سے جو دامن ہاموں ہے بھرا
چین ملتا ہی نہیں عشق کے آواروں کو بغض کیا جی میں ترے گردش گردوں نے بھرا
خاک رو رو کے کرے کوئی جی اپنا خالی لاکھ حسرت سے ہمارا دل محزوں ہے بھرا
کون ہو تجھ سے چار آن کے ظالم کر بلا تجھ میں زہر اے نگہ چشم پہ افسوں ہے بھرا

درم داغ کی دولت سے مرے سینے میں
اے ظفر دیکھ کر گنجینۂ قاروں ہے بھرا

یہ چشم تر سے دم گریہ خون ناب بہا کر پانی کوچے میں رنگین جوں شہاب بہا

مطلع ثانی

ہمارے آگے نہ آنسو تو اے سحاب بہا وگر بہاوے تو یونہی درخوش آب بہا

مطلع ثالث

ہماری آنکھوں سے جس وقت خون ناب بہا پھرے گا گنبد افلاک جوں حباب بہا
ہمارے ہاتھ سے اک جام نوش کر ظالم لگا کے لب سے گرمیاں پہ مت شراب بہا
ستارے آئے نظر آفتاب پر ہم کو عرق جو رخ پہ ترے رشک آفتاب بہا

کھلا اگر کبھی واعظ پہ ایک نکتہ عشق   یقین ہے دیوے گا دریا میں ہر کتاب بہا
نہ جانی آنسوؤں کی قدر حیف دیدہ تر   یہ مفت تو نے دیے گوہر خوش آب بہا
سر اپنا بیچتے ہیں اک نگاہ پر عاشق   یہی ہے اس کا بس اے شوخ پر حجاب بہا

ظفر بہائے گی امید وصل اس گل سے
کنار آب پہ لا کے گل شتاب بہا

تری اس زلف کافر کو صبا نے تھا الٹ مارا   طمانچہ اس نے تیرے منہ کو کیوں الٹا الٹ مارا
ملا کوہ محبت کو کسی کے جب پیچھے سے   تو پھرا چار اپنے سر پہ ایک تیشا الٹ مارا
نہ نکلا مطلع ابرو کا تیرے مطلع ثانی   کر دیوان ہلالی ہم نے سارا الٹ مارا
جو گھوڑے پر ہوا کے تھا غرور شہسواری میں   زمیں پر اس کو اس گردوں نے دے پٹکا الٹ مارا
پچھولامت سمجھا اس کو ساقی محبت نے   مرے سینے پہ ساغر بھر کے ہاں دیکھ الٹ مارا

ظفر عالم میں بدمستی کے کس کو ہوش اپنا ہے
جہاں پایا اسے چھیڑا جہاں دیکھا الٹ مارا

جب تلک سینے میں دم تھا نالہ آتشناک تھا   پر جو دیکھا صاف جل کر ہوگیا دل خاک تھا

مطلع ثانی

دیکھ کر حالت مری گردوں نہ کر غمناک تھا   کہکشاں سے رات کو اس کا گریباں چاک تھا
جو گیا دریائے الفات میں وہ ڈوبا آخرش   دل جو میرا پیر کر نکلا بڑا پیراک تھا
لہلہائے کیوں لب جو پر نہ سرو آب جو   دفن یاں اس کا شہید قامت چالاک تھا
گردشت چشم بتاں سے اس نے یہ سیکھے ہیں طور   ورنہ دلا کب بھلایوں گنبد افلاک تھا
تھا شہیدوں کا ترے ماتم تحر گلشن میں کیا   جو سحر ہوتے ہی بلبل گل گریبان چاک تھا

جو نہ کہنا تھا کہا جھٹ منہ پہ اس سفاک کے
سچ تو یوں ہے ہاں ظفر بھی ایک ہی بیباک تھا

ہووے تمہارے در تک اپنا کہاں سے انا   جب اک قدم ہے مشکل اس ناتواں سے آنا
بیمار غم کو تیرے دیکھ آئے سب اطبا   عیسیٰ کا ایک باقی ہے آسمان سے آنا
کوئے عدم کو جاکر کوئی پھرا نہ ہرگز   دشوار ہے نہایت شاید وہاں سے آنا
للہ کر نہ دیجو برباد خاک عاشق   آہستہ اے صبا تو کوئے بتاں سے آنا
اک آن پر ہے سودا عاشق کے جنس دل کا   فرماتے آپ کیوں ہیں ناحق زباں سے آنا
کیا داخل ہے کر آویں وہ اک کشتگاں پہ !   آنا کبھی جو شاید دامن کشاں سے آنا

دم اے ظفر ہوا تھا اپنا بھی رات جوں ہی
خوشبو کا اس کی زلف عنبر فشاں سے آنا

تراش کوہ سے کیا کوہکن پتھر بنا دیتا
اگر ہوتا سلیقہ کا تو شیریں گھر بنا دیتا

صدف کا سا اثر ہے صاف نقش پائے جاناں میں
کہ ہے اشک چکیدہ کو مرے گوہر بنا دیتا

اگر میں جانتا بن کر زمیں سے لالہ نکلے گا
تو اپنے کاسۂ سر کو ترا ساغر بنا دیتا

اگر تصویر مانی کھینچتا اس میرے قاتل کی
تو اس تصویر کے بھی ہاتھ میں خنجر بنا دیتا

نہ پوچھو دل میں میرے کچھ خلش اس نوک مژگاں کی
کہ ہر مو کو بدن پہ سے مرے نشتر بنا دیتا

تصور دیدۂ تر میں مرے اس روئے تاباں کا
گہر کو اشک کے ہے دانۂ اختر بنا دیتا

عزیزو عاشقی میں پاس کیا ہے دین و ایماں کا
کہ یہ وہ کام ہے مومن کو بھی کافر بنا دیتا

وفور گریۂ خونی ہمارا داغ سینہ کو
ڈبو کر خون میں لالۂ احمر بنا دیتا

ظفر عکس لب شیریں مرے اس حور طلعت کا
سدا ہے چشمۂ آئینہ کو کوثر بنا دیتا

جگر کے ٹکڑے ہوئے جل کے دل کباب ہوا
یہ عشق جان کو میرے کوئی عذاب ہوا

کیا جو قتل مجھے تم نے خوب کام کیا
کہ میں عذاب سے چھوٹا تمہیں ثواب ہوا

کبھی تو شیفتہ اس نے کہا کبھی شیدا
غرض کہ روز نیا اک مجھے خطاب ہوا

پیوں نہ رشک سے خوں کیوں کہ دم بدم اپنا
کہ ساتھ غیر کے وہ آج ہم شراب ہوا

تمہارے لب کے لب جام نے لیے بوسے
لب اپنے کاٹا کیا میں نہ کامیاب ہوا

گلی گلی تیری خاطر پھرا بچشم پر آب
لگا کے تجھ سے دل اپنا بہت خراب ہوا

تری گلی میں بہائے پھرے ہے سیل سرشک
ہمارا کاسۂ سر کیا ہوا حباب ہوا

جواب خط کے نہ لکھنے سے یہ ہوا معلوم
کہ آج سے ہمیں اے نامہ بر جواب ہوا

منگائی تھی تری تصویر دل کی تسکیں کو
مجھے تو دیکھتے ہی اور اضطراب ہوا

ستم تمہارے بہت اور دن حساب کا ایک
مجھے ہے سوچ یہ ہی کس طرح حساب ہوا

ظفر بدل کے ردیف اور تو غزل وہ سنا
کہ جس کا تجھ سے ہر اک شعر انتخاب ہوا

جگر کا دود سیاہی میں گر سحاب بنا
تو دل کا داغ بھی تابش میں آفتاب بنا

یہ جوش اشک رہا زیر خاک بھی اپنا
کہ جو مزار کا گنبد تھا وہ حباب بنا

جلایا دل جو ترے شعلۂ نگاہ نے رات
فلک پہ نالہ مرا اڑ وک شہاب بنا

دل شکستہ کی تو میرے کچھ درستی کر
خدا کا گھر ہے بنانا بڑا ثواب بنا

ہوئی نہ پاؤں تلک اس کے دسترس افسوس
ہمارا دیدہ نہ کیوں حلقۂ رکاب بنا

کیا تھا کشتہ مجھے کس کی چشم مست نے آہ
کہ میری خاک سے ہے ساغر شراب بنا

جو میرا اختر بخت سیہ دکھتا ہے
تو خال لو کوئی کاجل کا اک شتاب بنا

نہ پہنچاں کان ملاحت تمہارے کانوں تک
اگرچہ اشک مرا گوہر خوش آب بنا

ظفر جو لکھتا ہے احوال دل تجھے اپنا
تو ایک رقعہ سے کیا ہووے گا کتاب بنا

ایک پیالا رات مے کا بعد ستوالا
مہ کو کہتا ہے نشہ میں روئی کا گالا اڑا

آشناؤ دل مرا چاہ ذقن میں گر پڑا ! !
ورنہ یہ تو رز میں دیا اڑا تا لا اڑا

سوز الفت نے خدا جانیکہ دی کس گھر کو آگ
آسماں پر جائے ہے آتش کا پر کالا اڑا

تیری آنکھوں تو بلا ہیں دل کو چھوڑیں ہیں کوئی
گر بچیں مژگاں سے پھر لیوے دبا لا اڑا

روبرو تیرے رخ روشن کے اے خورشید رو
مثل شبنم رشک سے رنگ گل لالا اڑا

لے دل صد چاک کو اپنے ہوا خواہوں کے تو
اپنی بغل میں لگا کر اس کو پھالا اڑا

دامن مجنوں لاغر خار نے تھاما تو کیا
آخرش ہو کر بگولے میں تہہ و بالا اڑا

اس کے گھر جانے کا مانع وہ جو ہوا تھا ظفر
شکر للہ اب وہ بارے روکنے والا اڑا

مارا عاشق کو تو کیا کام تمہارا نکلا
ہمیں کیا کام برا نام تمہارا نکلا

روش نکہت گل سیر کو گھر سے باہر
پھر قدم سرو گل اندام تمہارا نکلا

سارے منہ تکنے لگے گھر میں تمہارے دشمن
منہ سے قاصد کے جو پیغام تمہارا نکلا

صدقے شوخی کے وہ دل لے کے مرا پوچھتے ہیں
کیوں جی کچھ تھا دل ناکام تمہارا نکلا

نیند پھر شب کو کہاں آپ کی زلفوں کی قسم
ذکریاں جبکہ سر شام تمہارا نکلا

پختہ پایا نہ ذرا اطوار محبت میں اسے
یہ خیال اے ظفر اب خام تمہارا نکلا

قاروں اٹھا کے سر پہ سنا گنج لے چلا
دنیا سے کیا بخیل بجز رنج لے چلا

منت تھی بوسہ لب شیریں کہ دل مرا
مجھ کو سوئے مزار شکر گنج لے چلا

ساقی سنبھالتا ہے تو جلدی مجھے سنبھال
ورنہ اڑا کے پاں نشہ رنج لے چلا

دوڑا کے ہاتھ چھاتی پہ ہم ان کی یوں پھرے
جیسے کوئی چوراکے ہوا رنج لے چلا

چوسر کا لطف یہ ہے کہ جس وقت پو پڑے
ہم برچار بولے تو برنج لے چلا

جس دم ظفر نے پڑھ کے غزل ہاتھ سے رکھی
آنکھوں پہ رکھ ہر ایک سخن سنج لے چلا

اشک کا قطرہ فقط کیا صاف گوہر سا بنا
بلکہ لخت دل بھی ہے یا قوت احمر سا بنا

صبحدم گلشن میں آیا میکشی کو کیا وہ گل
ہر گل لالہ جو ہے یک دست ساغر سا بنا

گل سے بھی نازک بدن اس کا ہے لیکن دوستو
یہ غضب کیا ہے دل پہلو میں پتھر سا بنا

دشت میں بھی تیرے مجنوں کی مگر تدبیر ہے
خار وادی جنوں جو تیز نشتر سا بنا

یکا گریباں ہے بنا اس ماہ کا شکل ہلال
بلکہ تکمہ بھی گریباں کا ہے اختر سا بنا

در پہ اس پردہ نشیں کے آہ وقت انتظار
چشم کا حلقہ ہمارے حلقہ در سا بنا

کیا عجب خال سویدا گر جلے مثل سپند
سوزش الفت سے دل اپنا ہے مجمر سا بنا

عشق نے کیا جانئے کیا دل میں بھڑکائی ہے آگ
اب جو سینے میں مرے ہر داغ اخگر سا بنا

اے ظفر منظور تھا اس چشم کو عاشق کا قتل
اس لیے ہر سوئے مژگاں اس کا خنجر سا بنا

تو عبادت کو گر نہ جائے گا تیرا بیمار مر نہ جائے گا

لگے رہیں گر وہاں جا سوں بندہ کیا دیکھ کر نہ جائے گا

سر سے جائے گ کب ترا سودا جب تلک میرا سر نہ جائے گا

تو بلاتا ہے غیر کو گھر میں ایسی باتوں سے گھر نہ جائے گا

قاصدا اشک کے سوا میرے کوئی واں نامہ بر نہ جائے گا

ساتھ اپنے کوئی بھی زیر زمیں غیر داغ جگر نہ جائے گا

ایک کالی بلا ہے نصف تری جو کہ دیکھے گا ڈر نہ جائے گا

لے چکے لوگ خوں بہا میرا کیا وہ قاتل مکر نہ جائے گا

شوق بوسہ رہا اگر دم نزع دم لبوں پہ ٹھہر نہ جائے گا

گرچہ مرجائے گا ترا بیمار تو نہ جائے گا پہ نہ جائے گا

تو اگر جائے گا تو ساتھ ترے
سایہ ساں کب ظفر نہ جائے گا

عشق میں استادیاں تک آپ کا مفتوں ہوا وحشت میں شاگرد اس کا آن کر مجنوں ہوا

حشر تک واں سے گل اورنگ سے اوگتا رہا کشتہ فندق تمہارا جسم جگر مدفوں ہوا

ایک شب وہ ماہ وش آیا نہ مہماں میرے گھر واہ اتنا بھی نہ تجھ سے گردش گردوں ہوا

جی نہیں لگتا جدائی میں تو مطلق شعر پہ آہ کا مصرع ولایہ کس طرح موزوں ہوا

ہاتھ میں تیرے لگائی شب جو مہندی غیر نے رشک سے ہے لالہ دیاں بھی یہ دل پرخوں ہوا

اڑ گئی نیند آنکھ سے سنتے ہی بس اے قصہ خواں تیرا افسانہ مرے حق میں عجب افسوں ہوا

جام برکف گل ہے اور غنچہ سبو بردوش ہے کیا چمن میں آج پھر دور مے گلگوں ہوا

سرخ تھیں آنکھیں نشے سے ان میں پھر کاجل دیا دیکھیے وہ آج کس کے در پہ شبخوں ہوا

دل کا یہ عالم ہوا لیتے ہی بوسہ خال کا جس طرح بیہوش کوئی کھا کے ہوا فیوں ہوا

جو کہ ہے قسمت میں ہونا ہوگا آخر کو وہی
اے ظفر کیا شکوہ اس کا یوں ہوا یا دوں ہوا

اشک آستیں پہ میری مژگاں سے جھڑکے پہنچا اس طفل نے تو پکڑا انگلی پکڑ کے پہنچا

ہے ضعف سے اٹھانا مجھ کو قدم بھی مشکل میں اپنے ہمرہوں تک کیونکہ بچھڑ کے پہنچا

کوئی گھڑی تو مجکو آرام وصل میں دے اے فکر ہجر ابھی تے مجکو نہ دھڑ کے پہنچا

یاں تک ہوں ناتواں میں پکڑو جو دامن اسکا جھٹ ہاتھ سے الگ ہو میرا اکھڑ کے پہنچا

سیلاب اشک اپنا اس یار کی گلی تک پہنچ تو سینکڑوں کے ہاں پاؤں پڑ کے پہنچا

گر صلح اس سے ہوتی یہ رنگ تو یہ نہ ہوتا اس حال کو عزیزو میں اس سے لڑ کے پہنچا

رعنائی میں ہے قامت تیرا کوئی قیامت کب سرو بانکپن کو تری اکڑ کے پہنچا

آیا جو یاد مجکو اس کا گلے لگانا ! ! ! میں گور کے کنارے بس دم اکھڑ کے پہنچا

طے راہ عشق ہووے آسان کب کسی سے منزل پہ جو کہ پہنچا پاؤں رگڑ کے پہنچا

پھاڑا صبا گلوں نے اپنا جو یوں گریباں ہے کیا پیام ایسا گلشن میں تڑ کے پہنچا

پکڑا جو ہاتھ اس کا میں نے ظفر ہنسی سے
کس کس طرح چھڑایا اس نے پکڑ کے پہنچا

وہاں دل نہ لگاتا جو کوئی اور سا ہوتا
پہنچے نہ کٹاتا جو کوئی اور سا ہوتا

مہندے ترے پاؤں میں ہو اور خون بھرا دل
کیا رنگ دکھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

زلفوں کو دیا چھوڑ مجھے منہ تھا تمہارا
میں ٹھیک بناتا جو کوئی اور سا ہوتا

میں ہی تھا جو خاموش رہا سن کے تری بات
دو چار سناتا جو کوئی اور سا ہوتا

انصاف تو کر تو کہ مری طرح سے تیر
کب ناز اٹھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

کچھ قدر مری تو نے ستمگار نجانی
چھاتی سے لگاتا جو کوئی اور سال ہوتا

میں تھا کہ لیا بوسہ خط سبز کا تیرے
یوں زہر نہ کھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

اے شمع ترے جلتے ہی پروانے نے جاں دی
یوں جی نہ جلاتا جو کوئی اور سا ہوتا

دیں گالیاں تو نے ہمیں اور ہم نہ گئے دکھے
منہ بھی نہ دکھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

تیرا اس کا لگا دل میں نہ کی آہ بھی میں نے !
کیا شور مچاتا جو کوئی اور سا ہوتا

دل دے کے ظفر ہم نے کہا کچھ بھی نہ اس کو
سو فیل وہ لاتا جو کوئی اور سا ہوتا

بوسہ ظفر نہ مانگو کیا فائدہ اڑے کا
دل پھر لو نہیں تو سودا گلے پڑے کا

قبر شہید الفت لبریز ہے لہو سے
جانے دو کھولنا اب اچھا نہیں گڑیکا

کیا شیشہ قدح سے چلتا ہے کام میرا
ساقی تجھے قسم ہے منہ کھول دے گھڑیکا

پلے میں تم جبیں کے رہنے دو خال ابرو
میزان حسن میں یہ پاسنگ ہے دھڑیکا

ہالا نہیں فلک پر ہے گرد ماہ شب کو
شاید کہ عکس ہے یہ اس پاؤں کے کڑیکا

نازک ہیں تیرے پہنچے حیران ہوں کہ ان سے
اٹھے گا بوجھ کیونکر اے سیم تن چھڑیکا

غیر از خدا ظفر یاں کوئی نہیں ٹھکانا
منعم کا اور گدا کا چھوٹے کا اور بڑے کا

دے میرے ہاتھ پہ گل غنچہ وہاں چھلے گا
بس نشانی کو یہ کافی ہے نشاں چھلے کا

جو گلے میں ترے عالم ہے عیاں چھلے کا
گردن شیشہ میں وہ لطف کہاں چھلے کا

اللہ اللہ رے نزاکت تری نازک اندام
بوجھ انگلی کو ہو معلوم گراں چھلے کا

حلقہ زن دیکھ نشے میں جو خط جام کو رات
تو ہوا بادہ پرستوں کو گماں چھلے کا

طوق قمری کے گلے میں نہیں شاید کہ ہے عکس
تری انگشت کے اے سرو رواں چھلے کا

بیفکر کی سی ہوں پوریں جو تری انگلی کی
ہووے کس طرح سے تیریں نہ وہاں چھلے کا

ہالہ ماہ نہیں کوئی نمونہ ہے عیاں !
یہ تمہارے نگر اے ماہ رخاں چھلے کا

اے ظفر حلقہ گیسوئے پری رخ کے سوا
کام انگشت میں شانہ کے کہاں چھلے کا

جسے سمجھا تو کھٹکا شب کو دروازے کے پٹکا تھا
خدا جانے وہ سر کو کس نے در پہ تیرے پٹکا تھا

چمن میں شاخ سنبل کے لیے میں نے کئی بوسے
بندھا جو دھیان آنکھوں میں ترے گیسوں کی لٹکا تھا

گرایا خاک پر اے چشم طفل اشک کو ناحق !
کہ کرتا نیزہ مژگاں پہ میرے کام نٹ کا تھا

سزا ہے اے دل کج فہم جتنا تو بلا میں ہو !
تری شامت تھی کیوں تو جا لگے ان زلفوں میں لٹکا تھا

نہ کر دریا کشوں سے ساقیا اتنی تنک ظرفی
دیا ایک شیشہ مے اور مجھے درکار مٹکا تھا

مگر یہ گری فریاد بلبل کا اثر تھا کچھ !
لگا جس سے کہ طفل غنچہ کو گلشن میں چٹکا تھا

ظفر دل لے گیا تجھ کو گلی میں اس پری وش کی
وگرنہ اب تلک تو وہاں فرشتہ بھی نہ پھٹکا تھا

سر بستر تیری نگاہوں نے جگر کو چھانا
کثرت تیر نے آخر کو سپر کو چھانا

دل گم گشتہ نہ ہاتھ آیا بہت سا ہم نے
جو صبا خاک در رشک قمر کو چھانا

اس لطافت سے ہے سرخی ترے رخ پر گویا
صاف نور میں رنگ گل تر کو چھانا

پہنچے ترے لب و دنداں کی حلاوت کو کہاں
ہم نے سو بار اگر شیر و شکر کو چھانا

آبداری ترے دنداں کو جو دی خالق نے
چار نور میں خوب آب گہر کو چھانا

خاک چھانا کیا مدت وہ ترے کوچے میں
تو نے باتوں میں کہ جس خاک بسر کو چھانا

کرکری ہووے گی بد لوگوں کی شیخی ساری
امتحاں کر کے اگر میں نے ظفر کو چھانا

برائے بوسہ جو میں نے اسے ہنسی سے کہا
تو کیا کہوں مجھے کیا اس نے بے رخی سے کہا

ارادہ ہے جو میرے قتل کا تجھے قاتل
تو کھینچ تیغ کہ میں نے بھی ہاں خوشی سے کہا

پیرلیے دل عشاق کو جان دی اپنی
ولے نہ درد دل اپنا کبھی کسی سے کہا

قسم خدا کی تجھے قاصدا کہ یہ پیغام
نہ آفریں بھی کبھی تو نے دل دہی سے کہا

اٹھائے لاکھوں ستم تیرے دے کے دل ہم نے
کہا ہے یار نے یا تو نے اپنے جی سے کہا

صدا نہیں یہ چٹکنے کی، غنچہ گل نے
لبوں کو دیکھ کے کچھ تیری تنگی سے کہا

ہمیشہ کرتے رہے غیر کی طرف داری
کبھی نہ آپ نے اک حرف منصفی سے کہا

بھر آئے چشم اجل میں بھی یک بیک آنسو
تمہارے کشتہ نے کچھ ایسا بیکسی سے کہا

ظفر وہ دشمن جاں ہے اسے مجھنیو دوست
ترے جتانے کو یہ ہم نے دوستی سے کہا

بھویں بنا کے جو اپنی وہ مہ جمال آیا
نظر یہ رشک سے پھر چرخ پر ہلال آیا

کچھ ایسا ساغر صہبا کا شب خیال آیا
کہ پیار کاسہ مہ پر مجھے کمال آیا

بغل سے لے کے وہ دل لوں بجائے ہے تغلیں
کہ جیسے ہاتھ کسی کم بغل کے مال آیا

سوال بوسہ کریں کس روش کہ اے جی
برنگ غنچہ پھلائے ہوئے وہ گال آیا

نمود رنگ ہے نزاکت سے یوں گلو میں ترے کھلا یہ ہم پہ تو
کہ جوں صراحی بلوری میں ہووے بال آیا

اے بحر حسن دیکھ کے زلف
کہ ماہی گیر ہے کاندھے پہ لے کے جال آیا

تمہارے خال کے گھٹنے کی جو ہوئی بری
شریک فاتحہ ہونے کو خاص خال آیا

دکھا نہ جذبہ عشق اپنا دیکھ اے بلبل
یہ بیٹھے بیٹھے ترے جی میں کیا خیال آیا

روش پہ لوٹے ہے گل اس روش ہوا سے آج
کہ بن سرو دیے جیسے کسی کو حال آیا

جو کچھ نہ کہنا تھا وہ کہہ دیا ظفر اس سے
بھڑاس دل کی وہاں ساری میں نکال آیا

لاغری سے حال اپنا کیا کہوں کیا ہوگیا — میں زمیں پہ نقش پائے مور گویا ہوگیا
جل گیا گل کا جگر اس رونے آتش ناک سے — قطرہ شبنم نہیں ہے یہ پھپھولا ہوگیا
اپنے زخمی سے ترق کو تو جو بولا جنگ جو ! — ٹوٹے یوں زخموں کے ٹانکے اک تڑاقا ہوگیا
جبکہ دریا میں پڑا ساقی کا عکس تاب رخ — ساغر خورشید اک حلقہ بھنور کا ہوگیا
آہ تھی میری کہ افعی اڑ کے کاٹا چرخ کو — زہر اس کا یہ چڑھا اس کو کہ نیلا ہوگیا
حسن جو تیرا دو چند آیا نظر تو شرم سے — ماہ کامل جوں مہ یک ہفتہ آدھا ہوگیا
پشت لعل لب پہ جب نکلا زم و فام خط — ساغر یاقوت پہ گویا مینا ہوگیا
کھل گیا سارا جہاں گردوں پہ احوال زمیں ! — چشم کے مانند جب پاؤں کا چھالا ہوگیا
نشہ ترشی سے گھٹے ہے یہ الفت کا نشہ — ترش ہونے سے تیرے یہ اور دونا ہوگیا

ہے یہ وحشت بھی بلا سوزی کہ مجھکو اے ظفر
ہر قدم پہ نیش کژدم خار صحرا ہوگیا

جو دیکھے رشک چمن کے بدن میں تنگ قبا — نہ پہنے رشک سے غنچہ چمن میں تنگ قبا
بغل میں لے کے تجھے تنگ شوخ سیمیں تن — خوشی سے کیونکہ ہو اپنے تن میں تنگ قبا
سپاہی کو نہیں زیبا ہے پیرہن ڈھیلا — پھبے ہے ہاں بدن تیغ زن میں تنگ قبا
نہ کیونکہ جامہ فانوس میں خجل ہو شمع — جو زیب بر ہو ترے انجمن میں تنگ قبا
جنوں کے ہاتھ سے میں گھر میں ہو رہا ہوں تنگ — مرے ہے ہاتھ سے دیوانہ پن میں تنگ قبا

گلو ں اوس سی پڑ جائے اے ظفر گر ہو
عرق سے تر بر نازک بدن میں تنگ قبا

جس وقت نظر کوئی وہاں اور ہے آتا — اس وقت مرے دل میں گماں اور ہے آتا
میرے دل نالاں کے جو نالوں سے ہو نالاں — کیا کوئی یہاں نالہ کناں اور ہے آتا
اے یاس و الم جاؤ مرے خانہ دل سے — مہمان کوئی اب تو یہاں اور ہے آتا
جوں جوں لب شیریں سے مجھے دے ہے تو دشنام — اک مجھکو مزا پستہ وہاں اور ہے آتا

بولے وہ ظفر غیر سے سن کر مری فریاد
لو آج تو اک گرم فغاں اور ہے آتا

عارض پہ تیرے رنگ حنا گلبدن لگا — ہو کیوں نہ شور دن دے مہ کر گہن لگا
گلشن میں اس کے جلوہ قامت کے سامنے — مانند بید کانپنے سرو چمن لگا
کروٹ بدل کے سونے سے کیا خاک ہے مزا — چپٹنے سے سینہ اور بدن سے بدن لگا
گرنے سے تھم رہا ہے فلک میری آہ سے — دیکھو تو کیا ستون پہ سقف کہن لگا
دم لینے کس کو دے ہے کہ دنبال عاشقاں — پھرتا ہے بہر قتل وہ شمشیر زن لگا
پھولا برنگ گل نہ سمایا میں آپ میں — آ کر مرے گلے جو وہ گل پیرہن لگا
کیونکہ نہ اپنا روز خوشی ہو کہ اب ترا — قسمت سے ہاتھ بوسہ سیب ذقن لگا
حیراں ہو خال گوشہ ابرو کو اس کے دیکھ — ہے نیلو فر بشاخ غزال ختن لگا

طرز سخن کا اپنی ظفر بادشاہ ہے
اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا

نیلو فر رہتا ہے جو پانی میں ڈوبا ہوا
یوں ہے اس رخ کے عرق میں خال اب ڈوبا ہوا

آئینہ کیا دیکھے تجکو اسلئے اب خجالت میں ہے غرق
اپنی نظروں میں تو ہے کلک طلب ڈوبا ہوا

گردش چشم بتاں سے کیا ہو دل کی مخلصی
حلقۂ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا

دل سے کب بھولے ہے میرے اسکے زلف و رخ کی تاب
دھیان میں رہتا ہوں جس کے روز شب ڈوبا ہوا

پنجۂ خورشید یا رو شفق آلودہ آج
دست قاتل یہ نہیں ہے خوں میں اب ڈوبا ہوا

پھانس سی کھٹکے ہے جی میں اسکی مژگاں کا خیال
ہے رگ جاں میں یہ نشتر بے سبب ڈوبا ہوا

دل سے جب کہتا ہے اپنے دمبدم یا بو تراب
بحر عصیاں سے ظفر نکلے ہے تب ڈوبا ہوا

گل صد برگ جو گل تو نے اٹھا کر پھینکا
میں نے جانا دل صد پارہ کو دلبر پھینکا

اس ستمگر نے مجھے ٹکڑے جو کر کر پھینکا
تو کہیں پاؤں کہیں ہاتھ کہیں سر پھینکا

سوز عشق نے ساتھ آہ کے مانند سپند
مجمر سینہ سے دل کو مرے باہر پھینکا

میکشی کرکے جو گلشن سے چلا وہ بدمست
توڑ کر گل کا صبا نے وہیں ساغر پھینکا

حرف مطلب کے قریب آیا جو میں باتوں میں
اس نے پھر دور مجھے بات بنا کر پھینکا

چھوڑا صیاد نے تجکو تو عجب حال کیا
پھیکے پر نوچ کے اور توڑ کے شہپر پھینکا

ذبح کے بعد مرے وہ جو بہت پچھتایا
توبہ کی قتل سے اور ہاتھ سے خنجر پھینکا

باغ میں اور بھی خوش رنگ ہوئی گل مہندی
اس نے مہندی کو جو پاؤں سے چھڑا کر پھینکا

گنجفہ میں مرا سر دیکھ کے اس قاتل نے
در قبازی شمشیر ہے اکثر پھینکا

گل بازی کی طرح تو نے مجھے عالم میں
یاں سے واں، واں سے یہاں خرخ ستمگر پھینکا

ق

کیا کہوں کیسا وہ گھبرائے ہیں بیٹھے بیٹھے
میں نے شب گھر میں جو ان کے کوئی کنکر پھینکا

اٹ کے بھاگے یہی کہہ کر کوئی ہاں جاؤ شتاب
دیکھو کس نے پس دیوار ہے پتھر پھینکا

ق

کچھ نہ پوچھو دل بیتاب کا میرے احوال
میں نے پہلو سے نکال اس کو جو باہر پھینکا

پاؤں پر اس بت سفاک کے وہ یوں تڑپا
کرکے جوں ذبح کسی نے ہو کبوتر پھینکا

دل کو بن جائے وہاں چین نہیں آنے کا
اے ظفر چل کے اسے یار کے تو گھر پھینک آ

تیرے پنجے کو کہاں پنجۂ مرجاں پہنچا
جب نہ فندق کو ترے لعل بدخشاں پہنچا

نامہ بر میرا کہاں دیکھو عزیزاں پہنچا
جائے جس جا نہ فرشتہ وہاں انساں پہنچا

اس کی پشت لب جاں بخش پہ نکلا خط سبز
خضر گویا کہ سر چشمۂ حیواں پہنچا

بخیہ گر کون تھا جو چاک جگر کو سیتا
خوب بروقت تو اے ناوک جاناں پہنچا

چھوڑنا حشر تلک بھی نہ تجھے اے قاتل
ہاتھ بسمل کا نہ پرتا سرداماں پہنچا

غم میں اس پردہ نشیں کے ہے مرا ناک میں دم
ور صدمہ نہ مجھے اے غم جاناں پہنچا

آتش عشق سے جلتا ہے مرا خانۂ دل
جلد پانی کہیں اے دیدۂ گریاں پہنچا

بھاگتا ہاتھ چھڑا کر تمہیں ہوتا معلوم
گر مرے ہاتھ میں آ جاتا مری جاں پہنچا

دیکھئے صبح تری کون سے دن ہوتی ہے
میں تو مرنے کے قریب اے شب ہجراں پہنچا

دیکھنا شوق کے پاؤں تلک اس قاتل کے
سر مرا لڑھ کے مثال در غلطاں پہنچا

اے ظفر پہنچے مرا ہاتھ کب اس دامن تک
ضعف سے جو نہ مرے تا بہ گریباں پہنچا

جب استخواں سے یہ سوفار تیر کا ٹھہرا
تو مرغ تیر ترا طائر ہما ٹھہرا

عجب ہے سوز محبت سے دل مرا ٹھہرا
کہیں بھی آگ پہ سیماب ہے بھلا ٹھہرا

نہ ہاتھ تیغ زنی سیکھی ذرا ٹھہرا
ہماری جاں کو بلا کو وہ دوسرا ٹھہرا

یہ کس کی چشم کی گردش نے اس کو دی گردش
کہ آسماں نہ گردش سے اک ذرا ٹھہرا

دکھاتے جنبش مژگاں ہو دم بدم اپنی
گلے پہ کیا مرے خنجر ہے پھیرا ٹھہرا

گئی نہ مر کے بھی میرے نصیب کی گردش
کہ سنگ قبر مرا سنگ آسیا ٹھہرا

نہ جا سکا کوئی جب یار تک مرا قاصد
تو پیک اشک کا ناچار پہنچنا ٹھہرا

حرام میں نہیں حرمت بلا سے پیر مغاں
نکاح دختر رز سے کہیں مرا ٹھہرا

قلم نہ ٹھہر سکا پردم کتابت شوق
بہت یہ چاہا لکھوں ہاتھ کو ذرا ٹھہرا

ہر ایک دیکھ کے صورت کو میری ہنستا ہے
الٰہی میں کوئی دیوار قہقہا ٹھہرا

کبھی دکھاتا ہے صورت ہمیں برسویں دن
غرض وہ مہر لقا چاند عید کا ٹھہرا

تمہاری آنکھوں کی بیمار جو ہوئی نرگس
گیا چمن میں نہ پھر اس سے بے عصا ٹھہرا

بنایا سرمے کا حل اس نے چشم مشکیں پہ
عجب ہے کشتی مے پہ بھی ناخدا ٹھہرا

صفائی کیا کہوں میں اس کے روئے سادہ کی
ظفر یہ پائے نگہ جس پہ ہے ذرا ٹھہرا

گور کنج فرواغ ہے اپنا
داغ اپنا چراغ ہے اپنا

کون کنج حزن میں ہے ساز
ایک دل سوز داغ ہے اپنا

اشک خونی ہیں بادہ گلگوں
دیدہ پرخوں ایاغ ہے اپنا

وعدہ وصل ہے جو اس گل سے
آج دل باغ باغ ہے اپنا

ڈھونڈتا ہے خدا کو تو زاہد
ہم کو قصد سراغ ہے اپنا

جب سے اس مہ جبیں کے عاشق ہیں
آسماں پر دماغ ہے اپنا

اے ظفر کیجے سیر و سعت دل
کہ یہی باغ دراغ ہے اپنا

ہم روئے ایسا تو نے جو ہم کو رلا دیا پانی میں ایک دکھائی فلک بلبلا دیا
اس شعلہ خو سے بزم جہاں میں لگا کے لو مانند شمع آپ کو ہم نے گھلا دیا
ہے خاک راہ یار چکھی بھی کیمیا یہ عشق نے بتا ہمیں اک چٹکلا دیا
ایسا نہ ہو کہ غیر پہ کھل جائے مدعا قاصد نے میرا خط اسے جا کر کھلا دیا
سب یار کوچ کر گئے میری کھلی نہ آنکھ غفلت نے کیا کہوں مجھے کیسا سلا دیا
تم نہ کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا

کھینچا جو نقش کلک تصور سے یار کا
نقاش چیں کو ہم نے ظفر چین بلا دیا

جگر سے یوں دھواں ہے بار بار اٹھا ہوا آتا کہ ہو جس طرح سے ابر بہارا اٹھا ہوا آتا
سریر سلطنت پر بیٹھتے آتا ہے ننگ اس کو ترے کوچے سے ہے جو خاکسار اٹھا ہوا آتا
پڑا ہے خاک پر ظالم تو کیا جب سر اٹھاتا ہے زمیں سے سوختہ دل داغدار اٹھا ہوا آتا
جلا کر شمع ساں جس کو اٹھایا تو نے محفل سے وہی جاں سوختہ دل داغدار اٹھا ہوا آتا
خرام ناز سے تیرے سر رہ تیرے عاشق پر نظر ہے ایک فتنہ اے نگار اٹھا ہوا آتا
اڑاتا خاک آتا ہے ترا دیوانہ صحرا میں بگولا سا جو ہے یہ اک غبار اٹھا ہوا آتا

خدا جانے بھڑکتی ہے ظفر کیا آگ سینہ میں
کہ دم کے ساتھ ہے شعلہ سا یار اٹھا ہوا آتا

مرا دشمن اگرچہ زمانہ رہا ترا تو بھی دوست یگانہ رہا
نہ تو اپنا رہا نہ بیگانہ رہا جو رہا سو کسی کا فسانہ رہا
مرا سینہ و دل مرا جان و جگر ترے تیر نگہ کا نشانہ رہا
رہی کثرت داغ بدولت غم مرے پاس ہمیشہ خزانہ رہا
گیا موسم گردش ساغر مے نہ وہ دور رہا نہ زمانہ رہا
رہیں خانہ خرابیاں جس کے لیے وہ رقیب کا رونق خانہ رہا

ظفر اس کی تو زلف میں دل ہے مرا
مرے پاس بلا سے رہا نہ رہا

نہ نظر آوے نہ کیونکر آنکھ میں اس یار کا آنکھ اپنی بن گئی ہے آئنہ دیدار کا
صفحۂ قرآن پہ کھینچے ہے اک جدول سیاہ مصحف رخ پر وہ سایہ زلف کا ہر تار کا
پاس ابرو کے مرصع کار پیچے میں کہاں ہے میاں قبضہ جڑاؤ یار کی تلوار کا
زخم دل کو صاف کرتا ہے خیال خط سبز چارہ گر مرہم نہ رکھے بے فائدہ ژنگار کا
دیکھتا جھانکتا کہیں وہ مہروش شاید کہ ہے اختر صبح قیامت روزن اس دیوار کا

محو حیرت کیوں نہ ہو وہ اے ظفر آئینہ وار
دیکھنے والا ہو جو اس آئینہ رخسار کا

دے دیا دل اور نہیں یہ یاد وہ کس کو دیا
عشق کو کھو دے خدا اس نے جہاں سے کھو دیا

تیرا اس ناوک فگن کا جب لیا دل سے نکال
چارہ گر کے سامنے زخم جگر نے رو دیا

خواہ وہ داغ جنوں تھا خواہ کوئی اشک خوں
ہم نے سر آنکھوں پہ رکھا عشق تونے جو دیا

دین و ایماں، جان و دل، ہوش و خرد صبر و قرار
اک جگہ پر ہم نے کیا کیا تم کو دیکھو تو، دیا

عرصۂ یک دم پہ دریا میں ابھرتا ہے حباب
ہستی موہوم نے کیا اس کو دم دیکھو دیا

میرے گریے نے نہ دھویا دل سے میرے ایک داغ
ور اس کے دل سے اب حرف محبت دھو دیا

دیکھنا رنگ محبت کیا دکھاتا ہے بہار
تختۂ دامن پہ اشک خوں نہ لالہ بو دیا

اب دل آزادی کرے وہ خواہ دلداری کرے
اے ظفر اس دلربا کو ہم نے دل اب تو دیا

ہاتھ قاتل تری تلوار کا ایسا چھوٹا
سارے جھگڑوں سے جہاں کے ترا شیدا چھوٹا

چھٹ گیا ہاتھ سے دامن دم بسمل تیرا
پر ذرا خوں ترے دامن سے نہ میرا چھوٹا

عکس چشم اس کا نظر آئے ہے یوں آئنے میں
جیسے تالاب میں ہو کوئی تو اڑا چھوٹا

نوک مژگاں نے تری ایسا ڈبویا نشتر
رگ جاں سے مرے فوارہ لہو کا چھوٹا

سوزش غم ہے تماشا کوئی آتشبازی
نالہ کیا سینے سے نکلا مرا چھکا چھوٹا

نہیں تلووں سے ملے دیدہ تر تونے کیوں
رنگ مہندی کا کف پا سے نگارا چھوٹا

کو بکو چھوٹے مرے واسطے لاکھوں جاسوس
مجھ سر پہ کوچہ جاناں کا نا جانا چھوٹا

اڑ کے جا سکتا نہیں تا سر دیوار چمن
دام صیاد سے چھوٹا بھی تو میں کیا چھوٹا

آخرش لے ہی لیا تیغ نے لب کا بوسہ
اے ظفر یہ نہ لب زخم سے لپکا چھوٹا

جبکہ شب دیدۂ قلم قرطاس پہ جولاں کیا
تب قلم و میں سخن کا اک قلم میداں کیا

چشم بینا ہے تو دیکھو ہے تجلی طور کی
دل میں اپنے جو شرر ہر سنگ نے پنہاں کیا

تونے یارب کس رخ روشن کی لکھنے کو ثنا
صفحۂ چرخ پہ انجم سربسر افشاں کیا

مل گئی ہیں خاک میں ہیہات کیا کیا صورتیں
چشم نقش پا کو مثل آئینہ حیراں کیا

دیکھ غافل صانع قدرت کی تو صنعت گری
ایک مشت اک کو کیا صورت انساں کیا

جلوہ فرما جب یہاں دیکھا اسی کو ہر طرف
رتبہ دیر و حرم کو ہم نے پھر یکساں کیا

آشنائی کرکے پیدا تم نے بحر عشق سے
عزم رفتن سیر کی شکل و غلطاں کیا

بارعصیاں لے چلے ہم سر پہ دھر سوئے عدم
خاک اے ہمدم سفر کا ہم نے اب ساماں کیا

اپنی غفلت پہ ظفر جائے تاسف ہے کہ آہ
ہم نے سب کچھ جان کر پھر آپ کو ناداں کیا

صبحدم کیا ترے کوچے میں میں ہو کر آیا
تجھکو پایا جو نہیں خوب میں رو کر آیا

اس سے بازی جو لگا کھیلنے میں چوپڑ کی
مایۂ زندگی اپنی کو بھی کھو کر آیا

چھڑگئی شیخی تری روبرو میرے اے اشک
تو غبار اس کے نہ دل سے کبھی دھو کر آیا

جس نے تجھ سے بہت خونخوار لڑائیں آنکھیں
تیغ مژگاں سے اسے اپنی تو دو کر آیا

پوچھ خاموشی کو مت میری تو اے غنچہ دہن
دل مرا جانتا ہے مجھ سے تو جو کہ آیا

چشم کا نام نہ لے لڑنے کا اب تو اے یار
کام کو اپنے تو ہے آپ ڈبو کر آیا

پیرہن سے ترے بو آتی ہے خوشبو کی ظفر
ساتھ تو کون سے گلرو کے ہے سو کر آیا

پان کھا کر سرمہ کی تحریر پھر کھینچی تو کیا   جب مرا خوں ہو چکا شمشیر پھر کھینچی تو کیا
اے مہوس جبکہ زر تیرے نصیبوں میں نہیں   تو نے محنت بھی لیے اکسیر پھر کھینچ تو کیا
گر کھینچے سینہ سے ناوک روح تو قالب سے کھینچ   اے اجل جب کھینچ گیا وہ تیرے پھر کھینچی تو کیا
کھینچتا تھا پاؤں میرا پہلے ہی زنجیر سے   اے جنوں تو نے مری زنجیر پھر کھینچ تو کیا
داری پر اس نے کھینچا جب سر بازار عشق   لاش بھی میری لئے تشہیر پھر کھینچی تو کیا
کھینچ اب نالہ کوئی ایسا کہ ہوا اس کو اثر   تو نے اے دل آہ پرتاثیر پھر کھینچی تو کیا
چاہیے اس کا تصور ہی سے نقشہ کھینچنا   دیکھ کر تصویر کو تصویر پھر کھینچی تو کیا
کھینچ لے اول ہی سے دل کی عنان اختیار   تو نے گر اے عاشق دلگیر پھر کھینچی تو کیا

کیا ہوا آگے اٹھائے گر ظفر احسان عقل
اور اگر اب منت تدبیر پھر کھینچی تو کیا

مر جایئے یا کچھ وہ کسے دھیا کسی کا   دنیا میں نہیں کوئی مری جان کسی کا
ملنے کا تجھے رہتا ہے ارمان کسی کا   لیتا ہے جو نہیں نام کسی آن کسی کا
ٹکڑا نہیں اے دست جنوں ایک بھی چھوڑا   داماں سے لے تا گریبان کسی کا
یہ سنگ دلی اپنی تم اب چھوڑ دو اتنی   دل توڑتے کیوں ہو جو ہر آن کسی کا
اے لالہ رخاں تن مرا گلخوردہ ہے جیسے   ایسا نہیں یک دست گلستان کسی کا
ہوتی ہے بری عشق کی آتش بھی ڈر ہے   گھر پھونک نہ دے آتش سوزان کسی کا
طے منزل عشق اس سے یہ کب ہوسکے یارو   لٹ جائے سر راہ جو سامان کسی کا
الطاف و کرم غیروں پہ رہتا ہے تمہارا   تم جانتے ذرہ بھی نہیں مان کسی کا
سوجھی مجھے رونے سے ہے دن رات کی واللہ   گھر دینگے ڈبو دیدہ گریان کسی کا
زلف و رخ جاناں سے جو ہے دوتی واللہ   ہندو نہ کسی کا نہ مسلمان کسی کا
تیرے تپ غم میں یہ سدا پہنچی ہے نوبت   پھر کیوں کر بجا ہووے اب اوسان کسی کا

اب قافیہ و بحر ظفر پھر غزل لکھ
ہٹ جائے نہ جانب سے ترے دھیان کسی کا

دلا دور سے دیکھ جاتا کسی کا   نہ جاتا کسی کا ، نہ جاتا کسی کا
عزیزو مرے آگے جزو ذکر لطر   نہلاتا کسی کا ، نہ لاتا کسی کا
نہ سمجھا تو ناصح کر مدت سمیں ہوں   رواتا کسی کا ، رواتا کسی کا
نہ ملا کرو میری جانب سے اب تم   لگاتا کسی کا ، لگاتا کسی کا
مجھے یاد آتا ہے نفس نفس کے یارو   رولاتا کسی کا ، رولاتا کسی کا
برا ہی سمجھ دل میں اچھا نہیں ہے   ستاتا کسی کا ، ستاتا کسی کا
کبھی تو سنا کرو ذرا گوش دل سے   فسانا کسی کا ، فسانا کسی کا
ترے حق میں اچھا نہیں ستمگر   کڑھاتا کسی کا ، کڑھاتا کسی کا
مری کیونکہ خاطر نشاں ہو کہ دل ہے   نشاتا کسی کا نشاتا کسی کا
مجھے یاد کرکرکے آنسو بہاتا !   بہاتا کسی کا ، بہاتا کسی کا

قوافی ظفر پھیر کر پڑھ غزل تو
رہے تا نہ آگے ٹھکانا کسی کا

نہ دل توڑ یوں اے ستمگر کسی کا — کہا بھی تو ملا کیا کر کسی کا
نہ کیوں تنگ ہوں کشمکش سے نفس کی — نہ باقی رہا ایک شہپر کسی کا
بھلا ہووے کس رو سے اب غنچہ روکش — کہاں منہ ہے اس کے برابر کسی کا
دل اس کا ملاؤں میں سن دل سے کیونکر — کہ بس کب چلے ہے کسی پر کسی کا
کمر کا جواب اس کی عالم ہے ہمدم — نہ دیکھا کوئی ایسا خنجر کسی کا
یہ جی چاہتا ہے کہ سر ہی سے ماریں — اٹھا کر ہم اب در سے پتھر کسی کا

بدل بحر اور قافیہ کو ظفر اب
کہ خوش ہووے دل تا سراسر کسی کا

الفت کا ملا ہم کو مزا یار کسی کا — بیجا کبھی ہوتا نہیں اقرار کسی کا
گر ہم ہیں گنہگار تو کر خاک کا پیوند — پردہ نہ اٹھا چرخ ستمگار کسی کا
جو آئینہ اب حیرت دیدار سے تیرے — رہتا ہے کھلا دیدہ بیدار کسی کا
رونے کا رہے گا یہی عالم تو پھر اک دن — گھر دے گا ڈبا دیدہ خونبار کسی کا
شانہ سے نہ بل کیونکہ کرے اب وہ سراسر — دل زلف بتاں میں ہے گرفتار کسی کا
تک یوں ہیں خبر برق صفت آ کے لیتا — پہلو میں تڑپتا ہے دل زار کسی کا

مستغنی تو کونین سے رکھ اپنے ظفر کو
محتاج نہ کر حیدر کرار کسی کا

عشق نے دس دم دیار دل میں آ ہو کا دیا — نالہ سوزاں نے سینے میں مرے لوکا دیا
ڈر نہیں جلاد کچھ تیغ ستم کا اب تری — خم دکھا ہی اس نے ہم کو اپنے ابرو کا دیا
کیوں نہ ہم قاصد کے منہ کی لیں بلائیں وہ ہمدم — جس نے لا پیغام وصل اب ہم کو مہرو کا دیا
شمع کی حاجت نہیں گور غریباں پر دلا — تربت مجنوں پہ بس ہے چشم آ ہو کا دیا
قشقہ سیندور ہے یا قتل کر عاشق کو آہ — تو نے ماتھے پہ ہے ٹیکا اس کے لوہو کا دیا
تیرہ بختوں پہ پریشانی ہوئی اک اور بھی — تار اس نے توڑ جو ہیں اپنے گیسو کا دیا

اختیار صبر و طاقت خاک میں رکھو ظفر
فوج ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا

ساغر جو بکف اسے بت مے نوش سنبھالا — تو نے مگر اس دور میں اب ہوش سنبھالا
دل ہووے نڈھال آہ بھلا کیونکہ ہم ہمدم — قاتل نے تو تیغے کو سر دوش سنبھالا
کیفیت چشم بت بدمست کو اب دیکھ — کچھ ہوش نہ تو نے دل بے ہوش سنبھالا
ساقی نہ حباب اس کو سمجھ موج نے یہ آب — رکھ کاسہ گرداب سر دوش سنبھالا
شب ہالہ مہ چرخ پہ کھاتا ہی رہا چرخ — بالا جو الٹ تو نے سر گوش سنبھالا
اس صید فگن نے مرے اس اہوئے دل پر — کل چھوڑ کے ہرگز نہ سیہ گوش سنبھالا

گرتا تھا ظفر رات کو وہ نشہ مے سے
پر میں نے اسے ہو کے ہم آغوش سنبھالا

جو نار اشک نہیں چشم سے یہاں ٹوٹا
الٰہی نوح کا طوفان ہے کہاں ٹوٹا

کٹے گا پھر نہ کسی سے یہ رشتۂ الفت
کبھو جو ہاتھ سے تیرے اے بدگماں ٹوٹا

نہیں جو غیر سے کی تو نے شب ہم آغوشی
تو کیونکہ بند قبا پھر یہ میری جاں ٹوٹا

قلم کرے گا سرِ باغباں وہ رشک چمن
جو اس کے ہاتھ سے بلبل کا آشیاں ٹوٹا

نہ ٹانکا لگ سکا زرگر سے بھی صبا اس میں
جو تیرے ہاتھ سے غنچے کا عطر داں ٹوٹا

جہاز چشم تباہی میں آگیا جوں ہی
مژہ کا باد مخالف سے بادباں ٹوٹا

ہمارا شیشۂ دل گر کے تیرے ہاتھوں سے
ہزار حیف ہے محفل کے درمیان ٹوٹا

تمام بادہ کشی خاک میں ملی ساقی
بس اپنے حق میں یہ اک کوہ ہے گراں ٹوٹا

خیال خال رخ اس کے کا دل کو کیا ہے ظفر
یہ ہوگا دانہ پہ ہے مرغ بوستان ٹوٹا

بعد خط ملنے کا قاصد نے جو پیغام دیا
سر قلم اس کا کیا اس نے یہ انعام دیا

دل دکھائی جو تہ زلف سیہ فام دیا
غم دیا اور درد دیا تحفۂ ناشام دیا

خاک آرام مرے دل کو دل آرام دیا
دل لیا ایک تو اور دوسرے سے الزام دیا

طپش دل کو لگی آگ کر یا رب جس نے
بعد مردن بھی تہ خاک نہ آرام دیا

رشک مہ کی کیوں کیا اپنے شرارت کر بجر
چرخ خورشید فلک کو بہ لب بام دیا

یاد بھولی ہے کب اس چشم کی گویاروں نے
کبھی نرگس کو دکھایا کبھی بادام دیا

خم کے خم پی گئے یاران سبوکش لیکن
ہم کو اس دور میں ساقی نے نہ اک جام دیا

قطرہ اشک زمیں پر نہیں مژگاں سے گرے
نخل الفت نے ہمیں یہ ثمر خام دیا

جوں جرس کی دل مجنوں نے جو فریاد سدا
جانے ناقے کو جو لیلیٰ نے نہ یک گام دیا

جیب و دامن میں جو باقی نہ رہے گا کچھ بھی
نظر آئے یہ اس آغاز کا انجام دیا

تو سدا چا کرے اور بیٹھے جاؤں میں
خوب اے دست جنوں تو نے مجھے کام دیا

اے ظفر دیکھو کہ اس آہ رسانے اپنی
گنبد کہنہ افلاک کو کیا تھام دیا

یوں تو جانا تمہیں منظور جہاں ہوجاتا
پر جو آتا ہو ادھر سے تو یہاں ہو جاتا

آنسوں کا مری آنکھوں سے رواں ہو جاتا
اور مرا راز نہاں سب پہ عیاں ہو جاتا

دوستی کے ہیں سب انداز تمہارے معلوم
پر کہیں تم نہ مرے دشمن جاں ہو جاتا

مژہ یار کو کیا جانے سکھایا کس نے
جگرو دل میں مرے تیرو سناں ہو جاتا

دے دیا ہم نیدل اس جان جہاں کو اپنا
تھا نصیبوں میں جو رسوائے جہاں ہو جاتا

عشق دم بازار اگر ہو تو عجب کیا جوں نے
استخواں کا مری لبریز فغاں ہو جاتا

یوں تو پروانہ بھی جل جائے ہے پر مشکل ہے
عشق میں میری طرح سوختہ جاں ہو جاتا

دیکھئے جاؤ مری جان ہے جاتی کیونکر
ابھی باتیں سے مرے جاتے کہاں ہو جاتا

روسیاہی ہے فقط نام و نشاں کی خواہش
اے نگیں چاہئے بے نام و نشاں ہو جاتا

گھر سے عاشق کے نہ جاتا تھا خفا ہو کے تجھے
کر ترا جانا ور اس کو خفقان ہو جاتا

ہم کو دکھلائے ہے ہر لحظہ جمال جاناں !
دل کا صاف اپنے ظفر آئینہ ساں ہو جاتا

کیا بلا دل میں ہوئی سوزش پنہاں پیدا   ہے دم سرد میں بھی آتش سوزاں پیدا
رہی افسوس سدا طوق بگردن قمری   گو ہوا سروچمن صورت سوہاں پیدا
اس کے دنداں میں اگر پان کی سرخی ہو نمود   کان الماس میں ہو لعل بدخشاں پیدا
رہ گئے ٹوٹ کے جو پاؤں میں خار سردشت   چشم پر آبلہ ہو گئیں مژگاں پیدا
خاکی پہ کشتۂ مژگاں کی اگر ہو گلبن   جائے غنچہ سر ہر شاخ ہو پیکاں پیدا
حلقہ زلف میں بالے کے کہاں ہیں موتی   دہن مار سیہ میں ہوئے دنداں پیدا
اس کے رخسار خط کی کہوں کیا تعریف   کہیں اس خط کا جہاں میں نہیں قرآں پیدا
اشک مژگاں پہ ہے سو نیزے چڑھاتا پانی   چشم تر کوئی یہ لڑکا ہوا طوفان پیدا
نہ گئی سرزنش خار الم خاک میں بھی !   میری تربت پہ ہوئے نخل مغیلاں پیدا

کون تھا بار امانت کا اٹھانے والا !
گرچہ دنیا میں نہ ہوتا ظفر انساں پیدا

دابو سر کس کا تم اور ہاتھ دباؤ کس کا   سب دخل آپ کے ہیں، تم کو دباؤ کس کا
اپنے کوٹھے پہ جو کی آپ نے دیوار بلند   دیکھا اے پردہ نشیں تم نے دکھاؤ کس کا
ہوئے ہم چشم مرے اشک رواں دریا سے   دیکھیے دو میں زیادہ ہو بہاؤ کس کا
رکھتے ہیں سینکڑوں وہ سوزن مژگاں لیکن   کوئی پوچھے کہ سا آپ نے گھاؤ کس کا
رات دن رہتے ہو تم خانہ دل میں میرے   گھر تمہارا نہیں تو ہے یہ بتاؤ کس کا
اس قدر آج جو بگڑا ہے مرا دل مجھ سے   نہیں معلوم کہ دیکھا ہے بناؤ کس کا

اے ظفر کرتے ہیں سب ان سے لگاوٹ لیکن
کس کا لگا ہو وہاں اور لگاؤ کس کا

لے جاؤ جی اگر تم بیٹھے ہوئے کے دھرنا   پر کوئے دوستی میں واں پھر قدم نہ دھرنا
ملنا نہ تو عدو سے ہم کو پڑے گا مرنا   ایسا ستم نہ کرنا ظالم خدا سے ڈرنا
جاتی ہے گلی میں اس غیرت چمن کی   برباد خاک میری پہ اے صبا نہ کرنا
جب تک نہ کشتی، مے ہاتھ آئے اپنے ساقی   دریائے رنج و غم سے ہو پار کب اترنا
چھپ چھپ کے تم ہو جاتے گھر غیر کے ہمیشہ   ہم جانتے ہیں ناحق ہے آپ کا مکرنا
بحر جہاں میں غافل ہستی پہ ایک دم کی   مثل حباب دریا کیا چاہیے ابھرنا
مر جائیں گے بلا سے پر تیرا دم بھریں گے   ہم تو سمجھ چکے ہیں مرنا اب اور بھرنا
قینچی کی طرح ظالم تیری زبان ہے چلتی   کچھ بیٹھے بیٹھے میرے حق میں نہ گل کترنا

کیا کیا ہوا پریشاں دل اے ظفر ہمارا
یاد آیا اس کے رخ پر جب زلف کا بکھرنا

جوش آب گریہ سے ہر موئے مژگاں گل گیا   ہے یہ کیا سیلاب جس سے سب نیستاں گل گیا
پہلے اشک شور پہنچے تو گلی کچھ آستیں   پھر کے جب آئے گلے تک سب گریباں گل گیا
مجھ سے جب دست و گریباں یار کے در پر ہوا   یا الٰہی کیوں نہ اس دم دست درباں گل گیا
فصل گرما میں ہو تو اتنا کس سے ہم بغل !   پیرہن تیرا پسینے سے مری جاں گل گیا
دیکھیے کیا ہو کہ تختہ تختہ کشتی کا مری   بحر بے پایاں میں ہے اے شور طوفان گل گیا
آبلوں سے پائے مجنوں کے جو ٹپکا آب گرم   جل گیا کوئی کوئی خار مغیلاں گل گیا

اے ظفر افسوس واں ہرگز گلے اپنے نہ ڈال
گوشت سب شوراب حسرت سے مرا یاں گل گیا

ہم نے سبھی کو عشق میں بدظن بنا لیا
تھا دل جو دوست اس کو بھی دشمن بنا لیا

مشق ستم رہی وہی اس کی کہ جب تلک
ہر استخواں کو میرے نہ قط زن بنا لیا

دعویٰ تھا ایک عمر سے اسلام کا ہمیں
اس بت نے ایک دم میں برہمن بنا لیا

آنکھوں نے تیری سحر کیا اک نگاہ میں
دیوانہ مجھکو اے بت پر فن بنا لیا

قصر بہشت تجھ کو مبارک ہو زاہدا
ہم نے تو کوئے یار میں مسکن بنا لیا

اللہ رے تیری سنگ دلی تو نے اپنا دل
پتھر بنا لیا کہ آہن بنا لیا

بگڑا مزاج دیکھئے کیسی ہے ظفر
منہ اس نے یوں جو پھیر کے چتون بنا لیا

بے ضبط فغاں راز نہاں ہو نہیں سکتا
اور تجھ سے دلا ضبط فغاں ہو نہیں سکتا

بے طاقتی دل سے یہ عالم ہے کہ اب تو
اشک آنکھ سے بھی میری رواں ہو نہیں سکتا

سر تا بقدم شمع صفت گو کہ زباں ہوں
پر سوز غم عشق بیاں ہو نہیں سکتا

جب تک وہ خفا مجھ سے ہیں سن لو یہ طبیبو
کچھ میرا علاج خفقاں ہو نہیں سکتا

ہم چشم مری چشم سے ہو ابر تو کیوں کر
اس طرح وہ خونبا بہ فشاں ہو نہیں سکتا

کیا جانے بلا کیا ہے ترا غمزہ کہ جس سے
جانبر کوئی اے آفت جاں ہو نہیں سکتا

جب تک نہ قلم شہپر عنقا سے بنائیں
تحریر ترا وصف وہاں ہو نہیں سکتا

بدنام تو عشاق ہیں سب عشق میں لیکن
مجھ سا کوئی رسوائے جہاں ہو نہیں سکتا

سودائے محبت میں ظفر سود ہے لیکن
جب تک کوئی سودائے جہاں ہو نہیں سکتا

میں ہوں وہ تفتہ جاں جو لگے پشت کو ہوا
بھڑکائے دل میں آتش زردشت کو ہوا

رنگیں کرو لہو سے مرے اپنی انگلیاں
بتاؤ رنگ فندق انگشت کو ہوا

غنچہ چمن میں گانٹھ کا پورا ہے پر صبا
جب تک کھلی نہیں ہے ذرا پشت کو ہوا

کرتی ہے تیری تیغ تبسم سے باغ میں
ہر صبح تازہ طرز زدو کشت کو ہوا

چل بہشت اس ادا سے وہ کہتا ہے اے ظفر
ہوتی ہے جان سنتے ہی چل بہشت کو ہوا

آبلہ داغ میں ہے یہ سر سینا اونچا
کہ جڑا خاتم میں نگینا اونچا

رفعت جاہ کو ہے ہمت عالی درکار
اونچے کوٹھے کے لیے چاہئے زینا اونچا

سربلندی کے لیے فوق ہے ہاں عجز و نیاز
کیونکہ جھک جائے کہ ہے گنبد مینار اونچا

پوچھ پستی و بلندی زمانے سے یہ حال
کہ سر مہر ہے نیچا سر کینا اونچا

چشم کو سرمیں لی جائے سب اعضا سے بلند
دیکھ ہے مرتبہ مردم بینا اونچا

گوش زد چرخ دنی کے ہو مری کیا فریاد
کہ نہایت ہی یہ سنتا ہے کمینا اونچا

ہم نشیں ہو سکے زردار کا مفلس کیونکر
اے ظفر چاہئے اونچے کا قرینا اونچا

جس کھلکھلا کے ساقیِ گل فام ہنس پڑا
شیشے نے قہقہے کیے اور جام ہنس پڑا

غنچے کا منہ ہے کیا کہ تبسم کرے گا پھر
گلشن میں گروہ شوخ گل اندام ہنس پڑا

زنداں کی تاب دیکھ کے انجم ہوئے خجل
وہ مہ جبیں جو شب کو لب بام ہنس پڑا

کچھ تو خوش آئیں مجھ کو تری ہرزہ بانیاں
میں سن کے تیرے منہ سے جو دشنام ہنس پڑا

تھا غنچہ دل گرفتہ نہایت ہی باغ میں
پر کچھ دیا صبا نے جو پیغام ہنس پڑا

سیراب آب تیغ سے ہو کر برنگ گل
ہر ایک زخم عاشق ناکام ہنس پڑا

جس رات ٹھہری آنے کی اس برق وش کی یاں
گھر کا مرے چراغ سر شام ہنس پڑا

بارش کے وقت چمکے ہے بجلی بھی کیا ہوا
رونے پہ مرے گروہ دلآرام ہنس پڑا

کیا بات یاد آ گئی اس کو اے ظفر
وہ یک بیک جو سن کے مرا نام ہنس پڑا

وہ نہ آیا یار لائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا
اس کا آنا بن بلائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

ضبط میں کرتا تھا نالہ تا نہ ہو افشائے راز
چشم نے آنسو بہائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

تو نہ تھا دلدار اس سے ہوگیا بیزار دل
کون تجھ کو جتائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

وصل ظاہر تو نہ ہوتا تھا ہمیں اس کا نصیب
خواب میں وہ چھپ کے آئے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

عشق کا حاصل نہ تھا ہم کو مزا بے زخم دل
زخم بھی لو ہم نے کھائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

صبر گر ہوتا نہ میں رسوائے خلق
کہتے ہیں اپنے پرائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

دے کے اس بیدرد کو دل ہوں ظفر میں دردمند
واہ دکھ بیٹھے بٹھائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

کوچے میں ترے تنہا ہر شب مجھے ہو جانا
دو چار گھڑی اپنا دل کھول کے رو جانا

بے طرح مجھے آنکھیں ہر لحظہ دکھاتے ہو
نشتر کہیں مژگاں کے دل میں نہ چبھو جانا

وہ تم سے ملے جس کی تقدیر میں جلنا ہو
دل دے کے تمھیں ہم نے اے شعلہ رخو جانا

کہتے ہو کہ جاتا ہوں مانع نہیں میں لیکن
احوال جو ہے میرا تم دیکھ لو جانا

زنجیر بپا دیکھا جب موج سے جوہر کی طرح
دیوانہ ترا ہم نے پھر آئنہ کو جانا

اے بے خبرو' دنیا یہ مزرع عقبیٰ ہے
جز تخم نکوئی تم کچھ اور نہ بو جانا

قطعہ

اے حضرت دل جاؤ گر زلف کے کوچے میں
تو مجھ کو بھی ساتھ اپنے دنیا سے نہ کھو جانا

اس شوخ پری رو کی تم دیکھتے ہی صورت
سودائی نہ بن جانا دیوانہ نہ ہو جانا

نیند آئے ظفر کیونکر یاد آئے جو شب مجھ کو
سر رکھ کے سر زانو اس یار کے سو جانا

دیا ہے جس نے وہاں تک خیال کو پہنچا
مرے خیال میں ہے وہ کمال کو پہنچا

مشابہت ہے اسے نعل کفش پاتی سے
فلک پہ رتبہ اسی سے ہلال کو پہنچا

بہت ہوا مہ کنعاں کا شہرہ خوبی
ولے نہ یار کے حسن و جمال کو پہنچا

ہوائے گل نے جو بہکا دیا مجھے صیاد
چمن میں توڑ کے میں وہیں جال کو پہنچا

تجھے بھی رنج جو پہنچا کسی سے خوب ہوا
اذیت اور دل پہ ملال کو پہنچا

ہر ایک کرتا ہے احوال پہ مرے افسوس
غم فراق سے میں ایسے حال کو پہنچا

کیا تصور بوسہ اگر کبھی میں نے
تو صدمہ اس گل خوبی کے گال کو پہنچا

پہنچ چکا ہے مرا وقت آج اے قاصد
جو تو نہ لے کے نوید وصال کو پہنچا

کیا ہے تو نے ظفر گرچہ دل کو یار کی ملک
تو اپنے پاس نہ رکھ اس کے مال کو پہنچا

پوچھے یاروں سے کہتا یار کیا تھا کیا ہوا
آج تک کھلتا نہیں اقرار کیا تھا کیا ہوا

نالے کرتے کرتے گو مر جائیں اس کوچے میں ہم
وہ نہ پوچھے غل پس دیوار کیا تھا کیا ہوا

دیکھ تو آئینے میں اپنے خط عارض کو تو
تیرا عالم اے پری رخسار کیا تھا کیا ہوا

پھرتا جس نازش سے یہ ہے پتلا خاک کا
پوچھنا بعد از فنا وہ ناز کیا تھا کیا ہوا

کرتے تھے اخلاص دل لینے کو سو دل لے چلے
کیا بتاؤں میں کہ ان کا پیار کیا تھا کیا ہوا

ہوگیا جو کچھ کہ ہونا تھا مری تقدیر میں
کیا کہوں میں تجھ سے اے غمخوار کیا تھا کیا ہوا

حال دل سن کر وہ بگڑے تھے مجھے امید لطف
ہائے میں سو چاردم اظہار کیا تھا کیا ہوا

چھپتی ہے شیریں کوئی تاثیر خون کوہکن
دیکھ رنگ لالۂ کہسار کیا تھا کیا ہو

کیا برا ہے درد فرقت دو ہی دن میں دیکھ لو
حال تیرا اے ہم دل بیمار کیا تھا کیا ہوا

سرکشی کرتا ہے کیا کیا اپنی ہستی پر حباب
دیکھنا یک دم میں یہ پندار کیا تھا کیا ہوا

لے گیا وہ نیم غمزہ میں جو دل کو اے ظفر
ہوگیا حیران میں یک بار کیا تھا کیا ہوا

مرا تو حال ہوا آپ کی فرقت میں یوں ہی تھا
مجھے شکوہ نہیں تم سے مری قسمت میں ہی تھا

رقیب اشفاق پر ان کے اگر نازاں ہیں ہونے دو
کہ ان کا ڈھنگ ہم سے بھی نئی شفقت میں یوں ہی تھا

نہ بولے منہ سے کچھ غیروں میں ہم اچھا کیا ہم نے
ہمیں خاموش رہنا لازم اس صحبت میں یوں ہی تھا

اڑائی خاک ہم نے خوب تھی مجنوں کیا طاقت
کہ وہ تو گیا اس وادی وحشت میں یوں ہی تھا

پذیرا عرض غیروں کی ہوئی اس طرح کیا باعث
گزارش کرتا بندہ بھی تو واں خدمت میں یوں ہی تھا

تم اچھے وقت آپہنچے وگرنہ ہم تو مر جاتے
ارادہ ہو چکا اپنا غم فرقت میں یوں ہی تھا

دل بیمار جب ہم نے کہا تھا کر علاج اپنا
کہ آیا فرق کچھ تیری ابھی طاقت میں یوں ہی تھا

نہ تھی جائے گریز اے دل اگر تجھ کو محبت میں
تو آیا تو ارے دیوانے اس آفت میں یوں ہی تھا

دکھا کر غیر کو صورت مجھے کیوں رشک سے مارا
کہ میں تو مر رہا دیدار کی حسرت میں یوں ہی تھا

ظفر تم دیکھتے ہو جس طرح آئینہ کو حیراں
کل ان کو دیکھ کر میں بھی رہا حیرت میں یوں ہی تھا

کیا کہوں دل مائل زلف دوتا کیوں کر ہوا
یہ بھلا چنگا گرفتار بلا کیونکر ہوا

جن کو محراب عبادت ہو خم ابروئے یار
ان کا کعبے میں سجدہ ادا کیونکر ہوا

دیدہ حیراں ہمارا تھا تمہارے زیر پا
ہم کو حیرت ہے کہ پیدا نقش پا کیونکر ہوا

نامہ بر خط دے کے اس نوخط کو تو نے کیا کہا
کیا خطا تجھ سے ہوئی اور وہ خفا کیونکر ہوا

خاکساری کیا عجب کھودے اگر دل کا غبار
خاک سے دیکھو کہ آئینہ صفا کیونکر ہوا

جن کو یکتائی کا دعویٰ تھا وہ مثل آئینہ
ان کو حیرت ہے کہ پیدا دوسرا کیونکر ہا

تیرے دانتوں کے تصور سے نہ تھا گر آب دار
جو بہا آنسو وہ در بے بہار کیونکر ہوا

جو نہ ہونا تھا ہوا ہم پر تمہارے عشق میں
تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا

وہ تو ہے ناآشنا مشہور عالم میں ظفر
پر خدا جانے وہ تجھ سے آشنا کیونکر ہوا

عشق کے میدان میں رستم کا منہ پھر جائے گا
تیغ غم کے سامنے ضیغم کا منہ پھر جائیگا

منہ لگے گا وہ جہاں کے جو لگے گا تیرے منہ
تو اگر پھرے گا منہ عالم کا منہ پھر جائیگا

دیکھ لینا تو کہ تیرے قبلۂ در کی طرف
گور میں بھی عاشق بیدمر کا منہ پھر جائیگا

جب دنیا نے جہاں مارا طمانچہ حرص کا
حق کی جانب سے وہیں آدم کا منہ پھر جائیگا

پھیرنے کے منہ نہیں اے شعلہ خو ہم سخت جاں
بلکہ تیری تیغ آتش دم کا منہ پھر جائیگا

کھائے گا ہم کو کہاں تک فرقت جاناں کا غم
دیکھ لینا کھاتے کھاتے غم کا منہ پھر جائیگا

ہوگا وہ فروختہ جس دم تو اس کے روبرو
اے ظفر کیا نیر اعظم کا منہ پھر جائیگا

عارض پہ اس کے حلقہ خط مشک سود کا
ہالہ بھی گرد ماہ ہے آہوں کے دود کا

رکھتا ہے لاغری سے فلک کیا اسے حقیر
شکل ہلال شوق ہے جس کو نمود کا

فرصت پہ ایک دم کی حباب اتنی سرکشی
تو اعتبار سمجھے ہے کیا اس وجود کا

عیسائی اس کے ہونٹھ ہیں موسائی اس کا خط
ترسائیوں سے خلط ہے گویا یہود کا

یوسف کو مول لے کے زلیخائی کی ہے آپ
سودائے عشق میں ہے زیاں نام سود کا

دریا میں نیلوفر کو جو دیکھ نہو تو دیکھ
عالم ہمارے گریہ سے چرخ کبود کا

وضع بے خلاف سے یاروں کی بھی حذر
ہوں میں فریب خوردہ جو لطف حسود کا

اے واقف مذاق سخن ہے یہ وہ مثل
پھونکے ہے چھاچھ کو بھی جلا جو ہے دود کا

گر آرزوئے دولت کونین ہے ظفر
کافی ہے تیرے واسطے پڑھنا درود کا

روئے جو دل کھول کر ٹکڑے جگر ہونے لگا
اور اگر رونے کو روکا درد سر ہونے لگا

ہوگئے و اور بھی ہم سے کشیدہ واہ واہ
تیرا اے دل کش کشش الٹا اثر ہونے لگا

کچھ خبر قاصد نے دی ایسی کہ سنتے ہی جسے
دل سے میں مجھ سے مراد بےخبر ہونے لگا

زلف کو چھیڑا صبا نے اس میں کیا میری خطا
مجھ سے برہم کس لیے تو اس قدر ہونے لگا

ہم نہ کہہ کر اپنا حال دل دیا سب کو رلا
ہر طرف رومال پہ رومال تر ہونے لگا

مجھ سے عالم اپنے حسن حیرت افزا کا نہ پوچھ
آپ حیراں آئینہ تو دیکھ کر ہونے لگا

کوچہ جاناں میں جانا ہی پڑے گا ہو سو ہو
کیا کروں بیتاب دل پھر اے ظفر ہونے لگا

جام و سبو خم سے نہ بھر ایک اس میں اس کا ایک اس میں کا
قطرہ چکھادے ساقی پہ ایک اس میں کا اس میں کا

جیسے چشم میں آنسو ہیں کب ہوتے صدف میں ایسے ہیں
دیکھو بچشم غور گہرا اس میں کا ایک اس میں کا

باغ جہاں میں جو ہیں دونوں نخل جفا و نخل کرم
نام نیک و بد ہے ثمر ایک اس میں کا ایک اس میں کا

پایا جوں سیپارہ قرآں ہم نے دل سی پارہ کو
آیا ورق جب پیش نظر ایک اس میں ایک اس میں کا

حال دل و احوال جگر کیا آہ جتا دیں اپنا ہم
بھیج دیں لکھا اس کو مگر ایک اس میں کا ایک اس میں کا

گھبرا کے جگر کیا زلف میں سیماب سا دھڑکا
دل عاشق بھی بکھر کر لک شب تاب سا دھڑکا

صفا دیکھ اس کے دنداں کی چمن میں عارض گل پر
نہ ہر یک قطرہ شبنم در خوش آب سا دھڑکا

لب دریا جو اپنی موج میں گانے لگا ساقی
دل پر ریش جس میں سے نخل شاداب سا دھڑکا

شگاف سینہ اپنا روزن دیوار گلشن ہے
حباب بحر . تار موج پر مضراب سا دھڑکا

تصور میں جو اس روئے عرق آلودہ کے روئے
سر شک چشم اپنا گوہر نایاب سا دھڑکا

خجالت سے چھپلیا ابر میں خورشید نے منہ کو
تو چہرہ زیر زلف جب مہتاب سا دھڑکا

ظفر اس شمع رو کی لگ رہی ہے لو ہمیں ہر دم
چراغ صبح کب داغ دل بیتاب سا دھڑکا

کیا فقط گریے سے چشم تر پہ پانی پھر گیا
دیدہ دانستہ سب کے گھر پہ پانی پھر گیا

تیر ناوک تیرا کھا کے مرغ دل کیونکر اڑے
آب پیکاں سے ہر اک شہپر پہ پانی پھر گیا

لمعہ خورشید عالمتاب سے دریا میں صبح
کیا طلائی موج کے خنجر پہ پانی پھر گیا

دیکھ کر دنداں کی تیرے آب تاب اے رشک مہ
دامن ساحل سے گوہر پہ پانی پھر گیا

سامنے اس کے عرق آلودہ چہرے کے نسیم
شرم سے کیا لالہ احمر پہ پانی پھر گیا

خالی پیشانی پسینے میں جو وہ آیا نظر
سقف گردوں کے ہر اک اختر پہ پانی پھر گیا

چشمہ حیواں خجل ہے لب سے اس کے کیا ظفر
بلکہ دیکھا تو لب کوثر پہ پانی پھر گیا

رشتہ آہ سے ہم نے بھی دل و جاں ٹانکا
لگ سکا تجھ سے نہ اے سوزن مژگاں ٹانکا

دیکھ کر تار نظر سے ہی سراسر جراح
زخم دل پر تو لگا اب مرے یکساں ٹانکا

لخت دل یوں ہے گلو گیر مرے اے ہمدم
جیسے یاقوت کا تکمہ گریباں ٹانکا

ٹکڑے دامن کے کیے ایسے جنوں نے یکدست
جہاں پیوند لگے اور نہ مری جاں ٹانکا

دے گیا ہاتھ سے کیا داغ جدائی دل پر
زور گل تو نے یہ اے رشک گلستاں ٹانکا

دل جگر چاک ہیں سینے سے بھلا کیا حاصل
کر وہیں ادھرا وہاں تو نے اگر یاں ٹانکا

دھجیاں اٹکیں دامن کی ولے دشت میں آہ
تو نے کب سوزن ہر خار مغیلاں ٹانکا

روبرو تیرے نہیں تاب جو بولے کوئی
اے ظفر تو نے عجب روئے سخنداں ٹانکا

در ردیف بائے موحدہ

غزل فارسی

نیست از انجم شب تاب چراغان شب — سحر از خندہ نمایاں شدہ دندان شب
شب ہم ازا کا کل مشکیں تو سودا دارد — کہ شد از کاہکشاں چاک گریبان شب
دل زشوق رخ و زلف تو چناں گشت غریب — کہ نہ سامان سحر ماند و نہ سامان شب
زلف شب رنگ برخسار تو پیچیدہ بہ روز — صبح عشاق سیہ بخت بدامان شب

صبح ہجرش ظفر آورد بلا روز سیاہ
بود در منزل آں ماہ کہ مہمان شب

جب تلک ہوش نہ تھا کرتے تھے وہ کام خراب — ہوش جب کام کا آیا تو کیا نام خراب
شیطنت سے کرے انسان تو سب کام خراب — کیا تماشا ہے کہ شیطان کا ہوا نام خراب
اس مہ منزل خوبی کا نہ پایا کہیں گھر — مثل خورشید پھرے صبح سے تا شام خراب
دیکھیے دنیا کو جو اول سے کوئی آخر تک — پائے آغاز سے وہ اور بھی انجام خراب
گر نہیں آئینہ تو دل ہی کو تو دیکھ اپنے — عمر بے شغل نہ کر غافل خود کام خراب
دیکھ صیاد اسیروں کو نہ بھڑکا اپنے — خوں فشانی سے کریں گے قفس دوام خراب
تیری آنکھوں سے کرے قصد جو ہم چشمی کا — تو بکیں کوڑی کے دو دو یہ ہوں بادام خراب
گردش چشم کا ساقی کے کرشمہ دیکھا — خوب مستوں میں پھر ادیر تلک جام خراب
چھڑتے ہیں وقت سخن اس کی زبان سے موتی — کیوں زبان کرتا ہے دے کر وہ دشنام خراب
کیا خرابی ہے کہ آتا نہیں وہ خانہ خراب — عشق میں جس کے ہے سب راحت و آرام خراب

راہ حق پر ہو قدم اور ظفر ترا دامن
واہ قصد حرم و جامہ احرام خراب

کیا ہم سے کیا نباہ کیا خوب — صد آفریں ان کو واہ کیا خوب
آئے نہ قرار پر وہ شب کو — تا صبح دکھائی راہ کیا خوب
ہو غیر کے گھر میں روز جاتے — ہاں آتے ہوگاہ گاہ کیا خوب
اوروں سے اشارے کیوں جی کرتے — ہم پر نہیں اک نگاہ کیا خوب
مژگاں سے رکھے ہے چشم بد دور — وہ ترک سیہ نگاہ کیا خوب
ہر صبح ہے سر برہنہ خورشید — پرزر رہے تری کلاہ کیا خوب
ظلمات کہوں میں یا شب تار — ہے زلف تری سیاہ کیا خوب
کیا کیا نہ ستم دکھائے تو نے — اے عشق ستم پناہ کیا خوب
بوسہ جو طلب کیا شب اس سے — بولا نہ وہ رشک ماہ کیا خوب

ق

دولاب نمط پھرا وہ ہر روز — کھینچے گیا دل سے آہ کیا خوب

گاہے نہ کیا ظفر کو لاؤ ! ! ! !
بس دیکھی تمہاری چاہ کیا خوب

صبر جاوے تو نہ کر اس کا دل زار عقب — فوج تمکر بیتہ کا کچھ نہ زنہار عقب
ابھی چھاجائے گی آنکھوں میں میری تاریکی — چھینک شانے سے نہ تو موئے سرائے یار عقب
کان تک اس کے پہنچ کر میں کر دل کیونکر بات — آگے دس پانچ ہیں اس شوخ کے دو چار عقب
نعش برداروں کا کیوں پاؤں نہیں اٹھتا ہے — کیا جنازے کے مرے ہے وہ ستمگار عقب
جب اکیلا کبھی اس کوچے میں میں جاتا ہوں — چپکے چپکے چلے آتے ہیں تب اغیار عقب
تو جدھر جائیگا اٹھ کر تو یقین ہے ہم بھی — مثل سائے کے رہیں گے ترے دلدار عقب
ہے فقط مردمک دیدہ عاشق کافی — شب سیر اپنی لگا اے بت خونخوار عقب
شدت ضعف سے تا قافلہ پہنچا نہ گیا — صورت نقش قدم رہ گئے دو چار عقب

گو چلا ہے ترے کوچے سے ظفر پر ظالم
دیکھتا جائے ہے منہ پھیر کے ہر بار عقب

تیغ سے ہیں کیا سان پہ ہر دم سنگ و آتش' آہن آب
آئے تیرے قبضے میں ہم سنگ و آتش آہن آب
کوہ میں چشمہ تیشہ شرارہ دیکھ تو اے فرہاد تجھے
ہیں یہ دکھاتے کیا کیا عالم سنگ و آتش' آہن آب
دیکھا دم گل گیر کو گریاں شمع تہ فانوس بلور
آپس میں ہیں چھوں ہمدم سنگ و آتش آہن آب
سنگ طفلاں شورش ہجراں آبلہ و زنجیر بپا
رکھتے جنوں میں ساتھ یہ ہیں ہم سنگ و آتش آہن آب
کیا ہی لوہا لاٹھ غزل تونے لکھی ہے واہ ظفر
ہوتے ہیں یوں آہ رقم کم سنگ و آتش آہن آب

تیغ ابرو کی ہے یوں سینہ بدحال پہ ضرب — خانہ جنگی میں لگے تیغ کی جوں ڈھال پہ ضرب
لال بے وجہ نہیں منہ ہے چمن میں گل کا — سکی بادِصبا سے ہے گئی گال پہ ضرب
جنبش آہ سے صدمہ ہے یہ دل پہ ہر دم — متصل جیسے لگے درہم ٹکسال پہ ضرب
گل مرے ہار کے ہرگز نہ خزاں سے ٹوٹے — کر سکے کون بھلا صاحب اقبال پہ ضرب
یوں فغاں کرتا ہے دل چوٹ سے اب الفت کی — اٹھی ہے جیسے صدا لگتے ہی گھڑیال پہ ضرب
ہجر میں ہم کف افسوس یہاں ملتے ہیں — بزم عشرت میں وہاں تال کے ہے تال پہ ضرب
تیغ سی لے کے نکلتی ہے ہر جو موج سرشک — خوبرو روکتے ہیں ہم سر رومال پہ ضرب

ہوش اڑ جائیں ظفر رستم داستاں کے وہیں
گرزترے ہاتھ سے میداں میں پڑے ڈھال پہ ضرب

چشم پرنم کیا اٹھاوے خاک اب رستم کا رعب — جب نیستاں پہ پڑا ہو دیدہ پرنم کا رعب
سانپ رسی کو سمجھ کر ہم دہل جاتے ہیں آپ — پڑگیا ہے جب سے دل میں کاکل پرخم کا رعب
کاسہ سر میں مرے پندار ہو تو کیونکہ ہو — خوف کچھ فغفور چیں کا اور کچھ وہ جم کا رعب
کیوں نہ ہو آئینہ ابرو دیکھ کر وہ آب آب — ہے طلب میں بھی تری اس تیغ آتش دم کا رعب

خاک پائے حیدر کرار ہے تو اے ظفر
بندھ سکے گا تیرے آگے خاک اب رستم کا رعب

نہ کہو یہ کہ ہیں یہ دیدہ پر آب حباب سے　　ہو سکے کیونکہ بھلا ساغر خوش آب حباب
میکشی کے لیے کیونکر نہ ترے رشک چمن　　صورت جام بلوریں ہو سر آب حباب
تیغ ابرو سے تری موج ہی کیا کانپے ہے　　سر پہ رکھ خود بھی پھرتا ہے بگرداب حباب
لمعہ مہر سے کیا پاٹ پہ دریا کے نسیم　　صبحدم چمکے اس شکل گل کمخواب حباب
یاد کر لب کو ترے ہیں جو لب جو رویا　　اشک خونیں سے بنے دانہ عناب حباب

چشم پر اشک سے کب ہو مری ہم چشم ظفر
گر رکھے مثل صدف گوہر خوش آب حباب

چشموں سے رواں کیوں نہ ہو مژگاں کے تلے آب　　جاری رہے ہے سرو گلستاں کے تلے آب
ہے عشق کا دریا دل پر سوز میں پنہاں　　حیراں ہوں کہ ہے آتش سوزاں کے تلے آب
پنہاں ہے تہ خط وہ کہاں حسن کا دریا　　جھلکے ہے پڑا سبزہ ریحاں کے تلے آب
سوز غم پروانہ میں جاری یہ ہوئے اشک　　تھا شب قدم شمع شبستاں کے تلے آب

کس پائے برہنہ کا ظفر آبلہ پھوٹا
صحرا میں جو ہے خار مغیلاں کے تلے آب

شام شفق دکھاتے نہیں جان کیا سبب　　مل کر مسی جو کھاتے نہیں پان کیا سبب
تصویر یار تو نہیں آنکھوں کے سامنے　　رہتا ہوں شکل آئنہ حیراں کیا سبب
شانے سے پوچھ اے دل صد چاک اسکی وجہ　　برہم ہے اس کی زلف پریشان کیا سبب
کیا جانے کس کے عشق میں مجنوں ہوا ہے یہ　　رہتا ہے چاک گل کا گریباں کیا سبب
یارب میں داغ کھا کے سراپا تمام شب　　جلتا وہیں مثل سرو چراغاں کیا سبب
اے چشم یہ تو چشم نہ تھی تجھ سے مجھ کو تو　　برپا کرے ہے نوح کا طوفان کیا سبب
طفل سرشک تو تو مرا نور دیدہ ہے　　مژگاں کا میری چھوڑ ہے داماں کیا سبب
چاہت سے تھا نہ دل تو کبھی آشنا مرا　　پھر کیوں ہے غرق چاہ زنخداں کیا سبب

پہلو سے جا ظفر کے نہ اٹھ کر تو میری جاں
کیوں بیٹھتا نہیں ہے تو اک آن کیا سبب

دل تیرا کس لیے نہ ہو شوخ و شنگ آب　　ورنہ پیارے ہوتے ہیں گرے سے سنگ آب
روتی نہیں ہے شمع پڑی حال دیکھ کر　　آتش کا ہوگیا یہ نہ زہرہ چھنگ آب
خط سے نہ کم ہو کیونکہ رخ یار کی چمک　　جاتی رہے ہے آئنہ کی زیر زنگ آب
یوں خط سبز کے ہیں تصور میں اشک سبز　　کافی ہے جس طرح کہ بدل جائے رنگ آب
عارض پہ تیرے ہو عرق افشاں کبھی جو زلف　　پھر جائے یک بیک سر ملک فرنگ آب
میں تشنہ لب ہوں جام شہادت کا ہمدمو　　آئے ہے مجھ کو پیتے ہوئے عار و ننگ آب
مژگاں میں حل دل ہے کہاں شیر نیستاں　　آتا ہے دیکھو پینے کو بالائے گنگ آب
تو جلد جام حلقہ جوہر سے دے مجھے　　اس اپنی آب تیغ سے اے خانہ جنگ آب

دل کی ظفر ہے بحر محبت میں زندگی
ہاں یعنی سچ ہے یہ کہ ہے جان نہنگ آب

چشم کا ہے عشق کی آتش کے چمکانے کو آب
جائے روغن یہ ہے اس شعلہ کے بھڑکانے کو آب

چشم تر کیونکر نہاپنی اشک افشانی کر
چاہئے اے مرداں مژگاں کے نم خانے کو آب

خال رخ تیرا عرق سے سبز ہوتا ہی نہیں
سبز کرتا ہے زمیں میں ورنہ ہر دانے کو آب

دل کی گرمی کو نہ کھویا آنسوؤں نے چشم کے
سرد کردیتا ہے ساقی گرم پیمانے کو آب

کام بھی آئے گی قاتل تشنہ کاموں کے کبھی
یا یونہی ہے تیغ براں تیری دکھلانے کو آب

دل ہا پژمردہ میرا اشک افشانی سے آہ
ورنہ ہو جاتا ہے منع گل کے کملانے کو آب

تشنگی کا روز محشر کی نہ کر ڈر اے ظفر
ساقی کوثر وہاں ہوویں گے پہنچانے کو آب

تم نے ہے طرز کلام اپنی نکالی بے ڈھب
اوچھے کہہ کر ہمیں دیتے ہو جو گالی بے ڈھب

ہووے گا طائر دل دام محبت میں اسیر
ترے محرم کی نظر آئے ہے جالی بے ڈھب سے پڑھتے ہیں

نام خورشید لقاورد زبان ہے تیرا
حضرت دل اسم جلالی بے ڈھب

جی نزاکت سے کلائی کی دھڑکتا ہے مرا
ہاتھ میں گیندا اٹھا تم نے اچھالی بے ڈھب

دل بیمار کی خاطر ہیں لکھے اسم ذات
تم نے ہداں پہ نہیں رنج جمالی بے ڈھب

قدم اس ڈھب سے نہ رکھ تو کہ چبھے پاؤں میں
خار ساں ہے رگ برگ گل قالی بے ڈھب

دل شامت زدہ کراس کے عذار کا گل سے
تیرے پیچھے یہ بلا لپٹی ہے کلی بے ڈھب

دمبدم ابروئے خمدار دکھاتے کیا ہو
جاتا ہے آپ نے شمشیر نکالی بے ڈھب

سرو کب اس قد موزوں کا ہو بالا مصرع
اے ظفر ہے یہ ہے مصرع عالی بے ڈھب

یوں بنے گرم آنسوؤں سے آبلہ پڑ کے حباب
آب صابوں سے بنائیں جس طرح لڑکے حباب

منفعل ہوں عقد پہ ویں دیکھ کر جبکہ پڑیں
تیرے محرم کے طلائی مہ جبیں جھڑکے حباب

خوں جو آیا جوش پہ بعد از شہادت جب مرا
بنگیا سر آغرش کو متصل دھڑ کے حباب

گر پڑے دریا میں گو لخت دل سوزاں مرا
ہے یقیں پانی میں شعلہ کی طرح بھڑکے حباب

یاد آئی مجھ کو محرم اس پری کی اے ظفر
آبجو میں جبکہ دیکھے نور کے تڑکے حباب

لگا نہ خط سے رخ شوخ پہ عتاب کو عیب
وگرنہ لگتا گہن سے ہے آفتاب کو عیب

نقاب شرم کو مستی میں دور کر منہ سے
کہ بے حجاب سمجھتے ہیں یاں حجاب کو عیب

عرق سے حسن اور اس رخ کتابی پہ
وگرنہ بھیگنا پانی میں ہے کتاب کو عیب

دل برشتہ کو میرے نہ تو جلا اتنا
لگے نہ سوختگی سے کہیں کباب کو عیب

جہان میں دل عاشق کو ہو کہاں آرام
سمجھتا عشق میں ہے کون اضطراب کو عیب

شراب خود نہیں معیوب ساقیا لیکن
بروں کے پینے سے ہے لگ گیا شراب کو عیب

ظفر ہے عشق بتاں کا ہنر مرے نزدیک
ہر ایک جانے ہے اس فعل ناصواب کو عیب

خال رخ سے ترے قطرے میں پسینے کے قریب ے اوک
یا دھرے ہیرے ہیں نیلم کے نگینے کے قریب

اگلن تری الفت نے دکھائیں آنکھیں
روزن اک اور ہوا روزن سینے کے قریب

ساغر عشق کو ساقی ازل نے جو بھرا
پہلے جا بیٹھے ہمیں واسطے پینے کے قریب

زخم سینہ نکلتے ہیں ہزاروں شعلے
چارہ گر آئے کہاں واسطے سینے کے قریب

اب فلک شہر بدر ہی ہمیں سمجھے ہیں وہ ماہ
ہم کو یاں آئے ہوا ایک مہینے کے قریب

سینہ صافوں سے بھی تم دور جو بھاگو افسوس
کر نہ وہ بغض کے ہیں پاس نہ کینے کے قریب

کوئی لگ جائے اترتے ہوئے شاید ٹھوکر
اس تمنا میں پڑا ہوں ترے زینے کے قریب

ہے نگہباں دل پہ داغ کی آہ پر درد
ہم نے یہ سانپ بٹھایا ہے خزینے کے قریب

خال یہ متصل ناف نہیں تیرے کر ہے
بحر حسن میں ملاح سفینے کے قریب

دیکھو تم غیر سے صحبت نہ رکھو جانے دو
بیٹھے کس واسطے اشرف کمینے کے قریب

لکھ غزل اور بھی تبدیل قوافی میں ظفر
بیٹھے ہر شعر میں پر ساتھ قرینے کے قریب

دل پہ داغ گیا چشم پری رو کے قریب
چیتا پہنچا ہے عجب گھات سے آہو کے قریب

حال کیا جانئے کیا کرتا قلق سے دل کا
ہاتھ قسمت سے نہ پہنچا مرا چاقو کے قریب

متصل ماہ کے دیکھا نہ ستارا ایسا
جوں در گوش ہے اس کے رخ نیکو کے قریب

ہاتھ افسوس زانوں پہ نہ کیونکر ماروں
جبکہ ہو غیر کا زانو ترے زانو کے قریب

متصل تیغ کے لازم ہے سپر کا ہونا
حلقہ زلف ہے زیبا ترے ابرو کے قریب

تو جو گلشن میں دکھائے قدر عنا اپنا
پھٹکے قمری کبھی سرو لب جو کے قریب

تیرا بیمار الم ہائے تیری جان سے دور
الٹا مایوس پھرا جا کے ارسطو کے قریب

رشک آتا ہے ہم آغوش ہو گل سے بھونرا
اے ظفر ہو نہ گزارا مرا گلرو کے قریب

ٹیکا ہے وہ دوا بروئے جاناں میں آفتاب
کیوں نہ سمجھیں جسے میزاں میں آفتاب

وہ مہروش جو سیر کرے رتھ میں بیٹھ کر
شرمندہ ہووے گنبد گرداں میں آفتاب

اے سرد و مہر داغ بتاں کیوں نہ ہو عزیز
لگتا بھلا ہے سب کو زمستاں میں آفتاب

دود جگر میں دیکھو شعلہ کو آہ کے
آکر چھپا ہے ابر کے داماں میں آفتاب

تجلی کو دیکھ جیب پہ کرتی ہے مہروش
منہ ڈالتا ہے اپنے گریباں میں آفتاب

اعجاز ہے کہ گریہ میں نکلا ہے لخت دل
پوشیدہ ورنہ رہتا ہے باراں میں آفتاب

بن جائے تاب عارض پہ نور سے ترے
سورج مکھی کا پھول گلستاں میں آفتاب

تر دامنوں کو کیوں نہ ظفر ہووے شوق مے
ہے بادہ روز مرہ رنداں میں آفتاب

اس طرح سے وہ وہاں میری نظر سے غائب
نور جوں دیدہ محروم بصر سے غائب

بل بے ظالم ترے مضمون کمر کی تاثیر
ہوگیا خط مرا قاصد کی کمر سے غائب

اڑ گئی دل کی سیاہی ترا منہ دیکھتے ہی
ہوگئی ظلمت شب نور سحر سے غائب

چلتے کیا گرم رو راہ فنا ہستی میں
ہوگئی ظلمت شب نور سحر سے غائب

کیونکہ دل موم کروں اس بت سنگیں دل کا
ہوگئے ایک تبسم میں شرر سے غائب

صبر و طاقت ہوئی یوں دل سے مرے گم جیسے
کہ اثر ہے مری فریاد جگر سے غائب

نظر عام سے پنہاں ہو نہ کہیں بندہ خاص
جو کہ حاضر ہیں ادھر وہ ادھر سے غائب

پردہ غفلت کا پڑا دل پہ اسی کے ورنہ
وہ تو اک لحظہ نہیں چشم بشر سے غائب

کر گئی دل کو تری چشم پرفسوں کافر
طرفہ انجمن میں پہلو ہے نظر سے غائب

دیکھ کر اس مہ کو وقت بے حجابی آفتاب
ہوگیا مشہ پہ ہجائے آفتابی آفتاب

تیری مے نوشی کی خاطر ساغر سیمیں ہو ماہ
اور گزک کے واسطے زریں رکابی آفتاب

خانہ آئینہ میں ہے اس رخ روشن کا عکس
جلوہ گر ہے یا میان برج آبی آفتاب

اپنی چشم مست کی گردش اگر دکھلائے تو
رقص مستانہ کرے مثل شرابی آفتاب

شام کا وعدہ کیا ہے اس مہ بے مہر نے
یا الٰہی آج چھپ جائے شتابی آفتاب

وہ ہلال ابرو اگر چمکائے تیغ مغربی
نکلے مشرق سے لیے ڈھال آفتابی آفتاب

آہ سوزاں گر مری گردوں پہ ہو آتش فروز
نسر طائر وہ کباب اور ہوں کبابی آفتاب

صبح ہوتے ہی سدھارے ہے وہ میرے گھر سے آہ
روز کرتا ہے یہی خانہ خرابی آفتاب

رشک ہے اے ظفر رنگ شفق میں غرق خوں
دیکھ کر پوشاک اس مہ کی گلابی آفتاب

رات کو تڑپے تصور میں جو آجائے ہے خواب
خواب میں بھی یہ تماشا مجھے دکھلائے ہے خواب

وہ دل آرام بغل میں نہیں ہوتا جس رات
آن کی چشم کے آغوش میں گھبرائے ہے خواب

خواب اور مرگ یکساں کر تماشائے جہاں
بند ہو جاتے ہیں بس آنکھ کے ہو جائے ہے خواب

یاد قیامت میں تری میں ہوں جہاں سے غافل
سچ ہے یہ بات کہ سولی پہ بھی آجائے ہے خواب

صبح محشر بھی ہوئی اور نہ کھلی آنکھ مری
دیکھیے پاؤں کہاں تک ابھی پھیلائے ہے خواب

خواب میں گر کبھی آتا ہے وہ رشک یوسف
ہمسر خواب زلیخا مرا بن جائے ہے خواب

سوہا منزل دنیا میں ہے غافل کس نیند
آفتیں سر پہ مسافر کے بہت لائے ہے خواب

بخت خوابیدہ نہیں جاگتے مرے ورنہ
اک جہاں کا میری فریاد سے اڑ جائے ہے خواب

پائے خوابیدہ جو اٹھتا ہے ظفر مشکل سے
نہیں معلوم کہ تلوے کہیں سہلائے ہے خواب

گر ہو بہر سرمہ چشم اس کی خاک درنصیب
سارے ہم چشموں میں اپنے کیوں نہ ہو یارو نصیب

زور سے ہوتا ہے کوئی وصل مہ پیکر نصیب
ہوں قوی طالع نہ ہو جب تک اور زور آور نصیب

پھوڑ پتھر سے نصیبوں کو ترے اپنے کوہکن
ہوگا اس خار اشکافی سے تجھے پتھر نصیب

ہووے حق میں تشنہ کاموں کے وہ آب زندگی
ہاتھ سے تیرے جو ہو آب دم خنجر نصیب

جام جم کی اس کی نظروں میں نہ کیف چڑھے
ہووے چشم مست ساقی سے جسے ساغر نصیب

آپ کو پہنچائیں واں تک اس میں ہوئی ہو سو ہو
آج ہم بھی آزمائیں اے دل مضطر نصیب

وہ رہا جب تک بہر صورت رہا حیرت زدہ
صورت آئینہ یاں جس کو ہوا جوہر نصیب

خاک ہو کر بھی گئی گردش نصیبوں کی نہ آہ
خاک کو اپنی کولے میں ہوا چکر نصیب

جس کی آنکھوں کو نہ تیری خواہش دیدار ہو
اس کو دیدار خدا ہووے نہ اے کافر نصیب

مت اٹھا آسودہ خاک کو اے روز حشر
اک ذرا راحت ہوئی ہے ان کو مر مر کر نصیب

آتے آتے الٹے میرے در سے پھر جاتے وہ کیوں
اے ظفر برگشتہ ہو جاتے نہ میرے گر نصیب

دیکھے گر چشم تری اے گل شاداب حباب
شرم کے مارے وہیں بحر میں ہو آب حباب

محو نظارہ ہے اس لجۂ خوبی کا تو
کیونکہ آنکھوں نہ اڑ جائے ترے خواب حباب

میکشی کے لیے کیونکر نہ تری رشک قمر
صورت جام بلوریں رہے پر آب حباب

تیغ ابرو سے تری سوچ ہی کیا کانپے ہے
سر پہ رکھ خود بھی پھرتا ہے بگر داب حباب

کیا تعجب ہے جو دریا میں پھرے ہے ہر دم
گردش چشم تری دیکھ کے بیتاب حباب

داغ دل کی جو مرے حشر میں دیکھے شورش
زہرہ دوزخ کا ہو واللہ وہیں آب حباب

چشم کیا خاک رکھے اہل کرم سے ظالم
تیغ کے کھیت کو کرتا نہیں سیراب حباب

لمعہ مہر سے کیا پاٹ پہ دریا کے نسیم
صبحدم چمکے ہے شکل گل کمخواب حباب

یاد کر لب کو ترے میں جو لب جو رویا
اشک خونیں سے بنے صورت عناب حباب

شب کو دریا پہ خط رخ کے تیرے جلوے سے
ہالہ گرداب ہوا صورت مہتاب حباب

قطرہ اشک نہیں چشم کے خانہ میں بھرے
ہیں یہ لبریز صدف میں در نایاب حباب

آبداری سے ظفر شعر ہیں لکھے تم نے
جن پہ وارے ہیں سدا گوہر خوش آب حباب

کلام تلخ میں بھی گر لڑائی ہے صاحب
لڑائی میں نہیں ہنی مٹھائی ہے صاحب

نکلتے شعلے جو ہیں ساتھ آہ کے ہر دم
یہ آگ دل میں تمہیں نے لگائی ہے صاحب

نہ پوچھو مجھ سے کہ دل دم بدم ہے کیوں نالاں
تمہارے ہاتھ سے دیتا دہائی ہے صاحب

برا جو مانتے ہو میرے چاہنے تم
بتاؤ اس میں بھلا کیا برائی ہے صاحب

پسند کرتا نہیں کوئی خود پسندی کو
پسند آپ کو کس طرح آئی ہے صاحب

ڈراتے ہو جو مجھے روز حشر سے واعظ
وہ روز کیا کہیں روز جدائی ہے صاحب

ظفر جو دام محبت میں دل پھنسا تو پھنسا
نصیب کب اسے ہوتی رہائی ہے صاحب

ساقیا مست ازل کو نہیں درکار شراب
وہ نشہ اور ہی ہے کیا ہے یہ مردار شراب

زیر محراب دو ابرو وہ ہیں آنکھیں بد مست
آئے مسجد میں ہیں کیوں پی کے یہ میخوار شراب

ہم پئیں خون جگر کیونکہ نہ تنہائی میں
تو پئے ہو کے جو ہم صحبت اغیار شراب

فاقہ مستی کے مزے پوچھے کوئی مفلس سے
پیتے اس لطف سے ہیں کاہے کو زردار شراب

مے کشی کا ہے یہی بزم محبت میں مزا
دل عاشق ہو کباب اور لب یار شراب

دیں عرق کھینچ کے کتنے ہی نہ صحت وہ اسے
پیے جب تک نہ تری چشم کا بیمار شراب

گر کے ہاتھوں سے مرے جام بلا سے ٹوٹا
پر گرے پاؤں پہ گر کر نہ گنہگار شراب

چشم ساقی کے کرشمے سے عجب کیا کر پئے
زاہد گوشہ نشیں بھی سر بازار شراب

بات دل کی نہ کہی اس بت عیار نے ایک
اے ظفر ہم نے پلائی اسے سو بار شراب

کرتی ہے ہر لحظہ مجھ کو میری جانکاہی خراب
کاہش جاں سے ہوں میں بھی عشق میں کیا ہی خراب

راہ سرگرداں ہے اور ماہی تہ بار گراں
خوب دیکھا تو یہاں ہے مہ سے تا ماہی خراب

دیکھ میرا حال کیا سوز و گداز عشق سے
بزم عالم میں ہے جو شمع سحر گاہی خراب

وا نہ ہو غنچے تو پھر کیوں نہ پریشاں اس قدر
کرتی ہے اس کو صبا تری ہوا خواہی خراب

خضر راہ منزل مقصود کر تو عشق کو
ورنہ اسے رہ رو کرے گی تجکو گمراہی خراب

طفل کو راحت زیادہ ہے جو ان و پیر سے
چین نادانی میں ہے کرتی ہے آگاہی خراب

اے ظفر چاہے خرابی تیری جو خانہ خراب
کردے اس کو تیرا اقبال شہنشاہی خراب

ردیف ہائے فارسی

اٹھ کے پہلو سے ہمارے جس طرف جائیں گے آپ
مثل سایہ آپ کے ہمراہ ہم آئیں گے آپ

مجھ کو سمجھائیں گے یا میرے دل دیوانہ کو
حضرت ناصح سے پوچھو کس کو سمجھائیں گے آپ

مر مٹیں گے پر نہیں اٹھنے کے ہم واں سے کبھی
ہم کو مثل نقش پا جس جا پہ بٹھلائیں گے آپ

مارنا ہے عاشقوں کو اپنی تلواروں سے کیوں
چیں بہ ابرو دیکھ کر تجھ کو وہ مر جائیں گے آپ

دستے نرگس کے تمہیں کیوں بھیجتے ہیں رشک چمن
جانتے گر ہم کہ آنکھیں ہم کو دکھلائیں گے آپ

تم یہاں تشریف فرما بھی اگر ہوتے تو کیا
جب کروں گا عرض میں کچھ غصہ فرمائیں گے آپ

آپ کی خاطر سے ہم کرتے تھے ضبط اضطراب
دیکھ کر بیتاب ہم کو اور گھبرائیں گے آپ

گو نہ جاوے گی سواری آپ کی غیروں کے گھر
گھوڑے کاغذ کے یہیں سے بیٹھے دوڑائیں گے آپ

دل الجھ کر زلف میں کوئی سلجھتا ہے ظفر
اور الجھے گا زیادہ جتنا سلجھائیں گے آپ

اپنا شب ہجراں سے گیا شب جو بدن کانپ
دیکھ اس کے گئی شعلہ نمط شمع لگن کانپ

آیا جو لب جام وہ پر کالہ آتش
خورشید گیا صبح سر چرخ کہن کانپ

ہے خال رخ یار تہ زلف نمایاں
اے دل اے کالے کا نہ تو جان کے من کانپ

گلشن میں ترے قد سے جو برپا ہے قیامت
جائے روش بیدا بھی سرو چمن کانپ

مدفن پہ قدم جس کی رکھا تو نے پھر وہ
جو شعلہ فانوس گیا زیر کفن کانپ

اس افعی کاکل سے وہ جس دن سے ڈرا ہے
شامت زدہ دل دیکھ کے جاتا رہے بن کانپ

کس نے خم زلف اپنا نہاتے میں دکھایا
جو موج کا دریا میں گیا ہے ہمہ تن کانپ

تو بادشہ ملک معانی ہے ظفر آپ
جاتا ہے تجھے دیکھ کر اک اہل سخن کانپ

بے سبب چرخ ہے اک بر سر کیں آپ سے آپ
سر پھرا اور کسی کا تو نہیں آپ سے آپ

ہے تہ خاک بھی کوئی ترا عاشق جنات
ورنہ کب آئے ہے لرزش میں زمیں آپ سے آپ

ہاتھ پہنچا بھی نہیں تا سر زلف پر چیں
ہوگئے ہم سے وہ کیوں چیں بجبیں آپ سے آپ

بخت برگشتہ اگر ہوگئے سیدھے اپنے
تو چلے آئیں گے سیدھے وہ یہیں آپ سے آپ

دیر کی گھر سے نکلنے میں جو تم نے تو یہاں
تن سے جا نکلی نکل جان حزیں آپ سے آپ

عشق چمکائے اگر داغ جگر کو اپنے
ہووے پھر کشور دل زیر نگیں آپ سے آپ

کھینچیں ہم کلک تصور سے جو تیری تصویر
ہوئے صورت گر چیں دیکھ کے چیں آپ سے آپ

گر محبت نے دیا دل کی صفائی میں اثر
میرے مرنے کا انہیں ہوگا یقیں آپ سے آپ

کیسی تدبیر ظفر جب وہ کرے اپنا کرم
کام بگڑے ہوئے بن جائیں یونہیں آپ سے آپ

حضرت دل تلخ میری زندگی کرتے ہیں آپ
ہر کسی پر مفت جو طوفان لیے مرتے ہیں آپ

بار دنیا سے اٹھایا جائے نے جائے دھرا
اہل دنیا ہیں اٹھاتے آپ اور دھرتے ہیں آپ

کیا خط و پیغام بھیجیں ایک ڈر دونوں طرف
اس طرف ڈرتے ہیں ہم اور اس طرف ڈرتے ہیں آپ

اس چمن میں کیا کہیں کیونکر ہوا پھر جائے ہے
جو صبا ہم پھونک پھونک اپنے قدم دھرتے ہیں آپ

اگر شراب کی موجیں بنیں شراب میں سانپ
خط شعاع سے لہرائیں آفتاب میں سانپ

خیال زلف میں کل سو گئے جو شام سے ہم
تمام رات نظر ہم کو خواب میں سانپ

نہ پاؤ گے کبھی موذی کو راستی پیشہ
ہمیشہ دیکھو کہ رہتا ہے پیچ و تاب میں سانپ

جو تو نہ پاس ہوتی تو موج خندہ برق
نہ آوے کاٹنے کو بن کے کیوں سحاب میں سانپ

حذر کرائے دل ناداں وہ زلف ہے برہم
اثر ہو زہر میں کیا اس کے جو ہو اب میں سانپ

ضرر رساں نہ ہو بداصل ل کے پاؤں سے
نہ چھیڑ، کاٹ ہی کھاوے گا، ہے عتاب میں سانپ

رہے سلوک میں سالک کو فکر نفس کشی
کہ راہ زن ہے کبھی اس رہ صواب میں سانپ

بندھے جو وقت کتابت ترا تصورزلف
تو خط رشتہ مسطر بھی ہو کتاب میں سانپ

دہن میں دیکھ دم زہر خندہ موج غضب
کھلا کہ بند تھا درج در خوشاب میں سانپ

مقام زلف ہے یوں اس دل پریشاں میں
کہ جس طرح سے رہے خانہ خراب میں سانپ

نہیں وہ سرمہ کی تحریر چشم میگوں میں
ظفر پڑا ہے کوئی کشتی شراب میں سانپ

ہوا کچھ اگر کہہ کے وہ یار چپ
نہ کر ہم نشیں تو بھی تکرار چپ

جو برہم ہو قاصد وہ سن کر خبر
تو ہو جائیو تو خبر دار ، چپ

چمن میں اگر ہوویں ہم نالہ کش
تو ہو جاوے بس بلبل زار چپ

کراہا کیا درد سے رات بھر
سحر ہوگیا تیرا بیمار چپ

طلب ان سے اک بوسہ کرتے تھے ہم
ہوئے گالیاں سن کے دو چار چپ

اڑ جائے ہر مغز صیاد کا
نہ کر شور مرغ گرفتار ، چپ

کریں عرض حال اپنا سب آپ سے
رہے پھر بھی اک گنہ گار چپ

کہا تیرے غمگیں نے چپکے سے کیا
کہ سب ہوگئے اس کے غمخوار چپ

ظفر اور بحر و قوافی بدل
نہ ہو پڑھ کے یہ چند اشعار چپ

ہوئے دونوں کچھ ایسا سوچ کر چپ
کہ وہ چپ ہیں ادھر اور ہم ادھر چپ

خدا جانے جواب میں اس نے دیا کیا
کہ آیا واں سے مرا نامہ بر چپ

دماغ گل بہت نازک ہے بلبل
نہ کر شور اتنا اے شوریدہ سر چپ

ہمیں بھاتی ہے گپ چپ کی مٹھائی
دم بوسہ بھول اے لب شکر چپ

ذرا بولا جو غنچہ تو صبا نے
کہا منہ پر طمانچہ مار کر ، چپ

ہوئی ہے آج مدت میں شب وصل
ذرا سونے دے اے مرغ سحر چپ

کہاں ہے دل جلوں کرتا ہے گفتار
سراپا کو زباں سے شمع پر چپ

کہوں گر حال رسوائی ہے ، لیکن
رہا جاتا نہیں مجھ سے ظفر چپ

کیا ہوا مجھ سے کشیدہ ہے وہ گر آپ سے
کشش دل اسے کھینچے گی ادھر آپ سے آپ

اس دل آزار کا کیا جانے ہے کیا خوف مجھے
دل دھڑکتا ہے مرا دو دو پہر آپ سے آپ

ہے ابھی رات کہاں جاتے ہو اے ماہ لقا
بول اٹھتا ہے یونہی مرغ سحر آپ سے آپ

بخت برگشتہ جو ہو جائیں گے میرے سیدھے
وہ چلے آئیں گے سیدھے میرے گھر آپ سے آپ

گل بھی دیوانے ہیں تیرے کہ جو آئی ہے بہار
ٹکڑے کر ڈالے ہیں سب جیب و جگر آپ سے آپ

آتش شوق سے اڑتا ہے برنگ سیماب
لگ گئے ہیں دل بیتاب کو پر آپ سے آپ

دل سے بے راہ اگر دل کو تو ہو جائے گی
بے خبر تجھ کو محبت کی خبر آپ سے آپ

جبکہ ہو جاوے گا اس زلف سے دل کا سودا ہم پہ کھل جائے گا سب سود و ضرر آپ سے آپ

دل کے آئینہ کو تو صاف تو کر دیکھ ذرا اس کی صورت تجھے آئے گی نظر آپ سے آپ

اے پری وش تری آنکھیں وہ بلا ہیں جن کو دیکھ کر ہوتا ہے دیوانہ بشر آپ سے آپ

فکر و تدبیر سے کیا ہوگا کہ جو ہونا ہے
ہو رہے گا تری قسمت سے ظفر آپ سے آپ

ردیف تائے فوقانیہ

بھولتی لحظہ نہیں زلف دوتا کی صورت خواب میں بھی نظر آتی ہے بلا کی صورت

ماہ نو کیونکہ ہو ہم شکل ترے ابرو سے کہ وہ ادنیٰ ہے ترے ناخن پا کی صورت

دیدۂ تر پہ مرے ہر مژہ خون آلود اشک کی فوج میں ہے سرخ لوا کی صورت

دیکھیے اے قاتل سفاک تری ابرو کو جس نے دیکھی نہ ہو شمشیر قضا کی صورت

روبرو اس شہ خوبی کے نظر آتا ہے باغ میں کاسہ بکف لالہ گدا کی صورت

مہ کنعاں کی مرقع میں جو دیکھی تصویر پھر گئی آنکھوں میں اس ماہ لقا کی صورت

تیرے بیمار کو دیتے ہیں دوا روز طبیب پر نظر آتی نہیں کوئی شفا کی صورت

جب سے اے قبلۂ جاں تیری طرف ہے مائل دل ہے بیتاب مرا قبلہ نما کی صورت

گرچہ ہشیار تھے ہم پر نہ رہے ہوش بجا
اے ظفر دیکھ کے اس ہوش ربا کی صورت

کیجیے نہ دل میں بیٹھ کے آپس کی بات چیت پہنچے گی دس ہزار جگہ دس کی بات چیت

کب تک رہیں خموش کہ خاطر سے آپ کی ہم نے بہت سنی کس و ناکس کی بات چیت

زیبا نہیں تمہیں لب شیریں سے حرف تلخ اس لعل شکریں سے ہو کچھ اس کی بات چیت

کوئی نہیں سمجھتا کہ ہے بے کسی سے کیا پوشیدہ تیرے کشتۂ بے کس کی بات چیت

درویش کو ہے اپنے گلیم و نمد سے کام سنتا نہیں وہ مخمل و اطلس کی بات چیت

دیکھا گزار تیر حوادث جو پے بہ پے جانا کہ ہے یہ چرخ منحوس کی بات چیت

قطعہ

مدت کے بعد حضرت ناصح کرم کیا فرمایئے مزاج مقدس کی بات چیت

پر ترک عشق کے لیے ارشاد کچھ نہ ہو میں کیا کروں نہیں یہ مرے بس کی بات چیت

کیا یاد آ گیا ہے ظفر پنجۂ نگار
کچھ ہو رہی ہے بند و مخمس کی بات چیت

اینکہ بینی ہمہ ہا قالب و جان ہمہ اوست بلکہ ہم قالب وہم روح و روان ہمہ اوست

آنچہ بیرون و درون ست ہما نیست عیاں راز فاش ہمہ او سر نہان ہمہ اوست

درویش پردہ و بے پردہ در آید از دل بی نشان و سبب نام و نشان ہمہ اوست

نیست دیر و حرم از شیخ و برہمن آباد ہمہ مہمان و مکینی بمکان ہمہ اوست

اے دل آں گوہر یکتا کہ نیرز و بدو کون چشم بکشا و ببیں زیب دکان ہمہ اوست

شعلۂ نار جحیم و گل گلزار نعیم یک تجلی ست کہ در جلوہ شان ہمہ اوست

میزند اے ظفر امروز بباغ توحید
نعرہ بلبل دل شوریدہ فغان ہمہ اوست

ہو گئی دیکھ میری کیا صورت اب تو ظالم کہیں دکھا صورت

نہ اگر تو دکھائے گا صورت دیکھئے ہوگی اپنی کیا صورت

جب کہا میں نہیں ہوا تو کہا مرنے والوں کی دیکھتا صورت

گرچہ یوسف تھا خوبصورت پر تیری اس سے بھی ہے سوا صورت

مثل آئینہ عاشق حیراں چپکے چپکے ہے تک رہا صورت

آئینہ خانہ زمانہ میں ! ! ہے ہر ایک اپنا آشنا صورت

درپے قتل ہے مرے قاتل دیکھتے سب ہیں آشنا صورت

اور بھی آتی ہے ہنسی اس کو میں جو رونے کی لوں بنا صورت

اے ظفر مجھ کو اس صنم کے سوا
نہ دکھاوے کوئی خدا صورت

مست سب جان گئے ساقی مخمور کی بات
سوجھتی یعنی نشے میں ہے بہت دور کی بات

دار پر کھینچو یا قتل کرو جی سے تم
حق پہ سنتو وہی بس ایک ہے منصور کی بات

چارہ گر جان چلے ہو کر نہ ہوگا چنگا
مجھ سے کیا پوچھتے ہو زخم کے انگور کی بات

ناتوانی سے یہ احوال ہوا ہے اب تو
کہ سنائی تمہیں دیتی ترے رنجور کی بات

پیارا پیارا ترا جیسا کہ ہے انداز کلام
نہ پری کا ہے سخن ایسا نہ ہے حور کی بات

سیمبر آتا نہیں بر میں عزیزو بے زر
مجھ میں مقدور نہیں، یہ تو ہے مقدور کی بات

دولت حسن کا ہے جیسے ظفر اس کو غرور
خالی از غرہ نہیں کچھ بت مغرور کی بات

ہیں وہ ہم ہی کہ جو کر لیتے ہیں اکثر برداشت
ورنہ ان باتوں کی ہو کس سے ستمگر برداشت

نقد دین و دل و جاں کھو کے سیہ بختوں نے
کی ہے سرکار میں اس زلف کی یک سر برداشت

ہوتا آئینہ مکدر ہے نفس سے ہمدم
بات کی کس کی کریں صاحب جوہر برداشت

نہ تو تابوت نہ تختہ نہ کفنی ہے نہ لحد
اس ترے کشتہ بیکس کی ہو کیونکر برداشت

اٹھ گئے ظلم اٹھا کر ترے ہم دنیا سے
سنگ دل اور سوا ہووے گی پتھر برداشت

بردباری جو دل صبر گزیں میں ہے مرے
نہ تحمل یہ کسی میں ہے نہ دلبر برداشت

کیوں نہ برداشت دل زیست سے ہوں میں کہ ظفر
تیغ بر قتل من آں غمزہ کافر برداشت

تھا جو کوٹھے پہ وہ مہ جلوہ کناں ساری رات
تو رہی چشم ستارہ نگراں ساری رات

ہجر میں ہم جو رہے اشک فشاں ساری رات
تارے گنتے رہے اے ماہ وشاں ساری رات

توڑے کس مست نے تھے جام کہ میخانے سے
ظرف چینی کی سی آتی ہے فغاں ساری رات

آفریں آپ کے سونے کو نہ جاگے اور ہم
پس دیوار رہے گرم فغاں ساری رات

دیکھ انجم کو جو یاد آئے وہ در دنداں
مثل شبنم میں رہا اشک فشاں ساری رات

شب کو اک نالہ کیا سوز جگر سے میں نے
شمع ساں شعلہ رہا وقف زباں ساری رات

پیاسا ہے آب دم شمشیر کا تیری قاتل
دیکھے ہے خواب میں اک جوئے رواں ساری رات

قصہ میرا شب ہجراں کا اگر سنئے ذرا
نیند آوے نہ تمہیں ماہ وشاں ساری رات

یاد آیا جو تیرے کان کا جھکا تو رہی
تکتی عقد ثریا سے یہاں ساری رات

رشک سے عارض تاباں کی ترے اے مہوش
رہتا ہے زیر زمیں مہر نہاں ساری رات

اے ظفر پوچھ شب غم کا نہ شور و فریاد
نہیں تالو سے لگی میری زباں ساری رات

غضب ہے اپنا ہے اس شوخ خشمگیں پہ داشت   جو چیتا ہے سدا عاشق حزیں پر داشت
تمہارے منہ سے کہاں منہ جو غنچہ روکش ہو   دہن اگرچہ ہے چھوٹا سا ہاں نہیں پر داشت
رہا وہ شانہ صفت کش کش میں وہ اک عمر   رکھا ہے جس نے تری زلف عنبریں پر داشت
یہ مے ہے عقل کی دشمن کہ اس کا ہر قطرہ   کرے ہے تیز فلاطون خم نشیں پر داشت
جو پر فروغ ہوا لعل بے بہا پہ لب   تو لے گئے ہیں شرف گوہر ثمیں پر داشت
جگر کو کاٹتے تھے جس سے میری طفل سرشک   وہ گر کے ٹوٹ گئے شاید آہنیں پر داشت
ستارے جتنے ہیں شاید ہمارے رونے پر   نکالتے ہیں جو شب چرخ ہفتمیں پر داشت
کریں ہیں شہد سے آلودہ کب وہ لب اپنے   رکھے ہیں جو کہ ترے لعل شکریں پر داشت

ظفر ہم ان کو جو شیریں کلام جانتے تھے
اب ان کے خوب ہوئے کھلے اس زمیں پر داشت

آگے پہنچاتے تھے واں تک خط و پیغام کو دوست   اب تو دنیا میں رہا کوئی نہیں نام کو دوست
دوست یک رنگ کہاں جبکہ زمانہ ہو دو رنگ   کہ وہی صبح کو دشمن ہے جو ہے شام کو دوست
میرے نزدیک ہے واللہ وہ دشمن اپنا   جانتا جو کہ ہے اس کافر خود کام کو دوست
دوستی تجھ سے جو اے دشمن آرام ہوئی   نہ میں راحت کو سمجھتا ہوں نہ آرام کو دوست
چاہتا وہ ہے بشر جس سے بڑھے عزت و قدر   پہلے موقوف کر اپنی طمع خام کو دوست
جو ہے اے رشک چمن کشتہ تری آنکھوں کا   رکھتے ہیں گور پہ اس کی گل بادام کو دوست

اے ظفر دوست ہیں آغاز ملاقات میں سب
دوست پر وہی ہے جو مخلص ہو انجام کو دوست

کہہ بیٹھوں جو سوز غم ہجراں کی حقیقت   کچھ بھی نہ رہے آتش سوزاں کی حقیقت
تدبیر رفو کیا ہو کہ اب دست جنوں نے   رکھی نہ مرے کچھ بھی گریباں کی حقیقت
آنکھوں سے ہے یہ دیدہ گریاں نے دکھایا   کانوں سے سنا کرتے تھے طوفاں کی حقیقت
جو حرف ہے مطلب کا وہ اشکوں سے مٹے ہے   کیا خط میں لکھوں میں غم پنہاں کی حقیقت
صد کان نمک صرف ہو ہر زخم میں میرے   قاتل نہیں کچھ ایک نمک داں کی حقیقت
ہو گرمی مضمون سے جگہ مہر کی اک داغ   گر خط میں لکھوں میں دل سوزاں کی حقیقت

حاضر ہے دل و جاں کہ ظفر یار کے آگے
کچھ دل کی حقیقت ہے نہ کچھ جاں کی حقیقت

کب بنائے سے بنے ہے کوئی تدبیر کی بات   بات وہ ہی ہے کہ جو بات ہے تقدیر کی بات
جب زبانی مرے اور اس کے لگے ہونے کلام   پر وہ جب اٹھ گیا پھر کیا رہی تحریر کی بات
سانپ بن بن کے زباں کو لگے ہر موج سخن   گر کہوں جھوٹ تری زلف گرہ گیر کی بات
زلف و چشم اس کی نے پابند کیا عالم کو   نہ تو جولاں کی رہی بات نہ زنجیر کی بات
آگے ابرو کے ترے ذکر کماں آ نہ سکے   سامنے تیری نگہ کے نہ چلے تیر کی بات
ابر نے میری اڑائی روش گریہ صبح   برق نے سیکھی مرے نالہ شب گیر کی بات

قطعہ

ہنستا اور بولتا ہے عالم حیرت میں کہاں   کھلے کس طرح بھلا عاشق دلگیر کی بات
دیکھا ہنستے گل قالیں کو نہ آنکھوں سے کبھی   اور نہ کانوں سے سنی بلبل تصویر کی بات
خلق کے دل میں اثر کیوں نہ کرے تیرا سخن
سچ ہے واللہ ظفر ہے تری تاثیر کی بات

نالہ ہے برق فشاں سوز جگر کی دولت
ابر نیساں ہے مرے دیدہ تر کی دولت

اتنی بینائی کہاں ہے جو دیکھیں اسے ہم
دیکھ لیتے ہیں مگر اہل نظر کی دولت

خانہ دل میں نہ ہے شمع نہ مشعل نہ چراغ
کچھ اجالا ہے تو ہے داغ جگر کی دولت

گزر اس در پہ کیا جی سے گزر کر ہم نے
پہنچے تا کعبہ مقصود سفر کی دولت

وقت نعمت کے ہوا شکر کا سجدہ واجب
شاخ سر اپنا جھکائے ہے ثمر کی دولت

قدر شمشیر کی ہوتی ہے فزوں جوہر سے
عزت اہل ہنر ہے تو ہنر کی دولت

شعر میں تیرے میرے اتنی نہ تھی باریکی
ہوگئی اب ترے مضمون کی کمر کی دولت

قیس و فرہاد کا تو شہرہ ہوا باعث عشق
اور مشہور ہوا عشق ظفر کی دولت

کیا تری زلف کے گھر میں ہوئی مہماں تھی رات
تیرہ تجھ سے میری دست و گریبان تھی رات

کہکشاں سینہ گردوں پہ نمایاں تھی رات
کس کے ماتم میں کیے چاک گریباں بھی رات

جوش گریہ سے ترے ہجر میں اے رشک چمن
چشم بددور یہ آنکھ ابر بہاراں تھی رات

سوزش دل کا مرے مجھ سے نہ پوچھو احوال
کہ میرے سینہ میں اک آتش سوزاں تھی رات

شمع کی طرح مجھے راتے جو سولی پہ کٹی !!
یاد قامت تری اے سرو خراماں تھی رات

حلقہ زلف میں دیکھا رخ روشن اس کا
لیے آغوش میں خورشید درخشاں تھی رات

چشم پر آب کے چھینٹے نہ بچایا ورنہ !!
لائی بے طرح حرارت تپ ہجراں تھی رات

تل بے تاثیر ترے عشق کی ہم نے دیکھا
شمع خاکستر پروانہ پھلجھڑیاں تھی رات

زخم پر تیغ جدائی کے جھکائے دیتی
اے ظفر چرخ پہ انجم سے نمکداں تھی رات

سن لے او کافر بدکیش ذرا دھیان سے بات
جھوٹ کہتے نہیں ہم کہیں ہیں ایمان سے بات

ہے وہ کیا بات کر تو یوں ہے عدوئے دل و جاں
ہم نے مانی تری ہر ایک دل و جان سے بات

بول سکتے نہیں محفل میں تری ہم منہ سے
کوئی کہتا ہے تو سن لیتے ہیں ہاں کان سے بات

قطع کرتا ہے جو گل گیر زباں کو اس کی
ایسی سرزد ہوئی کیا شمع شبستان سے بات

یہ بھی قسمت کا لکھا پھیر لے منہ وہ تو خط
اپنے مطلب کی کہوں گر کسی عنوان سے بات

بولتے طوطی ، تصویر کو دیکھا کس نے
کیونکہ نکلے دہن عاشق حیران سے بات

اے ظفر بیٹھا بنایا کرے باتیں لیکن
اس کے بن فضل بن آتی نہیں انسان سے بات

کہتا تھا اس روز خط کو ماہ ہالہ بستہ رات
رات سے پیوستہ ہے دن دن سے ہے پیوستہ رات

شوق میں مضمون قامت کے ترے ڈھلتے رہے
نالہ موزوں سے کیا کیا مصرع برجستہ رات

وہ نہ آیا اور ہم یاں چشم اختر کی طرح
صبح تک دیکھا کیے اس مہ جبیں کا راستہ رات

میکشوں کو کہکشاں کیدکھا کر ساقی تکبر
آسماں سوجھا نشہ میں شیشہ شکستہ رات

شمع اپنے گل پہ نازاں تھی بہت پر جل گئی
دست گل خوردہ کا میرے دیکھ کے گلدستہ رات

رات ہمسایوں کی ہو جاوے نہ کیونکر روز حشر
درد دل سے جب کراہا عاشق دل خستہ رات

پھرتے ہیں دن رات اس گل کی ہوائے وصل میں
اے ظفر نے دن سمجھتے ہیں نہ ہم وارستہ رات

ردیف تائے ہندی

پلا نہ غیر کو صہبائے مشک بو کے گھونٹ
پیئے گا رشک سے ظالم کوئی لہو کے گھونٹ

نہیں ہے فیض سے محروم کوئی ساقی کے
کسو کے جام نصیبوں میں ہے کسو کے گھونٹ

تمہارے شربت دیدار سے ہیں سب سیراب
نہیں نصیب میں پر اس پہ آرزو کے گھونٹ

سکندر آب بقا سے پھر آیا تشنہ وہاں
ملا نہ ایک بھی بعد اتنی جستجو کے گھونٹ

کریں ہزار غراروں سے منہ وہ اپنا صاف
جو ایک لیں مرے قلیاں کا بھولے چو کے گھونٹ

ظفر ہیں جرعۂ زہر اب سے زیادہ تلخ
شراب الفت خوبان تند خو کے گھونٹ

ردیف ثائے مثلثہ

زر فراہم کرکے ناداں لے نہ تو قاروں کی ارث
علم کر پیدا ملے ناسو سے و ہاروں کی ارث

عشق میں یوں قیس نے پائی ترے محزوں کی ارث
جس طرح پہنچی ارسکوں کو ہے افلاطوں کی ارث

لکھ دے مہر داغ سے اپنے یہ نامہ جنوں
کب کہا ہم نے کہ ہے اتنی زمیں ہاموں کی ارث

میل گندم کی طرف جنت میں آدم نے کیا
پہنچتی ہے ہم کو عشق حسن گندم گوں کی ارث

جوں صدا جو خانہ زاد حلقہ زنجیر ہو ! !
خانہ زنداں نہ کیوں کر ہووے اس مجنوں کی ارث

دیکھ دور چشم ساقی عقل چکر میں گئی
کیا ہا گردش تھی گرچہ پشت سے گردوں کی ارث

آل تمنا غم نے نسلاً بعد نسلاً لکھ دیا
خوں فشانی ہے یہ اشک دیدہ پر خوں کی ارث

دی سر نو اس نے کشتہ کو زمیں سد کر تھی
نہ بہر نے زرخرید اور یہ نہ اس مدفوں کی ارث

چھین لے گا طفل اشک چشم طوفاں کو ظفر
مردم آبی کا ترکہ ماہئی جیحوں کی ارث

غافلو کرتے ہو تم فکر کی تدبیر عبث
فکر و تدبیر سے ہے چارہ تقدیر عبث

نہ کھلا عقدہ یہ اے شانہ کہ ہم سے دل میں
کیوں گرہ رکھتی ہ وہ زلف گرہ گیر عبث

تشنہ کاموں ہی کو تیرے نہ کیا گر سیراب
یاد کر اپنی نہ کھچوایئے تصویر عبث

فکر کرواں کی ہمیشہ تجھے رہنا ہے جاں
یاں مکاں کرتا ہے کس واسطے تعمیر عبث

ایسے دیوانے کوئی ٹھہرتے ہیں زنداں میں
پاؤں پڑتی ہے مرے آن کے زنجیر عبث

وہی پیش آئے گا لکھا ہے جو پیشانی میں
نامہ کرتے ہو ظفر تم اسے تحریر عبث

ردیف جیم

اس لیے ڈھونڈتا پھرتا ہوں دل زار کا کھوج
کہ ملے تو ملے خانۂ دلدار کا کھوج

چھپ گیا خال سر زلف چھپا کر دل کو
تہ اندھیرے میں ملا وزدیہ کار کا کھوج

ڈھونڈھیں کیا سینہ میں تیر نگہ یار کا کھوج
نہ پتا ملتا ہے پیکاں کا نہ سوفار کا کھوج

جا کے پھر آئے اگر کوئی عدم میں تو بھی
نہ ملا ہے نہ ملے گا کمر یار کا کھوج

تیرے دنداں سے جو روکش ہو تو مانند حباب
صاف دریا میں ملے گوہر شہوار کا کھوج

چھوٹے ہم دام سے صیاد کے پر کیا حاصل
نہ پتا گل کا ملا اور نہ گلزار کا کھوج

بے خلل پر وہ دلدار میں سوراخ نہیں
ہم نکالے ہیں گے اس روزن دیوار کا کھوج

جب وہ دو چار قدم آئے کہ جوں نقش قدم
مٹ گیا خاک لشینوں میں سے دو چار کا کھوج

اے ظفر کیونکہ رفو ہو کہ جنوں کے ہاتھوں
ہاتھ آیا نہ گریباں میں کہیں تار کا کھوج

جیسے کہ ہیں سو زلف کے خم سے کج دوا کج
ہے یونہیں مزاج آپ کا ہم سے کج وداج

بے وجہ نہیں ہے یہ حباب آنکھ دکھاتا
چلنے لگی کچھ سوچ بھی ہم سے کج ودا کج

ہے کج روی چرخ دلا ایک جہاں سے
تنہا نہیں کچھ یہ مرے دم سے کج ودا کج

پلکیں تری بے گریہ جو ٹھہری ہوں عجب ہے
سر تیروں کے ہو جاتے ہیں نم سے کج ودا کج

بیڈھب کج ووا کج ہے تری چین جبیں پر
رہتی ہے طبیعت اسی غم سے کج ودا کج

وصف میں اس زلف کے یہ ہاتھ کو رعشہ
اب حرف نکلتے ہیں قلم سے کج ودا کج

تشنہ ہوں ظفر اس پہ کہ اس مست کی شمشیر
چلتی ہے عجب طرز ستم سے کج ودا کج

کلی جو لالہ اھری مسکرائی آج
ہنسی چمن میں مجھے تیری یاد آئی آج

مسی یہ شوخ نے لب پر نہیں لگائی آج
گھٹا ہے چشمہ حیواں پہ خوب چھائی آج

نہیں ہے وجہ کدورت کوئی مجھے معلوم
کروں اس آئینہ رو سے جو میں صفائی آج

بہار تختہ اورنگ ہو گئی پامال
چمن میں فندق پا تم نے جب دکھائی آج

مثال نقش قدم آہ اٹھ نہیں سکتا
ملایا خاک میں تو نے شکستہ پائی آج

عجب روش سے وہ غنچہ دہنا ہنسا یارو
کہ ہو گئی مرے دل کی گرہ کشائی آج

نہ کیونکہ پنجہ مژگاں ہو اپنا خون آلود
نظر پڑا ترا دوجہ حنائی آج

برنگ شانہ کیوں کر ہو دل کشاکش میں
کرے ہے زلف تری ہم سے کج ادائی آج

تمہارے حسن کے کوچہ میں لے کے کاسہ چشم
بغور دیکھئے کرتا ہوں میں گدائی آج

ملاوہ شوخ تو سچ ہے کہ اے ظفر ہم سے
سوائے گریہ کے کچھ بات بن نہ آئی آج

مانگ میں دل کو اے زلف سیہ فام نہ بھیج
راہ ظلمات کی ہے اس کو سر شام نہ بھیج

میں تری چشم کا عاشق ہوں تسلی کو مری
دستہ نرگس و شاخ گل بادام نہ بھیج

نامہ بر کہیو کہ مشتاق لقا ہوں تیرا
تجھ کو ملنا ہے تو قل نامہ و پیغام نہ بھیج

بزم میں کتنوں کے منہ لال ابھی کردوں گا
پان غیروں کو مرے آگے گل اندام نہ بھیج

کہیو قاصد کو نہ کھل جائے کسی پر یہ راز
سر مکتوب تو لکھ لکھ کے مرا نام نہ بھیج

نہ لگا تو مجھے انگاروں پہ ہاں غیر کے ہاتھ
پھول مرے قد پہ مرے اے بت خود کام نہ بھیج

اے ظفر آبرو اپنی جو تجھے ہے منظور اے قاصد
اشک کو کہتا ہوں ذرا تھام نہ بھیج

کر گئی دل میں سرایت اپنے جب تاثر موج
تب کھلی دریا دلوں پر ہمسو توقیر موج

اس لیے پھرتا ہے سر پر خود کو رکھ کر حباب
عرصہ دریا میں رہتی ہے علم شمشیر موج

مت ہوائے عشق میں آنا دل دیوانہ تو
پاؤں دیوانی کے پڑتی ہے سدا زنجیر موج

یہ سرشک چشم پر عکس مژہ مروم نہیں
ہے سلیمانی کے دانے پر عیاں تحریر موج

چین پیشانی نہیں اس کی ظفر دیکھو تو اب
صفحہ قدرت پہ ہے کھینچی ہوئی تصویر موج

ردیف جیم فارسی

سب کار جہاں ہیچ ہے سب کار جہاں ہیچ
اس ہیچ سے امید ہے اے ہیچمداں ہیچ

جن نام وروں کے کہ جہاں زیر نگیں تھا
اب ڈھونڈھے تو ان کا ہے کہیں نام و نشاں ہیچ

مانند حباب اس نفس میں ہے خراب
اس منزل فانی میں ہے بنیاد مکاں ہیچ

ایک عمر رہے ملبہ دنیا سے گراں بار
آخر کو دیکھا تو بجز بار گراں ہیچ

خوبان جہاں کا ہے تو کیا محو تماشا
جن کی کہ کمر ہیچ ہے جنکا کہ دہاں ہیچ

اس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر
اے نو گل خنداں مجھے تشویش خزاں ہیچ

ہو جنس تنک مایہ ہستی کے نہ خواہاں
یہ جنس یہ بازار یہ گھر یہ دکاں ہیچ

آواز طرب گوش دل محو نا سے
جز نالہ فریاد و بجز آہ و فغاں ہیچ

جو ہوتی ہے ہوگی نہیں امکاں کہ نہ ہووے
پھر فکر سے کیا فائدہ غیراز خفقاں ہیچ

پایا نہ بجز داغ سیہ کاری یک عمر
نقش قدم قافلہ عمر رواں ہیچ

کیا دیکھیں ظفر خانہ ہستی کا تماشا
اس وہم کدہ میں ہے بجز وہم و گماں ہیچ

دل مرا الجھا ہا ہے یار کے بالوں کے بیچ
کیا تماشا ہے کہ اک طائر ہے سو جالوں کے بیچ

چشم بلبل دیکھ جس کو مائل حیرت ہوگی
یہ چکن کے گل بنے ہیں تیرے رومالوں کے بیچ

جس طرح آتے نظر گرداب میں بھی ہیں حباب
یوں دکھائی دیتے ہیں موتی ترے بالوں کے بیچ

روبرو ہوتے ہی دم نکلے ہیں نفخ صور کا
کیا قیامت شور ہے یارب مرے نالوں کے بیچ

یاں تلک صحرا نوردی میں نے کی ہے بعد قیس
میں خلیدہ سینکڑوں کانٹے مرے چھالوں کے بیچ

جی جلاتے ہیں سدا شعلہ رخاں ہر ایک کا
بیٹھ مت اے دل تو ان آتش کے پرکالوں کے بیچ

دیکھ سیل اشک کو نظروں میں مردم کی کہا
کس طرف سے دوڑا آیا آب یہ نالوں کے بیچ

لب تلک آتی ہے میرے جب کبھی اکر آہ گرم
دیر تک رہتی ہے سوزش میرے تبخالوں کے بیچ

آپ کا چوری سے جانا کھل گیا شاید ظفر
آج چرچا ہو رہا تھا ان کے گھر والوں کے بیچ

دیکھنا کیا آپڑے اس چشم پر گیسو کے پیچ
ہیں یہ زیبا سر بسر شاخ سر آہو کے پیچ

طوق قمری کے نہیں گردن میں اس نے اے صبا
یہ اٹھایا عشق میں ہے سرو آب جو کے پیچ

ساتھ سونے میں لپٹ کر اس طرح سے لطف ہے
پاؤں میں پاؤں کے ہوں بازو میں ہوں بازو کے پیچ

جسم لاغر کو مرے دیکھے وہ بل کھاتے ہوئے
آگ پر جلتے نہ دیکھے ہوویں تار مو کے پیچ

بے حیا اس عرق چیں کو کس ادا سے دیکھیو
رکھ لیا پر روبرو دے کے سمٹے زانوں کے پیچ

پہلوان غم سے میری ہے جو کشتی رات دن
کاہے کو رستم کو بھی ہیں یاد اس قابو کے پیچ

آگیا دل پیچ میں عاشق کا وقت مے کشی
دیکھ کر گردن میں دستار بت دل جو کے پیچ

اے ظفر ہر بات اس کی پیچ سے خالی نہیں
میرے دل سے کوئی پوچھے اس بت بدخو کے پیچ

ٹکڑے نہیں ہیں آنسوؤں میں دل کے چار پانچ
سرخاب بیٹھے پانی میں ہیں مل کے چار پانچ

منہ کھولے ہیں یہ زخم جو بسمل کے چار پانچ
پھر لیں گے بوسے خنجر قاتل کے چار پانچ

کہنے ہیں مطلب ان سے ہمیں دل کے چار پانچ
کیا کہیے ایک منہ ہیں وہاں مل کے چار پانچ

دریا میں گر پڑا جو مرا اشک ایک گرم
بتخانے لب پہ ہوگئے ساحل کے چار پانچ

دو چار لاشے اب بھی پڑے تیرے در پہ ہیں
اور آگے دب چکے ہیں تلے گل کے چار پانچ

راہیں ہیں دو مجاز و حقیقت ہے جنکا نام
رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

رنج و تعب مصیبت و غم یاس و درد و داغ
آہ دفغاں رفیق ہیں یہ دل کے چار پانچ

دو تین جھٹکے دوں جو عی وحشت کے روز میں
زنداں ہیں ٹکڑے ہوویں سلاسل کے چار پانچ

فرہاد و قیس و وامق و عذرا تھے چار دوست
اب ہم بھی ملے تو ہوئے مل کے چار پانچ

نازو ادا و غمزہ نگہ عشوہ مژہ ! !
ماریں ہیں ایک دل کو یہ پل پل ک چار پانچ

ایسا ہے یہ کہ دلویں گے نو دن کے بعد دل
لکھ بھیجے خط میں شعر جو بیدل کے چار پانچ

ہیرے کے نورتن نہیں تیرے ہوئے ہیں جمع
یہ چاندنی کے پھول مگر کھل کے چار پانچ

مینائے نہ فلک ہے کہاں بادہ نشاط
شیشے ہیں یہ تو زہر ہلاہل کے چار پانچ

ناخن کریں ہیں زخموں کو دوا دو ملا کے ایک
تھے آٹھ دس سو ہوگئے اب چھل کے چار پانچ

گر انجم فلک سے بھی تعداد کیجئے
نکلیں زیادہ داغ مرے دل کے چار پانچ

ماریں جو سر پہ سل کو اٹھا کر قلق سے ہم
دس پانچ ٹکڑے سر کے ہوں اور سل کے چار پانچ

مان اے ظفر تو پنجتن و چار یار کو
ہیں صدر دین کی ہی محفل کے چار پانچ

خوش نگہ لے ہیں دل دلگیر کو آنکھوں سے کھینچ
مانی ان کی آنکھوں کی تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

صفحہ مردم پہ اپنے میں تصور کے سبب
لیتا ہوں اس یار کی تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

مر ہی جاتا ہے جگر پر جس کے وہ ابرو کمان
مارتا ہے اک نگہ کے تیر کو آنکھوں سے کھینچ

جی میں ہے خوں میں ڈبو کر خامہ مژگاں کو میں
اس کے لعل لب کی لوں تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

دیکھنا مردم طلسم حسن وہ ترک نگہ
قتل کرتا ہے مجھے شمشیر کو آنکھوں سے کھینچ

کھینچنا سینہ سے تیرا تیر کب منظور ہے
ورنہ لوں ناوک فگن اس تیر کو آنکھوں سے کھینچ

وہ کہے گا آنکھ سے سرمہ لگاوے تو ظفر
آنکھ میں وہ سرمہ کی تحریر کو آنکھ سے کھینچ

اڑ گیا گل کا جو یوں رنگ گلستان کے بیچ
اے صبا کیا خبر اڑتی ہے پڑی کان کے بیچ

دم میں گھیرے نہیں جان نہیں جان کے بیچ
زلف کیا کہتی ہے جھک جھک کے ترے کان کے بیچ

موجزن چشم سے ہیں اشک خدا خیر کرے
غرق ہو کشتی افلاک و طوفان کے بیچ

گر پڑا کوئی سیہ مست کنوئیں میں دیکھو
خال کاجل کا ہے اس چاہ زنخدان کے بیچ

عمر کرتا ہوں بسر اپنی پری رویوں میں
ہوں وہ انسان کے رہتا ہوں پرستان کے بیچ

وہ نہ آیا ہے نہ آئے گا بلا سے اس کی
کوئی مر جاوے اگر حسرت و ارمان کے بیچ

عیسے مژگاں ہے تری خون جگر سے رنگیں
سرخی ایسی ہے کہاں بوجہ مرجاں کے بیچ

شوخ بدکیش ہے اخلاص سے اتنا بیزار
نہ پڑھے سورہ اخلاص کو قرآن کے بیچ

عرش سے فرش تلک جو ہے وہ سب ہے اس میں
دیکھ وسعت ہے ظفر کیا دل انسان کے بیچ

ردیف حائے مہملہ

تو نے رخ پہ زلف کا حلقہ بنایا بے طرح
مرغ دل کو دام میں کافر پھنسایا بے طرح

دیکھیے شبخون کا کس کے ارادہ ہے کہ آج
آپ نے مل کر مسی کو پان کھایا بے طرح

خط کے آنے سے تسلی دل کی ہوتی ہے پر اب
یک قلم لکھنے سے ہاتھ اس نے اٹھایا بے طرح

ہے ارادہ خاک میں کس کے ملانے کا تجھے
سرمہ آنکھوں میں جو اب تو نے لگایا بے طرح

باغ میں جلوہ تمہارے دیکھ خط سبز کا
منفعل ریحاں نے ہوکر زہر کھایا بے طرح

محو نظارہ رہے گا اپنی صورت کا وہ آپ
آئینہ یارو اسے تم نے دکھایا بے طرح

پنجۂ مژگاں سے کب رکتا تھا یہ طفل سرشک
آخرش سر پہ مرے طوفان لایا بے طرح

بن گیا ہے سر بسر سینہ مرا آتشکدہ
سوز الفت نے مرے دل کو جلایا بے طرح

چاہ میں اس یوسف ثانی کے یارو کیا کہوں
ہائے کم بختی مجھے دل نے ڈبایا بے طرح

ہم نہ کہتے تھے ظفر دل مت لگا ہر ایک سے
دیکھو تو اس کا مزا آخر کو پایا بے طرح

جو اپنے لب سے قدح کش کوئی لگائے قدح
تو پہلے چاہیے منہ سے پڑھے دعائے قدح

وہ بادہ کش ہوں کہ لے لے کے جس کی خاک کلال
کبھی بنائے سبو اور کبھی بنائے قدح

ہوا بتائے ہے کیا دے کے دو شراب کے گھونٹ
کہ اس ہوا میں ہے ساقی مجھے ہوائے قدح

پئے ہیں بادہ گلرنگ اشک خوں سے ہم
کہ دل بجائے سبو چشم ہے بجائے قدح

مزا بھی ہے کہ ساقی بجائے کیفیت
اتار جس کو نشے کا ہو وہ چڑھائے قدح

سکندر آئنے پر اپنے پھر نہ کرتا ناز!
صفائے دل سے اگر دیکھتا صفائے قدح

قدح کشوں پہ ظفر طعنہ زن تو ہے صوفی
رہیں نہ ہوش بجا آنکھ گر دکھائے قدح

ہم مانتے نہیں کب کسی غمخوار کی صلاح
اپنی وہی صلاح کہ جو یار کی صلاح

اس بیوفا کی ہو نہ سکے ترک دوستی
یہ ہم نے اور دل نے کئی بار کی صلاح

مر جائیے نہ ہو جیے منت کش مسیح
اب تو یہی ہے اس ترے بیمار کی صلاح

کاکل میں دل پھنسے کہ گرفتار زلف ہو
فرمائیے جو اس میں ہو سرکار کی صلاح

انکار وصل کیونکہ ہو تیرا مشورہ
ہے ان سے جو نہ دیں کبھی اقرار کی صلاح

ٹھہری تھی ان کے آنے کی پھر آج اس طرف
لیکن نہ ٹھہری ان کے طرف دار کی صلاح

کہنے پہ کیجیے پیر خرابات کے عمل
لیجے نہ زاہد ان ریا کار کی صلاح

برگشتہ بخت وہ ہوں کہ بیچوں جو دل کو میں
پھر جائے لیتے لیتے خریدار کی صلاح

کیا ذکر اپنے منہ سے نکالیں وہ ایک بات
جب تک کہ اے ظفر نہ ہو دو چار کی صلاح

سب طرح داروں کو دیکھا ہم نشیں اچھی طرح
اس پری رو سے کسی کی بھی نہیں اچھی طرح

گر پڑھے خط بھی تو نو خط تو خطر سے غیر کے
حرف مطلب کا نہ ہو خاطر نشیں اچھی طرح

سرد مہری کس طرح شیوہ ہو اس بے مہر کا
ہو اگر تاثیر آہ آتشیں اچھی طرح

چھین کر تو لے چلے ہو گوہر دل کو مرے
پر نہ کھو دینا اسے رکھنا کہیں اچھی طرح

بہ گئے دریا ابھی ہم نے نچوڑی بھی نہیں
پونچھ کر آنکھوں کے آنسو آستیں اچھی طرح

سر مرا حاضر ہے قاتل سوچتا ہے دل میں کیا
امتحاں لو کر لے اپنی تیغ کیں اچھی طرح

خواب غفلت سے کوئی دم جاگ لو زیر فلک
جاگ کے سونا غافلو زیر زمیں اچھی طرح

تو اگر غم میں محبت کے نہ ہوتا مبتلا
کیا گزرتی اے دل اندوہ گیں اچھی طرح

اے ظفر کس طرح بیٹھے خوب نقش مدعا
سینہ کاوی تا نہ ہو مشکل نگیں اچھی طرح

عرق ہے اس گل عارض پہ کیا گلاب کی روح
کہ سرخی لب میگوں بھی ہے شراب کی روح

نکل تو جائے ابھی اس جگر کباب کی رح
سحر ہے شب سے ترے منتظر جواب کی روح

پھڑک پھڑک کے نکلتی ہے کس طرح دیکھو
تمہارے بسمل سرگرم اضطراب کی روح

میانہ ہو کے جو مردار خوار ہو کوئی !
تو جان قالب انسان میں غراب کی روح

جو دیکھ کر دل بیتاب گم ہو برق کے ہوش
تو دیکھ دیدہ تر خشک ہو سحاب کی روح

تمہاری تابش رخسار نے مجھے مارا
فنا ہوئی مری گرمی سے آفتاب کی روح

نہ سمجھو وادی مجنوں میں گرد بادا سے
بھٹک رہی ہے اسی خانماں خراب کی روح

ہوائے کوچہ جاناں رہی جو بعد وفات
تو ہوگئی خلد میں بھی مبتلا عذاب کی روح

شمیم زلف سے اس کے نہو سکے ہم سر
ظفر نکالے اگر کوئی مشک ناب کی روح

خود رفتگاں کو روکے کوئی کیا کسی طرح
چل نکلے پر قدم نہیں تھمتا کسی طرح

سوز غم فراق سے دل اس طرح جلا
پھر ہو سکا کسی سے نہ ٹھنڈا کسی طرح

ٹوٹے ہزار خار غم و نشتر الم
پھوٹا نہ میرے دل کا پھپھولا کسی طرح

نالوں سے میرے آب ہوئے سنگ بار ہا
اس سنگ دل کا دل نہ پسیجا کسی طرح

میں خاک ہو کے عشق میں برباد ہوگیا
دامن تلک دل کا دل نہ پہنچا کسی طرح

سمجھایا تو نے ہم کو تو سو طرح ناصحا
لیکن ہمارا دل نہیں سمجھا کسی طرح

بے طرح دام زلف بتاں میں ہے دل اسیر
چھوٹے یہ اس بلا سے خدایا کسی طرح

روتے ہی روتے ٹوٹ گیا رشتہ حیات
پر آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹا کسی طرح

ٹھہرا ہے اک زمانے سے گردوں اگر بجے
اس کو ظفر بنائیے سیدھا کسی طرح

ساقی جو تو نہ دے بوقت شراب صبح
ہو آفتاب حشر مجھے آفتاب صبح

زلف اپنی رخ پہ دکھ ذرا لے کے آئینہ
دریا پہ گر نہ دیکھا ہو تو نے سحاب صبح

ہیں کامیاب صبوحی سے بادہ کش
زاہد نماز صبح سے ہے فیض یاب صبح

یوں تشنگاں کو دے ہے مزا آب تیغ یار
مست مے شبانہ کو جس طرح آب صبح

کیا تاب آفتاب میں ہو اتنی روشنی
جھلکے ہے حسن اور بھی زیر نقاب صبح

پیری میں گر حلاوت غفلت زیادہ ہو
یارو عجب نہ سمجھو کہ شیریں ہے خواب صبح

نور جمال کا ظفر اس کے نہ پوچھ وصف
عارض جواب مہر جبیں ہے جواب صبح

ردیف خاء معجمہ

برگ گل باغ میں ہیں سرخ تو کیا خوب ہیں سرخ
پر حنائی یہ ترے ناخن پا خوب ہیں سرخ

اے صنم غرق بخوں کیوں کہ نہ ہو رشک سے لعل
لب پاں خوردہ ترے نام خدا خوب ہیں سرخ

دل پر خوں کو کیا تونے ہے کس کے پامال
کف پا ترے جو بے رنگ حنا خوب ہیں سرخ

رات جاگا ہے کہاں پی کے شراب گلگوں آج آنکھیں تری
اے ماہ بجا خوب ہیں سرخ

فندق پا کو گلستان میں ہے دھویا کس نے
پھول گل مہندی کے جو باد صبا خوب ہیں سرخ

آیا ہے کس پہ تو گویا آگ بھبوکا بن کر !!
تیرے رخسار جو اے ہوش ربا خوب ہیں سرخ

اشک گلگوں پلس مژگاں ہیں بھبوکا سے ظفر
تار کے پنجرے میں یہ دیکھ تو کیا خوب ہیں سرخ

نظر کی اس کی جو بیٹھی مری نظر میں سلاخ
تو گزر گئی وہ سراسر دل و جگر میں سلاخ

عیاں ہے اشک کے قطرے میں بال مژگاں کا
عجب ہے گر عوض تار ہو گہر میں سلاخ

اشارہ دار پہ ہے کھینچنے کا یہ کس کے
کہاں نے گاڑی ہے لوہے کی اپنے گھر میں سلاخ

وہ اپنی آنکھوں میں پھیرے جو میل سرمہ کی
تو کیوں نہ رشک سے ہو میری چشم تر میں سلاخ

تپ دروں سیکھاتی ہے مثل سیخ کباب
ہمیشہ آہ جگر شعلہ وہ شرر میں سلاخ

شراب تند کے پیتے ہی بن گئی ساقی
گلو سے سینے تلک میرے لحظہ بھر میں سلاخ

ظفر کے نالے سے اے سنگ دل حذر کر تو
گزر ہی جائے ہے یہ کوہ کی کمر میں سلاخ

خاک اڑے یہ وحشت کی مجنوں جو تیرا کھائے چرخ
چرخ کے نیچے بگولا دوسرا بن جائے چرخ

میرا رونا دیکھ کر ہر رات تجھ بن مہ لقا
اشک انجم سے نہ کیونکر چشم میں بھر لائے چرخ

رو برو اس شعلہ رخسار گلگوں کے ہو سرد
آتش رنگ شفق کو لاکھ گر بھڑکائے چرخ

گردش چشم اس مہ بے مہر کی دکھلا کے پھر
خوب سرگرداں پھرایا تو نے مجھ کو ہائے چرخ

گر اشارہ ہو نہ اس مہ رو کے ابرو کا تو پھر
تیغ ماہ نو کریوں ہر ماہ کیوں چمکائے چرخ

جو طمع سے ہاتھ کھینچے دو ہی تیرے ہاتھ سے
پاؤں اپنے بستر آرام پر پھیلائے چرخ

چرخ کی بے مہریوں سے ڈر ہے یہ اے مہروش
تو جو آوے میرے گھر ایسا نہ ہو کن پائے چرخ

بے مزا برسات کا تجھ سے وگرنہ ساقیا
نار بارش سے بہتر پر اگر برسائے چرخ

چرخ ساغر میں بھری کس کے مے گلرنگ عشق
ہوگیا زہر اب غم سے سبز جتائے چرخ

جب تلک تجھ کو نہ دیکھیں دیکھئے اب کیا ہمیں
آنکھیں دکھلائیں میں اشارے آفتیں دکھلائے چرخ

آنکھ اس خورشید وش کی پھر نہ جائے اے ظفر
اس کی کچھ پروا نہیں پھرتا ہے گر پھر جائے چرخ

دیکھ پتلی کا دیدہ نمنک میں چرخ
کھایا ماہی نے بھی گرداب کے پھر چاک میں چرخ

آبروئے دل عاشق سے مقابل مت ہو
آبرو تیری ابھی جائے گی مل خاک میں چرخ

دیکھ تو سن کو نہ صحرا میں لگا کاوے پر
کھاوے تجھ نہ تا حلقہ فتراک میں چرخ

کیا عجب تجھ سحر تار شعاع خورشید
یک قلم صرف کرے یاں تری پوشاک میں چرخ

دل بیتاب سے میرے جو ہو سرزد نالہ
مارے عالم ابھی اس گنبد افلاک میں چرخ

کس نے کیفیت چشم اپنی دکھائی اے شیخ
دختر رز کی جو کھاتا ہے پڑا تاک میں چرخ

شکل مرغ قفسی یہ دل بیتاب مرا
کیونکہ کھائے نہ ظفر سینۂ صد چاک میں چرخ

آنکھیں تری نشے میں ہیں یوں بے حجاب سرخ
جیسے شراب سرخ میں ہووے حباب سرخ

وہ رخ ہے زیر گیسو سے پر پیچ و تاب سرخ
یا شام کو شفق سے ہوا آفتاب سرخ

یوں آہ سوز ناک نے جھلسا دیا جگر
ہو جیسے بھن کے سیخ کے اور کباب سرخ

لب سرخ اس کے روئے کتابی میں دیکھنا
شنگرف سے کتاب میں جوں لکھے باب سرخ

ظاہر ہے یوں گلے سے ترے پیک پان کی
جو شیشہ بلور میں جھلکے شراب سرخ

رنگ ہے جو کہ اس لب نازک کی ہم دمو
دیکھا نہ ایسے رنگ سے ہم نے گلاب سرخ

روتا ہوں یاد پائے نگاریں میں آپ کے
نکلے ہے اشک آنکھ سے جیسے شہاب سرخ

منقار طوطی ایسی نہیں سرخ جیسے ہیں
خار مژہ مرے سبب خون ناب سرخ

کس پر غضب کیا ہے کہ غصے سے اے ظفر
ہے آج یوں جو روئے بت پر عتاب سرخ

جبکہ ہو تجھ بن مجھے خواب و خور آرام تلخ
زندگی کیوں کر نہ پھر اے بت خود کام تلخ

اس شکر لب کی زبانی لگتا ہے شیریں مجھے
ورنہ لگتا ہے ہر اک انسان کو دشنام تلخ

خون دل جو تلخ کامی سے پیا میں نے مدام
ساقی ایسی کاں ہوگی مے گلفام تلخ

زہر چشم یار کا کشتہ ہوں میں اے ہمدمو
نخل تربت میں لگیں میری نہ کیوں بادام تلخ

حرف جانے کا زباں پہ لانہ اے جاناں مرے
ہے وہ میرے حق میں جیسے موت کا پیغام تلخ

حرف میری تلخ کامی کا جو لیوے ایک بار
صبح سے اس کی زباں رہوے ظفر تا شام تلخ

نہ دے تو گردش طالع سے بے نوا کو چرخ
جھنور سے کام ہے کیا کشتی گدا کو چرخ

سمجھتا اپنا ہے استاد کج ادائی میں
ہمیشہ اس مرے دلبر کج ادا کو چرخ

اڑاں طفل مزاجی سے ہے وہ کیا کیا خاک
زمیں پہ کہتے ہیں جس پر قد رسا کو چرخ

ترا وہ عارض تاباں ہے اور وہ در گوش
کہ جن پہ وار کے پھینکے مہ و سہا کو چرخ

ہزار فتنہ اٹھائے ہے ایک گردش میں
بجا ہے کہئے گر اس چشم سرمہ سا کو چرخ

یہ خاک کون سے گردش زدہ کی ہے جس نے
دیے بگولے کے پردے میں یوں ہوا کو چرخ

تمام عمر پھرا چرخ مانا لیکن
نہ لایا گھر مرے اس میرے مہ لقا کو چرخ

نصیب ہوویں اگر ایک مشت گندم وجو
ہزار کھانے پڑیں سنگ آسیا کو چرخ

ہمیشہ سنگ فساں کی طرح سے پھر پھر کر
کرے ہے تیز ظفر خنجر جفا کو چرخ

کب چشم سرمہ سا ہے تری مست خواب سرخ
اس جام نیلگوں میں ہے رنگ شراب سرخ

منہ پہ ہے ترے لال دوپٹہ بوقت خواب
یا روئے مہر پر ہے شفق سے نقاب سرخ

کیا دل پہ گردا آبلہ ناخن کی ہے خراش
گویا کہ زرد خیمے کی ہے ہر طناب سرخ

شعلہ تو کیا کہ برق بھی تھرائے دیکھ کر
ہوجائے اس کا چہرہ جو وقت عتاب سرخ

روتا ہوں کس کے دست نگاریں کی یاد میں
آنسو ہیں میری چشم میں جیسے شہاب سرخ

اے مست نازل دل کا مرے سوز عشق سے
یہ رنگ ہے کہ جیسے ہو بھن کر کباب سرخ

ہو لعل لب سے روئے کتابی کی کیوں نہ زیب
شنگرف سے کتاب میں لکھتے ہی باب سرخ

خوں جوش میں ہے تیرے شہیدوں کا زیر خاک
نکلا زمیں کے پردے میں جو آفتاب سرخ

ہے میرے اشک خوں سے ظفر راہ عشق میں
ہر سنگ ریزہ صورت لعل خوش آب سرخ

ہجر میں کرتا ہے شبخوں کی مرے تدبیر چرخ
کہکشاں سے کیوں نہ کھینچے رات کو شمشیر چرخ

گردش چشم سیاہ یار دکھلا کر مجھے
دیکھئے دیتی ہے کیا کیا گردش تقدیر چرخ

ایک شب گھر میں بلاؤں اپنے اس مہوش کو میں
ہے ستارے میں مرے اتنی کہاں تاثیر چرخ

وہ بلا چکر ترے دیوانے کے ہیں پاؤں میں
کھائے ہے جس کے اثر سے حلقہ زنجیر چرخ

اس چمن میں تیرے ہاتھوں سے گل و غنچہ یک طرح
ہے کوئی خاطر شگفتہ اور کوئی دل گیر چرخ

ہے بنائے خستہ دنیا خرابی کے لیے
اس زمیں پر کرچکا ہے کتنے گھر تعمیر چرخ

قد خمیدہ ہے مرگ ضعف سے مثل کماں
پر مرے نالوں سے ہے آماج گاہ تیر چرخ

چرخ فانوس خیالی اور ہم حسرت زدے
کھارہے ہیں اس میں کیا کیا صورت تصویر چرخ

خاک ہو گردش زدوں کی گر شریک گرد باد
اے ظفر ہووے نیا اک زیر چرخ پیر چرخ

ظلمت میں ہے وہ حسن پر انوار کے تاریخ
محسوب ہے جو ماہ سے رخسار کے تاریخ

چمن سرابرو ہے تری یا کر ہے کندہ
تلوار کے قبضے میں یہ تلوار کے تاریخ

معلوم نہیں آیا ہے کس روز میں قاصد
دیکھو تو سرنامہ ہے کیا یار کے تاریخ

قاتل ہے وہی مقبرہ کشتہ قامت
تو دیکھے جہاں سنگ پہ مینار کے تاریخ

جس روز معالج ہو تو اے رشک مسیحا
ہے ٹھیک وہ حق میں دل بیمار کے تاریخ

کرتے ہیں قدم رنجہ کبھی گھر میں جو میرے
لکھ جاتے ہیں وہ طاق میں دیوار کے تاریخ

مرنے کے لیے دکوئی دیکھا نہیں جاتا
اور دیکھتے ہیں واسطے ہر کار کے تاریخ

مٹ جائے ہے سب نام و نشاں کچھ نہیں حاصل
لکھنے سے در قصر پہ زردار کے تاریخ

آنے کا کیا یار نے اقرار تو ہم سے
پھر ٹھہری ظفر وقت پہ اقرار کے تاریخ

کب سماتا ہے نگاہ شوخ غارت گر میں چرخ
چشم کی گردش سے اس کی آگیا چکر میں چرخ

خاک سے ہم اٹھ کے سرگرداں مثال گردباد
دیکھتا کھائیں گے کیا کیا عرصہ محشر میں چرخ

دیکھے اے سردفتر خوبی اگر چہرہ ترا
فرد باطل مہ کو سمجھے حسن کے دفتر میں چرخ

خواہ ہے سنگ فلاخن خواہ سنگ آسیا
چرخ دے ہے چرخ ورنہ ہے کہاں پتھر میں چرخ

گردش چشم اس کی دیکھے جوش مستی میں اگر
بادہ آکر جوش پر کھانے لگے ساغر میں چرخ

کردیا ہم کو جلا کر خاک لیکن آپ بھی
ہے مثال آئینہ آلودہ خاکستر میں چرخ

بزم تصویرات فانوس خیالی کی طرح
کھارہا ہے اک جہاں اس گنبد اخضر میں چرخ

ہے بھنور دریا میں پھرتا اور بگولہ دشت میں
چرخ کی گردش سے کھاتے ہیں گے بحروبر میں چرخ

کوئی رہ سکتا زمانے ہی نہیں اک طور پر
کچھ سے کچھ کرڈالتا ہے اے ظفر دم بھر میں چرخ

دیتا ہے جو مزا ترے لب سے کلام تلخ
رکھتی ہے کب یہ لطف مے لعل فام تلخ

صیاد آب و دانہ کی تو پوچھتا ہے کیا
ہے اب تو زندگی بھی مجھے زیر دام تلخ

وہ تلخ کام ہوں کے مرے وقت تشنگی
ہو جاوے آب چشمہ شیریں تمام تلخ

کیا کیا غضب سے زہر اگلتے ہو تم ولے
اک حرف منہ سے کہتا نہیں یہ غلام تلخ

صفرائے رنج و غم سے ہے تیرے مریض کا
منہ تلخ، حلق تلخ، زباں تلخ، کام تلخ

گو حرف پند تلخ ہے پر دل میں رکھ ظفر
اک روز یہ دوا ترے آئے گی کام تلخ

ردیف دال مہملہ

قدر اے عشق رہے گی تری کیا میرے بعد
کہ تجھے کوئی نہیں پوچھنے کا میرے بعد

زخم پر دل کے گوارا ہے مجھے کو یہ نمک
کون چکھے گا محبت کا مزا میرے بعد

در جاناں سے مری خاک نہ کرنا برباد
دیکھ جانا نہ ادھر باد صبا میرے بعد

خار صحرائے جنوں یوں ہی اگر تیز رہے
کوئی آئے گا نہیں آبلہ پا میرے بعد

میرے دم تک ہے ترا اے دل بیمار علاج
کوئی کرنے کا نہیں تیری دوا میرے بعد

اس ستمگر نے مجھے جرم وفا پہ مارا
کوئی لینے کا نہیں نام وفا میرے بعد

اے ظفر کیونکہ محبت کو نہ ہو غم میرا
کوئی غمخوار محبت نہ ہو میرے بعد

دل کا ہوجائے یہ رنگ ترے جانیکے بعد
پھول جیسے نہ رہے کام کا کملانے کے بعد

سب سمجھتا ہوں جو ناصح مجھے سمجھاتا ہے
پر سمجھ وہ نہیں رہتی ترے سمجھانے کے بعد

کوچہ یار میں جایا کیے ہم بے کھٹکے
کھٹکا پتا بھی نہ دربانکے کھڑکانے کے بعد

اس کمال دار ستم کیش نے بے رحمی سے
تیر اک اور بھی مارا مجھے چلانے کے بعد

آتش دل پہ مری دامن مژگاں کھلا
کہ بجھائی نہیں جانے کی یہ بھڑکانے کے بعد

تم غم عشق نہ کھاؤ کہ یہ ہے میٹھا زہر
دیکھو پچھتاؤ گے حضرت دل کھانے کے بعد

کیا کہوں درد دل اپنا کہ زباں پر میری
پہلے تو ہائے ہے اور یہ وائے ہے ہوش آنے کے بعد

ہم بھی کیا ڈھیٹھ ہیں واللہ کہ اس کافر سے
پھر وہی بوسہ طلب کرتے ہیں جھنجلانے کے بعد

چھوڑ کر کوچہ ترا کون طرف خلد کی جائے
جائے ہاں خوب سے وہ یاں سے نکل جانے کے بعد

خنجر غمزہ خونیں کا ہوں میں کس کے شہید
خون جائے ہے جو ہر زخم سے کفنانے کے بعد

دل کو ڈالو نہ ظفر زلف کے الجھیڑے میں
دیکھو سلجھا نہ سکو گے اسے الجھانے کے بعد

مژگاں نہیں ہیں چشم بت پر فتن کے گرد
یہ در کھڑے ہیں آہوئے دشت ختن کے گرد

مجنوں کی نذر عشق ہوا کوہ کن کے گرد
اب بعد کوہکن کے ہے اس خستہ تن کے گرد

ظاہر اسی سے جوش حلاوت ہوا کہ ہیں
مور خط سیہ ترے سیب ذقن کے گرد

مجنوں کو تیرے خوف بلایا کہ دشت میں
ہو جائیں گے حصار بگولے ہی بن کے گرد

عاشق کا خوں ہے جوش میں بعد از وفات بھی
روئیدہ لالہ ہے لحد میں کوہکن کے گرد

چمپا کلی میں اس کے ہیں موتی یہ کیا طلسم
چمکائے آفتاب نے انجم کرن کے گرد

قوس قزح ہے اپنی کسی نوجوان کا خوں
گلگوں سجاف دامن چرخ کہن کے گرد

حسرت ہے اس اسیر قفس پر کہ جس کے پر
اڑتے پھرے ہیں بعد فنا بھی چمن کے گرد

ہوتا ہے صدقے یوں ظفر اس شعلہ خو کے دل
پروانہ جیسے پھرتا ہے شمع لگن کے گرد

لیکی آنکھوں میں سمائی رخ جاناں کی نمود
کہ نظر پر نہ چڑھی مہر درخشاں کی نمود

ہے عجب حسن سے خط رخ جاناں کی نمود
دیکھو کس صورت زیبا سے ہے قرآں کی نمود

قدر عنا کو ترے دیکھ کے اے رشک چمن
مل گئی خاک میں سب سرو گلستاں کی نمود

متصل زلف کے چھلے ہیں کہاں وہ در گوش
ہے سر شام مگر اختر تاباں کی نمود

میں شہیداں لب لعلیں کا ہوں زخموں سے مرے
سنگریزوں میں بھی ہو لعل بدخشاں کی نمود

کھلکھلا کر جو ہنسے باغ میں وہ غنچہ دہن
باندھے بلبل نہ پھر اپنے گل خنداں کی نمود

مرحبا دست جنوں اس تری چالاکی کو
نہ رہی نام کو بھی تار گریباں کی نمود

شعلہ آہ جگر سوز جو میرا ہو بلند
تو نہ ہو رات کو بھی شمع شبستاں کی نمود

ایسی آنکھوں میں سمائی رخ جاناں کی نمود
کہ نظر پر نہ چڑھی مہر درخشاں کی نمود

ہے عجب حسن سے خط رخ جاناں کی نمود
دیکھو کس صورت زیبا سے ہے قرآں کی نمود

قدر عنا کو ترے دیکھ کے اے رشک چمن
مل گئی خاک میں سب سرو گلستاں کی نمود

متصل زلف کے چمکے ہیں کہاں وہ دُرگوش
ہر سرشام سحر اختر تاباں کی نمود

میں شہیداں لب لعلیں کا ہوں زخموں سے مرے
سنگریزوں میں بھی ہو لعل بدخشاں کی نمود

کھلکھلا کر جو ہنسے باغ میں وہ غنچہ دہن
باندھے بلبل نہ پھر اپنے گل خنداں کی نمود

مرحبا دست جنوں اس تری چالاکی کو
نہ رہی نام کو بھی تار گریباں کی نمود

شعلہ آہ جگر سوز جو میرا ہو بلند
تو نہو رات کو بھی شمع شبستاں کی نمود

تار اشکو کا جو مژگاں سے ہم اپنی باندھیں
تو بندھے دیدہ مردم میں نہ باراں کی نمود

رخ روشن کو جو زلفوں سے چھپایا اس نے
وصل کے دن بھی ہوئی اک شب ہجراں کی نمود

اے ظفر خاک سے انساں کا بنا ہے پتلا
خاکساری ہی سے دنیا میں ہے انسان کی نمود

مستعد ناز پہ تو ہو جو مہ رکاب بلند
تو شرم سے نہ ہو گردوں پہ آفتاب بلند

کہے ہے دل تہ ابرو وہ چشم میگوں دیکھ
دھرا ہے طاق پہ یہ شیشہ شراب بلند

گھٹا دیا ہے اے میرے دیدہ تر نے
ہوا کے دوش پہ کیا خاک ہو سحاب بلند

غلط کہیں ہیں کہ نکلے ہیں کہکشاں شب کو
کھنچی ہے خیمہ گردوں کی یہ طناب بلند

نہ اچھلو صورت فوارہ غافلو دیکھو
گرے ہے خاک پہ آخر کو ہو کے آب بلند

عجب ہے سینہ دریا پہ سیر اے ساقی
کہ فوج موج میں ہے خیمہ حباب بلند

نہیں ہے بن ترے ہرگز نمود فوج سرشک
نکل کے اے علم آہ ہو شتاب بلند

ظفر رفیقوں سے ہوتی ہے قوت بازو
اڑے ہیں شہپر پرواز سے عقاب بلند

ہے لب و دنداں سے تیرے سرخی پاں کی نمود
آج تک دیکھی نہیں یہ لعل و مرجاں کی نمود

بے چراغ داغ دل روشن ہو کیا فانوس میں
یوں ترے چہرے پہ ہے زلف پریشاں کی نمود

جس طرح ہوتی ہے جدول صفحہ قرآن میں
ہے ظہور عشق سے واللہ قرآں کی نمود

دل سے پیوستہ ہوا ہے جب سے وہ تیر نگاہ
جائے مو ہووے ہے میرے تن پہ پیکاں کی نمود

دیدہ گریاں سے اپنے ہے خطر مجکو ظفر
ہو نہ جاوے رفتہ رفتہ ایسے طوفاں کی نمود

دل لینے کو ہر وقت وہ دلدار رہے موجود
بوسہ جو طلب کیجے تو انکار ہے موجود

یا قتل کرو مجھے تم دار پہ کھینچو !!
اب آگے تمہارے یہ گنہگار ہے موجود

تو میری طرف مائل نظارہ ہو کیونکر
آئینہ ترا طالب دیدار ہے موجود

بنیاد محبت کے یہ آثار ہیں دیکھو
عاشق جو تمہارا پس دیوار ہے موجود

روکش مہ نو ہو خم ابرو سے جو اس کی
کہتا ہے خبردار یہ تلوار ہے موجود

جز اشک مسلسل نہیں کچھ پاس ہمارے
یہ تیرے لیے موتیوں کا ہار ہے موجود

کہتا ہے تصور میں دل اس زلف سیہ کے
میں جاؤں کدھر سر پہ شب تار ہے موجود

ٹھہری کئی باراں سے کہ اب ہووے نہ تکرار
پھر دیکھو تو ہر بار یہ تکرار ہے موجود

پڑھ اور غزل کوئی بہ تبدیل قوافی
واللہ ظفر قافیہ بسیار ہے موجود

سب رنگ میں اس گل کی مرے شان ہے موجود
غافل تو ذرا دیکھ وہ ہر آن ہے موجود
ہر تار کا دامن مرے مرے کر کے تبرک
سر بستہ ہر اک خار بیاباں ہے موجود
عریانی تن ہے یہ بہ از خلعت شاہی
ہم کو یہ ترے عشق میں ساماں ہے موجود
کس طرح لگاوے کوئی داماں کو ترے ہاتھ
ہونے کو تو اب دست و گریباں ہے موجود
لیتا ہی رہا رات ترے رخ کی بلائیں
تو پوچھ لے یہ زلف پریشاں ہے موجود
تم چشم حقیقت سے اگر آپ کو دیکھو
آئینۂ حق میں دل انساں ہے موجود
کہتا ہے ظفر ہیں یہ سخن آگے سبھوں کے
جو کوئی یہاں صاحب عرفاں ہے موجود

بغیر تیرے جو لب پہ رکھوں شراب کی بوند
تو صاف ہو وہ مرے حق میں تلخی ناب کی بوند
تمہارے دیکھ کے بہتان اور مرا گریہ
عجب نہیں ہے اگر رشک ہو سحاب کی بوند
یہ عالم اس رخ گلرنگ کی ہے سرخی کا
کہ قطرہ قطرہ عرق کا بنا شہاب کی بوند
جگر سے خوں مرے نکلے ہے یوں دم سوزش
کہ چھنکے آگ میں جوں گریہ کباب کی بوند
وہ بوسہ روئے عرق ناک کا جو یاد آیا
تو پھر گلے سے نہ اترے مرے گلاب کی بوند
شہید ناز وہ نہ ہو کس طرح سے ہاں سیراب
کہ آب دار ہے اس خنجر عتاب کی بوند
پئے سے اشک ظفر یوں صدائے دل نکلی
کہ گرم تا بھراجی کرے ہے آب کی بوند

بھیجے خط اسے لکھ لکھ کے اگر بند کے بندے
نہ پڑھے کھول کے وہ یونہی دے دھر بند کے بند
گر کھلے باتوں میں وہ غنچہ دہن رہ جائیں
باغ میں غنچوں کے منہ باد سحر بند کے بند
دل تری چشم سے غائب ہو کہاں جائے کدھر
رستے سب ہو گئے اس تیرے نظر بند کے بند
تاب رخسار تری دیکھ کے رہ جائیں گے
دیدہ شمس و قمر رشک قمر بند کے بند
جامہ زیبوں کے ہیں کیا بند قبا بند بلا !
دل عشاق ہوئے کھلتے ہی پھر بندھ کے بند
الجھی زلف کا کاٹا نہ بچے' کہتے ہی !!
باندھے پڑھ کے فسوں پاس اگر بند کے بند
باندھ کر پر مجھے چھوڑ قفس سے صیاد
فائدہ کرنے سے کیا طائر پر بند کے بند
گئے دیوانے نکل مثل صدائے زنجیر
قید خانوں کے یونہیں رہ گئے در بند کے بند
غوث کا رتبہ دیا تیغ نے تیری مجھکو
جب ہوئے کٹ کے جدا عربدہ گر بند کے بند
کچھ نہ کچھ کہہ کیا نہیں روکتے ہم وقت سحر
پرزباں ہو گئی بندھتے ہی کمر بند کے بند
نکلیں دنداں ترے ہنسنے میں تو پھر رہ جائیں
دہن درج میں دنداں گہر بند کے بند
تھا تری تیغ تبسم میں حلاوت کا وہ جوش
رہ گئے میرے لب زخم جگر بند کے بند
بند دریا کے بندھیں خاک کہ ہیں توڑ دیے
جوش گریہ نے ترے دیدۂ تر بند کے بند
جان دیں اہل جہاں گھر سے جو باہر نکلیں
کیونکہ اس حال میں رہ جائیں نہ گھر بند کے بند
وصف یار کا شب بندھ جو گیا دل میں خیال
کر دیے ہم نے مخمس کے ظفر بند کے بند

چڑھ گئی گرچہ مری خاک سے افلاک پہ گرد
نہ پڑی پر کبھی اس ماہ کی پوشاک پہ گرد
خاک اڑاتی جو رہ حرص میں تو اور بھی
اہل دنیا کے سوا جامۂ ناپاک پہ گرد
نہ چھپی دل کی کدورت کہ غبار خط سے
صاف ظاہر ہے ترے روئے غضبناک پہ گرد
سمجھے ہے وہ مرے مژگاں غبار آلودہ
دیکھ کر اپنی گلی میں خس و خاشاک پہ گرد
وہ میری گردش طالع ہے کہ جس کے آگے
ہو گیا کاسۂ گردش زدہ بھی خاک پہ گرد
دل پڑا آبلہ سے گر ہو مقابل تو صبا
جھاڑ دے خوشۂ انگور کی بس تاک پہ گرد

صر صر حرص و ہوا سے ہے مکدر عالم
اے ظفر سب کے پڑی ہے رخ اور اک پہ گرد

ردیف ذال معجمہ

کیونکہ خسرو کو لگیں اس کے نہ دشنام لذیذ جس کا شیریں ہو دلا نام خدا نام لذیذ
تشنہ لب جو کہ شہادت کے ہیں اسکے قاتل کیوں نہ شربت سے ہو آب دم صمصام لذیذ
یہ مزا اقند و شکر میں بھی نہیں ہے ہر گز لب شیریں ترے جیسے ہیں دلآرام لذیذ
بادہ چشم بت بد مست میں ہم کو ساقی وقت مے نوشی کے کیا لگتے ہیں بادام لذیذ
لگ کے تو نخل محبت میں دلا ہو پختہ یعنی ہوتا ہے نہیں ہرگز ثمر خام لذیذ
ہے کہاں سیب وہی میں بھی حلاوت ایسی بوسہ جو تیرے ذقن کا ہے گل اندام لذیذ

جو مزا بادہ الفت میں ظفر ہے دیکھا
ایسی ہوتی نہیں ہرگز مے گلفام لذیذ

چھپایا تونے ہے کس کا کواڑ میں کاغذ دھرا ہوا ہے جو پٹ کی دراڑ میں کاغذ
لکھے جو قصہ خونی کو کوہکن کے عشق لو برگ لالہ ہو تھیرے پہاڑ میں کاغذ
کسی کو لکھتے تھے خط وہ پلنگ پر بیٹھے مجھے جو دیکھا چھپایا نواڑ میں کاغذ
جلے ہے جو مرا مضمون سوز دل پڑھ کے کہے پہے چھنکو' پڑے ایسا بھاڑ میں کاغذ
یہ کس کی خانہ خراب کے تم ہوئے درپے دبائے لکھ کے جو تعویذ اجاڑ میں کاغذ
کھلا نہ ہم پہ کہ یہ کیا وہ زیب مسند ناز چھپا کے دیکھے ہے تکیہ کی آڑ میں کاغذ
اگر ہے قیس کو منظور اشتہار جنوں تو لکھ کے باندھ دے ہر ایک جھاڑ میں کاغذ
گلی میں اس کی ہے قاصد ہجوم غیروں کا سنبھالے رکھیو ذرا بھیڑ بھاڑ میں کاغذ
کریں رقم ہماگر حال پائمالیدل رہے ہمیشہ قلم کی لتاڑ میں کاغذ
الٰہی خیر ہو پکڑا گیا ہے واں قاصد قبول دے نہ کہیں مار دھاڑ میں کاغذ

رہی جو خط و کتابت کی چھیڑ ان سے ظفر
بہت سیہ ہوئے اس چھیڑ چھاڑ میں کاغذ

ردیف راء مہملہ

خدنگ عشق ہوا کیا جگر کو تڑو کے پار یہ تیر وہ ہے کہ جاوے حجر کو توڑ کے پار
ہزاروں روزن دربند کیجئے گا آپ نگاہ جاوے گی دیوار و در کو توڑ کے پار
اسے نہ آنکھ میں حل سمجھو تم یہ روزن در نظر کا تیر گیا ہے نظر کو توڑ کے پار
اور تر سکا نہیں دریائے عشق کو کوئی چلا ہے کس لیے فرہاد سر کو توڑ کے پار
فلک سے آہ ہماری گزر گئی اس طرح کہ جیسے تیر کوئی ہو سپر کو توڑ کے پار
کہاں ہے اس لب نازک پہ روئیدگی کی نمود ہوئے ہیں خاک سے گلبرگ تر کو توڑ کے پار

قلق سے تھا شب مہتاب میں یہ حال اس بن
ظفر ہوا ہی تھا نالہ قمر کو توڑ کے پار

نہیں دیر تو کچھ بڑی دو گھڑی بھر اگر ٹھہر جاؤ گھڑی دو گھڑی بھر
ڈبو دینے کو ہے دو عالم کے کافی مرے آنسوؤں کی جھڑی دو گھڑی بھر
غم ہجر آفت سے مر ہی گیا وہ مصیبت یہ جس پہ پڑی دو گھڑی بھر
کوئی دیکھے پل بھر تو اس مہوش کو نظر جس سے میری لڑی دو گھڑی بھر
جہاں بیٹھے ہم تفتہ جاں واں نہ ہرگز رہے شمع سوزاں گھڑی دو گھڑی بھر
ترے جس نے لعل مستی زیب دیکھے رہا دیکھ کر عشق دھڑی دو گھڑی بھر

سقاں ہے ابھی میری مستی میں سستی　شراب اور مجھ کو کڑی دو گھڑی بھر

کہاں تاب وہ دست نازک میں رکھیں　کوئی پھول کی پنکھڑی دو گھڑی بھر

میر آہ کی گل فشانی ہے پہروں　بہت گرچھٹے جھڑی دو گھڑی بھر

پرونا ہے میرا گھڑی بھر کا رونا
ظفر موتیوں کی لڑی دو گھڑی بھر

دب گیا سایہ مژگاں میں غبار رگ ابر　خط سرمہ ہے بعینہ ترا تار گر ابر

آفریں میرے تصور کو گئے زلف کے تار　کرسکے کس کی نظر ورنہ شمار رگ ابر

اپنے دامن کو نچوڑوں جو ذرا پونچھ کے اشک　تار دامن ابھی کرنے لگے کار رگ ابر

دیکھے آہ میں وہ تار ترے گیسو کے　جس نے دریا پہ نہ دیکھی ہو بہار رگ ابر

مے کا ساماں ہے ظفر پاس نہیں وہ ساقی
میری آنکھوں میں چبھے کیونکہ نہ خار رگ ابر

جبکہ ناخن کو تراشا اس کی لال انگشت پر　دست بوسی کے لیے اترا ہلال انگشت پر

جم گیا ہے شمع پہ پروانہ پہ سوختہ　کون کہتا ہے کہ یہ شاہد خال انگشت پر

وہ تماشے جمن ہوئے تو بازیگر کی طرح　رکھ کے نرگس دے اڑا سونے کا تھال انگشت پر

شاخ مرجاں کو کرے ہے شوخی رنگ حنا　صدقے ترے اے نگارمہ جمال انگشت پر

ایک دو ساعت کا وعدہ کرکے اے وعدہ خلاف　ساعتیں گنوائیں تو نے ماہ و سال انگشت پر

رنگ مہندی کا نہیں یہ ہو نہ ہو عاشق کا خوں　آج ہے اس شوخی کے سرخی کمال انگشت پر

دل پہ ناخن زن ہے میرے اے ظفر انکی ادا
دیکھنا بیٹا ہے کیونکر تھک کے خال انگشت پر

وقت غفلت اور ہے ہنگام ہشیاری ہے اور　خواب کی سیر اور ہے اور سربیدار ہے اور

اے تجلائے صنم میں صدقے تیری شان کے　تیری شان و حسن میں طرز و ادا اداری ہے اور

درد مندان محبت کا طبیبوں سے علاج　کس طرح سے ہوسکے یارو یہ بیماری ہے اور

پھڑکے کب پابند الفت کی طرح مجبوس دام　وہ اسیری اور ہے اور یہ گرفتاری ہے اور

دل کو نظروں میں ہی لے لینا نہ کہنا منہ سے بات　سیکھی ان آنکھوں نے اب یہ مردم آزادی ہے اور

مے کدہ میں عشق کے جولوگ ہیں کافر تو ہیں　لیکن ان کے کفر میں انداز دینداری ہے اور

زخم تیغ عشق کھانے میں ہیں کیا کیا لذتیں　اور نمک پاشی بھی ہو تو پھر مزہ داری ہے اور

چار عنصر کے احاطے میں ہے کچھ جلوہ عجب　دیر و مسجد کی الگ یہ چار دیواری ہے اور

دیکھ کر تاثیر اپنے نالہ ہائے زار کی
ہم نے جانا اے ظفر یہ نالہ وزاری ہے اور

خواب میں پہنچے تھے جس کوچے میں ہشیاری سے پھر　اس کے رستے کو نہ پایا ہم نے بیداری سے پھر

بند رکھنا چشم کا غفلت ہے عین مصلح　اور اگر کھولے تو کھل آنکھیں خبرداری سے پھر

اے دل ناداں گرفتار محبت تو نہ ہو　چھوٹنا ہووے گا مشکل اس گرفتاری سے پھر

دل تجھے دینا کہاں تو قول سے ہم کب پھرے　تو بھی دل لے کر نہ اپنے عہدداری سے پھر

سر پہ اول تو اٹھایا ہم نے اپنے بار عشق　اٹھ سکا لیکن نہ سر بھی اس گراں باری سے پھر

میرے ہر زخم جگر کو یہ تمنا ہے کر لوں　اس لب شمشیر کے بوسے مزے داری سے پھر

ناز اٹھانے میں اٹھائے اس کے لاکھوں ہی ستم
وبہ کی ہم نے ظفر اس ناز برداری سے پھر

میاں سے تیرا نہ خنجر اگل پڑے کیوں کر   ہمارے خون کے پیاسے کو کل پڑے کیونکر

اگر جہاں میں نہ ہووے شریک راحت و رنج   ہنسی میں آنکھ سے آنسو نکل پڑے کیونکر

تمہارا دل جو ہے پتھر پھسلتا پھر اس سے   نہ پاؤں مہر و وفا کا پھسل پڑے کیونکر

ملے تھے آنکھوں میں جو نور دیدہ ہائے سرشک   گلی میں یار کی دیکھا مچل پڑے کیونکر

نگاہ شوخ اگر دل میں گدگدی نہ کرے   تو بیٹھے بیٹھے نہ کوئی اچھل پڑے کیونکر

جھپکتے دیتا نہیں نالہ چشم انجمن چرخ   پر ان کے خواب میں دیکھیں خلل پڑے کیونکر

کرشمہ ابروئے ساقی کا دیکھ کر لب جو   بہم نہ موج میں تلوار چل پڑے کیونکر

نگاہ یار سے سیکھے اگر نہ تیغ زنی !!   تو پھر صفائی سے دست اجل پڑے کیونکر

نہ کیوں ہوں جو ہر آئینہ دیکھ کر حیراں   کہ سینہ صافوں کے ماتھے پہ بل پڑے کیونکر

پھر آج کل کا ہوا وعدہ دیکھئے کب تک
بغیر ان کے ظفر ہم کو کل پڑے کیونکر

خاک ہو کر جو پڑا ہے ترے داماں سے دور   جاں نثار ایک ہی تھا وہ بھی تری جاں سے دور

پاس ناصح کے نہ پھٹکو وہ نہیں واقف عشق   بھاگنا چاہئے ہاں صحبت ناداں سے دور

دل آشفتہ نہ تھا اتنا پریشاں خاطر   جب تلک یار کے تھا گوشۂ داماں سے دور

گوش گل تک مری فریاد تو پہنچے صیاد   رکھ قفس کو میرے ظالم نہ گلستاں سے دور

چاک سینے کی جو تدبیر کرے ہے ناصح   کیا مرے ہاتھ کو سمجھا ہے گریباں سے دور

سخت جانی کو مری دیکھے اگر تیر قضا   تو کہے بھاگئے اس تودہ طوفاں سے دور

طائر سدرہ نشیں گرچہ ہو گرم پرواز   پر کبھی جا نہ سکے حضرت انساں سے دور

منہ پہ چڑھتا نہیں شمشیر ستم کے آساں   بوالہوس بھاگے نہ کیوں عشق کے میداں سے دور

میرے نزدیک نہیں جو کہ ظفر کافر عشق
اس سے ایمان ہے دور اور وہ ایماں سے دور

گردش چرخ سے ہے سب کو زمیں پر چکر   ایک نیا روز یہ لاتا ہے ستمگر چکر

دل کو یوں زلف کے حلقے میں ہے اکثر چکر   جیسے گرداب میں کھاتا ہے شناور چکر

ٹھہرنے دے ہے کسے چین سے یہ گردش چرخ   آسیا بن کے سدا کھائے ہے پھر چکر

تیر مژگاں سے اگر بچ بھی گیا دل تو وہیں   گردش چشم نے مارا ترے کافر چکر

رفعت جاہ پہ بھی گردش طالع نہ گئی   کھاتے ہیں دیکھو فلک پہ مہ و اختر چکر

ہر زہ گردی کو مری دیکھ کے کہتا ہے وہ شوخ ،   ہے ترے پاؤں میں دیوانے مقرر چکر

نہ سمجھ اس کو بگولہ یہ کوئی سرگرداں   کھا رہا دشت میں ہے خاک بھی ہو کر چکر

شعلہ خوئی پہ تری ہووے بلا گرداں برق   کھا کے جوں شعلہ جوالہ سراسر چکر

ٹھہر کر چاک گریباں پہ کوئی تار رفو   دشت وحشت سے ابھی ہووے رفو در چکر

پھرتا محفل میں ہے کیا چاک پہ بھی پھرتا تھا   ساقیا کھائے ہے اول ہی سے ساغر چکر

اشک سے دیدہ پہ آب کے مثل گرداب
اے ظفر بحر تو کیا کھائے سمندر چکر

گہر دنداں ، وہاں نور ، علے نور   زباں شیریں ، بیاں نور علے نور

کمر پر دیکھ کر زریں کمر بند   کہیں ہیں سب میاں نور علے نور

ترے آئینہ وش وہ جانشیں ہے   مکیں نورو مکاں نور علے نور

قیامت قامت و رفتار آفت   زباں سحر و بیاں نور علے نور

ظفر کے پاس دیکھ اس رشک مہ کو
کہیں ہیں دوستاں نور علے نور

فلک پہ ہوویں اگر ناوک شہاب کے پر
بڑھے نہ تیر سے اس رشک آفتاب کے پر

قفس سے چھوڑے ہے صیاد جبکہ ٹوٹ گئے
پھڑک پھڑک کے اسیر پرا ضطراب کے پر

کبوتران حرم سے ہوں جا کے ہم پرواز
جو میکدہ میں ہوں ساقی بط شراب کے پر

یہ خوب وحشت سے فرق اڑ گیا کہ زیر کلاہ
پر ہما تھے جہاں ، ہیں وہاں غراب کے پر

جہاں ہے فکر ظفر کی بلند پروازی
یقین جان کے جلتے ہیں واں عقاب کے پر

کھیل اس شکار گاہ میں ہر طور کا شکار
پر یہ سمجھ کر میں بھی ہوں اک اور کا شکار

کرتا ہے اپنے صید محبت کو تو جو غور
دل ہے شکار گاہ اسی غور کا شکار

کر ذبح اس کو جلد کہ مردار ہو نہ جائے
یہ تیرے ناوک ستم و جور کا شکار

ساقی جو ہاتھ آئے بط مے کنار آب
دوں چھوڑ کیونکہ ہے یہ اسی دور کا شکار

ہر دم خدنگ آہ سے ہم اپنی اے ظفر
کرتے ہیں چرخ پہ حمل و ثور کا شکار

جو عرش سے ہے فرش تلک آدمی میں ہے
دیکھا نکھ کھول کر

کیا کیا نہیں ہے اس میں کہ سب کچھ اسی میں ہے
پر چاہیے نظر

دل اپنا پہلے زنگ کدورت سے صاف کر
مانند آئینہ

پھر تو بغور دیکھ کہ اسی آدمی میں ہے
کیا حسن جلوہ گر

پیدا نگاہ کر کہ تجلی حسن یار
سب جا ہے آشکار

شعلے سے طور کے نہیں کم روشنی میں ہے
ہر سنگ کا شرر

کیوں کعبہ و کنشت میں سرمارتا ہے
سرگرم جستجو

تو جس کو ڈھونڈتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے
پر تو ہے بے خبر

جوش بہار حسن سے گل گل کے اے صبا
ہے یہ جنوں کا جوش

مصروف اس قدر جو گریباں دری میں ہے
ہر غنچہ ہر سحر

ہے دور جام و صحبت یاران زندہ دل
کیفیت حباب

کچھ ہے اگر مزا تو یہی زندگی میں ہے
باقی وہ ہے دردسر

ہے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ
ہے وہ بہت قریب

گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی میں ہے
اس سے ہے دور تر

صد داغ سوز عشق سے کھا بلکہ صد ہزار
ہر داغ دل پہ تو

لذت تجھے نصیب اگر عاشقی میں ہے
اے سوختہ جگر

افشائے راز عشق نہ کر کہہ کے جی کی بات
پردہ ہی خوب ہے

جی ہی میں اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی میں ہے
خاموش اے ظفر

یا تو وہ رکھتے تھے سرگوشی ہمیں اس قدر
یا لگی ہونے سخن پوشی ہمیں سے اس قدر

ہم کو پاس اتنا نہ ہو ہر بات پہ پہلو تہی
اور تمہیں تنگ ہم آغوشی ہمیں اس قدر

ہوش میں آؤ ہمیں کہتے ہو تم بے ہوش ہو
کیوں میاں دل ہوش بیہوشی ہمیں سے اس قدر

لب پہ جان آئی ہمارے لب ہوئے تیرے نہ وا
چاہیے تھی واہ خاموشی ہمیں سے اس قدر

یاں نہ لوک جرعہ غیروں میں اڑاؤ خم کے خم
واہ وا افکار نے نوشی ہمیں اے اس قدر

جوں گل و بلبل چمن میں سب ہیں ہنستے بولتے
سیکھی اک غنچے نے خاموشی ہمیں سے اس قدر

کہتی ہیں وہ مست آنکھیں ساغر مے سے کہ دیکھ
تجھ میں ہے مستی و بیہوشی ہمیں سے اس قدر

چشم داہیں حسرت دیدار میں مدت سے ہم
اے تصور واہ روپوشی ہمیں سے اس قدر

نکہت گل جو سفر کرتی ہے بے رخت سفر
اے ظفر سیکھی سبکدوشی ہمیں سے اس قدر

ڈر گیا ہے جی تمہاری بے وفائی دیکھ کر اب کسی سے ہم کریں گے آشنائی دیکھ کر
عاشق دل خوں شدہ کے آگ تلووں سے لگی غیر کے جینے پہ وہ پائے حنائی دیکھ کر
تھی ہوس بوسے کی مجھ کو تجھ سے جوں غنچہ لب کہتے کہتے رک گیا تیری رکھائی دیکھ کر
بوسہ خال لب شیریں ترا دل نے لیا جتنی مکھی کس طرح سے اس نے کھائی دیکھ کر

اے ظفر ہے شرم سے دیکھا رخ خورشید زرد
یار کے بازو پہ تعویذ طلائی دیکھ کر

کیا لچکنے میں ہے نازک شاخ سنبل سے کمر بلکہ ہے باریک تیرے موئے کاکل سے کمر
تو نے کیوں ڈورے سے پٹی باندھی اے صیاد واہ باندھی بلبل کی تھی تار رگ گل سے کمر
کس کی چھاتی ہے لگائے اس کے جو سینہ کو ہاتھ دیکھنے دیتا نہ ہو جب وہ کسی جل سے کمر
جی میں ہے اس ابر سے پھر میکشی پہ باندھئے تیری اے مینائے مے آواز قلقل سے کمر
کیوں نہ اس میں سے رواں دریائے اشک ضعف ہو جبکہ موہم شکل محراب دو پل سے کمر
بے گنہ ہوں طوق مت پہنا کہ ٹوٹے گی میاں ساتھ ہی گردن کے بارے حلقہ غل سے کمر
روز و شب جوں مہر و مہ پھرتے ہیں بہر قرص ناں اہل دنیا کھول بیٹھے کب تحمل سے کمر
یک قلم نقش اتار اس رشک گل کا کھینچ اے مصور خامہ منقار بلبل سے کمر
کیا کمر باندھے امید وصل پہ عاشق تر ! ! کٹ گئی اس کی تو اب تیغ تغافل سے کمر
کیوں نہ اپنی زندگی کو ہیچ وہ سمجھے میاں جس کے ہاتھ آوے نہ وہ فکر و تامل سے کمر

چاہیے کنج قناعت میں توکل اے ظفر
باندھی سیکھے کوئی اہل توکل سے کمر

پئے اگر تو جو آب شراب کا ساغر نکالے موج سے دریا حباب کا ساغر
مدام پیتا ہوں خون جگر سے مے ساقی بجائے جام ہے چشم پر آب کا ساغر
وہ کون مست ہے جس کے لیے یہ اے ساقی سبو فلک کا ہے اور آفتاب کا ساغر
خوشی میں دیکھ کے بلبل کو ہر سحر ہر گل بھرے ہے باعث شبنم گلاب کا ساغر

جو مست ہر ظفر اس چشم مست کا اس کو
پیا دے ساقی خانہ خراب کا ساغر

دیکھ کر تیرے خدنگ نگہ تیز کے پر نہ کھلے دوش ہوا مرغ سحر خیز کے پر
سن کے ہم منہ سے تیرے گل کے سخن تیز میاں من کو بس مار رہے بات کو انگیز کے پر
نعل کا نقش ہے گردوں پہ نہیں ہے یہ ہلال ترک تازی میں لگے ہیں تیرے شب دیز کے پر
شعلہ شمع لگن یوں ہے فروزاں شب کو خوش نما ٹوپی پہ جو ہوتے ہیں انگریز کے پر
روبرو اس کے اڑی خاک بط مے ساقی موج صہبا نہیں ہیں ساغر لبریز کے پر

اے ظفر اس تری شیریں سخنی کے آگے
واقعی جلتے ہیں طوطی شکر ریز کے پر

ملے خون عاشق کا وہ شوخ و شنگ ناخن پر نہ دیکھا ہم نے ویسا برگ گل کے رنگ ناخن پر
ہلال عید ہے رنگ شفق میں جلوہ گر یارو نہیں رنگ حنا اس شوخ کے خوش رنگ ناخن پر
دکھائیں تجھکو زور عشق گر اے کوہکن اپنا اچھالیں تا فلک رکھ رکھ کے سو سو سنگ ناخن پر
مژہ ہے صاف تر گریہ سے اپنے ورنہ بارش میں لگے ہیں مطرب و مضراب کے بھی زنگ ناخن پر

ظفر تبدیل کرکے قافیہ اور اک غزل لکھو
نہ دابو تم قلم رکھ رکھ کے یوں بیڈھنگ ناخن پر

حنا سے تو دکھادے اپنی آب و تاب ناخن پر   کہ ہوں صدقے ترے برگ گل شاداب ناخن پر
سراہو گلال اس نے ملا ہے کب یہ ہولی میں   لگا خوں شیر کے ہے اے دل بیتاب ناخن پر
نزاکت سے تری پیارے مرا جی وہم کرتا ہے   خدا کے واسطے رکھ کر قلم مت داب ناخن پر
شب آنسو کس کے پونچھے نقطہ شنگرف آسا جو   پڑا ہے تیرے ظالم قطرہ خوں ناب ناخن پر
مرے تار رگ جاں سے صدائے درد نکلے ہے   چڑھاتا ہے جو وہ مطرب پسر مضراب ناخن پر
زمانہ رفتہ رفتہ اس طرح سے رنگ بدلے ہے   کہ جوں ہو جاتا ہے رنگ حنا نایاب ناخن پر
ہلال عید کہتا ہے جسے عالم وہ صدقے ہے   ترا شیدہ ترے اے غیرت مہتاب ناخن پر

ظفر کیا سوچ تبدیل قوافی غزل کا ہے
جونکتہ دے ہے تو کھاکھا پیچ و تاب ناخن پر

ٹھوکا دے ہے یوں رکھ دل کو وہ ظراف ناخن پر   اوچاٹے ہے درم کودھرکے جوں صراف ناخن پر
کہاں رنگ حنا ہے خوب میں نے غور سے دیکھا   لگا ہے خون عاشق ترے بے انصاف ناخن پر
دکھاتی سیر کوہ قاف ہم کو اس پری وش نے   عجب کی حاضرات اک اس نیاکھ کرقاف ناخن پر
خجالت کش اسی پلی مردمک چشم بتاں میں ہو   لگے نقطہ سیاہی کا جو اس شفاف ناخن پر

ظفر گر برگ گل کوڑے وہ نازک بدن میرا
نزاکت سے اثر کرتی ہے رنگت صاف ناخن پر

کو جانے ہے بہزاد رنگ و ریشہ تصویر   حیرت میں ترے پردم اندیشہ تصویر
شیریں کو یہ لازم ہے سرتبت فرہاد   ہوائے نشانی کے لیے تیشہ تصویر
گرکلک خیال اپنے سے کھینچو ترانقشا   مانی بھی وہیں چھوڑ دے بس پیشہ تصویر
پہنچے ہے تحقق کو کہاں مرد مقلد   دیکھا نہ دلاور اسد بیشہ تصویر

ہے صورت جاناں کا خیال اس میں ہمیشہ
گویا کہ دل اپنا ہے ظفر شیشہ تصویر

کترے صیاد سمجھے جب طائر محبوس کے پر   مہر ہر داغ سے مخفر بنے طاؤس کے پر
جائے پرواز نہیں قفس سینہ میں   اس لیے وا نہیں مرغ دل مایوس کے پر
میں جاں جا کے تجھے دور سے لیتا ہوں کھور   اس جگہ جلتے ہیں ظالم ترے جاسوس کے پر
سب پہ روشن ہے یہ اے شمع کہ پروانے کے   اڑتے ہیں گرد تیرے خیمہ فانوس کے پر

فرش مخمل پہ ظفر جس سے کہ خواب آتا تھا
اڑتے پھرتے ہیں سو وہ بالش طاؤس کے پر

نہیں لخت جگر ترتے ہمارے اشک گلگوں پر   اتارا ہے قزلباشوں کا یہ دریائے جیحوں پر
مسی پر پان کالا کھا جمایا ہے جواب توں   ارادہ آج ہے کن تیرہ بختوں کے یہ شب خوں پر
ہوا جب سے گرفتار خم زلف سیہ ترا   بلائے ناگہانی ہے سراسر تیرے مفتوں پر
یہاں تک ہم نے کی صحرا نوردی بعد مجنوں کے   کہ اپنے دیکھنے والے کریں ہیں طعن مجنوں پر
ہمارے مہ جبیں سینے کے دیکھ آبلے تونے   کہاں اس طرح کے ہیں اختر تابندہ گردوں پر
موئے دو داغ بردل ہوکے تیرے چاہنے والے   جھلے سوجھل طاؤس ان کے روز مدفوں پر

ظفر آگے مرے سرسبز ہوئے کس طرح کوئی
کرے ہے طنز ہر مصرع مرا اب سرو موزوں پر

فرہاد مر گیا یونہیں سرپھر سنگ پر شیریں کی کندہ کرتی تھی تصویر سنگ پر
زانو پہ تیرے غیر کا سر ہو تو کیوں نہ پھر پٹکے سر اپنا عاشق دلگیر سنگ پر
لکھا نہیں کسی کے مٹانے سے اب یہ آہ شاید کہ ہے نوشتہ تقدیر سنگ پر
رگہائے سنگ ہوں خط مسطرا گر کریں احوال کوہکن کبھی تحریر سنگ پر

یہ دل تو کیا ہے سنگ میں روزن ہو اے ظفر
مژگاں لگائے اس کی اگر تیر سنگ پر

کب اشک چشم کی ہے لخت دل کو پیام پانی پر نہیں ہے صاحب کشتی کو کچھ وسواس پانی پر
لب دریا پہ کسی نے میکشی کی ہے کہ اے ساقی بنا ہر یک حباب بحر جو گیلاس پانی پر
حباب آ سا جو تو ابھرے ہے ہر دم دام ہستی پر مگر کچھ بھی دم آیا ہے تجھ کو راس پانی پر
دل صد چاک میرا آنسوؤں سے یوں ہے افسردہ کہ جوں ہوتا ہے پژمردہ گل قرطاس پانی پر

نہیں گر صورت اخلاص اس سے تو پلا دے تو
ظفر پڑھ کر قل اعوذ رب الناس پانی پر

کروں میں گریہ اگر اپنی ناتوانی پر فلک زمیں پہ ہو یوں جوں حباب پانی پر
اثر نہ چاہ کا جب تک ہو طرف ثانی پر تو وہ نگاہ کرے کس کی جانفشانی پر
وفا کے بدلے جفا تم کرو ستم ہے یہ صد آفریں ہے تمہاری بھی قدر دانی پر
غنیمت اب تو سمجھ لے یہ وصل گل بلبل نہ پھول باغ میں دو دن کی زندگانی پر
ہمارے روبرو کرتا ہے نواسنجی لگے ہیں تجھ کو بھی اے مرغ بوستانی پر
خط آئے پر نہ رہیگی یہ عارضی دولت غرور حسن نہ کر عالم جوانی پر
نصیب خفتہ مرے بعد عمر جاگے آج جو چشم یار ہے کچھ عین مہربانی پر
ہزار حیف کہ بلبل کا صحن گلشن میں نہ چھوڑا ایک بھی صیاد نے نشانی پر
ہنسی کی بات نہیں ہے کہ ہر سحر خورشید نثار ہے تری دستار زعفرانی پر
کھلی ہے چشم حقیقت جنہوں کی مثل حباب وہ باندھتے نہیں تکیہ جہان فانی پر

ظفر ہم اپنے ہی قصہ میں ہیں لگے آلودہ
خیال کس کی بھلا رکھیں اب کہانی پر

دلا شب میں کہاں اثر سفیدی ہے سیاہی پر عجب عالم سے بالا تر سفیدی ہے سیاہی پر
نہیں ہیں قطرہ شبنم گل سوسن پہ اے بلبل چمن میں دیکھ تو یکسر سفیدی ہے سیاہی پر
لگا کر تو مسی دانتوں پہ اپنی دیکھ آئینہ کہ کیا ہی طرفہ اب دلبر سفیدی ہے سیاہی پر
پروئے اس نے موتی ہیں کہاں اب اپنے بالوں میں دکھاتا شوخ سیمیں بر سفیدی ہے سیاہی پر

ظفر اس روئے سیمیں پر جو ہے اب حلقہ گیسو
عجب صورت سے اپنی پر سفیدی ہے سیاہی پر

کون اس پہ ہے مائل مہ تابان سمجھ کر دیکھوں ہوں ترے رخ کو میں قرآن سمجھ کر
آیا ہے لب بام پہ وہ صبح نکلتا تو چرخ پہ اے مہر درخشاں سمجھ کر
افسوس کہ نکلا نہیں وہ سینہ سے میرے اس دل کو مرے آتش سوزاں سمجھ کر
کرتے ہیں سلام آن ق ہر صبح ادب سے خوباں تجھے سب خسرو خوبان سمجھ کر
اور بلکہ جھکاتے ہیں سر عجز مہ و مہر صد چند تری آپ سے اب شان سمجھ کر
لایا وہیں تری نذر کو لخت جگر و اشک رکھ دست مژہ پہ دو مر جان سمجھ کر
گلشن میں مرے غیرت گلزار کے آگے ہنستا تو ذرا اے گل خندان سمجھ کر
اور تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ آنکھیں تو لڑانا اس چشم سے اے نرگس حیران سمجھ کر

کردے نہ ظفر لال یہاں منہ کو کسی کے
کھا ہاتھ سے غیروں کے تو اب پان سمجھ کر

کھینچ مت صید فگنی تو دی تجھ سے تیر — اس نے کھایا ہے کمان کا تری تقدیر سے تیر
قتل عشاق کو ہے جنبش مژگاں کافی — کیوں لگے رکھے میاں ہاتھ میں شمشیر سے تیر
اے کماں دار میں ہاتھوں کے تیر ہوں قرباں — جا لڑا شہپر مرغان ہوا گیر سے تیر
آہ کیوں کر دل حیراں سے ہمارے نکلے — چھوٹتا بھی ہے کہیں بازوئے تصویر سے تیر
واہ اے جذب محبت کے مرے سینے سے — کھینچ سکا آہ نہ ہر گز کسی تدبیر سے تیر
تجھ سے سمجھوں گا قیامت کو بت کافر کیش — تو نے مارا ہے مجھے کون سی تقصیر سے تیر

سینہ چرخ مشبک ہو نہ کیوں کر کہ ظفر
چلتے پیہم ہیں مرے نالہ شب گیر سے تیر

دل سوزاں کو میرے رکھ نہ تو لے کر ہتھیلی پر — پھپھولا پڑ نہ جائے تیرے اے دلبر ہتھیلی پر
خدا جانے یہ کس رشک قمر کی نذر کی خاطر — نکلتا ہر سحر ہے مہر رکھ کر زر ہتھیلی پر
چمن میں کون سے نوشی کو آتا ہے جو اے ساقی — سبو بردوش غنچہ گل کے ہے ساغر ہتھیلی پر
خیال خال رخسار بتاں میں دل کی تسکیں کو — نہ پھانکو تخم ریحاں کو سمے رکھ کر ہتھیلی پر
کوئی اس طفل سے ہنگام بازی خاک برسر ہو — قسم دی ڈھولیا جو رکھ کے خاکستر ہتھیلی پر
لکیریں ان کی مت سمجھو کہ یہ اعمال لکھنے کو — ید قدرت نے کھینچا ہے غرض مسطر ہتھیلی پر

قدم وہ عشق کے کوچے میں گاڑے اے ظفر اپنا
کہ جو سر بازار اپنا رکھ لے پہلے سر ہتھیلی پر

دل کا اپنے آبگینہ بن گیا جب پھوٹ کر — ہم بہت پچھتائے پھر پتھر سے سینہ کوٹ کر
کشور دل دیکھیے کیونکر مرا آباد ہو — کر دیا برباد اک مدت سے تو نے لوٹ کر
کیا جھڑے قطرے عرق کے اس کی پیشانی سے آج — گر پڑے عرش بریں کے سارے تارے ٹوٹ کر
کس طرح چھٹ کے نہ ہوا اپنا جدا اشکوں سے دل — یہ مسافر رہ گیا ہے قافلے سے چھوٹ کر

اے ظفر ذہن مصفا نے تمہارے واہ وا
بھر دیے کیا اس غزل میں در معنی کوٹ کر

دیکھنا اس کے ذرا تو سن چالاک کے طور — پھرتا ہے خاک لحد پر مری وہ خاک کے طور پر
کرتے ہم چشمی اگر اس سے تو شوخی جھڑ جائے — رو سکے ابرو کب اس دیدہ نمناک کے طور
سربسر زلف بتاں سے ہے سدا ربط اسے — شانہ ساں کیوں نہ ہوں اپنے دل صد چاک کے طور
بہ سر صید دل اپنا ہو نہ کیوں وابستہ — حلقہ زلف وہ ہے حلقہ فتراک کے طور

دم بدم تیغ بکف ہوتا ہے مجھ پر وہ ظفر
کچھ نظر آتے ہیں بیڈھب بت سفاک کے طور

تیرے دیوانے کو مارے ہیں یہ روڑے پتھر — کوہ چھٹ نام کو لڑکوں نے نہ چھوڑے پتھر
عشق وہ سنگ گراں ہے کہ کسی سے نہ اٹھا — کیونکہ بھاری نہ ہر اک چوم کے چھوڑے پتھر
ہاتھ چھاتی پہ جونہی میں نے لگایا تو کہا — سخت کیا ہاتھ میں تیرے یہ کٹوڑے پتھر
کوہکن تو نہ ہوا باندھ کہ ہم نے بھی یہاں — سر سے مارے ہیں دیوار کے پھوڑے پتھر

سنگ لاخ ایسی غزل تو نے یہ لکھی ہے ظفر
سن کے ہو جائیں میں جسے طبع کے گھوڑے پتھر

بے وجہ نہیں کچھ مری تقدیر گلو گیر — اس چشم کے سرمے کی ہے تحریر گلو گیر
قاتل سے کروں کیا دم تکبیر سخن میں — ہے جو ہر شمشیر کے زنجیر گلو گیر
یہ تکمہ یاقوت نہیں تیرے گلے میں — ہے قطرہ خون دل دلگیر گلو گیر
شب بستر کم خواب پہ آیا مجھے کم خواب — تیری جو رہی خواب میں تصویر گلو گیر
آشفتہ نہ کیوں ہو دل شامت زدہ اپنا — رہتی ہے تری زلف گرہ گیر گلو گیر
میرے بت مہوش سے ہوئے شب کو جو رو کش — تا صبح رہا شمع کے گل گیر گلو گیر

رکھے ہے شب وروز ظفر اشک مسلسل
زنار صفت ہو بت بے پیر گلو گیر

گل فشاں آمد ست ابر بہار نغمہ بنیاد کرد بلبل زار
طرفہ بکشاد سنبل و ریحان چشم وا کرد نرگس بیمار
بر سبزہ قطرہ شبنم تار ابریشم ودر شہوار
گل نہاد است جام مے برکف غنچہ دارد صراحی بکنار
اے ظفر جام بادہ از سر گیر
دور عیش است و عہد بوس و کنار

یوں دلا اس شہر پہ ہو فقیر جیسے رانجھا کہ ہیر پہ ہو فقیر
جو بھبوت اپنے منہ کو ملتا ہو کب وہ مائل عبیر پہ ہو فقیر
مدعا کون دل کا سمجھے ہے کوئی روشن ضمیر پہ ہو فقیر
بیٹھا یوں میرے ڈھیر پہ مجنوں جیسے قبر فقیر پہ ہو فقیر
مانگ کو دے کے دل کسی کی ظفر
تم بھی بیٹھے لکیر پہ ہو فقیر

مزا چکھلایا ہے کوہکن کو یہ عشق آیا جو اتحاد پہ
کہ لایا تو جوئے شیر لیکن چھٹی کا دودھ آ گیا زباں پہ
خدنگ دنبالہ کھایا لیکن نہ لایا شکوہ کبھی زباں پہ
کہ بوسہ اس چشم سرمہ سا کا ہے زہر گویا مری وہاں پہ
لگا کہ باتوں میں ان کو لائیں جو حرف مطلب کا کچھ زباں پہ
تو لیکں کہہ دیں ٹھکانا جس کا لگے زمیں پہ نہ آسماں پہ
تپ محبت میں سرو قد یہ کہاں ہے خشکی مری زباں پہ
کہ شکل سوہان پڑ گئے ہیں ہزاروں کانٹے مری زباں پہ
اٹھائے سو زخم ہر ممط ہیں یہ خوں کے دعوے کوئی غلط ہیں
کہ شکل قط گیر خط پہ خط ہیں ہنوز باقی ہر استخواں پہ
خلش یہی خار خار غم کا رہا تو مرقد پہ میرے سبزا
یقین ہے مانند برگ خرما ہوئے گا نشتر کسی زباں پہ
کہاں یہ سودا بار دل کو دو کر حریف مست ترک چشم کو کر
پہ آخرش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہائے مژگاں کے ہر سناں پہ
وہ چشم و ابرو تمہارے زیبا کہ قاب قوسین ٹھہرے ادنیٰ
یہ خال پیشانی کیوں تمہارا نہ فوق لے جائے فرقداں پہ
ہمارے سر پہ بسوئے ہاسوں کے ہے داغ جنوں کہ چمکوں
چراغ وحشت سرائے مجنوں کروں میں روشن چراغ داں پہ
بنا بگولے کو برج آسا قریب ناقہ کے قیس پہنچا
پہ اترے محمل سے کیونکر لیلا کہ پردہ کھلتا ہے ساربان پہ
جفا کی طاقت کہاں ہے باقی ظفر اٹھے ہے پھر اک صدا سی
کوئی جو آنسو کی بوند ٹپکی ہمارے داغ دل طپاں پہ

یہ قد جو آپ کا بوٹا سا دیکھ پائے بہار
تو پھول پھول کے جوں عندلیب گائے بہار
لگا کے فندق اگر انگلیوں کو چٹکائے
تو چٹکیوں ہی میں غنچے کو پھر اڑائے بہار
نشے میں ہم اسے دیکھیں اگر بسنتی پوش
نہ کیونکہ آنکھوں میں سرسوں سی پھول جائے بہار
ہزار حیف کہ ہم سے نہ ہو تو ہم آغوش
یہ گل یہ باغ یہ ہے ابر یہ برائے بہار
چمن میں عام ہو آمد جو تیری رونق گل
تو مور کی روش طرہ مور لائے بہار
[illegible]

ظفر نہ کیونکہ رخ زرد و اشک گلگوں سے
کبھی بسنت منائے کبھی منائے بہار

گلوں سے سینہ افگار کو منقش کر دلا چمن کی تو دیوار کو منقش کر
جما تو اپنی بھووں میں جڑاؤ کے ٹیکے میان قبضہ تلوار کو منقش کر
نہیں ہجوم شرر عکس داغ دل نے مرے دیا ہے گنبد دوار کو منقش کر
میں اپنے دیدہ خونبار لے کے پھر آیا تمام کوچہ و بازار کو منقش کر
تو نیچے کا کے منت ہاتھ رکھ دم مہندی نہ اپنے صفحہ رخسار کو منقش کر
کہاں ہے لالہ مگر اپنے خون سے فرہاد گیا ہے دامن کہسار کو منقش کر
نہیں ضرور ہے قالیں کر نقش پا سے تو زمین کعبہ غم خوار کو منقش کر
برنگ ہیضہ نور وز عکس جھمکوں کا رکھے گوہر شہوار کو منقش کر
وہ پہنیں بر میں دلا گر لباس پھلکاری تو داغ کھا کے تن زار کو منقش کر
جبیں پہ غیرت گلشن تو اپنی جوں افشاں باآب زر خط گلزار کو منقش کر

کسی کو بھیجے ہوں گر ظفر یہ چھ چھلے
تو دو کو سادہ بنا چار کو منقش کر

کھائے بخیہ میں نہ کوئی ہاتھ رفو گر چکر چاک دل دیکھ رفو بھی ہے رفو در چکر
عارض و لب سے ہوں اس کے نہ روکش ہرگز کھائیں گرنا بقیا مت مہ و اختر چکر
اثر طالع گردش سے مرے اے ساقی کھائے گرداب صفت بزم میں ساغر چکر
چرخ فانوس خیالی ہے کہ جس میں شب و روز مثل تصویر اک کھائے ہے اکثر چکر
گردش نجد سے دوں کوہ کو میں چکر یوں جس طرح کھاتا فلاخن میں ہے پتھر چکر
دیکھ کر وہ مجھے آوارہ لگے فرمانے تیرے پاؤں میں ہے یک دست مقرر چکر
غمزہ ناز و ادا اور نگہ گردش چشم تیر و شمشیر ہے اور نیزہ و خنجر چکر
نہ دیا مجھ کو فلک نے پس مردن بھی قرار خاک کو روز بگولے میں ہے یکسر چکر

آسیا کی طرح اب غور سے گر دیکھ ظفر
کھاتے گردش سے زمانے کے ہیں پتھر چکر

زلف عرق آلودہ اس روئے کتابی پر سو بارتی تھی طعنہ دیوان سحابی پر
ہاں داغ یہ سینے کے زمینہ یہ بیٹھے ہیں کیا حرف ہوئے کندہ اس مہر خطابی پر
گردوں پہ شفق ہووے شرمندہ وہ کھلتی ہے رومال گلابی اس پاجامہ آبی پر
ساقی چمنستاں میں شبنم کے سوا ہرگز پچہ ہے نہیں دیکھا غنچے کی گلابی پر

لخت جگر آلودہ مژگاں ہے کب آنکھوں پر
سیخیں ہیں کبابوں کی دکان کبابی پر

گوروں ہے چرخ پہ تیر شہاب اس کے تیر پر بلا کے ہیں بنے اس نالہ سرکش کے تیر
تار بارش میں کہاں ساقی سپردے جام کی ہیں برستے میکدے میں سر پہ اس بیکش کے تیر
اے منجم ہے عطارد آج برج قوس میں دیکھ پیوستہ کماں میں اس بت مہوش کے تیر
دیکھیے کس کو ہدف کرتا ہے اب یہ عشوہ کماں کہکشاں ہے ہاتھ میں گردون مجرم کش کے تیر
خط کے دنبالے سے یہ کہتے ہیں ترکان نگاہ قتل عاشق پہ ہم تم ایک ہی ترکش کے تیر
تھی نشانی آپ کی دیتا نہ میں پر کیا کروں کھینچے سینے سے مرے عالم میں نے نقش کے تیر

اپنا تیر آہ گردوں پہ ظفر کرتا ہے کام
جائے تیرا انداز کا گر قصر پہ بجلی کے تیر

تیری ہے پازیب کا جھوم زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر   ہوئے ہیں جلوہ نما چمک کر زمین پہ فلک پہ اختر
وفور اشکوں کا ہے ہمارے نکلتے نالوں میں ہیں شرارے   نہ کیونکہ ہوں عشق پہ نچھاور زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
پھپھولے پاؤں میں ہیں نمایاں تو سر پہ داغ جنوں فروزاں   نہ دیکھیں دیوانے تیرے کیونکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
ذرا جبیں عرق فشاں پر توں اپنی افشاں دکھائے چمکر   کہ تا نظر آئیں ماہ پیکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
نہ سبزہ گل پہ جوش شبنم نہ چمکے جگنو ہوا پہ ہر دم   نظر سب آتے تھے مجھ کو یکسر زمیں پہ گوہر فلک اختر
ادھر تو فوارے چھٹتے ہیں واں ادھر ہیں اشجار پہ چراغاں   نئی ہے سیر اک چمن کے اندر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

زمیں نہایت ہی تھی یہ مشکل ظفر ہے استاد پر وہ کامل
غرض دکھائی دیے بٹھا کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

بجز انگور کب راضی ہوں ہم جنت کے جانے پہ   رکھے ہے مرغ روح میکشاں تک آب و دانے پہ
تاسف کوہکن کے بار کوہ غم اٹھانے پہ   ٹپکتا تھا یہ سر شیریں کے سنگ آستانے پہ
ترا گھر میرا کاشانہ تھا اب ہے' غیر کا مسکن   تسلط زاغ نے پایا ہما کے آشیانے پہ

اثر دیکھا ترا اے گریہ وہ بیداد کہتا ہے
کہ مجھ کو آگ لگتی ہے ترے آنسو بہانے پہ

ہمارے دل کا عقدہ غنچہ لب یوں کوئی کھلتا ہے   کہ واشد اس کی ہے موقوف تیرے کھلکھلانے پہ
ہمیں تم خط پشت لب کا اپنے جلد بوسہ دو   وگرنہ مستعد بیٹھے ہیں ہم تو زہر کھانے پہ
کمر باندھے اگر وہ بھی محبت آزمانے پہ   نہ ہونے پایا چہلم مہ شہید ناز کا تیر
ستمگر آفریں کہیے ترے مہندی لگانے پہ   مجسم مجھ کو اس گل کا چمن میں یا آتا ہے
نہ روؤں کس طرح اے شوخ تیرے مسکرانے پہ   ہدف تیر مژہ کا دل ہوا ' لے اے کماں ابرو

ہوئی خطر نشاں تیری گا ناوک نشانے پہ
ظفر یوں ہیں چلا جاتا تھا اپنا یار سے جھگڑا
کیا قصہ ادا اک آن میں تیغ ادا نے پہ

ہے تیری نزاکت میں کمر بال برابر   میں جانوں میاں فرق ہو گر بال برابر
اک زخم ہوا چاہیے ہے جراح خنجر لے   روزن ہے جو بالائے جگر بال برابر
خط سرمے کا اس ابر وخمدار پہ کب ہے   آیا ہے سرولی میں نگر بال برابر
لاغر ہوں زبس عشق میں اس موئے کمر کے   آتا ہوں سراپا میں نظر بال برابر
وہ چھالیں ہے اک یہ پھندہ دل عشاق   دیکھ اپنے تو سنبل سے اسے بال برابر
کچھ محتسب شہر نے تاکا جو ادھر سے   آباد ہیں شیشے میں ادھر بال برابر

اشکوں میں بھی مژگاں کا وہ عالم ہے کہ بس ہے
ہو در نجف کا نہ ظفر بال برابر

ایسے شاہیں ہوئے ہیں مرے تیار بٹیر   ماریں شاہیں کو اڑا کر یہ جگر دار بٹیر
چھوٹیں لڑنے کو اگر یہ تو لڑیں مرغ سے بھی   مرغ کیا بلکہ یہ سیمرغ کو لیں مار بٹیر
چاک کرتے ہیں حریفوں کے بٹیروں کا جگر   تیز جو کرتے ہیں یہ خنجر منقار بٹیر
مجھ یہ عشق ہے ان سے کہ کھلاؤں ان کو   کھائیں گر دانے کی جا گوہر شہوار بٹیر
تتلیاں پلکیں ہوں اور چشم بنے جوں کا بک   گر رہیں آنکھوں میں یہ مرغ نظر دار بٹیر
ہوئے اس کھیل میں دل صدیوں کے بند ایسے   دام صیاد میں ہوں جیسے گرفتار بٹیر
اتفاقا کوئی گران میں سے گھٹ بھی جاوے   بے مزہ دیں جو لڑا میرے طرفدار بٹیر
کہہ دو صیدی سے کہ تو خوش نہ ہو کیا ہوتا ہے   ہاتھ آندھے کہ اگر آگئے اک بار بٹیر
انھیں کیا کیف کی حاجت جو ہمہ کیف ہیں یہ   چشم خوباں کی طرح کیفی و سرشار بٹیر
نسر طائر بھی انھیں دیکھ کے کہتا ہے کاش   دیوے مجھ کو بھی بنا خالق دادار بٹیر

بات مردوں کی ظفر ایک ہے کب سنتے ہیں
آدھا تیتر کہیں ، آدھا کہیں گر یار بٹیر

بن ترے اے رشک گل رشک بہار نوک سبزہ چشم میں ہے نوک خار
داغ ہر دل ہوں میں سوز ہجر سے کیا خوش آئے مجھ کو سیر لالہ زار
ہوں گرفتہ دل برنگ غنچہ میں ہے روش گل کے جگر میرا فگار
اب تمہیں ہے مثل سوج آب جو ہاتھ میں میرے عنان اختیار
میں ہوں آوارہ برنگ بوئے گل ایک جا ہرگز نہیں مجھ کو قرار
ہوتا اس گل کو نہیں مطلق اثر مثل بلبل کر چکا نالہ ہزار
دم ہے آنکھوں میں اور اس پہ اب تلک مثل نرگس وا ہے چشم انتظار
کب تلک تیری جدائی میں رکھوں ابر کے مانند رنگیں اشک بار
اے ظفر اس سے نہیں کہتا کوئی
جا کے اتنا بھی کہ سن اور گوش دار

وفور گریہ نے چشم پر آب کے اندر دکھایا ہم کو ستمدر حباب کے اندر
نگاہ مست میں ساقی کی جو ہے کیفیت بھلا کہاں ہے وہ مستی شراب کے اندر
برنگ شعلہ فانوس ہو نہ پوشیدہ تمہارا عارض روشن نقاب کے اندر
ذرا بہ چشم حقیقت ہو گرم نظارہ ہی ہے ذرہ میں جو آفتاب کے اندر
اگرچہ صاف ہے دل سادہ لوح پہ اس میں جو دیکھا ہم نے نہ دیکھا کتاب کے اندر
کہاں سینہ میں پیکاں کہ وہ تو بیٹھا ہے چھپا ہوا دل پر اضطراب کے اندر

ہمارے آنسوؤں میں یوں ہے راز عشق ظفر
کہ جس طرح سے ہو خوشبو گلاب کے اندر

دکھائے لاکھ وہ شاہ و وزیر کا محضر سند نہ رکھے گا کوئی فقیر کا محضر
بروز حشر دکھائے گا یہ دل پہ داغ خدا کے آگے تمہارے اسیر کا محضر
فلک کے صفحہ پہ جوں مہر و مہ کی مہریں ہیں مگر یہ کسی روشن ضمیر کا محضر
جگر پہ اس کے نہ تو داغ یہ سمجھ گلگیر ہوا ہے تجھ پہ شمع ضمیر کا محضر
ظفر نہیں ہے کسی وجہ مورد تقصیر
یہ چاک ہوگا تمہارے مشیر کا محضر

چھیڑے چوٹی کو جو اس بیدادگر کی پشت پر کیوں نہ آئیں کوڑے نہ اس آشفتہ سر کی پشت پر
بستر گل پر سو جو وہ سویا تو پھولوں کے نشاں نازکی سے پڑ گئے اس سیمبر کی پشت پر
مال کے پیچھے نہ دیکھا تھا کبھی ابر سیاہ پر سر کو دیکھا اس رشک قمر کی پشت پر
ناتواں ہوں مجھ کو یارو اس گلی میں لے چلو تم بٹھا کر تو سن باد صبا کی پشت پر
مال احمق کے لیے گر ہو سوا یہ چاہیے اور بھی لادا زیادہ بوجھ خر کی پشت پر
پیچھے آنسو کے نہیں لخت جگر اک راہرو ہے رواں گٹھری کے رخت سفر کی پشت پر
کھل گیا جوڑا جو بالوں کا تو تل بے ناز کی
پہنچا اک صدمہ ظفر اس مو کمر کی پشت پر

بلا سے گر کوئی دنیا میں خفا دلگیر پر آشنا سے ہو یارب نہ آشنا دلگیر
نہیں مرقع دنیا یہ سیر کے قابل برنگ پیکر تصویر ہوں سدا دلگیر
رہے ہے آئینہ روہم سے کیوں تو چین بجبیں کہ ہوتے ہیں نہیں بے وجہ باصفا دلگیر
ہلال ہی نہیں کچھ سر بجیب گردوں پر ہر ایک ہے لب ناں کے لیے دلا دلگیر
چمن میں صحبت بلبل میں گل تو خنداں ہے الٰہی مجھ سے مرا کیوں ہے دلربا دلگیر
نہیں ہے گلشن عالم شگفتگی کی جا برنگ غنچہ تصویر ہے سدا دلگیر
برنگ غنچہ نہ کھلوا مرے لب اظہار مبادا تجھ کو کرے حرف مدعا دلگیر

برائی اس نے تو کچھ تجھ سے کی نہیں اجتک
ظفر سے کس لیے رہتا ہے تو بھلا دلگیر

آئی گلشن میں بہار دائے دل غمناک بہار گر نہ ہو وہ گل خوبی تو ہے کیا خاک بہار
چمن حسن پہ کیا پھول رہا ہے اپنے نہیں رہنے کی سدا اے بت بیباک بہار
پھولے ہے تازہ شگوفہ چمن دہر میں روز واہ دکھلائے ہے کیا گردش افلاک بہار
جابجا خون شہیداں سے ہے اک تازہ چمن ہے ترے کوچے میں اے قاتل سفاک بہار
کیا بہار گل صدر چاک چمن دیکھوں میں اس سے رکھتا ہے زیادہ دل صد چاک بہار
کون کہتا ہے گلوں پہ ہے چمن میں شبنم ہے ترے سامنے خجلت سے عرقناک بہار

اے ظفر جامۂ گل پہ نہ کرے ناز کبھی
دیکھے رنگیں اگر اس شوخ کی پوشاک بہار

مژہ ہے خنجر ابروئے دلبر کے تلے خنجر بنایا صانع قدرت نے خنجر کے تلے خنجر
نگہ پھیرے اگر اپنی جو صیاد جفا پیشہ تو پھر جائے نگاہ صید مضطر کے تلے خنجر
وہ تیری سخت جانی دیکھ کر جھنجھلا گیا ایسا تو توڑا سنگدل نے رکھ کے پتھر کے تلے خنجر
ہمارا خوں نہیں ایسا کہ چھپ جائے وہ اے قاتل چھپائے تو اگر دامان محشر کے تلے خنجر
کمر بھی کھول کر مرد سپاہی اس طرح سودے بغل میں ہو اگر تلوار تو سر کے تلے خنجر
قلق سے ہجر کی شب کاٹ ہی ڈالوں گلا اپنا اگر معلوم ہو رکھا ہے بستر کے تلے خنجر

نظر اس مہروش کی دیکھیے کس کس کی گردن پہ
ظفر ہر روز پھیرے چرخ اخضر کے تلے خنجر

ہر آشنا سے ایسا ہے اب آشنا کا طور دو دن میں جیسے بگڑے ہے رنگ حنا کا طور
تیرے مریض عشق کی ہو کیا شفا کا طور نے کچھ دوا کا ڈھنگ نہ ہے کچھ دعا کا طور
ہوویں گے فتنے کتنے ہی پیدا جہان میں اگر ہے یہی تری نگہ فتنہ زا کا طور
مانند موج ہم ادھر آئے ادھر گئے کس طور سے ہو بحر فنا میں بقا طور
رکھتا ہے تیرے زیر قدم ہر قدم پہ چشم سکھائے ہے خاک پانے تری نقش پا کا طور
واعظ جو اس پری میں ہے وہ حور میں کہاں شوخی کی طرز ناز کا شیوا ادا کا طور
قاتل کے پاؤں تک نہ گیا بہہ کر خوں مرا ٹھہرے گا خاک عشق مرے خوں بہا کا طور
پھیریں نہ منہ کسی سے کوئی خوب ہو کہ زشت یہ ہے مثال آئینہ اہل وفا کا طور

دکھلایا اے ظفر ہمیں اس پر فریب نے
مہر و وفا کے ڈھنگ میں ظلم و جفا کا طور

ردیف رائے ہندی

دیکھ دل کو مرے او کافر بے پیر نہ توڑ ! ! گھر ہے اللہ کا یہ اس کی تو تعمیر نہ توڑ
غل سدا وادی وحشت میں رکھوں گا برپا اے جنوں دیکھ مرے پاؤں کی زنجیر نہ توڑ
دیکھ ٹک غور سے آئینہ دل کو میرے اس میں آتا ہے نظر عالم تصویر ' نہ توڑ
تاج زر کے لیے کیوں شمع کا سر کاٹے ہے رشتہ الفت پروانہ گلگیر نہ توڑ
اپنے بسمل سے یہ کہتا تھا دم نزع وہ شوخ تھا جو کچھ عہد سودا عاشق دلگیر نہ توڑ
رقص بسمل کا تماشا مجھے دکھلا کوئی دم ! دست و پا مار کے دم تو مہوت شمشیر نہ توڑ

سہم کر اے ظفر اس شوخ کماندار سے کہہ
کھینچ کر دیکھ مرے سینے سے تو تیر نہ توڑ

لخت دل شاخ مژہ سے گئے اس صورت جھڑ موسم سردی میں گئے نخل کے ہوں جیوں پت جھڑ
ہمہ سوالہ و فریاد سے ہاں عاشق کی در جاناں پہ سدا سے ہے رہی نوبت جھڑ
طوق و زنجیر کو توڑا نہ یہ پر ٹوٹی وہ قفل زنداں کی ہے دیوانوں کی آفت جھڑ
خانہ دل مرے آن کے تو رہوے اگر تو مکاں جائے ابھی یہ بہت مہ ظلمت جھڑ
ابر و مژگاں کے برسنے کا وہی عالم ہے جیسے برسات میں لگتی ہے جسے خلقت جھڑ
پیچھا مجنوں کا کوئی چھوڑتی ہے تو للہ جب تلک گرد نہ جاوے کی تری وحشت جھڑ

مارے پتھر مری تربت پہ ظفر یہ اس نے
کر گیا صدمے سے تعویذ سر تربت جھڑ

دل مرا ڈالے یل عشق نہ کس رنگ مروڑ پنجہ رستم کا بھی ہو دیوے دم جنگ مروڑ
ذبح کرتا ہے تو کر لے کے چھری اے صیاد لیک مت گردن مرغان خوش آہنگ مروڑ
شکن زلف کے مانند تری اے تو خط لکھ سکے کب قلم مانی ارژنگ مروڑ
روکش اس کے گل رخسار سے یہ ہوتا ہے دے صبا کیونکہ نہ گوش گل خوشرنگ مروڑ
ایک دریا بہے اشکوں سے نچوڑے جس دم دامن تر کو ترا عاشق بے ننگ مروڑ
ہاتھ پکڑوں جو تصور سے بھی تو وہ کہوے تو مرے ہاتھ کو اتنا بھی نہ بے ڈھنگ مروڑ

ہم نے جوں طفل و بستان محبت میں ظفر
پھینکا آخر ورق دانش و فرہنگ مروڑ

ردیف زاء معجمہ

بشر کو کیوں نہو در پیش یاں نشیب و فراز کہ دم کے ساتھ ہے ہر دم یہاں نشیب و فراز
فلک عروج و تنزل سے اک زمانے کو دکھائے ہے روش نردباں نشیب وفراز
کٹے ہی جائے بہراہ فنا کو طے ہر دم کبھی کچھ نہیں عمر رواں نشیب و فراز
حضیض اوج میں سیار ہیں ستارے بھی دکھاتا کس کو نہیں آسماں نشیب و فراز
کہیں نگو لے کو کیا خاک میں بیاں گرد کہ میری طرح سے دیکھے کہاں نشیب و فراز
دکھائے ہے سر عاشق کو قاتل سفاک بہ نیم تیغ و بنوک سناں نشیب و فراز
کسی کو پست کرے فلک کسی کو بلند کہ اس ہنڈولے میں ہے ہر زماں نشیب و فراز
ہمیں ہے راہ محبت میں ہمرہاں درپیش بہ رنگ گرد رہ کارواں نشیب و فراز
زمیں کو دیکھے نہ کیونکر عصا پہ کف نرگس رکھے ہے عرصہ باغ جہاں نشیب و فراز
اچھل کے دیکھ نہ چل استقدر تو وسرکش کہ تیرے ساتھ ہے فوارہ ساں نشیب و فراز

ظفر ہے راہ زخوددر فتگی عجیب ہموار
کہیں بھی جس کے نہیں درمیاں نشیب و فراز

کھینچ کر تیغ نہ کر ظلم کے انداز سے رمز قتل کرتا ہے جو مجھ کو تو اک ناز سے رمز
ہم صفیروں کی جگہ اپنی سناتا ہے صفیر دیکھو صیاد کی مرغان خوش آواز سے رمز
تیغ ابرو سے وہ عالم کوں یوں ہی کرتا ہے قتل تاب کس کی جو کرے اس بت طناز سے رمز
تیرے ہاتھوں سے بھی حیراں ہے سدا آئینہ منہ کو دیکھو جو کرے مجھ سے نظر باز سے رمز
بات کرتا نہیں کچھ اور کنائے کے سوا چلی جاتی ہے سدا عاشق ہمراز سے رمز
اتنی پائی نہیں آہوئے حرم نے طاقت کر سکے ہاں جو تری چشم فسوں سے رمز

شعر کے رمز سے گر تو نہیں واقف ہے ظفر
سیکھ لے تو سخن حافظ شیراز سے رمز

گرچہ تو پردہ نشیں ہے بہت بے پیر ہنوز پر مرے دل کھینچتی ہے تری تصویر ہنوز
خاک اب آئینے میں دیکھوں میں صورت اپنی میری نظروں میں پھرے ہے تری تصویر ہنوز
مجھ کو بیعت ہے جنوں سلسلہ مجنوں میں پاؤں پڑتی ہے میرے دیکھ لے زنجیر ہنوز
خواب میں اس کی جو لیں رخ کی بلائیں میں نے پیچ کھاتی ہے پڑی زلف گرہ گیر ہنوز
منفعل کیوں نہ ہو تقصیر پہ اپنی قاتل شمع کے پاؤں پہ سر رکھے ہے گلگیر ہنوز
تکمہ یاقوت کا ہے اس کے گریباں میں کہاں قطرہ خوں ہے کسی کا یہ گلوگیر ہنوز
جلوہ گر ماہ نہیں واہ رے انجم فلک حشر سے رکھتا ہے لگائے قدح شیر ہنوز
کون کہتا ہے معلق ہے یہ سقف گردوں کہکشاں کا ہے لگا اس میں تو شہتیر ہنوز
وہ ترا طالب دیدار ہے اے صید فگن وار ہے کیوں نہ بھلا دیدہ نخچیر ہنوز
کون وحشت زدہ ہے رقص کناں زنداں میں صورت چشم سراپا ہے جو زنجیر ہنوز

تغیر تقدیر پہ نہیں ہونے کا وصل دلدار
اے ظفر تو عبث در پے تدبیر ہنوز

ہوا غم سے دل ناکام لبریز مے غم سے رہا یہ جام لبریز
میں وہ مے نوش ہوں پی جاؤں گر ہو سبوئے چرخ مینا فام لبریز
تری ہاتھوں سے جام بادہ عیش رہا کب گردش ایام لبریز
حنائی کیوں نہ ہووے دست صیاد کہ خون صید سے ہے دام لبریز

ظفر اشکوں سے اپنا کاسہ چشم
رہے ہے صبح سے تا شام لبریز

گر خوشی اس دل مغموم سے چاہی آمیز وصل میں ہجر تو مت کچھ الٰہی آمیز
رنگ پاں رونق دنداں مسی زیب ہوا معجز لب سے یہ سرخی ہے سیاہی آمیز
تری مژگاں کی پلٹن میں جواں سب پکھراٹ قوم کا اور نہیں اس میں سپاہی آمیز
کس کا پھرتا ہے مری آنکھوں میں ڈھانی جوڑا ہوگیا رنگ جواب اشک کا ہی کا آمیز

کبھی انکار تعشق سے کبھی ہے اقرار
اے ظفر کرتا ہے باتیں دل واہی آمیز

دیدہ دل کو نہیں جس بن کچھ اب منظور چیز ہوگئی پہلو سے میرے کون سی وہ دور چیز
ہے علاج زخم دل اس روئے روشن کی چمک روبرو اس کے نہیں کچھ مرہم کافور چیز
ہم تو ایمان تک بھی قرباں کرتے ہیں تجھ پر ابھی جان ہم تجھ کو نہ دیں ہے کیا بہت مغرور چیز
ہم شراب شوق سے مخمور ہیں اس کے مدام اپنے آگے کچھ نہیں ہے بادہ انگور چیز

اے ظفر فرق ایک مو اس بات میں ہرگز نہیں
زلف کے آگے سے کیا اس کی شب دیجور چیز

خط نہیں رخ پہ اس آئنہ تمثال کے سبز آئنہ بیچ ہے طوطی کے پر و بال کے سبز
کشتۂ زلف کے مدفن پہ تمہارے صاحب ہوگئے جل کے وہاں نخل سیہ جال کے سبز
سایہ سال کشت سے کھایا فلک چرخ نے زہر دیکھے گوشے جو ترے قرمزی رومال کے سبز
خط جاناں پہ دلا تو نہ ہو بے وجہ فقیر ورنہ پوشاک ترے پہنیں گے سب بانکے سبز
وہی وسماز ہے اے ہمدمو اپنا جس کے پوتھ کے چھلے ہیں قلیان کے مہنال کے سبز
بوسہ خط رخ یار کا جو پوچھا حال قرعہ انداز ہوئے دیکھتے ہی فال کے سبز

اے ظفر یار نے ابرو پہ لگایا وسمہ
دیکھتے چیز ہیں سب ماہ میں شوال کے سبز

سوئے خط کب ہیں دلآگر دیہ اس گال کے سبز
ڈورے صیاد نے ہیں رنگ دیئے جال کے سبز

جم گیا گوشہ ابرو پہ نہیں کچھ وسمہ
پھول پتے کے ہیں اس تیغ تہ نال کے سبز

کیوں پسند آئے نگیں نہ ہمیں قوس و قزح
واہ تحریر کھینچی پاس ہے کیا لال کے سبز

تیرے عارض پہ خط سبز ہے یا آئینہ
ہوگیا عکس سے طوطی کے پر و بال کے سبز

تیرے بیمار کا کیا چارہ کرے کوئی طبیب
رنگ ہو جائے ہے بس سنتے ہی احوال کے سبز

باندھی مدت میں جھڑی رونے کی مجنوں نے ترے
پھر ہوا دشت جنوں بعد کئی سال کے سبز

اس زمیں میں کوئی پڑھ اور غزل بھی رنگیں
ہو سخن کس کا ظفر آگے ترے قال کے سبز

سنگ سرمہ نے کیا یوں نگہہ یار کو تیز
جس طرح سنگ فساں کرتا ہے تلوار کو تیز

پا برہنہ ترا وحشی جو سر دشت آئے
تو کرے باد صبا خار سے ہر خار کو تیز

گل اسے دیکھ کے دیوانہ ہوا ہے قصدا
بلبلیں کیوں نہ کریں تیشۂ منقار کو تیز

نوک سبزہ کی نہیں کچھ سر مہمیز سے کم
پھر کیا تو نے وحشت کی جو رفتار کو تیز

نگہہ یار غضب ناک دوا دل کی نہ ہو
کر دوا دیجئے نہ اس طرح کی بیمار کو تیز

قیمت نیم نگہہ دیتے ہیں عاشق دو جہاں
کردیا عشق نے یہ تنگی بازار کو تیز

اے ظفر دیکھئے کیا ہو وہ سفاک جہاں
آج پھر دیکھتا ہے اپنے گرفتار کو تیز

اگرچہ منزل رشک قمر ہے دور دراز
پہنچتا اپنا بھی پیک نظر ہے دور دراز

خدنگ ناز سے کہہ دو کرو نہ کوتاہی
کہ عرصہ دل سے نہیں تا جگر ہے دور دراز

جو پہنچے ہیں کہیں مر مر کے تا سر منزل
عزیز وراہ عدم اس قدر ہے دور دراز

نہ روک تو ہمیں جانے دے تجھ کو کیا ناصح
بلا ہے راہ محبت اگر ہے دور دراز

سراغ پائے کوئی کیا کہ لے گیا دل کو
عدم سے بھی وہ خیال کمر ہے دور دراز

کہاں ہے نالہ کی طاقت کہ دم کو سینے سے
لبوں تلک مرے آنا سفر ہے دور دراز

خرام یار کے نزدیک ہے بہت نزدیک
وگرنہ فتنۂ محشر ظفر ہے دور دراز

کیجئے کیا خاک جلا کر دل بے تاب سی چیز
کشتہ ہووے تو یہ اکسیر ہے سیماب سی چیز

دیکھ پچھتائے گا تو چھوڑ نہ دل کو میرے
ہاتھ آئی ہے ترے مفت یہ نایاب سی چیز

چشم پر آب کو کرتی ہے مرے یہ اب تک خشک
دیکھ گرمی کہ سکھا دیتی ہے تالاب سی چیز

آبرو ہے ترے ابرو کو عرق سے کچھ اور
آب ہے تیغ میں بھی پر نہیں وہ آب سی چیز

جائے گا ہم سے نہ اس بوسہ لب کا لپکا
منہ لگی پہ کوئی چھٹتی ہے مے ناب سی چیز

موت سے دیکھ نہ غافل ہو ذرا آنکھ تو کھول
زندگی کہتے ہیں جس کو وہ ہے اک خواب سی چیز

کام زخم دل عاشق کو نہیں مرہم سے
اس پہ جراح لگا دے کوئی تیزاب سی چیز

رخ روشن سے ترے کیونکہ ہو روکش خورشید
کہ نہ وہ نوری شے اس میں نہ وہ ہے تاب سی چیز

چشم کو قدر نہیں اشک کی اپنے افسوس
خاک میں دے ہے ملا گوہر نایاب سی چیز

خوش ہوں یوں باندھ کے مضمون کمر تیرے
جیسے ہاتھ آئے کسی کے کوئی نایاب سی چیز

بے تمیزی ہے یہاں تک کے زمانے میں ظفر
نہ وہ تعظیم کی شے ہے نہ وہ آداب سی چیز

ردیف سین مہملہ

دل مرا لے کے کیا آپ نے واپس اجی بس
حوصلہ دیکھ لیا آپ کا بس بس اجی بس

ہم کو رخصت ہو کر بس آپ کی صحبت کے شریک
رات دن رہنے لگے سب کس و ناکس اجی بس

ہو چکا سیر طبیبوں سے مریض غم ہجر
جاؤ کی دیکھتے ہو گری ملمس اجی بس

ضعف سے بیٹھ گیا جوں روش نقش قدم
اٹھ گیا آپ کے کوچے سے وہ بے کس اجی بس بس میں دل

ناصحو کیجئے یہ پند و نصیحت موقوف
اور کے ہے میرا نہیں بس اجی بس

کیوں مقابل ہوئے تھے حضرت دل عشق کے تم
ہو چکا آپ کا اتنے ہی میں دم کس اجی بس

ہم بھی رکھتے ہیں زباں منہ کو سنبھالو اپنے
گالیاں دے چکے ایک بوسہ پہ دس دس اجی بس

پوچھو مت حضرت ناصح مرا آ کر احوال
سن کے مغموم نہ ہو خاطر اقدس اجی بس

تاروں نے جو باندھا تو نہ توڑا ہم نے
ہم سے ہر چند وہ کہتے رہے نس نس اجی بس

خاک اس در کی ہے اپنے تن عریاں کا لباس
ہمدمو چاہئے کیا مخمل و اطلس اجی بس

پیچ یار کے باندھو گے مضامیں کب تک
اے ظفر سن چکے ہم بند مخمس اجی بس

مژگاں سے کس کی چھد گئے نشتر جگر کے پاس
روزن جو سیکڑوں ہیں اب جگر کے پاس

کھینچا کشش نے دل کی جو قاتل کے ہاتھ
پہنچا ہے سینہ چیر کے خنجر جگر کے پاس

چاک جگر سے آگ جو نکلی تو چارہ گر
ہاتھ اپنا لاسکے مرے کیونکر جگر کے پاس

ڈھونڈھوں ہوں کیا کہ سینہ میں ہے اسکے تیر کا
اک گھر ہے دل کے پاس تو اک گھر جگر کے پاس

دعویٰ ہے دل کے خوں کا بجا عشق سے کہ ہے
موجود مہر داغ سے محضر جگر کے پاس

دونوں گداز عشق سے بہہ جائیں ہو کے آب
آہن جو دل کے پاس ہو پتھر جگر کے پاس

آئے شرر جگر سے نکل دل کے متصل
یا شعلہ پہنچے دل سے نکل کر جگر کے پاس

دل میں تو کچھ نہیں ہے دم و دود اے ظفر
اک آہ رہ گئی ہے فقط اک جگر کے پاس

بلتی کہاں وہ زلف کے خال دہن کے پاس
مار سیاہ کھلاتے ہیں اپنے من کے پاس

اے دل کیا ہے خضر نے یہ چارہ پر گذر
اس کو سمجھ نہ سبز خط اس کے ذقن کے پاس

دیکھے اگر ترے قد دلجو کو باغ میں
قمری نہ پھٹکیا آن کے سرو چمن کے پاس

تحریر سے مسی کے و دنداں میں خوشنما
کیا طرفہ نیلوفر ہے کھلا یاسمن کے پاس

دل میں ہے اپنے حسرت نظارہ چمن
صیاد رکھ قفس کو ہمارے چمن کے پاس

ابر سیہ ہے سیر چمن ہے کنار جو
اس وقت چلئے ساقی پیماں شکن کے پاس

دیکھے جو خال عارض سیمیں یار کو
بھونرا پھرے نہ جاکے گل یاسمن کے پاس

پوچھے ہے کوئی عاشق کو ہم نشیں
جو زر رکھے وہ جائے بت سیمتن کے پاس

گر حادثات دہر سے غم ہے تو اے ظفر
کر جا لے التجا شہ خیبر شکن کے پاس

چشم کے گرد نہیں حلقہ مژگاں اس کی
آتے ہیں لوگ عیادت کو یہ بیمار کے پاس

دیکھ اے ابر بہاری تو نہ کر ہم چشمی
لعل و گوہر ہیں مرے دیدہ خونبار کے پاس

جالگی پہ جو بھونرا ہو تو کچھ دور نہیں
دیکھو ہے داغ جگر میرے دل زار کے پاس

ملکوس کیوں نہ ہو آزاد محبت تجھ پہ
قبر عاشق کی ہے ظالم تری دیوار کے پاس

حلقہ زلف اس ابر کے نہ ہو کیونکر قریب
رکھی قاتل کو سپر چاہیے تلوار کے پاس

سوزش عشق میں دل کیوں نہ ہو بیتاب ظفر
جانے دیتا نہیں کوئی مجھے اس یار کے پاس

آبلہ پیدا ہوا داغ دل مضطر کے پاس   چاہیے تھا واقعی شیشہ بھی یاں ساغر کے پاس
زلف آشفتہ نہیں خال رخ دلبر کے پاس   شاغل بلبل باغ میں طرفہ ہے نیلوفر کے پاس
جیسے دل کے متصل رکھتا ہوں میں تصویر یار   اور ہی صورت کا جلوہ ہے خدا کے گھر کے پاس
دل عبث ہم نے دیا ہے اے بت کافر تجھے   لعل کی کیا قدر ہو جب تجھ سے ہو پتھر کے پاس
میں تو سایہ سے بھی اس کے مانگتا ہوں الحذر   ہو جو دیوار نہ سو جاوے اس پری پیکر کے پاس
ابر کی کیفیتیں خالی ہیں ہمیں بھاتی نہیں   بادہ گلگوں سے شیشہ رکھ دے ساقی بھر کے پاس
زلف کے کشتے کا تیر ہے جہاں مدفن وہاں   جا نہیں سکتا کبھی کالا بھی مارے ڈر کے پاس

آفریں تجھ کو ظفر ہو کیوں نہ شاگرد نصیب
اس غزل کو جا کے پڑھ ہر ایک دانشور کے پاس

خوش کیوں نہ ہو مرغ فلک دماغ قفس   ہزار حیف کے ہو ہم صفیر داغ قفس
قفس کے چاک میں گل رکھ کے مت اٹھا صیاد   کہ بہر بلبل شیدا ہے یہ چراغ قفس
قفس سے چھوٹ کے پہنچوں اگر چمن کے قریب   برنگ لالہ رہے دل پہ واں بھی داغ قفس
وبال جان ہوئی مجھ کو فارغ البالی   دکھا دے دور سے مجھ کو سوئی سراغ قفس

ظفر نہ کیونکہ اسیری کے ہاتھ سے ہوں تنگ
بہ از چمن ہے مجھے گوشہ فراغ قفس

ہے بوقلموں جلوہ رنگ پر طاؤس   نیرنگی گل کب ہے برنگ پر طاؤس
روکش خط سبز اس کے سے ہے یہ دل پر داغ   ہے طوطی خوش رنگ سے جنگ پر طاؤس
کیفیت داغ پر طاؤس نہ پوچھو   جو داغ ہے سو ساغر رنگ پر طاؤس
کیا چاہیے ہے مورچھل اب بال ہما کا   درویش ہوں مجھ کو نہیں ننگ پر طاؤس
شاہین نگہ اپنی اڑا اس پہ تو اے صیاد   پرواز میں ہے عرصہ تنگ پر طاؤس

لکھتا ہوں غزل اور یہ تبدیل قوافی
نظروں میں ظفر کہتا ہے رنگ پر طاؤس

پیکر ہو مرا کیونکہ نہ ہم پیکر طاؤس   ہر داغ مرے تن پہ ہے رشک پر طاؤس
خال اس کے خط سبز سے رخ پر ہے مقابل   کس منہ سے ہوا زاغ یہ اب ہم سر طاؤس
ہوں کیونکہ زمیں مائل نظارہ ساقی   گلدستہ سے کیا کم ہے ہر ایک شہپر طاؤس
دیکھے ہے سوا جلوہ قدرت کا تماشا   جوں آئینہ واں کیوں نہ ہو چشم پر طاؤس
اے ابر شتاب آ نہ گھٹا جی کو تو اس کے   کرتا ہے صدا نالہ دل مضطر طاؤس
جو داغ بدل ہے وہ ہے سلطان محبت   رہتا سر طاؤس پہ ہے افسر طاؤس

داغوں سے ظفر کیوں کر نہ ہر پر پہ ہوں مہریں
صیاد جفا پیشہ پہ محضر پر طاؤس

پونچھ کر اشک وہ کہتے رہے ہر بار کہ بس   ہم نے پر باندھ دیا رونے کا یہ تار کہ بس
ہم ہوئے سب کو یہ نالاں پس دیوار کہ بس   کھول کر غرفہ لگے کہنے وہ ناچار کہ بس
خوف آتا ہے ترے جعد میں موباف کو دیکھ   کیا نکالے ہے زباں اپنی سیہ مار کہ بس
جان و دل تاب و تواں ہوش و خرد صبر و قرار   لے چکے اور بھی کچھ ہے تمہیں درکار کہ بس
دیکھتا ہی نہیں تصور کو جا یوسف کی   اس کے ہے حسن کا البتہ یہ پندار کہ بس
ہاتھا پائی میں جو کل ٹوٹ گیا ہار ان کا   اس قدر میرے گلے کے وہ ہوئے ہار کہ بس
ہوگیا سینہ مشبک ترے تیروں سے تمام   کر تری مرضی ہے کیا اور بھی اے یار کہ بس
جام و مینا و سبو کیا ہے چڑھا جائیں گے   ساقیا منہ سے نہیں کہنے کے میخوار کہ بس

اے ظفر دل ہو نہ کس طرح سے مضطر بطرح
آج اس طرح کا دیکھا ہے طرحدار کہ بس

جائے سب جائے پر اک یاں وہ نہ آئے افسوس
واقعی سچ ہے کہ یہ جانے ہے جائے افسوس

خط سے بھی ہوتی ہے تسکین کہ آدھا ہے ملاپ
وہ کبھی خط بھی نہ لکھے مجھے ہائے افسوس

حال سن سن کے مرا خلق ہو افسوس کناں
پر زباں پر تری افسوس نہ آئے افسوس

زخمی تیغ دل کو کیا کس نے کہ آہ
ہر لب زخم سے نکلے ہے صدائے افسوس

لگے سینے سے وہ اپنے نہ لگایا مجھ کو
سینہ ریش پہ مرہمیں ہی لگائے افسوس

گر لکھوں اس کو نہ کر آتش حسرت سے کہا
اور انگاروں پہ ہے مجھ کو لٹائے افسوس

نہ تو کچھ دل میں ظفر اب ہے بغیر از غم و درد
اور نہ کچھ لب پہ بجز حیف و سوائے افسوس

کیا ہوا میں نے کیا اپنے اگر جاناں سے الس
رکھتا ہے انسان جہاں میں ناصحا انسان سے الس

ناوک افگن میرے سینے سے نہ تیر اپنا نکال
ہوگیا ہے دل کو میرے تیر کے پیکاں سے الس

جی نہیں لگنے کا گلشن میں بھی جاؤں میں اگر
بس کہ مجھ کو ہوگیا ہے کلبہ احزان سے الس

طرفہ گریہ ہے ہمیشہ دیدہ تر کو مرے !!
آستیں سے ربط ہے یا گوشہ داماں سے الس

ساتھ ہی میرے رہے گا دیکھنا بعد از وصال
ہے نہایت ہی مجھے تیرے غم ہجراں سے الس

اس پری کو کوئی بھاتا ہے ہر اک انسان بھلا
جبکہ انسان کیا نہ رکھے وہ فرشتہ خان سے الس

تیرا مجنوں کیا کوئی دیوانہ تصویر ہے
اے صحرائے الفت نہ اسے زنداں سے الس

تم نہ ہو پیارے رقیب رشک خصلت سے انیس
چاہیے ہرگز نہیں انسان کو شیطاں سے الس

ہو نہ گر رسم خط پیغام ان سے اے ظفر
ان کو پھر معلوم ہووے اپنا کس عنواں سے الس

برق جہاں کی آگ لگ اٹھی بدن کے پاس
میری ہنسی جو نالہ آتش فگن کے پاس

کب بزم انبساط بہم اس میں ہوسکے
ہے خیمہ کبود جو چرخ کہن کے پا

اے دل کیا ہے خضر نے یہ چارہ پرگذر
تحریر خط سبز نہیں اس دہن کے پاس

پھولے نہ پیرہن میں سمائیں گے مثل گل
پہنچے گر اب کی اس بت گل پیرہن کے پاس

اپنا ت بعد مرگ بھی ہے عالم جنوں
سوزن کا کام کیا مرے چاک کفن کے پاس

تحریر سے مسی کی وہ دنداں میں خوشنما
کیا طرف نیلوفر ہے کھلا یاسمن کے پاس

دیکھے اگر ترے قدم دلجو کو باغ میں
قمری نہ پھٹکے آن کے سرو چمن کے پاس

ہیبت سے ہو وہیں وہیں سینہ جرس
اے کبھی جو میرے دل نعرہ زن کے پاس

اس بحر میں اک اور غزل پڑھئے اے ظفر
رکھتا ہے کون دل سے یہ موتی سخن کے پاس

زلف آگئی صبا سے وہ خال دہن کے پاس
مار سیاہ کھیلے ہے گیا اپنے من کے پاس

دل میں یہاں ہے حسرت نظارہ چمن
صیاد رکھ قفس کو ہمارے چمن کے پاس

ابرو کے پاس حل نہیں کاجل کا ہے بنا
یہ حلقہ سپر ہے بت تیغ زن کے پاس

کل وہ گلے جو عاشق بیمار کے لگا
اس کی طپش کی گرمی جو پہنچی بدن کے پاس

بولا کہ مجھ کو تاب نہیں اب یہ حال ہے
شب جیسے شمع جلتی شمع لگن کے پاس

گر حادثات دہر سے غم ہے تو اے ظفر
کر جا کے التجا شہ خیبر شکن کے پاس

آبلہ سینے پہ ہے میرے دل زار کے پاس
یا کہ شیشہ ہے دھرا ساقی سرشار کے پاس

خال ابرو و نہیں چشم بت عیار کے پاس
نیلوفر ہے یہ کھلا نرگس بیمار کے پاس

یارو یہ مار سیہ کھیلے ہے من سے اپنے
خال رخ پہ نہیں واں زلف نگونسار کے پاس

حلقہ زلف اس ابرو کے نہ کیونکر ہو قریب
رکھی قاتل کو سپر چاہئے تلوار کے پاس

تپ ہجر سے دل کیوں نہ ہو مضطر کہ ظفر
آنے دیتا نہیں ظالم مجھے دیوار کے پاس

فرق سے وہ بے ادب اٹھ اپنے جا بستر کے پاس
ایک تکیے پہ نہ رکھ سر تو ہمارے سر کے پاس

چاہ میں اس یوسف ثانی کی مر جاؤں اگر
مجھ کو رکھ دیجو عزیزو تم اسی دلبر کے پاس

کچھ بھی پاس آبرو ہے تجھ کو اے طفل سرشک
دامن مژگاں سے الجھا میری چشم تر کے پاس

لب شیریں کو ترے چاٹ کے رس چشم نگس
میٹھی نظروں سے پیے جائے ہے بس چشم نگس

میں وہ لاغر ہوں کہ بن جائے مرا خس خانہ
اپنی مژگاں سے اگر دے مجھے خس چشم نگس

لب کا حل لفظ مقام ہے ولے چاہ ذقن
ہے حریفا نہ نظر سوئے مگس چشم نگس

تک چشنی تجھے ہو کیونکر نہ اے اہل ہوس
تو مگس اور تیری چشم ہوس چشم نگس

ورنہ وہ کھاتے ہیں اس طرح چھپا کر کھانا
جائے ہے دیکھنے کو اس کے ترس چشم نگس

تک آیا ہوں اسیری زبس اے صیاد
نظر آئے مجھے کنج قفس چشم نگس

اشک خال لب شیریں سے ظفر اس کے نہ ہو
نگراں سوئے شکر لاکھ برس چشم نگس

ردیف شین معجمہ

بھولا نہ تجھے یہ کبھی اس یاد کو شاباش
شاباش ہمارے دل ناشاد کو شاباش

ہر روز ستم تازہ ہے ہر روز نیا ظلم
اے شوخ ستمگر تری ایجاد کو شاباش

گویائی اگر ہووے لب زخم جگر کو
اتنا کہے اس خنجر بیداد کو شاباش

نازک ہے تو کس کام کا ناصاف ہے گر دل
فولاد بنا آئینہ فولاد کو شاباش

الحمد للہ کہ ہوئی اتنی تو تاثیر
کہتے ہیں وہ سن کر مری فریاد کو شاباش

یہ قتل کا ہے شوق کہ اڑ جائے اگر سر
پیدا ہو صدا حلق سے جلاد کو شاباش

مرغ چمن قدس کو اس دام سے کیا جائے
پر کھینچ ہی لایا مجھے صیاد کو شاباش

کیا طرز وفا عشق سے سیکھا ہے دلا واہ
شاباشا تجھے اور ترے استاد کو شاباش

مرمر کے ہوئے داخل جنت بنی آدم
پر چھوڑ نجائے پدر اولاد کو شاباش

آسان نہیں سنگ پہ سر مار کے مرنا
کیا کام کیا عشق میں فرہاد کو شاباش

ہیں لاکھوں خیالات میں فکر سخن اپنا
تیری ظفر اس طبع خداداد کو شاباش

بالش کہاں ہے اور کدھر شوخ سنگ فرش
ہے خشت جائے تکیہ ہمیں اور سنگ فروش

بستر پہ کیوں تڑپ کے نہ شب کو کروں سحر
تجھ بن دلائے ہے مجھے کیا کیا ترنگ فرش

سیکھی ہے آہ کس سے شرارت یہ شمع بزم
شب کر دیے جو تو نے جلا کر پتنگ فرش

ساقی کھینچ کر چادر مہتاب نے کیا
کیا چاندنی کا چرخ پہ یہ بید رنگ فرش

مجنوں کو بغیر محمل سبز میان دشت
بھاتا نہیں مجھے سبب خار و سنگ فرش

خار مژہ سے ڈری نہیں تیری راہ میں
آنکھوں کو اپنی کیجے اے خانہ جنگ فرش

ہر نقش پا پہ از گل قالیں ہے تیرا آہ
ہو کیوں نہ خاک کو ہے تری بارنگ فرش

پھولوں کی سیج پہ مجھے بن تیرے کیا ہو چین
مارے ہے تن میں ہر رگ گل سے خدنگ فرش

ہیں اے ظفر جو خاک نشینان کوئے دہر
کلاہ ہے خاک کا انہیں جائے پلنگ فرش

مشتعل اور ہو کیا خانہ حق پہ آتش
عشق کی ہے دل پہ درد قلق پہ آتش

رشک رنگ مسی و پان سے ہے شعلہ رخسار
کیا عجب جاکے لگے شام شفق پہ آتش

تو چمن میں نہ ہو سرگرم فغاں بلبل زار
رکھ نہ دیا کہیں ہر گل کے ورق پہ آتش

عرق آلودہ ترا دست خابستہ نہیں
ہے یہ قربان ترے تو سن کے عرق پہ آتش

ذوق قلیاں کشی اس ماہ جبیں کو ہے ظفر
مہر نکلا جو سحر رکھ کے طبق پہ آتش

دل کو کیا دوں تجھے اے گبرو مسلمان فروش
دیکھ اوروں کی طرح ہیں نہیں ایمان فروش

دولت عشق سے رکھتا ہوں جوا ہر خانہ
چشم دریا ہے مری گوہر و مرجان فروش

وہ یہ کہتا ہے کہ آہنگ شب خوں کیجئے
نظر آجائے جو کوئی مسی و پان فروش

بلبل شیفتہ ہوں کنج قفس میں میرے
شاخ گل رکھ دے ذرا اے گل بستان فروش

مفت ہے کیجئے اگر نیم نگہ مژگاں پہ اشک
میں ہوں بازار محبت میں دل و جان فروش

چشم کیونکر نہ رکھے موجہ مژگاں پہ اشک
مردماں ایک ہی ہے درغلطان فروش

نقد دل لے کے دیا بوسہ لب کیا اس نے
خود لگا کہنے کہ ہوں لعل بدخشان فروش

ہدف تیر قضا جلد کہیں ہو یارب
جتنے ہیں کوچہ دلدار میں پیکان فروش

روز و شب قرص مہ و مہر لیے پھرتا ہے
اے ظفر کیوں نہ فلک کو کہیں ہم نان فروش

وہ چشم ہو کیونکر سحر و شام فراموش
میں مست ہوں مجھ سے وہ کہاں جام فراموش

ہو جس سے کہ اک بار مرا نام فراموش
وہ یاد و عالم سے ہوا کام فراموش

کس وجہ سے جاوے یہ پریشانی دل آہ
ہوتی نہیں وہ زلف سیہ فام مراموش

لے سر پہ وبال اپنے اسیروں کا نہ صیاد
اتنا بھی سہو رکھ کے تہ دام فراموش

جس کام کو آئے تھے یہاں ملک عدم سے
افسوس کہ وہ ہم سے ہوا کام فراموش

اک میں بھی ترے دور میں ہوں بد سبوکش
تو مجھ کو نہ کر ساقی گل فام فراموش

ہو یاد ترے کعبہ رو کی نہ مجھے کیوں
کافر ہوں جو دل سے کروں اسلام فراموش

اس نرگس مخمور کا رکھتا ہوں تصور
ہے جیسے خیال گل بادام فراموش

آرام و قرار و خرد و ہوش وہی ہے
کیونکر ہو ظفر دل سے دل آرام فراموش

نہیں قمری کی طرح سرو گلستان پہ غش
شکل پروانہ میں ہوں اس شمع شبستان پہ غش

نہ تو سنبل پہ ہوں میں اور نہ ریحان عشق
میں ہوں اس گل کے خط و کاکل پیچان پہ غش

جلوہ شام و شفق خوش نہیں آیا مجھ کو
دل مرا ہے ترے رنگ مسی و پان پہ غش

دیکھو تم لخت جگر سے مری مژگاں کی نمود
یارو کس واسطے ہو سرو چراغاں پہ غش

سامنے اس کی نہ کے نہیں سیکس ہے خدنگ
لب سوفار بھی ہے اس لب خنداں پہ غش

جس نے اے شوخ ترے دست حنائی دیکھے
ہو وہ کس رنگ بھلا موجہ مرجان پہ غش

روز تم باندھتے ہو مجھ پہ خوشی سے بہتان
جان ہوتی ہے مری آپ کے طوفان پہ غش

ربط کچھ دست جنوں ہی کو گریباں سے نہیں
خار صحرا سے جنوں بھی ہوئے داماں پہ غش

مہ و خورشید سے کچھ مجکو نہیں ہے مطلب
ہیں تو دل سے ہوں ترے عارض تابان پہ غش

ظفر مدام یہ ساقی سے اپنے کہتا ہے
بلور کا تو دکھا ساغر شراب تراش

گھر میں اس کے جاکے پھر کس کو رہے ہے گھر کا ہوش
نہ خبر تن کی رہے ہے اور نہ ظالم در کا ہوش

سیج پر پھولوں کی واں ساتھ ہے اور کے سوتا ہے وہ
تجکو یاں درد جدائی سے نہیں بستر کا ہوش

واعظا قول قیامت سے ڈراتا ہے مجھے
یاد میں اس فتنہ گر کی کس کو ہے محشر کا ہوش

سیکڑوں ساغر چڑھائے اور نہ بہکا تس پہ وہ
ہم نشیں تو دیکھ تو اب اس بت کافر کا ہوش

دام میں صیاد وش وہ میرے جب سے ہے اسیر
عندلیب دل کو ہے میرے نہ بال زیر کا ہوش

جب ہوا لے کر مقابل عشق فوج درد و غم
اڑ گیا عیش طرب کے بس وہیں لشکر کا ہوش

نامہ اعمال پر اپنا نہیں کرتا نظر
ظفر پڑھنے کا تجکو عشق کے دفتر کا ہوش

ہمیشہ باندھے ہیں ساغر شراب کو آتش
بڑے ہی جھوٹے ہیں کہتے ہیں آب کو آتش

برشتہ دل کو نہ کر اس قدر تو سوزش عشق
جلانہ دیوے زیادہ کباب کو آتش

جلایا جلوے نے اس کے دل و جگر میرا
لگیں نہ کیوں کہ رخ پر عتاب کو آتش

لکھوں ذرا بھی اگر اپنی شرح سوزش غم
تو ایک دم میں لگ اٹھے کباب کو آتش

وفور اشک میں ہے چشم خون دل سے سرخ
لگی ہے ابحر میں جاکر غراب کو آتش

دیا ٹھہرنے نہ کوچے شعلہ خو کے ہمیں
فلک لگے ترے اس انقلاب کو آتش

جلایا اس نے مجھی کو ہے کاش کے یارب
لگا دے اس دل خانہ خراب کو آتش

الٰہی کس نے یہ کھینچی ہے آہ آتش ناک
کہ جس سے جاکے لگی آفتاب کو آتش

عجب نہیں کہ ظفر برق آہ آتش بار
لگانے دوش ہوا پر سحاب کو آتش

جو کہ سینے میں ہے داغ دل سوزاں کی طپش
وہ نہ ہو حشر کے دن مہر درخشاں کی طپش

خاک پر مرے خس و خار نہ کیونکر جل جائیں
اب تلک دل میں ہے سوز غم پنہاں کی طپش

ہم نے گو آنکھوں سیرو رو کے بہائے دریا
پر بجھی پر نہ بجھی ہاں غم جاناں کی طپش

نبض پر رکھتے ہی انگشت پھپھولا پڑ جائے
اے طبیبو وہ بلا ہے تپ ہجراں کی طپش

نہیں معلوم یہ کیا عشق نے بھڑکائی آگ
پھونکے دیتی ہے مجھے میرے دل و جاں کی طپش

لکھ یہ تبدیل ردیف اور غزل گرم ظفر
جس کو ہوئی کے زیادہ دل یاراں کی طپش

جگر و دل میں ہے وہ نشتر مژگاں کی خلش
نہ سناں کی جسے پہنچے ہے نہ مژگاں کی خلش

بن ترے بستر گل پر مرے حق میں اے گل
ہر رگ گل میں ہے اب خانہ مغیلاں کی خلش

دیکھتا جوش جنوں ہے مرے سینے پہ سوار
نیش زنبور بھی ہے تار گریباں کی خلش

تن پہ ہر مو ہے مرے نشتر زہر آلودہ
دل میں جس دم سے ہے نیش غم جاناں کی خلش

تم ہو اور غیر ہیں اب اور ہے گل گشت چمن
ہم ہیں اور آبلہ اور خاربیاں کی خلش

گوشہ بالی کی مرے دل میں چبھی ہے جس طرح
نیش کژدم میں ہے کا ہے کو اس عنواں کی خلش

اے ظفر نشتر الماس سے بھی ہے افزوں
دل عشاق میں خار غم ہجراں کی خلش

مغاں اگرچہ ہے یہ موسم بہار تو خوش
بغیر بادہ نہ ہوں ایک میگسار تو خوش

خوشی سے ہنستے ہیں گل گرچہ روتی ہے شبنم
بلا سے ایک ہے ناخوش تو ہیں ہزار تو خوش

پھرا نہ ملک عدم سے کوئی ہزار افسوس
کہ اس سے پوچھتے بتلاؤ ہیں گئے یار تو خوش

ہوئے وہ داغ جگر دیکھ کر مرے برہم
وگرنہ آئے ہے یاں سیر لالہ زار تو خود

بلا سے گر دل پرخوں ہوا مرا پامال
لگا کے پاؤں میں مہندی وہ ہے نگار تو خوش

اگرچہ مرنے سے میرے ہے ہر اک جہاں غمگین
پر اس کو سن کے ہوا وہ جفا شعار تو خوش

تو اپنے رخ سے نہ کردور سبز خط کو
کہ لگتی آنکھوں میں ہے سیر سبزہ زار تو خوش

زمانہ ہجر کا ہے ایک خط لاکھ برس
اگرچہ وصل کے ہیں دن نہ تین چار تو خوش

غزل لکھ اور بھی تبدیل قافیہ میں ظفر
اس ایک بحر میں ہیں شعر آب دار تو خوش

بھی ہے دور فلک ہو چکا جہاں تو خوش
کہ اس کے ہاتھ سے ہو کوئی ایک آن تو خوش

غم و الم بھی تمہارا مجھے غنیمت ہے
کہ اس خیال میں رہوے گی میری جان تو خوش

اگرچہ ظلم و ستم ہیں بتوں میں سب ناخوش
بلا سے آتی ہے دل کو ادا و آن تو خوش

ہزاروں ہوگئے دل خون ایک بات میں آہ
تم اپنے جی میں ہوئے ہوگے کھا کے پان تو خوش

اگرچہ دل مرا جوں غنچہ تنگ تھا تم سے
پر آگیا ترے ناوک کو یہ مکان تو خوش

اگرچہ دل میں ہے عیار تیرے بے مہری
مگر دکھانے کو لوگوں کے ہے زباں تو خوش

اڑا کے لے نہ گئی اس گلی میں مجھ کو صبا
ہوا تھا ضعف سے میں اپنے ناتوان تو خوش

رہا ہو آپ بھی گردش میں قیامت تک
ملا کے خاک میں مجھ کو آسمان تو خوش

ظفر شکیب و تواں پیشکش کر اس غم کا
کہ ہووے دل میں بلا سے یہ میہماں تو خوش

قسم خدا کی وہ ہے تیری شوخ و شنگ تراش
کہ بت تراش نہ ایسا نہ کوئی سنگ تراش

جو اس طرح سے ہے مشق ستم تجھے منظور
قلم کی طرح مرے سر کو خامہ جنگ تراش

اگرچہ حور پری حسن میں ہیں اب مشہور
دلے کہاں سے تمہارا سا رنگ ڈھنگ تراش

کہاں ہیں قطرہ خوں چشم میں کہ عشق اس کا
یہ لایا موتی کے دانے ہیں ایک رنگ تراش

جو اس کے ناوک مژگاں کا وصف لکھتا ہے
تو اے ظفر کوئی تو خامہ خدنگ تراش

کیوں نہ یہ سن کر کھڑے ہوں باغ میں بلبل کے گوش
صبح دم شبنم نے یکسر بھر دیے ہیں گل کے گوش

منہ سے کیا اپنے نکالیں بات ہم ڈر ہے یہی
ہیں لگے رہتے ادھر کوان دونوں توکل کے گوش

یا تو اے زاہد ہمیشہ چار قل سنتے تھے ہم
یا لگے رہتے ہیں اب آواز پر قلقل کے گوش

گوش بر آواز ہیں غماز یارو رات دن
ہوسکے تو بند کردو اس کے تم مل جل کر گوش

ہووے زیور کا تحمل کیوں کر اس کے کان میں
ٹوٹیں جس نازک بدن کے بوجھ سے کاکل کے گوش

چشم میگوں سے نہ اس کی ہوسکے ہم چشم دیکھ
ساقیا کھول دے محفل میں جام و مل کے گوش

اے ظفر اک بات میں مقراض فکر تیز سے
کترے ہے وقت سخن تو طالب آمل کے گوش

نہ تجکو عشق میں ہے جان کا نہ تن کا ہوش
اگرچہ ہے تو ہے اپنے ہی گلبدن کا ہوش

کیا جو مار کے ذبح اس نے تجکو چوکھٹ میں
غضب ہی ہے مرے قاتل تیغ زن کا ہوش

بدن پہ عاشق وحشی کے کے خاک کافی ہے
جنوں کے جوش میں ہے کسی کو پیرہن کا ہوش

چمن ہے گریہ خونی سے تختہ دامن
وگرنہ کس کو ہے نظارہ چمن کا ہوش

ارادہ تھا کہ کہیں گے ہم اس سے حال اپنا
رہا نہ دیکھتے ہی اس کے پر فن کا ہوش

خبر بجوز جو دے آکے مرگ شیریں کی
تو پھر کہاں سے بجا رہوے کوہکن کا ہوش

ظفر وہ ہوش ربا اک نگاہ ناز کے ساتھ
اڑا کے لے گیا عشاق خستہ تن کا ہوش

ساقی نہ دکھا بزم میں تو جام کی گردش
یاد آتی ہے چشم بت خود کام کی گردش

پھرتی ہے مری خاک بگولے میں ہمیشہ
اب تک بھی مرے ساتھ ہے ایام کی گردش

اک شب نہ مرے پاس وہ آیا مہ تاباں!
گردوں نے نہ کی ایک مرے کام کی گردش

آنکھوں کے تصور میں تری صاف ہے لکھا
خامہ نے مرے جب دم ارقام کی گردش

مے بھرتے ہی ساقی کے ظفر ٹوٹ گیا جام
قسمت میں ہی بھی بد ہے آشام کی گردش

نہ ملک پر ہے ظفر اور نہ مال و زر کی تلاش
نظر کو اپنی ہے اک شوخ خوش نظر کی تلاش

ہمیشہ پیک تصور رہا مرا قاصد
کبھی ہوئی نہ مجھے مرغ نامہ بر کی تلاش!

چمکتی ابر میں ہے برق سے کشو لو جام
حریف تیغ بکف ہے کروپر کی تلاش

ہمارے طائر دل کو اڑا کے اے صدقے
جو تم کو بہر تصدق ہو جانور کی تلاش

سراغ پا سکے عنقا کا کس طرح کوئی!
مجال کس کی کرے جو تری کمر کی تلاش!

عیاں ہے دیکھ سر نیزہ اب سر عاشق
تجھے ہے نخل محبت کے گر ثمر کی تلاش!

خیال چھوڑیے دنیا کا کیجئے دین کا فکر
تلاش ادھر کی ہے کیا چاہیے ادھر کی تلاش!

جسے تلاش ہے مضموں کی جانتا ہے وہ
کہ ہے تلاش سے سب کی جدا ظفر کی تلاش

کرتے ہیں بہت صاحب تدبیر پس و پیش
پر دیکھیے کیا کرتی ہے تقدیر پس و پیش

دل پہلے پھنسا زلف میں جاں جعد کے پیچھے
دونوں ہوئے وابستہ زنجیر پس و پیش!

جب تک کہ رہا دم میرے دل سے رہے راہی
آہ سحر و نالہ شب گیر پس و پیش!

کر دیکھو قاصد کہ نہ تجھے ہوش گنوائے!
کچھ خط میں اگر حرف ہوں تحریر پس و پیش!

دم جائے گا ساتھ اس کے پرائے مرگ کوئی دم
شاید ہو تری باعث تاخیر پس و پیش!

یکساں ہے سر پشت سر سینہ ہے سو فار
کیا خوب برابر ہے ترا تیر پس و پیش

ہر روز ترے ساتھ ہے اے سرو خراماں!
سائے کی طرح عاشق دلگیر پس و پیش

دل حسن کا ہے روشن وہ ظفر صورت خورشید
یکساں ہے سدا باعث تنویر پس و پیش

ہر طرح غیر کی دل جوئی ہے معقول چہ خوش
ہم سے ہر بات پہ بد خوئی ہے معقول چہ خوش

بات معقول کہوں میں تو کہے طرز سے وہ،
تو اتالیق مرا کوئی ہے معقول چہ خوش

دل ہوا اس کا سوا اور مکدر ہم سے
گرد کیں گریہ نے کیا دھوئی ہیں معقول چہ خوش

جو نہ کہنا تھا کہا منہ سے وہ تم نے ہم کو
واہ کیا آپ کی کم گوئی ہے معقول چہ خوش

گریہ ہے ختم فقط سوختہ جاں پہ مری!
کہتے ہیں شمع بھی کچھ روئی ہے معقول چہ خوش

آگے اس زلف سمن سا کے چمن میں سنبل!
کہتے ہیں مجھ میں بھی خوشبوئی ہے معقول چہ خوش

واہ ہم پوچھیں رہ عشق کو مجنوں سے ظفر
عمر کیا ہم نے یوں ہی کھوئی ہے معقول چہ خوش

یہ فریب آئے ہمیں ساقی کم ظرف کے پیش
کرتا افغاں کو ہے بدلے قدح ذرف کے پیش

پیش آوے گا وہ تو خط کہیں خونریزی سے
کر بنانا ہے خط نسخ میں شنگرف کے عوض

ہو دم بحث نہ کیوں زیر و زبر و جاہل!
کہ پڑھے زیر ہو جو قاعدہ سے صرف کے پیش

اس نے عشاق خنک دل کا جو پوچھا احوال!
کر دیے ہم نے بھی دو چار ڈلے برف کے پیش

تار زر کے ترے اطراف کلہ پر ہیں حرف!
اور تابندہ ہیں ان حرفوں پہ ہر طرف کے پیش

لاکھ چمکائے فلک خط شعاع خورشید!
تاب کیا ہو سکے رتبہ سے جو ایک حرف کے پیش

بول اٹھا ہے بڑا بول جو کم ظرفی سے
ظفر آ جاتا ہے آخر کو وہ کم ظرف کے پیش

ردیف صاد مہملہ

بجز ادو ستم کچھ نہیں ترا اخلاص!
یہی ادا ہے تو بس ہو چکا ادا اخلاص

بسان آئینہ مشتاق دیدہیں تیرے
کچھ اور کہتے نہیں تجھ سے باصفا اخلاص

یہ کیا طرح ہے مرے دلربائے ہرجائی
کشیدہ ہم سے ہے تو اور جا بجا اخلاص

بگوش دل اسے تم سن لو ہے گل خوبی!
برنگ بلبل شیدا ہوں یاد با اخلاص

قسم ہے تجکو تمہارے کہ منہ نہ دیکھوں گا!
کیا جو اور کسی سے مرے سوا اخلاص!

عجب طرح کا زمانہ یہ آ گیا ہے ظفر
کسی کے ساتھ کسی کو نہیں ذرا اخلاص

ج دیکھے داغ دل خانماں خراب کا قرص
تو جل کے سوختہ ہو جاوے آفتاب کا قرص

ہمارے مردمک دیدہ پر آب کو دیکھا!
بھنور کا بحر میں کب ہے اس آب و تاب کا قرص

تپ فراق میں اس مہ جبیں کید و مجھ کو!
بجائے قرص طباشیر ماہتاب کا قرص

یہ ترک چشم بتاں کے سپر ہے پہلو میں!
نہیں ہے حلقہ گیسوئے مشکناب کا قرص

نہ کیونکہ قوت دل ہو ظفر کہ وہ گل رو!
بنا کے دے مجھے وہ صندل و گلاب کا قرص

بھری تھی ساغر میں رات ساقی نے ایسی خوشبو شراب خالص
نہ اس کو پہنچے ہے مشک خالص نہ اس کو پہنچے گلاب خالص

اس آرزو میں کہ اس کے پاؤں کے چھلے کوئی مجھے بنا دے
ادھر تو ہے سیم ماہ خالص ادھر زر آفتاب خالص!!

حلاوتیں اس کے لعل لب کی نہ پوچھو بوسے کی ہے یہ شیرینی!
کہ جو کوئی انگبیں خالص کو گھول دے لے کے آب خالص!

دل شکستہ درست میرا نہووے کیونکر ہاتھ آئے!
تمہارے بوسہ کے خال مشکیں کی مومیائی شتاب خالص

شمیم گیسوئے عنبریں سے ترے وہ ہمسر کبھی نہ ہو گا!
ہزار عنبر ظفر منگائے کہیں سے اے پرحجاب خالص

وشنہ ہے غمزہ ناز ہے شمشیر کا خواص
ابرو کماں نگہ ہے ترے تیر کا خواص

بیمار غم کو حلقہ گیسو میں روئے
دکھلا دیا ہے قرص طباشیر کا خواص

کب قدر ذی وقار کی ہیں جانتے عوام
سمجھے ہے رتبہ صاحب توقیر کا خواص

یہ سینہ داغ داغ مرا آہ سرو سے
پیدا کرے ہے گلشن کشمیر کا خواص

دیوانہ تیرا پائے بہ زنجیر کیا رہے!
رکھتا ہے وہ تو نالہ زنجیر کا خواص

اس وقت کے امیروں سے ہو گا سوا لئیق
شاہ جہان و شاہ جہاں گیر کا خواص

ہے طفل غنچے کے لیے دایہ جو تو بہار
شبنم کی بوند بوند میں ہے شیر کا خواص

ظالم مرے لیے سم افعی سے کم نہیں!
تیری شمیم زلف گرہ گیر کا خواص!

نفع و ضرر غذا کا نہ جانے شکم پرست
پوچھے ہے کون زاغ سے انجیر کا خواص

میرے دل گرفتہ نے گلزار دہر میں!
پیدا کیا ہے غنچے تصویر کا خواص!

کشتہ کیا ہے جن کو محبت نے اے ظفر
رکھتی ہے ان کی خاک بھی اکسیر کا خواص!

نہ حور کی نہ خلد کے گلزار کی حرص
ہے فقط ہم کو ترے جلوہ دیدار کی حرص

دل کو روکیں تو کرے اور غم یار کی حرص
وقت پرہیز کے بڑھ جائے ہے بیمار کی حرص!

گرچہ ہے نوک مژگاں سے مشبک سینہ
دل کو اس پہ بھی ہے تیر نگہ یار کی حرص!

رات دن سولی پہ ہوں یاد میں اس قامت کی
کس کو اے فاختہ ہے سروچمن زار کی حرص

روغن آتش کو بجھا سکتا نہیں ہے ہرگز!
لقمہ چرب سے جاتی نہیں پرخوار کی حرص

چشم نیساں نہ کرے وا لب اظہار طلب
ہو صدف کو نہ اگر گوہر شہوار کی حرص

ہیں فقط داغ جگر عشق کی دولت کافی
تیرے عاشق کو نہیں درہم و دینار کی حرص

قطع سے اور بڑھا شمع کا شعلہ دیکھو!
سر کے کٹنے پہ نہیں گھٹتی ہے زردار کی حرص

بیٹھنے دیتی ہے کب کنج قناعت میں ظفر
ایک دشمن ہے یہ دنیا کی طلبگار کی حرص!

ردیف ضاد معجمہ

لب نکالیں گے ترے لعل یمن پہ اعتراض!
زلف ہی کرتی ہے کیا مشک ختن پہ اعتراض

ہم نے کی ہے جانکنی اور اس نے کی خاراکنی
واجبی ہے گر کریں ہم کوہکن پہ اعتراض!

لاکھ پیچ و تاب کھائے موج دریا، پر کہاں
کر سکے اس آستین پرشکن پہ اعتراض!

ہووے پھر صبح قیامت پہ قیامت آشکار
گر لگائے کچھ مری خاک کفن پہ اعتراض!

شاخ سنبل سے کالے شاخسار زلف گر
قدر ترا کرنے لگے سرو چمن پہ اعتراض!

باندھے گنبد گر اک اپنی دود آہ سے!
لاکھ نکلیں خیمہ چرخ کہن پہ اعتراض

آج کسی اہل سخن کو اس قدر مقدور ہے
کر سکے جو اے ظفر تیرے سخن پہ اعتراض

تیری آنکھوں سے ہے گر نرگس بیمار کو فیض
ہے مرے بھی دل پہ داغ سے گلزار کو فیض!

صبحدم بام پہ آئے جو یہ بے مہر ذرا
تاب رخ سے ہے ترے مطلع انوار کو فیض!

بعد مجنوں ہوں وہ میں بادیہ پیمائے جنوں!
کہ مری آبلہ پائی سے ہے ہر خار کو فیض!

ماہ نو رشک سے گردوں پہ نہ کیوں کٹ جائے
ہو ترے ابروئے پر خم سے جو نادار کو فیض!

زلف مشکیں کے ترے تار ہیں وہ اے کافر
جن سے پہنچے ہے سدا نافہ تاتار کو فیض!

آئینہ مائل نظارہ نہ کیوں ہو تیرا
تیرے دیدار سے ہے طالب دیدار کو فیض

رشک سے اشک نکیوں ہار گلے کے ہوں مرے
سینہ یار سے ہے موتیوں کے ہار کو فیض

بعد مردن بھی رہا رنگ ظہور عاشق
خون فرہاد سے ہے لالہ کہسار کو فیض

کیا ہے انصاف کر اک بوسہ لب سے تیرے
رہے ناکام ظفر اور ہوا اغیار کو فیض

دکھائیں گر ترے بیمار بے نصیب کی نبض
تو دیکھ کر نہ ٹھکانے رہے طبیب کی نبض

مرض نہ کیجیو کر ہے وہ تو صحت کال
حبیب دیکھے محبت سے گر حبیب کی نبض

جو آئے جانب مسجد وہ بت تو پھر دیکھے
کوئی موذن مسجد کی اور خطیب کی نبض

جیے گا یا نہ جیے گا یہ عشق کا بیمار
بغور دیکھو طبیبو تم اس غریب کی نبض

ہمیں جو تپ بھی چڑھے تو نہ پوچھیں حال کبھی
وہ دیکھیں عالم صحت میں بھی رقیب کی نبض

جو ایک جان دو قالب ہوں عاشق و معشوق
تو دیکھی جائے رگ گل سے عندلیب کی نبض

ظفر ہے عالم طفلی میں اس کا یہ عالم
رہے بجا نہ اسے دیکھ کر ادیب کی نبض

ردیف طائے مہملہ

بت کشمیر کے آیا جو کہیں طرف سے خط
کھل گیا راہ میں شاید کہیں اب برف سے خط

آمدھی ہے اس نے کمر قتل پہ شاید ہمدم
لکھ کے بھیجا ہے جو خونخوار نے شنجرف سے خط

عمر کی صرف اسی بحث میں تو نے ناداں
لکھنا آتا ہے کوئی نحو سے اور صرف سے خط

ہمدمو آہ مرا دل ہے اسی غم سے نڈھال
نہ پڑا تن پہ جو تیغ بت کم ظرف سے

چشم پر خوں ہے تری خانہ مژگاں سے ظفر
دیا گلزار قلم خاں کے ملا حرف سے خط

کس طرح جا کے کیجئے جاناں سے اختلاط
جب تک مجھے نہ اس کے ہو دربان سے اختلاط

مانند موج جیسے بگچیں برجیں وہ ہے
اس آستیں کو دیدہ گریاں سے اختلاط

کس روز چمکے آہ مری برق ساں کہ ہے
اس حسن کو ہے آتش سوزاں سے اختلاط

ہیہات مثل گل نہ کسی رنگ ہو رفو
دست جنوں رکھے ہے گریباں سے اختلاط

اس روئے زیر زلف کی کیونکر پھرے نہ گرد
پروانے کو شمع شبستاں سے اختلاط

تکتا ہے دل مرا رخ روشن کو یوں ترے
جوں ہو چکور کو مہ تاباں سے اختلاط

صد چاک دل یہ الجھے نہ کاکل پہ اس کی کیوں
رکھتا ہے شانہ زلف پریشاں سے اختلاط

تک تک کے شکل و صورت آئینہ طلعتاں
مجھ کو ظفر رہیول حیراں سے اختلاط

میں لکھا ہے جو کل اسے تدبیر سے خط
یاالٰہی وہاں پہنچے میری تقدیر سے خط

بے خط مجھ سے بیاں خط کا تو کرتے پہلے
نامہ بر دیگا تو اب کون سی تقریر سے خط

پہنچے کشمیر میں جو کاغذ کشمیری پر
بت کشمیر نے بھیجا مجھے کشمیر سے خط

موت عاشق کی تری تیغ ادا سے نہ گئی
جسم پر اسکے نہیں پڑتا ہے شمشیر سے خط

ایک ادنیٰ سی نزاکت ہے صنم کی واللہ
دونوں کانوں پہ پڑا زلف گرہ گیر سے خط

نامہ بر جان گئے ہم کر خط جعلی سے
خط سے ملتی ہے نہ تحریر سے تحریر سے خط

دیا وصل کے مضموں نے مرے دل کو غنی
کم نہیں حق میں مرے نسخہ اکسیر سے خط

کیا عجب کاغذ آتشزدہ بن جائے
میرے مضمون تپ عشق کی تاثیر سے خط

جب ہو قرآں سے ترا روئے کتابی روشن
تو مقابل ہو نہ کیونکر تیرا تفسیر سے خط

چہرہ تصویر سیر رکھتا ہے شباہت تیرا
اور مشابہ ہے ترا ہالہ تصویر سے خط

ہے ظفر تجھ کسی ناوک مژگاں کا خیال
جو سرا سمہ لکھے ہے قلم تیرے سے خط

تجھے لکھتے ہیں تیرے دل جلے خط
جلیں گے ہاتھ ہاتھوں میں نہ لے خط

تمنائے قدم بوسی لکھی تھی
تو اس نے پاؤں سے میرے ملے خط

اندھیرے میں لکھا کیا خط گلزار
دکھا دے رخ پہ زلفوں کے تلے خط

سر تن زیب عیرانی کے آگے
تری شمشیر نے کھینچے بھلے خط

دم تحریر شوق آیا جو رونا
تو جوں کاغذ کی کشتی پہ چلے خط

کہو قاصد کو اس تو خط سے میرے
جواب خط کا لے ہی کر ٹلے خط

کبھی بے عذر اور حیلہ سے اس کے
نہ آیا صبح آیا دن ڈھلے خط

غلامی کا ظفر فخر جہاں کی
لکھا ہم نے تو بے آرے بلے خط

آج میں نے جو لکھا تھا تجھے تدبیر سے خط
شکر تو خط کہ وہ پہنچا مری تقدیر سے خط

اے پری رو یہ ہے خط کس ترے دیوانے کا
تو نے دروازے کی باندھا ہے جو زنجیر سے خط

خط کے پڑھتے ہی پڑیں تا مرے دل میں سوراخ
اس کماندار نے لکھا قلم تیر سے خط

کردیا تیغ نظر ہی نے ترے کام تمام
گو کہ قاتل نہ پڑا جسم پہ شمشیر سے خط

نامہ بر خط کے جو آتے ہی بھر آیا میرا دل
کیا لکھا اس میں یہ الٰہی جو ہے تاثیر سے خط

خط پہ خط آتے تھے اتوا تلک تو واں سے
نہیں معلوم کہ آیا نہیں کیوں پھر سے خط

اے ظفر کیونکہ نہ تجھے اسے عاشق ایماں
رخ وہ مصحف ہے تو کچھ کم نہیں تفسیر سے خط

اس نے برہم ہو جو بھیجا اے دل افسردہ خط
مثل گل ہم دیکھتے ہی ہوگئے پژمردہ خط

قاصدوں کی ہے شہادت گاہ اس بت کی گلی
واں تلک لے جائیگا کس کا ہے یہ دل گردہ خط

میرے سینے پر وہ رکھ دیتا کفن میں بعد مرگ
ہوگیا اک آن میں بس کاغذ نم خوردہ خط

نامہ جاناں کے پڑھتے ہی جو یہ آنسو بہے
قاصد ہو جاؤں میں گر پڑھتے پڑھتے مردہ خط

گو صریحا وصل کا اقرار تھا مرقوم پر
یوں ہوا معلوم کچھ لکھا ہی ہو آزردہ خط

ہوگئی دل کی تسلی یک بیک میری ظفر
قاصدام از جانب دلدار چوں آوردہ خط

تجھ سے یہ مجھ کو توقع ہے مری جان غلط
میری دلجوئی کرے تو کسی عنوان غلط

ناصحا فصل بہاری میں جنوں کے ہاتھوں
مثل گل ہو نہ مرا چاک گریباں غلط

کھینچے ہر چند کہ وہ آپ کو گردوں پہ ولے
پہنچے عارض کو ترے مہر درخشاں غلط

لڑ گئی آنکھ کسی آئینہ رو سے میری
نہیں بے وجہ ہیں اب دیدہ حیران غلط

جس کو ہو زلف پریشاں سے تمہاری سرو کار
حال اس کا نہ ہو ہر حال پریشان غلط

میں ہزار اپنا کروں چاک گریباں لیکن
چاک بیدست جنوں ہووے مری جان غلط

مہر ہر چند اسے اپنی جتاؤں یارو
اے ظفر اے یہاں وہمہ تاباں غلط

تم ظفر کو جانو عاشق ہے ہمارا ہی فقط
کھول کر آنکھ اس نے منہ دیکھا تمہارا ہی فقط

کھینچے خال کوشہ ابرو کی جو اس کے شبیہ
وہ بنائے پاس ماہ نو کے تارا ہی فقط

کیجیے کیوں احسان سر پر ہم دوں شمشیر کے
قتل کو کافی ہے اپنے وہ اشارہ ہی فقط

کوئی دم کو دیکھنا ماریں گے سر دیوار سے
ہے ابھی آ کر تمہیں ہم نے پکارا ہی فقط

سخت جانی سے مری شرمندہ فولا بھی
کچھ بھی خجلت کش نہود سنگ خارا ہی فقط

خط ہے اس رخ پہ کہ لکھا خط ریحان میں خط
یا یہ وہ خط ہے کہ جو لکھتے ہیں قرآن میں خط

خوش نما داغ جگر پر ہے وہ ناخن کی تراش
ایسا ہونے کا نہیں مہر سلیمان کا خط

دامن دشت کو وحشت نے میری چاک کیا
سر بسر جادہ سے ہیں یہ جو بیابان میں خط

نہ کر ہستی کا بھروسہ کہ فنا یوں ہے اسے
جیسے مٹ جائے سرآب رواں آن میں خط

جلوہ دکھلاتے ہیں کیا کیا ہمیں اللہ اللہ
ہیں جو یہ رنگ مسی کے ترے دندان میں خط

لکھ کے بیتابی دل ہاتھ سے دوں پھینک اگر
لوٹے جو طائر بسمل ابھی میدان میں خط

پھٹ گیا سن کے مرا نالہ فلک کا سینہ
کہکشاں کا ہے یہ کب گنبد گردان میں خط

لکھتے لکھتے جو مجھے حال دل آیا رونا
بہہ گیا کھل کے مرا اشک کے طوفان میں خط

اے ظفر دوسری بھی گر تجھے لکھنی ہے غزل
پھر کر قافیہ باندھ اور ہی عنوان میں خط

زلف کے تار سے ہے رخ پہ کہاں یار کے خط
صحن گلزار میں چلتے ہیں پڑا مار کے خط

پہن کر ہار گلے میں جو وہ سویا شب کو
پڑ گئے گردن نازک پہ کئی ہار کے خط

خط تو پکڑا ہی گیا تھا مرا لیکن نکلے
پاس قاصد کے مرے اور بھی دو چار کے خط

خط عارض ترا وہ ہے کہ نہووے سر سبز
روبرو کوئی ترے اس خط گلزار کے خط

نامہ بر دیکھئے تقدیر میں لکھا کیا ہے
یار پڑھتا ہے مرا سامنے اغیار کے خط

یاد آئی دم تحریر جو وہ زلف دراز
ہوگیا ایک برابر کئی طومار کے خط

کھینچے ہے تار شعاعی سے ہمیشہ سر خاک
مہر بھی روبرو اس تابش رخسار کے خط

مہر سر نامہ اگر ہوویں نہ آنکھیں قاصد
کیونکہ معلوم ہوں حسرت کش دیدار کے خط

تیغ ابرو سے ہیں جانباز ظفر سینہ سپر
ہے اجل پڑنا نہیں دھار سے تلوار کے خط

لے تو چلا ہے واں مرا قاصد جھپٹ کے خط
پر راہ میں نہ چھین لیں دشمن چمٹ کے خط

جاگے نصیب الٹ جو نہ میرے تو بن پڑھے
رکھ دیتے کیوں وہ ہاتھ سے اپنے الٹ کے خط

ایسا نہ ہو کر دیکھ لے مضمون مرا رقیب
یہ کہیو نامہ بر کر پڑھے اس سے ہٹ کے خط

سبزے کو دیکھ اس میں یاد آئے ہے مجھے
اس رخ پہ پیچے زلف عنبر کے لٹ کے خط

قاصد کے پرزے پرزے ہوئے غم ہے یہ مجھے
ٹکڑے ہوا بلا سے اگر میرا پھٹ کے خط

یہ کھل گیا کر جائے گا کھل میرا مدعا
کھلنے لگا جو ہاتھ میں میرے لپٹ کے خط

لکھا صفائے دل سے نہ اک حرف اے ظفر
لکھ لکھ کے بھیجے اس نے ہزاروں کپٹ کے خط

ردیف ظائے معجمہ

رہیو اے دل تو اب اس زلف رسا سے محفوظ
حق سدا تجھ کو رکھے ایسی بلا سے محفوظ

ہیں سدا مشق ستم سے سر عشاق قلم
کوئی دیکھا نہ تری تیغ جفا سے محفوظ

باغ دنیا میں جو دیکھے ہیں یہ کہتا ہے اسے
رہے یہ پھول زمانے کی ہوا سے محفوظ

ہوگیا کبک دری آن میں پامال خرام تیری رفتار کی ہے کو ادا سے محفوظ

میں نے اس کا کل مشکیں کو نہیں چھیڑا ہے
تجھکو آئینہ دکھایا ہے خطا سے محفوظ

گل اورنگ ہے آغشتہ بخوں حسرت سے
کوئی پایا نہ تری فندق پا سے محفوظ

دست مژگاں سے اٹھا چشم کے دل زلف میں ہے
کاش ہر وجہ رہے تیری دغا سے محفوظ

نقد دل لے ہی لیا اس نے مرا ہاتھوں ہاتھ
نہ رہا شوخ ترے دست حنا سے محفوظ

لوگ کہتے ہیں یہی دیکھ کے تجکو بخدا
اے ظفر رہیو تو اس بت کی دغا سے محفوظ

مجھے تو وقت سخن شوخ تند خو سے لحاظ
اسے نہ شرم کسو سے نہ ہے کسو سے لحاظ

بھر آیا دل مرا سو بار پر نہ رویا میں
رہا یہ مدنظر پاس آبرو سے لحاظ

چمن میں آنکھ جھکائے کھڑی ہے کیوں نرگس
اگر نہیں ہے کسی شوخ لالہ رو سے لحاظ

وہ بے حجاب ہو کیا ایک ساغر مے سے
کر ٹوٹے جس کا نہ سو شیشہ و سبو سے لحاظ

جہاں میں پائیگا کیونکر وہ گوہر مقصود
جسے تلاش سے ہو شرم جستجو سے لحاظ

لحاظ ہے یہ فقط تیری دوستی کا ہمیں
تری جو بزم میں کرتے ہیں ہم عدو سے لحاظ

قسم ہے خنجر قاتل تجھے مرے سر کی
جو وقت ذبح کرے تو مرے گلو سے لحاظ

چمن سے آئے نہ بے پردہ تا سر بازار
اور آئے گل جو نہ اظہار رنگ بو سے لحاظ

صفائی دیکھو ظفر آئینے کے دیدے کی
نہ خوبرو سے ہے اس کو نہ زشت رو سے لحاظ

جیسا ہاتھوں سے رہا تیرے یہ بسمل محفوظ
ایسا ہی روز جزا تو بھی ہو قاتل محفوظ

نالہ وآہ سے خو گر ہوں سدا میں غم کش
ہووے کیا نغمہ مطرب سے مرا دل محفوظ

مل گئی نعمت کونین اسے اک پل میں
ہو گیا دیکھ کے تجھ کو ترا مائل محفوظ

ابر و خاک میں مل جائے گی آئینے کی
ہو گیا خاک ترے ہو کے مقابل محفوظ

رقص مستانہ وہ کرتی ہے تری نرگس چشم
ساقیا دیکھ کے ہو جائے ہے محفل محفوظ

جیتے جی پھر نہیں ملنے کا کسی دلبر سے
دے کے دل تجکو ہوا خوب یہ بیدل محفوظ

کچھ نہ پائی خبر راہ نورد ان عدم
کہ وہ تکلیف میں ہیں یا سر منزل محفوظ

خلد زاہد کو مبارک ہو کہ عاشق تیرا
ہے ترے کوچہ میں اے حور شمائل محفوظ

اے ظفر چاہئے ہاں لطف سخن میں ایسا
کہ جسے سن کے ہوں سب عالم و جاہل محفوظ

ردیف عین مہملہ

زلف مشاطہ نے تیری کیا پری پیکر کی قطع
وصل کی شب ہو گئی اس عاشق مضطر کی قلع

تار اشک چشم سے یہ صفحہ ہو سینہ مرا
بن گیا ہے مردماں اب یک قلم مسطر کی قلع

جی میں آیا چوم لیجے ہاتھ بس خیاط کے
کل سراپا دیکھتے ہی جامہ دلبر کی قلع

بن گیا خال سویدا دل میں مانند سپند
جب بنا سوز غم ہجراں سے دل مجمر کی قلع

لائے کیا حرف شکایت تجھ سے پھر وہ روکش
جو زبان شمع شب گل گیر نے یکسر کی قلع

قطرہ خون جگر شاخ مژہ پہ مردماں
ہیں بعینہ جلوہ گر اب لالہ احمر کی قلع

لکھ یہ تبدیل قوافی اے ظفر اے اک غزل
گفتگو تو نے تو کی ہر اک سخن پرور کی قلع

کیا نکالی شاشا نے دیکھو اس کاکل کی قلع
شاخ کی جو باغباں نے یک قلم سنبل کی قلع

چشم تر سے جبکہ ہو طغیانی دریائے اشک
ہو خم ابرو بھلا مردم نہ کیونکر پل کی قلع

ہاتھ سے صیاد کے معلوم گل گشت چمن
ہاں کھلیں کلیاں یہاں شہپر ہوئے بلبل کی قلع

ہوگئے گل نازاں چمن میں کیوں نہ پھولے اے صبا
ہے اڑائی فی الحقیقت اس نے میرے گل کی قلع

غیر سے لکھوا کے تونے قطعہ جب خط میں دیا
ہم نے امید وا اس روز سے بالکل کی قلع

ساقیا جوش سرشک خوں سے تجھ بن بن گیا
ہے بعینہ دیدہ تر اپنا جام مل کی قلع

خوش نہ آوے گفتگو کیونکر تری سب کو ظفر
شعر میں تیرے عیاں ہے طالب عامل کی قلع

کم نہیں ہے سوزش داغ دل گلگیر و شمع بلکہ ہمسر ہے ہمارا نالہ شبگیر و شمع
کب تصور اسکا دل میں اور آہ آتشیں ہیں یہ فانوس خیالی میں بہم تصویر و شمع
موج اشک چشم اے پروانہ کب ہے زیر پا موج سودا ہے اسے باہم سمجھ زنجیر ر شمع
اس رخ پر نور سے روشن ہو کیونکر ماہتاب ایک ہو کیونکر چراغ مہر پر تنویر و شمع

ہے اجل سر پر کھڑی یہ کھل گئی شب کو ظفر
ایک جا جونہی ہمیں آئی نظر گلگیر و شمع

عشق میں رکھتی ہے نسبت دیکھ تو بلبل سے شمع بے سبب کب ہے لگن اپنی لگائے گل سے شمع
موج دود شعلہ اس کو مت سمجھیو اہل بزا کھیلتی ہے رات کو اپنے سر کاکل سے شمع
شعلہ آواز قمری سے اگر جل اٹھے سرو ساقیا دیکھیں اسے ہم چشم جام ل سے شمع
آہ آشکار کیا نکلے دل پر داغ سے ہم نے روشن کی ہے یارو حراغ گل سے شمع

آپ ہی نے یہ غزل لکھی ہے ورنہ اے ظفر
کب ہو روشن اس طرح کی طالب حال ہے شمع

کس لیے ڈھونڈیں آہ ہم غنچہ و گل چراغ و شمع تو ہی نظر میں ہے صنم غنچہ و گل چراغ و شمع
یہ دل تنگ و زخم تن داغ جگر اور آہ گرم پاس ہیں اپنے دمبدم غنچہ و گل چراغ و شم
جام و گلابی شراب ساغر چشم مست ناز بزم میں اپنی ہیں بہم غنچہ و گل چراغ و شمع
خاطر تنگ و چاک جیب سوزش سینہ و جگر ہیں یہ بہار بزم غم غنچہ و گل شراغ و شمع

قطرہ خون و لخت دل مردمک اور مژہ پر اشک
ہیں یہ ظفر بچشم نم نچہ و گل چراغ و شمع

گرچہ غرق اشک تر ہے گریے کی شدت میں شمع
جلتی ہے تسپر بھی لیکن سوزش الفت میں شمع

کچھ ہو پرواہ جدائی کی مری اس یار کو
یوں جلے پروانے کی سوز غم فرقت میں شمع

کون ہے جی کو جلاتا اپنے سوز عشق سے
ایک جلنا ہی لکھا تھا یہ میری قسمت میں شمع

قبر پر میری بلا سے گر نہیں جلتا چراغ
سوزش دل سے تو روشن ہے مری تربت میں شمع

کٹ گیا سر گھل گیا تن جل گیا دل کرے
عشق کے باعث یہ اب تو آ گئی آفت میں شمع

ہم تو رہویں شعلہ ساں تجھ بن ہمیشہ بے قرار
بار پاوے اس طرح سے یار کی خلوت میں شمع

تجھ سے تاب حسن میں روکش نہ ہوئے شعلہ گاہ
اور نہ ہو ہمسر کبھی تجھ سے قدو قامت میں شمع

شمع کو کیا تاب اس کے روبرو سرکش رہے
کیا ہوا ساق بلوریں ہے تری صورت میں شمع

اے ظفر رکھتی ہے اپنا نام روشن بزم میں
گو تہ فانوس ہے اس گوشۂ عزلت میں شمع

دریا بہائے گر مژہ اشکبار شمع
تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

ہوتا ہوں شب جو انجمن آرائے رنج و غم
لیتا ہوں اپنی آہ کے شعلے سے اپنی آہ کے شعلے سے کار شمع

اس شعلہ خو پہ کیونکہ نہ دوں اپنی جان میں
پروانہ کس طرح سے نہووے نثار شمع

ہے دل جلوں کو سوز محبت سے تازگی
آتش سے ہے شگفتہ گل نو بہار شمع

گرمی سے تیرے حسن کی ہو وہ عرق عرق
اے شعلہ رو جو بزم میں تو ہو دو چار شمع

تر ساقدم زباں ہیں لے کیا کریں بیاں
گویائی زباں پہ نہیں اختیار شمع

ممکن نہیں کہ ہو نہ سزا جرم عشق کی
پروانے کے ہے واسطے موجودہ وار شمع

سوز غم فراق سے ہے کیا عجب اگر
بن جائے میرے اتار نفس مثل تار شمع

پردہ ظفر نہ سوز محبت کا ہو سکا
فانوس کیا ہوا جو ہوا پردہ دار شمع

شعلہ عشق نہیں ہے دل مایوس میں شمع
جل رہی ہے عجب اس پردہ فانوس میں شمع

جنبش شعلہ سے پروانہ کے جل جائے پر
ہاتھ ملتی ہے کھڑی حسرت و افسوس میں شمع

دیکھ کر چرخ کو شب تو نے نشے میں بدمست
کہکشاں ہے کہ ہے اس خانہ معکوس میں شمع

گورا گورا بدن اے سیم بدن تیرا صاف
نظر آئے ہے سراپا تہیں ملبوس میں شمع

گھر میں درویش کے ہے روشنی دل سے چراغ
چاہیے محفل اسکندر رو کاؤس میں شمع

آہ پر سوز سے کر دل غم پنہاں کا چراغ
اس تجسس کو ہے لازم کف جاسوس میں شمع

وصل کی بات نہیں کھینچے ہے پروانے کو
کیوں ظفر شوق کناروہوس بوس میں شمع

ایک ہے کیونکر چراغ مہر و تنویر و شمع
بلکہ ہمسر ہے ہمارا نالہ شبگیر و شمع

ہے تصور دل میں اس کا اور نہ آہ آتشیں
ہیں یہ فانوس خیال میں ہم تصویر و شمع

موج اشک چشم پر وانہ نہیں ہے زیر پا
جذب سودا ہے اسے باہم جو ہے زنجیر و شمع

صبح ہوتے وہ فنا ہو یہ سدا جلتا رہے
پھر برابر کیونکہ ہو داغ دل دلگیر و شمع

ہے اجل سر پر کھڑی یہ کھل گئی سب کو ظفر
ایک جا جونہی نظر آئے ہمیں گل گیر و شمع

ردیف غین معجمہ

اس دل جلے کو چاہیے کیا گور کا چراغ
ہے داغ دل ہی کشتہ رنجور کا چراغ

اس رخ کے روبرو مہ پر نور کا چراغ
تارا سا یوں ہے جیسے کوئی دور کا چراغ

جو دیکھے تیرے اس رخ روشن کو زیر زلف
سمجھے کر چاند ہے شب دیجور کا چراغ

ہے دل کو آئینہ میں کہاں سوز عشق دیکھ
جلتا ہے قمقمے میں عجب نور کا چراغ

کیونکر کہوں کر داغ محبت ہے دل سے دور
آتا نہیں ہے کام دلا دور کا چراغ

روشن رکھے ہے خانہ دل میں مدام عشق
سوز دروں سے روزن ناسور کا چراغ

کس شعلہ خو کے کوچہ سے آئی صبا کو یوں
بھڑکا حیات عاشق مہجور کا چراغ

جو نقش زن ہیں رہتے ہیں دنیا میں بے فروغ
دیکھا ہے کس نے خانہ زنبور کا چراغ

چشم و چراغ بادہ کشاں ہے یہ جام مے
روشن ہے جس دیدہ مخمور کا چراغ

مونس ہو اور کون تپ غم میں رات بھر
دلسوز ہو نہ ہو ترے رنجور کا چراغ

مثل حسک گر سرہ ہمیشہ ہوائے نفس
چاٹے ہے کاسہ سر مغرور کا چراغ

تربت پہ بے کسوں کی مناسب ہے ساقیا
روشن ہو جام بادہ انگور کا چراغ

روشن اگر ہو نور حقیقت سے تیری چشم
ہے ہر شرار سنگ نہاں طور کا چراغ

ہے صرصر حوادث دوراں کا غم بھی ساتھ
کیونکہ جلے کہیں دل مسرور کا چراغ

روشن ترے فروغ سے کیونکر نہ ہو چراغ
تو ہی ظفر ہے خانہ تیمور کا چراغ

جگر برشتہ و جاں خستہ دل فگار دریغ
ہزار حسرت و صد حیف و صد ہزار دریغ

مدام داغ نصیب دل و نصیب جگر
نفس نفس نفس سرد و بار بار دریغ

سحاب و آب رواں لالہ زار و جوش بہار
نہ جام بادہ نہ محبوب گلعذار دریغ

ہمیشہ وعدہ خلافی شعار یار افسوس
ہمیشہ جانب در چشم انتظار دریغ

ہم محبت و درد فراق ورشک رقیب
ہجوم آفت ویک جان بے قرار دریغ

صد آرزوئے وصال و حیات نیم نفس
نفس شماری و اندوہ بے شمار دریغ

ہزار خنجر الماس ویک دل صد چاک
ظفر دریغ دریغ آہ و صد ہزار دریغ

عشق آفت ہے نہیں ناصح کافر ملا دروغ
ہے اس آفت میں آ ا جس نے یہ جانا دروغ

پھیرنے کو میرا دل کہتے ہیں یار اس کو برا
بولتے ہیں مصلحت آمیز یہ دانا دروغ

میں کہوں اپنی کہانی سنیئے سرتاپائے صدق
قصہ خواں سے آپ کیا سنتے ہیں افسانا دروغ

کل کی جھوٹی بات سن کرکل نہیں ہے آج تک
آج بھی کل ہی سی قاصد مت خبر لانا دروغ

لگ رہی ہے شمع اس کو تیری دلسوزی کی لو
عشق کا وعدہ کوئی کرتا ہے پروانا دروغ

کہتے ہیں قرآن سربگانہ اے وعدہ خلاف
مت سروعدہ مرے سر کی قسم کھانا دروغ

میں امور عاشقی میں اے ظفر ہوشیار ہوں
لوگ دیوانہ مجھے کہتے ہیں دیوانہ دروغ

سدا کھاؤں جگر پر داغ پر داغ
دکھاؤں تجھ کو دلبر داغ پر داغ

دیا کیا تونے دلبر داغ پرداغ
کہ میں جوں لالہ دل پر داغ پر داغ

وہ گل کے گل تکیہ پہ سوئیں
تو ہم کھادیں نہ کیونکر داغ پر داغ

پر طاؤس کے مانند ہے اب
دل سوزاں سراسر داغ پر داغ

فراق یار میں یاں دست بردل
ہوا گل پر گل اور داغ پر داغ

خجل ہیں داغ لالہ کے بھی جس سے ہمارے ہیں وہ دل و داغ پر داغ
گھمنڈ اے لالہ اہر نہ کیجو مرے بھی ہیں جگر پر داغ پر داغ
دھواں کیوں ساتھ آہو کے نہ نکلے پڑے ہیں دل پہ جل کر داغ پر داغ

شب ہجراں کی کیا کہیے ظفر ہائے
رہے کھاتے ہم اکثر داغ پر داغ

کیا لائے اس ابرو کی بھلا تاب دم تیغ
ہو جائے اسے دیکھتے ہی آب دم تیغ
جو تشنہ لب آب شہادت ہو ہمیشہ
سفاک اسے کرتی ہے سیراب دم تیغ
تجھ بن کبھی گر بادہ کشی کرتا ہوں میں آہ
لگتی ہے ہر اک موج سے تاب دم تیغ
کیوں کر نہ حباب اپنا سراب ہاتھ پہ رکھے
بن جائے جو سر گرداب دم تیغ

کیوں کر نہ خم تیغ ظفر صورت ل ہو
کردے جو رواں خوں کا وہ سیلاب دم تیغ

پایا نہ جائے کس کے گرفتار کا دماغ
پہنچے فلک پہ کیوں نہ پھر اس یار کا دماغ
کیونکر نہ میرے کعبہ دل پر لگائے لات
عرش بریں پہ ہے بت عیار کا دماغ
ہوتا ہے بوئے گل سے پریشان اے نسیم
نازک تر اس قدر ہے دل زار کا دماغ
بالیں پہ اس کی شور مچاؤ نہ ہمدمو
نازک بہت ہے عشق کے بیمار کا دماغ
منصور تو کسی کو نہ لایا خیال میں
حق ہے کہ عالی ایسا ہو سردار کا دماغ
مجنوں نے جبکہ دشت جنوں میں رکھا قدم
یکسر کچھ اور ہوگیا ہر خار کا دماغ

پایاں تک غرور حسن ہے اس کو کر اے ظفر
پاتا نہیں ہر ایک طرح عدار کا دماغ

میں اگر اپنے دکھاؤں دل مایوس کے داغ
سب کی نظروں سے گرا دوں پر طاؤس کے داغ

گر تجسس میں پھرے گا یہ شب و روز مرے
پاؤں اک روز میں دونگا ترے جاسوس کے داغ

لب ساغر پہ نشان لب پاں خوردہ جو تھا
شوق بوسہ سے مٹا دوں لگا ہیں وہ چوس کے داغ

تھا بتوں کا جو مرے داغ جدائی دل میں
ہوگیا تازہ وہ پھر سنتے ہی ناقوس کے داغ

نہیں مٹنے کے پس از مرگ بھی ہرگز ظالم
ہیں مرے دل پہ سدا حسرت و افسوس کے داغ

علم فتح و ظفر تیرا عیاں ہے وہ ظفر
دل پہ کیونکر نہ پڑیں قیصر و کاؤس کے داغ

یہ سوز دل سے جو ہے قالب بشر میں چراغ
کیا ہے عشق نے روشن اندھیرے سے گھر میں چراغ

وہ شمع رو جو مزارات کو کبھی جھانکے
تو ہووے روزن در کس طرح نہ در میں چراغ

پھرے ہے پارہ دل دیدہ پر آب میں یوں
جلا کے چھوڑدے جیسے کوئی بھنور میں چراغ

صفائی دل سے نہو کیونکر نور حق ظاہر
چھپے ہوے مہر کا کب دامن سحر میں چراغ

جسے وہرات کو میں رات دن جلوہ تجھ سے
ہوا ہے دیدہ غول اس کی رہگور میں چراغ

جلے وہ رات کو میں رات دن جلو تجھ سے
کرے مقابلہ کیا سوزش جگر میں چراغ

تلاش دولت دنیا ہے دیکھ چشم بلا
کہ چشم مار سیہ سے ہے گنج زر میں چراغ

فروغ عقل ہو گیا نور عشق کے آگے
سدا حقیر ہے خورشید کی نظر میں چراغ

جو آئے رات کو مہماں وہ ناز بزم فروز
تو کیوں نہ گھی کے جلیں خانہ ظفر میں چراغ

دکھلائے اگر موج سرشک آب دم تیغ
ہو جائے لب تشنہ کو سیراب دم تیغ

جب جنبش ابرو سے تری قتل ہو عالم
پھر شرم سے ہو جائے نہ کیوں آب دم تیغ

اے طفل سرشر تو ہی بہادر ہے کہ سب میں
دکھلاتا ہے وہ تیر نگہ تاب دم تیغ

جلا دو کھا اپنی تو شمشیر تو مجھ کو
کشتہ ہوں میں ابرو کی جو ہے آب دم تیغ

در کار نہیں تشنہ کہ ہے آب شہادت
لے کر نہ نکل موج گہر داب تیغ

دم کیونکر ظفر اس کا نہ ہر دم میں بھروں اب
ہے گرد رواں خوں کا وہ سیلاب دم تیغ

ہوتا ہے روشن بھلا دل کی طرح کب چراغ
غیرت خورشید ہے یہ گہر شب چراغ

تجھ سا کوئی مہ جبیں پائے نہ ہرگز کہیں
ڈھونڈے جسے لیکر اگر دیدہ کوکب چراغ

خانہ دل میں رہے روشنی داغ عشق
بجھنے نہ پائے مرا یہ کبھی یا رب چراغ

کر سکے اظہار ہم اس سے نہ سوز جگر
ہوگئے گل شمع کے یہ سر مطلب چراغ

دل تو ہے پر آرزو کیونکہ بجھے گی ہوس
ہے ابھی روغن ہے یہ خوب لبالب چراغ

داغ ترے عشق میں کھاتے ہیں ہر روز داغ
جلتے ہیں گھی کے ترے گھر میں جو ہر شب چراغ

کیوں نہ بجھے سوز دل دیکھ کے اس زلف کو
کالے کے آگے ظفر جلتا ہے ہاں کب چراغ

ردیف وفا

مجھ میں اور گل میں باہم گفتگو تھی صاف صاف
بات کی لغزش نہ تھی واللہ جو تھی صاف صف

شکوہ کیا اس بے وفا کی بد زبانی کا کروں
رات کو جو بات تھی بے پردہ سو تھی صاف صاف

یار کے نزدیک میں بیٹھ رہوں یاں تک کر شب
گالی ہی ہر دم زباں پر رو برو بھی صاف صاف

نکہت گل لے گئی دل کو ہمارے باغ میں
تیری ہی سی اے سراپا ناز بو بھی صاف صاف

رو برو اس مہروش کے اڑ گیا سب رنگ و
دیکھنے میں چاند کی صورت بھی گو تھی صاف صاف

خندہ گل نے رلایا مثل شبنم صبحدم
ہنسنے کی تیری ہی سی اس میں بھی جو تھی صاف صاف

شمع کی مانند جو آنسو بہاتے ہو ظفر
ساق سیمیں کس کی دیکھی رات کو بھی صاف صاف

پھرے نہ کیونکہ سراپا لے حباب بکف
موج زن دریائے خوں بہنے لگا یکسر بکف

نہیں ہیں اشک کے قطرے یہ صاف اے مردم
مثل نرگس کیوں نہ رکھوں روز شب ساغر بکف

ہمیں وہ گردش چشم اس کی یاد آتی ہے
دست مژگاں لے لیا ہے یہ گل اخگر بکف

ہے تیرے حسن کا دریوزہ گر بت بے مہر
مثل گل ہوتا ہمارے بھی اگر کچھ زر بکف

نہ کیجو لے کے مرے دل کو ہاتھ میں برباد
دام الفت سے نہ لے اب تو میرے شہپر بکف

ہمیں خیال بھی ہے سدا سے اے یارو
جو ہری بازار میں آوے نہ پھر گوہر بکف

اے ظفر تیرے سخن کی دیکھ کر تیزی کا دم
ذکر کیا رستم جو رکھے روبرو جمدھر بکف

جو کبھی آپ کا دل یار ڈھا اور طرف ہم نکل جاویں گے بس سر کو کٹا اور طرف

مطلع ثانی

جان من جب سے ترا دھیان بٹا اور طرف دل مرا پھٹ گیا اور جی بھی بٹا اور طرف
مت گھٹا دل کو مرے لب سے لگا ساغر مے کر چلی یاں سے برس کر یہ گھٹا اور طرف
شکل زنجیر کھلی رہ گئیں آنکھیں جس دم تم گئے آب دم تیغ چٹا اور طرف
لو میں پروانہ کی دلسوزی سے بن جو گن شمع شب کو جلتی ہے کھڑکی کھولے جٹا اور طرف
شعلہ آہ میرا لیوے جو پلٹے نہ فلک برق چمکائے نہ روکش ہو پٹا اور طرف
کیوں نہ روؤں میں تیری جان کو اے قاصد اشک حیف مکتوب مرا جا کے پھٹا اور طرف
ہائے تقدیر کے لکھے نے دکھائے یہ دن ایک دن تھا جو ادھر سو بھی بٹا اور طرف

لکھ اسی قافیہ میں اور غزل ایسی ظفر
فکر کو اپنی ادھر سے نہ ہٹا اور طرف

کل تلک دیکھے ہی جاؤ گے سدا اور طرف کبھی دیکھا تو کرو ایک ذرا اور طرف
بیٹھے ہو کر جو تم رات کو جا اور طرف دل لگایا ہے کہیں آپ نے کیا اور طرف
بوسہ جب مانگا تو بولے وہ بہی جھنجلا کے جاؤ جی جاؤ چلو کھاؤ ہوا اور طرف
جانب ابروئے دلدار سدا رہ اے دل چھوڑ کر قبلہ نہ پھر قبلہ نما اور طرف
زخم دل دیکھ مرا تجھ پہ جلے گا جراغ ٹانکے مت سوزن مژگاں سے لگا اور طرف

ق

دل گرفتہ جو گیا بزم میں اس کی شب کو
جی میں جب آ گیا مت اٹھ کے چلا اور طرف

مسکرا ہ-انچ میں لے ہاتھ لگے یوں کہنے
مر ہی جاؤں گا جو تو یاں سے گیا اور طرف

ناگنی زلف بتاں کی یہ عجب کافر ہے
کاٹ کے بیٹھی ہے یاں ہو کے رہا اور طرف

سر جھٹلا نہ دلا اس کو برب کعبہ
ٹالتی سر کی ہے وہ اپنی بلا اور طرف

لکھ ظفر تیری تبدیل قوافی میں غزل
تو سن فکر کی مت باگ اٹھا اور طرف

یاں سے ناچار نکل جائیں گے ہم اور طرف
دیکھ کر آپ کے الطاف و کرم اور طرف

مطلع ثانی

یوں نہ کہنا کر چلے کس کی بھم اور طرف
تم ہوئے اور طرف ہو گئے ہم اور طرف

گردش چرخ کے ہاتھوں سے بھی ہیہات چلے
ہم بھی پیوست ہو بادیدہ نم اور طرف

ان دونوں وہ جو نہیں گرم صحبت ہم سے
دل لگایا بخدا تو نے صنم اور طرف

دھائی جوڑے سے لگا تو جو لگے آ میرے
کھا کے سب مر گئے اغیار بھی سم اور بھی

بے قراری نہ کوئی پوچھو عزیزو میری
شب سے اٹکا ہوا ہے سینے میں دم اور طرف

رات کو گھر میں مرے آپ کے آنے سے لوگ
جا کے کرتے ہیں بیاں وصل کا غم اور طرف

رو کے کہتے ہیں کہ کس آنکھ سے دیکھیں ہلتے
یہ غضب عیش یہاں جو رو ستم اور طرف

ہائے تقدیر کے لکھے نے دکھائے یہ دن
ایک دن تھا جو ادھر سو بھی بنا اور طرف

صفحۂ دل پہ لکھو لے کے قلم اور طرف

دل اگر لاکھ رکھے اب تک و دو اور طرف
پر بھی جوں شمع لگے چاہئے لو اور طرف

ناصحا منع کیے سے کوئی پھرتا ہوں میں
دل ہے کو ایکطرف گرچہ ہیں سو اور طرف

شعلہ رو کو مری دلسوزی پہ آیا نہ خیال
دل گدازا اپنا ان کی لگی لو اور طرف

رشک سے ناخن پا کے ترے اے غیرت مہر
شب کو مغرب سے گیا ہے مہ نو اور طرف

بن کیے آہ یہ آب دم تیغ اے قاتل
کوئی بجھتی ہے میری پیاس سے جو اور طرف

اس طرف کا جو تمہارے نہیں ہے دل میں خیال
دل بٹا رہتا ہے بس آپ کا تو اور طرف

کیونکر اس ترک پسر سے کروں بوسے کا سوال
مجھکو کہتا ہے دہن بیکہ برو اور طرف

ناز و انداز و ادا عشوہ اشارت چشمک
غمزہ الطاف و کرم ہیں سبھی تو اور طرف

اپنے لشکر سے بچے کیونکر بھلا کشور دل
جاتی کب عشق کے دریا کی ہے رو اور طرف

دکھلا نہ رخ پہ صید فگن تو کمند زلف
باد سحر ہوں میں تو گرفتار بند زلف

جو شانہ اس کو اے صد چاک تو نہ چھیڑ
ماریہ سے کم نہیں ہرگز گزند زلف

خال سیاہ اس رخ گلنار پر نہیں
آتش سے رہ گیا ہے یہ جل کے سپند زلف

آشفتہ مجھ سے کس لیے ہوتا ہے میری جان
خاص یہ میرا دل ہے اگر ہو پسند زلف

ہر صبحدم ہے باؤ کے گھوڑے پہ چہ سوار
غیر از نسیم کون ہے دیکھے اب سمند زلف

کیونکر نہ اس کو دام گرہ گیر اب کہیں
خالی نہیں گرہ سے دلا بند بند زلف

عاشق کے ملک دل پہ چڑھی ہے ظفر وہاں
لے کر سپاہ حسن و نشان بلند زلف

شانے کی ہر زباں سے سنے کوئی لاف زلف
چہرے سے ہے مدیہ رات کو یہ موشگاف زلف

جس طرح سے کو کعبہ پہ ہے پوشش سیاہ
اس طرح اس صنم کے ہے رخ پر غلاف زلف

برہم ہے اس قدر جو مرے دل سے زلف یار
شامت زدہ نے کیا کیا ایسا خلاف زلف

مطلب نہ کفر و دیں سے نہ دیر و حرم سے کام
کرتا ہے دل طواف عذار و طواف زلف

ناف غزال چیں ہے کہ ہے نافہ تتار
کیونکر کہوں کہ ہے گرہ زلف ناف زلف

آپس میں آج دست و گریباں ہے روز شب
اے مہوش زری کا نہیں موئے باف زلف

کہتا ہے کوئی جیم کوئی لام زلف کو
کہتا ہوں میں ظفر کو مسطح ہے کاف زلف

وصل کی ہونے نہیں دیتے جو تدبیر حریف
ان کی تقصیر نہیں ہے مری تقدیر حریف

دل پہ یوں وار کیا تیغ نگہ کا اس نے
جس طرح کھینچ کے مارے کوئی شمشیر حریف

بسمل ابرو مژگاں ہوں کسی قاتل کا
نہ مری تیغ ہے دشمن نہ مرا تیر حریف

دشت وحشت کو ارادہ ہے کہ آباد کرو
کھول دے کاش مرے پاؤں کی زنجیر حریف

نامہ یار کو قاصد سے اڑائیں گے غیر
دیکھو لے بھاگے ہیں کیا نسخہ اکسیر حریف

دوستی میں تیری دشمن ہوئی یہ خلق مری
ہدف تیر بنائیں میری تصویر حریف

پہن زنار محبت نہ پھرے زلف سے ہم
ہم کو پرواہ نہیں گر کرتے ہیں تکفیر حریف

شمع ساں رکھتے ہیں ہر چند زباں اپنی دراز
اے ظفر دیکھیں تو کیا کرتے ہیں تقریر حریف

ہے جو پیشانی عشاق بد احوال پہ حرف
فال میں بھی وہی نکلے ہے سر فال پہ حرف

خط کے لکھنے کی تو فرص نہیں پر جلدی میں
لکھ دوں دو چار کبوتر کے پر و بال پہ حرف

آنکھ کا سرمہ جو رومال سے پونچھا اس نے
بن گیا سرمہ سے اک صاد کا رومال پہ حرف

گر نہ ہووے گا غلط نسخہ سودا میرا
آئے گا اس بت نوخط کے خط و خال پہ حرف

کیا غضب ہے کہ بنا کھند گروں کب سے
نہیں تاریخ کے اس کاغ کہن سال پہ حرف

ہائے کیا بے ادبی ہے کہ ترے نام سے ہے
کندہ عاشق کے نگین دل پامال پہ حرف

ابر رحمت کو بھی سایہ نے کیا جن کے سیاہ
اے ظفر ہیں وہ مرے نامہ اعمال پہ حرف

ذبح کرنا کہ ہو اک دم ہی کی قاتل تکلیف
کہ تڑپنے میں اٹھائے گا یہ بسمل تکلیف

ہائے وہ چاند سی صورت مجھے یاد آتی ہے
تیرے دیکھے سے مجھے ہے مہ کامل تکلیف

یہ ہمیں ہیں جو ترے رنج و الم سہتے ہیں
جھیلنی ورنہ بڑی سخت ہے مشکل تکلیف

عشق کی بات تو کی جائے رقم کچھ اس کو
غم ہجراں کی نہیں لکھنے کے قابل تکلیف

اے ظفر پوچھ نہ تو مجھ سے کروں کیا خیال
عشق میں جو کہ اٹھاتا ہے مرا دل تکلیف

ملیں گے اس سے گر ہم بے تکلف
گلے ہوویں گے باہم بے تکلف

کہیں گے منہ سے جو ہم بے تکلف
لکھیں گے خط میں پیہم بے تکلف

برنگ زلف ہم سودا ازدوں کو
نہ ہو بجے ایسے برہم بے تکلف

دل اپنا دے جو اس جان جہاں کو
وہ ہو رسوائے عالم بے تکلف

مرے زخموں میں بھر دو چارہ سازو
نمک تم جائے مرہم بے تکلف

ہمارا خانہ دل ہے مصفا
رہے اس میں سدا ہم بے تکلف

تکلف سے صفا ہائی میں ہے غم
ترے ابرو میں ہے خم بے تکلف

تکلف آشنا ہیں آشنا سب
جگر ہے نالہ ہمدم بے تکلف

اگر اک دم بھی وہ مجھ سے جدا ہو
نکل آئے مرا دم بے تکلف

کیا محفل میں اس کی تو نے رسوا
مجھے اے چشم پرنم بے تکلف

ظفر تم جام سے ہاتھوں سے اپنے
پلاؤ اس کو جم جم بے تکلف

یوں تو نامے کا مرے اک ایک وہ پڑھ جائے حرف
پر وہی رہ جائے جو مطلب کا ہووے وائے حرف

شمع ساں یہ نقشِ جاں ہو گرچہ سرتا پا زباں
تاب کیا سوزِ محبت کا زباں پر لائے حرف

خط اگر ہوتے رقم جتنے بہت دفتر سیاہ
ہم نے شوقِ وصل میں وصلی پہ کچھ لکھوائے حرف

بل بے گرمی جل گئے کتنے قلم ہم ایک بھی
اپنی شرحِ سوزشِ دل کا نہ لکھنے پائے حرف

تھا ہمیں منظور دکھلانا شکستِ دل کا حال
لکھ کے جو خطِ شکستہ میں اُسے دکھلائے حرف

رکھتی ہر رازِ نہانی میں ہے وسعت گفتگو
تیری تنگی وہاں میں تنگ ہے پر جائے حرف

روبرو تیرے لب تو خط کے اب یاقوت لب
کیا تعجب گر نگینِ لعل پر بھی آئے حرف

آب تو گریہ سے گزرے پہ نوشتہ کا مرے
لوحِ پیشانی سے کیا ممکن کوئی مٹ جائے حرف

چشم اس کی صاد ابرو نون ہے دیکھ اے ظفر
کاتبِ قدرت نے لکھا حرف کیا بالائے حرف

عرق اس زلف میں یا موج پہ ہیں آب کے کف
ور یا منہ میں یہ افعی کے ہیں زہراب کے کف

دیکھے زاہد ترے ابرو کو اگر وقتِ نماز
لائے کیا کیا نہ وہ پیچھے خمِ محراب کے کف

کیا بلا زہرِ محبت کی ہے ظالم تاثیر
منہ سے نکلے روں عاشقِ بیتاب کے کف

یدِ بیضا کا ترے ماہ سے ہو نور دو چند
کھول دے اپنا جو تو سامنے مہتاب کے کف

خونِ دل بحر ہے اور چشم ہے میری گرداب
اشک جو چشم مری میں ہیں گر ہیں گرداب کے کف

تو بہار اپنی دکھائے تو چمن میں شبنم
تھوک کر پھینکے نہ منہ پر گلِ شاداب کے کف

بل بے مستی کہ ظفر بزم میں جائے پیمہ
منہ میں بھر آئے ہے مینائے مے ناب کے کف

ردیف قاف

ہر نفس حسرت و ہر دم قلق
ہر گھڑی اڑتے ہیں یہ دل کے ورق

دے ہے یہ استادِ محبت مجھے
رنج و الم غم سے سبق پر سبق

ایک ہی بے تابیٔ دل سے مری
ہل گئے سب ارض و سما کے طبق

جلد آ تا کہ جانِ محزوں
تن بے جان میں باقی ہے رمق

آج اس مست پہ طرفہ بہار
زلف آشفتہ جبیں زیرِ عرق

لب پہ رنگِ مسی و سرخیٔ پان
ہے بہم جلوہ شام شفق

رد حاسد ہے جو منظور ظفر
پڑھو قل اعوذ برب الفلق

ٹپک پڑا نہیں اس زلف کی شکن سے عرق
نکلتا زہر ہے یہ سانپ کے دہن سے عرق

پیام کس کا یہ لایا کہ اتنا گرم آیا
رواں جو ہے مرے قاصد کے پیرہن سے عرق

چمن پہ اوس سی پڑ جاوے دیکھ کر اک بار
تمہارے رخ پہ نمایاں ہو اس پھبن سے عرق

نہ سمجھو شبنم اسے دامن اپنا چھوڑ دیا
صبا نے پونچھ کے پیشانی چمن سے عرق

مریض عشق کو بتا رہی ہے شربت سیب
اگر نمود ہ تیرے لب و ذقن سے عرق

عرق عرق ہے خجالت سے دیکھ کر کس کو
ٹپک رہا ہے جو یوں شمع انجمن سے عرق

ظفر سناؤں جو یاروں کو میں بھی گرم غزل
تو آہی جائے انہیں گری سخن سے عرق

یوں تو مدت سے ہے الطاف و عنایات میں فرق
لیکن ایسا نہو آجائے ملاقات میں فرق

پہنچے کیا حسن کو اس مہر لقا کے لیلی
فرق دونوں میں ہے یوں جیسے ہو ذرات میں فرق

دونوں میں جائے تماشا جو تماشا دیکھو
کچھ نہیں خانقہ و کنج خرابات میں فرق

دل و جاں اس میں اگر جائے بلا سے جائے
غم جاناں ک نہ کچھ آئے مدارت میں فرق

رابطہ دو دل میں ہو پیوستہ جہاں مثل دولاب
ہے عجب بات کہ آئے وہاں اک بات میں فرق

تیری شوخی کے ہیں انداز سمجھنے مشکل
چشم و ابرو ہے وہی پر ہے اشارات میں فرق

اے ظفر چاہیے درویش کو ضبط اوقات
ذکر اور شغل کا اس جبکہ ہو اوقات میں فرق

نہ رنگ پان مسی کردو چار شام شفق
جہاں سے جائے گا اٹھ افتخار شام شفق

نشے میں چشم سیہ دیکھ کر تہ ابرو
ہوا نہ جانب قبلہ گزار شام شفق

قریب زلف و رخ یار کب ہے گوہر گوش
کوئی ہے اختر تاباں کنار شام شفق

شراب سرخ جو ہو جام لاجوردی میں
رہے نظر میں نہ اپنی وقار شام شفق

نہیں ہے سرخ وہ موباف جعد مشکیں پہ
بغور دیکھ ظفر ہے بہار شام شفق

مکتب عشق میں دل کیوں کہ نہ لے روز سبق
سورہ نور کے رخسار ترے ہیں دو ورق

غنچے بے وجہ نہیں ہرگز بیاں یہ صبا
فکر میں اس دہن تنگ کی ہے مستغرق

کون اس سر حقیقت سے ہو آگاہ ولے
دار پہ کھینچا ہے منصور کو کیوں کہنے سے حق

نا پاں لعل مسی زیب یہ ہے تیری کہاں
مہروش دیکھ سر شام یہ پھولی ہے شفق

قطرہ فشاں ہو سحر جوں گل تر سے شبنم
یوں ترے عارض گلگوں سے ٹپکتا ہے عرق

گری جوش نہ کرو غیروں سے تم بہر خدا
ہم بھی الطاف و کرم کے ہیں تمہارے ذی حق

سورہ صاد ہے چشم اس کی کہ جس پہ یہ ظفر
خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

ہوا ہے کون گرفتار زلف آب میں غرق
ہوا ہے جس سے کہ گرداب پیچ‌تاب میں غرق

حنا سے سرخ نہیں دست و پا ترے قاتل
ہوئے ہیں یہ کسی عاشق کے خون ناب میں غرق

دو چند کیونکہ نہ کیفیت اس میں ہو ساقی
کہ عکس لب ہے ترا ساغر شراب میں غرق

کسی کے سامنے کرتا نہیں ہے آہ آنکھیں
میں دیکھتا ہوں اسے رات دن شراب میں غرق

قصاص خون جگر کیوں نہ لے وہ کہتا ہے
ہوا ہے گوشہ داماں مرا شہاب میں غرق

گیا نہیں مرا سینہ ہی بیدرنگ ترق
تنگ وہ ہے تری کافر کہ جائے سنگ ترق

اگر ترے خط عارض کی دیکھ لے سبزی
تو جائے رشک سے کیونکر نہ جام بنگ ترق

نہ کیوں وہ دھوپ میں چہرے کا رنگ ہو تبدیل
کہ جائے دو رخ تصویر کا بھی رنگ ترق

کرے مقابلہ گر ترک چشم سے اس کی
تو جائے زہرہ رستم بھی وقت جنگ ترق

ظفر وہ نالہ آتش فشاں ہے یہ اپنا
کہ جائے سن کے جسے سینہ تفنگ ترق

روز گھر غیر کے رہنا تجھے مہمان طریق
یہ بھی کوئی ہے بھلا اے بت نادان طریق

شانہ ساں سلسلہ زلف میں بیعت ہے سے
زاہد اس دل صد چاک کا پہچان طریق

وصل کب اس سے مرا ہوگا یہ بتلا رمال
کیا کروں دیکھ کے میں عقلہ کہان طریق

شیخ ہے سبحہ بکف میرے گلے میں زنار
اپنا اپنا اب اے گبرو مسلمان طریق

اہل دنیا میں وہی جو کہ بدلتے ہیں یہاں
طمع زر کے لیے مذہب و ایمان طریق

اے ظفر اس سے محبت کی توقع مت رکھ
آدمیت کا جو رکھتا نہیں انسان طریق

میری آہ آتشیں رکھی ہے اب تاثیر برق
بلکہ دی اس نے گنوا سب عزت و توقیر برق

دیکھ کر شرات حسن کی خورشید رو
زرد و خجلت سے ہے رنگ چہرہ تغییر برق

ساقیا دے ہاتھ میں مسوں کے ساغر سے سپر
دم بدم ابر بہاری کھینچے ہے شمشیر برق

دھجیاں دم میں اڑا دیں برق کی ہے یہ یقیں
خار وادی کا ہمارے گر ہو دامن گیر برق

گرم رو کو عشق کی دل کی طپش دے ہے اڑا
ابر کو کب روک سکتی ہے بھلا زنجیر برق

شوخی چشمک سے تیرے دیجے گر تشبیہ کچھ
صفحہ قرطاس پہ ٹھہرے نہ یہ تصویر برق

مطلع خورشید مطلع اس غزل کا ہے ظفر
چمکے اس کے روبرو کیا روئے پر تنویر برق

چند دن کی زندگی کس کو کریں باہم رفیق
دل ہی مونس ہے ہمارا اور یہ اپنا دم رفیق

عیش و عشرت کی رفاقت پہ دلا ہرگز نہ بھول
یہ رفاقت ہے دو روزہ ہاں مگر ہے ہم رفیق

نام میرے قتل کا مشہ پہ نہ قاتل لائیو
سر کو دینے کو ہے میرے ساتھ اک عالم رفیق

میرے دامن سے لگے رہویں نہ کیونکر خار دشت
جوش وحشت میں بھی تو ہیں میرے اب ہمدم رفیق

غیر کو جب دوست اپنا جانتا ہے وہ ظفر
اس کے کاہے کو لگے ہونے بھلا ہمدم رفیق

پارہ ساغر و شیشہ نہیں ابرک کے ورق
ساقیا کیونکہ کہوں شیشے کو عینک کے ورق

چار چشم ایسا بھی کم نہ ہوگا اتارے صدقے
میری تصویر کا لے ساتھ وہ چونک کے ورق

یوں ہیں لخت دل سیپارہ مرے اشک کے ساتھ
جیسے قرآن سے ہو ہاتھ میں کودک کے ورق

انجواں کو مرے اس طرح تراشا اس نے
جیسے باریک اتارے کوئی زردک کے ورق

غیر مانع جو ہوا پڑھنے کو میرا قصہ
تم نے گردان دیا ساتھ ہی چٹک کے ورق

ٹکڑے نکلے دل صد رخنہ کے کب آہ کے ساتھ
کھنڈ گئے باد سے قندیل مشبک کے ورق

تیرہ بختی کا ظفر حال میں کیا لکھواؤں
کیوں سیہ اتنا کروں عشق میں بلبک کے ورق

نہ گیسوئے عرق افشاں میں اور سحاب میں فرق
نہ تاب رخ میں ترے اور نہ آفتاب میں فرق

نہ فرق یکسر موشک دیوئے کاکل میں
نہ کچھ پسینے میں عارق کے اور گلاب میں فرق

نہ کچھ شراب و نگہ میں تیرے کی بیشی
نہ تیری چشم میں اور ساغر شراب میں فرق

نہ قامت اور قیامت میں کچھ تفاوت ہے
نہ فتنہ و نگہ چشم میں اور ساغر شراب میں فرق

نہ فرق تیرے بنا گوش صبح میں ہرگز
نہ کچھ جبیں میں تری اور ماہتاب میں فرق

نہ برق اور نگاہ غضب میں تیری دوئی
نہ کچھ ہے شعلے میں اور حسن بے حجاب میں فرق

ظفر یہ وصف میں اس کے غزل لکھی تو ن
اب اپنے وصف میں لکھ تا نہ ہو جواب میں فرق

نہ خون دل میں مرے اور نشے شراب میں فرق
نہ میرے سینہ بریاں میں اور کباب میں فرق

نہ مرے اشک میں اور ارچنگ میں دوری
نہ میرے نالے میں اور نالہ رباب میں فرق

نہ لعل و پارہ دل میں مرے تفاوت کچھ
نہ آنسوؤں میں مرے اور درخوشاب میں فرق

نہ داغ سینہ میں نہ آفتاب میں ہے دوئی
نہ دود دل میں مرے اور کچھ سحاب میں فرق

نہ رنگ زرد میں اور شعلہ چراغ میں دود
نہ درد شمع میں اور دل کے پیچ تاب میں فرق

نہ ہے جدائی مرے اشک و جوش دریا میں
نہ مرپے کاسہ سر میں ہے اور حباب میں فرق

نہ سوز سینہ میں اور برق میں فرق ظفر
نہ کچھ ہے پارہ میں اور دل کے اضطراب میں فرق

نہ کیجے ہم سے بہت گفتگو تڑاق پڑاق
وگرنہ ہووے گی پھر دو بدو تڑاق پڑاق

چٹک کے بول نہ اٹھا چمن میں غنچہ و گل
سنے کلام جو تیرے کبھو تڑاق پڑاق

الٰہی محتسب سنگ دل کے ٹوٹیں ہاتھ
کہ تو ڑتا ہے یہ جام و سبو تڑاق پڑاق

وہ دیجے پائے نہ گالی کہ لے لئے ہم نے
ہزار بوسہ روئے نکو تڑاق پڑاق

جو کچھ وہ پوچھے تو رک جائیو نہ اے قاصد
تجھے خدا کی قسم کہیو تو تڑاق پڑاق

ذرا بھی سینۂ صد چاک میں جو تڑپا دل
تو ٹوٹ جائیں گے تار رفو تڑاق پڑاق

جو ایک بات ہوں تو جواب میں اس کے
سنائے تو مجھے وہ تند خو تڑاق پڑاق

سزا ہے دل کی اگر اس کو باندھ کر زلفیں
لگائے کوڑے تیرے روبرو تڑاق پڑاق

ظفر مزاج جو شوخی پسند ہے اپنا
تو چاہتا ہے کوئی خوب رو تڑاق پڑاق

ردیف کاف

سو زخم ہیں تازہ مرے زیب بدن خشک
ہے طرفہ گل تر سے بہار چمن خشک

کیا کیا گل شبنم زدہ ہو غرق خجالت
تر ہو جو پسینے میں تیرا پیرہن خشک

نکلے رگ مجنوں سے دم فیصد لہو کیا
کانٹا سا بنا اس کا تو وحشت میں تن خشک

غربت میں اگر آپ بجا بھی ہو تو اس سے
بہتر مرے نزدیک ہے خاک وطن خشک

محشر میں بھی آویں تو وہ ڈوبے ہوئے آویں
زیبا ہو شہیدوں کو نہ تیرے کفن خشک

پیاسا ہے تیرا تیر بتا کس کے لہو کا
دکھلا دے ہے سوفار صریحاً دہن خشک

سوزاں ہے تری آہ ظفر آتش دل سے
یوں جیسے جلے آگ میں کوئی دن خشک

سوز دل سے کیا گلوئے عاشق مضطر ہے خشک
دیکھ کر ہوتا جسے قاتل دم خنجر ہے خشک

جسم مجنوں گرمی سودا سے کیا یکسر ہے خشک
بلکہ مغز استخوان بھی ہوگیا جل کر ہے خشک

جوش باراں ہے تو کیا ساقی نہیں ہے بادہ لطف
خشک ہے بیٹا دھرا الٹا پڑا ساغر ہے خشک

اس طرح اہل صفا دنیا میں ہیں دنیا سے پاک
جس طرح رہتا ہمیشہ آب میں گوہر ہے خشک

اشک خوں مژگاں پہ میری دیکھیو اے مردماں
کس طرح سیراب ہے گل شاخ گل کیونکر ہے خشک

گل بے گرمی تیری اے سوز محبت بعد مرگ
عین بارش میں بھی اپنی گور کا پتھر ہے خشک

کاسۂ گردوں میں اے تشنہ لب پانی کہاں
لگ رہی اس میں تو کچھ تھوڑی سی خاکستر ہے خشک

جب سے دکھلائی ہے تو نے تابش خورشید حسن
چشمہ آئینہ میں آب اے پری پیکر ہے خشک

اے ظفر کتنی ہیں راتیں مجھ کو روتے ہجر میں
کون سی شب جوش گریہ سے مرا بستر ہے خشک

بلا سے جوں گل کاغذ جگر کتر کر پھینک
ہمارا نامہ نہ لیکن کتر کتر کر پھینک

چمن میں یہ جو گل و برگ تر پریشاں ہیں
دیئے ہیں یا کسی بلبل کے پر کتر کر پھینک

جو دیکھے رفو زنار کو فلک تیرے
خطوط مہر کی دے تار زر کتر کر پھینک

تصور خم سے سرزد ہوا تھا کیا گل گیر
کہ تو نے اس کے دیئے موئے سر کتر کر پھینک

زبان چلتی ہے قینچی سی اس ستم گر کی
کہیں نہ دے ورق دل ظفر کتر کر پھینک

کہاں ہے رخ پہ بالے کے گر نزدیک نزدیک
ستارے ہیں یہ نزدیک قمر نزدیک نزدیک

مرا سینہ ہے باغ عشق جس میں نالہ و آہ
لگائے ہر روش پر ہیں شجر نزدیک نزدیک

خیال ناخن پا زیر سرو قامت یار
پڑے دس پانچ ہیں گلبرگ تر نزدیک نزدیک

مرے خط سے کھلے گی اس پہ میری خواہش وصل
لکھیں سطریں ہیں میں نے اسقدر نزدیک نزدیک

برنگ خانہ زنبور رہیں اے ناوک انداز
ترے تیروں کے میرے دل میں گھر نزدیک نزدیک

نہ پہنچا بو الہوس کا واں تلک دست کوتاہ
جو نخل عشق ک پچے کچھ ثمر نزدیک نزدیک

دکھا کے دور سے وہ جنبش مژگاں کو یک بار
چبھوئے دل میں سو سو نیشتر نزدیک نزدیک

مثال دانہ تسبیح زیب سینہ عشق
ترے کشتوں کے اے قاتل ہیں سر نزدیک نزدیک

کہاں قرب اس کو حاصل ہو جو کھینچے آپ کو دور
کہ بچ ہے دور ہے اے ظفر نزدیک نزدیک

کیوں نہ ہو آنکھوں میں اپنی عز و جاہ مردمک
خال رخ سا ہے تری رنگ سیاہ مردمک

چشم قاتل سے دلا ہوا مقابل دیکھ کر
یک قلم ہے دل صف مژگاں سیاہ مردمک

نیلوفر دریا میں ڈوبا رشک کھا کر مردماں
دیکھ چشم تر میں مرے جلوہ گاہ مردمک

پل میں بن جائے فرنگ زاد یہ طفل سرشک
سر پہ ٹک رکھ لے اگر اپنے کلاہ مردمک

چشم کا صفحہ ہمارے کچھ نہیں محضر سے کم
جلوہ گر ہے جس پہ یہ مہر گواہ مردمک

داغ بر دل رشک سے کیونکر نہ ہووے دیکھ کر
چشم پر خوں میں مری رنگ سیاہ مردمک

ساتھ رکھتا ہے سپاہی تیغ کے یعنی سپر
ہے نگاہ چشم کو لازم پناہ مردمک

ہے گل احمر سے یہ بھونرا کوئی لپٹا ہوا
چشم پر خوں میں تجھے ہے اشتباہ مردمک

لکھ بدل کر قافیہ ایسی غزل تو اے ظفر
جس پہ بسم اللہ ہو مد نگاہ مردمک

مار کر ہم نے کیا اس دل بیتاب کو خاک
نہ کیا ایک مہوس نے بھی سیماب کو خاک

اشک تھمنے کے نہیں گرچہ ہے آنکھوں میں غبار
روک سکتی ہے کوئی بہتے ہوئے آب کو خاک

خاک کو مسند کمخواب سمجھتے ہیں فقیر
اور وہ جانتے ہیں مسند کمخواب کو خاک

صاف دنیا سے ہیں دنیا پہ کوئی روشن دل
خاک پر لگتی نہیں چادر مہتاب کو خاک

سطح خاکی پہ بہت زور دکھائے لیکن
عاقبت کھا ہی گئی رستم و سہراب کو خاک

خاک ہوتا ہوں میں اس پر کر جھٹک دے وو ہیں
گر لگے جا کے مرے دامن احباب کو خاک

تاب داغاں سے ظفر اس کے گرے گر بجلی
کرے اک دم میں جلا کر دو خوش آب کو خاک

نہ ٹکڑے خاک پہ دلہائے پاش پاش کے پھینک
جو پھینکے بھی تو سر راہ اپنی لاش کے پھینک

ہلال عید فلک پر ہو منفعل کیا کیا
زمیں پہ ناخن پا تو جو دے تراش کے پھینک

ڈسا ہے زلف کی ناگن نے دل کو افسوں کو
کوئی سمجھے ہے یہ دانے نہ پڑھ کے ماش کے پھینک

مہوس آپ تو ہو خاک ڈھونڈ مت اکسیر
جو ہاتھ میں بھی وہ بعد سو تلاش کے پھینک

تحیات بار گاہ عشق میں ہیں یہ دونوں
نہ کیوں ہو نالہ کے ساتھ آہ دلخراش کے پھینک

وطن میں کیونکہ رکھے چمن سے بشر کو فلک
کہیں سے دے ہے کہیں واسطے معاش کے پھینک

سوائے لخت دل داغدار دیکھ ظفر
ورق نہ گنجفہ عشق میں قماش کے پھینک

نہیں ہے گیند کہ تو جس کو دے اچھال کے پھینک
یہ دل ہے ٹوٹ نہ جائے ذرا سنبھال کے پھینک

جو ہے نصیب میں دہاں وہ ہی ہوگی شکل
ہمارے واسطے قرعے کو تو سنبھال کے پھینک

کرے جو مجھ سے وہ شوخی سے قصد ہم چشمی
تو دوں نکال کے دیدے ابھی غزل کے پھینک

ذکر بجز دل عاشق ہدف کسی کا جگر
خدنگ ناز کو تو اپنے دیکھ بھال کے پھینک

ہوا میں نامہ اڑے مرغ نامہ بر کی طرح
جو لکھ کے ہاتھ سے دوں شوق میں وصال کے پھینک

بہت میرے نصیبوں میں ہو تو مجھ کو دست
گلی میں یار کی دیں بعد انتقال کے پھینک

یہ کیا ستم پہ ستم ہے خدا سے ڈر صیاد
نہ پر اکھاڑ کے مرغ شکستہ بال کے پھینک

سمجھ نہ طائر دل زیر زلف خال اس کے
دیا ہے تیرے لیے دانہ نیچے جال کے پھینک

ظفر کمال ہے تکلیف کے دل کے ہاتھوں سے
جو میرا بس ہو تو سینے سے نکال کے پھینک

لگی ہے اس ترے وحشی کے یہ بدن سے خاک
لگائے تو دے اگر جھاڑ پیرہن سے خاک

کہاں رہا ہے زر گل خبر تو لے بلبل
اڑا کے لے گئی باد خزاں چمن سے خاک

ہوئے نہ ہم ہیں فقط راہ عشق میں برباد
ہزاروں ہوگئے یاں قیس و کوہکن سے خاک

ڈرے جو سوز محبت سے دل میں پروانہ
تو کیا لگائے وہ لو شمع انجمن سے خاک

ہر ایک شخص جو زیر فلک مکدر ہے
جھڑی ہے کیا کہیں اس خیمہ کہن سے خاک

بچا نہ خاک سے دامن کہ ہاں کرے گا کیا
لگے کی زیر زمیں جب ترے کفن سے خاک

ظفر ہے تو بھی وہ آتش زباں کہ ہو جل کر
دل حسود تری گرمی سخن سے خاک

کھلے جو اس بت بے مہر کی جھلک سے پلک
نہ ذرہ بھر کبھی میری لگی پلک سے پلک

کبھی بھی خار پہ ٹھہرا ہے قطرہ شبنم
ثمود کیونکہ نہ ہو اشک کی ڈھلک سے پلک

اٹھا کے دست دعا مانگتا دعا ہاتی یہ
لگی نہیں ترے بسمل کی شب پلک سے پلک

دلا وہ طفل فرنگی کہیں نہ بولے فیر
لڑائیو تو سدا اس کی اس پلک سے پلک

گھٹا کا سن کے گھٹا دل برائے برق یہ بات
لگی ہے رعد کی جس پل مری پلک سے پلک

ترے فراق میں کونا میں اس قدر سینہ
لگے فلک پہ ملک کی نہ اس دھمک سے پلک

ظفر ملا سکے کیا کوئی ہم سے انسان آنکھ
بروز جنگ نہ جھپکائیں ہم فلک سے پلک

قطرہ خوں مت سمجھنا یہ ہداغ مردمک
پر ہے گلگوں سے ہے اپنا ایاغ مردمک

چشم کے دریا میں ہر دم اب تو مانند حباب
جوش گریہ سے ہوا پر ہے دماغ مردمک

عاشق شیدا تصدق کو ترے اے جان من
رکھ قفس میں چشم کے لایا ہے زاغ مردمک

اشک زہر آلودہ میری چشم تر میں روز شب
بن گیا اے مرداں طوطی باغ مردمک

کچھ کنول سے کم نہیں ہے دیدہ پر خوں مرا
جلوہ گر جس کی ہمیشہ ہے چراغ مردمک

خال ہے اس رخ پہ یا اے دیدہ ہائے انتظار
جلوہ گر ہے رات دن عکس سراغ کمر مردمک

فرقت گل رو سے شکل لالہ اہر ظفر
چشم پرخوں نیمری کھایا ہے داغ مردمک

یوں ہوا خاک میں پنہاں تن زار باریک
گم ہوں جو ہاتھ سے گر کر کوئی تار باریک

موقلم سے کمر یار کی تصویر نہ کھینچ
اے مصور یہ بہت دیکھ ہے کار باریک

سرخ ڈورے ہیں نقاش ازل نے کھینچا
صفحہ چشم پہ واں نقش و نگار باریک

دامن یار پہ لائے نہ گرانی یہ نسیم
چھان لے خاک سے تیرے تو غبار باریک

حاجت فصد نہیں دشت میں دیوانوں کو
نوک نشتر ہے ظفر بر سر خاک باریک

ردیف کاف فارسی

ہے وہ سوز عشق سے میرے دل مضطر میں آگ
نے کسی مشعل میں ہے وہ نے کسی مجمر میں آگ

داغ دل میں آگ لخت دل میں چشم تر میں آگ
عشق کی سوزش سے ہے پھیلی ہوئی گھر گھر میں آگ

ہو گیا میں خاک جل کر پروہی ہے سوز دل
اپنے دامن کو بچائے میرے خاکستر میں آگ

خط میں ہے مضمون دل میرا ڈرا جاتا ہے دل
شعلہ زن ہووے کبوتر کے نہ بال و پر میں آگ

داں کف پائے حنائی تک جو پہنچا دست غیر
یاں لگی تلوؤں سے ایسی جا چھپی بس سر میں آگ سے سوز ہجراں

یار بن ہوتا ہے مے نوشی سے دل میرا کباب
ہے پانی بھر مرے ساغر میں آگ

شعلہ جوالا مت سمجھ کر یہ اے ہمدم
آ گئی ہم دل جلوں کو دیکھ کر چکر میں آگ

یہ لگانا اور بجھانا تجھ پہ ظالم ختم ہے
ہووے تو دم بھر میں پانی بھی تو ہو دم بھر میں آگ

جی جلائیں کیوں نہ میرا یہ بتان سنگدل
دل ظفر ان کا ہے پتھر اور ہے پتھر میں آگ

میرے ان کے ملنے سے گر رشک یاں کھاتے ہیں لوگ
کیا مزا کرتے ہیں اپنا ہی سر کھاتے ہیں لوگ

جو کہا تم نے سو سچ میں غیر سے ملتا نہیں
جھوٹی قسمیں کیا یہاں پھر آن کر کھاتے ہیں لوگ

مجھ کو لکھا خط جو ہے اس سبز خط نے ہم نشیں
زہر کیا کیا دیکھئے اس بات پر کھاتے ہیں لوگ

تو بھی در پہ جانے سے اس کے وہ باز آتے نہیں
جھڑکیاں درباں کی اے دل اسقدر کھاتے ہیں لوگ

غصہ بھی کھاتے ہیں اور ہم خون دل پیتے ہیں نت
ساتھ کھانا ان کے جب واں بیٹھ کر کھاتے ہیں لوگ

کچھ تو ہے ان کو مزا اس میں بھی ہائے شیریں دہن
گالیاں جو تلخ تیری آن کر کھاتے ہیں لوگ

کیوں نہ اب بد ہو وہ مجھ سے ہے یقین وہ بد گماں
چغلیاں جا جا کے میری اے ظفر کھاتے ہیں لوگ

ردیف لام

بکا جو خون جگر عشق میں شراب کے مول
گزک میں لخت جگر بک گئے کباب کے مول

گلابی رنگے عرق چین اگر وہ غیرت گل
تو بیچیں خون جگر ہم ابھی شہاب کے مول

عرق کا قطرہ ترے رخ سے اے گلستان رو
جو ہاتھ آئے تو لوں شیشہ گلاب کے مول

ہوا کے گھوڑے پہ وہ شہسوار جس پہ ہے آج
کر ماہ نو کو بھی لیتا نہیں رکاب کے مول

جسے وہ جان سے مارے وہ طرہ مشکیں
پھر اس کی خاک بھی بکتی ہے مشکناب کے مول

عجب ایشہر محبت کا جوہری بازار
بکے ہے اشک کا قطرہ در خوش آب کے مول

ظفر وہ روئے کتابی ہے مصحف عشاق
کسی کتاب کا کیا آگے اس کتاب کے مول

دیکھو چشم شوخ پہ چین سر ابرو کے بل
خوشنما ہیں شاخ میں کیا سر پاس آہو کے بل

سنبل پیچاں آئے کیونکر نہ اس کی خاک سے
مر گیا جو دیکھ کر اس زلف عنبر بو کے بل

رونق موج تبسم ہے موج بوئے گل
چٹنے چٹنے چہٹ میں پڑتے ہیں اس گلرو کے بال

اشک یوں مژگاں سے آتے ہیں ڈھلک کر چشم سے
پہلے پہلے جس طرح لڑکے چلیں زانو کے بل

دیکھا بل کھاتی جو دود شمع کو محفل میں رات
یاد آئے شعلہ رو مجھ کو ترے گیسو کے بل

واہ وا اے جذبہ شوق محبت واہ وا
رابعہ بصری سی کعبہ کو گئی پہلو کے بل

بل بے گرمی تب بجلی بھی تھرانے لگے
دیکھے ماتھے پہ اگر اس شوخ آتش خو کے بل

جائے ہیں کیا کیا گھسٹتے رہبر وا راہ وفا
سر کے بل پاؤں کے بل سینہ کے بل بازو کے بل

سیدھے کب ہوتے ہیں جن کی ہے طبیعت میں کجی
کس طرح کوئی نکالے موج آب جو کے بل

اے ظفر شانے سے بل نکلے نہ زلف یار کے
بلکہ اور افزوں ہوئے اس کافر خم کے رو کے بل

خط یہ گرا قاصد کس کا کمر سے نکل
تجھ کو جو اس نے کہا دور ہو گھر سے نکل

تیر گیا اس کا یوں زخم جگرور سے نکل
جیسے نظر جائے صاف روزن در سے نکل

کون کہے ہے کہ آہ تو نہ جگر سے نکل
لیک نہ تنہا نکل بلکہ اثر سے نکل

ضبط کیا گریہ پہ رک نہ سکا کب کیا کروں
گر ہی پڑا اشک تر دیدہ تر سے نکل

عکس رخ مہ جبیں شب جو فلک پہ گیا
بھاگ گیا آفتاب صبح کو گھر سے نکل

پار جگر کے ہوا تیر غم یار کا
یہ وہ بلا تیر ہے جائے سپر سے نکل

نالہ سوزاں سے گو ہم ضبط کریں گے تو کیا
شعلہ دل شمع ساں جائے ہے گھر سے نکل

ان دنداں کا جب آ کے تصور بندھا
اشک میری چشم سے آئے ہے گہر سے نکل

پردے میں کیا تاک جھانک کرتا ہے پردہ نشیں
سینے سے مہیہ بھڑا اپنے ظفر سے نکل

جو نکلے چشم سیاہے اشک آبرو سے نکل !
جو نکلے جسم سیاہے جاں آرزو سے نکل

بھرا ہے چشم میں خوں دل سے اس طرح آ کر
کہ جیسے جام میں آ جائے مے سبو سے نکل

اسیر عشق کے ہے سر کیساتھ قید بلا !
کہ طوق فاختہ کے جائے کب گلو سے نکل

تری ہے چشم مفلس وہ قاتل سفاک
دبک کے جائے اجل جھکے روبرو سے

مثال آئینہ یکساں سمجھ تو خوب اور زشت
بلا نہ گھر میں کسی کو نہ کہہ کسو سے نکل !

رفو کرے مرا جیب جگر رفو گر کیا
کہ یہ تو اور بھی جائے ہے سو رفو سے نکل !

اگرچہ دل ہو مرا دو جہان سے آزاد
نہ جائے آئینہ تا قید آبرو سے نکل

بنایا حلقہ جوہر کو اس لئے زنجیر
نہ جائے سلسلہ زلف مشک بو سے نکل

بڑا غرور تھا تقریر کا ظفر جنکو
وہ اک سخن میں گئے تیری گفتگو سے نکل

نہ رکھیں غیر پھر اتنا تریامداد کا تل !
نکلے نکلے کی طرح سے اگر اک آہ کا تل !

دیکھے گر گیسوئے خوبان پری زاد کا تل !
تو نکل جائے ابھی طرہ شمشاد کا تل !

تل بے نفرت کر رہا ہیں بجبیں وہ بروقت
نہ کیا ہم سے جبین ستم ایجاد کا تل

سخت دل طول اِل سے ہے خم وپیچ میں یوں
نارکھا جائے ہے جس طرح سے فولاد کا تل

گدگدی کیوں نہ کروں میں کھوش آتا ہے مجھے
ہائے کھاتا نگہ شوخ پری زاد کا تل

کیونکہ سیدھا ہو کر ہے تیر مژہ میں تیری
اے ستم کیش عجب آفت وبیداد کا تل

رشک ہو سنبل پیچاں کو ہوا سے جس دم
دود دل کھائے تیرے عاشق ناشاد کا تل

پھڑک اے مرغ گرفتار اڑا دے ٹکڑے
رشتہ دام بہت رکھتا ہے صیاد کا تل

اے ظفر اپنی ریاضت کا عجب تکبل ہو
نہ تو تل پیر کا کام آوے نہ استاد کا تل !

دل نہ پہلو سے مرے اٹھ کے دل آزار سے مل
اے وفا کیش نہ اس یار جفاکار سے مل

رنج دنداں پہ اے شیخ مسی کے کب ہے
طرفہ قسم یہ گیا ہے در شہوار سے مل

چشم مخمور تری دیکھ کیدل کیوانخ ہوخوش
آج یہ کھنچ گیا نرگس بیمار سے مل

مرد ماں دیدہ خونبار کی دولت اپنی
پاٹ دامن کیا گیا تختہ گلزار سے مل

دامن چرخ جلادے نہ کہیں دیکھ اے ابر
شعلہ آہ مرا برق شرر بار سے مل

روکشی کرنے کو آیا تھا ولے نیساں بھی !
آبرو پانی مری چشم گہربار سے مل

تیغ ابرو سے کریگا تجھے اک دم میں شکار
اے دل زار نہ تو اس بت خونخوار سے

جان سینہ میں میرے نہ ہو کس طرح بہار
داغ دل اپنا گیا لالہ کہسار سے مل

جس طرح مار سیہ گل سے لپٹ جاتا ہے
زلف یوں تیری گئی ہے گل رخسار سے مل

تیر کے لگتے ہیں اک پل میں گیا ہے دیکھو !
لب زخم جگر اپنا لب سوفار سے مل

اے ظفر آج عجب ابرو ہوا ہے تو بھی
مے کشی کرنے کو اس ساقی سرشار سے مل

وہاں کیا پہنچے آئے اے صنم گل
جھڑے یاں نخل دل سے صبحدم گل

دکھایا شعلہ وعارض جو تونے
خجالت سے ہوئی شمع حرم گل

ترا رخ ہے پسینے میں نہیں تر
رہے ہے جیسے شبنم سے بہم گل

مرے دامن میں کب لخت جگر ہیں
یہ لالہ کے ہیں میں چشم نم گل

اگر تو سیر کر گلشن میں جاوے
تو چومے شوق سے تیرے قدم گل

رہے ہے غیر کے بر میں تو گلرو
نہ کیونکر سینہ میں اب کھاویں ہم گل

نہیں تر خون سے مژگاں ہے حیرت
نکالے شاخ نرگس یک قلم گل

مرے دل کے ہیں جیسے داغ رنگیں
کسی نے ایسے دیکھے ہیں گے کم گل

دل بلبل سے نکلے کیوں نہ نالہ
سدا اس پرتو کرتا ہے ستم گل

صبا اس کا بھی بس تو دم بھرے ہے
کچھ ایسا زور دے ہے تجھ کو دم گل

جھکے دل سے نگاہیں وہ ہیں دیکھیں
رہے نرگس کی گردن کیوں نہ خم گل

ظفر خون جگر پیتا ہے سب وہ
نہیں رکھتا جو بلبل کا الم گل

یہ ممکن کیا جو رخ سے ہو بہم گل
تو آئے گل بھی نظروں میں صنم گل

مرے دامن پہ اشک خوں کے تونے
کھلائے خوب میں اے چشم نم گل

نسیم باد سے گلشن میں گل کا
بجھے ہے کب چراغ صبحدم گل

مژدہ سیاشک گرتے یوں ہیں سوجا
عجب جھاڑے ہے نرگ یک قلم گل

چمن میں گل نمط چہرہ ترا دیکھ
تصدق ہوتے ہیں ہر ہر قدم گل

جو روئے اشک خوں سے بیٹھ کر میں
ہوا یک دست یہ فرش ستم گل

ظفر گلزار کیا لکھی غزل ہے
عجب گلشن ہے تو سب میں ستم گل

اے جفا کیش تو اب گھر سے نکل پاؤں کے بل
سونگ چھاتی پہ مری شوق سے دل پاؤں کے بل

مجھ کو سوجھے ہے کہ اک روز میں گر جاؤں گا
تل عشق سے چوں شمع پگھل پاؤں کے بل

سر پہ عاشق کے نہ کر شور قیامت برپا
اس لڑکپن سے بس اب تو نہ مچل پاؤں کے بل

وقت کا تو ہے سلیماں یہ مرا دل ہے مور
دیکھ بس اس کو مری جان نہ مل پاؤں کے بل

اس کی پامالی کرے گی تری اے کبک خرام
رو برو اس کے نہ چال سے چل پاؤں کے بل

وہ فرنگی کا پسر دیکھ مری فوج سرشک
بولا مت دور کیا لیجئے دل پاؤں کے بل

شیشہ و جام لے تو ہاتھ میں اپنے اٹھا
ساقیا نشہ سے ہے نہ اچھل پاؤں کے بال

سر نہیں آج اٹھاتا دل بے تاب مرا
یا یہ چلتا تھا ترے کوچے میں کل پاؤں کے بل

لکھ ظفر اور غزل لیکی کر جاتی ہے زمیں
سب غزل خوں ترے اب آگے سے ٹل پاؤں کے بل

چشم سے مت اشک نکل پاؤں کے بل
طفل ابتر نہ رہ عشق مں ی چل پاؤں کے بل

شمع کے سر سے لگے الفت پروانہ میں آگ
ہر ترے عشق مں ی یونہی گئے جل پاؤں کیب ل

آبلہ گھوانہ اے دشت نورد دن جنوں!
ہم نے اس راہ میں پایا ہے چھل پاؤں کے بل

زلف یوں چہرے پہ بلتی ہے سہا سے اس کی
جس طرح مار سیہ کھائے ہے بل پاؤں کے بل

باغ میں دیکھ کے رفتار ترے خوش قد کی!
گ گیا سرو چمن خاک میں کل پاؤں کے بل

آتش عشق میں میرے دل بے تاب کو دیکھ
اڑ گیا رشک سے سیماب اچھل پاؤں کے بل

اے ظفر آہ نے کل جس کے عصا تھام لیا
ورنہ ہم صنف سے جاتے نہ سنبھل پاؤں کے بل

حال کا اس کے جو دیکھے متصل کاکل کے گل
نیلوفر کا کب کھلے پھر پاس پھر ہر سنبل کے گل

سر پہ اس غم سے رکھے کیوں کر نہ وہ کالی کلاہ!
جب کر غائب ہو نظر سے باغ میں بلبل کے گل

اشک کے قطرے نہیں ہیں دامن مژگاں کے ساتھ
بکتے ہیں در پہ چمن کے سوتیا کے حل کے گل !

نے ہے قرص ماہ تاباں نے ہے قرص آفتاب
چرخ مینا فام پہ ہیں عکس جام مل کے گل

اے ظفر باغ معانی ہے ترا ہراک سخن!
جھڑتے ہیں تحسیں کے منہ سے طلبا آل کے گل

ہے نہ قرباں سی رخ قاتل خوں ریز پہ گل!
کھاتی سنبھل بھی ہے اس زلف دلاویز پہ گل

کوئی اس طفل فرنگی سے یو پوچھے کر دھرا
ساغر بادہ گل رنگ ہے یا میز پہ گل!

ایک دن ہوگی صبا اس کی خزاں دامن کش
صبح ہنستا تو ہے بلبل کی سداریز پہ گل

تختہ لالہ ہے دامان چمن میں پھولا!
یاحنا کے ہیں یہ تیرے تن شبدیز پہ گل

لب پاں خوردہ سے ہو تیری نہ کیوں رخ پہ بہار
ارغواں کا ہے کھلا سبزہ نوخیز پہ گل

چشم مست بت مے نوش پہ یہ خال نہیں
نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

جان شیریں دی ظفر کوہ میں فرہاد نے حیف
کھائے شیریں نے سدا الفت پرویز پہ گل

کیا اشک تر ہیں اپنے پچشم پر آب گول
دیکھے صدف میں ایسے نہ درخوشاب گول

دل میں مدام چشم بتاں کا ہے یہ خیال
ساقی دکھا نہ ہم کو سبو سے شراب گول

لاتا ہے اپنے پیچ میں ہر اہل بزم کو!
عمامہ کج کے شیخ فضیلت ماب گول

گرمی سے زلف یوں ہے تمہاری عرق فشاں
برسائے جوں تگرگ زمیں پر سحاب گول

وزدی سے اس نے گرم یہ گولا اٹھایا ہے
وسط فلک میں صبح نہیں آفتاب گول

اقرار وصل میں بخدا دیکھیو ولا باتیں کرے ہے کیا ہی وہ خانہ خراب گول

دیکھ ان کچوں کو عاشق محرم کہے ہے یہ
دریائے حسن میں ہے ظفر گیا حباب گول

آج گلشن میں ہیں کس عاشق دل گیر کے پھول غمزدہ ہیں جو گریباں کو صباح چیر کے پھول
حاجت گل نہیں مرقد پہ کچھ اس کے گلرو تن پہ ہیں زخم تیرے کشتۂ شمشیر کے پھول
گل رنگیں سے نہیں کم ترا ہر ایک سخن منہ سے جھڑتے ہیں ترے کشتۂ شمشیر کے پھول
شفق شام خجل ہوگی نہ لالا کے پرو دیکھ بالوں میں تو اب زلف گرہ گیر کے پھول
پھرتے ہیں دامن فتراک میں اس قاتل کے آج اک دام میں یہاں خون سے نخچیر کے پھول
داغ جیسے میرے سینے کے ہیں ویسے کب ہیں خوشنما یہ سپر قاتل بے پیر کے پھول
یوں جہاں غنچہ وہاں کا دل حیراں کو خیال آگے رکھ دے کوئی جوں بلبل تصویر کے پھول
شاخ غنچہ ترے ناوک و پیکاں سے خجل اور پرشرم ہے سوفار سے اب تیر کے پھول

چمن خلد جنہیں دیکھ کے ہو سرو ظفر
ہیں ترے باغ میں وہ گلشن کشمیر کے پھول

نہ دور شام کو اتنی بد خوئی سے کیا حاصل تمہیں دینا ہی ہوگا بوسہ ختم وئی سے کیا حاصل
دل آزاری نے تیری کردیا بالکل مجھے بیدل نہ کر اب میری دلجوئی کہ دلجوئی سے کیا حاصل
نہ جاب تک چاک ہو دل پھانس کب دل کی نکلتی ہے جہاں ہو کام خنجر کا وہاں سوئی سے کا حاصل
برائی یا بھلائی گو ہے اپنے واسطے لیکن کسی کو کیوں کہیں ہم بد کر بد گوئی سے کیا حاصل
نہ کر فکر خضاب اے شیخ تو پیری میں جانے دے جواں ہونا نہیں ممکن سیہ روئی سے کیا خاصل
چڑھائے آستیں خنجر بکف وہ یوں جو پھرتا ہے اسے کیا جانے ہے اس عربدہ جوئی سے کیا حاصل
عبث پنبہ نہ رکھ داغ دل سوزاں پہ تو میرے کہ انگارے پہ ہوگا چارہ گر روئی سے کیا حاصل
شمیم زلف ہو اس کی تو ہو فرحت مرے دل کو صبا ہووے گا مشک چمن کی خوشبوئی سے کیا حاصل

نہ ہوئے جب تلک فناں کو دل سے میل یک جانب
ظفر لوگوں کے دکھلانے کو یک سوئی سے کیا حاصل

گر اشک رواں ہووے مرا نامہ بر دل لکھوں ورق پارہ دل پہ خبر دل
نا قاصد دل ہے نہ کوئی نامہ بر دل ہو جاوے ہے کچھ آپ ہی دل کو خبر دل
کرتا نہ شکستہ اسے تو سنگ ستم سے بیقدر جو ہوتی تجھے قدر گہر دل
سودائے محبت میں نہیں سود کی امید یا جی کا زیاں اس میں یا ہے ضرر دل
وہ دل میں بھری میرے غم عشق نے آتش جل جائے دو عالم جو گرے یک شرر دل
کیا ٹھہر سکے آگے تیغ ستم کے ہووے نہ اگر داغ محبت سپر دل

دیتا ہے دل اپنا وہی اس آفت جاں کو
نے جانے کا ہے خوف نہ جی کو خطر دل

دل جائے گر اس کوچے کو ہے جان بھی ہمراہ
وقت سفر دل ہے یہی ہم سفر دل

تا منزل مقصد پہنچنا نہیں ممکن!
ہووے نہ اگر شوق ترا راہبر دل!

جب تک نہ کھلے یار تری زلف کا عقدہ
کیا دل ہے کہ وا ہووے مرا قفل درد دل

منت کش عیسے نہیں میرا دل بیمار!
ہے دولت جاں بخش ظفر چارہ گر دل

بات نہ کر ساقیا ہم سے تو چل بہشت گول!
ہووے گا ساغر سے کیا مول لئے یکمشت گول!

چرخ پہ کیا کیا ہوا شب مہ کامل خجل
دیکھ کے اس یار کا ناخن انگشت گول!

تا کوئی جانے ہوا یہ نہیں وابستہ خوں
آپ وہ بن جائے ہے وقت زدو وکشت گول!

اشک کا دریا مر وہ ہے کہ خم فلک!
ہے روش لاک پشت اک عیاں پشت گول!

زلف کے حلقے میں ہو گر وہ رخ آتشیں!
پیچ ہو آتش کدہ مذہب زردشت گول!

آئے ہے کس دھج سے آج دیکھو تو وہ جنگجو
تیغ خمیدہ بکف ڈھال پس پشت گول!

ہر گل ارنگ ہو قطرہ خوں اے ظفر
دیکھے گر اس شوخ کی فندق انگشت گول

اس گلبدن کی بو ہے جو عطر قبائے گل!
پھر کس طرح سے باغ میں اترا نہ جائے گل

گر کان بھی ذرا ترے آگے ہلائے گل
کیا کیا طمانچے باد بہاری کے کھائے گل

صدقے جو تیرے دست نگاریں کے جائے گل
قرباں ہوں ناخنوں کے نہ کیوں برگ ہائے گل

زیبا ہو کیوں نہ ہاتھ میں ساقی کے جام مے
ہے وہ برنگ شاخ تو یہ ہے بجائے گل

گرہوں نہ سوز عشق سے معجز نمایاں!
اے شمع کیونکہ پرورش آتش سے پائے گل

آ جائے گر ہوائے گلستان قفس تلک!
بلبل کا دم ہوا ہو یہ کہہ کر کر ہائے گل

بے اشک لخت دل کے ثمر کا نہ ہو نمود!
آئے ثمر نہ شاخ میں جب تک نہ آئے گل

ڈرتا ہے میرے سر صرنالہ سے آسماں!
خورشید کا چراغ کہیں ہو نہ جائے گل

ہے ربط حسن و عشق کو آپس میں اے ظفر
گل ہے برائے بلبل و بلبل برائے گل!

تو لاکھ اٹھائے ہوئے جلد اپنا قدم چل!
ہو گا وہی قاصد جو تحتی پہلے قلم چل

ہے فوج سرشک آج رواں چشم سے اپنی
اے نالہ دل تو بھی وہاں لے کے علم چل

پھر بزم میں اس جنبش مژگاں کا چلا ذکر!
باتوں میں کہیں جائے نہ تلوار بہم چل

وحشت مجھے کہتی ہے کہ زنداں بھی یہ تم سے
کیوں تنگ ہے یاں جانب صحرائے عدم چل

گردن پہ مری دیکھو تو اے خنجر قاتل!
رک رک کے نہ یوں تجھ کو مرے سر کی قسم چل!

چھوڑا نہ محبت نے مجھے دیکھ کے زاہد
ہر چند کہا تو نے کہ آ سوئے حرم چل

جاتا ہے ترے کشتۂ رفتار کا تابوت
ساتھ اس کے بھلا تو بھی تو دو چار قدم چل

جینے سے جو دم آئے لبوں تک تو کہے ضعف
تھ جائے گا تو لے کہ ذرا راہ میں دم چل

کچھ بات جو کہتا ہوں ظفر اس سے تو واللہ
کہتا ہے عجب ناز سے مجھ کو وہ صنم چل

فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل
فنا ہے پہلے فنا ہو کہ بقا حاصل

جھکا دے سجدے میں آنکھوں کو سوئے کعبہ دل
کہ ہو رہے گا ثواب اس اس نماز کا حاصل

جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر
کرے ہے خاک سے دیکھ آئینہ صفا حاصل

دیا جواب مجھے زندگی نے یاں لیکن
جواب نامہ نہ قاصد کو واں ہوا حاصل

سمجھ کے راحت جاں اس کو دل دیا ہم نے
ہوا نہ پر ہمیں کچھ رنج کے سوا حاصل

زمیں پہ آئے اگر آسماں سے عیسیٰ بھی
مریض عشق کو تیرے نہ ہو شفا حاصل

نہیں خوش آیا ہمیں زخم بے نمک کھایا
نمک وہ زخم پہ چھڑکے کہ تو ہو مزا حاصل

ہزار پارہ کیا اس نے تیغ سے دل کو
ہزار شکر ہوا دل کا مدعا حاصل

سمجھتا آپ کو ہے خاک پائے فخر الدین
کیا ظفر نے یہ کیا علم کیمیا حاصل

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

کم ظرف پر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ
مانند جوش غم نہ زیادہ ابل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کے ساتھ
اس پر سپند وار نہ اتنا اچھل کے چل

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما
سائے سے بچ کے اہل فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل کے چل

انسان کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ
اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

پھر آنکھیں بھی تو دیں ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم
کہتا ہے کون تجھ کو نہ چل، چل سنبھل کے چل

ہے طرفہ امن گاہ نہاں خانۂ عدم
آنکھوں کے روبرو سے تو لوگوں کے ٹل کے چل

کیا چل سکے گا ہم سے کہ پہچانتے ہیں ہم
تو لاکھ اپنی چال کو ظالم بدل کے چل

ہے شمع سر کے بھل جو محبت میں گرم ہو
پروانہ اپنے دل سے یہ کہتا ہے جل کے چل

بلبل کے ہوش نکہت گل کی طرح اڑا
گلشن میں میرے ساتھ ذرا عطر مل کے چل

گر قصد سوئے دل ہے ترا اے نگاہ یار
دو چار تیر پیک سے آگے اجل کے چل

جو امتحان طبع کرے اپنا اے ظفر
تو کہہ دو اس کو طور پہ تو اس غزل کے چل

چٹکے تھے چار سو سپر یار کے پھول!
خرشید ومہ یہ دو ہیں انھیں چار میں کے پھول

تخمہ ہے موتیوں کا جو انجم سے آسماں!
بکھرے ہیں کس کے طرہ دستار میں کے پھول

گلچیں بنا تصور بوسہ کی لائی ہے!
چن چن اس کے گلشن رخسار میں کے پھول

مجنوں کے ہیں جو خون کف پا سے خار سرخ!
ہیں یہ جنوں کے وادی پر خار میں کے پھول

چھٹی پھر ایک دم میں جھڑی پھلجھڑی کی رات
جھاڑے جو ہم نے آہ شرربار میں کے پھول

ہوں وہ گلے کے ہار اگر اس سے پوچھئے!
بکھرے ہوئے پڑے ہیں یہ کیوں ہار میں کے پھول

کردی صبا نے ڈھیری میرے سامنے تو کیا
لے لیتے گل فروش سے بازار میں کے پھول

احسان کرے جو لائے قفس تک مرے صبا
وہ چار تازہ تر کے گلزار میں کے پھول

رنگیں ہوئے ہیں خون سے فریاد کے ظفر
سب لالہ زار دامن کہسار میں کے پھول

لے کر کڑک داغ لوں کیونکر دل مضطر سے چھیل
یہ نہیں وہ نقطے لکھے جس کو کاغذ پر سے چھیل

کہدے حامی کو چھیلے سنگ پا کو ہاتھ سے
پائے نازک کو نہ دے تیرے کہیں پتھر سے چھیل

جو ہے شے اصلی وہ ہر گز دور ہو سکتی نہیں
کیونکہ لے جوہر کو کوئی تیغ پر جوہر سے چھیل

ناخن دست جنوں کی یوں نمایاں ہے خراش
میرے سینے کو دیا گویا کہ ہے خنجر سے چھیل

کوئی صیقل گر نہیں ایسا زمانہ میں کردے
زنگ کیں آئینہ گردون بداختر سے چھیل

جائے ہے دشت مغیلاں میں ہی اگر مجنوں تو خار
پوست اس کا ڈالتے ہیں یوں تن لاغر سے چھیل

جس طرح کوئی پکڑ کر انگلیوں میں اے ظفر
لے سراسر چھال چوب خشک کے اوپر سے چھیل

ہو بدل ہوا ہنسی سے دیکھ کر جاناں کی شکل
چشم واشک دہن ہو اشک ہو دنداں کی شکل

خنجر موج تبسم سے ہوں زخمی کس کے ہیں
ہے جو ہر اک زخم دل میرا گل خنداں کی شکل

گر زلیخا دیکھ تیری صورت مہ جبیں!
پھر کبھی ہرگز نہ دیکھے وہ مہ کنعاں کی شکل

چھپے ہے اس مصحف روئے کتابی کا خیال!
ہے دل سیپارہ بھی سیپارہ قرآن کی شکل

گو نہیں کہنے کی طاقت حال دل پرائے حبیب
سب کہے دیتی ہے بیمار غم ہجراں کی شکل

اشک خوں سے یاد ہیں دست حنائی کے ترے
پنجہ مژگاں ہے رنگین پنجہ مرجاں کی شکل

چشم آہو حلقہ زنجیر آئے ہے نظر
دیکھتا زاہد جو اس غارت گر ایماں کی شکل

ہو نہ انسانیت انساں میں تو پھر انساں ہے کب
اے ظفر گرچہ ہوا ظاہر میں وہ انساں کی شکل

خوش آوے باغ میں کیا مجھ سے بے دماغ کو گل!
کہ میں سمجھتا ہوں اپنی ہی دل کے داغ کو گل

عجب نہیں ہے کہ ہو باغ باغ اے بلبل
جو دیکھیں باغ میں گل پوش رشک باغ کو گل!

نہ بد خصال کو ہو قدر حسن جز عاشق
سوئے مرغ چمن خوش نہ آوے زاغ کو گل

چمن سے ڈھونڈتا ہووے ہزار تا بازار
نہ پائے رنگ پریدہ کے پر سراغ کو گل

مجھے یہ ڈر ہے کہیں میرا صرصر نالہ
کرے فلک پہ نہ خورشید سے چراغ کو گل

چمن سے کم نہیں مستوں کی محفل رنگیں
سمجھے غنچے گلابی کو اور ایاغ کو گل

ظفر ہے کام دل تنگ کو چمن سے کیا
پسند آئے ہے دل ہائے بافراغ کو گل

ردیف میم

بہار کا مرے سر پر ہے آ گیا موسم
وہ گل ہو پاس تو ہو کیا ہی عیش کا موسم

سرنگ گل نہیں ہوتی شگفتگی دل کو
کہ کس طرح کا اب آیا ہے اے صبا موسم

گھٹا نہ دل کو مرے جام مے پلا ساقی
ہوا ہے اور یہ برسات کا ہے کیا موسم

رفو گر یہ ہے اور آہ سرد سوزش دل
ہر ایک چیز کا ہے یاں جدا جدا موسم

ہوا نہ سرخ یہ چہرے کا رنگ زرد مرے
تمہارے عشق میں اپنا ہے ایک سا موسم

چمن میں کیونکہ نہ زنجیر پا ہو موج نسیم
اجاڑ کا ابھی یارو نہیں گیا موسم

بدل کے قافیہ لکھ دوسری غزل بھی ظفر
بہار باغ حسن کا تو ہے سدا موسم

نظر میں ہے وہ شباب رفتا کا موسم
خوش آئے کیونکہ ہمیں لالہ زار کا موسم

دلاؤ یاد نہ اس موجہ حنائی کی
مبادا آگ لگا دے چنار کا موسم

اسیر کنج قفس ہوں میں اے نوا سنجو
بلا سے میری گر آیا بہار کا موسم

نہ وہ گلوں کا رہے تختہ نہیں ہے جس کو خزاں
سدا رہے ہے دل داغ دار کا موسم

نہیں یہ لخت جگر سے ہے شاخ مژگاں تر
شگوفہ پھولا ہے بے برگ و بار کا موسم

نمود خط کی نہ کیونکر ہو تیرے چہرے پر
بہار تو گئی آیا ہے خار کا موسم

ظفر دکھائے ہے برسات کی ہوا ہم کو
ترے یہ گریہ بے اختیار کا موسم

رکھتے ہیں نالوں کی پروا کب بھلا بلبل کے زخم
سی تو یہ صیاد رشتہ سے رگ ہر گل کے زخم

رشک کھاتا ہے لب سوفار جس کو دیکھ کر
رہ گیا تیر کا تیرے وہ دل پر کھل کے زخم

نوشدارو سے نہیں کم حق میں یہ ساقی مرے
لایا پھر انگور تیرے ملتے ہی بسم کے زخم

رکھ دے گر سوہاف اپنا اس پہ پھاہے کی جا
تو ابھی بھرا میں تیرے کشتہ کاکل کا زخم

آج وہ تیغ سخن میں تیرے برش ہے ظفر
جس سے پڑتا ہے جگر پر طالب آمل کے زخم

اپنی دانست میں چوکے نہیں تدبیر سے ہم
کیا کریں بس نہیں ناچار ہیں تقدیر سے ہم

روز رہتے ہیں ترے ہجر میں دل گیر سے ہم
کام رکھتے ہیں سدا نالہ شبگیر سے ہم

بخدا دل سے گیا صبرو قرارو آرام
جب سے واقف ہوئے یاروہت بے پیر سے ہم

سربسر دام بلائے دل آشفتہ ہے وہ
بس عذر کیوں نہ کریں زلف گرہ گیر سے ہم

یوں تو کب تا ہے اے شوخ کماں ابرو پہ
کھینچ لائیں گے تجھے آہ کی تاثیر سے ہم

دھیان سونے کا نہیں چشم کو اپنی تب سے
جب سے وابستہ ہیں اس سونے کی زنجیر سے ہم

قتل منظور ہے گر تجھ کو تو بسم اللہ
آرزو وصل کی اب رکھتے ہیں تکبیر سے ہم

تشنہ لب جان کے دکھلا نہ عرق ابرو کا
اور یہاں سیر ہیں آب دم شمشیر سے ہم

گردش چرخ کے ہاتھوں سے ظفر چکر میں
آہ فانوس خیالی کے ہ یں تصویر سے ہم

مر گئے اے واہ ان کی ناز برداری میں ہم
دل کے ہاتھوں سے پڑے کیسی گرفتاری میں ہم

سب پہ روشن ہے ہماری سوزش دل بزم میں
شمع ساں جلتے ہیں اپنی گرم بازاری م یں ہم

یاد میں ہے تیرے دم کی آمدوشد پر خیال
بے خبر سب سے ہیں اس دم کی خبرداری میں ہم

جب ہنسایا گردش گردوں نے ہم کو شکل گل
مثل شبنم میں ہمیشہ گریہ وزاری میں ہم

چشم ودل بیا ہے اپنے روزشب اے مردماں
گرچہ سوتے ہیں بظاہر پر ہیں بیداری میں ہم

دوش پر رخت سفر باندھے ہے کیا غنچہ صبا
دیکھتے ہیں سب کو یاں جیسے کہ تیاری میں ہم

کب تلک بے دید سے یارب رکھیں چشم وفا
لگ رہے ہیں آج کل تو دل کی غم خواری میں ہم

دیکھ کر آئینہ کیا کہتا ہے یارو اب وہ شوخ
ماہ سے صد چند بہتر ہیں ادا داری میں ہم

اے ظفر لکھ تو غزل بحرو قوافی پھر کر
خامہ ذر ریز سے ہیں اب گہر باری میں ہم

دیوانگی میں ہم نے لیا کب وطن میں دم
مجنوں کا اپنے آگے نہ ٹھہرا ہے بن میں دم

دم میں نہیں فراق بت سیمتن میں دم
جز نالہ کب ہے نے کی طرح سے بدن میں دم

مانند بوئے گل نہ پریشاں مزاج کر
لینے دے باو صبح ہمیں تک چمن میں دم

میں اس پری کا کشتہ کا گل ہوں دوستو
وانکل پڑھ کے کچھ مجھ پہ کفن میں دم

محفل میں اس کی قلقل مینا کی طرح آہ
اٹکا گلے میں آن کے ہر سخن میں دم

خط کیا لکھوں پیام کہوں کیا کہ اب مرا
جوں بوئے گل سمائے ہے کب پیرہن میں دم

ہنگامہ جزا کا نہیں غم مجھے ظفر
بھرتا ہوں دل سے دوستی پنجتن میں دم

جو منہ سے لے مرے کوئی جگر کے داغ کا نام
وہ پھونک مارے تو ہو جائے گم چراغ کا نام

بہار اس تن گل خوردہ کی اگر دیکھو
تو پھر زباں سے کبھی لو نہ سیر باغ کا نام

نہ ہوتا گر یہ ترا خط سبز خال سیاہ
نشاں نہ طوطی کا ہوتا کہیں نہ زاغ کا نام

ہمارے سینہ سوزاں میں ہے وہ آگ بھری
کہ اس کے سامنے روشن نہ ہوا داغ کا نام

برنگ طائر عنقا جہاں سے اڑ جائے
جو کوئی لے دل گم گشتہ کے سراغ کا نام

پھرے ہے زیر نظر جب کسی کی گردش چشم
بلائیں لیتے ہیں لے لے کر ہم ایاغ کا نام

ہزار غنچے گلستاں میں ہو رہے ہیں تنگ
ظفر جہاں میں نہیں ہے کہیں فراغ کا نام

تیرے جس دن سے خاک پا ہیں ہم
خاک ہیں ٹھیک کیمیا ہیں ہم

جس طرح چاہے ہم کو لے جائے
جانئے دل کو رہنما ہیں ہم

جو کہ منہ پر ہے وہ ہی دل میں ہے
مثل آئینہ با صفا ہیں ہم

ہمدموں مثل صورت تصویر
کیا کہیں تم سے صدا ہیں ہم

تیرہ بختی میں ہیں یہ بخت سفید
کیا مگر سایہ ہما ہیں ہم

تو جو ناآشنا ہوا ہم سے
یہ گنہ ہے کہ آشنا ہیں ہم

ہم ہیں جوں زلف عارض خوباں
گو پریشاں ہیں خوشنما ہیں ہم

خوں بہا ایک ناز میں ہے ادا
کشتہ خنجر ادا ہیں ہم

اے ظفر پوچھتا ہے مجھ کو صنم
کیا کہیں بندہ خدا ہیں ہم

کرتے غرہ سے جو یہ دعوی ایمان ہے ہم
کفر یہ ہے اسے توڑیں تو مسلمان ہیں ہم

چشم دائم جو ہیں اس باغ میں مثل نرگس
نہیں معلوم کسے دیکھ کے حیران ہیں ہم

کیونکہ کچھ لے سکیں ہم وہ ہی نہ دیوے جب تک
صاحب خانہ یہاں اور ہے مہمان ہیں ہم

باوجودیکہ ہیں اک مور سے بھی ہم کم زور
پر ہوا باندھتے ہیں یہ کہ سلیمان ہیں ہم

نہ تو ہیں نکہت گل اور نہ ہم دود چراغ
پر یہ ہے حال کہ باحال پریشان ہیں ہم

داغ سینے کا چھپے کیونکہ برنگ خورشید
رکھتے مانند سحر چاک گریبان ہیں ہم

اے ظفر اس نے تو انسان کو بنایا ضعیف
ضعف سے نالے کریں کیونکہ انسان ہیں ہم

دل اگر مانگو گے تم کو اے صنم دیویں گے ہم
پر نہ دنیا اور کو یہ بھی قسم دے دیں گے ہم

کاروغن کا کریں گے اشک دل کی آگ پر
اور بھڑکے گی جو چھینٹا چشم نم دے دیں گے ہم

جانتے ہو آپ سا دم ساز جانبازوں کو بھی
دم ہی سمجھے جاؤ گے گرا اپنا دم دیدیں گے ہم

زاہد بے مغز کو ہوگی نہ کیفیت نصیب
جام مے کیا گرچہ اس کو جام جم دیدیں گے ہم

منہ نہ موڑیں گے تری تیغ ستم سے دیکھنا
سر تلک بھی عشق میں اے پر ستم دیدیں گے ہم

گر کہوں دو گے نشاں کیا تم دم رخصت مجھے
ہنس کے کہتے ہیں کہ کچھ درد و الم دیں گے ہم

یہ بھی تھا تقدیر میں لکا کر اے تو بجا مجھے
یوں دل و جاں دین و ایمان یک قلم دیں گے ہم

سب نکل جائیں گی اے قاتل ہماری حسرتیں!
جب تڑپ کر دم ترے زیر قدم دیدیں گے ہم

کندہ ہے دل کے نگینے پہ ہمارے نام دوست
اے ظفر کیونکر کسی کو یہ رقم دیں گے ہم

یونہی آنکھوں سے رواں آنسو اگر رکھیں گے ہم
موسم اک برسات کا سا سال بھر رکھیں گے ہم

ہمدمو جس دم محبت میں یہ قدم رکھیں گے ہم
دیکھ لینا اس کو بھی اپنا سا کر رکھیں گے ہم

گر نہیں صورت دکھاتے بھیجدو تصویر ہی
خیر اسی کو ہجر میں پیش نظر رکھیں گے ہم

تجھ کو بھی سونے نہ دیں گے رات بھر اپنی طرح
شور و غل کوچے میں تیرے اس قدر رکھیں گے ہم

جان و دل تاب و تواں یو تم بھی رکھوا اپنے پاس
یاں ہجوم غم سے کس کس کی خبر رکھیں گے ہم

گزرے ہم اس سر سے قاتل کیا کریں گے رکھ کے سر
ایک سر کے ساتھ سو کیوں درد سر رکھیں گے ہم

یہ دل دیوانہ واں بن جائے رہنے کا نہیں
گرچہ زنجیروں سے اس کو باندھ کر رکھیں گے ہم

وہ بت سرکش نہ رکھے گا ہمارے گھر میں پاؤں
سر بھی اپنا گر اس کے پاؤں پر رکھیں گے ہم

کر چکے ہیں امتحاں جس بے وفا کا لاکھ بار
اس سے امید وفا کیا اے ظفر رکھیں گے ہم

خوں جو کرتا ہو رگ عاشق ناشاد سے کم
نگہ یار نہیں نشتر فصاد سے کم

دم جو بھرتے ہیں بہت تیری محبت کا رقیب
وہی واقف ہیں ترے شیوہ بیداد سے کم

کچھ اسیران قفس میں نہ رہا دم شاید
آتی آواز ہے جو خانہ صیاد سے کم

رہتے ہمسائے بہت شب کو ہیں مجھ سے نالاں
آنکھ لگتی ہے جو ان کی مری فریاد سے کم

خوبرو اور بھی ہیں یوں تو ستمگار بہت
لیکن انصاف یہ ہیں اس ستم ایجاد سے کم

قتل کرتا ہے تمہارا لب جاں بخش مجھے
نہیں عیسے بھی مرے واسطے جلاد سے کم

دے جو وحشت کا سبق مجھ کو گلستاں میں بہار
تو نہ ہو موج صبا سلی استاد سے کم

جوہر ظلم و ستم دیکھ کر معلوم ہوا
کہ دل سخت نہیں یار کا فولاد سے کم

اے ظفر معرکہ عشق و جنوں میں اب ہم
نہ تو مجنوں سے ہیں کم اور نہ فرہاد سے کم

جو لکھیں خط انہیں پیہم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
نہ ہونے دیں محبت کم ادھر سے وہ ادھر سے ہم

کہاں قسمت کہ بزم عیش میں دے جام بھر بھر کر
مے گل رنگ کے ہر دم ادھر سے ادھر سے ہم
کچھ اس کے آگے بولیں حضرت دل ہم سے کیا قدرت
اگر ہم چشم ہوں بادل ہمارے دیدہ تر سے
کریں سیراب اک عالم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
اڑائی خاک کیسی دشت کی مجنوں نے اور ہم نے
چلے وحشت زدہ جس دم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
تری محفل میں ہیں پروانے پر ہم دل جلے بھی ہوں
کریں ناشرح سوز غم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
ظفر گھبرا رہا ہے دل نہیں دو چار بھی ہمدم
کہ تھامے اس کو دے کر دم ادھر سے وہ ادھر سے ہم

ردیف نون

کس نے دیکھا خم ابرو کو ہے پیمانے میں
چل رہی آج جو تلوار ہے میخانے میں

یوں اچھ پڑتے نہیں دیکھ کے بجلی کی چمک
اڑ گئے ہوش ہمارے ترے ڈر جانے میں

بید مجنوں کے تلے کیوں نہ ہو تکیہ تیرا
عشق نے پھینکا ہے مجنوں تجھے ویرانے میں

ہونٹ چاٹا کیے ہم دام سے چھوٹے پر بھی
دی تھی صیاد نے کیا چاٹ ملادانے میں

گدگدی کس لیے کی ہم سے کہ ٹوٹے یکدیں
بند محرم کمر یار کے تل کھانے میں

رات کو نیند نہ اس ماہ جبیں کو آئی
چھوٹکا افسوس تھا عجب ہم نے بھی افسانے میں

کیا نزاکت ہے کہ گل عکس در گوش سے آہ
یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے میں

شمع نے عشق کے سررشتہ سے شب محفل میں
کاڑھیں الفت کی ہیں کلیاں پہ پروانے میں

اے ظفر سوچ کے آرام سے ہا پاؤں پسار
سو قیامت ہوئی آ ک آنکھ کے لگ جانے میں

تمہارے عشق میں ہم اے جو کیا کیا نہ رکھتے ہیں
جگر صد چاک رکھتے ہیں دل دیوانہ رکھتے ہیں

خدا کی یاد میں ہر دم دم اپنے کو رکھ اے زاہد
جو دانا ہیں نہیں وہ سبحہ صد دانہ رکھتے ہیں

چھپاؤں کس طرح سے اپنی اور اس کی میں الفت کو
بھی مذکورہ دائم عاقل و فرزانہ رکھتے ہیں

نہ کیونکر قبر پہ مجنوں کی پہلے فاتحہ پڑھ لیں
کہ ہم بھی عزم رفتن جانب ویرانہ رکھتے ہیں

کوئی دم بھر کی ہستی میں غنیمت ہے ہمیں رہنا
حباب آسا لبالب عمر کا پیمانہ رکھتے ہیں

فراق یار میں ہم ہو رہے ہیں آپ ہی حیراں
زباں پر داغ و عذر اکا کب فسانہ رکھتے ہیں

سخاں سے ہم کو بیعت ہے کوئی کہہ دیوے زاہد سے
کہ ہم اب تکیہ گر اپنا در مے خانہ رکھتے ہیں

برنگ طائر قبلہ نما مت پوچھ کچھ ہمدم
کہ تنہائی میں ہم کیا حال بیاکانہ رکھتے ہیں

غزل اک اور پر مضمون پڑھیں کیونکر نہ محفل میں
ظفر کہتے ہیں ہم بھی وضع استادانہ رکھتے ہیں

ہمارے سن کے نالے کیا سدا ہمسائے نالاں ہیں
کہیں طوفاں نہ برپا ہو کہ یہ آنکھیں بھی گریاں ہیں

مقابل تو ہمارے شاخ گل کے باغ میں مت ہو
تن پر داغ سے ہم غیرت سرو چراغاں ہیں

سمجھ لوں گا میں مت روکو مجھے صحرا نوردی سے
کہ اپنی آبلہ پائی ہے اور خار مغیلاں ہیں

یہی ہے دوستی کا اب مزہ آپس میں اے یارو
جو اپنے قدر داں وہ ہیں تو ہم بھی ان پر قرباں ہیں

ہنسا ہے کون ایسا کھلکھلا کر اے صبا سچ کہہ
چمن میں صبحدم غنچے جو سب سر در گریباں ہیں

نہ قرباں کیونکہ ہم ہوویں کہ اپنا دل بھی قرباں ہے
کہ وہ سینے میں اب پیہم لگاتے تیر مژگاں ہیں

پروئے تو نے کیا تار سخن میں گوہر معنی
ظفر تحسیں کناں محفل میں اب سارے سخنداں ہیں

بھلا ان کو کہیں کیونکر نہ ہم یکجاں دو قالب ہیں
نبی و مرتضی یارو بہم یکجاں دو قالب ہیں

نوائے عشق میں وہ اور ہم یکجاں دو قالب ہیں
دو نے بجتے ہیں جوں ہمدم بہم یکجاں دو قالب میں ولے ہم

بظاہر گرچہ دوری ہے عزیز چشم عالم میں
اور وہ اپنا صنم یکجاں دو قالب ہیں

تمہارے ساتھ سایہ دار رہتا ہوں سدا ہمدم
جدائی کس طرح ہو یکدم یکجاں دو قالب ہیں

کھلے چشم حقیقت میں تو اس دم یہ نظر آوے
کہ کس صورت حباب موج ہم یکجاں دو قالب ہیں

ظفر ہے ایک ان آنکھوں میں دو ہی نور بینائی
دعیہ یہ ترے سر کی قسم یکجاں دو قالب ہیں

دیکھے جو ہمارے بت مغرور کی گردن
غلمان کے تن سے ہو جدا حور کی گردن

شب تاج زر آلود پہ نازاں تھی عبث شمع
گلگیر نے اک دم میں وہی دور کی گردن

دیکھا جو تری چشم منقش کو چمن میں
خجلت سے جھکی نرگس مخمور کی گردن

بالیں پہ جو تو آئے مری جان تو اٹھے
تکیے سے ترے عاشق رنجور کی گردن

سو فار ہے یوں سینے سے باہر کو وہ جیسے
نکلی پڑی ہے خانہ سے زنبور کی گردن

یکدم میں لگا منہ سے میں پی جاؤں جو ساقی
ہاتھ آئے خم بادہ انگور کی گردن

ہو کون مقابل تل گردوں کے کہ جس نے
توڑی ہے دلا قیصر و فغفور کی گردن

تبدیل قوافی سے غزل لکھ ظفر ایسی
تا جس سے جھکے جرات و مجہور کی گردن

تہمت نہ رکھو اپنے گرفتار کی گردن
اس بات میں کٹ جائے گی دو چار کی گردن

یہ خوبیِ قسمت ہے کہ اقرار وفا پر
اک یار بھی ہرگز نہ ملی یار کی گردن

مینائے بلوریں میں ہو جوں بادہ گلگوں
یوں پان سے رنگیں ہوئی دلدار کی گردن

محشر میں یقیں ہے کہ یہ زلف سیہ اے یار
ڈالے کی بلا میں تیرے بیمار کی گردن

خالی ہوا مینا تو خجالت سے سر بزم
اٹھتی ہی نہیں ساقیِ سرشار کی گردن

حیرت کا یہ عالم ہے کہ جوں گردن تصویر
ہل سکتی نہیں اب ترے بیمار کی گردن

تبدیل قوافی سے غزل پڑھ ظفر ایسی
تحسیں پہ ملے سامعِ اشعار کی گردن

کچھو نہ قلم عاشق ناشاد کی گردن
بے جرم کا خوں ہوتا ہے جلاد کی گردن

مت فصد کرو میرا لہو ورنہ بہے گا
خوں ہووے گا ناحق مرا فصاد کی گردن

گردن کے جو نقشہ کا گیا سوچ میں تیری
زانوں سے نہ پھر اٹھ سکی بہزاد کی گردن

اے تیغ نگہ حشر کو ہوں گا میں گلو گیر
گر تو نے مرے تن سے یہ آزاد کی گردن

شیریں نے تو جاں الفت پرویز میں کھوئی
اور اس کے گئی عشق میں فرہاد کی گردن

باندھے نہ ہوا باغ میں ہر سرو پھر اپنی
دیکھے اگر اس غیرت شمشاد کی گردن

افسوس ظفر دیکھنے کو حال کے تیرے
اٹھی نہ کبھی اس ستم ایجاد کی گردن

انھیں دیوانہ ہم سمجھیں ہیں جو مستی پہ چڑھتے ہیں
بھلا کیوں رہگذران جہاں مستی پہ چڑھتے ہیں

صفا رکھتے ہیں جو آئینہ دل کو یہاں اپنے
وہ اے زاہد تری اس آرسی جستی پہ چڑھتے ہیں

نہیں لیتے ہیں اک بوسہ پہ دل اور مسکراتے ہیں
تماشا ہے کہ وہ اس جنس دل سستی پہ چڑھتے ہیں

شراب عشق کی کب اہل دنیا سمجھیں کیفیت
عجب لدھڑ ہے سب عالم مستی پہ چڑھتے ہیں

دلاور ہیں بہادر ہیں ظفر و جو رستم میداں
وہ اعدا کی سدا شمشیر دو دستی پہ چڑھتے ہیں

رقم نہ کرکے پیام عتاب دو خط میں
مرے سوال کا لکھ کر جواب دو خط میں

خدانخواستہ آزردگی نہیں تم سے
جو لکھ کے اور بھی تہمت شتاب دو خط میں،

اشارہ قتل کا شنگرف سے نہ کیوں کر لکھے
عزیزو وہ بت خانہ خراب دو خط میں

تمہارے روئے مخطط پہ یا کر ہے ابرو
لکھی ہے یا یہ خدا نے کتاب دو خط میں

عزیزو کاتب عصیاں جو ہیں انہیں کہہ دو
رقم یہ کھینچئے میرا حساب دو خط میں

ہمیشہ غیروں کو دیتے ہو تم نئے القاب
مجھے بھی ایک تو لکھ کر خطاب دو خط میں

نشانی پارہ دل مانگے گر ظفر قاصد
تو رکھ کے تم کوئی برگ گلاب دو خط میں

وہ اپنے گھر میں واں پھولوں کی جب چادر پہ سوتے ہیں
تو ہم یاں غم سے یارو خاک کے بستر پہ سوتے ہیں

نہ ٹھہرے کس طرح مژگاں پہ میری اشک کا قطرہ
بہادر جو کہ ہیں وہ دار اور خنجر پہ سوتے ہیں

ہلایا برگ گل کا یہ صبا نے صبح دم پنکھا
سراپا دھر کے مرغان چمن شہپر پہ سوتے ہیں

بلاتے تم جو گھر میں ہم کو آدھی رات کو اپنے
ہم آویں کس طرح درباں تمہارے در پہ سوتے ہیں

ہمیشہ منعمان دہر ہیں یاں مائل غفلت
عبث بھولے ہوئے یہ فرشہائے زر پہ سوتے ہیں

میسر فرش کیا ہوتا کہاں ٹھنڈی ہوا کھاتے
عدم کے سب مسافر رکھ کر سر پتھر پہ سوتے ہیں

نہیں کچھ دین و دنیا کی خبر ہے اے ظفر ان کو
جو اپنے سر کو رکھے زانوئے دلبر پہ سوتے ہیں

خاک تم سے مل سکیں اے ہمصفیران چمن
ہم گرفتار قفس تم زیب ایوان چمن

سینہ پر داغ میں نالاں رہے کیوں کر نہ دل
نغمہ سنجی سے نہیں خالی ہیں مرغان چمن!

دیکھ کر دست حنائی اس کا مرجاؤں نہ کیوں
روبرو جس کے منفعل ہے دست مرجان چمن

شبنم و نرگس نہیں یکجا غم بلبل میں آہ
آج ہے سرگرم زاری چشم گریان چمن

عرش ہے کس کے شہیدوں کا بتا اے باغباں
لالہ و گل سے جو ہے سرد چراغان چمن

زلف و خط کا اس کی کس صورت یہ دل ہووے اسیر
منفعل جس سے ہے سنبل اور ریحان چمن

اے ظفر میں ہوں غلام طوطی ہندوستان
کب مقابل ہوویں میرے عندلیبان چمن

شب کیونکہ دبے ہار کے گل زیر گریباں
چھاتی پہ تری نقش ہیں گل زیر گریباں

دے جام نہ ساقی کہ میں ہوں چور نشے میں
ہونٹوں سے ڈھلی آتی ہے گل زیر گریباں

یہ تکمہ یا قوت ہے چشموں سے ہماری
لخت جگر آیا نہیں ڈھل زیر گریباں

لینے کو ترے بوسہ ناوک کے لب زخم
سینے میں رہے ہیں مرے گھل زیر گریباں

کھلتا ہے ابھی پردہ کونین ظفر دیکھ
منہ کھولتے ہیں جوں غنچہ گل زیر گریباں

کبھی تو آؤ ہمارے گھر میں سنو ہماری بھی چار باتیں
عجب ہے شکوہ رقیب کا یاں ہزار منہ میں ہزار باتیں

چڑھا ہے کوٹھے پہ کون اپنے کہ دیکھنے کو اب آہ جسکے
بگولہ بن کر یہاں فلک سے کرے ہے اپنا غبار باتیں

نہ ہم کو دیجئے گا آپ ہر دم بھریں گے الفت کا تیرے ہی دم
ہوئی کسی کے ہے آگے ہمدم یہ سب ہیں کہنے کی یار باتیں

چڑھ جاؤ مت پھول کوئی لاکر ہنستا ڈونک اس کو کھلکھلا کر
کچھ ایسی یار و بنا کے لکھو ہمارے لوح مزار باتیں

کریں ہیں سرگرم گفتگو واں ہم اپنے محفل میں شعلہ خویاں
کریں ہیں دیوار و در سے ہم یاں تری ہی لیل و نہار باتیں

خیال ہم کو رہے مقرر رقیب بیٹھے ہیں یاں سراسر
جتائیں پردے میں اب بجا کر یہ اس نے مطرب ستار باتیں

تمہارے اعجاز پاسے کیا ہے عجب نہیں اس سے رشک عیسیٰ
ہر ایک تصویر فرش قالی کرے جو بے اختیار باتیں

ادا خوبی تو ان جہاں کی پسند خاطر ہے اک جہاں کے
تمہارے پر لکنت زباں کی دلاتی کیا کیا پیار باتیں

گئے ظفر کل جو اس کے ہم گھر کھلا یہ شکوے کا آگے محشر
گزر گئی شب تمام تم پر نہ ہو چکیں نہ ہمار باتیں

عجب وہ ہیں جو دل کی ناشکیبائی سے پھرتے ہیں
ہم اس چشم حقیقت بیں کی بینائی سے پھرتے ہیں

یہ دانہ وہ ہے جس کی جستجو میں روز شب یارو
بسان آسیائی دانہ دانائی سے پھرتے ہیں ے جو ہم سودے میں

وہ کیا جانے کیا آشفتگی لائے گی اب سر پر
ان زلفوں کے سودائی سے پھرتے ہیں

چمن میں وہ کے روکش شاخ گل کھینچے ہے خمیازہ
جو ہم سودے میں ان زلفوں کے سودائی سے پھرتے ہیں

عبث تو درپے تدبیر ہے اے ناصح مشفق
کمر لچکا کے وہ جس وقت انگڑائی سے پھرتے ہیں

صف عشاق کا ہے اک میں دم ان کے ہاتھوں سے
کہیں سو ناز سے بھی کوئی رسوائی سے پھرتے ہیں

الٰہی جلوہ فرماکون ہے یاں روز شب ایسا
ے جان ہند خود بینی سے خود رائی سے پھرتے ہیں

قدم آنکھوں سے چومے کیوں نہ مجنوں آن کر اپنے
کہ خارستاں میں اب ہم آبلہ پائی سے پھرتے ہیں

عبث دامن کشاں خیابان جنوں تو ہے
کوئی ہم اہل وحشت دشت پیمائی سے پھرتے ہیں

گل خورشید نقش قدم سے ان کے آگتا ہے
جدھر یہ مہ جبیناں جلوہ آرائی سے پھرتے ہیں

دلاتا ہے آشوب قیامت اس جگہ برپا
یہ خوش قامت جہاں انداز رعنائی سے پھرتے ہیں

ظفر تبدیل بحر و قافیہ کی یہ غزل سنیے
یہاں دانشوران ہند دانائی سے پھرتے ہیں

اس کے کوچے میں دلا جا کے جو ہم پھرتے ہیں
آ کے تب گرد عدو خوف سے کم پھرتے ہیں

واں جو ہر دم وہ کئے تیغ علم پھرتے ہیں
یاں ہتھیلی ہی پہ سر کو لئے ہم پھرے ہیں

ہم جدائی میں یہاں بیٹھے ہیں جن کے غمگیں
واں خوشی ہو کے وہ غیروں سے بہم پھرتے ہیں

جائے گردوں نے نہ دی بزم میں ان کو افسوس
جو سدا ساتھ لئے لشکر غم پھرتے ہیں

رات دن پوچھے ہے کیا ہم تو مہ و خور کی طرح
جستجو ہی میں سدا تیری صنم پھرتے ہیں

پلہ میں بہہ جاوے گا خجلت سے وہیں ابر تنک
تک جو ہم لے کے یہاں دیدہ نم پھرتے ہیں

ہے سراپا وہیں رہنے کی ظفر جی میں ہوس
کوئی اس کوچے میں ہم رکھ کے قدم پھرتے ہیں

شمع رو جب کہ ترے گھر سے نکلتے ہم ہیں
شعلہ ساں تب کف افسوس سے ملتے ہیں ہم

تکمہ مہر سے دیکھ اے بت بے مہر ذرا
مثل خورشید تپ عشق میں جلتے ہیں ہم

سادہ رو غیرت آئینہ ہے ہر چندو لے
دیکھ سینے کی صفا کوئی پھسلتے ہم ہیں

اثر زہر الم سے یہ نہیں آنسو سبز
مونگ چھاتی پہ ترے ہاتھ میں دلتے ہم ہیں

سنگ دربن کے ترے در پہ قدم گاڑا ہے
سر تلک بھی تو نہیں دینے سے ٹلتے ہم ہیں

تو جدا لاکھ کرے ہم کو پر اے خانہ خراب
دیکھ جوں سایہ ترے ساتھ ہی چلتے ہم ہیں

اپنی آہ سحری بھی ہے عصائے پیری
دستگیری سے سدا جس کے سنبھلتے ہم ہیں

میٹھی باتیں کرو کچھ تلخ پہ دشنام نہ دو
زہر اب آپ اگلتے کر اگلتے ہم ہیں

لکھ چکے یہ تو غزل لیکن اسی بحر میں اب
قافیہ اور ظفر لکھتے بدلتے ہم ہیں

رخ نہیں سیدھا جو بس آپ کا پاتے ہم ہیں
تھام کر اپنا کلیجہ وہیں تھم جاتے ہم ہیں

جب تمہیں غیر کے گھر دیکھ کے آتے ہم ہیں
اسی باعث سے ترے گھر میں کم آتے ہم ہیں

ہاتھ کا پکھہ ترا یہ یمنی ہوگا خجل
لخت دل دست مژہ میں جو دکھاتے ہم ہیں

پاؤ گے گھوڑے پہ اب تو تو جہاں گرد ہوا
دیکھنا کوچے کی کیا خاک اڑاتے ہم ہیں

کام ہے تم سے جو دل کا لگانا بخدا
سنگ سے شیشہ دل دیکھ بھڑاتے ہم ہیں

شمع روکا نچتے ہیں بو سے تری مثل پتنگ
رشتہ فکر سے اب غوطہ میں جاتے ہم ہیں

شکل خورشید اگر لاکھ لڑا تو آنکھیں
تجھ سے بے مہر کوئی آنکھ چراتے ہم ہیں

خاک پا کوڑی ہم خاک شفا جان کے بس
دیکھ جوں سرمہ اب آنکھوں سے لگاتے ہم ہیں

ترک شاہی کو کر اب طرز گدائی لے کر
کوڑی کوڑی کا سب اسباب لٹاتے ہم ہیں

جی میں کچھ بوئے محبت نہیں اس کی خاطر
مفت میں جان و جگر اپنا گنواتے ہم ہیں

پھر کر منہ پہ غضب دیدہ و دانستہ مجھے
کہتے ہیں گے اسی باعث نہیں آتے ہم ہیں

چشم کیا خاک رکھیں اس سے ظفر ملنے کی
جب کبھی قصۂ غم ان کو سناتے ہم ہیں

یہ ترے دنداں نہیں رنگ مسی میں چمکے ہیں
پارچہ الماس کے گھر میں جڑے نیلم کے ہیں

صبح آوے گا چمن میں کیا صبا وہ رشک گل
اوڑھنی وبر گل کی ڈوبی جو صبا شبنم کے ہیں

تن یہ گل خوردہ نہیں اپنا ہے اے رشک چمن
اس تن ہر زخم پر پھائے لگے مرہم کے ہیں

اے خریدارو میں کیا ہی جنس ہوں لیکن کر آ
سب جلاتے آپ یاں مانند یہ ہیزم کے ہیں

مردماں اشک و لخت دل کی کچھ جانی نہ طرز
لعل و گوہر سے بھلا قیمت میں یہ کیا کم کے ہیں

فرش قالیں پہ کہاں تھے گل انہوں کے ہم نشیں
سب یہ گل بوٹے بنائے میری چشم نم کے ہیں

تیغ سے قاتل تری کب زخم دل پر لگ سکے
ور میاں مارے ہوئے ہم ابرو نے پر خم کے ہیں

کب اٹھائے سے کسی کے آہ اٹھ سکتے ہیں ہم
تیرے سنگ آستاں بن بیٹھے کیا ہی جم کے ہیں

دیکھ کر لطف و کرم ہم پر تمہارے جان من
سارے اپنے آہ دشمن جان کے اور دم کے ہیں

فکر ہے یہ ہی مجھے کیوں کر بچیں گے ان دنوں
ہم چڑھے نظروں میں یاد آہ اک عالم کے ہیں

ہر کسی کو دل نہ اپنا اے ظفر دے کے گنوا
کون ہے اپنا یہاں جتنے ہیں جیتے دم کے ہیں

تجھ سے کب آنکھ ملے ہے وہ ستمگر مژگاں
دمبدم دل پہ لگاتی ہے یہ خنجر مژگاں

چنگل باز سے کب ہے تری کمتر مژگاں
طائر دل کو اچک لے گی یہ کافر مژگاں

خار سے کھٹکے ہیں جو سینہ میں اکثر مژگاں
دور ہوں آہ وہ دل سے مرے کیوں کر مژگاں

قطرہ اشک نہیں جھاڑے ہے گوہر مژگاں
رگ نیساں سے مرے کیوں نہ ہو ہمسر مژگاں

روبرو آنکھوں کے یہ لخت جگر کی دولت
بن گئی سنتے چراغاں کی ہے یکسر مژگاں

منہ سے کیا آئینہ کا ہووے جو تک سینہ سپر
ناوک اندازی نے توڑا اے مرے چتر مژگاں

پانی مانگے نہ الٹ وہ کبھی پھر کر اس دم
مارے جس کی یہ رگ جاں پہ نشتر مژگاں

ٹکڑے کردے ہے بس اکدم میں ہزاروں دل کے
شیر کے بال سے کیا کم ہے یہ دلبر مژگاں

کووک اشک کو آنکھوں میں بٹھا کر مردم
باد کش جھلتی ہے دامن کا بنا کر مژگاں

بندھ رہا تار یہ اشکوں کا نہیں چشموں سے
صفحہ دل پہ مرے کرتی ہے مسطر مژگاں

مرغ جاں تھمیں نہ کس طرح ظفر سنتے ہی
مارے اب تیر جو وہ دل پہ سراسر مژگاں

داغ دل ہی کیا فقط ہے یہ چراغ آتشیں
سینہ سوزاں بھی ہے اپنا اجاغ آتشیں

سرکشی کرتی ہے کیا پروانہ جاں سوز سے
شمع سوزاں کا فلک پہ ہے دماغ آتشیں

دل نے بھی عاشق ہو میرے سینہ پر داغ میں
جو خلیل اللہ دیکھی سیر باغ آتشیں

کیوں نہ گلشن میں کریں مے نوش نافرمانیاں ہاتھ میں لالا کے ہے ساقی ایاغ آتشیں
لالہ خود رو کہاں ہے دامن کہسار میں کوہکن کے آتش غم سے ہے داغ آتشیں

کون پاکتا تھا میرے اس دل شگفتہ کو
آہ سے پایا ظفر لیکن سراغ آتشیں

مہ و خورشید نے واجب سے فلک کی آنکھیں سامنے ان کے نہیں آج تلک کیں آنکھیں
یاد میں اس ترے حسن نمکیں کی ہم نے کثرت رشک سے ہیں کان نمک کیں آنکھیں
حلقہ ناف ترا دیکھ کے پریوں نے نثار اپنی اے غیرت صد حور و ملک کیں آنکھیں
شب کو ہے ماہ جبین انجم افلاک کے بند دیکھتے ہی ترے دنداں کی چمک کیں آنکھیں

اس کا یہ آنکھ چرانا نہیں بے جا ہے ظفر
ہم سے رکھتے ہیں وہ بے شبہ وشک کیں آنکھیں

ہیں لخت جگر پنچہ مژگان کے بس میں یا مرغ لڑانے کو یہ چھوڑے ہیں قفس میں
صیاد مرا رکھ دے قفس جا کے چمن میں بیتاب ہوں نظارہ گلشن کی ہوس میں
ایسا بھی تو میں مورد تقصیر نہیں ہوں! کیوں گالیاں دیتے ہو مجھے بیٹھ کے دس میں
پروانہ صفت کیونکہ جلے شمع کے اب گرد کب اس طرح جل جانے کی طاقت ہے مگس میں
مجنوں کی طرح ناقہ لیلا ہی نہ جاتا تاثیر نہ ہوتی اگر آواز جرس میں
کیا کیجے دلا سیراب اس بحر جہاں کی ہستی ہے ہوا مثل حبابا ایک نفس میں

جانے ہے ظفر وعدہ خلافی کو تمہاری
بے فائدہ جھوٹی عبث اب کھاتے ہو قسمیں

کہوں کیا عالم ہستی میں منہ سے جھاگ جاتے ہیں کبھی سوتے ہیں مخموری میں گا ہے جاگ جاتے ہیں
نہیں شکوہ کچھ ان سے ہے ہمارے بخت کی خوبی ہمیں جب دیکھتے ہیں وہ تو گھر میں بھاگ جاتے ہیں
شرارت کیا کہوں ان کی کہ میرے خرمن دل میں سدا برق تبسم سے لگا کر آگ جاتے ہیں
نہ ہو پامال اب کیوں کر بھلا یاروں دل عاشق سمند ناز کی اپنے وہ چھوڑے باگ جاتے ہیں
نہ دھڑکا دزدکا ان کو نہ کچھ خطرہ ہے رہزن کا عدم کے جانے والے دیکھو کیا بیباک جاتے ہیں
ترا کیوں کر خیال اب دل سے اے مطرب پسر جاوے جب آتے ہیں نیا سنتے ہوئے اک راگ جاتے ہیں
گلی اس طفل ہولی باز کی کیا برج سے کم ہے جو عاشق کھیلنے ہر رنگ سے واں پھاگ جاتے ہیں

قدم کس منہ سے راہ عشق میں واں بوالہوس رکھے
ظفر اس جا تو قیس و کوہکن سے دھاگ جاتے ہیں

یاد کیا تم نے کیا شب اپنے گھر میرے تئیں ہچکیاں آتی رہیں یاں تا سحر میرے تئیں
کیوں رلاتے ہنس کے ہو تم اس قدر میرے تئیں آبرو ہے آپ کی مدنظر میرے تئیں

واہ ساقی ازل ساغر میں تونے بھر دیا
بادہ ناب اس کو ور خون جگر میرے تئیں

خط کو پشت لب دہن کی دیکھ کر کہتا ہے دل
ل گئے کوثر پہ دیکھو اب خضر میرے تئیں

کشتی دل کا خدا حافظ کہ اب تکتے ہی آہ
چین پیشانی تر موج خطر میرے تئیں

اب کہاں سے طاق پہ واز تا بام قفس
کردیا صیاد نے بے بال و پر میرے تئیں

اس ہجوم خال کا دل سے نہ جاوے گا خیال
دو اڑایا روت کے تو دو کیں گر میرے تئیں

ہے کہاں اشک مسلسل عشق کی سرکار سے
یہ ملے خلعت میں ہیں سلک گہر میرے تئیں

کردیا خانہ خراب اس خانہ دل کا مرے
خاک تجھ سے چشم وہا اے چشم تر میرے تئیں

اس کے کوچے کا تو رستہ دل میں ہے کہتے ہیں لوگ
لے چلی ہے بے خود تو اب دکھر میرے تئیں

زند گانی کی حلاوت تب اٹھے گی اے ظفر
ایک بوسہ دے اگر وہ لب شکر میرے تئیں

رکھے ہے مجھ کو یوں زیرفلک تقدیر چکر میں
کہ فانوس خیال میں جوں تصویر چکر میں

کہیں دیکھا ہے شاید اس نے تیری ناف کا حلقہ
بھنور کی طرح جو ہے عاشق دلگیر چکر میں

سمجھ کر مہر تاج زر سرا اس کا تو قلم کرتا
کہ تھا رانجھا بھی تیرے واسطے اے ہیر چکر میں

بیاباں گرد تھا تنہا نہ مجنوں عشق لیلا میں
کہ پروانہ ہے گرد شمع اے گلگیر چکر میں

رہے ہے روز شب گرداں پہ تیرے حسن کے آگے
مہ تابندہ خورشید پر تنویر چکر میں

بگولا یہ نہیں صحرائے وحشت میں ہے اے یارو
رکھے ہے خاک میری عشق دامنگیر چکر

کروں گر نالہ و افغان ظفر میں تو اسی دم یاں
حباب آسا ہو کاخ چرخ کی تعمیر چکر میں

ہم شکل ابر روتے یا بچشم زار میں
گالیوں کی وہ ہمیں دیتے وہاں بوچھار ہیں

رخ پہ زلفت عنبریں کے کب سرا سرہار ہیں
خرمن گل پہ بٹھائے تونے کالے مار ہیں

ایک تو دست جنوں سے تھا گریباں تار تار
دوسرے دامن کشاں صحرا کے یکسر خار ہیں

پھونک دوں آتش فلک پہ شرط ہے طبع رسا
آہ کے شعلے مرے جوں برق آتش بار ہیں

حق ہے کیا منصور کی تھی دار پر خر سندگی
اشک مژگاں پہ مرے منصور سے سردار ہیں

زلف وخال و خط سے اس کے کیونکہ دل اپنا بچے
چور اس جنس گراں کے اب بھی دو چار ہیں

اور جلدی سے ظفر لکھو غزل رنگیں تم
ہے زمیں خاصی شگفتہ قافیے بسیار ہیں

وائے قسمت الملکیں ملنے کے کیا آثار ہیں
وہ ہیں اپنے گھر میں بیٹھے ہم پس دیوار ہیں

ہاتھ میں کھینچے ہوئے وہ اپنی واں تلوار ہیں
سر کے دینے کو یہاں ہم دمبدم تیار ہیں

خوف اپنوں کا ہے ان کو ہم کو بیگانوں کا ڈر
ل سکیں کیونکر کہ وہ مجبور ہم لاچار ہیں

کیا مصیبت ہے بھلا کیونکر نہ روئیں زار زار
ہم سے وہ بیزار ہیں اور ہم انہوں پہ زار ہیں

لے خبر للہ جا کر اب تو ان کی اے صنم
آج مرتے ہیں ترے دو چار جو بیمار ہیں

لخت دل اور اشک کب تھمتے ہیں آنکھوں سے مرے
لعل کے ٹکڑے ہیں یہ اور وہ در شہوار ہیں

ہم نے کیا تقصیر کی ہے کیا گناہ سرزد ہوا
گالیاں کیوں آپ دیتے اب ہمیں ہر بار ہیں

ہم تو ان کو چاہتے ہیں جان و دل سے اشقیں
ہم کو وہ چاہیں نہ چاہیں اس کے وہ مختار ہیں

دیکھیے آویں نہ آویں ہم کو کیا معلوم ہے
لیک آنے کا ظفر وہ کر گئے اقرار ہیں

ہجر کے ہاتھ سے اب خاک پڑے جینے میں
درد اک اور اٹھا آہ نیا سینے میں

خون دل پینے سے جو کچھ ہے حلاوت ہم کو
یہ مزا اور کسی کو نہیں مے پینے میں

دل کو کس شکل سے اپنے نہ مصفا رکھوں
جلوہ گر یار کی صورت ہے اس آئینے میں

اشک و لخت جگر آنکھوں میں نہیں ہیں میرے
ہیں بھرے لعل و گہر عشق کے گنجینے میں

شکل آئینہ ظفر سے تو نہ رکھ دل میں خیال
کچھ مزا بھی ہے بھلا جان میری لینے میں

موج دریا سے نہ ہو کس وجہ ہمسر آستیں
روز شب رہتی ہے میری چشم تر پر آستیں

سرو ہمسر ہو سکے ہے تیرے قد دلجو سے کیا
کیا چڑھاتا ہے تو اے رشک صنوبر آستیں

موج طوفاں خیز اس کو دیکھ کو کہتی ہے خلق
اس نے پھینکی ہے قبا کی اپنی چن کر آستیں

کیا بنے یہ دیدہ تر اپنے ہم چشم حباب
موج دریا بن گئی اب اے ستمگر آستیں

روز شب اشکوں کی دولت سیر چشمے کی عیاں
چشم تر بھرا بنی ہے اکرو چادر آستیں

خار صحرا نے اڑائیں دھجیاں دامن کی کا
چاک ہے دست جنوں سے بھی سراسر آستیں

یہ بجنور خورشید سے ہے کار چوبی دیکھ لو
بن گئی ہے موج دریا کی مشجرا آستیں

دوسری لکھو غزل تم اے ظفر نا نکتہ چیں
چھو سکے تری نہ یہ خوف خطر گر آستیں

دیدہ تر کو جو پونچھا میں نے رکھ کر آستیں
بن گئے تکمہ حباب اور موج یکسر آستیں

آستیں کو کون تیری چھو سکے اے جامہ زیب
مار پیچاں کی ہے صورت ہر شکن پر آستیں

چمکے ہے ساعد پہ تیرے جوں ثریا تو رتن
تیری رشک کہکشاں ہے ماہ پیکر آستیں

اشک اپنا بھی کوئی اے مرد ماں طوفان ہے
چھوڑنا ہرگز نہیں یہ طفل اختر آستیں

پھر نہ عالم میں کہیں یک دست طوفان ہو چکا
اسلئے رکھتا ہوں یارو چشم تر پر آستیں

تیغ کو تکتے ہیں اس دم اس کے جانباز ان عشق
جب الٹا کہہ کے ہے اللہ اکبر آستیں

دیدہ سے آئینہ روئی رہ گیا اے مردماں
چشم تر پہ بن گئی سد سکندر آستیں

مجھ کو یہ ڈر ہے مبادا کو دامن گیر ہو
خوں سے آلودہ ہے تیری اے ستمگر آستیں

ابر نیساں کیوں نہ خجلت سے پانی اے ظفر
طرفہ تیرے کلک کی جھاڑے ہے گوہر آستیں

گر قلم تو لے دم تحریر سیدھے ہاتھ میں
یک قلم گل گاؤں میں تصویر سیدھے ہاتھ میں

طائر دل دوں ہوں تجھ کو پر کہیں جائے نہ چھوٹ
تھام تو مضبوط یہ نخچیر سیدھے ہاتھ میں

نائب مجنوں ہوں میں دوستوں بہر شگون
لے کے پہناؤ مجھے زنجیر سیدھے ہاتھ میں

اے ترے قربان کو ذبح کرتا ہے اگر
لے چھری پڑھ کر ابھی تکبیر سیدھے ہاتھ میں

دست چپ ہی میں نا ہیں چوری غضب میں نے کی کچھ
ہے چرائی یہ تری تصویر سیدھے ہاتھ میں

پاؤں بابا ں چوم لے مانی ترا نقش اگر
کھینچے گر لے کر قلم تصویر سیدھے ہاتھ میں

دے نشانی اب تو چھلا اپنے سیدھے ہاتھ کا
کھائے گل رانجھا بھی تا اے ہیر سیدھے ہاتھ میں

کچھ ہوئے طالع مرے سیدھے جو خط اس نے لکھا
کہہ کے بسم اللہ بے تاخیر سیدھے ہاتھ میں

دے خلال اس کو ظفر بازی کا کیوں کرتا ہے سوچ
دست چپ ہیں ہے وزیر اور میر سیدھے ہاتھ میں

ایک تو مہندی کی ہے تحریر دونوں پاؤں میں
دوسرے ہے کفش بھی تصویر دونوں پاؤں میں

آکے پابوسی کریں کیونکر نہ عشاقان تمند
ہے پدم تیرے بہت بے پیر دونوں پاؤں میں

اشک یوں تار مژہ پر ہے رواں بے لخت دل
جوں چڑھے نٹ باندھ کر شمشیر دونوں پاؤں میں

قتل گر کی دل مرا قاتل کی پابوسی کو آہ
لوٹتا ہے صورت نخچیر دونوں پاؤں میں

سونے دیجے کی نہیں رانجھا کو پھر اس کی صدا
مت پہنچ خلخال زرا اے ہیر دونوں پاؤں میں

دشت گردی خاک کیجے بعد مجنوں اے ظفر
مارے ہے خار بیاباں تیر دونوں پاؤں میں

ہوئی پھر آمد و رفت صبا کیا کوئے جاناں میں
گئی جو چھوٹ بو عشق کی دشت و بیاباں میں

کہاں ہے عکس موئے زلف سیدھا خط جاناں میں
نشانی کے لئے سر خط رکھا کافر نے قرآں میں

نہیں ہلکا ہوا بیٹا وہ موئے سر سے ابرو پا
نکل کر سنبلہ سے آفتاب آیا ہے میزاں میں

بھرے گر آہ سوزاں عاشق گل خوردہ تن دل سے
تو ہو اک شاخ پیدا اور اس نخل چراغاں میں

نہ نکلے طوق قمری کے گلے گل خوردہ تن دل سے
وگرنہ سرے تو سو ہاں کی صورت ہے گلستاں میں

کبھی جو چہرہ اپنا ارسی میں ہاتھ کی دیکھا
تو وہ مخمور سمجھا ماہ کنعاں چاہ کنعاں میں

حیات جاوداں کیونکر نہ ہو تیرے شہیدوں کی
نہیں قاتل تری تیغ تبسم آب حیواں میں

خدا جانے کیا کیا حال دل کا آتش غم نے
کہ ہے بوئے کباب سوختہ ہر آہ سوزاں میں

جہاں میں اے ظفر ہم جنس کا ہم جنس دشمن ہے
نکل کر شعلہ نے سے آگ لگتی ہے نیستاں میں

یا تو اپنے پاس تھے یا وہ قریب اوروں کے ہیں
تو جسیب آگے تھے اپنے وہ نصیب اروں کے ہیں

دردمندان محبت کا معالج کون ہے
حضرت لقمان بھی گر ہیں وہ طبیب اوروں کے ہیں

عشق کی تعلیم ہے ہم کو جنوں کی تربیت
عقل سے کہہ دو کہ حضرت آپ اوروں کے ہیں

تیرے نالے وہ بلا جانکاہ ہیں اے گل تو کیا
کرتے یہ دل میں اثر عندلیب اوروں کے ہیں

ایسے بخت اپنے کہاں آئے ہمارے گھر وہ ماہ
اے ظفر اس امر میں طالع عجیب اوروں کے ہیں

تھے کے ہم راہ محبت میں جہاں بیٹھے ہیں
اور واں ہم سے بہت راہ رواں بیٹھے ہیں

نشہ غفلت کا ہے اتنا کہ نہیں سوجھتا کچھ
آئے کس جائے سے ہم اور کہاں بیٹھے ہیں

ساقیا شیشہ و ساغر ہے کہاں لا جلدی
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بادہ کشاں بیٹھے ہیں

اک قدم ضعف سے ہم اٹھ کہ نہیں جا سکتے
صورت نقش قدم جم کے جہاں بیٹھے ہیں

یاں رہا نام و نشاں کس کا بہت سے نائی
اپنا کھیڑے میں لے نام و نشان بیٹھے ہیں

پاس آداب سے کیونکر نہ رہے شمع کھڑی
کہ تری بزم میں ہم سوختہ جاں بیٹھے ہیں

استقامت کی نہیں جا ہے یہ منزل کہ یہاں
سارے برداشتہ دل پیر و جواں بیٹھے ہیں

اٹھے حیرت زدہ اس بزم سے کیا جوں تصویر
جہاں ان کو بٹھایا ہے وہاں بیٹھے ہیں

اے ظفر بارش گریہ ترا کیا طوفاں ہے
آج اس کوچ کتنے ہی مکاں بیٹھے ہیں

مدبر کو سو طرح کی تدبیر سے بدلوں
تصویر کو کس طرح سے تقدیر سے بدلوں

ہاتھ آئے جو تصویر تری عالم تصویر
میں حضرت یوسف کی نہ تصویر سے بدلوں

زہر اب محبت میں حلاوت ہے کچھ ایسی
میں اس کو نہ ہرگز شکر و شیر سے بدلوں

ہماری ہجراں سے اب اتنی نہیں طاقت
بستر پہ جو کروٹ کسی تدبیر سے بدلوں

آنکھوں میں جو ہی کجل جواہر ہے مری خاک
میں خاک در یار نہ اکسیر سے بدلوں

انجم سے مرے داغ سوا ہیں جو کہو تو
اس بات پہ شرط اک فلک پیر سے بدلوں

تنگ آیا ہوں میں گھر میں یہ تحسین کی بجا ہے
اس گھر کو اگر خانہ زنجیر سے بدلوں

گر آب بقا بھی میرے ہاتھ آئے تو اے خضر
میں اس کو نہ آب دم شمشیر سے بدلوں

واشد ہے نہیں دل کو ظفر آہ جو بس ہو
اس غنچے کو میں غنچے تصویر سے بدلوں

رات دن تیرا تصور ہے خیال اور نہیں
کر سوا اس کے محبت کا کمال اور نہیں

آپ میں ڈھونڈ اسے اور کہاں ڈھونڈھتا ہے
کہ بجز تیرے کہیں جائے وصال اور نہیں

گل میں کیا شعلہ میں کیا ماہ میں کیا مہریں میں
سب میں ہے نور وہی نور جمال اور نہیں

مجھ میں تو رہتا ہے اور مجھ سے چھپتا رہتا ہے
ہے یہی رنج مجھے رنج و ملا اور نہیں

دل انسان کے آئینے میں دیکھ اس کو ظفر
کہ نظیر اس کا نہیں اس کا مثال اور نہیں

صنم اور ہم بہم سرمست جب محفل میں ہوتے ہیں
زباں پہ ووہی آتے ہیں سخن جو میں ہوتے ہیں

ترے روئے مصفا سے اسے تشبیہ دو کیوں کر
کہ شب معلوم دھبے سے مہ کامل میں ہوتے ہیں

ہوس آتی ہے جس دم پائے قاتل پر تڑپنے کی
تو کیا کیا جوش پیدا اس دل بسمل میں ہوتے ہیں

ابھی اس منزل الفت کے طے کرنے میں تھک بیٹھا
دلا چل دیکھ کیا کیا رنج اس منزل میں ہوتے ہیں

الٰہی خیر کچھ میرے قاصد کی کہ سنتا ہوں
ہزاروں خون ناحق کوچہ قاتل میں ہوتے ہیں

کوئی شور جنوں ہوتا ہے سب سے اس سے ہوتا ہے
ازل سے دلوپے یہ جھکے آب و گل میں ہوتے ہیں

برا تو مانتے ہیں اے ظفر وہ میری باتوں سے
ولے جب سوچتے ہیں خوب قائل دل میں ہوتے ہیں

صوفیوں میں ہوں نہ رندوں میں نہ میخواروں میں ہوں
اے بتو بندہ خدا کا ہوں گنہ گاروں میں ہوں

میری ملت ہے محبت میرا مذہب عشق ہے
خواہ ہوں میں کافروں میں خواہ دینداروں میں ہوں

صفحۂ عالم پہ مانند نگیں مثل قلم
یا سیہ رویوں میں ہوں میں یا سیہ کاروں میں ہوں

نے چڑھوں سر پر کسی کی اور نہ میں پاؤں پڑوں
اس چمن کے نے گلوں میں ہوں نہ میں خاروں میں ہوں

صورت تصویر مے کش مے کدہ میں دہر کے
کچھ نہ مدہوشوں میں میں ہوں اور نہ ہشیاروں میں ہوں

نے مرا مونس ہے کوئی اور نہ کوئی غمگسار
ہم مرا غمخوار ہے میں غم کے غم خواروں میں ہوں

جو مجھے لیتا ہے پھر وہ پھیر دیتا ہے مجھے
میں عجب اک جنس ناکارہ خریداروں میں ہوں

خانۂ صیاد میں ہوں طائر تصویر وار
پر نہ آزادوں میں ہوں نے ور گرفتاروں میں ہوں

اے ظفر میں کیا بتاؤں تجھ سے جو کچھ ہوں سو ہوں
لیکن اپنے فخر دیں کے کفش برداروں میں ہوں

میاں لیلیٰ وشوں کے عشق میں دیوانے ایسے ہیں
سمجھے ہیچ ہے مجنوں کو وہ مستانے ایسے ہیں

جوان کے نیش زن پلکوں کے ہیں سوراخ سینے میں
کہو تو خانۂ زنبور میں کب خانے ایسے ہیں

صفا دنداں لب رنگیں کہوں کیا وصف میں اس کا
نگین لعل ایسے موتیوں کے دانے ایسے ہیں

سنواریں پنجہ مژگاں ہمارے اس کی زلفوں کو
خدا کی شان یہ ہے آہوی ایسے ہیں

برا ہوں سخت جانی کا کہ آرے سر پہ چلتے ہیں
دم شمشیر قاتل پر دندانے ایسے ہیں

صراحی دار جو گردن ہے اس کی اور لب میگوں
نہ شیشے ہم نے دیکھیں ہیں گے نہ پیمانے ایسے ہیں

ظفر کی داستان غم کو وہ سن سن کر کہتا ہے
رہو چپ بس سنے ہم نے بہت افسانے ایسے ہیں

مرشد پاک رواں فخر الدیں
قبلہ و کعبہ جہاں فخر الدیں

اک جہاں فخر جہاں کہتا ہے
پر ہے فخر دو جہاں فخر الدیں

میں گدا ہوں ترے دروازے کا
جاؤں اس در سے کہاں فخر الدیں

موجزن ہے ترا دریائے کرم
از کراں بکراں فخر الدیں

ہے مدد تیری توانائی بخش
میں ہوں بے تاب و تواں فخر الدیں

کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر
میرا سب راز نہاں فخر الدیں

رکھ ظفر ہر نفس و ساعت
شغل دل ورد زباں فخرالدیں

جیبہ جبیدہ مہ جبیں اچھے جو دل پردہ سے ہیں
ہم سے کچھ چیں بر جبیں رہتے ہیں آزردہ سے ہیں

منہ بنائے تو مزہ اے غنچہ لب بہر خدا
دیکھ کر ہم خون گل شب ماندہ پژمردہ سے ہیں

اپنے ہاتھوں میں گل لالہ کے گلدستے نہ رکھ
کیا ترے عاشق کے بہتر دست گل خوردہ سے ہیں

نیتی پھیرا خزاں کا کیا پھر آیا باغ میں
پھول مژ مردہ سے ہیں مرغ چمن مردہ سے ہیں

عشق کے میداں میں زہرہ ہوتا ہے رستم کا آب
دیکھ تو ہم کو کہ آگے کس دل گردہ سے ہیں

تیرا قامت و قیامت ہے کہ اے محشر خرام
فتنہ و ہنگامہ دونوں جس کے آوردہ سے ہیں

شعر افسردہ ظفر کے مت سناؤ بزم میں
عشق کے مارے ہوئے جتنے ہیں افسردہ سے ہیں

لب کو میں تیرے مے ناب کہے تو کہہ دوں
چشم کو ساغر زہر اب کہے تو کہہ دوں

کلیوں غنچہ و شبنم دہن و دنداں کو
ہاں جو درج خوش آب کہے تو کہہ دوں

خوں کی سرخی سے ہے کیا داغ جگر میں رنگت
اب اسے لالہ سیراب کہے تو کہہ دوں

چمکے ہے ماہ کے پرتو سے جو دریا میں بھنور
ساقی اس کو گل مہتاب کہے تو کہہ دوں

چشم پر آب میں ہے میرے کہاں لخت جگر
لیتے ناب میں سرخاب کہتے تو کہہ دوں

لے کے نام اس کا بہت آہیں بھرا کرتا ہوں
کیوں ابھی اے دل بے تاب کہے تو کہہ دوں

رخ کو تیرے نہ کہوں برق نہ شعلہ نہ قمر
بلکہ خورشید جہاں تاب کہے تو کہہ دوں

نہ کہوں سینے کو سینہ نہ کہوں ناف کو ناف
اے دریا اسے گرداب کہے تو کہہ دوں

عکس افگن نہیں آئینہ میں کانوں کے گہر
مچھلیاں دو ہیں تہ آب کہے تو کہہ دوں

نا پاں نے لب تو خط کو ترے لال کیا
میں اب اس پتہ کو عتاب کہے تو کہہ دوں

یوں تو افسانہ مرا وہ نہیں سنتا اے دل
اس سے یہ قصہ دم خواب کہے تو کہہ دوں

اے ظفر چرخ میں سب کہتے ہیں مہتاب کو بھی
ماہ نو ساغر سیماب کہے تو کہہ دوں

موسم گل کی چمن میں کب خبر اڑتی نہیں
پر قفس سے بلبل بے بال و پر اڑتی نہیں

یوں تو اپنی جوش وحشت کی خبر اڑتی نہیں
دھجیاں ہو کر قبا تا سر بسر اڑتی نہیں

کون سی شب ہے کہ تجھ بن اس مری فریاد سے
نیند ہمسایوں کی اے رشک قمر اڑتی نہیں

ہاتھ سے اس شوخ کے اڑ جائے ہے رنگ حنا
پر ہماری سرخی خون جگر اڑتی نہیں

دام حیرت شاب اڑا دے ہے ہوش پرواز کی
بلبل تصویر پر رکھے ہے پر اڑتی نہیں

اس رخ تابدہ پر قطرے عرق کے دیکھنا
ہے عجب خورشید سے شبنم اگر اڑتی نہیں

کاروان عمر جاتا ہے کدھر پائیں کہاں
گرد بھی اس کی سر راہ سفر اڑتی نہیں

زلف کو جنباں ہوا سے دیکھے اپنے رخ پہ تو
شپرک مہتاب میں دیکھی اگر اڑتی نہیں

اور جتنے رنگ ہیں وہ دیکھیں اڑ جاتے ہیں
پر رخ عاشق کی زردی عمر بھر اڑتی نہیں

پر چراغ دل میں میرے وہ جو ہی آہ کی
جل چکی تو تو سرے تکبیر نظر اڑتی نہیں

وہ گراں بار محبت ہوں کہ میری خاک بھی
کوچہ جاناں سے اے باد سحر اڑتی نہیں

ہے دم بسمل بھی عاشق کو ترا کتنا لحاظ
چھینٹ خوں کی اک ہت بیداد گر اڑتی نہیں

ان کو دنیا کی نہیں خواہش نظر ہے جن کی دور تک
شہد پر بندوق کی مکھی ظفر اڑتی نہیں

ترا حسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں
جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

کریں کیونکہ دل کی نہ ہم پاس داری
کہ ہر دل میں ہم ترا گھر دیکھتے ہیں

نہیں دیکھتے نام اور کو وہ جو اپنے
گریباں میں منہ ڈال کر دیکھتے ہیں

ترا رخ ہے یہ صاف حیران ہو کر
ترے منہ کو آئینہ گر دیکھتے ہیں

قدم کیوں کہ بحر محبت میں ڈالیں
کہ ہر موج موج خطر دیکھتے ہیں

دھواں آگ سے آگ پتھر سے نکلے
محبت کا سب میں اثر دیکھتے ہیں

کہاں ہیں وہ آنکھیں ہماری کہ دیکھیں
ظفر ان کو اہل نظر دیکھتے ہیں

کہیں میں غنچہ ہوں واشد سے اپنی خود پریشاں ہوں
کہیں گوہر ہوں اپنی موج میں میں آپ غلطاں ہوں

کہیں میں ساغر گل ہوں کہیں میں شیشہ مل ہوں
کہیں میں شور قلقل ہوں کہیں میں شور مستاں ہوں

کہیں میں جوش وحشت ہوں کہیں میں محو حیرت ہوں
کہیں میں آب رحمت ہوں کہیں میں داغ عصیاں ہوں

کہیں میں برق خرمن ہوں کہیں میں ابر گلشن ہوں
کہیں میں اشک دامن ہوں کہیں میں چشم گریاں ہوں

کہیں میں عقل آرا ہوں کہیں مجنوں رسوا ہوں
کہیں میں پیر دانا ہوں کہیں میں طفل ناداں ہوں

کہیں میں دست قاتل ہوں کہیں میں حلق بسمل ہوں
کہیں میں زہر ہلاہل ہوں کہیں میں آب حیواں ہوں

کہیں میں سرو موزوں ہوں کہیں میں بید مجنوں ہوں
کہیں گل ہوں ظفر میں اور کہیں خار بیاباں ہوں

دائے اے بے خبر و تم کو خبر خاک نہیں
کہ سفر سر پہ ہے ساماں سفر خاک نہیں

تیرے بیمار کی کیا خاک کرے کوئی دوا
ہوتا اکسیر کا بھی اس کو اثر خاک نہیں

برسوں گذرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد
اب تو اس کوچے میں اے باد سحر خاک نہیں اس کو اب تک

جل کے ہم خاک ہوئے عشق میں اس کے لیکن
اثر سوز جگر خاک نہیں

ذرے ذرے میں ہے یاں خاک کے پیدا خورشید
لیکن آیا تجھے غفلت سے نظر خاک نہیں

دی ہے تقدیر سو ان کو ہنر مندوں سے
جن کو جز بے ہنری آتا ہنر خاک نہیں

خاک میں آنسوؤں کو میرے ملاتا کیا ہے
تجھ کو اے دیدہ تر قدر گہر خاک نہیں

گرمجوشی جو ہے اس ہستی موہوم پہ یہ
اور فرصت ہمیں مانند شرر خاک نہیں

ابر مژگاں سے رکھا میں نے ہمیشہ سیراب
لیکن اس نخل محبت میں ثمر خاک نہیں

ہم سے ظاہر وہ ہوئے صاف تو کیا ہوتا ہے
دل تو صاف ان کا ہوا ہم سے ظفر خاک نہیں

خطر نہیں ہے تری دشمنی سے یار ہمیں
کہ مرنا تجھے آوے ہے اور اتار ہمیں

برنگ آئینہ منہ پر وہ صاف ملتے ہیں
دل ان کا دیکھا تو آیا نظر غبار ہمیں

نہ پوچھ ہم سے کھلی کیوں ہے چشم نرگس وار
بتائیں کیا تمہیں ہے کس کا انتظار ہمیں

ہم ایک نالے میں بلبل ہوش اڑادیں گے
سنائیں باغ میں وہ چہچے ہزار ہمیں

جو کچھ اثر ہے ہمارے بھی وشق میں اے عاشق
وہ منتوں سے بلائیں گے لاکھ بار ہمیں

یہ دل کے لینے کی باتیں ہیں جانتے ہیں ہم
نہیں ہے پیار کا کچھ ان کے اعتبار ہمیں

ہماری ان کی ہو صحبت برار کیوں کر ظفر
خوش آئے ہے وہ انہیں جو ہے ناگوار ہمیں

قتل کریں اک عالم کو وہ ابرو کے خم ایسے ہیں
ان شمشیروں کے ہیں مقابل دیکھوں ہاں ہم ایسے ہیں

اتنا کھایا غم دنیا میں غم کے پتلے بن گئے ہم
اس پر بھی کچھ غم نہیں غم کا ہم بھی بے غم ایسے ہیں

ابر تر کو پل میں رولائیں طوفاں پر اک طوفاں لائیں
وقت وفور گریہ اپنے دیدہ پرنم ایسے ہیں

گل ہے کہیں اور خار کہیں ہے نور کہیں اور نار کہیں ہے
ایک ہی عالم کیا ہے ہزاروں اسکے عالم ایسے ہیں

غیر کے گھر میں تو ہے شاداں ہم ہیں اپنے گھر میں گریاں
عید کدہ واں ایسے ہیں یہاں خانہ ماتم ایسے ہیں

جیسے گل رخسار پہ ان کے طرفہ عرق کی بوندیں ہیں
دیکھے گل لالہ پر کس نے قطرہ شبنم ایسے ہیں

واں ہے عیش و عشرت باہم یاں ہے آہ و نالہ ہر دم
ان کے ہمدم ویسے ہیں اور اپنے ہمدم ایسے ہیں

بیعت کرتے رہیں گے ظفر سے دنیا کے عشاق تمام
واقعی ہوتے عشق میں کامل عاشق ہاں کم ایسے ہیں

اشک کب پیوستہ مژگاں تر کی شاخ میں
موتیا کے پھول باندھے نیلوفر کی شاخ میں

کیا عجب گر ہووے چشم شوخ پر ابروئے کج
ہوتی ہے اکثر کجی آہو کے سر کی شاخ میں

دیکھنا انگشت میں اس گل کی انگشت ششم
شکر کی شاخ پھوٹی نیشکر کی شاخ میں

اس کے ابروئے کشیدہ پر نہیں کاجل کا خط
ہے گل سوسن کمان فتنہ گر کی شاخ میں

کیا عجب جھک جائیں مژگاں آنسوؤں کے بوجھ سے
سرکشی ہو کیونکہ نخل پر ثمر کی شاخ میں

خون عاشق سے نہیں اس تیر کا سوفار سرخ
گل کھلا ہے طرفہ تر سوکھے شجر کی شاخ میں

اے ظفر گلہائے رنگیں کے عوض آتش کے پھول
خوشنما ہیں نخل آہ شعلہ ور کی شاخ میں

کیونکہ ہم دنیا میں آئے کچھ سبب کھلتا نہیں
اک سبب کیا بھیدواں کا سب کا کھلتا نہیں

پوچھتا ہے حال بھی گر وہ تو مارے شرم کے
غنچہ تصویر کے مانند لب کھلتا نہیں

شاہد مقصود تک پہنچیں گے کیونکر دیکھئے
بند ہے باب تمنا ہے غضب کھلتا نہیں

بند ہے جس خانہ زنداں میں دیوانہ ترا
اس کا دروازہ پری رو روز شب کھلتا نہیں

دل ہے یہ غنچہ نہیں ہے' اس کا عقدہ اے صبا
کھولنے کا جب تلک آوے نہ ڈھب کھلتا نہیں

عشق نے جن کو کیا خاطر گرفتہ ان کا دل
لاکھ ہووے گرچہ سامان طرب کھلتا نہیں

کس طرح معلوم ہووے اس کے دل کا مدعا
مجھ سے باتوں میں ظفر وہ غنچہ لب کھلتا نہیں

مژدہ وصل سے گر یار اچھل کر کردوں
در بھی بند ہو تو دیوار اچھل کر کودوں

فتنہ کہتا ہے اگر خواب میں آجاوے وہ شوخ
ہو کے میں خواب سے بیدار اچھل کر کودوں

رہی پا کوئی منصور فقط دار تلک
میں وہ عاشق ہوں سر دار اچھل کر کودوں

کیونکہ اچھلے نہ تڑپے چاہ ذقن کا ڈوبا
دل یہ چاہے کہ کہ دلدار اچھل کر کودوں

گدگدی کرتی ہے تلوے میں مرے تو ہر گام
کیوں نہ اے سوزش خار اچھل کر کودوں

دیکھ فوارے یہ گل دل نے کہاں یوں میں بھی
سر مژگاں گہر بار اچھل کر کودوں

اپنی گر سوختہ جانی پہ ظفر وجد کروں
جو سپند آگ پہ یکبار اچھل کر کودوں

نہیں زیب گلوئے فاختہ یہ طوق گردن میں
محبت سرو کی ڈالے ہوئے ہے ہاتھ گلشن میں

تجھے اے ابر مژگاں آفریں خوب اشک برسائے
برستے اس طرح بادل نہ دیکھے ہم نے ساون میں

بھر آتا ہے دل آہن کا میرے زخم سینہ پر
بجائے تار ہے اشکوں کا تار اب چشم سوزن میں

نہ سمجھو پارہ دل نالہ پر درد میں میرے
شرر چنگاریاں سی اڑ رہی ہیں دود گلخن میں

اڑائیں دھجیاں کس کس طرح سے دست وحشت نے
کہ ڈھونڈو تو نہ پاؤ تار ثابت جیب و دامن میں

مسی آلودہ دنداں جب کہ وہ ہنس کر دکھاتے ہیں
تو پڑتی ہے گل سوسن پہ کیا کیا اوس گلشن میں

خدا نے کیا بنایا اے ظفر دل سخت اس بت کا
نہ وہ سختی ہے پتھر میں نہ وہ سختی ہے آہن میں

سب رکتیں سمجھتے ہیں آن آن میں ہیں
تم اپنے دھیان میں ہو ہم اپنے دھیان میں ہیں

قرآں کی آیتیں ہیں وہ خط مصحف رخ
پر جانتے نہیں ہم یہ کس کی شان میں ہیں

یہ مار زلف نے بابنی پہ من کو اگلا
آویزے لعل کے کب اس گل کے کان میں ہیں

بت العجب ہے ساقی وہ فاحشہ کہ جس کے
سب حد آشنا ہیں جتنے جہان میں ہیں

اس شعلہ رو کا آیا مذکور جب زباں پر
سو پڑے پھپھولے ووں ہی زباں میں ہیں

کھا جائیں گے وہ دل کو ہے اس کا یہ نمونہ
ساری الائچی کو جو رکھتے پان میں ہیں

انجم فلک پہ ساقی سوجھے نشے میں ہم کو
لعل سفید رکھے سبز کے خوان میں ہیں

مژگاں ہیں زیر ابرو یا ترک جنگ جو نے
سو تیر اک طرح کے جوڑے کمان میں ہیں

میں کیوں نہ خانہ دل اپنا رکھوں مصفا
رہتے ظفر ہمیشہ وہ اس مکان میں ہیں

لاکھ چاہت کو چھپائے کوئی پر چھپتی نہیں
پیار کی آنکھ اور الفت کی نظر چھپتی نہیں

ہوگیا ہر اشک قاصد بن گیا ہر نالہ پیک
بے خبری کیوں کر چھپے دل کی خبر چھپتی نہیں

کیا کریں زیر کفن بھی شعلہ فانوس وار
دل کی سوزش اپنی اے رشک قمر چھپتی نہیں

پردہ رنگ حنا میں تو چھپاتا ہے نگار
پر ہماری ترشی خون جگر چھپتی نہیں

گرچہ عطر و مشک و عنبر کا ہے مجموعہ تو کیا
اس کی بوئے زلف اے باد سحر چھپتی نہیں

اشک بھی ہم پی گئے اور آہ بھی کی ہم نے ضبط
زردی رخسار اے ناصح مگر چھپتی نہیں

برق سی تھی جو چمک کر ابر میں پھر چھپ گئی
زیر موئے زلف و تاب کمر چھپتی نہیں

ملک فنا اور ہے ملک بقا اور ہے
یاں کی ہوا اور ہے واں کی ہوا اور ہے

زندگی و مرگ کا ذائقہ میں کیا کہوں
اس کا مزا اور ہے اس کا مزا اور ہے

قلب مصفا سے کیا آئینہ روکش ہو خاک
اس میں صفا اور ہے اس میں صفا اور ہے

ہو ترے بیمار کا چارہ طبیبوں سے کیا
اس کو مرض اور ہے اس کا دوا اور ہے

میرا لہو پاؤں سے مل کر چھٹاتے ہوے کیا
سرخی خوں اور ہے رنگ حنا اور ہے

نالہ نے میں کہاں دل کو فغاں کا اثر
اس کی صدا اور ہے اس کی صدا اور ہے

اس کے ستم کو ظفر کیوں کہا دا چاہئے
طرز ستم اور ہے طرز ادا اور ہے

لپٹی ہے جو آتش عصیاں وجود سے
ٹھنڈی نہ ہووے گی مگر آب سجود سے

مٹ جائے گی نمود تری دم میں اے حباب
کیوں باندھتا ہے اپنی ہوا تو نمود سے

ظالم نہ کھول تو رخ روشن پہ اپنی زلف
تاریک کر جہاں نہ مرے دل کو دود سے

سودائے عشق میں وہی ہوتا ہے کامیاب
بہتر زیاں کو اپنے جو سمجھے ہے سود سے

دیکھی ہے جس نے گردش چشم سیہ تری
ڈرتا نہیں وہ گردش چرخ کبود سے

میں وہ سیاہ کار وسیہ رو ہوں جوں نگیں
سجدے کی جا سیاہ ہو جس کے سجود سے

ہاں سچ ہے اے ظفر کہ حسد ہے بری بلا
رکھے خدا پناہ میں چشم حسود سے

یہ نفس کی آمد و شد اک ہوا کا کھیل ہے
اس ہوا بندی میں پر قدرت کا کیا کیا کھیل ہے

جان پر جو کھیلے اے دل چھیڑے وہ کس زلف کو
کیا کھلانا سانپ کا تو سہل سمجھا کھیل ہے

بس اٹھا چوسر کہ دنیا سے اٹھے جاتے ہیں ہم
ہوتا آخر کھیل میں تیرے ہمارا کھیل ہے

مجمع طفلاں جو دیکھے چشم غور سے
بولے وہ یہ عشق تو لڑکوں کا گویا کھیل ہے

کجبین مہر و مہ کو دیکھ چشم غور سے
تختہ نرد آسماں سے کیا تماشا کھیل ہے

شوق ہے اس جنگجو کو بازی شمشیر سے
کھیلے گا اس لئے اب اس نے سیکھا کھیل ہے

ہوشیاری سے سمجھ کر چال چلنا چاہئے
کار دنیا بھی ظفر شطرنج کا سا کھیل ہے

راہ صحرا نے جنوں کی جبکہ ہم لینے لگے !
خار صحرائے جنوں بڑھ کر قدم لینے لگے

ذائقے سب ہو گئے معلوم دل کی لاگ سے
جب مرے ہم بند کر کے چشم نم لینے لگے

اور بھڑکی آتش غم اور دل جلنے لگا !
سانس جو ہم ٹھنڈی ٹھنڈی دمبدم لینے لگے

کیا حلاوت ہے کہ جو دونوں لب زخم جگر
یوں لپٹ کر بوسہ تیغ دو دم لینے لگے

دیکھو ناوانی کہ دے کر دل ہم اس بے مہر سے
مول اپنے واسطے سو رنج و غم لینے لگے

اے پری رو تیرے دیوانے کی یہ مشق جنوں
دشت میں ہر خار سے کار قلم لینے لگے !

اے ظفر سچ ہے کا نہیں کچھ اعتبار
عاشق و معشوق جب باہم قسم لینے لگے !

پرو اغم الفت میں ظفر کچھ نہیں اپنی !
خوبان جہاں میں سے چنا ہم نے تمہیں کو
تدبیر تو کرتے ہیں سدا وصل کی اس کے
پوچھ ان کی کمر کو جو کہا فہس کے وہ بولے
کیوں خاک میں اے چشم ملاتے ہے در اشک
جو عرش سے تا فرش ہے سب اس میں ہے لیکن

پرو اغم الفت میں ظفر کچھ نہیں اپنی !
خوبان جہاں میں سے چنا ہم نے تمہیں کو
تدبیر تو کرتے ہیں سدا وصل کی اس کے
پوچھ ان کی کمر کو جو کہا فہس کے وہ بولے
کیوں خاک میں اے چشم ملاتے ہے در اشک
جو عرش سے تا فرش ہے سب اس میں ہے لیکن

تاثیر نہ کی دل میں ظفر سنگ دلوں کے
بس دیکھ چکے آہ جگر کچھ نہیں اپنی !

کس کے عارض کی صفا شائل آئینہ ہے
جس کے باعث سے مصفا دل آئینہ ہے

خود پسند اپنی ہی صورت پہ ہوا ہے مائل
کو ان کہتا ہے کہ وہ مائل آئینہ ہے

جلوہ عارض تا بال سے ترے رشک قمر
روکش منزل مہ منزل آئینہ ہے

گر نظر قائل دیدار ہو تیری غافل
پھر تو ہر سنگ یہاں قائل آئینہ ہے

اپنے جوہر سے ہوا آئینے کو خاک حصول
ہاں مگر چین جبیں حاصل آئینہ ہے

شغل میں دل کے جو مشغول ہے اپنے ہردم
اس سے بہتر ہے کہ جو شاغل آئینہ ہے

اس کا رخ آئینہ میں دیکھ کر حیراں ہوں میں
کیونکہ آئینہ ظفر داخل آئینہ ہے

یاد چشم مست میں اس کی یہ کیفیت رہی
ہوش باطن میں رہا ظاہر مجھے غفلت رہی

جس کے پیش چشم تیری ایک دم صورت رہی
صورت آئینہ اس کو مدتوں حیرت رہی

جس نے اس کی زلف کو چھیڑا اسے سودا ہوا
جس نے اس کی چشم کو دیکھا اسے حیرت رہی

کیا کہوں اس وقت پوچھا تو نے آ کر حال دل
بات کرنے کی بھی اے ہمدم نہ جب طاقت رہی

کیا کہوں کیا کیا رہی سرگرمی عیش ونشاط
جب تلک اس شمع رو سے گرمی صحبت رہی

زخم تیغ عشق تازہ ہی رہے یا رب مدام
اس جراحت سے مرے دل کو عجب راحت رہی

عرصہ ارض و سما دونوں ہیں جس کے بار عام !
ہم سے اس کے خانہ دل میں ظفر خلوت رہی

صبر کر صبر تو اے دل تجھے کچھ ہوا ہے !
ہو نہ بیتاب کہ حاصل تجھے کچھ ہوا ہے

تو نے بے جرم کیا قتل تو ہے عاشق کو
اس کا بدلہ کبھی قاتل تجھے کچھ ہوا ہے

خاک پر کوچہ قاتل کو پڑا شوق سے لوٹ
کر اسی خاک میں بسمل تجھے کچھ ہوا ہے

روکشی کرتا ہے تو ماہ جبیں سے لیکن !
اس میں نقصان مہ کامل تجھے کچھ ہوا ہے

خواب غفلت میں پڑا سووے گا کب تک بدمست
ہو تو ہوشیار جو غافل تجھے کچھ ہوا ہے

خاک ہونے سے دلا پہلے ہو تو خاک کہ پھر
نہ ہو ایسے نہ تہ گل تجھے کچھ ہوا ہے

اے ظفر پیش نظر یار کی تصویر کو رکھ
اس کے ہونے سے مقابل تجھے کچھ ہوا ہے

یہ جہاں کا آئنہ خانہ پری خانہ سا ہے
جو یہاں ہشیار آتا ہے وہ دیوانہ سا ہے

کوئی اس سے بادہ کش ہے کوئی ہے خونابہ نوش
یہ جو گردوں رات دن گردش میں پیمانہ سا ہے

آشنائی گر نہ ہو تجھ سے تو ہے کون آشنا
آشنا نا آشنا ہے اپنا بے بے گانہ سا ہے

جس کو تو نے اپنا جلوہ شمع رو دکھلا دیا
گرد پھرتا تجھ پہ جی سے گرد پروانہ سا ہے

تو کہے تو زلف آنکھوں سے تری سلجھائیں ہم
یہ ہمارا پنجہ مژگاں بھی اک شانہ سا ہے

علم سینہ ہو ترا رشک بو علی سینا ہے تو
یہ جو سینے میں ترے دل ہے کتب خانہ سا ہے

اے ظفر رونا پڑے دولت سے اس کے عشق میں
جو ہے قطرہ اشک کا موتی کا اک دانہ سا ہے

اس راہ پر جو ایک جگہ جم کے بیٹھ جائے
مانند نقش پا سر رہ جم کے بیٹھ جائے

دیتی نہیں صفائی ٹھہرنے نگاہ کے پاؤں !
اس رخ پہ دہ میری نگہ جم کے بیٹھ جائے

نم گریے کی ہمارے جو پہنچے تو پھر ابھی !
گردوں کے نہ ورق کی بھی تہ جم کے بیٹھ جائے

خیاط تو بہار کی صنعت نہ ہو تو پھر
گر زخم دل پہ اس کی مژہ جم کے بیٹھ جائے

ٹانکے سے چھوٹے کے وہ بہتر ہے چارہ گر !

اس رخ پہ حلقہ زن خط مشکیں ہے یوں ظفر
دولت پہ جیسے مارسیہ جم کے بیٹھ جائے

جو تماشا دیکھنے دنیا میں تھے آئے ہوئے
کچھ نہ دیکھا پھر چلے آخر وہ پچھتائے ہوئے

فرش مخمل پر بھی مشکل سے جنہیں آیا تھا خواب
خاک پر سوتے ہیں اب وہ پاؤں پھیلائے ہوئے

جو مہیا یہف ناہستی میں ہیں مثل حباب
ہوتے ہیں اول ہی سے پیدا وہ کفنائے ہوئے

غنچے کہتے ہیں کہ ہوگا دیکھیے کیا اپنا رنگ
جب چمن میں دیکھتے ہیں پھول کملائے ہوئے

غافلو اس اپنی ہستی پر کہ ہے نقش برآب
موج کی مانند کیوں پھرتے ہو بل کھائے ہوئے

بے قدم نقش قدم کب بیٹھ سکتا ہے کہ ہم
آپ سے بیٹھے نہیں بیٹھے ہیں بٹھلائے ہوئے

اے ظفر بے آب رحمت اس کے کیونکر بجھ سکے
نفس سرکش کے جو یہ شعلے ہیں بٹھلائے ہوئے

مہر کہیں مجھ کو تماشائے جہاں ایک سا ہے
کر تصور ترا اے راحت جاں ایک سا ہے

خانہ دل میں مرے ایسا سمایا وہ یار !
ہو گیا ل کے مکیں اور مکاں ایک سا ہے

مہ میں کیا مہر میں کیا شعلہ میں کیا برق میں کیا
جلوہ حسن ترا سب میں عیاں ایک سا ہے

چمن دہر میں وہ بلبل تصویر ہوں میں !
کہ مجھے رنگ بہاراں و خزاں ایک سا ہے

شمع گر رات کو جلتی ہے تو دن کو بجھتی
جلنا دن رات ترا سوختہ جاں ایک سا ہے

وہم کچھ اور تجھے مجھ کو گماں ہے کچھ اور !
میرا اور تیرا نہیں وہم و گماں ایک سا ہے

اے ظفر ساغر جم سے نہیں کم ساغر دل
دیکھا دونوں میں تماشائے جہاں ایک سا ہے

یہ عکس زلف جاناں کب خط دلبر کے اوپر ہے
چمن میں لوٹتا کالا گیا ہے تر کے اوپر ہے

سیہ کب عکس مژگاں اس رخ دلبر کے اوپر ہے
یہ پر چھائیں چکوروں کی مہ انور کے اوپر ہے

کسی سر باز تشنہ لب کی آ گرا آب خنجر پر
نہیں ہے حلقہ جوہر ترے خنجر کے اوپر ہے

جگر کے آبلوں کی خیمہ گر کوئی تماشا ہے
عجب رونق پیارے غم کے اس لشکر کے اوپر ہے

دلوں میں بات یہ سنگین دلوں کے آہ رہتی ہے
کہ جیسے نقش آ جاتا کوئی پتھر کے اوپر ہے

سر ہستی ہے شہرت حسن کے وہ داغ چیچک کا
دھرا طبل سکندر سدا سکندر کے اوپر ہے

لب رنگین پہ یوں ہے خال گویا چشم ساقی کا
یہ عکس مردمک جام مے احمر کے اوپر ہے

سر بینی کہاں ہے ابروؤں میں خال کا جل کا
ہلال آیا نظر مسجد میں یہ منبر کے اوپر ہے

تمنا تاج شاہی کی نہ کر ہے بوجھ دنیا کا
کفایت سایۂ حق اے ظفر بس سر کے اوپر ہے

کہاں ہے چشم میں دنبالہ اس ترک پری رو کی
نکل آئی زباں ہے منہ سے باہر مستِ آہو کی

کرے صدقے ہلال و بدر کو ہو کر بلا گرداں
فلک پر چھائیں بھی دیکھے گر ان رخسار و ابرو کی

پھپھولے اشک شوریدہ سے ہوں کیونکر نہ کانٹوں پر
نہیں تیزاب سے کم کچھ ہماری بوند آنسو کی

خدا گویائی دے گر رات دن کو تو قسم کھائیں
تمہارے عارضِ پرنور کی اور تابِ گیسو کی

مقرر اس کو کاٹا ہے مرے سالے کے افعی نے
کہ جس کے زہر سے نیلی ہے رنگت چرخِ مینو کی

طبیبو لخلخے کے واسطے مجھ کو سنگھاتے ہو
مری تفریح کو کافی ہے بو زلفِ سمن بو کی

برنگِ نقش تصویرِ گلشن محوِ عبرت ہے
اگر تصویر دھروں باغ میں میں اپنے گلرو کی

عجب کیا وہ نگاہوں میں جو تو نے ایک عالم کو
بعینہ چشم و ابرو ہیں وہ ہم صورت ترازو کی

نہیں کوئی عزیز اصلا سوائے ربِ عزت کے
سفید اب ہو گئی رنگت عزیزوں کے ہے لوہو کی

خموشی بے سبب تیری نہیں ہے اے ظفر اتنی
مگر تو چپکے چپکے دیکھتا ہے بات قابو کی

ڈبونا چرخ کا کیا چشم نم پیچھے نہیں پڑتے
کسی کے دھو کے اتنے ہاتھ ہم پیچھے نہیں پڑتے

وہ کس دن لے کے شمشیرِ ستم پیچھے نہیں پڑتے
پر اپنے عشق میں بڑھ کر قدم پیچھے نہیں پڑتے

بھویں تو بونہ غصے میں ہمارا دم نکلتا ہے
کسی کے لیے کے یوں تیغِ دو دم پیچھے نہیں پڑتے

خوشی سے دے اگر بوسہ تو بہتر ہے مروت میں
وگرنہ ہم ترے سر کی قسم پیچھے نہیں پڑتے

ستم تیرے کہاں تک سہیے اپنی جان جاتی ہے
کسی کی جان کے اے پر ستم پیچھے نہیں پڑتے

اٹھاتے ہیں وہ مجھ پر تیغ جل کر دستِ نازک سے
کبھی منہ پر کسی کے خم بہ خم پیچھے نہیں پڑتے

تمہارے پاس رسوائی سے میں نالہ نہیں کرتا
وگرنہ کب مرے درد و الم پیچھے نہیں پڑتے

ترا وحشی ترے کوچے کے ویوں گرد رہتا ہے
سمجھ کر لوگ اے صیدِ حرم پیچھے نہیں پڑتے

یہ دل شیشے سے بھی نازک ہے ناحق ٹوٹ جائے گا
بہت اے عشق لے کر سنگِ غم پیچھے نہیں پڑتے

ہوئے جاتے ہیں نقدِ داغ چرخ اے عشق دل ہی میں
جگر کو دوں کہاں سے کچھ درم پیچھے نہیں پڑتے

کہاں طاقت پڑے سدجہ ترے دلبر کے آگے
کبھی دیوار کے بھی اے صنم پیچھے نہیں پتے

غزل یہ ایک کیا کتنی ہی ایسی پھینک دیں لکھ کر
ظفر ہم لے کے قرطاس و قلم پیچھے نہیں پڑتے

اب نازو نگہ در پے آزار ہیں دونے
بیمار تری آنکھوں کے بیمار ہیں دونے

کس دن ہوئے سیراب ترے چاہ ذقن سے
ہم روز ترے تشنہ دیدار ہیں دونے

جوں جوں کہ انہیں پیار جتاتا ہوں میں اپنے
ہوتے مری صورت سے وہ بیزار ہیں دونے

گن ان کی برابر ستاروں کو فلک کے
سینے کے میرے داغ نمودار ہیں دونے

بدمست رہیں میکدہ عشق کے مے خوار
بیہوشی میں تو اور بھی ہشیار ہیں دونے

ہے چند مکرر سے کسے کام کہ اس سے
شیریں ترے لعل شکربار ہیں دونے

افراط غم و رنج جدائی میں نہ پوچھو
شب چوگنے ہیں دن کو اگر یار ہیں دونے

زلفوں سے تری ہو دے گا سودا دل کا
۳۱ جنس کے دام اب مجھے درکار ہیں دونے

جنتی کہ ہے جو کیا اب ظفر جنس محبت
ہم اپنے ہی اور اس کے خریدار ہیں دونے

جان دے اپنی جو ماہ مہ جبیں کے واسطے
چادر مہتاب ہو اس کے کفن کے واسطے

اس قدر ہے لاغری اس خستہ تن کے واسطے
کم نہیں اک برگ گل دو پیرہن کے واسطے

واسطے اس جنبش مژگاں کے جو ہے نوک جھونک
وہ کہاں ہے نیزہ بازاں دکن کے واسطے

چین ابرو پر تری کا فرنہیں کچھ خوشنما
چین زیبا ہے تو زلف پر شکن کے واسطے

ہوں تو نخل بے ثمر جوں سرو میں اے نخل بند
پھر لگا رکھ تو مجھے زیب چمن کے واسطے

اگر جادو تو اس کے چشم جادو کے لیے
سحر ہے تو اس نگاہ تیغ زن کے واسطے

خاک سے اشک چکیدہ کی طرح اٹھتا ہے کب
خاک غربت ہے وطن جس بے وطن کے واسطے

ہر شرار سنگ توڑے عشق سے ہے اک چراغ
چاہیے کیا شمع کو ہر کوہ کن کے واسطے

نہ بہر وقت آخر، چار عنصر شش جہت
اے ظفر جو کچھ بنا سو پنج تن کے واسطے

کسی عاشق کا تر اشکوں سے یہ پُر آب دیدہ ہے
گل نرگس جو شبنم سے چمن میں آب دیدہ ہے

ہجائے بادہ بھر کر خون دل پیتا ہوں آنکھوں میں
کہ دل شیشہ ہے اور جام شراب ناب دیدہ ہے

مرے اشکوں کا دریا کر رہا تی ہے طغیانی
نظر آتا ہر رنگ حلقہ گرداب دیدہ ہے

نہ آیا ماہ وش اور انتظار اس کا کیا یاں تک
سفید اپنا ہوا یاں صورت مہتاب دیدہ ہے

دل بیتاب سے میرے جو ہمسر ہو کے اڑتا ہ
ہوائی ہو گیا کیوں تیرا اے سیماب دیدہ ہے

نہ پوچھو شوق دیدار اس پری وش کا کہ آنکھوں میں
ہر ایک اشک اور ہر اک قطرہ خوناب دیدہ ہے

سیاہی مردمک کی داغ لالہ سے مشابہ ہے
کہ ہر ایک لخت دل سرخاب ہے تا لاب دیدہ ہے

ہمارا جوش گریہ بھی عجب بارو تماشا ہے

ظفر اس کی جدائی میں ہے یہ حال دل و دیدہ
کہ رہتا رات دن بیتاب دل بیتاب دیدہ ہے

کہاں خلقت عزیز و زیر چرخ پیر پھرتی ہے
یہ فانوس خیالی میں ہر اک تصویر پھرتی ہے

نہ چرخ ایسا ہوں نے بھنور ہوں نے بگولا ہوں
مجھے تو کیوں لیے اے گردش تقدیر پھرتی ہے

نہ چھوڑا ساتھ مر کر بھی کہ تیری ساتھ ہے لپٹی
ہر اک سائے پہ روح عاشق دلگیر پھرتی ہے

ہوئی ہے جوش گل سے جوش وحشت اسقدر پیدا
کہ ہر موج ہوا پہنے ہوئے زنجیر پھرتی ہے

تمہیں آتا ہے زیر چرخ خواب اے غافلو کیونکر
کہ شب کو کہکشاں کھینچے ہوئے شمشیر پھرتی ہے

اترتے ہیں گلے میں گھونٹ آب زندگانی کے
چھری جب حلق پر قاتل دم تکبیر پھرتی ہے

ظفر کو منزل مقصود تقدیر لے پہنچی
کدھر بھٹکتی ہوئی سی عقل بے تدبیر پھرتی ہے

جستجو اب اور ہے تدبیر پہلے اور تھی
گفتگو اب اور ہے تقدیر پہلے اور تھی

میں کروں کیوں کر نہ اپنے نالہ ہائے دل کو ضبط
اور ہے تاثیر اب تاثیر پہلے اور تھی

روز روز وصل تھا یا اب شب ہجراں ہے روز
یا الٰہی کیا مری تقدیر پہلے اور تھی

زلف سے چھٹ کر ہوا دل خط کے حلقے میں اسیر
طوق ہے پیچھے ہوا زنجیر پہلے اور تھی

میرے دل نے کر دیا مجھ کو سبک یاں ورنہ یار
تیری محفل میں مری توقیر پہلے اور

خاک ہو کر عشق میں ہم ہو گئے اکسیر آپ
ورنہ ہم کو خواہش اکسیر پہلے اور تھی

اس بنا کا کیا بھروسہ ہے کہ منعم جہاں
ہے تری تعمیر واں تعمیر پہلے اور تھی

ہو گئی قسمت سے میری کند تیر سے وقت قتل
تیز اے قاتل تری شمشیر پہلے اور تھی

دیکھ کر ہم کو ظفر بدلا ہے تو نے یہ ورق
ورنہ تیرے ہاتھ میں تصویر پہلے اور تھی

بھوں کی جنبش سے اگر چین جبیں مل جائے گی
چین کی بھونچال سے یکسر زمیں مل جائے گی

پردہ کھل جائے گا مردم گر یہ خاموش کا
چشم تر پر ہے جو میری آستیں مل جائے گی

شمع سوز عشق میں ہر چند ہے ثابت قدم
دیکھ کر پر میری آہ آتشیں مل جائے گی

تاب عارض سے ترے بجلی سی ایک جاوے گی کوند
غرفے سے چلمن جو اے پردہ نشیں مل جائے گی

مضطرب دل کو نہ کر ا دور کی سوجھی تجھے
کیونکہ ٹھہرے گی نظر گر دوربیں مل جائے گی

سلک باریک روئے متن پہ موج دود دل
گر ہوا سے رخ پہ زلف عنبریں مل جائے گی

لی جو زیر خاک کروٹ عاشق بے تاب نے
تیغ خارا اے دل اندوگیں مل جائے گی

دیکھنا کیا کیا جھڑیں گے پھول اشکوں سے اگر
شاخ مژگاں گر تیری اے مہ جبیں مل جائے گی

اب تو پھڑکے ہے قفس میں بلبل تازہ اسیر
کوئی دن کو دیکھنا اس کو یہیں مل جائے گی

اے ظفر زیر و زبر ہوگا دو عالم دیکھنا
گر صف مژگان چشم خشمگیں مل جائے گی

اے ظفر سینہ پہ سینہ تو سمجھ کر ہو جیو
کاکل صاف یہ اس نازنیں کا سانپ ہے

تنہا نہ عشق میں دل مائل پہ بن گئی
جی پر بھی وہ ہی بن گئی جو دل پہ بن گئی

دل ہی سے پوچھو عشق میں جو دل پہ بن گئی
بسمل ہی جانتا ہے جو بسمل پہ بن گئی

کیوں موج گل سے پائے نہ زنجیر سے بہا
دیوانہ کس کے حسن و شمائل پہ بن گئی

خوش ہے جسے کہ غم نہیں انجام کار کا
اندیشہ مآل میں عاقل پہ بن گئی

برپا ہو کیوں نہ خانہ زنداں میں روز غل
میرے جنوں سے اب تو سلاسل پہ بن گئی

پہنچی نہ رفتگان عدم کی جو کچھ خبر
کیا جانے کیسی جاتے ہی منزل پہ بن گئی

ناخن پہ رفتہ رفتہ تیری سرخی حنا
تصویر ماہ نو مہ کامل پہ بن گئی

پتھر کے دل میں بیٹھ گیا نقش کوہ کن
شیریں کی صورت اس سے نہیں سل پہ بن گئی

تڑپیں جو دی وفا نے تو میرے لہو کی چھینٹ
بوٹی سی ایک دامن قاتل پہ بن گئی

ہستی کے باغباں کی ظفر پوچھتا ہے کیا
جو کچھ چمن میں جان عنادل پہ بن گئی

گلشن دل سے جو کچھ گل چیدہ چیدہ آئیں گے
لخت دل یا قطرہ خوں چکیدہ آئیں گے

دل میں ہے کیا کیا کدورت پر وہ منہ پر دیکھنا
آئنے کی طرح ہو کر صاف دیدہ آئیں گے

وحشیوں کو اپنے رکھ دام گر رم کر گئے
ہاتھ تیرے پہ نہ آہوئے رمیدہ آئیں گے

منت خنجر نہ کھینچیں گے ترے سرباز عشق
مثل ماہی صید گہ میں سر بریدہ آئیں گے

میں نہ ہوتا ان کا خاک رہ جو ہوتی یہ خبر
خاک پڑی میری وہ دامن کشیدہ آئیں گے

اس چمن میں مثل نرگس آنکھ ہووے گی جنہیں
جب یہاں آئیں گے وہ گردن خمیدہ آئیں گے

اے ظفر جس دم کی آمد غم دل دار کی
پہلے استقبال کو آنسو سے دیدہ آئیں گے

ہم بتوں کو اپنے جذب دل سے کھنچ جائیں گے
پر بڑے پتھر ہیں یہ مشکل سے کھنچ جائیں گے

بھاگ کر جائیں گے محفل سے ہماری وہ کہاں
ہوں گے جس محفل میں اس محفل سے کھنچے جائیں
گے

ایک نقشہ اس کے کاشانے کا کھینچا جائے گا
سینکڑوں نقشے مہ کامل سے کھنچ جائیں گے

لکھتے جو حرف انانیت ہیں وہ منصور دار
دار پر اس حرف لاطائل سے کھنچ جائیں گے

کشتہ کیوں ہوتے ترے عشاق گر یہ جانتے
لاشے آخر کوچہ قاتل سے کھنچ جائیں گے

ہاں مدد کر جذب الفت وہ دیکھیں کب تلک
آپ کو دور اپنے اس مائل سے کھینچے جائیں گے

اے ظفر ان کو طپش دل کرے ہی گی اثر
ہم جو یوں نالے دل بسمل سے کھینچے جائیں گے

کہیں کس وجہ ہم منہ سے نہیں کچھ کام ان سے ہے
ہو ہو نام عالم میں ہمارا نام ان سے ہے

حوالے ان کے زلفوں کے بجا پا ملت و دین سب
تعلق رکھتا اپنا کفر اور اسلام ان سے ہے

رقیب اور ہم ہیں دونوں اس کو یکساں ہائے اے قسمت
کہ الفت صبح ہم سے ہے محبت شام ان سے ہے

سمجھتے پھرتے منکر ان جنوں ہیں کن کے سمجھائے
ارے ناصح تجھے یہ کیا خیال خام ان سے ہے

نہیں مہ چرخ پر نکلا چڑھے وہ اپنے کوٹھے پر
کہ یہ وحشی سی ہے کتنا رام ان سے ہے

جو شکل طائر تصویر سب سے بے تعلق ہیں
نہ مذہب باغ ان سے ہے نہ مذہب دام ان سے ہے

بغیر ان کے کہاں بستر آرام پر راحت
مرے آرام جاں وہ ہیں مجھے آرام ان سے ہے

کبھی ہم کو کبھی اوروں کو دیتے ہیں دلاسے وہ
ادھر پیغام ہم سے ہے ادھر پیغام ان سے ہے

بھرے بیٹھے ہیں وہ غصے میں بوسے مانگتے ہو تم
ظفر شاید کہ تم کو خواہش دشنام ان سے ہے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہستی خوب ہے

توبہ اے ساقی نہیں پینے کا میں جام شراب
مجھ کو اپنی بادہ وحدت کی مستی خوب ہے

جس طرح مژگاں سے میری ہیں بندھے اشکوں کے تار
اس طرح جوڑی نہیں کوئی برستی خوب ہے

خواب میں جلوہ دکھا دیتا ہے وہ معشوق کے
چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے

راہ بہتر ہے وہ ہموار رہرو کے لیے
نہ بلندی ہے بہت اچھی نہ پستی خوب ہے

خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صریح
تا فلک حق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے

ایک عالم کشتہ ابرو ہے اس سفاک کا
ان دنوں میں چل رہی تیغ دو دستی خوب ہے

ملک دنیا کی تو آبادی ہے ویرانہ تھا
اور بستی ہے جہاں ایک خلق بستی خوب ہے

دین و دنیا دونوں ہوں قسمت محبت کی اگر
میں کہوں گا اے ظفر یہ جنس سستی خوب ہے

لوٹتا کیا دل پہ آہ آتشیں کا سانپ ہے
بلکتا راشک بھی اک آتشیں کا سانپ ہے

کہکشاں کا خط نہیں ہے جوش انجم میں نمود
کنگروں میں یہ بڑا اژدر خیمہ یں کا سانپ ہے

سبز چوڑی سا عصا زک پہ اس گل کے نہیں
شاخ گل پر صاف لپٹا یا کسیں کا سانپ ہے

دیکھ کر آئینے میں وہ زلف کو ہٹنے لگے
ہندپائی میں پڑا طرفہ کہیں کا سانپ ہے

بوسہ پیشانی کا لیں کیونکر کہ ڈر ہے جان کا
کاٹنے کو دوڑتا ہے چین جبیں کا سانپ ہے

روزن تربت سے دل تنگوں کا کیا نکلے ہے دود
یہ کوئی کالا غضب بازار چیں کا سانپ ہے

ادھر تو موت کی خواہش میں بسمل ہاتھ ملتا ہے
ادھر کو نیم بسمل چھوڑا قاتل ہاتھ ملتا ہے

تمنا ہے جسے تیرے لب شیریں کے بوسے کی!
مگس کی طرح اے شیریں شمائل ہاتھ ملتا ہے

کسی کا دل جو آئے کر اپنے تو ملتا ہے پاؤں سے
تو کیا کیا حسرتوں سے تیرا بیدل ہاتھ ملتا ہے

چلا محفل سے کس کو چھوڑ کر بے تاب تو ایسا!
کہ شعلہ شمع کا اے زیب محفل ہاتھ ملتا ہے

قدم اٹھتا نہیں جب ضعف سے صحرا تک کے
تو مجنوں دیکھ کر کیا سوئے محفل ہاتھ ملتا ہے

کف افسوس تو ملتے ہیں ہم محو تصور میں!
فضائے شغل میں جس طرح شاغل ہاتھ ملتا ہے

ہوائے برگ گل ملتے نہیں اے غیرت گل اب
چمن میں گل بھی تجھ پر ہو کے مائل ہاتھ ملتا ہے

رکھا ہے عشق میں اس راہ پر ہم نے قدم اپنا
کہ جس رہ میں خضر سا میر منزل ہاتھ ملتا ہے

دیا اللہ نے ایسا کمال عشق انساں کو!
فرشتہ دیکھ کر انسان کامل ہاتھ ملتا ہے

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کس کو آتی ہے
سخنور دیکھ کر یہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے

دبائے دل کو جو مژگان یار ہاتھ لگے
اچھل پڑے کہ یہ آیا شکار ہاتھ لگے

دیا نشے میں جو گیسو کا تار ہاتھ لگے
جھجک کے بولے کہ شاید ہے مار ہاتھ لگے

ہزار پھیرے ہاتھ اس رخ خط پر
کوئی مٹے ہے یہ خط غبار ہاتھ لگے

ابھی رہے گی نشانی جو تم چھپاتے ہو!
دکھا ہے آپ نے چھلا تار ہاتھ لگے

جدا نہ کیوں خط دنبالہ سے ہو دست مژہ
کچھے ہے تیزی سے خنجر کی دھار ہاتھ لگے

کسی کے عارض نازک پہ جیسے پھیرا ہاتھ!
لگے ہے جا رگ گل بھی خار ہاتھ لگے

فلک کے دست تصرف میں کہکشاں ہے یوں
عصا کو جیسے رکھے شوبدار ہاتھ لگے

تو نگروں میں بھی ہو وہ گدا نہ بالا دست
کہ ایک ہاتھ ہو جس کا ہزار ہاتھ لگے

دکھائے دست حنائی جو وہ تو دیکھ بہار
ظفر ہے یار کی رنگ بہار ہاتھ لگے

جام چشم یار ہے ساغر کے درکار ہے
اور علاوہ اس کے گردن بھی صراحی وار ہے

سرمہ تحریر سے کب زیب چشم یار ہے
سرمئی ڈورے سے باندھا آہوئے تاتار ہے

مسجد و میخانہ میں کیا فرق ہے دونوں ہیں ایک
ایک سے ہیں سنگ و خشت اور ایک سی دیوار ہے

ہے گلوگیر اپنی جس دن سے بتوں کی دوستی
تار رشک اپنے گلے میں رشتہ زنار ہے

عشق کے آنے کو مانع ہے ہوس دل سے اٹھا
پہلے دروازے پہ دل کے یہی چوکیدار ہے

دیکھا اس مہ جبیں کی مانگ بیچ کے قریب
فلک دل کی سمت رونے اختر و مدار ہے

آمد و شد نے نفس کی دی ظفر ساری خبر
سوئے ہستی و عدم قاصد کے درکار ہے

چھپا سا کب خط رخسارہ دلبر کے نیچے ہے
لیے بیٹھے کو طوطی اپنے بال و پر کے نیچے

تصور اس کی مژگاں کا مجھے سونے نہیں دیتا
بچھا دیتا کوئی نشتر مرے بستر کے نیچے ہے

طلب کرتا ہے آب خضر آب تیغ قاتل ہے
غرض جو سبز بخت اس گنبد اخضر کے نیچے ہے

بنایا خال عارض کے تلے خال اس نے کاجل کا
ہوا پیدا اک اختر اور اس اختر کے نیچے ہے

ہوا ہے جیسے داغ گل بلبل اس طرح سینے میں
کف ساقی کو رعشہ دمبدم ساغر کے نیچے ہے

مری آواز زیر بام سنتا ہے تو پھر وہ ہیں
اتر جاتا وہ کوٹھے سے بہانہ کر کے نیچے ہے

قلق سے دمبدم گردن ترے صید محبت کی
کبھی شمشیر کے اوپر کبھی خنجر کے نیچے ہے

خیال بالش سے پر پری رو نیند اڑتی ہے
ترے جو آستاں کا سنگ میرے سر کے نیچے ہے

ظفر شیرین سنگین دل سے کیا چالاک دستی ہے
کر دست کوہ کن تو دب گیا پتھر کے نیچے ہے

کس کے ابرو کی مری تصویر آنکھوں میں پھری
میل سرمہ کی جگہ شمشیر آنکھوں میں پھری

اس پری رخسار نے کھولی جو اپنے مشک پر زلف
وحشیوں کی صورت زنجیر آنکھوں میں پھری

خواب میں دیکھا کیا میں قصر جنت رات بھر
اس کے گھر کی جو مری تعمیر آنکھوں میں پھری

شرح کیا خورشید سے بھی پھر گئی میری نظر
جب کہ اس کی شکل پر تنویر آنکھوں میں پھری

جب پھر آیا وہ شکار افگن کہ تکتے تکتے راہ
پتلی آنکھوں کی تری نخچیر آنکھوں میں پھری

سبزہ خط دیکھ کر رخ پر ترے اے سر دھرا!
اک بہار گلشن کشمیر آنکھوں میں پھری

نالہ دل سے ظفر کے اک سلائی نیل کی
تیری آخر آسمان پیر آنکھوں میں پھری

جہاں میں ہم تو غم آلودہ اک جہاں کے رہے
رہے اسی میں یہاں کے رہے نہ واں کے رہے

شب فراق نہ پوچھو کہ کس طرح گزری
ستارے گنتے ہم آنکھوں سے آسماں کے رہے

نہ عزم کعبہ کیا اور نہ قصد بت خانہ
کہ ہم تو خاک نشیں اس کے آستاں کے رہے

پہنچ گئے سر منزل تو ہم سفر اور ہم
بھٹکتے گرد صفت پیچھے کارواں کے رکے

برنگ غنچہ تصویر کچھ نہ بولے ہم!
سدا خموش تصور میں اس وہاں کے رہے

غرض رہی نہ ہمیں کچھ بھی دین و ایماں سے
فریفتہ جو رخ و زلف پر بتاں کے رہے

ٹھکانا جب نہ رہا کوئے یار میں اپنا
تو اے ظفر یہ بتا ہم کو ہم کہاں کے رہے

اگر غفلت کا پردہ ہم اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
تو جو واں دیکھتے یاں دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

ہمیں رونے سے تو کیوں روکتا ہے دمبدم ناصح!
تجھے کیا ہم ہیں اشک خوں بہاتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے آپ ہی پیغامبر ہم اپنے ہو جاتے
کہ جاتے واں اور اس کو دکھاتے اپنی آنکھوں سے

ملائیں گے نظر کس سے کہ وہ بے دید ہیں ایسے
نہیں آئینے میں آنکھیں ملاتے اپنی آنکھوں سے

شب فرقت ہمیں اے آسماں آنکھیں دکھاتا ہے
ستارے یہ نہیں ہم کو ڈراتے اپنی آنکھوں سے

برنگ اشک سرمہ آلودہ ہم اب اے سیہ بختی!
نظر کس کی چڑھیں ہیں سب گراتے اپنی آنکھوں سے

تمہاری شوخ چشمی سے پتے آہو نہ کیوں بنتے
کہ تم انساں کو وحشی ہو بناتے اپنی آنکھوں سے

جو وہ آنکھوں میں آیا کون اس کو دیکھ سکتا تھا
قسم آنکھوں کی ہم اس کو چھپاتے اپنی آنکھوں سے

ظفر گریہ ہمارا کچھ نہ کچھ تاثیر رکھتا ہے!
انہیں ہم دیکھتے ہیں مسکراتے اپنی آنکھوں سے

آنکھ اس قاتل کی سواری دم کشتن پھری
پر نہ زیر تیغ اس سر باز کی گردن پھری

صید گہ میں جب سواری تیری صید افگن پھری
رہ گئی ہر صید کی تیری طرف گردن پھری

ہو چکا موسم خزاں کا آئی گلشن میں بہار
کیا بری تقدیر پھا ے طائر گلشن پھری

لگ چکا ٹانکا کہ مرے زخم جگر پر چارہ گر!
بخت کی برگشتگی سے آگے ہی سوزن پھری!

جوں نظر تیری پھری ہم کو ہوا عین الیقیں
کچھ طبیعت دوستوں سے تیری اے دشمن پھری

کوئی گل ایسا نہ پایا جس میں ہو بوئے وفا!
ڈھونڈتی ہر چند باد صبح سو گلشن پھری

ہے یہ خوبی بخت برگشتہ کی جو یوں مجھ سے آہ
صف کی صف مژگاں کی تیری اے بت پرفن پھری

خاک مجنوں سے ہوئی اتنی مکدر تو صبا!
مدتوں صحرا بصحرا جھاڑتی دامن پھری

تیری جانب سے ظفر شاید دل اس کا پھر گیا
ورنہ کیا باعث کہ آتے ہی نظر چتون پھری!

ظاہر ہیں کیا ظہور کے مظہر نئے نئے
جلوے ہیں اس کے پردے کے اندر نئے نئے

ہوں زخم میرے دل پہ نہ کیوں کر نئے نئے
اور امتحاں وہ کرتے ہیں خنجر نئے نئے

صیاد یا سر نیزہ چلیں تو کیا کریں
ہیں دام میں پھنسے ابھی آ کر نئے نئے

نازو ادا و غمزہ تو ہیں شیوہ قدیم
لیک ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

جن جن کے یہ پرانے پرانے ہیں مقبرے
تھے ان کے واسطے بھی یہاں گھر نئے نئے

دل ٹوٹے محتسب کا الٰہی کہ اس نے آج
کیا بت کدے میں توڑے ہیں ساغر نئے نئے

آغاز خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا
طوطی باغ حسن نے یہ پر نئے نئے

کل ٹکڑے ٹکڑے خط کو کیا نامہ بر کو آج
کترے ہے روز گل یہ ستم گر نئے نئے

اک داغ دل کا کہنہ ہوا یہ تو پھر بھرے
پیدا ہزار داغ جگر پر نئے نئے

کرتی ہے تازہ فتنہ بپا گردش فلک
لاتی ہے ہم سے روز یہ چکر نئے نئے

اک دل ہے اس کو دیجیے عکس کس کو اے ظفر
آتے نظر ہیں سینکڑوں دلبر نئے نئے

مریضِ عشق ترا کیا دوا سمجھ کے پئے
جو گھونٹ زہر کے آبِ بقا سمجھ کے پئے

جگر کے کرتے ہیں ٹکڑے یہ پارۂ الماس
پئے جو اشک کوئی بتلا سمجھ کے پئے

کہاں نصیب کہ قلیاں ہمارے ہاتھوں سے
ہمیں بھی اپنا کوئی آشنا سمجھ کے پئے

مرے لہو کا وہ پیاسا ہے پر اسے کہہ دو
یہ خونِ سوختہ جاں ہے ذرا سمجھ کے پئے

شرابِ عشق سے کیفیت فنا کے لیو
وہ دیکھے آپ کو جو یاں فنا سمجھ کے پئے

تمہارے تشنۂ بوسہ کو دیں جو شربت قند
تو ہے یقین کہ نہ وہ بے مزا سمجھ کے پئے

تمہارے پاؤں بھی دھو کے پئے یہ عاشقِ زار
پر اس کو فائدہ کیا اور کیا سمجھ کے پئے

نہ اس کو فہم کلام اور نہ تجھ کو ضبط کلام!
کہو ظفر سے پئے گر نشہ سمجھ کے پئے

آنکھ دیدار کی بندوق دکھا تو دا ہے
کیا کرے دشت میں گر کان نہ آہو دا ہے

لوٹے مرا دل بیتاب ترے پاؤں پہ حیف
رحم آئے نہ تجھے پاؤں تلے تو دا ہے!

سرِ مژگاں پہ کہاں ٹھہر سکیں پارۂ دل
کہ چلے آتے ہیں بے ساختہ آنسو دا ہے

نبض دیکھے ترے بیمارِ محبت کی اگر
انگلی دانتوں کے تلے اپنی ارسطو دا ہے

قسمت اس صیدِ ستم دیدہ کی جس کو دمِ ذبح!
جھک کے بیٹھے پہ وہ قاتل تہِ زانو دا ہے

پنجۂ شانہ کے قائل ہوں سازی کا
تل ہے بے افسوں کہ ترے افعیِ گیسو دا ہے

اگیں سبزے کی جگہ خاک اسے پھر نشترِ خسار
اپنے مجنوں کی جو تو فصد کا لوہو دا ہے

جو کہ ہے خاک نشیں اور ہے یگانہ ظفر
مسندِ جاہ پہ جمشید کے پہلو دا ہے

کہ ان کے دیکھتے ہی اپنی حالت ایسی ہوتی ہے
کہ سب کہتے ہیں توبہ ہائے چاہت ایسی ہوتی ہے!

دکھا دے باغ میں گل رو رگِ گل کو کمر اپنی
کہ نازک اس کو کہتے ہیں نزاکت ایسی ہوتی ہے

نہ رکھے دل میں صاف خوب وحشت سب منہ پر
بجز آئینہ کس کی صاف طینت ایسی ہوتی ہے

مے گلگوں بلوریں جام میں وہ بھر کے کہتے ہیں
نشے میں اپنے بھی چہرے کی رنگت ایسی ہوتی ہے

نہ ہوتا اس کا پاسِ آبرو تو ابر سے کہتے!
کہ گریہ اس طرح کرتے ہیں رقت ایسی ہوتی ہے

غبار آلودہ خط سے رخ کا آئینہ ہوا دیکھا!
کہ رکھتی دل میں عاشق کے کدورت ایسی ہوتی ہے

دکھا کر وہ مجھے تصویر مجنوں کی یہ کہتے ہیں
کہ جو ہوتے ہیں عاشق ان کی صورت ایسی ہوتی ہے

اٹھا جو برقعِ فانوس منہ سے شمعِ محفل کے
ہوا پروانہ جل کر خاک غیرت ایسی ہوتی ہے

ظفر مت پوچھو جو کچھ ہم میں ان میں ربط ہے باہم
کہ نے یار ایسے ہوتے ہیں نہ الفت ایسی ہوتی ہے

شمع رو جس کو ترے وصل کی لو ہووے گی
اس کو پروانہ صفت کچھ تگ و دو ہووے گی

چاندنی اس کی بنی ہے جو صور تصویر
شکل ابرو کی جیسے مہ نو ہووے گی

عقل وویں ہوش و خرد عشق میں ہم بیچ چکے
جنس دل ایک رہی ہے سو گرو ہووے گی

دیکھا دان نہ بو تخم کوئی کے سوا
کہ کبھی کشت عمل تیری درو ہووے گی

لاکھ تم منع کرو جب کہ بھر آئے گا یہ دل
تا تھمو آنسوؤں کی چشم میں رو ہووے گی

سنتے ہیں ان کی رقیبوں سے ہوئی جب خفگی
بے یقین لوگ جو یوں کہتے ہیں تو ہووے گی

اے ظفر ہے زباں خلق کی نقارہ حق
یعنی وہ بات کہیں گے جسے سو ہووے گی

عجب کیا گرچہ دریا صرف ساغر ہو تو پی جائے
یہ مے آشام دریا کیا سمندر ہو تو پی جائے

اگرچہ آب تیغ یار آب زندگانی ہے
پئے پر کس طرح عاشق میسر ہو تو پی جایط

جو آنسو چشم میں بھر لاؤں تو ہنس کر وہ کہتا ہے
کر کہہ دو آبرو کا اپنی گو ذرہ ہو تو پی جائے

ترے جاں سوختہ کی خاک ہے وہ تشنہ باراں
کہ گر اک قطرہ سو دریا کے ہمسر ہو تو پی جائے

طبیب درد دل تو ہو تو ظالم تلخ دارو دے
ترے آنسو سے کوئی زہر بھی گر ہو تو پی جائے

جو ہووے تشنہ بوسہ ترا ہے چاہ زنخداں کا
بھلا انصاف کر وہ آب کوثر ہو تو پی جائے

سبیل عشق پر ہر دم یہی آواز سنتا ہوں
کسی کو تشنگی آب خنجر ہو تو پی جائے

سکندر پی سکے اے خضر کیونکر آب حیواں کو
نصیب اس کا تیری سا سکندر ہو تو پی جائے

کہے کھول کر وہ زلف اُس ساغر مے میں
کوئی آشفتہ زلف معنبر ہو تو پی جائے

تنک اب اس قدر مست جان چشمے کو محبت کے
دلا تو ایک کیا گر ایک لشکر ہو تو پی جائے

کہیں ہیں جس کو حب جاہ تیغ تشنہ خوں ہے
عزیزو باپ اگر خون برادر ہو تو پی جائے

ظفر غصے کو دل میں کون پی سکتا ہے کیا قدرت
کسی کا ظرف تیرے ہی برابر ہو تو پی جائے

اک نگہ دیکھ نگارا مجھے
ستم تجھی نے مارا مجھے

شربت دیدار کی امید پر
تلخی ہجراں سے گوارا مجھے

اس نے پکارا تھا کسی اور کو
میں نے یہ جانا کہ پکارا مجھے

خال رخ یار کا سرگشتہ ہوں
لایا ہے گردش میں ستارا مجھے

نفع کی امید تھی لیکن ہوا
زلف کے سودے میں خسارا مجھے

آج اگر آنکھ چرائی تو کیا
یاد ہے وہ کل کا اشارا مجھے!

سیر دو عالم سے غرض کچھ نہیں
ایک تصور ہے تمہارا مجھے!

ہوتے ہو اک بات پر تم کیوں خفا
حال ابھی کہنا ہے سارا مجھے!

ہم نفس و دلبر عیسیٰ نفس
کیوں نہ لگے دل سے پیارا مجھے

جس نے کہ ٹھکرا کے مری نعش کو
زندہ کیا آج دوبارہ مجھے

سچ تو ظفر یوں ہے کہ جز خنجر دیں
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

شاخِ مژگاں میری کب اشکوں سے تر پانی میں ہے
یہ عشق البحر کا دیکھو شجر پانی میں ہے

جوشِ گریہ نے مرے کھینچا یہاں تک باع سر
گنبدِ نیلی برنگِ نیلوفر پانی میں ہے

بحر و بر خالی نہیں گردش زدوں سے دیکھ لو
ہے جو خشکی میں بگولا تو بھنور پانی میں ہے

آتشِ دل سے ڈر میرے سمندر اس قدر
چاہتا مانندِ ماہی اپنا گھر پانی میں ہے

دیکھ کر تیرے لب و دنداں کو مارے شرم کے
لعل پتھر میں چھپا جا کر گہر پانی میں ہے

میری آہ و اشک سے چرخ و زمیں کا ہے یہ حال
وہ ادھر آتش میں ہے اور یہ ادھر پانی میں ہے

عشق میں اس سنگدل کے اس قدر رویا ہوں میں
کوہ بھی اشکوں سے میرے تا کمر پانی میں ہے

آئینے میں اس کے روئے آتشیں کو دیکھنا
کیا تماشا ہے کہ آتش جلوہ گر پانی میں ہے

سینے میں صافی دلوں کے کب ہے تاب حسنِ دوست
عکسِ خورشیدِ درخشاں اے ظفر پانی میں ہے

جدھر آنکھ پڑتی ہے تو روبرو ہے
ترا جلوہ سب میں ہے سب جا ہے تو ہے

رکھوں آئنہ کیوں نہ پیشِ نظر میں
مری آرزو میرا آئینہ رو ہے

مری چشم میں کیا ہے؟ تیرا تصور
مرے دل میں کیا ہے؟ تری آرزو ہے

بدن میں مہک ہے تری یاسمن کی
تری زلفِ مشکیں میں عنبر کی بو ہے

صدا پردۂ ساز کی یہ نہیں ہے
کوئی پردے میں کر رہا گفتگو ہے

کوئی چھوٹتا ہے یہ دامن سے قاتل
شہیدِ محبت کا آخر لہو ہے

ظفر آپ کو ڈھونڈ مت ڈھونڈ اس کو
وہ تجھ میں ہے جس کی تجھے جستجو ہے

عشق میں کیا ہم بھی اے تقدیر سیدھے ہو گئے
کتنے اس قالب میں ٹیڑھے تیر سیدھے ہو گئے

آتشِ سوزاں نے میرے کر دیا آہن کو موم
کھل کے میرے حلقۂ زنجیر سیدھے ہو گئے

تو ہوا ہم سے نہ سیدھا اور دستِ شانہ سے
بال بل کھائے ترے تصویر سیدھے ہو گئے

کج ادائی سے تری قاتل تعجب ہے مجھے!
تن پہ میرے کیوں خطِ شمشیر سیدھے ہو گئے

چرخ ٹیڑھا ہی رہا اور سینکڑوں بانکے جواں
ٹیڑھے ہو کر زیرِ چرخِ پیر سیدھے ہو گئے

راستی پر کس کی قامت کے ہوا جو بعدِ مرگ
دست و پائے عاشقِ دلگیر ہو گئے

سرنوشت اپنی نہ پلٹی اور خط سطروں کے
حرف جو الٹے ہوئے تحریر سیدھے ہو گئے

سیدھے وہ آئیں گے گر یہ طالعِ واژوں مرے
اک ذرا اے آہ بے تاثیر سیدھے ہو گئے

میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے اے ظفر
جب کہ ٹیڑھی میں نے کی تقریر سیدھے ہو گئے

اس کے کل کوچے میں ہم ایسے ہنر سے گزرے
ایک نے دیکھا نہیں سب کی نظر سے گزرے

کیا عجب تیر نگہ میرے جگر سے گزرے
پر وہ ہے تیر کہ آہن کی سپر سے گزرے

اس سرا میں تو بہت آئے مسافر لیکن
جو ہے کیا جانے کہاں سے وہ کدھر سے گزرے

جوش گریہ سے مرے ہو جو طوفاں برپا
آب ہو پیر فلک کے ابھی سر سے گزرے

آج تک وہم و گماں میں نہیں آتا اپنے
کیا کریں ہم ترے مضمون کمر سے گزرے

دل کے آئینے میں جو کچھ عیاں ہیں جوہر
ہیں وہ پہلے نظر آئینہ گر سے گزرے

چشم نقش کف پا راہ میں حیراں ہوں کیوں
راہ رو کتے ہی اس راہگزر سے گزرے

بوسہ تیرے لب شیریں کا ہے گو قند و شکر
تلخ اتنا نہ ہو ہم قند و شکر سے گزرے

دیدبازی کے تماشے کا نہ پوچھو عالم
کر تماشے ہیں بہت چشم ظفر سے گزرے

جو دل کے ارادے کو ادھر کھینچ کے باندھے
وہ راہ میں ہمت کی کمر کھینچ کے باندھے

اے ہم نفسو کہہ دو یہ جراح کو میرے
پٹی نہ سر زخم جگر کھینچ کے باندھے

جاتا ہے اڑا زاغ نظر تا سر افلاک!
اس کے کوئی کس طرح سے پر کھینچ کے باندھے

سکا مرے دل پر لگے ہے اس سے یہ کہہ دو
جوڑے کو نہ وہ رشک قمر کھینچ کے باندھے

آجائے نظر ابر کا ٹکڑا پس خورشید!
تو پیٹھ پر اپنے جو سپر کھینچ کے باندھے

پھر کون چھڑا سکتا ہے دل کی میری مشکیں
تو طرۂ مشکیں سے اگر کھینچ کے باندھے

ڈرتا ہے نزاکت سے مرا دل اسے کہہ دو
تعویذ نہ یوں بازوؤں پر کھینچ کے باندھے

جو تارک دنیا ہو کمر کھول کے بیٹھے
لازم ہے سپاہی کو کمر کھینچ کے باندھے

پڑ جائیں نزاکت سے نشاں کیوں نہ زمیں پر
دستار کو وہ جب کہ ظفر کھینچ کے باندھے

ہوتے ہوتے چشم سے آج اشکباری رہ گئی
آبرو بارے ترے ابر بہاری رہ گئی

آتے آتے اس طرف ان کی سواری رہ گئی
دل کی دل میں آرزوئے جاں نثاری رہ گئی

ہم کو خطرہ تھا کہ لوگوں میں تھا چرچا اور کچھ
بات خط آنے سے تیرے پر ہماری رہ گئی

ٹکڑے ٹکڑے ہوکے اڑ جائے گا سب سنگ مزار
دل میں بعد از مرگ کچھ گر بے قراری رہ گئی

اٹھ چلیے اک میں جو خاک میں ڈھونڈے کوئی
خاکساری خاک کی گر خاکساری رہ گئی

آؤ گر آنا ہے کیوں گن گن کے رکھتے ہو قدم
اور کوئی دم کی ہے یاں دم شماری رہ گئی

ہو گیا جس دن سے اپنے دل پر اس کو اختیار
اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

جب قدم اس کافر بدکیش کی جانب بڑھے
دور پہنچے سو قدم پرہیزگاری رہ گئی

کھینچتے ہی تیغ ادا کے دم ہوا اپنا ہوا
آہ دل میں آرزوئے زخم کاری رہ گئی

اور تم غم خوار سارے کر چکے غم خوارگی
اب فقط ہے ایک غم کی غمگساری رہ گئی

شکوہ عیاری کا یاروں سے بجا ہے اے ظفر
اس زمانے میں یہی ہے دم یاری رہ گئی

برنگ نقش پا تو در پہ ہم کو
ملامت خاک میں یہ کیا ستم ہے

زمیں نے پاؤں پکڑے ہیں اپنے
کہ یاں سے اٹھ نہیں سکتا قدم

ظفر پیروں کا تجھ کو ہے گا سایہ
کہ جن کی یاد میں تو چشم نم ہے!

کوئی کہتا ہے یہ چین جبیں موج سمندر ہے
کوئی کہتا ہے یہ ابرو نہیں باب سکندر ہے

کووی کہتا ہے اس کی مانگ کو ہے کہکشاں کا خط
کوئی کہتا ہے پیشانی کو اس کی ماہ انور ہے

کوئی کہتا ہے اس کی جعد کو ہے یہ شب یلدا
کوئی کہتا ہے اس کے رخ کو یہ خورشید محشر ہے

کوئی کہتا ہے وہ جوڑا نہیں مشک نافہ ہے
کوئی کہتا ہے بوئے زلف کیا ہے بوئے عنبر ہے

کوئی کہتا ہے بینی کو کہ ہے رشک گل زنبق!
کوئی کہتا ہے چشم سرمگیں ہم چشم عبہر ہے

کوئی کہتا ہے کہ اس قاتل کی چشمک تیغ تر ان ہے
کوئی کہتا ہے اس کی چین ابرو تیز خنجر ہے

کوئی کہتا ہے اک سیف کشیدہ ہے وہ دنبالہ
کوئی کہتا ہے جو مژگاں ہے وہ ناوک سے ہمسر ہے

کوئی کہتا ہے وہ گردن مصفا اک صراحی ہے
کوئی کہتا ہے اس کا گوش کیا ہے چشم ساغر ہے

کوئی کہتا ہے وہ شفاف عارض صبح صادق ہے
کوئی کہتا ہے وہ در کان کا تابندہ اختر ہے

کوئی کہتا ہے ہونٹوں کو کہ ہیں وہ لعل کے ٹکڑے
کوئی کہتا ہے دانتوں کو عجب یہ سلک گوہر ہے

کوئی کہتا ہے گویا وہ دہن ہے خضر کا چشمہ
کوئی کہتا ہے اس چاہ ذقن میں آب کوثر ہے

کوئی کہتا ہے وہ دست حنا بستہ ہے شاخ گل
کوئی کہتا ہے رنگیں پنجہ مرجاں کے برابر ہے

کوئی کہتا ہے پستاں کو حباب آسا مصفا ہے
کوئی کہتا ہے سینہ وہ کہ آئینہ مکدر ہے

کوئی کہتا ہے وہ پتلی کمر تار رگ گل ہے
کوئی کہتا ہے نرمی میں شکم مخمل سے بہتر ہے

کوئی کہتا ہے اس کی ناف کو ہے وہ گل نسریں
کوئی کہتا ہے پتلی شاخ نسریں اک سراسر ہے

کوئی کہتا ہے وہ زانو عجب ہے صاف آئینہ
کوئی کہتا ہے ساق سیمگوں شمع منور ہے

کوئی کہتا ہے ہر انگشت پا ہے شاخ گل مہندی
کوئی کہتا ہے جو ناخن ہے برگ گل تر ہے

کوئی کہتا ہے اس قد کو قیامت کا نمونہ ہے
کوئی کہتا ہے وہ قامت قیامت سے بھی بہتر ہے

کوئی کہتا ہے اس کی ہر ادا ہے اک بلا آفت
کوئی کہتا ہے جو غمزہ ہے اس کا اک فسوں گر ہے

ظفر جو اس سراپا ناز کی تعریف کی تو نے
مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے

لخت دل اور اشک کو کیونکر کیوں یکساں ہے
وہ در غلطاں ہے تو یہ ہمسر مرجان ہے

مار کاکل زلف سنبل رخ ہے رشک یاسمن
سرو قد ہے گو لب ہے غنچۂ گل خنداں ہے

چشم و رخ کو دیکھ کر تیرے صدا اے سادہ رو
دنگ ہے نرگس یہاں اور آئینہ حیراں ہے

ابر میں درخشندہ کب ہے برق اے پیر فلک
وہ ہمارا دود دل یہ نالۂ سوزاں ہے

دیکھ کر خال زنخداں کیوں نہ ہووے داواں ڈول
چاہ کنعاں وہ ہے اور یہ یوسف کنعاں ہے

ہاتف غیبی سے کل آئی صدا مجھ کو ظفر
فکر میں تاریخ کے رہتا تو کیوں حیراں ہے

وہ ہیں صد رشک چمن مصرع یہ مجھ سے ڈھل گیا
زور اب رنگین یہ اپنا سر بسر دیوان ہے

عشق میں بازی اگر چوپڑ کی دل پر کھیلئے
نرد دل ہم بھی بٹھاتے اور دل پر کھیلئے

کیونکہ طفل اشک کو آنکھوں میں رکھوں روک روک
یہ نکل جاتے ہیں لڑکے گھر سے باہر کھیلئے

پنجہ مژگاں میں ہیں اے مردماں کب اشک سرخ
ہیں گل بازی یہ لے کر دیدۂ تر کھیلئے

ہر بھنور وف سے نکلتا آ کے لڑکا موج میں
ہیں گل بازی یہ لے دریا مقرر کھیلئے

شیخ جی گردن ہلا کر تم جواب کرتے ہو بات
شیخ سدو ہیں تمہارے اب یہ سر پر کھیلئے

آئینہ غماز ہے کہہ دے گا منہ پر سچ کہو
کھیل کس سے تلنگی کا تم ہو اکثر کھیلئے

اے ظفر اس خال رخ پر بال زلفوں کے نہیں
من سے اپنے ہیں یہ کالے لہر کھا کر کھیلئے

قطعہ

یہ دیواں رشک گلشن کیوں نہ ہو گلہائے مضموں سے
کہ اسکا جو ورق ہے سو خیابان معانی ہے

ظفر یہ بے بدل مصرع تاریخ لکھ اس پر
مرا اب یک قلم دیوان بستان معانی ہے

تمہیں عیش و طرب واں دمبدم ہے
یہاں سینہ زنی ہے اور غم ہے

جو آتا آج وہ اپنے بہم ہے
تو یا رو چمن ہے شادی کا دم ہے

نہ کیوں دل کا ہو اس کاکل سے سودا
کہ اس کی گانٹھ میں دام و درم ہے

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی
وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

لباس اپنا نہ کرائے شوخ تو سبز
کہ ہر صورت یہ میرے حق میں سم ہے

تری مژگاں کے آگے اے گل اندام
قلم نرگس کی مرفوع القلم ہے

جہاں رہتا ہے تو جنبش بھووں کو
وہاں بھونچال کا چرچا صنم ہے

بنا داغوں سے دل ہے رشک گلشن
یہاں لالہ رخوں کا بس کرم ہے

سر صحرا نوردی دیکھ کر وہ
لگے کہنے کہ سچ کہہ کیا ستم ہے

پھرے ہے جو تو ڈانواں ڈول ایسا
کسی کی چاہ کا تجھ کو الم ہے

پائی نہ ذرا گل میں ظفر بوئے محبت
جوں باد گرچہ بہت سیر جہاں کی!

ہمارا دل نہیں اس کے سر پشت زنخداں ہے
عزیز و چاہ کنعاں ہے یا وہ ماہ کنعاں ہے

کہاں ہے خرمن گل اے صبا گنج شہیداں ہے
جو ہر یک شہپر بلبل بہ دست فاتحہ خواں ہے

ہٹیں زلفیں جو رخ پر سے انہوں کی بس وہیں سوجھا
کہ نکلا پردۂ ابر سیہ سے ماہ تاباں ہے

جہاں سودا لب دلبر سے بوسے کا کیا ہم نے
بکا عناب کی قیمت وہاں لعل بدخشاں ہے

ہوس ہو سیر گلگشت چمن کی کس کو اے ہمدم
تن گل خوردہ اپنا یک قلم تختہ گلستاں ہے

دکھاؤں کس کو میں دست جنوں کی دستکاری کو
نہ بہ تختہ دامن ہے نے تار گریباں ہے

ظفر اس آبلہ پائی کی دولت سے ہے ہر کانٹا
سراسر ٹانکا موتی بداماں بیاباں ہے

تپ غم میں مجھے بھرتے جو دیکھا سانس ٹھنڈی سی
تو ہر دم ہاتھ بالیں پر مرے ملنے لگا عیسی

لڑاتا ہے وہ ترک چشم کو مژگاں کی گولی سے
قزلباشوں سے دیکھی ہے لڑائی کیا فرانسیسی

مجھے درباں ترے ہیں روکتے ظالم یہی ڈر ہے
نہ ہو جاوے کہیں در پر ترے اب خانہ جنگی سی

عجب ڈھب سے لگی جا رفتہ رفتہ اس کے پاؤں تک
حنا بھی کام اپنے میں بہت پکی ہے اور چسی

نہ کیوں اس گلبدن کے ساتھ سونے کی رہے خواہش
کہ دیکھی باغ عالم میں یہی وہ اک شکل اچھی سی

ظفر کے سن کے شعروں کو حسد ان سارے کہتے ہیں
بدل کر قافیے کوئی غزل لکھ اپنے جی کی سی

ہم ایسے سوز غم ہجر یار سے ہیں بنے
کہ داغ دل کے گل نوبہار سے ہیں بنے

کریں گے ذبح ہمیں دلبران کافر کیش
ازل سے ہم تو انہیں کے شکار سے ہیں بنے

نہ پوچھو حال ہمارا کہ اس کے کوچے میں
زیادہ ہم تو پریشاں غبار سے ہیں بنے

گلے کے ہار ہیں گے تار اشکوں کے
کہ میرے واسطے پھولوں کے ہار سے ہیں بنے

جدا ہوں حسرت و اندوہ کس طرح ہم سے
کہ کنج غم میں یہی اپنے یار سے ہیں بنے

وہ میرے دشمن جاں ہیں یہ جان لیجے گا!
تمہارے آن کے جو دوستدار سے ہیں بنے

تصور اس در دنداں کا ہے جو ہم کو ظفر
سخن ہمارے در شاہوار سے ہیں بنے

تری چشم مغلس ہیں وہ جادو گیر صحرائی!
کہ جس کی دید کو ٹھہرے ہے یہ نخچیر صحرائی

کرے غل کیوں نہ برپا قیس ہر دم دشت وحشت سے
بگولا طوق ہے موج ہوا زنجیر صحرائی

نہ پوچھو نقش پائے ناقہ لیلے کے نقشے کو
کہ مجنوں کی پرستش کو ہے یہ تصویر صحرائی

کوئی میری طرف سے کہہ دو یہ خضر خجستہ کو!
بجز الیاس میرا کون ہے اب میر صحرائی

ظفر کیا خاک سمجھے بن کے مجنوں دشت پیمائی
کہ ہر خار مغیلاں ہے نظر میں تیر صحرائی!

نہ کیوں ہو قدر ہم چشموں میں میری چشم گریاں کی!
کہ شبنم جھڑ گئی اک پل میں جس سے ابر نیساں کی

کنار بحر م آب رواں میں تو اگر تاکے
حباب بحر ہے کیا نظر میں ماہتاباں کی

لکھی تفسیر ہے مصحف کی یا رو حاشیے پر یا
زیادہ کیوں نہ ہو اب خط سے خوبی روئے جاناں کی

چمکتے ہیں ہر شب چرخ مینا فام پر اختر
دکھا دے تاب تک نفس کہ مسی آلودہ دنداں کی

میان ذوالفقار ابروئے خمدار سے تیرے
دو عالم قتل ہوتا ہے قسم ہے شاہ مرداں کی

پری رو دیکھ کوٹھے پر نہ چڑھ یوں بے دھڑک ہرگز
تماشا لا ابھی ہو جائے گی خلقت پرستاں کی

خیال صاف جس کو اے عزیزو اب ہوا ہم ہو
حقیقت سو سو وہ کیا کہے حال پریشاں کی

جنوں صد آفریں اور مرحبا تیری رفاقت کو
اڑائیں دھجیاں تو نے ہمارے جیب و داماں کی

اسی باعث سے میں شب کو ترے گھر میں نہیں آتا
ترے در پر جو چوکی رات دن رہتی ہے درباں کی

یہ اس کو منع کر دینا کہ وہ روکے نہیں مجھ کو!
وگرنہ اس گھڑی ٹھہرے گی اس میں ہم میں تو تاں کی

ظفر گرداب دریائے سخن کا تو شناور ہے!
بدل اب بحر تا خوش ہو طبیعت ہر سخن داں کی!

ہے آگ لگی زرے یہاں بادہ کشاں کی
حیرت نہ کریں کیونکہ بھلا پیر مغاں کی

باعث خفگی کا نہیں معلوم بتاں کی
پہنچی ہے صدا کیا مری فریاد و فغاں کی

اس اشک کے قربان کہ مقراض مژہ سے
کی تن پہ مرے قطع قبا آب رواں کی

ہنسنے کا یہ عالم ہے کہ ہوتا ہوں میں بیہوش
لے لے کے بلائیں ترے دندان و دہاں کی

مرجھائے ہے کیونکر یہ گل زخم دل اپنا
کہتے ہیں کہ گلشن میں اب آمد ہے خزاں کی

بیزار تری شکل سے ہو جاؤں گا ناصح!
جوں شمع جو محفل میں کبھی تو نے زباں کی

ہو شب کو جو آ کر مہ کامل سے یہ روکش
چھاتی نہ تڑق جاوے بھلا کیونکہ کتاں کی

بولے کہ کہیں گم نہ کریں راہ مسافر
اک شخص نے کل میری کہانی جو بیاں کی

سچ ہے کہ وہی جانے کہ جس شخص پہ گزرے
اس بت کو خبر کیا ہے مرے درد نہاں کی

آنکھوں سے لگا کیونکہ بھلا اس کو نہ رکھو
آئی ہے مرے ہاتھ جو یہ خاک وہاں کی

آؤ گے آج گھر میں بتا دو کہیں مجھے!
بھاتی نہیں ہے آٹھ پہر کی نہیں مجھے!

کیا پوچھتا ہے مجھ سے کہ عاشق ہوں میں ترا
دنیا کی ہے طلب نہ تمنائے دیں مجھے

قربان تیرے اے بت ناوک فگن کہ آہ
تیر مژہ دکھا کے کیا سہمگیں مجھے

کیونکر نہ غرق کشتی دل ہو کہ اے صنم
موج بلا ہے یہ تری چین جبیں مجھے

اس کی گلی میں بیٹھ کے رویا ہوں اشک سرخ
آئی نظر وہاں کی گلستاں زمیں مجھے

صورت سے میری کیونکہ نہ آزردہ ہو وہ شوخ
تو نے فلک بنایا ہے اندوہ گیں مجھے

تو ظلم کر اور اس کے عوض میں وفا کر لوگ
تجھ کو تو مرحبا کہیں اور آفریں مجھے

کھا کھا قسم کہے ہے کہ آؤں گا رات کو
پر اس کی بات کا نہیں ہرگز یقیں مجھے

لیتے ہی بوسہ اس لب شیریں کا اے ظفر
آئی حلاوت شکر و انگبیں مجھے!

تو رخ سے صبحدم جو اٹھا ٹک نقاب دے
پردے سے برق کو نہ نکلنے حجاب دے

مکتوب شوق اس کو میں اے نامہ بر لکھوں
فرصت جو ٹک بھی رونے سے چشم پر آب دے

ابر بہار باغ ہے سبزہ ہے ساقیا
بھر کر مجھے تو ساغر گل میں شراب دے

گر تیغ موج اشک دکھاؤں تو آہ چھوڑ
دریا دلوں سے آنکھ لڑائی حباب دے

زنجیر موج کر حوادث میں ہوں پھنسا
اس سے نجات اب مجھے یا بو تراب دے

گلشن میں طفل غنچہ کو چپکا لگا ہے دیکھ
شبنم بجائے آب اسے تو گلاب دے

بوسہ کی اس سے کیونکہ تمنا رکھیں ظفر
گالی بھی منہ سے جو کہ ہو بے حجاب دے

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزاں کی
ہماری قبر پر حاجت نہیں ہے شمع گریاں کی

بھلا کس واسطے دیکھوں میں اب صورت گلستاں کی
مجھے اب سادہ پن کی اس کی بھاتی ہے روش بانکی

بیاں کیونکر بھلا ہووے حدیث اس زلف پیچاں کی
نہ جب تک چل کے کیجے سیر یکسر سنبلستاں کی

تمہارے پا کے گر کی رات کو اے شاہد محفل
زباں لغزش میں آ جاوے نہ کیوں شمع شبستاں کی

جو سودا اس لب پان خوردہ کے بوسے کا پٹتا ہے
تو قیمت خاک میں ملتی ہے پھر لعل بدخشاں کی

فراق یار میں رہتا ہے بیتابی ہے وحشت ہے
خبر مجھ کو نہیں ہے آہ ہرگز دین و ایماں کی

ہمارے لخت دل کو دیکھ کر مژگاں میں یوں مردم
لگے کہنے کہ کرتی روک دی کس نے چراغاں کی

کہا قاصد نے کیا معلوم پر اس کی زبانی ہے
وہ غافل آہ کیا جانے ہمارے درد پنہاں کی

غزل ان قافیوں میں اور بھی لکھو ظفر ایسی
کہ ہو ہر بیت جس میں رشک فردوسی کے دیواں کی

روکے میں کہتا ہوں اور تم ہو ہنس کے سنتے
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں دس کے سنتے

ہم صفیرو مری فریاد و فغاں گلشن میں
آہ کیا ہوتا جو پاس آ کے قفس کے سنتے

گر ربا تو لیلے ہے ادھر کو شاید
دم بدم ہم جو یا لے ہیں جرس کے سنتے

رند کو شب جو کہیں دختر رز سے پکڑا
رنگ فق ہو گیا ہر بات عسس کے سنتے

ہمدموں کا مرے اک شب میں ہوا کام تمام
قہر تھا نالے جو دو چار برس کے سنتے

عشق کے ذکر میں مت نام مظفر کا لیجو
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں اس کے سنتے

رو رو کے گر ہچکیاں میرا دل مجنون لے
داغ سینے پر جنوں سے کیوں نہ پھر شبخون لے

ہو گیا ہر دشت صد رشک گلستاں عندلیب
کل جو صحرا میں گئے ہم دیدہ پر خون لے

عشق ہے سنگ گراں تجھ سے دلا اٹھتا نہیں
چوم کر بس چھوڑ دے سر پر نہ یہ ہامون لے

کس لیے عشق بتاں میں تو پھرے ہے بیہودہ
ہاتھ میں زاہد اک اپنے سبحۂ زیتون لے

مفت میں بدنام ہوگا دیکھ اے قاتل مجھے!
بے گزشت قتل کر سر پر نہ اپنے خون لے

کی جو کچھ عرض تمنا ان سے میں تو یہ کہا
بیٹھ رہ چل جا یہاں سے عقل کے ناخون لے

خاک کے ڈالے سے چھپتا ہے کہیں بھی ماہتاب
شعر کا تیرے ظفر کیا جان جو مضمون لے

اسلام و کفر سے ہے سروکار کیا مجھے
ہے بس تصور رخ و زلف دوتا مجھے

کب دسترس ہو تا سر زلف دوتا مجھے
اس بخت نارسا نے رکھا نارسا مجھے

میں ہوں مریض عشق نہ کیوں ہو شفا مجھے
تعویذ در دسر ہے ترا نقش پا مجھے

کوچے سے تیرے اٹھ کے میں جاؤں بھلا کدھر
موج سرشک چشم ہے زنجیر پا مجھے

میں کس طرح بتوں کے نہ جور و ستم سہوں
حق نے بنایا ہے کو جور و جفا مجھے

ہو کر اسیر زلف کہے ہے یہ دل مرا
دام بلا سے کیجیو یا رب رہا مجھے!

میری نظر میں رتبۂ اکسیر خاک ہے
اس سیم تن کا وصل ہے بس کیمیا مجھے!

تر سا نہ اب تیغ سے ظالم تو کر شہید
کوچہ نہیں ہے ہے تیرا کم از کربلا مجھے

پیک صبا نے آن کے کوچے سے اس کے کل
اپنا کہا سمجھ کے ہوا خواہ کیا مجھے

میں آپ سے گزر نہیں کرتا و لیکن آہ!
لے جاوے ہے کھو آہ مرا دل اڑا مجھے

جلدی بدل کے قافیہ بس اے ظفر کہیں
اب تو غزل نئی کوئی اچھی سنا مجھے!

سر سوے تو نے ہیں اس وجہ سے یکسر گوندھے
جیسے شیرازہ مصحف کو ہے دلبر گوندھے

چشم نے جوگ کسی کے ہے تصور میں لیا
سیلی کا رشتۂ اشک اب نہ وہ کیونکر گوندھے

موج دریا پہ ہے یوں پڑتی شعاع خورشید
جیسے زنجیر طلائی کوئی زرگر گوندھے

کہکشاں نکلی شب تیرہ میں ہے اے ہمدم
مانگ میں اس بت مہوش نے ہیں گوہر گوندھے

داغ حسرت سے یہاں بھر گیا سینہ میرا
ہار پھولوں کے جو تو نے بت کافر گوندھے

اشک کو لخت جگر سے ہے علاقہ اپنے
چشم کس طرح سے جوہر کا نہ زیور گوندھے

ہو ظفر کیونکہ نہ کوتہ شب ہجراں میری
اپنے وہ شوخ خم پیچ جو سر پہ گوندھے

یہ جند ہے بت عزت ماب کے پیچھے
سواد شام ہے یا آفتاب کے پیچھے

دل اس کی چشم سے کیونکر بچے بھلا اپنا
کہ ہر صید ہے شاہیں عقاب کے پیچھے

پئے کعبہ ہوئے آہ ایسے ہم رسوا
جہاں میں اس بت خانہ خراب کے پیچھے

سرشک تر سے مری آستین مژگاں نے
گہر کے ٹکے ہیں ٹانکے حباب کے پیچھے

نہ ایک گام اٹھا توسن صبا ہمراہ!
چمن میں رہ گیا اس مہ رکاب کے پیچھے

رکے ہے چشم کے روکے سے کب یہ طفل سرشک
ہزار اس کو رکھے داب داب کے پیچھے

نمود شام کی پہلے ہے رات سے یارو
نہ کیوں ہو زلف خط مشک ناب کے پیچھے

ہزار جور کرے وہ برا نہ مان ظفر
رقم کر اس کو بھی فرد حساب کے پیچھے

وہ عرق سے رخ گلرنگ طراوت پر ہے
تو کب اے غنچہ دل تنگ طراوت پر ہے

دل کے کیونکہ نہ اس کے لب پاں خوردہ کو دیکھ
روز برگ گل خوش رنگ طراوت پر ہے

کچھ جبل پر ہی نہیں لالہ احمر پھولا!
خون فرہاد سے ہر سنگ طراوت پر ہے

عکس سے فندق پا کے ترے اے لجہ حسن
باغ میں تختہ اورنگ طراوت پر ہے

کچھ ترا دل مری جانب سے پسیجا شاید
آج آئینہ ہر رنگ طراوت پر ہے

شب کے کھانے ترے گلشن میں ہر اک گل کا دماغ
صبح اے مرغ خوش آہنگ طراوت پر ہے

اشک باری سے مری چشم کی رات رات زمیں
مردماں سیکڑوں فرسنگ طراوت پر ہے

رات بھیگی ہوئی شبنم ہی نہیں ہے دیکھو
یار گی سنبل خوش رنگ طراوت پر ہے

ظفر اس بحر میں لکھی ہے غزل یہ تم نے
ہر گل قافیہ تنگ طراوت پر ہے

بس اپنی قسمت پر رہ تو شاکر وہ خواہش بیجا ہو خواہ الٹی
عمل کر اس پر ہے جدائی پہ ناز رکھوں سے ہے ہمیشہ
کبھو نہ منزل تلک وہ پہنچا چلا ہے جو کوئی راہ الٹی
رکھو ہو غیروں سے روز صحبت نہ پوچھو ان کو کہ جو ہیں عاشق
کہے نہ کیونکر تمام عالم تمہاری ہاں کی ہے داہ الٹی!

تمہارے دشمن مدام روئیں ظفر ہے تم پر نگاہ و ابرو
نہ ہوں گے سرسبز بھی وہ ہرگز گواہی دے ہیں گواہ الٹی

ہو رہا ہے نشہ جام مے گل گوں تجھے!
شیشہ دل ہے بہت نازک وہ کیونکر دوں تجھے
پوچھتا ہے کون شہر عشق میں مجنوں تجھے!
اک دیا تقدیر نے ہے گوشہ ہاموں تجھے
خاک میں مل جائے گا اے سرو گلشن تو ابھی
گر دکھا دیوے ذرا وہ قامت موزوں تجھے
ایک عالم تمہارا مائل ہو لے اے سادہ رو
آئینے نے کر رکھا ہے اپنا اب مفتوں تجھے
رشک سے کیونکر نہ اپنے ہونٹ چابیں مدعی!
حق تعالی نے دیا ہے وہ لب میگوں تجھے
تو بھی آنکھوں سے لہو رو دے گا سن اے سنگیں
میں سناؤں گا اگر حال دل پر خوں تجھے!
میں خفا ہوں تو بلا سے تو خوشی رہ جان من
ورنہ مر جاؤں گا دیکھوں گا اگر محزوں تجھے
چشم دریا بار سے روکش تو ہوتا ہے مگر کے
میں دکھاؤں گا تماشا ہاں میں اے جیحوں تجھے

جب سے ہے اس کی کمر کا اے ظفر تجھ کو خیال
سوجھے ہیں باریک کیا کیا تب سے یہ مضموں تجھے

خط آزادی نہ لکھا اے یار اپنے ہاتھ سے!
دے نہ دستاویز یہ یک بار اپنے ہاتھ سے
نہ کھینچا کر تو خنجر خوں خوار اپنے ہاتھ سے
کام آجاویں گے پھر دو چار اپنے ہاتھ سے
عشق سے واقف نہ تھے جب تک نہ تھا رنج و تعب
اے مسیحا دم لیا آزار اپنے ہاتھ سے
دیکھ کر یہ ہیں تری پوشاک دھانی جان من
زہر بس کھانا پڑا ناچار اپنے ہاتھ سے
ایک دن دل میں ہے اپنے نقد جاں کا بیچیے!
جا کے اب سودا سر بازار اپنے ہاتھ سے
جنبش ابرو ہے کافی بس ہمارے قتل کو!
کھینچ کر مت مار تو تلوار اپنے ہاتھ سے
آفریں صد آفریں او مرحبا تجھ کو جنوں
چھوڑا جامے میں نہیں اک تار اپنے ہاتھ سے
یہ وصیت ہے مری قاصد تجھے اب آخری
خط اسے دینا سر بازار اپنے ہاتھ سے
اور یہی کہنا کہ کس نے دل میں ذالا تفرقہ!
خط نہیں لکھتے ہو گا ہے یار اپنے ہاتھ سے

ہے عبث شکوہ ظفر واللہ اب اس چیز کا
کھو دیا آپ ہی جسے یک بار اپنے ہاتھ سے

نظر وہ خواب میں ہم کو مقرر آوے ہی آوے
طلب جس چیز کی ہو وہ میسر آوے ہی آوے

یقیں ہے کہ پیا صدا مرے گھر آوے ہی آوے
کل آوے پرسوں آوے پر مقرر آوے ہی آوے

خیال زلف ہو جس کو پریشاں کیوں نہ وہ ہووے
خطر اس کو اسی سودے میں اکثر آوے ہی آوے

یہی ڈر ہے مجھے پل میں ڈبو نا مت دو عالم کو
ترے رونے سے طوفاں دیدۂ تر آوے ہی آوے

نہیں دیکھی ہے جانے ابرو کماں تو نے کشش دل کی
نہ مانا ہو اگر کوئی تو کھنچ کر آوے ہی آوے

یہ سب جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں راز عشق چھپتا ہے
جو ہووے بات دل میں سو وہ منہ پر آوے ہی آوے

یہ ہے وہ عشق کا میداں کوئی کیا خاک تھم ٹھہرے
کر اس جا گیو رستم کو بھی اب ڈر آوے ہی آوے

خلش کرتا نہ کر تو دمبدم یہ نشتر مژگاں!
خراش دل سے میرے خون اب تر آوے ہی آوے

ظفر اب یاد ہے ہم کو وہ تسخیر سلیمانی
پری بھی ہو پرستاں میں تو اڑ کر آوے ہی آوے

جتنے ہیں پیراہن رشک سمن میں دھبے
کب ہیں اس رنگ کے عباسی کے تن میں دھبے

داغ مت سمجھو کوئی ان کو کہ یہ بوقلموں
خوشنما ہیں پر طاؤس چمن میں دھبے

دھووے عاشقوں سے دلا شب کو نہ کیوں شمع بزم
خون پروانہ سے دامان لگن میں دھبے!

ہوا تھا غیر مجھے دیکھ کے نیلا پیلا
بعد مردن بھی رہے اسکے کفن میں دھبے!

اشک سے کچھ جو ہے وہ سرخی لخت جگر آہ
یہ تعجب ہے کہ ہیں لعل یمن میں دھبے!

داغ ہر دل جو ہوا تیرا شہید الفت!
لالہ ساں پڑ گئے ہیں اس کے کفن میں دھبے

اے ظفر شستہ و رفتہ پڑھتا ہوں
جس سے پڑ جائیں دل اہل سخن میں دھبے

داغ کے دیکھ دل لعل نظر پر دھبے!
ویسے ہی پڑ گئے لالے کی نظر پر دھبے

کس کا خوں تو نے کیا اپنے در دولت پر
شاہد قتل ہیں دریا کے گزر پر دھبے

دیکھنا بندگی ارض جاناں شب مہ
پڑ گئے رشک سے ہیں روئے قمر پر دھبے

جوش زن خون ہوا ہجر میں اس کے ایسا!
آبلے دل پہ ہوئے اور جگر پر دھبے

ہمہ تن میں ہوں وہ مجروح کہ خوں سے قاتل!
تیر کے سے ہیں سر و پشت کمر پر دھبے

چشمہ چشم کی دولت سے ہے رشک گلزار
اشک خونیں سے پڑے دامن تر پر دھبے

اے ظفر سنتے ہی اس تیری غزل کو واللہ
پڑ گئے اب دل ہر ایک بشر پر دھبے

سکھائی تم کو جو ٹھگی باتیں ہماری جانب سے آہ الٹی!
اسی سبب سے ہے میرے صاحب تمہارے ہم سے نگاہ الٹی

ہوا ہے پھر کے دوبارہ اکثر یہ تیرہ بختوں کا روز روشن!
تمہارے رخ سے جو اڑ کے شب کو ہوا سے زلف سیاہ الٹی

کیا ہے خورشید خاوری کو سپہر گرداں کے سربلند!!
سحر تنائی کی اپنے سر پر جو رکھ کے اس نے کلاہ الٹی!

نہ کر تو کچھ دل میں اپنے ہرگز خدا جو چاہے گا وہی ہوگا!

لاکھ عیار ترے کوچے میں خم ٹھوکیں گے
کوئی ملتے ہیں وہاں سے انھیں ہم ٹھوکیں گے

منع درباں کو کر دے کہ نہ روکے ہم کو
ورنہ اک روز ترے سر کی قسم ٹھوکیں گے

نام لکھ رکھیں گے ہم تیرا نگیں دل پر
نقش سکہ نہیں بر روئے درم ٹھوکیں گے

کہکشاں سے نہیں تھمنے کی دلا شقہ فلک
گر پڑے گی یہ جو ہم آہ کا خم ٹھوکیں گے

اپنے ہوتے ترے گھر آئیں گے اغیار اگر
ہم کہے دیتے ہیں ان کو اسی دم ٹھوکیں گے

تو پھرانا ہی رہےگا پہ نہ چھوڑیں گے ولے
ہاں بہت کہنے سے تیرے اسے کم ٹھوکیں گے

یوں تو لڑتے نہیں پھرتے ہیں ظفر لیکن آہ
کوئی الجھے گا جو ہم سے تو صنم ٹھوکیں گے

آنکھیں ہیں یہ وہ بس میں دل آئے انھیں روکے!
مارے سے دو عالم بھی مر جائے انھیں روکے!
کب واعظ و ناصح اب چپ رہتے ہیں بکنے سے!
ملنے سے ہم اسے یا رو باز آئے انھیں روکے
گو کوہ کن و مجنوں تھے عشق کے کوچے میں!
پر ہم بھی تو رہتے ہیں ہمسائے انھیں روکے
بے وجہ تری زلفیں ہیں دام بلا یکسر!
پھندے میں یہ مرغ دل الجھائے انھیں روکے
آنکھوں نے نہ بتلایا اس چاہ زنخداں کے!
ہم ڈوب گئے یارو بہکائے انھیں روکے!
جنبش میں بھنویں اپنی مت لا کہ میں ڈرتا ہوں
بھونچال نہ ہلنے سے آ جائے انھیں روکے
میرا دل صد چاک اب رکھ شانے سے باہم تو
کاکل تری سلجھے گی سلجھائے انھیں روکے!
اٹھنے نہیں دیتے ہیں یا لہ و افغاں اب
در پر ترے بیٹھا ہوں بٹھلائے انھیں روکے
یہ عشق و محبت کا ہے کام ظفر پوچھو!
واللہ تم اتنے ہو سکھلائے انھیں روکے

ہماری آہ دل سے اشک لے کر آوے ہی آوے
سمندر سے جو اترے ہاتھ گوہر آوے ہی آوے

زمیں سے جو فلک دیکھے ستون آہ گر میرا
خجالت میں وہیں سد سکندر آوے ہی آوے

بنایا حسن کا بنگلہ اب ہماری نخل مژگاں نے
برائے آب پاشی دیدۂ تر آوے ہی آوے

نہ آیا نامہ بر تو کیا ہوا جا اس کے کوچے میں
جواب خط و لے لے کر کبوتر آوے ہی آوے

قبائے گل سے نازک تر ہے وہ شبنم کی اے خالق!
کتاں کو بھی سراسر رشک جس پر آوے ہی آوے

تمہارے ساحسن پا کو اگر دیکھے تو حیرت سے
مہ نو کو خجالت آسماں پر آوے ہی آوے

ظفر ایسی غزل پڑھتا ہوں میں اب جس کے سننے کو
ہر اک اہل سخن مشتاق ہو کر آوے ہی آوے

زلف یوں روئے عرق آلود پہ لہرائے ہے
صبح جوں ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

سیلِ اشکِ تر میں ہے یہ لختِ دل اے مردماں
عشق یا سرچہ اغاں گھاٹ پر دکھلائے ہے

ہے قیامت کا نمونہ یہ قدِ موزوں ترا!
دیکھ کر بس سرو جس کو خاک میں گڑ جائے ہے

آہ کیا جانے طبیبِ عشق کس کی یاد میں!
ہوک سی اٹھ کر کلیجے میں مرے رہ جائے ہے

یہ دل پر آبلہ دیکھا ہے جس کے خوف سے
لے کے تنکا دانت میں انگور بھی رہ جائے ہے

کچھ خدا کا بھی نہیں ترس اس بتِ بے ترس کو
وہ بتِ ترسا ہمیں دیدار کو ترسائے ہے

جانِ شیریں دے ہے بس فرہاد کب شیریں پہ آہ
کون مرتے کے ظفر پیچھے بھلا مر جائے ہے

لختِ دل یوں چشم میں پھرتے تھے کل ترتے ہوئے
جوں کفِ دریا پہ جاتے ہیں کنول ترتے ہوئے

ساحلِ الفت تلک پہنچے نہ ہم مانندِ کاہ
جسم لاغر ہو گیا یہ اپنا شل ترتے ہوئے

دل جگر دریائے غم میں جب کہ بے دم ہو گئے
تا کنارِ وصل پہنچے بے خلل ترتے ہوئے

بحرِ الفت کے تلاطم سے خطر ہے کیا ہمیں!
ڈوب جاتا ہے کوئی کب بے اجل ترتے ہوئے

موجِ دریا سے حباب آ کھو رکھ سر پہ خود
بے طرح کرتا ہے کچھ جنگ و جدل ترتے ہوئے

بحرِ غم میں آ گیا یوں اس دلِ بے دم میں دم
جس طرح جاوے شناور پھر سنبھل ترتے ہوئے

پڑھ کے بسم اللہ مجریہا و مرسیہا ظفر
دم میں بحرِ غم سے ہم آئے نکل ترتے ہوئے

نہ بالِ و پر مرے ساحق کبھو صیاد کو توڑے
مبادا دم وہ سن کر اس مری فریاد کو توڑے

جراحت سے ہمارا جسم ہے کیا بن گیا جوشن
نگہ تیری یقیں ہے بکتر فولاد کو توڑے

تعجب کیا ہے گلشن میں اگر وہ قامتِ موزوں
کرے ہر سرو کو سیدھا قدِ شمشاد کو توڑے

بجوا اس خانۂ دل پر نہ دستِ اندازِ جو دیکھو
تمہارے ہاتھ کیا خاک آوے گا اس بنیاد کو توڑے

ہماری دستگیری گر اسے منظورِ خاطر ہے
نہ رکھے ہاتھ میں کہہ دو ستم ایجاد کو توڑے

عبث خارا تراشی میں کرے ہے عمر کو ضائع
جو کچھ چاہے تو کوہِ غم کبھو فرہاد کو توڑے

ظفر ملنے نہ ملنے کا تو ہرگز ڈر نہیں اس کے
پر اپنے دل سے وہ قاتل نہ میری یاد کو توڑے

دردِ فرقت ہے نہ ہاں منہ سے نہ ہوں نکلے ہے
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

چھوڑ پچکاری مژگاں کو مرا اک طفلِ سرشک
بر میں گر پیرہن بو قلموں نکلے ہے

سر ہتھیلی پہ دھرے پھرتے ہیں اس دم عاشق
لے بکف تیغ جو وہ کھا کے جنوں نکلے ہے

ایک عالم کے کیا اس نے ہے دل کو تسخیر
آہ کیا جادو یہ کیا پڑھ کے فسوں نکلے ہے

ناخنِ پا کو ترے دیکھ کے اے رشکِ قمر
مہ نو چرخ پہ ہو فرق نگوں نکلے ہے

غیر تو خوش ترے کوچے میں ہیں پھرتے چلتے
ایک یہ عاشقِ با حالِ زبوں نکلے ہے

ہم نشیں عشق میں اس بت کے بقولِ ظفر اب
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

نے فقط کوہ الم کا اس بدن پر بار ہے
کچھ تو اپنے دل پہ ہے کچھ اس کے تن پر بار ہے

کب عرق سے عارض غنچہ دہن پر بار ہے
قطرۂ شبنم سے کیا برگ سمن پر بار ہے

کہہ دو شیریں سے کہ اپنا رکھ قدم تک آن کر
گل کے رکھنے سے مزار کوہ کن پر بار ہے

جنبش ابرو ہی کافی ہے ہمارے قتل کو
تیغ کے لینے سے دست تیغ زن پر بار ہے

تجھ کو فرش چاندنی پر دیکھ کر اے رشک ماہ
پھر دکھانا جلوۂ چرخ کہن پر بار ہے

بار اسباب جہاں سے کب ہے آزادوں کو کام
کس نے دیکھا گردن سرو چمن پر بار ہے

دیکھ اے پروانہ دل سوز تیرے عشق میں
سر کا دینا کچھ بھی شمع انجمن پر بار ہے

اے ظفر کب تک کہوں اس بیوفا سے بار بار
یاں تلک آنا بت پیماں شکن پر بار ہے

کب سناں میں اور دلا مژگان تر میں فرق ہے
ایک سا ل سمجھے نہ جو اس کی نظر میں فرق ہے

تیرے ہی پرتو سے اس کی روشنی ہے رشک مہر
عارض تاباں میں ورنہ اور قمر میں فرق ہے

اپنے تو نزدیک اے یارو یہ دونوں ایک ہیں
کون کہتا ہے کہ جان و جگر میں فرق ہے

کیوں نہ محراب عبادت اس کو ہم سمجھیں دلا
کیا خم ابرو میں اور مسجد کے در میں فرق ہے

جو اثر کرتی نہیں دل میں کسی کے ہم نشیں
ان دنوں کچھ آہ کی میرے اثر میں فرق ہے

جلد تر نامہ مرا لے جا تو اے پیک صبا
تیرے پہنچانے میں واں اور نامہ بر میں فرق ہے

جو حلاوت اس میں ہے وہ ذائقہ اس میں کہاں
اس لب شیریں میں اب اور نیشکر میں فرق ہے

اشک باری وہ کرے رو روئے یا لے بہائے
ابر دریا بار میں اور چشم تر میں فرق ہے

جو کر دو کہتے ہیں تم کو وہ کسی لائق نہیں!
اے ظفر واللہ اب ان کی نظر میں فرق ہے

سبزۂ خط سے ترے کب دل ناکام دبے
یہ وہ طائر ہے کہ ہرگز نہ تہ دام دبے

محتسب آج جو میخانے کی دیوار گری
سینکڑوں شیشے دبے سینکڑوں ہی جام دبے

کر سکے کون تری چشم سے پھر ہم چشمی
خاک میں جبکہ پڑے نرگس و بادام دبے

ہجر کی رات ابھی ہو جائے مجھے روز وصال
زیر عارض ترے گر زلف سیہ فام دبے

تیغ ابرو کا تری جو جہاں میں شہرہ
کیوں نہ پھر تجھ سے ہر اک اے بت خود کام دبے

منعم اس دولت دنیا پہ نہ کر دیکھ غرور
سینکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دبے

اے ظفر راحت مضموں سے قلم رو میں ترے
زیر راں کیونکہ نہ بس توسن شہ گام دبے

کہوں کیا حال چشم و دل شکایت اس میں دو کی ہے

بیان عشق ہے مشکل شکایت اس میں دو کی ہے

جگر اور دل کی کیا پوچھے ہے بس پڑ کر جانے دے

کہوں کیا خاک اے غافل شکایت اس میں دو کی ہے

الم اور غم سے جو گزرے جگر پہ نہ کھلوا ؤ!

نہ پوچھو آہ کیا حاصل شکایت اس میں دو کی ہے

کہوں کیا شمع و رگل گیر کا مذکور میں تجھ سے!

سراپا شاہد محفل شکایت اس میں دو کی ہے

حقیقت ابرو و مژگاں کی اپنی پوچھ مت ہمدم!

نہیں لکھنے کے یہ قابل شکایت اس میں دو کی ہے

کیا جو تیغ و خنجر نے ترے سو دل ہی جانے ہے!

زباں سے کیا کہوں قاتل شکایت اس میں دو کی ہے

دلدار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے
اس یار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

ابرو کی دیکھی جنبش کہتا ہے چل پرے ہٹ
تلوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دیتا ہے گالیاں وہ میرے لہو کا پیاسا
خونخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مطلب کے عرض پر وہ کیا کیا کرے ہے باتیں
تکرار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

منصور دار پر بھی کہتا رہا انا الحق!
سر دار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

لے نام اس کا مجھ کو غش میں کوئی پکارا
غمخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دل لے کے جو کہے ہے تجھ سے نہ میں ملوں گا
عیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مے کے نشے میں بھی وہ بوسہ نہیں ہے دیتا
ہشیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

سن کر غزل ظفر کی اہل سخن کہیں ہیں!
اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

رخ پہ کیا زلف ترے غنچہ دہن چھوٹے ہے
ہم سیہ بختوں سے آخر کو وطن چھوٹے ہے

کیونکہ دل پنجۂ مژگاں سے رہائی پاوے
چنگل باز سے کب مرغ چمن چھوٹے ہے

کب تلک روئے گی دل سوزی پروانہ پر
کوئی اس دل کی لگن شمع لگن چھوٹے ہے

سچ ہے ہوتی ہے بری آہ عزیزو چاہت
آہ یوسف سے وہ کب چاہ ذقن چھوٹے ہے

روبرو اس بت کافر کے ہوائی شب پر
منہ پہ مہتاب کے اے چرخ کہن چھوٹے ہے

لاکھ تو مجھ سے نہ مل پر تری الفت واللہ
کب مرے دل سے بت عہد شکن چھوٹے ہے

رشک مہ شب کو ظفر سے ہے ملامت میں
کیوں تجھے دیکھ کے اے شمع جلن چھوٹے ہے

شرط رونے کی جو اس چشم سے جھٹ پٹ بدلی
دل برسنے سے گھٹا کر گئی پھر ہٹ بدلی

اس نے شب کو یہ مرے ساتھ رکاوٹ بدلی
بائیں کوٹ سے نہ پھر داہنی کروٹ بدلی

ہمسری زلف پریشان سے کسکی اب ہے
ان دنوں آہ نہایت ہی گئی لٹ بدلی

آبرو تیری ابھی خاک میں مل جائے گی!
دیدۂ تر سے نہ روکش ہو پرے ہٹ بدلی

دیدۂ تر پہ مرے سایۂ مژگان کو دیکھا
مردماں بولے کہ آئی شب پنگھٹ بدلی

بندش اس رشک قمر کی کیوں کیا جوڑے کی
چاند کے پیچھے ہے مارے ہوئے جھرمٹ بدلی

پڑھ کے میں سورۂ اخلاص نہ دم کیوں تکہ کروں
روز اس مصحف روکی ہے بجاوٹ بدلی

شوق سے گھر میں مرے رات کو آیا کیجے!
برق کی ہے یہ لیے ہاتھ میں ڈیوٹ بدلی

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو
اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

عقل پر پڑ گئے اے بت ترے کیا پتھر تھے
مارنے شیشۂ دل ہی پہ ذرا پتھر تھے

میں کسی زلف سیہ فام کا دیوانہ تھا
زیر سر قبر میں بھی میرے بجا پتھر تھے

مر گئے ٹھوکریں کھا کھا کے ہزاروں عاشق
کوچۂ عشق میں معلوم ہوا پتھر تھے

شافع حشر ہمارا ہے وہ اعجاز نما
بولتے حکم سے جس کے بےصدا پتھر تھے

سنگ دل آن کے دن بھی نہ پوچھا تو نے
سر عاشق تھا اور اس در پہ سدا پتھر تھے

صدمۂ عشق سے اپنا دل نازک نہ بچا
دل مجنوں کے بھی جو دیکھے تو دلا پتھر تھے

اے ظفر مختلف القافیہ لکھ اور غزل
سنگلاخ ایسے یہ کیا شعر بھلا پتھر تھے

گویاں ہوں وے اس بت بیباک میں دم ہے
ہاتھوں سے جدائی کے مرا ناک میں دم ہے

دم تیری ہی الفت کا بھرے جاؤں گا قاتل!
جب تک کہ مرے سینۂ صد چاک میں دم ہے

کیوں روتے ہو بالیں پہ مری آہ عزیزو
اب تک تو مرے دیدۂ نمناک میں دم ہے

دریائے محبت کے گئے ہم تو کنارے
میرا سا کہاں اب کسی تیراک میں دم ہے

ہم دعوئے صنعت کریں کس منہ سے کہ یا رب
مدت سے تری کالبد خاک میں دم ہے

سو کوس مری خاک کو رہتا ہے و لیکن
اتنا ہی ترے توسن چالاک میں دم ہے

فردائے قیامت کا ظفر خوف نہ کر تو
ہر دم ترا یا دشہ لولاک ﷺ میں دم ہے

شبنم تری کب اشک فشانی سے بجھے ہے
کیا آتش گل ہے کہیں پانی سے بجھے ہے

کب حرص تری آب دم تیغ سے قاتل
میری فقط اس تشنہ دہانی سے بجھے ہے

بیمار ہوں یہ عشق میں مے خوار پسر کے!
پانی مرا لوہے کی نہانی سے بجھے ہے

کس طرح نہ ہوئے لوں عزیزو کہ مری پیاس
چاہ ذقن یوسف ثانی سے بجھے ہے

درمان تپ عشق عزیزو نہ کرو تم!
دل کی تپش اس دلبر جانی سے بجھے ہے

سوزش کوئی جاتی ہے یہ غمخواری کی دل سے
اے ابر تری فیض رسانی سے بجھے ہے

وہ ماہ لقا کیوں نہ ظفر ہو عرق آلودا
ہوتا ہے بھلا گرم تو پانی سے بجھے ہیا اے ظفر مختلف

دل کے همراہ مرے کیوں کہ نہ نکلیں آنسو
جو کہ مرتا ہے لنڈھا دیتے ہیں گھر کا پانی

زخمی اس تیغ نگہ کا ہے نہ مر جائے کہیں!
ہمدمو جلد کرو بند ظفر کا پانی

سوئے چشم سے اپنی جو گر گیا پانی
تمام خانۂ مردم پہ پھر گیا پانی!

صد آفریں ہے دلا تجھ کو چاہ میں اسکی
شناوری کے بزور اپنے سر گیا پانی

شکستہ قلبہ چشم اپنا ہو گیا شاید!
یہاں جو ہر بن مژگاں سے جھڑ گیا پانی

وہ ہے طلاطم امواج سیل اشک اپنا
کہ آبشار کا ہو منتشر گیا پانی!

نہ کیونکہ معرکۂ عشق میں ہو تشنہ لبی!
عیاں ہے لشکر حسرت کا گھر گیا پانی

نہ ٹکٹکی مری خورشید رو سے بندہ سکے
رہا جو چشم سے میں منتظر گیا پانی

ظفر جہان میں اس کی ہی سرد مہری سے
پڑا ہے پالا اب ایسا کہ ٹھہر گیا پانی!

دکھ ہاتھ کو پہنچے گا تخجیر کے جھٹکے سے
کیوں صید کو جھٹکے ہے سرچہ کے جھمکے سے

میں تیغ ادا کا ہوں کشتہ ترا اے قاتل
مروار نہ گرا لاشہ شمشیر کے جھٹکے سے

کاکل کی کشاکش سے ہے کام سدا دل کو
ڈرتا نہیں دیوانہ زنجیر کے جھٹکے سے

گر ہووے فلک پر وہ تو بھی اسے دھر کھینچیں!
ہم آہ کے رشتے کی تاثیر کے جھٹکے سے

تو تاج زر اپنے پر اے شمع نہ ہو نازاں!
کٹ جائے گا سر تیرا گل گیر کے جھٹکے سے

بچ ہم نے سکے اسکی طروں کے بس آگے سے
محفل میں ہمیں کھینچا صف چیر کے جھٹکے سے

سینے سے ظفر کے کیوں سوفار کو کھینچے ہے
ڈر ہے نہ نکل آوے دل تیر کے جھٹکے سے

چمن حسن کی رنگت گئی نازی بدلی!
گلبدن تو نے جو پوشاک پیازی بدلی!

منہ کیا کعبے سے رخ ابروئے جاناں نے پھیرا
جائے سجدے کی عبث تو نے نمازی بدلی

کیوں نہ اوراق دل اب میرے ہوں ابتر یکدست
مصحفے میں جو کچھا اس شوخ نے بازی بدلی

کوئی رکھتا ہے بھلا صاف دلوں سے بھی غبار
شیشہ گر کیا روش آئینہ سازی بدلی

ہم حقیقی سے سمجھتے نہ تھے کم تجھ کو اب
تیری تاثیر گئی عشق مجازی بدلی

گرچہ پروانہ ہوا رات کو دل سوزی سے
شمع محفل کے نہ پر دل کی گدازی بدلی

لکھ بہ تبدیل قوافی غزل اک اور ظفر
ہم نے سلک در مضموں کی درازی بدلی

یہ عکس زلف جاناں کب خط دلبر کے اوپر ہے
چمن میں لوٹتا کالا گیا ہٹ کے اوپر ہے

سیہ کب عکس مژگاں اس رخ دلبر کے اوپر ہے
یہ پر چھائیں چکوروں کی مہ انور کے اوپر ہے

کسی سرباز تشنہ لب کی آنکھ آب خنجر پر
نہیں ہے حلقہ جوہر ترے خنجر کے اوپر ہے

جگر کے آبلوں کی خیمہ گر کوئی تماشا ہے
عجب رونق پیارے غم کے اس لشکر کے اوپر ہے

دلوں میں بات یہ سنگین دلوں کے آہ رہتی ہے
کہ جیسے نقش آ جاتا کوئی پتھر کے اوپر ہے

سر ہستی ہے شہرت حسن کے وہ داغ چیچک کا
دھرا طبل سکندر سدا اسکندر کے اوپر ہے

لب رنگیں پہ یوں ہے خال گویا چشم ساقی کا
یہ عکس مردمک جام مے احمر کے اوپر ہے

سر بینی کہاں ہے ابروؤں میں خال کاجل کا
ہلال آیا نظر مسجد میں یہ منبر کے اوپر ہے

تمنا تاج شاہی کی نہ کر ہے بوجھ دنیا کا
کفایت سایۂ حق اے ظفر بس سر کے اوپر ہے

کہاں ہے چشم میں دنبالہ اس ترک پری رو کی
نکل آئی زباں ہے منہ سے باہر مست آہو کی

کرے صدقے ہلال عید رکو ہو کر بلا گرداں
فلک پر چھائیں بھی دیکھے گر ان رخسار و ابرو کی

پھپھولے اشک شوریدہ سے ہوں کیونکر نہ کانٹوں پر
نہیں تیزاب سے کم کچھ ہماری بوند آنسو کی

خدا گویائی دے گر رات دن کو تو قسم کھائیں
تمہارے عارض پرنور کی اور تاب گیسو کی

مقرر اس کو کاٹا ہے مرے سالے کے افعی نے
کہ جس کے زہر سے نیلی ہے رنگت چرخ مینو کی

طبیبو لخلخے کے واسطے مجھ کو سنگھاتے ہو
مری تفریح کو کافی ہے بو زلف سمن بو کی

برنگ نقش تصویر گلشن مجھ کو عبرت ہے
اگر تصویر دھروں باغ میں میں اپنے گلرو کی

عجب کیا وہ نگاہوں میں جو تو نے ایک عالم کو
بعینہ چشم و ابرو ہیں وہ ہم صورت ترازو کی

نہیں کوئی عزیز اصلا سوائے رب عزت کے
سفید اب ہو گئی رنگت عزیزوں کے ہے لوہو کی

خموشی بے سبب تیری نہیں ہے اے ظفر اتنی
مگر تو چپکے چپکے دیکھتا ہے بات قابو کی

ڈبوا چرخ کا کیا چشم نم پیچھے نہیں پڑتے
کسی کے دھوکے اتنے ہاتھ ہم پیچھے نہیں پڑتے

وہ کس دن لے کے شمشیر ستم پیچھے نہیں پڑتے
پر اپنے عشق میں بڑھ کر قدم پیچھے نہیں پڑتے

بھویں تو ہو نہ غصے میں ہمارا دم نکلتا ہے
کسی کے لیے کے یوں تیغ دو دم پیچھے نہیں پڑتے

خوشی سے دے اگر بوسہ تو بہتر ہے مروت میں
وگرنہ ہم ترے سر کی قسم پیچھے نہیں پڑتے

ستم تیرے کہاں تک سہے اپنی جان جاتی ہے
کسی کی جان کے اے پر ستم پیچھے نہیں پڑتے

اٹھاتے ہیں وہ مجھ پر تیغ جل کر دست نازک سے
کبھی منہ پر کسی کے خم بہ خم پیچھے نہیں پڑتے

تمہارے پاس رسوائی سے میں نالہ نہیں کرتا
وگرنہ کب مرے درد و الم پیچھے نہیں پڑتے

ترا وحشی ترے کوچے کے ویوں گرد رہتا ہے
سمجھ کر لوگ اے صید حرم پیچھے نہیں پڑتے

یہ دل شیشے سے بھی نازک ہے ناحق ٹوٹ جائے گا
بہت اے عشق لے کر سنگ غم پیچھے نہیں پڑتے

ہوئے جاتے ہیں نقد داغ چرخ اے عشق دل ہی میں
جگر کو دوں کہاں سے کچھ درم پیچھے نہیں پڑتے

کہاں طاقت پڑے سر جے ترے دلبر کے آگے
کبھی دیوار کے بھی اے صنم پیچھے نہیں پتے

غزل یہ ایک کیا کتنی ہی ایسی پھینک دیں لکھ کر
ظفر ہم لے کے قرطاس و قلم پیچھے نہیں پڑتے

اب ناز و نگہ در پئے آزار ہیں دونے
بیمار تری آنکھوں کے بیمار ہیں دونے

کس دن ہوئے سیراب ترے چاہ ذقن سے
ہم روز ترے تشنۂ دیدار ہیں دونے

جوں جوں کہ انہیں پیار جتاتا ہوں میں اپنے
ہوتے مری صورت سے وہ بیزار ہیں دونے

گن ان کی برابر ستاروں کو فلک کے
سینے کے میرے داغ نمودار ہیں دونے

بدمست رہیں میکدۂ عشق کے مے خوار
بیہوشی میں تو اور بھی ہشیار ہیں دونے

ہے قند مکرر سے کسے کام کہ اس سے
شیریں ترے لعل شکربار ہیں دونے

افراط غم و رنج جدائی میں نہ پوچھو
شب چوگنے ہیں دن کو اگر یار ہیں دونے

زلفوں سے تری ہووے گا سودا دل کا
اس جنس کے دام اب مجھے درکار ہیں دونے

جتنی کہ ہے جنس کیا اب ظفر جنس محبت
ہم اپنے ہی اور اس کے خریدار ہیں دونے

جان دے اپنی جو ماہ تمکیں کے واسطے
چادر مہتاب ہو اس کے کفن کے واسطے

اس قدر ہے لاغری اس خستہ تن کے واسطے
کم نہیں اک برگ گل دو پیرہن کے واسطے

واسطے اس جنبش مژگاں کے جو ہے نوک جھونک
وہ کہاں ہے نیزہ بازاں دکن کے واسطے

چین ابرو پر تری کافر نہیں کچھ خوشنما
چین زیبا ہے تو زلف پر شکن کے واسطے

ہوں تو نخل بے ثمر جوں سرو میں اے نخل بند
پھر لگا رکھ تو مجھے زیب چمن کے واسطے

اگر جادو تو اس کے چشم جادو کے لیے
سحر ہے تو اس نگاہ تیغ زن کے واسطے

خاک سے اشک چکیدہ کی طرح اٹھتا ہے کب
خاک غربت ہے وطن جس بے وطن کے واسطے

ہر شرار سنگ توڑے عشق سے ہے اک چراغ
چاہیے کیا شمع گور کوہ کن کے واسطے

نہ سپہر و ہفت اختر، چار عنصر شش جہت
اے ظفر جو کچھ بنا سو پنج تن کے واسطے

کسی عاشق کا تر اشکوں سے یہ خوناب دیدہ ہے
گل نرگس جو شبنم سے چمن میں آب دیدہ ہے

بجائے بادہ بھر کر خون دل پیتا ہوں آنکھوں میں
کہ دل شیشہ ہے اور جام شراب ناب دیدہ ہے

مرے اشکوں کا دریا کر رہا تی ہے طغیانی
نظر آتا بہ رنگ حلقۂ گرداب دیدہ ہے

نہ آیا ماہ وش اور انتظار اس کا کیا یاں تک
سفید اپنا ہوا یاں صورت مہتاب دیدہ ہے

دل بیتاب سے میرے جو ہمسر ہو کے اڑتا وہ
ہوائی ہو گیا کیوں تیرا اے سیماب دیدہ ہے

نہ پوچھو شوق دیدار اس پری وش کا کہ آنکھوں میں
ہر ایک اشک اور ہر اک قطرہ خوناب دیدہ ہے

سیاہی مردمک کی داغ لالہ سے مشابہ ہے
کہ ہر ایک لخت دل سرخاب بہتا لاب دیدہ ہے

ہمارا جوش گریہ بھی عجب بارونق تماشا ہے

ظفر اس کی جدائی میں ہے یہ حال دل و دیدہ
کہ رہتا رات دن بیتاب دل بے خواب دیدہ ہے

کہاں خلقت عزیزو زیر چرخ پیر پھرتی ہے
یہ فانوس خیالی میں ہر ایک تصویر پھرتی ہے

نہ چرخ ایسا ہوں نے بھنور ہوں نے بگولا ہوں
مجھے تو کیوں لیے اے گردش تقدیر پھرتی ہے

نہ چھوڑا ساتھ مر کر بھی کہ تیری ساتھ ہے لپٹی
ہر اک سائے پہ روح عاشق دلگیر پھرتی ہے

ہوئی ہے جوش گل سے جوش وحشت اسقدر پیدا
کہ ہر موج ہوا پہنے ہوئے زنجیر پھرتی ہے

تمہیں آتا ہے زیر چرخ خواب اے غافلو کیونکر
کہ شب کو کہکشاں کھینچے ہوئے شمشیر پھرتی ہے

اترتے ہیں گلے میں گھونٹ آب زندگانی کے
چھری جب حلق پر قاتل دم تکبیر پھرتی ہے

ظفر کو منزل مقصود تقدیر لے پہنچی
کدھر بھٹکتی ہوئی سی عقل بے تدبیر پھرتی ہے

جستجو اب اور ہے تدبیر پہلے اور تھی
گفتگو اب اور ہے تقدیر پہلے اور تھی

میں کروں کیوں کر نہ اپنے نالہ ہائے دل کو ضبط
اور ہے تاثیر اب تاثیر پہلے اور تھی

روز روز وصل تھا یا اب شب ہجراں ہے روز
یا الٰہی کیا مری تقدیر پہلے اور تھی

زلف سے چھٹ کر ہوا دل خط کے حلقے میں اسیر
طوق ہے پیچھے ہوا زنجیر پہلے اور تھی

میرے دل نے کر دیا مجھ کو سبک یاں ورنہ یار
تیری محفل میں مری توقیر پہلے اور

خاک ہو کر عشق میں ہم ہوگئے اکسیر آپ
ورنہ ہم کو خواہش اکسیر پہلے اور تھی

اس بنا کا کیا بھروسہ ہے کہ منعم جہاں
ہے کی تعمیر واں تعمیر پہلے اور تھی

ہوگئی قسمت سے میری کند تیر سے وقت قتل
تیز اے قاتل تری شمشیر پہلے اور تھی

دیکھ کر ہم کو ظفر بدلا ہے تو نے یہ ورق
ورنہ تیرے ہاتھ میں تصویر پہلے اور تھی

بھوں کی جنبش سے اگر چین جبیں مل جائے گی
چین کی بھونچال سے یکسر زمیں مل جائے گی

پردہ کھل جائے گا مردم گر یہ فانوس کا
چشم تر پر ہے جو میری آستیں مل جائے گی

شمع سوز عشق میں ہر چند ہے ثابت قدم
دیکھ کر پر میری آہ آتشیں مل جائے گی

تاب عارض سے ترے بجلی سی ایک جاوے گی کوند
غرفے سے چلمن جو اے پردہ نشیں مل جائے گی

مضطرب دل کو نہ کر اے دور کی سوجھی تجھے
کیونکہ ٹھہرے گی نظر گر دوربیں مل جائے گی

کھلی بار یک روئے مہ پہ موج دود دل
گر ہوا سے رخ پہ زلف عنبریں مل جائے گی

لی جو زیر خاک کروٹ عاشق بیتاب نے
تیغ خارا اے دل اندوہگیں مل جائے گی

دیکھنا کیا کیا جھڑیں گے پھول اشکوں کے اگر
شاخ مژگاں گر تیری اے مہ جبیں مل جائے گی

اب تو پھڑکے ہے قفس میں بلبل تازہ اسیر
کوئی دن کو دیکھنا اس کو یہیں مل جائے گی

اے ظفر زیر و زبر ہوگا دو عالم دیکھنا
گر صف مژگان چشم خشمگیں مل جائے گی

اے ظفر سینہ پہ سینہ تو سمجھ کر ہو جیو
خط کلی صاف یہ اس نازنین کا سانپ ہے

تنہا نہ عشق میں دل مائل پہ بن گئی
جی پر بھی وہ ہی بن گئی جو دل پہ بن گئی

دل ہی سے پوچھو عشق میں جو دل پہ بن گئی
بسمل ہی جانتا ہے جو بسمل پہ بن گئی

کیوں سوچ گل سے پائے نہ زنجیر سے بہا
دیوانہ کس کے حسن و شمائل پہ بن گئی

خوش ہے جسے کہ غم نہیں انجام کار کا
اندیشہ مآل میں عاقل پہ بن گئی

برپا ہو کیوں نہ خانۂ زنداں میں روز غل
میرے جنوں سے اب تو سلاسل پہ بن گئی

پہنچی نہ رفتگان عدم کی جو کچھ خبر
کیا جانے کیسی جاتے ہی منزل پہ بن گئی

ناخن پہ دفتہ رفتہ تیری سرخی حنا
تصویر ماہ نو مہ کامل پہ بن گئی

پتھر کے دل میں بیٹھ گیا نقش کوہ کن
شیریں کی صورت اس سے نہیں سل پہ بن گئی

تڑپیں جو دی وفا نے تو میرے لہو کی چھینٹ
بوٹی سی ایک دامن قاتل پہ بن گئی

ہستی کے باغباں کی ظفر پوچھتا ہے کیا
جو کچھ چمن میں جان عنادل پہ بن گئی

گلشن دل سے جو کچھ گل چیدہ چیدہ آئیں گے
لخت دل یا قطرہ خون چکیدہ آئیں گے

دل میں ہے کیا کیا کدورت پر وہ منہ پر دیکھنا
آئنے کی طرح ہو کر صاف دیدہ آئیں گے

وحشیوں کو اپنے رکھ دام گر رم کر گئے
ہاتھ تیرے یہ نہ آہوئے رمیدہ آئیں گے

منت خنجر نہ کھینچیں گے ترے سرباز عشق
مثل ماہی صید گہ میں سر بریدہ آئیں گے

میں نہ ہوتا ان کا خاک رہ جو ہوتی یہ خبر
خاک پڑی میری وہ دامن کشیدہ آئیں گے

اس چمن میں مثل نرگس آنکھ ہووے گی جنہیں
جب یہاں آئیں گے وہ گردن خمیدہ آئیں گے

اے ظفر جس دم کی آمد غم دل دار کی
پہلے استقبال کو آنسوئے دیدہ آئیں گے

ہم بتوں کو اپنے جذب دل سے کھنچ جائیں گے
پر بڑے پتھر ہیں یہ مشکل سے کھنچ جائیں گے

بھاگ کر جائیں گے محفل سے ہماری وہ کہاں
ہوں گے جس محفل میں اس محفل سے کھنچ جائیں گے

ایک نقشہ اس کے کاشانے کا کھینچا جائے گا
سینکڑوں نقشے مہ کامل سے کھنچ جائیں گے

لکھتے جو حرف انانیت ہیں وہ منصور دار
دار پر اس حرف لاطائل سے کھنچ جائیں گے

کشتہ کیوں ہوتے ترے عشاق گر یہ جانتے
لاشے آخر کوچہ قاتل سے کھنچ جائیں گے

ہاں مدد گر جذب الفت وہ دیکھیں کب تلک
آپ کو دور اپنے اس مائل سے کھنچ جائیں گے

اے ظفر ان کو طپش دل کرے ہی گی اثر
ہم جو یوں نالے دل بسمل سے کھنچ جائیں گے

کہیں کس وجہ ہم منہ سے نہیں کچھ کام ان سے ہے
ہو ہوا نام عالم میں ہمارا نام ان سے ہے

حوالے ان کے زلفوں کے بچا پنا ملت و مذہب
تعلق رکھتا اپنا کفر و اسلام ان سے ہے

رقیب اور ہم ہیں دونوں اس کو یکساں ہائے اے قسمت
کہ الفت صبح ہم سے ہے محبت شام ان سے ہے

تجھے پندے معزز ان جنوں ہیں کن کے سمجھائے
ارے ناصح تجھے یہ کیا خیال خام ان سے ہے

نہیں مہ چرخ پر نکلا چڑھے وہ اپنے کوٹھے پر
کہ یہ روشنی سی ہے کنا ربام ان سے ہے

جو شکل طائر تصویر سب سے بے تعلق ہیں
نہ مذہب باغ ان سے ہے نہ مذہب دام ان سے ہے

بغیر ان کے کہاں بستر آرام پر راحت
مرے آرام جاں وہ ہیں مجھے آرام ان سے ہے

کبھی ہم کو کبھی اوروں کو دیتے ہیں دلاسے وہ
ادھر پیغام ہم سے ہے ادھر پیغام ان سے ہے

بھرے بیٹھے ہیں وہ غصے میں بوسے مانگتے ہو تم
ظفر شاید کہ تم کو خواہش دشنام ان سے ہے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

توبہ اے ساقی نہیں پینے کا میں جام شراب
مجھ کو اپنی بادہ وحدت کی مستی خوب ہے

جس طرح مژگاں سے میری ہیں بندھے اشکوں کے تار
اس طرح جھڑی نہیں کوئی برستی خوب ہے

خواب میں جلوہ دکھا دیتا ہے وہ مہوش کے
چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے

راہ بہتر ہے وہ ہموار رہرو کے لیے
نہ بلندی ہے بہت اچھی نہ پستی خوب ہے

خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صریح
غافلو حق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے

ایک عالم کشتہ ابرو ہے اس سفاک کا
ان دنوں میں چل رہی تیغ دو دستی خوب ہے

ملک دنیا کی تو آبادی ہے ویرانہ تا
اور بستی ہے جہاں ایک خلق بستی خوب ہے

دین و دنیا دونوں ہوں قسمت محبت کی اگر
میں کہوں گا اے ظفر یہ جنس سستی خوب ہے

لوٹتا کیا دل پہ آہ آتشیں کا سانپ ہے
بلکتا راشک بھی اک آستیں کا سانپ ہے

کہکشاں کا خط نہیں ہے جوش انجم میں نمود
کنگروں میں یہ بڑا چرخ بریں کا سانپ ہے

سبز چوڑی سا عصا زک پہ اس گل کے نہیں
شاخ گل پر صاف لپٹا یاسمیں کا سانپ ہے

دیکھ کر آئینے میں وہ زلف کو ہنسنے لگے
بند پانی میں پڑا طرفہ کہیں کا سانپ ہے

بوسہ پیشانی کا لیں کیونکر کہ ڈر ہے جان کا
کاٹنے کو دوڑتا ہے چین جبیں کا سانپ ہے

روزن تربت سے دل تنگوں کا کیا نکلے ہے دود
یہ کوئی کالا غضب بار زمیں کا سانپ ہے

ادھر تو موت کی خواہش میں بسمل ہاتھ ملتا ہے
ادھر کو نیم بسمل چھوڑا قاتل ہاتھ ملتا ہے

تمنا ہے جسے تیرے لب شیریں کے بوسے کی!
مگس کی طرح اے شیریں شمائل ہاتھ ملتا ہے

کسی کا دل جو آئے کر اپنے تو ملتا ہے پاؤں سے
تو کیا کیا حسرتوں سے تیرا بیدل ہاتھ ملتا ہے

چلا محفل سے کس کو چھوڑ کر بے تاب تو ایسا!
کہ شعلہ شمع کا اے زیب محفل ہاتھ ملتا ہے

قدم اٹھتا نہیں جب ضعف سے صحرا تک کے
تو مجنوں دیکھ کر کیا سوئے محفل ہاتھ ملتا ہے

کف افسوس تو ملتے ہیں ہم محو تصور میں!
فنائے شغل میں جس طرح شاغل ہاتھ ملتا ہے

ہوائے برگ گل ملتے نہیں اے غیرت گل اب
چمن میں گل بھی تجھ پر ہو کے مائل ہاتھ ملتا ہے

رکھا ہے عشق میں اس راہ پر ہم نے قدم اپنا
کہ جس رہ میں خضر سا میر منزل ہاتھ ملتا ہے

دیا اللہ نے ایسا کمال عشق انساں کو!
فرشتہ دیکھ کر انسان کامل ہاتھ ملتا ہے

ظفر مشکل پسندی تیری ہی اب کس کو آتی ہے
سخنور دیکھ کر یہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے

دبائے دل کو جو مژگان یار ہاتھ لگے
اچھل پڑے کہ یہ آیا شکار ہاتھ لگے

دیا نشے میں جو گیسو کا تار ہاتھ لگے
جھجک کے بولے کہ شاید ہے مار ہاتھ لگے

ہزار پھیرے ہاتھ اس رخ خط پر
کوئی مٹے ہے یہ خط غبار ہاتھ لگے

ابھی رہے گی نشانی جو تم چھپاتے ہو!
دکھا ہے آپ نے چھلا تار ہاتھ لگے

جدا نہ کیوں خط دنبالہ سے ہو دست مژہ
جیسے ہے تیزی سے خنجر کی دھار ہاتھ لگے

کسی کے عارض نازک پہ جیسے پھیرا ہاتھ!
لگے ہے جتنا رگ گل بھی خار ہاتھ لگے

فلک کے دست تصرف میں کہکشاں ہے یوں
عصا کو جیسے رکھے شوبدار ہاتھ لگے

تونگروں میں بھی ہو وہ گدا نہ بالا دست
کہ ایک ہاتھ ہو جس کا ہزار ہاتھ لگے

دکھائے دست حنائی جو وہ تو دیکھ بہار
ظفر ہے یار کی رنگ بہار ہاتھ لگے

جام چشم یار ہے ساغر کے درکار ہے
اور علاوہ اس کے گردن بھی صراحی دار ہے

سرمہ تحریر سے کب زیب چشم یار ہے
سرمئی ڈورے سے باندھا آہوئے تاتار ہے

مسجد و میخانہ میں کیا فرق ہے دونوں ہیں ایک
ایک سے ہیں سنگ و خشت اور ایک سی دیوار ہے

ہے گلوگیر اپنی جس دن سے بتوں کی دوستی
تار رشک اپنے گلے میں رشتۂ زنار ہے

عشق کے آنے کو مانع ہے ہوس دل سے اٹھا
پہلے دروازے پہ دل کے یہی چوکیدار ہے

دیکھا اس مہ جبیں کی مانگ بنی کے قریب
ملک دل کی سمت روئے اختر دمدار ہے

آمد و شد نے نفس کی دی ظفر ساری خبر
سوئے ہستی و عدم قاصد کے درکار ہے

مہاسا کب خط رخسارہ دلبر کے نیچے ہے
لیے بیٹھے کو طوطی اپنے بال و پر کے نیچے

تصور اس کی مژگاں کا مجھے سونے نہیں دیتا
بچھا دیتا کوئی نشتر مرے بستر کے نیچے ہے

طلب کرتا ہے جا آب خضر آب تیغ قاتل ہے
غرض جو سبز بخت اس گنبد اخضر کے نیچے ہے

بنایا خال عارض کے تلے تل اس نے کاجل کا
ہوا پیدا اک اختر اور اس اختر کے نیچے ہے

ہوا ہے جیسے داغ گل بلے اس طرح سینے میں
کف ساقی کو رعشہ دمبدم ساغر کے نیچے ہے

مری آواز زیر بام سنتا ہے تو پھر وہ ہیں
اتر جاتا وہ کوٹھے سے بہانہ کر کے نیچے ہے

قلق سے دمبدم گردن ترے صید محبت کی
کبھی شمشیر کے اوپر کبھی خنجر کے نیچے ہے

خیال بالش سے پر پری رو نیند اڑتی ہے
ترے جو آستاں کا سنگ میرے سر کے نیچے ہے

ظفر شیریں سنگیں دل سے کیا چالاک دستی ہے
کر دست کوہکن تو دب گیا پتھر کے نیچے ہے

کس کے ابرو کی مری تصویر آنکھوں میں پھری
میل سرمہ کی جگہ شمشیر آنکھوں میں پھری

اس پری رخسار نے کھولی جو اپنے منہ پہ زلف
وحشیوں کی صورت زنجیر آنکھوں میں پھری

خواب میں دیکھا کیا میں قصر جنت رات بھر
اس کے گھر کی جو مری تعمیر آنکھوں میں پھری

شمع کیا خورشید سے بھی پھر گئی میری نظر
جب کہ اس کی شکل پر تنویر آنکھوں میں پھری

جب پھر آیا وہ شکار افگن کہ تکتے تکتے راہ
پتلی آنکھوں کی تری نخچیر آنکھوں میں پھری

سبزۂ خط دیکھ کر رخ پر ترے اے سرہرا!
اک بہار گلشن کشمیر آنکھوں میں پھری

نالہ دل سے ظفر کے اک سلائی نیل کی
تیری آخر آسمان پیر آنکھوں میں پھری

جہاں میں ہم تو غم آلودہ اک جہاں کے رہے
رہے اسی میں یہاں کے رہے نہ واں کے رہے

شب فراق نہ پوچھو کہ کس طرح گزری
ستارے گنتے ہم آنکھوں سے آسماں کے رہے

نہ عزم کعبہ کیا اور نہ قصد بت خانہ
کہ ہم تو خاک نشیں اس کے آستاں کے رہے

پہنچ گئے سر منزل تو ہم سفر اور ہم
بھٹکتے گرد صفت پیچھے کارواں کے رکے

برنگ غنچۂ تصویر کچھ نہ بولے ہم!
سدا خموش تصور میں اس دہاں کے رہے

غرض رہی نہ ہمیں کچھ بھی دین و ایماں سے
فریفتہ جو رخ و زلف پر بتاں کے رہے

ٹھکانا جب نہ رہا کوئے یار میں اپنا
تو اے ظفر یہ بتا ہم کو ہم کہاں کے رہے

اگر غفلت کا پردہ ہم اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
تو جو واں دیکھتے یاں دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

ہمیں رونے سے تو کیوں روکتا ہے دمبدم ناصح!
تجھے کیا ہم ہیں اشک خوں بہاتے اپنی آنکھوں سے

بلا سے آپ ہی پیغامبر ہم اپنے ہو جاتے
گر جاتے واں اور اس کو دکھاتے اپنی آنکھوں سے

ملائیں گے نظر کس سے کہ وہ بے دید ہیں ایسے
نہیں آئینے میں آنکھیں ملاتے اپنی آنکھوں سے

شب فرقت ہمیں اے آسماں آنکھیں دکھاتا ہے
ستارے یہ نہیں ہم کو ڈراتے اپنی آنکھوں سے

برنگ اشک سرمہ آلودہ ہم اب اے سیہ بختی!
نظر کس کی چڑھیں ہیں سب گراتے اپنی آنکھوں سے

تمہاری شوخ چشمی سے پچتے آہو نہ کیوں ٹھٹکے
کر تم انساں کو وحشی ہو بناتے اپنی آنکھوں سے

جو وہ آنکھوں میں آیا کون اس کو دیکھ سکتا تھا
قسم آنکھوں کی ہم اس کو چھپاتے اپنی آنکھوں سے

ظفر گریہ ہمارا کچھ نہ کچھ تاثیر رکھتا ہے!
انہیں ہم دیکھتے ہیں مسکراتے اپنی آنکھوں سے

آنکھ اس قاتل کی سو باری دم کشتن پھری
پر نہ زیر تیغ اس سرباز کی گردن پھری

صید گہ میں جب سواری تیری صید افگن پھری
رہ گئی ہر صید کی تیری طرف گردن پھری

ہو چکا موسم خزاں کا آئی گلشن میں بہار
کیا تری تقدیر پھر اے طائر گلشن پھری

لگ چکا تھا کے مرے زخم جگر پر چارہ گر!
بخت کی برگشتگی سے آگے ہی سوزن پھری!

جوں نظر تیری پھری ہم کو ہوا عین الیقیں
کچھ طبیعت دوستوں سے تیری اے دشمن پھری

کوئی گل ایسا نہ پایا جس میں ہو بوئے وفا!
ڈھونڈتی ہر چند باد صبح سو گلشن پھری

ہے یہ خوبی بخت برگشتہ کی جو یوں مجھ سے آہ
صف کی صف مژگاں کی تیری اے بت پرفن پھری

خاک مجنوں سے ہوئی اتنی مکدر تو صبا!
مدتوں صحرا بصحرا جھاڑتی دامن پھری

تیری جانب سے ظفر شاید دل اس کا پھر گیا
ورنہ کیا باعث کہ آتے ہی نظر چتون پھری!

ظاہر ہیں کیا ظہور کے مظہر نئے نئے
جلوے ہیں اس کے پردے کے اندر نئے نئے

ہوں زخم میرے دل پہ نہ کیوں کر نئے نئے
اور امتحاں وہ کرتے ہیں خنجر نئے نئے

صیاد یا اسیر نہ ٹہ چلیں تو کیا کریں
ہیں دام میں پھنسے ابھی آکر نئے نئے

ناز و ادا و غمزہ تو ہیں شیوہ قدیم
لیک ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

جن جن کے یہ پرانے پرانے ہیں مقبرے
تھے ان کے واسطے بھی یہاں گھر نئے نئے

دل ٹوٹے محتسب کا الٰہی کہ اس نے آج
کیا بت کدے میں توڑے ہیں ساغر نئے نئے

آغاز خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا
طوطی باغ حسن نے یہ پر نئے نئے

کل ٹکڑے ٹکڑے خط کو کیا نامہ بر کو آج
کترے ہے روز گل یہ ستم گر نئے نئے

اک داغ دل کا کہنہ ہوا یہ تو پھر بھرے
پیدا ہزار داغ جگر پر نئے نئے

کرتی ہے تازہ فتنہ بپا گردش فلک
لاتی ہے ہم سے روز یہ چکر نئے نئے

اک دل ہے اس کو دیجیے کس کس کو اے ظفر
آتے نظر ہیں سینکڑوں دلبر نئے نئے

مریض عشق ترا کیا دوا سمجھ کے پئے
جو گھونٹ زہر کے آب بقا سمجھ کے پئے

جگر کے کرتے ہیں ٹکڑے یہ پارۂ الماس
پئے جو اشک کوئی مبتلا سمجھ کے پئے

کہاں نصیب کہ قلیاں ہمارے ہاتھوں سے
ہمیں بھی اپنا کوئی آشنا سمجھ کے پئے

مرے لہو کا وہ پیاسا ہے پر اسے کہہ دو
یہ خون سوختہ جاں ہے ذرا سمجھ کے پئے

شراب عشق سے کیفیت بقا کے لیے
وہ دیکھے آپ کو جو یاں فنا سمجھ کے پئے

تمہارے تشنۂ بوسہ کو دیں جو شربت قند
تو ہے یقین کہ نہ وہ بے مزا سمجھ کے پئے

تمہارے پاؤں بھی دھو کے پئے یہ عاشق زار
پر اس کو فائدہ کیا اور کیا سمجھ کے پئے

نہ اس کو فہم کلام اور نہ تجھ کو ضبط کلام!
کہو ظفر سے پئے گر نشہ سمجھ کے پئے

آنکھ دیدار کی بندوق دکھا تو دا ہے
کیا کرے دشت میں گر کان نہ آہو دا ہے

لوٹے مرا دل بے تاب ترے پاؤں پہ حیف
رحم آئے نہ تجھے پاؤں تلے تو دا ہے!

سر مژگاں پہ کہاں ٹھہر سکیں پارۂ دل
کہ چلے آتے ہیں بے ساختہ آنسو دا ہے

نبض دیکھے ترے بیمار محبت کی اگر
انگلی دانتوں کے تلے اپنی ارسطو دا ہے

قسمت اس صید ستم دیدہ کی جس کو دم ذبح!
چڑھ کے بیٹھے پہ وہ قاتل تہ زانو دا ہے

پنجۂ شانہ کے قائل ہوں سازی کا
مل ہے افسوس کہ ترے سامنے گیسو دا ہے

اگیں سبزے کی جگہ خاک سے پھر نشتر خسار
اپنے مجنوں کی جو تو فصد کا لوہو دا ہے

جو کہ ہے خاک نشیں اور ہے میخانہ ظفر
مسند جاہ پہ جمشید کے پہلو دا ہے

کہ ان کے دیکھتے ہی اپنی حالت ایسی ہوتی ہے
کہ سب کہتے ہیں توبہ ہائے چاہت ایسی ہوتی ہے!

دکھا دے باغ میں گل رو رگ گل کو کمر اپنی
کہ نازک اس کو کہتے ہیں نزاکت ایسی ہوتی ہے

نہ رکھے دل میں صاف خوب وحشت سب منہ پر
بجز آئینہ کس کی صاف طینت ایسی ہوتی ہے

مے گلگوں بلوریں جام میں وہ بھر کے کہتے ہیں
نشے میں اپنے بھی چہرے کی رنگت ایسی ہوتی ہے

نہ ہوتا اس کا پاس آبرو تو ابر سے کہتے!
کہ گر گریہ اس طرح کرتے ہیں رقت ایسی ہوتی ہے

غبار آلودہ خط سے رخ کا آئینہ ہوا دیکھا!
کہ رکھتی دل میں عاشق کے کدورت ایسی ہوتی ہے

دکھا کر وہ مجھے تصویر مجنوں کی یہ کہتے ہیں
کہ جو ہوتے ہیں عاشق ان کی صورت ایسی ہوتی ہے

اٹھا جو برقع فانوس منہ سے شمع محفل کے
ہوا پروانہ جل کر خاک غیرت ایسی ہوتی ہے

ظفر مت پوچھو جو کچھ ہم میں ان میں ربط ہے باہم
کہ نے یار ایسے ہوتے ہیں نہ الفت ایسی ہوتی ہے

شمع رو جس کو ترے وصل کی لو ہووے گی
اس کو پروانہ صفت کچھ تگ و دو ہووے گی

چاندنی اس کی بنی ہے جو صور تصویر
شکل ابرو کی جیسے مہ نو ہووے گی

عقل وو ہیں ہوش و خرد عشق میں ہم بیچ چکے
جنس دل ایک رہی ہے سو گرو ہووے گی

دیکھا دان نہ بو تخم کوئی کے سوا
کر کبھی کشت عمل تیری درو ہووے گی

لاکھ تم منع کرو جب کہ بھر آوے گا یہ دل
ماجو آنسوؤں کی چشم میں رو ہووے گی

سنتے ہیں ان کی رقیبوں سے ہوئی جب خفگی
بے یقین لوگ جو یوں کہتے ہیں تو ہووے گی

اے ظفر ہے زباں خلق کی نقارہ حق
یعنی وہ بات کہیں گے جسے سو ہووے گی

عجب کیا گر چہ دریا صرف ساغر ہو تو پی جائے
یہ مے آشام دریا کیا سمندر ہو تو پی جائے

اگرچہ آب تیغ یار آب زندگانی ہے
پئے پر کس طرح عاشق میسر ہو تو پی جایط

جو آنسو چشم میں بھر لاؤں تو فس کروہ کہتا ہے
کر کہہ دو آبرو کا اپنی گو ڈر ہو تو پی جائے

ترے جاں سوختہ کی خاک ہے وہ تشنہ باراں
کہ گر ایک قطرہ سو دریا کے ہمسر ہو تو پی جائے

طبیب درد دل تو ہو تو ظالم تلخ دارو دے
ترے آنسو سے کوئی زہر بھی گر ہو تو پی جائے

جو ہووے تشنہ بوسہ ترا ہے چاہ زنخداں کا
بھلا انصاف کر وہ آب کوثر ہو تو پی جائے

سبیل عشق پر ہر دم یہی آواز سنتا ہوں
کسی کو تشنگی آب خنجر ہو تو پی جائے

سکندر پی سکے اے خضر کیونکر آب حیواں کو
نصیب اس کا تیری سا سکندر ہو تو پی جائے

کہے کھول کر وہ زلف اپنی ساغر مے میں
کوئی آشفتہ زلف معنبر ہو تو پی جائے

غلط اب اس قدر مست جاں چشمے کو محبت کے
دلا تو ایک کیا گر ایک لشکر ہو تو پی جائے

کہیں ہیں جس کو حب جاہ تیغ تشنہ خوں ہے
عزیزو با اگر خون برادر ہو تو پی جائے

ظفر غصے کو دل میں کون پی سکتا ہے کیا قدرت
کسی کا ظرف تیرے ہی برابر ہو تو پی جائے

اک نگہ دیکھ نکارا مجھے
کم نگہی نے مارا مجھے

شربت دیدار کی امید پر
تلخی ہجراں سے گوارا مجھے

اس نے پکارا تھا کسی اور کو
میں نے یہ جانا کہ پکارا مجھے

خال رخ یار کا سرگشتہ ہوں
لایا ہے گردش میں ستارا مجھے

نفع کی امید تھی لیکن ہوا
زلف کے سودے میں خسارا مجھے

آج اگر آنکھ چرائی تو کیا
یاد ہے وہ کل کا اشارا مجھے!

سیر دو عالم سے غرض کچھ نہیں
ایک تصور ہے تمہارا مجھے!

ہوتے ہو اک بات پر تم کیوں خفا
حال ابھی کہنا ہے سارا مجھے!

ہم نفس و دلبر عیسیٰ نفس
کیوں نہ لگے دل سے پیارا مجھے

جس نے کہ ٹھکرا کے مری نعش کو
زندہ کیا آج دوبارہ مجھے

بچ تو ظفر یوں ہے کہ جز فخر دیں
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

شاخ مژگاں میری کب اشکوں سے تر پانی میں ہے
یہ عشق البحر کا دیکھو شجر پانی میں ہے

جوش گریہ نے مرے کھینچا یہاں تک باج سر
گنبد نیلی برنگ نیلوفر پانی میں ہے

بحر و بر خالی نہیں گردش زدوں سے دیکھ لو
ہے جو خشکی میں بگولا تو بھنور پانی میں ہے

آتش دل سے ڈر میرے سمندر اس قدر
چاہتا مانند ماہی اپنا گھر پانی میں ہے

دیکھ کر تیرے لب و دنداں کو مارے شرم کے
لعل پتھر میں چھپا جا کر گہر پانی میں ہے

میری آہ و اشک سے چرخ و زمیں کا ہے یہ حال
وہ ادھر آتش میں ہے اور یہ ادھر پانی میں ہے

عشق میں اس سنگدل کے اس قدر رویا ہوں میں
کوہ بھی اشکوں سے میرے تا کمر پانی میں ہے

آئینے میں اس کے روئے آتشیں کو دیکھنا
کیا تماشا ہے کہ آتش جلوہ گر پانی میں ہے

سینے میں صافی دلوں کے کب ہے تاب حسن دوست
عکس خورشید درخشاں اے ظفر پانی میں ہے

جدھر آنکھ پڑتی ہے تو روبرو ہے
ترا جلوہ سب میں ہے سب جاے تو ہے

رکھوں آئنہ کیوں نہ پیش نظر میں
مری آرسی میرا آئینہ رو ہے

مری چشم میں کیا ہے؟ تیرا تصور
مرے دل میں کیا ہے؟ تری آرزو ہے

بدن میں مہک ہے تری یاسمن کی
تری زلف مشکیں میں عنبر کی بو ہے

صدا پردہ ساز کی یہ نہیں ہے
کوئی پردے میں کر رہا گفتگو ہے

کوئی چھوٹتا ہے یہ دامن سے قاتل
شہید محبت کا آخر لہو ہے

ظفر آپ کو ڈھونڈ مت ڈھونڈ اس کو
وہ تجھ میں ہے جس کی تجھے جستجو ہے

عشق میں کیا ہم بھی اے تقدیر سیدھے ہوگئے
کتنے اس قالب میں ٹیڑھے تیر سیدھے ہوگئے

آتش سوزاں نے میرے کر دیا آہن کو موم
کھل کے میرے حلقہ زنجیر سیدھے ہوگئے

تو ہوا ہم سے نہ سیدھا اور دست شانہ سے
بال بل کھائے ترے تصویر سیدھے ہوگئے

کج ادائی سے تری قاتل تعجب ہے مجھے!
تن پہ میرے کیوں خط شمشیر سیدھے ہوگئے

چرخ ٹیڑھا ہی رہا اور سیکڑوں بانکے جواں
ٹیڑھے ہو کر زیر چرخ پیر سیدھے ہوگئے

راستی پر کس کی قامت کے ہوا جو بعد مرگ
دست و پائے عاشق دلگیر ہوگئے

سرنوشت اپنی نہ پلٹی اور خط معکوس کے
حرف جو الٹے ہوئے تحریر سیدھے ہوگئے

سیدھے وہ آئیں گے گر یہ طالع واژوں مرے
اک ذرا اے آہ بے تاثیر سیدھے ہوگئے

میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے اے ظفر
جب کہ ٹیڑھی میں نے کی تقریر سیدھے ہوگئے

اس کے کل کوچے میں ہم ایسے ہنر سے گزرے
ایک نے دیکھا نہیں سب کی نظر سے گزرے

کیا عجب تیر نگہ میرے جگر سے گزرے
پر وہ ہے تیر کہ آہن کی سپر سے گزرے

اس سرا میں تو بہت آئے مسافر لیکن
جو ہے کیا جانے کہاں سے وہ کدھر سے گزرے

جوش گریہ سے مرے ہو جو طوفاں برپا
آب ہو پیر فلک کے ابھی سر سے گزرے

آج تک وہم و گماں میں نہیں آتا اپنے
کیا کریں ہم ترے مضمون کمر سے گزرے

دل کے آئینے میں جو کچھ عیاں ہیں جوہر
ہیں وہ پہلے نظر آئینہ گر سے گزرے

چشم نقش کف پا راہ میں حیراں ہوں کیوں
راہ رو کتے ہی اس راہگزر سے گزرے

بوسہ تیرے لب شیریں کا ہے کو قند و شکر
تلخ اتنا نہ ہو ہم قند و شکر سے گزرے

دیدہ بازی کے تماشے کا نہ پوچھو عالم
کہ تماشے ہیں بہت چشم ظفر سے گزرے

جو دل کے ارادے کو ادھر کھینچ کے باندھے
وہ راہ میں ہمت کی کمر کھینچ کے باندھے

اے ہم نفسو کہہ دو یہ جراح کو میرے
پٹی نہ سر زخم جگر کھینچ کے باندھے

جاتا ہے اڑ از اغ نظر تا سر افلاک!
اس کے کوئی کس طرح سے پر کھینچ کے باندھے

سکا مرے دل پر لگے ہے اس سے یہ کہہ دو
جوڑے کو نہ وہ رشک قمر کھینچ کے باندھے

آ جائے نظر ابر کا ٹکڑا اپس خورشید!
تو پیٹھ پر اپنے جو سپر کھینچ کے باندھے

پھر کون چھڑا سکتا ہے دل کی میری مشکیں
تو طرہ مشکیں سے اگر کھینچ کے باندھے

ڈرتا ہے نزاکت سے مرا دل اسے کہہ دو
تعویذ نہ یوں بازوؤں پر کھینچ کے باندھے

جو تارک دنیا ہو کمر کھول کے بیٹھے
لازم ہے سپاہی کو کمر کھینچ کے باندھے

پڑ جائیں نزاکت سے نشاں کیوں نہ زمیں پر
دستار کو وہ جب کہ ظفر کھینچ کے باندھے

ہوتے ہوتے چشم سے آج اشکباری رہ گئی
آبرو بارے تری ابر بہاری رہ گئی

آتے آتے اس طرف ان کی سواری رہ گئی
دل کی دل میں آرزوئے جاں نثاری رہ گئی

ہم کو خطرہ تھا کہ لوگوں میں تھا چرچا اور کچھ
بات خط آنے سے تیرے پر ہماری رہ گئی

ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اڑ جائے گا سب سنگ مزار
دل میں بعد از مرگ گر کچھ بے قراری رہ گئی

اٹھ چلے اک میں جو خاک میں ڈھونڈے کوئی
خاکساری خاک کی گر خاکساری رہ گئی

آؤ گر آنا ہے کیوں گن گن کے رکھتے ہو قدم
اور کوئی دم کی ہے یاں دم شماری رہ گئی

ہو گیا جس دن سے اپنے دل پر اس کو اختیار
اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

جب قدم اس کافر بدکیش کی جانب بڑھے
دور پہنچے سو قدم پرہیزگاری رہ گئی

کھینچتے ہی تیغ ادا کے دم ہوا اپنا ہوا
آہ دل میں آرزوئے زخم کاری رہ گئی

اور تم غم خوار سارے کر چکے غم خوارگی
اب فقط ہے ایک غم کی غمگساری رہ گئی

شکوہ عیاری کا یاروں سے بجا ہے اے ظفر
اس زمانے میں یہی ہے رسم یاری رہ گئی

برنگ نقش پا تو در پہ ہم کو
ملامت خاک میں یہ کیا ستم ہے

زمیں نے پاؤں پکڑے ہیں اپنے
کہ یاں سے اٹھ نہیں سکتا قدم

ظفر پیروں کا تجھ کو ہے گا سایہ
کہ جن کی یاد میں تو چشم نم ہے!

کوئی کہتا ہے یہ چین جبیں موج سمندر ہے
کوئی کہتا ہے یہ ابرو نہیں باب سکندر ہے

کووی کہتا ہے اس کی مانگ کو ہے کہکشاں کا خط
کوئی کہتا ہے پیشانی کو اس کی ماہ انور ہے

کوئی کہتا ہے اس کی جعد کو ہے یہ شب یلدا
کوئی کہتا ہے اس کے رخ کو یہ خورشید محشر ہے

کوئی کہتا ہے وہ جوڑا نہیں مشک نافہ ہے
کوئی کہتا ہے بوے زلف کیا ہے بوے عنبر ہے

کوئی کہتا ہے بینی کو کہ ہے وہ رشک گل زنبق!
کوئی کہتا ہے چشم سرمگیں ہم چشم عبہر ہے

کوئی کہتا ہے کہ اس قاتل کی چشمک تیغ تر ان ہے
کوئی کہتا ہے اس کی چین ابرو تیز خنجر ہے

کوئی کہتا ہے اک سیف کشیدہ ہے وہ دنبالہ
کوئی کہتا ہے جو مژگاں ہے وہ ناوک سے ہمسر ہے

کوئی کہتا ہے وہ گردن مصفا اک صراحی ہے
کوئی کہتا ہے اس کا گوش کیا ہے چشم ساغر ہے

کوئی کہتا ہے وہ شفاف عارض صبح صادق ہے
کوئی کہتا ہے وہ در کان کا تابندہ اختر ہے

کوئی کہتا ہے ہونٹوں کو کہ ہیں وہ لعل کے ٹکڑے
کوئی کہتا ہے دانتوں کو عجب یہ سلک گوہر ہے

کوئی کہتا ہے گویا وہ دہن ہے خضر کا چشمہ
کوئی کہتا ہے اس چاہ ذقن میں آب کوثر ہے

کوئی کہتا ہے وہ دست حنابستہ ہے شاخ گل
کوئی کہتا ہے رنگین پنجہ مرجاں کے برابر ہے

کوئی کہتا ہے پستاں کو حباب آسا مصفا ہے
کوئی کہتا ہے سینہ وہ کہ آئینہ مکدر ہے

کوئی کہتا ہے وہ پتلی کمر تار رگ گل ہے
کوئی کہتا ہے نرمی میں شکم مخمل سے بہتر ہے

کوئی کہتا ہے اس کی ناف کو ہے وہ گل نسریں
کوئی کہتا ہے تلی شاخ نسریں اک سراسر ہے

کوئی کہتا ہے وہ زانو عجب ہے صاف آئینہ
کوئی کہتا ہے ساق سیمگوں شمع منور ہے

کوئی کہتا ہے ہر انگشت پا ہے شاخ گل مہندی
کوئی کہتا ہے جو ناخن ہے برگ گل تر ہے

کوئی کہتا ہے اس قد کو قیامت کا نمونہ ہے
کوئی کہتا ہے وہ قامت قیامت سے بھی بہتر ہے

کوئی کہتا ہے اس کی ہر ادا ہے اک بلا آفت
کوئی کہتا ہے جو غمزہ ہے اس کا اک فسوں گر ہے

ظفر جو اس سراپا ناز کی تعریف کی تو نے
مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے مقرر ہے

لخت دل اور اشک کو کیونکر کہوں یکساں ہے
وہ در غلطاں ہے تو یہ ہمسر مرجان ہے

مار کاکل زلف سنبل رخ ہے رشک یاسمن
سرو قد ہے محو لب ہے غنچۂ گل خنداں ہے

چشم و رخ کو دیکھ کر تیرے صدا اے سادہ رو
دنگ ہے نرگس یہاں اور آئینہ حیران ہے

ابر میں درخشندہ کب ہے برق اے پیر فلک
وہ ہمارا دود دل یہ نالہ سوزان ہے

دیکھ کر خال زنخداں کیوں نہ ہووے داواں ڈول
چاہ کنعاں وہ ہے اور یہ یوسف کنعان ہے

ہاتف غیبی سے کل آئی صدا مجھ کو ظفر
فکر میں تاریخ کے رہتا تو کیوں حیران ہے

وہ ہیں صد رشک چمن مصرع یہ مجھ سے ڈھل گیا
زور اب رنگین یہ اپنا سر بسر دیوان ہے

عشق میں بازی اگر چوپڑ کی دل پر کھیلئے
نرد دل ہم بھی بٹھاتے اور دل پر کھیلئے

کیونکہ طفل اشک کو آنکھوں میں رکھوں روک روک
یہ نکل جاتے ہیں لڑکے گھر سے باہر کھیلئے

پنجہ مژگاں میں ہیں اے مردماں کب اشک سرخ
ہیں گل بازی یہ لے کر دیدہ تر کھیلئے

مہر جو روف سے نکلتا آکے فلک موج میں
ہیں گل بازی یہ لے دریا مقرر کھیلئے

شیخ جی گر دن بلا کر تم جواب کرتے ہو بات
شیخ سدو ہیں تمہارے اب یہ سر پر کھیلئے

آئینہ غماز ہے کہہ دے گا منہ پر ہیچ کیوں
کھیل کس سے کنگھی کا تم ہو اکثر کھیلئے

اے ظفر اس خال رخ پر بال زلفوں کے نہیں
من سے اپنے ہیں یہ کالے لہر کھا کر کھیلئے

قطعہ

یہ دیواں رشک گلشن کیوں نہ ہو گلہائے مضموں سے
کہ اسکا جو ورق ہے سو خیابان معانی ہے

ظفر یہ بے مثال مصرع تاریخ لکھ اس پر
مرا اب یک قلم دیوان بستان معانی ہے

تمہیں عیش و طرب واں دمبدم ہے
یہاں سینہ زنی ہے اور غم ہے

جو آنا آج وہ اپنے بہم ہے
تو یا روٹھن ہے شادی کا دم ہے

نہ کیوں دل کا ہو اس کاکل سے سودا
کہ اس کی گانٹھ میں دام و درم ہے

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی
وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

لباس اپنا نہ کرائے شوخ تو سبز
کہ ہر صورت یہ میرے حق میں سم ہے

تری مژگاں کے آگے اے گل اندام
قلم نرگس کی مرفوع القلم ہے

جہاں دیتا ہے تو جنبش بھووں کو
وہاں بھونچال کا چرچا صنم ہے

بنا داغوں سے دل ہے رشک گلشن
یہاں لالہ رخوں کا بس کرم ہے

سر صحرا نوردی دیکھ کر وہ
لگے کہنے کہ سچ کہہ کیا ستم ہے

پھرے ہے جو تو ڈاواں ڈول ایسا
کسی کی چاہ کا تجھ کو الم ہے

پائی نہ ذرا گل میں ظفر بوئے محبت
جوں باد گرچہ بہت سیر جہاں کی!

ہمارا دل نہیں اس کے سر پشت زنخداں ہے
عزیز و چاہ کنعاں ہے یا اور وہ ماہ کنعاں ہے

کہاں ہے خرمن گل اے صبا گنج شہیداں ہے
جو ہر یک شہپر بلبل بدست فاتحہ خواں ہے

نہیں زلفیں جو رخ پر سے انہوں کی بس وہیں سوجھا
کہ نکلا پردۂ ابر سیہ سے ماہ تاباں ہے

جہاں سودا لب دلبر سے بوسے کا کیا ہم نے
بنا عناب کی قیمت وہاں لعل بدخشاں ہے

ہوس ہو سیر گلگشت چمن کی کس کو اے ہمدم
تن گل خوردہ اپنا یک قلم تن گلستاں ہے

دکھاؤں کس کو میں دست جنوں کی دستکاری کو
بنا ہے تختہ دامن ہے نے تار گریباں ہے

ظفر اس آبلہ پائی کی دولت سے ہے ہر کانٹا
سراسر ٹانکا موتی بداماں بیاباں ہے

تپ غم میں مجھے بھرتے جو دیکھا سانس ٹھنڈی سی
تو ہر دم ہاتھ بالیں پر مرے ملنے لگا عیسیٰ

لڑانا ہے وہ ترک چشم کو مژگاں کی گولی سے
قزلباشوں سے سیکھی ہے لڑائی کیا فرانسیسی

مجھے درباں ترے ہیں روکتے ظالم یہی ڈر ہے
نہ ہو جاوے کہیں در پر ترے اب خانہ جنگی سی

عجب ڈھب سے لگی جا رفتہ رفتہ اس کے پاؤں تک
حنا بھی کام اپنے میں بہت پکی ہے اور چیسی

نہ کیوں اس گلبدن کے ساتھ سونے کی رہے خواہش
کہ دیکھی باغ عالم میں ہی وہی اک شکل اچھی سی

ظفر کہہ ان کے شعروں کو جو بداں سارے کہتے ہیں
بدل کر قافیے کوئی غزل لکھ اپنے جی کی سی

ہم اپنے سوز غم ہجر یار سے ہیں بنے
کہ داغ دل کے گل نو بہار سے ہیں بنے

کریں گے ذبح ہمیں دلبران کافر کیش
ازل سے ہم تو انہیں کے شکار سے ہیں بنے

نہ پوچھو حال ہمارا کہ اس کے کوچے میں
زیادہ ہم تو پریشاں غبار سے ہیں بنے

گلے کے ہار ہیں گے یار ہاتھوں کے
کہ میرے واسطے پھولوں کے ہار سے ہیں بنے

جدا ہوں حسرت و اندوہ کس طرح ہم سے
کہ کنج غم میں یہی اپنے یار سے ہیں بنے

وہ میرے دشمن جاں ہیں یہ جان لیجے گا!
تمہارے آن کے جو دوستدار سے ہیں بنے

قصور اس دردمند ان کا ہے جو ہم کو ظفر
سخن ہمارے در شاہوار سے ہیں بنے

تری چشم مغلس ہیں وہ جادو گیر صحرائی!
کہ جس کی دید کو پھرے ہے یہ نخچیر صحرائی

کرے غل کیوں نہ برپا قیس ہر دم دشت وحشت سے
گلو لا طوق ہے موج ہوا زنجیر صحرائی

نہ پوچھو نقش پائے ناقہ لیلیٰ کے نقشے کو
کہ مجنوں کی پرستش کو ہے یہ تصویر صحرائی

کوئی میری طرف سے کہہ دو یہ خضر خجستہ کو!
بجز الیاس میرا کون ہے صاحب میر صحرائی

ظفر کیا خاک کیجے بن کے مجنوں دشت پیمائی
کہ ہر خار مغیلاں ہے نظر میں تیر صحرائی!

نہ کیوں ہو قدر زمزم چشموں میں میری چشم گریاں کی!
کہ کشتی جھڑ گئی اک پل میں جس سے ابر نیساں کی

کنار بحر م آب رواں میں تو اگر آ کے
حباب بحر بھرے کیا نظر میں ماہ تاباں کی

لکھی تفسیر ہے مصحف کی یا رو حاشیے پر یا
زیادہ کیوں نہ ہو اب خط سے خوبی روئے جاناں کی

چمکتے ہیں ہر شب چرخ مینا فام پر اختر
دکھا دے تاب تک قفس کہ مسی آلودہ دنداں کی

میان ذوالفقار ابروئے خمدار سے تیرے
دو عالم قتل ہوتا ہے قسم ہے شاہ مرداں کی

پری رو دیکھ کوٹھے پر نہ چڑھیو بے دھڑک ہرگز
تعالی اللہ ابھی ہو جائے گی خلقت پرستاں کی

خیال ماہ جس کو اے عزیزو اب ہوا ہم ہو
حقیقت ہو سو وہ کیا کہے حال پریشاں کی

جنوں صد آفریں اور مرحبا تیری رفاقت کو
اڑائیں دھجیاں تو نے ہمارے جیب و داماں کی

اسی باعث سے میں شب کو ترے گھر میں نہیں آتا
ترے در پر جو چوکی رات دن رہتی ہے درباں کی

یہ اس کو منع کر دینا کہ وہ روکے نہیں مجھ کو!
وگرنہ اس گھڑی ٹھہرے گی اس میں ہم میں تو تاں کی

ظفر گرداب دریائے سخن کا تو شناور ہے!
بدل اب بحر تا خوش ہو طبیعت ہر سخن داں کی!

ہے آ گھر گئی زر سے یہاں بادہ کشاں کی
ہیبت نہ کریں کیونکہ بھلا پیر مغاں کی

باعث خفگی کا نہیں معلوم بتاں کی
پہنچی ہے صدا کیا مری فریاد و فغاں کی

اس اشک کے قربان کہ مقراض مژہ سے
کی تن پہ مرے قطع قبا آب رواں کی

ہنسنے کا یہ عالم ہے کہ ہوتا ہوں میں بیہوش
لے لے کے بلائیں ترے دندان و دہاں کی

مرجھائے ہے کیونکر یہ گل زخم دل اپنا
کہتے ہیں کہ گلشن میں اب آمد ہے خزاں کی

بیزار تری شکل سے ہو جاؤں گا ناصح!
جوں شمع جو محفل میں کبھی تو نے زباں کی

ہو شب کو جو آ کر مہ کامل سے یہ دو کش
چھاتی نہ تڑق جاوے بھلا کیونکہ کتاں کی

بولے کہ کہیں گم نہ کریں راہ مسافر
اک شخص نے کل میری کہانی جو بیاں کی

سچ ہے کہ وہی جانے کہ جس شخص پہ گزرے
اس بت کو خبر کیا ہے مرے درد نہاں کی

آنکھوں سے لگا کیونکہ بھلا اس کو نہ رکھو
آئی ہے مرے ہاتھ جو یہ خاک وہاں کی

آؤ کے آج گھر میں بتادو کہیں مجھے!
بھاتی نہیں یہ آٹھ پہر کی نہیں مجھے!

کیا پوچھتا ہے مجھ سے کہ عاشق ہوں میں ترا
دنیا کی ہے طلب نہ تمنائے دیں مجھے

قربان تیرے اے بت ناوک فگن کہ آہ
تیر مژہ دکھائے کیا سہم گیں مجھے

کیونکر نہ غرق کشتی دل ہو کہ اے صنم
موج بلا ہے تیری چین جبیں مجھے

اس کی گلی میں بیٹھ کے رویا ہوں اشک سرخ
آئی نظر وہاں کی گلستاں زمیں مجھے

صورت سے میری کیونکہ نہ آزردہ ہو وہ شوخ
تو نے فلک بنایا ہے اندوہ گیں مجھے

تو ظلم کر اور اس کے عوض میں وفا کر لوگ
تجھ کو تو مرحبا کہیں اور آفریں مجھے

کھا کھا قسم کہے ہے کہ آؤں گا رات کو
پر اس کی بات کا نہیں ہرگز یقیں مجھے

لیتے ہی بوسہ اس لب شیریں کا اے ظفر
آئی حلاوت شکر و انگبیں مجھے!

تو رخ سے صبحدم جو اٹھا تک نقاب دے
پردے سے برق کو نہ نکلنے سحاب دے

مکتوب شوق اس کو میں اے نامہ بر لکھوں
فرصت جو تک بھی رونے سے چشم پر آب دے

ابر بہار باغ ہے سبزہ ہے ساقیا
بھر کر مجھے تو ساغر گل میں شراب دے

گر تیغ موج اشک دکھاؤں تو آہ چھوڑ
دریا دلوں سے آنکھ لڑائی حباب دے

زنجیر موج گر حوادث میں ہوں پھنسا
اس سے نجات اب مجھے یا بوتراب دے

گلشن میں طفل غنچہ کو چپکا لگا ہے دیکھ
شبنم بجائے آب اسے تو گلاب دے

بوسہ کی اس سے کیونکہ تمنا رکھیں ظفر
گالی بھی منہ سے جو کہ ہو بے حجاب دے

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزاں کی
ہماری قبر پر حاجت نہیں ہے شمع گریاں کی

بھلا کس واسطے دیکھوں میں اب صورت گلستاں کی
مجھے اب سادہ پن کی اس کی بھاتی ہے روش یاں کی

بیاں کیونکر بھلا ہووے حدیث اس زلف پیچاں کی
نہ جب تک چل کے کیجے سیر یکسر سنبلستاں کی

تمہارے پا کے گر کی رات کو اے شاہد محفل
زباں لغزش میں آجاوے نہ کیوں شمع شبستاں کی

جو سودا اس لب پال خوردہ کے بوسے کا پٹتا ہے
تو قیمت خاک میں ملتی ہے پھر لعل بدخشاں کی

فراق یار میں رہتا ہے بیتابی ہے وحشت ہے
خبر مجھ کو نہیں ہے آہ ہرگز دین و ایماں کی

ہمارے لخت دل کو دیکھ کر مژگاں میں یوں مردم
لگے کہنے کہ ٹہنی روک دی کس نے چراغاں کی

کہا قاصد نے کیا معلوم پر اس کی زبانی ہے
وہ غافل آہ کیا جانے ہمارے درد پنہاں کی

غزل ان قافیوں میں اور بھی لکھو ظفر ایسی
کہ ہو ہر بیت جس میں رشک فردوسی کے دیواں کی

روکے میں کہتا ہوں اور تم نہیں ہنس کے سنتے
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں دس کے سنتے

ہم صفیرو مری فریاد و فغاں گلشن میں
آہ کیا ہوتا جو پاس آ کے قفس کے سنتے

گمر یا قہ لیلے ہے ادھر کو شاید
دم بدم ہم جو یہ نالے ہیں جرس کے سنتے

رند کو شب جو کہیں دختر رز سے پکڑا
رنگ فق ہو گیا ہر بات عسس کے سنتے

ہمدموں کا مرے اک شب میں ہوا کام تمام
قہر تھا نالے جو دو چار برس کے سنتے

عشق کے ذکر میں مت نام مظفر کا لیجو
دیکھو ہو جاؤں گا بدنام میں اس کے سنتے

رو رو کے گر ہچکیاں میرا دل مجنوں لے
داغ سینے پر ہنسو رسے کیوں نہ پھر شبخون لے

ہو گیا ہر دشت صد رشک گلستاں عندلیب
کل جو صحرا میں گئے ہم دیدۂ پرخون لے

عشق ہے سنگ گراں تجھ سے دلا اٹھتا نہیں
چوم کر بس چھوڑ دے سر پر نہ یہ ہامون لے

کس لیے عشق بتاں میں تو پھرے ہے بیہودہ
ہاتھ میں زاہد اک اپنے سبحۂ زیتون لے

مفت میں بدنام ہوگا دیکھ اے قاتل مجھے!
بے گزمت قتل کر سر پر نہ اپنے خون لے

کی جو کچھ عرض تمنا ان سے میں تو یہ کہا
بیٹھ رہ چل جا یہاں سے عقل کے ناخون لے

خاک کے ڈالے سے چھپتا ہے کہیں بھی ماہتاب
شعر کا تیرے ظفر کیا جان جو مضمون لے

اسلام و کفر سے ہے سروکار کیا مجھے
ہے بس تصور رخ و زلف دوتا مجھے

کب دسترس ہو تا سر زلف دوتا مجھے
اس بخت نا رسا نے رکھا نا راس مجھے

میں ہوں مریض عشق نہ کیوں ہو شفا مجھے
تعویذ درد سر ہے ترا نقش پا مجھے

کوچے سے تیرے اٹھ کے میں جاؤں بھلا کدھر
موج سرشک چشم ہے زنجیر پا مجھے

میں کس طرح بتوں کے نہ جور و ستم سہوں
حق نے بنایا ہے کو جور و جفا مجھے

ہو کر اسیر زلف کہے ہے یہ دل مرا!
دام بلا سے تو کیجیو یا رب رہا مجھے!

میری نظر میں رتبہ اکسیر خاک ہے
اس سیم تن کا وصل ہے بس کیمیا مجھے!

ترسا نہ اب تیغ سے ظالم تو کر شہید
کوچہ نہیں ہے ہے ترا کم از کربلا مجھے

پیک صبا نے آن کے کوچے سے اس کے کل
اپنا کہا سمجھ کے ہوا خواہ کیا مجھے

میں آپ سے گزر نہیں کرتا و لیکن آہ!
لے جاوے ہے کچھ آہ مرا دل اڑا مجھے

جلدی بدل کے قافیہ بس اے ظفر کہیں
اب تو غزل نئی کوئی اچھی سنا مجھے!

سر سوے تو نے ہیں اس وجہ سے یکسر گوندھے
جیسے شیرازۂ مصحف کو ہے دلبر گوندھے

چشم نے جوگ کسی کے ہے تصور میں لیا
سیلی کا در شک اب نہ وہ کیونکر گوندھے

موج دریا پہ ہے یوں پڑتی شعاع خورشید
جیسے زنجیر طلائی کوئی زرگر گوندھے

کہکشاں نکلی شب تیرہ میں ہے اے ہمدم
مانگ میں اس بت مہوش نے ہیں گوہر گوندھے

داغ حسرت سے یہاں بھر گیا سینہ میرا
ہار پھولوں کے جو تو نے بت کافر گوندھے

اشک کو لخت جگر سے ہے علاقہ اپنے
چشم کس طرح سے جوہر کا نہ زیور گوندھے

ہو ظفر کیونکہ نہ کوتہ شب ہجراں میری
اپنے وہ شوخ نے پیچ جو سر پر گوندھے

یہ چند ہے بت عزت مآب کے پیچھے
سواد شام ہے یا آفتاب کے پیچھے

دل اس کی چشم سے کیونکر بچے بھلا اپنا
کہ ہر صید ہے شاہیں عقاب کے پیچھے

پر ب کعبہ ہوئے آہ ایسے ہم رسوا
جہاں میں اس بت خانہ خراب کے پیچھے

سرشک تر سے مری آستین مژگاں نے
گہر کے ٹکے ہیں ٹا کے حباب کے پیچھے

نہ ایک گام لگا تو سن صبا ہمراہ!
چمن میں رہ گیا اس مہ رکاب کے پیچھے

رکے ہے چشم کے روکے سے کب یہ طفل سرشک
ہزار اس کو رکھے داب داب کے پیچھے

نمود شام کی پہلے ہے رات سے یارو
نہ کیوں ہو زلف خط مشک ناب کے پیچھے

ہزار جور کرے وہ پر انہ مان ظفر
رقم کر اس کو بھی فرد حساب کے پیچھے

وہ عرق سے رخ گلرنگ طراوت پر ہے
تو کب اے غنچۂ دل تنگ طراوت پر ہے

دل کے پر کیونکہ نہ اس کے لب پاں خوردہ کو دیکھ
روز برگ گل خوش رنگ طراوت پر ہے

کچھ جبل پر ہی نہیں لالہ احمر پھولا!
خون فرہاد سے ہر سنگ طراوت پر ہے

عکس سے فندق پا کے ترے اے لجۂ حسن
باغ میں تختہ اورنگ طراوت پر ہے

کچھ تر اول مری جانب سے بھیجا شاید
آج آئینہ ہر رنگ طراوت پر ہے

شب کے کھانے لئے ترے گلشن میں ہر اک گل کا دماغ
صبح اے مرغ خوش آہنگ طراوت پر ہے

اشک باری سے مری چشم کی رات رات زمیں
مرد ماں سینکڑوں فرسنگ طراوت پر ہے

رات بھیگی ہوئی شبنم ہی نہیں ہے دیکھو
یار گی سنبل خوش رنگ طراوت پر ہے

ظفر اس بحر میں لکھی ہے غزل یہ تم نے
ہر گل قافیہ تنگ طراوت پر ہے

بس اپنی قسمت پہ رہ تو شاکر وہ خواہش ہو گی ہو خواہ الٹی
عمل کر اس پر ہے جدائی پہ ناز رگوں سے ہے ہمیشہ
کبھو نہ منزل تلک وہ پہنچا چلا ہے جو کوئی راہ الٹی
رکھو ہو غیروں سے روز صحبت نہ پوچھو ان کو کہ جو ہیں عاشق
کہے نہ کیونکر تمام عالم تمہاری ہاں کی ہے جداہ الٹی!

تمارے دشمن مدام رو ویں ظفر ہے تم پر نگاہ و ابرو
نہ ہوں گے سرسبز بھی وہ ہرگز گواہی دے ہیں گواہ الٹی

ہو رہا ہے نشہ جام مے گل گوں تجھے!
شیشہ دل ہے بہت نازک وہ کیونکر دوں تجھے
پوچھتا ہے کون شہر عشق میں مجنوں تجھے!
اک دیا تقدیر نے ہے گوشہ ہاموں تجھے
خاک میں مل جائے گا اے سرو گلشن تو ابھی
گر دکھا دیوے ذرا وہ قامت موزوں تجھے
ایک عالم تھا ترا مائل ہوئے اے سادہ رو
آئینے نے کر رکھا ہے اپنا اب مفتوں تجھے
رشک سے کیونکر نہ اپنے ہونٹ چابیں مدعی!
حق تعالیٰ نے دیا ہے وہ لب میگوں تجھے
تو بھی آنکھوں سے لہو رو دے گا سن اے سنگیں
میں سناؤں گا اگر حال دل پرخوں تجھے!
میں خفا ہوں تو بلا سے تو خوشی رہ جان من
ورنہ مر جاؤں گا دیکھوں گا اگر محزوں تجھے
چشم دریا بار سے روکش تو ہوتا ہے مرے
میں دکھاؤں گا تماشا پل میں اے جیحوں تجھے

جب سے ہے اس کی کمر کا اے ظفر تجھ کو خیال
سوجھے ہیں باریک کیا کیا تب سے یہ مضموں تجھے

خط آزادی نہ لکھ اے یار اپنے ہاتھ سے!
دے نہ دستاویز یہ یک بار اپنے ہاتھ سے
نہ کھینچا کر تو خنجر خوں خوار اپنے ہاتھ سے
کام آ جاویں گے پھر دو چار اپنے ہاتھ سے
عشق سے واقف نہ تھے جب تک نہ تھا رنج و تعب
اے مسیحا دم لیا آزار اپنے ہاتھ سے
دیکھ کر یہ ہیں تری پوشاک دھانی جان من
زہر بس کھانا پڑا ناچار اپنے ہاتھ سے
ایک دن دل میں ہے اپنے نقد جاں کا کیجیے!
جا کے اب سودا سر بازار اپنے ہاتھ سے
جنبش ابرو ہے کافی بس ہمارے قتل کو!
کھینچ کر مت مار تو تلوار اپنے ہاتھ سے
آفریں صد آفریں اور مرحبا تجھ کو جنوں
چھوڑا جامے میں نہیں اک تار اپنے ہاتھ سے
یہ وصیت ہے مری قاصد تجھے اب آخری
خط اسے دینا سر بازار اپنے ہاتھ سے
اور یہی کہنا کہ کس نے دل میں ڈالا تفرقہ!
خط نہیں لکھتے ہو کیا بیمار اپنے ہاتھ سے

ہے عبث شکوہ ظفر واللہ اب اس چیز کا
کھو دیا آپ ہی جسے یک بار اپنے ہاتھ سے

نظر وہ خواب میں ہم کو مقرر آوے ہی آوے
طلب جس چیز کی ہو وہ میسر آوے ہی آوے

یقیں ہے کہ پیا صد ماہ لے کر آوے ہی آوے
کل آوے پرسوں آوے پر مقرر آوے ہی آوے

خیال زلف ہو جس کو پریشاں کیوں نہ وہ ہووے
خطر اس کو اسی سودے میں اکثر آوے ہی آوے

یہی ڈر ہے مجھے پل میں ڈبو مت دو عالم کو
ترے رونے سے طوفاں دیدۂ تر آوے ہی آوے

نہیں دیکھی ہے جائے ابروکماں تو نے کشش دل کی
نہ آتا ہو اگر کوئی تو کھنچ کر آوے ہی آوے

یہ سب جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں راز عشق چھپتا ہے
جو ہووے بات دل میں سو وہ منہ پر آوے ہی آوے

یہ ہے وہ عشق کا میداں کوئی کیا خاک ٹھہرے
کہ اس جا گیو رستم کو بھی اب ڈر آوے ہی آوے

خلش کرتا نہ کر تو دمبدم پر نشتر مژگاں!
خراش دل سے میرے خون اب تر آوے ہی آوے

ظفر اب یاد ہے ہم کو وہ تسخیر سلیمانی!
پری بھی ہو پرستاں میں تو اڑ کر آوے ہی آوے

جتنے ہیں پیراہن رشک سمن میں دھبے
کب ہیں اس رنگ کے عباسی کے تن میں دھبے

داغ مت سمجھو کوئی ان کو کہ یہ بوقلموں
خوشنما ہیں پر طاؤس چمن میں دھبے

دھووے اشکوں سے دلا شب کو نہ کیوں شمع بزم
خون پروانہ سے دامان لگن میں دھبے!

ہوا تھا غیر مجھے دیکھ کے نیلا پیلا
بعد مردن بھی رہے اسکے کفن میں دھبے!

اشک سے کچھو رہے دو سرخی لخت جگر آہ
یہ تعجب ہے کہ ہیں لعل یمن میں دھبے!

داغ بر دل جو ہوا تیرا شہید الفت!
لالہ ساں پڑ گئے ہیں اس کے کفن میں دھبے

اے ظفر شستہ و رفتہ پڑھتا ہوں
جس سے پڑ جائیں دل اہل سخن میں دھبے

داغ کے دیکھ دل لل نظر پر دھبے!
ویسے ہی پڑ گئے لالے کی نظر پر دھبے

کس کا خوں تو نے کیا اپنے در دولت پر
شاہد قتل ہیں دریا ے گزر پر دھبے

دیکھنا بندگی ارض جاناں شب مہ
پڑ گئے رشک سے ہیں روئے قمر پر دھبے

جوش زن خون ہوا ہجر میں اس کے ایسا!
آبلے دل پہ ہوئے اور جگر پر دھبے

ہمہ تن میں ہوں وہ مجروح کہ خوں سے قاتل!
تیر کے سے ہیں سر و پشت کمر پر دھبے

چشمہ چشم کی دولت سے ہے رشک گلزار
اشک خونیں سے پڑے دامن تر پر دھبے

اے ظفر سنتے ہی اس تیری غزل کو واللہ
پڑ گئے اب دل ہر ایک بشر پر دھبے

سکھائی تم کو جو چھٹکی باتیں ہماری جانب سے آہ الٹی!
اسی سبب سے ہے میرے صاحب تمہارے ہم سے نگاہ الٹی

ہوا ہے پھر کے دوبارہ یکسر یہ تیرہ بختوں کا روز روشن!
تمہارے رخ سے جو اڑ کے شب کو ہوا ہے زلف سیاہ الٹی

کیا ہے خورشید خاوری کو سپہر گرداں کے سر پہ بند!!
سحر تمامی کی اپنے سر پر جو رکھ کے اس نے کلاہ الٹی!

نہ کر تو کچھ دل میں اپنے ہرگز خدا جو چاہے گا وہی ہوگا!

لاکھ عیار ترے کوچے میں ہم ٹھوکیں گے | کوئی ملتے ہیں وہاں سے انہیں ہم ٹھوکیں گے
منع درباں کو کردے کہ نہ روکے ہم کو | ورنہ اک روز ترے سر کی قسم ٹھوکیں گے
نام لکھ رکھیں گے ہم تیرا نگیں دل پہ | نقش سا کہیں بر روے ورم ٹھوکیں گے
کہکشاں سے نہیں تھمنے کی دلا شوق فلک | گر پڑے گی یہ جو ہم آہ کا خم ٹھوکیں گے
اپنے ہوتے ترے گھر آئیں گے اغیار اگر | ہم کہے دیتے ہیں ان کو اسی دم ٹھوکیں گے
تو چھڑاتا ہی رہے گا پہ نہ چھوڑیں گے وہ لے | ہاں بہت کہنے سے تیرے اسے کم ٹھوکیں گے

یوں تو لڑتے نہیں پھرتے ہیں ظفر لیکن آہ
کوئی الجھے گا جو ہم سے تو صنم ٹھوکیں گے

آنکھیں ہیں یہ وہ بس میں دل آئے انہیں دو کے!
مارے سے دو عالم بھی مر جائے انہیں دو کے!
کب واعظ و ناصح اب چپ رہتے ہیں بکنے سے!
ملنے سے ہم اسے یا رو باز آئے انہیں دو کے
گو کوہ کن و مجنوں تھے عشق کے کوچے میں!
پر ہم بھی تو رہتے ہیں ہمسائے انہیں دو کے
بے وجہ تری زلفیں ہیں دام بلا یک سرا
پھندے میں یہ مرغ دل الجھائے انہیں دو کے
آنکھوں نے نہ بتلایا اس چاہ زنخداں کے!
ہم ڈوب گئے یارو بہکائے انہیں دو کے!
جنبش میں بھنویں اپنی مت لا کہ میں ڈرتا ہوں
بھونچال نہ ملنے سے آ جائے انہیں دو کے
میرا دل صد چاک اب رکھ شانے سے باہم تو
کاکل تری سلجھے گی سلجھائے انہیں دو کے!
اٹھنے نہیں دیتے ہیں یا لہ و افغاں اب
در پر ترے بیٹھا ہوں بٹھلائے انہیں دو کے
یہ عشق و محبت کا ہے کام ظفر پوچھو
واللہ تم اتنے ہو سکھلائے انہیں دو کے

ہماری آہ دل سے اشک لے کر آوے ہی آوے | سمندر سے جو اترے ہاتھ گوہر آوے ہی آوے
زمیں سے جو فلک دیکھے ستون آہ گر میرا | خجالت میں وہیں سد سکندر آوے ہی آوے
بنایا حسن کا بنگلہ اب ہماری نخل مژگاں نے | برائے آب پاشی دیدۂ تر آوے ہی آوے
نہ آیا نامہ بر تو کیا ہوا جا اس کے کوچے میں | جواب خط وہ لے کر کبوتر آوے ہی آوے
قبائے گل سے نازک تر ہے وہ شبنم کی اے خالق! | کتاں کو بھی سراسر رشک جس پر آوے ہی آوے
تمہارے سا حسن پا کو اگر دیکھے تو حیرت سے | مہ نو کو خجالت آسماں پر آوے ہی آوے

ظفر ایسی غزل پڑھتا ہوں میں اب جس کے سننے کو
ہر اک اہل سخن مشتاق ہو کر آوے ہی آوے

زلف یوں روئے عرق آلود پہ لہرائے ہے
صبح جوں ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

سیل اشک تر میں ہے یہ لخت دل اے مردماں
عشق یا سیر چراغاں گھاٹ پر دکھلائے ہے

ہے قیامت کا نمونہ یہ قد موزوں ترا!
دیکھ کر بس سرو جس کو خاک میں گڑ جائے ہے

آہ کیا جانے طبیب عشق کس کی یاد میں!
ہوک سی اٹھ کر کلیجے میں مرے رہ جائے ہے

یہ دل پر آبلہ دیکھا ہے جس کے خوف سے
لے کے تنکا دانت میں انگور بھی رہ جائے ہے

کچھ خدا کا بھی نہیں ترس اس بت بے ترس کو
وہ بت ترسا ہمیں دیدار کو ترسائے ہے

جان شیریں دے ہے بس فرہاد کب شیریں پہ آہ
کون مرتے کے ظفر پیچھے بھلا مر جائے ہے

لخت دل یوں چشم میں پھرتے تھے کل ترتے ہوئے
جوں کف دریا پہ جاتے ہیں کنول ترتے ہوئے

ساحل الفت تلک پہنچے نہ ہم ماندگاہ
جسم لاغر ہوگیا یہ اپنا شل ترے ہووے

دل جگر دریائے غم میں جب کہ بے دم ہو گئے
تا کنار وصل پہنچے بے خلل ترتے ہوئے

بحر الفت کے تلاطم سے خطر ہے کیا ہمیں!
ڈوب جاتا ہے کوئی کب بے اجل ترتے ہوئے

موج دریا سے حباب آبکو رکھ سر پہ خود
بے طرح کرتا ہے کچھ جنگ و جدل ترتے ہوئے

بحر غم میں آ گیا یوں اس دل بے دم میں دم
جس طرح جاوے شناور پھر سنبھل ترتے ہوئے

پڑھ کے بسم اللہ مجریہا و مرسیہا ظفر
دم میں بحر غم سے ہم آئے نکل ترتے ہوئے

نہ بال و پر مرے صاحب کہو صیاد کو توڑے
مبادا دم وہ سن کر اس مری فریاد کو توڑے

جراحت سے ہمارا جسم ہے کیا بن گیا جوشن
نگہ تیری یقیں ہے جگر فولاد کو توڑے

تعجب کیا ہے گلشن میں اگر وہ قامت موزوں
کرے ہر سرو کو سیدھا قد شمشاد کو توڑے

بتو! اس خانۂ دل پر نہ دست انداز جو دیکھو
تمہارے ہاتھ کیا خاک آوے گا اس بنیاد کو توڑے

ہماری دست گیری گر اسے منظور خاطر ہے
نہ دے کے ہاتھ میں کہہ دو ستم ایجاد کو توڑے

عبث خارا تراشی میں کرے ہے عمر کو ضائع
جو کچھ چاہے تو کوہ غم کو فرہاد کو توڑے

ظفر ملنے نہ ملنے کا تو ہرگز ڈر نہیں اس کے
پر اپنے دل سے وہ قاتل نہ میری یاد کو توڑے

درد فرقت ہے نہ ہاں منہ سے نہ ہوں نکلے ہے
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

چھوڑ پچکاری مژگاں کو مرا اک طفل سرشک
بر میں گر پیرہن بوقلموں نکلے ہے

سر ہتھیلی پہ دھرے پھرتے ہیں اس دم عاشق
لے بکف تیغ جو وہ کھا کے جنوں نکلے ہے

ایک عالم کے کیا اس نے ہے دل کو تسخیر
آہ کیا جادو یہ کیا پڑھ کے فسوں نکلے ہے

ناخن پا کو ترے دیکھ کے اے رشک قمر
مہ نو چرخ پہ ہو غرق نگوں نکلے ہے

غیر تو خوش ترے کوچے میں ہیں پھرتے چلتے
ایک یہ عاشق با حال زبوں نکلے ہے

ہم نشیں عشق میں اس بت کے بقول ظفر اب
آہ کے ساتھ جگر سے مرے خوں نکلے ہے

نے فقط کوہ الم کا اس بدن پر بار ہے
کچھ تو اپنے دل پہ ہے کچھ اس کے تن پر بار ہے

کب عرق سے عارض غنچہ دہن پر بار ہے
قطرۂ شبنم سے کیا برگ سمن پر بار ہے

کہہ دو شیریں سے کر اپنا رکھ قدم تک آن کر
گل کے رکھنے سے مزار کوہ کن پر بار ہے

جنبش ابرو ہی کافی ہے ہمارے قتل کو
تیغ کے لینے سے دست تیغ زن پر بار ہے

تجھ کو فرش چاندنی پر دیکھ کر اے رشک ماہ
پھر دکھانا جلوہ چرخ کہن پر بار ہے

بار اسباب جہاں سے کب ہے آزادوں کو کام
کس نے دیکھا گردن سرو چمن پر بار ہے

دیکھ اے پروانہ دل سوز تیرے عشق میں
سر کا دینا کچھ بھی شمع انجمن پر بار ہے

اے ظفر کب تک کہوں اس بیوفا سے بار بار
یاں تلک آنا بہت پیماں شکن پر بار ہے

کب سناں میں اور دلا مژگان تر میں فرق ہے
ایک سال سمجھے نہ جو اس کی نظر میں فرق ہے

تیرے ہی پرتو سے اس کی روشنی ہے رشک مہر
عارض تاباں میں ورنہ اور قمر میں فرق ہے

اپنے تو نزدیک اے یارو یہ دونوں ایک ہیں
کون کہتا ہے کہ جان وجگر میں فرق ہے

کیوں نہ محراب عبادت اس کو ہم سمجھیں دلا
کیا خم ابرو میں اور مسجد کے در میں فرق ہے

جو اثر کرتی نہیں دل میں کسی کے ہم نشیں
ان دنوں کچھ آہ کی میرے اثر میں فرق ہے

جلد تر نامہ مرا لے جا تو اے پیک صبا
تیرے پہنچانے میں واں اور نامہ بر میں فرق ہے

جو حلاوت اس میں ہے وہ ذائقہ اس میں کہاں
اس لب شیریں میں اب اور نیشکر میں فرق ہے

اشک باری وہ کرے رو روے یا لے بہائے
ابر دریا بار میں اور چشم تر میں فرق ہے

جو کہ دو کہتے ہیں ہم کو وہ کسی لائق نہیں!
اے ظفر واللہ اب ان کی نظر میں فرق ہے

سبزۂ خط سے ترے کب دل ناکام دبے
یہ وہ طائر ہے کہ ہرگز نہ تہ دام دبے

محتسب آج جو میخانے کی دیوار گری!
سینکڑوں شیشے دبے سینکڑوں ہی جام دبے

کر سکے کون تری چشم سے پھر ہم چشمی
خاک میں جبکہ پڑے نرگس و بادام دبے

ہجر کی رات اگر ہو جائے مجھے روز وصال
زیر عارض ترے گر زلف سیہ فام دبے

تیغ ابرو کا تری جو جہاں میں شہرہ
کیوں نہ پھر تجھ سے ہر اک اے بت خود کام دبے

منعم اس دولت دنیا پہ نہ کر دیکھ غرور
سینکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دبے

اے ظفر ساحت مضموں سے قلم رو میں ترے
زیر راں کیونکہ نہ بس توسن شہ گام دبے

کہوں کیا حال چشم و دل شکایت اس میں دوئی ہے
بیان عشق ہے مشکل شکایت اس میں دوئی ہے
جگر اور دل کی کیا پوچھے ہے بس یہ ذکر جانے دے
کہوں کیا خاک اے غافل شکایت اس میں دوئی ہے
الم اور غم سے جو گزرے جگر پہ نہ کھلواؤ!
نہ پوچھو آہ کیا حاصل شکایت اس میں دوئی ہے
کہوں کیا شمع و رگل گیر کا مذکور میں تجھ سے!
سراپا شاہد محفل شکایت اس میں دوئی ہے
حقیقت ابرو و مژگاں کی اپنی پوچھ مت ہمدم!
نہیں لکھنے کے یہ قابل شکایت اس میں دوئی ہے
کیا جو تیغ و خنجر نے ترے سو دل ہی جانے ہے!
زباں سے کیا کہوں قاتل شکایت اس میں دوئی ہے

دلدار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے
اس یار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

ابرو کی دیکھی جنبش کہتا ہے چل پرے ہٹ
تلوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دیتا ہے گالیاں وہ میرے لہو کا پیاسا
خونخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مطلب کے عرض پر وہ کیا کیا کرے ہے باتیں
تکرار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

منصور دار پر بھی کہتا رہا انا الحق!
سر دار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

لے نام اس کا مجھ کو غش میں کوئی پکارا
غمخوار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

دل لے کے جو کہے ہے تجھ سے نہ میں ملوں گا
عیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

مے کے نشے میں بھی وہ بوسہ نہیں ہے دیتا
ہشیار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

سن کر غزل ظفر کی اہل سخن کہیں ہیں!
اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

رخ پہ کیا زلف ترے غنچہ دہن چھوٹے ہے
ہم سیہ بختوں سے آخر کو وطن چھوٹے ہے

کیونکہ دل پنجۂ مژگاں سے رہائی پاوے
چنگل باز سے کب مرغ چمن چھوٹے ہے

کب تلک روئے گی دل سوزی پروانہ پر
کوئی اس دل کی لگن شمع لگن چھوٹے ہے

سچ ہے ہوتی ہے بری آہ عزیزو چاہت
آہ یوسف سے وہ کب چاہ ذقن چھوٹے ہے

روبرو اس بت کافر کے ہوائی شب پر
منہ پہ مہتاب کے اے چرخ کہن چھوٹے ہے

لاکھ تو مجھ سے نہ مل پر تری الفت واللہ
کب مرے دل سے بت عہد شکن چھوٹے ہے

رشک مہ شب کو ظفر سے ہے ملامت میں
کیوں تجھے دیکھ کے اے شمع جلن چھوٹے ہے

شرط رونے کی جو اس چشم سے جھٹ پٹ بدلی
دل برنے سے گھٹا کر گئی پھر ہٹ بدلی

اس نے شب کو یہ مرے ساتھ رکاوٹ بدلی
بائیں کروٹ سے نہ پھر داہنی کروٹ بدلی

ہمسری زلف پریشان سے کسکی اب ہے
ان دنوں آہ نہایت ہی گئی لٹ بدلی

آبرو تیری ابھی خاک میں مل جائے گی!
دیدۂ تر سے نہ رونکش ہو پرے ہٹ بدلی

دیدۂ تر پہ مرے سایۂ مژگان کو دیکھا
مرد ماں بولے کہ آئی شب پنگھٹ بدلی

بندش اس رشک قمر کی کیوں کیا جوڑے کی
چاند کے پیچھے ہے مارے ہوئے جھرمٹ بدلی

پڑھ کے میں سورۂ اخلاص نہ دم کیوں تکہ کروں
روز اس مصحف روکی ہے سجاوٹ بدلی

شوق سے گھر میں مرے رات کو آیا کہے!
برق کی ہے یہ لیے ہاتھ میں ڈیوٹ بدلی

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو
اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

عقل پر پڑ گئے اے بت ترے کیا پتھر تھے
مارنے شیشۂ دل ہی پہ ذرا پتھر تھے

میں کسی زلف سیہ فام کا دیوانہ تھا
زیر سر قبر میں بھی میرے بجا پتھر تھے

مر گئے ٹھوکریں کھا کھا کے ہزاروں عاشق
کوچۂ عشق میں معلوم ہوا پتھر تھے

شافع حشر ہمارا ہے وہ اعجاز نما
بولتے حکم سے جس کے تہ پا پتھر تھے

سنگ دل آن کے دن بھی نہ پوچھا تو نے
سر عاشق تھا اور اس در پہ سدا پتھر تھے

صدمۂ عشق سے اپنا دل نازک نہ بچا
دل بتوں کے بھی جو دیکھے تو دلا پتھر تھے

اے ظفر مختلف القافیہ لکھ اور غزل
سنگلاخ ایسے یہ کیا شعر بھلا پتھر تھے

گویاں ہوں وے اس بت بیباک میں دم ہے
ہلا تھوں سے جدائی کے مرا ناک میں دم ہے

دم تیری ہی الفت کا بھرے جاؤں گا قاتل!
جب تک کہ مرے سینۂ صد چاک میں دم ہے

کیوں روتے ہو بالیں پہ مری آہ عزیزو
اب تک تو مرے دیدۂ نمناک میں دم ہے

دریائے محبت کے گئے ہم تو کنارے
میرا سا کہاں اب کسی تیراک میں دم ہے

ہم دعوے صنعت کریں کس منہ سے کہ یارب
مدت سے تری کالبد خاک میں دم ہے

سو کوس مری خاک کو رہتا ہے ولیکن
اتنا ہی ترے تو سن چالاک میں دم ہے

فروائے قیامت کا ظفر خوف نہ کر تو
ہر دم ترا یادشہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم میں دم ہے

شبنم تری کب اشک فشانی سے بجھے ہے
کیا آتش گل ہے کہیں پانی سے بجھے ہے

کب حرص تری آب دم تیغ سے قاتل
میری فقط اس تشنہ دہانی سے بجھے ہے

بیمار ہوں یہ عشق میں مے خوار پسر کے!
پانی مرا لو ہے کی نہانی سے بجھے ہے

کس طرح نہ بوسے لوں عزیزو کہ مری پیاس
چاہ ذقن یوسف ثانی سے بجھے ہے

درمان تپ عشق عزیزو نہ کرو تم!
دل کی طپش اس دلبر جانی سے بجھے ہے

سوزش کوئی جاتی ہے یہ میخواری کی دل سے
اے ابر تری فیض رسانی سے بجھے ہے

وہ ماہ لقا کیوں نہ ظفر ہو عرق آلودا
ہوتا ہے بھلا گرم تو پانی سے بجھے ہے ظفر مختلف

دل کے ہمراہ مرے کیوں کہ نہ نکلیں آنسو
جو کہ مرتا ہے لنڈھا دیتے ہیں گھر کا پانی

زخمی اس تیغ نگہ کا ہے نہ مر جائے کہیں!
ہمدمو جلد کرو بند ظفر کا پانی

سبوئے چشم سے اپنی جو گر گیا پانی
تمام خانۂ مردم پہ پھر گیا پانی!

صد آفریں ہے دلا تجھ کو چاہ میں اسکی
شناوری کے بزور اپنے سر گیا پانی

شکستہ قالبہ چشم اپنا ہو گیا شاید!
یہاں جو ہر بن مژگاں سے جھڑ گیا پانی

وہ ہے تلاطم امواج سیل اشک اپنا
کہ آبشار کا ہو منتشر گیا پانی!

نہ کیونکہ معرکہ عشق میں ہو تشنہ لبی!
عیاں ہے لشکر حسرت کا گھر گیا پانی

نہ ٹکٹکی مری خورشید رو سے بندھ سکے
رہا جو چشم سے میں منتظر گیا پانی

ظفر جہان میں اس کی ہی سرد مہری سے
پڑا ہے پالا اب ایسا کہ ٹھٹھر گیا پانی!

دکھ ہاتھ کو پہنچے گا نخچیر کے جھٹکے سے
کیوں صید کو جھٹکے ہے سرچ کے جھٹکے سے

میں تیغ ادا کا ہوں کشتہ ترا اے قاتل
مروا نہ گرا شمشیر کے جھٹکے سے

کاکل کی کشاکش سے ہے کام سدا دل کو
ڈرتا نہیں دیوانہ زنجیر کے جھٹکے سے

گر ہووے فلک پر وہ تو بھی اسے دھر کھینچیں!
ہم آہ کے رشتے کی تاثیر کے جھٹکے سے

تو تاج زر اپنے پر اے شمع نہ ہو نازاں!
کٹ جائے گا سر تیرا گل گیر کے جھٹکے سے

بچ ہم نے سکے اسکی طروں کے بس آگے سے
محفل میں ہمیں کھینچا صف چیر کے جھٹکے سے

سینے سے ظفر کے کیوں سوفار کو کھینچے ہے
ڈر ہے نہ نکل آوے دل تیر کے جھٹکے سے

چمن حسن کی رنگت گئی نازی بدلی!
گلبدن تو نے جو پوشاک پیازی بدلی!

منہ کیا کعبے کے رخ ابروئے جاناں نے پھیرا
جائے سجدے کی عبث تو نے نمازی بدلی

کیوں نہ اوراق دل اب میرے ہوں ابتر یکدست
سمجھے میں جو کچھ اس شوخ نے بازی بدلی

کوئی رکھتا ہے بھلا صاف دلوں سے بھی غبار
شیشہ گر کیا روش آئینہ سازی بدلی

ہم حقیقی سے سمجھتے نہ تھے کم تجھ کو اب
تیری تاثیر گئی عشق مجازی بدلی

گرچہ پروانہ ہوا رات کو دل سوزی سے
شمع محفل کے نہ پر دل کی گدازی بدلی

لکھ بہ تبدیل اقوافی غزل اک اور ظفر
ہم نے سلک در مضموں کی درازی بدلی

قاتل سے ہمیں اپنی شہادت طلبی ہے
واں آب دم تیغ ہے یاں تشنہ لبی ہے

آرام مجھے دن کو نہ دیتے ہو نہ شب کو
کیا کہئے تمہیں حضرت دل بے ادبی ہے

اس دور میں کیا خاک کرے عیش کوئی آہ
نہ جام نہ ساقی نہ شراب عنبی ہے!

ہے مرہم کافور کہاں داغ جگر پر!
اعجاز سے سینے میں یہاں آگ دبی ہے

دل توڑ ظفر کا نہ تو اب سنگ جفا سے
اے کافر بد کیش یہ شیشہ حلبی ہے

تیری نگاہ جو بت بے پیر پھر گئی!
قسمت مری الٹ گئی، تقدیر پھر گئی

ہم مر گئے تو ول کے صبا و نسیم سے!
خاک اس گلی میں اپنی بہ تدبیر پھر گئی

دیکھا جو کل اک عاشق و معشوق کو بہم!
اپنی نظر میں بس تری تصویر پھر گئی

قاتل ترا جو ہاتھ رکا میرے قتل سے
ہو کر تھا بھی میرے گلوگیر پھر گئی

خط کا مرے جواب نہ اس نے لکھا ظفر
کیا سر نوشت کی مری تحریر پھر گئی!

بحر غم ہی نے دیا دیدہ تر کا پانی!
بھائے مردم مجھے کیا اور اس کے گھر کا پانی!

خانہ دل جو مرا ڈوب گیا اے یارو
نہیں معلوم یہ آیا ہے کدھر کا پانی

بارش گریہ سے ہے چشم کا دالاں ٹپکا!
جلد جا روب مژہ یاں سے تو سر کا پانی

اس روش گل ہے بھرا دیکھ صبا شبنم سے
جس طرح رکھتے ہیں چھاگل میں سفر کا پانی

چشم کی راہ بہا دل تو مرا ہوا پانی!
نکلے ہے شام و سحر اب یہ جگر کا پانی

چشمہ مہر سے چھلکے ہے دیا تو نے صبا
ساغر گل پہ چھلکا ہے یہ زر کا پانی

جو نظر آئی مرے چشم کے قطرے کی آب
شرم کے مارے ہوا دل تو گہر کا پانی

ہر ایک جا ہے فغاں ہر مکان میں غل
یہاں سے کون گیا جو جہان میں غل ہے

ہوا ہے آہ کہیں گم وہ یوسف مصری
عزیزو آج جو یہ کاروان میں غلغل ہے

یہ کس کی آمد آمد سے دنگی ہے یہاں
کہ چپ ہیں بیٹھے ہوئے اور کان میں غل ہے

یہ دلنوازی مطرب پسر ہے مجلس میں
کہ آن میں ہے خموشی تو آن میں غل ہے

رہے ہے آہ سدا دست اہل وجہ بلند
یہ خیمہ کہن آسمان میں غلغل ہے

سنا ہے ہم نے یہ قال و مقال روز الست
ہنوز آہ وہی اپنے دھیان میں غل ہے

ہوئی نہ فتح و ظفر بادشاہ اکبر شاہا
ہر اک طریق پہ ہندوستان میں غل ہے

بجائے اشک اگر دیدہ پر آب گرے
جو طفل دوڑ چلے کیوں نہ وہ شتاب گرے

جدھر کو جاوے تو گلگون ناز کو چھیڑ دے
جہان لینے کو پھر بوسہ رکاب گرے

وفور گریہ سے لبریز ہے یہ کاسہ چشم
جو جام چھلکے تو کیوں کر نہ پھر شراب گرے

فلک سے بن کے مہ وہر گھیجے کے ورق
ترا یہ دیکھ رخ رشک آفتاب گرے

دکھا دیا ہے جو تو جلوہ تبسم کوا
تجل ہو ابر سے برق پر اضطراب گرے

ہوا جو اشک فشاں یاد بوتراب میں میں
زمیں پر در نجف کیا علی الحساب گرے

ہمارے دیکھے اگر داغ دل، ہو خجلت سے!
عجب نہیں کہ فلک پر سے ماہتاب گرے

سنبھالے کون اسے پھر برنگ طفل سرشک
نظر سے تیری جو ہو مورد عتاب گرے

دل ظفر کو نہ رکھ تو تہ خم ابرو
مبادا طاق سے یہ شیشہ گلاب گرے

یاں خاک کا بستر ہے گلے میں کفنی ہے
واں ہاتھ میں آئینہ ہے گل پیرہنی ہے

ہاتھوں سے ہمیں عشق کے دن رات نہیں چین
فریاد و فغاں دن کو ہے شب نعرہ زنی ہے

ہشیار ہو غفلت سے تو غافل نہ ہو اے دل
اپنی تو نظر میں یہ جگہ بے وطنی ہے

کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں زباں سے کہ ذرا دیکھ
کیا جائے ہے جس جائے نہ کچھ دم زدنی ہے

مژگاں پہ مرے لخت جگر ہی نہیں یارو
اس تار سے وہ رشتہ عقیق یمنی ہے

لکھ اور غزل قافیے کو پھیر ظفر تو
اب طبع کی دریا کی تری موج زنی ہے

چاندنی کی سیر خوباں تا سحر دیکھا کئے
اور ہم ان کا رخ رشک قمر دیکھا کئے

کیا کہوں کیونکر تجھے رشک قمر دیکھا کئے
وہ نظر آئے نہ جن کو بھر نظر دیکھا کئے

شب تجھے کیا ہم ہی اے رشک قمر دیکھا کئے
ماہ و پرویں بھی ترا رخ تا سحر دیکھا کئے

کچھ ہوئی تسکیں نہ تجھ بن اس دل حیران کو
گو تری تصویر ہم آٹھوں پہر دیکھا کئے

آہ آتشباز سے دل اور جگر جلتے رہے
ہائے تم اے مرد مان چشم تر دیکھا کئے

تم نظر آ جاؤ شاید اس ہوس میں آج ہم
صبح سے تا شام سوئے رہگذر دیکھا کئے

ہم تو خاک و خوں میں غلطاں ہی رہے بس آؤ ہاں
وہ تماشا اے دل خستہ جگر دیکھا کئے

صبح اے گل روتری آنکھوں کو چشم شوق سے
کیا فقط گلہائے نرگس بھر نظر دیکھا کئے

لالہ و گل بھی ترے رخسارہ رنگین کو!
باغ میں جب تک رہا تو جلوہ گر دیکھا کئے

گر نہیں ہے بھر کچھ بھم تو پھر محفل میں شب
تم انہیں اور وہ تمہیں کیوں اے ظفر دیکھا کئے

عجب ہے دل کا سمجھانا جدھر کا ہے ادھر کا ہے!
پری رو ہے یہ دیوانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

تری ابرو کے جانب دل ہے جوں قبلہ نما اپنا
ادھر پھر پھرا ئے آنا جدھر کا ہے ادھر کا ہے

مری اس شمع رو سے کوئی چھوٹی ہے لگن یارو!
لگا ہے تو یہ پروانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

وہ آنکھیں دیکھ اے ساقی یہ میخانے کو کیا سمجھے!
دل عاشق ہے مستانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

دل آفت رسیدہ کو میں اپنے کیونکر سمجھاؤں
مری قسمت میں غم کھانا جدھر کا ہے ادھر کا ہے

یہ مجنوں چھوڑ ویرانہ پھرے بستی میں کیا ناصح!
بجا ہے تیرا فرمانا جدھر کا ہے ادھر کا ہے!

ظفر کو دیر سے مطلب نہ کعبے کی ہے خواہش کچھ
مجھے کیا ہے یہ کاشانہ جدھر کا ہے ادھر کا ہے

بھلا ہے گر ہوس عشق بوالہوس نہ کرے
کہ جو پتنگ کا ہے کام وہ مگس نہ کرے

نہیں ہے طاقت پرواز آہ اے صیاد
خدا کرے کہ تو اب وا در قفس نہ کرے

رواں ہے قافلہ اشک سوئے ملک عدم
فغاں نہ کیونکہ یہ دل صورت جرس نہ کرے

یہ کون بادہ پرستی ہے ساقی گل فام
جو جام مے ترے ہاتھوں سے لے وہ بس نہ کرے

فراق یار میں تنکا بنا ہے سوکھ کے تن
ہوائے عشق یہ برباد مثل خس نہ کرے

جو اس کی جان پہ گزرے ہے وہ ہی جانے ہے
خدا کسی کو جہاں میں کسی کے بس نہ کرے

کمند زلف بتاں میں پھنسا یہ دل بے وجہ
ظفر وہ کیونکہ رہائی کی اب ہوس نہ کرے

جب سے وہ چھٹا ہاتھ سے دامان ہمارے
ہے تب سے جنوں دست و گریبان ہمارے

بالیں پہ دم نزع بھی آیا نہ ستم گر!
بس رکھے رہے دل ہی میں ارمان ہمارے

ہم بسکہ ہیں کشتہ تیرے اس تیر نگہ کے
خوبان جہاں جاتے ہیں قربان ہمارے

کہتے ہیں کہ تیغ کو دھرا سان پہ اس نے
یہ سنتے ہی بس اڑ گئے اوسان ہمارے

لخت جگر و اشک ہیں حاضر ترے آگے
یہ لعل ہیں وہ گوہر غلطان ہمارے

جمعیت دل تیرے سبب سب وہ ہیں برہم
کیوں ضد میں پڑی زلف پریشان ہمارے

آیا ہے ظفر پھینک کے پوشاک وہ گلگوں
قاتلنے کے قتل کے سامان ہمارے

افسوں سراسر دل نالاں میں پھونکے!
ڈرتا ہوں کہ دل اسکے نہ کچھ کان میں پھونکے

تسکیں نہیں دے چین ہمیں سینۂ سوزاں!
کیوں عشق کی آتش نہ دل و جان میں پھونکے

بلبل کے خطر ہے مجھے آتش نفسی سے!
آتش نہ کہیں صحن گلستان میں پھونکے

ظالم نہ ستا مجھ کو مبادا یہ مری آہ!
دامان فلک کو نہ کہیں آن میں پھونکے

ہو جس سے ظفر نرم کہیں سنگدل اس کا
اس طرح کے افسوں کوئی جا کان میں پھونکے

کس لیے روپوش ہوتے ہو بتاؤ کون ہے
خانۂ دل ہے یہ حاضر اس میں آؤ کون ہے

دیکھ کر بولے مجھے یاں اس کو لاؤ کون ہے
چاہنے والا ہمارا سچ بتاؤ کون ہے

کیا ہوا پتا ہلا آیا یہاں کوئی نہیں!
جان من میرے سوا مت خوف کھاؤ کون ہے

ہم بھی آئینے کو اب دیکھا کریں گے رات دن
آپ کا یاں طالب دیدار جاؤ کون ہے

کس سے پردہ ہے تمہیں کیا وجہ روپوشی کی ہے
اپنے اب چہرے سے تم زلفیں اٹھاؤ کون ہے

دیکھتا ہوں خواب میں اس یوسف ثانی کو اب
مجھ کو سوتے سے عزیزو مت جگاؤ کون ہے

کر کے وعدہ گھر کے آنے کا نہ دم دیجئے مجھے!
آپ کی باتوں میں اڑنے کو اڑاؤ کون ہے

پاؤں میں مہندی لگی ہے گر تمہارے خیر خوب
اب یہ کہنا تک ہمارے پاس آؤ کون ہے

کس پہ جی مائل ہوا بیمار جب تم ہو گئے!
نام اس کا ہم کو بھی صاحب سناؤ کون ہے

اس زمیں میں اور پڑھتا ہے غزل اب تو ظفر
سامنے اس کے کسی کو تم بلاؤ کون ہے

شب تو آدھی رک گئی، خطرہ نہ لاؤ کون ہے
شوق سے آؤ پلنگ پر لیٹ جاؤ کون ہے

پوچھتے پھرتے ہیں یہ وہ ہم نشینوں میں مرے
میرے عاشق کو ذرا مجھ کو دکھاؤ کون ہے

ہے ہلاتا حلقۂ زنجیر کوئی آشنا
آپ کا ہو گا اسے دیکھو بلاؤ کون ہے

رشتۂ الفت میں جو باندھے لیے جاتا ہے وہ
یارو اس کے بیچ سے مجھ کو چھڑاؤ کون ہے

جو مجھے اس شمع رو سے آن میں دیوے ملا!
یاں بڑا دل سوز میرا اب بتاؤ کون ہے

آشنا اور غیر کی صورت نہیں رکھتا کوئی!
اب تو بے وسواس میرے پاس آؤ کون ہے

متہم کر کے ظفر کو پوچھتے ہے لوگوں سے وہ
کس نے میرے در پہ دی دستک بتاؤ کون ہے

اسے لاؤں میں نہ ہوں چشم تر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
جو وہ آوے میں نہ کروں نظر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے

کبھی دل یہ چاہے کہ بوسہ لوں کبھی جی میں ہے کہ گلے لگوں!
و لے کیا کروں بت لب شکر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے

وہ جو رہوے غیروں کے جا کے گھر میں ادھر خراب ہوں دربدر
کروں کیونکہ یا رومیں درگزر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے

مری اور اس کی ابھی تلک یہ موافقت ہے کہ کیا ہوں
پھر سے وہ ادھر رہوے میں ادھر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے

کنار چشم یوں یک لخت آ لخت جگر بیٹھے
قزلباشوں کے دستے گھاٹ سے جیسے اتر بیٹھے

ٹھہرا یوں وہ ہے اپنا اشک دل سے آ کے آنکھوں میں
غریق بحر الفت جوں لب کشتی اتر بیٹھے

نئے قلیان نمط جب وہ پلاوے تب تو کچھ پوچھیں
وگرنہ ہم رہیں خاموش ہی آٹھوں پہر بیٹھے

یہ طوفاں چشم دریا بار نے اپنے اٹھائے ہیں
کہ ہمسایوں کے جاتے ہیں دلا اب گھر کے گھر بیٹھے

جلایا شعلہ یک نالہ سے صد خانہ مردم
قیامت حضرت دل کی یہ تم کیا کام کر بیٹھے

نہ دے تکلیف رفتن طاقت پا اب نہیں باقی
دیار عشق میں ہم تھک گئے اے ہمسفر بیٹھے

طریق عشق پر ثابت قدم ہیں روز اول سے
برنگ نقش پا اٹھتے ہیں کب جس جا ظفر بیٹھے

یاد آتی ہے اس آئینہ رو کی کمر مجھے
کس طرح سے نہ ہووے عدم کا سفر مجھے

کس گلبدن کی یاد مرے دل میں تھی جو رات
آیا نہ خواب مسند کمخواب پر مجھے

نرگس میں سیر چشم ہوں بستان دہر میں!
تیری طرح نہیں ہوس سیم و زر مجھے

کچھ ہوش میں بھی آنے دے مجھ کو خدا سے ڈر
اے بیخودی چلی ہے تو لے کے کدھر مجھے

مرتا ہوں دے تو بوسہ لب کچھ نہ بات پوچھ
بھاتا نہیں ہے شربت قند و شکر مجھے

روز وفات کا تو خطر کچھ نہیں مجھے!
اے ہم نشیں ہے پر شب ہجراں کا ڈر مجھے

دریا کا پاٹ تختہ دامن تو بن گیا
اور اس سے کیا دکھائے گی اے چشم تر مجھے

چاک قفس سے دیکھ رہا ہوں رخ چمن
صیاد اہے نہیں ہوس بال و پر مجھے!

جلوہ اسی کا دیر و حرم میں ہے اے ظفر
آتا نہیں ہے اس کے سوا کچھ نظر مجھے

تو وہاں خوش ہو کے سر غیروں کے زانوں پر دھرے
حیف یاں روتا ہوں میں رومال اب رو پر دھرے

دیکھ لے جو کوئی تیرے مہ جبیں رخسار کو!
نام چن چن کر ہزاروں ہی وہ مہرو پر دھرے

لخت دل مژگان تر میں دیکھ مردم نے کہا
یہ دیے کس نے جلا کر ہیں لب جو پر دھرے

چیر کر پہلو سے دل کس کا نکالے دیکھئے
وہ نگہ جاتی ہے ہر دم آہ چاقو پر دھرے!

لے ہی لوں گا آن کر بوسہ جھپٹ کر دیکھنا
گال وہ اپنا اگر اب میرے قابو پر دھرے

الحذر مانگیں نہ کیونکر تجھ سے ہم قاتل کہ تو!
دیکھنے کا جو ارادہ ہو میرے لہو پر دھرے!

آہ یارو دیکھئے کیونکر بچیں غمزے سے ہم!
بانزاکت وہ پھرے ہیں ہاتھ پہلو پر دھرے

لکھ غزل ایسی ظفر جس کا ہر اک مصرع یہاں
طعن سو سو خوشخطوں کے لب اور ابرو پہ دھرے

رفتہ رفتہ عزم کچھ قتل پر دو چار کے
دل نہ تو اس چال سے پامال کر دو چار کے

روشنائی سب کو اس آئینہ رو سے ہے یہاں
کاش کر ہوتا وہ منظور نظر دو چار کے

یہ وہ جا ہے جس میں یک آتش کا پر کالا ہے دل
سینۂ سوزاں پہ تو مت ہاتھ دھر دو چار کے

ہو گریباں گیر تیرا تا نہ اے قاتل کوئی
گوشۂ دامن کو تو مت خوں میں بھر دو چار کے

برق بھی مانگے ہے اس تیغ نگہ سے الاماں
کر دیئے تن سے جدا اک دم میں سر دو چار کے

سر پہ لائے گی بلا اک دم میں وہ زلف سیاہ
جان من اس رو سے ہے اب دل میں ڈر دو چار کے

بیضۂ فولاد سے کچھ کم نہیں کنج قفس!
کھول دے صیاد اب تو نے بال و پر دو چار کے

سوجھتا ہے روز و شب کے تیرے رونے سے مجھے
گھر ڈبا دے گی کہیں اے چشم تر دو چار کے

خواہش سیر چمن گر ہے تو مت تکلیف کر
دیکھئے اے لالہ رو داغ جگر دو چار کے

زلف و خال و چشم و ابرو سے بچاؤ دل کو اب
اے صنم تو سامنے اس کو نہ کر دو چار کے

اس لیے لکھی یہ تبدیل قوافی اور غزل
ہوش تا اڑ جائیں سن کر اے ظفر دو چار کے

صیاد قفس کا کہیں در کھول اڑا دے
ہیں صید خوش ایجاں نہیں پہ کھول اڑا دے

ہے آج شب وصل ذرا شرم کو دل سے!
تو بند قبا رشک قمر کھول اڑا دے

کیا گلشن دنیا سے تو لے جائے گا منعم!
غنچے کی طرح گانٹھ سے زر کھول اڑا دے

صیاد سزاوار عقوبت ہوں ازل سے
تو بند قفس سے مرے پر کھول اڑا دے

ہم منتظر جلوہ دیدار ہیں اس کے
اے باد صبا پردہ در کھول اڑا دے

لایا ہوں تصدق کو ترے مرغ دل اپنا
کیا خوب ہو پر اس کے اگر کھول اڑا دے

اس بت کا کہا مان نہ تو راہ خدا میں
دروازہ خزانے کا ذرا کھول اڑا دے

جوش گریہ سے نہ کچھ دیدہ تر بیٹھ گئے
ہے یہ طوفاں کی ہمسایوں کے گھر بیٹھ گئے

دیکھنا ہم نہیں اٹھنے کے میاں حشر تلک
جس گھڑی در پہ ترے کھول کمر بیٹھ گئے

کیا ہوا مت ہو خفا اول پہ داغ جو ہم
تیرے پہلو میں ذرا رشک قمر بیٹھ گئے

دشت وحشت کو کروں گا وہیں میں سر بکدست
آبلے پاؤں کے یہ میرے اگر بیٹھ گئے

کیا کریں صاحب فن یارو بتاؤ مجھ کو!
قدر داں اٹھ گئے سب اہل ہنر بیٹھ گئے

ترے آتے نہیں اب جو نظر آئے دیدہ ترا
آہ اشکوں میں کہیں لخت جگر بیٹھ گئے

چھوڑتا جان سے کب تیر نگہ وہ ہم کو
دور سے ہم بھی اسے دیکھ کے پر بیٹھ گئے

منزل عشق بہت دور ہے اللہ اللہ!
ایک ہی گام میں تم تھک کے ظفر بیٹھ گئے

پاس داغ دل کے سوز غم سے ہیں پھلکے پڑے
متصل ساغر کے شیشے ہیں یہ ڈھلکے پڑے

دیکھ کر اے مردماں اس ابر مژگاں کو مرے
پیٹ میں پانی ابھی کیونکر نہ بادل کے پڑے

اپنا ہے وہ سینہ سوزاں کہ جس کی رشک سے
داغ انگاروں کے ہیں سینے میں منقل پڑے

کیونکہ میں آغوش میں کھینچوں اسے جس کی کمر
بوجھ سے لچکے یہاں ہر لحظہ ہیکل کے پڑے

کس ہوئے سیراب آب تیغ اے قاتل ولے
تشنہ لب اک درمیاں ہیں ہم ہی مقتل کے پڑے

تو ہی گر ہم خواب ہو ہم سے نہ اے آرام جاں
کل ہمیں تو فرش پر کس طرح مخمل کے پڑے

مت حباب ان کو سمجھ گرتے ہیں میرے اشک گرم
آبلے دریا کی چھاتی پر ہیں یہ جل کے پڑے

فیض سے خون کف پا کے ہمارے اے جنوں
پارہ یاقوت ہیں دامن میں جنگل کے پڑے

جب کہا میں نے چھپاؤ مت مجھے معلوم ہے
اب تلک سوتے تھے پیارے تم جہاں کل کے پڑے

بولے ماتھا کوٹ کر آخر کہا ہی پر کہا
نوج تیرے کان بات اے پیٹ کے ہلکے پڑے

سبحہ گوہر کی کب خواہش ہے ہم کو اے ظفر
ہیں گلے میں یاں اپنے یاں مسلسل کے پڑے

جس جگہ منہ سے نکلتے ہی مری بات کٹے
اشکیں کیونکہ پھر اپنی وہاں اوقات کٹے

صبح محشر سے نہیں کم شب ہجراں یا رب
زندگی کیونکہ بغیر اس کی ملاقات کٹے

بے طرح زلف و رخ یار کا رہتا ہے خیال
یاالٰہی کہیں آرام سے دن رات کٹے

نامہ بر کیونکہ قدم رکھے اب اس کوچے میں
کہ جہاں سر ہو قلم پاؤں کٹے، ہات کٹے

زلف سے چھوٹ کے کہتا ہے تری مانگ میں دل
کیونکہ اے خضر بھلا اب رہ ظلمات کٹے

وہ تو اک روز بھی ملتا نہیں مجھ سے گا ہے
زندگی چین سے اب کیونکہ یہ ہیہات کٹے

ہے تمنا یہ ظفر کی کہ صنم سے یارب
وصل کی شب مری باہم بحکایات کٹے

گو ہیں سبزے سے عیاں تن پہ چمن کے رونگٹے
پر عجب ہیں نرم اس گل پیرہن کے رونگٹے

تار ارش کا تماشہ بندھ گیا جب وقت غسل
اس نے تن تن کے دکھائے اپنے تن کے رونگٹے

کاوش مژگاں جو یاد آئی تمہاری وقت مرگ
بن گئے نشتر مرے نیچے کفن کے رونگٹے

ہو ترشح چشمہ آئینہ میں فوارہ ساں
عکس افگن ہوں اگر تیرے بدن کے رونگٹے

توڑ کر تعویذ حرز جاں بناتے ہیں مرید
ریچھ کے سے بال ہیں زاہد کہن کے رونگٹے

جوں رگ گل صبحدم ہو شبنم آلودہ ظفر
یوں پسینے میں ہیں فرش گلبدن کے رونگٹے

گر بہم چشمی نگہ وہ تیری ابرو پر دھرے
دل بھی سو سو نام چن کر شاخ آہو پر دھرے

تک سکے موتی نہ تیرے میرے پاسنگ اشک پر
گر صدف تو اپنی آنکھوں کے ترازو پر دھرے

تیرے قد سے ہمسری کرتے جو دیکھے فاختہ
ارہ شہپر کا وہ ہر سرو لب جو پر دھرے

شب کو ساتھ اس سیم تن کے جب ہو سونے کا مزا
ران رکھے ران پر بازو کو بازو پر دھرے

بھیگتا دیکھا نہ ہو جس نے شب تاریک کو
دھیان وہ تیرے عرق آلودہ گیسو پر دھرے

عاشق جانباز تیرا زندگی سے ہاتھ دھوئے
آج تیرے روبرو ہے سر کو زانو پر دھرے

اپنی ترک چشم سے کہدے کہ انگشت مژہ
آبداری دیکھنے کو تیغ ابرو پر دھرے

پھر نظر دیکھے نہ گل کو باغ میں پھر اے ظفر
صبح بلبل کان کس تقریر گل رو پر دھرے

جبکہ دریا میں تو چھینٹوں سے لڑے پانی کے
موج کیوں منہ پہ طمانچے نہ جڑے پانی کے

عرق آلودہ ترے دیکھ دہن کو گلرو
پڑ گئے لاکھوں ہیں غنچے پہ گھڑے پانی کے

مردماں ہیں یہ کہاں سینۂ دریا میں حباب
آبلے سے ہیں یہ کچھ دل پہ پڑے پانی کے

روکے مژگاں سے کہاں جوش وفور گریہ
یعنی خس منہ پہ بھلا کیونکہ اڑے پانی کے

عکس خط آئینہ میں تیرا نہیں حضرت خضر
درباں آن کے شاید ہیں کھڑے پانی کے

ہیں کہاں بحر میں مردم سر گرداب حباب
ہیں پڑے پاؤں میں ماہی کے کڑے پانی کے

تو وہ اب شیر زباں بحر سخن میں ہے ظفر
جز ترے کون جڑھے منہ پہ کڑے پانی کے

راہ درباں سے مری ان کے جو پنہاں ہو گی
پھر ملاقات ظفر اس سے کس عنواں ہو گی

شب تاریک نظر آوے گی ہر صبح ہمیں
رخ پہ گر اس کے کھلی زلف پریشاں ہو گی

ہمسری کرنے سے اس کے لب پاں خوردہ کی
خاک رنگت تری ہے اے لعل بدخشاں ہو گی

زلف مشکیں کو ہوئی چھو کے گرفتار بلا
ہم سے لیکن نہ خطا پھر کبھی جاناں ہو گی

دل پہ داغ کی دکھلائی جو یاں تجھ کو بہار
اس روش تو نے نہ کی سیر چراغاں ہو گی!

ایک پل ہی میں الٹ دے گی ہزاروں عشاق
روکش اب تیری جہاں یہ صف مژگاں ہو گی

وعدہ وصل سے انکار کرے ہے وہ ظفر
منہ سے اس بت کے خدا جانئے کب ہاں ہو گی

بیقراری کا جو دم یہ دل بیتاب بھرے
پانی غیرت سے دو ہیں پارہ سیماب بھرے

جس روش رہتے ہیں یہ دیدہ پر آب بھرے
ہم نے دیکھے نہیں اس شکل سے تالاب بھرے

تو اگر سرو چمن باغ میں جاوے تو وہیں
رخ کے آگے ترے پانی گل شاداب سے بھرے

شام سے صبح تلک کیونکہ نہ بے چین رہوں
تو گلے لگ کے جو سووے تو مزے خواب بھرے

یاد میں اس گل رنگیں کے ہیں ایسے بیمار!
ساتھ پھرتے ہیں لیے شربت عناب بھرے

ساتھ یوں کیوں نہ رہے ملک عدم کا توشہ!
کارواں عمر کا جاتا ہے سب اسباب بھرے

گلبدن گر تن گل خوردہ دکھاؤں تجھ کو!
شرم سے آب قبائے گل کمخواب بھرے

گانٹھ جس میں جس کی نہ ہو دام و درم کہہ تو سہی
دم تری زلف کا کیا عاشق بیتاب بھرے

صدف چشم میں اپنی گہر اشک نہیں!
ہیں یہ گنجینہ میں یارو درنایاب بھرے

دور میں ابر کے ساقی ہو عجب کیفیت!
تو اگر جام میں اس وقت مے ناب بھرے

ہاتھ سے گالیوں کے پھرتا ہوں میں ایسے ظفر
دل میں بس خون بھرے چشم میں ہیں آب بھرے

یوں ہی لپٹا رہے تو میرے اگر جان گلے
ڈال آگے نہ کسی کے عنوان گلے

تو تو لگتا ہی نہیں آ کے مری جان گلے
کس لیے پھرتری خاطر کوئی افشان گلے

سر سے لے پاؤں تلک آہ بدل سوزی عشق
ہم شب ہجر میں جوں شمع شبستان گلے

کون دم مارے ترے آگے کر تو نے قاتل
لے کے کاٹے ہیں یہاں خنجر بران گلے

کیجئے کیا اس دل سودا زدہ کی خاطر جمع
اب تو بے وجہ پڑی زلف پریشان گلے

چھوڑتا دل کو مرے کب ہے ترا حسن ملیح!
کیوں نہ ہر چیز نمک کی ہو جہاں کان گلے

سرمہ سا چشم میں دیکھ اس کے کر دم رکتا ہے
اس نے گھونٹے ہیں بہت اے دل نالان گلے

جب ہی قمری تجھے باندھا ہے جو نیلا گنڈا
یا پڑا ہے یہ ترے طوق گریبان گلے

نغمہ سنجی ہی تری ہے وہ خدا ساز ظفر
مطربوں کے ہیں کہاں خوب و خوش الحان گلے

ہو کبود مست جو تو چشم پر افسوں بدلے
تیوری جام پہ سوج مے گلگوں بدلے

صفحۂ دہر پہ مانند نگیں کیجئے نام
کچھ تو تاثیر تو اے طالع واژوں بدلے

ہے کہاں قوس قزح ابر سیہ میں ظاہر
رنگ گرگٹ کے سے یہ تو نے ہیں گردوں بدلے

ناتوانی سے جو تک سانس نہ لے سکتا ہوں
کیونکہ بستر پہ وہ پہلو ترا مفتوں بدلے

مرے پروانے تو کس طرح سے دی شمع نہ جان
ہے مثل لیتے ہیں خوں کے جو یہاں خوں بدلے

وہ نہیں ہم جو مل جائیں یہاں سے مجنوں
شرط اب ہم سے تو ہاموں سے تو ہاموں بدلے

زلف کو کھول کے آئینہ جو دیکھا تو نے!
رنگ بدلی نے بھی کیا کیا لب جیحوں بدلے

بن لیے بوسہ نہیں چھوڑنے کا میں تم کو!
دل و دیں کہیے تو میں اس کے تمہیں دوں بدلے

جو فنا یہ نہیں ممکن ہے کہ اس کوچے میں
اب مکاں اور ترا عاشق محزوں بدلے

کھینچتا اپنا ہوا پہ ہے بہت اب یہ دماغ!
صید تک ابر سے تو دیدہ پرخوں بدلے

جب مرا نام ظفر اب جو نہ میں بدلے لوں
دشمنو تم نے ہیں یاں اپنے لیے یوں بدلے

اشک غلطاں کو دل پر یاس منہ میں ڈال کے
کان سے نکلا ہے یہ الماس منہ میں ڈال لے

کیوں نہ کھاؤں زہر جب کچھ چیز دست غیر کی
بیٹھ کر تو آہ میرے پاس منہ میں ڈال لے

پھول تھے بلبل کے اے گل ہیں یہ نقل فاتحہ
طرہ شبنم تو بے وسواس منہ میں ڈال لے

اشک لخت دل ہیں یوں طفل دبستاں جو کوئی
ٹکڑے ٹکڑے کر کے کچھ قرطاس منہ میں ڈال لے

قطرہ مے زاہدا ہے غیرت آب حیات
تو اگر جینے سے ہے بے آس منہ میں ڈال لے

چوسنا اس لعل لب کا نوش وارد ہے دلا
تجھ کو آئی ہے دوا یہ راس منہ میں ڈال لے

آئے گر وسواس جی میں تو سر لقمہ ظفر
پڑھ قل اعوذ برب الناس منہ میں ڈال لے

مروت یہ نہیں تو اے جھجکیں تجھ کو ہم خالی
ہمارے دل کو لے جا اور مت جا اے صنم خالی

تسلی جام مے سے ساقیا ہوتی ہے کب ہم کو
اگر خم ہو تو خم کے خم کریں ہم دمبدم خالی

نہ جا ظاہر پہ زاہد کے کہ باطن کچھ نہیں اس کا
مثل مشہور ہے ہندی کہ منہ چکنا شکم خالی

نہ بھولا پھر فقط بیت الحرم کو روز و شب عابد
نہیں جلوے سے اس کے یاد رکھ بیت الحرم خالی

چلا جاتا ہے گر یہ اے ظفر آنسو نہیں تھمتے!
چلو کوچے میں اس کے دل کریں ہم ایکدم خالی

رواں اشک تازہ ہیں یاں دل کے پیچھے
چلا قافلہ میر منزل کے پیچھے

ہماری ذرا اس کو پرواہ نہیں ہے!
چلے آڈس شمع محفل کے پیچھے

قصاص اپنے خوں کا قیامت کو لوں گا
نہ جاؤ کوئی میرے قاتل کے پیچھے

کدھر ہے تو اے سوج باد بہاری!
میں دیوانہ ہوں تجھ سلاسل کے پیچھے

رہوں آہ تا چند گردش میں یارب
نہیں چین اس بدر کامل کے پیچھے!

تماشا ذرا تو بھی تو دیکھ ظالم!!
اک انبوہ ہے تیرے گھائل کے پیچھے!

بیاباں میں ناقے کو ٹک تھام لیلی
نہ چھوڑ اس کو تنہا حواصل کے پیچھے

رہا جائے ہے دشت غربت میں مجنوں!
بٹھا لے ذرا اپنی محمل کے پیچھے!!

ظفر ہے یہ جی میں کہ تصویر اس کی!
لگ رکھیے آئینہ دل کے پیچھے

جام الفت کے نشے سے ہے یہ مدہوشی مجھے
رات دن غفلت سے رہتی ہے ہم آغوشی مجھے

یاد میں تیری جو میں خود رفتہ ہوں آرام جاں
اس لیے رہتی ہے اب ہر دم فراموشی مجھے

کیا کہوں میں حال یہ اپنا کہ اس کے ہجر میں!
بستر اندوہ پہ رہتی ہے بے ہوشی مجھے

جو نہ ہونا تھا سو اپنے دور میں تو کر چکا!
اے فلک کرنے دے اس سے اب تو سرگوشی مجھے

جی نکل جاتا ہے پھر اس دم شب مہتاب میں
یاد جب آتی ہے پہنے اس کی تہ پوشی مجھے

ہے تصور کس پری رخسار کا یارب مدام
صورت تصویر جو رہتی ہے خاموشی مجھے

گردش ایام کے ہاتھوں سے اب کے اے ظفر
ساتھ تیرے یہ میسر کب ہے مے نوشی مجھے

سلک گوہر جو بغرق بہت بے پیر ملے
کہکشاں کی بھی شب تیرہ میں تحریر ملے

دبے پاؤں اسی باعث نہ تیرے گھر کو جاؤں
تا دھڑک سینہ کوئی حلقہ زنجیر ملے

آپ کیوں دیتے ہیں بے وجہ بھوؤں کو جنبش!
کہیں بھونچال سے اس دل کی نہ تعمیر ملے

دل کو گردش نہ ہو جب رات کو محفل میں ترے
گرچہ فانوس خیالی میں نہ تصویر ملے!

چاہیے ہے تجھے اے ضعف جگر بس ہر دم
صدمہ آہ سے بھی کچھ دل دلگیر ملے!

ڈھانپ لے منہ کو قمر کے وہیں دامان سحاب
تیرے عارض پہ اگر زلف گرہ گیر ملے!

یہ غزل پڑھے اگر بزم سخنداں میں ظفر
کیونکہ تحسیں کے لیے پھر نہ سر میر ملے!

ورق کیا دل کے نالے دیکھنا پیہم الٹتا ہے
جو کہہ دوں پردہ و آسماں یکدم الٹتا ہے

شب تاریک ہو جاتی ہے صبح عید آنکھوں میں
وہ کافر جبکہ رخ سے گیسوئے پرخم الٹتا ہے

تہ و بالا نہ کیونکر ہوں زمین و آسماں یارو
وہ آتی جنبش مژگاں سے اک عالم الٹتا ہے

کہوں کیا ہمرہاں احوال میں درد جدائی کا!
یہ ہچکی لگ گئی مجھ کو کہ میرا دم الٹتا ہے

ملے گر بیٹھنے کو سنگ کوئے یار تو یہ دل!
ابھی تخت شہی کو صورت آدم الٹتا ہے

ظفر ہم جوتیوں سے مار ڈالیں جب اسے دیکھیں
یہ کیونکر کاٹ کر انگلی سر مقدم الٹتا ہے

ہم پہ یہ تپ عشق سے اب آن بنی ہے
انگڑائی پہ انگڑائی ہے اعضا شکنی ہے

لی کس نے نہیں چال تری دیکھ تقیری
ہر کبک دری کے بھی گلے میں کفنی ہے

شب تاج زر آلودہ یہ نازاں ہے جو اے شمع
اس واسطے تو لائق گردن زدنی ہے!

گلبرگ ہی گلشن میں خجل ہے نہیں تنہا
شرمندہ ترے لب سے بھی لعل یمنی ہے!

بھیجے ہے صدا سینے میں یہ مرغ دل اپنا!
یادا ایسی نگہ کو تری ناوک فگنی ہے

گلشن میں سحر بن ترے اے تو گل خوبی!
ہر قطرہ شبنم مجھے ہیرے کی کنی ہے

جوں غنچہ عبث سر بگریباں ہے ظفر تو
کچھ فکر نہیں دل میں کہ اللہ غنی ہے

کیوں میکشی سے ہر دم کیجیے حجاب ساقی!
ہے اپنا ان دنوں میں عہد شباب ساقی

دے جام گل میں بھر کر صہبائے ناب ساقی
آنکھوں میں محو کر دیں ہم آفتاب ساقی

اس ابر میں خوش آوے کیونکر نہ سیر دریا
کیفیتوں سے پر ہے جام حباب ساقی

لخت دل برشتہ مژگاں پہ یہ نہیں ہے!
لایا ہوں تیری خاطر جام شراب ساقی

ابرو کا تیرے جلوہ دیکھا ہے شاید اس نے
جو ماہ نو ہے شب کو پا در رکاب ساقی

سنبل ہی کیا پریشاں ہے دیکھ زلف تیری
موج نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی

ساغر کشی ہماری مت پوچھ تو کہ تجھ بن!
پیتے ہیں خون دل ہم جائے شراب ساقی

جو زلف و رخ کو تیرے دیکھے ہے یہ کہے ہے
کیا جلوہ گر ہیں باہم برق و سحاب ساقی

اس ابر اس ہوا میں دل کو گھٹا نہ میرے
پیک صبا یہ کہتا اب آ شتاب ساقی

تجھ بن ٹپک رہا ہے پتھر پہ سر کو شیشہ!
ساغر ہی ہے نہ تنہا چشم پر آب ساقی!

ساغر کشی ظفر میں اس دور میں کیا کروں
شیشے پڑے ہیں خالی ہے مست خواب ساقی

کیا روکے مژہ دیدہ نمناک سے پانی
بچ بچ کے نہیں تھمتا خس و خاشاک سے پانی

بہہ جائے نہ گری سے مری خانہ مردم!
رکھتا ہے عداوت سے بدل خاک سے پانی

ہر صبح سے ہو شرم زدہ خانہ خورشید
بھرتا ہے ترے روئے عرقناک سے پانی

ناصح کسی صورت سے نظر ہی نہیں آتی
فرصت ہمیں عشق بت بیباک سے پانی

طوفاں سے مرے اشک کے یہ کیا ہے تعجب
گر جائے گزر گنبد افلاک سے پانی!

جتاب دم تیغ کے دینے میں کرے ضد
کیا مانگئے اس شوخ غضبناک سے پانی

مے دانہ انگور سے ٹپکی نہیں جاری
ہے آبلہ ہائے دل صد چاک سے پانی

کیوں مردم دیدہ سے کریں اشک نہ کاوش
بل کرتا ہے گرداب میں تیراک سے پانی

وہ شیر نیستاں شجاعت ہے ظفر تو
زہرہ ہوا رستم کا تری دھاک سے پانی

عرق سے دو نہ خط مشک ناب کو پانی
سیاہی دے ہے حروف کتاب کو پانی

وفور اشک سے کب چشم تر کو میرے ہو
نہ بھر سکا کبھی جام حباب کو پانی

سوائے جوہر اصلی نہ ہو جو ظاہر میں!
سمجھ کے پیچے ہے پیاسا شراب کو پانی

جو تیرے گوہر دنداں میں آبداری ہے!
نہیں ہے آب وہ در خوشاب کو پانی

ہمارے گریہ سے ہو کیوں نہ حسن یار فزوں!
بڑھاتا یعنی ہے نخل گلاب کو پانی!

تو ہے وہ کافر بے رحم آب تیغ سے بھی!
دیا نہ عاشق پر اضطراب کو پانی

جو نکلے خط وہاں لازم ہے آب بھر لانا!
یہ چشم میں دل خانہ خراب کو پانی

کر دن خسوف کے بتلائے دے ہے ساغر مے
شتاب نقص رخ آفتاب کو پانی

ہمارے ابر مژہ نے بزور سیل سرشک
کیا ظفر یہاں پل میں سحاب کو پانی

اے غنچہ دہن میرے تو سرو گلستاں ہے / دل کیوں نہ شگفتہ ہو تو بھی گل خنداں ہے
دل سوز ہے اک عالم روشن ہے سبھی تجھ پر / پرواز میں نہ ہوں تو شمع شبستاں ہے
ٹھہرے بن مژگاں میں یہ لخت جگر اپنے! / چکھٹ میں یہ اے مردم کیا سیر چراغاں ہے
کیا پان کی سرخی ہے لب پر ترے اے کافر / دیکھے سے تجل جس کو ہر لعل بدخشاں ہے
اس آبلہ پائی کی دولت سے مرے یارو / سربستہ جہاں دیکھو ہر خار مغیلاں ہے
کیا اس کے چمکتے ہیں دنداں مسی آلودہ! / یہ خانہ نیلم میں الماس نمایاں ہے
جانا مرے پہلو سے ہر دم نہ ذرا کھنچ! / تو ہی مرا جاناں ہے اور تو ہی مری جاں ہے
دیکھ ابر کے پردے میں پنہاں ہے نہیں بجلی / یہ گرم شرارت میں آہ دل سوزاں ہے!

وہ غنچہ دہن اپنا ایسا ہے بحد خوبی!
الفت میں ظفر جس کی دل چاک گریباں ہے

مرے خورشید رو نے وضع یہ اپنی نکالی ہے / کہ جو دیکھے ہے سو کہتا ہے یہ اسم جلالی ہے
تماشا مجھ کو دکھلانے کو مہر و شکل بازی گر / سحر تخت الثری سے پھینکتا خورشید تھالی ہے
تفکر میں ہوں میں کب سے ترے مضمون قامت کے / الف ہے سرو ہے یا مصرع دیوان عالی ہے
نہ سمجھو ان کو مژگاں دیدہ تر پر مرے ہر دم / اٹھی دریا کی جانب کو گھٹا کچھ آج کالی ہے
برنگ غنچہ باغ دہر میں کیا فکر زر کیجیے! / بندھی مٹھی ہے اپنی اور جانا ہاتھ خالی ہے
مجھے کیوں دیکھ کر تم ہر گھڑی اب لب ہلاتے ہو / کہو منہ سے اے پیارے اگر دینی جو گالی ہے
ہمارے ہمیں تجھ بن آہ تیغ پر نکالی ہے / نہیں کم ساقیا موج شراب پرتگالی ہے
کرے پابوسی جاناں سدا تو اور ہم ترسیں / نہایت رشک ہم کو تجھ پہ اے تصویر قالی ہے

ظفر کس طرح کوئے یار میں جاؤں کہ پاؤں میں
مرے ہر ایک موج اشک نے زنجیر ڈالی ہے

بدلے ہے رنگ ہر دم کیا کیا حباب ساقی! / بھر دے شتاب، مجھ کو جام شراب ساقی!
یاں چشم کا یہ ساغر چھلکے نہ کیونکر خوں سے! / شیشہ میں واں جو بھرے تو جس دم شراب ساقی
وعدہ کیا ہے جب سے آنے کا تو نے مجھ سے / ہے اضطرار لاحق اور اضطراب ساقی
مستی مری تمہاری اس چشم مست سے ہے / بدمست کا نہ دیجئے مجھ کو خطاب ساقی
اک دست میکدہ کو کس نے ترے بگاڑا / شیشے شکستہ دل ہیں اور خم خراب ساقی
یک لخت یاد تیری یاں بھولتی نہیں ہے / جلد آ کے مجھ کو تجھ بن ہے پیچ و تاب ساقی
لے لے کے ہچکیاں دل روتا ہے شکل مینا / دے جام مے کے ان کو جام شراب ساقی!
جس کی ن ظر میں گردش جام شراب کی ہے / دوراں کے کھل جانے وہ انقلاب ساقی!
مت چھیڑ کر سنا تو قانون و بین مجھ کو! / لگتا ہے تار بارش تار رباب ساقی!

مے کے نشے میں لکھو اور اک غزل ظفر آب
ہر شعر جس کا سمجھے باآب و تاب ساقی

لب شیریں جو ترے خواب میں دلبر چاٹے
یاد کر ذائقہ ہونٹ سے اپنے مکرر چاٹے!

زندگی سے ہو وہ کیوں سیر کہ جس کا یارو
ہر لب زخم وہ آب دم خنجر کا چاٹے

ہوں دل اس کو نہ ہرگز ہو کبھو اے پیارے
جان کر لقمہ جو در کے ترے پتھر چاٹے

افعی زلف نے کاٹا ہو تیرے جس کو صنم
زہر مہرہ بخدا کیوں نہ وہ گھس کر چاٹے

اے ظفر بزم سخندان میں ترے سن اشعار
اپنے لب کیوں کر نہ ہر ایک سخنور چاٹے

تنور سینہ میں باہم دل بیتاب و آتش ہے
تعجب ہے کہ یک جا پارہ سیماب و آتش ہے

رخ گلنار پر تیرے کہاں ہے زلف خم گشتہ
بہم اے بحر خوبی حلقہ گرداب و آتش ہے

دل بیمار اس لب پر نہیں ہے پان کی سرخی
سمجھ کر لیجیو بوسہ سر عناب و آتش ہے

نمایاں برگ گل پر قطرہ شبنم نہیں یارو!
یہ اعجاز بہار گل سے یکجا آب و آتش ہے

نہیں جام بلوریں میں شراب لعل اے ساقی
شب ہجراں ہے تجھ بن ساغر مہتاب و آتش ہے

بن مژگاں ہے کب اے مرد ماں لخت دل سوزاں
رواں آنکھوں سے میرے قطرہ خوناب و آتش ہے

بچھائی اس کی خاطر شب کو ہے کیا سیج پھولوں کی
ظفر بن یار کے یاں بستر کمخواب و آتش ہے

پہلو سے اگر اٹھ کر وہ رشک چمن جاوے
دل سرو چراغاں سی ہر داغ سے بن جاوے

کرتی ہے جو ہر اک پل ناوک فگنی مژگاں!
غربال صفت سینہ یاں کیونکہ نہ چھن جاوے

واقف نہیں تم میری آہ شرر افشاں سے!
کھینچوں تو ابھی سارا جل چرخ کہن جاوے

اس چشم مغنی کی کس منہ سے صفت کیجے
کرنے کو نہ ہم چشمی آہوئے ختن جاوے

تو شب کو جو محفل میں یوں انجمن آرا ہو!
کیونکر نہ تری بلبل یہ شمع لگن جاوے

یہ چاہ وہ ہے جس میں یوسف سے کئی ڈوبے
دل کیونکر بھلا اپنا پھر گرو ذقن جاوے

میدان سخن میں وہ گر تجھ سے ظفر بگڑے
بھول اپنا فصیحی بھی یاں طرز سخن جاوے

سچ کہو آئے کہاں سے ہو صنم بھولے ہوئے
آپ کے پڑتے زمیں پر ہیں قدم بھولے ہوئے

ہم وہاں پہنچے کبھی کے منزل مقصود پر
بس اکیلے رہ گئے ہیں راہ ہم بھولے ہوئے

یہ تن گل خوردہ جس جس کے پڑا میرا نظر
حشر تک سوویں گے وہ باغ ارم بھولے ہوئے

جس نے دیکھی ساقیا وہ گردش چشم بتاں!
ہیں برب کعبہ وہ بھی جام جم بھولے ہوئے

کہہ گئے تھے تم جو ہم کو آؤں گا میں وقت شب
آئے کیا جانے کہاں سے صبح دم بھولے ہوئے

وعدہ کر کے رات کا اوے سحر جو اپنے گھر
ایسے ہی شخصوں کو کہتے رہیں گے ہم بھولے ہوئے

جن سے اپنا تھا خط و پیغام جاری اے ظفر
اس قدر ہیں وہ تو ہم کو یک قلم بھولے ہوئے

ردیف یاء تحتانی

پر اشک مژہ یاں ہے آہ دل سوزاں ہے
وہ سرو چراغاں ہے وہ شمع شبستاں ہے

خال اس کے نہیں رخ پر ہے جلوہ کناں دیکھو
وہ انجم افلاکی اور وہ مہ تاباں ہے

تیری نگہ و مژگاں کیونکر نہ ہوں اب قاتل
وہ ناوک پراں ہے وہ خنجر براں ہے

کب خال زنخداں میں اب اس کے جھلکتا ہے
یہ یوسف مصری ہے اور وہ مہ کنعاں ہے

لخت دل و اشک اپنے آنکھوں سے رواں کب ہیں
وہ لعل بدخشاں ہے وہ گوہر غلطاں ہے

کیا کہیے دلا کیا ہے اس کا دہن و قامت
وہ غنچۂ شگفتہ ہے وہ سرو گلستاں ہے

زلف و رخ جاناں کا مت پوچھ ظفر مجھ سے
وہ ابر بہاراں ہے وہ برق درخشاں ہے

خال رخ پر زلف کب واں سر بسر خمیدہ ہے
شاخ سنبل نیلوفر پر یہ مگر خمیدہ ہے

دھیں ملتا ہے اس کا میری آہ سرد سے
باد سے وہ غنچۂ ہنگام سحر خمیدہ ہے

عیسیٰ گردوں نشیں مانگے نہ کیونکر الاماں
میرے نالوں سے فلک دو دوپہر خمیدہ ہے

اشک کے قطرہ سے مژگاں اس طرح کھاتی ہے جھوک
جس طرح شاخ ثمر دار شجر خمیدہ ہے

ہو گیا آخر ہی رشتہ عمر کا دیکھ اے پتنگ
شمع کے شعلہ کا شب میں دل پہ سر خمیدہ ہے

گر پڑے گا موج دریا دیکھنا جام حباب
ہاتھ رعشہ سے ترا شام و سحر خمیدہ ہے

توشہ ملک سخن وہ ہے کہ جس کی حرص میں
دل ہر اک اہل سخن کا اے ظفر خمیدہ ہے

چھینک دے باد صبا باغ سے چن کر کانٹے
رگ گل میں نہ لگائیں کہیں نشتر کانٹے

کس گل اندام کے مژگاں کا ہے اس دل میں خیال
تشنگی سے جو پڑے میری زباں پر کانٹے

فیض سے آبلہ پائی کے مرے جوش جنوں!
ہاں پروتے ہیں سدا دشت میں گوہر کانٹے

دل صد چاک پہ مژگاں کا نہیں اس کے ہجوم
دامن گل میں یہ الجھے ہیں لپٹ کر کانٹے

ناخن تیز نہ کر اپنی مژہ کو اب تو!
ہائے دل کے یہ بگڑنے کے ہیں دل پر کانٹے

الت دشت نوردی ہے یہاں تک کہ اگے
جائے سبزہ بھی مری خاک پہ یکسر کانٹے

اس روش کہتی ہے تیری سے چمن میں بلبل
تن پہ لگتے ہیں یہ گلبن تو مجھی پر کانٹے

گلشن دہر میں گلچیں خزاں کا ہو برا
جس نے بوئے ہیں مرے حق میں سراسر کانٹے

ساتھ اس یار کے ہوں کیونکہ نہ اغیار مدام
پاس ہوتے ہیں ظفر گل کے مقرر کانٹے

نہ پردہ در پردہ نشیں پکڑ کر بیٹھ
جو بیٹھنا ہے تو اے دل زمیں پکڑ کے بیٹھ

نہ کوہکن سے اٹھی ضرب تیشہ غم عشق
گیا سر اپنا وہ اندوہ گیں پکڑ کر بیٹھ

پکڑ تو راہ رضا حق ہے جو ہے مرضی حق
نہ اتنا فکر میں ناحق جبیں پکڑ کر بیٹھ

پکڑ بٹھائے تھا کتنے خوں گرفتوں کو
وزا وہ جائے جو شمشیر کیں پکڑ کر بیٹھ

جگر سے آہ جگر دوز بھر کے میں اٹھا
گئے جگر کوم رہے ہم نشیں پکڑ کر بیٹھ

ہم اٹھے جھاڑ کے دامن تو اس نے مستی میں
عجب ادا سے کہا آستیں پکڑ کر بیٹھ

جگر میں بیٹھ کر دل میں خدنگ غمزہ ناز
مگر تو ایک ٹھکانا کہیں پکڑ کے بیٹھا

اگر سخن کا ہے دعوی ظفر کے سامنے تو
قلم کو ہاتھ میں اے نکتہ چیں پکڑ کر بیٹھ

ہے دل سوختہ کم پر یہ سراغ آیا ہاتھ
کہ جہاں دل تھا وہاں سینہ میں داغ آیا ہاتھ

دیکھ اے شوخ بہار گل رخسار اپنی
آیا کیا ہاتھ ترے آئینہ باغ آیا ہاتھ

ڈرتے واعظ نہیں ہم گور کی تاریکی سے
عشق کے داغ سے اک ایسا چراغ آیا ہاتھ

دیکھتے بھی نہیں ہم جام جہاں بیں کی طرف
دست ساقی سے جہاں اپنے ایاغ آیا ہاتھ

ہوا اڑ کر یہ سیہ بخت تصدق ان کے
واسطے صدقے کے جب کوئی نہ زاغ آیا ہاتھ

عاقبت گور میں آرام سے پھیلائے پاؤں
یاں نہ ہیہات کوئی کنج فراغ آیا ہاتھ

دیدہ آبلہ سے پوچھے کوئی اشک ظفر
جوش وحشت میں مرے دامن داغ آیا ہاتھ

وہ رنگ ڈھنگ میں کچھ ور بول چال میں کچھ
یہ کیا بات ہے نہیں ٹھہرتی خیال میں کچھ

نہ اس کی مانگ میں اور کہکشاں میں ہو کچھ فرق
نہ ہو تمیز اس آبرو میں اور ہلال میں کچھ

نہیں ہے عشق میں اکحال کچھ نہ پوچھو حال
کبھی فراق میں کچھ ہے کبھی وصال میں کچھ

کسے دماغ سنے کون درد سر کے سوا
نہیں ہے فائدہ واعظ کی قیل و قال میں کچھ

نہیں ہے دل ہی فقط زلف میں اسیر مدام
کہ جان بھی ہے گرفتار اس وبال میں کچھ

نہ دیتے وہ لب شیریں سے ایسے تلخ جواب
اگرچہ زہر اگلتا نہ میں سوال میں کچھ

قفس کے ٹکڑے اڑا دے جو پھڑکے اے صیاد
اگرچہ دم نہیں مرغ شکستہ بال میں کچھ

سوائے نالہ فریاد و گریہ و زاری
ہمیں تو خوش نہیں آتا غم و ملال میں کچھ

جو سرنوشت میں ہے اے ظفر جزا اس کی
نہ استخارے میں معلوم ہو نہ فال میں کچھ

نہیں اے ہمدموں چلتا یہ دم آہستہ آہستہ
رواں ہے کارواں سوئے عدم آہستہ آہستہ

کوئی دنیا سے جاتا ہے اگر آتے ہو جلد آؤ
نہ رکھو ناز سے اپنا قدم آہستہ آہستہ

مزے لیتا ہے صید عشق کیا کیا ذبح ہونے کے
چھری پھیرے ہے جب وہ پر ستم آہستہ آہستہ

شب فرقت میں اس کے مجھ کو مثل شمع سرتاپا
گھلاوے گا یہ میرا سوز غم آہستہ آہستہ

وہ دو دو دن نہیں آتا ہے یا ہر روز آتا تھا
ملاقات اس قدر کی اس نے کم آہستہ آہستہ

نہ کھو خاک کو برباد میری اس کے کوچے سے
ذرا جانا نسیم صبحدم آہستہ آہستہ

ہوا کہنے سے لکھنا متحیر باعث نالہ کے
کر چلتی ہے زباں جلد اور قلم آہستہ آہستہ

جواب ایسا وہ دیتے ہیں کہ کھل جاتا ہے سب مطلب
اگر کچھ کان میں کہتے ہیں ہم آہستہ آہستہ

نہیں رہنے کا باقی دل میں خوں کا ایک بھی قطرہ
بہا دے گی ظفر جب چشم نم آہستہ آہستہ

عین مستی میں جو تو اپنی ذرا دکھلائے آنکھ
شرم سے نرگس کی گلشن میں نہ کیوں جھک جائے آنکھ

اشک خوں آنکھوں میں اپنی کیوں نہ وہ بھر کر پئے
ساغرے دیکھ کر جس کو تری یاد آئے آنکھ

تو بتا اے بخت برگشتہ کہ میری کیا خطا
پھیر لی یکبارگی اس نے جو مجھ سے ہائے آنکھ

میرے ہمسائے مرے نالوں سے نالاں ہیں سدا
کیا مجال اک پل کسی کی شب جھپکنے پائے آنکھ

جس کا دیدہ صاف حیراں کو نہیں ہرگز حجاب
آئنے کے روبرو کس کی بھلا شرمائے آنکھ

جو مجھے کہتے ہیں تو اس کا تماشائی نہ ہو
کیا تماشہ ہو اگر ان کی کہیں لگ جائے آنکھ

وہ در دنداں رہیں پیش نظر جب اے ظفر
کیا عجب اشکوں کی جا موتی اگر برسائے آنکھ

جب تلک دم ہے رہیں گے یونہی غم ساتھ ساتھ
دیکھنا جائیں گے غم اور یہ دم ساتھ ساتھ

دل لیا تم نے تو پھر جان کو کیوں چھوڑتے ہو
دونوں لے جاؤ تمہیں میری قسم ساتھ ساتھ

اشک مژگاں پہ نہیں دوڑتے ہے خون جگر
دونوں اٹھتے ہیں یہ اے دیدہ نم ساتھ کے ساتھ

روش سایہ ہے ربط ان سے ہمارا اس طرح
کہ الگ کے ہیں الگ اور ہیں ہم ساتھ کے ساتھ

لکھ کے حال اپنا لکھوں ان کے گلے بھی قاصد
خط میں ہو جاویں گے اس وقت رقم ساتھ کے ساتھ

آمد و شد سے نفس کی ہمیں معلوم ہوا
یعنی موجود ہیں ہستی و عدم ساتھ کے ساتھ

نہ رہے کافر و مومن کے کدورت دل میں
صاف یکبار ہوں گر دیر و حرم ساتھ کے ساتھ

کوچہ یار سے جاتا ہے نہ دل اور نہ ہم
جا کے پھر آتے ہیں دو چار قدم ساتھ کے ساتھ

تختہ مشق ہے دل دیکھ پئے کلک خیال
ہیں ظفر دونوں یہیں لوح و قلم ساتھ کے ساتھ

جائے اے قاصد اگر تو واں قدم برداشتہ
ایک خط کیا لکھیں ہم سو خط قلم برداشتہ

آفریں ہمت کو انساں کی یہ پتلا خاک کا
عشق میں پھرتا ہے سر پر بار غم برداشتہ

جب رواں ہووے ہے آنکھ سے ہماری فوج اشک
نالہ دل آگے چلتا ہے علم برداشتہ

ہاتھ میں رکھتے ہیں جو زر پنجہ خورشید وار
رہتے ہیں دنیا سے وہ دست کرم برداشتہ

کفر اور اسلام سے کیا کام عاشق کو ترے
ہے یہ دیوانہ دل از دیر و حرم برداشتہ

اے ستم گر قتل کا کس کے ارادہ ہے کہ آج
ہے جو یوں غمزہ ترا تیغ ستم برداشتہ

ہووے خورشید قیامت سے بھی وہ ہرگز نہ خشک
ہو اگر دامن ترے سائے سے نم برداشتہ

منزل ہستی میں رہنا چاہیے ہر دم تجھے
اے مسافر توشہ راہ عدم برداشتہ

پاؤں پر اس سرو قد کے گر پڑیں گے سایہ دار
اے ظفر جتنے ہیں سر نخل قدم برداشتہ

دیکھے گر وہ ہو کیا پتا محو حیرت آئنہ
آئنہ میں دیکھے کیا اپنی صورت آئنہ

دیکھتا ہوں روبرو اس رخ کی آب و تاب کے
داغ بر دل راہ و غرق آب خجلت آئنہ

ہے اگر شوق جمال اس کا تو اس کو صاف کر
یہ جو ہے دل کا پر از زنگ کدورت آئنہ

حال کچھ ایسا ہے کہہ سکتا نہیں میں اے طبیب
جان کر سکتہ عبث مجھ کو دکھا مت آئنہ

جو کہ خوب وزشت سے یکساں ملے ہے سینہ صاف
ہے وہ شخص پاک جو ہر صاف طینت آئنہ

کور باطن خاک سمجھیں عزت اہل صفا
رو برو اندھوں کے ہے بے قدر و قیمت آئنہ

حسن پر اپنے ہے کیا کیا خود پسندوں کو غرور
یار الٰہی ہو کہیں دنیا سے غارت آئنہ

خانہ آبی میں گر دیکھا نہ ہووے آفتاب
دیکھو تم دیکھے ہے وہ خورشید طلعت آئنہ

دیکھ اس کے مصحف رخسار کی دولت ظفر
ہر سحر کرتا ہے قرآں کی تلاوت آئنہ

لائے کس وجہ تری تاب نظر آئینہ
رکھے فولاد کا جب تک نہ جگر آئینہ

تاب رخسا سے اس پردہ نشیں کے جاتا
ہے رکھا کوئی پس روزن در آئینہ

خاک میں اہل صفا کو ہے ملاتا گردوں!
کیا عجب ہے کہ رہے خاک بسر آئینہ!

موج جوہر سے جو ہے یار ہے پر جگر سیدا
تیری صورت کا ہے دیوانہ مگر آئینہ

رات دن کہنے لگے محو خود آرائی تم
دیکھنا ہاتھ میں ہوں آٹھ پہر آئینہ

سینہ صافوں کا وطن میں ہے زمانہ دشمن
کرتے ہیں اہل حلب شہر بدر آئینہ

میں بھی حیرت زدہ ہوں میری بھی دیکھو صورت
دیکھو گر دیکھو ہے تم ماہ صفر آئینہ

پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو اہل صفا
غرق ہے آب میں لیکن نہیں تر آئینہ

صورت یار کو ہو دیکھنے کی کیا صورت
صاف جب تک کہ نہ ہووے گا ظفر آئینہ

دشت میں جو اٹھا غبار ہے وہ
کوئی مجنوں خاکسار ہے وہ

کون کہتا ہے دوست دار ہے وہ
دشمن جان بے قرار ہے وہ

سبزہ جل جائے ہے جہاں اکثر
کشتۂ دل کا ترے مزار ہے وہ

کیوں نہ دوں جاں اس آفت جاں پر
جاننا مجھ کو جاں نثار ہے وہ!

ایک تیر نگاہ سے اپنے
دل کو کرتا مرے شکار ہے وہ

دل جو بے تاب ہے نہیں معلوم
کوئی شعلہ ہے یا شرار ہے وہ

جاں بلب ہے مریض غم جلد آ
کر رہا تیرا انتظار ہے وہ

دل ہے مژگاں تری دلاتا یاد!
بول رہا میرے حق میں خار ہے وہ

عشق کا راز اب چھپاؤں کیا
ہو چکا سب پہ آشکار ہے وہ

ہے جو ابرو تری عرق آلود
صاف شمشیر آبدار ہے وہ!

اے ظفر جو ہے مست بادۂ عشق!
کب ہے بے ہوش، ہوشیار ہے وہ

یہ جب تلک نفس رشتہ ہے ہزار کے ساتھ
ہزار دانہ سبحہ ہیں ایک تار کے ساتھ

نکل کے روح رواں ہے ہوا کے گھوڑے پر
پیادہ جائے کوئی کس طرح سوار کے ساتھ

ہوا جدا نہ کبھی غم تری جدائی کا
رہا ہمیشہ مری جان بے قرار کے ساتھ

ملادیا خاک میں مانند نقش پا تم نے
سلوک خوب کیا اپنے خاکسار کے ساتھ

کہاں ہو بے خلش نیش عشق دل میں داغ
کہ گل جو باغ میں پیدا ہوا تو خار کے ساتھ

لگا نہ دامن دلدار سے کبھی افسوس
صبا نے لاگ یہ باندھی مرے غبار کے ساتھ

برنگ گلشن تصویر باغباں ہم کو
خزاں کے ساتھ نہ مطلب نہ ہے بہار کے ساتھ

کھلی رہیں گی پس از مرگ بھی مری آنکھیں
کہ ایک عمر سے خوگر ہوں انتظار کے ساتھ

ظفر بلا سے مری، دل اگر بلا میں پھنسے!
الجھتا کیوں ہے یہ دیوانہ زلف یار کے ساتھ

وا ہے یوں باعث حیرت تری دلگیر کی آنکھ
جس طرح سے کہ جھپکتی نہیں تصویر کی آنکھ

ہے مگر محو تماشا ترے دیوانے کی
بند ہوتی جو نہیں حلقہ زنجیر کی آنکھ

دیکھے ہے خال رخ یار کو یوں طائر دل
دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہوا گیر کی آنکھ

شوق نظارہ میں اس ماہ لقا کے ہر شب
جو ستارہ ہے وہ ہے اس فلک پیر کی آنکھ

دم بدم دیکھے ہے حسرت سے ترے بسمل کو
حلقہ جوہر کا نہیں ہے تری شمشیر کی آنکھ

دیکھتا کیا ہے لگا تیر کہاں صید افگن
تری آنکھوں کو تکے ہے ترے نخچیر کی آنکھ

جس کا ہے سرمہ ظرف خاک در فخر الدیں
چشم بددور وہ ہے اور ہی تاثیر کی آنکھ

جاؤں لینے کو جو دلبر صنم کا بوسہ
شوق ہر گام پہ لے میرے قدم کا بوسہ

کس حلاوت سے لب زخم جگر اے قاتل
دم بدم لے ہے تری تیغ ستم کا بوسہ

اوربھی آئے ہے رونا جو بہ عین الطاف
آستیں لے ہے مرے دیدہ نم کا بوسہ

چاہت جی سے بھی اپنا کر لیجئے ساقی
سر ہرجام ترے دمگرم کا بوسہ

قرح گلگوں پہ نہیں یار کے یہ خال سیہ
لے ہے بھنورا گل گلزار ارم کا بوسہ

شربت خضر سے ہے حق میں مرے شیریں تر
ہے لب ساغر زہرا بہ غم کا بوسہ

نام احمدؐ کو جو لکھے تو عجب کیا ہے ظفر
لے قلم لوح کا اور لوح قلم کا بوسہ

کہاں نگہ پہ ہو سرمے کا رنگ پیوستہ
یہ تیغ وہ نہیں جسمیں ہو زنگ پیوستہ

اگرچہ صورت سوہاں ہے سر وائے قمری
گلے میں تیرے ہے پر طوق تنگ پیوستہ

نہیں وہ آئینہ میں کان کے گہر کا عکس
ہوا ہے بحر کی تہ میں نہنگ پیوستہ

سراپا ہجر میں دیوار سے جو ٹکراؤں
جدا جدا ہوں وہیں خشت و سنگ پیوستہ

بہم ہوں سامنے دو ماہ تو تماشا ہو
بھویں دکھا دے جو وہ شوخ و شنگ پیوستہ

تو اب تو ہاتھ اٹھا قتل سے کر قبضہ تیغ!
ہوا ہے ہاتھ میں اے خانہ جنگ پیوستہ

بدن سے مرد دلاور کے حلقہ ہائے زرہ
رہیں ہیں صورت داغ پلنگ پیوستہ

وہ کب نکلتا ہے جب تک نہ دم مرا نکلے
جگر میں ایسا ہے تیرا خدنگ پیوستہ

ظفر سمجھ نہ اسے زلف روئے جاناں پر
یہ ہے فرنگ سے سرحد زنگ پیوستہ

شدت گریہ سے ہے دیدہ تر پہ صدمہ
آہ سے دل پہ ہے نالے سے جگر پہ صدمہ

گرم نظارہ کوئی کیا ترا مہر لقا
تا خورشید سے پہنچے ہے نظر پہ صدمہ

برق لمعہ مری شمشیر ہے وہ آتش دم
پہنچے ہے جس سے فلک کے بھی سر پہ صدمہ

بھوں جو ملتی ہے تری آئے ہے ظالم بھونچال
کہیں پہنچے دل عاشق کے نہ گھر پہ صدمہ

رنج فرقت سے جو کچھ گزری ہے مجھ پہ مت پوچھ
مر ہی جائے جو یہ ہو اور بشر پہ صدمہ

مثل زنجیر درائے یار پٹکتے سر ہیں
ہم اٹھاتے ہیں یہ آ کر ترے در پہ صدمہ

کوہکن ہی کے وہ دل سے کوئی پوچھے اے عشق
ضرب تیشہ سے ہوا اس کے جو سر پہ صدمہ

پہنے کیا ہار وہ پھولوں کا نزاکت کے سبب
سایہ زلف سے جب پہنچے کمر پہ صدمہ

کیا کہیں ہم سے بیاں وہ بھی نہیں ہو سکتا
ہے جدائی میں کسی کے جو ظفر پہ صدمہ

نہیں گلے کو مرے خنجلہ رستم سے گلہ
اٹک رہا ہے یہ دم کیوں مجھے ہے دم سے گلہ

ہزار رنج و الم ہوں تری محبت میں
نہ تجکو رنج سے شکوہ ہے نہ الم سے گلہ

ملاتی خاک میں سہاس نے آبرو میری
مجھے ہو کیونکر نہ یہ اپنی چشم نم سے گلہ

کیا ہے میں نے یہ وحشت میں دشت کو پامال
کہ خار خار کو ہے اب مرے قدم سے گلہ

ہزار غنچے کھلائے کیا شگفتہ نہ دل
چمن میں ہم کو ہے یہ باد صبحدم سے گلہ

ہے ستم پہ ستم روز لیک شکر خدا
کیا نہ ہم نے کبھی اس کا اس ستم سے گلہ

برنگ شمع جلے سر سے پاؤں تک لیکن!
زباں پہ لائے نہ ہم اپنے سوز غم سے گلہ

دل اس کو ہم نے دیا دل نے دی ہمیں تکلیف
جو ہم کو دل سے گلہ ہے تو دل کو ہم سے گلہ

ظفر نوشتہ تقدیر پہ جو راضی ہیں!
نہ ان کو لوح سے شکوہ نہ ہے قلم سے گلہ

ہے حنا کا رنگ بھی دست بت پر فن پہ بوجھ
کر کے میرا خوں نہ لے وہ نازنیں گردن پہ بوجھ

بار دنیا ساتھ ہے منعم کے بعد از مرگ بھی
باعث تعویذ سنگیں ہے سدا مدفن پہ بوجھ

وہ گراں بار الم ہوں میں کہ میری خاک بھی
گرچہ دامن پر پڑے معلوم ہو دامن پہ بوجھ

دشت وحشت سے رہا باقی جو تار پیرہن
ناتوانی سے ترے مجنوں کے ہے وہ تن پہ بوجھ

بارکش دنیا کے ہوں نا اہل نے اہل تمیز
لادتے ہیں کب گدھوں کی طرح سے توسن پہ بوجھ

اس نے کیا سر پر رکھا پرجی دھڑکتا ہے مرا
تازگی سے ہو نہ وہ پھر اس غیرت گلشن پہ بوجھ

لاکھ سرکش ہو وہا ہی وہ رہے گا اے ظفر
بار احساں سے اگر رکھے میر دشمن پہ بوجھ

نہ پوچھ جو تری خوبی میں مہ جبیں ہیں ہاتھ
قسم ہے کچھ ید بیضا سے کم نہیں ہیں ہاتھ

کٹے ہیں ٹکڑے جو عاشق کے تو نے اے قاتل
تو سر کہیں ہے کہیں پاؤں ہیں کہیں ہیں ہاتھ

ملا نہ خاک میں اشکوں کو دیکھ دیدہ ترا
یہی ہے عشق کی دولت در ثمیں ہیں ہاتھ

چھری گلے پہ نہ تو پھیر سخت جانوں کے
کہ نرم نرم ترے شوخ مہ جبیں ہیں ہاتھ

جو پاؤں جلد اٹھا کے پہنچ سکے تو پہنچ
اٹھائے جینے سے ورنہ ترے نہیں ہیں ہاتھ

قلم سے کھینچ کے تصویر تیرے ہاتھوں کی
قلم سے کھینچے صورت گران چین ہیں ہاتھ

کٹے ہے دیکھ کے محفل میں شمع فانوسی
وہ گورے گورے ترے زیر آستیں ہیں ہاتھ

یہ حال ہے غم فرقت کے ہاتھ سے یہاں
کہ مل رہے ہیں مری بالیں پہ ہم نشیں ہیں ہاتھ

ظفر وہ دولت ایماں سے رہتے ہیں محروم
جو دیتے ہاتھ میں مرشد کے بے یقیں ہیں ہاتھ

ہے یوں تو وہ رخ بھی گل شاداب زمانہ لیکن ہے دہن نادر و نایاب زمانہ

دیتی ہے نکلنے یہ کوئی کشتی مفقود ہے ایک بلا گردش گرداب زمانہ

کچھ دور نہیں پر وہ دری سے تری اے چرخ صد پارہ ہو گر چادر مہتاب زمانہ

پچتا ہے پلِ مرگ کے کب پیچ سے کوئی گو رستم دوراں ہو کہ سہراب زمانہ

پہلو میں مرے وہ دل بیتاب ہے جس سے ہمسیر نہ ہو صدمعدن سیماب زمانہ!

کیا سبز کرے کوئی کہ جوں سبزہ شمشیر ہے تشنہ خوں سبزہ سیراب زمانہ!

ہو کیونکر کسی سے ظفر امید محبت!
ہم جانتے ہیں جیسے ہیں احباب زمانہ

خال کے دانے سے دیکھ اس سیب غبغب میں گرہ جتن سیب خلد ہوں دے تخم سے سب میں گرہ

زلف کے حلقے میں وہ تابندہ اختر دیکھنا قرص مہ سے کیا لگی ہے دامن شب میں گرہ

دل کی واشد سے کھلتا ہے کہ شاید دل کی جا غنچہ سان پیدا ہوئی انساں کے قالب میں گرہ

دل گرفتوں کے بگولا خاک کا اے شہسوار ڈال کر لنگر لگائے پائے کو کب میں گرہ

عکس چشم مست ساقی سے ہے کیا نسبت اسے ہے حباب مے تو اک جام لبالب میں گرہ

ڈونج بالے کی تمہارے ہی ہلانے سے ہے کیا کھل گئی ہے زہر کی کیا نیش عقرب میں گرہ

موج دود آہ سے میری فلک پر کیا عجب ہو پیہ جوں مرد مک گر چشم کوکب میں گرہ

سینکڑوں قصے کہوں میں روبرو اس کے ولے پڑتی ہے میری زباں پر حرف مطلب میں گرہ

رکھتے ہیں رشتہ محبت کا ظفر جو دل میں صاف
دانہ تسبیح بھی ہے ان کے مذہب میں گرہ

جعد مشکیں کو تو اے رشک قمر کھینچ کے باندھ دل کی مشکیں مری باندھی ہیں اگر کھینچ کے باندھ

رکھتا ہے راہ محبت میں قدم گر اے دل تو کمر بند سے ہمت کی کمر کھینچ کے باندھ

ہالہ گرد ماہ کے گرد آئیں گے کھینچ انجم چرخ دے گا بالی میں وہ مہوش جو گرہ کھینچ کے باندھ

چارہ گر خون نہیں تھمنے کا ہوں زخمی عشق لاکھ پٹی تو سر زخم جگر کھینچ کے باندھ

گر ہو منظور پھرے ساتھ گرفتار کھنچا گردن دل میں ذرا تار نظر کھینچ کے باندھ

جب پھڑک بھی نہ سکے طاقت پرواز کہاں دیے صیاد نے اس صید کے پر کھینچ کے باندھ

کیوں نہ تو سر بفلک کھینچے کہ فخر الدیں نے
دی ہے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ

جہاں میں ہو ماتم کیونکہ پیدا اگر نہ ہوا سور پہ صدمہ
نمود کب ہوں حروف سکہ نہ پہنچے جب تک کہ زر پہ صدمہ

علاوہ کے سے تیرے جوڑے کے دل پہ صدمہ جگر پہ صدمہ
کہ پہنچا آہ دل و جگر سے فلک پہ صدمہ قمر پہ صدمہ

لا سے گر خط کو ٹکڑے کر کر ملے کف پا سے وہ ستم گر
خطر ہے مجھ کو کہ اس خطا پر نہ پہنچے کچھ نامہ بر پہ صدمہ

جنوں کی گرمی سے اپنے خوں کی چلش کیوں کیا کوئی بلا ہے
کہ رگ دم فصد اپنی تڑپی پہنچ گیا نیشتر پہ صدمہ

جو تو ہے باریک بیں زیادہ چڑھا لے دو لے کے جام بادہ
بغیر عینک نہ کر ارادہ وگرنہ ہوگا نظر پہ صدمہ

جو کوئی صدمہ کو عاشق کے جہاں میں پوچھے تو کوہ کن سے
کہ ضرب تیشہ سے آہ اس نے اٹھا لیا اپنے سر پہ صدمہ

نہ پہنو پھولوں کی دیکھو بدھی کہ ہے نزاکت سے ڈرو یا جی
کہیں گرانی سے ان گلوں کی پہنچ نہ جائے کمر پہ صدمہ

اکیلا تم چھوڑ کر ظفر کو سدھارے جس وقت اپنے گھر کو
تو اس نے ٹکرایا اپنے سر کو کہ پہنچا دیوار و در پہ صدمہ

لوگ تو روز سناتے ہیں خبر کچھ کی کچھا
پر ہمیں اور ہی آتی ہے نظر کچھ کی کچھ

سرد مہری سے تری سرد ہے دل اس پہ بھی
ہے مری گرمی بازار جگر کچھ کی کچھ

چھپ سکے عاشق و معشوق سے کیا راز بہم
کچھ سے کچھ حال ادھر شکل ادھر کچھ کی کچھ

ہو گئی شکل تیرے صید کی اے عید فگن
لگتے ہی ایک ترا تیر نظر کچھ کی کچھا

پڑتے ہی آئینہ چرخ میں عکس رخ یار
ہو گئی روشنی شمس و قمر کچھ کی کچھ

آگے ہوتا تھا کبھی حال دگر گوں دل کا
حالت اب رہنے لگی آٹھ پہر کچھ کی کچھ

رات بھر گر ترے بیمار کی یہ شکل رہی
دیکھنا صورت امید سحر کچھ کی کچھ

کچھ کہیں بھی ہم اگر دل سے حقیقت اپنی
فی الحقیقت نہ کہی جائے مگر کچھ کی کچھ

ان سے کہنا ہو جو کچھ تم کو سمجھ کر کہنا
کر بنا لیتے ہیں وہ بات ظفر کچھ کی کچھ

نہ دکھلا مجھ کو مانی کھینچ کر اوراق میں غنچہ
نہیں خوب اس دہن سے دیدہ مشتاق میں غنچہ

ہنسا جو دیکھ کر وہ غنچہ لب مجھ کو محبت سے
ہوا گویا شگفتہ گلشن اشفاق میں غنچہ

نزاکت سر گراں وہ بھی ہو وقت رقص گر باندھے
بجائے زنگلہ تو اپنی سیمیں ساق میں غنچہ

گرفتہ دل مرا اس چشم و ابرو میں ہے کیا باعث
گلابی کی جگہ سے میکدہ کے طاق میں غنچہ

کیوں کیا تیرا رنگ فندق پا اے گل خوبی
نہیں خوش رنگ ایسا گلشن آفاق میں غنچہ

ترا پیکان تیر اے ناوک افگن غرق ہے خوں میں
یہ لایا رنگ کیا باغ دل عشاق میں غنچہ

نہیں کھلتا ظفر عقدہ ہمیں اس کی خموشی کا
خدا جانے کہ اتنا کیوں ہے استغراق میں غنچہ

ساقی ترے اس دست قدح گیر کا سایہ
ہے بادہ مرے سر پہ ہے شمشیر کا سایہ

نے جن کا ہے آسیب نہ پریوں کا جھپیٹا
ہے دل کو مرے زلف گرہ گیر کا سایہ

مجنوں کو ترے ضعف سے کیا حاجت زنجیر
پاؤں پہ گراں جس کے ہو زنجیر کا سایہ

کھاتا جو نہیں باد صبا غنچۂ تصویر
اس پر بھی پڑا کیا کسی دل گیر کا سایہ

تو بھی ہے وہ تصویر کہ یوسف ترے آگے
سایہ ہے ترا بلکہ تری تصویر کا سایہ

فردوس ہے کوچہ ترا اے حور شمائل
ہے سایہ طوبیٰ تری تعمیر کا سایہ

وحشی ہے ترا دھوپ میں بھاگا ہوا پھرتا
اس طرح کہ جیوں مرغ ہوا گیر کا سایہ

یوں پیک اجل ہے نگہ یار کے ہمراہ
جوں تیر کے ہو ساتھ رواں تیر کا سایہ

میں ڈھونڈھوں ظفر اور کا کیوں ظل حمایت
کافی ہے مجھے حیدرؓ و شبیرؓ کا سایہ

دل کو ہم دیکھ چکے بیچ کے دو چار کے ہاتھ
اب اسے بیچیں گے اک اور خریدار کے ہاتھ

روتا ہوں کوٹ کے میں سینے کو یاد آتا ہے
ہنستا اس یار کا زانو پہ ترے مار کے ہاتھ

ابر چاہے ہے کہ ہم چشم ہمارا ہووے
آبرو اپنی ہے اب دیدہ خونبار کے ہاتھ

ہاتھ پائی کے لئے خوب مری بن آئی!
اے حنا باندھ دیئے تو نے جو اس یار کے ہات

میں نے چوری سے جو شب زلف کو چھیڑا تو کہا
کاٹنے چاہئیں اس دزد سیہ کار کے ہات

بسمل تیغ محبت نے اجل سے یہ کہا
چوم تو لینے دے اس قاتل خونخوار کے ہات

ہو گیا روئے مصفا پہ اسے اور غرور
کیوں دیا آئینہ اس آئینہ رخسار کے ہاتھ

دل جگر سینہ و پہلو مرا کیجئے رنگ چو
صاف کرتے ہیں اگر آپ کو تلوار کے ہاتھ

ہوں گنہگار ظفر پر ہے بھروسا اس پر
کہ شفاعت ہے تیری احمدؐ مختار کے ہاتھ

کہتے ہیں مرد دانا دل الا اللہ الا اللہ
ذکر یہ کرتا ہے ان کا دل الا اللہ الا اللہ

دولت دنیا دل وت دیں ہو گئی حاصل دو ہیں
جس نے کہا باصدق یقیں الا اللہ الا اللہ

ارض و خورشید و قمر حور و ملک اور جن و بشر
پڑھتے ہیں دل سے آٹھ پہر الا اللہ الا اللہ

وہی یہاں ہے وہی وہاں ہے وہی نہاں ہے وہی عیاں
رکھے ہمیشہ ورد زباں الا اللہ الا اللہ

عقد اس سے ہوں وا جملہ امراض کو اس سے شفا
چاہیے کہنا دل سے سدا الا اللہ الا اللہ

جب تک تیرے دم میں ہے دم ہر لحظہ ہر پل ہر دم
دل سے بھرا کر تو یہ دم الا اللہ الا اللہ

ہے یہی اس کے ملنے کی راہ ورد ظفر کر شام و پگاہ
الا اللہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ!

نکل کے آنکھوں سے اشک لے ہے واری جیب آستیں کا بوسہ
تو ہم بھی نور بصر سمجھ کر لیا کریں ہیں جبیں کا بوسہ

لب و دہان و رخ زنخداں تمہارے ہر وجہ سے ہیں بہتر
جو نالنا ہے تو خیر ورنہ شتاب دیجئے کہیں کا بوسہ

خرام تو نے یہاں کیا ہے طریق ناز و ادا سے ظالم
عجب نہیں ہے جو لے فلک بھی جھکا کے سر یاں زمیں کا بوسہ

بسان مار سیہ ہیں زلفیں رخ مصفا پہ اس کے یارو
یہ مثر ہے کس کا گلے لپٹ کے جو لیوے اس نازنیں کا بوسہ

بلاق تیرے کا ہے پہ موتی کہ قائم انار ہے یہ پارا
عجب ہی صورت سے لے رہا ہے ترے لب آتشیں کا بوسہ

وہ اپنی صورت کو آئینے میں کہے ہے کیا دیکھ کر پری رو
کہ ہو رہا ہوں میں محو حیرت سکاں کا لوں یا مکیں کا بوسہ

ظفر یہ کیوں کر کہوں زباں سے کہ اس کے دل تک نہ ہو رسائی
ہماری آہ جگر نے ہر دم لیا ہے عرش بریں کا بوسہ

نہ ڈال عکس تو کرک سے نگاہ درتہ چاہ
کہے ہے خلق کہ ڈوبا ہے ماہ درتہ چاہ

تو چاہ عشق میں دل کیوں پھرے ہے ڈانواں ڈول
کہیں بھی بھولے ہے غواص راہ درتہ چاہ

حباب شرم سے بس وہ ہیں پانی پانی ہو
پڑے اگر ترا عکس کلاہ درتہ چاہ

کہے ہے خلق ترے دیکھ چاہ غبغب کو
اگا ہے نیلوفر اک زور واہ درتہ چاہ

غریق چاہ محبت کی یوں صدا ہے نحیف
جواب دے بھی کوئی جیسے آہ درتہ چاہ

فقط ہوئی نہ زلیخا ہی باولی یوسف
تجھے بھی کھینچ ہی لائی ہے چاہ درتہ چاہ

وہ ہوئے خط ہے زنخداں میں یا ظفر کائی
جمی ہوئی ہے یہ ہم رنگ کاہ درتہ چاہ

روکش کا کرے کس منہ سے ارادہ شیشہ
دل سے نازک نہیں دیکھا تو زیادہ شیشہ

ابر و باراں ہے گلستاں ہے ہوا اور سبزہ
ساقی لبریز کر اب لے کے تو بادہ شیشہ

خاک اس دور میں کیفیت مے نوشی ہو
سرنگوں ہے قدم خم پہ فتادہ شیشہ

شیشہ بازوں کی طرح رکھ کے حباب دریا
سر پہ کیا اپنے پھراتا ہے تو سادہ شیشہ

محتسب پہ ہو ظفر کیوں کر یہ ناوک انداز
موج صہبا نہیں کھینچے ہے کیا وہ شیشہ

رکھتے نہیں ہم صحبت اغیار میں گھس بیٹھ
وہ اور ہیں جو کرتے ہیں دو چار میں گھس بیٹھ

اک آفت جاں صبر و تواں نے کیا مردم
کیا جانئے کس طرح دل زار میں گھس بیٹھ

سب عیش کیا ہم نے بہم دختر رز ہے
اے بادہ کشو خانہ خمار میں گھس بیٹھ

لے تاک کسی وجہ سے اس پردہ نشیں کو
اے مرغ نظر روزن دیوار میں گھس بیٹھ

ہیں نالہ کناں مرغ چمن موسم گل میں
تو دیکھ تو کیا سایہ اشجار میں گھس بیٹھ

صیاد ستم پیشہ خدا سے تو ذرا ڈرا
مت دام لگا تختہ گلزار میں گھس بیٹھ

کاوش دل صد چاک سے اب کرتا ہے شانہ
کانکلے ظفر اس کے ہراک تار میں گھس بیٹھ

یوں نہ جا اس عاشق دل گیر کے پہلو سے اٹھ
ہاں مگر دل کو مرے بس چھیڑ کے پہلو سے اٹھ

گر نہیں اے صید افگن قابل فتراک یہ
کوئی دم تو اپنے مت نخچیر کے پہلو سے اٹھ

جو کوئی ہے سربکف وہ مرنے سے ڈرتا نہیں
کھنچ جاتی ہے کہاں گل گیر کے پہلو سے اٹھ

یارو میں حیراں ہوں اس آئینہ رو کی بزم میں
مت کہو تصویر کو تصویر کے پہلو سے اٹھ

دل کو ہے وابستگی حلقے سے تیری زلف کے
بیٹھے دیوانہ کدھر زنجیر کے پہلوسے اٹھ

ہوک سی اٹھتی ہے رانجھے کے وہیں سینے میں آہ
جب کوئی کہتا ہے چل یہ ہیر کے پہلو سیاٹھ

ایک مدت میں خدا نے دن دکھایا ہے یہ پھر
اے ظفر مت اس بت بے پیر کے پہلو سے اٹھ

پڑا ہمارا جو اس سیم بر کے ہاتھ پہ ہاتھا
رقیب بیٹھ رہے غم میں دھر کے ہاتھ پہ ہاتھ

ہزار جاں سے قربان اس ادا کے ہائے
رکھا جو شوخ نے اک غمزہ کر کے ہاتھ پہ ہاتھ

نہ اعتبار سے قول و قرار کا جس کے
دلا نہ رکھیو پھر ایسے بشر کے ہاتھ پہ ہاتھ

رقیب خاک بسر ہوں گے مثل نقش قدم
رکھوں گا اس کے جو نیچے میں سر کے ہاتھ پہ ہاتھ

کچھ اس کے ہاتھ لگا کچھ ہمارے ہاتھ لگا
رکھا جو بام سے اس نے اتر کے ہاتھ پہ ہاتھ

رقیب تیری تمنا حصول ہوگی آہ
ہزار رکھ لیا اس بے خبر کے ہاتھ پہ ہاتھ

ہزار طور کے لوگوں کو پھر گماں ہوویں
ظفر نے جب کر رکھا نامہ بر کے ہاتھ پہ ہاتھ

دل بیتاب کی کچھ ہمدمو ہو صورت تسکیں!
اگر سینے پہ میرے یار کی تصویر کو رکھ دو

جو ہیں تقدیر کے سائے میں وہ تدبیر والوں کو
یہ کہتے ہیں کہ چھپر پہ تم اس تدبیر کو رکھ دو

نہ سوجھے راہ گمراہوں کو یارو تیرہ بختی سے
سر رہ گر چراغ مہر پہ تنویر کو رکھ دو

بلائے ناگہانی پر اثر سبقت نہیں کرتی
تم آگے حضرت دل اہ بے تاثیر کو رکھ دو

کہے ہے اور وحشت میری دیوانوں سے زنداں میں
چلو یاں سے کنارے توڑ کر زنجیر کو رکھ دو

اگر وہ روئے تو خط دیکھ لو تم واعظو پھر تم
اٹھا کر طاق پر قرآن کی تفسیر کو رکھ دو

عزیزو ورنہ حکم دفن دے وہ اس کے کوچے میں
امانت ہے کوئی دن عاشق دلگیر کو رکھ دو

تمہارے ہاتھ دولت آ گئی ہے خاکساری کی
ظفر تم کیوں نہ لے کر ہاتھ میں اکسیر رکھ دو

ردیف ہائے ہوز

پیدا ترے اشکوں کے ہے قطرات میں سب کچھ
حاصل ہے ہر اک دانے سے برسات میں سب کچھ

دیجے دل و دیں کیوں نہ تجھے اے بت کافر
جلوہ یہ خدائی کا تری گات میں سب کچھ

زلف اس کی دکھا دیجیے اے خضر تصور
کہتے ہیں کہ ہے پردہ ظلمات میں سب کچھ

حاصل ہیں کچھ مزرع دنیا سے کسی کو
ہے کشور دل کے مرے دیہات میں سب کچھ

نقد دل و دیں کیوں نہ کروں پیش کش اب میں
لازم ہے کہ ہو اس کی مدارات میں سب کچھ

انداز و ادا سے نہیں کچھ اور کے مطلب
ہوتا ہے ادا تیرے اشارت میں سب کچھ

قطعہ

بوسہ جو مطلب اس سے کیا میں نے تو بولا
موجود ہے بس اپنی ملاقات میں سب کچھ

سائل سے کبھی آج تلک منہ نہیں موڑا
حاصل ہے ہر اک کو مری خیرات میں سب کچھ

بیتابی و زاری کی شکایت ہے عبث اب
ہوتا ہے ظفر عشق کے حالات میں سب کچھ

کھلا اس پہ مری الفت کے جب آثار کا پردہ
اٹھایا تب بلند اس نے وہاں دیوار کا پردہ

مری چاہت محبت خلق جانے ہے تو دے بوسہ
بھلا تجھ کو رہا ہے اب تلک اغیار کا پردہ

نہ کس صورت سے چھوڑے زلف کو اپنی وہ عارض پر
رکھے ہے منہ پہ بجلی ابر گوہر بار کا پردہ

کبھی تو بے حجابی سے ہمارے پاس آ بیٹھو!
نکالا ہے کہاں سے تم نے سو سو بار کا پردہ

بے سب کب ہے جبیں کے دیکھو قاتل میں گرہ
کس سے ہو عقدہ کشائی جو پڑے دل میں گرہ

ہائے وہ دل کو تڑپتا صید افگن لے چلا
دے کے اب فتراک سے اس نیم بسمل میں گرہ

نقش ہستی کو اپنے کب کوئی پاوے گا پھر
کھل گئی جس دم یہ دم کی شہر باطل میں گرہ

دیدہ و دانستہ اب تک سوجھتا کچھ بھی نہیں
پڑ گئی ایسی کہاں کی چشم قاتل میں گرہ

ایک دن ہوں گے ظفر تیرے عدو سارے اسیر
ذیل بندی کو دے کر سلاسل میں گرہ

ہدف تو ہو چکا میں بس کمان و تیر کو رکھ دو
مری گردن پہ اب تم کھینچ کر شمشیر رکھ دو

اٹھا دے اے صبا گر اس کے رخ سے تو دوپٹے کو
تو کھل جاوے یہ مجھ پر اس پری رخسار کا پردہ

چمن میں شوق سے آواز نالہ کھینچنا ہرگز
بہت نازک ہے بلبل دیکھ گوش یار کا پردہ

مرا منہ سامنے لوگوں کے کہتا ہوں نہ کھلواؤ
ابھی کھل جائے گا جو کچھ کہ ہے سرکار کا پردہ

رکھے ہے اشک کو یوں اے ظفر یہ چشم پردے میں
صدف ہے جس طرح سے گوہر شہوار کا پردہ

سوتا تھا جو شب رکھ کے ترے سر کے تلے ہاتھ
بیٹھا ہے زنخداں کے سو وہ ڈھیر کے تلے ہاتھ

فرہاد بسر آتا ہے اس عشق سے شیریں!
پر کیا کرے جو دب گیا پتھر کے تلے ہاتھ

اس سے نہ ملے ہائے دعا کے لئے ہر چند
پھیلائے بھی اس چرخ ستم گر کے تلے ہاتھ

گلدست ہے یوں زیر مہ اس کے دل اپنا
فصاد کے جس طرح ہو نشتر کے تلے ہاتھ

ہے جی میں تمنا یہ کہ سوتے میں تو گاہے
آ جائے مرا عارض دلبر کے تلے ہاتھ

پڑ جائے اگر ہاتھ مرا سینے پہ اس کے
وہیں رہے تا حشر نہ پھر سر کے تلے ہاتھ

دل ہاتھ میں اس کا لیا پر سے یہ ظفر حال
جنبش میں رہے جیسے کہ ساغر کے تلے ہاتھ

کھینچ کر آہ گیا میں تو نہ یاں ہانپ کے بیٹھ
زلزلے سے گیا یہ چرخ دنی کانپ کے بیٹھ

کرے رونے کا گماں غیر نہ کوئی اے یار
پاس مت میرے جنازے کے تو منہ ڈھانپ کے بیٹھ

وہ بلا زلف ہے کالی تری وہ سم والی
دیکھ کر جس کو گئے دانت یہاں سانپ کے بیٹھ

دم مرا بیٹھ گیا صدمہ غم سے اس شکل
جس طرح جائے چڑھائی سے کوئی ہانپ کے بیٹھ

ہد سب بیٹھے ہوئے تھے درمے خانہ پہ
دختر رز کو ظفر ہم بھی گئے بھانپ کے بیٹھ

اچھالے دست مژہ گاہ آپ دو دو ہاتھ
ہوا یہ خوف سے کانپے سحاب دو دو ہاتھ

سدا میں اپنے ہوں دمساز نالہ دل سے
نہ چھیڑو مطربو تار رباب دو دو ہاتھ

طپش سے درد جدائی کے میرے پہلو میں
اچھلتا ہے دل پر اضطراب دو دو ہاتھ

لیا جو اس لب شیریں کے خال کا بوسہ
مگس نے پیٹ لیا سر شتاب دو دو ہاتھ

پٹا لا دے اگرق سامنے تو لڑوں
سپر بنا کے میں جام شراب دو دو ہاتھ

چمن میں کیونکہ نہ ہو عندلیب نغمہ سرا
بجاتا تال ہے برگ گلاب دو دو ہاتھ

تپ فراق سے اس رشک مہ کے لرزاں ہے
فلک پہ صبح سدا آفتاب دو دو ہاتھ

غریق بحر گنہ ہوں مدام میں تم سے!
کبھی نہ جاوے گا یا بوتراب دو دو ہاتھ

ظفر کا آپ کی بدخوئی سے قسم ہے دل
چلا ہی جاتا ہے خانہ خراب دو دو ہاتھ

آن و انداز و ادا ناز و نگہ وہ یکہ تاز
وقت میدان منتخب جن کو ہزاروں میں گنو

دیکھو تم گر ترک تازی اپنی چشم میت کی
تو یقیں ہے اس کو بھی پانچوں سواروں میں گنو

اے ظفر تسبیح کو چھوڑو طریق عشق میں
اشک کے دانوں کو تم مژگاں کے تاروں میں گنو

خواہ کر انصاف ظالم خواہ کر بیداد تو
پر جو فریادی ہیں ان کی سن تو لے فریاد تو

دم بدم بھرتے ہیں ہم تیری ہوا خواہی کا دم
کر نہ بدخوؤں کے کہنے سے ہمیں برباد تو

کیا گنہ کیا جرم کیا تقصیر میری کیا خطا
بن گیا جو اس طرح حق میں مرے جلاد تو

قید سے تیری کہاں جائیں گے ہم بے بال و پر
کیوں قفس میں تنگ کرتا ہے ہمیں صیاد تو

دل کو دل سے راہ ہے تو جس طرح سے ہم تجھے
یاد کرتے ہیں کرے یوں ہی ہمیں بھی یاد تو

دل ترا فولاد ہو تو آبجو آئینہ دار
صاف یکباری سنے میری اگر روداد تو

شاد و خرم ایک عالم کو کیا اس نے ظفر
پر سبب کیا ہے کہ ہے رنجیدہ و ناشاد تو

پوچھتے ہو آج آ کر ہم سے کیا اچھے تو ہو
پر کہو تم تھے کہاں اے دل ربا اچھے تو ہو

ہم غم دوری سے جس کے پہنچے مرنے کے قریب
اس نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا اچھے تو ہو

دیکھی نباضی تری جا کام کر اپنا طبیب
دیکھ کر تو نبض سے یہ پوچھتا اچھے تو ہو

ہو گئی پرسوں کی پرسوں تم نہ آئے کیا سبب
آپ نے اچھا کیا وعدہ وفا اچھے تو ہو

اپنے بیماروں سے کہتی ہے ذرا کر چشم یار
تم دوا کرتے ہو پر دیکھیں بھلا اچھے تو ہو

کون کہتا ہے تمہیں پیارے کہ تم اچھے نہیں
اچھے اچھے کہتے ہیں سب واہ واہ اچھے تو ہو

زخم میرے چاہتے ہیں اے ظفر جب تازگی
میں انہیں کہتا ہوں کم بختو ذرا اچھے تو ہو

خم گیسو میں ڈھونڈھو دل جو پانا ہو تو یاں سے ہو
کہ اس گم گشتہ کا پیدا ٹھکانا ہو تو یاں سے ہو

غنیمت جان تو اے مرغ دل یہ چشم میں آنسو
تری قسمت میں شاید آب و دانہ ہو تو یاں سے ہو

ہوئی ناچیز دنیا چیز جب قدرت نے یہ چاہا
عدم کا جو ظاہر کارخانہ ہو تو یاں سے ہو

مری آنکھوں میں جو آنسو رواں ہے ایک طوفاں ہے
کوئی قاصد اگر واں کو روانہ ہو تو یاں سے ہو

دل پر داغ کا ہونا بڑی دولت ہے بیدردو
نصیبوں میں کسی کے گر خزانہ ہو تو یاں سے ہو

جناب عشق کے صدقے کہ یہ وہ آستانہ ہے
کوئی گر صدر آرائے زمانہ ہو تو یاں سے ہو

ظفر ان کو یہاں جانا وہاں سے دیر کر آنا
مگر یہ سیر ہے جب جلد آنا ہو تو یاں سے ہو

کہیں گے حال دل اس دل ربا سے کچھ ہی ہو
وہ سن کے خوش ہو کرنا خوش بلا سے کچھ ہی ہو

ہمارا حال تمہاری جفا سے کچھ ہی ہو
نہ ہاتھ اٹھائیں گے پر ہم بلا سے کچھ ہی ہو

قدم رکھیں سر میدان عشق جب سرباز
نہ پھیریں منہ کبھی تیغ جفا سے کچھ ہی ہو

دکھاؤں صدف سے گر میں خمیدہ قد اپنا
تو فرق آپ کی زلف دوتا سے کچھ ہی ہو

دل آشنا ہو کر نا آشنا گلی میں تری
پر آج دیں گے اسے دم دلا سے کچھ ہی ہو

اڑاتا خاک پھروں یا پھروں گریباں چاک
کوئی تو کام دل ان دست و پا سے کچھ ہی ہو

کسو کی جان پہ آفت کسو کا دل غارت
نہیں تو کام ہے نازوادا سے کچھ ہی ہو

جو پینے دے گا نہ مے محتسب تو یہ مے خوار
رہیں گے اس کے لہو کے پیاسے کچھ ہی ہو

بلا سے کفر ہو یا دیں یہاں ہیں دونوں ایک
ظفر ہو دل کو محبت خدا سے کچھ ہی ہو

ہمسر اس زلف سے مشک ختنی ہووے تو ہو
روکش اس لب سے عقیق یمنی ہووے تو ہو

وار ہوتے ہیں جو اس تیغ نگہ کے دل پر
یہ کسی معرکہ میں تیغ زنی ہووے تو ہو

صدقے اے رشک چمن اس قدموزوں کے ترے
سیدھا ایسا کوئی سرو چمنی ہووے تو ہو

جو تری نوک مژہ رکھتی ہے تیزی ظالم
تیز ایسی کسی برچھی کی انی ہووے تو ہو

جاں کنی عشق میں ہو میری طرح کیا طاقت
تیشہ فرہاد کا گرکوہ کنی ہووے تو ہو

راز دل فاش کرے کون بجز طفل سرشک
ایسا غماز وہی ناشدنی ہووے تو ہو

درد دل ناصح بے درد مرا کیا جانے
اس کو معلوم جو کچھ جی پہ بنی ہووے تو ہو

پہنچے تا منزل مقصود زلیخا اے عشق
اس میں یوسف کو مگر بے وطنی ہووے تو ہو

نہیں ظاہر تو ظفر باعث خاموشی یار
کوئی پنہاں سبب کم سخنی ہووے تو ہو

نہ میں خوش نا خفا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی
سبب کیا کام کیا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہو

یہ چھیڑے زلف مشکیں کو تو باندھے اس کی وہ مشکیں
اگر سرزد خطا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

بغیر از آگہی دل ہو کسی کو کیا خبر دل کی
اگرچہ آشنا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

زباں میں ہو اثر میری تو شاید دل پھرے اس سے
اگر ناصح و عادل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہی ہو

جو ہووے شکل دل غنچہ رکھے پکڑے جگر غنچہ
مشابہ اے صبا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہی ہو

بغیر از جاں نثاری کب کرے ہے یار دلداری
جو اس پہ مبتلا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں ہی ہو

کرے غمخوار کیا نا داں اگر ہو غم نصیبوں میں
پڑا باتیں بنا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

ہیں شاکی طپش سے اس کی میں یہ کیوں ہے آرزو
اگر مجھ کو گلہ دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

کشش میں ہو اثر دل کی تو خاطر ہو ظفر دل کی
کہ حاصل مدعا دل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

غباروں کا مرے دور ہو تو کیوں کر ہو
صفائی تجھ کو نہ منظور ہو تو کیوں کر ہو

ہمارے درد محبت سے بے واقف اے ناصح
جو تو نہ عشق کا رنجور ہو تو کیوں کر ہو

نہ مے نہ جام نہ مینا نہ ساقی گلفام
دل اپنا باغ میں مسرور ہو تو کیوں کر ہو

ہمیشہ دیدہ نمناک سے ہیں جاری اشک
الٰہی بند یہ ناسور ہو تو کیوں کر ہو

نہ ہووے باعث شہرت اگر ہمارا عشق
یہ حسن آپ کا مشہور ہو تو کیوں کر ہو

چڑھائیں دار پہ جب تک نہ دل کو وہ مژگاں
نصیب رتبہ منصور ہو تو کیوں کر ہو

جو دل میں ایک ہو روزن تو کچھ ہو اس کا علاج
تمام خانہ زنبور ہو تو کیوں کر ہو

برا کہیں نہ اگر یار کیا کہیں ہم کو
وہاں ہمارا جو مذکور ہو تو کیوں کر ہو

ہمارے داغ کو سوزش سے ہے ظفر بہبود
مفید مرہم کافور ہو تو کیوں کر ہو

ظاہر تو دوست اے بت پرفن بنے رہ
باطن میں کیا ستم ہے کہ دشمن بنے رہو

گل کھاؤں کیوں نہ میں کہ جو گل پوش ہو کے تم
غیروں میں ایک غیرت گلشن بنے رہو

حلقے میں تم ہو حضرت دل زلف یار کے
ہوا اب اسیر طوق بہ گردن بنے رہو

اے یاس و غم ہے شرط رفاقت کے بعد مرگ
خادم ہمارے تم سر مدفن بنے رہو

جاؤ مکان دیدہ و دل چھوڑ کر نہ تم
دونوں تمہارے واسطے مسکن بنے رہو

گردش سے آسمان کی سنگین دلو ! ڈرو
ایسا نہ ہو کہ سنگ فلاخن بنے رہو

چلتا ہے زور مرگ سے اب اپنے زعم میں
تم غافلوں نہ رستم ویژن بنے رہو

دیں گے بگاڑ بد منشی کو شیخ جی
دیکھو ملو نہ ان میں مشین بنے رہو

دانا سے یہ زمانہ مخالف ہے دوستو
دانائی اب یہی ہے کہ کودن بنے رہو

اے آنسوؤ بجھے نہ مری سوزش جگر
تم واسطے اس آگ کے روغن بنے رہو

ظفر سے کہتا ہے جنوں کہیں درد دل محزوں
جو غم سے فرصت اب اک دم ہمیں بھی ہو تمہیں بھی ہو

دیکھ کے خط سبز کو اس کے یہ بہاری پیدا ہوا
جتنا ہووے ظفر پیدا سب زنگاری پیدا ہو

ہووے اگر آزار مرا تم سے تمہاری آنکھوں کو
عین حکمت ہو وہ مجھ کو جو بیماری پیدا ہو

بعد فنا بھی ہیں وہ سوزش دل میں داغ محبت کے
کیونکہ نہ آتش خاک سے جائے لالہ ہماری پیدا ہو

باد بہار حسن میں تیرے آہ بھریں گر سوختہ جاں
درد جگر سے ان کے فلک پر ابر بہاری پیدا ہو

یار ہوں یا عیار کسی کا وہ عیارہ یار نہیں
یاری بخت کریں تو شاید اس سے یاری پیدا ہو

ہووے حریص گرچہ غنی دل دولت سے نہ قناعت ہے
حاصل کیا اکسیر بھی گر قسمت سے ہماری پیدا ہو

وقف زلال سبزہ تربت ہو جو زلف کے ماروں کا
پھر تو ناف میں ہو آہو کے مشک تتاری پیدا ہو

جانے دو اے حضرت دل کیا فائدہ آہ و زاری سے
رونی آہ و زاری سے جب واں بیزاری پیدا ہو

مجھ کو تیغ عشق ظفر گلکاری اپنی دکھاتی ہے
سینہ و دل میں میرے یہ کیونکر زخم کاری پیدا ہو

ہم کہتے ہیں بے ہوش ہیں آغوش میں آؤ
وہ کہتے ہیں بے ہوش نہ ہو ہوش میں آؤ

وہ حلقہ سو کرتے دلوں پہ ہیں ترحم
کہتے ہیں نہ اس فوج زرہ پوش میں آؤ

اے چپل تو سوت سے چلنے کا نہیں زور
تم دیکھو نہ پندرا تن و توش میں آؤ

اے حضرت دل باندھ پھکے زلف کے مضموں
کچھ فکر کریں وصف برو دوش میں آؤ

کیا کرتے ہو گوشے میں اجی شیخ جی صاحب
ٹک محفل رندان قدح نوش میں آؤ

کچھ منہ سے نکل جائے نہ اے بادہ پرستو
مانند خم مے نہ بہت جوش میں آؤ

کہتا ہوں ظفر ان سے جو اشعار ہیں بے ربط
تم لب پہ نہ لاؤ نہ کبھی ہوش میں آؤا

اپنے ہاتھوں کو جو تم رنگ حنا میں رنگو
ناخن تیغ کو خون شہدا میں رنگو

خیمہ چرخ کو آہوں کے دھوئیں میں اپنے
حضرت دل نہ غم ماہ لقا میں رنگو

ہیں شہیدان م جت کے نصیب اے کہاں
تم جو پوشاک سیہ اپنی عزا میں رنگو

جیتے جی خاک میں مل جاؤ فقیری یہ ہے
کپڑے مٹی سے نہ حل کر فقرا میں رنگو

پڑے تم نہیں ہونے کے جواں کر کے خضاب
غافلو ریش نہ اس رنگ دغا میں رنگو

ہو نزاکت سے وہیں درد تمہارے سر میں
تم گلابی جو کلہ سرد ہوا میں رنگو

جیب و دامن کو ظفر اپنے سرشک خوں سے
دیکھو اس رنگ نہ مجوش بکا میں رنگو

رسم الفت نہ عدوئے دل و دیں سے پوچھو
دوستو اس کو جو پوچھو تو ہمیں سے پوچھو

رات آنکھوں میں کٹی مجھ کو ستاروں کی طرح
کس سے ہمخواب تھا اس ماہ جبیں سے پوچھو

ہے غم یار کو معلوم حقیقت دل کی
اس مکاں کا ہے جو احوال مکیں سے پوچھو

روش نقش قدم خاک میں ملنے کا مزا
اپنے کوچے کے کسی خاک نشیں سے پوچھو

دل کو آزرہ ہیں محبت کے مطالب سارے
بے تامل یہ بتائے گا کہیں سے پوچھو

سینہ کاوی سے تری کوئی ہوا گر ناکی
اس میں حاصل تجھے کیا ہوگا نگیں سے پوچھو

مجھ سے کیا پوچھتے ہو تم سبب سوزش عشق
اک ذرا اپنے ہی حسن نمکیں سے پوچھو

کیا بتائیں تمہیں ہم باعث رنجش ان کا
ہم دہوا ہم سے نہ تم پوچھو انہیں سے پوچھو

اس کے انجم ہیں بہت یا مرے دل کے روزن
اے ظفر دے کے قسم چرخ بریں سے پوچھو

ہم برے تم کیا پوچھتے ہو مہرباں اچھے تو ہو
ہم تو اچھے ہیں سو ہیں تھے تم کہاں اچھے تو ہو

تم برے کا ہے کو ہو تم کو برا کہتا ہے کون
گالیاں دیتے ہو لاکھوں بدزباں اچھے تو ہو

حضرت دل چاہیئے پرہیز کیوں کھاتے ہو غم
ہو رہے ہو تم مریض ناتواں اچھے تو ہو

کیسے باطن میں تم اللہ جانے اے بتو
ظاہرا معلوم ہوتے ہم کو ہاں اچھے تو ہو

دردمندوں سے کبھی بے درد تو اتنا تو پوچھ
کیا وا کرتے ہو کیوں آہ و فغاں اچھے تو ہو

دل ہوا یاد کمر میں گم مری پائی نہ بات
اب جو مل جائے تو پوچھوں کیوں میاں اچھے تو ہو

اچھے ہو جائیں ابھی بیمار غم اس کے اگر
پوچھے اتنا وہ مسیحا نے زباں اچھے تو ہو

کہتے ہو کیا چارہ گر سے بھر گیا مرہم سے دل
تم ابھی اے زخمہائے خونچکاں اچھے تو ہو

کہتے ہو دارالشفا اس کی گلی کو تم ظفر
پھر بھلا یہ ہم بھی کو دیکھیں اے میاں اچھے تو ہو

ایسا ہو گر کلام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو
تسکین دل تمام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

قاصد وہاں سے کوئی نشانی تو لائیو
گر نامہ و پیام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

اس تند خو کو گرچہ ہو منظور کشت و خوں
بالفرض قتل عام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

کر صرف ایک جرعہ کا ساقی نہ ہم سے تو
گرچہ سبو و جام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

وہ کون ہو توا ترے دیوانے کے جسے
پروائے ننگ و نام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

تو چاہے اگر کر نہ ہوں ملک دل خراب
کس طرح انتظام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

دو چار گالیاں ہی ہمیں خط میں لکھ کے بھیج
گرچہ دعا سلام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

جا سکتا کوئی اس بت خود کام تک نہیں
جاوے کیوں کام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

وہ تار زلف طائر دل کے لئے ظفر
پھندا تو ہو جو دام نہ ہو کچھ نہ کچھ تو ہو

گر ہو پاس عہد بشر کو جس کا ہووے اسی کا ہو
پھیرے نہ سوئے غیر نظر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

دل کے مکاں میں کون مکیں ہو تیرے سوا کس طرح کوئی
کر لے اپنا اور کے گھر کو جس کا ہووے اس کا ہو

گر یہ نے گر نا شیرنہ کی تو نالہ ہی کچھ تاثر کرے
پر ہو اثر اس غارت گر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

تیر نگہ کا گر نہ ہدف ہو ہووے خدنگ مژگاں اس کا
پر وہ نشانہ کرتے جگر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

ہم نہیں دیتے اس کو دل جو ہوس جاں ہو ہزاروں کا
چاہیے ہے اس رشک قمر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

راہ وفا پہ ہو جو قائم اس کو نہیں ہے لغزش
تن سے اڑ دے گر کوئی سر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

گرچہ ہزاروں لالہ رخا ہوں باغ جہاں میں جلوہ نما
لیکن شوق دید ظفر کو جس کا ہووے اسی کا ہو

کیا دل کو تاب ہو بت سرکش کے روبرو
سیماب کوئی ٹھہرے ہے آتش کے رو برو

کیا کیا جلی ہے رشک سے شب ہو کے بے فروغ
محفل میں شمع عارض مہوش کے روبرو

رتبہ خطوط مہر کو کب آسمان پر
اے ترکش کماں تری ترکش کے روبرو

زاہد بجز دعائے قدح کچھ چلے نہ ذکر
محفل میں دیکھ رند قدح کش کے روبرو

دل ہے وہ داغ داغ کو سوختہ باغ ہو
بے رنگ اس مکان منقش کے روبرو

گر نغمہ نشاط ہو شیون سے کم نہیں
آفت رسیدگان مشوش کے رو برو

ملا جو جب مذاق سخن بھی نہ ہو ظفر
کیا پڑھیے شعرا اس بڑا نخفش کے روبرو

دکھاؤں میں اگر اپنے فروغ داغ ہجراں کو
رہے جا منہ دکھانے کی نہ خورشید درخشاں کو

چھپا لیتی ہے کیوں وہ زلف کافر وے جاناں کو
تعجب ہے رکھے ہندو بغل میں اپنی قرآں کو

ہوئی وحشت میں سوز دل سے یہ کثرت پھپھولوں کی
کہ پھلکاری کا پیراہن ملا ہے جسم عریاں کو

سر ہنگام صحرا میں ہمارے تار دامن سے
جنون بندھوا ہے دستار ہر خار مغیلاں کو

خیال اس زلف کا ہے کیوں نہ میرے داغ دل چمکیں
کہ ہوتی ہے شب تاریک میں رونق چراغاں کو

عجب دیوانے ہیں وہ جو خط جادو سمجھتے ہیں
کیا وحشت نے میرے چاک دامان بیاباں کو

نہ دیکھی ہووے جس نے غنچے شگفتہ میں شبنم
دہن میں وہ ترے وقت تبسم دیکھے دنداں کو

جگر سو ٹکڑے ہووے ایک دم میں صبح محشر کا
ترے عاشق دکھائیں اپنے گر چاک گریباں کو

نظر بھر ان کو دیکھا جس نے وہ چتا پھر پچتے
فسوں کوئی بلا ہے یاد تیری چشم مژگاں کو

ہوا خواہی سے دل سوزی کے کب ہوں دل جلے ٹھنڈے
پہ پروانہ کیا پنکھا جھلے شمع شبستاں کو

ظفر مشتاق ہوں میں جلوہ راہ حجازی کا
بھلا دیکھوں کن آنکھوں سے جمال ماہ کنعاں کو

زیب مہتابی اگر وہ رخ پہ نور نہ ہو
شب مہتاب مجھے کیوں شب دیجور نہ ہو

تاک کر عقد ثریا کو نشے میں ساقی
سوجھا یہ کوئی خوشہ انگور نہ ہو

لب جاناں کو ہو دعوے تو مسیحائی کا
اور ستم ہے کہ علاج دل رنجور نہ ہو

ہم کو اس دور میں ہو کیوں طلب ساغر مے
یہ تو جب ہے کہ تری نرگس مخمور نہ ہو

دل کا ٹھہرا ہے تری نیم نگہ کا سودا
پہ کریں کیا کہ جو لینا مجھے منظور نہ ہو

داغ پروانہ دل سوز پہ حسرت ہے اگر
اشک اے شمع ترا مرہم کا فور نہ ہور

ضعف سے ہاتھ میں بیمار الم کے تیرے
گر عصا بھی ہو تو غماز مژدہ عمورنہ ہو

اے ستم کیش ترا زخم خدنگ مژگاں
کوئی دل میں نہیں ایسا کہ وہ ناسور نہ ہو

اس پری رو کو دکھائے ہے شتاب آئینہ
اے ظفر حسن پہ اب کیونکہ وہ مغرور نہ ہو

خط مرا شوق سے غیروں میں مری جاں کھولو
یہ کسی پر نہ یہ حال غم پنہاں کھولو!

میرا گھونٹے ہے گلا وحشت دل جاں ہے تنگ
ناخن تیغ سے کھولو جو گریباں کھولو

سر پہ ہر آبلہ پا نے تمہاری مندیل
خوب باندھی ہے نہ اے خار بیاباں کھولو!

تو سن ناز کو گرا اور ہے کوڑا منظور
اپنے رخسار پہ تم طرہ پیچاں کھولو

دل بیتاب ہے آنکھوں کا تمہارے بیمار
قصد کھولو تو نہ جز نشتر مژگاں کھولو

زلف کو مصحف رخسار ہے تم سرکاؤ
فال سودا زدگاں کھول کے قرآں کھولو

نافلو دیکھو تم اپنے ہی میں اس کی صورت
آنکھ گر صورت آئینہ حیراں کھولو

وہ ہی پاؤ گے جو قسمت میں ہے دنیا طلبو
تم کو کھونا ہے اگر صفت میں ایمان کھولو

اے ظفر باندھتے ہو گر کمر ہمت کو
شرط یہ ہے کہ نہ تم پھر کسی عنواں کھولو!

جن آنکھوں نے دیکھا ہے حسن رخ جاناں کو
چڑھتی ہے تپ لرزہ خورشید درخشاں کو

ذرہ جو دکھاتا ہوں داغ دل سوزاں کو!
رونق شب تیرہ سے ہے انجم تاباں کو

کیوں رنگ مسی سے ہو زیب اس کے نہ دنداں کو
وحشی نے ترے زنداں سمجھا ہے بیاباں کو

ہے دیدہ ترا آہو زنجیر کا حلقہ سا
گر خواب میں بھی دیکھے اس نرگس فتاں کو

سوفتنہ خوابیدہ بیدار ہوں اک پل میں
جھاڑوں جو دم گریہ میں دامن مژگاں کو

لگ جائے جھڑی برسوں پھر اتنے جھڑیں آنسو
کرتا ہے رفو صبح کیا مرے چاک گریباں کو

سینہ تو سیئے اس کو گر چاک ہوا ایسا
ہے لب سے ترے نسبت کیا لعل بدخشاں کو

وہ سنگ کا ٹکڑا یہ گل برگ سے بھی نازک
پھر کون گلے اپنے اس خنجر براں کو

یہ کہہ کر ترا بسمل تڑپا کر لگائے گا
خالی جو نمک سے وہ دیکھے ہے نمکداں کو

ہے چشم میں بھر لاتا پھر زخم جگر آنسو

ہو زیر فلک راحت کس طرح ظفر ہم کو
آرام نہیں آپ ہی اس گنبد گرداں کو

کیوں مارتا ہے سامنے قاتل کے ہاتھ پاؤں
کٹوائے اس گز نے بسمل کے ہاتھ پاؤں

ر پڑ کے پہنچے ہم ترے کوچے میں اس طرح
سارے لہو لہان ہیں چھل چھل کے ہاتھ پاؤں

س کس مزے سے رات کو مستی میں دم بدم
ہم چومتے تھے ساقی محفل کے ہاتھ پاؤں

رہاد قیس دابتے ہیں خادموں کی طرح
منزل میں عاشقی کے مرے دل کے ہاتھ پاؤں

یا کنارہ ہاتھ نہ دریائے عشق کا
اور تھک گئے شناور کامل کے ہاتھ پاؤں

کھی جو ہاتھا پائی ترے ساتھ غیر کی
ہوں سرد کیوں نہ عاشق بیدل کے ہاتھ پاؤں

ط بھی لکھے گا آپ بھی آئے گا تیرے پاس
چلتے ہیں جب تلک ترے مائل کے ہاتھ پاؤں

جبہ کہاں پری کو کہ دھلوائے جوں کنیز!
مہندی بھرے وہ حور شمائل کے ہاتھ پاؤں

بے دست و پائی ان سے بھی بہتر ہے ظفر
بے کار کاہلی سے ہوں کاہل کے ہاتھ پاؤں

عارض روشن سے روکش ماہ کامل ہو تو ہو
ماہ نو تھوڑا سا ابرو کے مقابل ہو تو ہو

تم کو کیا پروا کسی کو رنج حاصل ہو تو ہو
تم تو دل لے لو بلا سے کوئی بیدل ہو تو ہو

جس طرح رہتا ہے تجھ بن میرے دل کو اضطراب
مضطرب اس طرح کوئی مرغ بسمل ہو تو ہو

کب دل دیوانہ آتا ہے کسی کی قید میں
پر تری زلفوں میں پابند سلاسل ہو تو ہو

ہم وفا سے منہ نہ موڑیں یہ ہے شرط دوستی
وہ وفا دشمن ہمارا گرچہ قاتل ہو تو ہو

کیوں کر ہوں اس شمع رو بن بزم آرائے نشاط
رونق محفل مرے وہ زیب محفل ہو تو ہو

عشق کے نزدیک ہے آسان رہ دشوار غم
آدمی ہمت نہ ہارے دور منزل ہو تو ہو

وہ تو ہے دکھلا رہا ہے پردہ صاف اپنا جمال
کچھ تری غفلت کا غافل پردہ حائل ہو تو ہو

جب تلک ہے دم میں دم تیرا بھرے جائیگا دم
دم کا لینا ضعف سے عاشق کا مشکل ہو تو ہو

ہووے یوں معلوم کیا یاروں کو قدر عافیت
جب کہیں دل ان کا میری طرح مائل ہو تو ہو

اب گریہ سے بجھے کیا آتش غم اے ظفر
بلکہ اس سے اور افزوں سوزش دل ہو تو ہو

جو کوئے عشق میں ہم نے ذرا جمائے پاؤں
تو عقل و ہوش نے کیا جلد جلد اٹھائے پاؤں

جو آگے عشق کے میدان میں بڑھائے پاؤں
تو شرط ہے کہ پیچھے نہ پھر ہٹائے پاؤں

گڑا ہووے گا ہم دل جلوں کا خاک پہ کیوں
غرض ہے کیا اسے اتنی جو وہ ہلائے پاؤں

بہت پھرے حرم و دیر میں کہیں اس کو
نہ پایا شیخ و برہمن نے کیوں تھکائے پاؤں

دبائے اس لئے عاشق کو پنجہ مژگاں
کرتا وہ آنکھوں سے اپنی ترے دبائے پاؤں

پری کو حسن سے اس حور وش کے کیا نسبت
کہ وہ پری سے نہ اپنے کبھی دھلائے پاؤں

بلا سے آنکھیں ملیں میرے تو نے تلوے سے
کہ اپنی آنکھوں سے میں نے ترے لگائے پاؤں

عجب نہیں کہ تجھے تیرے زیر پا گلبرگ
خدا نے ایسے ہی نازک ترے بنائے پاؤں

سنبھل کے کچھ نظارہ اے ظفر اس کا
صفائے رخ سے نگہ کا پھسل نہ جائے پاؤں

جو دیکھا عین جوش غم میں میرے اشک پینے کو
تو دیکھا خوب دست موج سے دریا نے سینے کو

گل خورشید پر اک اوس سی پڑ جائے گلشن میں
ترے رخسار پر گر یک نظر دیکھے پسینے کو

فقط نام و نشان کے آرزو کاوش میں لاتی ہے
وگرنہ سینہ کاوی سے غرض کیا تھی نگینے کو

لب شیریں سے ہے تیری حلاوت زندگانی کی
کلام تلخ لیکن تلخ کر دیتی ہے جینے کو

لگاتا ہوں جو دل اس سنگدل سے دل یہ کہتا ہے
کہ پتھر سے بھڑاتا کیوں ہے ظالم آبگینے کو

نہ دی محفل میں مجھ کو جائے پر یہ بھی غنیمت ہے
کہ اپنے دل میں تو اس نے جگہ دی میرے کینے کو

ظفر بخت رسا اپنا کرے گر رہبری میری
تو یاں سے جایئے مکے کو مکے سے مدینے کو

غفلت کا ظفر پردہ اٹھ جائے جو آنکھوں سے
آ جائے تماشا پھر کیسا نظر اہو ہو

وہ مری جاں میرے پاس آئے تو کیا اچھا ہو
اور نہیں جان نکل جائے تو کیا اچھا ہو

نہیں معلوم کہ میں کون ہوں اچھا کہ برا
کوئی اس بھید کو بتلائے تو کیا اچھا ہو

خواب میں جو کہ دکھا جاتا ہے صورت اپنی
شکل ظاہر بھی وہ دکھلائے تو کیا اچھا ہو

ساغر جم میں جو آئی تھی نظر کیفیت
وہ نظر دل ہی میں آجائے تو کیا اچھا ہو

اے مسیحا نفس اٹھ بیٹھے ترا کشتہ ناز
ابھی تم منہ سے جو فرمائے تو کیا اچھا ہو

کوچہ تنگ ہے دنیا نہیں آرام کی جا
یاں کوئی پاؤں نہ پھیلائے تو کیا اچھا ہو

جو برا آپ کو سمجھے تو وہ ہووے
کہ برا اور کو ٹھہرائے تو کیا اچھا ہو

ہے بڑا وصل مریض غم ہجراں کا علاج
یہ دوا ہاتھ نہ جب آئے تو کیا اچھا ہو

آئے سب ایک نظر گر یہ دوئی کا پردا
اے ظفر بیچ سے اٹھ جائے تو کیا اچھا ہو

ابرو ہیں تماشا ترے اے رشک قمر دو
اک جامہ تو سامنے آتے ہیں نظر دو

اک بوسہ دندان مصفا مجھے گر دو
گویا کہ دہن موتیوں سے تم مرا بھر دو

پالے ہیں ترے حسن کے دریا میں بھنور دو
اور اس پہ غضب یہ ہے کہ ہیں ان میں مگر دو

آنکھوں سے دو چار اس کے ہوا ہے دل عاشق
پر دیکھئے کیا ہو کہ ادھر ایک ادھر دو

اے آنسوؤ کچھ جلد روی اپنی دکھا دو
جلدی ہے مجھے لا کے مرے دل کی خبر دو

ہے طرفہ طلسم ابروؤں میں تیرے جو چپکے
اک قبضہ تلوار میں ہیں عربدہ گر دو

ڈرتا ہوں کہیں جنبش مژگاں سے تم اپنے
زیر و زبر اک پل میں دو عالم کو نہ کر دو

پھر زیست کا عرصہ ہو کہاں منزل آرام
ہر آمد و شد میں جو نفس کے ہوں سطر دو

دکھلا دے وہ بت اپنا اگر طاق دو ابرو
اے زاہد و ایماں تم ابھی طاق پہ دھر دو

ہر ایک میں آتا ہے نظر ایک ہی ہم کو
جس کہ ہے دوئی دل میں وہ سمجھے ہے ظفر

مجھ کو تم شاباش ہے یہ وقت شاباشی کرو
صبرا دیکھو میرا زخموں پہ نمک پاشی کرو

منزل دنیا کو اے یارو نہ سمجھو عیش گاہ
یہ مقام رنج و غم ہے یاں نہ عیاشی کرو

اس کا نقشہ کھینچا وہ کلک تصور نے مرے
دیکھو ماق شو اگر تم ترک نقاشی کرو

دل کی گرمی کو ہے بس پنکھوں بھری بانکی جھوک
اے ہوا خواہو نہ پنکھا مجھ کو فراشی کرو

حکم فوج اشک کو دیتا ہے یہ سلطان عشق
قطرہ خوں سے کلاہیں تم قزلباشی کرو

یہ نزاکت ہے کہ معدے میں گرانی ہو وہیں
رنگ تم پوشاک کا اپنی اگر ماشی کرو

کرتے ہو کیوں غم کہ دنیا چند روز ہے ظفر
زندگانی تم یہ خوشی و بشاشی کرو

رونا میرا پوچھتے کیا ہو چشم سے آنسو بہنے دو
مجھ کو تصور اور بندھا ہے ایک ذرا چپ رہنے دو

چاہو پہنو زیور دنیا چاہو پہنو زیور دین
کر لو پسند ایک اس میں سے یہ دیکھو بنے ہیں گہنے دو

میں تو بکے ہی جاؤں گا جوڑ میں اپنی کہتا ہوں
اس پہ مجھے سودائی وحشی کوئی کہے تو کہنے دو

ہووے گا اور ہی حسن دوبالا تیرا سارے حسینوں میں
کانوں میں اے کان ملاحت تو نے جو بالے پہنے دو

تیغ جفا سے وار کرے تو ہاتھ نہ روکو قاتل
اس کو جیتے لگانے دو اور مجھ کو جفائیں سہنے دو

قاتل ناحق تیغ سے اپنی پنجہ نازک رنجہ نہ کر
کر دیے میرے دل کے ٹکڑے تیری ایک نگہ نے دو

دل نے جو مانگا رات ظفر اک بوسہ خال عارض کا
ہو کر برہم مارے کوڑے وہ ہیں زلف سیہ نے دو

نصیب ایسا تو سوز جگر کسی کو نہ ہو
کر جل کے خاک ہو دل اور خبر کسی کو نہ ہو

جلے رقیب دل اس کا نہ موم ہو اے آہ
یہ کیا کسی کو تو ہووے اثر کسی کو نہ ہو

جو ایک عیب ہو دیکھیں ہزار غور سے یار
ستم ہے لاکھ ہنر پر نظر کسی کو نہ ہو

تمام سود ہے سودا دکان ہستی کا
جو تجھ سے نفع ہو سب کو ضرر کسی کو نہ ہو

ہزار رنج و الم ہوں تو سب گوارا ہیں
کسی کا درد جدائی مگر کسی کو نہ ہو

بجائے بیمہ دوزخ کے گر ہو طوبیٰ خلد
وہ نخل جس سے کہ حاصل ثمر کسی کو نہ ہو

جو داغ دل پہ ہو تو زخم ہو جگر پہ بھی
کہ ہو تو بس کو نہیں اے ظفر کسی کو نہ ہو

یہ تو رک سکتا نہیں روکوں تو کیونکر آنسو
خانہ بردوش ہے مژگاں یہ سراسر آنسو

تیرے دیوانے کا ہے دشت نوردی سے یہ حال
منہ پہ ہے خاک پڑی آنکھ کے اندر آنسو

خانہ چشم میں ٹھہرے ہے کوئی اس کا پاؤں
ایک طوفان ہے یہ کودک ابتر آنسو

منہ میں ہے بیٹھ لئے مورچہ اپنے دیکھو
آ کے ٹھہرا ہے کہاں نوک مژہ پر آنسو

رونا آتا نہیں جب تک نہ ہو دل پر صدمہ
خون دل آنکھ سے نکلا مرے بن کر آنسو

کان بالوں کے لئے کان ملاحت تیرے
کاش آویں نہ مرے دانہ گوہر آنسو

قدر ہر اشک ظفر کیوں نہ ہو مردم میں تیری
ہیں مجھ ترے موتی کے برابر آنسو

کیا رنگ دکھاتی ہے یہ چشم ترا ہو ہو
خون جگر آہا ہا لخت جگرا ہو ہو

اس ہستی یکدم پر اف تل لے ترتی گری
ہنستا ہے شرارت سے کیا کیا شرار ہو ہو

مرغان چمن تم کو مدہ ہو کر گلشن میں
پھر موسم گل کی تو آئی بر ہو ہو

اک وار میں دو ٹکڑے کرتی ہے مرے دل کے
کیا تیز ہے قاتل کی تیغ نظر ہو ہو

پروانہ ہر شعلہ جلنے سے نہیں جلتا
رکھتی ہے محبت کی لو کیا اثر ہو ہو

چھڑکے ہے نمک قاتل لے لے کے نمداں سے
لیتے ہیں مزے کیا کیا زخم جگر ہو ہو

ہستی کو عدم سے ہم مر مر کے پہنچتے ہیں
اک دم کی مسافت پر اتنا سفر ہو ہو

ہر تار جو زلفوں کا ہے بار نزاکت سے
بل کھائے ہے بس کیا کیا وہ موئے سر ہو ہو

کیا شور شرابہ ہے اس خانہ عالم میں
ہر دم ادھر آہا ہا ہر دم ادھر ہو ہو

یہ خاک کا پتلا ہو مسجود ملائک کا
کس مسند عزت پر پہنچا بشر ہو ہو

ہمیں بھلا کے تم اٹھ جاتے کیوں ہو
بھلے ہو کر برے کہلاتے کیوں ہو

نہیں ہستی مقام خواب راحت
بس اتنے پاؤں یاں پھیلاتے کیوں ہو

رنگ گل ہنساتے گر نہیں تم
تو شبنم کی طرح رلواتے کیوں ہو

یہ دل کافر نہیں میرا سمجھتا
مجھے تم ناصحو سمجھاتے کیوں ہو

نہ ڈالو ناز کے کشتہ پہ آنسو
شہیدوں کو بھلا نہلاتے کیوں ہو

گرہ الفت کے رشتہ میں نہ پڑ جائے
جو سلجھاتے نہیں الجھاتے کیوں ہو

وہ مجھ پر آگ یوں ہی بن رہا
رقیبو اور اسے بھڑکاتے کیوںہ و

ابھی ہے دور لب سے حرف مطلب
مجھے کہنے تو دو جھنجھلاتے کیوں ہو

بہت بھڑکائے گا صیاد تم کو
اسیران قفس گھبراتے کیوں ہو

پرائے سر کو ہیں قرآن کہتے
ہماے سر کو تم ٹھکراتے کیوں ہو

نہیں پہچانتے چاہت کی گر آنکھ
ظفر کو دیکھ کر شرماتے کیوں ہو

ہم سا جانباز ہے وہ کون بشر دیکھیں تو
رکھ دے اس تیغ جفا کے تلے سر دیکھیں تو

ذرہ گر اس رخ پر نور سے اٹھ جائے نقاب
روشنی کیوں کریں شمس قمر دیکھیں تو

جن کو دعوی ہے بڑا اپنی جگرداری کا
ان سے کہہ دو کہ مرا زخم جگر دیکھیں تو

خندہ یار نے تو برق پہ مارا چھاپا
کرتے ہیں ابر سے کیا دیدہ تر دیکھیں تو

وہ نظر باز ہیں اک عمر نظر میں رکھیں
ان کی صورت ہم اگر ایک نظر دیکھیں تو

دل کھینچے اس کا ادھر ہے وہ کشیدہ خاطر
ہاں ترا اے کشش عشق اثر دیکھیں تو

ساعتوں خون بہے چشم میں عاشق کے جواب
یک نظر چشم عنایت سے ادھر دیکھیں تو

گل میں کیا خار میں کیا سب میں ہے یک رنگ بہار
کھول کر چشم حقیقت کو اگر دیکھیں تو

عشق میں ہم ہیں ہتھیلی پہ لئے سر پھرتے
ایسا سرباز ہے یاں کون ظفر دیکھیں تو

نہیں درکا کچھ محضر ہماری داد خواہی کو
نشانی اپنے داغ دل کی کافی ہے گواہی کو

کمر بستہ ہو دل کیوں کر نہ میدان محبت میں
کمر کا کھولنا زیبا نہیں مرد سپاہی کو

گئی افسوس عمر اپنی یونہی نامہ سیہ کرتے
قلم کی طرح سے روتے ہیں ہم اس روسیاہی کو

غبار کوئے جاناں ہوں کہوں کیا خاک حال اپنا
تباہی سے کوئی پوچھے مرے حال تباہی کو

چمن میں سبزہ سیراب کو کیا دیکھتے ہو تم
دم گریہ ذرا دیکھو ہمارے رنگ کاہی کو

محبت کا ہوں دیوانہ مجھے اک ڈر ہے بکنے کی
بٹھالے کیونکہ وہ محفل میں اپنی مجھ سے واہی کو

وہ دولت دے خدا ہوں تاجور جس سے دو عالم میں
فقط دنیا میں زیبائش ہے تاج بادشاہی کو

وہ رکھ لاٹ زلف کی اور پہ ظفر اپنی روز کہتے ہیں
لپٹا سانپ نے کس پیچ سے دریا میں ماہی کو

ظفر ساری خدائی ہووے ان کے تابع فرماں
بجالائیں جو صدق دل سے فرمان الہی کو

کہے تدبیر کر کر لاکھ انساں یہ نہ ہو وہ ہو
بجز تقدیر لیکن کب ہے امکاں یہ نہ ہو وہ ہو

نہیں گر نالہ ہمدم آہ ہی دم ساز ہو اپنے
کوئی تو ہو انیس کنج احزاں یہ نہ ہو وہ ہو

شگفتہ دل ہو غنچہ اور میرا دل رہے غمگیں
ہزار افسوس بس گلشن میں شاداں یہ نہ ہو وہ ہو

جو نکلے گھر سے وہ شب ماہ وش اور چاند بھی نکلے
خدا شاہد ہے ہر عالم میں تاباں یہ نہ ہو وہ ہو

کرے نظارہ گل تو نہ دیکھے داغ دل میرے
تجھے منظور اے رشک گلستاں یہ نہ ہو وہ ہو

جگر دل دونوں اب تو آرزو مند جراحت ہیں
یہ ہو کیونکر نشان تیر مژگاں یہ نہ ہو وہ ہو

سدا گردش میں ہم ہوں اور نہ اک دم دور ساغر ہو
یہ کیا انصاف ہے اے چرخ گرداں یہ نہ ہو وہ ہو

بھرے نالے سدا بلبل رہے خاموش پروانہ
عجب ہے عشق کے ہاتھوں سے نالاں یہ نہ ہو وہ ہو

مزاج میکشی کا ہے کہ ساقی ہووے یار اپنا
نہیں کیا لطف میر ابر و باراں یہ نہ ہو وہ ہو

ترستا کے تو تڑپے گو نہ لوٹے پاؤں پر تیرے جو ہو آدھا
کر نکلے کچھ تو اس بسمل کا ارماں یہ نہ ہو وہ ہو

زلف اس کی سراسیمہ نہ کیوں دل ہو
کر امکاں ہی نہیں ہرگز پریشاں یہ نہ ہو وہ ہو

تر زہر اب پیکاں ہے زلال خضر سے خوشتر
گوارا مجھ کو کیوں کر تیرے قرباں یہ نہ ہو وہ ہو

کرے غرق اک جہاں کو اور بجھے میرا نہ سوز دل
تعجب ہے کہ تجھ سے چشم گریاں یہ نہ ہو وہ ہو

لگائے تو جو تکمہ لعل کا دل خوں نہ ہو کیوں کر
کہ ہے غیرت کی جا زیب گریباں یہ نہ ہو وہ ہو

ادا ہو یا نگہ ہو دل کے میں دینے کو حاضر ہوں
کوئی ہو پر ہو وہ اس دل کا خواہاں یہ نہ ہو وہ ہو

الہی شام غربت ہی ہو بدلے شامیانے کے
بلا سے برسر گور غریباں یہ نہ ہو وہ ہو

ستم ہو تیرا عاشق پر کرم ہو غیر پر تیرا
غضب ہے واں ن ہو وہ اور بھلا یاں یہ نہ ہو وہ ہو

کہا میں نے کہ موت آئی نہ جانے یار پر یارب
تو آمیں کر کے دل بھی یوں اٹھاہاں یہ نہ ہو وہ ہو

زلیخا گر تجھے دیکھے نہ دے یوسف کو دل اپنا
کہے ایسا نہ ہووے ماہ کنعاں یہ نہ ہو وہ ہو

ہوئی ہے تیغ نادم دلا میں قاتل کو نہیں پروا
غضب ہے مار کر مجھ کو پشیماں یہ نہ ہو وہ ہو

ظفر جاں ہی نیا ناز کر کے دل دیا تو نے
کہیں ایسا نہ ہو منظور جاناں یہ نہ ہو وہ ہو

مدت میں ملاقات اگر ہووے تو یوں ہو
ہم وہ ہوں نہ ہو کوئی بشر ہووے تو یوں ہو

واں تیر نظر ہو یہاں داغ جگر ہو
شمشیر ہو تو دوں ہو سپر ہووے تو یوں ہو

جب تک کہ نہ اشک آئے لئے پارہ دل کو
کیونکر ہو خبر دل کی اگر ہووے تو یوں ہو

رخسار سے تو اپنے وزا زلف اٹھا دے
ہے وصل کی شب آج سحر ہووے تو یوں ہو

جیسے میں کھینچے دل سے یہاں آئیں وہ کھینچ کر
یا رب کشش دل میں اثر ہووے تو یوں ہو

گر چیر کے پہلو کو نکالیں تو نہ نکلے
اس تیر کا دل میں مرے گھر ہووے تو یوں ہو

کیا کہئے ظفر کیسے لب یار میں ناوک
شاید کوئی برگ گل تر ہووے تو یوں ہو

ارادہ اور کچھ ہے یار جانی اور کہتے ہو
خطوں میں اور لکھتے ہو زبانی اور کہتے ہو

جو ان سے حال دل کہتے تو کہتے ہیں خفا ہو کر
کہ کہہ تو اور بھی گر کچھ کہانی اور کہتے ہو

بھروسہ کیا تمہارا تم نہیں اک بات پر قائم
دم قہر اور وقت مہربانی اور کہتے ہو

نہیں کہتے ہو تم کیا کیا مجھے اس جانفشانی پر
جو کرتا ہوں زیادہ جانفشانی اور کہتے ہو

نہیں ہے داغ دل سے بڑھ کر کوئی نشاں بہتر
نہیں معلوم تم کس کو نشانی اور کہتے ہو

کہی جاتی نہیں اے حضرت دل بات بھی تم سے
پھر اس پر اپنا حال ناتوانی اور کہتے ہو

ظفر جب شعر کہہ کر اور شاعر بند ہوتے ہیں
دکھا کر تم طبیعت کی روانی اور کہتے ہو

میرے قاصد سے پیام اے یار جانی سن تو لو
چاک کرنا پیچھے خط پہلے زبانی سن تو لو

میں بھی تو دیکھوں کہ تم کو کس طرح آتی ہے نیند
اک ذرا میری مصیبت کی کہانی سن تو لو

داد میری جانفشانی کی نہیں دیتے نہ دو
پر کروں جو کچھ بیاں میں جانفشانی سن تو لو

حال دل میرا نہیں سنتے تو میرے حسب حال
مجھ سے کوئی شعروقت شعر خوانی سن تو لو

میں نہیں کہتا کرو تم رحم میرے حال پر
ایک میں کرتا ہوں کیونکہ زندگانی سن تو لو

جانتا ہوں میں کہ ہو غیروں ہی کے تم راز دار
پر کہوں میں بھی جو کچھ راز نہانی سن تو لو

اے ظفر گرچہ سناتے ہوں وہ تم کو گالیاں
گالیوں میں بھی ہے لیکن مہربانی سن تو لو

منہ سے میں کیا کہوں کیا ہوں کیا ہوں متنا ہایا ہو
میں کسی درکا گدا ہوں متنا ہایا ہو

ہوں جو اس زلف کے سودے میں پریشاں احوال
میں گرفتار بلا ہوں متنا ہایا ہو

مرض عشق کی تدبیر اطبا نے نہ کی
ڈھونڈتا پھرتا دوا ہوں متنا ہایا ہو

کفر کچھ حق پرستی نہیں اے زاہد اپک
دیکھتا نور خدا ہوں متنا ہایاہ و

خندہ وگریہ کا کیا پوچھتے ہو مجھ سے حال
مست سرشار بنا ہوں متنا ہایا ہو

میں ہوں وہ خاک کا پتلا کہ بگولے کی طرح
دشت پیمائے فنا ہوں متنا ہایا ہو

نکلے ہے تار نفس سے مرے اک نغمہ شوق
ہر نفس نغمہ سرا ہوں متنا ہایا ہو

ہوں تو زنجیر م یں پرخانہ زنجیر سے میں
بھاگتا عشق صدا ہوں متنا ہایا ہو

مرشد پاک مرا فخر جہاں ہے اس پر
اے ظفر دل سے فدا ہوں متنا ہایا ہو

کان دھر کر وہ سنے تقریر ہو اتنی تو ہو
بات ہو ایسی تو ہوتا تاثیر ہو اتنی تو ہو

تو نے قاتل اک نگہ میں دل کے دو ٹکڑے کیے
واہ رے برش اگر شمشیر ہو اتنی تو ہو

خط مرا وہ دیکھ کر قاصد کو دیں ہنس کر جواب
نامہ ہو ایسا تو ہو تحریر ہو اتنی تو ہو

بوسے کیے لیتے ہی مارا تازیانہ زلف کا
اس خطا پر ہاں اگر تقدیر ہو اتنی تو ہو

بن گئے تصویر سب دیکھ کر تصویر یار
واقعی صورت اگر تصویر ہو اتنی تو ہو

اللہ اللہ خط مشکیں اس کے روئے خوب پر
سورہ یوسف کی گر تفسیر ہو اتنی تو ہو

ان کے آتے آتے یاں آئی لبوں پر اپنی جاں
خوب وہ آئے ظفر تاخیر ہو اتنی تو ہو

ہم وہ بے کھٹکے ملیں تدبیر ہو ایسی تو ہو
کھل نہ جائے راز دل تقریر ہو ایسی تو ہو

جس نے تصویر اس کی دیکھی بن گیا تصویر وہ
اے مصور ہاں اگر تصویر ہو ایسی تو ہو

نیم غمزہ نے کیا ایک وار میں دو ٹکڑے دل
ہاتھ ہو ایسا تو ہو شمشیر ہو ایسی تو ہو

خط کا عالم دیکھنا اس مصحف رخسار پر
گرد قرآں کے اگر تفسیر ہو ایسی تو ہو

واہ واہ تم کھاؤ غیروں کے نصیبوں کی قسم
اے زہے تقدیر گر تقدیر ہو ایسی تو ہو

جس قدر کھینچے ہے وہ اتنا ہی کھینچا جائے وہ
جذبہ الفت کی گر تاثیر ہو ایسی تو ہو

گنبد گردوں نہ ٹوٹے گا قیامت تک کبھی
تل بے استحکام گر تعمیر ہو ایسی تو ہو

دیدہ دربند ہوں بے دل ہے پابند ہوا
قفل ہو ایسا تو ہو زنجیر ہو ایسی تو ہو

غفلت دنیا کا ثمرہ دیکھا عقبےٰ میں ظفر
خواب ہو ایسا تو ہو تعبیر ہو ایسی تو ہو

آپ کے مشتاق صورت ہم نہ ہوں کون ہو
آئینہ سال محو حیرت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ہم نے اس ابرو کماں کو دے دیا کیوں اپنا دل
تو وہ یہ ملامت ہم نہ ہوں تو کون ہو

کہتے ہیں وہ آئینہ میں جلوہ اپنا دیکھ کر
ماہ پیکر مہر طلعت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ہم ہیں عاشق ہم کو آپ تیغ ہے آب بتا
تشنہ جام شہادت ہم نہ ہوں تو کون ہو

جب نہ ہووے آشنا کوئی حقیقت آشنا
فی الحقیقت بے حقیقت ہم نہ ہوں تو کون ہو

آ کے بالیں تک ہمارے جبکہ پھر جاوے وہ یار
واقعی برگشتہ قسمت ہم نہ ہوں تو کون ہو

دیکھ کر آہو کو یاد آیا کوئی آہو نگاہ
دشت میں سرگرم وحشت ہم نہ ہوں تو کون ہو

شیفتہ ہیں ہم نثیں ہم اس دہان تنگ پر
تنگ اے حضرت سلامت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ساتھ غیروں کے لگاتے ہیں وہ غوطے حوض میں
غرق دریائے خجالت ہم نہ ہوں تو کون ہو

ہے گنہگاروں کی خاطر اس کی بخشش اے ظفر
مستحق عفو رحمت ہم نہ ہوں تو کون ہو!

وہ زلف و روئے نورانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو
وہ ابرو اور پیشانی آہو ہو ہو اہو ہو ہو

وہ صداں کیا کہ ملک در آہا ہا ہا آہا ہا ہا
وہ لب کیا لغ رمانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

تمہارے روئے روشن سے نقاب اک دم اگر اٹھے
کہے پھر ماہ کنعانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

دیا دل اس کو جس کو قدر مطلق ہی نہیں دل کی
ہوئی کیا ہم سے نادانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

ہمارے اشک دریا کی یہ تم کو سیر لازم ہے
کرے ہے موج طغیانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

صنم کا نقش کھینچا ہم نے وہ کلک تصور سے
کہ مانی نے بھی چیں مانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

کسی کی یاد فندق میں لہو کا قطرہ مژگاں پر
بنا لعل بدخشانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

وہ پودا دوستی میں ہوں کہ ہر دم میرے پاؤں پر
گرا وہ دشمن جانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

ظفر تاثیر تحریر سے میرے کام کا عقدہ
کھلا کیا ہی با آسانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو

جگر نظارہ گل کی ہوا ہوس میں لہو
نہ روؤں آنکھوں سے میں کس طرح قفس میں لہو

ٹپکے ہے اس قدر آنکھوں سے یک نفس میں لہو
کہ اتنا ہووے نہ پیدا کئی برس میں لہو

کہاں ہے دل کا یہ مژگاں کے خار و خس میں لہو
ٹپکتا شیر کی آنکھوں سے ہے قفس میں لہو

ملایا رشک نے لعل نمک فشاں کے ترے
نمک شراب میں اور نیشکر کے رس میں لہو

یہ کس شہید کی تم نعش روند کر آئے
کہ لگ رہا ہے تمہارے ہم فرس میں لہو

کرے جو میرے طرح نالہائے سینہ خراش
تو موج زن ہوا ابھی سینہ جرس میں لہو

دلا نہ بن مگس قاب معمان جہاں
یہ مکھی چوس نہیں چھوڑتے مگس میں لہو

رواں ہو چشم سے خوں کیوں نہ وقت بیتابی
کہ اپنے بس میں نہ دل ہے نہ اپنے بس میں لہو

نہ لاؤ غیروں میں ہاتھوں کی فندقوں کا ذکر
کہ خشک ہوتا ہے غیرت سے میرا نس میں لہو

اترنے پایا گلے سے نہ میرے جرعہ مے
کہ شب اترنے لگا دیدہ ہوس میں لہو

تمہارے سے کوئی مجنون زار کی کیا فصد
نہ ایک عضو میں دم ہے نہ ایک نس میں لہو

ہوا نہ پائے نگاریں کا اس کے بوسہ نصیب
دل اپنا کیونکہ ظفر ہو نہ اس ہوس میں لہو

نہ جب تک خوتری اے کجکلہ الٹی سے سیدھی ہو
کہاں برگشتہ بختوں سے تگ الٹی سے سیدھی ہو

یقیں ہے رات کا پردہ الٹ کر صبح روشن میں
ہوا اے رخ پہ گر زلف سیہ الٹی سے سیدھی ہو

صبا کھولے ہزار اے عندلیبو رخت غنچہ کو
جو تہ الٹی ہو اس میں وہ نہ الٹی سیدھی ہو

ہراساں ہے دل عاشق کجی سے فوج مژگاں کی
کچھ ایسا ہو یہ برگشتہ سپہ الٹی سے سیدھی ہو

اگر ہے سرنوشت الٹی جھکا سر کو عبادت میں
کہ بے سجدہ نہ مہر اے روسیہ الٹی سے سیدھی ہو

کبھی سیدھا نہ ہوتے ہم نے دیکھا نیش کژدم کو
تری کس طرح سے نوک مژہ الٹی سے سیدھی ہو

کجی اور راستی جو ہے سو ہے خلقت میں انساں کی
نہ گر سیدھی سے الٹی ہو نہ گر الٹی سے سیدھی ہو

ظفر تقدیر سیدھی جس کی ہو حق کی عنایت سے
کرے وہ بات الٹی جس جگہ الٹی سے سیدھی ہو

خواب میں جلوہ جو شب اس نے دکھا مجھ کو
صبح تک غش میں رہا ہوش نہ آیا مجھ کو

چین تھا خواب عدم میں مجھے اے شور ظہور
تو نے کیوں دشمن آرام جگایا مجھ کو

جل اٹھا نبض کی گرمی سے مری دست طبیب
تپ ہجراں نے ترے ایسا جلایا مجھ کو

دل دکھانے کے لئے تجھ کو بنایا میرے
دکھ اٹھانے کے لئے تیر بنایا مجھ کو

دل شمشیر سے تیر اس کا یہ کہتا ہے کہ لے
جذبہ شوق ترا کھینچ کے لایا مجھ کو

میں نے چاہا تھا کہ آنکھوں میں رکھے گا وہ مجھے
اس نے آنکھوں ہی سے جوں اشک گرایا مجھ کو

لے گیا خضر تصور تجھے اس راہ سے واں
راہ میں نقش قدم ایک نہ پایا مجھ کو

گردش چشم ظفر اس نے دکھا کر آخر
چرخ کی طرح سے دن رات پھرایا مجھ کو

اگرچہ عقل سے الٹے ہزارا دفتر کو
پلٹ سکے نہ کسی کے کوئی مقدر کو

مٹا سکے نہ کوئی سرنوشت کا اک حرف
ہزار پٹکے اگر سنگ پر کوئی سر کو

جہاں دکھائے تماشا ظہور قدرت حق
نہ واں فلک کو ہے طاقت نہ تاب اختر کو

محال ہے کہ رہے ایک طرح پر یہ جہاں
کہ روز دور سنا ہے فلک کے ساغر کو

جلانہ ہاتھ کو گل کھا کے بوالہوس بے عشق
کب اعتبار ہے مہر دروغ مضطر کو

یہ جمع دے گی تجھے آخر ش پریشانی
نہ بھول باندھ کے اے غنچے گانٹھ میں زر کو

گئے جو اور کے در پر وہ دربدر ہیں خراب
ظفر نہ چھوڑیو تو آستان حیدر کو

داغ میرا اور لالے کا برابر کر تو دو !
دیکھیں تو کرتے ہوں دن سے رات کیونکر کر تو دو

ان کا اقرار اور انکار آج سب کھل جائے
ہم کو اور ان کو اکیلا ایکدم بھر کر تو دو!

دیکھیں خنجر کی تمہاری آب ہم پھر ایک بار
ہر گل زخم کہن کو تازہ و تر کر تو دو

دوستو آنے نہ آنے کا اسے ہے اختیار
حال سے آگہ مرے تم اس کو جا کر کر تو دو

خندہ دنداں نماسے تم ہو گر معجز نما
تو عوض شبنم کے پیدا گل میں گوہر کر تو دو

ہم کو تو غیروں سے اور غیروں کو ہم سے مہرباں
دوستی میں کس طرح کرتے ہو ہمسر کر تو دو

ایک سے ہے ایک بالا سب برابر کیونکہ ہوں
انگلیاں ہاتھوں کی تم پانچوں برابر کر تو دو

اے ظفر ہے جام گل میں بادہ رنگیں بہار
تم بھی خون توبہ سے سر سبز ساغر کر تو دو

چشم و دل میں مرے نشانے دو — تیر مژگاں اسے لگانے دو گر ستاوے وہ تو ستانے دو
کیوں ستاتے ہو ناصحو مجھ کو — داغ دل مجھ کو تم دکھانے دو
بعد مدت وہ لالہ رو آیا — بخت خوابیدہ کو جگانے دو
مجھ کو رونے دو آج گریہ سے — گر جلاوے مجھے جلانے دو
سر کی پرواہ نہیں ہے شمع صفت — آہ کو میری لب تک آنے دو
وہیں اس سنگ دل کو ہوگا اثر

اے ظفر رہا عشق ہے مشکل
اس سے تم باز آؤ جانے دو

مجھے ہر بات پر دیتے ہو لاکھوں گالیاں اوہو — تصدق اس زباں کے تم بھی یہ سیکھے زباں اوہو
دلا صد آفریں سر پر اٹھایا بار غم تو نے — کہ تو یہ ناتواں ہے اور یہ بار گراں اوہو
دم آیا میرا آنکھوں میں نہ آ دیکھا آنکھ بھر تو نے — تغافل اس قدر انداز اتنا مہرباں اوہو
گھٹا بھی گھٹ گئی دریا بھی اترا یہ نہیں رکتا — مری آنکھوں سے بھی ہیں کس قدر آنسو رواں اوہو
یہاں تک ناتوانی ہے کہ دم گھٹتا ہے سینے میں — ہزاروں کوس بھی پہنچوں گا میں کب تک کہاں اوہو
مرا کہنا کہ کیا عالم ہے تجھ پر واہ واہ صدقے — اور ان کا ناز سے ہنس ہنس کے یہ کہنا کہ ہاں اوہو

ظفر مت پوچھو مجھ سے کہ کیا کیا لطف دیکھا ہے
وہاں [illegible] یہاں وہ وہ یہاں ہے ہے وہاں اہو

دل کو مارا پارہ دل دوں نگاہ ناز کو — چاہیے ہے طعمہ بعد از صید دینا باز کو
بن کے پا جائے ہیہ میرے دل کے راز کو — وہم نے اس کے بٹھایا ہے بڑے غماز کو
دے کے سر الفت میں اس نے تازہ سر پیدا کیا — دیکھنا روشن دلو تم شمع کے اعجاز کو
وہ قیامت ہے مرا نالہ کہ دم میں ہمدموا — بند کردوں صور اسرافیل کی آواز کو
ہے لب زخم جگر کو یہ جنبش دم بدم — دے ہے اے قاتل دعائیں تیری تیغ ناز کو
زردی رخسار نے تیرے مریض عشق کو — کر دیا فق چھٹتے ہی مہتاب آتش باز کو
ہاتھ سے صیاد کے اڑ جاؤں جوں رنگ حنا — بال و پر کی کچھ نہیں حاجت مری پرواز کو

سامری کرتا ہے دعوی ساحری کا اے ظفر
یک نظر دیکھا نہیں اس چشم افسوں ساز کو

کیا خاک جئے آہ وہ بیمار بھلا اب
جس کو کہ ظفر عشق کا آزار لگا ہو

یہ کہہ دے اے صبا ان سے کہ یہاں آؤ ہوا کھاؤ
چمن میں صبحدم تک سیر فرماؤ ہوا کھاؤ

مجھے ڈر ہے کہ گرمی میں دل نازک نہ گھبرائے
ذرا ایوان کے پردوں کو اٹھواؤ ہوا کھاؤ

کیا بوسہ طلب جس دم تو وہ جھنجھلا کے یہ بولے
نہ بیہودہ بکو تم یاں سے بس جاؤ ہوا کھاؤ

نسیم اس یار سے کہہ دے کہ تم بیٹھے ہو کیا گھر میں
گلستاں میں ذرا تشریف ٹک لاؤ ہوا کھاؤ

نہیں کم آہ سرد پائی نسیم صبح سے پیارے
چمن ہی میں دل پر داغ کے آؤ ہوا کھاؤ

یہ ہے ہنگام گرمی بے حجابانہ ذرا بیٹھو
قبا کے کھول دو بند اب نہ شرماؤ ہوا کھاؤ

جو اس کے گال کو چھیڑا تو گالی دے کے یوں بولا
چلو بس اے ظفر مت گالیاں کھاؤ ہوا کھاؤ

جب یہ چمک تمہارے ابرو کے خال میں ہو
یہ کہیے کیونکہ تار شب کو ہلال میں ہو

اے حضرت دل اب تو فکر رہائی کیجے
بے وجہ پھنستے تم تو زلفوں کے جال میں ہو

فرقت کی رات جس نے کاٹی تڑپ تڑپ کر
یا رب وصال اس کا روز وصال میں ہو

آگے لبوں کے تیرے بھرتا ہے قند پانی
لیکن کہاں سے لذت آب زلال میں ہو

مجلس میں مے کشوں کی کیا کام ہے تمہارا
ہاں تم تو شیخ صاحب مست اپنے حال میں ہو

کبک دری کو تو نے پامال کر دیا ہے!
کیونکر نہ چلبلاہٹ اب تیری چال میں ہو

گو چرخ پر بھرا وے مہ آپ کو ولیکن
ہمسر نہ تو بھی تم سے حسن جمال میں ہو

نکلے ہے مہر تاباں جو صبحدم شفق میں
تکتے مجھے تم ایسے اس سرخ تال میں ہو

اٹھو کہیں ظفر اب بیٹھے عبث ہو در پر
وہ خواب ناز میں ہے تم کس خیال میں ہو

لشکر درد و الم بھیج نہ اے جن تو
کشور دل کو نہ کر اب مرے ویران تو

کیا ہے ارادہ ترا شوخ ستمگر بتا
چھیڑے ہے آ کر مجھے جو ہر گھڑی ہر آن تو

اس میں پھنسا ہے مرا طائر دل رات سے
اے بت سرکش نہ کر زلف پریشان تو

تیغ پکڑ ہاتھ میں سب سے ملاتا ہے آنکھ
آج کرے گا یہاں پھر کہیں گھمسان تو

اشک کے قطرے مرے ہیں گے بہت آبدار
لینے اگر ہیں تو لے یہ درغلطان تو

داغوں سے ہے بھر گیا سینۂ بریاں جو آہ
واہاں کہیں کیا دیکھے ہے سرو چراغاں تو

چھید دیے سب کے دل تیر مژہ چھوڑ کر
تھوڑے ہی دن میں ہوا تو وہ طوفان تو

کیونکہ ہو روشن ترا عشق کے کشور میں نام
روز کشائی ہے سر شمع شبستان تو

خانۂ دل چھوڑ کر لیت ابرو کمان
اور کے گھر میں نہ جا میں ترے قربان تو

کیونکہ جہاں اب نہ ہو زیر و زبر یک قلم
سب کو دکھاتا ہے یار جنبش مژگان تو

اس قدسوزوں سے کیا کی ہے کہیں سرکشی
خاک میں جو گڑ گیا سرو گلستان تو

وصل جب اس کا دلا ہووے گا حاصل تجھے
پہلے تو واں لاگھ لے عشق کے میدان تو

مجھ سے بھی یاں بات ہے غیروں سے بھی ہے پیام
دوستی میں جان من ہے نہیں یکسان تو

میں جو ہوں عاشق ترا مجھ کو نہ دیکھے تو حیف
غیر سے الفت رکھے خاک ہے انسان تو

کہنے کو شاعر ہیں یاں کہتے ہیں ہر بات میں
شاعری کے فن میں ہے زباں دان تو

مشق تجھے شعر کی ہے گی جو اب یک قلم
کہتا کر ہوائے ظفر صاحب دیوان تو

لخت جگر نہیں ہیں مژگان تر سے دو
گلبرگ تر بڑی ہے شاخ شجر سے دو

آنکھوں کو دیکھ اس کے دم میں حباب دریا
ٹک شرم سے ہو پانی بیٹھے او بھر سے دو

ابرو پہ اس کی زلفیں کیا اڑ کے آ گئی ہیں
جاسوس لگ رہے ہیں دیوار و در سے دو

یارو قدم سمجھ کر رکھنا تک اس کے گھر میں
ظالم کی تیغ سے ہیں وابستہ پر سے دو

بس قتل کو ہے میرے ابرو کا اک اشارہ
تلوار ہاتھ سے تم رکھو اب سپر سے دو

یارو نہ اب گھٹاؤ دل کو گھٹا دکھا کر
یہ وقت مے کشی ہے ساغر نہ دھر سے دو

شیشے قریب ساغر کس نے دھرے ہیں ساقی
یہ آبلے نہیں ہیں داغ جگر سے دو

کانوں میں یہ نہیں ہیں اس رشک مرے کے موتی
تارے سے ہیں چمکتے اپنی نظر سے دو

نیند آ گئی ظفر کو زانو سے یار پر اب
اے یارو کوئی تکیہ رکھ اس کے سر سے دو

جب لب پہ ترے رنگ مسی جلوہ نما ہو
تب چشمہ حیواں پہ نمودار گھٹا ہو

نرگس کی روش ہاتھ میں لے کیوں نہ عصا وہ
آنکھیں جو تری دیکھ کے بیمار ہوا ہو

عکس رخ دلدار وہیں ہووے نمایاں
جوں آئینہ کچھ دل میں اگر اپنے صفا ہو

جب کھولتے ہو کاکل پیچاں کو تم اپنے
تب سر پہ مرے ایک نئی لاتے بلا ہو

کیوں دیدہ و دانستہ نہ ہم خاک میں مل جائیں
اے شوخ جو سرمہ تری آنکھوں میں لگا ہوا

بوسہ جو طلب میں نے کیا اس سے تو وہ ہیں
جھنجھلا کے لگا کہنے کہ چل یاں سے ہوا ہو

وحشت سے گریباں کو کرے کیونکہ نہ گل چاک
زنجیر چمن میں جو لئے موج صبا ہو

محراب حرم کیونکہ نہ سمجھے وہ بہر شکل
سر جس کا خم ابروئے جاناں میں جھکا ہو

جب اس کو تو پامال کرے یوں تو پھر اے شوخ
باندھے ہوئے ہاتھ آگے ترے کیوں نہ حنا ہو

میں تم پہ دل و جاں سے مری جان فدا ہوں
بہکانے سے غیروں کے نہ تم مجھ سے خفا ہو

در گوش اس کے رخ سے متصل ہے جلوہ گر دیکھو
نمود اختر تاباں ہے نزدیک قمر دیکھو

تمہارے حسن کا دریوزہ گر ہے مہر کیا تنہا
پھرے ہے ماہ بھی کاسہ لئے شب دربدر دیکھو

مرے ہر موئے تن سے چھوٹتے ہیں خون کے فوارے
رگ جاں میں لگا ہے اس مژہ کا نیشتر دیکھو

تمہیں کچھ قدر بھی ہے اشک لخت دل کی اے آنکھو
لٹاؤ تم نہ اس صورت سے یہ لعل و گہر دیکھو

تمہارے دل سے اپنے دل کو رکھتا ہوں میں ہم پہلو
بھڑا یا سنگ سے شیشے کو ہے میرا جگر دیکھو

نہیں کم تار بارش سے لڑی اشک مسلسل کی
رگ ابر سیہ ہے یہ مری مژگاں تر دیکھو

سراسر خاک ہیں اے غافلو آثار ہستی کے
حباب آسا ہوا پر ہے یہ بنیاد بشر دیکھو

نظر آئے گی تم کو ہیچ یہ سب زندگی اپنی
تم اس کا شاعرو باندھو نہ مضمون کمر دیکھو

بچاؤ کشتی دل کو شتابی اے ظفر اس سے
خط چین جبین یار ہے موج خطر دیکھو

جب کہ پہلو میں ہمارے بت خود کام نہ ہو
گریے سے شام و سحر کیوں کہ ہمیں کام نہ ہو

لے گیا دل کا جو آرام ہمارے یارب
اس دلارام کو مطلق کبھی آرام نہ ہوا

جس کو سمجھے لب پاں خوردہ وہ مالیدہ مسی
مرو ماں دیکھیو پھولی وہ کہیں شام نہ ہو

آج تشریف گلستاں میں وہ مے کش لایا
کف نرگس پہ دھرا کیونکہ بھلا جام نہ ہو

کر مجھے قتل وہاں اب کہ نہ ہو کوئی جہاں
تا مری جاں تو کہیں خلق میں بدنام نہ ہو

دیکھ کر کھولیو تو کاکل پیچاں کی گرہ
کہ مرا طائر دل اس کے تہ دام نہ ہو

بن ترے اے بت خود کام یہ دل کو ہے خطر
تیرے عاشق کا تمام آہ کہیں کام نہ ہو

آج ہر ایک جو یارو نظر آتا ہے نڈھال
اپنی ابرو کی وہ کھینچے ہوئے صمصام نہ ہو

ہے مرے سوخ کی مالیدہ وہ کافر آنکھیں
جس کے ہم چشم ذرا نرگس بادام نہ ہو

صبح ہوتی ہی نہیں اور نہیں کٹتی رات
رخ پہ کھولے وہ کہیں زلف سیاہ فام نہ ہو

اے ظفر چرخ پہ خورشید جو یوں کانپے ہے
جلوہ گر آج کہیں یارلب بام نہ ہو

دل سوزاں کو مرے اے بت خونخوار نہ چھو
اخگر عشق ہے یہ تو اسے زنہار نہ چھو

اے طبیب آبلے پڑ جائیں گے ہاتھوں میں ترے
نبض بیمار تپ عشق کو ہر بار نہ چھو

ڈر تف آہ اسیران قفس سے صیاد
ہر گھڑی بال و پر مرغ گرفتار نہ چھو

وادی قیس میں پھر آگ نہ لگ جائے کہیں
دامن گرم رو عشق کو اے خار نہ چھو

دل نہیں سینے میں میرے وہ دبی آتش ہے
ہاتھ ہرگز نہ لگا اس کو خبردار نہ چھو

کہیں لگ جائے نہ اس سقف کہن میں آتش
قصر افلاک کو اے آہ شرر بار نہ چھو

صورت شانہ یہ ہوتا نہ دل اپنا صد چاک
زلف کا اس کی اگر لیتے ہر اک تار نہ چھو

کر نہ اے باد صبا خاک شہیداں برباد
دامن گرد رہ کوچہ دلدار نہ چھو

وہ برہمن بچہ ہر دم تجھے کہتا ہے ظفر
تو مسلمان ہے سر رشتہ زنار نہ چھو

نہیں اس دل میں دل اس پر بھی ہے بند جادو
ہو گیا ہائے گرفتار کمند جادو

مہ کو کیونکہ نہ جانی وہ کہیں ہم سوزن
چشم فتان بھی ہے خوبان کی پسند جادو

سامری حلقہ بگوشوں میں ہے اس ساحر کے
جس کا خط دم افسوں خال پسند جادو

زلف کے مارے کو مارو نہ کبھی پڑھ کر ماش
نہیں افعی کا یہ کاٹا ہے گزند جادو

مخلص کیونکہ ہو اس دل کی ظفر زلفوں سے
ہو گیا ہائے گرفتار کمند جادو

کریں ہیں غرق اک دم میں تمام عالم کے گھ دیکھو
بڑی ہے جوش پر مردم ہے بحر چشم تر دیکھو

دل سوزاں کا ہر ٹکڑا کنار چشم تر دیکھو
چراغاں کا تماشا بر لب جو آن کر دیکھو

لہو تھمتا نہیں اک دم بھی زخم چشم عاشق سے
تمھارا کیا لیا نارنگ کار دگر دیکھو

کسی لعل مسی آلودہ پر خود ہے دل مجنوں
نہیں ہوتی شفق ہرشام یہ افلاک پر دیکھو

طرح منصور کی ہو چشم حق میں مرداں تو یہاں
نمایاں وار ہر مژگاں پہ ہے لخت جگر دیکھو

گئی شب باتوں ہی میں اب تو چھوڑو جنگ ٹک مل لو
یہی خطرہ ہے ہم کو دم میں ہوتی ہے سحر دیکھو

فلک بے وجہ تو رہتا نہیں ہے چرخ میں اس کو
تزلزل میں رکھے ہے نالہ کا میرے اثر دیکھو

تم از خود دلبر ابرو کماں آئے ادھر کب تھے
کشش دل کی ہماری کھینچ لاتی ہے ادھر دیکھو

دلاتا کون ہے تجھ کو ستم غیروں کے ملنے کی
ملو سب سے پر الفت کی نہ ہو ان پر نظر دیکو

ابھی یہ ذوالفقار اک دم میں قتل عام کرتی ہے
میاں ابرو کی اپنی کھینچو مت تیغ دو سر دیکھو

تمھارے آتشیں رخسار جوں شعلہ فروزاں ہیں
جو اشک گرم ہے میرا وہ ہم رنگ شرر دیکھو

کسی کا دل جلاتا شعلہ رویاں کیا بھلا ہے گا
کٹے ہے شمع کا سر آہ کس تقصیر پر دیکھو

نہیں بے وجہ لاکھا رنگ پاں کا اس کے ہونٹوں پر
ہوا وہ مستعد تازہ کسو کے خون پر دیکھو

شتابی اس زمیں میں اور لکھو اک غزل تازہ
تکلف مت کرو اچھا نہیں ہے اے ظفر دیکھو

مکان چشم کو میرے ذرا تم آن کر دیکھو
کیا ہے صاف کیا جاروب مژگاں نے یہ گھر دیکھو

وہاں بالے کے حلقے میں ہے عارض جلوہ گر دیکھو
عزیزو دن ہی کو نکلا ہے ہالے میں قمر دیکھو

خدا کے واسطے دکھاؤ مت یہ جنبش مژگاں
دو عالم کو نہ اک پل میں کو زیر زبر دیکھو

عجب صورت سے اس کے حسن کا ہے جلوہ اے مارو
اسے آئینہ ساں ہر دم بآئین دگر دیکھو

نہ چھوڑا پنجہ مژگاں سے چشم یار نے دل کو
گری شاہین کبوتر پر ہے کیا باندھ کر دیکھو

نہیں موقوف شیخ و برہمن کچھ دیر و کعبہ پر
ہر ایک سو جلوہ گر حق ہے جدھر چاہو ادھر دیکھو

چمن میں تم سے چشم لطف کی رکھی تمنا ہے
تمہاری نذر کو نرگس لئے ہے سیم و زر دیکھو

بہار ابر سیہ سے باغ میں دو چند ہوتی ہے
ذرا تم چھوڑ کر چہرے پر زلفیں سربسر دیکھو

غزل اک اور لکھو اس زمیں میں ایسی ہی رنگیں
قلم کو ہاتھ سے رکھ دو نہ تم اب اے ظفر دیکھو

دکھاؤں آہ سے گر اپنے دل کے داغ کی لو
نہ نکلے روزن فانوس سے چراغ کی لو

خجل ہے شعلہ دل سے مرے چراغ کی لو
نہ کیونکہ دیکھ کے کانپے اے ایاغ کی لو

بلائے ہے پہ پروانہ باد کش اے شمع
فرو ہو کیونکہ تری سوزش دماغ کی لو

بھری ہے تو نے شراب دو آتشہ ساقی
نہ کیونکہ دل کو لگے اپنے اب ایاغ کی لو

بغور دیکھ دلا تاب در سے کیا یکسر
چم رہی ہے عجب گوش خوش دماغ کی لو

بدن میں دیکھ کے اس کے قبائے پھلکاری
ہمارے دل سے مٹی تختہ ہائے باغ کی لو

ظفر نہیں ہے خط پشت لب پہ اس کے وہ خال
لگی ہے طوطی شکر شکن سے زاغ کی لو

شعلہ جو سوز دل سے گلو گیر آہ ہو
پیکاں نمط عیاں وہ سر تیر آہ ہو

سیل سرشک چشم بھی ہمراہ ہو اگر
جوں سرو آب جو یہاں توقیر آہ ہو

دکھلائے ہے جو سوزش دل کو تو برق بھی
حیران دیکھ عالم تنویر آہ ہو

کلک جلی تو شمع جگر سوز سے بنا
مانی جو کھینچے تو مری تصویر آہ ہو

نالاں ہیں ایک عمر سے ہم اس لئے ظفر
کب اس کے دل میں دیکھئے تاثیر آہ ہو

یونہی بنا ہیں گے دوستی ہم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو
کریں گے الفت نہ یہ کبھی کم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

عرق جو رخ پر ہے یہ تمہارے بڑا تعجب ہے ورنہ پیارے
کبھی نہ ٹھہرے گی خور پہ شبنم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

کب اشک شوق وہاں میں تیرے تھمیں کہ پھرتے نہیں ہے پھرتے
رہے گا یہ ہی رہے گی دائم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

یہ زخم چھاتی پہ ہے ہماری کسی کے خنجر کی یادگاری
لگانے دیں گے نہ اس پہ مرہم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

یہ ہیں جو لخت جگر مژہ پر مجھے تعجب ہے دیدہ تر
شرار و خاشک ہوں نہ باہم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

تم اس کے پھر حسن عارضی کا ظفر بھروسا نہ کیجے گا
رہے گا ہرگز نہ یہ تو عالم ادھر کی دنیا اگر ادھر ہو

مرے رکھ ہاتھ سر پہ جھوٹ مت قرآن سے بولو
خدا سے تو ڈرو تم اے بتو ایمان سے بولو

کہاں تک میری جانب سے رہے گی بستگی تم کو
گرہ دل کی کہیں کھولو ذرا ایمان سے بولو

سبک باتیں نہ مجھ سے اس قدر ہر دم کیا کیجے
لیاقت میری کچھ سمجھو اور اپنی شان سے بولو

وہ دن تھے کون سے ہوئے پہ جو ہم کو جھڑکتے تھے
وہی دیوانہ ہم ہیں گے کسی انسان سے بولو

مجھے ہر دم جو کہتے ہو کہ تو غیروں سے ملتا ہے
سر بازار تم جا کر ہر اک دکان سے بولو

ڈرو رونے سے میرے تم کہیں طوفاں نہ برپا ہو
نہ تہمت مت دھرو مجھ پر نہ اس طوفان سے بولو

اگر روکیں تو رک جانا ظفر تم اس کے کوچے میں
تمہیں میری قسم ہے جو کبھی دربان سے بولو

گر قتل کا ہے عزم تو شمشیر دکھا دو
یا آ کے تم اپنی مجھے تصویر دکھا دو

تا حشر نہ ہو خواہش نظارہ سنبل
تم ہم کو اگر زلف گرہ گیر دکھا دو

پتھرا گئیں آنکھیں اسی حسرت میں عزیزو
ٹک مجھ کو در یار کی زنجیر دکھا دو

یاں تک کشش دل تمہیں لائی ہے یہاں کھینچ
ہے مجھ سا کوئی صاحب تاثیر دکھا دو

اپنی ہی ہے یہ آہ کر پہنچی ہے فلک تک
ورنہ کوئی ایسا تو ہمیں تیر دکھا دو

تم تیغ بکف پھرتے ہو کیوں کس لئے کیا ہے
ہے آج قضا کس کی گلو گیر دکھا دو

تبدیل قوافی سے ظفر دیکھیں تو اس دم
ایک اور غزل کر ہمیں تحریر دکھا دو

دکھا کر گر مسی آلودہ دنداں وہ ہنسے شب کو
خجالت کش کرے تا صبحدم ہی چشم کوکب کو

قلم مشق ستم سے یک قلم سر کو مرے مت کر
قلم آسا زباں پر کب ہیں لاتے حرف مطلب کو

یہ سوچ بادہ گلرنگ محراب عبادت ہے
نہیں کم ساقیا ہر ایک بد اہل مشرب کو

برنگ نیشکر سمجھیں اسے بس حق میں ہم اپنے
لگا دے گر کے قلیاں سے تو شیریں دہن لب کو

سدا سے خانہ زنجیر ہے جاگیر مجنوں کی
جو ہو اس سلسلے میں پائے ہے وہ ایسے منصب کو

کرے ہے خندہ دنداں نما اب زاہد تجھ پر
پڑی ہے سوچ میں الماس تیرے دیکھ مذہب کو

نہیں لخت دل سیپارہ رہ ہم پہلو یہ اشکوں کا
بغل میں داب سیپارہ چلا ہے طفل مکتب کو

نہیں اس کان کے بالے پہ ہر دم زلف بلتی ہے
ہم گری سے دیکھا آج تم نے ما و عقرب کو

ظفر جس شکل سے چاہ ذقن سے اس کے دل نکلا
نکلتے یوں نہیں دیکھا کنویں سے ماہ نخشب کو

خدا بخشو کہیں دل کی بس اب زلف دوتا کھولو
یہ قیدی مر نہ جائے اس کی تم مشکیں ذرا کھولو

حجاب اتنا بھی کیا لازم ہے عقدہ بحر عالم
حباب آسا ذرا تم آنکھ اے اہل فنا کھولو

بحر خون شفق میں پنجہ خور ڈوبے خجلت سے
جو تم دست حنا بستہ کو اپنے مہ لقا کھولو

جو اک عقدہ دانستہ ہے جان حزیں میری
تم اس کو ناخن شمشیر سے بہر خدا کھولو

نہیں وہ تو دکھاتا ہے ہمیں یاقوت لب اپنے
تمہیں اے دیدہ تر درج ڈر بے بہا کھولو

برنگ غنچہ ہو لب بستہ تم جو یوں کئی دن سے
ارادہ حضرت دل آپ کا ہم سے ہے کیا کھولو

لٹایا ور تو سب کچھ تمنائے تو وصل میں
رہی ہے ایک جاں اس کو بھی بہر مدعا کھولو

ظفر کر عرض پہ اپنی جناب شاہ داں سے
شتابی عقدہ مشکل مرا مشکل کشا کھولو

خنجر ہی نہ دکھلاؤ نہ تلوار دکھاؤ
تم ابروئے مژگاں مجھے یک بار دکھاؤ

پھرتا ہوں میں جوں ساغر مے تشنہ لبی سے
یارو مجھے اب خمخانہ خمار دکھاؤ

حوران بہشتی کا بھی دل میں نہ خیال آئے
تم خواب میں بھی گر مجھے دیدار دکھاؤ

موجود ہے یاں جنس دل اے حضرت عشق اب
گر لہو دے کوئی اس کا خریدار دکھاؤ

سنبل کی لہر سے نہ رہے پھر ہمیں مطلب
یک دست جو تم کا کل خمدار دکھاؤ

بیعت کروں پھر تم سے میں اے حضر واعظ
تسبیح جو بے رشتہ زنار دکھاؤ

کر قافیہ تبدیل ظفر اور غزل بھی
لکھ صفحہ قرطاس پہ یک بار دکھاؤ

خال اب نہ تہ زلف سیہ فام دکھاؤ
مارا مجھے مت ایک سر شام دکھاؤ

اس نرگس بیمار کا بیمار ہوں میں آہ
لالا کے نہ مجھ کو گل بادام دکھاؤ

معلوم ہوئے آپ کے جوہر ہمیں صاحب
ہر دم نہ بس اب کھینچ کے صمصام دکھاؤ

اس کی ہی بلائیں کہیں لے لے کے چھٹیں ہم
اے کاش تم اپنا ہمیں ہمنام دکھاؤ

پہنچا نہ کبھی قافلے تک آہ عزیزو
مجھ سا بھی جہاں میں کوئی بدنام دکھاؤ

بے وجہ نمود اب ہے خط رخ پہ تمہارے
مت طائر دل کو یہ مرے دام دکھاؤ

کہتے ہیں سخنداں ظفر اک اور غزل تم
تغییر قوافی سے کر ارقام دکھاؤ

یارو نہ مجھے سرو نہ شمشاد دکھا دو
جس قامت موزوں کی ہے اب یاد دکھا دو

جاوے گا نہ اس کاوش مژگاں کا تصور
گر لاکھ مجھے نشتر فصاد دکھا دو

دل نیم نگہ سے ہوا اس یار کے بسمل
کشتہ کوئی ایسا ہو جو جلاد دکھا دو

مرغان چمن دام میں ہرگز نہ پھنسوں میں
گر مجھ کو ذرا صورت صیاد دکھا دو

سو دل سے میں قرباں ہوں جو دیسی کوئی تصویر
تم لا کے اگر مانی و بہزاد دکھا دو

دیوانہ صفت جس کی تمنا میں ہوں پھرتا
یارو مجھے وہ شوخ پری زاد دکھا دو

شیریں نہ ہو کوہ کنی میں بھی تو دیکھوں
تم چل کے مجھے مرقد فرہاد دکھا دو

مے خانے میں کیا برہمو جا کے کروں گا
ٹک تم مجھے وہ حسن خداداد دکھا دو

خاک قدم فخر جہاں ہے ظفر اس کو
بولیں نہ دکھلاؤ نہ اولاد دکھا دو

ہم سے شرماؤ نہ تم چشم حیا کو کھولو
مثل گل شوق سے اک بند قبا کو کھولو

پاؤں میں مہندی لگا بیٹھے ہو تم واں بیہات
خون دل ہوتا ہے یاں جلد حنا کو کھولو

مار رکھے گی سراسر ہی یہ کافر دل کو
جان من رخ پہ تم زلف دوتا کو کھولو

مجھ کو رسوا نہ کرو رو رو کے تم اے آنکھو
راز انکھوں میں مت مانو خدا کو کھولو

غنچہ ساں دل میں گرہ ہم سے نہ رکھو اب تم
گلے لگ جاؤ بس آغوش وفا کو کھولو

شدت گرمی سے دم اپنا بہت رکتا ہے
یا الہی کہیں جلد سے ہو کو کھولوا

بخدا یارو ظفر سے وہ بہت رکتا ہے
کوئی باتوں میں بہت ہوش ربا کو کھولو

کام دن رات جسے چشم گرفتار سے ہو
کیوں نہ پرہیز اسے نرگس بیمار سے ہو

محو نظارہ آئینہ فقط وہ ہی نہیں
دام حیرت میں گئے ہم ہی گرفتار سے ہو

آبرو خاک میں تیری ابھی مل جائے گی
روکش اے ابر نہ اس چشم گہر بار سے ہو

زخم دل پر ہے مرے عکس خط سبز اس کا
فائدہ کیوں نہ تجھے مرہم زنگار سے ہو

زلف کو چھوڑ گیا مانگ کا رستہ دل نے
سوئے ظلمات چلا کشور تاتار سے ہو

کر سکے دل کی نہ اس آئینہ رو سے کچھ بات
روبرو اس کے کھڑے رہ گئے ناچار سے ہو

منہ پہ مہتاب کے گر شب کو ہوئی چھوٹے
جب مقابل وہ مرے آہ شرر بار سے ہو

سنگ کا بھی غم فرہاد سے ہے زہرہ آب
کیوں نہ سیلاب رواں چشمہ کہسار سے ہو

اے ظفر ایسی ہی اک اور غزل ہم کو سنا
تا کہ محفوظ طبیعت تری گفتار سے ہو

حال دل پوچھتے اپنے نہیں بیمار سے ہو
آہ ترساتے مجھے شربت دیدار سے

بخدا جس کو محبت بت عیار سے ہو
کار کیونکر نہ اس رشتہ زنار سے ہو

خوں فشاں چشم ہوئی ہجر میں یہ گل رو کے
پاٹ دامن کے گئے تختہ گلزار سے ہو

تری تابندگی رہنے کی نہیں یک ذرہ
روکش اے مہر نہ اس آئینے رخسار سے ہو

سر بسر ڈھانپ لیا زلف سے اس نے رخ کو
کام برہم نہ مرا کیوں شب تار سے ہو

جھانک تاک اور کسی سے ہے تمہیں کیا منظور
لپٹے رہتے جو سدا رخنہ دیوار سے ہو

زندگانی کی حلاوت وہی سمجھے ہے تری
خواہش بوسہ جسے لعل گہر بار سے ہو

کیا خدا سے وہ ملا دے گا بت خانہ خراب
سر کو ٹکراتے جو اس کے در و دیوار سے ہو

اے ظفر اس سے بھلا کیا ہے لگانا دل کا
جو کہ واقف نہ کبھی عشق کے آزار سے ہو

ردیف واؤ

تیغ ابرو کی نہیں جس کو دکھائی آب ہو
کیوں نہ ہر دم زہرہ اس کا پا رجاتی آب ہو

وصل بنتے ہی صنم کا کاروان ہجر کا
بہہ چلی آنکھوں سے اپنی سب نشانی آب ہو

قدر جانے ہے ہمارے اشک وسرگاں کی دلا
جس کو اس درنجف کی آہ پ ائی آب ہو

حال درد عشق اپنا گر کہیں دو چار میں
لیلے و مجنوں کی پھر اس جا کہانی آب ہو

چشم پر خوں کو ہماری دیکھ کر ساقی مدا
کیوں نہ پھر جام شراب ارغوانی آب ہو

نقش وہ کندہ کرے گا ان بتوں کا دل کے بیچ
جس کو پھر ایسے نگینے کی نشانی آب ہو

کھینچ کر تیغہ جو نکلے چشم سے یاں فوج اشک
اظفر خجالت سے تیغ اصفہانی آب ہو

ہمارے دیکھ کے دریائے دل کا پار چڑھاؤ
گھٹا ہے کیا ہی سمندر کا ایک بار چڑھاؤ

ہمیں تو ایک ہی کافی ہے برش ابرو
تم اپنی تیغ کو اب چرخ پر ہزار چڑھاؤ

خیال زلف بتاں آؤ چھوڑ دو بخدا
بلا کو سر پہ نہ تم اپنے زنہار چڑھاؤ

گلی میں رہنے دو اپنی اڑا کے تم یکمشت
فلک تلک نہ مری خاک کا غبار چڑھاؤ

جلن سے آتش الفت کی دیکھو تم ہر دم
بہانہ کرکے نہ تم آپ کو بخار چڑھاؤ

بجائے مطربو اس وقت تار بارش کے
بجاتا رعد ہے مردنگ ، تم ستار چڑھاؤ

پتنگ وار ظفر روز تار الفت پر
وہ اڑ کے آوے جو تم چنگ ایک بار چڑھاؤ

پیدا کی دل میں داغ نے اک آب و تاب تو
نخشب میں جلوہ گر یہ ہوا ماہتاب تو

سودائی و جنونی وشیدا و شیفتہ
دیوے ہے ایک روز مجھ کو خطاب تو

اس کو نہ ماہ نو کہو ہر ماہ دوستاں
بدلے ہے اب یہ توسن گردوں رکاب تو

کب تار زلف سے دل صد پارہ ہے بندھا
کرتا ہے جمع تیرا پریشاں کتاب تو

شبنم نے صبح آتش گل سے چمن کی
لے کر سبوئے غنچہ کشیدہ گلاب تو

بھر بھر کے مجھ کو جام تو ساقی دیئے ہی جا
یار از شراب کہنہ دیا از شراب تو

کیا جانئے کہ عرصہ یک دم میں پھر یہاں
بدلے ہے کیا یہ دور فلک انقلاب تو

تو بوسہ روز لینے لگا میں تو یوں کہا
ایجاد روز تم نے کیا یہ حساب تو

لکھتے ہیں خط ہم اس بت تو خط کو جب ظفر
ایجاد کرکے بھیجے ہے وہ اک جواب تو

پاس آئیں نہ دل لوٹ کے دستور سے لوٹیں
آنکھیں ترے قزاق ہیں وہ دور سے لوٹیں

نے ہوش رہے خرقہ نہ سر پہ رہے دستار
صوفی کو جو وہ نرگس مخمور سے لوٹیں

کیوں کر نہ لٹے دل جو ذرا کرڑی مژگاں
ظالم اسے دوشنبہ و ساطور سے لوٹیں

حکم شہ خوباں ہے کہ غارت گر عشاق
لوٹیں جسے باہر حد مقدور سے لوٹیں

لوٹیں گل مہتاب یک شب ہم جو بہاریں
تیرے ہی گل عارض پرنور سے لوٹیں

ہم رہزنوں سے نہیں مکار و مزور
لوٹیں وہ اگر زور سے یہ زور سے لوٹیں

کھل جائے کہیں ہم سے وہ جلدی کر ظفر ہم
باتوں کے مزے اس بت مغرور سے لوٹیں

اس در کی نہ ہو خاک جو یک مشت کفن میں
تو میری زمیں سے نہ لگے پشت کفن میں

اعجاز شہادت سے شہیدوں کے عجب کیا
اٹھ جائے شہادت کو جو انگشت کفن میں

دیکھا جو گل زخم تو پھولا نہ سمایا
ہر کشتہ ترا بعد زد و کشت کفن میں

ہمدم ہے عبیر کفن اس در کی مجھے خاک
خوشبو نہ لگا تو مرے چل بہشت کفن میں

اس منجیہ کا سوز غم عشق پس از مرگ
بھڑکائے ہے اک آتش زردشت کفن میں

دیکھا ترے حسرت زدہ کو بعد فنا بھی
دانتوں کے تلے دابے سر انگشت کفن میں

مقدور حریفوں کو ظفر ہو تو زر و سیم
لیں باندھ پس از مرگ بھی یکمشت کفن میں

خطِ غلام اپنا صنم لکھ کے بھیج دوں
اور جو کہے خدا کی قسم لکھ کے بھیج دوں

ڈرتا ہوں وہ قلم نہ کرے ہاتھ ورنہ میں
جو جو کئے ہیں اس نے ستم لکھ کے بھیج دوں

ظالم ہزار دستہ ء کاغذ سیاہ ہوں
گر ایک قصہء شبِ غم لکھ کے بھیج دوں

آسکتا رفتگاں کا نہیں کوئی بھی جواب
خط کس کے ہاتھ سوئے عدم لکھ کے بھیج دوں

معلوم ہوتا اس کو مری آرزوئے وصل
وصلی پہ حال رنج و الم لکھ کے بھیج دوں

جا کر دکھاؤں دل پہ ہے جو داغ بے حساب
گر ہو حساب دام و درم لکھ کے بھیج دوں

یہ کیوں لکھوں کہ میں ہوں سیہ روز تیرہ بخت
مضمون خط و خال بہم لکھ کے بھیج دوں

باور نہ ہو تجھے کبھی اے شوخ بے وفا
سو عہد نامہ گر بقسم لکھ کے بھیج دوں

پرزے پہ میں جگر کے ظفر اس کو حالِ دل
مژگاں تری اگر ہو قلم لکھ کے بھیج دوں

یار ہو پیشِ نظر یہ کبھی ہونے کا نہیں
ہو تو دیکھوں نہ ادھر یہ کبھی ہونے کا نہیں

آہ دکھلائے اثر یہ کبھی ہونے کا نہیں
سرو میں آئے ثمر یہ کبھی ہونے کا نہیں

کھینچ کر تیغ ستم ہو وہ مقابل جس دم
دل ترا موم ہو پر یہ کبھی ہونے کا نہیں

ضبط گریہ کا نہ لے نام تو ہم چشموں میں
ہوں نہ میں سینہ سپر یہ کبھی ہونے کا نہیں

دل حیرت زدہ ہے غنچۂ تصویر اپنا
تجھ سے اے دیدہ تر یہ کبھی ہونے کا نہیں

غرق ہو جائے گا گریہ سے مرے ایک جہاں
پر مجھے سوز جگر یہ کبھی ہونے کا نہیں

گھر میں اس نے ہمیں اپنے بلایا لیکن
چاہے دل میں ہو گھر یہ کبھی ہونے کا نہیں

صبر مشکل ہے نہ کر صبر کا دعوی ہرگز
عشق میں تجھ سے ظفر یہ کبھی ہونے کا نہیں

رہیں ہیں موج زن یہ اشک خوں آمیز آنکھوں میں
کہ ہے ہر موج جن کی موج طوفاں خیز آنکھوں میں

کرتے ہے ضبط کچھ گریہ کو پاس آبرو ورنہ
بھرے ہیں اشک مثل ساغر لبریز آنکھوں میں

الٰہی دیکھئے کیا ہو کہ سنگ سرمہ سے قاتل
کرے ہے آج پھر تیغ نگہ کو تیز آنکھوں میں

تماشا ہو جو سوز دل سے ہوں پھول آگ سے پیدا
بجائے اشک خود گلریز ان گلریز آنکھوں میں

تری تیغ نگہ کے سر چڑھا خوں بے گناہوں کا
نہیں سرخی نشے کی قاتل خونریز آنکھوں میں

مجھے آئے نہ رونا دیکھ کر کیوں سنبل تر کو
کہ پھر جائے ہے اسکی زلف دل آویز آنکھوں میں

ظفر دیوانہ ہوں میں تو خطوں کے سبز خط کا
لگے ہے خار میرے سبزہ نو خیز آنکھوں میں

مانند شمع عشق میں گردن بریدہ ہوں
پر بلی بے سرکشی کے وہی سرکشیدہ ہوں

مطلب نہ آشنا سے نہ دام وقفس سے کام
میں اس چمن میں طائر رنگ پریدہ ہوں

بدلے زلال خضر نہ منہ کا مرے مزا
میں تلخ کام زہر محبت چشیدہ ہوں

مقدور کیا کہ چشم سے اک بوند بھی گرے
رکھتا مثال آئینہ گو آب دیدہ ہوں

وحشت کیدو ہی ڈھنگ ہیں ہستی سے تا عدم
میں وحشی رمیدہ کہاں آرمیدہ ہوں

تا شمع انجمن ہوں نہ میں لالہ چمن
پھر کیوں جہاں میں داغ بدل آفریدہ ہوں

ہوں خاک بھی تو خاک رہ پیرے فروش
میں بد مشربوں میں ظفر خوش عقیدہ ہوں

سو بار کی بغور نگہ آفتاب میں
ترا سا جلوہ دیکھا نہ گر آفتا میں

خالی اس کے رخ پہ ہے کہ سیاہی سی رات کی
کھا کل گرہ گئی ہے یہ رہ آفتاب میں

دکھلاؤں دل کا داغ تو ' نکلے ذرا نہ فرق
کچھ اس میں اور غیرت مہ آفتاب میں

آئے اگر عرق ترے رخ پہ تو کیا عجب
شبنم سے جائے آب جو یہ آفتاب میں

اک تیرہ آہ خانہء زنبور کی طرح
روزن پڑے ہزار جگہ آفتاب میں

وہ جائے زیر سایہ دیوار دے کے
بیٹھا رہے کوئی سر رہ آفتاب میں !

حیراں ہوں میں خلوط شعاعی کو دیکھ کر
کس نے لگائے تیر مژہ آفتاب میں

تو جام مے میں مردمک چشم مست دیکھ
ہے شکل ماہ داغ سیہ آفتاب میں

شاہان عصر میں ہے ظفر تو وہ سربلند
پڑتا ہے عکس تاجگہ آفتاب میں

ہوئے واقف نہ جو دنیا کے غم سے وہی اچھے ہیں
جو ہستی میں نہیں آئے عدم سے وہی اچھے ہیں

جھڑے یوں تو ہزاروں گوہر خوش آب نیساں سے
مگر جو اشک ٹپکے چشم نم سے وہی اچھے ہیں

برابر ہیں پریشانی میں ہم اور بال زلفوں کے
وہ اکثر تیرے منہ لگتے ہیں ہم سے وہی اچھے ہیں

جو پوچھے کوئی اچھے کون ہیں گبرو مسلمان میں
کہوں جو آشنا ہیں اس صنم سے وہی اچھے ہیں

بڑے جتنے زمانہ میں ہیں سب ہیں ہم نشیں اسکے
مگر اس بزم میں اک اپنے دم سے وہی اچھے ہیں

ترا کیا نام ہے اچھا کہ جتنے حرف ہیں اس کے
نکلتے ہر جگہ میرے قلم سے وہی اچھے ہیں

بہادر اچھے اچھے ہیں مگر میدان الفت میں
جو ہیں سینہ سپر تیغ ستم سے وہی اچھے ہیں

جو داغ عشق دیں تو کیا کروں میں گنج زر لے کے
مرے نزدیک دینا رو درم سے وہی اچھے ہیں

ظفر یوں تو سب اچھے ہیں برا کہئے کسے لیکن
بڑے اچھے ہیں جو اس کے کرم سے وہی اچھے ہیں

ہم بیٹھ کے اس در پر کب آنسو بہاتے ہیں
قاصد وہ مرے خط کے پرزے جو اڑاتے ہیں
لگتی ہے اگر آتش پانی سے بجھاتے ہیں
ہیں بخت جو خوابیدہ وہ بھی تو کبھی جاگیں
جو بات کر غصے سے کہتے ہیں وہ آوروں کو
دل اس بت کافر سے پھرنے کا نہیں اپنا
ہم ہیں وہی جو آگے روتوں کو ہنساتے ہیں
کب داغ ہیں سینے میں سوز غم ہجراں سے

ناحق یہ عدو ہم پر طوفان اٹھاتے ہیں
معلوم نہیں ان کو کیا غیر پڑھاتے ہیں
پر اشک مرے دل میں اور آگ لگاتے ہیں
ہر رات مرے نالے سوتوں کو جگاتے ہیں
ہم خوب سمجھتے ہیں یہ ہم کو سناتے ہیں
ناصح یونہی بک بک کے سراپنا اٹھاتے ہیں
اب حال ہے یہ اپنا ہمدموں کو رلاتے ہیں
یہ حضرت عشق آنکھیں درپرہ وہ ملاتے ہیں

احوال ظفر ان سے کس طرح کہیں اپنا
ہو جاتے ہیں ہم بے خود جس وقت وہ آتے ہیں

روز ہے اک غم نیا میرے دل غمناک میں
تیرا صید بستہ فتراک کھل کر گر پڑا
انکو انجم مت سمجھنا میرے تیرآہ سے
اشک خود مژگاں سے ہیں اس طرح سے لپٹے ہوئے
پروہ بیتاب تو جلدی نکل اے دخترز
اس کے رخسار مصفا کی جو دیکھی آب وتاب

روز ہے اک درد تازہ سینۂ صد چاک میں
رہ گیا لوہوکا دھبہ دامن فتراک میں
ہوگئے روزن ہیں کھرسینہ افلاک میں
لگ رہی جس طرح ہو آتش خس وخاشاک میں
دیکھ تو بیٹھے ہیں کب سے مست تیری تاک میں
مل گئی بس آئینے کی آبرو سب خاک میں

عشق کے دریا میں تیرے کون عاشق کے سوا
اے ظفر اتنی کہاں طات کسی تیراکم یہ

جو تیرے آستاں پر تیرے مائل ہو کے بیٹھے ہیں
انھیں تھیں آفتیں آگے ہزاروں جن کی صحبت میں
مرے پہلو میں وہ کس وقت بیٹھے مہرباں ہو کے
کچھ ایسا ہو کر ٹل جائے رقیب سنگدل یاں سے
برنگ نقش پا اٹھیں یک کیا مل بھی نہیں سکتے
ہلال بدرساں سب چرخ میں ہیں چرخ کے ہاتھوں
ٹھو ور آؤ دیکھو حال اس بیمار ہجراں کا
کھڑی اک پاؤں سے ہے شمع محفل کس طرح دیکھو

تجھے دل دے کے وہ دنیا سے بیدلہو کے بیٹھے ہیں
سنا ہم نے انھیں میں پھروہ شامل ہو کے بیٹھے ہیں
کبھی بیٹھے ہیں تو میرے قاتل ہو کے بیٹھے ہیں
الٰہی میری چھاتی پر یہ کیوں سل ہو کے بیٹھے ہیں
ترے کوچے میں ہم تو ایسے کاہل ہو کے بیٹھے ہیں
نہ ٹھہرے ہو کے ناقص ورنہ کامل ہو کے بیٹھے ہیں
مری جانب سے کیوں آپ اتنے غافل ہو کے بیٹھے ہیں
وہ محفل میں جو زیب افزائے محفل ہو کے بیٹھے ہیں

تماشا ہے نہیں ہیں بات کرنے کے بھی جو قابل
ظفر سے شعر کہنے کو مقابل ہو کے بیٹھے ہیں

پھپھولے دل پہ جو دس بیس داغ ہیں دو تین
تو ٹکڑے ہیں بہت اور چراغ ہیں دو تین

نمود سینہ پہ اپنی جو داغ ہیں دو تین !
بھی تو عشق کے چشم و چراغ ہیں دو تین

رہیں نہ ہوش بجا جس کے ایک جرعہ سے
ہم اس شراب کے پیتے ایاغ ہیں دو تین

نہیں ہیں اس کی دو سہ خال خط سبز کے پاس
قریب بیٹھے یہ طوطی کے زاغ ہیں دو تین

وہ پائے آنکھوں میں یا سینہ و دل و جاں میں
جو ڈھونڈو اس کے مقام سراغ ہیں دو تین

جو تو سنے تو زیادہ نہیں مرا مطلب
وہ باتیں اے بت نازک دماغ ہیں دو تین

ظفر زمانے میں آرام کا ہے یہ احوال
ہزار تنگ ہیں گر با فراغ ہیں دو تین

ہے غلط کہیے اگر تدبیر پھر سکتی نہیں
وہ تو سکتی ہے پہ تقدیر پھر سکتی نہیں

دل کا سودا ہو گیا جس وقت زلف یار سے
پھر یہ جنس اے عاشق گلگیر پھر سکتی نہیں

اس قدر اے صید افگن ہے ترا پاس ادب
زیر خنجر گردن نخچیر پھر سکتی نہیں

ایک ہے اپنا سخن جو کہہ چکے سو کہہ چکے
ورنہ ہم پھیریں تو کیا تقدیر پھر سکتی نہیں

دشت میں اب تو ہمارے توسن وحشت کی باگ
اٹھ گئی اے خار دامن گیر پھر سکتی نہیں

اس قدر ہوں محو حیرت میں کہ عارض سے ترے
آنکھ مثل دیدۂ تصویر پھر سکتی نہیں

باعث جذبات محبت حلق پہ میرے چھری
تجھ سے اے قاتل دم تکبیر پھر سکتی نہیں

خط کے ٹکڑے ہوں کہ پرزے نامہ بر کے اے ظفر
جو نوشتے میں ہوئی تحریر پھر سکتی نہیں

تجھے دیکھیں تو پھر اوروں کو کن آنکھوں سے ہم دیکھیں
یہ آنکھیں پھوٹ جائیں گر چہ ان آنکھوں سے ہم دیکھیں

دکھاتا یار ہے ہر رنگ میں جلوہ ہمیں لیکن
کہاں سے لائیں وہ آنکھیں کہ جن آنکھوں سے ہم دیکھیں

لگے نا درگ گل سے بہ رنگ خار آنکھوں میں
جو گل کو اس گل رخسار بن آنکھوں سے ہم دیکھیں

تصور میں جنوں کے کیا تماشا ہے کہ گھر بیٹھے
خدائی کے تماشے رات دن آنکھوں سے ہم دیکھیں

وہ دل کیا ہے نہ ہو پیکان جس میں میں
وہ گھر کیا ہے نہ ہو مہمان جس میں

نہ دنیا تھا دل اس کو ہائے ہم نے
کیا وہ کام جاوے جان جس میں

علاج درد ہجراں ہے وہ مشکل
کہ ہیں سب چارہ گر حیران جس میں

وہ ہے اس زلف کا کوچہ کہ مجھ سے
بہت رہتے ہیں سر گردان جس میں

کمال عقل اپنا اہل دنیا
اسے سمجھے کہ ہے نقصان جس میں

نہیں مطلب ہمیں حورو پری سے
وہ انسان ہو کہ ہو اک آن جس میں

ہمارا دل عجب حسرت کدہ ہے
بھرے ہیں سینکڑوں ارمان جس میں

کبھی کچھ کیجئے لیکن نہ کیجے !
کہ جاوے اے ظفر ایمان جس سے

اے ستم گر ہم جو ضابط دل پہ ہوتے عشق میں
مثل بلبل کیوں تڑپ کر جان کھوتے عشق میں

شعر تر پڑھ پڑھ کے ہیں ہر بار روتے عشق میں
دیکھ تو کیا کیا ہیں ہم موتی پروتے عشق میں

ہوتے دست انداز خوان نعمت غم پر نہیں
جان سے اپنی نہیں جو ہاتھ دھوتے عشق میں

واہ دیکھی حضرت دل آشنائی آپ کی
آپ اپنے ساتھ ہیں مجھ کو ڈبوتے عشق میں

وائے کیوں فریاد دل فسانہ خواب اس کی کی
پر کریں کیا بت عاشق کے ہیں سوتے عشق میں

دل میں رکھتے ہیں میرے خار مژگاں کا خیال
کانٹے اپنے واسطے ہیں آپ بوتے عشق میں

اے ظفر فرہاد و مجنوں اس زمانے میں نہیں
اور اگر ہوتے مرے پیرو وہ ہوتے عشق میں

تجھ بن اے آرام جاں کب جان گھبراتی نہیں
پیٹتے ہم سر نہیں یا کوٹتے چھاتی نہیں

ہمسری کرتا ہے گل عارض سے اس کی اے صبا
دو طمانچے مار کر تو اس کو سمجھاتی نہیں

ہے جو مرغان چمن کو تیرا کھٹکا باغ میں
پر زباں پر شکوۂ سوز جگر لاتی نہیں

شمع مثل بے حوصلہ تیرا کہ جل جاتی ہے تو
باغ میں بلبل کی آج آواز بھی آتی نہیں

جنبش دامان مژگان تیری کس دم شعلہ خو
دل میں تیرے تفتہ جاں کے آگ بھڑکاتی نہیں

پہنچے ہے چاک گریباں تا بدامن ہر گھڑی
میں کہوں کیونکہ کہ وحشت پاؤں پھیلاتی نہیں

یاں تو ہم باتیں بناتے ہیں ہزاروں اے ظفر
جا کے واں کوئی بھی ہم سے بات بن آتی نہیں

وہ پھر یوں بات دل کی جب ہے لے چکتے پکڑتے ہیں
کہ خال لب کے اک بوسہ پہ سو تکتے پکڑتے ہیں

نہ جائیں یاں سے یہ جاہیں ہیں پیران دوتا قامت
زنخن داتوں سے اپنے جب وہ ہیں جھکتے پکڑتے ہیں

ستمگر رستے اپنے گھر کا عاشق تیرے کوچے سے
محبت سے جب ان کے دل نہیں سکتے پکڑتے ہیں

نہیں جب روکنے سے رکتے وہ اور دل میں کہتے ہیں
تو ہم دامن پکڑنے سے نہیں رکتے پکڑتے ہیں

ظفر مانند چوب آتش سے ہوں کیونکر نہ خاکستر
کہ صورت اور ہی ہم جب کہ ہیں پھکتے پکڑتے ہیں

جو ہوں میں جوش وحشت سے شتاب آہنگ صحرا میں
تو ہو یک گام سے کم راہ صد فرسنگ صحرا میں

کرے ہے چارہ سازی عشق کچھ مجنوں کے زخموں کی
تو ہو سنگ جراحت پارہ ہر سنگ صحرا میں

اڑائی خاک ہم نے ایسی بس صحرا نوردی میں
اگر دیکھے ہمیں رہ جائے مجنوں دنگ صحرا میں

تمہارے عشق میں دونوں جہاں سے جا چکا وہ تو
بہر سو شل آواز درا وزنگ صحرا میں

گیا ہے قافلہ آگے نکل اور ہم بھٹکتے ہیں
وہ ہے اب شہر میں یا عاشق بے ننگ صحرا میں

قفس میں چپ ہیں اے صیاد ہم ور آہ ان روزوں
ہزاروں بولتے ہیں مرغ خوش آہنگ صحرا میں

نہیں دیوانے کو تیرے کہیں بھی جائے آسائش
کہ زنداں سے زیادہ وہ رہے ہے تنگ صحرا میں

چمن ہی پر فقط موقوف کیا ہے اس کی قدرت سے
ہزاروں ہیں ظفر گلہائے رنگا رنگ صحرا میں

عین محبت میں ہیں ملاتے باہم جب دو چار آنکھیں
ہوتی ہے باہم مہر و وفا سے دو آنکھوں کی چار آنکھیں

بعد فنا بھی ہم ترے دیدار کی حسرت باقی ہے مسجد میں
کیوں نہ ہماری خاک سے پیدا ہوویں نرگس وار آنکھیں

بدمستوں کا کیا کام ہمارے ہوش میں حکم
ابرو ہے محراب عبادت اور تری مے خوار آنکھیں

ہے یہ ہماری عین تمنا گرچہ برنگ نقش قدم
زیر قدم ہوں تیری سر راہ اپنی دم رفتار آنکھیں

دیکھا ہم نے سیہ پوش اکثر سرمہ سے یا کاجل سے
کشتہ تیغ نگاہ کی اپنے ہیں وہ ماتم دار آنکھیں

کو کو تجھ کو رشک مسیحا کہتے ہیں لیکن فائدہ کیا
مرا ادھر بیمار ہے دل اور تیر ادھر بیمار آنکھیں

سب میں وہی ہے جلوہ نما خورشید سے لیکر ذرے تلک
پر جو ہوں اس کی گرم نظارہ ہیں وہ ظفر درکار آنکھیں

پر وہ اس سوز جگر کا کبھی ہونے کا نہیں
داغ پر بھی مرے پھاہا کبھی ہونے کا نہیں

دفن ہووے گا ترا کوئی جہاں سوختہ جاں
سبزہ واں خاک سے پیدا کبھی ہونے کا نہیں

ہیں افیار تو یہ کیا آئے مسیحا بھی اگر
تیرا بیمار غم اچھا کبھی ہونے کا نہیں

لکھ دیا جو تری تقدیر میں ہووے گا وہی
جو نوشتے میں نہ ہوگا کبھی ہونے کا نہیں

آسمان کینہ عالم سے نہ ہوگا لبریز
خالی اس مے سے یہ مینا کبھی ہونے کا نہیں

دے کے دل اپنا پشیماں ہوں کہ گر جاں اب کی
بچ گئی کام پھر ایسا کبھی ہونے کا نہیں

کر لے نظارہ گلزار جہاں اے غافل
پھر میسر یہ تماشا کبھی ہونے کا نہیں

وعدہ وصل سے ہو اس کے مجھے کیا تسکیں
جانتا ہوں کہ وہ سچا کبھی ہونے کا نہیں

اے ظفر آئے گا جب تک کہ نہ وہ رشک بہار
غنچہ دل یہ مرا وا کبھی ہونے کا نہیں

نہیں گل تن پہ عشق دلربا میں پھول کرتے ہیں
تماشا ہم نے یہ تیغ و بلا میں پھول کترے ہیں

گرے ہیں خاک پر لخت جگر کب دست مژگاں سے
میری آنکھوں نے یہ جوش و بکا میں پھول کترے ہیں

خجالت کش ہیں جن سے تختۂ گل اے گل خوبی
عجب خیاط نے تیری قبا میں پھول کترے ہیں

لکھا حال دل صد پارہ جب میں نے تو کاغذ کو
اٹھا کر یار نے دست جفا میں پھول کرتے ہیں

شفق کے دیکھ کر ٹکڑے نشے میں ہم کو یہ سوجھا
یہ کس نے دامن چرخ دوتا میں پھول کرتے ہیں

ظفر تیغ جفا نے اس کی میرے تن پہ زخموں سے
کہوں میں کیا جو میدان وفا میں پھول کترے ہیں

در مژگاں جو خوبان سیمیں تن ہلاتے ہیں
تو کیا کیا آتش دل پر مرے دامن ہلاتے ہیں

اگرچہ کان بھرتی ہے صبا پر گل ترے آگے
نہیں گلشن میں کان اے غیرت گلشن ہلاتے ہیں

جھلک رخسار آتش ناک کی بجلی سی کوندی ہے
ہوا کے جھرکے اس غرفے پہ جب چلمن ہلاتے ہیں

اگرچہ ناتوانی ہے نہیں مل سکتے بستر پر
و لے نہ آسماں کو ہم دم شیون ہلاتے ہیں

مری زنجیر کی جھنکار ہے وہ روز وحشت سے
کوئی جانے کہ لیزم رستم و بیژن ہلاتے ہیں

پھرے ہیں دل میں شکوے سینکڑوں پر روبرو تیرے
کبھی گلاب بھی ہم اے بت پرفن ہلاتے ہیں

وبال گردن اپنی زندگی ہو جائے ہے ہم کو
ظفر انکار بوسہ پر جو وہ گردن ہلاتے ہیں

زیر خنجر ترے بسمل جو یہ دم توڑتے ہیں
کوچۂ غم میں پھر آنے کی قسم توڑتے ہیں

دل مرا لے کے جو وہ سنگ ستم توڑتے ہیں
کیا ستم کرتے ہیں کیوں ساغر جم توڑتے ہیں

ہر قدم پر ترے دیوانے سر دشت جنوں
سینکڑوں خار سدا زیر قدم توڑتے ہیں

ہر مژگاں سے بندھی رہتی ہے اشکوں کی جھڑی
تار رونے کا نہیں دیدۂ نم توڑتے ہیں

دل شکستوں کے جو لکھتے ہیں کبھی خط کا جواب
تو وہ جھنجھلاتے ہیں اٹھا کر قلم توڑتے ہیں

جام مل دیتے میں تو کرکے نال ساقی
توبہ ہم آج ترے سر کی قسم توڑتے ہیں

ہیں ہمیں سبحہ و زنار برابر دونوں
نہ وہ ہم جوڑتے ہیں اور نہ یہ ہم توڑتے ہیں

آتے ہیں پھر سر کاوش جو کبھی حضرت عشق
سینکڑوں دل میں مرے نشتر غم توڑتے ہیں

نفس سرکش کو ظفر توڑتے ہیں جو اپنے
میرے نزدیک بڑا عی وہ صنم توڑتے ہیں

وحشت زر کو کوئی بھاتا جز خرابی نہیں
اس سے بنتی صحبت طبع منا جاتی نہیں

کب ہجوم غم سے میری جان گھبراتی نہیں
میں تو مر جاؤں کروں پر کیا کہ موت آتی نہیں

کون ہے جس کو نہیں ڈر آہ سوزاں کا مری
کانپتا شعلہ نہیں یا برق تھراتی نہیں

کیا ہوا بد اصل گر ظاہر میں ہیں نیکو صفات
جو ہنر ذاتی ہو ان کا غیر بدذاتی نہیں

ساقیا فرقت میں تیری تار بارش سے گھٹا
مشکیوں کے سر پہ کیا کیا تیر برساتی نہیں

صاف خوب وحشت کہہ دیتا ہے منہ پر آئینہ
تل ہے دیدے کی صفائی آنکھ شرماتی نہیں

آسمان لاتا ہے وہ چکر کہ جس کو دیکھ کر
کون ہے ایسا کہ اس کی عقل چکراتی نہیں

چشم مشتاقوں کی تیری حسرت دیدار میں
جنبش مژگاں سے کس دن کونتی چھاتی نہیں

اے ظفر ہے دیکھ کھٹکا باغباں کا کس قدر
باغ میں بلبل کی آج آواز بھی آتی نہیں

ہوا کیوں ہجر کا غم چار باری ہر مہینے میں
عجب ہے ہو محرم چار باری ہر مہینے میں

اگر وہ آٹھویں دن بھی قدم رنجہ کریں گھر میں
تو مل جائیں گے ہمدم چار باری ہر مہینے میں

نہ بھیجا ایک بھی اس نے جواب اے نامہ بر ہم نے
لکھے خط چار پیہم چار باری ہر مہینے میں

مہینوں میں نہ اچھا زخم دل ہو چارہ سازوں سے
اگر بدلیں وہ مرہم چار باری ہر مہینے میں

نہیں ہے روز جمعہ کا دبستان محبت میں
کہ چھوٹیں قید سے ہم چار باری ہر مہینے میں

ہوا چوتھے مہینے بھی نہ جانا واں کا اک باری
ارادہ تھا مصمم چار باری ہر مہینے میں

رہیں بارہ مہینے یاں چڑھے برسات کے نالے
جو ہم ہوں چشم پرنم چار باری ہر مہینے میں

نہ ہو جوش جنوں کم تو بھی ہرگز تیرے مجنوں کا
اگرچہ ہو لہو کم چار باری ہر مہینے میں

جو بعد از چار سال آئے ظفر وہ دو مہینے کو
تو ہووے مجھ سے برہم چار باری ہر مہینے میں

چشم و مژگاں کیا کہوں کیا اس بت دلجو کی ہیں
وہ اگر آہو ہیں تو یہ پتلیاں آہو کی ہیں

سول لیتی ہیں لڑائی یار سے لڑ لڑ کے یہ
کیا کہوں یارو نہیں آنکھیں مری قابو کی ہیں

گھنڈیاں یا قوت کی ہیں آستین یار پر
یا پڑیں بوندیں کسی بدلوح کے لوہو کی ہیں

چاند کے منہ پر پڑیں ہیں چھائیاں سی رشک سے
رخ پہ وہ پرچھائیاں جو زلف اور گیسو کی ہیں

اور آوے کون یاں رونا بھی اب آتا نہیں
رہتی آنکھیں منتظر دو دو پہر آنسو کی ہیں

میرے حق میں کم نہیں اک اک ہلاک عید سے
یہ خراشیں دل پہ جو اس ناخن ابرو کی ہیں

سینکڑوں ہر سطر مژگاں میں ہیں نسخے سحر کے
آنکھیں وہ کیا ہیں بیاضیں اے ظفر جادو کی ہیں

دیگر

جو دل کو دل کی خبر واں نہیں تو یہاں بھی نہیں
بہ دل محبت اگر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

وہ آپ آتے نہیں تو ہمیں بلا بھیجیں
کسی کا خوف و خطر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

جلائے آہ مجھی کو جو سنگدل ہو نہ موم
یہ کیا غضب ہے اثر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

جو آج تیغ بکف تو ہے سر بکف ہیں ہم
درنگ عربدہ گر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

علاج کار نہ بک بک کے سر پھرائیں عبث
پھرا کسی کا جو سر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

وہی صلاح ہماری ہے جو ہے ان کی صلاح
اگر مزاج میں شر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

جو عاقبت کا ہے سودا وہی ہے دنیا کا
جو اس میں تجھ کو ضرر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

نہ دیکھا دیر میں تو کیا حرم میں دیکھے گا
وہ تیرے پیش نظر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

ادھر وہ بوسہ عنایت کریں ادھر لیں دل
جو کوئی عذر ظفر واں نہیں تو یاں بھی نہیں

ترے پانے کا ڈھب اے یار ہم گم ہو کے سیکھے ہیں
یہ ہاں سچ ہے کہ جو سیکھے ہیں کچھ وہ کھو کے سیکھے ہیں

لگانا غوطہ دریائے محبت میں نہیں آساں
مگر یہ ہاتھ اپنی جان سے ہم دھو کے سیکھے ہیں

سنا تھا آج تک منہ سے نہ ان کے حرف بد ہم نے
خدا جانے سکھائے سے وہ کس بد گو کے سیکھے ہیں

سکھایا تو سہی لہو زو گداز دل محبت نے
برنگ شمع لیکن ہم بہت رو رو کے سیکھے ہیں

کہاں آتی ہے شوخی و شرارت برق کو ایسی
مگر انداز کچھ اس شوخ آتش خو کے سیکھے ہیں

مجھی سا کوئی ہوگا باولا صحرائے وحشت میں
اڑانی خاک جس سے یہ ہوا کے جھوکے سیکھے ہیں

سکھائیں سب ہمیں جاں کا دیاں عشق و محبت نے
ظفر سیکھے ہیں جو ہم فیض سے اس در کے سیکھے ہیں

ناقوس و جرس میں ہے نہ یہ نالہ ہے نے میں
آوازہ حق ہے تو کسی اور ہی شے میں

دکھلائے اگر اپنے وہ لعل لب میگوں
نے گل میں رہے رنگ نہ مستی رہے مے میں

اے مطربوبس نغمہ سلائی نہ کرو تم
یاں اور ہی عالم ہے مرے آہ کی لے میں

کچھ دیدہ دل ہی میں نہیں یار سمایا
وہ جان ہے اور جان ہے ساری رگ و پے میں

افسردگی دل ہے بہار چمن اپنی
جوش گل اردی ہے ظفر موسم دے میں

اشک چشم سرمہ سا دیکھ آئینے کی آب میں
مرغ آبی نے دیئے بیٹھے ہیں کیا تالاب میں

حسن یوسف کو ہے کیا نسبت جمال یار سے
یہ زلیخا نے کبھی دیکھا نہ ہوگا خواب میں

گرم جوشی یاد جو آئی تری اے شعلہ خو
شمع ساں کیا کیا جلے ہم محفل احباب میں

اس نگاہ مست کی کچھ مجھ سے کیفیت نہ پوچھ
ساقیا دیکھی نہ یہ مستی شراب ناب میں

کام سب تقدیر پہ ہے مگر تدبیر شرط
کچھ سبب بھی چاہئے اس عالم اسباب میں

پیش آتعظیم سے جو سب جھکیں تیری طرف
کون پھر سجدہ کرے گر خم نہ ہو محراب میں

سوز غم سے کیا کہوں حال دل پر اضطراب
اے ظفر آتش لگی ہے معدن سیماب میں

مانگ ہے یا کوئی سیدھی راہ ہے ظلمات میں
یا عیاں ہے کہکشاں کا خط اندھیری رات میں

بجھ گئے ہم جل کے خاکستر بھی پر اے شعلہ خو
اب تلک وہی شرارت ہے تری ہر بات میں

اے صنم ساری پہ روپوں سے ہے تو نام خدا
ہے زیادہ ناز میں شوخی میں چھب میں گات ہے

دیکھیے کب داؤں پہ چھڑتا ہے وہ آہ نگاہ
لگ رہے ہیں ایک مدت سے ہم اس کی گھات میں

اپنی صورت دیکھ کر آئینے کو دیکھے ہے کیا
تو شبیہ یوسف کنعاں کو تصویرات میں

یوں مرے گریے سے اس کے رخ پہ نکلا خط سبز
سبزہ ہو جاوے ہے پیدا جس طرح برسات میں

آفت جاں ہے دلاوہ غمزہ و نازو ادا
دیدہ و دانستہ کیوں پھنستا ہے تو آفات میں

مہرہ شطرنج کی صورت بساط و ہر پہ
مر گئے کتنے ہی اس دنیا کی بردو مات میں

کیا حقیقت و اصلان حق کی پوچھے ہے ظفر
ہو گئے ہیں محو بالکل وہ تو اس کی ذات میں

برب کعبہ کعبے سے غرض رکھتے نہیں ہم ہیں
کہ محراب عبادت اپنی وہ ابروئے پرخم ہیں

زیادہ عشق کی آتش اگر بڑھتے تو جلنے میں
ہمارے استخواں کو کچھ خشک ہیزم سے نہیں کم ہیں

نہیں ہے کنج تنہائی میں اپنا کوئی بھی مونس
مگر درد جگر ہمدرد و آہ نالہ ہمدم ہیں

بناتے ہیں ذقن کے پاس جب وہ خال کاجل کا
ہلال اس کو سمجھتے ہیں قریب چاہ زمزم ہیں

دم تیغ محبت پر تری دیتے ہیں دم اپنا
ارے دم باز بھرتے دیکھ ہم یوں عشق کے دم ہیں

دم تیغ صفا ہانی کو ان کے آگے کیا رتبہ
تمہاری ابروؤں کے لو میاں کچھ اور ہی خم ہیں

شب فرقت کا رونا کیا کہوں میں اس قدر رویا
وفور اشک خوں سے جیب و دامن اب تلک نم ہیں

محبت کے مرے کو جانتے ہیں بس وہی عاشق
کہ لیتے زخم دل پر جو نمک سے کار مرہم ہیں

تصور ہونے دیتا ہے جدا کب اے ظفر دم بھر
یہاں ہم ہیں وہاں وہ ہیں جہاں وہ ہیں وہاں ہم ہیں

کشش سے دل کی جو میں تم کو اے صنم کھینچوں
خیال سے تری تصویر بے قلم کھینچوں

پھپھولے سینہ سے پڑ جائیں کیوں نہ تا بہ گلو
دل برشتہ سے جو آہ دم بدم کھینچوں

اگر وہ مجھ سے کشیدہ ہو بولنے سے میرے
نہ بولوں حشر تلک میں ایسا دم کھینچوں

جو اس کے تو گل رخسار سے مقابلہ ہو
تو پوست تیرا میں اے لالہ ارم کھینچوں

تمام روز نہ ہو آفتاب میں گرمی
صبا جو میں نفس سرد صبح دم کھینچو

نہ آیا رحم تجھے دل پہ چین ابروئے یار
کہ اس نحیف پہ کیا خنجر ستم کھینچوں

جو کھینچوں کلک تصور سے یار کی تصویر
ظفر مرقع مانی پہ میں قلم کھینچوں

یہ دل تفتہ جو نالے کھینچتے گھر سے نکلتے ہیں
شرر کی جائے شعلے در کے پتھر سے نکلتے ہیں

جگر میں اس قدر کرتے ہیں کاوش خار خار غم
کہ تن پر رونگٹے بھی میرے نشتر سے نکلتے ہیں

خجل کیونکر نہ ہووے غنچہ گلستاں میں تبسم
اسی میں وہ چمکتے دانت گوہر سے نکلتے ہیں

بکا کرتے ہیں ہم جس سرزمیں پر اشک خونیں سے
تو واں کے کنکر یاقوت احمر سے نکلتے ہیں

عجب کیا سوئے آتشدیدہ مژگاں میرے بن جائیں
کہ اشک آتشیں اس دیدہ تر سے نکلتے ہیں

میرے پاؤں کے چھالے ہیں ہوئے خار کب سرکش
علم بردار یہ وحشت کے لشکر سے نکلتے ہیں

نکلتے چشم سے ہیں اشک خوں یا لال انگارے
بجائے دانہ اسپند مجمر سے نکلتے ہیں

ظفر شعر و سخن سے راز دل کیونکر نہ ظاہر ہو
کہ یہ مضمون سارے دل کے اندر سے نکلتے ہیں

دیکھے حسن اپنا جو وہ آئینہ لے کر ہاتھ میں
روشنی پائے ید بیضا سے بہتر ہاتھ میں

ہوش اڑے صیاد کے جس دم پھڑک کر ہاتھ میں
چھٹ گئے ہم ہاتھ سے اور وہ گئے پر ہاتھ میں

تیری مژگاں وہ چھلاوا ہیں جنھوں نے رات بھر
اشک خونیں سے اچھالے لیکر اخگر ہاتھ میں

مار بچھو کب بچے ہے ناف کی سلی سے ہاتھ
سانپ کو پکڑا ہے ہم نے پڑھ کے منتر ہاتھ میں

مژدہ اے صید محبت ذبح کرنے کو ترے
آستیں اس نے چڑھائیں لے کے خنجر ہاتھ میں

طائر رنگ حنا بھی کچھ رہا تو اے نگار
پر رہا مرغ دل وحشی نہ دم بھر ہاتھ میں

ہاتھ رکھے نبض پر گر اس تپ غم میں طبیب
آبلے پڑ جائیں گرمی سے مقرر ہاتھ میں

کل ہے تاثیر محبت ہو رواں مجنوں کا خون
گر لگے لیلیٰ کے اے فصاد نشتر ہاتھ میں

اے پری ہے تیرے دیوانے کو پھر جوش و خروش
ہر طرف لڑکے لئے پھرتے ہیں پتھر ہاتھ میں

پاس ہے سرمایہ غواصی دریائے عشق
سنگریزے ہوں اگر آجائیں گوہر ہاتھ میں

ہو برنگ گل زرافشاں کچھ اسی میں ہے بہار
مت دبا رکھ غنچہ ساں اے سنگدل زر ہاتھ میں

یہ غزل کیا یک قلم تونے لکھی اے ظفر
مشق ہے کیا پکڑے قلم کوئی سخنور ہاتھ میں

عیاں آئینے میں کب وہ مہاسے زیر ابرو ہیں
مگر بیٹھے وہ جینے کے لیے دریا میں رو ہو میں

تری آنکھوں میں ہے وحشی نگہ تحریر سرمے کی
کہ رکھتی سرمئی ڈورے گلے میں بہر جادو ہیں

تماشا ہے لگے ہیں سوتیے کے پھول سنبل میں ے چمن
پڑے قطرے جو پانی کے سر زلف سمن بو ہیں

جاؤں کیا تجھ بن بڑے آسیب پہنچے ہیں
کہ آتے بن ترے یکسر نظر سرو لب جو ہیں

دل شامت زدہ آدجائے ہے جو بیچ میں ناکے
تو اپنا ہی سمجھ کر کھیلتے وہ مار گیسو ہیں

غضب ہے زہر آنکھوں میں ترے تاثیر سے جن کی
جو انکی سرمے کا دنبالہ ہے' مژگاں بھی بچھو ہیں

ظفر ہاروت کو آتا تھا کیا اور سامری کو کیا
سکھائے نرگس جادو نے اس کی سب کو جادو ہیں

لوگ کہتےہیں کہ وہ تم سے قریں رہتے ہیں
واہ ری بے خبری ہم بھی کہیں رہتے ہیں

کیا خطا میری کہ جو ترے خط چیں جبیں
کھینچتے تیغ ستم خنجر کہیں رہتے ہیں

رہتے اک جا نہیں آوارہ ترے جوں خورشید
صبح رہتے ہیں کہیں شام کہیں رہتے ہیں

جلوہ دکھلاوے کبھی اپنا اٹھا کر پردہ
تیرے مشتاق ہم اے پردہ نشیں رہتے ہیں

دل میں بستے ہیں ہمارے صنم کافر کیش
خانہ کعبہ میں یہ دشمن دیں رہتے ہیں

ساتھ لے جاتے ہیں جو خاک میں بیتابی دل
خاک آرام سے وہ زیر زمیں رہتے ہیں

وسعت آباد جہاں میں ہے جنھیں خواہش نام
گھر میں بھی تنگ و مانند نگیں رہتے ہیں

بحر پر موج کو کیا خاک سمجھیں دریا دل
اہل بخشش بھی کہیں چیں بجبیں رہتے ہیں

چٹکیاں لیتی ہیں دل میں تری کافر نگہیں
ہاتھ نچلے کبھو مژگاں کے نہیں رہتے ہیں

تم کبھی راہ پہ بھی آؤ کہ جو نقش قدم
چشم بر راہ کئی خاک نشیں رہتے ہیں

شور و فریاد سے دلہائے ستم کش کے ظفر
روز ہنگامے سر چرخ بریں رہتے ہیں

مجھ سے تم کیا پوچھتے ہو کیسے ہیں ہم کیا کہیں
جی ہی جانے ہے کہ جیسے مشفق من آپ ہیں

پر غرور و پر تکبر پر جفا و پر ستم
پر فریب و پر دغا پر نکو پر فن آپ ہیں

ظلم پیشہ، ظلم شیوہ، ظلم ران و ظلم دست
دشمن دل دشمن جان دشمن تن آپ ہیں

یکہ تازو نیزہ بازو عربدہ جو تند خو
تیغ زن دشنہ گذار و ناوک افگن آپ ہیں

تسمہ کش طراز و غارت گرتا راج ساز
کافر یغمائی و قزاق رہزن آپ ہیں

فتنہ جو بیداد گر سفاک و ظلم کینہ ور
گرم جنگ و گرم کشتن آپ ہیں

بد مزاج و بد دماغ و بد شعار و بدسلوک
بدطریق و بدزباں بد عہد و بدظن آپ ہیں

بے مروت بے وفا نا مہرباں نا آشنا
میرے قاتل میرے حاسد میرے دشمن آپ ہیں

اے ظفر کیا پائے قاتل کے ہے بوسے کی ہوس
یوں سو بسمل ہو کے سرگرم طپیدن آپ ہیں

دکھائی دی ہمیں کیفیت کونین ہستی میں
نظر آیا خدائی کا تماشا بت پرستی میں

نہ کچھ باد خزاں سے کام نے باد بہاری سے
کہ میں شکل گل تصویر ہوں اس باغ ہستی میں

بتا تو اے پری وش تیرا دیوانہ کہاں جائے
نہ ویرانے میں دل لگتا ہے اس کا اور نہ بستی میں

نہ کر تو سرکشی غافل برنگ آب فوارہ
کہ لائے گی یہ تیری سر بلندی تجھ کو پستی میں

نہ ہوا تندرستی کا کرے مضمحل جاں کو
کہ ہے نقصان حاکم ملک کی بے بندوبستی میں

خدا نے وسیع دامن ہمت کی عطا جس کو
نہیں ہونے کا ہرگز تنگدل وہ تنگدستی میں

کرے صوفی بھی کیا کیا اے ظفر پھر رقص مستانہ
دکھائے گردش چشم اپنی گروہ عین مستی میں

دل بیتاب کو ہم کیونکہ سنبھالے جاویں
کوچہ صبر سے ڈر ہے نہ نکالے جاویں

ان کے گھر جائیں اگر ہم تو نکالے جاویں
اور وہ غیر کو یوں گھر سے بلالے جاویں

ہیں یہ دز دیدہ نگاہیں تری کافر وہ چور
آنکھوں آنکھوں ہی میں جو دل کو چرالے جاویں

پھر وہ بدمست گیا باغ میں ڈر ہے مجھ
کہ گلوں کے نہ کہیں ٹوٹ پیالے جاویں

یوں تو جا سکتا نہیں ضعف سے میں تادریار
میرے آنسو ہی مگر مجھ کو بہالے جاویں

اے کماں دار لگا تیر محبت ایسا
ترے قربان تیرے چاہنے والے جاویں

ہم سے وہ روٹھ گئے ہیں کوئی ان سے پوچھو
کہ جو مرضی ہو تو ہم آکے منا لے جاویں

آج میں اپنی محبت کو اگر دکھلاؤں
تو ابھی عرش بریں تک مرے نالے جاویں

صدمہ پہنچے نہ پہنچے کوئی ان سے کہہ دو
گل بازی کو نہ ہاتھوں سے اچھالے جاویں

حال گر جی میں ہمارے بھی آتا ہے کہ ہم
دست گل خوردہ سے گلدستہ بنالے جاویں

کر کے گلگشت گلستان محبت کا ظفر
تحفہ اس گل کے لیے اور تو کیا لے جاویں

دل جلاتے شعلہ رخ سے ہیں گیسو آگ میں
زندہ کو جوں مردہ کیوں پھونکے ہیں ہندو آگ میں

آب گریہ سے نہیں بجھنے کا مرا سوز دل
کام روغن کا کریں گے بلکہ آنسو آگ میں

یہ نہیں ہیں عشق کی آتش میں جو یوں گر پڑے
کودنے کا ہر کسو کو کب ہے قابو آگ میں

گرمی مضمون سوز دل ہے نامے میں مرے
اے کبوتر تیرا جل جاوے نہ بازو آگ میں

رووے آتش ناک پر زلف معطر کی شمیم
یوں کھلے جس طرح سے عنبر کی خوشبو آگ میں

ہے تن لاغر کا میرے آتش غم میں یہ حال
کھائے پیچ و تاب جل کر جس طرح سو آگ میں

ہے دل بے تاب سوز عشق سے سرگرم چست
لگ گئے سیماب کو پر اے پریرو آگ میں

شمع کی لو کھینچ کر لے تو گئی پر خوف سے
ہو گیا تھا خشک پر ویسے کا لوہو آگ میں

آہ سوزوں سے دل پر سوز میں اعجاز عشق
ورنہ پیدا کیونکر و سرو لب جو آگ میں

سو جو لیلی دشت میں آتش فشاں مجنوں کی آہ
ناقہ آتش قدم ہوتا نہ اتو آگ میں

لوٹتا مجھ بن ہوں انگاروں پہ جو سیخ کباب
کس مزے سے میں بدل کر اپنا پہلو آگ میں

وہ کے مائل شمع رخساروں پہ کیوں بے فائدہ
دیدہ و دانستہ گرتا ہے ظفر تو آگ میں

لینے بوسہ خال لب جو پاس ہم ان کے آتے ہیں
بوسے تو وہ دیتے نہیں پر کالے تل چھواتے ہیں
دام خط سبز میں تم مت آنا سبز رنگوں کے
یہ تو باغ سبز تمہیں اے حضرت دل دکھلاتے ہیں
شب کو گرچہ ہوا سے بھی درواز ان کا کھڑکے ہے
کیا کیا اپنے درباں کو وہ اٹھ کے سحر کھڑکاتے ہیں
دل میں نگاہ کرم سے اپنی آگ لگا کر آتش خو
جنبش دامن مژگاں سے پھر اور سوا بھڑکاتے ہیں
یوں تو سوا وہ گھر سے باہر جاتے نہیں اک مدت سے
لیکن گھوڑے کاغذ کے گھر بیٹھے وہ دوڑاتے ہیں
تار زلف میں ہیں کیا کافر پیچ و تاب محبت کے
دل ہے الجھتا اور زیادہ جوں جوں ہم سلجھاتے ہیں
مارتے ہیں پر دام و قفس کو ایک ذرا جو ہم تو ابھی
ہاتھوں سے صیاد کے گویا طوطے سے اڑ جاتے ہیں
تار بسر میرے حق میں یارو مار بستر ہے
کیونکہ کاٹوں رات کہ مجھ کو یہ تو کاٹے کھاتے ہیں
ناز و غمزہ آفت گر ہیں تیغ ادا کے جنقل گر
کیا کیا قتل عاشق پر وہ اس کو ظفر چمکاتے ہیں

جب کبھی دریا میں ہوتے سایہ افگن آپ ہیں
فلس ماہی کو بناتے ماہ روشن آپ ہیں

سیتے ہیں سوزن سے چاک سینہ کیا اے چارہ ساز
خار ہم سینے میں اپنے مثل سوزاں آپ ہیں

پیار سے کرکے حمائل غیر کی گردن میں ہاتھ
مارتے تیغ ستم سے مجھ کو گردن آپ ہیں

کھینچ کر آنکھوں میں اپنی سرمہ و دنبالہ دار
کرتے پیدا سحر سے نرگس میں سوسن آپ ہیں

دیکھ کر صحرا میں مجھ کو پہلے گھبرایا تھا قیس
پھر جو پہچانا تو بولا حضرت من آپ ہیں

جی دھڑکتا ہے کہیں تار رگ گل چبھ نہ جائے
سیج پہ پھولوں کی کرتے قصد خفتن آپ ہیں

کیا مزا ہے تیغ قاتل میں کہ اکثر صید عشق
آن کر اس پر رگڑتے اپنی گردن آپ ہیں

مجھ سے تم کیا پوچھتے ہو کیسے ہیں ہم کیا کہیں

اتنی تو تاثیر رکھے عشق بلبل باغ میں
یاں قفس میں پر جھڑیں تو واں جھڑیں گل باغ میں

زلف اس کی پرشکن سے کیا بلا کرتی ہے بل
دیکھ کھائے گی شکستیں شاخ سنبل باغ میں

نیم وا ہوتے ہی تیرے لب کے اے غنچہ دہن
غنچہ ہائے گل کے عقدے کھل گئے کل باغ میں

روبرو اس بادہ کش کے جوش کیفیت سے آج
سر و مینا ہے تو گل ہے ساغر ل باغ میں

پہنچے اس گل تک مری رگ رگ کی یارب بامرد
ور صبا جاوے ہمیشہ بے تامل باغ میں

جلوہ قامت کو تیری دیکھ کر اے سرو ناز
کیا قیامت ڈالتی ہیں قمریاں غل باغ میں

جا بجا ہے یہ جو گل طرے کے پھولوں کا ہجوم
ڈن ہیں کیا کشتگان زلف و کاکل باغ میں

دیکھتے ہیں اس گل خوبی کی ہم شان جمال
کیا دکھاتی ہے بہار اپنا تجمسل باغ میں

کردیا باد بہاری نے زرگل لا کے ڈھیر
جبکہ وہ رشک چمن بیٹھا ظفر ل باغ میں

جس نے کر دیکھی ہوویں مجنوں کی پسلیاں
دیکھے وہ تیرے عاشق مفتوں کی پسلیاں

صدمے سے میرے نالے کے آخر نکل پڑیں
تار خطوط مہر سے گردوں کی پسلیاں

ہے ریگ دشت پر جو خط موج سے اتو
وحشت دکھائے ہے مجھے ہاموں کی پسلیاں

لہروں کو دیکھ دیکھ کر پانی کی بادہ کش
سمجھے نشے کی لہر میں جیحوں کی پسلیاں

عاقل کو گوشہ میں بھی کرتے تنگ گر فلک
خم کی بغل میں توڑے فلاطوں کی پسلیاں

ہیں گنج و زرو مال سرد دوش تا بمحشر
کیا کیتی ہوں گی بوجھ سے قاروں کی پسلیاں

تھا جس زمیں پہ قبض و تصرف وہی زمیں
توڑے ہے بعد رگ فریدوں کی پسلیاں

لاغر ہے یہ کہ جوں خط مسطر جدا جدا
پہلو نشیں گنے تیرے مخروں کی پسلیاں

رحم اس تن حقیر پہ شیشہ کی محتسب
ظاہر ہے موج بادہ گلگوں کی پسلیاں

دل کی طپش بلائے ہے مژگاں کی طرح سے
تیرے مریض چشم پہ افسوں کی پسلیاں

ترکیب میں ہے جس کے سخن میں خلل ظفر
توڑیں ہیں اس نے معنی و مضموں کی پسلیاں

مجھ کو وہ زلفیں بلا سے اپنے بس میں کھینچ لیں
پر مرے دل کی کہیں کافر نہ تسمیں کھینچ لیں

دے اگر پروانگی صیاد تو دل کھول کر
ور بھی دو چار نالے ہم قفس میں کھینچ لیں

سوئے جسم زار سے سرکش ہوں شعلے عشق کے
کھینچا ہو جتنا سراس خار و خس میں کھینچ لیں

کھینچ کر آہ رسا کو دل سے گر ماریں کمند
نہ فلک کو ہم زمیں پر اک نفس میں کھینچ لیں

کھینچ لیں پل میں تصور سے جو ہم تصویر یار
مشد ہے کیا گر وہ مصور سو برس میں کھینچ لیں

کس کے دل میں یہ کشش جو کھینچے اس کافر کا دل
رنج جن کو کھینچنے ہوں اس ہوس میں کھینچ لیں

اک دو کی شرم کیا ہم وہ ہیں مست شوق وصل
اے ظفر ان کو پکڑ کر ہاتھ دس میں کھینچ لیں

دم تڑپ کر دے جو پائے قاتل طناز میں
دفن اس کی نعش کو کر فرش پا انداز میں

سر حق نکلے ہیں کیا نے کی ہوا آواز میں
بندھ رہی ہچکیں جو شے ہے وہی ہر ساز میں

دم بدم تیری محبت کا بھرے جاوے گا دم
جب تلک ہے جان تیرے عاشق جانباز میں

رخصت پرواز تو صیاد تو دیتا نہیں
طاقت پرواز پر کب ہے پر پرواز میں

روبرو اس تاب رخ کے تھا نہ مہتابی پہ رات
فرق کچھ مہتاب اور مہتاب آتش باز میں

چشم فتاں سامری عیسیٰ لب جان بخش یار
طاق وہ جادو گری میں فرد یہ اعجاز میں

ہر قدم پہ فتنۂ محشر کو ٹھکرائے ظفر
ہے وہ فتنہ اس ستم گر کی خرام ناز میں

سو ر عاجز کی طرف دیکھ کے چل رستے میں
ناتوانوں کو تو پاؤں میں نہ مل رستے میں

ہم سے وہ چھپ کے چلے تھے طرف خانہ غیر
ہم نے بھی جا ہی لیا بھیس بدل رستے میں

خانہ چشم سے آجائے مژہ تک آنسو
طفل ابتر جو یہ جائے نہ مچل رستے میں

لٹے تو ہم جائیں گے دنیا سے متاع ایمان
نفس شیطان بھی ہیں پڑ زدوغل رستے میں

ہے مرے گریہ سے تر یار کی خاک سر راہ
پاؤں اس کا کہیں جاوے نہ پھسل رستے میں

منتظر لب پہ ہے کب سے ترے بیمار کا کام
آتے آتے گئی کیا ٹھہر اجل رستے میں

دل کا یہ حال ہوا مانگ میں چلتے چلتے
جیسے ہو جائے مسافر کوئی شل رستے میں

ہم بھی وہ سنتے ہوئے آئے تھے پیچھے پیچھے
تھی جو غیروں سے تری ردو بدل رستے میں

پہنچے گا نامہ جانسوز مرا واں کیوں کر
کہ پر و بال کبوتر گئے جل رستے میں

قطرہ خون کف پا سے ہے سر خار جنوں
خوب روشن کے مجنوں نے کنول رستے میں

حسب حال اپنے دکھاؤں اسے کیونکر اشعار
جی میں ہے پھینک دوں اک لکھ کے غزل رستے میں

نامہ برجاتا ہے کیا قاتل سفاک کے پاس
دم ترا جائے گا ہیبت سے نکل رستے میں

جالگیں گھات پہ ہم آج وہیں پھر اے دل
مل گئے تھے ہمیں جس جا یہ وہ کل رستے میں

آنے پاتا ہی نہیں پھر کے عدم سے کوئی
کس سے پوچھیں کہ ہے کیا خوف وخلل رستے میں

نفس کو مار کے تا منزل مقصود پہنچ
سر کو اس انھی رہزن کے کچل رستے میں

منزل عشق کے دو پائے نشان فرہنگ
اے ظفر ایک ابد ایک ازل رستے میں

اک دم میں ضرب نالہ سے پتھر کو توڑ دوں
پتھر تو کیا کہ سد سکندر کو توڑ دوں

پہلو میں اپنے شہپر خنجر کو توڑ دوں
گویا کہ مرغ روح سے شہپر کو توڑ دوں

خون جگر سے لعل کا بھی مول دوں بہا
آگر آنسوؤں سے قیمت گوہر کو توڑ دوں

جوڑا اترا بلا ہے کہے ہے کہ دل تو کیا
ماروں جو مشت کلہ اژدر کو توڑ دوں

دیوانہ ہو کے تیرا کہے صاف آئینہ
زنجیر و طوق و حلقہ جو ہر کو توڑ دوں

ہمسفر ہو تیری ابروے پرخم سے گر کماں
شاخ کمان و دست کما نگر کو توڑ دوں

جی چاہتا ہے اپنا لگاؤں گلے سے میں
بند قباے شوخ سمن بر کو توڑ دوں

کیا دشمنی ہے نخل کرم سے کہے ہے چرخ
یاں تک جھکاؤں شاخ ثمر ور کو توڑ دوں

توڑا دل اس صنم نے نہ آیا اسے خیال
ہے گھر خدا کا کیونکہ میں اس گھر کو توڑ دوں

ناچار ہوں تری صف مژگاں سے ورنہ یار
وہ صف شکن ہوں میں صف لشکر کو توڑ دوں

گو نا تواں ہوں پر ظفر اک تیر آہ سے
نہ تا بہ سپہر مدور کو توڑ دوں

محبت کی کوئی اب آنکھ تجھ سے ہم چراتے ہیں
علم ہوں گرچہ سو شمشیر کیں کب دم چراتے ہیں

چرائے کوئی کالا چور دل کی ہم نہ کھوئیں گے
کہ تیرے خال رخ اور گیسوئے پرخم چراتے ہیں

نسیم صبح کے جھونکے ہیں بادی چور وہ بلبل
کہ گلشن میں زر گل اور در شبنم چراتے ہیں

نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میداں میں
نظر وہ دیکھ تیرا ابرو پرخم چراتے ہیں

نہ روکوں کب تلک اشکوں کو اوروں کو تو ڈر یہ ہے
کہ پانی زخم دل اے دیدہ پرنم چراتے ہیں

یہ طفل اشک ہیں وہ بال باندھے چور مژگاں پر
کہ آنکھوں میں سے کاجل دیکھ تو پیہم چراتے ہیں

ظفر سر عاشق سر باز دیتے ہیں محبت میں
وگرنہ جان اپنی یاں بڑے رستم چراتے ہیں

سحر کا نور مجھ کو دونوں رخسارے پری رو ہیں
شب دیجور مرے حق میں اس کافر کے گیسو ہیں

وہ رخ پر قطرہ افشاں کب عرق آلودہ گیسو ہیں
اٹھا کر دیتے پانی صبح دم سورج کو ہندو ہیں

رہے ہے عالم بالا پہ بھی غم تیرے غمگیں کا
ستارے مت سمجھ یہ دیدہ گردوں میں آنسو ہیں

نظر آتا ہے رنگیں تختہ گلہاے محبت کا
جب اپنا دیکھتے ہم دامن قاتل پہ لوہو ہیں

دکھاتے جو ہر تیغ ستم ہیں ہم کو اس ڈھب سے
نہیں غیروں پہ ہوتے دم بدم وہ چیں بر ابرو ہیں

دل پر داغ سے میرے تمہاری آنکھ لڑتی ہے
تماشا ہے کہ چیتے ہیں لڑاتے آپ آہو ہیں

کبھی زانو بزانو ایک دن بیٹھے تھے ساتھ اسکے
ہم اس دن سے ہمیشہ کنج غم میں سر بزانو ہیں

لگاؤں اپنی آنکھوں میں نہ کاجل بڑھ کے تم افسوں
انھیں درکار کیا جادو کہ یہ تو آپ جادو ہیں

ظفر وہ آگئے ہیں اس قدر قابو میں غیروں کے
نہیں قابو پہ چڑھتے ڈھونڈھتے ہم اپنا قابو ہیں

پاس اپنے اس کو کیونکہ بتدبیر کھینچ لوں
گر خواب میں بھی دیکھوں تو تصویر کھینچ لوں

جتنا کھینچا وہ اتنا ہی اپنی طرف اسے
ہووے کشش میں دل کی جو تاثیر کھینچ لوں

روزن ہے بند سینے کا سوفار تیر سے
سینے سے اپنے کیونکہ ترا تیر کھینچ لوں

چاہے زلف یار کر اپنے دام میں
دل کو مثال مرغ ہوا گیر کھینچ لوں

زنداں میں کیا چھپے ہے کہے ہے مجھے جنوں
چاہوں تو میں تجھے مع زنجیر کھینچ لوں

دیکھا نہیں ارم کو پر اس گھر کو دیکھ کر
میں واں کا سارا نقش تعمیر کھینچ لوں

آخر تو جان صبح کو کر جائے گی سفر
دو چار اور نالہ شب گیر کھینچ لوں

جلد آکے یاں ارادہ دست قضا ہے یہ
میں تن سے روح عاشق دل گیر کھینچ لوں

اللہ ری تشنگی کہ لب زخم دل مرا
چاہے ہے آب خنجر و شمشیر کھینچ لوں

میں وہ قلندری ہوں کہ جذبہ کروں تو پھر
ساری کرامت فلک پیر کھینچ لوں

انجم کی روز نوکی تری راست دیکھ کر
کیوں دل سے آہ ہوکے نہ دلگیر کھینچ لوں

تیرا ارادہ یہ ہے کہ سارے جہان کو
میں جنتری میں اے فلک پیر کھینچ لوں

یہ کیا غزل ہے جس کو لکھوں سوچ کر ظفر
جس دم کروں ارادہ تحریر کھینچ لوں

نہ عکس ابروئے خم دار ڈال پانی میں
اتر پڑے گا فلک سے ہلال پانی میں

وفور اشک میں مژگاں کو دیکھ حیراں ہوں
کہ خشک کیونکہ ہوئے یہ نہال پانی میں

ہر اک حباب ہو مانند اختر پر نور
پڑے جو عکس رخ مہ جمال پانی میں

ہے ابھی تہ دریا صدف برنگ عقیق
جو پان کھا کے وہ پھینکے اوگال پانی میں

کیا ہے جنگ کا ساماں کس سے دریا نے
کہ موج تیغ ہے گرداب ڈھال پانی میں

نہیں ہے فرصت یکدم پہ سرکشی زیبا
کہو حباب کو سر مت نکال پانی میں

سرشک تر میں نہیں لخت دل ظفر تیرے
بہائے ہم نے کئوں لال لال پانی میں

ہمدمو تم میری حالت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
دیکھ لو چہرے کی رنگ مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

تھی جو تم بن شب کو آفت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
شب تھی یا روز قیامت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

دل سے دل کو راہ ہے دل ہی سے اپنے پوچھیے
دل کو جو ہے تم سے الفت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

آنکھ اٹھا کر بھی جو دیکھوں میں تو دکھلاتے ہیں آنکھ
ان کی کچھ چشم عنایت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کون کہتا ہے انا الحق کون کہتا ہے نہ کہہ
کیا کہوں میں یہ حقیقت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

درد یہ پوچھو تو ہاں میرے دل پہ درد سے
اے طبیبوں درد فرقت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

میں جو ہوں سمجھا ہوا جان اپنی تم کو تم اسے
جان لوگے وقت رخصت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

حضرت یوسف ہی منصف ہوں تو انسے پوچھئے
تم ہو جیسے خوبصورت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

ڈالتے ہیں چاک میرے سینہ صافی پہ وہ صاف
کیا کہوں اس کی کدورت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

مجھ سے پوچھو گے تو جو گزری وہی کہہ دوں گا میں
اس کو گر سمجھو شکایت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کرتے ہیں کیا کیا وہ پردہ دتی کا غیر کی
ہے یہ پردے میں عداوت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

جو گرہ میں زلف کی ہو اس پہ سودا کیجئے
میری جنس دل کی قیمت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

دے کے اپنا دل ظفر اس دشمن آرام کو
مجھ پہ جو گزری مصیبت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

شکایتیں ہمیں غماز اور عدو سے نہیں
گلہ ہے دست سے اپنے فقط کسو سے نہیں

جو ہاتھ پہلے ہی دھو بیٹھا آبرو سے نہیں
نماز عشق ادا اس کی وضو سے نہیں

یہ چشم تر مجھے کم ساغر و سبو سے نہیں
کدوے بادہ اگرچہ نہیں کدوے نہیں

برنگ چاک گریبان صبح اے جراح
ہمارے چاک جگر کو غرض رفو سے نہیں

ذرا نہ تابش خورشید حشر سے واعظ
زیادہ گرمی رخسار شعلہ خو سے نہیں

بسان شمع سراپا زباں ہیں بزم میں یار
ولے خموش ہیں کچھ کام گفتگو سے نہیں

شگفتگی کی ہوس سے بھرا ہے ہر غنچہ
دل اس چمن میں کوئی خالی آرزو سے نہیں

اچھلتا ہے دل سوزاں سے کیوں وہ سوئے کمر
کہ باندھتا ہے کوئی شعلہ تار مو سے نہیں

کسی کی یاد گلو گیر آج ہے ساقی
اترتا قطرہ مے جو مرے گلو سے نہیں

زیادہ گل تو چلے ہیں ولے ابھی واقف
ہماری خو سے نہیں وہ ہم اسکی خو سے نہیں

ملے گا وہ ہی کہ جو ہے نصیب کا اپنے
سوائے رنج کے کچھ سود جستجو سے نہیں

ظفر اس اپنے تصور کے جایئے قرباں
سرکتی یار کی تصویر روبرو سے نہیں

عیاں قطرے پسینے ہیں خط سبزا جاناں میں
تماشا ہے کھلے ہیں موتیا کے پھول ریحاں میں

جگر کو چھان کر ٹھہرے ہوئے قاتل کے مژگاں میں
بھری خوں سے زیادہ آب ان تیروں کے پیکاں میں

چراغ خانہ میں حق رنگی بٹ کر محبت نے
مٹے گا یہ نشاں کب ہے جو دل کے داغ سوزاں میں

اسیری میں ترے دیوانے کی ہے جوش پر وحشت
کئی دن سے جو غل ہوتا ہے برپا روز زنداں میں

کہاں ہیں رو نکلتے تھوڑے سے اس کے روئے روشن پر
مگر خط شعاعی ہیں یہ خورشید درخشاں میں

ہنسی سے اس لب لعلیں کے یوں دنداں نظر آئے
در ناسفتہ گویا بھر دیئے ہیں درج مرجاں میں

جنوں صد آفریں صد مرحبا شاباش ہے تجھ کو
نہ چھوڑا نام کو اک تار بھی تو نے گریباں میں

نگاہ یار نے اک دم میں دو ٹکڑے کئے دل کے
نہ دیکھا ہم نے کاٹ ایسا کسی شمشیر براں میں

نہ کر برباد میری خاکساری خاک پاہوں میں
مجھے رہنے دے اے باد صبا تو کوئے جاناں میں

تمہارے دل جلے جلتے ہیں زیر خاک بھی دیکھو
دھواں ہے سوز دل سے گھٹ رہا گور غریباں میں

ظفر تیرے سخن کے روبرو کس کا سخن چمکے
سخن کی تاب و طاقت ہی نہیں رہتی سخنداں میں

خواب میں جو نظر آیا وہی بیداری میں
فرق مطلق نہ رہا غفلت ہوشیاری میں

جنس ناکارہ ہستی کی خریدار ہیں
سود ہم جانتے ہیں اپنا زیاں کاری میں

کون مت کش شمشیر اجل ہو قاتل
طاق تیرا خم ابرو بھی ہے خونخواری میں

زلف مشکیں کی تری بوہ بلا ہے کافر
سنگ حسرت سے ہے خوں نافہ تاتاری میں

جو تری نرگس بیمار کا بیمار ہوا
تا دم مرگ رہا وہ اسی بیماری میں

ہو نمک پاش ذرا زخم جگر پر قاتل
ہم بھی جانیں کہ مزا ہے جگر افگاری میں

موجہ آب سے ہے سرو بھی زنجیر بپا
کوئی آزاد نہیں سب ہیں گرفتاری میں

زہد و تقوی یہ تجھی کو مبارک زاہد
خوب گزرے ہے مری مستی و میخواری میں

اے ظفر چاہئے بندے کو گنہ سے پرہیز
ورنہ کچھ شک نہیں غفار کی غفاری میں

جس جگہ ہم ہوں وہاں گر تو نہ ہو تو کچھ نہیں
اور جہاں تو وہاں نہ ہو تو وہاں قابو نہ ہو تو کچھ نہیں

وہ تو سیدھی بات سے بھی کرتے ہیں پہلو تہی
ہم کہیں گر بات بھی پہلو نہ ہو تو کچھ نہیں

تکیہ مخمل کا مرے زانوں کے نیچے ہو نہ ہو
ان کے زانوں پہ مرا زانو نہ ہو تو کچھ نہیں

عشق میں لذت ہے کیا یارو بجز سوز و گداز
لب پہ نالہ چشم میں آنسو نہ ہو تو کچھ نہیں

تن میں مجنوں کے نہیں خوں ور یہ وحشت کا زور
ورنہ انسان میں اگر لو ہو نہ ہو تو کچھ نہیں

آئینہ کو دل کے ہے جلوے سے تیرے روشنی
اس میں روشن تیرا عکس رو نہ ہو تو کچھ نہیں

بس میں کرلینے کو دل ہوں لاکھ افسوں لاکھ سحر
تیری آنکھوں کا اگر جادو نہ ہو تو کچھ نہیں

منہ سے ہو حق کی تو کیا اے صوفی صافی نہار
دل میں جب تک ذکر اللہ ہو نہ ہو تو کچھ نہیں

آنکھیں ہیں سینکیں تو کیا تھوڑا سا دان تو بھی جلے
آتشیں رخسار آتش خو نہ ہو تو کچھ نہیں

بے اشارے یار کے کیوں کر چلے تیغ اجل
جب تک اس کی جنبش ابرو نہ ہو تو کچھ نہیں

چاہئے رنگیں مزا جوں کو ظفر اظہار لطف
زیب گل خوشبو سے ہے خوشبو نہ ہو تو کچھ نہیں

تکمہ گزری تری تیرا اجل گر بن کے پہلو میں
نہ تڑپے کس طرح دل صید مضطر بن کے پہلو میں

ترے ابرو جو کرتے وار خنجر بن کے پہلو میں
تو مرغ روح کو لے اڑتے شہپر بن کے پہلو میں

جلا پہلو مرا آتش کدہ سوز محبت سے
رہے کیونکر نہ دل میرا سمندر بن کے پہلو میں

خدا جانے بگیا جان پر اس دل کے ہاتھوں سے
کر گھس بیٹھا ہے دشمن سخت کافر بن کے پہلو میں

ہنیر اس گل کے لیتا ہوں جو کروٹ بستر گل پر
تو چبھتی ہے رگ گل میرے نشتر بن کے پہلو میں

لکھے گی لاغری کیا حال میرے صفحہ تن پر
ہوئیں جو پسلیاں موجود مسطر بن کے پہلو میں

یہی تاثیر سوز عشق ہے تو دیکھنا آخر
جلادے گا یہ دل پہلو کو اخگر بن کے پہلو میں

بنا جب ماہ تاباں رخ ترا تو کان کا موتی
ہا تابندہ مہ کے ایک اختر بن کے پہلو میں

نہ پہنچا اس پری تک ہائے مرغ نامہ بر بن کر
دہا دل لوٹتا لوٹن کبوتر بن کے پہلو میں

کہاں تک تمکنت ہاں کچھ تو بول اے سنگدل منہ سے
نہ بیٹھ اتنا بھی تو خاموش پتھر بن کے پہلو

ظفر راحت ہو گر ان کو مری پہلو نشینی سے
رہوں پہلو کا تکیہ میں نہ کیونکر بن کے پہلو میں

بھری ہے دل میں جو حسرت کہوں تو کس سے کہوں
سنے ہے کو مصیبت کہوں تو کس سے کہوں

جو ہو تو صاف تو کچھ میں بھی صاف تجھ سے کہوں
ترے دل میں کدورت کہوں تو کس سے کہوں

نہ کوہکن ہے نہ مجنوں کے تھے مرے ہمدرد
میں اپنا درد محبت کہوں تو کس سے کہوں

دل اس کو آپ دیا آپ ہی پشیماں ہوں
کر چکا ہے اپنی ندامت کہوں تو کس سے کہوں

کوئی میں جس سے اسے ہووے سنتے ہی وحشت
پھر اپنا قصہ وحشت کہوں تو کس سے کہوں

رہا تو ہی تو غمخوار اے دل غمگیں
ترے سوا غم فرقت کہوں تو کس سے کہوں

جو دست ہو تو کہوں تجھ سے دوستی کی بات
تجھے تو مجھ سے عداوت کہوں تو کس سے کہوں

نہ مجھ کو کہنے کی طاقت کہوں تو کیا احوال
نہ اس کو سننے کی فرصت کہوں تو کس سے کہوں

کسی کو دیکھتا اتنا نہیں حقیقت میں
ظفر میں اپنی حقیقت کہوں تو کس سے کہوں

اختلاط اپنے بھلا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں
اور رکاوٹ پر خفا تم سے نہ ہوں کس سے ہوں

تم ادھر سرمست ناز و اور ہم ادھر سرمست شوق
باتیں بے شرم و حیا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

بار خاطر جانتے ہو اپنا ہم کو بار بار
اس کے شکوے بار ہا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

طاق ہوں ابرو تمہارے جب ادا و ناز میں
یہ ادا ناز و ادا تم سے نہ ہو تو کس سے ہوں

کرتے ہو صرف نمک پاشی میں زخم دل کی تم
خستہ دل پھر بے مزا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

اپنے روئے صاف کے مانند ہم سے تم ہو صاف
آئینہ ساں ہم صفا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

روئے تابندہ یہ چمکے جب تمہارا در گوش
منفعل ماہ و سہا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

حضرت دل تم ہو اس نا آشنا کے آشنا
آشنائی آشنا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

آپ کے آنے پہ ہوں موقوف سب سامان عیش
غمکدے عشرت سرا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

لب تمہارے ہوں زلال و خضر جاں بخشیں تو ہم
طالب آب بقا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

ذات اقدس کو تمہاری کہتے ہیں مشکل کشا
عقدے سب مشکل کے وا تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

عرض ہے شاہ ولایت سے ظفر اتنی کہ ہم
بلتجی یا مرتضی تم سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

کہو تو زلف کے آشفتہ میری جان کتنے ہیں
بلا نوش ان کے کہتے ہیں بلا گردان کتنے ہیں

دکھاؤں سینہ اپنا چیر کر اس ناوک افگن کو
کہ سوفار اس میں کتنے دیکھ اور پیکان کتنے ہیں

ہزاروں رنج و غم ہیں خانہ دل میں نہیں کھلتا
کہ صاحب خانہ انمیں کتنے اور مہمان کتنے ہیں

مجھے چوری سے شب گھر اس کے جانا یہ کسے پروا
کہ واں کتنے ہیں چوکیدار اور دربان کتنے ہیں

کوئی جانبازیوں کو عاشق جانباز سے پوچھو
کہ ہیں یہ کام مشکل کتنے اور آسان کتنے ہیں

جو ہم وہ چپکے چپکے باتیں کچھ آپس میں کرتے ہیں
تو کتنے جوڑتے ہیں منہ لگاتے ہیں کان کتنے ہیں

سفر دنیا سے ہے درپیش مجھ کو پر خدا جانے
کہ بے سامان ہیں کتنے اور باسامان کتنے ہیں

کہے ہے صید افگن صید گہ میں کھینچ کر خنجر
کہ کتنے رہ گئے جاندار اور بے جان کتنے ہیں

فقط میں ہی نہیں جو آئینہ محو جمال اس کا
کہ ششدر اور بھی کتنے ہیں اور حیران کتنے ہیں

بظاہر سب ہیں انسان لیک باطن کی خدا جانے
کہ ہیں انسان ان میں کتنے اور حیوان کتنے ہیں

سمجھا عشق کو آفت اور اس آفت میں جا پھنسا
غرض دانا بھی ہم کتنے ہیں اور نادان کتنے ہیں

کسی دن کھینچ کر تیغ اعتماد کر اپنے بازو کا
کہ دیتے جان کتنے اور بچاتے جان کتنے ہیں

مجھے کشوہ نہیں اس کے ستم کا کوئی کیا جانے
کہ اس میں لطف اس کے کتنے اور احسان کتنے ہیں

ظفر آغوش میں آتے ہی میرے وہ تو گھبرائے
ابھی تو حسرتیں کتنی ہیں اور ارمان کتنے ہیں

جلوہ گر ہے شمع حسن یار دل میں اے ظفر
صورت فانوس گویا نور سے معمور ہوں

جن گلیوں میں پہلے دیکھیں لوگن کی رنگ رلیاں تھیں
پھر دیکھا تو ان لوگاں بن سونی پڑیں وہ گلیاں تھیں

اکھیاں اساں دی ڈھونڈی اونہاں نوں ہائے وہ کتے لوگ گئے
جن کے کھو سو ن پیارے گلاں لگدی دلکو تو بھلیاں تھیں

ایسی انکھیاں میچ پڑے ہیں کروٹ بھی نہیں لے سکدے
جن کی چالیں البیلی اور چلنے میں چھل بلیاں تھیں

خاک کا ان کا بستر ہے اور سر کے نیچے پتھر ہے
ہائے وہ شکلیں پیار پیار کس کس چاوء سے پلیاں تھیں

جانا ہے تو آنا نہیں ہے آنا ہے سو جانا ہے
جب یہ وہ سن لیتے تھے تو پڑیں کیا کھلبلیاں تھیں

تلخی اٹھائی موت کے جھٹکے خاک سب انکو چاٹ گئے
جن کی باتیں میٹھی میٹھی مصری کی سی ڈلیاں تھی

روز بہاراں لوٹتے تھے وہ جا جا کر جن باگن میں
شوق رنگ اب جو دیکھا واں نا پھول ہیں رہا کلیاں تھیں

دیکھے گر اپنی بھویں وہ مہ جمال آئینے میں
کھلیں طاق و جفت مل کر وہ ہلال آئینے میں

تیرہ بختوں کا ستارہ پھر نہ نکلا ڈوب کر
رخ پہ جو دیکھا بنا کر تو نے خال آئینے میں

گر دکھائیں آئینہ تیرے مریض عشق کو
صاف وہ معلوم سکتے کا سا حال آئینے میں

ہے نمود اس وجہ سے عارض پہ اس کے خط سبز
جیسے عکس طوطی شیریں مقال آئینے میں

اپنے بوسے آپ لیتا ہے وہ کس کس پیار سے
دیکھتا ہے صاف صاف اپنے جو گال آئینے میں

گر کول تالاب میں تو نے نہ دیکھے ہوں تو دیکھ
وقت مستی اپنی آنکھیں لال لال آئینے میں

دل میں اس موئے کمر کا اس طرح آیا خیال
اے ظفر آجائے جس صورت سے بال آئینے میں

خوب ڈھونڈھا خوب دیکھا کچھ نظر آیا نہیں
آج تک اپنے میں ہم نے آپ کو پایا نہیں

چشم ظاہر میں سے تو دیکھا نہیں جاتا ہے یار
تم نے بھی اے دل کی آنکھو اس کو دکھلایا نہیں

ہو میسر کیونکر اس پردہ نشیں کا دیکھنا
ہے جو پردہ درمیاں وہ اسنے اٹھوایا نہیں

آفتاب و ماہ برق و شعلہ سب میں ہے وہ نور
حسن اپنا اس نے اب کس کس میں جھمکایا نہیں

راہ سے اس کی ہوئے تم کس لئے گم کردہ راہ
غافلو تم کو کسی نے گرچہ بہکایا نہیں

ہے وہی عاشق سچا جس نے ترے لاکھوں ستم
ایک حرف شکوہ پر لب تک کبھی لایا نہیں

میرے نزدیک اس نے پایا کیا محبت کا مزا
زخم تیغ عشق جس نے اے ظفر کھایا نہیں

فدا ہونے سے تیرے کوئی آنکھیں ہم چراتے ہیں
یہ آپ ہی ہیں کہ دل آتے ہوئے یکدم چراتے ہیں

لگاؤ آزمائش سے نہ ٹھوکر اپنے کشتوں کو
کہ جو دیتے ہیں دم تم پر وہ کوئی دم چراتے ہیں

دل انگار محبت اس طرح اشکوں کو بن جائے
کہ پانی زخم دل اے دیدہ پرنم چراتے ہیں

خطوط مہر کرتے ہیں چمن میں دن دیئے چوری
سحر جو گوش گل سے گوہر شبنم چراتے ہیں

کبھی کرتا ہوں گر میں گدگدی دست تصور سے
تو وہ کیا کیا بدن کو اے ظفر ہر دم چراتے ہیں

ہے جانا میںڈا جی جان دا خبر اس کو نہیں
چشم والے میںڈے دل پہ نظر اس کو نہیں

بخشت ہیہ میںڈاں شوراں کروں کیا اے دل
از غم دور پھراں کدی اثر اس کو نہیں

نالہ وآہ کم میںڈی نیا میں کب تک
شب ہجر ست آساں وکھے سحر اس کو نہیں

نام نیکم ہوا ہرنہ وچ اوسدی برباد
پاس کے زرہ میںڈی نام دا پہ اس کو نہیں

کیست تا آگہی کوئی وسنو ہمارا احوال
آکھ حالیت ملوم اپنا ظفر اس کو نہیں

عشق کے ساغر سے گر ہشیار مے نوشی کریں
جام چشم مست سے تعلیم بے ہوشی کریں

چاند دیکھیں عید کا جب دیکھیں روئے یار کو
عید ہم اس دن کریں جس جن ہم آغوشی کریں

اپنا دم رکتا ہے گر کچھ خموشی اختیار
یار رکتا ہے اگر ہم ترک خاموشی کریں

چاہتے ہیں زخم دل کے کھول کر آغوش ہم
پھر دم شمشیر قاتل سے ہم آغوشی کریں

کیونکر انبار اس قدر ہوتے ہیں اب منزل میں بار
یہ مسافر چاہئے فکر سبک دوشی کریں

عشق وہ آتش کا پرکالہ ہے چھپتا ہی نہیں
اتنا ہی ظاہر سو ہو جتنی خس پوشی کریں

وہ کسی برقع میں ہوں گے دیکھ لیں گے ہم ظفر
ہو چکا پردہ کہو ان سے نہ روپوشی کریں

کیا کروں گریہ کہ آنکھوں میں مری خواب نہیں
کیونکہ میں آہ کروں دل کو مرے تاب نہیں

خاکساروں کے لیے کسوت خاکستر ہے
غم نہیں ان کو اگر اطلس و کمخواب نہیں

ہوئی جمعیت ظاہر سے پریشانی اور
جس سے جمعیت خاطر ہو وہ اسباب نہیں

غرقہ آب بقا بھی ہے تو ہے تشنہ گلو
جو اس آب دم شمشیر سے سیراب نہیں

خواب میں یار اگر آوے تو کیونکر آوے
مجھ کو آیا غم ہجراں میں کبھی خواب نہیں

عشق کیوں رکھتا ہے اتنا مجھے بیتاب کہ میں
شعلہ و برق نہیں بسمل و سیماب نہیں

گر ظفر عاشق سر باز جھکادے سر کو
خم شمشیر سے بہتر کوئی محراب نہیں

کیا کہوں میں کس نشے میں رات دن مخمور ہوں
ایسی کیفیت میں ہوں اپنی خودی سے دور ہوں

تم تلک میں کیونکہ پہنچوں ہائے بے مقدور ہوں
دل سے پر نزدیک ہوں گرچہ بظاہر دور ہوں

دل تو کہتا ہے کہ کہہ دے دل کی اس دلدار سے
پر حیا مانع ہے میں کیوں کر کہوں مجبور ہوں

خون سے اپنے جلادوں دار کو مانند شمع
حق تو یوں ہے میں اگر جاں سوختہ منصور ہوں

خلق اپنے منہ سے کچھ کچھ مجھ کو کہتی ہے کہے
بندہ غیور ہوں اس بات پر مغرور ہوں

جی دھڑکتا ہے نکل جائے نہ منہ سے حرف راز
یار سب ہشیار ہیں اور میں نشے میں چور ہوں

ہوئے ہیں غیر سن کر مست باتوں کو ظفر تیری
کہیں لائیں نہ مستی یار کے بھی عہد و پیماں میں

ہم جدا ہو کر جو اس قاتل سے گھر میں آئے ہیں
کیا کہیں کیا مضطرب بسمل سے گھر میں آئے ہیں

جب کہ ہم اٹھ کر تری محفل سے گھر میں آئے ہیں
تھک گیا کیا کیا اضطراب دل سے گھر میں آئے ہیں

سن کے وہ آواز کو دہلیز پر رکھیں نہ پاؤں
آج کیا جانے وہ کس مشکل سے گھر میں آئے ہیں

رات کو کہتا ہے وہ نالے کر اڑ جاتی ہیں نیند
لوگ سب عاجز ترے مائل سے گھر میں آئے ہیں

جب کبھی لوٹے ہیں خاک کوئے جاناں پر تو ہم
کیا معطر ہو کے عطر گل سے گھر میں آئے ہیں

جب گئے ہیں لوگ سمجھانے ترے دیوانے کو
الٹے پاؤں ہو کے وہ قاتل سے گھر میں آئے ہیں

تو نہ ہو گھر میں تو دل گھر میں لگے کیا سنگ دل
توڑتے ہم سر کو گھر کی سل سے گھر میں آئے ہیں

کہہ دو شور حشر سے آسودہ گاہن ، گور کو
مت اٹھا تھک کر ابھی منزل سے گھر میں آئے ہیں

کس کی چشم مست کو تم دیکھ کر اب اے ظفر
آپ جولاں مست لایعقل سے گھر میں آئے ہیں

ہزاروں طرح کے چلتے ہیں ہر تدبیر سیدھی میں
نہیں چلتا کوئی پتا مگر تقدیر سیدھی میں

پڑی ہے زلف پر خم مصحف رخسار پر اس کے
کجی کی دیکھو جدول کس نے کی تحریر سیدھی میں

جو صورت راستی کی چاہتا ہے تو نہ خم رو ہو
کر ٹیڑھی شکل تو ہے بدنما تصویر سیدھی میں

ترے سمجھائے کیا ہوتا ہے ناصح جب نہ دل سمجھے
نہ کر تقریر کج بحثی کی اس تقریر سدھی میں

پتا یہ کششان ابرو خم دار کا پایا
کجی ہر مقبرہ کی نہ گئی تعمیر سیدھی میں

کروں میں بات الٹی یا کہ سیدھی لیک کیا حاصل
نہ ہے تاثیر الٹی میں نہ ہے تاثیر سیدھی میں

اگر دشمن میں وضع راستی بھی ہو حذر کر تو
کہ برش کیا نہیں ہوتی ظفر شمشیر سیدھی میں

ہم اپنا راز دل ظاہر کب اے بیباک کرتے ہیں
ہمیں رسوا ہماری دیدہ نمناک کرتے ہیں

وہ اپنے زیب تن جب لالہ گوں پوشاک کرتے ہیں
چمن میں رشک سے پھر گل گریباں چاک کرتے ہیں

غضب ظالم ترے رخسار آتشناک کرتے ہیں
ہزاروں خانہ دل کو جلا کر خاک کرتے ہیں

ابھی آنسوؤں گر دیدہ نمناک کرتے ہیں
تو بس غرق ایک پل میں گنبد افلاک کرتے ہیں

دم تو صیف ساقی ہم جو منہ کو پاک کرتے ہیں
غرارہ مے سے چوب تاک سے مسواک کرتے ہیں

رقم جس دم کہ اپنا حال وحشت ناک کرتے ہیں
قلم کو توڑ کر کاغذ پکڑ کر چاک کرتے ہیں

ترحم صید پر اپنے جو یہ سفاک کرتے ہیں
تو اس کو ذبح کر کر بستہ فتراک کرتے ہیں

وہ پھر سرگرم جولاں تو سن چالاک کرتے ہیں
الٰہی دیکھیے برباد کس کی خاک کرتے ہیں

شناور ہائے غم سے تجھ کو ہم بیباک کرتے ہیں
وگرنہ اے ظفر اس سے حذر تیراک کرتے ہیں

کشش دل کی جو تاثیر دکھائے گی ظفر
تو بلائیں گے ابھی کھینچ کر گھر میں سے انہیں

یار دل مانگے نہ دوں کس کر کہوں تو کیا کروں
اور جب دے دوں تو لوں کیوں کر کہوں کیا کروں

جب کہ پوچھے یار مجھ سے شیفتہ ہے کس پہ تو
منہ سے میں اپنے کہوں کیوں کر کہو تو کیا کروں

حضرت دل عشق کے رستے سے واقف نہیں
کس طرف جاؤں چلوں کیوں کر کہو تو کیا کروں

غیر پہ چشم عنایت مجھ کو دیکھ قہر سے
آنکھ سے دیکھا کروں کیوں کر کہوں تو کیا کروں

غم مرا غمخوار ہے کرتا ہے وہ غم خوارگی
میں نہ دم اس کا بھروں کیونکر کہو تو کیا کروں

میں ہوں حیراں روبرو اس یار کے آئینہ دار
اب نہ صورت کو تکوں کیونکر کہو تو کیا کروں

واہ وا کہتے ہیں میرے لب کھلے ہی رہ گئے
اور وصف ان کا کہوں کیوں کر کہوں تو کیا کروں

جم گیا دل خاکوئے یار پہ جوں نقش پا
اٹھ نہیں سکتا اٹھو کیوں کر کہو تو کیا کروں

اپنا احوال محبت سامنے اس کے ظفر
آپ میں لکھ کر پڑھوں کیونکر کہو تو کیا کروں

پاک شے کچھ اور ہے میں قطرہ ناپاک ہوں
بولتا کیا جانے کیا ہے میں تو مشت خاک ہوں

خواہش دنیا ہے درپے استقامت کیونکہ ہو
اڑتا پھرتا میں وہاں میں جوں خس و خاشاک ہوں

دور ہے منزل بہت اور پاؤں میں طاقت نہیں
گرچہ میں رکھتا طبیعت عشق میں چالاک ہوں

بے حجابی سے اٹھا کافر نہ تو منہ سے نقاب
دیکھ کر کیا جانے کیا بولوں کہ میں بے باک ہوں

ناصحا کرتا ہے کیا چاک گریباں کو رفو
فکر کر اس کا کہ رکھتا سینہ میں صد چاک ہوں

اے ظفر دونوں جہاں میں کیوں نہ ہو مجھ کو ظفر
جان و دل سے میں غلام صاحب لولاک ہوں

میں ملوں کیوں کر کہ وہ یہاں گسل ملتا نہیں
میرا دل ملتا ہے اس سے اس کا دل ملتا نہیں

ے اس کی صورت سے ملے کس وجہ یوسف کی شبیہ
رخ سے رخ گیسو سے گیسو خال سے خال ملتا نہیں

ہے عرق اس زلف گرد آلود پہ وقت شکار
اس سے بہتر عطر عنبر گل ملتا نہیں

اس گلی میں گردم گشتہ کو شب جو ڈھونڈھیے
نالہ دل ہو نہ جب تک مشتعل ملتا نہیں

کیا عداوت ہے کہ میں سو بار اس سے کہہ چکا
آج ہے دن عید کا تو مجھ سے مل ملتا نہیں

جائیں ہمسائے میں ہم لیکن ہمیں کوئی مکاں
اٹھئیو اس کے گھر کے متصل ملتا نہیں

چاہتا تھا اس کمر کا اے ظفر پاؤں سراغ
گم ہوا عنقا یہ ہو کر منفعل ملتا نہیں

وفور اشک گر دیکھے ہماری چشم گریاں میں
تو دریا صرت گرداب منہ ڈالے گریباں میں

حبابوں کو نشے میں دیکھ کر کہتا ہے یہ ساقی
بتا سے کس نے پھیلائے زمیں پر آب باراں میں

ہنسی کے تیرے قرباں آئینہ رو اس طرح پر ہنس
کہ تا ہم اپنا منہ دیکھیں تری اس آب دنداں میں

یہ سوچا آئینہ میں دیکھ کر اس چشم کی گردش
کہ چکر کھا رہی کشتی ہے کس کی آج طوفاں میں

بڑی استاد ہے باد بہاری مرغ گلشن کو
پڑھاتی ہے گلستان کا سبق کیا کیا گلستاں میں

در خوش آب درج صندلی میں لا کے رکھا ہے
نہ سمجھو اس کو تم قطرہ عرق کا اس زنخداں میں

ہم اپنے لخت دل کو دامن مژگاں سے گر جھاڑیں
نکلیں پھر لعل قلم لال پتھر کے بدخشاں میں

جو اس کان ملاحت کے ہیں کشتے چپ نہ ہووں گے
قیامت تک رہیگا شور اک گنج شہیداں میں

کردیا آگاہ سب کو تونے راہ عشق سے
تجھ سے دل کی بات اپنی اے ظفر چھپی نہیں

جو بھنویں اس شوخ چشم خشمگیں کی کھنچ گئیں
دو کمانیں متصل دو ترک چیں کی کھنچ گئیں

جب لکیریں سی تری چین جبیں کی کھنچ گئیں
سر پہ تلواریں مرے سو بغض کیں کھنچ گئیں

ناتوانی سے پہنچنا واں مجھے دشوار تھا
پر طنابیں میری قسمت سے زمیں کی کھنچ گئیں

کھینچ کر شانے نے کھولے جب تری زلفوں کے بال
یک بیک ساری رگیں تیرے حزیں کی کھنچ گئیں

وہ بڑی آنکھیں نشے میں دیکھ کر سوجھا مجھے
کشتیاں دریائے حسن نازنیں کی کھنچ گئیں

ہوگئی کچھ صفحۂ گردوں پہ آرائش سی اور
جدولیں جو میری آہ آتشیں کی کھنچ گئیں

جلوہ فرما کون ہوگا جو خطوط مہر سے
ڈوریاں کنگرہ چرخ بریں کی کھنچ گئیں

زلف مشکیں کو جو اس کافر نے باندھا کھینچ کر
اور بھی مشکیں دل اندوہ گیں کی کھنچ گئیں

جا بجا ہو جبکیوں نہ شہرت حسن کو اسکے ظفر
اب تو تصویریں ہزاروں اس حسیں کی کھنچ گئیں

جی میں کیا تیرے سمایا اسے کیا کہتے ہیں
ہم سے ہر وقت کنایا اسے کیا کہتے ہیں

ساتھ سوتے ہو لپٹ کر مرتم شرم کہاں
یہ جو منہ تم نے چھپایا اسے کیا کہتے ہیں

ان پہ ہم مرتے ہیں وہ اور پہ خوش ہیں افسوس
یہ ستم بار خدایا اسے کیا کہتے ہیں

پوچھا ہر چند بھرے کان تمہارے کس نے
نہ بتایا نہ بتایا اسے کیا کہتے ہیں

دن کو تو یوں وہ نہ آیا کہ ہیں مانع اغیار
خواب میں شب جو نہ آیا اسے کیا کہتے ہیں

گل صد برگ بنایا دل صد پارہ عشق
تو نے کیا گل یہ کھلایا اسے کیا کہتے ہیں

بید میں پھل نہیں سایہ ہے میری آہ نخل
نہ ثمر رکھے نہ سایا اسے کیا کہتے ہیں

لاکھوں انداز ہیں کس کس کو ہم ان سے پوچھیں
تم کو یہ کس نے سکھایا اسے کیا کہتے ہیں

گرمی خوں سے سلگتا ہی تھا دل اور ظفر
سرد مہری نے جلایا اسے کیا کہتے ہیں

وہ تیر اور ہے جس تیر و فگار ہوں میں
وہ دام اور ہے جس دام کا شکار ہوں میں

نشان تیرے کف پا کا دیکھتا ہوں جہاں
طواف آنکھوں سے کرتا ہزار بار ہوں میں

وہ کارواں کہ ج منزل پہ اپنی جا پہنچا
اسی کے پیچھے رواں صورت غبار ہوں میں

نہ میں ہوں طائر بسمل نہ ماہی بے آب
الٰہی کیوں ہوں جو بیتاب و بیقرار ہوں میں

کیے عشق میں بیہوش و بے خبر ہیں مجھے
خبر نہیں کہ خبردار و ہوشیار ہوں میں

خدا اگر مجھے پردے مثال پروانہ
تو شمع رو ابھی اڑا کر ترے نثار ہوں میں

ظفر ہو کیوں نہ وہ نازک مزاج دامن کش
کہ خاک راہگزر ہوں خاکسار ہوں میں

چشم کیا دیکھتی ہے روزن در میں سے انھیں
جھانکتا دل بھی ہے سوراخ جگر میں سے انھیں

چھپ کے وہ بیٹھ رہے مجھ سے یہ ممکن ہی نہیں
میں سر کھینے نہیں دینے کا نظر میں سے انھیں

دل وہ کب چھوڑتے ہیں اے تن لاغر میرا
ثمر اک تازہ ملا نخل شجر میں سے انھیں

جو مسافر کہ سفر کر گئے اس منزل سے
پھیر کر لائے کیونکر سفر میں سے انھیں

تار جو باندھتے ہیں آنسوؤں کا چشم سے ہم
دیں گے دو چار گہر سلک گہر میں سے انھیں

لعل درکار اگر ہووے گا تکمہ کے لیے
کاٹ کر ٹکڑا ابھی دوں گا جگر میں سے انھیں

دھرے ہے زلف شانہ چھین زلف یار میں انگلی
وگرنہ کون دیتا ہے وہاں مار میں انگلی

کہا میں نے کہ گل سے بھی زیادہ کوئی نازک ہے
اٹھائی شاخ نے تیری طرف گلزار میں انگلی

جنوں کو شوق چاک جیب اور یاں ناتوانی ہے
کہ مل سکتی نہیں الجھی جہاں یک تار میں انگلی

سلائی گر نہیں پیکاں تو ہے اس ناوک افگن کا
نہ چھیڑ اے چارہ گر زخم دل افگار میں انگلی

دکھائے جائیں گے اپنے جو زیر بار حسرت ہم
وہ ہائے کوہکن دانتوں تلے کہسار میں انگلی

بتایا تھا کہیں انگلی سے اس نے شاہ خوباں کو
کٹی ہے شمع کی جو حسن کے بازار میں انگلی

تجھے کس آنکھ سے دیکھا کہ جو تار شعاعی سے
فلک نے کی ہے چشم مہر پر انوار میں انگلی

ہم اس کے بام تک پہنچے ہی تھے دیوار پر چڑھ کر
ٹھہر جائے ذرا گر روزن دیوار میں انگلی

ظفر اس شوخ بدخو کی جو ڈرتے ہیں ذرا خو سے
لگا سکتے نہیں اس کو کبھی ہم پیار میں انگلی

جگر میں یہاں جو میرے سوزش الفت لگی ہونے
خبر دی ان کے دل نے واں انہیں رقت لگی ہونے

ہمارے واسطے ان پر ادھر شدت لگی ہونے
ادھر اشکوں سے تر یہ چشم پر حسرت لگی ہونے

تصور میں کسی وحشی نگہ کے یہ ہوئی صورت
کہ صورت اپنی دیکھ آئینے میں وحشت لگی ہونے

کسی کی نرگس میگوں نے دی کچھ ایسی بے ہوشی
کہ مجھ کو عین ہشیاری میں اک غفلت لگی ہونے

انہیں مضمون جو لکھا ہم نے بیتابی کی حالت میں
ہمارا خط پڑھا جس نے اسے حیرت لگی ہونے

ہمیں خلوت کدے میں کس طرح سے بار ہو ان کے
کہ اب تو اور ہی لوگوں سے واں خلوت لگی ہونے

بغیر از آنکھ لڑنے کے نہ تھی کچھ بات محفل میں
خدا جانے لڑائی ہم سے کس بابت لگی ہونے

ترے دست شفا کے رشک عیسیٰ میں تو قرباں ہوں
کہ میری نبض بے سرعت میں بھی سرعت لگی ہونے

مزا آیا جو تھا کچھ دل کو قاتل زخم کھانے میں
نمک پاشی سے حاصل اور ہی لذت لگی ہونے

یہ کس سرباز کے سر پر نیا ہنگامہ برپا ہے

سر بزم حریفاں یار نے کہیں ہم سے وہ باتیں
کہ سن سن کر ظفر اوروں کو بھی خجلت لگی ہونے

کہیں شتاب ترے تخت جاں کا دم ٹوٹے
کہ تیری تیغ نہ اے شوخ پر ستم ٹوٹے

بلا سے ٹوٹے مرے پاؤں دشت وحشت میں
ولے یہ خار مرے کیوں تہ قدم ٹوٹے

انہیں ہے رشک سے اس زلف پرشکن کی عجب
کہ شاخ سنبل تر کھا کے پیچ و خم ٹوٹے

دل شکستہ کا احوال گر کروں تحریر
لکھوں نہ حرف کبھی بھی تا بہت کہ جھٹ قلم ٹوٹے

بدی ہے گریۂ عاشق نے ابر تر سے شرط
نہ تار آنسوؤں کا دیکھ چشم نم ٹوٹے

الجھ کے زلف سے یوں ٹوٹے موتی کے بالے
کہ تارے رات کو اس طرح ہوں گے کم ٹوٹے

ترے ہے جام میں ساقی طلسم کیفیت
اگر یہ ٹوٹے تو گویا کہ جام جم ٹوٹے

جو شوق بت شکنی ہے تو اپنے نفس کو توڑ
کہ ٹوٹے تجھ سے اگر یہ بڑا صنم ٹوٹے

یہاں کے آنے کی اس یار نے قسم کھائی !
کچھ ایسی بات ظفر ہو کہ یہ قسم ٹوٹے

جائیں گے لاکھ کوس بھی ہم گر پھر آئیں گے
پر جب گئے عدم کو تو کیونکر پھر آئیں گے !

جاتے ہیں اب تو ساتھ ترے اس گلی میں ہم
جیتے رہے تو اے دل مضطر پھر آئیں گے

برگشتگی بخت بھی ہے تو نامہ بر !
رستے ہی میں سے الٹے مقرر پھر آئیں گے

جائیں گے جھگڑے میں اگر تیرے داد خواہ
مایوس لے کے ہاتھ میں محضر دھر آئیں گے

جس کو وہ منہ لگائیں گے ہنگام میکشی
کیا کیا اسے وہ صورت ساغر پھر آئیں گے

ہر جائی پن سے اپنا یہ خورشید رو ہمیں
مانند ماہ شہر میں گھر گھر پھر آئیں گے

گویا خدا کے گھر سے پھرینگے وہ اے صنم
جتنے کہ تیرے کوچے سے جا کر پھر آئیں گے

جھوکے ہمارے سر سر نالہ کے دیکھنا
پھر کی کی طرح کو بکو پھر کر پھر آئیں گے

وصل اس کا آب خضر ظفر ہو کہاں نصیب
پیاسے بہت مثال سکندر پھر آئیں گے

ضبط نالہ ہے ادھر گری ادھر پہنچے ہی گی
دل کو دل سے راہ ہے ان کی خبر پہنچے ہی گی

مثل شمع صبحدم ہو وے گا ٹھنڈا آفتاب
ٹھنڈی ٹھنڈی گرمی آہ سحر پہنچے ہی گی

دور ہے گرچہ نگاہ چشم ظاہر میں سے یار
دور ہیں دل سے مگر میری نظر پہنچے ہی گی

کچھ اگر تاثیر رکھتا ہے مرا مضمون شوق
تجھ سے واں پہلے خبر اے نامہ پہنچے ہی گی

برق تو ہنستی ہے کیا دیکھ اپنے دامن کو بچا
آسماں پہ اپنی آہ پر شرر پہنچے ہی گی

بال بھی رکھتا نہیں پر اس گلی میں میری خاک
دیکھنا چڑھ کر ہوا کے دوش پر پہنچے ہی گی

فخر دیں فخر جہاں کی دولت الطاف سے
دولت ہر دو جہاں تم کو ظفر پہنچے ہی گی

نیز اخیال زلف پرخم جیسا تھا ویسا ہی ہے
دل کے پیچ و تاب کا عالم جیسا تھا ویسا ہی ہے

ابر برس کر کھل بھی گئے اور نالے چڑھ کر اترے بھی
لیکن جوش دیدہ پرنم جیسا تھا ویسا ہی ہے

یوں تو بہت دم ساز تھے آخر دیکھا تو دم بازی ہے
پر یہ دم سرد اپنا ہمدم جیسا تھا ویسا ہی ہے

تھا نہ یہاں کے منزل عشرت اور نہ اب ہے راحت گاہ
خانہ دنیا خانہ ماتم جیسا تھا ویسا ہی ہے

کان میں تیرے دیکھ کے حیراں ہوں میں اے خورشید لقا
مہر کے آگے قطرہ شبنم جیسا تھا ویسا ہی ہے

زلف الجھ کر سلجھے ہے پرہم سے یونہی بے جرم و خطا
تیر مزاج اے کافر برہم جیسا تھا ویسا ہی ہے

زخم جگر کا حال نہ پوچھو چارہ گرویاں کتنے ہی
پھائے بدلے رکھے مرہم جیسا تھا ویسا ہی ہے

کیا کیا تو نے سستی پیمان کی دیکھ اے سست وفا
عہد محبت اپنا محکم جیسا تھا ویسا ہی ہے

غنچے ہزاروں ہوئے شگفتہ دیکھے چمن میں لیک ظفر
دل یہ گرفتہ خاطر و پرغم جیسا تھا ویسا ہی ہے

رخ نو خط کی جو تصویران آنکھوں کے آگے ہے
تو اک قرآں مع تفسیران آنکھوں کے آگے ہے

گیا میں سہم ایسا دیکھ کر وہ ناوک مژگاں
کہ ہر تنکا بھی مثل تیران آنکھوں کے آگے ہے

جدھر اب دیکھتا ہوں میں تصور تیرے ابرو کا
ادھر کھینچے ہوئے شمشیران آنکھوں کے آگے ہے

نہیں بنیاد کچھ ہستی کی یاں مردم حباب آسا
بگڑتی بن کے اک تعمیران آنکھوں کے آگے ہے

کریں ہیں دل کو پابند محبت یہ تری آنکھیں
تجمل صد حلقہ زنجیران آنکھوں کے آگے ہے

تری آنکھیں بلا سے بد ہیں کیا سحر اور کیا افسوس
کہ ہوتی سب کی کم تاثیران آنکھوں کے آگے ہے

رحم چاہیئے اللہ اکبر اتنی بیدردی
تڑپنا دیکھ کر نخچیران آنکھوں کے آگے سے

بچاؤں تیری آنکھوں سے دل اپنا کیونکر اے کافر
نہیں چلتی کوئی تدبیران آنکھوں کے آگے ہے

نہیں ہے اعتبار گلشن ہستی کے رنگ اس کا
ہوا کیا کیا ظفر تغیران آنکھوں کے آگے ہے

ان سے شب خواب میں ہوتی جو ملاقات سی ہے
صبح ہی چشم تصور میں مرے رات سی ہے

سوزش عشق میں آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
عین گرمی بھی مرے واسطے برسات سی ہے

زندہ کردینا دل مردہ کا اے عیسیٰ دم
آگے تیرے لب جاں بخش کے اک بات سی ہے

روک سکتا نہیں میں اپنی در فشانی اشک
کہ بدولت ترے اے عشق یہ خیرات سی ہے

صید کرنے کو مرے دل کے وہ چشم قاتل
دیکھئے کیا ہو لگائے ہوئے پھر گھات سی ہے

کوئی ہشیار نہیں جو ہیں وہ سرمست وخراب
بزم دنیا عجب اک بزم خرابات سی ہے

جن کو ہر لحظہ و ہر دم ہے انکے اللہ رجوع
بات بھی ان کی ظفر ایک مناجات سی ہے

خط و پیام ان کو نامہ پر پہنچائے جائیں گے
پہنچ کر لاکھ ڈھب سے واں خبر پہنچائے جائیں گے

نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑیں گے ہم ان کی زلف کا سودا
بلا سے وہ اگر ہم کو ضرر پہنچائے جائیں گے

نکل جائے گی جان نالواں لب پر تو آئی ہے
جو وہ صدمہ یونہی آٹھوں پہر پہنچائے جائیں گے

جو سرمایہ ہے پاس اپنے کریں گے نذر آنکھوں سے
انہیں ہم تحفہ لخت جگر پہنچائے جائیں گے

گلی تک ان کے ہم پہنچا تو دیں گے حضرت دل کو
دم بے طاقتی ہم سے اگر پہنچائے جائیں گے

کوئی دم زندگانی ہے نسیم صبح کے جھونکے
تری بوائے گل خوبی ادھر پہنچائے جائیں گے

نہیں بجھنے کی دل کی آگ بلکہ اور بھڑکے گی
اگرچہ اشک پانی عمر بھر پہنچائے جائیں گے

جہاں تک پہنچے گا مقدور ان کا وہ کبھی ہم کو
نہیں دینے کا چین ایذا اگر پہنچائے جائیں گے

فغاں سے آہ سے یا نالہ وزاری سے ہم اپنے
مدد بے تابی دل کی ظفر پہنچائے جائیں گے

نہ کعبے سے غرض نے بتکدے سے کام ہے اس کو
جھکایا اے ظفر سر جس نے اس کے آستاں پر ہے

حضرت دل عشق کے رنج و تعب میں پڑے گئے !
ہے غضب بیٹھے بٹھائے کس غضب میں پڑ گئے

اس نے کیسی قہر کی آنکھوں سے دیکھا آ کے
مہلکے یکبارگی شہر حلب میں پڑ گئے !

کار دنیا ہو وے یا ہو کار دیں محنت ہے شرط !
ان سے کیا ہوگا کہ جو عیش و طرب میں پڑ گئے

تل جلے سوز دل کر میں سرو چراغاں بن گیا
داغ اتنے میرے تن پر ایک شب میں پڑ گئے

کیوں ادھر چشم عنایت سے نہیں پڑتی نظر !
پڑ دے کیا آنکھوں پر رنج بے سبب میں پڑ گئے

اے محبت دور ہے مطلب کی منزل اور یہاں
چلتے چلتے آبلے پائے طلب میں پڑ گئے

عقدہ دشوار ہے اے دل یہ کھلنے کا نہیں !
آپ کیوں فکر وہاں غنچے لب میں پڑ گئے

دل کہیں ہے میں کہیں ہوں اور کہیں میرے حواس
تفرقے اب اے فراق یار سب میں پڑ گئے

منزل مقصد کو وہ پہنچے باآسانی ظفر
سیدھے رستے جو رہ و رسم ادب میں پڑ گئے

لگا جو دل میں یہ پر سوز داغ رکھا ہے
خدا کے گھر میں جلا کر چراغ رکھا ہے

جو کوئی پائے تو ہاں آپ ہی میں پائے اسے
وگرنہ ہر کہیں اس کا سراغ رکھا ہے

کہاں ہو زیر فلک دور جام با وہ عیش
فلک نے آپ ہی اتنا ایاغ رکھا ہے

بجم ہیں رخ پہ ترے خط سبزوخال سیاہ
قریب کس لئے طوطی کے زاغ رکھا ہے

ہمارے ساتھ اگر تو نہ ہو دم گلگشت
تو اپنا باغ میں کیا رشک باغ رکھا ہے

سنے ہیں خاطر ناصح سے ہم کہ ہے کچھ بات
وگرنہ اتنا کہاں یاں دماغ رکھا ہے

نہیں محبت دنیا کے ہم ظفر پابند
خدا نے اچھا ہمیں بافراغ رکھا ہے

لکھے تو ایسی غزل کوئی قلم برداشتہ
اے ظفر لاف سخن ہیں کیا سخنور مارتے

وہاں تدبیر کشت و خون وقصد ظلم رانی ہے !
یہاں ہے صبر و شکر اور آرزوئے جانفشانی ہے
نہیں ہم ڈرتے گر قاتل کو قصد تیغ رانی ہے
ہمیں پاس وفا ہے جان دینی شادمانی ہے
تری آب دم شمشیر آب زندگانی ہے !
شہیدوں کے لیے تیرے حیات جاودانی ہے
مثل ہے جتنا چھانا اتنا کھایا کر کرا اے دل
ملے کیا خاک اسے دنیا کی جس نے خاک چھانی ہے
سبب بیدار بختی کا ہے گر ہو علم ہوش افزا
پڑھے گر خواب غفلت درس کیا ہے قصہ خوانی ہے
محبت کی دورنگی ہے چمن زارگل رعنا !
گر آنسو ارغوانی ہے تو چہرہ زعفرانی ہے
خیال نیک وبد دل میں نہ آوے یہ نہیں ممکن
خدا کے گھر کی کر سکتا کوئی کیا پاسبانی ہے
ہوئی خاموش آپ ہی شمع جل کر بزم میں آخر
کہاں کیا کام آتی عشق میں آتش بیانی ہے
کف پا ہو گئے چھلنی خلش سے خاک صحرا کے
جنوں کے ہاتھ سے ہم نے کبھی کیا کیا خاک چھانی ہے
غرض تھی گرم جوشی سے مجھے کیا سرد مہروں کی
مگر اے حضرت دل یہ تمہاری مہربانی ہے
خدا نے وہ روانی دی ظفر تیری طبیعت کو
ترا ہر شعر تر ہر بحر میں بحرالمعانی ہے

کلام تلخ کا ہر چند صدمہ میری جاں پہ ہے
مبصر کہتے ہیں اس کی چین ابروئے زخم
نظر سے مہر کی کب دیکھتے ہیں خاکساروں کو
پھنسایا تو نے دل کیا طرہ شمشاد میں قمری
بنی ہے عین الماس طاق سمجھو عشق میں اس کو
قفس سے چھوٹتا ہے جبکہ اڑنے کی نہیں طاقت
پہنچتا ہے جہاں پیک تصور اپنا در پردہ !
کرے ہے ناز کیا کیا سرفرازی پہ محبت کی

لب شیریں کو بوسے کا چٹخارا پر زباں پہ ہے
کہ یہ جوہر بھلا کا ہے کو تیغ اصفہاں پہ ہے
دماغ ان مہ جبینوں کا ہمیشہ آسماں پہ ہے
ہماری جان ہی جاتی کسی سرو رواں پہ ہے
رکھا ایمان جس نے طاق ابروئے بتاں پہ ہے
ستم صیاد کیا کرتا اسیر ناتواں پہ ہے
پرندہ مار سکتا ہے پر پرواز کٹ ہاں پہ ہے
شہباز کا تیرے جو سر نوک سناں پہ ہے

زندہ یوں عشق میں ہیں مائل گیسو جلتے
جس طرح سے کرہیں از مرگ ہیں ہندو جلتے

گرمی دل سے ہیں یہ سینہ و پہلو جلتے
کہ نکلتے مری آنکھوں سے ہیں آنسو جلتے

آدمی میرا ترے گھر میں کہاں جائے کہ واں
پر فرشتوں کے ہیں واں شوخ پری رو جلتے

پارہ دل کو ہوا گرے سے مژگاں پہ فروغ
دیکھو پانی سے چراغاں ہیں لب جو جلتے

شعلے سے برق تلک شمع سے خورشید تلک
دیکھ کر سب ہیں یہ تیرا رخ نیکو جلتے

سرو سبز نہ ہوتے تری رعنائی سے
شمع ساں دیکھ کر تیرا قد دلجو جلتے !

سرد ہو گرمی بازار تری اے خورشید
داغ سینے میں رے دیکھے اگر تو جلتے

ہم جلے گر تپ دوری سے تمہیں کیا پروا
گھر میں ہیں گھی کے چراغ آپ کے مہر و جلتے

اے ظفر نامے میں لکھتے تو سکی سوز جگر
پر کبوتر کے ہمارے پر و بازو جلتے

جبکہ اس وحشی نگہ کے چین ابرو پر پڑے
سب کہیں تل واہ وا کیا شاخ آہو پر پڑے

وہ گر انبار معاصی ہوں دم وزن عمل
ٹوٹ جائے پلہ بوجھ اتنا ترازو پر پڑے

اوس پڑ جائے گی شاخ سنبل تر پر اگر
قطرے پانی کے دم غسل اس کے گیسو پر پڑے

ناخن غم گر لگے دل کے پھپھولے پر مرے
ہو یہ عالم تیز چاقو جیسے لیمو پر پڑے

تیری قامت سے اگر ہمسر ہو وہ اے برق وش
قد بر برق بجلی اک سرو لب جو پر پڑے

ہے نگہ کافی لگا مت تیغ اے قاتل مباد
پہونچے کچھ ساعد یہ صدمہ زور بازو پر پڑے

سامنے گر لاکھ ساحر ہوں فسوں سازی میں طاق
پر نظر جس کی پڑے اس چشم جادو پر پڑے

کرتا ہے میری طرف سے جو وہاں غمازیاں
صبر میرا یا رب اس غماز بدخو پر پڑے

عکس سینے پر صفا سے ہو عیاں سیلی کی طرح
کھل کے چوٹی جو ظفر اس پشت کے او پر پڑے

جس طرف پھرتے ہیں دیوانے ترے سر مارتے
اس طرف جاتے ہیں لڑکے ساتھ پتھر مارتے

عشوہ و غمزہ ترے دونوں سپاہی میں غضب
تیغ پر ہیں تیغ اور خنجر پہ خنجر مارتے

جیسے رہتی ہے تری مژگاں کی دل سے نوک جھوک
میرے سوئے تن مرے تن پر ہیں نشتر مارتے

خاک ہو کر بھی نہ پایا چین وحشت سے کہ ہم
جوں بگولا دشت میں پھرتے ہیں چکر مارتے

ڈر ہے خوباں کماں ابرو سے یہ ناوک فگن
تیر مژگاں دل پہ ہیں سو سو برابر مارتے

پاس خاطر تھا اسیری میں ہمیں صیاد کا
ورنہ ہوتا دام سو ٹکڑے اگر پر مارتے

سرکشی کرتے تھے میرے روبرو وائے شعلہ رو
شمع کو محفل میں ہاں گردن نہ کیونکر مارتے

فتنہ محشر ہزاروں پیش پا افتادہ ہیں
پر نہیں پندار سے وہ ایک ٹھوکر مارتے

وسیدم کرتا ہے ہم پر تیز تو تیغ ستم
اور ہرگز ہم نہیں دم اے ستمگر مارتے

کچھ تو منہ کھولا ترے آگے کر جھوکے باو کے
ہیں طمانچے وسیدم منہ کے برابر مارتے

خیر گزری تو نے دکھلائی نہ اپنی چشم مست
ورنہ نیکش سر سے اب ساقی کے ساغر مارتے

خط سبز اس کا کیا زیب ذقن ہے بہ رب کعبہ جنت کا چمن ہے
مہ نو ہے جو اس کا دست آغوش تو مانند ثریا نورتن ہے
لب لعل و در دنداں کو مت پوچھ وہ درج لعل یہ در عدن ہے
بلا ہے زلف اور قامت قیامت وہ آفت ہے غمزہ سحر فن ہے
صف مژگاں سے اے دل اس کو بچنا یہ فوج نیزہ بازان دکن ہے
شکستہ ہو نہ کیونکر حال دل کا ! زیادہ تنگ غنچے سے دہن ہے
وہ چشم فتنہ گر ہے مردم آزار وہ زلف پر شکن خاکر شکن ہے
نگاہ مست ترک تیغ زن ہے

جواب تلخ کیوں دیتا ہے ہم کو
ظفر کہتے ہیں وہ شیریں سخن ہے

قیس کا نقش ملا نقشے سے مجھ دلگیر ہے دیکھ تو تصویر رکھ کر سامنے تصویر کے
ان بھووں میں دیکھ کر کاجل کی چت حیران ہو ایک قبضے میں ہیں دو پھل کی طرح شمشیر کے
چاک کر سینہ نکالا دل جو اس کا بعد ذبح نکلے پیکاں سینکڑوں دل سے ترے نخچیر کے
دیکھ کر اس چشم میں کاجل کا ڈورا یہ کھلا پائے آہوں میں بڑے پھندے ہیں آہو گیر کے
چارہ گر ہوویں ابھی تیر سے چراغ گل داغ دگر دل کے دکھاؤں اپنے پہلو چیر کے
ابر رحمت کی یہ بوندیں منہ میں غنچے کے حبا ہیں دہان طفل میں گویا کہ قطرے شیر کے
آتشیں رخسار وہ ہے زلف کے حلقے میں یوں شمع کا شعلہ ہو منہ میں جس طرح گل گیر کے
کیا محبت تھی کہ جس دم دل سے نکلا اس کا تیر شکل مژگاں سربسر تھے خونچکاں پر تیر کے

وصل کی اس کے ظفر کر بگڑ جاتی ہے بات
صدقے اس تدبیر کے قربان اس تقریر کے

داغ حسرت جو دل فرماں بر جاناں پہ ہے عشق کی مہر تزک فرمان والا شاں پہ ہے
ہم نے جانا آج پھر آیا ہے عقرب قمر اس طریقے سے کہ زلف اسکی رخ تاباں پہ ہے
دیکھ پیشانی پہ جہاں تیرا ٹیکا مہ جبیں مہر سرگرداں سدا گردون سرگرداں پہ ہے
ابر تر بھی ٹانک دے موتی کہ مقراض صبا دیکھ تو گیا کیا کترتی لہر ریگستاں پہ ہے
یار کی لعل حیات افزا پہ دیکھو خط سبز خضر آپہنچا یہ گویا چشمہ حیواں پہ ہے
ناتوانی سے گراں ہے وہ بھی مجنوں کو ترے تار آنسو کا اگر کوئی تن عریاں پہ ہے
اک تبسم سے کریگا تیرا سو ٹکڑے جگر غنچے تو کس منہ سے ہنستا اس لب خنداں پہ ہے
جس کی گردن پہ پھرا مانگا نہ پانی اس نے پھر آب داری ختم تیر خنجر براں پہ ہے

ہے تو مشت خاک یہ ناچیز پر کچھ چیز ہے
اے ظفر جس سے فرشتوں کو بھی رشک انسان پہ ہے

دل میں پیوستہ اگر تیر نظر ہو جائیں گے
میں تو خوش ہوں مرغ دل کے وہ پر ہو جائیں گے

آئینے میں تم نے دیکھا اپنا گر روئے حسیں
ایک گھر میں جلوہ گر شمس و قمر ہو جائیں گے

ہم کو ان کے پیک قاصد سے رہے گی کیا غرض
جبکہ دونوں کے تصور نامہ بر ہو جائیں گے

کشتۂ مژگاں کی تربت پر گل نرگس کہاں
یک قلم پیدا وہاں تیروں کے پر ہو جائیں گے

خار خار حسرت و غم نے جو کی دل سے خلش
رونگٹے سارے بدن کے نیشتر ہو جائیں گے

جب تری حیرت کو جائیں گے کہ وہ آئینے میں
آپ حیران حسن اپنا دیکھ کر ہو جائیں گے

میرے رونے پر ہنسے گر وہ تو ان دانتوں کو دیکھ
چشم میں ہیں جتنے آنسو سب گہر ہو جائیں گے

حضرت دل کو نہ دکھلائیے کسی کی چشم مست
گر خبر ہوتی کہ ایسے بے خبر ہو جائیں گے

اس کی مژگاں کی صفوں کو گر ہوئی جنبش ظفر
دیکھنا دونوں جہاں زیر و زبر ہو جائیں گے

آپ کو تیرا نظر جس دن لگانے ہوئیں گے
پہلے میرے ہی جگر اور دل نشانے ہوئیں گے

گر چمن سوزا اپنی برق و نالہ ہو گی عندلیب
جل کے خاکستر ہزاروں آشیانے ہوئیں گے

سبحہ گردانی کریں گے عشق میں آنکھوں سے ہم
تار مژگاں میں جو کچھ اشکوں کے دانے ہوئیں گے

شام ہی سے وہ جو کھٹکے دیکھ میرا حال نزع !
گھر میں ہاں گھی کے چراغ ان کے جلانے ہوئیں گے

سن کے اے قاصد جو وہ چپکے ہوئے پیغام وصل
ڈھونڈتے دل میں نہ آئیں گے بہانے ہوئیں گے

اپنے انجم مجھ کو دکھلا کر فلک کہتا ہے دیکھ !
عشق میں اتنے ہی تجھ کو داغ کھانے ہوئیں گے

آدم خاکی میں ہے جو یہ زر حسن اے ظفر
کر دیے اس خاک میں پنہاں خزانے ہوئیں گے

برائے روشنی دل ہے دل میں داغ اولے
درون خانۂ تاریک ہے چراغ اولے

بہار دیکھ لگا اپنے دست ولا میں حنا
نہیں ہے اس سے تماشا کے چار باغ اولے

مجھے دکھانے ذرا اپنی چشم میگوں تو
کہ میرے حق میں ہے ساقی بھی ایاغ اولے

زیادہ رتبہ بد کو ہو خوش کلام سے کیا سے
کہ ہو سکے کبو طوطی سے کیونکہ زاغ اولے

نہ وہ ملے گا سوائے کوچۂ زلف
جو ہے نہاں دل گم گشتہ کا سراغ اولے

سمجھ نہ سلطنت جم سے کم قناعت کو
ہزار ملک سے اک گوشۂ فراغ اولے

ظفر ہو کیوں کہ نہ عالم پسند تیرا سخن
کہ تیرا فکر رسا، دل صفا، دماغ اولے

ہر سرو چمن تجھ بن سودار سے بدتر ہے
جو شاخ خمیدہ ہے تلوار سے بدتر ہے

جو شخص ہوا مفتوں اس چشم مفتن کا
چنگا بھی ہے گروہ تو بیمار سے بدتر ہے

ہو گردن دل میں گر رشتہ نہ محبت کا
تسبیح گلے میں پھر زنار سے بدتر ہے

کیا دیکھیے تو غافل آگے تری آنکھوں کا
تیری صف مژگاں یہ دیوار سے بدتر ہے

جو عشق کے خنجر سے مذبوح نہ ہو کیونکر
وہ صید حلال اے دل مردار سے بدتر ہے

کیا بستر گل پر ہو آرام مجھے تجھ بن !
جو تار رگ گل ہے وہ خار سے بدتر ہے

جو بات تو کہتا ہے کرتا ہے خلاف اس کے
اقرار ترا جھوٹا انکار سے بدتر ہے

جس کار میں ہے کرتا گر ہے تو بھی شکوہ ہے
دنیا میں نہیں کوئی اس کار سے بدتر ہے

انصاف کی آنکھوں سے دیکھا جو ظفر ہم نے
دو چار سے بہتر ہے جو چار سے بدتر ہے

آشنا ہو تو آشنا سمجھے
ہو جو نا آشنا تو کیا سمجھے

ہم اسی کو بھلا سمجھتے ہیں !
آپ کو جو کوئی برا سمجھے

وصل ہے تو جو سمجھے اس سے وصل
تو جدا ہے اگر جدا سمجھے

زہر دیوے جو اپنے ہاتھ سے تو
تیرا بیمار غم دوا سمجھے

تو ہی کعبے میں تو ہی بتکدے میں
ہے وہ مشرک جو دوسرا سمجھے

ہو وہ بیگانہ ایک عالم سے
جس کو اپنا وہ دلربا سمجھے

اے ظفر وہ کبھی نہ ہو گمراہ
جو محبت و رہنما سمجھے

جو تو کاغذ کا چمن میں گل کتر کر پھینک دے
اپنے پر منقار سے بلبل کتر کر پھینک دے

باغ میں آوے جو تو اپنی کتر کر پیڑیاں
سوے زلف اپنے ابھی سنبل کتر کر پھینک دے

یوں اڑا دیتے ہیں سر عاشق کا وہ بیداد گر
شمع کا گلگیر جیسے گل کتر کر پھینک دے

دیکھے گر خورشید تیرے طرہ زرتار کو
طرہ تار شعاعی گل کتر کر پھینک دے

ہاتھ میں قینچی ہے اس کے نامہ برایسا نہ ہو !
میرے نامے کو وہ مست ال کتر کر پھینک دے

بزم میں کیونکر نہ گلگیر آ کے تیری زلف کو
شمع کے سر پر سے شب کا گل کتر کر پھینک دے

اس غزل کو اے ظفر سن کر عجب کیا ہے اگر
اپنا دیواں طالب آمل کتر کر پھینک دے

مجھ کو نہ گریباں سے نہ داماں سے گلہ ہے
ہر دست جنوں کو تن عریاں سے گلہ ہے

دیکھی نہ کبھی خواب میں بھی زلف پریشاں
آنکھوں کو مری خواب پریشاں سے گلہ ہے

وہ پھول بھی لایا نہ سر گور شہیداں
تا حشر یہ اس رشک گلستاں سے گلہ ہے

شکوہ نہیں بسمل کو ترے تیغ قضا سے
البتہ ترے خنجر مژگاں سے گلہ ہے

میں زلف و رخ یار سے رکھتا ہوں شکایت
ہندو سے نہ شکوہ نہ مسلماں سے گلہ ہے

شکوہ ہے اگر مجھ کو تو وحشت سے ہے اپنی
نہ دشت سے نے خانہ زنداں سے گلہ ہے

رو رو کے کیا راز دل اس نے مرا افشا
مجھ کو ظفر اس دیدہ گریاں سے گلہ ہے

تو نے سب کے دل و دیں اے بت بے دین لیے
آپ سے کس نے دیے جس نے لیے چھین لیے

چشم میں اس کے کہاں سرمہ کا دنبالہ ہے
دل عذر کر کر یہ ہے مست قرابین لیے

گالیاں دیں ہمیں ہر بوسے پہ اس نے دو چار
بوسے اس کے دہن و لب کے جو دو تین لیے

کون دل شاد گیا غمکدہ دنیا سے
جو گیا یاں سے گیا خاطر غمگیں لیے !

اپنے دامن میں بجائے گل تر پارہ دل
ہیں ہمیشہ چمن عشق میں گل چین لیے

دل لیا پنجہ مژگاں میں تری چشم نے یوں
جس طرح صید کو چنگل میں ہو شاہین لیے

اے ظفر بحر تفکر میں لگا غوطہ
ہم نکلتے نہیں بے در مضامیں لیے

زلف میں قطرے عرق کے کب نظر آنے لگے
یہ شب تاریک میں کوکب نظر آنے لگے

پر وہ غفلت میں ہے کیا جانے کیا کیا ہو رہا
آنکھ سے پردہ اٹھے تو سب نظر آنے لگے

واہ رے ساقی کی تاثیر نگاہ چشم مست
صاف صوفی رند بدمشرب نظر آنے لگے

بندھ گیا جس دن سے ہم کو اس کی زلفوں کا خیال
خواب میں مار سیہ ہر شب نظر آنے لگے

گر اٹھاوے اعتبار ہستی موہوم کو
دیکھے جو بعد از فنا وہ اب نظر آنے لگے

کرتا ہے تو کیا نظر بازی وہ پیدا کر نظر
جس سے تجھ کو تجھ میں تیرا رب نظر آنے لگے

دل طلب کر کے ہوئے وہ طالب ایمان و دیں
ایک مطلب میں کئی مطلب نظر آنے لگے

دیکھیے کس ڈھب سے ان سے دل لگی کا ڈھب ہے
طور کچھ ان کے ہمیں بے ڈھب نظر آنے لگے

جانیے تب اے ظفر ہے صاف دل کا آئینہ
اس کی صورت صاف اس میں جب نظر آنے لگے

ہائے ان آنکھوں کی میری کیا وہ بینائی ہوئی
چھپ گئی آنکھوں سے اک صورت نظر آتی ہوئی

ہے جہاں تیرے لب لعلیں کا اے قاتل شہید
جامہ پرخوں سے نعش اس کی ہے کفنائی ہوئی

تیری صورت جام کی ہے جام مے کا دور ہے
تجھ کو گردش اس لئے اے چرخ مینائی ہوئی

عارض روشن دکھایا کس نے جس کے رشک سے
روشنی سے شمع محفل تیری کجلائی ہوئی

رقص بسمل ہووے اور نغمہ بھی ہو فریاد دل
جانے جب قاتل کہ ہاں کچھ محفل آرائی ہوئی

آنکہ جب دیکھتا ہے یار زلفیں کھول کر
دیکھتا ہوں صاف دریا پر گھٹا چھائی ہوئی

راز خلوت تم نہ خلوت میں بیاں کرنا ظفر
ہاتھ سے جاتی رہے گی بات ہاتھ آئی ہوئی

جعد میں تعویذ نیلم کا کہاں کالا سا ہے
تل بے جوش گریہ آنکھوں سے رواں یاں تک ہیں اشک

خط کہاں ہے حلقہ زن اس چہرہ پر نور پر
چشم میں اس کی نہیں یہ سرمہ و دنبالہ دار

میرا اشک گرم پانی میں پڑیگا پھر حباب
ماہ کامل نے فلک پر آپ کو کھینچا تو کیا

کام میں مار سیہ کے زہر کا چھالا سا ہے
جو مرا ہوئے مژہ ہے ایک پرکالا سا ہے

صاف گرد ماہ روشن ایک یہ ہالا سا ہے
دل حذر کر دست ترک مست میں بھالا سا ہے

بن گیا گویا لب دریا پہ تبخالہ سا ہے
اس کے رخ کے روبرو واک روئی کا گالا سا ہے

اے ظفر دل پارہ پارہ ہے جگر پر داغ ہے
اک گل صد برگ سا ہے اک گل لالا سا ہے

مانگ بالوں میں نہیں وہ سربسر نکلی ہوئی
زلف مشکیں کون کہتا ہے وہ قرب گوش یار

زیر جامہ بادلے کا اس پراودی پشواز
دست پر زیور نہیں اعجاز قد یار سے

داغ حسرت تو سپر بن جا ادھر بہرہ پناہ
اشک سے گوہر کو کیا نسبت وہ نکلا کان سے

ہے شگاف شب سے یہ طرفہ سحر نکلی ہوئی
ناگنی ہے اپنی بانبی سے نکر نکلی ہوئی

دھوپ بدلی میں ہے کیا اے ہم بر نکلی ہوئی
سرو میں سے دیکھ شاخ پر ثمر نکلی ہوئی

آج ہے شمشیر قاتل پھر ادھر نکلی ہوئی
یہ جگر سے بعد ہے اے چشم تر نکلی ہوئی

چشم سے باہر نہیں ہے اس کے دنبالہ کا خط
ہے زباں آہو کی منہ سے اے ظفر نکلی ہوئی

ہر سر مژگاں نظر لخت جگر آنے لگے — ان درختوں میں ثمر کیا طرفہ تر آنے لگے !

مرے رونے سے ہنسی ان کو اگر آنے لگے — ایک عالم برق و باراں کا نظر آنے لگے

اشک آوے یا دم پرشوار اپنے کوئی آئے — پر کچھ ایسا ہو مرے دل کی خبر آنے لگے

تجھ پہ عاشق ہونے سے ایسی ہوئی بیطاقتی — غش پہ غش ہر دم ہمیں اے عشوہ گر آنے لگے

ایک پرچہ بھی نہ آتا تھا پر اب ہے کچھ فریق — خط جو لے لے کر تواتر نامہ بر آنے لگے

سوز دل سے شعلہ ور ہونے لگی کیا آہ سرد — بن کے اشک تر بھی مانند شرر آنے لگے

کچھ ہنر اپنا چھپاؤں تو کہے وہ طنز سے — بے ہنر کیا ہی تجھ کو سارے ہی ہنر آنے لگے

کھولی اس سرو سمن بر نے کہیں سر سے قبا — باد کے جھونکے جو خوشبو اس قدر آنے لگے

یہ تو دل ہے کیوں نہ اس میں جلوہ گر ہو روئے دوست — سنگ بھی گر صاف ہو تو منہ نظر آنے لگے

جذبہ دل نے ظفر در پہ وہ کچھ تاثیر کی
اب جو وہ چھپ چھپ کے سب کو تیرے گھر آنے لگے

گرچہ مرغ پر شکستہ دام سے چھٹ جائیں گے — تا چمن صیاد پھر کیونکر یہ پر کٹ جائیں گے

بھی ان آنکھوں میں ہے پیوستہ ابرو جوں کہاں — شاخ آپس میں بھڑا کر دو ہرن ہٹ جائیں گے

تیری مژگاں ہے لٹیری فوج کا فروہ بلا ! — اس کے ہاتھوں سے ہزاروں ملک دل لٹ جائیں گے

قمریوں کو عشق تو پہنانہ اپنا طوق تنگ — کیوں گلا گھونٹے ہے ظالم ان کے دم گھٹ جائیں گے

سینہ کوبی دست حسرت سے نہ کر تو اے ظفر
حضرت دل درمیاں میں مفت میں کٹ جائیں گے

غم دلدار اب دل میں بیا کانا آتا ہے — کہ جیسے اپنے گھر میں کوئی صاحب خانہ آتا ہے

ترے قرباں ہمیں تو کام رہے تیرے تصور سے — خیال اپنا کسی جانب نہ آئے گا نہ آتا ہے

کہا شانے سے زلف یار نے یوں دل کو الجھا — تجھے سلجھانا آتا ہے مجھے الجھانا آتا ہے

تری رفتار وحشت خیز کو سب دیکھ کہتے ہیں — وہی وحشی وہی خبطی ، وہی دیوانہ آتا ہے

جسے اپنے صنم کی شوق ہے صورت پرستی کا — بھلا مسجد میں کب وہ چھوڑ کر مے خانہ آتاہ ے

کیا بدمست ہم کو جب سے چشم مست ساقی نے — نظریاں خواب میں بھی شیشہ و پیمانہ آتا

جو سمجھے سنگش پائے تحردیں کو تاج سراپنا
پسند اس کو ظفر کب افسر شاہانہ آتا ہے

ہم انہیں ملنے کو جائیں گے وہ آئیں کہ نہ آئیں
اب کی باری تو ارادہ یہ ظفر اور بھی ہے

کہاں طاقت کہ در پہ تیرے سے یہ بیمار غم پہنچے !
کہ جب سینے سے دم لب تک کبھی جا لے کے دم پہنچے
جو تجھ کو دیکھتا ہے دیکھ دل میں یہ عجب شے ہے
نہ آئینہ سکندر کا ، نہ اس کو جام جم پہنچے
کٹا کر سر ہمارا عشق میں اچھا ہوا قاتل !
مراد دل کو اپنی ہم ترے سر کی قسم پہنچے
کئی خط جھوٹے اس کو غیر نے لکھے تو ہیں لیکن
قلم ہوویں گے دونوں ہاتھ گر واں یک قلم پہنچے
کوئی کیا کھوج پائے جلوہ گاہ نازنیں اپنا
کہ ہم پیک نظر کی طرح نقش بے قدم پہنچے
نہ لادے ایک حرف شکوہ لب پر عاشق غم کش
اگر صدمے پہ صدمہ باعث صد رنج و غم پہنچے
مری آہ و فغاں سے اک ہمیشہ ڈاک جاری ہے
خبر کیونکر نہ میرے دل کی اس کو دمبدم پہنچے
مقدر ہو جو آب و دانہ پہنچے وہی ہی جوں گوہر
نہ اک قطرہ زیادہ اور نے اک دانہ کم پہنچے
تصور سے سوا دیکھا نہ کوئی راہبر کامل
جہاں در پردہ تھا یارو وہاں بے پردہ ہم پہنچے
کہا نامے میں رکھ کر میں نے لعل لخت دل اپنا
کہ اے قاصد مری جانب سے اس کو یہ رقم پہنچے
دم گم گشتگی پہنچے نہ میری گرد کو عنقا !
وہ گو معمورہ ہستی سے تا ملک عدم پہنچے
بلا زلفیں فسوں آنکھیں نگہ فتنہ ادا آفت
پری مکھڑا قیامت قد غضب بازو ستم پہنچے
ظفر کیا پوچھتا ہے اس سراپا ناز کا عالم
یہ زیبائی وہ رعنائی بھلا کس کو بہم پہنچے

واں ارادہ آج اس قاتل کے دل میں اور ہے
اور یہاں کچھ آرزو بسمل کے دل میں اور ہے

وصل کی ٹھہراوے ظالم تو کسی صورت سے آج
ورنہ ٹھہری کچھ ترے مائل کے دل میں اور ہے

ہے ہلال و بدر میں اک نور پر جو روشنی !
دل میں ناقص کے ہے وہ کامل کے دل میں اور ہے

پہلے تو ملتا ہے دل داری سے کیا کیا دلربا
باندھتا منصوبے پھر وہ ول کے دل میں اور ہے

ہے مجھے بعد از سوال بوسہ خواہش وصل کی
یہ تمنا ایک اس سائل کے دل میں اور ہے

گو وہ محفل میں نہ بولا پا گئے چتون سے ہم
آج کچھ اس رونق محفل کے دل میں اور ہے

یوں تو ہے وہ ہی دل عالم کے دل میں اے ظفر
اس کا عالم مرد صاحب دل کے دل میں اور ہے

کب آہ سرد دل مبتلا نکلتی ہے
بدن سے روح یہ ہو کر ہوا نکلتی ہے

تری جفا میں بھی وہ اک ادا نکلتی ہے
کہ جس پہ دل سے ہمارے دعا نکلتی ہے

شکست دل کی خبر دے نہ کیونکہ نالہ دل
کہ شیشہ ٹوٹتا ہے تو صدا نکلتی ہے

وفور اشک ہے کوئی کو جوش طوفان ہے
الہی چشم سے یہ کیا بلا نکلتی ہے

بساط خاک ہی کافی ہے خاکساروں کو
کہ بوریا میں بھی بوئے ریا نکلتی ہے

وہ مانگ جبکہ نکالے ہے سر کے بالوں کی
کمان ابر میں کیا خوشنما نکلتی ہے

کہاں ہے تاب وتواں یہ کہ دل سے نکلے آہ
نکلتی بھی ہے تو لے کر عصا نکلتی ہے

نسیم خلد پہ کرتی ہے کس طرح کا ناز
تری گلی سے جو ہو کر صبا نکلتی ہے

کہوں میں کیا ترے احسان تیغ اے قاتل
کہ زخم زخم کے منہ سے دعا نکلتی ہے

بھری ہے دل میں کسی کے جو اس کے حسرت وصل
نہ جیتے جی نہ وہ بعد فنا نکلتی ہے

ظفر چھپائے سے کیونکر چھپے یہ سوز دروں
کہ زخم سینہ سے آتش سدا نکلتی ہے

چل گیا کوئی ترا تیر نظر اور بھی ہے
آج اک زخم سر زخم جگر اور بھی ہے

مجھ سے کیا پوچھتے ہو غم سے ہی پوچھو میرے
جیسا میں غمزدہ ہوں کوئی بشر اور بھی ہے

قید ہو جائے گا قاصد ہی کہ ڈر کیا ہے مجھے
خط کبھی پکڑا نہ گیا ہو یہ خطر اور بھی ہے

جی میں ہے ہر کو میں اپنا دکھاؤں رونا
کہ وہ جانے کوئی بادیدہ تر اور بھی ہے

چہ خوش اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس
بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

گزرے دنیا سے تو کیا گر نہ خودی سے گزرے
ابھی درپیش ہمیں ایک سفر اور بھی ہے

کہا مجنوں نے بگولے سے اڑا خاک نہ تو
آج اس دشت میں اک خاک بسرا اور بھی ہے

اس نے کس لطف سے پوچھا دم بسمل مجھ سے
کہہ دو کچھ دل میں تمنا ترے گر اور بھی ہے

جب سے وہ خال و خط و چشم نگہ سامنے ہے
روز اس روز سے اک روز سیہ سامنے ہے

اس کے چھل بل میں کہوں کیا روش برق جہاں
گاہے وہ بہ چشم سے پوشیدہ ہے کہ سامنے ہے

دل بیتاب یہ کہتا ہے کہ آیا قاصد
دیکھ پاتا جو کسی کو سر رہ سامنے ہے

دل میں کیا کعبہ میں کیا دونوں جگہ وہ لیکن
ایک جا پردے میں ہے ایک جگہ سامنے ہے

کیا تماشا ہے نہیں دیکھتا کوئی تجھ کو

دیکھئے کیا ہو وہ مژگاں ہیں ظفر دل کی حریف
اک سپاہی کے ہوئی اتنی سپہ سامنے ہے

کر دیا کو قالب خاکی نے زندانی مجھے
پر فضائے قدس تک ہے سیر روحانی مجھے

آ گئی تھی اس پری وش کی ذرا صورت نظر
اب تلک ہے صورت آئینہ حیرانی مجھے

کیا تماشا ہے کہ خرقہ ہے آلودہ تمام
اور ہے اس پر غرور پاک دامانی مجھے

میں اگر بھاگا تو ہرگز پھر نہیں آنے کا ہاتھ
کہہ دو وحشت سے کہ کیوں چھیڑے ہے دیوانی مجھے

جائے قرباں ہے بھی قربان کس کس ناز سے
یار نے قرباں کیا مانند قربانی مجھے

رہا ہستی و عدم اک دن میں طے ہو مثل برق
ذرہ چمکائے جو میری گرم جولانی مجھے

اک جہاں زیر نگیں ہے میرے داغ عشق سے
اے ظفر کیا چاہئے مہر سلیمانی مجھے

میرے حق میں اس کی یہ تدبیر کیا خالی پڑی
تیر کیا خالی پڑا شمشیر بھی خالی پڑی !

کیا نکل بھاگے ترے دیوانے زنداں سے کہ ہے
طوق بھی خالی پڑا زنجیر بھی خالی پڑی

فائدہ ہووے گا کیا تیرا دوا میں اے طبیب
اس کی گرمی خاک پا اکسیر بھی خالی پڑی

تیشہ آہ سحر سے کیا نہ ٹوٹا کوہ غم
بلکہ ضرب نالہ شبگیر بھی خالی پڑی

مدرسے میں عشق کے ہے ورق ہی درس کتاب
شرح بھی بیکار ہے تفسیر بھی خالی پڑی

نے جواب خط ملا قاصد کو نے منہ سے جواب
ساتھ واں تقریر کے تحریر بھی خالی پڑی

گاہ دیکھا مضموں نے مال وزر سے گھر بھرے
اور کبھی دیکھا کہ ہے تعمیر بھی خالی پڑی

کر گیا جس دن سے وہ ناوک فگن پہلو تہی
ہے مرے پہلو میں جانے تیر بھی خالی پڑی

شاہد مقصود ہے کس کی بغل میں اے ظفر
دیکھ ہے آغوش چرخ پیر بھی خالی پڑی

ہوئی ہے اس قدر اشکوں سے میری آستیں گیلی
نچوڑوں آستیں گر میں رہے برسوں زمیں گیلی !

عرق آیا ہے کس کی گرمی نظارہ سے تجھ کو !
کہ ہے پوشاک تیری روز شب اے نازنیں گیلی

چمن میں اوس پڑ جاتی ہے یکسر سنبل تر پر
جو تو جھاڑے نہا کر اپنی زلف عنبریں گیلی

چلی دیوار رویا کون جو سیلاب گریہ سے
ہوئی دیوار تیرے گھر کی اے پردہ نشیں گیلی

جو ہووے تشنہ خوں کب ہو وہ سیراب پانی سے
کہ شمشیر آب رکھتی ہے نہاں لیکن نہیں گیلی

جلا دیتی ہے ہڈی مرے سینے کی جوں ہیزم
نہ سوکھی دیکھتی ہے اور نہ آہ آتشیں گیلی

مٹے لکھا نہ قسمت کا اگر ہو شست و شویاں تک
کہ آب شرم سے برسوں رہے لوح جبیں گیلی

نہیں تھمنے کا زخموں سے لہو تیرے شہیدوں کا
رہے گی گور ان کی بھی قیامت تک یونہیں گیلی

ظفر لب خشک ہیں تو دیدہ ہے نم دیدہ عاشق کا
زمیں ہے اس خرابی کی کہیں سوکھی کہیں گیلی

دل اتنا طیش میں کیوں لا کے تو بگڑتا ہے
کہ جوش کھا کے جگر میں لہو بگڑتا ہے

چمن میں کہہ دو نہ چلائے عندلیب اتنا
کہ خوش گلو ہے وہ اس کا گلو بگڑتا ہے

جو ہاتھ بھی مرے آتا ہے نسخہ اکسیر !
نصیب سے کبھو بنتا ہے، کبھو بگڑتا ہے

سوال بوسہ کروں کیا بگاڑ میں اس سے
کہ اور سن کے وہ یہ گفتگو بگڑتا ہے

جو روبرو مرے بولے تو منہ بگڑ جائے
تمہارے سامنے کیا کیا عدو بگڑتا ہے

گیا نہ بعد فنا بھی بگاڑ قسمت کا !
کہ میری خاک سے بن کر سبو بگڑتا ہے

خدا نہ دے تجھے ناخن جنوں ترے ہاتھوں
ہمیشہ چاک جگر کا رفو بگڑتا ہے

سنوار بیٹھا ہوا زلف تو تجھے کیا کام
کسو کا کام گر اے حیلہ جو بگڑتا ہے

خدا ہی ہو کر بنے اس سے اے ظفر اپنی
کہ بات بات پہ وہ تند خو بگڑتا ہے

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

اس کی آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

اب کی جو راہ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو تھی

پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نگہ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی

چشم قاتل مری دشمن تھی ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہو گئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

معنی تازہ کی رہتی ہے ہمیں ہر دم تلاش
باندھتے ہیں ہم کوئی مضمون ظفر باندھے ہوئے

کافر تجھے اللہ نے صورت تو پری دی
پر حیف ترے دل میں محبت نہ ذری دی

دی تو نے مجھے سلطنت بحر و بر اے عشق
ہونٹوں کو جو خشکی مری آنکھوں کی تری دی

خالی لب شیریں کا دیا بوسہ کب اس نے
اک چاٹ لگانے کو مرے نیشکری دی

کافر ترے سودائے سر زلف نے مجھ کو
کیا کیا نہ پریشانی و آشفتہ سری دی

محنت سے ہے عظمت کہ زمانے میں نگیں کو
بے کاوش سینہ نہ کبھی ناموری دی

صیاد نے دی رخصت پرواز پہ افسوس
تو نے نہ اجازت مجھے بے بال و پری دی

کہتا ترا کچھ سوختہ جاں لیک اجل نے
فرصت نہ اسے مثل چراغ سحری دی

قسام ازل نے نہ رکھا ہم کو بھی محروم
گرچہ نہ دیا کوئی ہنر بے ہنری دی

اس چشم میں ہے سرمے کا دنبالہ پر آشوب
کیوں ہاتھ میں بدمست کے بندوق بھری دی

دل دے کے کیا ہم نے تری زلف کا سودا
اک آپ بلا اپنے لیے مول خریدی

ساقی نے دیا کیا مجھے اک ساغر سرشار
گویا کہ دو عالم سے ظفر بے خبری دی

ہے ڈوپٹہ سرخ جو وہ رشک گل اوڑھے ہوئے
باغ میں گل برقع خجلت میں گل اوڑھے ہوئے

شب کو مہتابی پہ کیا کیا لیٹتے ہیں ساقیا
چادر مہتاب کو مستان مل اوڑھے ہوئے

بولے لاکھوں میں وہ غوغائی کہ جو ہو رات دن
پوستین بے حیائی جوں ومل اوڑھے ہوئے

باندھے بے ہمت پہ پگڑی اس سے بہتر ہے اگر
اوڑھنی عورت کی ہو سر پر رجل اوڑھے ہوئے

میرے نالوں سے یہ گھبرائے کہ نکلے گھر سے رات
وہ فقط فرغل تھے وقت شور و غل اوڑھے ہوئے

اٹھی ہے دریا پہ اک کالی گھٹا اے مست ناز
تو جو ہے شال سیہ بالائے پل اوڑھے ہوئے

آدمیت ہو تو زیبا ہے لباس فاخرہ
ورنہ کیا خر ہے اگر زریفہ جل اوڑھے ہوئے

ترک دنیا دل سے کر بیٹھا ہے درویشانہ کیا
سر پہ جوڑی کی کلاہ چار گل اوڑھے ہوئے

جوشن جنگ و جدل پہنے تو کس کے واسطے
ہم تو بیٹھے ہیں ردائے صلح کل اوڑھے ہوئے

ہیں ظفر روز ازل سے چادر تطہیر کو !
اہل بیت حضرت ختم رسلؐ اوڑھے ہوئے

یہ دیوانہ ہے دل جوان کے ملنے کو ترستا ہے
کہ ظاہر کی ہے دوری ورنہ وہ تو پاس بستا ہے

مجھے رونا تو یہ ہے مثل شبنم اے گل خنداں !
کہ جب روتا ہوں تیرے روبرو تو اور ہنستا ہے

اڑا لائی ہوا ہر وپہ وہ زلف عرق افشاں
طرف قبلے کے دیکھو ابر رحمت کیا برستا ہے

جو دیکھا ہے مزار کشتہ چشم مغلس کو
نہ چھوڑ اے دل کہ یہ سودا تجھے اس مول سستا ہے

اگر ہوش و خرد دے کر وہ تار زلف ہاتھ آوے
کہ نا معلوم ہووے اس کو ہاں یہ دل الجھا ہے

لکھا خط میں نے قاطع اس لئے خط شکستہ میں

ظفر کیا پوچھتا ہے راہ مجھ سے اس کے ملنے کی
ارادہ ہو اگر تیرا تو ہر جانب سے رستا ہے

شمع جلتی ہے پر اس طرح کہاں جلتی ہے
ہڈی ہڈی مری اے سوز نہاں جلتی ہے

تم جو ہر بات پہ کرتے ہو شرارت مجھ سے
کیا طبیعت مری اے شعلہ رخاں جلتی ہے

صرف گلچیں ہے کہیں اور کہیں صرف تنور
ہے جہاں خاک جگر سوختہ واں جلتی ہے

دیکھ کر ہر نفس شعلہ فشاں کو میرے
آتش رشک سے کیا برق جہاں جلتی ہے

شمع جلنے میں نہیں گر تری تاثیر تو کیوں
جان پروانے کی اے سوختہ جاں جلتی ہے

برق وش رنگ مسی میں تری تاب و نداں
خوب بتی سی شب تار میں ہاں جلتی اس

اے ظفر سوز محبت کو زباں پر اپنی
کبھی کہتا ہوں تو جوں شمع زباں جلتی ہے

قاتل آتا ہے اگر تیغ و سپر باندھے ہوئے
بیٹھے ہیں مرنے پہ عاشق بھی کمر باندھے ہوئے

جاتا ہے مرغ نظر کندے کدھر باندھے ہوئے
ہم نے نا راشک سے ہیں تیرے پر باندھے ہوئے

اس چمن میں اے صبا جائے گا آخر ہاتھ جھاڑ
کب تلک غنچہ رہے گا مشت زر باندھے ہوئے

کہکشاں اس کو نہ سمجھو خلق کی جانب سے چرخ
پٹی آنکھوں پہ ہے یہ اپنی تگر باندھے ہوئے

دل پہ گھونسا مار کر مر جائیں یہ تیرہ بخت
دیکھ پائیں گے تجھے جوڑا اگر باندھے ہوئے

ہے جدھر خورشید رو مثل گل خورشید ہم
ٹکٹکی رہتے ہیں سارے دن ادھر باندھے ہوئے

درد سر دیتا ہے ہم کو باندھنا دستار کار
کون پگڑی باندھتا ہے ہم ہیں سر باندھے ہوئے

کیا غرض ہم کو کہ ہوں منت کش تصویر کش
ہم تصور ہیں ترا آٹھوں پہر باندھے ہوئے

کوچہ جاناں کو چلتی ہے تو چل موجود ہیں !
ہم بھی دامن اپنا اے باد سحر باندھے ہوئے

روز یہ دیکھے نہ زخمی اس نگاہ مست کا
گرچہ ہو انگور ہر زخم جگر باندھے ہوئے

زلف اے کافر تری ہے کیا کمند فتنہ بند
ہر گرہ میں ہے دل شوریدہ سر باندھے ہوئے

جیسے ہم یار، وفادار ہیں ایسے ہوتے
رفتہ رفتہ تری رفتار سے ہو حشر بپا
آپ کو بیچ کے یوسف کو زلیخا نے لیا
دام گیسو سے نہیں چھوٹنے کو چاہتا جی
وہ اکیلا لب جو آئے تو پھر سرو سے ہم
میں نے تو آنسوؤں کو آنکھوں میں اپنے رکھا
ہے تہ خاک بھی آنکھ اپنی کھلی آٹھ سال
عشق پہنچائے نہ منصور کو جب تک سردار

جیسے تم شوخ جفا کار ہیں ایسے ہوتے
ہم کو معلوم کچھ آثار ہیں ایسے ہوتے
جنس خوبی کے خریدار ہیں ایسے ہوتے
حضرت دل تو گرفتار ہیں ایسے ہوتے
یہ کہیں دیکھ طرحدار ہیں ایسے ہوتے
دیکھ لے طالب دیدار ہیں ایسے ہوتے
کوئی کیا جانے کہ سردار ہیں ایسے ہوتے

یہ جو خوباں ہیں ظفر سب سے بھلے ہیں نہ برے
ایک دو ویسے ہیں دو چار ہیں ایسے ہوتے

یہ جب سوچتا ہوں کہ وہ تند خو ہے
صبا کون نکہت گلستاں میں آیا
ہم آئینہ میں آپ کو کیوں نہ دیکھیں
نہ ہو ہم کو تجھ بن کسی کی تمنا
ہوئی ہے تری زلف جس دن سے برہم
سنا میرا نالہ تو خوش ہو کے بولے

تو گھٹتا مرے تن میں گھڑیوں لہو ہے
کہ ساغر لئے گل ہے غنچہ سبو ہے
نظر آتا اپنے میں بس تو ہی تو ہے
یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے
مرا دشمن اک اک مرے تن کا مو ہے
کہ نغمہ سرا کون یہ خوش گلو ہے

دل چاک کو اور صد چاک کرنا
ظفر یہ محبت کا تازہ رفو ہے

دیا کیا عجب ترے عارض کی تاب سے
دے ڈال بوسہ لب میگوں شتاب سے
خوشبو ترے پسینے کی میں کیا کہوں کہ ہے
بیتاب ہو کے کاہے کو یوں لوٹتی بھی برق
تم جھاڑ دو نہا کے ذرا اپنے سر کے بال
کرتا ہے قتل وقت جواب سخن مجھے
مارسیہ سے ڈر نہیں اتنا کہ جس قدر
گر ساتھ سوز عشق رہے بعد مرگ بھی

تارے سے ہوں حباب، بھنور آفتاب سے
بہتر نہیں شراب کوئی اس شراب سے
ہر قطرہ ایک شیشہ لبالب گلاب سے
سیکھی ہے یہ مرے دل پر اضطراب سے
پھر دیکھو کیا برستے ہیں موتی سحاب سے
ہنس دینا ان کا اور نہ کہنا حجاب سے
ڈرتا ہوں اس کے طرہ پر پیچ وتاب سے
کوئی نہیں عذاب سوا اس عذاب سے

اب تک خمار آنکھوں سے جاتا نہیں ظفر
لپٹے تھے رات خواب میں کس مست خواب سے

پاس جاناں کے کہا کس نے کہ جانا منع ہے
دل کو پاس دشمن جاں سے لگانا منع ہے

ہو کے سرکش گر پڑا فوارہ آخر سر کے بل
جھک کے چلنا چاہئے یاں سر اٹھانا منع ہے

گل کھلایا تازہ یہ خون شہید ناز نے
ہوں نہ جب تک پھول ان کو پان کھانا منع ہے

کر کے منہ اس در کی جانب آہ کھینچوں کس طرح
تیر قبلہ کی طرف اے دل لگانا منع ہے

اپنے زخموں سے کہا فس فہس کے زخمی نے ترے
آج ہے شادی کا دن آنسو بہانا منع ہے

عشق کے مذہب میں واجب ہے بہانا اپنا خوں
خوں بہا کا ذکر پر قاتل سے لانا منع ہے

عشق میں دل کو ظفر کس نے دیئے یہ آبلے
یہ وہ ہے بیمار جس کو آب و دانہ منع ہے

اشک بن کے اپنی گر چشم پر آب اڑ جائے گی
آبرو نیساں کے موتی کی سی آب اڑ جائے گی

دل کی سوزش سے کوئی واقف نہ ہو تو خوب ہے
کیا مزا ہووے گا جب بوئے کباب آڑ جائے گی

پہنچے گر ساغر کو گرمی تشنگان چشم مست
اک نشہ رہ جائے گا اور سب شراب اڑ جائے گی

ہم نہ کہتے تھے کہ نرگس کو دکھا مست چشم مست
نیند اس کی آنکھ سے اے مست خواب اڑ جائے گی

گر لگائے گا شتابا عشق تو عاشق کی جان
دیکھنا بارود سے بھی کچھ شتاب اڑ جائے گی

جام مے محفل میں دیتے کیوں تجھے گر جانتے
شرم تیری آنکھ سے اے پر حجاب آڑ جائے گی

چہرہ ساقی جو ہوگا عکس افگن اے ظفر
صاف ساغر سے پری بن کر شراب اڑ جائے گی

ان سے اگر کسی دن ہو گفتگو ہماری
تقریر پر تو کیا کیا ہو روبرو ہماری

اس شوخ نازنیں کے مقتول ناز ہیں جو
تربت پہ چاہئے سبزہ ہو ناز بو ہماری

شب تجھ بن اشک خوں سے روئے بھی اس قدر ہم
ٹپکے ہے آستیں سے اب تک لہو ہماری

عشق و جنوں کی ہم کو منظور ہے رفاقت
اے عقل اب نہ ہم ہیں تیرے نہ تو ہماری

ہم خاک منہ کو ملتے ہیں خاکسار اپنے
جوں آئینہ اسی میں ہے آبرو ہماری

تم ہو گے لاکھ برہم چھیڑیں گے زلف کو ہم
گر وہ ہے خو تمہاری تو یہ ہے خو ہماری

پایا تو اس کے ہم نے دل کے مکاں میں پایا
دیر و حرم میں بیجا تھی جستجو ہماری

نازاں ہے غیر ناحق اپنی مصاحبت پر
رہتی تھی یوں ہی صحبت ان سے کبھو ہماری

اس گل کے تا بدامن پہنچے نہ اے صبا ہم
برباد خاک تو نے کی کو بکو ہماری

سر جا ہی پہنچا اپنا قدموں پہ فخر دیں کے
بر آئی اے ظفر تھی جو آرزو ہماری

جس کی تصوری ہے یہ سامنے ہم جان گئے
خواب میں دیکھ چکے تھے انکی پہچان گئے

ہے غضب جو ہر شمشیر قضا پہ قاتل
چین ابرو کی ترے دیکھ کے چیں مان گئے

اس گلستان میں ہزاروں روش غنچے و گل
آئے باخاطر دلگیر و پریشان گئے

تو دم نزع نہ بالیں پہ ہمارے آیا
ہم نے یہ دنیا سے لئے حسرت وارمان گئے

او کماندار لگاتو اسی انداز سے تیر
تیرے نخچیر محبت ترے قربان گئے

ہو گیا صبح قیامت کا بھی منہ دیکھ کے فق
ہم جو محشر میں کئے چاک گریبان گئے

خاکداں ہے یہ جہاں گزراں وہ کہ جہاں
ہیں بہت چھان رہے خاک بہت چھان گئے

بوالہوس عشق کا دم بھرتے تھے لیکن اس نے
امتحاں کا جو لیا نام تو اوسان گئے

ساکن کنج عدم سکن ہستی میں ظفر
آئے یوں جیسے کہ دو دن کہیں مہمان گئے

اگر کاوت ہے خط لکھنے سے تقصیر اپنے ہاتھوں کی
کہو جو تم کریں تجویز تعزیر اپنے ہاتھوں کی

جب اس کے بال سلجھانے کی تدبیر اپنے ہاتھوں کی
تو ہم نے عقل اپنی پابزنجیر اپنے ہاتھوں کی

رقم جس نے کہ اس ابرو کی تصویر اپنے ہاتھوں کی
رواں اپنے گلے پر آب شمشیر اپنے ہاتھوں کی

دیا ہونے نہ وامگر قاتل ہم کو قسمت نے
نہ کچھ اس میں قصور اپنا نہ تقصیر اپنے ہاتھوں کی

کھنچا ہے وہ بلا نقش تری زلفوں کا او کافر
بلائیں آپ نے نقاش تقدیر اپنے ہاتھوں کی

مکرتے تھے کہ خط ہم نے نہیں لکھا رقیبوں کو
ہوئے چپ دیکھ کر قاتل وہ تحریر اپنے ہاتھوں کی

مری زشتی وخوبی سے ہے واقف سب مرا خالق
مصور آپ پہچانے ہے تصویر اپنے ہاتھوں کی

لگائی دیر ناحق پاؤں کو مہندی لگانے میں
مرا دل تم نے خوں کرنے میں تاخیر اپنے ہاتھوں کی

کرے ہم نشیں تدبیر خاک جیب سینے کی
کریں وحشت سے ہم کیا آہ تدبیر اپنے ہاتھوں کی

دل و مسجد ہیں دونوں گھر خدا کے فرق پر یہ ہے
وہ تعمیر اس کے ہاتھوں کی یہ تعمیر اپنے ہاتھوں کی

کہاں تھا چور ناحق تھر چوکیدار پہ لوٹا !
ظفر لوٹی ہوئی ہے وہ تو زنجیر اپنے ہاتھوں کی

نکل کے آنکھ سے آنسو کچھ آستیں پہ لگے
اور آستیں سے گرے وہ تو پھر زمیں پہ لگے

پھنسے حلاوت دنیا میں کسی نہ حریص
مگس کب اٹھے ہے جب پاؤ انگبیں پہ لگے

اچھل کے آتش سوزاں سے بھاگتا ہے سپند
عجب ہے خال ترے روئے آتشیں پہ لگے

زمیں پہ ہاتھ سے دنیا کے ٹک سکے نہ مسیح
اور اسکے دن جو لگے چرخ چار میں پہ لگے

یہ خانہ باغ ہے موجود سینہ پہ داغ !
جو سیر دیکھئے تو وہ دل کی شہ نشیں پہ لگے

مجال اتنی مرے مرغ نامہ برکو کہاں
کہ اس کا پنچھ ذرا بام مہ جبیں پہ لگے

وہ مضطرب ہوں کہ مانند موج برسرآب
کوئی نہ حرف مرے نام کا نگیں پہ لگے

جو تجھ سے ہوں وہ مقابل صبا سے کر دے کہ ہاں
کہ دھول ایک سرنسرین و یاسمیں کی لگے

کبھی نہ لغزش پا ہووے استقامت کو !
گر عصائے توکل رہ یقیں پہ لگے

نہ کھینچے سرفلک کیونکہ وہ ظفر جس کا
سرنیاز قدم گاہ فخر دیں پہ لگے

نہیں پرچھائیں تیری رشک حور پیچھے ہے
سحر کا نور آگے ہے شب دیجور پیچھے ہے

ستم کرتے ہیں دلبر لے کے اقرار وفا پر دل ! !
یہ معمول ان کا پہلے اور یہ دستور پیچھے ہے

بڑھاتا ہے قدم پندار کا تو دیکھ کیوں آگے
چلی آتی اجل ہی تیرے اے مغرور پیچھے ہے

خبر اے قافلہ سالار لے جلد اس مسافر کی !
کہ تھک کر رہ گیا جو ضعف سے رنجور پیچھے ہے

محبت چارہ گر ہے کیا دکھاؤں زخم دل اپنے
کہ یاں تیزاب پہلے ، مرہم کافور پیچھے ہے

حقیقت میں ہے وہ معراج چڑھنا دار پر اس کو
قدم رکھتا بڑھا کر آگے کب منصور پیچھے ہے

حذر کر سوزیوں سے ان سے ہوگا رنج ہی آخر
کہ ہر زنبور کے نیش دم زنبور پیچھے ہے

برنگ غنچہ و گل اس چمن میں آ کے جو دیکھا !
دل شگفتہ پہلے خاطر مسرور پیچھے ہے

ظفر کیونکر مبدل ہو سکے تقدیر کا لکھا
کہ جو منصور پہلے تھا وہی منصور پیچھے ہے

ترا خیال نہ بھولے خیال ہے تو یہ ہے
رہے خیال کہ راہ وصال ہے تو یہ ہے

مثال آئینہ ہم سے کبھی ہوا وہ صاف
ہمارے دل میں جو گرد ملال ہے تو یہ ہے

دکھا دے تو رخ تابندہ و خم ابرو
کہ ماہ ہے تو یہ ہے اور ہلال ہے تو یہ ہے

اتاریں دختر رز کو نہ کیونکہ شیشے میں
خرابی ڈالنے والی چھنال ہے تو یہ ہے

کرے ہے قتل میں میرے کمی تری شمشیر
جھکائے کیونکہ نہ سر انفعال ہے تو یہ ہے

دکھائے گر مہ کنعاں کو جلوہ تو اپنا
تو وہ کہے کہ جو حسن و جمال ہے تو یہ ہے

ظفر دم آنکھوں میں ہوے اور نگاہ جانب در
اب انتظار میں ہے اس کے جو حال ہے تو یہ ہے

دیکھو انساں خاک کا پتلا بنا کیا چیز ہے
بولتا ہے اس میں کیا وہ بولتا کیا چیز ہے

رو برو اس زلف کے دام بلا کیا چیز ہے
اس نگہ کے سامنے تیر قضا کیا چیز ہے

یوں تو ہیں سارے بتاں غارتگر ایمان و دیں
ایک وہ کافر صنم نام خدا کیا چیز ہے

جس نے دل میرا دیا دام محبت میں پھنسا !
وہ نہیں معلوم مجکو ناصحا کیا چیز ہے

ہو دے اک قطرہ جو زہر اب محبت کا نصیب
خضر پھر تو چشمہ آب بقا کیا چیز ہے

مگر ہی صحت ہے اس کی مرگ ہی اس کا علاج
عشق کا بیمار کیا جانے دوا کیا چیز ہے

دل مرا بیٹھا ہے لے کر پھر مجھی سے وہ نگار
پوچھتا ہے ہاتھ میں میرے بتا کیا چیز ہے

خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھ رنگا رنگ گل
ہے تو یہ ناچیز لیکن اس میں کیا کیا چیز ہے

جس کی تجھ کو جستجو ہے وہ تجھی میں ہے ظفر
ڈھونڈتا پھر پھر کے تو پھر جا بجا کیا چیز ہے

دوستی میں جس کی اپنی جان پر اے دل بنی
وہ بھی دشمن بن گیا افسوس کیا مشکل بنی

پھر گئے اس آرزو میں سیکڑوں شمشیر زن
تیرے ابرو سی نہ کوئی تیغ اے قاتل بنی

کوہکن کا کام کیا پتھر بنا کاٹے ہے وہ
ہاں مگر چھاتی پہ رکھنے کو کوئی ہے سل بنی

ملک ہستی سے ہوئے جو راہ پیمائے عدم
کچھ نہیں معلوم ان پر کیا سر منزل بنی

آدمی ہونے سے ہوتے کاش وہ ہی سنگ ہم
جس سے اس کی تختی تعویذ ہول دل بنی

اس عداوت گاہ میں ہر دوستی پر ہے شکست
جو بنی یاں سے بگڑنے ہی کے وہ قابل بنی

محو حیرت اے ظفر ہوویں نہ کس صورت سے ہم
آرسی اب اس پری رخسار کی مائل بنی !

جب دم غسل اس کے گیسو آب میں لہرائیں گے
موج بن کر سانپ سے تالاب میں لہرائیں گے

اس کے خط سبز سے سرسبز ہونے کے نہیں
لاکھ سبزے گلشن شاداب میں لہرائیں گے

اس رخ روشن پہ گر زلفیں ہوا سے مل گئیں
خواب کالے جلوہ مہتاب میں لہرائیں گے

اس کی زلفوں کے تصور میں جو لگ جائے گی آنکھ
سانپ سے سینے میں اپنے خواب میں لہرائیں

اے ظفر توبہ تو کی پر میکشی پہ دیکھنا
آپ کیا کیا محفل احباب میں لہرائیں گے

کسی پردہ نشیں کا ہے شوق لقا کوئی طرح اب ایسی بتا دے مجھے
کہ اٹھا کے وہ پردہ شرم و حیا ذرا اپنا جمال دکھا دے مجھے

ترے دیکھنے کے تو ہیں سینکڑوں ڈھب نہیں دیکھتا میں تو یہی ہے سبب
کہ تجلی حسن سے برق غضب کہیں ایسا نہ ہو کہ جلا دے مجھے

مجھے قتل کیا تو یہ اس نے کہا کہ تو رنج عذاب سے چھوٹ گیا !
ترے ساتھ یہ میں نے سلوک کیا ہے کشتہ ناز دعا دے مجھے

رہی اتنی بھی طاقت وتاب نہیں کہ زمیں سے اب اٹھے یہ خاک نشیں !
ترے کوچے کی سمت بلا سے کہیں مرا گر یہ شوق بہا دے مجھے

کئی زخم تو کھائے پہ آج تلک ملی لذت عشق نہ زیر فلک !
مرے زخم جگر پہ چھڑک کے نمک مزا عشق وفا کا چکھا دے مجھے

لگے بات کا میری ٹھکانا کہاں کہ جب ایک سخن میں وہ سحر بیاں
کبھی عرش بریں پہ چڑھا دے مجھے کبھی فرش زمیں پہ گرا دے مجھے

نہ ہو دام علائق جسم اگر کروں گلشن قدس کی سیر ظفر
کوئی ایسا ہو کامل پاک نظر کہ جو قید سے اس کے چھوڑا دے مجھے

شوق خار و شت و انگیر ہے
اور مجنوں پائے در زنجیر ہے

جذبہ دل میں جہاں تاثیر ہے
بس وہیں جب ہے وہیں تسخیر ہے

فرق مجھ میں اور مجنوں میں نہیں !
ایک صورت ایک ہی تصویر ہے

کیا شگفتہ کر سکے باد بہار !
دل نہیں یہ غنچہ دلگیر ہے

غفلت دنیا ہے خواب اے غافلو !
عاقبت اس خواب کی تعبیر ہے

مصحف رخ پر ترے خط ہے کہاں
وہ کلام اللہ یہ تفسیر ہے !

دل سمجھ جائے ہمارا ناصحا
دیکھیں کیسی آپ کی تقریر ہے

خانہ زنداں ہے تجھ بن صحن باغ !
موج رنگ گل نہیں زنجیر ہے

کوچہ قنبر جہاں کی اے ظفر
خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

لکھ دیا سب کچھ اسے سب کی گواہی چڑھ گئی
کیونکہ پھر جائیں سفیدی پر سیاہی چڑھ گئی

پوچھو اس غمزے سے کیوں کرتا ہے ناحق میرا خوں
ضد یہ کیسی تجھ کو اے جاہل سپاہی چڑھ گئی

کیا چمن اس بن مکدر ہے کہ روئے گل پہ آج
وہ دو انگل گرد باد صبح گاہی چڑھ گئی

کھلتا ہے ہر ایک تجھ کو اس تغافل کا گلہ
دفتروں پر دیکھ تیری کم نگاہی چڑھ گئی

دیکھیں سیر سبزہ جنت نہ کیوں وہ بیسر بخت
دھیان پر جن کے تری پوشاک کاہی چڑھ گئی

کیوں نہ پہونچے عرش پر زاہد کہ اس کے مغز میں
بے طرح باد غرور بے گناہی چڑھ گئی

اپنی آنکھوں میں سماوے کیا کسی کا بانکپن
جب نظر اس کج ادا کی کجکلاہی چڑھ گئی

دل کو گھیرا کیوں صف مژگاں سے تو نے شاہ حسن
کیوں وہ ویرانے پہ فوج پادشاہی چڑھ گئی

اے ظفر آتے ہی اس میخانہ ایجاد میں
سب کو مستی مہ سے لے کر تا بماہی چڑھ گئی

کہتے تھے جو نازنیں بار اپنی گل چھاتی پہ ہے
سنگ خارا کا اب ان کے فرش گل چھاتی پہ ہے

یاد آتا ہے جہاں چھاتی پہ اس کا لوٹنا
طفل اشک آنکھوں سے آتا وہ ہیں ڈھل چھاتی پہ ہے

واسطے اس پردے کے کرتا نہیں میں چاک جیب
داغ جو چھاتی کا ہے جاتا وہ کھل چھاتی پہ ہے

کیا لگاؤں جام منہ سے منہ میں کب جاتی ہے بوند
کرتی بیہوشی رواں ہونٹوں سے مل چھاتی پہ ہے

مول دل کی کچھ نہ پوچھو گری دل سے مری
یشب کی تختی گئی جوں موم گھل چھاتی پہ ہے

سب کا دل مل جائے ہے جس دم کوئی ماتم زدہ
ہاتھ اپنا مارتا با شور وغل چھاتی پہ ہے

وہ عنایت ہو ظفر پر جس سے مٹ جاتے تمام
بار غم جو اس کی اے شاہ رسلؐ چھاتی پہ ہے

تفتہ جانوں کو ہے یوں دور جگر میں گرمی
نہ وہ مشعلے میں ہے گرمی نہ شرر میں گرمی

گرم آتا ہے مرے دیدہ تر میں آنسو!
اس مسافر کو ہے دریا کے سفر میں گرمی

گرمی نالہ شب سے مرے مانند سموم
کیا تعجب ہے کہ ہوباد سحر میں گرمی

گرم نظارہ ہو کیونکر رخ نازک پہ ترے
کہ مرے دل کی تپش سے ہے نظر میں گرمی!

بوسہ لعل شکر بار سے دل سرد ہوا
پاؤں رکھتے ہی پہنچ جائے ہے سر میں گرمی

کیا بلاسوختہ جانوں کی ترے گرم ہے خاک
سوزش دل سے رہے ہے مرے گھر میں گرمی

نہ تو مشعل ہے نہ مجمر ہے نہ مشعل نہ چراغ

باندھتا جیسے ہے وہ سوز جگر کے مضموں
کیا کہوں میں کہ ہے کیا شعر ظفر میں گرمی

منزل مقصود تک ہمت مجھے پہنچائے گی
اور یا اے دل مری قسمت مجھے پہنچائے گی

اڑ کے میں پہنچوں گا دامن تک ترے مثل غبار
دیکھنا بے طاقتی طاقت مجھے پہنچائے گی

دشت میں زنداں سے میں پہنچا ہوں ورنہ ہے یہ فکر
دیکھئے یاں سے کہاں وحشت مجھے پہنچائے گی

شہرہ آفاق ہو جاؤں گا عنقا کی طرح
گر مری گم گشتگی شہرت مجھے پہنچائے گی

میں اسے آرام ہی جانوں گا اے آرام جاں
آہ جو ایذا تری الفت مجھے پہنچائے گی

تلخ کامی ہی سے اپنی ہوں گا شیریں کام میں
تلخی اندوہ و غم شربت مجھے پہنچائے

وصل میں ہرگز نہ ہوتا شادگر میں جانتا
رنج آخر کو تری فرقت مجھے پہنچائے گی

گر رہے ہمراہ اے زاہد ہوائے میکدہ
خوب کعبے تک یہ کیفیت مجھے پہنچائے گی

رنج دیتا ہے ظفر آرام عقبےٰ کا سبب
آخرش محنت مری راحت مجھے پہنچائے گی

تڑپتا وصل کی ہوس یوں ہوس میں کچھ نہیں چلتی
کہ جیسے جانور تڑپے قفس میں کچھ نہیں چلتی

اگر اک آسماں ہوتا تو اس سے بس بھی کچھ چلتا
کریں اے اشقیو کیا کہ دس میں کچھ نہیں چلتی

ہمیں بس بس نہ سمجھاؤ اٹھو اے ناصحو جاؤ
پڑے ہیں ہم کسی ایسے کے بس میں کچھ نہیں چلتی

یہ آنا جانا دم کا ہے فقط اس کی عنایت پر
کسی کی آمد و رفت نفس میں کچھ نہیں چلتی

دل و جاں سوزش غم سے پھکے جاتے ہیں کیا کیجے
لگی ہے آگ وہ اس خار و خس میں کچھ نہیں چلتی

لگائے گا کوئی کیا آج ان کو میری جانب سے
کہے گر سو برس تو سو برس میں کچھ نہیں چلتی

ابھی چل جائے سب تدبیر اپنی گر وہ تنہا ہوں
ظفر اندیشہ ہائے چند کس میں کچھ نہیں چلتی

تری شمشیر سے گردن یہاں پھیری نہیں جاتی اگرچہ کیسی ہی
کہ ہے اقرار سر بازی زباں پھیری نہیں جاتی

پھر کر نظر وہ پھیرلیں اپنی !
ولے چشم مروت ہم سے ہاں پھیری نہیں جاتی

نصیحت ہو چکی بس ناصحو کیوں سر پھراتے ہو
جہاں آئی طبیعت مہرباں پھیری نہیں جاتی

کہے گر اور کوئی تو جواب اس کا دیا جائے
تمہاری بات اے آرام جاں پھیری نہیں جاتی

ترے بیمار کا یہ حال ہے اب ناتوانی سے
کہ کروٹ اے مسیحا ے زماں پھیری نہیں جاتی

بلا سے خاک ہو برباد سارے خاکساروں کی
سمند ناز کی اس کے عناں پھیری نہیں جاتی

خدا محفوظ ہی رکھے نگاہ چشم کافر سے
کسی سے یہ بلائے ناگہاں پھیری نہیں جاتی

مری فریاد سن کر ہوا وہ مجھ سے برگشتہ
کروں میں کیا کہ تاثیر فغاں پھیری نہیں جاتی

ظفر انساں کو تسلیم و رضا پر چاہیے رہنا
کہ مرضی خداوند جہاں پھیری نہیں جاتی

گل کچھ تو اس چمن کی ہوا کھا کے جھڑ پڑے
وہ کیا کریں کہ غنچے ہی مرجھا کے جھڑ پڑے

آنسو کہاں تھے چشم میں ہر قطرہ ہائے خوں !
مژگاں تلک جگر سے مرے آ کے جھڑ پڑے

سنبل ہی واں آگے ہے کہ جس جائے خاک پر
ہیں بال اس کے زلف سمن سا کے جھڑ پڑے

پایا کہیں نہ میرے دل گم شدہ کا کھوج !
پر اڑتے اڑتے طائر عنقا کے جھڑ پڑے

آیا کہیں چمن میں جو آنکھوں کا اس کے ذکر
حسرت سے پھول نرگس شہلا کے جھڑ پڑے

جاتا ہے کب نشان اگرچہ کھرنڈ بھی
زخموں پہ خشک ہو ترے شیدا کے جھڑ پڑے

کیسی ہوا چلی چمن دل میں اے ظفر
سب برگ و بار نخل تمنا کے جھڑ پڑے

نہ رہی تاب نے تواں باقی
ہے فقط تن میں ایک جاں باقی

تل بے سوز و گداز مجمع نہ رہا
نام کو مغز استخواں باقی

شمع ساں دل تو جب بجھا لیکن
ہے ابھی دل میں کچھ دھواں باقی

ہے کہاں کوہکن کہاں مجنوں
رہ گیا نام عاشقاں باقی

اتنے لوٹے بوسے اس کے میں نہ رہے
لب پہ رنگ مسی و پاں باقی

خاک دل تفتگاں پہ رکھ نہ قدم
ہے ابھی سوزش نہاں باقی

کاروان حیات سے تن زار
ہے مگر گرد کارواں باقی

سینہ کاوی نہ کر گئیں کر رہا
کس کا یاں نام اور نشاں باقی

دم محبت کا زندگی ہے مری
ورنہ ہے مجھ میں دم کہاں باقی

کچھ کھٹکتا ہے دل میں اے جراح
کوئی پیکاں ہے یا سناں باقی

خال خال اس زمانے میں ہوگا
اے ظفر کوئی نکتہ داں باقی !

نہ دل خوشی ہے نہ رنجیدہ سچ تو بس یوں ہے
جو یک نفس کبھی وہ ہے تو یک نفس یوں ہے

فغاں سے اپنی دل اہل قافلہ ہے دو نیم
جگر خراش کہاں نالہ جرس یوں ہے

قفس کے ٹکڑے اڑا دوں پھڑک پھڑک کر آج
ارادہ میرا اسیران ہم قفس یوں ہے

حذر نہ کر جو لگے آستیں سے اشک مژہ
نکالا تیرے لئے ہم نے عطر خس یوں ہے

کسی کے خال لب شکریں پہ ہے اے رشک
یہ دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتی مگس یوں ہے

یہ سر ہو اور ظفر آستان فخرالدین
اگر ہوس ہے تو کیسی مجھے ہوس یوں ہے

جو زخم دل کو مرے صاف کرکے دو ٹاکے
تو اس میں کچھ نمک سودہ بھر کے دو ٹاکے لگیں نہ چاک

ہزار تار شعاعی کو تاب دے خورشید
میں جیب سحر کے دو ٹاکے

تمہاری سوزن مژگاں سے فائدہ پھر کیا
جو زخم دل میں نہ تار نظر کے دو ٹاکے

نہ سمجھو تھا کوئی دو ناوک کے کماں کا تیر
جو کھل گئے مرے زخم جگر کے دو ٹاکے

بغیر چھیون کے زخم جگر پہ چارہ گرو
نہ تم خیال میں اس کی کمر کے دو ٹاکے

یہ چاک سینہ سیا جائے دیکھئے کب تک
لگیں جو عرصے میں دو دوپہر کے دو ٹاکے

تمہاری نرگس مخمور کا جو ہو زخمی
اسے شراب سے بے ہوش کرکے دو ٹاکے

جڑا جو دامن مژگاں سے ایک گوہر اشک
تو ہم نے بدلے ہیں اس ایک گھر کے دو ٹاکے

ہزار سوزن الماس نہ تم میں ٹوٹیں
جو ایک زخم جگر میں ظفر کے دو ٹاکے

نفعہ جانوں کا علاج اے اہل دانش اور ہے
عشق کی آتش بلا ہے اس کی سوزش اور ہے

کیوں نہ وحشت میں چبھے ہر مو بشکل نیش تیز
خار غم کی تیرے دیوانے کی کاوش اور ہے

مطربو باساز آؤ تم ہماری بزم میں
سازو ساماں سے تمہاری اتنی سازش اور ہے

تھوکتا بھی دختر رز پر نہیں مست الست
جو کہ ہے اس فاحشہ پر غش وہ فاحش اور ہے

تاب کیا مہتاب ہووے اس سے خورشید فلک
آفتاب داغ دل کی اپنے تابش اور ہے

سب مٹا دیں دل سے ہیں جتنی کہ اس میں خواہشیں
گر ہمیں معلوم ہو کچھ اس کی خواہش اور ہے

ابر مت ہم چشم ہو چشم دریا بار سے
تیری بارش اور ہے اور اس کی بارش اور ہے

ہے تو گردش چرخ کی بھی فتنہ انگیزی میں طاق
تیری چشم فتنہ زا کی ایک گردش اور ہے

بت پرستی جس سے ہووے حق پرستی اے ظفر
کیا کہوں تجھ سے کہ وہ طرز پرستش اور ہے

جو یاں کا ذکر وہ دو چار یاروں میں نکالیں گے
تو ہم دل کا بخار اپنے ہزاروں میں نکالیں گے

سراپا شمع ساں جل جائیں گے لیکن زباں سے ہم
نہ حرف سوز دل آتش زبانوں میں نکالیں گے

نہیں نکلی یہ حسرت گر ترے آزردہ جانوں کی
تو خاک ارمان دل کے وہ ہزاروں میں نکالیں گے

خدانخواستہ گر ہو گئے برہم تو پھر گھر سے
وہ بے جرموں کو بھی تقصیرداروں میں نکالیں گے

محبت کا خواص اصلا نہ پایا پارساؤں میں
وہ اخلاص اب ہم پارساؤں میں نکالیں گے

نکالیں گے جو دل سے آہ آتشبار ہم اپنے
شرر شعلے میں اور شعلہ شراروں میں نکالیں گے

قسم گر جان دیں گے پر وہی ہم کر دکھائیں گے

جبیں پر چین کے افشاں مہ جبیں گر تو دکھائے گا
تو پھر ہم عیب چن چن کر ستاروں میں نکالیں گے

ظفر ہم چشم پوشی دیدہ و دانستہ کرتے ہیں
وگرنہ کام سب اپنے اشاروں میں نکالیں گے

سیفی اے قاتل تری تقریر منہ میں بن گئی !
قتل کو میری زباں شمشیر منہ میں بن گئی

آہ دل میں پر اثر تھی پر مری تقدیر سے
کیا کروں میں آکے بے تاثیر منہ میں بن گئی

کہتا ان کے روبرو کیا میں کہ حیرت سے زباں
شکل برگ غنچہ تصویر منہ میں بن گئی

بات اب وہ منہ سے جو کہتا ہے تو اگلے ہے زہر
پان کی مسی کی کیا تحریر منہ میں بن گئی

شمع میں گرمی نہ تھی جو کہا گیا شعلہ کو تو
گل کی گولی سی نہ اے گلگیر منہ میں بن گئی

پرورش کو طفل غنچہ کی بنی دایہ بہار
بوند شبنم کی برنگ شیر منہ میں بن گئی

عجز سے جب چاٹ کر خاک آدمی نے بات کی
پھر تو چٹکی خاک کی اکسیر منہ میں بن گئی

شعلہ آواز کو پابند منہ میں کر دیا
موج دود دل مری زنجیر منہ میں بن گئی

یہ تپ غم سے ظفر کاٹی ظفر سوہاں کی طرح
اب زبان عاشق دلگیر منہ میں بن گئی

کریں گے قصد ہم جس دم تمہارے گھر میں آویں گے
جو ہوگی عمر بھر کی راہ تو دم بھر میں آویں گے

اگر ہاتھوں سے اس شیریں ادا کے ذبح ہو نگے
تو شربت کے سے گھونٹ آب دم خنجر میں آوینگے

یہی گر جوش گریہ ہے تو بہہ کر ساتھ اشکوں کے
ذاروں پارہ دل میرے چشم تر میں آویں گے

گر اس قید بلا سے اب کی چھوٹیں گے تو پھر ہرگز
نہ ہم دام فریب شوخ غارت گر میں آویں گے

نہ جاتے گرچہ مر جاتے جو ہم معلوم کر جاتے
کہ اٹھا تن جا کر کوچہ دل بر میں آویں گے

گریباں چاک لاکھوں ہاتھ سے اس مہر طلعت کے
بہ رنگ صبح محشر عرصہ محشر میں آویں گے

جو سرگردانی اپنی تیرے دیوانے دکھائیں گے
تو پھر کیا کیا بگولے دشت کے چکر میں آوینگے

ظفر اپنا کرشمہ گر دکھایا چشم ساقی نے
تماشے جام جم کے سب نظر ساغر میں آوینگے

ابروئے کج ہم ہیں چشم یار پہ تاڑے ہوئے
واہ کیا آہوے کے سر پہ سینگ یہ آڑے ہوئے

شمع نے اف بھی نہیں کی ہے زباں سے بزم
دوڑتا گلگیر کیوں ہے اس پہ منہ پھاڑے ہوئے

گر پڑے پاؤں پہ مثل سایہ اس خوش قد کے سرو
کیا مجال آگے کھڑا ہوئے قدم گاڑے ہوئے

حسرت و درد و الم رنج و تعب اندوہ و یاس
ساتھ دل کے دیکھا میں نے جمع کیا دھاڑے ہوئے

تھے عدم میں جب تلک واقف نہ تھے جھگڑوں سے ہم
آ کے ہستی میں یہ سب معلوم بکھاڑے ہوئے

اڑ گئی صیاد اب دل سے ہوس پرواز کی
بیٹھا رہنے دے قفس میں ہم کو پر جھاڑے ہوئے

گرم نالوں سے ہوتی ہیں یوں تو کیا کیا گرمیاں
سرد آہوں سے ظفر لیکن بڑے جاڑے ہوئے

جب دل سوزاں کے مژگاں سے کئی تارے جھڑے
کیا کہوں کیا آگ برسی ، کیسے انگارے جھڑے

قطرے پانی کے جھڑے گیسو سے اس کے بعد غسل
کیا تماشا ہے شب تاریک میں تارے جھڑے

خوب فس فس کر سنا میں تو نے ہم کو گالیاں !
پھول کیا کیا واہ وا منہ سے ترے پیارے جھڑے

جھڑ پڑے مژگاں سے میرے اشک کے قطرے گر
ساری شیشی ایک دم میں تیری فوارے جھڑے

نقش پا سے اس مرے مہوش کے ہنگام خرام
سب ستارے کیا جھڑے گویا کہ سیارے جھڑے

دی قفس سے رخصت پرواز اگر صیاد نے
جست کرنے بھی نہ پائے ہم کہ پر سارے جھڑے

اے ظفر جس وقت دوڑی کاٹنے کو زلف یار
خود بخود دندان مار اس خوف کے مارے جھڑے

آئے تھے ہم عدم سے یہاں جس کے واسطے
وہ ہی نہ جب ملیں تو رہیں کس کے واسطے

ہیں جو نگاہ ناز تری چشم کے لئے
کاہے کو میں وہ دیدہ نرگس کے واسطے

ہووے تو ٹکڑوں سے دل اس کا سوا غنی
تھوڑا سا گرچہ صبر ہو مفلس کے واسطے

وہ شعلہ خو جلائے ہے ہم کو مثال شمع
ہر رات اپنی رونق مجلس کے واسطے

کرتے ہیں یک نگاہ سے تعلیم اہل حال
ہے درس قیل و قال مدرس کے واسطے

آئے جو اس گلی سے ہوا ہو دم مسیح
شیدائیان بے دم و بے حس کے واسطے

مجھ کو یہ آرزو ہے کہ ہوں تیری خاک پا
اکسیر کی ہوس ہے مہوس کے واسطے

رکھے گا میرے بعد غم یار کس سے انس
کڑھتا ہے دل مرا اسی مونس کے واسطے

پھرتا نہیں ہے اس کی محبت سے دل مرا
ساری خرابیاں ہیں ظفر اس کے واسطے

کاش ہم اس صف مژگاں کے نہ منہ پر پڑتے
ایک دل جس پہ ہیں سو تیر برابر پڑتے

خال رخ کیونکہ چرائے نہ دل و دیں تہ زلف
شب تاریک میں ہیں چور مقرر پڑتے

دیکھتا تو جو نہ وہ گرمی رخسار تو کیوں
داغ دل پر ترے اے لالہ احمر پڑتے

ہارے شوق نہیں تجھ کو یہ گلہائے چمن
ہیں گلے آ کے ترے سرو چمن پر پڑتے

جان دے کوہکن اور عیش ہو خسرو کو نصیب
دیکھ شیریں پہ محبت میں ہیں پتھر پڑتے

آہ سوزاں کا مری چرخ پہ انجم ہے حریف
آبلے سینہ پہ جل جل کے نہ کیونکر پڑتے

تشنۂ خوں وہ نہ ہوتا جو مرا اے سفاک
کانٹے جوہر سے نہ خنجر کی زباں پر پڑتے

خاک اڑ جائے نہ کیوں مزرع دل کی میرے
غم و حسرت کے ہیں یاں روز ہی لشکر پڑتے

اے ظفر کس کے یہ عارض سے ہوا تھا روکش
کہ طمانچے ہیں ہوا سے رخ گل پر پڑتے

ہو گئے شیر و شکر وہ یار بھی ایسے ہوئے
تلخ کڑوی زندگی بیمار بھی ایسے ہوئے

قد قیامت کیا بنا فتنے بنے وہ ناز بھی
اس قیامت کی نمود آثار بھی ایسے ہوئے

جو ہوئے مفتوں تمہاری نرگس بیمار کے
پھر وہ جانبر ہجر سے بیمار بھی ایسے ہوئے

برق تھراتی کہ دامن کے کہیں ٹکڑے نہ ہوں
تیز وادی کے ہمارے خار بھی ایسے ہوئے

میرا کہنا تو نہ مانا حضرت دل نے دے
خوب پچھتائے ذلیل و خوار بھی ایسے ہوئے

ہم پہ جو صدمے ہوئے لاکھوں محبت میں تری
غیر پر اب تک نہیں وہ وار بھی ایسے ہوئے

کنج تنہائی میں مونس ہی ہوئے تو رنج و غم
میری قسمت سے مرے غمخوار بھی ایسے ہوئے

بر سے بادل لاکھ بار اس چشم تر کے سامنے
پر کبھو یارو کبھی خونبار بھی ایسے ہوئے

شکوہ رنجش نہ کر ہیں اب تو لطف ان کے ظفر
گر عتاب ایسے ہوئے تو پیار بھی ایسے ہوئے

دل ہے میرا داغ دل کی یوں سیاہی کے سبب
بادشہ ہو جیسے چتر بادشاہی کے سبب

کر نشانی اے خراش ناخن دست جنوں
تو بھی داغ عشق کی مہر و گواہی کے سبب

زیر خط سبز اس کے لعل لب کو دیکھنا
کیا کھلا ہے رنگ سرخ اس رنگ کاہی کے سبب

دل ہے میرا ہی کہ جھکتا ہے تہ ابروئے یار
ورنہ رکھے کون سر تیغ سپاہی کے سبب

وہ رخ روشن پہ اپنے کھول دے زلف سیاہ
داب لے خورشید کو شب کی سیاہی کے سبب

تھمیں قطرے گرز میں پر میرے اشک گرم کے
پہنچے گری تا بماہی بلکہ ماہی کے سبب

یوں تو ہیں ہر باز میں لاکھوں ہی انداز ستم
لیک وہ سب ہیں تری اس کم نگاہی کے سبب

اے صبا برباد کر دی تو نے پروانے کی خاک
ورنہ ہوتا ڈھیر شمع صبح گاہی کے سبب

جانتے ہیں جو کہ سرکش سب سے اونچا آپ کو
اے ظفر آتے ہیں وہ قہر الٰہی کے سبب

زلف جو رخ پر ترے اے مہر طلعت کھل گئی
ہم کو اپنی تیرہ روزی کی حقیقت کھل گئی

کیا تماشا ہے رگ لیلے میں ڈوبا نیشتر
فصد مجنوں باعث جوش محبت کھل گئی

دل کا سودا اک نگہ پر ہے تری ٹھہرا ہوا
نرخ تو کیا پوچھتا ہے اب تو قیمت کھل گئی

آئینہ کو ناز تھا کیا اپنے روئے صاف پر
آنکھ ہی پر دیکھتے ہی تیری صورت کھل گئی

تھی اسیران قفس کو آرزو پرواز کی
کھل گئی کھڑکی قفس کی کیا کہ قسمت کھل گئی

تیرے عارض پر ہوا آخر غبار خط نمود
کھل گئی آئینہ رو دل کی کدورت کھل گئی

بے تکلف آئے تم کھولے ہوئے بند قبا
اب گرہ دل کی ہمارے فی الحقیقت کھل گئی

باندھی زاہد نے توکل پر کمر سو بار چست
لیکن آخر باعث سستی ہمت کھل گئی

کھلتے کھلتے رک گئے وہ ان کو تو نے اے ظفر
سچ کہو کس آنکھ سے دیکھا کہ چاہت کھل گئی

پھر بہار آئی ہے لو اور ہوا پھرتی ہے
جھاڑتی صحن چمن باد صبا پھرتی ہے

نہ چھری پھیر کہ ہم ذبح یونہی ہوتے ہیں
وہی ظالم جو تری آنکھ ذرا پھرتی ہے

میں شبیہ مہ کنعاں کو بھلا کیا دیکھوں
صورت آنکھوں میں تری مہر لقا پھرتی ہے

لاکھ تدبیر سے پھیریں مجھے میرے احباب
کوچہ یار سے پر میری بلا پھرتی ہے

کوچہ گردی کی جو کچھ دل میں ہوس باقی ہے
خاک بھی اڑتی مری بعد فنا پھرتی ہے

دے کے دل قاتل بے رحم کو پھیروں کیونکر
کہ نہ تقدیر پھری ہے نہ قضا پھرتی ہے

اے ظفر گردش چشم اس کی ہے کچھ اور بلا
آسیا چرخ کی پھرتی ہے تو کیا پھرتی ہے

قدسی صفات ہو کے بشر کیونکہ ہو گئے
ہم تھے ادھر ادھر سے ادھر کیونکہ ہو گئے

کیا عاشقوں سے پوچھے ہے مژگاں سے اپنی پوچھ
یک لخت ٹکڑے ان کے جگر کیونکہ ہو گئے

دیکھا انہیں جو جیتے تھے ہستی میں آن کر
کم جیتے جیتے مثل شرر کیونکہ ہو گئے

ڈر موت سے کسی کا نہیں ہے زیادہ تر
پوچھو تو غافلوں سے نڈر کیونکہ ہو گئے

پر تو پڑا ہوا ہے ترے نور حسن
روشن وگرنہ شمس و قمر کیونکہ ہو گئے

کی گر کمی نہیں ہے تری آب تیغ نے
تو خشک میرے زخم جگر کیونکہ ہو گئے

پرسش سے اور آوے گا رونا سوا نہ پوچھ
دامان و جیب اشک سے تر کیونکہ ہو گئے

تنہا تو ایک لحظہ بھی مشکل ہے زندگی
دن تیرے حضرات نے بسر کیونکہ ہو گئے

چھیڑا نہیں ہے تو نے اگر اس کی زلف کو
برہم وہ تجھ سے اتنے ظفر کیونکہ ہو گئے

عشق تو مشکل ہے اے دل کون کہتا سہل ہے
لیک نادانی سے اپنی تو نے سمجھا سہل ہے

گر کھلے دل کی گرہ تجھ سے تو ہم جانیں تجھے
اے صبا غنچے کا عقدہ کھول دینا سہل ہے

ہمدمو دل کے لگانے میں کہو لگتا ہے کیا
پر چھڑانا اس کا مشکل ہے لگانا سہل ہے

گرچہ مشکل ہے بہت میرا علاج درد دل
پر جو تو چاہے تو اے رشک مسیحا سہل ہے

ہے بہت دشوار مرنا یہ سنا کرتے تھے ہم
پر جدائی میں تری ہم نے جو دیکھا سہل ہے

شمع نے جل کر جلایا بزم میں پروانے کو
بن جلے اپنے جلانا کیا کسی کا سہل ہے

عشق کا رستہ سراسر ہے دم شمشیر پر
بوالہوس اس راہ میں رکھنا قدم کیا سہل ہے

اے ظفر کچھ ہو سکے تو فکر کر عقبیٰ کا تو
کر نہ دنیا کا تردد کار دنیا سہل ہے

شوق خار دشت دامن گیر ہے
اور مجنوں پائے در زنجیر ہے

جذبہ دل میں جہاں تاثیر ہے
بس وہیں جب ہے وہیں اکسیر ہے

فرق مجھ میں اور مجنوں میں نہیں !
ایک صورت ایک ہی تصویر ہے

کیا شگفتہ کر سکے باد بہار !
دل نہیں یہ غنچہ تصویر ہے

غفلت دنیا ہے خواب اے غافلو
عاقبت اس خواب کی تعبیر ہے

مصحف رخ پر ترے خط ہے کہاں
وہ کلام اللہ کی تفسیر ہے

دل سمجھ جائے ہمارا ناصحا
دیکھیں کیسی آپ کی تقریر ہے

خانہ زنداں ہے تجھ بن صحن باغ
موج رنگ گل نہیں زنجیر ہے

کوچہ فخر جہاں کی اے ظفر
خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

جب قفس کی سمت گلشن سے ہوا سی آ گئی
ہم صفیران چمن کی اک صدا سی آ گئی !

کھول کر زلف سیہ اس نے جو دیکھا آئینہ
صاف دریا پر نظر کالی گھٹا سی آ گئی

کیا ہوا منہ سے نہیں کہتی ' کہے دیتی ہے آنکھ
لے کے دل کو کچھ ترے دل میں دغا سی آ گئی

تھے برنگ گل شگفتہ غیر کی محفل میں وہ
دیکھتے ہی مجھ کو چہرے پر اداسی آ گئی

اے قناعت کردیا ہے تو نے مستغنی مجھے
تیری دولت ہاتھ میرے کیمیا سی آ گئی

آنکھ نیچی باغ میں نرگس کی کیوں اے صبا
روبرو شاید کسی گل کے حیا سی آ گئی

اس شب ہجراں کا منہ کالا کر اے بخت سیاہ
سر پہ میرے یہ کہاں سے اک بلا سی آ گئی

آگے تو شیدے نہ ہوں گے ایسے چرخ پیر کے
شاید اب پیری کے باعث ہے حواسی آ گئی

دل ہے وہ آئینہ پھر پھر کر نہیں ہوتا ہے صاف
اے ظفر اس میں کدورت جب ذرا سی آ گئی

ہم اب کے جیتے اگر اس صنم کے در سے پھرے
کہیں گے لوگ ہمیں یہ خدا کے گھر سے پھرے

نہ ہوں وہ خنجر دست اجل کے منت کش
گلے پہ جن کے چھری یار کی نظر سے پھرے

وہ آتے آتے نہ پھر جاتے راہ سے لیکن
ہمارے طالع برگشتہ کے اثر سے پھرے

نہ پایا دل جو ہوا زلف و رخ کی یاد میں گم
اگرچہ ڈھونڈھتے ہم شام تک سحر سے پھرے

دلا بجا ہے ترا دعوی جگر داری
اگر نہ منہ صف مژگان عشوہ گر سے پھرے

جسے ہو خواہش عقبی کرے وہ دنیا ترک
ادھر ہو جب متوجہ کہ دل ادھر سے پھرے

تمہارے قول و قسم کا کچھ اعتبار نہیں
کہ عہد کر کے کئی بار تم ظفر سے پھرے

خزاں سے سرخی گلہائے صحن باغ اڑی
مگر نہ رونق داغ داغ اڑی

ہوا ہے کون سا دیوانہ آج دشت نورد
بگولا بن کے جو اس طرح خاک راغ اڑی

برنگ نکہت گل یہ تری سبکدوشی
مجھے کہاں سے کہاں لے کے بافراغ اڑی

پہنچ گئی نہیں اس گل کی بو جو بلبل کو
تو کیوں چمن سے وہ یوں ہو کے بے دماغ اڑی

ہوا بلند فلک پر ہے میرا شعلہ آہ
ہوا یہ پتنگ نہیں لے کے یہ چراغ اڑی

پڑا جو عکس رخ آتشیں ترا ساقی
لگی ایاغ میں آگ اور مے ایاغ اڑی

کہاں کہاں اسے پیک خیال ڈھونڈھ پھرا
ظفر ذرا بھی نہ گرد رہ سراغ اڑی

نہیں آتا سمجھ میں اپنی وہ کیا جانے کیا سمجھے
کہ اس نا آشنا کو حضرت دل آشنا سمجھے

مزہ تبدیل کرنے سے ہے کیا ہوتا مزہ حاصل
مزہ اس میں ہے کھائے بامزہ اور بے مزا سمجھے

جو اپنی جان دینے کو حیات جاوداں جانے
وہ اس آب دم شمشیر کو آب بقا سمجھے

بچھائیں زیر پا آنکھیں ہیں وہ تو خاکساروں نے
کہ جن کو خاک راہ پر اپنے ہو تم نقش پا سمجھے

انہوں نے خط جو میرا کھولتے ہی پھاڑ کر پھینکا
کوئی پوچھے پڑھا کیا آپ نے کیا مدعا سمجھے

ترے بیمار غم کا حال یہ ہے ناتوانی سے
اگر ہاتھ آئے پائے مور تو اس کو عصا سمجھے

امید زندگانی اپنی آخر قطع کر بیٹھے
ظفر عشق ومحبت کا یہی ہم انتہا سمجھے

ہے دل کو جو یاد آئی فلک پیر کسی کی
آنکھوں کے تلے پھرتی ہے تصویر کسی کی

گو یہ بھی ہے' نالہ بھی ہے اور آہ و فغاں بھی
پر دل میں ہوئی اس کے نہ تاثیر کسی کی

ہاتھ آئے ہے کیا خاک ترے خاک کف پا
جب تک کہ نہ قسمت میں ہو اکسیر کسی کی

یارو وہ ہے بگڑا ہوا باتیں نہ بناؤ
کچھ پیش نہیں جانے کی تقریر کسی کی

نازاں نہ ہو منعم کہ جہاں تیرا محل ہے
ہووے گی یہاں پہلے بھی تعمیر کسی کی

میری گرہ دل نہ کھلی ہے نہ کھلے گی
جب تک نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی

آتا ہے بھی اگر ہے تو وہ پھر جائے ہے الٹا
جس وقت الٹ جائے ہے تقدیر کسی کی

جو دل سے ادھر جائے نظر دل ہو گرفتار
مجرم ہو کوئی اور ہو تقصیر کسی کی

اس ابرو و مژگاں سے ظفر تیز زیادہ
خنجر نہ کسی کا ہے نہ شمشیر کسی کی !

روش گل ہے کہاں یار ہنسانے والے
ہم کو شبنم کی طرح سب ہیں رلانے والے

سوزش دل کو نہیں اشک بجھانے والے
بلکہ ہیں اور بھی یہ آگ لگانے والے

منہ سے سب زردی رخسار کہے دیتی ہے
کیا کریں راز محبت کے چھپانے والے

خاک بھی ہوگی ترے کوچے میں اپنی برباد
ہم تو مر کر بھی یہاں سے نہیں جانے والے

دیکھئے داغ جگر پر ہوں ہمارے کتنے
وہ تو اک گل ہیں نیا روز کھلانے والے

دل کو کرتے ہیں بتاں تھوڑے سے مطلب پہ خراب
اینٹ کے واسطے مسجد ہیں ڈھانے والے

نالے ہر شب جو جگاتے ہیں یہ ہمسایوں کو
بخت خوابیدہ کو ہوں کاش جگانے والے

خاک میں ہم کو ملاتے ہیں وہ جوں نقش قدم
زیر پا جن کے ہم آنکھیں ہیں بچھانے والے

خط مرا پڑھ کے جو کرتا ہے وہ پرزے پرزے
اے ظفر کچھ تو پڑھاتے ہیں پڑھانے والے

پہلے اس سے وصل کی تدبیر کرنی چاہئے !
بعد اس کے اور کچھ تقریر کرنی چاہئے !

سرکشی سے آج تک مجھ سے کشیدہ ہے وہ یار
کچھ تو اے دل کی کشش تاثیر کرنی چاہئے

مخبروں نے میری جانب سے لکھا ہے کچھ اسے
ان کی بھی کوئی خبر تحریر کرنی چاہئے !

عشق کہتا ہے کہ جاری ایک نہر خوں بھی ہو
جب رواں فرہاد جوئے شیر کرنی چاہئے

گر غم یار آئے دل میں کیونکہ میں رسوا کروں
ایسے مہماں کی تو ہاں توقیر کرنی چاہئے

شمع کا سر کیوں قلم کرتا ہے اس نے کیا کیا
زیادتی اتنی نہ اے گلگیر کرنی چاہئے !

آ گیا آنکھوں میں دم یاں کرتے کرتے انتظار
جلد آؤ اتنی کیا تاخیر کرنی چاہئے

ڈھا دیے گردوں نے گنبد سینکڑوں جوں گردراہ
بس بلند اتنی نہ یاں تعمیر کرنی چاہئے

خاک پائے فخر دیں ہے اپنے حق میں کیمیا
اے ظفر کیوں خواہش اکسیر کرنی چاہئے

جب ہما سب عشقوں کے دفتر پھٹ گئے
پھر کلیجے اپنے بدخواہوں کے سارے پھٹ گئے

دل بے سوز عشق بھڑکی ہے پس مردن بھی آگ
گور پر تفتہ دلوں کے سارے پتھر پھٹ گئے

ہاتھ سے جوش جنوں کے اور خار دشت کے
جیب و دامن آخرش دونوں سراسر پھٹ گئے

نالہ کش اتنی ہوئی گلشن میں تو اے عندلیب
پردے گوش گل کے تیرا پھٹ گئے

خوب رویوں نے جو دیکھا جلوہ تیرے حسن
سب کے سینے جوں کتاں اے ماہ پیکر پھٹ گئے

اے ستمگر لے مبارک ہو کہ تیرے روبرو
سب ترے فریادیوں کے آج محضر پھٹ گئے

ہو گئے پیدا مری قسمت سے دریا میں پہاڑ
تختے کشتی کے مرے کھاتے ہی ٹکر پھٹ گئے

مارے پتھر اس قدر لڑکوں نے چڑھ کر بام پر
تیرے دیوانوں کے اے رشک پری سر پھٹ گئے

کس نظر سے تو نے دیکھا میکدے میں محتسب
شیشہ مے خود بخود طاقوں کے اوپر پھٹ گئے

جوش گریہ دیکھ کر اس چشم دریا بار کا
ہو گئے تھے جمع جو بادل ہوا پر پھٹ گئے

جعلسازی کا تماشا تم نے دیکھا اے ظفر
سب کے بستے چھن گئے اور سب کے دفتر پھٹ گئے

تجھ سے بوئے سر شک خود کی کوئی جس دم جھڑتی ہے
جھڑی ابر بہاری کی اے دیدہ پرنم جھڑتی ہے

دل ب سے گرمی شور محبت تو نے جلایا خوب مجھے
اک چنگاری ہر بن موسے وقت تپ غم جھڑتی ہ

ٹپکا تیرے لب سے نشے میں قطرہ مے اس لطف کے ساتھ
جیسے برگ گل سے کہیں گلزار میں شبنم جھڑتی ہے

کیا کیا حسرت آئی ہے ان کو خاک جو تیرے کشتوں کی
لگ کر تیرے دامن سے اے قاتل عالم جھڑتی ہے

سوتے ہیں مستی میں وہ کرتے ہی نہیں ہیں چشم بھی وا
نوبت میرے نالوں سے دروازے پر ہر دم جھڑتی ہے

تو جو رہے ہے ہم سے مدد اتنا اے گردوں لیکن
تجھ کو زیادہ ہو گئی نخوت گردتے کم جھڑتی ہے

نہ تو نہیں معلوم ہمیں کون آئے گا مہماں آج نیا
لیک حویلی ان کی ظفر ہاں سنتے ہیں ہم جھڑتی ہے

واں سر عارض جو موئے زلف خم کھا جائیں گے
تو بنا کر سانپ یاں افعی کے ہم کھا جائیں گے

بوسہ لب کے سوا تیرے نہ ہوگا فائدہ
گرچہ یاقوتی ترے بیمار غم کھا جائیں گے

واں پہ ٹھہریں گے نہ دیوانے ترے جوں گرباد
سینکڑوں چکر سر دشت عدم کھا جائیں گے

ہاتھ میں رنج و الم کے وہ غضب چاقو ہیں تیز
استخواں کو بھی یہ مانند قلم کھا جائیں گے

دھیان رازق پر نہیں رکھتے یہ کہتے ہیں خسیس
کھائیں گے پھر کیا جو دام و درم کھا جائیں گے

گر یہی ہے اضطراب دل تو یہ بسمل ترے
کہتے ہیں ہم تیر شمشیر ستم کھا جائیں گے

سینہ وا کرکے نکالیں ان بیہ بختوں کی جان
جو تمہاری زلف کی جھوٹی قسم کھا جائیں گے

روز جو کھائیں گے رنج و غم محبت میں ظفر
دیکھ لینا ان کو اک دن رنج و غم کھا جائیں گے

نگاہ یار یوں داغ جگر پر جم کے بیٹھے ہے
کہ جیسے ضرب تیغ اچھی سپر پر جم کے بیٹھے ہے

ارادہ خاک میں کرتا ہے جو اپنے ملانے کا
وہ مثل نقش پا اس رہ گزر پر جم کے بیٹھے ہے

لب شیریں سے اس کے خال کو پہونچی یوں ہے
مگس جس طرح سے شہد و شکر پر جم کے بیٹھے ہے

لگا رہتا ہے تیرا باغ میں اے باغباں کھٹکا
کہاں مرغ چمن شاخ شجر پر جم کے بیٹھے ہے

ترے کوچے میں کس کی خاک یوں برباد ہوتی ہے
کہ گرداب دامن باد سحر پر جم کے بیٹھے ہے

دلا جو شہسوار عرصہ میدان ہمت ہے
عوض گھوڑے کے وہ تو شیر نر پر جم کے بیٹھے ہے

خیال زلف اس کا کیا دل پر داغ سے جاوے
کہ یہ مار سیہ اس گنج زر پر جم کے بیٹھے ہے

برنگ نقش سنگ اٹھتا نہیں ہرگز اٹھانے سے
یہ از خود رفتہ ایسا تیرے در پر جم کے بیٹھے ہے

وہ کیا بیٹھے جو مضطر ہو کر دیکھو گھر میں خاتم کے
نگینہ بیٹھتا ہے تو ظفر پر جم کے بیٹھے ہے

ترا دیوانہ مجنوں سے سوا مشہور عالم ہے
مگر مردہ پسندی شیوہ دستور عالم ہے

نہ کیونکر شدہ گل ہے ہم ہوکر یہ شبنم
غم واند وہ سے تو ام سرور شوار عالم ہے

وہ عالم میں ہے پر عالم سے ہے اس کا جدا عالم
اسے کب پا سکے عالم یہ کب مقدور عالم ہے

وہ عالم یاں ہے دم سردی کا تیری سرد مہری سے
اثر سے سرد جس کے ہوگیا کافور عالم ہے !

ہمارا ذکر آئے ذکر کیا اللہ ری نفرت
وگرنہ یوں تو اس کی بزم میں مذکور عالم ہے

ستم ہے یہ کہ وہ شوخ ستمگر اس ستم پر بھی
پسند خلق مقبول جہاں منظور عالم ہے

ظفر جس پہ خدا ہے مہرباں سب مہرباں اس پر
کیا مقہور جس کو اس نے وہ مقہور عالم ہے

الٰہی ایسا ترے دل کا داغ گل ہو جائے
کہ جس کے سامنے گل کا چراغ گل ہو جائے

پئے شراب چمن میں اگر وہ رشک چمن
تو ہووے غنچہ گلابی ایاغ گل ہو جائے

لگی ہوائے محبت تو کیا عجب زاہد
کہ شمع گوشہ امن و فراغ گل ہو جائے

جو آئے باغ میں یکبارگی وہ رونق گل
تو اس کو دیکھ کے کیا باغ باغ گل و جائے

خدانخواستہ بجھ جائے گر یہ شعلہ آہ !
تو دل کے مشعل راہ سراغ گل ہو جائے

چمن میں کون سنے عندلیب کی فریاد
جو تیری طرح سے نازک دماغ گل ہو جائے

ظفر بعید نہیں اشک خوں سے مجنوں کے
نمود گر سر پرخسار داغ گل ہو جائے

جنوں نے حسن پر نخوت اگر سیکھی تو کیا سیکھی
نکورو ہو کے بدخصلت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

نہیں میری طرح برق جہاں کو یاد بیتابی !
وہ میری دیکھ کر حالت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

جو کھینچے یار کو اپنی طرف ہم اس کے قائل ہیں
کسی نے کھینچنی صورت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

ترے کام آئے عقبیٰ میں سیکھے کام سیکھ ایسا
پئے دنیا کوئی صنعت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

کتابیں دیکھ دیکھ آنکھوں کو پھوڑا اپنی واعظ نے
یہ کج بحثی بایں محنت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

تری طینت میں بے مہری ہے اب تو نے سکھائی ہے
کوئی رسم رہ الفت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

ظفر کچھ نیک شیوہ چاہیے انسان کو سیکھے
بری خو و بری عادت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

سر اپنا گر تری تیغ جفا سے اڑ جائے
نہیں ہے کچھ ہمیں پروا بلا سے اڑ جائے

ہوائے وصل میں اس کے برنگ کاغذ باد
عجب نہیں کہ مرا خط ہوا سے اڑ جائے

کرے مریض محبت کو تو علاج اگر
تو اے طبیب اثر ہی دوا سے اڑ جائے

امید ہو ترے دیدار کی تو یہ بیتاب
لگا کے پر ترے شوق لقا سے اڑ جائے

سحر ہو مجھ پہ قیامت جو شب کو نیندان کی
مرے فغاں دل مبتلا سے اڑ جائے

دل اس کیہاتھ میں سیماب وار ہے بیتاب
کہیں نہ آتش رنگ حنا سے اڑ جائے

مستعد ناز کو وہ اپنے چاہتا ہے ظفر
کہ تازیانہ نہ زلف دوتا سے اڑ جائے

کسی کے روزن در دیکھ کر کھلے کے کھلے
ہمارے رہ گئے دیدے ادھر کھلے کے کھلے

کہوں میں چرخ کی خانہ خرابیاں کیا کیا
پڑے ہیں سینکڑوں عالم کے گھر کھلے کے کھلے

کلام کر نہ سکے تیرے سامنے غنچے
چمن میں سب کے رہے منہ سحر کھلے کے کھلے

لکھی ہیں یار نے شاید کھلی کھلی باتیں
وہاں سے لائے جو خط نامہ بر کھلے کے کھلے

گلوں کے ہوں گے جگر چاک چاک گلشن میں
رہیں گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

حلاوت دم شمشیر سے تری قاتل
رہے مرے لب زخم جگر کھلے کے کھلے

نہ پایا ان سے جو ہم نے کلام کا یارا
ہمارے رہ گئے لب اے ظفر کھلے کے کھلے

ہوئے جس رات کو ہم ہجر میں روتے روتے
خواب میں وصل ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

شمع کی طرح سے ہم رات کو روتے روتے
بہ گئے آنسوؤں میں صبح کے ہوتے ہوتے

جس کے ملنے کی تمنا تھی نہ پایا اس کو
ہو گئی عمر بسر جان کو کھوتے کھوتے

نہ ملی عشق میں فرہاد کو فرد محنت
مر گیا مفت وہ پتھر یونہی ڈھوتے ڈھوتے

تیرے دامن سے مرا خوں نہ چھٹے گا قاتل
گرچہ دامن ترا پھٹ جائے گا دھوتے دھوتے

موت یاد آئی تو غفلت سے ہوں یوں ہم ہشیار
ڈر کے جوں خواب میں چونکے کوئی سوتے سوتے

اے ظفر گریہ بارش سے مرے کیا ہے عجب
سبز ہو دانہ اگر خاک میں بوتے بوتے

اشک کے شور بے سے کیا آستیں گل جائے ہے
بلکہ چھلکے ہے زمیں پر تو زمیں گل جائے ہے اس سے تو

دل ترا ہے سخت پر یہ آہ وہ ہے جاں گداز
فولاد بھی اے نازنیں گل جائے ہے

رہتا کیوں غیر دل سے سرگرم ہم آغوشی ہے تو
جو پسینے سے ترے جامے کے چیں گل جائے ہے

عشق ٹپکاتا ہے جس دم قطرہ زہراب غم
گوشت کیا نا اخون تن وہیں گل جائے ہے

ہو مرے گریے سے بدتر یہ تن لاغر کا حال !
جیسے لکڑی رہ کے پانی میں کہیں گل جائے ہیں

اور بھی دلتا زیادہ ہے مری چھاتی پہ مونگ
دال جب واں غیر کی اے ہمنشیں گل جائے ہے

ہے رز گل کیا ظفر بلکہ زر خورشید بھی
دیکھ کر وہ تاب روئے آتشیں گل جائے ہے

ترے کوچے میں ہیں ہم صورت نقش قدم بیٹھے
کب اٹھتے ہیں اٹھائے سے کہ ظالم اب جم بیٹھے

کبھی افسوس وہ ہو ہم نہ محفل میں بہم بیٹھے
جو ہم اٹھے تو وہ بیٹھے جو وہ اٹھے تو ہم بیٹھے

نہ آیا کرکے وعدہ رات کے آنے کا وہ مہوش
رہے ہم منتظر یاں شام سے تا صبحدم بیٹھے

جو اٹھے روز طوفاں یوں نہیں جوش گریہ سے میرے
عجب کیا گنبد گردوں بھی گر اے چشم نم بیٹھے

تری اک جنبش مژگاں سے اے شوخ کمال ابرو
ہمارے تو وہ سینہ میں سو تیر ستم بیٹھے

پڑا ہے شکل تصویر خیالی اپنے بستر پر
کہاں طاقت کہ اٹھ کر یہ ترا بیمار غم بیٹھے

پھڑکتا ہے زیادہ پہلے پھنس کر دام میں طائر
کبھو آرام سے کیا تو گرفتار الم بیٹھے

نگین خانہ خاتم کی صورت سینہ کاوی ہے
کیا کرتے ہیں کیا کیا نام پیدا گھر میں ہم بیٹھے

ظفر گھرا کے وہ اٹھ جائے آہ گرم سے میری !
کوئی ہمدم جو میرے پاس آ کر کوئی دم بیٹھے

نالہ کروں تو شور سے اس کے اک عالم گھبراتا ہے
اور اگر خاموش رہوں تو میرا دم گھبراتا ہے

دیکھ کے تیرے ناز و ادا ہر ایک تجھے دل دیتا ہے ٹھگ
دیکھتا ہے جس وقت ترے انداز ستم گھبراتا ہے

اگرچہ کیسا ہی کوئی قید میں ہووے ہستی کے
جاتے ہوئے وہ ہستی سے پر سوئے عدم گھبراتا ہے

ذکر نہ لا تو ہم سے ناصح ہر دم ترک محبت کا
کون نہ ان باتوں سے کی تیری قسم گھبراتا ہے

پوچھتے کیا ہو مجھ سے باعث دل کی مری گھبراہٹ کا
دیکھتا ہے جس وقت ہجوم رنج و الم گھبراتا ہے

رہ نورد دشت جنوں ہو کس میں ہے ہمت میرے سوا
قیس بھی گر اس وادی میں رکھتا ہے قدم گھبراتا ہے

آگے ظفر یہ حال تھا اپنا ہم غم سے گھبراتے تھے
ہو گئے غم کش ایسے اب ہم سے غم گھبراتا ہے

دشت گردی تیرے دیوانوں نے پھر کیا خاک کی
خاک اڑا دی گر نہ سارے دشت و خاشاک کی

باگ لی جس وقت اپنے توسن چالاک کی
کیا کہوں برباد کیا کیا اس نے میری خاک کی

جب گل صد برگ کو وہ لے کے گلبازی کرے
دیکھیے پھر حالت کوئی میرے دل صد چاک کی

کون کہتا ہے کہ یہ نکلے ہے شب کو کہکشاں
ہے مگر کوئی طناب اس خیمہ افلاک کی

جامہ آب رواں ہو جب ہجوم تار اشک
چشم عریاں کو مری حاجب ہو کیا پوشاک

کہہ دو حاضر ہے ابھی سر عاشق جانباز کا
ہے اگر یونہی خوشی اس قاتل سفاک کی

خاک میں مل جائے گی اے ابر تیری آبرو
دیکھ ہم چشمی نہ کر اس دیدہ نمناک کی

حسرتیں اس صید کو کیا کیا رہیں اے شہسوار
گر پڑا جو اک پہ کھل کر گرہ فتراک کی

اے ظفر جو بوالہوس ہیں ان کو کب ہے تاب عشق
روکش آتش ہو کیا طاقت خس و خاشاک کی

ہمیشہ آنسوؤں سے بھی میری چشم نم پہ ہے
صدف کو موتیوں سے کس نے دیکھا یوں شکم پہ ہ

ترے دست ستم سے مل گئے ہم خاک میں لیکن
کدورت سے ترا دل اب تلک اے پر ستم پہ ہ

گئے دنیا سے خالی ہاتھ وہ آخر کر تھا جن
غرور اس پہ کر اتنا کیسہ دام و درم پہ ہے

ہمارا دیدہ کوزہ تر ہو لب ہے گویا
کر ہوتا دمبدم خالی ہے اور پھر دمبدم پہ ہے

کیا ہرچند میں نے مغز خالی رو برو تیرے
مگر شکووں سے دل میرا ترے سر کی قسم پہ ہے

ترے دیوانے جو روتے گئے زندان ہستی سے
گلوں سے اشک خوں کے دامن دشت عدم پڑ ہے

کہے ہے کون مینائے فلک کو اے ظفر خالی
جھلکتی صاف ہے اس میں شراب رنج و غم پہ ہے

غلط ہے شمع کے مالے سے میرے لو برابر ہے
اگر پوچھو تو بجلی بھی نہیں اک جو برابر ہے

تمہارے ابروئے خمدار سے اور ناخن پا سے
نہ تیغ مغربی ہمسر نہ ماہ نو برابر ہے

وہ سنتے ہی نہیں کوئی کہے تو کیا کہے ان سے
جو کہیے تو برابر ہے نہ کہیے تو برابر ہے !

مجھے اے آشناؤ کام کیا ہے سیر دریا سے
روانی میرے اشکوں کی اور اس کی روبرابر ہے

ظفر رکھتے نہیں مطلب جہاں کے نکتہ دانوں سے
ہمیں فخر جہاں کا ایک نکتہ سو برابر ہے

صبا جب پاس دیکھے گل کے کانٹے
بنے پر رشک سے بلبل کے کانٹے

سموم آہ سے میرے چمن میں
ہوئے گل سوکھ کر سنبل کے کانٹے

رہے ہے پر خلش دشمن دم جنگ
نہیں یہ مرغ لڑتا کھل کے کانٹے

جو بیٹھیں دشت میں ہم اور مجنوں
نکالیں پاؤں سے مل جل کے کانٹے

بجز مژگان چشم یار ہم نے
نہ دیکھے گرد جام مل کے کانٹے

خلش سے عشق کے نالاں ہیں مشتاق !
کر بوئے اس نے حق میں گل کے کانٹے

ظفر پڑتے ہیں گرمی سے فغاں کے
زباں پر وقت شور و غل کے کانٹے

تار اشک خوں میں جو دیکھی مژہ الجھی ہوئی
تھی رگ برق ورگ ابر مژہ الجھی ہوئی

تیری مژگاں کو کہاں تسخیر دل سے ہے فراغ
کام میں اس ملک کے ہے یہ سپہ الجھی ہوئی

تار دامن میرے کب کانٹوں سے الجھے دشت میں
ہے جنوں دستار تیری ہر جگہ الجھی ہوئی

کیونکہ چھوٹے دیکھئے اس زلف کے پھندے میں ہے رات
جان میری باعث تار نگہ الجھی ہوئی !

دن اس فکر میں سودا سا ہے مجھ کو کہ زلف
کیوں ہے گر سلجھی ہوئی اس زنچہ گرہ الجھی ہوئی

یار ان کا کون دستگیر ہو دیکھی نہیں
دامن صرصر میں نوک خار رہ الجھی ہوئی

کہتے ہیں باریک ہیں آیا ہے عنقا زیر دام
اس کمر پہ دیکھ کر زلف سیہ الجھی ہوئی

حال جانے تو گرفتاری کا میری گر کہیں
ہو طبیعت تیری بھی اے رشک مہ الجھی ہوئی

گر الجھا ہو تو منظور اس کو مجھ سے اے ظفر
تو کرے تقریر کیوں وہ کج کلہ الجھی ہوئی

رہوں بیٹھا قفس میں کیوں نہ سر کے پر تلے دابے
کو بولوں تو گلو صیاد خنجر کے تلے دابے

ہوا ہوں کشتہ اے قاتل ترا میں تجھ کو لازم ہے
کہ میری نعش تو نخل صنوبر کے تلے دابے

نہ جائے درد سر میرا اگرچہ لاکھ اے ہمدم
مرا سر اپنا زانو رکھ کے تو سر کے تلے دابے

جو دل طاقت نہیں رکھتا تو کہہ دو آپ کو ناحق
زمیں میں گنج وگوہر چرخ اخضر کے تلے دابے

ملا کر خاک میں کیا کیا تھا نے اہل جوہر کو
بہت تعویذ لکھ کر بیٹھے پتھر کے تلے دابے

رقیب سنگدل ہم سے نہیں دیتا کسی صورت

زہے قسمت شہیدان محبت کی اگر ان کو
ظفر لاکر کوئی دیوار دلبر کے تلے دابے

جب چمن میں اس کے آنے کی خبر اڑ جائے گی
گل کی رونق دم میں اے باد سحر اڑ جائے گی

آپ کا کیا جائے گا گر خواب میں آؤ گے تم
نیند آنکھوں سے ہماری رات بھر اڑ جائے گی

کھول دے صیاد تو کھڑکی قفس کی شوق سے
بلبل بے بال و پر ظالم کدھر اڑ جائے گی

خون کو ل لے گا میرے تو کف پا سے ترے
سرخی رنگ حنا اے فتنہ گر اڑ جائے گی

آئے گا وہ مہروش اے دل تو شبنم کی طرح
تاب و طاقت تیری اس کو دیکھ کر اڑ جائے گی

یہ صبا سے کوئی پوچھے تیرے کیا آئے گا ہاتھ
خاک میری اس کے کوچے سے اگر اڑ جائے گی

شعلہ رخسار ساقی گر ہوا پر توفگن 1
مے جو ساغر میں ہے تیر اے ظفر اڑ جائیگی

کیا جانے کیا وہاں دل نالان پہ بنی
جس کے قلق سے یاں ہے مری جان پہ بنی

پہلے تو عشق میں دل و ایمان پہ بنی
پھر ایسی بن گئی کہ مری جان پہ بنی

ناصح نہ پوچھ مجھ سے کہ فصل بہار میں
ہاتھوں سے کیا جنوں کے گریبان پہ بنی

منظور ایسا پردہ ہے کس سے کہ مہ جبیں
دیوار اور کوٹھے کے والان پہ بنی

دیتا ہی اک نگاہ پہ میں دل کے ساتھ جان
قیمت نہ ان سے اپنی بھی نقصان پہ بنی

وحشت میں جتنی خاک پڑی اڑ کے جسم پر
پوشاک وہ مرے تن عریان پہ بنی

جوں آئینہ نہ کر سکے دل کی نہ چھپ سکے
مشکل ہے اب تو عاشق حیران پہ بنی

خط کا جواب لائے گا قاصد یقین تھا
کہ سے نہ بات پھر کسی عنوان پہ بنی

زیبا ہے روئے یار پہ یوں قشقہ جبیں
جس طرح لوح ہو سر قرآن پہ بنی

مطلق نہیں عمارت ہستی کو جو قیام
گویا کہ ہے ہوا سے بیان پہ بنی

پہلے تو اس نے بار امانت اٹھا لیا
پھر کیا کہوں ظفر کہ جو انسان پہ بنی

کسی کو دوس دیجے دوستو کیا بندہ عاجز ہے
ہوا دشمن جو دل سا دوست اپنا بندہ عاجز ہے

مرے رونے پہ کیوں ہنستے ہو صاحب خوف کی جا ہے
مقدر کا نہیں مٹتا ہے لکھا بندہ عاجز ہے

تھا وہ شے ہے نالے سے کسی صورت نہیں ملتی
اسی جا پر تو یارو آہ ہوتا بندہ عاجز ہے

لگا کر ہاتھ ہم اس کان کے بالے کو بچائے
بندھا طوفان اور اس پہ دوبالا بندہ عاجز ہے

نہ پوچھو دوستو ہم سے شب فرقت کے عالم میں
کہوں کیا میں قلق جو دل پہ گزرا بندہ عاجز ہے

کروں میں عجز تم سے اور تم مجھ سے غرور اتنا
کہے کیا بندہ پرور تم سے بندہ بندہ عاجز ہے

کشش دل کی کوئی آفت سے آخر کھینچ ہی لائی
نہیں یوسف سر بازار بکتا بندہ عاجز ہے

مجھے رونے سے مت روکو کوئی رونا یہ رکتا ہے
کہوں کیا بس نہیں کچھ دل پہ چلتا بندہ عاجز ہے

جنوں کے عشق میں دیکھ اپنا عالم خلق کہتی ہے
کہ ہاں ڈریے خدا سے ہائے توبہ بندہ عاجز ہے

سبھی منہ موڑتے ہیں اب ظفر کو دیکھ محفل میں
کہو اس نے کیا کیا ہے کسی کا بندہ عاجز ہے

یوں دل اس شوخ جفا پیشہ کے بس میں پھڑ کے
مرغ وحشی کوئی جس طرح قفس میں پھڑ کے

ابھی ہونے کا نہیں لڑنے کو تیار عدو
پھڑ کے یہ مرغ تو دو چار برس میں پھڑ کے

جس طرح نعمت دنیا میں ہیں بیتاب حریص
یوں مگس گر کے نہ شربت میں نہ رس میں پھڑ کے

آمد ناقہ لیلے ہو اگر اے مجنوں !
دل ترا کیونکہ نہ اک روز جرس میں پھڑ کے

خوبرو جتنے ہوں اک ایک کا دم جائے پھڑک
شوخ جس وقت کہ تنہا ترا اس میں پھڑ کے

دل بسمل کا ہے یہ حال تری مژگاں میں
مرغ مذبوح کوئی جیسے کہ خس میں پھڑ کے

وصل اس کا نہ میسر ہو اگر لاکھ برس
آنکھ میری اسی امید و ہوس میں پھڑ کے

مل نہیں سکتا ہے کوطائر تصویر ظفر
پر مرے نالے سے وہ ایک نفس میں پھڑ کے

ہے بجا گر کہیے دنیا سے محبت اٹھ گئی
پاس تھا جن کو محبت کا وہ حلاف اٹھ گئی

جلوہ تیرا ہی نظر آیا تصور میں ترے
آنکھ اپنی جس طرف اے ماہ طلعت اٹھ گئی

غیر جو کچھ ہم کو کہتے ہیں کھڑے سنتے ہیں ہم
جب سے دے بیٹھے تمہیں دل پائی غیرت اٹھ گئی

تشنہ مے سے چمن میں ور اک فتنہ اٹھا
جب تری شرم و حیا اے سرو قامت اٹھ گئی

کوئی روک سے رکے ہے تو سن دیوانگی !
اب تو اس کی باگ سوئے دشت وحشت اٹھ گئی

کر چکے سو بار تیرا امتحاں اب تو ہمیں
تجھ سے امید وفا اے بے مروت اٹھ گئی

کس توقع پر کسی کی ہم لگائیں اپنا دل
اے ظفر بالکل جہاں سے رسم الفت اٹھ گئی

جب اس کا تیر نگہ ناوک قضا بن جائے
تو کہیے صید محبت کے جی پہ کیا بن جائے

ہزار عقدہ مشکل ہوں وہ بھی دل سے !
جو تیرا ناخن ابرو گرہ کشا بن جائے

کسی روش مری آنکھوں پہ وہ قدم تو رکھے
بلا سے چشم مری چشم نقش پا بن جائے

ملے نہ یہ ترا غم کش اگرچہ ہر دیوار
سرور عیش سے دیوار قہقہا بن جائے

دیا تھا ہم نے اسے باوفا سمجھ کر دل
جو ناز یانہ ترا طرہ دوتا بن جائے

سمند ناز پہ وہ اپنے گرم جولاں ہوں !
تو آسماں کوئی پانی کا بلبلا بن جائے

وفور گریہ عاشق سے گر چھڑے دریا
کہ جام بادہ بھی جام جہاں نما بن جائے

عجب نہیں ہے کرشمے سے چشم ساقی کے

ظفر یہ دل جو ہے سیماب کی طرح بیتاب
اگر ہو کشتہ محبت میں کیمیا بن جائے

جو چھپے آہ کے ہیں دل کے داغ کو تکتے
ہوا کے جھوکے نہ دیکھے چراغ کو تکتے

ہم اپنے کاٹتے ہیں لب ہزار حسرت سے
تمہارے ہونٹ ہیں جس دم ایاغ کو تکتے

جو اس سے ہوتے نہ روکش تو ہاتھ سے تیرے
صبا طمانچے نہ کھاتے باغ کو تکتے

ہمارے آبلہ پا کی دولت اے وحشت
کھر ہیں سینکڑوں دامان داغ کو تکتے

وہ خط کے روکتے ہیں زیب خال رخ ہوت
خدا کی شان ہے کیا پر ہیں زاغ کو تکتے

ہم ایسے ہوتے ہیں جن کو ہے جستجو تیری
کر ہیں وہ ڈھونڈنے اپنے سراغ کو تکتے

نہ کیونکہ گرمی دل سے دماغ جل جائے
ظفر میں رنجرہ دل کے دماغ کو تکتے

نصیب اچھے اگر بلبل کے ہوتے
تو کیوں پہلو میں کانٹے گل کے ہوتے

جو ہم لکھتے تمہارا وصف گیسو
تو مسطر تارے سنبل کے ہوتے

جو ہوتا ظرف ساقی ہم کو معلوم
تو منت کش نہ جام مل کے ہوتے

ہمارے وقت میں فرہاد و مجنوں
جو ہوتے دن بستر مل جل کے ہوتے

خلاف شرع سے ناداں نہ ہوتا
غریق بحر عصیاں پل کے ہوتے

جتاتے مست گر نازک دماغی
تو برہم شور سے قلقل کے ہوتے

لگاتے شمع ساں گر لو نہ تجھ سے
تو یوں آخر نہ ہم گھل گھل کے ہوت

نہ ہوتے حضرت دل پا بہ زنجیر
جو سودائی نہ اس کاکل کے ہوتے

ظفر سنتے جو تیرے شعر پھر وہ
نہ قائل طالب آمل کے ہوتے !

ہاں عقل تو کہتی ہے تدبیر چلی جائے
پر تیری کمک بھی کچھ تقدیر چلی جائے

کو ہم کو جواب خط بھیجیں نہ وہ اے قاصد
پر اپنی طرف سے کچھ تحریر چلی جائے

ہم ساکن وہم مسکن فانی ہے ور اس پر بھی
دل چاہتا ہے ہوتی تعمیر چلی جاء

منظور بہر صورت ہے کلک تصور سے
تصویر پہ یاں کھنچتی تصویر چلی جائے

میں زخم کے قابل ہوں اٹھا کر اجل سر پر
کھینچے ہوئے گر آئے شمشیر چلی جائے

جان آ گئی ہونٹوں پر تو اب تلک آتا وہ
افسوس تری اب بھی تاخیر چلی جائے

وہ خانہ دل میں میرا ہے غمکدہ، گر اس میں
آجائے خوشی ہو کر دلگیر چلی جائے

گر تیر چلے تیرا جال صید محبت کی
ہونے کو ہدف آئے سو تیر چلی جائے

وہ سامنے بیٹھے ہیں خاموش نہ بیٹھو تم
ہاں کچھ تو ظفر ان سے تقریر چلی جائے

یوں ہی تلوار نہ وہ ہاتھ میں لے کر تولے
پہلے عاشق کو نظر میں تو ستم گر تولے

شیشہ و سنگ ہے دل میرا اور اس کا کوئی
کیونکہ میزان محبت میں برابر تولے

استخوانوں کو مرے اے سگ کوئے جاناں
گرچہ لیتے ہیں مزے ان کو چبا کر تولے

جب وہ دل تجھے عجب کیا ہے کہ اس مہوش کو
لے کے خورشید سے میزاں میں فلک زر تولے

آکے حل جائیں نہ کیوں اشک مری مژگاں پر
کہ اسی کانٹے سے جاتے ہیں یہ گوہر تولے

کھائے ہے زہر غم عشق مرا دل بیروں
نہ تو ہے جانا ماشے نہ یو مضطر تولے

ہو مرا صبر گراں سنگ ستم سے اس کے
کوئی میزان عدالت میں ظفر کو تولے

صحبت گل ہے فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی
آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی

دل شکستوں کا سخن کیونکر نہ ہووے نا درست
ساز بگڑے ہے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی

مجمع خوباں میں گر تصویر بن کر جائے یار
آئے پھر صورت نظر سب کو دلا بگڑی ہوئی

کچھ میں شانہ پڑا لیکن سنورتی ہی نہیں
زلف اس کی ہے مرے دل کی بلا بگڑی ہوئی

لے خبر تو اس کی اے عیسیٰ انفس جلدی کر آج
ہے ترے بیمار کی حالت سوا بگڑی ہوئی

آدمی کہتے ہیں جس کو اک پتلا گل کا ہے
پھر کہاں کل اس کو گر کل ہو ذرا بگڑی ہوئی

کھل گئی ہم پر کہ عدوں سے کبھی بگڑی ہے آج
سر پہ ہے پگڑی جو تیرے زاہدا بگڑی ہوئی

دیکھئے کیسی بنے ہر بات پر بگڑے ہے تو
ہے تری خو بے طرح اے دل رہا بگڑی ہوئی

ہیں سبھی باتیں بناتے پر ہیں قائل اس کے ہم
اے ظفر جو بات دے کوئی بنا بگڑی ہوئی

گر دل وارستہ زندان ہوس میں بند ہے
مرغ وحشی ہے کہ گویا وہ قفس میں بند ہے

آئے دنیا کے قریبوں میں کوئی کیا تیز ہوش
شعلہ ہو سکتا کہیں بھی خار و خس میں بند ہے

ایک پل میں بحر کو توڑا میرے جوش گریہ نے
ٹوٹتا دریا ہے کب وہ سو برس میں بند ہے

ہے گرفتاری میں دنیا کی حلاوت بس حریص
یعنی ذوق انگبیں پائے مگس میں بند ہے

ساتھ دل کے دمبدم ہے انبساط و انقباض
کھلتا ہے یکدم میں ہوتا اک نفس میں بند ہے

گر مقید شرع کا ہے کوئی بدمذہب بزور
یہ سمجھئے دزد زنجیر عسس میں بند ہے

ایک سے دو تو نہیں رکتا وہ باتوں میں ظفر
شرم سے ہو جاتا لیکن یار دم میں بند ہے

گالیاں تنخواہ ٹھہری ہے اگر بٹ جائے گی
عاشقوں کے گھر مٹھائی لب شکر بٹ جائے گی

روبرو گر ہوگا یوسف اور تو آجائیگا
اس کی جانب سے زلیخا کی نظر بٹ جائے گی

رہزنوں میں ناز و غمزہ کی یہ جنس دین و دل
جوں متاع بردہ آخر ہم دگر بٹ جائے گی

ہوگا کیا گر بول اٹھے گا غیر باتوں میں میری !
پھر طبیعت میری اے بیداد گر بٹ جائے گی

دولت دنیا نہیں جانے کی ہرگز تیرے ساتھ
بعد تیرے سب یہیں اے بے خبر بٹ جائے گی

کر لے اے دل جان کو بھی رنج و غم میں تو شریک
یہ جو محنت تجھ پہ ہے کچھ کچھ مگر بٹ جائے گی

سوگ چھاتی پہ جو دلتے ہیں کسی کی دیکھنا
جوتیوں میں دال ان کی اے ظفر بٹ جائیگی

کیا کہوں جس دم مژہ اس عشوہ گر کی ہل گئی
نوک سی گویا جگر میں نیشتر کی مل گئی

اس کو یہ کھٹکا ہوا آیا کوئی خانہ خراب
ہاتھ سے درباں کے جب زنجیر در کی ہل گئی

پہنچا صدمہ عارض نازک پہ تل بے ناز کی
گر ہوا سے زلف اس رشک قمر کی ہل گئی

سر کے دینے سے کیا انکار عاشق نے کہاں
تو ہی کر گردن کب اس آشفتہ سر کی مل گئی

دیکھنا بھونچال سے مل جائے گا سارا جہاں
اک ذرا ابرو اگر اس فتنہ گر کی ہل گئی

ہے دل بیتاب زیر خاک بھی گرم طپش
گور سو باری ترے تفتہ جگر کی ہل گئی

کیا قیامت ہے ہماری صرصر آہ و فغاں
جس سے باغ دہر میں جڑ ہر شجر کی ہل گئی

نعمت دنیا کو چھوڑے کس طرح جان حرص
ہے یہ مکھی چاٹ پر شیر و شکر کی مل گئی

مضطرب ہو کر جو مارا ہم نے سر دیوار سے
اے ظفر بنیاد تک بھی ان کے گھر کی ہل گئی

ہے یہ ڈر دل کو نہ چشم مست مہوش کھینچ لے
اپنے مذہب میں نہ اس صوفی کو میکش کھینچ لے

شمع کی جذب محبت میں نہ ہووے گر اثر
کون پر دانے کو پھریوں سوئے آتش کھینچ لے

پھینک دے وہ کھینچ کر جانے کر شاید مر گیا
دم کو عاشق اپنے گر کھا کر ذرا غش کھینچ لے

وہ کماں دار اپنے عاشق پہ ہو گر ناوک فگن
خالی ترکش چھوڑ دے سب تیر ترکش کھینچ لے

کھینچ کر قشقہ جبیں کا نقش کھینچا ہے جو یار
تو مصور صورت لوح منقش کھینچ لے

زلف ہے اے شوخ کا فرکیش تیری وہ کمند
صد دل مغموم صد جان مشوش کھینچ لے

دم محبت کا ظفر دیکھیں تو پھر بھرتا ہے کون
گر ذرا تیغ ستم وہ شوخ و سرکش کھینچ لے

اشک خوں سے پتلے مژگاں پر چمن پھولے ہوئے
ہیں شگوفے عشق کے اے گلبدان پھولے ہوئے

گر نہیں منہ میں بھرا ان کے صبا خون جگر !
ہیں یہ کیوں گلشن میں غنچوں کے دہن پھولے ہوئے

قشقہ سرخ اس جبیں پر دیکھ دیکھے سے دلا
کیا شفق کو تو سر چرخ کہن پھولے ہوئے

دیکھ کر تجھ کو چمن میں گل سماتے ہیں نہیں
پیرہن میں اپنے اے گل پیرہن پھولے ہوئے

پہن کر پوشاک جو پھولیں اگر غفلت زدے
جانیے مردے ہیں یہ زیر کفن پھولے ہوئے

منہ پھلایا دیکھ کر شاید تجھے گل گیر نے
گال اس کے ہیں جو اے شمع لگن پھولے ہوئے

بیچ میں بات اے ظفر جن کے سما سکتی نہیں
ان کے رہتے ہیں شکم ہاں اے ظفر پھولے ہوئے

نوک مژگاں کی ہے جو نیزہ زنی میں تیزی
وہ نہ دیکھی کسی برچھی کی انی میں تیزی

گوہر اشک نے جو میرے دیا مول بہا
نہ رہی قیمت در عدنی میں تیزی

عشق نے تیز کیا تیرے لئے تیشہ مرگ
دیکھ فرہاد نہ کر کوہ کنی میں تیزی

بات بگڑے ہے تو پھر ذہن بھی ہو جائے ہے کند
تیز ہوشوں کو ہی آتی ہے بنی میں تیزی

ہوا کیا اشک کی کرتی ہے جگر کے ٹکڑے
دیکھی ایسی تو نہ ہیرے کی کنی میں تیزی

نہ کھلے ایک گرہ غنچہ دل گر ہو ہزار
ناخن موج نسیم چمنی میں تیزی

ہو کے تیز آئے ہے کیا منہ پہ مرے طفل سرشک
لو ابھی سے ہے یہ اس ناشدنی میں تیزی

کرتی ہیں تیز نگاہیں تری اے کافر کیش
دیکھ کیا کیا مری ناوک فگنی میں تیزی

اے ظفر ہوتا ہے ٹکڑے جگر اہل سخن
ہے زباں کی تری وہ خوش سخنی میں تیزی

نہ تو روتے ہیں نہ ہنستے ہیں نہ بکتے منہ سے
دل یہ جو گزرے ہے ہم کہہ نہیں سکتے منہ سے

بیٹھے ہیں مار یہ حسن کے گنجینے پر !
نہیں وہ گیسوئے مشکیں جو سرکتے منہ سے

ہونٹ تر کرنے کو بھی لب ہیں ترستے ساقی
یا لگاتے تھے کبھی جام چھلکتے منہ سے

ٹوٹتے رات کو تارے ہیں کر مہوش سر زلف
قطرے ہیں تیرے پسینے کے ڈھلکتے منہ سے

سوز دل خاک چھپاؤں کہ نکلتے ہیں سدا
ساتھ ہر آہ کے شعلے سے بھڑکتے منہ سے

دیکھو زلف عرق افشاں کو نہ دیکھا ہو اگر
تم نے زہر اب کو افعی کے ٹپکتے منہ سے

منہ لگائے کوئی کیا ایسے اچکوں کو ظفر
ہیں جو کمبخت نوالے کو اچکتے منہ سے

میں ہوں ضعیف و ناتواں دور ہے یار کی گلی
اس کے ہوائے وصل پر مجھ کو اڑا کے لے چلی

حال عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگاں پہ کیا
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بری بھلی

جب کف پا میں یار کے پھرتے واں لی حنا
یاں دل پائمال غم کرنے لگا تلاملی

خاک پہ چہ میری کیا قدم رکھے وہ شوخ نازنیں
چبھتا ہے خار زیر پا گرچہ ہو فرش مخملی

میرا علاج درد سر یہ ہے جو تجھ سے ہو سکے
سر سے تو میرے باندھ دے اپنا دوپٹہ صندلی

گل سے وہ غنچہ لب مرا مجھ سے جدا ہو گیا
جان کو اضطراب ہے دل کو ہے میرے بے کلی

رہوے ظفر یہ تا کجا رنج و الم میں مبتلا
اس کی مدد شتاب ہو وقت مدد ہے یا علی

کم نہیں ہوتی ہے اس دنیا کی الفت بڑھتی جاتی ہے
جوں جوں عمر ہے گھٹتی جاتی غفلت بڑھتی جاتی ہے

ہووے کیا کم حسن میں تیرے بوسے جو دے تو عارض کے
بلکہ زکوٰۃ دولت سے ہاں دولت بڑھتی جاتی ہے

جب سے ہوئے ہیں مفتوں ہم اس شوخ کی چشم وحشی پر
دیکھتے ہیں ہر روز زیادہ وحشت بڑھتی جاتی ہے

تیرے حسن روز افزوں کی تابش مثل ماہ نو
خوب جو دیکھا ہم نے اے م ہ طلعت بڑھتی جاتی ہے

دل کو خالی کرتے ہیں ہم جتنا اپنے رو رو کر
اتنی ہی دل میں اور ہماری حسرت بڑھتی جاتی ہے

جو کہ ہیں عاشق تیرے ان کو غم کیا خواری و ذلت کا
عشق کے نزدیک اور زیادہ عزت بڑھتی جاتی ہے

قدر ظفر ہر چیز نے پائی عالم میں کیا کہئے سے
جنس جو کم ہوتی جاتی ہے قیمت بڑھتی جاتی ہے

ہجر کی شب آپ ہی تیرے کان دل بیمار بجے
ورنہ ابھی ہے صبح کہاں نے تین بجے نے چار بجے

تو جو کہے کچھ ہم سے بجا تو ہم بھی لائیں حکم بجا
تالی دو ہتی بجتی ہے اک ہاتھ سے کب اے یار بجے

حسن تو ساز عشق ہے بلبل تو نہ اگر ہو نغمہ سرا
چٹکی غنچہ گل کی پھر بے لطف بے کار بجے

دل جو ہمارا گھر گھر ہو جنوں کا کیوں نہ جگر فریاد کرے
ہووے جہاں بت خانہ وہاں ناقوس بھی واں سو بار بجے

ہے رگ جاں لبریز فغاں انگشت سے تو گر شرگاں کے
چھیڑ دے اس کو ایک ذرا طنبور کا جیسے تار بجے

پہنچے جس دم نوبت راز عشق کے افشا ہونے کی
کیا کہوں کیا رسوائی کے نقارے سر بازار بجے

زلف سیہ کو دیکھ کے سرکش آج ظفر اس کافر کی
دل ہے مرا یوں نالاں جیسے تو بی پیش مار بجے

ہم اس طرح ہیں ہجر کی راتوں کو کاٹتے !
سینہ ہیں اپنا کوٹتے ، ہاتھوں کو کاٹتے

کرتے نہ قطع آپ اگر مجھ سے دوستی
بزم عدو میں کیوں مری باتوں کو کاٹتے

ڈستی جو لہر زلف کی اس کی تو تھا موج
دریا میں سانپ بن کے نہاتوں کو کاٹتے

کوچے میں ان کے پہنچے مرے بے خبر رفیق !
ورنہ وہ کوچ دیکھ کے ہاتھوں کو کاٹتے

دیوانے گر نہ ہوں سگ دنیا تو کیوں پھنسیں !
یہ بدخصال نیک صفاتوں کو کاٹتے

ہیں تار زلف یار کے افعی انھیں نہ چھیڑ !
یہ اے ظفر ہیں ہاتھ لگا توں کو کاٹتے

ہم نے اس کوچے میں جو راز حزیں دیکھا ہے
روش اشک اسے سر بہ زمیں دیکھتا ہے

جلوہ جو ہم نے ترا ماہ جبیں دیکھا ہے
خواب میں بھی وہ زلیخا نے نہیں دیکھا ہے

سینہ صافوں کی نہیں ہوتی مکدر صورت
کہیں آئینہ کو بھی چیں بہ جبیں دیکھا ہے

رہتی روپوش نہیں پردہ فانوس میں شمع
دل میں چھپتی ہے کہیں نور یقیں دیکھا ہے

بے خطا باندھتی ہے دل کو تری زلف سیاہ
اس قدر ظلم یہ اندھیر نہیں دیکھا ہے

خود فراموش ہوں اتنا کہ اگر آپ کو میں
دیکھ پاؤں تو یہ جانوں کہ کہیں دیکھا ہے

تیر غم کا ہے گزر دل میں خدا خیر کرے
کہ فرشتے نے گھر اے جان حزیں دیکھا ہے

ناصحا دیکھ ہمیں چشم حقارت سے نہ دیکھ
ارے کم بخت اسے تو نے نہیں دیکھا ہے

دوست اپنا نہ ظفر ہم نے جنوں کو دیکھا
جس کو دیکھا ہے عدوے دل و دیں دیکھا ہے

حیات قید ہے اے ہم نفس ہمارے لئے
بنا ہے تار نفس کا قفس ہمارے لئے

تمہاری زلف تلک پہنچے پنجہ شانہ
ہزار حیف نہ ہو دسترس ہمارے لئے

شتاب آ کہیں ظالم کہ ایک ایک گھڑی
بغیر تیرے ہے اک اک برس ہمارے لئے

مژہ سے اشک جو نکلیں ملیں بدن سے ہم
کہ عشق میں ہے یہی عطر خس ہمارے لئے

ہمارا قتل جو منظور ہے تجھے ظالم !!
تو ایک غمزہ بھی کافی ہے بس ہمارے لئے

دو لب دو چشم دو ابرو دو عارض اور دو زلف
یہ کیوں ہیں قاتل سفاک دس ہمارے لئے

ظفر بنایا اسی واسطے بشر ہم کو
کہ ہے بنائے ہو او ہوس ہمارے لئے

ناخن غم ہم کو ایذا بیشتر پہنچائیں گے !
دیکھ لینا زخم دل کو تا جگر پہنچائیں گے

دل نہ دیتے ان کو ہم اپنا اگر یہ جانتے
وہ ہمیں صدموں پہ صدمے اس قدر پہنچائیں گے

یہ تو ممکن ہی نہیں پہنچیں در تاثیر تک
نالہ دل آپ کو گر عرش پہنچائیں گے

دل نہ جلنے دیں گے سوز غم سے ہم لیں گے بچا
دیدہ تر آپ کچھ پانی اگر پہنچائیں گے

زلف کے کوچے میں اے دل تجھ کو جانا ہ پڑا
یوں نہ جائے گا اگر تو باندھ کر پہنچائیں گے

قاصد اشک اس کے کوچے تک نہ جائیں گے اگر
میرے دل کی تو بھلا تجھ کو خبر پہنچائیں گے

نہ بیچ کر دل ان کے ہاتھوں رکھ نہ تو امید سود
دیکھنا وہ اے ظفر تجھ کو ضرر پہنچائیں گے

لگاتے مفسد ہیں روز آ کر ہماری تم سے تمہاری ہم سے
یقیں ہے بگڑے گی اب مقرر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

سدا جو باہم ہو شور افزا تمہارا حسن اور عشق اپنا
تو ہو نہ شہرت جہاں میں کیونکر تمہاری ہم سے تمہاری ہم سے

چھپائیں کس طرح دل کی حالت نگہ ہے غمازہ قیامت
کہ صاف کہہ دیتی ہے یہ منہ پر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

اگر ہو منظور آشنائی تو کیجے اس طرح کی صفائی
کہ پھر طبیعت نہ ہو مکدر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

کو محبت کا پاس اتنا کہ جوڑیں آپ میں منہ نہ اپنا
شکایت اغیار اور سن کر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

ہمارا آنکھوں میں آ چکا دم نہ جاؤ بالیں سے پھر کہاں دم
کہ ہے ملاقات اور دم بھر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

کسی نے بہکا دیا مقرر کہ یاں پھٹکتے نہیں تم آ کر
وگرنہ رہتی تھی صحبت اکثر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

نہ کچھ کہو تم نہ کچھ کہیں ہم سمجھ لو بس دل کی دل میں باہم
کہ چھپتی نہیں بات بندہ پرور ہماری تم سے تمہاری ہم سے

ظفر کہیں ہم جو آئیں وہاں کہ ہم اسی دن تھے دے چکے جاں
لگی تھی جس روز آنکھ دلبر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

سودے میں ہم تمہارے خط مشک سود کے
ترساں ہیں ہم ضرر کے نہ خواہاں ہیں سود کے

شب جلوہ کس کا خواب میں دیکھا کہ صبح تک
جاری ہیں حرف میری زباں پر درود کے

مر جائے گر کوئی جو ترا دیکھ کر لباس
تربت پہ اس کے چاہیے ہوں نخل عود کے

رنگ مسی م یں آتے ہیں دنداں کسی کے یاد !
شب کو ستارے دیکھ کے چرخ کبود کے

لل دیا کے منہ پہ ہیں ٹیکے کلک کے
سمجھو نشان نہ اس کی جبیں پہ سجود کے

باندھے ہے اپنی ہستی اک دم پہ تو ہوا !
قائل نہیں حیات تری ہم نمود کے

پڑھتا ہوں ایک مطلع و مقطع میں حسب حال ق
دیکھے تماشے میں نے جو ملک وجود کے

اک دن وہ تھا کہ ٹوٹے نہ تھے دانت دودھ کے
پھر یہ ہوا گزرنے لگے کھیل کود کے

اب ہے یہ حال عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

ہم قریب مرگ جن کے عشق میں غم سے ہوئے
دیکھ کر ہم کو وہ اور الٹے خفا ہم سے ہوئے

شانہ ساں گستاخ کب ہم زلف پرخم سے ہوئے
ہو کے برہم اس قدرتم روجوتم ہم سے ہوئے

دیکھ کر گلشن میں اس روئے عرق آلود کو
لالہ وگل غرق آب شرم شبنم سے ہوئے

فتنہ اے دستار تیرے آگے گیا مارے گا دم
سینکڑوں فتنے یہاں پیدا ترے دم سے ہوئے

عشق میں مرہم گئے لیکن کبھی اے چارہ گر
زخم دل اپنے ذرا واقف نہ مرہم سے ہوئے

باغ میں اس سروقد بن کیا ہوا ماتم کدہ !
نخل بھی معلوم مجھ کو نخل ماتم سے ہوئے

کیا ہوا اگرچہ فرشتوں سے ہوئی اک بندگی
کام پر سارے خدائی کے تو آدم سے ہوئے

یہ غضب دیکھو نہیں وہ بھی ہمیں کہتے بھلا
واسطے جن کے برے ہم ایک عالم سے ہوئے

آتش غم دل میں بھڑکی ہے وہی اشک ظفر
کہتے ہیں دریا رواں کو چشم پرنم سے ہوئے

گر توڑ کے دل نالہ مرا تڑ سے نکل جائے
تو پار فلک کے یہ ابھی سڑ سے نکل جائے

ابرو ترا وہ تیغ و پسر مر دمک چشم
رستم کا بھی دم جن کی اک اوجھڑ سے نکل جائے

رکھتی ہے اثر سب کی دعا کام ہمارا
صوفی سے نکل آئے کہ جھگڑے سے نکل جائے

وہ عشق نے ڈالی ہے رسن میرے گلو میں
جس وقت کہ دھڑ کھینچے تو سر دھڑ سے نکل جائے

بھاگے ترا دیوانہ اگر جانب صحرا
دل بیں قدم آگے وہ جھکڑ سے نکل جائے

سودائے سر زلف کا اخراج ہے مشکل
یہ مادہ ایسا نہیں جو جڑ سے نکل جائے

تڑپے جو سر خاک ظفر عاشق بے تاب
مل جائے زمیں کوہ اکھڑ جڑ سے نکل جائے

قامت یار کی جب رعنائی
یاد آئی تو قیامت آئی !

زلف سے کیا تھا سروکار اسے
دل کو ہونا تھا مگر سودائی

حسن کے واسطے شہرت درکار
عشق کو چاہیے ہے رسوائی

دل جو الجھے تو اسے سلجھاؤ
زلف سلجھائی تو کیا سلجھائی

جنبش دامن مژگاں نے تری
دل کی آگ اور سوا بھڑکائی

تم نہ آئے سر بالیں افسوس
اور مری جان لبوں پر آئی

دل بیتاب کو ٹھہرائیں گے ہم
تم نے آنے کی اگر ٹھہرائی

دیکھ اندوہ کا دل پر انبوہ
اے ظفر جان بہت گھبرائی

عشق میں ظاہر گو کہ نہیں یہ تیرا مائل رہتا ہے
لیکن اٹھا وہ دود ہے دل میں جس سے سدا رہتا ہے

خون کی بوندیں ہیں جو ٹپکی چشم حلقہ جوہر سے
دیکھ کے اپنے بسمل کو کیا خنجر قاتل رہتا ہے

ہوتے ہیں اشک گرم سے پیدا آبلے جائے چھالوں کے
بیٹھ کے تیرا سوختہ جاں یہ جب کب ساحل رہتا ہے

دیر نہ کر بھرے سے پیالہ دیکھ تو ابر بہاری کو
جان کو تیری کب سے یہ اے ساقی محفل رہتا ہے

اشک کے دریا جس نے بہائے اور نہ بجھائی سوزش دل
رونے سے کیا حاصل اس کے وہ لاحاصل رہتا ہے

ہاتھ میں جس کے تیرا دامن آ کر قاتل چھوٹ گیا
ہائے پھر اپنے نصیبوں کو وہ کیا کیا بسمل رہتا ہے

پونچھ کبھی تو اشک ظفر کے قاتل اپنے دامن سے
آٹھ پہر وہ غم میں تیرے اے حور شمائل رہتا ہے

یہ جو تیزی تیری اے بیداد گر خنجر میں ہے
کچھ تو تھوڑی سی تاثیر نظر خنجر میں ہے

کام کیا قاتل ہمیں جب مر گئے ہم تشنہ کا
آب آب زندگی تیرے اگر خنجر میں ہے

کون ہمسر ہو سکے اس ابروئے خمدار سے
دم نہ اتنا تیغ میں نے اس قدر خنجر میں ہے

جام تجھ بن تشنہ خوں سے ہمارا ساقیا
شکل موج بادہ ملتی پیشتر خنجر میں ہے

تیر ہو اک زخم کھا کر کیا دل پر آرزو
تازہ اک لذت تری مژگاں کے ہر خنجر میں ہے

ہے سوزش خاطر سفاک میں کلفت کہاں
رنگ نے اپنا دکھایا یہ اثر خنجر میں ہے

میں وہ بسمل ہوں کہ جس کو دیکھ کر آب خونفشاں
حلقہ جوہر بہ رنگ چشم تر خنجر میں ہے

دیکھیے صید محبت پر بھی ہے کیا وقت ذبح
شوق میں تیری ادھر کندی ادھر خنجر میں ہے

رنج دے ہے دست و بازو کو زیادہ کیوں وہ شوخ
کام آخر ایک ہی یاں اے ظفر خنجر میں ہے

کسی سے دل جو اے ہمدم لگا ہے !
تو دل کو ایک گویا غم لگا ہے

بجز تیزاب آب تیغ قاتل !
مرے زخموں پہ کب مرہم لگا ہے

ترا جس دن سے عالم میں نے دیکھا
مجھے بھی دیکھنے عالم لگا ہے

ذرا تھمتا نہیں تیرا جو رونا
تجھے کیا روگ چشم نم لگا ہے

پلا آب دم خنجر کہ قاتل
پھڑکنے پیاس سے یاں دم لگا ہے

نہیں ہے تجھ کو اے دل قدر ورنہ
ترے ہاتھ اک نگین جم لگا ہے

نہ پھیلا پاؤں اس منزل میں غافل
کہ سر پہ کوچ یاں ہر دم لگا ہے

لگائے ہے جو وہ اک اور شمشیر !
ارے کیا زخم پہلے کم لگا ہے

ظفر تم طائر دل کو بچاؤ
کہ دام کاکل پرخم لگا ہے

نہیں ستاروں سے پر چرخِ پیر کی جھولی !
بھری ہے کوڑیوں سے اس فقیر کی جھولی

جواب نامہ گر اس بے ہمر سے لے آئے !
تو زر سے میں ابھی بھر دوں سفیر کی جھولی

خدا بچائے نظر سے گرسنہ چشموں کے
کہ تاکتے ہیں گدا بھی فقیر کی جھولی

ہجومِ پارۂ دل نے بھری ہے زنداں میں
گلوں سے اس ترے غم کے اسیر کی جھولی

چلے ہو کھیلنے ہولی تم آج کس کے ساتھ
بھری جو تم نے گلال اور عبیر سے جھولی

کھچے پلنگ سے بہتر ہے تیرے اے منعم
وہ چارپائی کسی گوشہ گیر کی جھولی

ظفر گدائی میں کیا کام ہے تکلف کا
نہیں فقیر کو زیبا حریر کی جھولی !

تھی جہاں مہر و وفا واں بے وفائی رہ گئی
آشنائی ہو چکی ، نا آشنائی رہ گئی

صاف ہیں مثلِ آئینہ دل میں غبار
ہے پری رویوں کی دیکھو کیا صفائی رہ گئی

جب دمِ اظہارِ مطلب تم ہوئے چیں بر جبیں
بات تھی جو دل کی وہ لب پر نہ آئی رہ گئی

لاش پر بھی میرے قاتل نے کئے ہاتھ اپنے صاف
تھی مگر کچھ خواہشِ تیغ آزمائی رہ گئی

دین و ایماں دے چکے جب اس بتِ بدمست کو
حضرتِ دل پھر کہاں کی پارسائی رہ گئی

وصل کی شب بھی نہ آئے گا مرے دل کو قرار
یاد گر بے تابیِ روزِ جدائی رہ گئی

تیری صورت اے بتِ کافر ہے وہ نامِ خدا
دیکھ کر حیران تجھے ساری خدائی رہ گئی

ہاتھ ہم نے پاؤں کو ان کے لگایا تو سہی
لیکن اس پر ہوتے ہوتے ہاتھا پائی رہ گئی

صلح اپنی یوں تو سب سے ہے نہیں کوئی عدو
ہاں مگر اک نفسِ سرکش سے لڑائی رہ گئی

مر گئے آخر پھڑک کر دام سے چھوٹے نہ ہم
دل کی دل ہی میں تمنائے رہائی رہ گئی

نیک و بد کوئی نہ دنیا میں رہا لیکن ظفر
یا بھلائی رہ گئی کچھ یا برائی رہ گئی

دیکھئے کیوں کر کاٹیں گے ہم وہ دن گن گن سختی کے
ہم کو پہاڑ اے سنگیں دل ہیں ہجر میں یہ دن سختی کے

روز ہیں کیا کیا سخت مصیبت روز ہیں کیا کیا سخت بلا
تیرے سختی کش نہیں اب تک شاکی لیکن سختی کے

منہ پر طمانچے طعن و بلا جب دل پہ ہے صدمہ دردِ نہاں
ہم بھی سہنے والے ہیں کیا ظاہر و باطن سختی کے

زلف تری وہ سخت بلا ہے سلسلہ ہیں یہ اس کے روا
جو ہیں سرکش ان سے نکلے کام نہیں بن سختی ہے

کیا ہے تعجب سخت کماں سے تیر اگرچہ کاری ہو شیشہ
یعنی نازک دل متحمل ہوں کیا ممکن سختی کے

سنگ سے دور ہی بہتر تھیں گئی اور ٹوٹ گیا

پکڑے ہے دل کو سخت جو اٹکا کافر پنجہ مژگاں میں
سیکھے ڈھب یہ کس سے ظفر وہ چشمِ معلمِ سختی کے

ہم تصور سے ہیں یاں اس گلبدن کو دیکھتے
یار سب پھرتے ہیں گلہائے چمن کو دیکھتے

وہ لگا کر تیر جب راہی ہوا ہم رہ گئے
دیدہ حسرت سے اس ناوک فگن کو دیکھتے

پھر چمن میں سینہ مجروح کے آئی بہار
تازہ ہم ہیں ہر گل زخم کہن کو دیکھتے

موجزن آتا نظر ہے سربسر دریائے حسن
ہیں جو ہم اس رخ پہ زلف پر شکن کو دیکھتے

ان دنوں جوبن جو ہے ان پر تو کس کس ناز سے
راہ میں چلتے ہیں وہ اپنی پھبن کو دیکھتے

لالہ وگل خاک میں کیا کیا نہ م لتے رشک سے
گر شہیدوں کے ترے پر خود کفن کو دیکھتے

وہ پری رو کر دکھا دیتی ذرا صورت مجھے
ہم لٹیں تو پھر مرے دیوانہ پن کو دیکھتے

خود کسی کا تو پیا سوفار تیر یار نے
ہے صریحا سرخ ہم اس کے دہن کو دیکھتے

جاں کنی ہم بھی دکھاتے عشق میں گر اے ظفر
کرتے کیا کیا منفعل پھر کوہکن کو دیکھتے !

دل ہے سوز غم کی خاطر چشم رونے کے لئے
گھر جلانے کو ہے یہ وہ گھر ڈبونے کے لئے

تھیں یہ آنکھیں مائل نظارہ ہونے کے لئے
یا غم دلدار میں دن رات رونے کے لئے

منزل ہستی سے بے آرام ہونے کے لئے
یاں نہ سو کنج عدم ہے خوب سونے کے لئے

حاضر اے کان ملاحت پارہ دل ہیں مرے
چاہئے گر پھول بالوں میں پرونے کے لئے

قصر شیریں واسطے خسرو کے ہووے عیش گاہ
کوہکن اے عشق ہو پتھر ہیڑھونے کے لئے

جل گیا برق ستم سے خرمن الفت تمام
ایک دانہ بھی رہا باقی نہ بونے کے لئے

فائدہ کیا پائے گا پروانہ مل کر شمع سے
جا کے گر جاتا ہے اپنی جان کھونے کے لئے

تیر مژگاں نے کئے ہیں ظالم دیکھ تو
نیشتر کیا کیا مرے دل میں چبھونے کے لئے

اے ظفر اشک ندامت سے نہیں بہتر مجھے
آب رحمت داغ عصیاں اپنے دھونے کے لئے

دنیا کی ہیں یوں اہل ہوس چاٹ سے لپٹے
جوں شہد سے ہوں مورو مگس چاٹ سے لپٹے

شیریں سخن یار تری وہ ہے کہ تو نے
لپٹایا اگر ایک کو اس چاٹ سے لپٹے

جو خوب ہے شے ووہی ہے مرغوب محبت
بھنورا نہ بجز گل مرغس چاٹ سے لپٹے

کچھ لعنت دھیا کی حلاوت کو نہ پوچھو
ہیں اس کے سبھی ناکس وکس چاٹ سے لپٹے

لپٹے کوئی کیا تلخ کلاموں سے جہاں میں
پائے جو ذرلات میں اس چاٹ سے لپٹے

تو کیا ہے اگر دانہ اسیری ک مزے سے
سب دانے ہیں اے مرغ قفس چاٹ سے لپٹے

الفت کی ظفر چاٹ پہ اس نے جو لگایا
ہم بھی رہے دو چار برس چاٹ سے لپٹے

دل ہے جو درد آشنا یہ بھی کیا اسی نے ہے
جاں جو ہے غم میں مبتلا یہ بھی کیا اسی نے ہے

ہو کے دلیر جو عدو کرتا ہے مجھ سے گفتگو
میں بھی ہوں خوب جانتا یہ بھی کیا اسی نے ہے

پہلے کرم تھا اب ستم پر نہیں کرتے شکوہ ہم
وہ بھی کیا اسی نے تھا یہ بھی کیا اسی نے ہے

کس کو ہے تاب اس قدر دل میں ترے کرے اثر
نالہ دل کو مرحبا یہ بھی کیا اسی نے ہے

دل جو مرا رفیق تھا ہوتا نہ تھا کبھی جدا
اب جو الگ وہ ہو گیا یہ بھی کیا اسی نے ہے

کوئی کرے تصور واں وہ ہے مجھ سے بدگماں
کہتا ہے سب سے برملا یہ بھی کیا اسی نے ہے

کرتا تھا شاد وصل سے اپنے جو اے ظفر مجھے
ہجر میں حال اب مرا یہ بھی کیا اسی نے ہے

ترے جو رخ پہ خط مشک فام اوپر ہے
تو دیکھتا ہوں سحر نیچے شام اوپر ہے

بدل کے دیجیو سرنامہ خط اے قاصد
خفا نہ ہو کہ لکھا میرا نام اوپر ہے

جو نکلے زلف سے تو ڈر ہے دل کو کاکل کا
وہاں تو دام کے اک اور دام اوپر ہے

بھری ہوئی ہے مے عشق شیشہ دل میں
جو مہر داغ سے اس کے مدام اوپر ہے

چڑھائے کیوں نہ مرا سرِ سناں پہ اے قاتل
کہ میرا سب شہدا سے مقام اوپر ہے

وہ یوں ہے بام پہ جیسے فلک پہ عید کا چاند
بجا ہے گر نظر خاص و عام اوپر ہے

بغیر مے نہیں ہوتی فرد گلو سے گزک
ظفر اک اس کے تو درکار جام اوپر ہے

جلد آ کے اس سے کہہ دو کہ دنیا سے ہم چلے
اٹھکیلوں سے اب تو نہ گن گن قدم چلے

محفل سے تیر اٹھ کے جو ہم صبحدم چلے
مانند شمع داغ بدل چشم نم چلے

دیوانے تیرے قید سے ہستی کے چھوٹ کر
کیا با فراغ جانب دشت عدم چلے

قبلہ ہو تیرا در تو کریں سر نہ ہم ادھر
پر کیا کریں جو دل پہ نہ بس اے صنم چلے

کیا اٹھ کے چل سکے ترا بیمار ناتواں
جس کا کہ دم بھی ضعف سے لے لے کے دم چلے

جوں شانہ اس کی زلف سے کھینچا نہ ہم نے ہاتھ
سر پر اگرچہ آرہ جو رو ستم چلے

لکھوں جو حال اس کی رکاوٹ کا میں کبھی
امکان کیا کہ ہاتھ سے میرے قلم چلے

کیا جانے راہ عشق کی تکلیف بوالہوس
معلوم ہو جو ساتھ مرے دو قدم چلے

کیا کیجیے روا نہ ظفر فوج اشک کو
جب تک کہ نالہ ساتھ نہ لے کر علم چلے

وہ ناتواں ہوں یار اگر آئے سامنے
مژگاں اس کی صف نظر کو ہو دیوار سامنے

جب ہو گئے وہ ابروئے خم دار سامنے
دی پھینک اپنے ہاتھ سے تلوار سامنے

کرتے ہوئے قتل جرم وفا پر اگر مجھے
تو دیر کیا کہ ہے یہ گنہ گار سامنے

دیکھا جو اس کو گرم غضب کا بنا ہوا
بھاگا نہ ٹھہرا مہر پر انوار سامنے

گلدستہ اپنے پیش نظر کوئی ہو نہ ہو !
لیکن ہوں یار کے گل رخسار سامنے

قاصد جو وہ خفا ہو تو لے کر مری خبر
تو جائیو نہ اس کے خنجر دار سامنے

جو مرد جانتے ہیں کہ دنیا ہے فاحشہ
کہتے ہیں وہ نہ آئے یہ مردار سامنے

حیراں ہوں آئے میں وہ جوہر ہے کون سا
جائے ہے جس سے یار کے سو بار سامنے

یہ چشم اشکبار وہ طوفاں ہیں ظفر
آئے نہ جس کے ابر گہر بار سامنے !

صاف ہوں میں پاک ہو صاف تم کو چاہئے
اپنے دل میں آپ یہ انصاف تم کو چاہئے

داغ ہیں سینے میں میرے غم کے سب کے بے ورم
پر نظر یک ذرہ ہے صراف تم کو چاہئے

جانتا ہوں میں کے مجنوں سے جو تم نے سلوک
عشق میرے روبرو کیا لاف تم کو چاہئے

زاہد و ہم اور وہ کوچہ سلامت تم کو ہو
یہ بہشت و دوزخ و اعراف تم کو چاہئے

کیونکہ ہم سے سیدھے سادھوں سے بنے کب آ پکی
جیسے تم حراف ہو حراف تم کو چاہئے

آسماں حاضر کرے لاکر خطوط مہر کو
گر زری کا مہر وش سو باف تم کو چاہئے

اس پری کے عشق میں ہم ہوں اگر دیوانہ وار
اے ظفر تو سیر کوہ قاف تم کو چاہئے

خاکساری کر کر روشن اس سے دل ہو جائے ہے
خاک وہ شے ہے کہ دیکھ آئینے کو چمکائے ہے

اے صبا ہوں بلبل تصویر مجھ کو کیا خبر
کب بہار آتی ہے گلشن میں خزاں کب جائے ہے

تم وہاں چلہ چڑھاتے ہو کماں پہ اور یاں !
کوئی صید عشق ہو کر مضطرب چلائے ہے

کاہے کو میری سمجھ میں آئے گی ناصح کی بات
ہے وہ دیوانہ کہ جو دیوار کو سمجھائے ہے

دل کا مشکل ہے نکلنا آ کے تیرے پیچ میں
سلجھے ہے کاکل سے تو زلفوں میں ہی تو الجھائے ہے

اشکباری سے مری ہوتا ہے شعلہ بار در
ہے یہ آتش کیا بلا پانی جسے بھڑکائے ہے

رہنما ہوتا ہے جس کا عشق اس کو اے ظفر
رفتہ رفتہ منزل مقصود تک پہنچائے ہے

نہ کیونکر نوکِ مژہ یار کی نظر میں چبھے !
یہ پھانس وہ ہے کہ جو بن لگے جگر میں چبھے

کرے نہ بستر گل پر وہ نازنیں آرام !
وزا بھی تارک رگ گل اگر کمر میں چبھے

نہ ہو علاج پذیر اس نگاہ کا ناسور
وہ نیش زہر بھرا گر دل بشر میں چبھے

خلش ہے اس سرمژگاں کے آہ بھر بھر کر
کبوں میں کیا کہ جو نرمی سے میرے بر میں چبھے

یہ نار خنج نہیں منزل محبت میں
چلی تھی سر کے جو بل خنج خار سر میں چبھے

خلش ہے نیش محبت کے کام کیا تجھ کو
کہ بیثتر نہ کبھی سنگدل حجر میں چبھے

الجھ نہ کان کے بالے سے اس طرح اے زلف
کہ گوئج بالے کی رخسار سیمبر میں چبھے

خیال سنگدلی میں ترے نہ آیا خواب
کہ قطرے اشک کے کنکر سے چشم تر میں چبھے

دکھائی وت نے وہ یک بار جنبش مژگاں
تو آہ کتنے ہیں نشتر دل ظفر میں چبھے

اگر دل صاف ہو اور تو بھی دل سے آشنا ہووے
تو دل کا آئینہ پھر دیکھ کیا صورت نما ہووے

تری جب بیوفائی پر دل اپنا مبتلا ہووے
اگر تجھ میں وفا ہووے تو پھر کیا جانے کیا ہووے

خدا ناخواستہ ناخوش کسی سے تو ہوا کافر
کہ جس سے تو خفا ہو زندگی سے وہ خفا ہووے

ابھی کھل جائے دم میں ہستی موہوم کا عقدہ
حباب آسا ذرا اگر تغافلوں کی چشم وا ہووے

ترے دیوان کو تجھ بن جو گھر ہو خانہ زنداں میں
تو ہر موج سرشک چشم تر زنجیر پا ہووے

اگے کیا خاک اس کی خاک سے جو نرگس شہلا
لگائے منہ نہ وہ سرِ ساغرِ آب بقا ہووے

تر جو تشنہ آب دم خنجر ہو اے قاتل
نہ میں اس سے جدا ہوں اور نہ وہ مجھ سے جدا ہووے
مثال موج و دریا مجھ میں اس میں آشنائی ہے

ظفر جس کو تمنا ہو حیات جاودانی کی
فنا ہونے سے اس کو چاہئے پہلے فنا ہووے

کیا ہے بے خبر دل کو خبرداری بہت سی کی
ہوئے ہیں ہوش گم ہو چند ہشیاری بہت سی کی

اگرچہ لے کے دل تو نے دل آزادی بہت سی کی
تری اس پر بھی ہم نے نازبرداری بہت سی کی

غلط سمجھے تجھے عیار اپنا یار ہم سمجھے
کہ یاری تو نے کی تھوڑی سی عیاری بہت سی کی

ہماری چشم گریاں کی نہ پہنچا در فشانی کو
اگرچہ ابر نیساں نے گہر باری بہت سی کی

فروغ اصلا نہ پایا روبرو اس ماہ طلعت کے
مہ کنعاں نے اپنی گرم بازاری بہت سی کی

نہ دیکھی جام مے میں تیری آنکھوں کی سی کیفیت
اگرچہ میکدوں میں ہم نے میخواری بہت سی کی

مزا ہے گر رہے بیمار تیری نرگس فتاں
کہ ہے اس فتنہ گر نے مردم آزاری بہت سی کی

نہ آیا حرف شکوہ جب زباں پر سادہ لوحوں کے
تو اس نے اور بھی مشق ستمگاری بہت سی کی

مزا دیکھیں ملے گی کیا ظفر روز قیامت کو
کہ ہم نے آکے دنیا میں گنہگاری بہت سی کی

بوند آنسو کی جو عاشق کی مژہ سے گر جائے
ابر نیساں کی جھڑی سب کی نگہ سے گر جائے

چمکے موباف زری کا تری چوٹی میں جو برق !
ہو یہ مضطر کہ نکل ابر سیہ سے گر جائے

جانے یہ خلق کہ ٹوٹا ہے فلک سے تارا
کوئی موتی اگر اس مہ کے گلے سے گر جائے

ہوں وہ افتادہ کہ گر خاک سے میری دیوار
اٹھے تو اٹھتے ہی دو چار جگہ سے گر جائے

فوج مژگاں ہو اگر تیری صف آرائے جنگ
خود بخود تیغ وہاں دست سپہ سے گر جائے

لگ چلا مہر سے بہت میری طرح سے نہ کہیں
آئینہ بھی نظر غیرت مہ سے گر جائے

گزرے اے شانہ ہم اس عقدہ کشائی سے تری
دل نہ کھل کر گرہ زلف سیہ سے گر جائے

وہ گر انبار معاصی ہوں کہ ڈالوں گر بوجھ
ٹوٹ کر چرخ ابھی بار گنہ سے گر جائے

جو ہو اس رستے پہ سیدھا ظفر اس کو ہو قیام
اور جو کوئی پھرے عشق کی رہ سے گر جائے

جو رنگ پاں سے لب یار لال ہو جاوے
تو غرق خون شفق میں ہلال ہو جاوے

بندھے خیال تری زلف کا جسے کافر
جہاں میں زندگی اس کو وبال ہو جاوے

کرے گا ترک نہ ہرگز وہ اپنی طرز خرام
کوئی بلا سے اگر پائمال ہو جاوے

فلک رکھے اس مانند بدر داغ پہ دل
جہاں میں گر کوئی صاحب کمال ہو جاوے

اگر ذرا بھی محبت میں ہو اثر تو بھی !
جو میرا حال ہے وہ اس کا حال ہو جائے

جودوں اسے قدرعنا سے میں ترے تشبیہ
چمن میں سرو لب جو نہال ہو جائے

ظفر دکھاؤں جو آئینہ اس پری رو کو
تو اپنا آپ وہ محو جمال ہو جاوے

گر جھڑی اشکوں کی اے ابر مژہ لگ جائیگی
ایک ڈھیری موتیوں کی ہر جگہ لگ جائے گی

کیا رہے گی چشم میں قدر جواہر سرمہ خاک
ہاتھ اپنے جب تمہاری خاک رہ لگ جائے گی

ماہتابی پہ جو تو دیکھے گا سیر ماہتاب
ماہ کی تجھ کو نظر اے رشک مہ لگ جائے گی

حکم ہو مژگاں کو فتح قلعہ دل کے لئے
اک اشارہ میں ادھر ساری سپاہ لگ جائے گی

دل لگانا میں نہ اس کافر سے گر میں جانتا
جان کے پیچھے بلا زلف سیہ لگا جائے گی

اس کے زخم دل میں کیا مرہم لگائے گا کوئی
جس کے دل پہ یار کی تیغ نگہ لگ جائے گی

کیوں نہ ہو ٹیڑھا ظفر سے تو کہ ہوگا یہ ہی حال
گر کسی کی آنکھ تجھ سے کج کلہ لگ جائے گی

نہ ہو سکتے بیاں ظلم و ستم بسمل سے قاتل کے
کھلے جوہر زبان خنجر قاتل سے قاتل کے

بہایا ہم نے کو دریائے خوں ہر زخم سے اپنے
کدورت دھو سکے لیکن نہ ہرگز دل سے قاتل کے

کوئی ہے چھوٹتا آساں قیامت تک نہ چھوٹے گا
کہ پہنچا خون مرا دامن تلک مشکل سے قاتل کے

وہ بعد از قتل میرے کس لئے رنجیدہ ہوتا ہے
کہ اب کیا فائدہ اس رنج لاحاصل سے قاتل کے

دہن میں ہر جراحت کے نہ جب تک ہو زباں پیدا
ادا ہو شکر احساں کیونکہ اس گھائل سے قاتل کے

نہ لیں عشاق نام عشق اس قتال عالم کا
اگرچہ ہوویں عاشق کیسے ہی قاتل سے قاتل کے

نہیں شمشیر قاتل سے تمنائے شہادت ہے
ظفر مشتاق ہو کر آئیں سو منزل سے قاتل کے

تمیس دن چاند کے وعدے پہ پھراتا ہے مجھے
جب ہوا چاند تو غرہ ہی بتاتا ہے مجھے

روش عود مری گرمی بازار نہ پوچھ !
جس کے میں ہاتھ ہوں بکتا وہ جلاتا ہے مجھے

ضعف سے طاقت جنبش نہیں دل میں لیکن
درد جس وقت کہ اٹھتا ہے اٹھاتا ہے مجھے

ان کو گنوانہ ستارے کہ یہ بے مہری سے
فلک آنکھیں شب فرقت میں دکھاتا ہے مجھے

واعظا سوز محبت سے زیادہ وہ نہیں
تو جو اب آتش دوزخ سے ڈراتا ہے مجھے

ابر باراں کی نمط ہے مری رونی صورت
اور اگر روؤں تو رونا نہیں بھاتا ہے مجھے

اک ذرا بیٹھے تم ہو روش نقش قدم
دیکھوں اس کوچے سے پھر کون اٹھاتا ہے مجھے

نہ تو دانہ ہوں نہ میں قطرہ باراں یا رب
کس لئے خاک میں یہ چرخ ملاتا ہے مجھے

آپ سے میں نہیں جاتا ظفر اس کوچے میں
کیا کروں یہ دل مضطر لئے جاتا ہے مجھے

لکھ کے حال اپنا انہیں بھی بات اپنے ہاتھ سے
کھوئی ہم نے آپ اپنی بات اپنے ہاتھ سے

چھیڑ کر اس زلف کو لیتے ہیں اپنے سر پہ ہم
اک بلا کیا کتنی ہی آفات اپنے ہاتھ سے

گرم کر کے رکھ دیا چھلے کو میرے ہاتھ پر
واہ آ کر خوب دی سوغات اپنے ہاتھ سے

یا جگر کاوی ہے یا سینہ خراشی اپنا شغل
کام ہوتے ہی یہی دن رات اپنے ہاتھ سے

کیوں کیا آزردہ ہاتھ ان کے لگا کر پاؤں کو
ہم نے تقصیر اپنی کی اثبات اپنے ہاتھ سے

سونپ اوروں کے نہ ہاتھوں کر وہ کیا دینگے خاک
ہو سکے تو کر لے کچھ خیرات اپنے ہاتھ سے

مہرہ شطرنج سال اپنی ظفر ہے کیا بساط
کرتا ہے وہ آپ ہر دومات اپنے ہاتھ سے

نہ کیوں کربات اس کے روبرو اب یوں کی یوں ہووے
جسے منظور ہو یہ گفتگو اب یوں کی یوں ہووے

کبھی تو لب پہ حرف خواہش وصل آوے ہی آوے
نہاں کب تک یہ دل میں آرزو اب یوں کی یوں ہووے

جفا کو چھوڑ کر گرم وفا ہو تو یہ کیا امکاں
مبدل ہو کے ظالم تیری خواب یوں کی یوں ہووے

خودی کو کھو خدا کو پا کر اس کو تو وہی پاوے
جسے معلوم راہ جستجو اب یوں کی یوں ہووے

ادھر کی ہوا اگر دنیا ادھر لیکن نہ ہو ہرگز
اگر تقدیر اپنی الٹی تو اب یوں کی یوں ہووے

کبھی تو اس کے دامن تک ہی پہنچا خاک کو میری
صبا برباد کب تک کو بکو اب یوں کی یوں ہووے

اگر تم قیمت یک بوسہ پر اس کی گراں سمجھے !
تو واپس جنس دل اے ماہرو سب یو کی یوں ہووے

دل صد چاک کا سینہ ہے چاک جیب سے بہتر
مناسب ہے کہ تدبیر رفو اب یوں کی یوں ہووے

گرے گر دیکھ کر وہ چشم صوفی وجد مستانہ
تماشا ہو ظفر جب ہاو ہو اب یوں کی یوں ہووے

خم وافتادہ دیکھے ان کو ہوا ہم کو یقیں یوں ہے
رکوع و سجدہ حق میں فلک یوں ہے زمیں یوں ہے

کوئی بھی آپ سے رہتا بھلا مدو نگیں یوں ہے
کروں میں کیا کہ قسمت میں مری اے ہمنشیں یوں ہے

جو ہیں اہل سخاوت پہ عتاب اصلا نہیں ہوتے
غضب ہے کیا کہ بحر موجزن چیں بر جبیں یوں ہے

اسے چھیڑا صبا نے کوئی پوچھے کیا کیا ہم نے
ہوئی برہم جو ہم سے تیری زلف عنبریں یوں ہے

نہ کر جانے کی جلدی جائیو جاناں کو آنے دے
اگر تیرا ارادہ آج اے جان حزیں یوں ہے !

بھلا انصاف کر قاتل کہ میری طرح بھی کوئی
سر اپنا آپ رکھ دیتا تہ شمشیر کیں یوں ہے

تجھے معلوم کیا ہے کیا نہیں کیا ہے مقدر میں
تو اپنی عقل سے بیٹھا کہا کر یوں نہیں یوں ہے

برنگ نقش پا ہم مرمٹیں گے پر نہ اٹھیں گے
ترے کوچے کی پکڑی اب تو ہم نے بھی زمیں یوں ہے

اگرچہ نالہ کش بلبل تو گل کا چاک ہے سینہ
ظفر عالم محبت کا کہیں یوں ہے کہیں یوں ہے

عنقا کی بھی اگرچہ خبر پائی جائے گی !
لیکن کبھی نہ اس کی کمر پائی جائے گی

گلگشت کو چمن میں اگر آئے گا وہ گل
بو اس کی کچھ تو باد سحر پائی جائے گی

ہو جائیں گے جو سیدھے مرے بخت واژگوں
سیدھی ہمیشہ ان کی نظر پائی جائے گی

پائے گا میرا اشک جہاں قدر پھر وہاں
کیا خاک آبروئے گہر پائی جائے گی

پائی اگر نہ عشق میں تلخی تو اس میں کیا
شیرینی نبات و شکر پائی جائے گی

ہنستا ہے کیا کہ ہنستے ہی ہنستے تو دیکھنا
ہستی تری نہ مثل شرر پائی جائے گی

پھر ڈھونڈتا پھرے گا نہ کھو دل کو رائیگاں
گم ہو کے جنس یہ نہ ظفر پائی جائے گی !

ترے زخمی سے کہتا چارہ گر یوں تھا سنا یوں ہے
کہ پہلے تو نہ شق تیرا جگر یوں تھا سنا یوں ہے

مری قسمت ہے باز آیا مرے تو قتل سے ورنہ
ارادہ آج تیرا فتنہ گر یوں تھا سنا یوں ہے

پریشاں حال دیکھا ہم کو تیرے عشق میں سب نے
بھلا مجنوں کہاں آشفتہ سر یوں تھا سنا یوں ہے

لگے کیوں رکنے آنسو سے بہاتے کیوں نہیں دریا
تجھے منظور تو اے چشم تر یوں تھا سنا یوں ہے

نہ یوں باور نہ یوں باور خدا جانے کہ ہے کیونکر
کہوں میں کیا کہ حال اے نامہ بر یوں تھا سنا یوں ہے

نہ ہوتا اس سے گر جرم وفا تو قتل کیوں ہوتا
وہ کہتا میرا لاشہ دیکھ کر یوں تھا سنا یوں ہے

خدا جانے ہوا اب کیا جو اس نے پھیر لیں آنکھیں
کہ پہلے تو نہیں مدنظر یوں تھا سنا یوں ہے

وہ آوے یا نہ آوے پر کہا تھا رات آنے کو
کیا اقرار تو اس نے سحر یوں تھا سنا یوں ہے

دل ان کی زلف سے الجھا وہ ہم سے اس لئے الجھے
یہ قصہ فی الحقیقت اے ظفر یوں تھا سنا یوں ہے

کیا عجب پھولوں کی بدھی گر کمر پر بوجھ ہے
ناز کی سے ایک گل بھی اس کے سر پر بوجھ ہے

کثرت نعمت بھی منعم کو کرے ہے زیر بار
دیکھ جوش بار شاخ بارور پر بوجھ ہے

وہ گر انبار الم ہوں میں کہ بعد از مرگ بھی
گر دمیری خاطر بار سحر پر بوجھ ہے

گر اٹھا رہے تو بڑا احساں کرے اے تیغ یار
سر پہ دوش عاشق خستہ جگر پر بوجھ ہے

آسماں کو بھی ہوئی اس کے اٹھانے کی نہ تاب
واہ کمبختی کہ ڈالا وہ بشر پر بوجھ ہے

احمقوں کو گو کہ دنیا نے دیا ظاہر وقار
فی الحقیقت پر وہ لاوا گاؤ خر پر بوجھ ہے

حق محبت کا ظفر ہوتا نہیں جب تک ادا
سنگدل گویا دل و جان بشر پر بوجھ ہے

گزرتا رنج یاں کیا کیا نہیں ہے !
تجھے کچھ بھی خبر ہے یا نہیں ہے

جو یہ سچ ہے کہ دل کو دل سے ہے راہ
تو قاصد کی بھی کچھ پروا نہیں ہے

نہ کر تو خانہ دل کی خرابی
کہ گھر تیرا ہے یہ میرا نہیں ہے

نہ پوچھا درد دل جو تو نے بے درد
یہ بے رحمی ہے استغنا نہیں ہے

پھرا قاصد مرا کیوں واں سے الٹا
نصیب گر مرا الٹا نہیں ہے

مرا دل اڑ کے پہنچے پاس تیرے
مگر بے پر ہے اڑ سکتا نہیں ہے

بھلائی کر کہ تیرا بھی بھلا ہو !
برائی کا ثمر اچھا نہیں ہے

نہیں احوال میرا کس کو معلوم
مگر تجھ سے کوئی کہتا نہیں ہے

رقیبوں کی شرارت ہے وگرنہ
ظفر وہ شعلہ خو ایسا نہیں ہے

کیا وہ آپ نے ہم سے بیاں کیا تھا ہوا کیا ہے
کرو تم یاد قرار زباں کیا تھا ہوا کیا ہے

بہا دریائے خوں جاتا تھا قطرہ کوئی ٹپکے گا
تصور ہم کو چشم خونفشاں کیا تھا ہوا کیا ہے

یہ جاتا تھا کرے گا تو وفا پر کی جفا تو نے
ارے ظالم ہمیں تجھ سے گماں کیا تھا ہوا کیا ہے

تجھے تھا ساتھ جاتا وہ گیا تو رہ گئے تنہا
ارادہ تیرا جان ناتواں کیا تھا ہوا کیا ہے

تمنا تھی جواب خط کی قاصد کے کئے پرزے
ستم ہے مطلب دل میر جاں کیا تھا ہوا کیا ہے

جلا کرتا تھا دل یا جان بھی جلنے لگی دیکھو !
کر میرے سینے میں سوز نہاں کیا تھا ہوا کیا ہے

گیا وہ سو کر فکر کمر میں گم ہے تو اے دل
کہاں تھا کون تھا کیا تھا میاں کیا تھا ہوا کیا ہے

ملا تھا خاک میں کون آگے اب ہے کس کی بربادی
نہیں معلوم زیر آسماں کیا تھا ہوا کیا ہے

اگر ہم جانتے ایسا نہ دیتے دل ظفر اس کو
کہیں کیا ہم نے سوچا مہرباں کیا تھا ہوا کیا ہے

اشک خود بہہ کر جوشب مژگان تر سے تھے چلے
سینکڑوں نالے مرے خون جگر سے تھے چلے

خط مرا پہنچا رسید آئی مگر ہے یہ خطر
ذکر کچھ بے ڈھب مرے واں نامہ بر سے تھے چلے

گر کسی کے قتل پر تم نے کمر باندھی نہ تھی
باندھ کر تلوار کیوں اپنی کمر سے تھے چلے

کونچے کٹواتے اگر اس کوچے میں رکھتے قدم
سر کٹانے کی ہوس تھی ہم جو سر سے تھے چلے

ایک آہو کیا ہزاروں دشت میں تیر نیاں
بھاگ گر ظالم ترے وحشی کے ڈر سے تھے چلے

اے کمال ابرو ہوا کیا جانے دل کس کا ہدف
تیر کتنے متصل تیری نظر سے تھے چلے

دیکھتا اس وقت کوئی حال میرا اے ظفر
جب وہ رخصت ہو کے مجھ سے میرے گھر سے تھے چلے

بھرا ہے اشک کا سینے کے داغ میں پانی !
بھرا ہے تیل کی جا اس چراغ میں پانی

عرق سے ہو رخ تو خط یہ کس روش پہ بہار
کرے ہے سبزے کو سیراب باغ میں پانی

ہم اٹھا تربت فرہاد وقیس پہ روئے
رہا ہمیشہ رواں کوہ و داغ میں پانی

نشے میں جان کے بیہوش مجھ کو ساقی بزم
عوض شراب کے دے ہے ایاغ میں پانی

گئی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے
بجھی نہ آگ پڑا کو اجاغ میں پانی

ہوا ہمیں تو یہ ظاہر نزول باراں سے
کہ نزلے سے ہے فلک کے دماغ میں پانی

ظفر مزار سے و میکدہ سے بہتر ہے
اگر نصیب ہو کنج فراغ میں پانی

نہ دائم غم ہے نے عشرت کبھی ویں ہے کبھی ووں ہے
تبدیل یاں ہے ہر ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

گریباں چاک ہوں گا ہے اڑاتا خاک ہوں گا ہے
لئے پھرتی مجھے وحشت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

ابھی ہیں وہ میرے ہمدم ابھی ہو جائیں گے دشمن
نہیں اک وضع پر صحبت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

جو گل شیشہ گریاں ہوں تو مثل جام خنداں ہوں
عجب ہے یاں کی کیفیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کسی وقت اشک ہیں جاری کسی وقت آہ و زاری
غرض حال غم فرقت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کوئی دن ہے بہار گل پھر آخر ہے خزاں بالکل
چمن ہے منزل عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

ظفر اک بات پر دائم وہ ہو وے کس طرح قائم
جو اپنی نائیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

جب تلک دنیا نے ہم سے کچھ برائی کی نہ تھی
ہم کو آگاہی برائی اور بھلائی کی نہ تھی

یہ توقع ہم کو تم سے بیوفائی کی نہ تھی
آشنائی کی تھی ہم نے کچھ برائی کی نہ تھی

تھے مکدر تم ہی ورنہ میرے دل کا آئینہ
بے کدورت تھا اسے حاجت صفائی کی نہ تھی

لگ گیا تھا جن دنوں کنج قفس میں اپنا دل
ہم اے صیاد کچھ پروا رہائی کی نہ تھی

تو نے کس کے دیدہ پر آب سے پونچھے تھے اشک
آج وہ سرخی ترے دست حنائی کی نہ تھی

دل فریبوں میں جو اس نا آشنا کے آ گیا
ایسی کیا آگے کسی سے آشنائی کی نہ تھی

ماہ نو نکلا تھا کیوں کشتی لئے مثل گدا
حسن سے تیرے تمنا گرگدائی کی نہ تھی

جانتے تھے چین سے گزریں گی راتیں وصل کی
ہم نشیں ہم کو خبر روز جدائی کی نہ تھی

زلف اس کی ہم سے بل کرنے لگی ناحق ظفر
ورنہ کوئی وجہ ایسی کج ادائی کی نہ تھی

چھپے ہیں ایسی جگہ وہ جہاں ہوا نہ لگے
اگر خیال بھی جاوے تو واں پتا نہ لگے

بلائے جاں ہے وہ دل اس سے اے خدا نہ لگے
کہ ڈر ہے جان کے پیچھے کہیں بلا نہ لگ

ہوس میں کشتہ مہوس ہوا نہ کچھ حاصل
بجز نصیب کبھی ہاتھ کیمیا نہ لگے

عجب نہیں ہے مرے شعلہ دل سے
کہ آگ رات کو تیری بھی دلربا نہ لگے

تری گلی کے سوا تیرے آستاں کی قسم
اگر بہشت بریں ہو تو جی مرا نہ لگے

دکھا نہ بام پہ ہر شام اپنا جلوہ حسن
کسی کی تجھ کو نظر دیکھ مہ لقا نہ لگے

حذر ہے مجھ سے یہاں تک تجھے کہ اے قاتل
مرے گلے سے تو خنجر جفا نہ لگے

کچھ ایسا رنگ محبت کا ہو کہ خوں مرا
گلے تمہارے کف پا سے اور حنا نہ لگے

کب اس جنبش مژگاں نظر پڑی کہ ظفر
جگر میں نیشتر اپنے ہزار ہا نہ لگے

میری اور مجنوں کی جو تصویر ہے ایک ہی سی ہے
دونوں کی حالت اگر تغیر ہے ایک ہی سی ہے یعنی جو کچھ

بوالہوس ہوں یا ہوں عاشق سب وہاں ہیں ایک سے
عزت و توقیر ہے ایک ہی سی ہے

ایک دل اور ایک جاں دوبار ہو جاتے ہیں جب
ہوتی پھر دونوں میں جو تقریر ہے ایک ہی سی ہے

قتل سب عاشق ہوں گر جرم وفا پر کیا عجب
ان گنہگاروں کی جو تقدیر ہے ایک ہی سی ہے

موم میں کیوں کر کروں دل کو ترے اے سنگدل
آہ و نالہ میں تو جو تاثیر ہے ایک ہی سی ہے

قتل گر منظور ہے میرا تو میرے واسطے
ابروئے قاتل ہے یا شمشیر ہے ایک ہی سی ہے

مرگ میرے درد کا چارہ بتاتے ہیں طبیب
سب کے نزدیک اس کی جو تدبیر ہے ایک ہی سی ہے

دل اسیر غم ہے میرا میں غم دل کا اسیر
پاؤں میں دونوں کے گر زنجیر ہے ایک ہی ہے

ہو گئے جو خاک راہ عشق ان کے سامنے
اے ظفر ہے خاک پا اکسیر ایک ہی سی ہے

جو دل میں بات ہوتی ہے زباں پر وہی ہوتی ہے
اسے ہیں پھیرتے پھر پھر کے ہاں پر وہی ہوتی ہے

کل اس غمزے سے دل تو بچ گیا پر دیکھئے کیا ہو
کہ آفت آج جان ناتواں پر وہی ہوتی ہے

فلک کے آئینہ میں عکس افگن مانگ ہے اس کی
نظر سب آسماں پر کہکشاں پر وہی ہوتی ہے

کہاں ہے مے کہ ساقی سیر دریا کی ہو کیفیت
مجھے تو یاد اس آب رواں پر وہی ہوتی ہے

کہاں ہیں اشک کوئی بوند ہے دل میں جو لہو کی
مری مژگان چشم خونفشاں پر وہی ہوتی ہے

اگر ہو عشق کا دعویٰ تو ساتھ اس کے وفا بھی ہو
کہ دیکھا کام آخر امتحاں پر وہی ہوتی ہے

ظفر میں جانتا ہوں دیکھتے ہیں جس نگاہ سے وہ
کروں کیا میرے ان کے درمیاں پر وہی ہوتی ہے

جو مست شوق یاد چشم مست یار میں جھومے
وہ کیوں بدمست ہو کر خانۂ خمار میں جھومے

جنوں کا وہ نشہ ہے جس کو ہو وہ عمر بھر اپنی
برنگ بید مجنوں وادیٔ پر خار میں جھومے

یہ کچھ دود جگر فرہاد کا ہے جمع اے شیریں
یہ بادل ہے جو ہیں دامن کہسار میں جھومے

یہ کس کا جلوہ مستانہ تھا ایسا سرور افزا
کہ نخل باغ اپنے جوش برگ و بار میں جھومے

کہے کیا کوئی اس سے اور نشے وہ بے خبر کس کی
کہ جوں دن رات بیٹھا نشۂ پندار میں جھومے

خوشی ہے مستوں کی روز حاضر ہوں کئی ہاتھی
کوئی دروازے پر جھومے کوئی بازار میں جھومے

دکھائے گر کرشمہ اپنی چشم مست کا ساقی
ظفر صوفی بھی ہو تو مستی سرشار میں جھومے

عشق کے بندے ہیں ہم مولا ہمارا عشق ہے
جان و ایماں عشق ہے عاشق کا پیارا عشق ہے

عشق کنجی ہے ہزاروں مخزن اسرار کی
کرتا لاکھوں راز پنہاں آشکارا عشق ہے

عشق کے رستے پہ عاشق ہوں نہ محتاج عصا
ان کا رہبر عشق ہے ان کا سہارا عشق ہے

جائے مو نکلے ابھی سے اک صدائے دردناک
بن گیا ہر استخواں بے جسم سارا عشق ہے

سن کے مجنوں کی کہانی نیند آتی ہے مجھے
میری لوری عشق میرا گاہوارا عشق ہے

دل کے کانوں سے سنو فریاد و سازو مری
چھپ کر اس پردے میں یہ کس کو پکارا عشق ہے

سرد مہری پہ ظفر تم عشق کی مت جائیو
رکھتا اس سردی میں آتش کا شرارا عشق ہے

واں کماں ابرو ہے اور ہر موئے مژگاں تیر ہے
یاں ہے کب شکل کماں اور آہ سوزاں تیر ہے

موج رنگ گل مجھے تجھ بن ہے موج خونچکاں
شاخ گل سرتاسر اے رشک گلستاں تیر ہے

کیا کہا اے صید افگن صید ناوک خوردہ نے
جو لب سوفار سے اس طرح خنداں تیر ہے

سرکشوں کو پڑتی ہے آہن دلوں سے احتیاج
دیکھو گر با ور نہیں محتاج پیکاں تیر ہے

جانتا ہے جو حلاوت زخم تیر عشق کی !
نیشکر کی طرح سے کھاتا وہ انساں تیر ہے

سرو گلشن رشک سے اس قدر رعنا کے ترے
سینہ گلشن میں اے سرو خراماں تیر ہے

رات بھر مجھ کو تصور میں ترے ناوک فگن
شعلہ گر پیکاں ہے تو شمع شبستاں تیر ہے

تو بہت پھرتا تھا سرکش کہکشاں نے اس لئے
تاک میں تیرے دیا اے چرخ گرداں تیر ہے

سہتا ہے جی نشانہ دل نہ ہو جاوے کہیں
اے ظفر اس کی نگاہ چشم فتاں تیر ہے

دل میں اک آواز نے از خود نہیں بھڑکا گئی
ہمدمو گرمی دم نائی کی نے میں آ گئی !

تیری چشم مست کی گردش وہ ہے اے م ست ناز
محفل ہشیاروں کی جس کو دیکھ کر چکرا گئی

دل ہوا سوز محبت سے جو سرگرم طپش
شعلہ کانپ اٹھا فقط کیا برق بھی تھرا گئی

خانہ تن سے کرے کیا جاں نکل جانے کا قصد
کیا کرے انبوہ غم وہ دیکھ کر گھبرا گئی

دل کے غارت گر کے ہاتھوں کیا کہوں کیا کیا ہو
دل گیا ور ساتھ دل کے دیں گیا دنیا گئی

سنتا ہے زاہد کا رونا وہ بھلا کب اے ظفر
کان میں جس کے صدائے خندہ مینا گئی

پان کی سرخی نہیں لب پر بت خونخوار کے
لگ گیا ہے خون عاشق منہ کو اس تلوار کے

خال عارض دیکھ لو حلقے میں زلف یار کے
مار مہرہ گر نہ دیکھا ہو دہن میں مار کے

انجم تاباں فلک پر جاتی ہے جس کو خلق
کچھ شرارے ہیں وہ میری آہ آتشبار کے

طوبیٰ جنت سے اس کو کام کیا ہے جو روش
جو کہ ہیں آسودہ سائے میں تری دیوار کے

پوچھتے ہو حال کیا میرا قمار عشق میں !
جھاڑ بیٹھا ہاتھ میں نقد دل و دیں ہار کے

یہ ہوئی تاثیر عشق کوہکن سے سنگ آب
اشک جاری اب تلک چشموں سے ہیں کہسار کے

ہے وہ بے وحدت کہ جو سمجھے ہے کفر و دیں میں فرق
رکھتی ہے تسبیح رشتہ تار سے زنار کے

وعدہ دیدار جو ٹھہرا قیامت پر تو یاں
روز ہوتی ہے قیامت شوق میں دیدار کے

ہوشیاری ہے یہی کچھ ظفر اس سے حذر
دیکھیے جس کو نشے میں بادہ پندار کے

جب تصور قد کا تیرے سروقد بندھ جائے
پھر تو ہر نالہ مرا سولی مجھے دکھلائے ہے

اس قدر ہے ناتوانی سوجگہ لیتا ہے دم
دم مرا جس دم مرے سینے سے لب پر آئے ہے

ہر ترحم چشم کیا ہو ہر مژگاں سے مرے
اس سے ہرے آپ پہ خونناب تر ہر سائے ہیں

محو حیرت ہے برنگ غنچہ تصور دل !
اے صبا ہرگز نہ کھلتا ہے نہ یہ کھلائے ہے

وہ ہے ڈوبے آشنا ہی دیکھتے ہی سب کھڑے
دل مرا چاہ ذقن میں اس کے غوطے کھائے ہے

وقت گریہ اور بھی بھڑکے زیادہ دل کی آگ
آنسوؤں سے چشم تر روغن گر پکائے

گردشیں چشم فلکی کی ظفر ہے وہ بلا !
دیکھ کر جس کو فلک کی عقل بھی چکرائے ہے

جلا دل گرمی سوز جگر پہنچی تو یہ پہنچی !
جگر کر دل کی ہم کو کچھ خبر پہنچی تو یہ پہنچی

نہ بے دردوں سے دل ملتا نہ مجھ کو درد دل ہوتا
اذیت دل کے ہاتھوں سے اگر پہنچی تو یہ پہنچی

گیا اے چارہ گر ہر درد اپنا سر کے جانے سے
دوا ہم کو بہم جو کارگر پہنچی تو یہ پہنچی

جو وہ پردہ نشیں پہونچا دکھاتا حال کیا ہوتا
کہ حالت اپنی اس کی دیکھ کر پہنچی تو یہ پہنچی

گیا دل بھی گئی جس دم نظر اس شوخ کی جانب
پہنچ دونوں گئے پر پیشتر پہنچی تو یہ پہنچی

نہ پہنچا کوئی اپنے پاس پہنچا جب کہ وقت آیا
اجل کو آفریں ہے وقت پر پہنچی تو یہ پہنچی

سرا ہوں اب جگر کیونکر نہ اس آہ جگر کا میں
مدد کو نالہ دل کی ظفر پہنچی تو یہ پہنچی

شب ہاتھ ہمارے جو مئے ناب نہ آئی
کیفیت سیر شب مہتاب نہ آئی

برقع کو اٹھایا رخ تاباں سے جو اس نے
خورشید جہاں تاب کو بھی تاب نہ آئی

صحرا میں گھٹا گور پہ ہم بادہ کشوں کی !
کب آئی کہ بادیدہ پر آب نہ آئی

جا کر جو عدم سے نہ پھر آیا کوئی ہمدم
کیا یاد اسے صحبت احباب نہ آئی

منہ پھیر گئی قتل سے ظالم تری مژگاں
کام اپنے کوئی تیغ سیہ تاب نہ آئی !

کھاتا ہی رہا حلقے میں دل زلف کے چکر
کس روز یہ کشتی سرگرداب نہ آئی

تھا ہم کو خیال آوے گا وہ خواب میں لیکن
نیند آنکھوں میں شب اے دل بیتاب نہ آئی

تیرے خم ابرو میں کیا سجدہ جو ہم نے
بہتر نظر اس سے کوئی محراب نہ آئی

دیکھا دل بیتاب کو اپنے تو ظفر پھر
خاطر میں مرے ماہئی بے آب نہ آئی

دیکھو تو آہ شیوہ یہ آدمی میں کیا ہ
حال اس کا غم میں کیا ہے اور بے غمی میں کیا ہے

برہم ہوئی ہے ہم سے پھر تیری زلف کافر
دیکھیں کہ اب ہے ہوتا اس برہمی میں کیا ہے

ہر اشک وہ گہر ہے میرا کہ جس کے آگے
کہئے کہ آبداری در یتیمیں میں کیا ہے

تیغ نگہ سے تیری سینہ سپر ہوا دل
توہی بتا کہ اس کی شک رستی میں کیا ہے

خوں ہو کے بہہ چلا دل آنکھوں کی راہ شاید
سرخی سے آنسوؤں کے دیکھو نمی میں کیا ہے

دونوں میں ہم کو یکساں جانے بلا ہماری
افسردگی میں کیا ہے اور خرمی میں کیا ہے

دم باز ہے وہ ظالم دیتا دم ودلاسا
بھرتا ظفر دم اس کا توہمدمی میں کیا ہے

عیب وہنر نہ پوچھو تم آد میں میں کیا ہے
تم میں بھی کچھ نہ کچھ ہے پیارے ہمیں میں کیا ہے

ہے نور عشق سب میں تنہا ہمیں میں کیا ہے
یہ بھی اگر نہیں تو پھر آو میں میں کیا ہے

عاشق سے وہ جو اتنی کرتا ہے کم نگاہی
منظور اس کو دیکھیں اب اس کمی میں کیا ہے

حاضر ہیں تیرے وحشی، کرتو شکار ان کو
کرتا شکار افگن تو اس کمی میں کیا ہے

کس طرح دل سے اٹھیں صدرنج وغم کے صدمے
اے غمگسار باقی اس دم غمیں میں کیا ہے

ہیں خاک سے نکلتے رنگیں ہزار ہا گل !
کیا جانے یہ دفینہ یارب زمیں میں کیا ہے

پہنچا حبیب یزداں جس جائے اے ظفرواں
پر مارنے کی طاقت روح الا میں میں کیا ہے

کسی کے جب تصور کی نظر بندی لگی ہونے
تو ہو کر چشم بندی گھر کی دربندی لگی ہونے

الٰہی خیر ہو پھر چشم میں تحریر سرمے کی
سیاہ ناز و غمزہ کی کم بندی لگی ہونے

یہاں مشتاق نے آنکھوں سے باندھا تار اشکوں کا
وہاں کانوں کے بالوں پر گہر بندی لگی ہونے

جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے طفل اشک نکلے ہیں
ہمیں معلوم اب اس کی جگر بندی لگی ہونے

کہیئے بھی لگے اب شعر کہنے کیا تماشا ہے
کہ مضموں بندی ان روزوں چھپر بندی لگی ہونے

کہاں مرغ نظر اس گلشن رخسار تک پہنچے
کہ تار اشک سے پہلے ہی پر بندی لگی ہونے

کسی نے کچھ نہ کچھ بہتان باندھا کھل گیا ہم پر
جو اپنی ان کے کوچے میں ظفر بندی لگی ہونے

ترے جوڑے کا او کافر جو کوئی نام لیتا ہے !
تو عاشق کھا کے مکا سا کلیجہ تھام لیتا ہے

کھلا رنگ شفق سے یہ کہ ہر روز اپنی گردن پر
ہزاروں خون ناحق چرخ نیلی فام لیتا ہے

شب فرقت میں نیند آتی نہیں اور بیقراری سے
سحر تک کروٹیں بستر پہ یہ ناکام لیتا ہے

وہ مرغ ناتواں صیاد کیا نالہ کرے جس کا
ہوا ہوتا ہ ے دم گر دم بھی زیر دام لیتا ہے

نماز فجر و مغرب ہے یہ عاشق کی کہ اٹھ اٹھ کے
بلائیں اس رخ و گیسو کی صبح و شام لیتا ہے

کروں ہوں ساتھ چاک جیب کے میں سینہ بھی اپنا
جنوں کے کام دیکھو کام میں یہ کام لیتا ہے

پیوں کیوں کر نہ خوں اپنا ظفر میں وقت بیہوشی
کہ اس لعل لب میگوں کے بوسے جام لیتا ہے

قاصد اشک اس کو جب میری خبر پہنچائیں گے
تو نشانی کے عوض لخت جگر پہنچائیں گے

دل نہ دیتے ان دل آزاروں کو گر ہم جانتے
دل کو ایذا یہ ہمارے اس قدر پہنچائیں گے

اس طرح کرتے ہیں ہم سے کیوں کنارہ کیا سبب
گور کے ہم کو کنارے وہ مگر پہنچائیں گے

اپنی ہم آہ رسا کی جب بنائیں گے کمند
ایک دم میں دل کو بام چرخ پر پہنچائیں گے

جس سے ہے امید الفت میں تجھے سودائے سود
دیکھنا اے دل وہی تجھ کو ضرر پہنچائیں گے

لوح پیشانی پہ جو لکھا ہے ٹلنے کا نہیں
آب گریہ اپنا ہم سر تک اگر پہنچائیں گے

دیکھ لینا رفتہ رفتہ حضرت عشق ایک دن
منزل مقصود پر ہم کو ظفر پہنچائیں گے

بیٹھے بیٹھے دھیان ہم اپنا ادھر دوڑائیں گے
وہ نظر آوے نہ آوے پر نظر دوڑائیں گے

ہوگا کیا ہوں گے ہوا کے گروہ گھوڑے پہ سوار
ہاں سواری میں ہوا خواہوں کو پر دوڑائیں گے

بوسہ زلف ورخ کا اپنے ہم کو دیتے کے نہیں
خوب سا جب تک نہ وہ شام و سحر دوڑائیں

جام سے چوری گیا تو پھر نہیں آنے کا ہاتھ
ہم کٹورا ساقیا گر عمر بھر دوڑائیں گے

تیرے دامن تک تو ہاں معلوم ہم کو دسترس
ہاتھ اپنے جیب کی جانب مگر دوڑائیں گے

عشق میں اس شوخ ہر جائی کے ہم کو اٹکلیں
حضرت دل دیکھئے کس کس کے گھر دوڑائیں گے

غیر سے خط و کتابت اس کی جانے کی نہیں
وہ یونہی کاغذ کے گھوڑے اے ظفر دوڑائیں گے

لگا تیغ ور بھی گردم ترا بسمل چراتا ہے
پر اس سے نظر کیوں دیکھ اے قاتل چراتا ہے

اگر روتی ہے اے شبنم چمن سے جا کے باہر رو
تری آنکھوں سے پانی گل کا زخم دل چراتا ہے

چھپا کر غم کے خم پی جائیں گے کیوں ساغر مے پر
عبث تو ہم سے آنکھ اے ساقی محفل چراتا ہے

اڑالیتا ہاے ہاتھوں ہاتھ وہ دزد حنا دل کو
چراتا بھی ہے گر کوئی تو بعد مشکل چراتا ہے

چھپائے کوئی کالا چور دل کو پر جو تو پوچھے
کیوں منہ پر کر تیرے رخ کا کافر تل چراتا ہے

نہیں ہونے کا موزوں اس سے اس انداز کا مصرع
تری قامت کا مضموں سرو لاحاصل چراتا ہے

ظفر اک عاشق جانباز ہے مرنے پر دم دیتا
وگرنہ جان یاں ناداں سے ناعاقل چراتا ہے

پاس جاناں کے کہا کس نے کہ جانا منع ہے !
دل کو پر اس دشمن جاں سے لگانا منع ہے

ہو کے سرکش گر پڑا فوارہ آخر سر کے بل
جھک کے چلنا چاہئے یاں سر اٹھانا منع ہے

گل کھلایا تازہ یہ خون شہید ناز سے
ہوں نہ جب تک پھول ان کو پان کھانا منع ہے

کرکے منہ اس در کی جانب آہ کھینچوں کس طرح
تیرے قبلے کی طرف اے دل لگانا منع ہے

اپنے زخموں سے کہا ہنس ہنس کے زخمی نے ترے
آج سے شادی کا دن آنسو بہانا منع ہے

عشق کے مذہب میں ہے واجب بہانا اپنا خوں
خون بہا کر ذکر پر قاتل سے لانا منع ہے

عشق نے دل کو ظفر اتنے دیے کیوں آبلے
یہ وہ ہے بیمار جس کو آب و دانا منع ہے

خاک میں توقیر پیش دلستاں جا کر لی !
دل لگانے کی ہمیں یہ داد واں جا کر لی !

ہاتھ سے تیرے زمیں پر کب لی راحت ہمیں
ہاں مگر زیر زمیں اے آسماں جا کر لی

ہو گئی اک عید سی عاشق کو جب اس کے گلے
تیغ تیری اے بت نامہرباں جا کر لی

ہو گیا قند مکرر بوسہ شیریں دہن
لب سے لب مل کر زباں سے جب زباں جا کر لی

ساتھ ہی جاتے مگر پائیں گے وہ جلدی گئے
دوران سے میری جان ناتواں جا کر مرلی

جو کہ ہو واصل سمجھ کب ہو دوئی سے آشنا
ہے وہ دریا بوند دریا میں جہاں جا کر لی

دید وادید اے ظفر پر دے میں ٹھہری یار سے
دیکھ لو اپنی نظر اس سے کہاں جا کر لی !

میں ہوش میں ہوں یا رب یا کچھ مجھے وحشت ہے
گر جوش الٰہی کا ہے گر گریے کی شدت ہے

گر مجھ میں گری ہے تو گل میں نزاکت ہے
ہر شے میں نظر آتی اللہ کی قدرت ہے

نالے میں مرے دل میں یہ داغ محبت کے
تربت پہ چراغوں کی کچھ بھی نہیں حاجت

یکساں ہے موحد کو مسجد ہو کہ مے خانہ
یہ جائے پرستش ہے وہ جائے عبادت ہے

شعلے سے نکلتے ہیں میرے بن ہر موئے
سینے میں بلا میرے اک سوز محبت ہے

مجذوب ہوں یا سالک عاقل ہوں کہ دیوانہ
کیا جانیے میں کیا ہوں اور کیا مری حالت

جلوہ تجھے اپنا وہ ہر شے میں دکھاتا ہے
پردہ تیری آنکھوں کا پر تیری ہی غفلت ہے

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت میں
اے فخر جہاں سب وہ تیری عنایت ہے

میری اور مجنوں کی ہاں تصویر دونوں کی کھنچے
ساتھ دونوں کے مگر زنجیر دونوں کی کھنچے

بوالہوس جھوٹا ہے گر عاشق پہ ہے جرم وفا
کھال واجب ہے پئے تعزیر دونوں کی کھنچے

دل جگر دونوں میں فریادی مگر کیا فائدہ
آہ جب سینے سے بے تاثیر دونوں کی کھنچے

کھنچیں جدول مصحف رخ پر اگر زلفیں تری
ایک سی دونوں طرف تحریر دونوں کی کھنچے

ٹھہرے ہم اور غیر گر یکساں تو ظالم چاہیے
جاں شکنجے میں بھی بے تقصیر دونوں کی کھنچے

ان بھوؤں سے دیکھیں اس دم کون ہوتا ہے دو چار
جب برابر ایک دم شمشیر دونوں کی کھنچے

ان کے کھنچنے پر جو سمجھانے گئے یار و رفیق
اور وہ سن کر ظفر تقریر دونوں کی کھنچے

تو نظر آیا نظر اپنی جدھر کو پڑ گئی
کہ شب کو ماہ روشن سے چراغ اونچا دکھاتا ہے

سب پہ ہیں لطف و عنایت ایک مجھ پر ہے عتاب
قد اپنا باغ میں وہ رشک باغ اونچا دکھاتا ہے

روبروگلشن میں اس روئے عرق آلودہ کے
بنا کر آشیاں گویا کہ زاغ اونچا دکھاتا ہے

ہو کے سرگرم شرارت کی جدھر تو نے نگاہ
جو سینہ کوہ اپنا داغ داغ اونچا دکھاتا ہے

کس کی غمخواری پڑی ایسی مصیبت عشق میں
کبھی نیچا کبھی اے خاک راغ اونچا دکھاتا ہے

جانتا ہوں میں بھی ملتی خاک میں ہے آبرو
تو دست شاخ پر رکھ کر ایاغ اونچا دکھاتا ہے

ظفر رہتا ہے جس کو کور کی تنگی کا ڈر ہر دم
مکاں وہ کب بنا کر بافراغ اونچا دکھاتا ہے

سرمہ دے چشم میں اس نے جو کالا پانی
مردم چشم لگے ناچنے کالا پانی!

خشک ہے دامن صحرائے جنوں میں جو خار
اس کو دیتا ہے مرے پاؤں کا چھالا پانی

سنگ دل آہ پسیجے نہ کبھی دل تیرا
کوہ کو کردے اگرچہ مرا نالا پانی

یاد قیامت میں ترے روؤں جو اے سرو رواں
تو لب قد سرآب ہو بالا پانی

کردے آب دم شمشیر سے ایسا سیراب
کہ نہ مانگے ترا پھر چاہنے والا پانی

ہوش آرائش تن خاک ہو اس مجنوں کو
جس نے جز خاک کبھی سر پہ نہ ڈالا پانی

دیکھے گروہ گل رخسار عرق ناک ظفر
تو بھرے باغ میں سیرابی لالا پانی

چھڑکتی آب ہے شبنم جو رخ گل دھوکے
تولتی ہے اسے منقار کو بلبل دھوکے

زاہد خشک کو ہے شربت کوثر کی طلب
ہاں پلادو اسے پانی قدح مل دھوکے

خاک عاشق کی لگی ہے تو جھٹک دے ظالم
تو خراب اپنا نہ کر دامن فرغل دھوکے

شانہ و آئینہ خورشید ہولے کر حاضر!
بیٹھے جب منہ کو وہ باشانو تجمل دھوکے

رحمت اے اشک ندامت کر کیا تو نے سفید
روسیا ہوں کے سیہ نامے کو بالک دھوکے

کرتی ہے پاک مرے زخم کو مانند شراب
اب تیغ نگہ مست تغافل دھوکے

حرص دنیا کی نمائش پہ نہ جانا یہ سراب
دے ہے اے تشنہ صحرائے توکل دھوکے

اس کے بھیگے ہوئے بالوں سے حذر کر اے دل
کہ ترے پیچھے پڑی ہاتھ وہ کاکل دھوکے

یا علی ہے وہ ظفر خاک سر راہ ترا
آب حیواں بھی پئے تو ہم دلدل دھوکے

جانے کیوں دیر میں اور کیوں وہ حرم میں آوے
جس کو اللہ نظر اپنے صنم میں آوے

درد و داغ جگر کام نہ غم میں آوے
دل یہ کہتا رہا لے لیتا وہ ہم میں آوے

اس دم سرد سے تو یار نہ دم میں آوے
ہاں جو کچھ نالہ میں دم ہو تو وہ دم میں آوے

تیرے کوچے میں اگر آئے ترا سوختہ جاں
تو وہ یہ جانے کہ ہم باغ ارم میں آوے

بوسہ لعل لب یار وہ یاقوتی ہے
جس سے طاقت دل بیمار الم میں آوے

لے گیا ساتھ جو ہستی سے ہے بیتابی دل
چین کیا خاک اسے جا کے عدم میں آوے

دل میں دیکھ اپنے تماشائے جہاں غور سے دیکھ
گر نظر تجھ کو نہ یہ ساغر جم میں آوے

دے سوا تیرے دم اور یہ گرچہ سو بار
دم ترے کشتہ شمشیر ستم میں آوے

کیوں نوشتے کا گلہ کیجے کہ پھرنے کا نہیں
اب تو جو حرف ظفر آئے قلم میں آوے

تم حضرت دل میرے گر یار بنے رہتے
فوج غم و حسرت کے سردار بنے رہتے

رہتے تو ہیں اس گھر میں پر رہتا ہے یہ نقشہ
حیرت سے ہیں ہم نقش دیوار بنے رہتے

شاید کہ وہ عیسیٰ دم آ جائے عیادت کو
اس واسطے ہیں اب ہم بیمار بنے رہتے

دامن تلک اس کے تو پہنچے نہ کبھی آنسو
میرے ہی گلے کے ہیں وہ ہار بنے رہتے

دکھلاتے یہ بت آنکھیں گر شیخ جی صاحب کو
پھر دیکھتے وہ کیونکر دیندار بنے رہتے

دیتا جو ہمیں فرصت رنج و الم حرماں
اپنے دل غمگیں کے غم خوار بنے رہتے

ہم اس گل خوبی کو دیتے جو نہ دل اپنا
تو خلق کی آنکھوں میں کیوں خار بنے رہتے

آنکھیں ہیں نئی رہتی وہ تیری بلا کافر
ڈورے بھی نشے کے ہیں زنار بنے رہتے

ان مست نگاہوں کی دیکھی نہیں کیفیت!
صوفی بھی ظفر ورنہ مے خوار بنے رہتے

ترے دانتوں کے آگے سلک گوہر کیا ہے یوں ہی ہے
لبوں کے روبرو یاقوت احمر کیا ہے یوں ہی ہے

وفور اشک کے آگے سمندر کیا ہے یوں ہی ہے
اور اس کے بلبلے سے چرخ ہمسر کیا ہے یوں ہے

نہ کر اتنا ستم تو نیم جاں پر اپنے جانے دے
کہ اس میں جان باقی اے ستمگر کیا ہے یوں ہی ہے

خدا جانے پری رویوں نے کیوں اس کو لگایا منہ
وگرنہ آئنہ میں ایسا جوہر کیا ہے یوں ہی ہے

نہ یہ آنکھیں نہ یہ مژگاں نہ یہ گوش او نہ یہ ابرو
ترے مکھڑے کے آگے ماہ انور کیا ہے یوں ہی ہے

جو پی جاتے ہیں آنسو بھر کے اپنی چشم ساقی میں
وہ کیا جانے کہ مے کیا اور ساغر کیا ہے یونہی ہے

جو تجھ سے ہو سکے تو خانہ عقبےٰ کو دے تزئیں
نہ کر آرائش دنیا کہ یہ گھر کیا ہے یونہی ہے

بجھا تجھ سے نہ سوز دل ذرا بھی بس تجھے دیکھا
یہ جوش گریہ تیرا دیدہ تر کیا ہے یوں ہی ہے

کہوں میں حسن میں گر تجھ کو رشک ماہ کنعانی
تو جھوٹ اس میں بتا اے ماہ پیکر کیا ہے یونہی ہے

درازی کو شب ہجراں کی جب دیکھا تو یہ دیکھا
کہ اس کے آگے طول روز محشر کیا ہے یونہی ہے

ظفر آیا کہ جس کے ہاتھ نسخہ خاکساری کا
مرے نزدیک پھر وہ کیمیا گر کیا ہے یونہی ہے

اے غافلو شباب کے وہ سن گزر گئے ! اب لطف زندگی کا کہاں دن گزر گئے
ہوں سخت جاں کہ زندہ ہوں ورنہ ہزار ہا صدمے اس ایک جان پہ تجھ بن گزر گئے
پیدا ہوئی نہ صبح اور آخر جہاں سے ہم گھڑیاں شب فراق کی گن گن گزر گئے
موجود وہ پری کے سمجھے کہ جس کو دیکھ ہستی سے آدم و ملک و جن گزر گئے
تھا رہا عشق میں دم شمشیر پرگزر مشکل گزرنا اپنا تھا لیکن گزر گئے
اک جلوہ ایسا وہ بت کافر دکھا گیا ایماں سے آج کہتے ہیں مومن گزر گئے
گزری جو ہم پہ کیا کہیں ہم جب ادھر سے تم گزرے نہ آہ اور کئی دن گزر گئے

ظاہر پہ اب کمال زمانے میں ہے ظفر
تھے وہ جو لوگ صاحب باطن گزر گئے

جس وقت تری زلف سیہ صاف کھل گئی دل کی گرہ کی غیرت مہ صاف کھل گئی
تو دل کی بات کہہ کہ نگہ صاف کھل گئی تھی بلکہ وہ جوبات کی تہ صاف کھل گئی
تیرا نہ جوش اشک گھٹا اور ہزار بار بدلی برس کے ابر مژہ صاف کھل گئی
سینے سے میرے تیرلیا اس نے جب نکال تھی خون دل کی بند جو رہ صاف کھل گئی !
کھلتی نہ کیوں کسی سے ترے بانکپن کی طرح ٹیڑھی جو دیکھی تیری کلہ صاف کھل گئی
چھپتی ہے کوئی چاہ کی چتون بھی ہتھکیں ! جس دم لی نگہ سے نگہ صاف کھل گئی
غافل کبھی ہوئے کبھی ہشیارہم یہاں گر آنکھ بند ہو گئی گہ صاف کھل گئی !
چھپ چھپ کے گرچہ آپ گئے گھر میں غیر کے لیکن خبر ہزار جگہ صاف کھل گئی

نشتر سے کھل گئی نہ رگ جاں میر ظفر
جھٹکے سی پروہ نوک مژہ صاف کھل گئی

بدن پہ بال ہیں یوں اس ملول کے کانٹے کہ ہوں درخت میں جیسے ببول کے کانٹے
زیادہ کوئی سے کیونکر نہ ہو خلش پیدا کہ حق میں بوئے ہے وہ بوالفضول کے کانٹے
تری درازی مژگاں کا ہے بڑا کھٹکا کہ ہم نے دیکھے نہیں اتنے طول کے کانٹے
رقیب نیش زن اس گل کے ہم نشیں ہیں مدام یہ کیا ستم ہے کہ ہیں پاس پھول کے کانٹے
جو دیکھے اس گل عارض کو باغ میں گل چیں چنے گلوں کی جگہ ہوش پھول کے کانٹے
کلام کیوں نہ ہو سنجیدہ نکتہ سنجوں کا کہ تولتے ہیں وہ لے کر اصول کے کانٹے

غم و الم کے شتابی دل ظفر سے نکال
الٰہی صدقے سے اپنے رسولؐ کے کانٹے

نہ ہم پوچھ اے ہمدم بھلی کیا ہے بری کیا ہے
بتائیں اب تجھے کیا ہم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

اگرچہ عقل تو رکھتا ہے اور کچھ ہوش رکھتا ہے
تو آپ ہی سوچ یہ ہر دم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

بھلائی اور برائی یاں ہیں دونوں پر سمجھ اتنا
زیادہ کیا ہے کیا ہے کم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

رہے انسان و حیواں میں بتا پھر فرق کیا باقی
اگر جانے نہ یہ انساں بھلی کیا ہے بری کیا ہے

مثال آئینہ ہے گو کہ صورت آشنا لیکن
نہیں سیرت سے تو محرم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

جو نیکی و بدی کا فکر ہے سو ہے وہ ہستی میں
عدم میں کچھ نہیں یہ غم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

وہ کیجے جو بھلی ہو اور بری ہرگز نہ ہو اس میں
ظفر کو سوچ اک عالم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

کسی سے سیکھ کر کرتا ہے باتیں ہم سے تو ایسی
سنی تھی آج تک ہم نے نہ تیری گفتگو ایسی

صبا جو پھر رہی پیادلی سی آج گلشن میں
خدا جانے کہ ہے کس گل کی اس کی جستجو ایسی

لگائے گر نہ منہ آئینے کو تو اے پری پیکر
تو کس صورت سے ہو عالم میں اس کو آبرو ایسی

کھلی رہ جائیں گی بعد از فنا بھی دیکھتا آنکھیں
کہ ہے ہم کو کسی کے دیکھنے کی آرزو ایسی

کہا تصویر مجنوں دیکھ کر اس نے مصور سے
کھینچی میرے بھی دیوانے کی صورت ہو بہو ایسی

ترے رخسار و گیسو سے بتا تشبیہ دوں کیونکر
نہ ہے لالے میں رنگ ایسا نہ ہے سنبل میں بو ایسی

مری ہر بات پر وہ آج ہی ہوتا ہے کیا برہم
ظفر اس بے مروت کی ہمیشہ سے ہے خو ایسی

جب اس عالم سے اس عالم میں ہم گریہ کناں آئے
کہاں دل میں کہاں تھے ہم کہاں آئے

مری باتیں پہ وہ آرام جاں اک دم نہ آوے گا
اگر سو بار دم آنکھوں میں آئے لب ہجاں آئے

دل اپنا لگ گیا کنج قفس میں اب کسے پروا
بہار آئے چمن میں ہمصفیرو یا خزاں آئے

پھیریں خانہ بخانہ مہر و مہ پہ حیف اے گردوں
کہ میرے گھر نہ یک شب وہ مہ نامہرباں آئے

جواب صاف ہی تو کاش دے تسکین کے بدلے
بلا سے صبر تو دل کو مرے اے دلستاں آئے

ترے ہاتھوں سے گرچہ ناک میں دم اپنا آتا ہے
مگر کیا تاب جو لب پر کبھی آہ و فغاں آئے

نگاہ کی منزل ہستی میں دل کیا خاک ہم اپنا
کہ ہیں دو روز اس مہماں سرا میں مہمان آئے

نہ آئے وہ کبھی سنتے رہے ہم روز درباں سے
کہ اب وہ آئے یہ آئے وہاں آئے یہاں آئے

ظفر ساحب سے ہے گردش زدوں کی جان کا بچنا
کہ ہم گردش میں آئے جب سے زیر آسماں آئے

شروع مخمسات

نہیں مستوجب تفہیم وزیارت پنکھا جو کہیں اہل شریعت کہ ہے بدعت پنکھا
اک تماشا ہے اسے کہتی ہے خلقت پنکھا رکھتی ہے گرمی ہنگامہ عشرت پنکھا

آتش شوق کو ہے موجب شدت پنکھا

نور و الطاف و کرم کی ہے یہ سب اس کی جھلک کہ وہ ظاہر ہے ملک اور ہے باطن میں ملک
اس تماشے کی نہ کیوں دھوم ہو افلاک تلک آفتابی سے مجمل جس کے ہے خورشید تلک

شہ بنا اس شہ اکبر کی بدولت پنکھا

شائق اس سیر کے سب آج ہیں بادیدہ دل واقعی سیر یہ ہے دیکھنے ہی کے قابل !
چشم انجم ہو نہ اس سیر پہ کیونکر مائل سیر یہ دیکھے ہے وہ بیگم والا منزل

جس کے ایواں کا رکھے ماہ سے نسبت پنکھا

رنگ کا جوش ہے ماہی سے زبس ماہ تلک ڈوبے ہیں رنگ میں مدہوش سے آگاہ تلک
آج رنگین ہے رعیت سے لگا شاہ تلک زعفراں زار ہے اک باغ سے درگاہ تلک

دیکھنے آتی ہے اس رنگ سے خلقت پنکھا

عشرت و عیش کا ہے باغ میں انبوہ عجب عرق شبنم گل ٹپکے ہے گرمی کے سبب
بے طلب غنچہ نہیں ناز سے کھولے ہوئے لب شاہدان چمن اس دم ہیں جو سرگرم طلب

دامن باد سے چاہیں ہیں بہمت پنکھا

غنچہ پوچھے ہے صبا سے کہ بتا دے کیا ہے چشم کیوں شوق میں نرگس کے ہمیشہ وا ہے
کیا تماشا ہے کسے دیکھے ہے دیکھا کیا ہے سایہ برگ سے گل باغ میں یہ کہتا

کیا تماشا ہے کے دیکھے ہے دیکھا کیا ہے   سایہ برگ سے گل باغ میں یہ کہتا ہے

وقت نظارہ مرے منہ پہ لگا مت پنکھا

ہر سحر شوق میں کیا وجد کرے ہے اپنے   دیکھتا برگ جو شاداب ترے ہے اپنے
ہاتھ پہ گل در شبنم جو دھرے ہے اپنے   جوش فوارہ سے دامن جو بھرے ہے اپنے
گوہر قطرہ نیسان لطافت پنکھا !

مرغے بھی ہمدم و دمساز سے سنتے ہیں سدا   بعض آواز سے بہلجائے ہے دل انساں کا
وہ بجا کہتے ہیں ہر بات کہ ہم نے دیکھا   ہر گھڑے پہ ہے پنکھے کی طرح دل ہلتا
آج نوبت سی لگا کرنے یہ نوبت پنکھا

دکھتیں دیکھ کے پنکھے کی کہیں اہل خسرو   کہ وہ ہے غم کی طرف مار رہا دست رد
لیک میں نے اس اشارے سے یہ پایا مقصد   ہے تماشائیوں کو اپنے یہ بلاتا شاید
دست جاناں کی جو رکھتا ہے شباہت پنکھا

چشم نم کو جو وہاں بہر تماشا جائے   جام صہبا کی طرح سخت ہلی آ جائے
کیونکہ جوں شیشہ ہستی سے نہ دم الٹا جائے   عیش و عشرت کا ہے یہ جوش کہ گھبرا جائے
گر جھلے دل پہ نہ خوش وقت حرارت پنکھا

مرد و زن شاہ و گدا کودک و پیر و برنا !   جو ہوا خواہ ہیں پنکھے کے وہ سب ہیں یکجا
ہر طرف شور سا ہے اور بھی ہے غوغا   کی ہے ہنگامہ عشرت نے قیامت برپا
ایک نیزے پہ ہے خورشید قیامت پنکھا

دیکھ کر مہ پنکھے میں یہ سوجھی ہے مثال   مہ و خورشید بغل گیر ہیں ہنگام وصال
لیک صناع کی ہے اور یہ صنعت کا کمال   اس میں جواں ابروئے مہر و جو بنایا ہے ہلال
ہے مہ عید صفت موجب شہرت پنکھا

خوشنمائی میں تماشا یہ کوئی پنکھا ہے   طرفہ و نادر وزینت وہ وزیب افزا ہے
زیور حسن پری چہرہ دمہ سیما ہے   شاہد عیش کے ماتھے پہ بھلا لکھا ہے
ہے خلا کار یہ جینے کی جو صورت پنکھا

جو کہ خواہان مے عیش ہیں ان سے کہہ دو   تم کو منظور اگر یہ ہے کہ کیفیت ہو
دو تم آراستگی بزم مے الفت کو   نہیں آویزہ کر طاقوں میں جتنے ہیں دیکھو

سرو وحدت ہے اگر دیکھئے پنکھے کا جلوس — لٹکے یک رنگ ہیں سب باعث رنگیں ملبوس
کیوں نہ پنکھے سے دل طاعیاں ہو مانوس — الٹا لٹکا ہے یہ پڑھنے کو نماز معکوس
کوئی عابد ہے بڑا اہل ریاضت پنکھا

کون اس پنکھے سے روکش ہو یہ ہے تاب کے — مہر جب دیکھ کے پیشانی بجز اپنی گھسے !
سربلندی ہوئی اس واسطے عالم میں اسے — اس کی درگاہ میں پنکھا یہ چڑھے ہے جیسے
قصر جنت میں اگر حور ہے جنت پنکھا

دل گرفتوں کا یہاں کیوں نہ ہو تفریح مزاج — یہ تماشا مرض غم کا مجرب ہے علاج
ہر طرف عیش کا سامان ہے عشرت کا رواج — اے ظفر خاطر یاران ہوا خواہ کو سج
فرحت افزا ہے دم گرمی صحبت پنکھا

مخمس ثانی

کوئی جاوے جو ادھر شام وپچا ہے گا ہے — تو کہتے اس سے یہ بادلہ و ہے گاہ

چاہیے زخم سرخال بنا ہے گا ہے — اس طرف بھی تمہیں لازم ہے نگاہ ہے گاہ

دم بدم لحظہ بہ لحظہ نہیں، گا ہے گا ہے

دل پہ سوزش سے سدا لب پہ ہے ہر دم دم سرد — اشک سرخ آنکھوں میں ہے رنگ ہے رخسار کا زرد

ہمدمو پوچھو نہ تم حال دل غم پر درد — ہے بلا کثرت انبوہ ہجوم غم و درد

دل کو فرصت نہیں اتی کر کرا ہے گا ہے

کیا کہوں کیونکہ غم ہجر میں گھڑیاں گن گن — دن سے ہم رات کیا کرتے ہیں اور رات سے دن

مر بھی جاویں اسی حالت میں اگر ہم اس بن — بزم جاناں میں ہمیں بار کہاں ہے لیکن

دیکھ لیتے ہیں اسے ہم سر راہے گا ہے

فرصت اک دم کی نہ دی ہم کو ہجوم غم نے — خون کے دریا کے جاری کیے چشم نم نے

جو نہ کہنا تھا کیا تیرے لئے عالم نے — اب تو یہ عہد کیا چاہ کے تم کو ہم نے

روسیہ ہو جو کسی اور کو چاہے گا ہے

جب سے میں عشق میں اس شوخ کے ہوں، محو رو خواب — کر فغاں لب پہ ہے اور چشم سے جاری خوناب

دیکھنا اس کو بھی اک دن یونہی با چشم پر آب — وہ بھی ہو جاوے گا میری ہی طرح سے بیتاب

اس کو پہنچا جو ظفر صدمہ آ ہے گا ہے

مخمس ثالث

گوش دل میں مرے آئی سحر آواز سروش — کر کسی یار کے شکوے سے نہ کر کچھ تو خروش

گر کہیں یار برا، لطف سے تو ہو جا خاموش — یار عیار ہے پھر یار سے اے صاحب ہوش

لطف کن لطف کو بیگانہ شود حلقہ بگوش

مجھ سے ہے کس لئے بیگانگی اتنا کرنا   اس شے تنہا ہو تو ایسا کہ وہ ہو تجھ پہ فدا
گر دیے سے جو مرے زہرا سے دیوے بلا   تو خفا ہو کے نہ کر آپ کو اپنے سے خفا

لطف کن کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

مجھ سے بے کار کو کرنا ہے گر اپنا منظور   کر رہے حلقہ طاعت میں سدا میرے حضور
ترک کر بخل و نفاق و حسد و عجب و غرور   لطف کر اپنا عمل لطف کر اپنا دستور

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پدرو مادر وخ واہرہ زن و پورو دختر   عم و عمزاد واخی، خویہ و مہتر و کہتر
ہمدم و مونس و غمخوار و رفیق و نوکر   لطف سے اپنے تو سب ہوتے ہیں تابع یکسر

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

عازم کعبہ ہو تو خواہ ہو تو ساکن دیر   لطف کن لطف کہ ہے لطف سے انجام بخیر
تو کرے لطف تو کوء پیشہ کرے تجھ سے بیر   لطف سے ہووے ہے اپنے سے سوا اپنا غیر

لطف کن لطف کو بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے وحشی صحرا ہی نہیں تنہا رام   لطف سے ماہی و مرغ آئے تہ حلقہ دام
لطف سے بچے ہیں انساں ہی فقط کیا خدام   لطف سے ہووے پرستار پری، دیو غلام

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے آدمی ہے فیل کی گردم پہ سوار   لطف سے ڈالتے ہیں ناک میں اشتر کے مہار
لطف سے پکڑے گئے شیرو پلنگ، ودرومار   لطف وہ شے ہے کہ بن جاتے ہیں اغیار بھی یار

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے کن کے ہوئے کہتے ہیں دونوں عالم   لطف سے روح ہوئی داخل جسم آدم
لطف سے گرچہ ہو معشوق بھرے عشق کا دم   لطف سے غیر بنے بندہ بے دام و درم

لطف کن کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف ہے مطلب اظہار وفا کی تمہید   لطف ہے قفل درخانہ الفت کی کلید
صاحب لطف کی برآئے ہے آخر امید   کر لیا لطف سے یوسف کو زلیخا نے خرید

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

قیس لیلےٰ پہ بنا لطف کے باعث مجنوں   کوہکن لطف سے شیریں کا ہوا تھا مفتوں

ہیر کے واسطے تھا لطف سے رانجھا مخزوں   لطف سانے کوئی جادو ہے نہ کوئی افسوں

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

عاشق لطف ہیں ہم عاشق و ہم جانا نہ   لطف سے شمع جلی شب تو جلا پروانہ
لطف وہ شے ہے کہ اقرار کرے یا دانہ   گر نہ ہو لطف تو اپنا بھی ہے بیگانہ

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف کیا آگے ہے کیا چیز طلسام اکسیر   روبرو لطف کے سب ہیچ ہے حب اور تسخیر
حق تعالی نے بڑی لطف میں دی ہے تاثیر   لطف بن غیر ہو کب دام محبت میں اسیر

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

تو کرے سبزہ بیگانہ پہ گر لطف عیاں   ہو کے خوش تجھ سے وہ خوشبو ہو مثال ریحاں
کوئی کیا اس ہی ہو بیگانہ وش نافرماں   لطف سے تابع فرماں ہو ترا بادل وجاں

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف ہے دل کے پھنسانے کو وہ دام گیسو   لطف ہے کھینچنے کو دل کے کمند جادو
مدعی ہو کر مخالف ہو کر بدخواہ وعدو   ہو ترے حلقہ طاعت میں کرے لطف جو تو

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

تو بگولا نہ سمجھ بلکہ ہوا اور تراب   جی میں ہے لطف چلے اس کے یہ ہمراہ رکاب
ہے کہاں شعلہ جوالہ کدھر ہے گرداب   صاحب لطف کے ہیں حلقہ بگوش آتش و آب

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

بزم عشرت میں بھی ہے لطف سے لطف اک ہر شے   گر نہ ہو لطف تو بے لطف ہے سب نغمہ و نے
لطف سے جم کے ہے حلقہ طاعت میں جو مے   یہ بجا دائرہ عیش میں دف کہتا ہے

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

حلقہ موج ہوا قوس قزح قوس ہلال   گردش چرخ بریں، گردش مہ، گردش سال
گردش ساغر مے، گردش فانوس خیال   سب تجھے کہتے ہیں یہ حلقہ بگوشوں کی مثال

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

جب کماں خوب جھکی لطف سے باعجزہ و نیاز   لیا آغوش میں جب تیر سا ترکش طناز
سب کے گوشوں سے بوقت کشش تیر انداز   کر تکلف ہے یہی دل سے کماں کے آواز

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پرتو لطف سے خورشید کے ہو نور آگیں
حلقہ بندگی مہر ہے یہ ہالہ نہیں
رات کو کہتا تھا گردوں پہ مہ ہالہ نشیں
مہر کو مہر کرے غیر محبت آگیں
لطف کن لطف کہ بیگانہ حلقہ بگوش

کچھ گل و سرو میں بھی لطف کا دیکھا اسلوب
اے ظفر لطف ہے وہ شے کہ ہے سب کو مرغوب
ان کو بھی بلبل و قمری نے جو سمجھا محبوب
یہ گلستاں میں کہاں بلبل شیراز نے خوب
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

مخمس رابع

جب تری شمشیر سے کٹتے ہی سر اڑ جائیں گے
ہم نہیں وہ جن کے وساں دیکھ کر اڑ جائیں گے
دن سب کے باعث خوف و خطر اڑ جائیں گے
اور تو دھمکی میں اے بیداد گر اڑ جائیں گے
پر نہیں ٹلنے کے ہم ٹکڑے اگر اڑ جائیں گے

ہم صفیر و اب تو میں پھندے میں اس کے پڑ چکا
پوچھو اس ظالم سے تو مقراض کیوں ہے ڈھونڈتا
لاکھ پھڑکوں پر نہیں ممکن کہ ہوں اس سے جدا
پر کترنے کی مرے صیاد کو ہے فکر کیا
دام ہی کی کشمکش سے میرے پر اڑ جائیں گے

صدقے اس رفتار کے قربان اس انداز کے
دل کو ٹھکرا کر چلے جب تو کسی جانباز کے
اٹھتے ہیں سوتے ساتھ اک پاؤں کی آواز کے
دیکھ کر انداز کو تیرے خرام ناز کے
ہوش بھی کبک دری کے فتنہ گر اڑ جائیں گے

ہوں جدا جس روز سے اس رونق محل سے میں
دن تو بے تابی میں ہی کرتا ہوں بسر مشکل سے میں
کچھ تڑپنے میں نہیں کم پارۂ بسمل سے میں
کروٹیں لوں گا جو یونہی شب کو درد دل سے میں
کھل کے گلہائے نہالی تا سحر اڑ جائیں گے

لیز شمع سوو ذر نارذ لخت مرغ روحِ گھڑی
دیکھ کر ہر تار بارش موتیوں کی سی لڑی
جنبش باراں ہوا باندھی تو ہے تو نے بڑی
چشم دنیا بار نے باندھی جو اشکوں کی جھڑی
دیکھنا تیرے دھوئیں اے ابر تیر اڑ جائینگے

ہجر کی شب میں نے جب دیکھا نہیں ہوتی سحر
کان بہرے لگائے پر نہ بولے جانور
تب تو یہ میں نے کہا ناچار سینہ کوٹ کر
گوش بر آواز کیوں رہتا جو یہ ہوتی خبر
آج دنیا میں سے سب مرغ سحر اڑ جائیں گے

اے گل خنداں بتا ہم کو ہمارا کیا قصور
مثل خار راہ پھینکے ہے گلی سے تو جو دور
ہم کہیوں کو اٹھانا خاک در سے کیا ضرور
ضعف سے ہے ہم کو صر صر جنبش مژگان مور
ایک جھونکے میں خدا جانے کدھر اڑ جائیں گے

کچھ نہ پوچھو ہمدمو جو دل میں ہے سوزنہاں
ساتھ دم کے ہر نفس نکلے ہے شعلہ یا دھواں
سوزش دل سے کرونگا میں اگر آہ و فغاں
برج آتشباز کی صورت بروج آسماں
دیکھنا بھر کر مرے دود جگر اڑ جائینگے

روز فرصت کیا کرامت ایک سنتے ہیں جدید
روز کہتے ہیں کہ باغ قدس کی کرتے ہیں دید
آخرش ان کو بنا کر طائر عرش مجید
شیخ صاحب کو اڑا دیں گے اگر پوچھیں مرید
ل نہ سکتے ہوں گے تو بھی عرش پر اڑ جائیں گے

صبح گلشن میں صبا تیرا اگر ہووے گزر
کہیو بلبل سے ذرا اٹھا کر اے شوریدہ سر
کر رہی ہے چہچے کیا شاخ گل پر بیٹھ کر
یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

بات جو کرتے نہیں ہرگز فریب و مکر بن
تو ہوا خواہی کا دعوٰی معتبران کی نہ گن
گل کھلے گا جب کہ ہوگا کوئی ان کا ممتحن
لوگ باغ سبز دکھلاتے تو ہیں پر ایک دن
ہاتھ کے طوطے سے ان کے اے ظفر اڑ جائیں گے

مخمس خامس

گفتگو اوروں کے شائل کبھی ایسی تو نہ تھی　　ہوتی خفت ہمیں حاصل کبھی ایسی تو نہ تھی
رہتی اس بزم میں کل کل کبھی ایسی تو نہ تھی　　بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

پوچھتا ہوں دل بیتاب سے میں یہ ہر بار　　کہ نہ سیماب نہ تو برق نہ شعلہ نہ شرار
پھر جو تو مضطرب اتنا ہے بتا تو سہی یار　　لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

ہوں تو مدت سے ترا شیفتہ روئے نکو　　پر جواب حال ہوا ہے یہ نہ دیکھا تھا کبھو
بس نظر ملتے ہی دل پہ نہ رہا کچھ قابو　　تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

جلوہ اپنا جو مہ چاردہ نے دکھلایا　　میں نے پوچھا یہ نیا نور کہاں سے پایا
آج تو اوج پہ جو اتنا چمک کر آیا　　عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
آب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

جو ہمارے لئے خالق نے بنائی تکلیف　　وہ ہمیں عشق کے رستے میں خوش آئی تکلیف
پر کیوں کیا کہ بڑی ان دنوں پائی تکلیف　　اب کی جو راہ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

کروے خانہ زنداں کی مری جی کا مکوں　　میری وحشت کا وہ غل سکے ہم کہتے ہیں یوں
دمبدم آج ہے زنجیر کی جھنکار فسوں　　پائے کو ہاں کوئی زنداں میں بنا ہے مجنوں
آئی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نہیں پروا اسے افسوس کہ میرا بسمل　　تڑپے ہے خاک پہ اب تک کہ گیا خاک میں مل
نہیں معلوم وہ کافر ہے کدھر کو مائل　　نگہ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی

کچھ خوش آتا ہی نہیں اس کو مری لیلا بن　　بلکہ درپے ہے مرے قتل کے وہ رات اور دن
اس کے ہاتھوں سے مری جان بچے کیا ممکن　　چشم قاتل مری دشمن ہے ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہو گئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

جاناں ہے اسے تو خوب کر ہے عاشق زار — دل تو کیا جان کے دینے میں نہیں ہے انکار
وہ کسی بات پہ تجھ سے نہیں کرتا تکرار — کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خوبی حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

مخمس سادس

نظر پڑے جو کہیں چاک در کھلے کے کھلے — شگاف دل کے رہے سربسر کھلے کے کھلے
عجب ہے کیا کہ رہیں لب اگر کھلے کے کھلے — کسی کے روزن دردیکھ کر جلے کے کھلے
ہمارے رہ گئے دیدہ ادھر کھلے کے کھلے

کرے ہے سر پہ فلک جس کے روز فتنہ بپا — جو گھر کو چھوڑ کے ہے آخرش نکل جاتا
نہ پوچھ مجھ سے یہ خانہ خراب ہے کیسا — کہوں میں چرخ کی خانہ خرابیاں کیا کیا
پڑے ہیں سینکڑوں عالم میں گھر کھلے کے کھلے

پڑی وہ حسن کی ہے تیرے دھاک گلشن میں — کہ عندلیب ہوتی جل کے خاک گلشن میں
تجھے بتائیں گے جب شرمناک گلشن میں — گلوں کے ہوں گے جگر چاک چاک گلشن میں
رہیں گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

گئے وہ دن کہ لگا کر ہزار ہا باتیں — نصیب وصل کی ہوتی تھیں ہمدمو راتیں
کرے گا ہم سے وہ اب بیدھڑک ملاقاتیں — لکھی ہیں یار نے شاید کھلی کھلی باتیں
وہاں سے لائے جو خط نامہ بر کھلے کے کھلے

نسیم صبح سے گلشن میں جب کھلے غنچے — تو اپنے حسن پہ نازاں بہت ہوئے غنچے
دہن میں رکھتے زباں کو ہزار تھے غنچے — کلام کر نہ سکے تیرے سامنے غنچے
چمن میں سب کے رہے منہ سحر کھلے کے کھلے

بیان کرنے کو تھا تجھ سے میں دم بسمل — جو زخم کھانے میں مجھ کو ہوئے مزے حاصل
پہ ایک بات کا کہنا بھی ہو گئی مشکل — حلاوت دم خنجر سے تیرے اے قاتل
رہے مرے لب زخم جگر کھلے کے کھلے

یہ اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ مہ پارا
کہ کچھ بھی کہہ نہ سکے ہم ہزار سر مارا
جو مدعا تھا رہا دل کا دل میں ہی سارا
نہ پایا اس سے جو ہم نے کلا کا یارا
ہمارے رہ گئے لب اے ظفر کھلے کے کھلے

مخمس سابع

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں ہم
دل اس کے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم سے پرنم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پرغم
کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جھک ہے دم میں دم
خدا وارم چہ غم خدا دارم چہ غم دارم

فلک کے ہاتھ سے کیا کیا مرا دل رنج سہتا ہے
کہ اک اشکوں کا دریا چشم سے دن رات بہتا ہے
نہیں فرصت ذرا غم سے اسی میں غرق رہتا ہے
مگر تائید حق پر جب نظر کرتا ہے کہتا ہے
خدا دارم چہ غم دارم خدادارم چہ غم دارم

غم واندوہ سے حالت ہوئی ہے اس قدر میری
کہ ہوتا غم سے غمگیں آپ صورت دیکھ کر میری
اگرچہ بار غم سے اب شکستہ ہے کمر میری
نہیں پر دل شکستہ میں خدا پر ہے نظر میری
خدا دارم چہ غم دارم چہ غم دارم

مرا دل رنج و غم سے ہے بہت جس وقت گھبراتا
تو یہ احوال ہوتا ہے کلیجہ منہ کو ہے آتا
نہیں ہرگز سمجھتا کوئی گر ہے لاکھ سمجھاتا
مگر میں جب یہ کہتا ہوں تو بارے ہے ٹھہر جاتا
خدا دارم چہ غم وارم چہ غم دارم

بلا سے گر نہیں کوئی رفیق و آشنا میرا
خدا پردھیان ہے میرا نگہبان ہے خدا میرا
خدا آساں کرے گا، گو ہے مشکل مدعا میرا
خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا
خدادارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

نہیں غمخوار کوئی کون کر سکتا ہے غمخواری
توقع جن سے یاری کی تھی وہ کرتے ہیں عیاری
خدا سے اپنی میں رکھتا ہوں امید مددگاری
زباں ہے جب تلک منہ میں زباں سے ہے یہی جاری
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

کوئی مغرور اپنے زور پر ہے کوئی دولت پر
کوئی نازاں شکوہ و شان پر ہے کوئی حشمت پر
ظفر تکیہ کہاں میں نے فقط اس کی عنایت پر
کسی سے میں نہیں کہتا ہوں راضی اپنی قسمت پر
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

مخمس

ناسخ

حشر چڑھے میری آہوں کی فغانوں کے
حشر آگے ہے شرمندہ ان شعلہ فشانوں کے
اف حشر سے نہ کیوں نکلے ہر پیر جوانوں کے
نالوں میں بلا گرمی ہے سوختہ جانوں کے
اس کوچہ میں بیٹھے ہیں بہتیرے مکانوں کے

جب بستر گل پر تو رکھتا ہے قدم اپنا
ہر بار رگ گل ہے پاؤں میں ترے چبھتا !
آگاہ نزاکت سے ہو گر تو گل رعنا
عارض کے تلے دھر کر کیوں ہاتھ کو ہے سویا
قربان ترے رخ پر چھلوں کے نشانوں کے

ہے دود فغاں ہی سے کیا رنگ فلک کالا !
آہوں کے ہے شعلوں سے خورشید بھی تھرایا
سوزش مرے نالوں کی مت پوچھ کہوں میں کیا
ان نالوں کی گرمی سے ہیں سوکھ گئے دریا
گویا لب ساحل ہیں لب تشنہ دہانوں کے

دم ناک میں ہے آیا پھولوں کے مہکنے سے
ہے مغز اڑا جاتا بلبل کے چہکنے سے
اچھلے نہ کلیجہ کیوں پتے کے کھڑکنے سے
اللہ ری نزاکت وہ غنچے کے چٹکنے سے
بولے کہ نہ پھٹ جاویں پردے کہیں کانوں کے

جب جسم میں مجنوں کے خوں کا نہ رہا قطرہ
اور آنکھ سے آنسو کا کوئی نہ بہا قطرہ
اس دم کہیں صحرا میں پانی کا نہ تھا قطرہ
جوں آبلہ پا سے کانٹوں پہ گرا قطرہ
تھا آب بقا حق میں ان خشک زبانوں کے

معلوم نہیں تیری اے عشق یہ ہے کیا خو
آ کر جگر و دل کو اک دم میں مرے لو ہو
دکھلانے لگا اپنی جب شان تجمل کو
ساتھ آہ و فغاں کے یوں آنکھوں سے بہے آنسو
ہو فوج رواں جیسے با ساز و نشانوں کے

اے عیسیٰ دوراں ہے تیرا یہ سخن شیریں
امکان نہیں غم سے دے ہم کو ذرا تسکیں
تو حق میں ہمارے ہے جلاد ستم آئیں
جاں بخش ہیں یہ تیرے گو لعل لب رنگیں
پر ہم کو تو اے ظالم لالے پڑے جانوں کے

جادو کی کمندیں ہیں یا آنکھوں کے ڈورے ہیں
مژگاں ہیں تری کافر بھر کے نیزے ہیں
اور ابروؤں کو تیری سب دیکھ کے کہتے ہیں
کاجل کی بھویں تیری تحریر ہی کہتے ہیں
رستم کے یہ چلے ہیں حلقوں کے کمانوں کے

دل پہ اک نہ ہو جب تک دنیا کی تمنا سے
کیا کام نکلتا ہے تسبیح و مصلیٰ سے
ناداں سے نہیں کہتے ہم کہتے ہیں داناں سے
دانا ہے جو دل اپنا پھیرے ہے وہ دنیا سے
کیا پھیرنے سے حاصل تسبیح کے دانوں کے

زلفیں تری بکھری ہیں عالم میں جو مستی کے
ٹھہریں ہیں بلا میں یہ چھوڑینگی نہیں ڈس
ور گوشوں کے آویزے دشمن ہوں نہ کیوں جی کے
جوں آبلہ زہر آگیں ہو کام میں عقرب کے
زلفوں میں نہاں یوں ہیں ہیرے ترے کانوں کے

ہر شعر صفائی میں ہے سلک گہر اپنا
ہے ہر ورق دیواں گنجینہ زر اپنا
جاری نہ رہے سکہ کیوں علم وہنر اپنا
ہے نقد سخن رائج عالم میں ظفر اپنا
منہ کھول دیے ہم نے مدت سے خزانوں کے

مخمس ناسخ

ان کو بدوضعوں سے صحبت میں کہوں تو کیا کہوں
اور مجھ کو ان سے الفت میں کہوں تو کیا کہوں
پوچھتے ہو کیا حقیقت میں کہوں تو کیا کہوں
کہنے میں ہوتی ہے خفت میں کہوں تو کیا کہوں
یارو کہنا ہے قباحت میں کہوں تو کیا کہوں

عاشق کو عاشق کامل سے پوچھا چاہیے
زخم کھانے کا مزا گھائل سے پوچھا چاہیے
گزرے ہے بسمل پہ جو بسمل سے پوچھا چاہیے
دل کی جو حالت ہے اس بیدل سے پوچھا چاہیے
دل ہی جانے ہے وہ حالت میں کہوں تو کیا کہوں

حال دل اپنا کبھی کہنے میں گھبراتا ہے کچھ
ہو جہاں جی میں فانی واں کہا جاتا ہے کچھ
میں تو کچھ کہتا ہوں اور غیر اس کو سمجھتا ہے کچھ
کہاں کہوں ہو کر مکدر وہ تو جھنجھلاتا ہے کچھ
واں تو دل میں ہے کدورت مس ی کہوں تو کیا کہوں

ایک تو رشک رقیب اور دوسرے ہجراں کا غم
کیا کروں اس کی جفاؤں کا بیاں میں دم بدم
سوختہ جاں سینہ بریاں دل ہے خواں اور چشم نم
کچھ نہ پوچھو دوستو جو کو کئے اس نے ستم
ان کا کہنا ہے شکایت میں کہوں تو کیا کہوں

یوں تو آنکھوں میں پھرا کرتی ہے اکثر اس کی شکل
کل نظر جو آ گئی قسمت سے دم بھر اس کی شکل
شوق پر کہتا ہے ظاہر دیکھ چل کر اس کی شکل
جی میں تھا کچھ میں کہوں گا دیکھ کر پر اس کی شکل
ہو گئی سکتے کی حالت میں کہوں تو کیا کہوں

کونسی منہ سے بیاں شرح و تمنائے وصال
کوئی چھپتی ہے محبت اس کا چھپنا ہے محال
ان کو سب معلوم ہے جو دل میں گزرے ہے خیال
میری نظریں ہی کہے دیتی ہیں میرے دل کا حال
ان سے اپنا راز ازالفت میں کہوں تو کیا کہوں

تم کو غیروں سے نہیں محفل میں فرصت ایک آن
کیونکہ سرگوشی کروں ہے مجھ سے عالم بدگمان
جو سنے تو گوش لں سے راز دل کا سب بیان
کان تکنے سے ترے سب کے لگے ہوئے ہیں کان
تجھ سے اے کان ملاحت میں کہوں تو کیاں کہوں

کوئی وحشت مجھ کو سمجھاتا ہے اور کوئی جنوں
دوستی میں ان کی ہے جو کچھ مرا حال زبوں
دل سے نکلی ہے فغاں اور چشم سے جاری ہے خوں
دوستی تو چاہتی ہے یہ کہ کچھ ان سے کہوں
اور کہوں تو ہو عداوت میں کہوں تو کیا کہوں

بستر غم پہ پڑا ہوں زار و بیمار و غریب
اس کی دوری سے ہوا ہوں میں تو مرنے کے قریب
چشم تر رخ زرد دل پر درد جاں حسرت نصیب
مجھ سے چل تو درد دل کیا پوچھتا ہے اے طبیب
سب کہے دیتی ہے صورت میں کہوں تو کیا کہوں

لے کے نامے کو مرے جب نامہ بر چلنے لگا
آرزوئے شوق شرح ہجر عجز و التجا
جی میں آیا کچھ کہوں پہ سوچ کر جی میں کہا
مدعائے خط تو سب قاصد کو میں نے لکھ دیا
اب زبانی وقت رخصت میں کہوں تو کیا کہوں

تم جو فرماتے ہو یہ مجھ کو تجھے سودا ہے کیا
ہے حلاوت عشق میں کیا اور مزا اس میں ہے کیا
آپ کی جانے بلا احوال اب میرا ہے کیا
تم نہیں آگاہ ناصح عشق میں ہوتا ہے کیا

تم سے اے حضرت سلامت میں کہوں تو کیا کہوں

ہر نفس سینے سے نالے کو ہے آہنگ سفر
ہوتے ہی مژگاں سے رخصت قطرہ خون جگر
مجھ کو کرے سے کہاں فرصت لکھوں میں شعرتر
یہ تو جلدی میں غزل میں نے کہی ہے اے ظفر
تو ہی کر گر وقت فرصت میں کہوں تو کیا کہوں

مخمس ظفر

تم ہوا ے خواجہ معین سردران حق پرست
تم ہو رمزآگاہ کن اور واقف سرالست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست
پہ فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پاؤ دست
یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

راہ دنیا ہے بلندو پست اور پرپیچ و خم!
جابجا اس میں گل اندیشہ ہے اور لائے غم
ہر قدم پہ خوف سے کرتا ہے سولغزش قدم
استقامت کا بہت ہے آپ کا دست کرم
یامعین لادین چشتی دستگری لازم است

گھر رہے ہیں کوہ سے پر مرے بارگاہ
اور میں عاجز نحیف و ناتوں ماندکاہ
وقت تزکی ہے اور ہر گام پہ تاریک چاہ
ظلمت آباد جہاں میں پھرتا ہوں گم کردہ راہ
یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

نشہ غفلت سے یہ بدمست ہوں میں بے عمل
جوش مستی سے ہے پاے ہوشیاری میں خلل
ہوں گرا پڑا برنگ اشک مژگاں سر کے بل
دستگیری گر تمہاری ہو تو میں جاؤں سنبھل
یا معین الدین چشتی دستگری لازم ست

خاک پہ سے جو کہ مل سکتا نہ ہو جوں نقش پا
تم اٹھاؤ تو وہیں ہوں وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا
عیسی جان بخش ہو تم اور خضر رہنما
دردمندوں کی دوا ہو ناتو انوں کے عصا
یامعین الدین چشتی دستگیری لازم ست

طوف کرتا ہے تمہارے آستاں کا آسماں
کعبہ اہل صفا ہو قبلہ گاہ مقبلاں
خواجہ ہر دو جہاں ہو شاہ شاہان جہاں
آپ کا دست حمایت چھوڑ کر جاؤں کہاں

یامعین الدین چشتی دستگیری لازم ست

آستاں یوں کا مجھ کو شوق تو ہے اس قدر / پر کروں کیا میں ہوں بے طاقت قدم سے سربسر
اڑ کے میں پہنچوں ابھی میرے اگر ہوں بال و پر / ہے تمہاری ہی فقط چشم عنایت پر نظر

یامعین الدین چشتی دستگیری لازم ست

وہ تمہارا نور باطن ہے کہ خورشید منیر / روبرو ہے اس کے ذرہ بلکہ ذرے سے حقیر
تم پہ روشن ہے کہ میں اے خواجہ روشن ضمیر / دو جہاں میں جانتا ہوں تم کو اپنا دستگیر

یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

بحر غم میں یہ ظفر جوں موج ہو کر بے قرار / مارتا ہے دست و پا تا ہاتھ آ جاوے کنار
پر کنارہ دور ہے اور ہے تلاطم بے شمار / چاہتا ہے دستگیری ہے یہ وقت اضطرار

یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

مخمس احد عشر

مجھے ہر روز جلنا آتش فرقت میں یونہی تھا / مجھے ہر شب تڑپنا درد کی شدت میں یونہی تھا
غرق رہنا ہمیشہ مجھ کو اس حالت میں یونہی تھا / مرا تو حال ہونا آپ کی الفت میں یونہی تھا

نہیں شکوہ مجھے تم سے مری قسمت میں یونہی تھا

عدو پر ان دنوں گر لطف بے پایاں ہے ہونے دو / وفا کے گرچہ پردے میں جفا پنہاں ہے ہونے دو
نہ پوچھو ہمدمو جو کچھ کہ ہوتا واں ہے ہونے دو / رفیق اشفاق پر ان کے اگر نازاں ہے ہونے دو

کہ ان کا ڈھنگ ہم سے بھی کبھی شفقت میں یونہی تھا

شب ان کی بزم میں خون جگر اپنا پیا ہم نے / جواب اصلا نہ بدگویوں کی باتوں کا دیا ہم نے
کسی نے جو کہا کانوں سے اپنی سن لیا ہم نے / نہ بولے منہ سے کچھ غیروں میں ہم اچھا کیا ہم نے

ہمیں خاموش رہنا لازم اس صحبت میں یونہی تھا

ہوئی ہے قیس کو صحرا نوردی میں جو یونہی شہرت / کہاں دشت جنوں کو اس نے چھانا تھا بایں وحشت
اسے دیوانے پن میں ہم سے تھی کچھ بھی نہیں نسبت / اڑائی خوب ہم نے خاک تھی مجنوں کو کیا نسبت

کہ وہ تو آ گیا اس وادی وحشت میں یونہی تھا

اگر اس کو کہاں میں نے تو فرمایا بتایا باعث
مجھے معلوم کچھ اس کا نہیں ہرگز ہوا باعث
نہ جس مطلب پہ اوروں سے کبھی پوچھا گیا باعث
بجز یہ عرض غیروں کی ہوئی اس طرح کیا باعث
گزارش کرتا بندہ بھی تو ہاں خدمت میں یونہی تھا

ہمیں منظور تھا جو کچھ مقرر ہم وہ کر جاتے
کہ جاتے اس جہاں سے آج ہم اور چشم تر جاتے
نہ آتے آپ گر یک دم تو ہم جی سے گزر جاتے
تم اپنے وقت آ پہنچے وگرنہ ہم تو مر جاتے
ارادہ ہو چکا اپنا غم فرقت میں یوں ہی تھا

کیا تو نے نہایت کیوں نحیف اے دل مزاج اپنا
تجھے کرنا کچھ اندیشہ تھا پیش از احتیاج اپنا
دکھاتا کیا ہے حال ناتوانی ہم کو آج اپنا
دل بیمار جب ہم نے کا تھا کہ علاج اپنا
کہ آیا فرق کچھ تیری ابھی طاقت میں یونہی تھا

مرا دم دید سے آنکھوں میں تھا مشتاق نظارہ
نہ تھا پر دیکھنے کا تیرے اک لحظہ مجھے یارا
ترحم چاہیے تھا کچھ تجھے اے شوخ و خود آرا
دکھا کر غیر کو صورت مجھے کیوں رشک سے مارا
کہ میں تو مر رہا دیدار کی حسرت میں یونہی تھا

وہی آتا ہے یاں جس کی گرفتاری ہے قسمت میں
نکل سکتا نہیں پھر آ گیا جو کوئی الفت میں
پا ہ کیا سمجھ کر تو بتارنج و مصیبت میں
نہیں جاے گریز اے دل اگر تجھ کو محبت میں
تو آیا تو ارے دیوانے اس آفت میں یونہی تھا

خدا جان کوئی وہ ہے پری یا حور یا انساں
تصدق جایئے اس شکل کے اس حسن کے قرباں
نہ پوچھو مجھ سیکیا حیرت فزا ہے جلوہ جاناں
ظفر تم دیکھتے ہو جس طرح آئینے کو حیراں
کل اس کو دیکھ کر میں بھی رہا حیرت میں یونہی تھا

مخمس اثناعشر

آج بھی لکھتا ہوں بصد خون جگر بند کے بند
بھیجتا اپنی ہوں قینچی سے کتر بند کے بند
مطلب دل کے ہیں یہ زیر نظر بند کے بند
بھیجے خط اسے لکھ لکھ کے اگر بند کے بند

نہ پڑھے کھول کے وہ دے یونہیں مہر بند کے بند

اک طرف کھینچے ہوئے تیغ وہ ابرو کافر   ایک جانب گولے نیزے ہیں مژگاں یکسر
ایک سو سرمے کے دنیا لے نے کھینچا خنجر   دل تیری چشم سے غائب ہو کہاں جائے کدھر
رستے سب ہو گئے اس تیرے نظر بند کے بند

جوش مستی میں جو کل چند بتان زیبا   کھول کر بندقبا جینے کو کرنے لگے وا
بے تکلف انہیں بس دیکھ کے یہ میں نے کہا   جامہ زیبوں کے ہیں کیا بند قبا بند بلا
دل عشاق ہوئے کھلتے ہی پر بند کے بند

جن کو دی عقل خدا نے ہے وہ اتنا سوچیں   کار بیگانہ سے کیا فائدہ ہووے گا ہمیں
غیر کے کام میں کس واسطے ہم دخل کریں   کام جس کا ہو اسی سے ہو کماں کی یہ بندھیں
جز کمال گر کبھی ہاتھوں سے چھپر بند کے بند

سانپ کاٹے جو کسی کو تو دوا ہے اس کی   پڑھ کے منتر کوئی تدبیر کرے جھاڑنے کی
پہ یہ کافر وہ بلا ہے کہ نہیں چھوڑتی جی   انکی زلف کا کاٹا نہ بچے کتے ہی!
باندھیں پڑھ پڑھ کے فسوں ساز اگر بند کے بند

گرچہ دل میں دم بسمل مرے لاکھوں میں خروش   اور پھر اس پہ یہ عالم کو رہا میں خاموش
اس کا مت پوچھ سبب اے بت غارتگر ہوش   تھا تری شوخ تبسم میں حلاوت کا یہ جوش
رہ گئے میرے لب زخم جگر بند کے بند

جوہری ہو کے اگر جمع جہاں کے آویں!   اور خوش آب گہر کان عدن کا لا دیں
آب و تاب ان کی و کیا خاک ہمیں دکھلا دیں   نکلیں دنداں ترے ہنسنے میں تو چپر رہ جاؤں
دہن درج میں دنداں گہر بند کے بند

کوچ کی اپنی سنائی ہمیں جب اس نے خبر   اپنا اک سکتے کا سا ہو گیا عالم سن کر
ہائے ہوتی ہمیں کچھ طاقت گفتار اگر   کچھ نہ کچھ کہہ کے انہیں روکتے ہم وقت سفر
پر زباں ہو گئی بندھتے ہی کمر بند کے بند

لے کر ہم اس کو جو گلشن میں سحر گہ جائیں   جو کہے منہ سے وہ گل لالہ و گل سہہ جاہیں
منہ ہے کیا غنچوں کا جو سامنے کچھ کہہ جائیں   گر کھلے باتوں میں وہ غنچہ دہن رہ جائیں

باغ میں غنچوں کے منہ بادِ سحر بند کے بند

جی تو چاہے ہے یہی گل کی ہوس میں صیاد پہنچوں میں باغ تلک ایک نفس میں صیاد
پر کروں کیا کہ میں اب ہوں ترے بس میں صیاد باندھ کر پر نہ مجھے چھوڑ قفس میں صیاد
فائدہ کرنے سے کیا طائر پر بند کے بند

تیرے سودائیوں کو دی ہے سزائے تقصیر لا کے زنداں میں کیا یاروں نے ہر چند اسیر
شوق صحرائے جنوں جن کا ہوا دامنگیر گئے دیوانے نکل مثل صفائے زنجیر
قید خانوں کے یونہی رہ گئے دربند کے بند

پنجہ اس یار کا ہے پنجہ خورشید مثال ہے خجل جس کی سرانگشت سے انگشت ہلال
اس کے تشبیہ مضامیں کا نہ پوچھو احوال بندھ گیا پنجہ جاناں کا جو شب ہم کو خیال
کہہ دیئے ہم نے مخمس کے ظفر بند کے بند

مخمس ثلاثہ عشر

سبزہ و گل ہو تو ابر تر بھی واجب ہے کہ ہو سب ہوں تو بر میں سمن بر یہ بھی واجب ہے کہ ہو
ابر ہو تو بادہ و ساغر بھی واجب ہے کہ ہو بزم عشرت ہو تو وہ دلبر بھی واجب ہے کہ ہو
اور خلوت ہو تو خالی گھر بھی واجب ہے کہ ہو

ہے اگر منظور دکھلاتی شکوہ و شان عشق! آبلے دل کے بنا خیمے سر میدان عشق!
داغ نقد عشق کر اور درد کر سامان عشق عزم بے ساماں نہ کچھ دیکھ اے سلطان عشق
اک ہجوم غم سے ہاں لشکر بھی واجب ہے کہ ہو

جمع ہوں جب کشتگان خنجر نازو ادا اور چاہیں غمزہ قاتل سے اپنا خون بہا
کون شاہد ہو گا وہاں بج ہے شہادت کے سوا خون کا دعویٰ کریں جس دم بمیدان وفا
مہر داغ خون سے محضر بھی واجب ہے کہ ہو

ناصحا یہ جوش سودا اور یہ جوش بہار خاروگل دونوں سے ہے زیبائش مجنون زار
دور گلگشت چمن ہے وقت سیر سبزہ زار چبھ رہے ہوں وادی وحشت کے گر پاؤں میں خار

تو گل داغ جنوں سر پر بھی واجب ہے کہ ہو

جتنے برہم ہوں زیادہ ہوں وہ گیسو خوشنما! جتنی ہو پرخشم جادو خوشنما
ہے ہر اک طرز عتاب عربدہ جو خوش نما اس کی ابرو پر نہ ہوں کیوں چین ابرو خوشنما
تیغ ہو تو تیغ پر جوہر بھی واجب ہے کہ ہو

اے شکار افگن وہ خنجر لا کہ جس میں آب ہو آب وہ زہر اب ہو یا آب شہید ناب ہو
اس سے پرنخچیر ناوک خوردہ کو کچھ تاب ہو قطرہ پیکاں سے صید تشنہ کیا سیراب ہو
یاں رواں آب دم خنجر بھی واجب ہے کہ ہو

دیکھنا جب کچھ حصول مقصد و مطلب ہو دل اور فارغ ساری تشویشوں سے روز و شب ہوں
آشنا و اشد سے اس گلشن میں شاید جب ہو دل سیر گلزار جہاں سے یوں شگفتہ ہو دل
غنچہ آسا کچھ گرہ میں زر بھی واجب ہے کہ ہو

ہے وہ جس وہ جس سے باغ خلد کا بے لطف سیب زلف وہ کافر کہ دے دل کو ہزاروں کے فریب
رخ کو دیکھو تو عبادت گاہ جاناں شکیب کیونکہ محراب دو ابرو کو نہ ہو بینی سے زیب
ہو جہاں مسجد وہاں منبر بھی واجب ہے کہ ہو

سوچ لے دل میں کہ اس کی زلف ہے ناگن بلا جس کو کافر نے ڈسا پانی نہیں وہ مانگتا
مان کہنا تو مرا دست ہوس کو مت بڑھا سانپ کا سا ہے کھلانا چھیڑنا اس زلف کا
اے ظفر ہاں یاد کچھ منتر بھی واجب ہے کہ ہو

مخمس اربعہ عشر

زمانے کے جواب حالت کبھی یوں سے کبھی ووں ہے تو کیا ہے رنج یا راحت کبھی یوں ہے کبھی دوں ہے
غرض اللہ کی قدرت کبھی یوں سے کبھی ووں ہے نہ دائم غم ہے نے عشرت کبھی وں سے کبھی ووں ہے
تبدیلیاں ہے ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

جو منہ میں آئے ہے کہتا ہوں یہ بیباک ہوں گا ہے فغاں کو اپنی پہنچاتا سر افلاک ہوں گا ہے
نکلتا گھر سے میں شوریدہ وشناک ہو گا ہے گریباں چاک ہوں گا ہے اڑاتا خاک ہوں گا ہے

لئے پھرتی مجھے وحشت کبھی یوں سے کبھی ووں ہے

کبھی وہ دمبدم بھرتے ہیں میری دوستی کا دم
رکھوں چشم وفا کیا ان سے ہے وہاں اور ہی عالم
کبھی یہ دشمنی گر مر بھی جاؤں ہو نہ ان کو غم
ابھی ہیں وہ مرے ہمدم ابھی ہو جائیں گے برہم
نہیں اک وضع پر صحبت کبھی یوں سے کبھی ووں ہے

ہوا جس روز سے میں فیضیاب بزم مستاں ہوں
عجب عالم دکھایا تو نے ساقی تیرے قرباں ہوں
سمجھتا شادی و اندوہ عالم دونوں یکساں ہوں
جو شکل شیشہ گریاں ہوں تو مثل جام خنداں ہوں
یہی ہے یہاں کی کیفیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

سنوارے زلف کو اپنی اگرچہ سو طرح سنبل
لگانا دل کو اس گلشن میں تو اپنے نہ اے بلبل
دکھائے روئے رنگیں کی ہزار اپنی نزاکت گل
کوئی دم ہے بہار گل پھر آخر ہے خزاں بلبل
چمن ہے منزل عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

تلون سے مزاج یار کے ہے یاں حذر لازم
کبھی کچھ کہتا ہے خالم کبھی کچھ کہتا ہے ظالم
ہوا سو بار جھوٹا اور پھر ہر گز نہیں نا دم
ظفر اک با پہ دائم وہ ہو وے کس طرح قائم
جو اپنی پھیرتا نیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

مخمس خمسۂ عشر

جواپنی پھیر تا نیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کچھ خبر پہلے کدورت اور صفائی کی نہ تھی　　وجہ کوئی صلح کی صورت لڑائی کی نہ تھی
تھے جدائی میں مگر سیر جدائی کی نہ تھی　　جب تلک دنیا نے ہم سے کچھ برائی کی نہ تھی

ہم کو آگاہی برائی اور بھلائی کی نہ تھی

آگے شہرت کیا تمہاری دلربائی نہ کی نہ تھی　　دلربائی میں مگر بات اس کھائی کہ نہ تھی
ہم نے تو ایسا سمجھ کر آشنائی کی نہ تھی　　یہ توقع ہم کو تجھ سے بیوفائی کی نہ تھی

آشنائی کی تھی ہم نے کچھ برائی کی نہ تھی

ہے دل بے کینہ میرا وہ مصفا آئینہ　　زنگ سے آلودہ وہ جو ہرگز نہ دیکھا آئینہ
یہ کبھی محتاج صیقل کا نہ ہوتا آئینہ　　تھے مکدر تم ہی ورنہ میرے دل کا آئینہ

بے کدورت تھا اسے حاجت صفائی کی نہ تھی

شوق گلشن سے نہیں اب اپنے بس میں اپنا دل　　ہے بدلتا رنگ کیا کیا اک نفس میں اپنا دل
تھا یہ تنگ آزاد ہونے کی ہوس میں اپنا دل　　لگ گیا تھا جن دنوں کنج قفس میں اپنا دل

ہم کو اے صیاد کچھ پروا رہائی کی نہ تھی

وقت گر یہ غمزدوں کے کیا بلا اندے تھے اشک　　مثل دریا روکنے سے رک نہیں سکتے تھے اشک
ہر گھڑی ہر لحظہ جاری سب کی آنکھوں سے تھے اشک　　تو نے کس کے دیدہ پر آب سے پونچھے تھے اشک

آج وہ سرخی ترے دست حنائی کی نہ تھی

سامنے اس شوخ کے جس وقت میں شیدا گیا　　یک بیک قابو سے میرے دل نکل میرا گیا
وہ خدا جانے کہ باغ سبز کیا دکھلا گیا　　دل فریبوں میں جو اس نا آشنا کے آ گیا

اس نے کیا آگے کسی سے آشنائی گی نہ تھی

دولت خوبی کا تیرے مہروش ووصف کیا　　ماہ بھی جس سے سدا دریوزہ گر ہے حسن کا
تو نے اپنی آنکھ سے کیا شام کو دیکھا نہ تھا　　ماہ تو کشتی لئے نکلا تھا کیوں مثل گدا!!

حسن سے تیرے تمنا گرگدائی کی نہ تھی

اس مہ نامہرباں سے ہم تے کی تھی دوستی یہ سمجھ کر ہم جدا اس سے نہ ہووینگے کبھی
پر نہ تھا معلوم یوں آجائے گی آزردگی جانتے تھے چین سے گزریں گی راتیں وصل کی

اسقدر بھی ہم کو خبر زور جدائی کی نہ تھی

شکل مثل سایہ ہوسیہ ہاتھ اپنا سر بسر ہم نے انگلی بھی اسے اپنی لگائی ہو اگر!
کیا خطا کیا جرم پھر یہ ہم جو ہے وہ اس قدر زلف اس کی ہم سے بل کرنے لگی ناحق ظفر

ورنہ کوئی وجہ لیکن کج ادائی کی نہ تھی

مخمس ستہ عشر

سب آج شرح دردوالم لکھ کے بھیج دوں جتنا کہ ہے فسانہ غم لکھ کے بھیج دوں
جو دل میں ہے اٹھاؤں قلم لکھ کے بھیج دوں خط غلامی اپنا صنم لکھ کے بھیج دوں

اورجو کہے خدا کی قسم لکھ کے بھیج دوں

آگاہ خوئے یار سے ہوتا اگر نہ میں قاصد خط اس کو لکھتا کبھی بے خطر نہ میں
مشق جفا سے اس کی ہے تو بے خبر نہ میں ڈرتا ہوں وہ قلم نہ کرے ہاتھ ورنہ میں

جو جو کئے ہیں اس نے ستم لکھ کے بھیج دوں

کیا کیا تھے یار اپنے زمانے کے انتخاب سب نے عدم کی راہ لی اے ہستی خراب
ہووے مثال نامہ نہ کیوں دل کو پیچ و تاب لا سکتا رفتگاں کا نہیں کوئی بھی جواب

خط کس کے ہاتھ سوئے عدم لکھ کے بھیج دوں

اس گل کی ایک عمر سے تھی جستجوئے وصل پائی پر اب تلک نہ کہیں میں نے بوئے وصل
اب جی میں ہے کہ یوں ہو اگر گفتگوئے وصل معلوم تو ہو اس کو مری آرزوئے وصل

وصلی پہ حال رنج والم لکھ کے بھیج دوں

لکھے ہیں بار بار وہ مجھ کو کر تو شتاب　　لکھ بھیج حال عشق ہوا ہے جگر کباب
اس کے سوا بن آتا نہیں اور کچھ جواب　　جا کر دکھاؤں دل کے جو ہیں داغ بے حساب

گر ہو حساب دام و درم لکھ کے بھیج دوں

قاصد رواں ہو باندھ شتابی سفر کا رخت　　کھل جائے گا کہ ایسا تو عرصہ نہیں ہے سخت
ہر چند اس الم سے مرا دل ہے لخت لخت　　یہ کیوں لکھوں کہ میں ہوں سیہ روز تیرہ بخت

مضمون خط و خال ہم لکھ کے بھیج دوں

میری طرف سے غیر نے کیا جانے کیا کہا　　جو اعتبار کچھ نہ رہا میرے قول کا
تو ہے مرے نوشتے کو بھی جھوٹ جانتا　　باور نہ ہو کبھی تجھے اے شوخ بے وفا

سو عہد نامہ گر قسم لکھ کے بھیج دوں

اس کا خیال زلف ہے کیا کیا وبال دل!　　لیکن اسے ذرا نہیں آتا خیال دل
ہو وہ بھی کچھ تو واقف رنج و ملال دل　　پرزے پہ میں جگر پہ ظفر اس کو حال دل

مژگاں اگر مری ہو قلم لکھ کے بھیج دوں

مخمس مربع عشر

بچے دنیا یونہی بک بک کے عبث جان کھپائی　　نہ دیا منزل عقبیٰ کا مجھے رستہ دکھائی
مگر اب جی میں ہے یہ چھوڑ کے سب ہرزہ درائی　　ملتا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی

نروم جز بہمان رہ کہ توآں رہ نہ نمائی

نہ پھروں عہد سے جب تک کہ مرے دم میں رہے دم　　رکھوں پیمان محبت کو ترے یوں ہی محکم
طلب وصل تری ہو نہ مرے دل سے کبھی کم　　ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ درکار تو پویم

ہمہ توحید تو گویم کہ بہ توحید سزائی

نہ چپ و راست سے گر ہووے تری نصرت و یاری   نہ ترا عرش سے تا فرش اگر فیض ہو جاری
تو کہے کیونکہ خدایا یہ خدائی تجھے ساری   تو خداوند یمینی ، تو خداوند یساری

تو خداوند زمینی ، تو خداوند سمائی

نظر آتی ہے جہاں میں جو سفیدی و سیاہی   قلم صنع پہ دے ہے ترے دن رات گواہی
تری یکتائی مبرا ہے ہر اک شے سے الٰہی   تو زن و جفت نہ جوئی تو خود وخفت نخواہی

احدا بے زن و جفتی ملکا کام روائی

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت   نہ اعانت تجھے درکار کسو کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی سے نہ کسی سے ہے قرابت   نہ نیازت بولادت نہ بفرزند تو حاجت

تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی!

جسے تو چاہے امیری دے جسے چاہے فقیری   جسے تو چاہے بزرگی دے جسے چاہے حقیری
کرم و عفو سے کیونکر نہ کرے عذر پذیری   تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری

تو معزی تو مذلی ملک العرش بجائی

گنہ و جرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی   تیرے الطاف سے محروم نہ مےخوار نہ زانی
کہ وہ ستار ہے تو واقف اسرار نہانی   ہمہ راعیب تو پوشی ہمہ راعیب تو دانی

ہمہ را رزق رسانی کہ تو موجود عطائی!

خرد و وہم سے گو دل نے کوئی بات تراشی   کہ ہو اول و آخر کی حقیقت کا متلاشی
مرے نزدیک سوا اس کے ہے سب سعی خراشی   نہ بدلے خلق تو بودی نبود خلق تو باشی

نہ تو خجری نہ مکینی نہ فراشی نہ تو کائی

رہے مصروف ثنا میں ترے ہر چند خلائق!   نہ ادا پر وہ ثنا ہو جو ثنا ہے ترے لائق
کہ وہ فوق اور ہے جس فوق سے ہے سب سے فائق   نہ سپہری نہ کواکب ، نہ بروجی نہ دقائق

نہ مقامی نہ منازل نہ مکینی نہ بپائی

نہ توصیف تری رکھتی نہایت سے درازی — نہ تھکے ہاتھ یہ کوچہ تری بے بندہ نوازی
نہ چلے کنہ حقیقت میں تری نکتہ طرازی — بری از چون وچگونی بری از عجز و نیازی

بری از صورت و رنگی بری زعیب و خطائی

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشہ دشمن — نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ تراشیون
نہ تجھے چاہیے ماوانہ تجھے چاہیے مسکن — بری از خوردن و خفتی بری از تہمت مردن

بری ازبیم و امیدی بری از رنج و بلائی

نہ رہا عالم طفلی و جوانی ہوئی پیری — غم دنیا کے ہے زنداں میں مجھے اب یہ اسیری
نہ روا رکھ مرے حق میں تو یہ خواری و حقیری — تو علیمی تو حکیمی ' تو خبیری تو بصیری

تو نمائندہ فضلی تو سزا وار ثنائی!

ترے اوصاف بیان کرنے کی باندھے جو ذہن جی — دم تقریر ہو گونگی دم تحریر ہوئی جی
مری کو نوک زباں تیغ معانی کی ہو کبھی — نتواں وصف تو گفتن کہ تو دروصف نہ گنجی

نتواں شرح تو کردن کہ تو در شرح نیائی

نہ بصر کو ہے یہ قدرت کہ تری دیکھے تجلی — نہ خردکو ہے یہ طاقت کہ تجھے پائے ذرا بھی
متحیر ہوں میں اس میں کہ صفت کیا کہوں تیری — احدالیس کمثلی صمد الیس تقیدی

لمن الملک تو گوئی کہ سزا وار خدائی

ظفر اس وقت میں خاموش ہو گیا غنچے کے مانند — کہ یہ اشعار مناجات کے یاد آئے اسے چند
کرے اوصاف میں کس طرح ترے اپنی زباں بند — لب و دندان سنائی ہمہ توحید تو گویند

مگر از آتش دوزخ بودش زود رہائی

مخمس ثانیہ عشر

ہمیشہ از ندامت اشک بارم زجرم خویشتن خود شرمسارم
مگر از رحمت امید وارم الٰہی واقفی ازحال زارم

تو ہی دانی کہ جزتو کس ندارم

گناہوں کا مرے از بس ہے طغیاں رہے ہے موجزن طوفان پہ طوفان
تری بے دستگیری ہوں ہراساں الٰہی غرقہ ام دربحر عصیاں

زدست رحمت افگن برکنا رم

جہاں سے مجمع اسباب غفلت مہیا ہیں سبھی اسباب غفلت
یہاں پی کر شراب ناب غفلت الٰہی رفتہ ام درخو اب غفلتی

بدہ بیداری زیں کار دریارم

ترے آگے نہیں مانند تصویر زبان عذر کو یارائے تقریر
مری کیا دستگاری کی ہو تدبیر الٰہی کردہ ام بسیار تقصیر

وزاں حضرت نہایت شرمسارم

بجا ہے گر دل مضطر کرا ہے کہاں ٹھہرے جو کچھ آرام چاہے
نیابی منزل مقصود کا ہے الٰہی برکشا ازغیب راہے

زچندیں سال دمہ در انتظارم

کرے سو سرکشی کوئی زبردست سرراہ فنا ہوجاوے ہے پست
نہیں رہتی ہے مطلق طاقت جست الٰہی راہ مرداں سخت راہست

تو آساں بگذراں زیں رہ گذارم

تجھی کو زیب دے ہے حکمرانی کر تیرے ہاتھ موت اورزندگانی
نہ جانوں میں غضب نے مہربانی الٰہی گر برانی ورنخوانی

تو دانی بندہ بے اختیارم

سیہ کاری میں ہوں غلطاں و پیچاں پریشاں حال مثل زلف خوباں
کروں کیا اپنی جمعیت کا ساماں الٰہی خاطر را جمع گرداں

کہ مسکین و پریشاں روزگارم

کھلے توحید کے معنی مجھے یہ دوئی اٹھی نہیں اس سے عذر بہ
قضا جس دم کرے اپنی کماں زہ الٰہی بر کیے گفتن مدد دہ

کہ تا من جان بآسانی سپارم

نہ گریہ میں نہ سوز دل میں تاثیر گناہوں کی ندامت سے ہوں دلگیر
تجھی سے امید عفو تقصیر الٰہی از کمال لطف بپذیر

دل سوزان و چشم اشکبارم

رہا میں جب سے یاں خورسند و فیروز یونہی ہوں حشر کو بھی جلوہ افروز
رہوں دونوں جہاں میں بہرہ اندوز الٰہی گر عزیزم کر دی امروز

مکن فردا بہ نزد خلق خوارم

یہ کافر نفس ہے ایسا بلا بد کہ جس سے جزبدی ہو کچھ نہ سرزد
عداوت مجھ سے کیا رکھتا ہے بیحد الٰہی گر نہ توفیق تو باشد

برآرد نفس بد از جاں دمارم

مکاں تاریک میں تنہا و بے زور جو کوئی پاس ہے تو مار یا مور
سنے کون آہ نالے کا مرے شور الٰہی درشب منزل مگر گور

تو لطف خویش گرداں غمگسارم

نشے میں میں تو ہوں غفلت کے سرمست مرے در پے ہیں دو دشمن قوی دست
کہاں جاؤں کروں میں کس طرف جست الٰہی نفس و شیطاں درکمین است

ز تقوائے عبادت کن حصارم

ظفر ہے جن کو ایماں اپنا درکار دعا ایماں کی وہ مانگیں ہیں ہربار
کہے ہے دیکھ تو کیا مرد ہشیار الٰہی برجلید ایماں نگہدار

کر ایں ست اصل جاہ و افتخارم

مخمس تسعۃ عشر در مرثیہ

اسے مجرا جو شاہ دو جہاں ہے جھکا مجرے کو جس کے آسماں ہے
وہ سرور ہیں شاہ شہیداں دوجگ کا اجیارا اللہ کا محبوب ہے وہ اور ہے وہ نبی کا پیارا

علی کا ہے جگر زہرا کی جاں ہے

ستم ہے ساقی کوثر کا جانی! نہ پائے تین دن اک بوند پانی
پانی کی اک بوند نہیں اورسوکھی جائے زباں مارے پیاس کے گری کے ہونٹوں پر آئی جان

لبوں پر پھیرتا سوکھی زباں ہے

سوا دن بیاہ کے قاسم جو رن میں جدائی ہو گئی دولہا دلہن میں
کیسی مہندی عطر سہاگ اورکیسی رنگیلی رات دولہا کے تو ہاتھ کٹیں اور دلہن ملتی ہات

غم قاسم ہے یہ شادی کہاں ہے

گرا اکبر تو برچھی رن میں کھا کر سو عباس بھی دریا پہ جا کر
مارے گئے سب ساتھی سنگاتی اکبر اب نرائے خیمہ جلا گھر بار لٹا اور اہل حرم سب پیاسے

جدھر دیکھو ادھر شوروفغاں ہے

گئے اصغر کو شہ گودی میں لے کرا کر پانی سے کروں اس کا گلو تر
پیاسے گلے میں اس کے اڑی ہے ہے تیر کی بوند دیکھ کے اس نے باپ کی صورت آنکھیں لیتی موند

گلوئے خشک و چشم خونچکاں ہے

گلوئے خشک و چشم خونچکاں ہے

لہو میں دیکھ کر بھائی کو غلطاں کہا زینبؑ نے یہ باچشم گریاں
ہے یہ جسکو پیار سے اپنے زہراؑ گودی پالے اسکے تن پر گھا ڈالاگے بچھے لوہو کے نالے

سراب اس کا ہے اور نوک سناں ہے

جسے زہراؑ نے گودی میں کھلایا! نبیؐ نے دوش پر جس کو جھلایا
چاروں اور سے اس کے لاگے برچھی بھالے تیر ماٹی اوپر لوٹے رن میں گھائل سارا سر پر

لہو کا زخم سے دریا رواں ہے

ہوا زین العباؑ محبوس افسوس پیادہ پا چلا افسوس افسوس!
جس کے پاؤں کی ماٹی ہو چاند سورج پر فوق اسکے ہاتھوں ہتھکڑیاں ہو اور گلے میں طوق

سفر درپیش ہے اور ناتواں ہے

ظفر اس غم سے اک عالم ہے مغموم زمیں سے تا فلک ماتم کی ہے دھوم
نیلا ناگا اکاس نے کیتو جائے اندھیری رین تارے ناہیں آنسوؤں سے ہے بھرے زمانہ نین

جسے دیکھو غرض ماتم کناں ہے

مسدس

چلنے لگی ہے بے طرح باغ جہاں میں یہ ہوا جانگزا کہتے ہیں سب جس کو وبا سے وہ وبا
یارب طفیل پنجتن مجھ کو اس آفت سے بچا میں ہر گھڑی اور ہر نفس پڑھ کر یہی ہوں پھونکتا

لی خمسۃ اطفی بہار حرالوباء الحاطمہ!
المصطفی والمرتضی وابنا ہما والفاطمہ

لولیا نبیؐ اللہ خبر بارحمت آل و وصی تا آب رحمت سے کہیں سوزوبا ہو منطفی
میرا وسیلہ پنجتن برکت سے اس کے نام کی نٹنی ہے یہ آفت بلا ہو کیوں نہ دل میرا قوی

لی خمسۃ اطفی بہا حرالو باء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا ہما والفاطمہ

ہے یا جناب پنجتن وصف آپ کا قرآن میں　　لولاک اور تطہیر ہے آیا تمہاری شان میں
دافع بلا کا تم سوا آتا نہیں ہے دھیان میں　　یہ میرا ہے ورد زباں ہے جان جب تک جان میں

لی خمسۃ اطفی بہا حرالوباء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا والفاطمہ

واللہ غیر از پنجتن یارا کسی کو یہ کہاں　　جو اس بلا کو ٹال دے ہووے شفیع عاصیاں
باور نہ آتا جسے دیکھے عیاں کا کیا بیاں!　　لکھتے ہیں دروازے پہ تا گھر رہے دارالاماں

لی خمسۃ اطفی بہا حرا الوباء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا ہما والفاطمہ

ہے گرم گرچہ یہ ہوا جوں ناردوزخ پیشتر　　لازم ہے تم کو جوش پہ دریائے رحمت کی نظر
ہرگزحواس خمسہ گم توہم سے اپنے نہ کر　　بعداز نماز پنجگانہ وقت اس کو پڑھا کرائے ظفر

لی خمسۃ اطفی بہا حرالوباء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا ہما والفاطمہ

ایضاً

آج کہتا ہے ساقی مدہوش　　کر نہ لے نام تو یہ سن خاموش
یہ چمن اور یہ گل یہ جوش و خروش　　تو بھی گلا پوش یار بھی گل پوش

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم تو بہ نیست ، بادہ نبوش

ہے ہوا سرد اور چمن سیراب　　رخ خورشید پہ ہے ابر نقاب
ہے گناہ شکست توبہ ثواب　　آج ہے دور دور جام شراب

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم تو بہ نیست ، بادو نبوش
گل تو گلشن میں تھے ہمیشہ نسوز　　آج غنچے بھی کہتے ہیں منہ موڑ
شیشہ توبہ شراب کو توڑ　　دامن عیش کر تو ہاتھ سے چھوڑ

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم تو بہ نیست ، بادو نبوش

ہر رگِ گل ہے اک ستار کا تار   زخمہ ہے عندلیب کی منقار
جب وہ چھیڑے ہے اس کو مطرب دار   ہوتی ہے یہ ترانۂ سازِ بہار

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

ابر بھی اس قدر رہا ہے جھوم!   لے گا روئے زمیں کو گویا چوم
لالہ و گل کا ہے چمن میں ہجوم   بلبلیں یہ مچا رہی ہیں دھوم

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

جام برکف ہے ساقیِ طناز   مطرب خوش نوا ہے نغمہ طراز
ہو نسیم بہار گر دمساز   نے و نرگس سے نکلے یہ آواز

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

مے لعلیں سے بھر کے جامِ بلور   دے دعا دم کر وہ خدائے غفور
پاس توبہ کا رکھ خیال سے دور   ہے یہ عہد نشاط و وقت سرور

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

ہے ہوائے بہار روح افزاء   اس ہوا میں ہے میکشی کا مزا
آپ پی اور گل رخوں کو پلا!   توبہ توبہ ابھی سے توبہ کیا!

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

ہیں ابھی دن بہار کے دو چار   روز پی روز ساغرِ سرشار
توبہ کر لی جو بعد فصل بہار   ان دنوں مے سے تو نہ کر انکار

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

تو ہو اور تیرے ساتھ مست صنم   جام عشرت نصیب ہو جم جم
تجھ کو اس چشم مست کی ہے قسم   دیکھ تو ہے چمن کا کیا عالم!

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

در توبہ ابھی نہیں ہے بند توبہ ہر وقت ہے قبول و پسند
روز پی بادہ روز ہو خرسند بلکہ آج اور بھی دو چند سہ چند

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ، بادہ نوش

مسدس دیگر

کیوں دل آزار مرا تجھ سے دل زار لگا! کہ جو دل لگتے ہی اک جان کو آزار لگا
شوراں تینڈی بہہ وچ بھی گیا معمول پھندہ نال برہ کے پھندے گئے اسانوں بھول

دل بدام خم زلف ست گرفتار ہنوز
جانم از نرگس بیمار تو بیمار ہنوز

واہ واہ خوب ہی کی مجھ سے محبت تونے خواب میں بھی نہ دکھائی کبھی صورت تونے
روندے رھندے سوچتا کچھ نہیں آنکھوں نال تونے تیری دکھیں وا بھلدا نہیں خیال

گرچہ شدہ دیدہ ام از گریہ ہجر تو سفید
لیکن از دل نرود حسرت دیدار ہنوز

گرچہ بسمل کی طرح خاک میں غلطاں ہوں میں دل سے پر تیر نگہ کے ترے قرباں ہوں میں
دل وچ تینڈی تیر نظر دے ایسے گہرے گھاؤ بھر بھر مرہم مرہم جاویں تو بھی نہ ہو بھراؤ

بود دناوک ناز توچہ لذت کہ نشہ
لب ہر زخم بہم چوں لب سوفار ہنوز

باغ میں نغمہ بلبل کے خوش آتا ہے نکہت گل سے دماغ اپنا اڑا جاتا ہے
سونگھوں جا کر باغ میں میں پھوں دی باس میںڈا باغ بہار دا سو نہیں میںڈے پاس

آہ ازاں دم کہ نہاں شد گل روےت زنظر
میخلد درجگرم ازغم و خار ہنوز

تیری فرقت نے کیا بے خور و بے خواب مجھے جلد آ جلد کہ فرقت کی نہیں تاب مجھے
بھویں اوٹھ اوٹھ میں کھی اور بھر دی دل سے آہ انکھیاں تینڈی دکھس کو تکدی تیری راہ

تو نہ غم خانہ ام از ناز نہ ی آئی وس
چشم راہ توچوں روزن دیوار ہنوز

پہلے یہاں آنے کا سو طرح اسے انکار کیا   پھر ہوا کیا کہ جو اقرار سے انکار کیا
گھڑی گھڑی کوک بھی پہلے مینڈے ہاتھ   کن دونا بہکا دیا جو دھر کے کان ہاتھ

اے ظفر یار زاقرار بہ انکار آمد
لیک معلوم نہ شد باعث انکار ہنوز

ایضاً

کیا پوچھتے ہو کجروی چرخ چنبری   ہے اس ستم شعار کا شیوہ ستمگری
کرتا ہے خوار تر انھیں جن کو ہے برتری   اس کے مزاج میں ہے یہ کیا سفلہ پروری

کھائے ہے گوشت زاغ فقط استخواں ہما
کیا منصفی ہے زاغ کہاں اور کہاں ہما

بالعکس ہیں جہاں میں جہاں تک ہیں کاروبار   شیوہ کیا ہے الٹا زمانے نے اختیار
ہے موسم بہار خزاں اور خزاں بہار   آئی نظر عجب روش باغ روزگار

جو نخل پر ثمر ہیں اٹھا سکتے سر نہیں!
سرکش ہیں وہ درخت کہ جن میں ثمر نہیں

باد صبا اڑائے چمن میں ہے سر پہ خاک   ملتے ہیں دمبدم کف افسوس برگ تاک
غنچے میں دل گرفتہ گلوں کے جگر ہیں چاک   کرتی ہیں بلبلیں بھی فریاں درد ناک

شاداب حیف بنا رہوں گل پائماں ہوں
گلشن ہوں خوار نخل مغیلاں نہال ہوں

نزدیک اپنی آپ کو جو کھینچتے ہیں دور   دیکھا تو صاف فہم میں کچھ ان کے ہے قصور
ورنہ جو باصفا ہیں خرد مند ذی شعور   کیا دخل ان کو آوے کبھی نخوت و غرور

رکھتے غبار کینہ سے وہ سینہ صاف ہیں
ہر نیک و بد سے صورت آئینہ صاف ہیں

جائیں نکل فلک کے احاطے سے ہم کہاں   ہووے گا سر پہ چرخ بھی جاویں گے ہم جہاں
کوئی بلا ہے خانہ زنداں یہ آسماں   چھٹنا محال اس سے ہے جب تک ہے تن میں جاں

جو آ گیا ہے اس محل تیرہ رنگ میں
قید حیات سے ہے وہ قید فرنگ میں

یہ گنبد فلک ہے عجب طرح کا قفس   طاقت نہیں ہے نالے کی بھی جس میں یک نفس
جنبش ہو ایک پر کی تو پر ٹوٹ جائیں دس   رہ جائے دل کی دل میں نہ کس طرح سے ہوس

کیا طائر اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں نہ اتنا دم ہو کہ پرواز کر سکے

کیا کیا جہاں میں ہو چکے شاہان ذی کرم   کس کس طرح سے رکھتے تھے ساتھ اپنے وہ حشم
آخر گئے جہان سے تنہا سوئے عدم   دارا کہاں کہاں ہے سکندر کہاں ہے جم

کوئی نہ یاں رہا ہے نہ کوئی یاں رہے
کچھ اے ظفر رہے تو نکوئی یہاں رہے

دیگر

اے فخر جہاں فخر زماں فخر دو عالم   ہے لطف ترا حق میں دل ریش کے مرہم
ہر تار نفس میں ہو اگر سو گرہ غم   وا ناخن تدبیر سے ہوں تیرے بیک دم

ایک اشارے نال قساندے کھلدے عقدے سارے
ڈھل نہ کر اے فخر پیا سلطان نظام کے پیارے

ہے زیب جبیں جس کی ترا داغ غلامی   وہ اوج مدارج میں قمر سے بھی ہے نامی
اے صدقے ترے لطف کے صدجان گرامی   تو اپنے غلاموں کا ہو الطاف سے حامی

مینوں رکھے مرشد میںڈا اپنے کر دے اوٹ
جو میں پناہ تساڈی پاوں یہ ہے دوا دے کوٹ

ہے مجھ کو ترے سلسلہ پاک میں بیعت   امید تو واں لیوں ہے کہ اے چشمہ رحمت
تو ہونے نہ دیگا مجھے آلودہ کلفت   جس کا کوئی ہوتا ہے وہ کرتا ہے حمایت

لگ گیا دامن نال تساڈے بندھے تساڈے ساتھ
جونہی پکا ہاتھ ساڈا لاج تساڈے ساتھ
کھلتا نہیں کچھ مجھ پہ کہ یہ چرخ بداختر   کس واسطے ہر روز نیا لائے ہے چکر
تو میرا مددگار ہے تو کیا ہے مجھے ڈر   مدت سے کیا میں نے ہے تکیہ ترے در پر

کس دیلی وین پھرے میںڈی کراں دھیان
جب دیکھے تو آوے ہووے سب مشکل آسان

ہر لحظہ سے دریائے غم و رنج کا طغیاں اور باد مخالف سے ہے اٹھا ہوا طوفان
ہاتھ آتا نہیں دامن ساحل کسی عنواں! میں خوف سے کیا کیا صفت موج ہوں لرزاں

کون لنگھائے پار نوریا ٹوٹ پڑے منجدھارا
ساڈی ٹوٹی بیڑی دا ہیں تو ہے کھیون ہارا!

ہوں خاک نشیں صورت نقش کف پا میں اٹھا ہوا پامال کر جاتا ہوں مٹا میں
ہمدرد نہیں درد دل اپنا کہوں کیا میں جو دل پہ گزرتی ہے وہ دل جانے ہے یا میں

کس نوں آکھاں بھید میں دل دا کون بندھاوے دھیر
تو ہی کر دے کرم فقیر اپنا سیندی دھائے ہیر

کس طرح ظفر اپنا کرے حال دل اظہار حیرت سے ہے یہ نقش کر ہے نقش بدیوار
اور دل میں کھٹکتے غم و اندوہ کے ہیں خار کس سے کہے ہے کون سوا تیرے مددگار

جلدی اسد ے دل سے کڈھ لے ساری غم دے رسول
تیڈا وہ تو کہا وے جگ وچ مارکھ اسنوں ملول

ایضاً

پری رو تو نے کیا جلوہ دکھایا! مجھے اک دم میں دیوانہ بنایا
کیا لکھے بحر ال ایسا گھیرا! نہ سنبھلا پھیر میں بے خود نہ سنبھلا

چناں از دیدنت دیوانہ گشتم
کہ من از خویشتن بیگانہ گشتم

جو تجھ کو جانتا تا آشنا میں! نہ ہوتا آشنائے بے وفا میں
تجاناں تیں کیا سحر کیتا جو سیفوا اپنے پھندے پھند لیتا

ولم راچوں بزلف خویش بستی
مراچوں زلف سرتا پاشکستی

محبت کیا کہوں میں تجھ سے کیا ہے کمند آفت و دام بلا ہے
جو اس پھندے میں آئے پھر نہ جیتے ویا دن رات چھاتی اپنی پیٹے

دریں دام بلا دل گشتہ محبوس
دریغا حسرتا افسوس! افسوس!

جدائی میں تری اے ماہ ظلمت مجھے ہر روز ہے روز قیامت
سکھر دیں چلتے بلتے ہیں جو راتاں اونہاں راتاں دیجا کی آکھاں باتاں

چہ کی پرسی زشبہائے درازم
برنگ شمع درسوزو گدازم

دم آنکھوں میں ہے لب پر جان آئی تری صورت نہیں دیتی دکھائی
کہاں تک تیری سہتریاں راہ تکاں ترے ویکھے بناں پھر رہ نہ سکاں

نیاز درد دوری بے قرارم
نہ دارم تاب مجبوری نہ دارم

تری ہے اے ستمگر یاد ہر دم لبوں پر ہے مرے فریاد ہر دم
برہ دی اگ وچ ہے جان پھکدی نہیں جب کر دے ہاں دن رات ککدی

سرم پر شور ازعشقت چنان است
کہ ہر سوئے تنم گرم فغان است
نہیں اب یار کوئی پاس ایسا نہیں غمخوار کوئی پاس ایسا
جو میرے ہوئی اپنی مہر نہ کہے وہ تیرے کول جا کر ہو رکھے

صنم بگذار اس طرز جفارا
خدارا برظفر رحمے خدارا

مثلث

کروں خط میں کیا حال تحریر پہلے

پانی لکھی سے پہلے اسنو دیئو سب بھکائے قاصد سو چکے باقی دیتا مگر بات مگر جائے

وہاں چاک خط کی ہے تدبیر پہلے

سیپے کول بجو وے رانجھا آگے ہیر جو کوئی دیکھے کھول کے انکھیاں تو ہراں دی تصویر

رکھی سامنے میں نے تصویر پہلے

سب نے سادے درد سمجھ اور ب ن عشق بنایا جو وہ تجھے پیدا دے اس دروں سے کون کرایا

تو اے دل تجھے ہوگی تحریر پہلے

کیونکر چھٹاں میں اے دھندے سے یہ دھندا گورکھ دھندا چہن کارن دل کے بنایا برہ کے تاروں پھندا

بنی تھی تری زلف زنجیر پہلے

اگلے حال نوں تیں کی پچھدا دیکھ لے اب جو حال خاک بھی ہوں تو لکھے دے وہ اپنے پیروں حال

ہمیں جانتے تھے جو اکسیر پہلے

کام کریں تدبیر سے پہلے من میں سوچ کے سیانے بڑا سیانا اس کو جانو جو کر ڈانٹا جانے

ظفر کام کرتی ہے تقدیر پہلے

مثلث

نہ نسو دیکھ کے تدبیر کو پلٹے کھاتے

گھر گھر اتنا نزار ھر کیوں پھندا میدی یار دو بھرا ہیں سچ ہے جو چاہے کرتار

دیر لگتی نہیں تقدیر کو پلٹے کھاتے

ترے بھویں وہ یاد جو آئے دل کا ہوا یہ حال دیکھے جس نے دیکھا نہووے بجھے دی نال

نہ تجر کسی نخچیر کو پلٹے کھاتے

میری بجر ہے بجری تجھ پہ مست ایکا لیکھا جب وہ میں نے لوکاں آنکھیں ہم نے ناہیں دیکھا

اس طرح برق کی شمشیر کو پلٹے کھاتے

شوق رنگ اسدے باتوں دا اب کچھے کی اعتبار　　ایک ایک گل پر اپنی آنکھوں دیکھ چل بیار

ہم تو اس یار کی تقریر کو پلٹے کھاتے

مثلث

دنیا سے دل لگانا عزیز و بھلا نہیں

سوچ سمجھ لو اپڑیں من وچ سچ گلانا جھوٹ　　جو ہی ہاتھ تسا ڈے جاوے ایک دم ہاتھ سے چھوٹ

سب ہم نے کر دیا ہے نہ کہنا کہا نہیں

چار دن کے ہیں یہ سنگاتی چاروں پاؤں ہاتھ　　اک دن ایسا آوے تسا ڈے ایک نہووے ساتھ

پھر کون آشنا ہو کوئی آشنا نہیں

جس تن نت پہرا ہے چاندنی نئی نئی پوشاک　　اک دن گردن وچ کفنی ہوا وتن کو لاگی خاک

پھر خاک کا بھی ڈھونڈو تو ہر گز پتا نہیں

سنیوا پڑن اکھن نیڑں کوئی ہاتھ　　جو ہی اپڑاں نت دا ساتھی ووئی اپنے ساتھ

ہمدم تو اپنا کوئی کوئی بھی دم کے سوا نہیں

جن لوگاں ان اکھا ڈھا گئے کہاں اے رام　　وہ تو س اتو لجر نہ آوندی کن کن کالوں نام

پیدا کبھی جہاں میں ہوئے تھے وہ یا نہیں

کس دا اپنا دھیان لگا ہے کوئی نہیں ہے پاس　　نہان سای سوچ وچ اپنی ٹوٹی جاندی اس

سب کچھ تو اپنے پاس ہے کیا جانے کیا نہیں

سورکھ تجھے دنیا کی کیوں اپنی گنوا دی جان　　شوق رنگ اس دی اچھی گھری جس صورت دا دھیان

سچ ہے کوئی کسی کا سوائے خدا نہیں

مثلث

ہجراں سانو چھاڈ کے تو تا چاروں کس دیس جن مجھاں باہٹلادیں کو ڈھو ئی آ دیس

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

چینک اس دے دل وچ رہندی جیا رہے بےچین چھڑیا کندی کھ تو مینڈھے بھر بھراڈے نین

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

اکھیاں مینڈی اس نو ڈھونڈے نظر آ ندا نی رند رند آندی چھتیاں مینڈی کسو جادا جی

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

سنگ سنگاتی ساتھ اس دے ہنکلی اس دی جان یا ہی اندیسہ میتوں ہندا اب سب لوگ ہیں انجان

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

قاصد داتوں جاتا سکھد اکیس لکھا واں پانے اوکھی پاٹ و نیان سا نڈے کھ کیلی نجاے

فریاد تسا ڈی درس کر دم رام جی

ساون کے سادنی اپنی بات نہیں ہے ستاونی دل دی خبر دیندا شوق رنگ کہنے وچ نہیں اونی

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

ایضاً

ناحق مارے دھیان طبیباں آوندی سمجھ نہ آئے عشق دا میتوں روگ لگا وہ جس نوں کوئی نہ پائے

حال غم کوئی میرا کیا جانے

جو جو ساڈے دل پہ بیتی رب جان یا دل کاسوں آکھاں حال من دی اپنا کہنا ہے مشکل

حال غم کوئی میرا کیا جانے

اپنی اپنی لوکاں کہندے مینڈی نہ سندے بات جو جو مجھ پہ بیتے ہے سو کس کی نجات

حال غم کوئی میرا کیا جانے

رین دا نہیں چین اساں ٹی میں ان کو دھیان کالب سے کیوں اور کوئی نکل رہندی جان

حال غم کوئی میرا کیا جانے

ایک ایک دھڑکا اس جگ اندر دوجے وہاں کا ڈر جندڑی کملائی ان دھڑکوں میں غم ہے جندا پر

حال غم کوئی میرا کیا جانے

کوئی نہیں غمخوار اساڈا آکھاں کس دے نال شوق رنگ اپنے رب سوں کہے جو ہے اپنا حال

حال غم کوئی میرا کیا جانے

ایضاً

جو گئے یاں سے وہاں سے پھر کے پھر آتے نہیں

جانے والے پھر نہ آئے انکھیاں تکدی راہ دن رین میندا جیا تڑپے زبان میرا گواہ

یہ چھپیں نظروں سے وہ صورت بھی دکھلاتے نہیں

قاصد بھیجوں کس نوں بھیجوں جانو ٹھور نہ ٹھانوں ملک نہ جانوں دیس نہ جانوں نا جانوں وہ گانوں

ہے یہی رونا کہ ہم ان کو خبر پاتے نہیں

لکھاں پتیاں لکھ چکی لکھ لکھ تھک گئے ہاتھ پہونچیں ہیں یا نا پہونچیں یہ کس سے پچھاں بات

وہ وہاں سے ایک پرچہ لکھ کر بھجواتے نہیں

ناجانو وہ کون نگر یا کیسی اس دی بات کیسو وہاں کے لوگ بسیا کیسو وہاں کی ٹھات

ہے وہ کیا عالم کہ جس کا بھید ہم پاتے نہیں

شوق رنگ جو بیانوں میند شروائی سوا وندا جہا کندا ایسں تو بندا اب تو جگ سے کہوندا

کون ہے وہ اشک جو آنکھوں میں بھرلاتے نہیں

میں کہتی تھی اپنے پیا کو راکھوں گی میں گھیر   وہ تو ایسے بن کر سدھارے چلی ہی نہ لاگے دیر

اس طرح سے پھول بھی گلشن میں کھلاتے نہیں

مثلث

اثر جب ہو کر نکلے آہ دل سے

نہ وہ آگ میں نہ وہ جل میں وہ دل میں دل تیرے بغل میں

بشرطے تو بھی ہو آگاہ دل سے

دل ہے مسجد دل ہے مندر جو چاہے سو دل کے اندر

کہیں بہتر پرستش گاہ دل سے

کوئی پورب پچھم جائے کوئی دکھن اتر جائے

کریں ہم قصد بیت اللہ دل سے

جی کی بات ہے جی کی پیر جا سے اپنے کلیجے پیر

نکلتی ہیکی سب کے واہ دل کے

کس سے کہئے کون اب مانے جی کے بھید کو جی ہی جانے

ظفر ہوتی ہے دل کو راہ دل سے

ایضاً

کام دم ہو کیونکہ حاصل اس بت خود کام سے

کام پڑا ہے عشق میں سانوں اس بے دردی نال   کان لگا کر کیونکر سنیے وہ لوکاں ساڈا حال

ہاتھ جو کانوں پہ رکھتا ہو ہمارے نام سے

پھردی میر انکھیاں وچ ہیں وہ انکھیاں مدماتی   میں ناچیاں مدھ کا پیالہ مینوں مدھ نہیں بھاتی

ساقیا دوران سر ہوتا ہے دور جام سے

سینڈی مت ہے نہ اسدا جس سے مینڈا نیہہ   ملا پانڈا جو کوئی مجھے اسنو کھماں دیہہ

کفر سے کیا کام مجھ کو کیا غرض اسلام سے

جیسے پھنداول عشق دے پھندے پڑگئے دکھ دے دھندے   چھٹ نہ سکے ان دھندوں سے ہم مر کے برہ کے دھندے

مدتوں پھڑکے قفس میں ہم جو نکلے دام سے

دیکھ کے سونی سیج یا بن بھر بھر انڈے نین   کچھ مت پچھو لوگاں مینوں کیونکر کڈی رین

روتے روتے صبح ہو جاتی ہے مجھ کو شام سے

کتنے دنوں بیکل کیتا کل ماہیں اک دم آن   دل کے بیکل رہنے سے ہے دکھ میں پڑ گئی جان

گر نہ ہووے دل تو پھر گزرے عجب آرام

عشق کے کچے روندے ہیں اور رونے سے کی ہوندا   شوق رنگ اسنوں پکا کہیے جل کے نین جو روندا

آگ میں آنسو ٹپکتے ہیں کباب خام سے

ایضاً

چہ گویم شرح ہیانے کہ بمن میگذرد

یارا ساڈا کتوں و سدا رہندا نسدن دھیان   آنکھ میںڈی نیر بہاوے بیکل رہندی جان

کیست آن نامہ برے تا کہ کتابت برود

کہ مرداں نال نہ میںوں یہ کب کی انسان   لہو پیون ان ہمہ داور ماں پیوجہان

مرد ولا ہمہ را دشمن جانی شمرد

باری باری ہیر سیالے دسٹر جو وہ مدھ مدھیان   ایک ہیر رہ والا بھل گئے سب اوسان

وادبرباد بیک لحظہ مہ ہوش و خرد

جن نے بنائی سوہنی صورت انسان باقی انسان   جاؤں بناون ہارے دے میں ہاتھوں کے قربان

طالب جلوہ حق صورت انسان نہ کرو

جن نو جانی عاشق اپنا اسدا دکھ ہر آن!   شوق رنگ اسدے کلان ہکر ہو گئی ساڈیکان

حذراز غمزہ کہ صد سینہ عاشق بدرد

ایضاً

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا   یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
اس خرد نے مجھے سرگشتہ و حیران کیا   کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا

تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

نشہ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو   عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دل کو میرے خم و میخانہ بنایا ہوتا

دل کو صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن   زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

اور یا خاک سے ایسا نہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے   قابل جلسہ رندانہ بنایا ہوتا

باعث قلقل مستانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا اگر دوری ساقی سے مجھے   تو چراغ رہ میخانہ بنایا ہوتا

اور دل بادہ کشوں کا نہ بنایا ہوتا

شعلہ حسن چمن میں نہ دکھایا ہوتا   ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

گل کو داغ دل دیوانہ بنایا ہوتا

روز معمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر   ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

دیگر

مجھے تیغ نگہ سے قتل کر تو سوچتا کیا ہے

کھانڈا برچھی ڈھونڈھ مت ڈھونڈھ نہ تیر کمان عاشق نو مارے معشوقاں دی آن

نگاہ ناز سے تیغ و سناں کوئی سوا کیا ہے

ناڑی نہ ہاتھ طبیباں دوں پوچھوں نہ کوئی بید روگ لگا مینو نیہہ دا اب جانے یہ بھید

کوئی کیا جانے یہ کیا درد اور اس کی دوا کیا ہے

بھم پیالے بھر بھر پیواں لے لے کے ہاتھ میں مدھ ماتی نیہہ دی کوو نجانو بات

دم جاں بخش عیسیٰ کیا ہ اور آب بقا کیا ہے

میں تو باوری ہو کیتاں جانو نہ سات اور پانچ مینو تم بتلا دو لو گال لول میں من میں جانچ

کہ لذت عشق میں کیا ہے محبت کا مزا کیا ہے

کے بتلاوں بچھن ہارا اور کے بچھڑے ہو حال دوی میںڈی جان ہے اور جنڈڑی اسد سے نال

نہیں معلوم جینا کس کو کہتے ہیں قضا کیا ہے

ایہہ ماے دیکھا لکھا میںڈی سمجھ نہیں آے بیدپرانم کوئی لاویں تھہر تھہر کے بتلاے

کہ لکھا مدعی نے کیا اور اس کا مدعا کیا ہے

ایسی کسدی چاہ لگی جو آٹھ پہر میں روندا بیٹھیں آنسو بہانے کے کیوں جنڈی کو تو کھوندا

بتاوے مجھ کو تو اب اے ظفر یہ ماجرا کیا ہے

ایضاً

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

پی کے بلائیں گے جس دن پی کے پاس اس دن کیسی ہووے گی مینو بھی ہراس

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

سنگ سنگاتی سنگ نہ ہوئیگے ہوگی اکیلی جان نفسی نفسی سب کہیں گے کس کا کس کو دھیان

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

کفن سمجھ لو گودڑی اپنی گور سمجھ لو گانوں　　لحد سمجھ لو بستر اپنا خاک سمجھ لو ماؤں

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

پیراں وچ کچھ سکت نہیں ہے منزل ہے گی دور　　خالی ہاتھ چلے ہم یاں سے ہائے اندھیری گور

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

دنیا وچ کیا کیا کچھ مستار کچھ بھی رہا نہ گلے　　واں سے ہم مکھی سی اپنی یاں سے ہم پھیکی سے چلے

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

دنیا وچ جتنا تھا کمایا آیا نہیں نہیں کام　　سب کچھ شوق رنگ چھوڑ چلے ہم لے ہی چلے اک نام

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

ایضاً

تجھے دیکھے سے مجھ بیدم کے پیارے دم میں دم آیا

سوہنا میندے پیتہالا گا ایسا روگ　　حال اسا ڈا دیکھ کے رونے لاگے لوگ

کہ آیا جو عیادت کو مری باچشم نم آیا

جو میں لوگاں راتاں دلی لے لے میندا نام　　سارے گھر دے لوکاں نوں ہو جاندی نیند حرام

کہ جو آیا مرنے نالوں سے نالاں صبحدم آیا

لکھاں باری میں نے دکھائے اپنے دل کے گھاؤ　　تیرہ سوہنڑا بیدردی ہے اب تک دوہی سجاؤ

کبھی دل میں نہ تیرے رحم اوکافر صنم آیا

سہندے سہندے ظلم تساڈے پڑ گئے دل وچ چھید　　پھر تو کسدن نال نہ اکھاں اپنی میںڈی بھید

کبھی لب پر نہ میرے شکوہ جو رو ستم آیا

شوق رنگ ونسوں میں نے یہ آکھاں ہوے جو وہ اک آن　　لگ جا ساڈے چھتیاں جانی بیکل میندی جان

نہایت تنگ میں اب تو ترے سر کی قسم آیا

مثلث

میرا ہمدم بھی ہے اور میرا وہ دلدار بھی ہے

رین گجری روندے روندے پلک نہیں اک لگدی   لوگاں لا واناں اسنوں اکھیں رستہ تکدی

مجھ سے کیا پوچھتے ہو خواہش دیدار بھی ہے

بیناں اس دی سیدھی سادھی اکھیاں اسدی ترچھی   اکھاں اوسدے پھاند لگا دیں پلکاں مارے برچھی

اس کا ابرو مجھے خنجر بھی ہے تلوار بھی ہے

موہ لیا سن پل میں میںڈا صدقے سانی صورت دے   بھولی بھولی جاندا اس دی بھولی بھولی صورت دے

منہ سے میں کیا کہوں اس پر مجھے اک پیار بھی ہے

اکھیاں میںڈی ڈھونڈیں اسنوں بیکل لبھندی جان   نظر نہ آوندا ساں میںڈا میںنوں اس دا دھیان

میں تو لاکھوں میں کہوں اس سے سروکار بھی ہے

بھرا بھرا دل آوندا میںڈا بس نا صبر نہیں چین   لے لے ہچکی ریاروئیں پھوٹ بہے میرے نین

جان بے چین ہے دم غم میں گرفتار بھی ہے

سوہنا میںڈا منڈاواں مہر کرم دے نال   سوتی بنا کے انگنا بہاروں کھول کے اپنے سیس کے بال

دیکھ تو آؤ کہ وہ آنے کو تیار بھی ہے

کون آکھے اس نوں جا کر لوگاں میںڈا سندیس   چھاؤ کے میںنوں جب سے گئے تم سونا ہے اپنا دیس

قشقہ ماتھے پہ گلے میں ترے زنار بھی ہے

طوطے کی سی میں میں والی کوئل کی آواج   کات لگات موروں کسی بنا وا کی آج

جتنا میں اس کو کہوں اس پہ سزاوار بھی ہے

روتے میںنوں دن بیتے اور لگدی گجری ریتاں   شوق رنگ اس کو کیونکہ نہ بھیجوں لکھ لکھ کر پتیاں

مرے دل میں ی ہے یہی اور یہی اظہار بھی ہے

ایضاً

ڈالے ہوئے گردن جو مرا نامہ بر آیا   کیا مطلب دل یار کا معلوم کر آیا

جب دیکھا یہ احوال تو دل میرا بھر آیا

صورت ہے بتوں کی عجب اللہ کی قدرت ہر جلوے میں اک اور ہی جلوہ نظر آیا

دیدار کے مشتاق کو شوق دگر آیا

کس فکر میں ہو راہ کے توشے کا کرو فکر اے غافلو نزدیک ہے وقت سفر آیا

پیغام قضا شام نہ آیا سحر آیا

لوٹے گا پڑا خاک کے بستر پہ وہ تا حشر آرام کی گھڑی کی جو ہستی میں دھر آیا

ہاتھ اپنے وہ ملتا سر منزل بشر آیا

اک ہم ہی نہیں بےخبر آئے ہیں جہاں میں جو آیا جہاں میں ہے سو وہ بے خبر آیا

اس بات پہ رونا ہمیں اے چشم تر آیا

میں شرم سے عصیاں کے ہوا سر بگریباں جس وقت خیال آہ ادھر کا ادھر آیا

کچھ پوچھو نہ کیا کیا مجھے خوف و خطر آیا

ایضاً

بتاؤں میں کسی کو کیا کہاں ہو اور کہاں کا ہوں

اپنے دیس کو چھاڑے کے ہم نکلے پردیس جیسے رہت اس دیس کو دیکھی ویسا کینا بھیس

کہ میں اس باغ میں محو تماشا باغباں کا ہوں

تجھ بن رین اندھیری میں جو مارے اہ کے مارے سارے تارے دھوئیں کے مارے ہو گئے کارے کارے

ہمیشہ رنگ نیلا دیکھتا میں آسماں کا ہوں

کانٹا ہوں یا سوکھا ہوں تیلی ہوں یا تنکا میں میں جو ہو ہی سکیں جات نہیں کچھ دن کا

کوئی ہاں ان سے پوچھے خار جس کے آشیاں کا ہو

نے میں ملنگ نے میں سوتی نے میں ہیرا پنا نے میں چاندی نے میں سونا جیسا بنایا بنا

بلا سے سنگ ہوں لیکن اسی کے آستاں کا ہوں

ہیم نگر کی گھاٹی ہے گھاٹی کون ادھر کو جاوے میری ڈگر پہ جو کوئی آوے وہی رستہ پاوے

کہ پیچھے کارواں کے نقش پا میں کارواں کا ہوں

کوئی اپنے مال ملک پر کرو نہ نت مغروری   میرے بن میں مال ہماری سنا پوری

ظفر میں دو جہاں میں خاک پا فخر جہاں کا ہوں

ایضاً

رات دن تیرا تصور ہے خیال اور نہیں

ہمت چت میں تو ہی بسے اور تیرے سوا نہیں دھیان   تیرا دھیان ہے میں رہندا ہر پل اور ہر آن

کہ سوا اس کے محبت کا کمال اور نہیں

اپنے وچ ڈھونڈ پیاتوں ہوندا نہیں کہیں اور   تجھ میں سجلا تیرا پیارا اپنے میں کر غور

کہ بجز تیرے کہیں جائے وصال اور نہیں

چاند سورج کی آنکھوں میں کدھو نہ اتنا نور   جھلکا نور پیا کا میرے دیکھ آنکھوں کے حضور

سب میں ہے نور وہی نور جمال اور نہیں

دل میں ہے تو میرے سجلا اور بجز نہ آوے   سوہنا میندے ویکھی توں نت میرا دل للچاوے

ہے یہی رنج مجھے رنج و ملال اور نہیں

شوق رنگ انسان ظاہر میں لو ہے ماٹی کی سورت   لیکن ہے یہ مورت اپنے صورت گر کی صورت

کہ نظیر اس کا نہیں اور مثال اور نہیں

ایضاً

مرے قاصد سے پہنا مرغ دل لے نامہ بر پہلے

دل کی لاگ نے ہے پہنچائی پاس پیا کے پاتی   کون چلے اس اوکھن گھاٹی کس دی ایسی چھاتی

ادھر گزرے وہی جو جان سے جائے گزر پہلے

قاصد آیا لے کر پاتی جس میں مطلب سارا   بانچے کون اب چل بسا جو آپ ہی باچن ہارا

خبر آنے سے واں کی ہو گئے یاں بے خبر پہلے

ہیم جگر کی چینٹ لگی ہے دلالی سب نے ماری   سودا یارو بات نہ کچھ تو ہی دیکھ ا ناری

کہ اس وسدے میں ناداں سود سمجھے ہے ضرر پہلے

تیکی دی گلی کر دے ہودے سوچ سمجھ پہچان   بری گلاں میٹھی لگدی تو جیئی مت جان

کہ آخر زہر قاتل ہے اگرچہ ہے شکر پہلے

سوچ سوچ کے من میں اپنے ناحق مورکھ رھندا   ہونا تھا سو ہو ہی چکا اب رھندے سے کی ہوندا

تجھے لازم تھا اپنا کام کرنا سوچ کر پہلے

منزل تیری دور پڑی اور گھاٹی تیرے ہاتھ   کچھ تو نیکی کمائے کے لے لے اپنے ساتھ

مسافر چاہیے اندلشہ زاد سفر پہلے

دین دناں میں کوکدی پھر دی بیکل میندی جان   لیکن جس دے کارن کوکدی پھر دی اسنوں ناہیں دھیان

الٰہی کیا ہوا تھا وہ جو نالوں میں اثر پہلے

پھند لیا دل اس نے میندا مار برہ داجال   اب کب چھوڑا اس پھندے سے چھٹنا ہڈا محال

پھنسا تا دل نہ میں معلوم یہ ہوتا اگر پہلے

سیانا نہیں دیوانہ ہے جو ہر کچھ منہ سے بکدا   جو کرم میں لکھ دیو وہ میٹ نہ کوئی سکدا

جو کچھ ہونا تھا سو وہ ہو چکا ہے اے ظفر پہلے

ایضاً

ستم درپردہ کرتے ہو بظاہر پیار کرتے ہو

پل میں دارو کرساں دو ل میں جی سے ونار   ہووے تساڈی گلاں دامینوں پیارے کی اعتبار

کبھی اقرار کرتے ہو کبھی انکار کرتے ہو

دعوے کر کر پریم دھرم کے باندھو پاپا کے لوٹ   مکھ سے گلاں پیار دی کر دے دل وچ رکھ دے کھوٹ

ہمیشہ دشمنی میں دوستی اظہار کرتے ہو

جانے لگری پر تھی سوتوا میں کی آکھاں اب   جو جو کچھ کرنا تھا تم کو سو تم نے کینو سب

ور اس پر یہ تماشا ہے کہ آنکھیں چار کرتے ہو

جی نہ دکھاؤ دیکھو کسے داتو یہ جان مسوس   کر دے بھروسا کی دنیا کا یہ کانٹے کی اوس

عبث امید میں دنیا کے عقبیٰ خوار کرتے ہو

شوق رنگ اپنے جی میں سوچو منہ سے کچھ مت بولو   پچھیں جو وہ کھول کے تم سے اپنا عقدہ کھولو

ہمیں معلوم ہے جو کچھ کہ ہم پر وار کرتے ہو

ایضاً

کیوں سوہے رنگ کی مار پچکاری!! دیکھو کنور جی دوں گی میں گاری

ہر کہ دست از جان شوید!
ہرچہ در دل دارد بگوید

بھاج سکوں میں کیسے سوسوں بھاجا نہیں جات ٹھاڑی اب دیکھوں میں وہ کون جو سنکھ آت

وقت ضرورت چو نماند گریز
دست بگیرد سر شمشیر تیز

میں نے تمہیں کیا کہا جو تم نے گاری دیئی بن سوچے نا جانے دوں گی لئی ناہیں بنئی

نہ نگفتہ نہ دارد کسے باتو کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

سب کو کہو سے وپت ہے گاری بھری سبھا میں آج جب میں آپ نہ لج چلوں تو کس کی تو ہے لاج

یکے گردہ بے آبرو نے بسے
چہ غم دارد از آبروئے کسے

جو کچھ کہنی تو نے نا کہی تھی وہ بھی ہوئی کہی اپنے من میں سوچ کے میں یو چپکی ہوئی رہی

اگر ناداں بوحشت سخت گوید
خرد مندش بہ نرمی دل بجوید

بہت دین میں ہاتھ لگے ہو کیسے جانے دوں آج میں پھگوا تو سوں کا تھا پیٹھ پکڑ کے لوں

دیر آمدی اے نگار سرمست
زودت نہ وہم زدامنت دست

شوق رنگ ایسے ڈھیٹھ گر سے کھیلے کون اب ہوری کھ مینڈے اور ہاتھ مروڑے کر کے وہ برجوری

ہر کہ بافولاد بازو پنجہ کرد
ساعد سیمین خود رارنجہ کرد

شاباش ولا ارشدک اللہ تعالے
پہچانا اسے تو نے جسے دیکھا نہ بھالا

بے ہوش ہوں میں دیکھ کے اس ہوش ربا کو
چھپ کر ابھی اسے نے نہ تھا ہوش سنبھالا

بے داغ بدل آتش رخسار سے تیرے
گردوں پہ قمر اور زمیں پر گل لالا

منہ مارے ہے بے طرح مرے دل پہ تری زلف
کیونکر یہ بچے گا کہ ڈسے ہے اسے کالا

اللہ ری تیری جنبش مژگان ستم کیش
اک پل میں کئے تو نے دو عالم تہ بالا

تیرے رخ روشن کے تصور سے ہمیشہ
ہے کلبہ تاریک میں عاشق کے اجالا

جائے گی نکل جان مری دکھی کماندار
تیرا اپنا اگر تو نے مرے دل سے نکالا

ہر خار بیابان ہے سوتی سے پرونا
جب پھوٹ کے رہتا ہے مرے پاؤں کا چھالا

بازار محبت میں نہ دل بیچ تو اپنا
بک جاتا ہےس اتھ اسکے ظفر بیچنے والا

ہزار طرح سے کھولا وہ دل ربا نہ کھلا
ہمیں نہ کھلنے کا کچھ اس کے مدعا نہ کھلا

لب جراحت دل تیرے سامنے قاتل
اگر کھلا ہے تو ہرگز بجز دعا نہ کھلا

چمن میں جا کے گرہ تو نے غنچے کی کھولی
پہ اپنا عقدہ دل تجھ سے اے صبا نہ کھلا

خط اس نے کھول کے دیکھا مگر خدا جانے
کہ اس پہ کچھ مرا مضموں خط کھلا نہ کھلا

ستم ہے وہ مرے رونے پہ ہنس کے کہتا ہے
کہ تیرے گریہ کا کچھ ہم پہ ماجرا نہ کھلا

کھلے ہزاروں درباغ دلکشا لیکن
دل گرفتہ مرا بند ہی رہا نہ کھلا

ہمارے درد کو کیا جانے ناصح بے درد
کسی پہ حال یہ جز درد آشنا نہ کھلا

نہ ہوتا درد محبت کا گروہ تشنہ خوں
تو رہتا منہ ترے سوا تیر کا نہ کھلا

ز سرشک خوں نہ بہے چشم سے ظفر جب تک
ہمارے دل کا کبھی راز اک ذرا نہ کھلا

مرحبا دیدہ تر گوہر غلطاں اوگلا
آفریں زخم جگر لعل بدخشاں اوگلا

سبز ہندا یہ نہیں کان میں اس کافر کے
افعی زلف نے زہر اے دل ناداں اوگلا

نیم جانوں نے یہ جانا کہ بر آیا مطلب
نیمچے ہاتھ سے جب تیرے مری جان اوگلا

قطرہ اشک نہیں ، مرغ نظر نے تیرے
دانہ شاید کہ ہے اے دیدہ گریاں اوگلا

تو گل اشرفی ان کو نہ سمجھ تیرے لئے
یہ زمیں نے ہے خزانہ گل خنداں اوگلا

سیکڑوں کھائے کماندار ترے ہاتھ تیر
پہ مرے دل نے کبھی ایک نہ پیکاں اوگلا

شعر تو اتنے نکالے کہ بہائے دریا
ظفر طبع رواں نے تری طوفاں اوگلا

خدانخواستہ گر خط میں میرا نام آجاتا
تو قاصد پہ غضب ہی اے دل ناکام آجاتا

جو کرتا آ کے یاں آرام وہ آرام جاں اپنا
تو اپنی جان بے آرام کو آرام آجاتا

ترے کوچے سے آتے ہیں تو یہ حال اپنا ہوتا ہے
کہ ہم کو ضعف سے ہے غش پہ غش ہر گام آجاتا

ہوس طوبائے جنت کی نہ ہوتی تیرے کشتہ کو
اگر تو گور پر اے سرو گل اندام آجاتا

ہوا پہلے ہی کام آخر ترے ناکام کا ورنہ
کسی دن اے بت خود کام تیرے کام آجاتا

پیام مرگ کیوں پیک اجل قاصد کو پہنچاتا
جو قاصد لے کے تیرے وصل کا پیغام آجاتا

گرفتاری نصیبوں میں نہ ہوتی تو چمن سے میں
بھلا اس طرح کیوں صیاد زیر دام آجاتا

تری دولت سے ہوتے ساقیا جمشید دوراں ہم
اگر اس دور میں ہاتھ اپنے کوئی جام آجاتا

خجالت سے دکھاتا منہ نہ اپنا ماہ گردوں پر
ظفر وہ بام پر اپنے جو وقت شام آجاتا

کسی کی تم کو وحشت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا
جواب خط میں دقت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

خطا کی میں نے ایسی کیا جو اس نے یہ نہ پوچھا
تجھے غم کیا تھا حسرت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

قلم خط لکھتے لکھتے مجھ کو اس نے رکھ دیا کیوں
سبب کیا تھا حقیقت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

جواب خط کیا جس پر قلم انداز تو نے گر
وہ بات اے بے مروت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

کہاں سن کر زبانی حال قاصد سے یہ اس نے
مصیبت کیا تھی آفت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

زباں ہی سے وہاں بیٹھے گلہ کرتے رہے جو تم
تمہیں مجھ سے شکایت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

بلا سے پڑھ کے گر وہ خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا
ظفر اس میں قباحت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

جو دیوانہ ترا عاشق مضطر نہ کہلاتا — تو خوبان جہاں میں تو پری پیکر نہ کہلاتا

جو ہوتا رحم تجھ میں کیوں تجھے بیداد گر کہتے — نہ ہوتا دل ترا گر سخت تو پتھر نہ کہلاتا

جو کچھ تاب و تواں ہوتی ترے بیمار فرقت میں — تو اٹھتے بیٹھتے وہ ویں سر بستر نہ کہلاتا

تصور میں در دنداں کے تیرے گر نہ روتے ہم — تو ہر آنسو ہمار ادا نہ گوہر نہ کہلاتا

ہمیشہ ہو تمہیں مسکن پذیر اس خانہ دل میں — یہ گھر کہلاتا کس کا گر تمہارا گھر نہ کہلاتا

جواب مطلع ابرو تیرا کوئی ہلالی ہے — جو کہلاتا تو وہ اس سے کبھی بہتر نہ کہلاتا

کیا مشہور ساحر یار کو چشم پر افسوں نے
وگرنہ اے ظفر وہ شوخ جادو گر نہ کہلاتا

پیامبر جو ادھر سے مرا نہیں آتا — تو کیا کہوں کہ مرے دل میں کیا نہیں آتا

کبھی ادھر سے بت پر جفا نہیں آتا — غرور حسن ہے خوف خدا نہیں آتا

الٰہی خال لب یار میں ہے کیا نکتہ — سمجھ میں نکتہ وروں کے ذرا نہیں آتا

غریق بحر محبت پہ تیرے کیا گذری — کسی سے سننے میں یہ ماجرا نہیں آتا

نہ ہو فراق میں جب تک کہ خوب بے مزگی — وصال یار کا ہرگز مزا نہیں آتا

جو شکل آئینہ منظور ہے تو دل کو دیکھ — اس آئینے میں نظر دوسرا نہیں آتا

گرا کے چاہ غم یار کے غریبوں کو — کوئی بھی ایسا نظر آشنا نہیں آتا

وہ کونسا ہے ستم کش ترا بتا ظالم — جو خود بخود تری جانب کھنچا نہیں آتا

تمہارے وصل کو پیارے گزر گئے مہ و سال
گلہ ظفر کو کچھ اس کے سوا نہیں آتا

یار آئے مرے پیش نظر ہو نہیں سکتا — اور آئے تو دیکھوں نہ ادھر ہو نہیں سکتا

موڑا نہ کبھی منہ تری شمشیر جفا سے — میرا سا کسی کا بھی جگر ہو نہیں سکتا

لے جاؤ غم و رنج نہ کیوں ساتھ جہاں سے — بے توشہ تو یہ مجھ سے سفر ہو نہیں سکتا

تم لاکھ کرو حسرت دل نالہ و فریاد — چاہو کہ ہو کچھ اس کو اثر ہو نہیں سکتا

کچھ شمع نے ہے معجز عشق دکھایا — سر کٹ کے تو پیدا کبھی ہو نہیں سکتا

جب تک کہ تصور نہ ہو دانتوں کا تمہارے — آنکھوں میں مرے اشک گہر ہو نہیں سکتا

کیا کیا نہ ہوئی میرے لئے خانہ خرابی — پھر اب بھی تو دل میں ترے گھر ہو نہیں سکتا

رسوائے جہاں کرتا ہے کیا کیا مجھے گریہ — میں چاہتا ہوں ضبط ہو پر ہو نہیں سکتا

جو کام کیا تم نے محبت میں بتوں کی
واللہ کسی سے بھی ظفر ہو نہیں سکتا

جو وہ قاتل نہ اپنے ہاتھ میں خنجر لئے پھرتا
تو یہ سرباز پھر کیوں سر ہتھیلی پر لئے پھرتا

اگر پتھر نہ پڑتے اے جنوں اس تری شورش پر
تو یوں ہر طفل میرے ساتھ کیوں پتھر لئے پھرتا

غنیمت جانتی بلبل جو باد صبح کا جھونکا
پس از مردن چمن میں کوئی ایس کا پر لئے پھرتا

مے عشرت نہیں ظالمیں اپنے ساقیا ورنہ
فلک جتنا لئے پھرتا ہے مہ ساغر لئے پھرتا

نہ ہوتا گرچہ صاحب عزم دل ملک محبت میں
تو رنج و غم کا اپنے ساتھ کیوں لشکر لئے پھرتا

برنگ مالہ زنجیر میں زنداں میں ہوں لیکن
مجھے دیوانہ پن زنداں سے ہے باہر لئے پھرتا

ڈراتا ہے مجھے ناصح عبث کوئے محبت میں
جہاں ڈر اپنا واں گھر ہے کہاں کلوڈ لئے پھرتا

کبھی جا کر نہ پھرتا میں گلی میں خوبروؤں کے
اگر مجھ کو نہ میرا یہ دل مضطر لئے پھرتا

نہ ہوتا شوق کوئے مہلقا تو کون پھر مجھکو
ظفر خورشید کی مانند یوں دن بھر لئے پھرتا

عشق کے میدان میں ہم نے دیا سر کٹا
جو قدم آگے بڑھا پھر نہ وہ پیچھے ہٹا

مطلع ثانی

دیکھتے ہی عشق کو بھل گئی سٹ پٹا
دل کو مرے آفریں یہ جوڑا سوڈا

تیغ نگہ کو ذرا تو نے جو چمکا دیا
بھول گئی دیکھ کر برق پلاٹا پٹا

عارض پر نور پر کھول جو دی اس نے زلف
میں نے یہ جانا کہ ہے رات بڑھی دن گھٹا

عشق کی دولت ہے درد کون لے اور کس کو دوں
یہ ن ہ کسی سے ہٹی اور نہ کسی سے ہٹا

پھرتا ہے جوگی بنا تیرے لئے آفتاب
خط شعاعی نہیں سر پہ کھلی ہے جٹا

چشم کو ہے تری کام جیسے پڑا سرمہ سے
زہر بھری ہر نگہ سانپ ہے پتھر چٹا

ناز و ادا و نگہ غمزہ و عشوہ ترے
پانچوں ہیں دشمن مرے اور کرشمہ چھٹا

دامن و جیب اے ظفر چاک ہو تو ہو رفو
دل نہیں جاتا سیا یہ جو پھٹا تو پھٹا

جنوں کی ہے وہ آشنائی کا دھندا
کہ ہے جس میں ساری جدائی کا دھندا

وہ جب دیکھو آئینہ ہی دیکھتے ہیں
رہے ہے انہیں خود نمائی کا دھندا

جئے یا مرے پر نہ عاشق سے چھوٹے
خیال وصال و جدائی کا دھندا

ہمارا تو پیشہ ہے رندی ہمیشہ
ہوا ہم سے کب پارسائی کا دھندا

پڑی منہ پہ آئینہ کے خاک کیا کیا
ملے خاک میں یہ صفائی کا دھندا

رہے ہے خم و پیچ میں زلف جاناں
وہاں اس کو ہے کج ادائی کا دھندا

رہا جب تلک دم رہا ساتھ دم کے
ظفر سب برائی بھلائی کا دھندا

دیکھ کر رخ پہ تیرے زلف دوتا کا پھندا
جا پھنسا طائر دل تھا وہ بلا کا پھندا

ہاتھ آئے نہ کسو کے بھی یہ آہو نگہاں
نہ پڑے پاؤں میں گر شرم و حیا کا پھندا

اس کی قدرت کا ہے یہ کھیل بگولا ہے کہاں
خاک کو باندھتا ہے دیکھو ہوا کا پھندا

رہے زنار میں جت میں گلا کیوں نہ پھنسا
کر یہ ڈالا ہوا اے بت ہے خدا کا پھندا

بحر ہستی ہے عجب دام گہہ صید اجل
جا بجا جس میں ہے گرداب فنا کا پھندا

طائر ہوش کو پرواز میں کرتا ہے شکار
تیرے نارنگہ ہوش دلبا کا پھندا

گردن دل کے لئے اپنی بے زیبا کر ہے
جامہ زیبوں کے ظفر بند قبا کا پھندا

نشے میں بزم ساقی میں جو مستوں کو اٹا مارا
لب ساغر پہ منہ شیشے نے دھر کر کہقہہ مارا

نہ تھا کچھ دور تو دست بہت اس یار کے گھر کا
مگر ہم کو ہماری ناتوانی نے تھکا مارا

تجھے کیا ہنسا گل گر یہ شبنم پہ گلشن میں
طمانچہ اس کے منہ پر تو نے کیوں با وصبا مارا

لگاوٹ سے لگاتا ہے حنا غیران کے ہاتھوں میں
وہ مجھ سے رنگ کیوں لاتے ہیں میں نے کیا لگا مارا

بچا دل تیرے ہاتھوں سے نہ آخر اے کمان ابرو
گیا گر ایک خالی تیر تو نے دوسرا مارا

پڑا لوٹے ہے دل شامت کا مارا اور درد کے مارے
خدا جانے ترے جوڑے نے کیا کیا مارا

ہجوم خال روئے یار کا لے ہی لیا بوسہ
ظفر یہ خوب تم نے زنگیوں کا مورچہ مارا

روز گھر غیر کے جانا ترا معمول پڑا
یاں جو آنکلا ہے تو آج کدھر بھول پڑا

لگ گئی جوش گل لالہ سے گلشن کو جو آگ
کہیں اس آتش رخسار کا کیا پھول پڑا

دل شاغل ہے مرا محو خیال رخ و زلف
رات دن رہتا ہے اس شغل میں مشغول پڑا

کبھو ملا سے کرے جا کے خرابات کی سیر
گوشہ مدرسہ میں کیوں ہے یہ مجہول پڑا

رکھ قدم دیکھ کے تو کوچے میں اپنے قاتل
کر کہیں سر ہے کہیں ہے تن مقتول پڑا

چھوٹ کر چاہ زنخداں میں کہیں گر نہ پڑے
دل پکڑ کر رسن زلف کو ہے جھول پڑا

دے کے دل جاں و بچاؤ تمہیں ہو جائیگا ضبط
اب تو دینا ظفر اس جنس کا محصول پڑا

ہم نے تری خاطر سے دل زار بھی چھوڑا
تو بھی نہ ہوا یار اور اک یار بھی چھوڑا

کیا ہوگا رفوگر سے رفو میرا گریباں
اے دست جنوں تو نے نہیں تار بھی چھوڑا

دیں دے کے گیا کفر کے بھی کام سے عاشق
تسبیح کے ساتھ اس نے تو زنار بھی چھوڑا

گوشہ میں تری چشم سیہ مست کے دل نے
کی جب سے جگہ خانہ خمار بھی چھوڑا

اس سے ہے غریبوں کو تسلی کہ اجل نے
مفلس کو مارا تو نہ زردار بھی چھوڑا

ٹیڑھے نہ ہو ہم سے رکھو اخلاص تو سیدھا
تم پیار سے رکتے ہو تو لو پیار بھی چھوڑا

کیا چھوڑے اسیران م حبت کو وہ جس نے
صدقے میں نہ اک مرغ گرفتار بھی چھوڑا

پہنچی مری رسوائی کی کیونکر خبر اس کو
اس شوخ نے تو دیکھنا اخبار بھی چھوڑا

کرتا تھا جو یاں آنے کا جھوٹا اقرار
مدت سے ظفر اس نے وہ اقرار بھی چھوڑا

ادھر تو دست وحشت نے گریباں کھینچ کر پھاڑا
ادھر ہر خار صحرائی نے داماں کھینچ کر پھاڑا

نہ لئے مجھ سے تم کھینچے نہ اٹھا تم سے دل پھٹا
مرا دل رات کو تم نے تو جاناں کھینچ کر پھاڑا

کشاکش سے جنوں کے تیرے دیوانے نے مر کر بھی
کفن اپنا تہ خاک بیاباں کھینچ کر پھاڑا

ہوا تجھ سے جو روکش غنچہ لالہ تو پیٹ اسکا
صبا نے پوست اے رشک گلستاں کھینچ کر پھاڑا

پڑا یہ کشمکش میں تھا مرا ہاتھوں سے غیروں کے
کر آخر سب نے اس کو اے مری جاں کھینچ کر پھاڑا

نہیں یہ کہکشاں کا خط فلک کے ہم نے سینے کو
جگر سے نالہ اے شبہائے ہجراں کھینچ کر پھاڑا

کھلا پردہ کر جب پیراہن یوسف ' زلیخا نے
دم بے تابی شوق اے عزیزاں کھینچ کر پھاڑا

ہڑ وحشت کی یہ جامہ دری کا ہے کہ کاغذ کو
مصور نے میری تصویر عریاں کھینچ کر پھاڑا

ظفر فشا نے الفت پر نہ تھا منہ پھاڑنا اچھا
حیا کا پردہ کیوں منہ پر سے ناداں کھینچ کر پھاڑا

دیکھا جو مے سے ہر خم و ساغر بھرا بھرا
آنکھوں میں میری لگنے لگا گھر بھرا بھرا

آگاہ تو کیا مجھے لذت سے عشق کی
زخموں میں اس نے م یرے نمک گر بھرا بھرا

لگتا ہے آب داری دنداں سے وہ دہان
کیا صاف مثل چشمہ کوثر بھرا بھرا

عاشق کا خوں ہے یہ نہیں چھٹنے کا حشر تک
دامن جب اس سے تیرا ستم گر بھرا بھرا

کیونکر کرے نہ پرورش اولاد کی بشر
پالے ہے بچہ دانہ کبوتر بھرا بھرا

کیا بھر دیے ہیں کان خدا جانے غیر نے
غصے میں جو پھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

لایا جو عشق خاک میں دم تیرا اے ظفر
دم عاشقی کا تو نے مقرر بھرا بھرا

کب آئے تو بیزار کیے گر پھرا پھرا
یہ دل ہے جس طرف سے ستم گر پھرا پھرا

دل کو دلائی گردش چشم اس کی یاد پھر
ساقی نے دیکھو بزم میں ساغر پھرا پھرا

دیوانہ وہ ہوں میں کہ جسے لڑکے دور سے
ہیں کوچوں میں مارتے پتھر پھرا پھرا

مجھ کو تھکا دیا دل خانہ خراب نے
ہر جائیوں کے عشق میں گھر گھر پھرا پھرا

بک بک کا ناصحوں کی نہ مجھ کو اثر ہوا
آخر وہ چپکے بیٹھ رہے سر پھرا پھرا

یہ صید تیرا بستہ فتراک تو ہوا
قاتل بلا سے حلق پہ خنجر پھرا پھرا

پھرنا مزاج ان کا کسی سے نہیں ظفر
لیکن مرا جو مجھ سے م قدر پھرا پھرا

آشنا بحر محبت میں کوئی گر تیرا
ہم نے جانا کہ یہ بیڑاک مستعد تیرا

ایسا گھبرا کے گرا ڈوب گیا گرتے ہی
دل تڑپے چاہ زنخداں میں نہ دم بھر تیرا

لال کاغذ کا کنول جب سے کہ تیرے سرآب
لخت دل آنسوؤں میں یوں مرا آ کر تیرا

آفریں تجھ کو دلا بحر غم عشق میں تو
خوب سیدھا روش تیر دلاور تیرا

بحر بخشش میں نہ کیوں ڈوبے گرانبار گناہ
کہ نہیں پانی پہ ہرگز کوئی پتھر تیرا

دست و پا مار کے اپنے دم بسمل کر کیا
خون کے دریا میں ترا عاشق مضطر تیرا

جس طرح پانی پہ تیرے کوئی تنکا اس طرح
آب گریہ م یں یہ سافر ہے تن لاغر تیرا

رکھ دیا سینہ تری تیغ پہ اپنا میں نے
آب شمشیر پہ ہیں مثل شناور تیرا

تیرا عشق کے دریا میں اگر سیکھے دل
تو ظفر پہلے اسے ہاتھوں کے اوپر تیرا

پہلے تو ہم کو تیری عشوہ گری نے مارا
ور اگر اس سے بچے کم نظری نے مارا

مر گیا میں نہ ہوئی تجھ کو خبر ہائے ستم
بے خبر مجھ کو تری بے خبری نے مارا

پھیر کر منہ جو دکھایا مجھے اپنا جوڑا
دل پہ سکا مرے اس رشک پری نے مار

خوب پھڑکا کے مجھے کنج قفس میں صیاد
شوق پرواز سے بے بال و پری نے مارا

ہمسری کی تری رفتار سے جب فتنہ نے
کھہ طرز سے اک کبک دری نے مارا

حل پہ تیرے لب شیریں پہ ہے زہر قاتل
اے شکر لب ہمیں اس تلخکری نے مارا

کچھ بھی ہوتی اسے تاثیر تو مرتے ہم پہ
ہم کو اے آہ تری بے اثری نے مارا

خنق صبح سے ہے غرق بخوں چرخ ظفر
تیرا ایسا تری آہ سحری نے مارا

کیا کہوں ہے کیا جنوں کی آشنائی میں مزا
وہ مزا سب اس میں ہے جو ہے خدائی میں مزا

آشنا آئنہ تو ہم سے ہو جا سینہ صاف
دور کر دل سے کدورت ہے صفائی میں مزا

جا سکے گلشن تلک اڑ کر نہ ہم بلبے بال و پر
ہم نے اے صیاد کیا پایا رہائی میں مزا

بیٹھ رہ آرام سے تو صلح کا کر اختیار
جنگ جوئی چھوڑ دے کیا ہے لڑائی میں مزا

بعد ہونے جس لڑائی کے ہے امید وصال
آئے ہے عاشق کو کیا کیا اس جدائی میں مزا

کچھ تو ہو فریاد میں تاثیر نالہ میں
اجزس ہے ورنہ کیا ہرزہ درائی میں مزا

مسجد و بت خانہ میں ٹکرایا سر کو بے مزا
تیرے سنگ در پہ آیا جبیں سائی میں مزا

بیٹھا ہے مہندی لگا کر اپنے دست پا میں ت
آج ہے اے شوخ تجھ سے ہاتھا پائی میں مزا

جو در فخر جہاں کا ہو گدا اس کو ظفر
بادشاہی سے زیادہ ہے گدائی میں مزا

حال کب ہے شام سے اپنا سحر تک ایک سا
دوپہر تک ایک سا ہے دوپہر تک ایک سا

کون تلون ہے کر رہتا ہے نہیں ان کا مزاج
آتے آتے اپنے گھر سے میرے گھر تک ایک سا

اشک جو اٹھے دم گریہ تو پھر دریائے خون
موجزن تھا دل سے لیکر چشم تر تک ایک سا

کیا نکالے طائر دل زلف کے پھندے سے پاؤں
اس میں وہ الجھا ہوا ہے بال و پر تک ایک سا

جانتے ہیں یاں نہیں رہنے کے لیکن اس پہ بھی
شوق اسباب اقامت سے سفر تک ایک سا

لد رہا داغوں سے ہوں نخل چراغاں کی طرح
سر سے لے کر پاؤں تک پاؤں سے سر تک ایک سا

واہ کیا میدان چٹیل خاک اڑانے کے لئے
عشق کا صحرا ادھر سے ہے ادھر تک ایک سا

پھونک دی ہے کس نے بیہوشی یہاں ایسی کہ ہے
مست غفلت بے خبر سے باخبر تک ایک سا

روئے تو خط پر ہیں کیا مژگاں و ابرو دیکھنا
ہے یہ مصحف یک قلم زیر و زبر تک ایک سا

میرے سینہ میں کمان ابرو ترا تیر نگاہ
واہ ہے کیا کارگر دل سے جگر تک ایک سا

کشور صحرائے وحشت ہو گیا اب خراب
ورنہ تھا آباد مجنوں سے ظفر تک ایک سا

نہ تو جھانکا نہ اسے روزن در میں تاکا
ہم نے تاکا بھی تو سوراخ جگر میں تاکا

عرش سے فرش تلک جو ہے وہ سب ہیں اس میں
کیا بتائیں کہ ہے کیا ہم نے بشر میں تاکا

چھوڑنے کا نہیں غم دل میں مرا صبر و قرار
مال اس چور نے بے طرح یہ گھر میں تاکا

تاک جھانک آپ کی جن جن سے کہ ہے درپردہ
ہم نے اک ایک کو کل ایک نظر میں تاکا

زخم دل پر ہے جو ناسور رہے تو ہم نے
ہے ثمر نخل محبت کے شجر میں تاکا

چشم نقش کف پا راہ تک ہے کس کی
کون ہے اس نے جسے راہ گزر میں تاکا

وہ کماندار لگا دے گا کوئی ناوک پھر
اس نے بھی دل کو جو پہلوئے ظفر میں تاکا

نہیں جاتا کسی سے وہ مرض جو ہے نصیبوں کا
نہ قائل ہوں دوا کا میں نہ قائل ہوں طبیبوں

مطلع ثانی

نہ شکوہ دشمنوں کا ہے نہ ہے شکوہ حبیبوں کا
شکایت ہے تو قسمت کی گلہ ہے تو نصیبوں کا

مطلع ثالث

بہر عنواں مجھے ہو رشک لکھا یہ نصیبوں کا
کر لکھوائے مجھی سے وہ جواب خط رقیبوں کا
ہم اپنے کنج غم میں نالہ و فریاد کرتے ہیں
ہمیں کیا گر چمن میں چہچہا ہے عندلیبوں کا
جو ظاہر پاس ہوں دن رات اور وہ دور ہیں دل سے
بعیدوں سے زیادہ حال سمجھو ان قریبوں کا
دکھا دو خال بینی تم جو محراب دو ابرو ہیں
تو دیکھو منبروں پر حال پھر کیا ہو خطیبوں
صف آرا فوج حسرت عشق میں جب دل پہ ہوتی ہے
تو آہ و نالہ سے میں کام لیتا ہوں نجیبوں کا
نہیں قالین و گلیم سے مطلب خاکساری کا
زمین و آسماں ہے فرش و خیمہ ان غریبوں کا

کیا ہے بے ادب خالق نے پیدا اے ظفر جن کو
کرے کیا فائدہ ان کو ادب دینا ادیبوں کا

یا کہیں دیکھا خط فرق اس مہ پر نور کا
کہکشاں سے چاک ہے سینہ شب دیجور کا

مطلع ثانی

یہ حال ناتوانی عاشق رنجور کا
سر پہ ہے سایہ گراں مژگان چشم مست کا

مطلع ثالث

ہے تو انساں پر ہے یہ عالم بت مغرور کا
جلوہ شوخی پری کا سا ہے چہرہ حور کا
اشک کے قطرے کو کیوں معراج مژگاں پر نہ ہوا
حق ہے اصلی مرتبہ ہے دار پر منصور کا
کرتے ہیں ہر دم مشبک جو مری آہوں کے تیر
چرخ پر انجم ہے ہمسر خانہ زنبور کا
دور ہیں دل سے جو تو دیکھے تو وہ نزدیک ہے
تجھ میں اس میں ہے بظاہر ایک عرصہ دور کا
دل نہیں کھلنے کا دل پر جب تلک ہے داغ عشق
قفل تعویذی ہے یہ اس خانہ معمور کا
میرے نالے سے قیامت بھی کہے ہے الاماں
دیکھنا دم بند کر دے گا یہ دم میں صور کا

آدمی کو چاہیے آدم شناسی اے ظفر
ہے یہ مسودہ ہمارے حضرت تیمور کا

خون نظر یار کی شمشیر سے ٹپکا ۔۔۔ مطلع ثانی ۔۔۔ مریخ ہو قطرہ فلک پیر سے ٹپکا

جو قطرہ پیکاں کہ ترے تیر سے ٹپکا ۔۔۔ خوں ہو کے وہ زخم دل نخچیر سے ٹپکا
سنبل پہ گئی اوس سی پڑا جبکہ دم غسل ۔۔۔ پانی تری اس زلف گرہ گیر سے ٹپکا
کس کے لب شیریں کے ہیں اوصاف زباں پر ۔۔۔ پڑتا ہے جو شہد اب مری تقریر سے ٹپکا
مہ شیر کا اک کاسہ لبالب ہے پراے چرخ ۔۔۔ یک قطرہ نہ اس کا سہ پر شیر سے ٹپکا
کیا عشق ہے جس جا پہ گرا تیرا پسینہ ۔۔۔ واں خون جگر عاشق دلگیر سے ٹپکا
پانی ہوا فولاد مجھے دیکھ کے لیکن ۔۔۔ یک قطرہ آب اس کی نہ شمشیر سے ٹپکا
ٹپکایا مرے منہ میں اگر آب بقا بھی ۔۔۔ زہر آب وہ ہو کر مری تقدیر سے ٹپکا
جو گھر کہ نہ ٹپکا کبھی برسات میں ہرگز ۔۔۔ اک دم میں مرے گریہ کی تاثیر سے ٹپکا
گری ترے چہرے کی عرق شرم و حیا کا ۔۔۔ حیرت نہیں گر رخ تصویر سے ٹپکا

سو جام ملے شربت کوثر کے پیالے
اک اشک ظفرؔ گر غم شبیر سے ٹپکا

وہ دل کہ جس سے نقشہ ملے پورا عرش کا ۔۔۔ کہتے ہیں کیوں غلط اسے کنگورہ عرش کا
سیلاب گریہ سے مرے دریا اگر چڑھا ۔۔۔ ہوگا خراب وہ جو ہے معمورہ عرش کا
تیرے فروغ عارض روشن کے روبرو ۔۔۔ اے مہ جبیں چراغ ہو بے نور عرش کا
بزم نشاط و عیش صبوحی کشاں ہیں صبح ۔۔۔ بانگ خروش عرش ہے طنبورہ عرش کا
صدموں سے میرے نالوں کے ٹوٹا فلک تو کیا ۔۔۔ ڈر ہے کہ ہو نہ جائے کہیں چورہ عرش کا
تربت پہ پانچ تن کی قرآن کی قسم ۔۔۔ پڑھتا ہر اک فرشتہ ہے پاسورہ عرش کا

تاثیر غم سے شاہ شہیداں کے اے ظفرؔ
دل کیوں نہ خوں کرے مہ عاشور عرش کا

ستم کا تم سے مجھے کیا گلہ کیا نہ کیا ۔۔۔ تمگر پسند مرا حوصلہ کیا نہ کیا
رکے جب اشک تو کیا جانے سوئے منزل دوست ۔۔۔ ارادہ دل نے بھی بے قافلہ کیا نہ کیا
بتا کہ خوشۂ انگور دیکھ کر تو نے ۔۔۔ تصور دل پر آبلہ کیا نہ کیا
دیے ہیں فرد محبت میں اس نے داغ مجھے ۔۔۔ بلا سے اور عطا کچھ صلہ کیا نہ کیا
مرید زلف جو دل ہو کے زلف کو بھولا ۔۔۔ کم اس نے اپنا کبھو سلسلہ کیا نہ کیا
گلے بندھا تھا جو عاشق کی زیست کا جھگڑا ۔۔۔ اجل سے پوچھو کہ کچھ فیصلہ کیا نہ کیا

عدو اگرچہ بڑا شیر دل تھا لیکن دیکھ
ظفرؔ نے دم میں اسے بزدلا کیا نہ کیا

فلک پہ مہر نے پیدا بہت فروغ کیا　　پر اس کے رخ سے جو دعویٰ کیا دروغ کیا
سرہانے مرقد قمری کے عشق نے شب غم　　چمن میں سرو کو استادہ مثل توغ کیا
دیا جو عشق نے شوربۂ سرشک ہمیں　　تو نوش جاں اسے ہم نے مثال دوغ کیا
شکوۂ عشق میں کام آئے دونوں نالہ و آہ　　کیا علم اسے ہم نے تو اس کی توغ کیا

کل اک حریص نے تحقیق وقت پر خواری
عجب کی ظفر آروغ کو اروغ کیا

جو خط لکھا تو بھیج دے یار اپنے ہاتھ کا　　ہووں دست بند نگار اپنے ہاتھ کا
جوش جنوں سے جیب میں آتا نہیں نظر　　ثابت بچا ہوا کوئی تار اپنے ہاتھ کا
زخمی کو اپنے آپ شکستہ نہ چھوڑیے　　اک اس پہ اور کیجئے وار اپنے ہاتھ کا
مارے ہے لاف شانہ یہ بخشش کی زلف میں　　بخشا ہوا ہے ملک تتار اپنے ہاتھ کا
افسوس تیرے پاؤں میں مہندی لگائیں غیر　　اوروں کے ہاتھ جائے یہ کار اپنے ہاتھ کا
دیکھا جو رخ پہ کاتب قدرت نے اس کے خط　　پہچانا اس کو خط غبار اپنے ہاتھ کا
تازہ ہے تو بہار محبت سے یہ مدام　　گل ہے یہ گل ہمیشہ بہار اپنے ہاتھ کا
ظالم جو تو نہ ہووے مکدر تو جھاڑ دوں　　سر پہ عدو کے گرد و غبار اپنے ہاتھ کا

ہم دل کو اپنے مارتے ہیں اس لئے ظفر
دیتا ہمیں مزا ہے شکار اپنے ہاتھ کا

یار تک خط کا پہنچنا اپنے مشکل ہوئے گا　　نامہ بر جب تک نہ اپنا طائر دل ہوئے گا

مطلع ثانی

قتل کرنے سے مرے کیا تجھ کو حاصل ہوئیگا　　خون ناحق ایک تیرے سر پہ قاتل ہوئے گا اے پری
ہوئے گا دیوانہ میری طرح تجھ کو دیکھ کر　　وش کوئی گر کیسا ہی عاقل ہوئے گا
عمر بھر مجنوں کریگا دشت میں مشق جنوں　　جب ترے وحشی کی شاگردی کے قابل ہوئے گا
پردۂ فانوس میں چھپ جائیگی خجلت شمع　　جلوہ گر محفل میں گر وہ زیب محفل ہوئے گا
گو جگر فولاد کا رکھتا ہے آئینہ دے　　ہوئے گا معلوم جب اس سے مقابل ہوئے گا
تیز سنگ سرمہ سے کرتا ہے وہ تیغ نگاہ　　کون کشتہ ہوگا دیکھیں کون بسمل ہوئے گا
ناصحا جانے گا تو اس وقت میرا درد دل　　جب کسی پر دل ترا بیدرد مائل ہوئے گا

خضر کی جانب نہیں ہے ہم کو راہ عشق میں
اے ظفر رہبر ہمارا شوق کامل ہوئے گا

رخ جو زیر سنبل پرپیچ و تاب آ جائے   پھر کے برج سنبلہ میں آفتاب آ جائے

مطلع ثانی

تیرا احساں ہوگا قاصد گر شتاب آ جائے گا   تو غضب میں اے دل خانہ خراب آ جائے گا

مطلع ثالث

ہو نہ بیتاب اتنا گر اس کا عتاب آ جائے گا   تو غضب میں اے دل خانہ خراب آ جائے گا،

اسقدر رونا نہیں بہتر بس اب اشکوں کو روک   ورنہ طوفاں دیکھ اے چشم پر آب آ جائے گا

پیش ہووے گا اگر تیرے گناہوں کا حساب   تنگ ظالم عرصہ روز حساب آ جائیگا

دیکھ کر دست ستم میں تیری تیغ آب دار   میرے ہر زخم جگر کے منہ میں آب آ جائے گا

اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا   دیکھ چکر میں ابھی جام شراب آ جائے گا

خوب ہوگا ہاں جو سینہ سے نکل جائے گا تو   چین مجھ کو اے دل پر اضطراب آ جائے گا

اے ظفر اٹھ جائے گا جب پردہ شرم و حجاب
سامنے وہ یا رمیرے بے حجاب آ جائے گا

مثال گوہر آنکھوں سے جو آنسو بن کے نکلے گا
تو ساتھ اس کیب رنگ لعل لہو بن کے نکلے گا

تری محفل میں جائے گا کوئی کیسا ہی گردنا
وہ دیوانہ مجھی سا اے پری رو بن کے نکلے گا

پکارا تھا جو اس کو دوست اپنا جان کر ہم نے
نہ جانا گھر سے دشمن یوں وہ بدخو بن کے نکلے گا

جو ہوگی جوئے اشک اس سروقد کی یاد میں جاری
تو نالہ دل سے اک سرو لب جو بن کے نکلے گا

رہے گی گر خلش دل میں یوں ہی اس نوک مژگاں کی
تو نشتر سا بدن پر میرے ہر مو بن نکلے گا

دفینہ بھی جو نکلے گا بدقسمت کو کیا حاصل
کہ ہر دینار اس کے حق میں بچھو بن کے نکلے گا

فنا پھر بوالہوس کو یہ نہیں رہنے کا الفت کا
ظفر جب گھر سے اپنے وہ ترش رو بن کے نکلے گا

اے تصور تو ہی اس جان جہاں تک جائے گا
اور تو ایسا نہیں کوئی جو واں تک جائے گا

جب کرے گا آہ اے ظالم ترا یہ تفتہ جاں
اٹھ کے اک شعلہ تمر سے آسماں تک جائے گا

جا کے کعبہ کیا کرے گا تیرا عاشق اے صنم
وہ اگر جائے گا تیرے آستاں تک جائے گا

جان بچ جائے گی بیمار محبت کی ترے
اے مسیحا دم جو تو اس نیم جاں تک جائے گا

روبرو تیرے کوئی حیرت زدہ آئینہ دار
کہہ تو کیا سکتا ہے پر صورت کو ہاں تک جائے گا

جانے دو جاتا ہے گر عمر رواں کا کارواں
ٹھہر جائے گا کہیں آخر کہاں تک جائے گا

دام سے صیاد مرغ ناتواں چھوٹا تو کیا
یہ نہیں امید اڑ کر آشیاں تک جائے گا

تو سوا دل کے نہ پائے گا اسے عاشق کہیں
ڈھونڈتا گر اس جہاں سے اس جہاں تک جائے گا

کون ہے قاصد ظفر ایسا بجز اشک رواں
لے کے جو پیغام دل اس دلستاں تک جائے گا

انداز سے جدھر وہ قدم پاؤں پڑ گیا
کوسوں ادھر دلوں ہی کا سجراؤ پڑ گیا

زہر آب دے نہ تیغ نگہ کو عتاب سے
اچھا نہ ہوگا دل پہ اگر گھاؤ پڑ گیا

جس سے کہ اعتبار نہیں میرا آپ کو
کیا شک تمہارے دل میں ہے فرداؤ پڑ گیا

بکتا ہے ایک بوسے پہ خوباں کے ہاتھ دل
اس جنس کا بھی اب تو یہی بھاؤ پڑ گیا

سلجھے گا کیونکر دیکھئے دل زلف یار سے
بے طرح اس میں اس میں ہے الجھاؤ پڑ گیا

جو کعبہ میں ہے شیخ وہی میکدہ میں ہے
ناحق کا تیرے دل میں ہے بھٹکاؤ پڑ گیا

بازی لگا دے عشق کی جو سر میں شوق ہے
پو بارہ ہیں ظفر جو کوئی داؤ پڑ گیا

مصور جب کر اس کی صورت مقبول کھینچے گا
نہیں کھینچیں گے زلف ور ایک قصہ طول کھینچے گا

کوئی قطرہ عرق کا گرتے رخسار پہ دیکھا
چمن میں کیا خجالت سوتیے کا پھول کھینچے گا

نہ کر تو دیر کار نیک میں کیا جانے کیا ہوگا
اگر اس کام میں کچھ عرصہ اے مجہول کھینچے گا

بچے تشہیر بعد از قتل بھی جرم محبت پہ
قمرر کو بکو وہ لاشہ مقتول کھینچے گا

جو ہوگا مرد معقول اس کو ہوگا پاس ہر اک کا
اگر دور آپ کو کھینچے گا نامعقو کھینچے گا

ظفر گرچہ نہیں معمول اس کا کچھ کے پھر آنا
مگر یہ جذبہ دل اس کو بے معمول کھینچے گا

ڈھب نہ رونے کا تری بزم میں اک آن بنا
مجھ پہ یاروں نے لیا پہلے ہی طوفان بنا

جب مری آہ نئی معرکہ عشق میں تیر
شعلہ آہ مرا تیر کا پیکان بنا

خانہ چشم میں کس طرح مرے آئے خواب
کر خیال رخ دلدار ہے ویران بنا

بن گئی جان پہ اور تو نے نہ جانا ہرگز
ہائے تو انتا مرے حال سے انجان بنا

کیونکر حسرت سے نہ میں ہونٹ چباؤں ظالم
ہاتھ سے اپنے جو دے غیر کو قربان بنا

کر نہ شکوہ کر مجھے یہ نہ دیا وہ نہ دیا
شکر کرتو کر دیا ہے تجھے انسان بنا

صورت اپنی جسے اک بار دکھائی اس نے
اے ظفر صورت آئینہ وہ حیران بنا

فرحت افزا ہو نہ کیوں کوچہ جاناں کی ہوا
کر مرے حق میں ہے وہ روضہ رضواں کی ہوا

گلشن دہر میں ہے گا وہ خزاں گاہ بہار
اک روش پر نہیں رہتی ہے کبھی یاں کی ہوا

ہوش مندوں کو ڈبوئے ہے ہوائے دنیا
کشتی ہوش کے حق میں ہے یہ طوفاں کی ہوا

اے جنوں توڑ کے زنجیر در زنداں کو
جی میں ہے کھائیے اب چل کے بیاباں کی ہوا

آتش دل کو مرے ور بھی بھڑکائے ہے
اے ستم گار ترے دامن مژگاں کی ہوا

رونا آتا ہے تو بھر دیدم آہیں ٹھنڈی
سرد ہوتی ہے دلا آمد باراں کی ہوا

نہیں دنیا میں ہوا خواہ کسی کا کوئی
کچھ نصیبوں ہی سے بندھ جائے ہے انساں کی ہوا

جب قفس میں کبھی آتی ہے گلستاں کی ہوا

دل دیجور کو بہتر ہے ہوائے رخ یار
اے ظفر دیتے ہیں بیمار کو قرآں کی ہوا

تیرے خط کی ہے وہی تحریر میں لکھا ہوا
جو ہے اے قاتل مری تقدیر میں لکھا ہوا

جانے کیا بیماری دل یہ مرض تو لاعلاج
ہے کتاب دانش و تدبیر میں لکھا ہوا

تیغ سے کشتہ نہ ہو عاشق بجز تیغ ادا
خط جوہر سے ہے یہ شمشیر میں لکھا ہوا

دل گرفتہ رہتا مثل غنچہ تصور کا
سرنوشت عاشق تصویر میں لکھا ہوا

یہ سیاہی س سے لکھا مضمون خال رخ ترا
ہے بیاض ماہ پہ تنویر میں لکھا ہوا

فرق مجھ میں اور مجنوں میں نہ ہو گر میرا نام
ہو نہ میرے کا غذر تصویر میں لکھا ہوا

اے مہوس آگے قسمت کے لکھے کے خاک ہے
ہے یہ جو کچھ نسخہ اکسیر میں لکھا ہوا

مصحف رخ کی تری تفسیر خط ہے پر کوئی
پڑھ تو دے کیا کیا ہے اس تفسیر میں لکھا ہوا

خوب جو دیکھا تو پایا سب وہ تجھ میں اے ظفر
جو کہ ہے اوصاف عالم گیر میں لکھا ہوا

میں ہی دیوانہ فقط کیا تیرے نقشہ پر ہوا
اے پری نقاش کا بھی نقش دیگر ہوا

دل مرا تھا غم کا گھر اے دلربا وک فگن
جبکہ تیرا تیر آیا اور گھروں میں گھر ہوا

تو تو ہے نازک زیادہ گل سے بھی اے نازنین
پر خدا جانے ترا دل سخت کیوں پتھر ہوا

جس کو اے ساقی دکھائی تو نے اپنی چشم مست
پھر نہ وہ مے کش کبھی منت کش ساغر ہوا

بن گیا بستر پہ جسم زار اک بستر کا تار
تیرا بیمار محبت اس قدر لاغر ہوا

جب ہوا تیرا قد رعنا چمن میں جلوہ گر
سر پہ برپا سرو کے اک فتنہ محشر ہوا

گرم ہو کر منہ پہ آتا ہے ہمارے طفل اشک
منہ لگانے سے یہ بڑکا دیکھو کیا اجڑ ہوا

ہم نے جانا تھا کشش دل کی اسے لائے گی کھینچ
اس کشش سے تو کشیدہ اور وہ دلبر ہوا

فی الحقیقت وہ برے ہیں جو سمجھتے ہیں برا
اے ظفر اس کی طرف سے جو ہوا بہتر ہوا

ہاتھ ملتا ہوں کیوں کیا یار جانی کیا ہوا
ہاتھ سے وہ قول کا چھلا نشانی کیا ہوا

کور سے شاہان چشمیں کے تعلق ہے صدا
تھا جو وہ قبضے میں اپنے م لک فانی کیا ہوا

اے جواں کیا اس جوانی کا بھروسہ تو سوچ
تھا جو پہلے اس سے عہد نوجوانی کیا ہوا

تم نے دل عاشق کا پانے پاس سے کھویا کہاں
وہ جو تھا تعویز بہر پاسبانی کیا ہوا

دیکھ کر تو صیر کو اس عالم تصویر کی
چھین جو مانی تو نے بتلا تجھ کو مانی کیا ہوا

پوچھے ہے اہل حکومت سے فلک بعد از فنا
تھا تمہارا وہ جو دور حکمرانی کیا ہوا

خط تو اس نے پڑھ لیا اے نامہ بر یہ تو بتا
حال دل میرا بیان تجھ سے زبانی کیا ہوا

نعش کو کشتہ کی اپنے کرتا ہے تشہیر کیوں
جرم قاتل اس سے وقت جانفشانی کیا ہوا

دیکھا آئینہ نشے میں تو کہا اس نے ظفر
ہو گیا یہ خشک چشمہ اس کا پانی کیا ہوا

نباہ بات کا اس حیلہ گر سے کچھ نہ ہوا
ادھر سے کیا نہ ہوا پر ادھر سے کچھ نہ ہوا

جو اب صاف تو لاتا اگر نہ لاتا خط
لکھا نصیب کا جو نامہ بر سے کچھ نہ ہوا

ہمیشہ فتنے ہی برپا کئے مرے سر پر
ہوا یہ اور تو اس فتنہ گر سے کچھ نہ ہوا

بلا سے گریہ شب تو ہی کچھ اثر کرتا
اگرچہ عشق میں آہ سحر سے کچھ نہ ہوا

جلا جلا کے کیا شمع ساں تمام مجھے
بس اور تو مجھے سوز جگر سے کچھ نہ ہوا

رہیں عدو سے وہی گرم جوشیاں اس کی
اس آہ سرد اور اس چشم تر سے کچھ نہ ہوا

اٹھایا عشق میں کیا کیا نہ درد سر میں نے
حصول پر مجھے اس درد سر سے کچھ نہ ہوا

شب وصال میں بھی میری جان کو آرام
عزیز و درد جدائی کے ڈر سے کچھ نہ ہوا

نہ دوں گا دل اسے میں یہ ہمیشہ کہتا تھا
وہ آج لے ہی گیا اور ظفر سے کچھ نہ ہوا

رفیق ایک تھا دل سو وہ دور ہم سے ہوا
نہ اس کو روک سکے یہ قصور ہم سے ہوا

جتلایا ہم نے جو عجز اپنا اسے بہت مغرور
تو اور تجھ کو زیادہ غرور ہم سے ہوا

اسی سے عشق میں وہ تو ہوئے خراب کو صبر
نہ تجھ سے اور دل ناصبور ہم سے ہوا

اگر سمجھتا ہے بے ہودہ گو ہمیں ناصح
تو ہم کلام وہ کیوں بے شعور ہم سے ہوا

ہوا بہار کا گر جوش تو یقیں ہے ہمیں
جنوں بھی دست و گریبان ضرور ہم سے ہوا

جہاں میں جبکہ ہوئے حسن و عشق جلوہ نما
جفا کا تم سے وفا کا ظہور ہم سے ہوا

ظفر بہشت میں کیونکر لگے گا دل اپنا
جدا ہمارا اگر رشک حور ہم سے ہوا

دل خراش اتنا چمن میں شور بلبل کیوں ہوا
کیوں ہوا چاک اے محبت سینۂ گل کیوں ہوا

مطلع ثانی

عاشق اے دل اس پہ تو یوں بے تامل کیوں ہوا
اور ہوا تو اتنا بے صبر و تحمل کیوں ہوا

دسترس ہیہات اس کے ہاتھ تک اس کے نہیں
دست گل خوردہ ہمارا دستہ کیوں ہوا

کاٹتے ہیں ہونٹ اس حسرت سے ہم اے بادہ نوش
لب بلب محفل میں تجھ سے ساغر مل کیوں ہوا

گر نہیں بھونچال ظالم جنبش ابرو تری
سر زمین ملک دل میں پھر تزلزل کیوں ہوا

گر نہیں آشفتہ میری طرح پر اس زلف پر
باغ میں اتنا پریشاں حال سنبل کیوں ہوا

حرص دنیا پر کمر تو کس لئے باندھے ہے چست
سست اے عاقل کمر بند توکل کیوں ہوا

باندھنا مشکل نہیں گر تیرا مضمون دہان
قافیہ غنچے کا تنگ اے غیرت گل کیوں ہوا

کیا ہے فریاد میری ہے وہ گل نازک دماغ
باغ میں غنچہ اگر چٹکے کہے غل کیوں ہوا

شمع جلتی ہے تو جلتے جلتے کچھ رہ جائے ہے
عشق میں پروانہ جل کر خاک بالکل کیوں ہوا

بحر ہستی میں اگر گزرے نہیں عمر رواں
قد دوتا پیری میں تیرا صورت پل کیوں ہوا

ہو گیا غفلت ہی غفلت میں جو کام اپنا تمام
اس قدر غافل ترا شیوہ تغافل کیوں ہوا

پھاند کر دیوار کو کیا جائے پہنچے واں ظفر
آج اس کوچے میں شب کو کیسا سبب غل کیوں ہوا

یک قلم حال ہمارا جو قلم بند ہوا
نامہ بر جانے سے واں ہائے ستم بند ہوا

دل جو اُمڈے تو رکیں رو کے سے کیونکر آنسو
کہیں دریا بھی ہے اے دیدہ نم بند ہوا

خط جو آیا ترے رخ پر تو گئی رونق حسن
یاں کے آنے سے نہ یہ سر قدم بند ہوا

کھل گیا اس پر خدا جانے مرا مطلب کیا
کہتے کہتے جو یکایک وہ صنم بند ہوا

وہ تو بر لحظہ کرم کرتا ہے ہر دم احسان
اس کا کس دن در احسان و کرم بند ہوا

زخم تیر نگہ یار لگا جو دل پر
خون پھر دل سے نہ آنکھوں کی قسم بند ہوا

وہ قیامت ہے مرا نالہ کرنکر جس کو
اے ظفر صور قیامت کا بھی دم بند ہوا

کیوں دھوتے ہو زخم دل بیتاب کا پھاہا
بھیگا ہوا چپکے گا نہ پھر آب کا پھاہا

مطلع ثانی

گر زخم پر آلودہ ہو خوں ناب کا پھاہا
ہم رنگ ہو برگ گل شاداب کا پھاہا

دل ریش کو اس نرگس مخمور کے مرہم
کیا چاہئے کافی ہے مئے ناب کا پھاہا

کام آیا نہ زخم دل صد چاک کتاں سے
اک مرہم کافور ہے مہتاب کا پھاہا

اپنے خط عارض سے چڑھا زر کی پٹی
چپکا نہ مرے زخم پہ تیزاب کا پھاہا

منت کش مرہم ہوں نہ مجروح ازل کے
دیکھا نہیں زخم گل سیراب کا پھاہا

گرمی سے مرے خون جراحت کے عجب کیا
ہم پر سو جو خورشید جہاں تاب کا پھاہا

وہ زخمی شمشیر حوادث ہے کہ جس کو
آئے ہے نظر چرخ بھی زہر آب کا پھاہا

زخم دل عاشق کی نہ سوزش میں کمی ہو
بالفرض اگر اس پہ ہو گرداب کا پھاہا

پر ورد کو تو زخمیں سے غرض کیا کہ سر زخم
یکساں ہے گزی کا کہ ہو کمخواب کا پھاہا

پھوڑا سا نہ کیوں پھوٹ بہے دل ظفر اس پر
ہے مرہم غم خواری احباب کا پھاہا

تو ہے جو گل کی طرف غیرت گلشن دیکھا
کبھی آئینہ میں اپنا نہیں جو بن دیکھا

مطلع ثانی

مہ جبیں ہم نے تجھے کیا پس چلمن دیکھا
تار بارش میں چھپا اک مہ روشن دیکھا

تو ہوا جیسے کہ اے دست جنوں دست انداز
ہم نے ثابت نہ کبھی جیب نہ دامن دیکھا

چھٹنا تو ہم سے کھنچا اتنا ہی کھنچ کر آیا
کشش دل کا اثر اسے بت پرفن دیکھا

گردش چشم تری وہ ہے کہ جس نے اے شوخ
سنگ سرمہ کو کیا سنگ فلاخن دیکھا

کیا ہی باندھی ہے تری چشم نے اشکوں کی جھڑی
کبھی ایسا نہ برستے ہوئے ساون دیکھا

دیدہ آہوئے صحرا کے سوا ہم نے چراغ
اے صبا تربت مجنوں پہ نہ روشن دیکھا

خانہ دل میں جو ہے آہ فغاں کا عالم
تعزیہ خانہ میں بھی ایسا نہ شیون دیکھا

راز دل جس نے کہا دوست سمجھ کر اپنا
اے ظفر ہم نیاسے جان کا دشمن دیکھا

بتا کیا اے دل غمناک تو نے باغ میں دیکھا
جو اس گل کو نہ دیکھا خاک تو نے باغ میں دیکھا

اثر نالہ نے تیرے جب دکھایا اپنا اے بلبل
تو پھر ہر گل کا سینہ چاک تو نے باغ میں دیکھا

نظر تیری ہوئی ہے خیرہ ہو اے زاہد بدبیں
لگا کر تاک سوئے تاک تو نے باغ میں دیکھا

ہوا کیا کیا جگر خود رشک سے غنچہ کا جب ہنس کر
ذرا اے قاتل سفاک تو نے باغ میں دیکھا

تری جو آنکھ سے نیند آڑ گئی اس طرح اے نرگس
کوئی کیا خواب وحشت ناک تو نے باغ میں دیکھا

جہاں تو جا کے اکثر دیکھتا تھا ڈھیر پھولوں کا
پڑا واں تو وہ خاشاک تو نے باغ میں دیکھا

ظفر دور فلک نے جب تماشا تجھ کو دکھلایا
تو یہ اے صاحب ادراک تو نے باغ میں دیکھا

دل سودا زدہ کب ایک جگہ میں الجھا
کبھی کاکل میں کبھی زلف سیاہ میں الجھا

پھاند میں آہوئے رم دیدہ جو الجھا نہ کبھی
لیا ان آنکھوں نے وہ ایک نگاہ میں الجھا

کی جو اشکوں نے کی چشم میں وقت گریہ
دل کا ٹکڑا مری اک ایک مژہ میں الجھا

دل کو فوج غم و حسرت کا ہے ہر وقت خیال
ہے یہ سالار سپہ فکر سپہ میں الجھا

زلف کو اس مہ سرمست کی بے تابی پر
میں نے چھیڑا تو وہ کیا کیا شب مہ میں الجھا

ہوں وہ آتش قدم اس دشت میں جس کا دامن
روشن برق نہ خار شر رہ میں الجھا

اے ظفر خوب کیا جس نے کیا ترک لباس
نہ رہا جامہ دستار کلہ میں الجھا

عجب اس عشق کے دریا کا ہم نے ماجرا دیکھا
خدا کا جلوہ دیکھا ان میں اور ہر دم نیا دیکھا

مطلع ثانی

نہ پوچھو پوچھنے والو بتوں میں ہم نے کیا دیکھا
خدا کا جلوہ دیکھا ان میں اور ہر دم نیا دیکھا

مطلع ثالث

ترے عالم کو اے یکتائے عالم ہم نے کیا دیکھا
کبھی دیکھا کہ عالم میں نہ تجھ سا دوسرا دیکھا

ہوئے جب ذائقہ سے موت کے ہم آشنا تجھ بن
کہا ناصح نے تو ہم نے محبت کا مزا دیکھا

ڈبویا آشنائی نے ہمیں جس کی اسے ہم نے
نہ دیکھا آشنا دیکھا تو بس نا آشنا دیکھا

نہ دیکھا آئینہ کی شکل میں صوفی نے وہ ہرگز
تماشا ہم نے جو دل کر کے اپنا پر صفا دیکھا

کبھی دیکھے محل یاں اور دیکھی ان میں آبادی
کبھی دیکھی خرابی اور اک ویرانہ سا دیکھا

چراغ و شمع میں کیا برق میں کیا اور شرر میں کیا
جہاں دیکھا وہاں اک جلوہ تیرے نور کا دیکھا

گیا کیا کیا گزر عالم ظفر آنکھوں کے آگے سے
کہیں کیا ہم نے جہاں مثل چشم نقش پا دیکھا

دل اس کے موئے کمر کے جو دھیان میں الجھا
تو لاکھ طرح کے وہم و گماں میں الجھا

کہو جو دل کو نکل زلف یار سے تو کبھی
تڑا تو پاؤں ہے اس ریسمان میں الجھا

عدو الجھتا کہیں اور تو سمجھ لیتے
وہ ہم سے آکے تمہارے مکان میں الجھا

ہوا ہے یوں ترے ابرو پہ آپڑا گیسو
کہ جس طرح سے ہو چلہ کمان میں الجھا

بچا نہیں کوئی دام فریب دنیا سے
کہ جس کو دیکھو وہ ہے اس جہان میں الجھا

بنا کے تار محبت کا دل رہا پھندا
ہزار دل ہوں تو لیں ایک آن میں الجھا

ظفر نے قصہ زلف دراز جاناں کو
کیا بیاں تو کیا کیا بیان میں الجھا

دل کا آئینہ جب صفا دیکھا
وہ جو پنہاں تھا برملا دیکھا

مطلع ثانی

کیا کیوں بت کدے میں کیا دیکھا
جلوہ قدرت خدا دیکھا

تو وہ یکتا ہے تیری صورت کا
نہ سنا اور نہ دوسرا دیکھا

یہ جہاں ہے عجب تماشا گاہ
ہر تماشا یہاں نیا دیکھا

ہم نے راہ وفا میں غیراز عشق
کوئی اپنا نہ رہنما دیکھا

سامنے اس نگاہ کے دل کو
ہدف ناوک قضاء دیکھا

خاک دنیا کی سیر کی ہم نے
یہ تو اک یونہی خواب سا دیکھا

کھول کر آنکھ اپنی مثل حباب
کچھ نہ ہم نے بجز فنا دیکھا

عشق ہے یا بلا کہ اس میں ظفر
ایک عالم کو مبتلا دیکھا

کچھ جواب اس نے دیا خط کا جو الٹا سیدھا
نامہ بر نے مرے رستہ لیا گھر کا سیدھا

خلق کہتی کہ شب تار میں ہے کہکشاں!
مانگ کا خط ترے بالوں میں جو دیکھا سیدھا

ہم سے ہر بات میں وہ کاہ کو ٹیڑھے ہوتے
ہم نشیں ہوتا نصیبہ اگر اپنا سیدھا

خوشنویسوں نے کہا دیکھ کے بینی اس کو
لکھا ہے کاتب قدرت نے الف کیا سیدھا

ہے یہی طالع واژوں اگر اپنا اے دل
نہ ہوا ہے نہ کبھی ہم سے وہ ہو گا سیدھا

اس ان گلشن میں دیکھا کے قد دلجو اپنا
خوب ہی سرو لب جو کر بنایا سیدھا

سیدھ باندھی مرے نالے نے فلک کی ایسی
کہ یہ جب سینہ سے نکلا وہیں پہنچا سیدھا

زلف کافر کی کجی پر بھی یہ ٹیڑھا نہ ہوا
دل مرا دیکھو مسلمان ہے کیسا سیدھا

ٹیڑھی باتوں کو پسند آتی ہیں ٹیڑھی باتیں
اے ظفر اپنا تو انداز ہے سیدھا سیدھا

سبب اس رنجش بے جا کا پتہ کچھ بھی نہ تھا
تو جو آزردہ ہوا ہم نے کہا کچھ بھی نہ تھا

کیونکر ہوتا ترے بیمار محبت کا علاج
جانتا کوئی طبیب اس کی دوا کچھ بھی نہ تھا

رنج و غم میں ہی رہا میں و ہمیشہ اے عشق
میری تقدیر میں اور اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا

اشک خوں پونچھے تھے جب تک کہ نہ تو نے میرے
شوخ ہاتھوں میں تیرے رنگ حنا کچھ بھی نہ تھا

دم ایک بوسہ خال اٹھے ہوئے تم برہم
ہم نے مانا کسی نکتہ پہ برا کچھ بھی نہ تھا

ہو گیا زندہ ترے آنے سے اے عیسیٰ دم
ورنہ دم مجھ میں تو باقی نہ رہا کچھ بھی نہ تھا

یہ تو کہہ تو نے مرا حال زبانی قاصد
اس سے جب جا کے کہاں اس نے سنا کچھ بھی نہ تھا

مر گیا عاشق بیمار ترا خوب ہوا
کہ غم ہجر سے جینے کا مزا کچھ بھی نہ تھا

روبرو اس کے رخ صاف کے آئینہ ظفر
نہیں انصاف سے کہہ دو کہ صفا کچھ بھی نہ تھا

بتوں کے حق میں محبت سے ہم نے کیا نہ کیا
مگر عدا نے بھی خیر کی عدا نہ کیا

سب آشناؤں نے دیکھے مرے رواں آنسو
یہ واں کسی سے بھی اس سے یہ ماجرا نہ کہا

کہا تھا تجھ سے جو احوال ہم نشیں ہم نے
خبر نہیں کہ کہا تو نے مرحبا نہ کہا

جفائیں ہم نے سہیں اسقدر کہ مر ہی گئے
مگر کبھی نہ کہا تو نے مرحبا نہ کہا

مری نگہ نے مرا رازدار کہہ دیا اس سے
بلا سے گر نہ کہاں میں نے مدعا نہ کہا

وہ حال دل جو سنے گوش دل سے تو کہیے
وگرنہ کہنے سے کچھ فائدہ نہ کہا

ہم اس کی بات سے قائل ہیں اے ظفر جس نے
بھلا کہا جسے منہ سے اسے برا نہ کہا

مرا دل تو نے کیوں چھوا ترا گھر تھا تو اس جا تھا
مکاں پردے کا اے پردہ نشیں گر تھا تو اس جا تھا

کیا قتل اور کو کیوں میرے ہوتے تیغ قاتل
دکھانا اس کو منظور اپنا جوہر تھا تو اس جا تھا

وفا کی راہ تھی مشکل اسے بھی طے کیا ہم نے
کہ منزل میں محبت کے اگر ڈر تھا تو اس جا تھا

اٹھایا اے فلک کیوں تو نے ہم کو کوئے جاناں سے
مناسب خاکساروں کے جو بستر تھا تو اس جا تھا

گئے دنیا سے جب شاہ و گدا دونوں ہوئے یکساں
کہ کوئی صاحب زر کوئی بے زر تھا تو اس جا تھا

کیا کیوں چاک سینہ کو جگہ تھی دل کے پہلو میں
لگانا تجھ کو اے قاتل جو خنجر تھا تو اس جا تھا

لگے جس دم نکلنے چشم تر سے اشک کے موتی
کھلا ہم پر کہ پنہاں گنج گوہر تھا تو اس جا تھا

ہمیں جنت میں بھی میخانہ یاد آئے گا اے ساقی
کہ ہے جو عیش وہ ہم کو میسر تھا تو اس جا تھا

ظفر آرام سے بیٹھے گا جا کر اس کے کوچے میں
نہیں ہوئے گا واں مضطر تھا تو اس جا تھا

اس کا عاشق پہ عتاب اور نہ تھا یہ ہی تھا
کہ کوئی چشم پر آب اور نہ تھا یہ ہی تھا

دیدہ تر سے رہے دیکھتے ہم کیفیت
بن ترے جام شراب اور نہ تھا یہ ہی تھا

خط مرا پھاڑ کے ظالم نے دیا قاصد کو
اور کہا اس کا جواب اور نہ تھا یہ ہی تھا

گر شکنجہ میں تجھے زلف کے اس نے کھینچا
شکر کر دل کہ عذاب اور نہ تھا یہ ہی تھا

کر گیا کام تمام اس نے مرا خوب کیا
کہ کوئی کار ثواب اور نہ تھا یہ ہی تھا

جب خودی اپنی اٹھا کر اسے دیکھا ہم نے
تو یہ جانا کہ حجاب اور نہ تھا یہ ہی تھا

تو نے مجنوں کو جو اے عشق کیا شہر بدر
کیا کوئی خانہ خراب اور نہ تھا یہ ہی تھا

جب کہ دفتر مرے عصیاں کا کھلا روز حساب
پھر ظفر کوئی حساب اور نہ تھا یہ ہی تھا

ظالم ترے چپ رہنے کا عقدہ نہیں کھلتا کیا جانے کہ ہے دل میں ترے کیا نہیں کھلتا
جب تک ہو دم سر دو رخ زروئنہ غماز ہر ایک پہ راز دل شیدا نہیں کھلتا
اس مست سے ناز کی اللہ رے تمکین وہ عالم مستی میں بھی اصلا نہیں لکھتا
کھلتا نہیں احوال پریشانی دل کا جب تک کہ ستم گر ترا جوا نہیں کھلتا
بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں مشتاق کی تیرے کیوں بند نقاب رخ زیبا نہیں کھلتا
جو اس کو چھاتے ہیں وہ جب تک کہ نہ آئیں جب تار محبت ہی کا پھندا نہیں کھلتا
کس کام کے پھر ناخن تدبیر ہمارے یا مشہ ہی مرنے زخم جگر کا نہیں کھلتا
کیا مشہ ہے کہ ہو خنجر قاتل کی شکایت

یاں آئے کہاں سے میں کہاں جائیں گے یہاں سے
حیراں ہیں ظفر ہم یہ معما نہیں کھلتا

جب تھا ساقی یار ہمارا ہم تھے اور میخانہ تھا اب وہ کہاں دن کیفیت کے وہ بھی ایک زمانہ تھا

مطلع ثانی

دشت میں تھا جو خار زباں پہ اس کی مرا افسانہ تھا مجھ سے مقابل ہوتا مجنوں ایسا کیا دیوانہ تھا
جیسے بسا تو دل میں آ کر ہوئی ہے صورت آبادی رہتا تھا کون آگے اس میں یہ تو اک ویرانہ تھا
دیتا تھا اس زلف کو شب آرائش کیا کیا آنکھوں سے لیتا پنجہ مژگاں سے میں اپنے کارشانہ تھا
چاہیے تھا اے ناوک افگن دل پہ لگاتا تیر نگاہ چھوڑ دیا کیوں اس کو تو نے یہ تو خوب نشانہ تھا
پوچھتے ہو کیا مجھ سے عزیزو حال غم تنہائی کا میں تھا اور غم خانہ تھا غمخوار غم جانانہ تھا
تل بے تپ اندوہ محبت اف رے گرمی دل غمفراق دل تھا کیا پہلو میں ہمارے گویا آتش خانہ تھا
کوئی ملا گر اشک کا قطرہ عشق میں ہی تیرے شکر کیا جانا اپنی قسمت میں ہاں یہ ہی آب و دانہ تھا

حسن و جمال یار ظفر جب رات کو بزم فروز ہوا
شمع رخ پر نور پہ اس کے ماہ بھی اک پروانہ تھا

کبھی رونے کا جو ہے عشق قابو بنتا دل کا خوں بنتا ہے اور خوں کا ہے آنسو بنتا
تو چمن میں جو دکھاتا قد رعنا اپنا دار قمر کے لئے سرو لب جو بنتا
تنکے یہ مردم ہوشیار سے چنواتے ہیں وحشی آنکھوں سے ترے کیونکہ نہ آہو بنتا
کی عبث تیشہ زنی ہوتی جو تقدیر بھلی کام فرہاد کا ہے قوت بازو بنتا
دوستی تجھ سے نہ کرتا جو میں اے آفت جاں کاہے کو دشمن جاں اتنا مرا تو بنتا
ماہ بن سکتا نہیں حسن میں تیرا ہمسر کبھی رخسار ہی بنتا کبھی ابرو بنتا

باز آ ان کی محبت سے ظفر جانے دے
کیوں ہے دیوانہ خوباں پری رو بنتا

چشموں کی گریباض سے وہ منہ نہ جل بنا
پھر کیوں سواد چشم سے منہ پر کا جل بنا

تیرے خرام ناز نے اے سروخوش خرام
شمشاد کو چمن میں لو پایا ہگل بنا

نکلا کسی طرح نہیں اس سنگدل کا غم
یارب یہ کیسا آن کے چھاتی پہ سل بنا

ثابت رہے گا عہد پہ اپنے کبھی نہ تو
باتیں نہ میرے سامنے پیمان گسل بنا

آئینہ کیوں گیا ترے عارض کے روبرو
یہ سادہ لوح آپ جو ہو کر خجل بنا

جادل میں گھر نہ کر کہ ہے یہ خانہ خدا
تو اس کو بہت کدہ نہ بت سنگدل بنا

آواز تو سنے گا نہ دیکھے گا گر کبھو
گھر اپنا اس کے گھر کے ظفر متصل بنا

[illegible] ہوا غم الفت میں جو تھا سو ہوا
شکوہ بے جا ہے میری قسمت میں جو تھا سو ہوا

پوچھتا ہے مجھ سے کیا حال تپ غم اے طبیب
تجھ پہ ظاہر نبض کی سرعت میں جو تھا سو ہوا

سیکڑوں عاشق تھے پر پروانہ ساں تجھ پہ نثار
شمع روحاضر تری خدمت میں جو تھا سو ہوا

قیس بھی تھا اور میں بھی عشق میں وحشت زدہ
دونوں میں ناکی سوا وحشت میں جو تھا سو ہوا

جانتا تھا میں نہ ہو معلوم میرے دل کا راز
لیکن آفت گریہ کی شدت میں جو تھا سو ہوا

ہجر کے رنج و الم یاد آگئے جو روز وصل
حال میرا جو شب فرقت میں جو تھا سو ہوا

کب ہوا تدبیر سے حاصل ظفر مقصود دل
اے نکونیت تیری نیت میں جو تھا سو ہوا

پاس عارض کے ترے کان کا گوہر چمکا
دن دیے پہلو سے خورشید میں اختر چمکا

خوں مرا اس رخ گلگوں کا ہوا گلگو نہ
قتل ہونے سے مرے شوخ ستمگر چمکا

روبرو اس رخ پر نور کے ماہ تاباں
رات کو یک شب تاب سے کمتر چمکا

تانیا نہ جو کیا طرہ مشکیں نے ترے
تو سن نازترا اور بھی کافر چمکا

چرخ پہ ٹھہری ترے عقد ثریا کی چمک
جب کہ ماتھے پہ ترے رات کو جھومر چمکا

کلبہ تار میں میرے نہیں درکار چراغ
آتش عشق سے داغ دل مضطر چمکا

آئینہ خاک سے پاتا ہے جلا کیا ہے عجب
خاکساری سے اگر صاحب جوہر چمکا

ہو گیا زردی رخسار سے عاشق کو فروغ
سچ ہے انساں کے جہاں ہاتھ لگا زر چمکا

شعلہ آہ مرا جا کے فلک پہ ہر روز
اے ظفر مہر درخشاں کے برابر چمکا

دل یہ اُلڈا دم تحریر کہ دم بند ہوا
ہم سے احوال غم اپنا نہ قلم بند ہوا

شدت گریہ سے آیا نہ ذرا خواب مجھے
شب کو اک پل نہ مرا دیدۂ نم بند ہوا

جائے اب کوئی کہ ہے دیر و حرم کا رستہ
رہزنی سے تیرے غمزے کے صنم بند ہوا

رات بھر سر مجھے ٹکرانا پڑا شام ہی سے
گھر کا دروازہ ترا ہائے ستم بند ہوا

بند دنیا نے وہ باندھے کہ ہوئے دریا بند
اہل ہمت کا نہ پر دست کرم بند ہوا

ہو گئے غیر کے بندے ترے گھر آنے سے
شکر اللہ کہ یہ بہ قدم بند ہوا

دل سے بہتر نہیں غم کے لئے کوئی زنداں
اے ظفر خوب ہوا دل میں ہی جو غم بند ہوا

جگر کا عشق میں سوزاں جو داغ ہو اچھا
اندھیری گور میں بھی یہ چراغ ہو اچھا

ہوا بھی اچھی ہے گلشن میں گل بھی اچھے ہیں
جو ساتھ یار کوئی خوش دماغ ہو اچھا

جو اشک خون سے ہو گلزار تختہ دامن
تو اپنی سیر کو اک یہ بھی باغ ہو اچھا

اٹھاوے غیر کو پہلو سے میرے رشک چمن
کہ عندلیب کے کیا پاس زاغ ہو اچھا

نہ اشک خوں سے ہو اچھی سوائے گلگوں
نہ چشم تر سے زیادہ ایاغ ہو اچھا

ہمارا رہنما جب تلک نہ ہو عنقا
کمر کا اس کی نہ ہم سے سراغ ہو اچھا

سوائے کنج قناعت ظفر بشر کے لئے
کہیں جہاں میں نہ ہرگز فراغ ہو اچھا

دل سے اک نالہ موزوں کو جہاں کھینچ لیا
نقش قدر ترا اے سرو رواں کھینچ لیا

جان جائے گی نکل میری اگر تیر ان کا
تم نے دل سے مرے اے چارہ گراں کھینچ لیا

بال شانے سے جو اس زلف سیہ کا کھینچا
اس سیہ بخت کا تار رگ جاں کھینچ لیا

کیا مرے قتل کو کم تھی یہ کشیدہ ابرو
تو نے شمشیر کو اپنی جو میاں کھینچ لیا

جذبہ شوق نے تیرے طرف سے خانہ
خانقہ سے مجھے اے پیر مغاں کھینچ لیا

تیری تصویر کو کیا صفحۂ دل پر ہم نے
دیکھ بے دست و قلم آئینہ ساں کھینچ لیا

پاؤں آرام سے پھیلائے اسی نے اپنے
ہاتھ دنیا سے ظفر جس نے یہاں کھینچ لیا

خط و ہالہ کہاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا
تیر اے ابرو کماں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

شرمگیں کیا کیا ہوا تیر شہاب اس دم کہ جب
نالہ زیر آسمان سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

ہو گیا حیراں مصور قدر نہ تیرا کھینچ سکا
اک الف اے دلستان سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

مانگ کیا سیدھی نکالی تو نے اپنی مہ جبیں
صاف خط کہکشاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

تیغ رکھی تو سہی گردم پہ میرے تو نے پر
ہاتھ اے خواہاں جاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

اٹھتے ہی پہلو سے تیرے دل میں درد ایسا اٹھا
دم مرا سینے میں یاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

وہ نہ کھچتا آتا ہے پر غیر نے روکا ظفر
بلکہ تھا افشان ہاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

جب بنا آکر قرین زیب محفل پھر گیا
محفل عیش و طرب سے بس مرا دل پھر گیا

کل دیا تھا جس کو تو نے لاکھ ذلت سے نکال
آج کوچے میں ترے وہ پیا مائل پھر گیا

مجھ کو جس دم جنبش ابرو تیری یاد آ گئی
ایک خنجر سا گلے میں میرے قاتل پھر گیا

دیکھ کر تصویر شیریں میری آنکھوں کے تل
تیرا نقش صاف اے شیریں شمائل پھر گیا

کیوں لیا منہ تو نے پھیر اپنا سوال بوسہ پر
اس دردولت سے یہ محروم سائل پھر گیا

بوالہوس آتا تھا میرے ساتھ راہ عشق میں
اے ظفر دیکھی جو اس نے سخت منزل پھر گیا

ٹھہرا ہوا جو پاؤں ٹھکانے سے آ اٹھ گیا
دل بھی قسم ہے ایک زمانے سے آ اٹھ گیا

توڑی مریض غم نے ترے اس طرح سے جان
گھبرا کے غمگسار سرہانے سے اٹھ گیا

وہ تھا جو مہر دمہ کے لئے اعتبار نور
سب تیرے ایک جلوہ دکھانے سے اٹھ گیا

تھا کس کا تجھ کو پاس کو تو میرے پاس سے
محفل سے بیٹھے بیٹھے بہانے سے اٹھ گیا

وہ جانتا تھا مجھ سا نہیں ہے کوئی حسین
میرے سوائے حسن زمانے سے اٹھ گیا

ہم صورت اپنے اس کو جو آئے کئی نظر
حیران ہو کے آئینہ خانے سے اٹھ گیا

تھا میرے ور اس کے جو پردہ سا اک ظفر
یک بارگی دوئی کے اٹھنے سے اٹھ گیا

لکھا جو خط میں وہ کیوں نامہ بر سے کھول دیا
کہ اس نے جا کے وہاں ہر بشر کھول دیا

برا ہو تیرا محبت کہ یار پر تو نے
جو دل کا راز تھا سب اک نظر سے کھول دیا

ہم اپنا آج گلا کاٹ ڈالتے لیکن
نہ خنجر آپ نے اپنی کمر سے کھول دیا

ہم اک نگاہ پہ دل بیچتے ہیں لے وہ اگر
کہ ہم نے مول یہ اس عشوہ گر سے کھول دیا

نہ کھولتے کبھی دروازہ ہم عدو کے لئے
ادھر سے بند کیا تو ادھر سے کھول دیا

دل و جگر کے ہے روزن میں سانس کا رستہ
جو گھونگھٹ آپ نے رخسار پہ سے کھول دیا

ہمارے شوق نظارہ میں کچھ تو ہے گرہی
الٰہی شانہ نے یہ کس ہنر سے کھول دیا

کبھی نہ دل سے کھلا اس کے زلف کا عقدہ
بندھے گا زلف سے گر دل تو کھل سکے نہ ظفر
یہ حال پہلے ہی ہم نے ظفر سے کھول دیا

جس کو کہ ڈھونڈھتا ہوا میں مر کہیں گیا
دل ہی میں تھا مرے وہ مجھے مل نہیں گیا

جس آم گیا میں اس بت کافر کے سامنے
یہ ہو گیا یقین کہ بس ایماں و دیں گیا

آنکھیں سی کھل گئیں مہ و انجم کو دیکھ کر
کوٹھے پہ اپنے تو جو شب اے مہ جبیں گیا

کیا جانے کس کو ذبح کرے گا کہ آج وہ
خنجر بکف چڑھا ہوا یہ آستیں گیا

چونکا نہ خواب گاہ میں شب کو وہ مست ناز
شور و فغاں سراسر چرخ بریں گیا

رو رو کے ہم نے چشم سے دریا بہا دیا
دل کا ترے غبار پہ اب تک نہیں گیا

میں اور دوں دل اپنا کس کو تیرے سوا
تیرا خیال یہ کدھر اے نازنیں گیا

کنج لحد میں بھی مجھے آرام ہو چکا
گر ساتھ مضطرب دل اندوہگیں گیا

آیا رقیب بن کے وہاں سے وہ اے ظفر
پیغامبر جو ہو کے مرا نکتہ چیں گیا

جب چراغ گل چمن میں یک بیک گل ہو گیا
چشم بلبل میں جہاں تاریک بالکل ہو گیا

خانہ زنداں میں میرے سے نالہ زنجیر سے
شور محشر میں بھی اک برپا سوا غل ہو گیا

گل بے جوش گر یہ آنکھوں میں نشہ سا چھا گیا
عشق کی کیفیتوں سے خون دل میں مل گیا

تجھ کو کیا تیری بلا سے کوئی اے غفلت شعار
ہو گیا گر کشتہ تیغ تغافل ہو گیا

ہو گیا پھیکا ترے چاہے سے رنگ و روئے گل
بے نمک نالہ سے میرے شور بلبل ہو گیا

نالہ پردرد دل سودائے خط زلف میں
میری خاطر دستہ ریحان سنبل ہو گیا

کس کی چشم مست نے الٹا ہے ساقی میکدہ
جوں حباب اوندھا جو ہر اک ساغر مل ہو گیا

لکھ کے خط وصلی پہ کیا کو خط جتاتا ہے ہمیں
سن چکے ہم غیر سے تجھ کو سہل ہو گیا

تھی اجل کو سو تامل لیکن اس کی چشم سے
کام اپنا اک نظر میں بے تامل ہو گیا

فاتحہ میں تو نہ آیا حسرتا وا حسرتا
اور اس حسرت میں عاشق کا ترے قل ہو گیا

ساتھ اس شامت کے مارے کے سر اپنا تو نہ مار
اے ظفر دل تو اسیر زلف کا کل ہو گیا

خطا ہے میں جو کیوں اس سے خط پڑھا نہ گیا
پڑھا گیا مگر اچھی نمط پڑھا نہ گیا

تمہارے صفحۂ رخسار پہ خط گلزار
ہجوم خال سے تھے جو نقط پڑھا نہ گیا

ہمارا محضر خوبی جو تجھ سے پس گیا
لکھا ہوا تھا کچھ ایسا غلط پڑھا نہ گیا

جو کوئی مصرع مضمون گریہ ہم نے لکھا
کسی سے مثل خط موج شط پڑھا نہ گیا

پڑھا تمام مرا نامہ اس نے حرف بحرف
جو مدعا تھا وہی ہاں فقط پڑھا نہ گیا

ترے مریض کا نسخہ طبیب نے جو لکھا
قلم کا ایسا دیا اس نے قط پڑھا نہ گیا

لکھا ہے کیا میری تقدیر میں خدا جانے
پڑھا اگرچہ ظفر سو خط پڑھا نہ گیا

سینے میں اک دھواں کئی بار اٹھ کے رہ گیا
نکلا نہ میرے دل کا بخار اٹھ کے رہ گیا

پہلو میں میرے رشک سے کیا کیا اٹھا نہ درد
پہلو سے غیر کے جو وہ یار اٹھ کے رہ گیا

صحرا میں اے شکارفگن کھا کے تیرا تیر
اٹھا جو کوئی تیرا شکار اٹھ کے رہ گیا

آیا نہ میرے دیدہ گریاں کے سامنے
سو بار دیکھا ابر بہار اٹھ کے رہ گیا

دیتا جلا فلک کو مگر خیر ہو گئی
ساتھ آہ کے جو دل سے شرار اٹھ کے رہ گیا

تیری گلی سے جا نہ سکا اٹھ کے یہ ضعیف
تھا ایک ناتواں سا غبار اٹھ کے رہ گیا

پکڑے جو خار دشت جنوں نے ہمارے پاؤں،
اپنا قدم ظفر سر خار اٹھ کے رہ گیا

ہمدموں کا پوچھنا ہر دم مرا دم کھا گیا
کیا کہوں میں دم نہیں مجھ میں مجھے غم کھا گیا

ڈوبے آب گریہ سے تیرے فقط کہسار کیا
بلکہ غوطہ آسمان اے چشم پرنم کھا گیا

غیر جتنا لگ چلا ہے اتنا ہی بھاگے گا دور
یہ فریب اس کے اگر دو چار پیہم کھا گیا

چھیڑ کر تجھ کو دل عاشق نے کیا پایا مزا
تیرے کوڑے مفت وہ اے زلف پرخم کھا گیا

گردش چشم اپنی دکھلائی جو اس بے مہر نے
آسماں کیا بلکہ چکر عرش اعظم کھا گیا

اے ستم گر یاد رکھنا یہ کہ ملنے کی مرے
تو نے واں کھائی قسم اور میں یہاں سم کھا گیا

وائے نسیاں کر دیا تھا منع کیا اس پہ بھی
دانہ گندم ظفر جنت میں آدھا کھا گیا

دنیا میں بلا سے اگر آرام نہ پایا
ہم نے بھی پایا کر بڑا نام نہ پایا

مطلع ثانی

دل ہم نے لگا کر کبھی آرام نہ پایا
جو دیکھا دل آزار دل آرام نہ پایا

دل کے آئینہ کا صاف اک اور جوہر کھل گیا
راز پنہاں اس میں یا آئین دیگر کھل گیا

مطلع ثانی

آج باتوں میں جو مجھ سے میرا دلبر کھل گیا
دل کا جو مطلب تھا اس کے سب وہ مجھ پر کھل گئے

کھل گئی یک بارگی ظالم مرے دل کی گرہ
جب کہ تیرا عقدہ زلف معنبر کھل گیا

ہم نے سر مارا بہت تیرا نہ دروازہ کھلا
غیر نے جس دم پکارا اسے ستم گر کھل گیا

قاصد ان اشک دیتے ہیں مجھے ہر دم خبر
اب تو دل کا حال سب اے دیدہ تر کھل گیا

میرے اشکوں کی جھڑی یار دری برسوں ہی بند
ابر تو سو بار آیا اور برس کر کھل گیا

کھل گئیں آنکھیں سی انجم کی جو شب کو وقت خواب
منہ دوپٹے سے ترا اے ماہ پیکر کھل گیا

تو نے اپنے صید کو فتراک سے اے شہسوار
خوب باندھا تھا نہیں کھلتا کہ کیونکہ کھل گیا

تجھ سے وہ جو کھلتے کھلتے ہو گیا بند اے ظفر
عشق پوشیدہ ترا اس پر مقرر کھل گیا

گرچہ وہ خنجر بکف آ کر مکاں پر پھر گیا
موت کا پر ذائقہ آ کر زباں پھر گیا

تب بجھے گی اور گرمی سے سوا خورشید کو
نالہ سوزاں مرا گر آسماں پر پھر گیا

بوالہوس نے بھی کیا تھا ان سے اقرار وفا
لیکن سا اقرار سے وہ امتحان پر پھر گیا

جب علی مژگاں تمہاری ایک خنجر سا دیں
یاں گلوئے عاشق آزردہ جاں پر پھر گیا

بجھ سکا سوزجگر میرا نہ جوش پر یہ سے
گرچہ اس طوفان سے پانی اک جہاں پر پھر گیا

اب تو ہم دل کو بچالائے نہیں لائیں گے پھر
گر یہ ہو کر شیفتہ اس دلستان پر پھر گیا

دیر کیا اور کعبہ کیا دونوں سے دل میرا ظفر
جا پہنچے ہی اس صنم کے آستاں پر پھر گیا

نہ اس کا بھید یاری سے نہ عیاری سے ہاتھ آیا
خدا آگاہ ہے دل کی خبر داری سے ہاتھ آیا

نہ ہوں جن کے ٹھکانے ہوش وہ منزل کو کیا پہنچے
کہ رستہ ہاتھ آیا جس کی ہشیاری سے ہاتھ آیا

ہوا حق میں ہی ہمارے کیوں ستم گار آسماں اتنا
کوئی پوچھ کہ ظالم کیا ستم گاری سے ہاتھ آیا

اگرچہ مال دنیا ہاتھ بھی آیا حریصوں کے
تو دیکھا ہم نے کس کس ذلت و خواری سے ہاتھ آیا

نہ کر ظالم دل آزادی جو دل منظور ہے لینا
کسی کا دل جو ہاتھ آیا تو دلداری سے ہاتھ آیا

اگرچہ خاکساری کیمیا کا سہل نسخہ ہے
ولیکن ہاتھ آیا جس کے دشواری سے ہاتھ آیا

بے خال رخ اس زلف میں افسوس پھنسا دل
اس مرغ نے بھی دانہ تہ دام نہ پایا

کوچے میں خم زلف کے اس مانگ کا رستہ
دل ڈھونڈھ پھرا صبح سے تا شام نہ پایا

گلرو ہیں بہت گلشن آفاق میں لیکن
تجھ سا کوئی اے شوخ گل اندام نہ پایا

آغاز محبت کو تو واں سمجھے ہم اچھا
اچھا پر اس آغاز کا انجام نہ پایا

تھی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف
ایسا خط تعلیق میں بھی لام نہ پایا

جینے کا مزا عاشق ناکام نے تیرے
جز تلخی مرگ اے بہت خود کام نہ پایا

دولت سے اس اپنے لب خاموش کے ہم نے
کچھ بزم جہاں میں ظفر آرام نہ پایا

بکتے بکتے نا صحا تیرا تو بھیجا پک گیا اور سنتے سنتے اب میرا کلیجا پک گیا
دل میں وہ پھوڑا نہیں اپنے کہ پک کر پھوٹ جائے تو اگر جراح کہتا ہے کہے جا پک گیا
چاہتے تھے ہم یہ مدت سے کہ پک جائے خیال خواہ اے ہمدم بجا تھا خواہ بے جا پک گیا
دل ہے اے ظالم مرا نخل محبت کا ثمر اب نہیں کچا رہا یہ اس کو لے جا پک گیا

جسم خاکی اپنا ظرف خام تھا اس نے ظفر
آتش غم سے پکانے کو جو بھیجا پک گیا

وہ داغ عشق دل تو ان نے کھایا کہ جس کے داغ پہ گل اک جہاں نے کھایا
کہاں گیا مرا قاصد خبر نہیں اس کی زمیں نے کھایا کہ ہے آسمان نے کھایا
کلام تلخ کے میں نے کیا گلی میں تری کہ زہر مجھ پہ ہر اک پاسبان نے کھایا
نکل کے چشم سے لی سیدھی چاک جیب کی راہ نہ پھیر آنسوؤں کے کاروان نے کھایا
تمہارے مسیحے غمزہ ناز کا ہر زخم عجب مزے سے ہے اس نیم جان نے کھایا
کہوں جو اپنی کہانی کہے وہ جھنجھلا کر کہ مغز کیوں مرا اس قصہ خوان نے کھایا
حذر ہے مجھ سے یہاں تک کہ ہاتھ سے میرے کبھی نہ پان بھی اس بدگمان نے کھایا
لگا نگاہ سے ہونے جو پیار کا اظہار تو رشک چشم پہ کیا کیا زبان نے کھایا
ہمیشہ کرتا ہوں داغوں سے دل کی آرائش
مرا تو پیسہ ظفر اس مکان نے کھایا

ہوئی وزگز نہ تیرے چشم کے بیمار کو صحت نہ جب تک زہر تیرے خط زنگاری سے ہاتھ آیا
کوئی یہ حشی دم دیدہ تیرے ہاتھ آیا تھا پر اے صیادوش دل کی گرفتاری سے ہاتھ آیا

ظفر جو دو جہاں میں گوہر مقصود تھا اپنا
جناب فخر دین کی وہ مددگاری سے ہاتھ آیا

نفس کے ساتھ جو درد جگر لپٹا ہوا آیا کباب سوختہ کا سا مرے منہ مزا آیا
وہ آبے یا نہ آئے پر کہا اس نے جو آنے کو تو اس اقرار سے دل کو قرار اپنے ذرا آیا
جھلایا جوش گر یہ نے ہمارے اسقدر دریا کہ گردوں بھی نظر پانی کا سا اک بلبلا آیا
بلایا منتوں سے ہم نے سو بار اس ستم گر کو نہ آیا وہ نہ آیا اور جو آیا تو خفا آیا
اسے کیا غوطے کھائے ہم نے گریہ محنت میں کہو تا صبح سے جائے کہاں کا آشنا آیا
زباں میری قلم کی مدعی کے تو نے کہنے سے نہیں میری زباں پر ایک حرف مدعا آیا
ملائی خاک میں سب آبرو آئینہ کی تم نے اور اس پر پھر تمہارے روبرو بے حیا آیا
اسیران قفس کا دم ہوا ہوتا ہے حسرت سے چمن سے کیا کوئی جھونکا نسیم صبح کا آیا

چڑھا کر تیوری اٹھے ظفر وہ میرے پہلو سے
خدا جانے کہ بیٹھے بیٹھے ان کے دل میں کیا آیا

صد آفریں کہ مرے دل نے داغ لے تو لیا
اندھیری گور کی خاطر چراغ لے تو لیا

بلا سے پھینک دیا لے کے دل مگر اک بار
وہ تو نے دلبر نازک دماغ لے تو لیا

بغیر تیرے نہ اتری گلے سے مے اپنے
اگرچہ ہاتھ میں ہی ہم نے ایاغ لے تو لیا

وہ آتے کب ہیں مگر ہم نے ان کے آنے کا
شگون سن کے کچھ آواز زاغ لے تو لیا

نجاؤ باغ کو تم چھو کر دل پہ داغ
کہ تم نے سیر کو اپنی یہ باغ لے تو لیا

بلا سے تھے وہ کہیں لیکن ان کے قاصد نے
جواب خط کا لگا کر سراغ لے تو لیا

ہوا جو کوئی قناعت گزیں جہاں میں ظفر
پھر اس نے گوشہ امن و فراغ لے تو لیا

ردیف باموحدہ

جہاں ہے دل لگی باہم دگر دونوں کی دو جانب
لگی ہے دل ہی دل میں واں خبر دونوں کی دو جانب

نہ بولے منہ سے وہ درہم ہوئیں پر جب دو چار آنکھیں
رہی اک ٹکٹکی دو دوپہر دونوں کی دو جانب

مزا جب ہے کہ ہم وہ یوں لپٹ کر رات کو سوویں
نہ بدلی جائے کروٹ تا سحر دونوں کی دو جانب

اٹھاتا کیوں ہے تو رخساروں سے تو زلفوں کو رہنے دے
حفاظت کے لئے اے سیم بر دونوں کی دو جانب

مرا دل اور جگر موڑ سے نہ منہ تیغ دو ابرو سے
وہ پھینکے بوٹیاں گر کاٹ کر دونوں کی دو جانب

نہ مرتا کوہ میں فرہاد اور میں نے دشت میں مجنوں
نہ لے جاتی اجل دونوں کو گر دونوں کی دو جانب

وہ دیکھے آئینہ اور ہم اسے یہ کیا تماشا ہے
کہ ہے اک جلوہ منظور اور دونوں کی دو جانب

نہ جائے بت کدے کو برہمن نے شیخ کعبے کو
محبت گر نہ ہووے راہ پر دونوں کی دو جانب

ہوئے وہ حسن میں مشہور اور ہم عشق میں رسوا
رہی شہرت جہاں میں اے ظفر دونوں کی دو جانب

کرتی ہے ہر لحظہ مجھ کو میری جانکاہی خراب
کاہش جاں سے ہوں میں بھی عشق میں کیا ہی خراب

ماہ سرگرداں ہے اور ماہ تہ بار گراں
خوب دیکھا تو یہاں ہے مہ سے تا ماہی خراب

دیکھ میرا حال کیا سوز گداز عشق ہے
بزم عالم میں ہے جوں شمع سحر گاہی خراب

وا نہ ہو غنچے تو پھر کیوں ہو پریشاں اس قدر
کرتی ہے اس کو ضیا تیری ہوا خواہی خراب

خضر راہی منزل مقصود کر تو عشق کو
ورنہ اے رہرو کرے گی تجھ کو کجراہی خراب

طفل کو راحت زیادہ ہے جوان و پیر سے
چین نادانی میں بھی کرتی ہے آگاہی خراب

اے ظفر چاہے خرابی تیری جو خانہ خراب
کر دے اس کو تیرا اقبال شہنشاہی خراب

واہ وا اے طالع نا کام معکوس حباب
رہوے دریا میں بھی خالی جام معکوس حباب

بحر ہستی میں کوئی دم یوں ہیں ہم واژوں نصیب
جیسے پانی میں سبو ہے جام معکوس حباب

گنبد گردوں ہے میرے گریہ کے سیلاب سے
ایک بنیاد خراب انجام معکوس حباب

آدمی ہے بلبلا پانی کا اس کو چاہیے
مہر پر کھدوائے اپنے نام معکوس حباب

راستی پر آئے کب ہو جس کی خلقت واژگون
کیونکہ سیدھا ہو ظفر انجام معکوس حباب

بے لکھے خط جو کیا نامہ و پیغام طلب
کاہلی لکھنے کی تھی آپ ہیں آرام طلب

زلف و رخ کی ترے بوسے کی قسم ہے تجھ کو
لگی رہتی ہے سدا صبح سے تا شام طلب

حرف تلخ اس لب شیریں سے مزہ دیتا ہے
چھیڑ کر کرتے ہیں ہم اس لئے دشنام طلب

یہ اشارہ ہے کہ آنکھوں سے اشارے ہوئیں
عین شفقت سے کئے اس نے جو بادام طلب

ہم نے یاں پختہ مزاجوں کو بہت دیکھ لیا
کوئی بھی ان کی نہیں بے طمع خام طلب

گردش چشم وہ آنکھوں میں بھری ہے ساقی
ہم کو کیا کام جو ہم تجھ سے کریں جام طلب

اس سے واللہ ظفر ہم کو نہیں جان عزیز
دل ہے کیا چیز کرے گر بت خودکام طلب

کرتی ہے غمزہ نرگس فتاں عجب عجب
مارے ہے تیغ سنبل پیچاں عجب عجب

کچھ و یاس و کچھ امید و کچھ رنج و کچھ خوشی
مہماں سرائے دل میں ہیں مہماں عجب عجب

شب کو جو اس کی زلف کا بندھ جائے ہے خیال
ہم دیکھتے ہیں خواب پریشاں عجب عجب

مجروح تیغ عشق کو دکھلائے ہے مزے
قاتل ترا لب نمک افشاں عجب عجب

اے چشم بار بار نہ ہو دیکھ اشک بار
ہر بار تجھ سے اٹھتے ہیں طوفاں عجب عجب

سرنامہ میرے نام کا اور خط قریب کا
ظالم تیرے ستم کے ہیں عنواں عجب عجب

ہو جاؤں کیونکر محو تماشا نہ یک بیک
دیکھوں تماشے جا کے جو میں واں عجب عجب

غمزہ عجب نگاہ عجب اور ادا عجب
کچھ دلربائیوں کے ہیں ساماں عجب عجب

وہ لوگ اس زمانے میں ہیں اے ظفر کہاں
دیکھے ہوئے ہیں آپ نے انساں عجب عجب

یوں تو سیکھے ہیں بہت آپ نے عالم سے فریب
سیکھو عالم سے نرالا کوئی تم ہم سے فریب

مطلع ثانی

ایک دن وہ تھا کہ تم پوچھتے تھے ہم سے فریب
اب لگے آپ ہیں دینے ہمیں سو دم سے فریب

جام لے دے کے ہمیں کہتے ہو لو ساغر جم
بارے دینے لگے اب آپ بھی جم جم سے فریب

جان کر مار سیہ بوسہ نہ لینے پائے
کھا گئے سب کو ہم اس طرہ پرخم سے فریب

غیر کیا دے گا فریب آ کے لاحول ولا
بھاگے ہے صورت شیطان اس آدم سے فریب

پوچھا محرم میں ہے کیا کہتے ہو کچھ ہے تمہیں کیا
دا چھڑے آپ بھی کرنے لگے محرم سے فریب

کوئی کیسا ہی فریبندہ عالم ہے ظفر
اس کا چلتا نہیں تجھ پر کسی عالم سے فریب

ہو جیے ایسوں سے کیونکر کے ملاقات خراب
جن کی عادات خرابات اور اوقات خراب

ہم تصور میں رخ و زلف کے تیرے ظالم
کس خرابی میں پڑے ہیں کہیں دن رات خراب

چشم پر آب سے عاشق کے جو کی ہم چشمی
تو ہوئی اب کی برس خوب ہی برسات خراب

ایک میں ہی نہیں آوارہ کر مجھ سے لاکھوں
پھرتے ہیں ہاتھ سے اس عشق کے ہیہات خراب

صوفی و رند ہیں دونوں ترے غمزے سے تباہ
خانقہ گرچہ ہے ویراں تو خرابات خراب

وہ خدا کا ہے غضب ان کا ہے جو لطف و کرم
کرتی عاشق کو بتوں کی ہے عنایات خراب

جن کو کچھ پاس نہیں بات کا اپنی ہرگز
میرے نزدیک ظفر ان کی ہے ہر بات خراب

ردیف باءفارسی

نہیں ہے کوئی تری زلف سا جہاں میں سانپ
اگر یہ جھوٹ کہا ہووے سے زباں میں سانپ

نشے کی لہر میں کہتے تھے رات کو مے کش
یہ کہکشاں نہیں نکلا ہے آسماں میں سانپ

نہیں ہے زلف کے حلقے میں خال عارض یار
لئے ہوئے ہے یہ مہرہ مگر وہاں میں سانپ

بغیر تیرے ہوا کاٹنے کو دوڑے ہے
مجھے ہے موج صبا صحن بوستاں میں سانپ

دلوں کے مانگ کے رستے سے زلف نے روکا
لپٹ گیا یہ بلایا ہے رہرواں میں سانپ

کہاں ہے روزن سینہ میں موج دود جگر
رہے ہے خانہ دل کے یہ ناوداں میں سانپ

خیال زلف ظفر جائے کس طرح دل سے
یہ بھو میاں ہے ہمیشہ سے اس مکاں میں سانپ

چلے کہاں ہم سے روٹھ کر تم اٹھا کے تم نے قدم چھپا چھپ
نہ جانے دیں گے لپٹ کے بوسے تمہارے لے لیں گے ہم چھپا چھپ

زباں ہے قینچی سی ان کی چلتی جو کچھ کر کتریں گے گل تو اے دل
اوڑا ہی دیویں گے تیرے پرزے ابھی خدا کی قسم چھپا چھپ

جو ہم کو دو حرف تم ہو لکھتے تو پہروں تم دل میں سوچتے ہو
یہ کیا کہ غیروں کو خط پہ خط ہو ہمیشہ صاحب رقم چھپا چھپ

نفس کی ہے جو کہ آمد و شد بغور کر سیر اس کی غافل
یہ چہلے ہو رہی ہے کیونکر رہ وجود و عدم چھپا چھپ

خدا اجاڑے کہ ان لٹیروں کو یا دلپ جھپ ہے اس بلا کی
کہ لے ہی جاتے ہیں دین و ایماں کو لوٹ کر یہ صنم چھپا چھپ

زہے نصیب ان کے عاشقوں کے کہ بیتال رہ وفا میں
اڑا دے سر ایک دم میں سب کے وہ لے کے تیغ و دم چھپا چھپ

ظفر ہزار آفرین و تحسین کہ واہ کیا خوب اس غزل میں
لکھے ہیں اشعار عاشقانہ اٹھا کے تو نے قلم چھپا چھپ

ہو گا ظاہر یہ مرا درد جگر آپ سے آپ
تجھ کو ہو جائے گی بیدرد خبر آپ سے آپ

مطلع ثانی

ہو رہے گا کششِ دل کا اثر آپ سے آپ
کھنچ کے آ جائیں گے اک دن وہ ادھر آپ سے آپ

وہ کہیں ہو کوئی چھپتا ہے مری آنکھوں سے
ڈھونڈ لیتی ہے اسے میری نظر آپ سے آپ

نہیں کھلتا ہمیں کس غنچہ دہن کا ہے خیال
یوں جو ہم رہتے ہیں چپ دو دوپہر آپ سے آپ

دل پہ کچھ صدمہ غم عشق نے پہنچایا ہے
چشم رہتی نہیں اشکوں سے یہ تر آپ سے آپ

ایسے غفلت کدہ میں آئے کہ ہم بھول گئے
تھے کہاں اور چلے آئے کدھر آپ سے آپ

بخت برگشتہ کچھ خانہ خرابی نہ کریں
تو چلے آئیں وہ سیدھے مرے گھر آپ سے آپ

لب شمشیر سے کیا مژدہ سنا اے قاتل
ہنس رہا ہے جو مرا زخم جگر آپ سے آپ

دے گا جنبش جو وہ مژگاں کو تو ہو جائیں گے
تیرے مجنوں کی صفیں زیر و زبر آپ سے آپ

شوق پابوسی تھا قاتل کا یہ مجھ کو دم قتل
جا پڑا پاؤں پہ اور گر پڑا سر آپ سے آپ

کام ہے وقت پہ موقوف جب آ جائے ہے وقت
تو وہ ہو جائے ہے اس وقت ظفر آپ سے آپ

غیر سے جھٹ کر لیا ساتھ اک لگاوٹ کے ملاپ
اور ہم سے کرتے ہو تم دے کے سو جھٹکے ملاپ

چاک دل پر غنچے کے کیونکر صبا سے ہو رفو
گلشن عالم میں ہے دشوار دل پھٹ کے ملاپ

روٹھ کر پھیرے رہے وہ دیر تک بستر پہ وہ
ہو گیا بارے ادھر لیتے ہی کروٹ کے ملاپ

ملتے گر شام و سحر دیکھے نہیں تو دیکھ لو
رکھتے ہیں عارض سے بال اس زلف کے لٹکے ملاپ

غیر آنکھوں میں کھٹکتے ہی رہے مانند خار
ہم سے اس گل سے ہوا ہرگز نہ بے کھٹکے ملاپ

اپنی ہستی کو گھٹا کر چاہتا ہے اس کا وصل
دیکھ کے خورشید سے کرتا ہے وہ گھٹکے ملاپ

بے رکاوٹ وہ نہیں ملتا کسی سے ظفر
ہے رکاوٹ پہلے اور پیچھے رکاوٹ کے ملاپ

ہے پسند اپنے تو زاہد بادہ خواروں کا ملاپ
ہو مبارک تجھ کو یہ پرہیزگاروں کا ملاپ

مطلع ثانی

تیری یاری میں گیا سب ہم سے یاروں کا ملاپ
ایک ملنے سے ترے چھوٹا ہزاروں کا ملاپ

ملتے ہی پروانہ ساں جاں اپنی کو تجھ پر نثار
تو نے دیکھا شمع رو ہم جاں نثاروں کا ملاپ

جو ہے میرا دوست تم دشمن ہو اس کی جان کے
تم کو کب بھاتا ہے میرے دوستداروں کا ملاپ

رنج و غم دونوں یہ مدت سے مرے ہیں غمگسار
ترک مجھ سے کیونکر ہو ان غمگساروں کا ملاپ

زخم دل ان کے بھی مل جائیں اگر منظور ہو
اے ستمگر تجھ کو اپنے دلفگاروں کا ملاپ

بس زمین و آسمان کے تو نہ قلابے ملا
ہمنشیں ہے سخت مشکل ماہ پاروں کا ملاپ

کیا جلا آئینہ کو ہوتی ہے خاکستر سے دیکھ
صاف کر دیتا ہے دل کو خاکساروں کا ملاپ

دیکھ باعث مہر کے دل پر ہوا کاغذ کے داغ
اے ظفر اچھا نہیں ہے نامداروں کا ملاپ

خواہ ہو جمعہ کی اور خواہ ہو اتوار کی رات — کٹے مشکل سے ہے ظالم ترے بیمار کی رات

نہ دیا سونے خلش نے تری مژگاں کے مجھے — نشتر خار تھے بستر میں جگر تار کی رات

تار اشکوں کا جو باندھا تھا مری آنکھوں نے — ہر مژہ ایک لڑی تھی در شہوار کی رات

کس مصیبت سے بسر ہوتی ہے ہم سے پوچھو — حشر کا دن ہے نہیں فرقت دلدار کی رات

ہے کہاں خواب کہ وہ خواب میں دیکھے تجھ کو — کٹے آنکھوں میں ہے حسرت کش دیدار کی رات

گزری اس طرح سے غفلت میں جوانی اپنی — جیسے مستی میں گزر جائے ہے میخوار کی رات

روشنی ماہ کی ہو گرد اگر دکھلائے
اے ظفر تاب ذرا اپنے وہ رخسار کی رات

اللہ رے زیور بت بے پیر کی گرہت — دیوانہ دل ہے دیکھ کے زنجیر کی گرہت

کیا جانے اک گھڑی میں ہو کیا اس کو ناقلو — کرتے ہو اپنی خشت میں تعمیر کی گرہت

ابرو ترے نہ دیوے نمونہ اگر دکھا — شمشیر گر سے ہووے نہ شمشیر کی گرہت

اے عشق تو بجڑائے ہے لوہے کو موم سے — ہوتی ہے شمع کے لئے گلگیر کی گرہت

تیر مژہ ہے تیر ابلا کا بنا ہوا ہم جانتے ہیں لائے ہو تم دل سے کھڑکے بات — چوب خدنگ سے نہیں اس تیر کی گرہت

چھپتی نہیں ہے آپ کی تقریر کی گرہت

کیا خوب بت ہو اپنی پرستش کو اے ظفر
گر اس کے سنگ در سے ہو تصویر کی گرہت

سن او کافر بدکیش ذرا دھیان سے یہ بات — جھوٹ کہتے نہیں ہم کہتے ہیں ایمان سے یہ بات

ہے کیا بات کہ تو یوں ہے عدوئے دل و جان — ہم نے پائی ترے ہر ایک دل و جان سے بات

بول سکتے نہیں محفل میں تری ہم منہ سے — کوئی کہتا ہے تو سن لیتے ہیں ہاں کان سے بات

قطع کرتا ہے جو گلگیر زبان کو اس کی — ایسی سرزد ہوئی کیا شمع شبستان سے بات

یہ ہے قسمت کا لکھا پھیر لے منہ وہ تو خط — اپنے مطلب کی کہوں گر کسی عنوان سے بات

بولتے طوطی تصویر کو دیکھا کس نے — کیونکہ نکلی دہن عاشق حیران سے بات

اے ظفر بیٹھا بنایا کرے باتیں لیکن
اس کے بن فضل بن آتی نہیں انسان سے بات

پسند طبع جو ہو میری اک جہان کو بات
نہ بھائی وہ کبھی اس شوخ بدگمان کو بات

لگی ہے کان ملاحت جو زلف تیرے کان
کہے ہے کیا یہ خدا جانے لگ کے کان کو بات

دکھا نہ رنج مجھے اپنی تو جدائی کے
نکالی اور کوئی میرے امتحان کو بات

کہا یہ لیلی محمل نشیں نے مجنوں سے
کہ راز کی نہ ہو معلوم ساربان کو بات

سنی نہ بات کوئی اس سے ہم نے جز دشنام
یہی اک آئی ہے اس شوخ بدگمان کو بات

کہے تو کیا کہے عاشق کو بھول جاتا ہے
وہ دیکھتے ہی تمہاری ادا و آن کو بات

اگرچہ پیر کی ہے بات سودمند ظفر
مگر خوش آتی نہیں وہ کبھی جوان کو بات

نہ آ ہوا میں اگر ہے ہوا محل میں نشست
سمجھ تو ہر نفس اپنی راہ اجل میں نشست

اٹھے ہے درد سا پہلو میں میرے او بے داد
رہے ہے غیر کی جیسے تری بغل میں نشست

خدنگ عشق کا میں ہوں ہدف ہمیشہ سے
کہ دل پہ کی مرے اس تیر نے ازل میں نشست

جو ہمنشیں رہے ان کے ہی تو محفل سے
ہماری ہوتی ہے موقوف آج کل میں نشست

ہمیشہ شہر میں رہ دل بیمار دوست بکار
نہ بیٹھ دشت میں تو اور نہ کر جبل میں نشست

برنگ شیشہ مے یوں ہیں اس کی بزم میں ہم
کہ ایک دم میں ہے برخاست ایک پل میں نشست

خیال خال رخ یار دل میں ہے میرے
ہمیشہ رکھتا ہے بھونرا یہ اس کنول میں نشست

بٹھائے دل میں حکومت سے میں جو عشق کے داغ
نئی ہوئی ہے وہ ویراں کی اس عمل میں نشست

بٹھائے زور سے یہ قافیے ظفر تو نے
وگرنہ ان کی تو مشکل ہے اس غزل میں نشست

تیرگی زلف کی گھر کیا ہوئی مہماں تھی رات
تیرہ بختی ہی تری دست و گریباں تھی رات

مطلع ثانی

کہکشاں سیبز گردوں سے نمایاں تھی رات
کس کے ماتم میں کیے چاک گریباں تھی رات

جوش گریہ سے ترے ہجر میں اے رشک چمن
چشم بددور یہ آنکھ ابر بہاراں تھی رات

سوزش دل کا مری مجھ سے نہ پوچھو احوال
کہ میرے سینے میں اک آتش سوزاں تھی رات

شمع کی طرح جو سولی پہ کٹی رات مجھے
یاد قامت تری اے سرو خراماں تھی رات

بل بے تاثیر ترے عشق کی دیکھا ہم نے
شمع خاکستر پروانہ پہ گریاں تھی رات

حلقہ زلف میں دیکھا رخ روشن اس کا
لئے آغوش میں خورشید درخشاں تھی رات

چشم پرآب کے چھینٹے نے بجھایا ورنہ
لائی بے طرح حرارے تپ ہجراں تھی رات

زخم پہ تیغ جدائی کے جھکائی دیے
اے ظفر چرخ پہ انجم سے نمکداں تھی رات

ہو تجھ کو میری ناصح بے درد کی کیا شناخت
رکھتا ہے دردمند کی درد آشنا شناخت

ہے ان بتوں میں جلوہ نما قدرت خدا
دے اے خدا شناس تجھے یہ خدا شناخت

بوٹی کا کیمیا کی شناسا ہوں کیوں عبث
خوبان سبزہ رنگ کی بھی کیمیا شناخت

ہم تو وفا میں جان تک اپنی فدا کریں
پر تجھ کو بھی وفا کی ہوا سے بے وفا شناخت

تیغ نگہ کے تیرے مبصر ہیں دیکھ ہم
اس کی نہیں کسی کو ہمارے سوا شناخت

پہچان لیں گے اور جواہر تو جوہری
پر جو ہر بشر کی ہے مشکل ولا شناخت

پوچھو ظفر طبیب سے اپنی دوائے درد
پر اس کو اس غرض کی ہو کچھ تو ذرا شناخت

آ جائے ہے جس وقت تری دھیان میں صورت
ہو جائے ہے یاں اور بھی اک آن میں صورت

بت خانہ چیں میں کوئی کیا دیکھے گا کافر
تیری سی نہیں عالم امکان میں صورت

زلفوں سے تمہاری ہوں پریشان زیادہ
دیکھو مری اس حال پریشان میں صورت

ہوں عاشق سر باز مجھے بوالہوس آ کر
دکھلائے گا کیا عشق کے میدان میں صورت

ہے صاف ترے نکہ کی اختر میں شباہت
ملتی ہے مہو میں گریبان میں صورت

یوسف بھی ہوائے شوخ ترا محو تماشا
کھنچوا کے جو بھیجیں تری کنعان میں صورت

دیوانہ ترا بن کے جو میں خاک اڑاؤں
مجنوں کی بگڑ جائے بیابان میں صورت

تجھ بن یہ ہوئی شکل کو پہچانتے ہیں دوست
مشکل سے مرے کلبہ احزان میں صورت

کیا دیکھتا ہے آئینہ اے شوخ پری رو
دیکھ اپنے ظفر کی دل حیران میں صورت

چلا گیا شب غم دل کا داغ صبح کے وقت
وگرنہ ہوتے ہیں گل شب چراغ صبح کے وقت

نسیم صبح کے جھونکے سے ہو گراں خاطر
چمن میں جائے جو وہ خوش دماغ صبح کے وقت

شب وصال میں گھبرا کے وہ اٹھے جلدی
لگے جو بولنے گنجشک و زاغ صبح کے وقت

چمن میں کون صبوحی کو آئے گا ساقی
گلوں کے دھوئے ہے شبنم ایاغ صبح کے وقت

سفر کی فکر کر اے غافل آ گئی پیری
پڑا ہوا ہے تو کیوں بافراغ صبح کے وقت

یہ لاغری ہے کہ بستر پہ رات بھر مجھ کو
اجل نے ڈھونڈھا جو پایا سراغ صبح کے وقت

ظفر نے خواب میں کس گل کو رات دیکھا تھا
کہ اٹھا خواب سے وہ باغ باغ صبح کے وقت

ہوا ہے ابر ہے اور سیر سبزہ زار بسنت — شگفتہ کیوں نہ ہو دل دیکھ کر بہار بسنت

مطلع ثانی

ہماری زردی رخسار ہے بہار بسنت — ہمارے رنگ سے ہے رنگ اعتبار بسنت
کہاں ہے ساغر یاقوت زرد میں مے سرخ — بہار گل ہے ہم آغوش ہمکنار بسنت
وہ قد جو دیکھ کے کروا سا جی سے گزریں ہم — تو ہو مزار پہ اپنے نہ کیوں گزار بسنت
خبر بسنت کی بھی کچھ تجھے ہے اے ساقی — پیالہ بھر کہ ہے پھر آمد بہار بسنت
کیا بسنت کے ملنے کا وعدہ جو اس نے — تمام سال رہا ہم کو انتظار بسنت
ہوا جو وہ گل رنگیں ادا بسنتی پوش — تو اور باغ جہاں میں بڑھا وقار بسنت
جو دیکھے تیرے عرق چیں زعفرانی کو — عرق عرق ہی رہے روئے شرمسار بسنت

سمجھ نہ صحن چمن میں اسے گل نرگس
جھکی ہوئی ہے ظفر چشم پرخمار بسنت

ہے خوب گرچہ اس مہ کنعان کی صورت — لیکن ہے کہاں تیری سی اس شان کی صورت
ہے شاخ گل اس بن مجھے کیا تیر کے مانند — آتا ہے نظر غنچہ بھی پیکان کی صورت
صورت کو تری صورت تصویر ہے تکتا — ہے اب یہ تری عاشق حیران کی صورت
سودائی ترے رہتے ہیں باحال پریشاں — اے یار ترے زلف پریشان کی صورت
یاد آتی ہے ہر سورہ قرآن کو سن کر — وہ روئے کتابی مجھے قرآن کی صورت
کہتا ہوں جو صورت مجھے اے جان دکھا دے — کہتا ہے کہ کیا دیکھے گا تو جان کی صورت

انساں ہے وہیں جس میں ہو انسان کی سیرت
ہیں یوں تو ہزاروں ظفر انسان کی صورت

ردیف تائے ہندی

روز لیتا ہے جو خون عاشق مضطر کو چاٹ — لگ گئی ہے کیا یہ اے قاتل ترے خنجر کو چاٹ
ایسی دنیا کی حلاوت پر گرے اہل ہوس — جائیں گی یہ مکھیاں گویا کہ اس شکر کو چاٹ
جرعہ مے کا تو زاہد کو کہاں ہے حوصلہ — مست ہو جاوے اگر لیوے ذرا ساغر کو چاٹ
کان کے آویزہ اطلیں پہ کب ہے زلف یار — سانپ یہ پتھر چٹا لیتا ہے پتھر کو چاٹ
دے اگر اکسیر بھی کوئی تو وہ کہتا ہے کب — جس نے اک باری لیا ہے تیری خاک در کو چاٹ
دل میں کیا چھوڑے گا غم ہے چاٹ اس کو لگ گئی — یہ چپوڑا دیکھنا جائے گا سارے گھر کو چاٹ

دے چکا بوسہ لب شیریں کا وہ تجھ کو ظفر
ہونٹ اپنے کر کے یاد اس لعل جاں پرور کو چاٹ

عشق میں دل ہے مرا کیا ہی غم پنہاں کی پوٹ
بن گیا میں خود سراپا حسرت و حرماں کی پوٹ

ایک بھی آنسو اگر دیکھیں گے میری چشم میں
باندھ کر دھر دیں گے مردم سر پہ طوفاں کی پوٹ

زلف کے حلقہ سے اس روئے عرق آلود نے
چادر شب میں ہے باندھی انجم تاباں کی پوٹ

دل ہزاروں خاکساروں کے ملے اس خاک میں
اے دلوں کے پوٹ خاک کوچہ جاناں کی پوٹ

روبرو اس زلف و خط کے یک سرمو ہو نہ قدر
باندھ کر رکھ دے کوئی گر سنبل و ریحاں کی پوٹ

ایک دو ہوں تو نکالے کوئی سینے میں مرے
یاد مژگاں سے تری ہے نشتر پیکاں کی پوٹ

اے ظفر راہ عدم میں پھر سبک باری کہاں
سر پہ رکھ لی باندھکر جب کثرت عصیاں کی پوٹ

ردیف ثاء مثلثہ

کہہ دو ناصح سے کہ پھر جائے نہ یاں آئے عبث
میں سمجھنے کا نہیں مجھ کو نہ سمجھائے عبث

نہیں امید کہ تو خاک پہ بھی آئے کبھی
کیوں کوئی تیرے لئے خاک میں ملجائے عبث

کیا نہ تھا پیچ مژگاں مرے سلجھانے کو
موئے زلف آپ نے شانے سے جو سلجھائے عبث

دل سے کہہ دو وہی ہووے گا جو ہونا ہو گا
ہو گا گھبرانے سے کیا اتنا نہ گھبرائے عبث

دل نے چھیڑا تو اسے شوق سے مارے باندھے
زلف کافر تری پر مجھ پہ نہ بل کھائے عبث

اے کماندار ذرا مڑ کے نہ دیکھا تو نے
دیر تک صید محبت ترے چلائے عبث

جانتے ہو کہ وہ مجھ سے ہے کشیدہ خاطر
اٹھئیو اسے تم کھینچ کے یاں لائے عبث

غیر کا سر ترے زانو پہ رہے گا یوں ہی
سر کوئی سنگ سے ٹکرائے تو ٹکرائے عبث

نہ کیا کام کچھ ایسا جو وہاں کام آتا
کھوئی یاں عمر ظفر ہم نے یونہیں ہائے عبث

ہیں یہاں رنج کے آثار خوشی کے باعث
اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں ہنسی کے باعث

عجب آیا ہمیں عالم نظر اللہ اللہ
دیکھیں ان دانتوں میں رنگینیں جو مسی کے باعث

ہوں دل سمجھو مجھے خواہ بتاؤ خفقان
ہے یہ جو کچھ سو تمہاری خفگی کے باعث

میرے زخموں سینہ رکھ آب دم تیغ در تیغ
خشک لب چاہتے ہیں تشنہ لبی کے باعث

تم جو غصے ہو تو غصہ مرے سر آنکھوں پہ
پہ بشرطیکہ نہ ہو اور کسی کے باعث

سطر ابرو نہیں اس روئے کتابی پہ ظفر
ترک کاتب نے لکھی ہے غلطی کے باعث

ردیف جیم تازی

غم فرقت سے ترے جس کا رہے بند مزاج
سو مفرح سے بھی اس کا نہ ہو خورسند مزاج

سن تو لیتے ہیں مرا حال جو کچھ کہتا ہوں
ان کا برہم مری جانب سے ہے ہر چند مزاج

آ گیا چشم کے بیمار کا دم آنکھوں میں
تو نے پوچھا نہ کبھی کیوں ہے کسلمند مزاج

ہوں وہ دیوانہ کو مجنوں بھی ادب سے بن میں
پوچھتا مجھ سے ہے بن کر مرا فرزند مزاج

بوسہ ہائے لب شیریں کی جسے چاٹ لگے
اس کا مائل نہ ہو سوئے شکر و قند مزاج

تیرے آنے سے ہوئی خوش نہ طبیعت ناصح
بلکہ رنجیدہ ہوا سن کے ترے پند مزاج

اے ظفر جس نے کیا قطع تعلق سب سے
چاہتا اس کا کسی سے نہیں پیوند مزاج

میں کیا کہوں اس بت کی جدائی کا رنج و غم
ہے میرے لئے ساری خدائی کا غم و رنج

چھوٹا ہے قفس سے تو کہاں طاقت پرواز
ہے مجھ کو بڑا اپنی رہائی کا غم و رنج

پوچھے کوئی غم کھانے کی عاشق سے حلاوت
رکھتا ہے مزا کیا یہ مٹھائی کا غم و رنج

گر روٹھتے ہیں گاہ وہ ملتے ہیں اب ان سے
نے صلح کی شادی نہ لڑائی کا غم و رنج

اس در پہ نہیں مجھ کو رسائی تو بلا سے
لیکن ہے رقیبوں کی رسائی کا غم و رنج

کیوں آنکھ دکھاتا ہے ترا حلقہ گیسو
ہے دل کو اسی چشم نمائی کا غم و رنج

ہر دم ظفر اک تیغ الم کھینچ کے دل پر
کیا ہاتھ لگاتے ہیں صفائی کا غم و رنج

ہے تری چین جبیں حسن کی یوں تاب میں موج
جلوہ افروز ہو مہتاب سے جوں آب میں موج

موجزن اشک ہیں یوں دیدہ تر میں میرے
اٹھتی ہے جوش سے طوفاں کے یہ گرداب میں موج

دل بیتاب میں جوش طپش عشق نہیں
مارتا آگ کا دریا ہے یہ سیماب میں موج

یہ تماشا ہے تری زلف کا عکس آئینہ میں
سانپ کی طرح سے لہرائے ہے تالاب میں موج

آب گریہ کی مری موج ہے موج طوفاں میں
بحر مواج نے دیکھی نہیں یہ خواب میں موج

آتش افروز ہو ساغر میں جو روئے ساقی
جلوہ گر ہو روش برق مے ناب میں موج

ہم سے وہ اور ہم اس سے ہیں ظفر یوں باہم
موج میں آب ہو جس طرح اور آب میں موج

ردیف جیم فارسی

پیچ سے زلف کے چلتا نہیں تدبیر کا پیچ
کہ یہ ہے اے دل شامت زدہ تقدیر کا پیچ

کرتا عشاق سے ہے پیچش گرداب فنا
اے ستم گار ترے جوہر شمشیر کا پیچ

حرف پیچیدہ سے مضمون لکھا پیچیدہ
پیچ در پیچ ہے تو خط تری تحریر کا پیچ

نہ بچا پیچ سے کوئی بھی تل گردوں کے
گو یہ ہے پیر مگر ہے غضب اس پیر کا پیچ

پاس و پڑ پر کے جو رکھتی ہے مجھے زنداں میں
اے جنوں کیا ہے خدا جانے یہ زنجیر کا پیچ

لے گئی کھینچ کے کس پیچ سے میرے دل کو
نہ کھلا مجھ پہ کچھ اس زلف گرہ گیر کا پیچ

سینکڑوں پیچ وہ ہر بات میں کرتا ظفر
ایک ہو تو کہوں اس شوخ کی تقدیر کا پیچ

چل گیا دل پہ جو اس زلف گرہ گیر کا پیچ
تھا یہ اے بخت سیہ اپنے ہی تقدیر کا پیچ

بوسہ دیجے میں ہو تم پیچ کی باتیں کرتے
ہم نکالیں گے کوئی اور ہی تدبیر کا پیچ

حلقہ زلف کو رکھ کر سر ابرو دیکھو
تم نے دیکھا نہ ہو گر جوہر شمشیر کا پیچ

تیرا دیوانہ جو زنداں سے نہ نکلا اب تک
پڑ گیا پاؤں میں کچھ ایسا ہی زنجیر کا پیچ

غیر پر دھر کے سناتے ہو ہمیں تم باتیں
خوب ہم جانتے ہیں آپ کی تقریر کا پیچ

آ گیا پیچ میں اس کا گل پیچاں کے جو دل
ہے خدا جانے وہ کس طرح کی تاثیر کا پیچ

اے ظفر لکھو تم اس یار کو اس پیچ کا خط
نہ کھلے اس کے سوا اور پہ تحریر کا پیچ

یہ اشک سینہ پہ ٹپکے نہیں ہیں داغ کے بیچ
پتنگ عشق کے لو ہیں گرے چراغ کے بیچ

مطلع ثانی

بجھی وہ ناخن غم کے ہیں دل کے داغ کے بیچ
پڑی ہوئی ہیں کئی بتیاں چراغ کے بیچ

نہیں ہے سینہ پہ داغ میں مرے کیا دل
مکاں وہ اپنا جو ہوا رہے ہیں باغ کے بیچ

بھرا ہوا ہے تری چشم مست میں یوں ناز
کہ جس طرح سے مے ناب ہو ایاغ کے بیچ

جنہوں نے توڑ دیئے اپنے پائے حرص و ہوا
پڑے ہیں چین سے وہ گوشہ فراغ کے بیچ

جو بوئے مشک کہوں بوئے زلف کو ان کی
تو وہ کہیں کہ خلل ہے ترے دماغ کے بیچ

نہ دیر میں ہے نہ کعبہ میں ہے تو وہ دل میں
ہمیشہ پھرتا ہے جس کے ظفر سراغ کے بیچ

اگر ہو معلوم اپنی جانب سے تیرے دل میں غبار پیچ پیچ
تو خاک ہونے سے پہلے ہو جائے خاک یہ خاکسار پیچ پیچ

مطلع ثانی

تمہارے رخسار لالہ گوں ہیں جو غیرت لالہ زار پیچ پیچ
تو منہ پہ زلف عرق فشاں بھی ہی ہے رشک بہار پیچ پیچ

بسان غربال دیکھے روزن جب اپنے سینہ میں میں نے جاناں
کہ ہو گئے اس کے تیر مژگاں مرے کلیجے کے پار پیچ پیچ

جو زلف مشکیں تلک تمہارے کسی طرح مجھ کو دسترس ہو
تو میں یہ جانوں کہ میرے قبضہ میں آیا ملک تتار پیچ پیچ

خبر نہ تھی ہم کو آنسوؤں کی کہ ہوں گے یہ طفل ایسے ابتر
ہوئی ہے جائے چشم تر ہمارے گلے کی آخر کو ہار پیچ پیچ

مثال پروانہ جان دے دوں میں اپنی اس یار شمع رو پر
کرنا وہ جانے یہ سوختہ جاں ہمارا ہے جاں نثار پیچ پیچ

یہ کیا ستم ہے کہ میری جانب سے کوئی غماز کوئی مفسد
اگر کہے جھوٹ سوٹ بھی تو کچھ جانتا ہے وہ یار پیچ پیچ

بہاؤں رخسار زرد پر میں جو عشق میں اپنے اشک گلگوں
دکھادوں آنکھوں سے اک جہاں کو خزاں میں جوش بہار پیچ پیچ

بچائے اللہ اسپلا سے وہ زلف کافر بری بلا ہے
کہ ڈس لیا دل ظفر ہزاروں کا ایسے مانند مار پیچ پیچ

ردیف حاء مہملہ

جان گیا میں میری طرف سے جی میں آئی اور طرح
تیوری اس نے دیکھ کے مجھ کو آج چڑھائی اور طرح

لکھا اس نے اور طرح پہ قاصد پرچہ کاغذ کا
تو نے مرے پہ چانے کو ہے بات بنائی اور طرح

دست و پا گر باندھ لئے مہندی نے تمہارے خوب ہوا
بن نہیں آتی یوں تو تم سے ہاتھا پائی اور طرح

ظاہر و باطن ایک طرح پہ تجھ کو نہ دیکھا آئینہ رو
دل میں صفائی اور طرح ہے منہ پہ صفائی اور طرح

لاکھ دوائیں بدلیں اطباء تیرے مریض ہجراں کی
ہو نہ سوائے وصل علاج درد جدائی اور طرح

بام پہ چڑھ کر کس مہوش نے جلوہ اپنا دکھایا ہے
دیتا ہم کو آج فلک پہ چاند دکھائی اور طرح

ایک طرح پہ بات ہو تو کچھ بات کا ان کی بھروسہ ہو
کہتے ہیں منہ سے اور طرح اور جی میں سمائی اور طرح

غنچہ نہیں اے باد صبا یہ جس کی گرہ تو کھولے گی
میرے گرفتہ دل کی ہو گی عقدہ کشائی اور طرح

اڑتے ہیں اوسان کہ دیکھیں سر کتنوں کے اڑتے ہیں
سان پہ اس نے آج ظفر تلوار دھری اور طرح

کوئی لائق عشق و حسن ہوا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح
ہوئی ایسی کسی سے وفا و جفا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

مرے زخموں پہ چھڑکے نمک وہ اگر کہیں زخموں سے دل کے زخم جگر
لیا تیغ جفا کا کسی نے مزہ نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

پھنسے یوں تو بہت اے حضرت دل نہ دام فریب اس یار دل
کوئی ہوگا اسیر دام بلا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

ہمیں بھاتی ہے طرح بہ ہم و تعب تمہیں بھاتی ہے طرح عیش و طرب
کبھی جائے گی بدلی ایک ذرا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

ترا حسن و جمال اے زہرہ جبیں کہے شمس و قمر سے عجب ہی نہیں
کوئی ہوگا زمانہ میں جلوہ نما ہماری طرح نہ تمہاری طرح

ہوا شیفتہ کوئی کسی پہ تو کیا ہوئے باہم اگر اے ہوش ربا
کبھی عجز و نیاز اور ناز و ادا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

کہا قیس نے مجھ سے ظفر یہ سخن کہ ہے سچ یونہی اے مشفق من
کوئی دشت جنوں میں خراب ہوا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

دل ہے مکدر ان کا صفائی ہو کس طرح
بخت اپنے نارسا ہو رسائی ہو کس طرح

دام بلا ہے زلف میں کچھ بے طرح سے دل
جا کر پھنسا ہے دیکھیں رہائی ہو کس طرح

حسن بتاں میں ہووے نہ قدرت کا گر ظہور
معلوم پھر خدا کی خدائی ہو کس طرح

جاں داروئے وصال نہ ہو جب تلک نصیب
جاں بر مریض درد جدائی ہو کس طرح

آنکھیں لڑائیں غیر سے وہ میرے سامنے
میری نہ ان سے روز لڑائی ہو کس طرح

قاتل بغیر ناخن شمشیر کے ترے
اس سخت جان کی عقدہ کشائی ہو کس طرح

جس کو بھلا خدا نے بنایا ہے اے ظفر
پھر کہیے ان بھلوں سے برائی ہو کس طرح

حال دل کیوں کر کریں اپنا بیاں اچھی طرح
روبرو ان کے نہیں چلتی زباں اچھی طرح

لے چلی صحرا کو گر وحشت ہمیں اچھی طرح
رو تو لیں گے کھول کر دل ہم وہاں اچھی طرح

بھول جانا راہ کعبہ کی مگر دیکھا نہیں
تو نے زاہد جلوہ حسن بتاں اچھی طرح

دیکھنی منظور ہو صورت جسے اس یار کی
دل کو صاف اپنے کرے آئینہ ساں اچھی طرح

پھر کہاں ہم سے ستم کش تو کرے گا ہم کو یاد
کر لے اب ہم پہ ستم اے دلستاں اچھی طرح

اس قدر جلدی ہے کیا بیٹھو سنبھل کر وقت ذبح
تا مری گردن پہ ہو خنجر رواں اچھی طرح

پاس لے چل اس کے کہتا ہے دل خانہ خراب
جانتا بھی میں نہیں جس کا مکاں اچھی طرح

آئے تم اس دم کہ جس دم آ گیا آنکھوں میں دم
میں نے دیکھا بھی نہ تم کو میری جاں اچھی طرح

اتنی بھی فرصت نہ دی ہم کو فلک نے اے ظفر
کرتے اس کوچے میں ہم آہ و فغاں اچھی طرح

سوزِ غم چھیڑے پڑا دل کے ہمارے بے طرح
لائے گی گرمی محبت کی حرارے سے بے طرح

چل نہ جائے بزم میں تلوار دیکھ اے جنگجو
کرتا ہے ابرو سے تو اپنے اشارے بے طرح

جنبشِ گیسو سے کہہ دے دل ہے بیتاب و تواں
کوڑے اس شامت کے مارے کو نہ مارے بے طرح

جی ڈرے کیوں کر نہ میرا اے شبِ تارِ فراق
آنکھیں دکھلانے لگے مجھ کو ستارے بے طرح

پارہ پارہ کر کے چھوڑیں گے کتاں کی طرح سے
دل کے درپے ہیں مرے یہ ماہ پارے بے طرح

خانۂ دل کو لگی کیا آگ سوزِ عشق سے
ہر بن مو سے نکلتے ہیں شرارے بے طرح

دیکھنا سودا نہ دوں کا اور بگڑے گا مزاج
تم نے ہیں بال اج زلفوں کے سنوارے بے طرح

دل کو لے کر تم مقرر ہو گے خواہاں جان کے
مجھ کو آتے ہیں نظر تیور تمہارے بے طرح

اے ظفر کس طور سے کس طرح سے کیجئے نباہ
ان طرح داروں کے ہیں اطوار سارے بے طرح

اگر نظارہ گل کی نہ ہو ہوس میں روح
پھڑک پھڑک کے نہ نکلے مری قفس میں روح

پھرے ہے ناقۂ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں بھی
ہمیشہ لپٹی ہوئی نالۂ جرس میں روح

بدن سے روح سبک رو ہوئی ہے خواب میں دیکھ
ہزار کوس پہ پہنچے ہے یک نفس میں روح

خزاں کے آتے ہی بلبل چمن میں مر جاتی
پر آشیانہ کی ان کی ہے خار و خس میں روح

رہے حلاوتِ دنیا میں یوں دنی کا دل
مگس کی جیسے رہے نیشکر کے رس میں روح

جیا جہاں میں کوئی سو برس بھی تو پھر کیا
ہوئی نہ سیر سے گر سیر سو برس میں روح

بغیر دیکھے ترے میں تو اپنے قالب سے
نہ دوں نکلنے اگر ہووے میرے بس میں روح

وہ اس طرح سے جہاں میں ہے جا بجا موجود
کہ جس طرح ہے بدن کی ہر اک نفس میں روح

برابر اصل میں ہیں اے ظفر قوی و ضعیف
سمجھ تو ایک ہی شہباز اور مگس میں روح

ردیف خاء معجمہ

ہر مژہ ہے چمن حسن گل اندام میں شاخ
کیا تماشا ہے کہ پھوٹی ہے یہ بادام میں شاخ

کرتی ہے باغ میں اے گل تجھے جھک جھک کے سلام
رہتی تحریکِ صبا سے ہے اسی کام میں شاخ

کیا جوانی کا بھروسا کہ ہے آخر پیری
پہلے سرسبز ہے پھر خشک ہے انجام میں شاخ

رخصتِ سیرِ چمن گر نہیں دیتا صیاد
رکھ دے پر گل کوئی میرے قفسِ دام میں شاخ

دستِ گل خوردہ مرا دیکھ کے ہو جائے خجل
باغباں پھولوں سے لد جائے جس ایام میں شاخ

دمِ گلگشت زیادہ ہے مجھے سولی سے
ہمدموں یاد قد لبر خود کام میں شاخ

جب کہ لائے ہے صبا باغ میں اس گل کی خبر
اے ظفر دے ہے زرِ گل اسی انعام میں شاخ

عجب طرح کا ہے دن رات آسماں کو چرخ
ہمیشہ چرخ سے ہے اس کے اک جہاں کو چرخ

ملاتا خاک میں ہے سب کو مثل نقش قدم
زمیں پہ رکھتا کسی کے نہیں نشاں کو چرخ

تری وہ چشم کی گردش ہے جس سے اے ساقی
مثال جام ہے ہر پیر و ہر جواں کو چرخ

جو کشت و خوں پہ ہمارے نہیں کمر باندھی
تو باندھے پھرتا ہے کیوں تیغ کہکشاں کو چرخ

بچے جو چرخ کی گردش سے کیا بچے انساں
یہ چرخ وہ ہے کہ دے ہے فرشتہ خاں کو چرخ

نہیں ستارے یہ بھر لایا اپنی چشم میں اشک
شب فراق میں سن کر مری فغاں کو چرخ

جو خاک بھی ہوں تو ہوں فخر دین کے در کی
ظفر چھوڑائے نہ مجھ سے اس آستاں کو چرخ

تری مژہ کے دل گرم اضطراب میں سیخ
ہے اس طرح کہ ہو جس طرح سے کباب میں سیخ

خمیرہ ہو گئے اب حلقے ضعف پیری سے
قد اپنا تھا جو کبھی عالم شباب میں سیخ

تنور چرخ سے لیتے گرسنہ کب کے اتار
ذرا بھی لگتی اگر قرص آفتاب میں سیخ

کباب کا جو مزہ ہے زبان سے کش پر
کہے ہے شیخ کو یہ نشہ شراب میں سیخ

پلا وہ بنگ ہمیں ساقیا کہ سینک تو کیا
کھڑی ہو چاہیے اس جام پرشراب میں سیخ

لگو نہ شیخ کے منہ دیکھو آج اے رندو
کہ اس کی ریش کا ہر بال ہے عتاب میں سیخ

مزا شراب کا ساقی نہیں بغیر کباب
پکا کے لا کوئی اس سیر ماہتاب میں سیخ

شتاب کر تو مہیا پر اس سلیقہ سے
کرنے کباب جلے اور نہ لے شتاب میں سیخ

وہ سیخ آہ ظفر ہے جگر کبابوں کی
نہ دیکھی ہو گی کبابی نے اپنے خواب میں سیخ

ردیف دال ہندی

اللہ اللہ رے تمہاری خودنمائی کا گھمنڈ
ہے جو تم میں بھرا ساری خدائی کا بھرم

ہو گیا دم میں مکدر دیکھو وہ آئینہ رو
حضرت دل تھا تمہیں جس کی صفائی کا گھمنڈ

دختر رز کو ذرا محفل میں تم آنے تو دو
دیکھ لیں گے آج سب کی پارسائی کا گھمنڈ

زلف جاناں سے کہو کیوں کرتی ہے اتنی کجی
شانہ دے گا سب نکال اس کج ادائی کا گھمنڈ

برہمن کو بت کدے پر شیخ کو کعبہ پہ ناز
ہم کو ہے اس آستاں کی جبہ سائی کا گھمنڈ

اے حنا شاباش باندھے تو نے اس کے دست و پا
تھا بہت شوخی سے جس کو ہاتھا پائی کا گھمنڈ

آشنا ہرگز نہیں بالکل ہیں وہ نا آشنا
اے ظفر کرتے ہو جس کی آشنائی کا گھمنڈ

کیا دہن میں ہیں ترے اے لعل لب دنداں سفید
درج یاقوت میں موتی ہیں سب یکساں سفید

دیکھے وہ بوندیں پسینے کی ترے رخسار پر
جس نے دیکھے ہوں نہ گل پر قطرہ باراں سفید

تیرہ بختوں کے لئے ہے صاف تیغ آب دار
سر کے بالوں میں ترے یہ مانگ اے جاناں سفید

جوش گریہ سے یہ عالم ہے کہ ہر آنسو کی بوند
ہے کبھی سرخ اور کبھی میرے سر مژگاں سفید

دوست جب دشمن ہوئے اور آشنا نا آشنا
ہو گیا لہو جہاں کا ہم نے جانا ہاں سفید

اک غضب بجلی سی چمکی شب ترے رخسار سے
دیکھتے ہی ہو گیا روئے مہ تاباں سفید

چاہیے دل سے فقیری اس پہ کیا موقوف
اے ظفر رنگیں ہو یا جامہ انساں سفید

اپنے دانتوں کو مسی میں دیکھ اے مہر و سفید
خوشنما ہیں دامن شب میں گل شبو سفید

گر چڑھاوے زہر او کافر تری چشم سیاہ
مری جائیں جھانک منہ میں ڈال کر آہو سفید

عشق کی دولت ہے کان لعل و گوہر چشم تر
سینکڑوں ہیں سرخ آنسو سینکڑوں آنسو سفید

تار بارش کو نشے میں دیکھ کر کہتے ہیں مست
ہوگئے سب ریش میں پیر فلک کے مو سفید

اشک خون آلودہ میرا چپ کبوتر ہے کوئی
ایک بازو سرخ ہے تو ایک ہے بازو سفید

خانہ دل ہے سپید اس کی سیاہی دور کر
کیا سفیدی سے محل کرتا ہے اپنا تو سفید

عشق میں ہے یہ سیہ چشموں کے دل اب تک جوان
ہو گئے پیری سے گو مژگاں سفید ابرو سفید

خط جسے لکھتے ہو تم لکھو ہمیں کیوں دیکھ کر
رکھ لیا ہے آپ نے کاغذ تہ زانو سفید

سرخرو ہوں اے ظفر کیونکر عزیزوں سے عزیز
بے مروت ہے زمانہ ہو گئے لوہو سفید

ردیف ذال معجمہ

چھپایا تو نے ہے کس کا کواڑ میں کاغذ
دھرا ہوا ہے جو در کی دراڑ میں کاغذ

لکھے جو مضمر جوانی کو کوہ کن کے عشق
تو برگ لالہ ہو مہری پہاڑ میں کاغذ

کسی کو لکھتے تھے خط وہ پلنگ پر بیٹھے
مجھے جو دیکھایا چھپایا نواڑ میں کاغذ

جلے بجھے مرا مضمون سوز دل پڑھ کر
کہے ہے پھینکو پڑے ایسا بھاڑ میں کاغذ

یہ کس کی خانہ خرابی کے تم ہوئے درپے
دبایا لکھ کے جو تعویذ اجاڑ میں کاغذ

کھلا نہ ہم پہ کہ یہ کیا وہ زیب مسند ناز
چھپا کے دیکھے ہیں تکیہ کی آڑ میں کاغذ

اگر ہو قیس کو منظور اشتہار جنوں
تو لکھ کے باندھ دے ہر ایک جھاڑ میں کاغذ

تمام حرف بھی کاغذ پہ ہیں بگڑ جاتے
کسی کو لکھتے ہیں گر وہ بگاڑ میں کاغذ

گلی میں اس کی ہے قاصد ہجوم غیروں کا
سنبھالے رکھیو ذرا بھیڑ بھاڑ میں کاغذ

الٰہی خیر ہو پکڑا گیا واں قاصد
قبول دے نہ کہیں مار دھاڑ میں کاغذ

رہی جو خط و کتابت کی چھیڑ چھاڑ ظفر
بہت سیہ ہوئے اس چھیڑ چھاڑ میں کاغذ

ردیف راء مہملہ

تھک کے گرے جو دوڑ چلے پندار و غرور کے رستے پر / ساری طاقت کھو کے پہنچے آدھی دور کے رستے پر

برسوں دشت جہالت میں گمراہ بھٹکتے پھرتے ہیں / کھاتے ہیں ٹھوکر جب آتے عقل و شعور کے رستے پر

تیرا مریض عشق اٹھا کر جیسے توقع جینے کی / پیک اجل کے قدم ہے گنتا بیٹھا گور کے رستے پر

ہلے غرور حسن نہ دیکھے آنکھ اٹھا کر ایک نگاہ / پریاں گرچہ باندھے پرے اس رشک حور کے رستے پر

ہو نہ مکدر خاطر کوئی دیکھ کے چال ضعیفوں کی / اڑتی گرد نہ دیکھی ہم نے لشکر مور کے رستے پر

پھونکے اپنی آتش غم سے پارہ دل کو عاشق زار / بیٹھے ہیں مانند کبابی اس مخمور کے رستے پر

سر کٹوا کر رکھ دے ظفر جو کوئی پہلے سولی پر
رکھے قدم پھر عشق میں اپنا وہ منصور کے رستے پر

اشک ہیں مژگاں پہ یوں لخت جگر سے پیشتر / جیسے لگتے ہیں شجر میں گل ثمر سے پیشتر

جان لب پہ آ گئی آہ جگر سے پیشتر / راہ رو منزل پہ پہنچا راہبر سے پیشتر

کیا دکھاتے ہو ہمیں تم اپنی تیغ آب ناز / ہاتھ دھو بیٹھے ہیں ہم دل اور جگر سے پیشتر

یہ وہی باتیں ہیں دل کرتی تھیں اس بت کو موم / جاتے تھے پتھر پگھل جس کے اثر سے پیشتر

فصد کی حاجت ہے کیا مجھ کو رگ رگ میں مرے / چبھ گئے وہ سوئے مژگاں پیشتر سے پیشتر

رخصت پرواز کر صیاد تو دیتا ہمیں / ہم چمن میں جا پہنچتے باد سحر سے پیشتر

رکھتے ہستی میں عدم سے کیوں قدم اپنا جو ہم / ہوتے واقف اس مقام پر خطر سے پیشتر

تھے جو خوبان زمانہ اور بھی ہاں فتنہ ساز / پر یہ فتنے تھے کہاں اس فتنہ گر سے پیشتر

ضعف سے اس در پہ اب ہم نقش بر دیوار ہیں / سر بہت ٹکرا چکے دیوار و در سے پیشتر

عرصہ ہستی ہے تنگ اتنا کہ جب ہوں گرم رو / یک نفس میں ہم گزر جائیں شرر سے پیشتر

مارا سر کیوں کوہ کن نے پتھروں سے عشق میں / تیشہ اس کو مارنا تھا اپنے سر سے پیشتر

نور تھا خیر البشرؐ کا گو تھا ظاہر میں بشر / حق اگر پوچھو بشر ہی تھا بشر سے پیشتر

دیدہ مشتاق کا شوق نظارہ دیکھنا / چاہتا ہے میں نکل جاؤں نظر سے پیشتر

جاتے ہیں پیش نگاہ یار ہونے کو نثار / پیشتر دل سے جگر اور دل جگر سے پیشتر

پیش آیا آہ جو جو کچھ کہ راہ عشق میں
کہہ دیا تھا ہمدموں ہم نے ظفر سے پیشتر

گزرا یہ خاطر میں خطرہ اس خبر سے پیشتر / کون خط کو لے کر آیا نامہ بر سے پیشتر

مطلع ثانی

دخل کیا وہ شب کو آئیں دوپہر سے پیشتر
صبح یہ جلدی کہ اٹھ جائیں گجر سے پیشتر

روتے روتے اب تو باقی نام کو بھی نم نہیں
ہو چلے تر جیب و دامن چشم تر سے پیشتر

دل کا سودا ہم کبھی کرتے نہ زلف یار سے
پر یہ شامت تھی نہ واقف تھے ضرر سے پیشتر

کھو دے گا دونوں جہاں سے کر کے تو آنکھیں دو چار
پا گئے تھے ہم تو تیری اک نظر سے پیشتر

ہے سفر درپیش اس بستاں سرا سے غنچہ دار
باندھ تو رخت سفر غافل سفر سے پیشتر

ہوتے بال و پر اگر میرے تو بام یار تک
میں پہنچتا اڑ کے مرغ نامہ بر سے پیشتر

جانتا ہی اب نہیں کوئی مجنوں ہے کہاں
شور تھا اس کا ترے شوریدہ سر سے پیشتر

لالہ و گل ہیں کہ نکلے ہیں و لے وہ خاک سے
تھے جو میری آگ سے انگارے برے پیشتر

دل نے چھیڑا تیری مژگاں نے کہ میں نے زلف کو
چھیڑ اے کافر ہوئی پہلا کدھر سے پیشتر

دیکھ منہ سے لعل کیا کیا ہم نے اگلے اے ظفر
صاف صاف اشعار یہ کہہ کر گہر سے پیشتر

ہے اگر چشم صدف کے کوئی گوہر اندر
تو مرے دیدہ تر کے ہے سمندر اندر

تاب رخسار سے دالان ہے سارا روشن
ہیں وہ بیٹھے ہوئے چلمن کے مقرر اندر

دیکھو اس جام جہاں میں ہے تماشائے جہاں
اک ذرا غور سے تو دل کے نظر کر اندر

تیری شمشیر کو عاشق جو لگاتا ہے گلے
نہیں معلوم کہ کیا اس کے ہے جوہر اندر

نل بے ضبط نفس گرم کہ اک شعلہ سا
اٹھ کے رہ جاتا ہے سینہ ہی کے اندر اندر

شمع کو پردہ فانوس سے کچھ کام نہیں
پر ترے رشک سے چھپ جائے ہے جل کر اندر

محتسب ٹوٹیں ترے ہاتھ کہ توڑے تو نے
جتنے مے خانے کے تھے شیشہ و ساغر اندر

دل کہاں عشق کہاں اتنی کہاں گنجائش
آ گیا بحر یہ اس کوزہ کے کیوں کر اندر

اے ظفر آئے گا کون آج تمہارے گھر میں
تم جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو باہر اندر

کرے ہے نکہت گل دمبدم چمن میں سفر
ہمیشہ خانہ بدوشوں کو ہے وطن میں سفر

کچھ ایسا آن کے قاصد سنا گیا ہے پیام
کہ روح کر گئی قالب سے اک سخن میں سفر

خدا کی راہ میں شیطان سے سمجھ کے چلو
مسافرو ہے گزرگاہ راہزن میں سفر

وفور اشک سے میرے نگاہ دیدہ تر
ہمیشہ کرتا ہے دریائے موجزن میں سفر

کہاں میں اور کہاں کوئے عشق جانو
لکھا تھا کعبہ کا تقدیر برہمن میں سفر

جہاں سے کتنے ہی ناکام کر گئے آخر
تمہارے آرزوئے بوسہ دہن میں سفر

ہوا نصیب مہ و مہر کو نہ خیمہ تو
کیا ہمیشہ ظفر خیمہ کہن میں سفر

کیونکر نہ خاکسار رہیں اہلِ کیں سے دور
دیکھو زمیں فلک سے فلک ہے زمیں سے دور

پروانہ وصلِ شمع پہ دیتا ہے اپنی جاں
کیونکر رہے دل اس کے رخِ آتشیں سے دور

مضمون وصل و ہجر جو نامہ میں ہے رقم
ہے حرف بھی کہیں سے ملے اور کہیں سے دور

گو تیر بے گماں ہے مرے پاس پر ابھی
جائے نکل کے سینہ چرخِ بریں سے دور

وہ کون ہے کہ جاتے نہیں آپ جس کے پاس
لیکن ہمیشہ بھاگتے ہو تم ہمیں سے دور

حیران ہوں کہ اس کے مقابل ہو آئینہ
جو پر غرور کھینچتا ہے ماہ جبیں سے دور

یاں تک عدو کا پاس ہے ان کو کہ بزم میں
وہ بیٹھتے بھی ہیں تو مرے ہمنشیں سے دور

منظور ہو جو دید تجھے دل کی آنکھ سے
پہنچے تری نظر نگہ دور بیں سے دور

دنیائے دوں کی دے نہ محبت خدا ظفر
انساں کو پھینک دے ہے یہ ایمان و دیں سے دور

نہ کھینچ سینہ سے تو اپنے جاں نثار کے تیر
جگر میں رہنے دے یہ اس جگر فگار کے تیر

لگے ہے باغ میں ہر شاخِ گل مرے دل پر
غمِ فراق سے اس شوخِ گل عذار کے تیر

کھلے نہیں لب سوفار میری جانب کو
لہو کے پیاسے وہ دوڑے ہیں مشت پار کے تیر

پڑے گلال جو ہولی میں اس کی پلکوں پر
تو جانو ڈوبے ہیں خوں میں کسی شکار کے تیر

عجب نہیں مرے حق ہوں تجھ بن اے ساقی
یہ تار بارش اگر ابر نوبہار کے تیر

کیا ہے چرخ پہ انجم کا سینہ پر سوراخ
شبِ فراق میں آہوں نے مار مار کے تیر

کرے ہے خاک کے تودہ پہ مشق تیر وہ کیوں
لگائے سینہ پہ اس اپنے خاکسار کے تیر

تمہارے کشتۂ مژگاں کی خاک سے پیدا
ہمیشہ خار ہوں یا ہوویں بدلے خار کے تیر

ظفر مزے کو محبت کی وہ ہی جانے ہے
کہ جس نے کھائے ہیں دل پر نگاہ یار کے تیر

جنوں میں سر سے جو چھوڑوں پہاڑ کے پتھر
ملا دوں خاک میں سب توڑ تاڑ کے پتھر

نکلتی جان ہے یوں تیرے سخت جانوں کی
کہ جیسے کوئی نکالے اکھاڑ کے پتھر

وہ سنگ سرمہ ہے تیغ نظر کو تیز کریں
اگر ہے واسطے منظور یار کے پتھر

اٹھائے ہاتھ جو مجنوں سے شہر کے لڑکے
تو کون آ کے اٹھاتا اجاڑ کے پتھر

تمہارے گھر میں جو پتھر ہیں رات کو آئے
ہمیں خبر ہے وہ ہیں چھیڑ چھاڑ کے پتھر

کسی کا ایسا ہے کھٹکا کہ بند کر کے کواڑ
لگائے آپ ہیں پیچھے کواڑ کے پتھر

اگر نہ مانے عدو یوں مراد پاؤ ظفر
تو اس کی چھاتی پہ دھر دو پچھاڑ کے پتھر

ردیف راء ہندی

بٹھا کے غیر کو قائم نہ کر فساد کی جڑ
نکال اس کو کہ ہے یہ بشر فساد کی جڑ

جو خط کے لکھنے میں برپا ہوں سو طرح کے فساد
تو ٹھہرے شاخ قلم سربسر فساد کی جڑ

قیام اعدا کی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو
کچھ اس کی اصل نہیں ہے مگر فساد کی جڑ

اکھاڑ نخل طمع کو کہ باغ عالم میں
رکھے ہے یہ شجر بے ثمر فساد کی جڑ

وہ فتنہ زا ہے نگہ دل ہے یہ فساد انگیز
ادھر ہے فتنہ کی جڑ اور ادھر فساد کی جڑ

کرے جو ریشہ دوانی یہ آہ و نالہ سے
تو جنو ہے دل شوریدہ سر فساد کی جڑ

رکھے فلک سے جو اصلاح کی کوئی امید
تو سر پہ دھول دے یہ فتنہ گر فساد کی جڑ

نہ ہے شریر کوئی اور نہ کوئی مفسد ہے
تیرا ہی نفس ہے بنیاد سر فساد کی جڑ

ظفر جہاں میں نہ ہو کوئی مفسد پیدا
نہ ہو زمین و زن و زر اگر فساد کی جڑ

ردیف زا معجمہ

آتش عشق سے ہے کیا دل ناشاد گداز
یہ وہ ہے آگ کہ ہوا اس سے تو فولاد گداز

سخت جانی کا ہو دعوی جسے اس کے دل کو
کرے اک دم میں تری گرمی بیداد گداز

نہ اثر ہو دل شیریں میں اگر کوہ کو بھی
موم کی طرح سے کر دے غم فرہاد گداز

نالہ مرغ گرفتار میں تاثیر کہاں
ورنہ ہو ایک نفس میں دل صیاد گداز

ہو گیا حسن کی گرمی سے تری شمع صفت
سب کا دل بزم میں اے شوخ پری زاد گداز

چشم نم دیدہ نہیں میری تبسم سے تیرے
ہے طبیعت ہی مری اے ستم ایجاد گداز

اے ظفر موم نہ دل ہو بہت سنگیں دل کا
گرچہ پتھر بھی ہو سن کر مری فریاد گداز

بشر کو کیوں نہ ہو درپیش یاں نشیب و فراز
کہ دم کے ساتھ ہے ہر دم یہاں نشیب و فراز

فلک عروج و تنزل سے اک زمانے کو
دکھائے ہے روش نردباں نشیب و فراز

کٹے ہی جائے ہے راہ فنا کو طے ہر دم
سمجھتی کچھ نہیں عمر رواں نشیب و فراز

ہبوط و اوج میں سیار ہیں ستارے بھی
دکھاتا کس کو نہیں آسماں نشیب و فراز

کہوں بگولے کو کیا خاک میں بیاباں گرد
کہ میری طرح سے دیکھے کہاں نشیب و فراز

کسی کو پست کرے ہے فلک کسی کو بلند
کہ اس ہنڈولے میں ہے ہر زماں نشیب و فراز

ہمیشہ راہ محبت میں ہے ہمیں درپیش
برنگ گرد رہ کارواں نشیب و فراز

زمیں کو دیکھے ہے ہو کر عصا کف نرگس
رکھے ہے عرصہ باغ جہاں نشیب و فراز

اچھل کے اتنا نہ چل دیکھ یاں تو او نرگس
کہ میرے ساتھ ہے فوارہ سال نشیب و فراز

ظفر ہے راہ ز خود رفتگی عجب ہموار
کہیں بھی جس کی نہیں درمیاں نشیب و فراز

اپنا اثر دکھائے اگر عشق جاں گداز
کر ڈالے کوہ کو مری آہ و فغاں گداز

دل میرا موم شعلہ آتش ہے حسن یار
ہو جائے موم آگ سے کیونکر نہ ہاں گداز

تاثیر سوز دل سے مری کیا عجب کہ ہو
مانند شمع تن میں ہر اک استخواں گداز

دل دم میں زاہدان خشک دل کا مثل برف
ہو آفتاب ساغر مے سے مغاں گداز

دل اس سے ہے دوچار کہ جس کی نگاہ گرم
ہے عقل و فہم سوز شکیب و تواں گداز

دل میرا کھنچیا ہے وہ آفت ہے میری آہ
آہن بھی ہو تو اس سے ہوائے دلستاں گداز

ہمسر ہوں میرے نالہ سے کیا نالہ ہائے نے
اس میں ظفر یہ سوز کہاں اور کہاں گداز

نکلا ہے رخ پہ خط ترے اے رشک ماہ سبز
کیا گل زمین حسن سراسر ہے واہ سبز

اس شوخ سبزہ رنگ نے کشتہ کیا جسے
رہتی ہے اس کی خاک پہ اکثر گیاہ سبز

کیا اعتبار یاں کی خزاں و بہار کا
ہے رنگ اس چمن کا کبھی زرد گاہ سبز

اس کی ذقن پہ سبزہ خط کی نہیں نمود
کائی سے ہو گیا ہے سراسر یہ چاہ سبز

برسا ہزار بار یہاں ابر نو بہار
نخل مراد پر نہ ہوا اپنا آہ سبز

انساں کی زیب یہ ہے کہ یک رنگ دل سے ہو
ظاہر میں خون سرخ ہو پوشاک خواہ سبز

قاتل تو محکمہ میں ہے آیا نہیں ابھی
یاں ہو رہا ہے پہلے ہی رنگ گواہ سبز

کر دے شراب سرخ کو مینا کی طرح سے
چشم سیاہ مست کو زہر نگاہ سبز

پیر فلک کو روز محرم ہے اے ظفر
رہتی ہے اس کے سر پہ ہمیشہ کلاہ سبز

نشہ ہے آنکھوں میں اور منہ پہ ہے نقاب ہنوز
وہ بے حجاب نہیں ہے اسے حجاب ہنوز

بہایا چشم سے رو رو کے ہم نے اک دریا
فرو ہوئی نہ تری آتش عتاب ہنوز

مرے مزار پہ روئیدہ کیوں نہ ہو سنبل
کہ تیری زلف سے ہے دل کو پیچ و تاب ہنوز

الٰہی دیکھا ہے کس مہر وش کو بھر کے نظر
رہے ہے دیدہ آئینہ جو پر آب ہنوز

دیا جواب مری عمر نے مجھے قاصد
وہاں سے خط کا نہ آیا مرے جواب ہنوز

رہے گا زلزلہ میرا زمین مدفن پہ
گیا نہیں ہے مرے دل کا اضطراب ہنوز

دکھا دیا تھا ظفر ہم نے داغ دل اک دن
فلک پہ خوف سے کانپے ہے آفتاب ہنوز

رہ گئی یاں کی یہیں تھی جو یہاں نام کی چیز
واں کے جب کام نہ آئی تو ہے کس کام کی چیز

یوسف رخ سے سرکتی نہیں کافر زلفیں
واہ کیا کام ہے اس سے یہ ہے اسلام کی چیز

دل کو لے کر مرے ملزم وہ ہوئے کیا جو کہا
اس کو لے جاؤ رکھے کون یہ آرام کی چیز

سرخی عارض و رنگینی لب شوخی چشم
ایک سے ایک ہے خوب اس بت گلفام کی چیز

دل کا زلفوں میں مرے سہل ہوا یوں سودا
جیسے سستی کوئی بک جائے ہے نیلام کی چیز

تیری تصویر کو سینہ سے کروں کیونکر جدا
ہے یہ میرے دل بیتاب کے آرام کی چیز

محو ہوں یاد رخ و زلف میں اس کے ایسا
بھول جاتا ہوں ظفر صبح کو میں شام کی چیز

بوسہ روز آپ نے ٹھہرایا تو دو روز کا روز
کیوں چڑھاتے ہو تم اس عاشق دلسوز کا روز

رکھتا ہے مہر جہاں تاب کو بھی گردش میں
شوق دیدار کسی ماہ دل افروز کا روز

اشک طوفاں جو اٹھا ہے کیوں کیا کر نہ پوچھ
یہ تو اک کھیل ہے اس طفل بدآموز کا روز

کل گئے ہوش و خرد آج گئے صبر و قرار
مال لٹتا ہے مری جاں غم اندوز کا روز

جلوہ فروز اگر ہو نہ وہ خورشید لقا
شب یلدا سے نہ ہو کم مجھے تو روز کا روز

عشق میں ٹھہر گئی ہے یہی روزی میری
زخم کھانا مجھے اس ناوک دل روز کا روز

چرخ فیروزہ پہ یہ مہر کو دیتا ہے فروغ
اے ظفر جلوہ ترے طالع فیروز کا روز

خاطر سے میں ہوں آپ کی سنتا کلام تیز
ورنہ زباں تو رکھتا ہے یہ بھی غلام تیز

خورشید بھی ہے دیکھ کے گردوں کو کانپتا
ہوتے ہیں جب کسی پہ وہ بالائے بام تیز

لاتی ہے کھینچ کر کشش دل مری اسے
آتا ہے اس طرح سے جو وہ خوشخرام تیز

پی جانا اشک خوں کا ہمارا ہی کام ہے
کون ایسی پی سکے ہے مئے لالہ فام تیز

گرمی ہے کیوں سوا ترے چہرے کی زیر زلف
ہوتا ہے آفتاب کہاں وقت شام تیز

کرتا ہے عاشقوں ہی کو تو ذبح تند خو
رہتی تری چھری ہے انہیں پہ مدام تیز

لکھ قافیہ بدل کے غزل اور اے ظفر
لیکن ہوں اس غزل کے مضامیں تمام تیز

ایسی غضب کی ہے نگہ شوخ و شنگ تیز
جیسے کڑی کمان سے نکلے خدنگ تیز

تجھ بعکسے میں سوجھی ہے یوں ہم کو سوچ کر
پانی پہ جیسے آتا ہے کوئی نہنگ تیز

سرخی ہے جس قدر لب پان خوردہ میں ترے
ہے اس قدر شفق کا کہاں سرخ رنگ تیز

بوسے کے جو اشارے پہ دیتے ہیں گالیاں
ہے ان دنوں مزاج کا کچھ ان کے ڈھنگ تیز

دیتا ہے تیرا سبزہ خط دم میں ہوش اڑا
اے سبزہ رنگ رکھتی ہے نشا ہے یہ بھنگ تیز

تیغ نگاہ یار کو کرتا ہے اور بھی
سنگ فساں کی طرح سے سرمہ کا رنگ تیز

مژگاں پہ قطرہ اشک کے دوڑے نہیں ہیں یہ
جھارے گی ملک کو گئی فوج فرنگ تیز

آئینہ میں بنائے جو ابرو وہ جنگ جو
کیونکر حلب میں ہووے نہ شمشیر جنگ تیز

پیری سے گو ہے کند طبیعت میری ظفر
لیکن شباب کی سی ہے جی میں امنگ بھی تیز

ردیف سین مہملہ

چاہیے درویش کو کیا بادشاہانہ لباس
چھوڑ کر دلق اپنا کیوں پہنے وہ بیگانہ لباس

مطلع ثانی

رکھے ناقص عقل کو جوں مرد فرزانہ لباس
پر نہ عورت کو بنا دے مرد مردانہ لباس

خاک کو کوچہ کی ترے اپنے تن پر اے پری
جانتا ہے فاخرہ یہ تیرا دیوانہ لباس

بادہ کش راضی ہیں اس پر گرچہ پیر مے فروش
چھین لے وہ سارا دے کر نیم پیمانہ لباس

قابل صحت نہ سمجھیں اس کو مردان خدا
زال دنیا گر پہن بیٹھے عروسانہ لباس

اپنے کشتہ کی نہیں وہ زلف ماتم دار اگر
کیوں سیہ اپنا کیا ہے اس نے اے شانہ لباس

گل بھی ہے تیرا شہید ناز اے رشک بہار
جامہ پرخوں سے رکھتا ہے شہیدانہ لباس

لیں اسے پہچان ہر اک رنگ میں اہل نظر
بدلے گر سو رنگ سے رنگیں وہ جانانہ لباس

جو کہ ہیں باتیں فقیروں کی ظفر وہ چاہئیں
اس سے کیا حاصل اگر پہنا فقیرانہ لباس

مرغ اسیر چھوٹ گئے گر قفس کے دن
صیاد تیرے دام میں اور آئے پھنس کے دن

رکھا نہ ساتھ ان کے فلک تو نے ایک بھی
جن کے کہ تھے رفیق یہاں اک نفس کے دن

اے ساربان ناقہ برابر نہ ہو سکیں
مجنوں کی ایک آہ بنالہ جرس کے دن

ساقی خوش آج بادہ کشوں سے ہے اس قدر
اک جام مانگتے ہیں تو دیتا ہے نفس کے دن

وہ بات ایک دن کے برابر ہے شعلہ خو
گرمی سے جس کی خاک ہوں دشمن جلس کے دن

اس دلربا کے پاس اگر بھیجوں ایک کو
موجود ہوں خوشی سے کمر اپنی کس کے دن

ظالم جو تیری جنبش مژگان نیش زن
نشتر ہوں درمیاں مرے اک ایک نس کے دن

افسوس ایک بات بھی ہم سے وہاں کی ہو
اور ہوویں کام یاں کے ہواؤ ہوس کے دن

خط لکھتے دیر میں تو ہیں دونوں پہ اے ظفر
یا اک برس کے دن ہیں تو واں دس برس کے دن

طائر دل کے لئے کیجئے نہ تدبیر قفس
واسطے اس کے چمن میں بھی ہے تاثیر قفس

تیری قسمت نے گرفتاری میں ڈالا ہے تجھے
نے قصور دام ہے بلبل نہ تقصیر قفس

کرلیا لطف اسیری نے ہے جس کے دل کو صید
کہتا ہے چوب قفس کو وہ یہ ہے تیر قفس

سامنے اس کے اڑے عاشق کے یوں ہوش و حواس
جس طرح چھوٹے تصدق میں عصافیر قفس

اے گرفتاری تری دولت سے تا قید حیات
جائے گی اپنے تصرف سے نہ جاگیر قفس

کنج غم کی اپنی جو صورت ہے کیا بتلائیں ہم
کھینچ کر جب تک کہ دکھلائیں نہ تصویر قفس

چاہتے ہیں جو کہ رہنے کو اسیری کے ظفر
ان گرفتاروں سے پوچھے کوئی توقیر قفس

ردیف الشین معجمہ

جو اس کے ناخن ابرو سے ہے جگر میں خراش
ہلال عید ہے وہ تو مری نظر میں خراش

ہمارے سینہ میں جو دل خراش ہیں نالے
عجب نہیں وہ کریں گر دل حجر میں خراش

کئے ہیں کیا کہیں وحشت نے تیز پھر ناخن
کہ تازہ ہو گئی سینہ کی لحظہ بھر میں خراش

فقط وہ سعی خراشی ہے اس سے کیا حاصل
نہ ہو سخن سے ترے گر دل بشر میں خراش

برنگ ریزہ مینا سدا نزاکت سے
کرے ہے سبزہ کف پائے سیمبر میں خراش

مزے سے درد محبت کے ہو وہ کیا واقف
خروش جس کے نہ ہو دل میں اور جگر کی خراش

نہیں کسی کو ترے تاب زخم خنجر سے
اگرچہ ہے تو کوئی سینہ ظفر میں خراش

ہوتی جس وقت تپ غم سے جگر میں سوزش
دل میں گرمی ہوتی اور دیدۂ تر میں سوزش

جس طرف سے کہ گزرتا ہے ترا سوختہ جان
خودبخود ہوتی ہے اس راہ گزر میں سوزش

سنگ دل تجھ کو اثر نالۂ سوزاں کا نہ ہو
اور اس آگ سے پیدا ہو حجر میں سوزش

تیرے جلوہ نے دیا دل کو جلا ماہ جبیں
یہ تعجب ہے کہ ہو تاب قمر میں سوزش

سوزش دل نہیں جاتی کہیں جاؤں تجھ بن
گھر کے باہر ہے جو سوزش وہی گھر میں سوزش

ڈالے دوزخ میں خدا لیک محبت میں تری
آتش غم کی دل وجان بشر میں سوزش

بے خبر سردی و گرمی سے ہے دیوانہ عشق
نہ اسے خلد میں ٹھنڈک نہ سرف میں سوزش

ہو دل پیر میں گر عشق کی گرمی تو یہ جان
ابھی باقی ہے کچھ اس شمع سحر میں سوزش

مری تاثیر دم سرد سے عالم میں ظفر
نہ رہی شعلہ میں گرمی نہ شرر میں سوزش

بات میری جب ترے دل پہ نہ ہوا ے یار نقش
فائدہ کیا جب کہ لکھوں روز گرد و چار نقش

ہو نگیں خاتم دست سلیماں وہ نگیں
جس پہ ہووے نام تیرا اے پری رخسار نقش

وہ ہوا اک بار غیروں پہ نہ سرگرم عتاب
ہم نے لکھ لکھ کر جلائے آگ میں سو بار نقش

نقش اپنا تو دکھا دے جس کو اے پردہ نشیں
ہو نہ یوں حیرت زدہ جیسے سر دیوار نقش

تیرا خط ہی اے بت تو نو خط اے تعویذ ہے
تیرے بیمار محبت کو نہیں درکار نقش

نقش بر آب اپنا جینا بحر ہستی میں سمجھ
ہے کہیں بھی ٹھہرتا پانی پہ اے ہوشیار نقش

میرے خون سے اس کے در پہ ہوں اگر نقش و نگار
اے ظفر ایک ایک ہو وہ رشک صد گلزار نقش

ردیف صاد مہملہ

ہمیں ہے ایک ہی گلعذار سے اخلاص
اسے ہزار سے الفت ہزار سے اخلاص

برابر اپنا ہے ہر ایک یار سے اخلاص
نہ یہ کہ چار سے نفرت تو چار سے اخلاص

جو میرا دشمن جاں ہے وہ ہے اسی کا دوست
کرے ہے کب وہ مرے دوستدار سے اخلاص

ملانا خاک میں ہے اور بھی سوا منظور
بڑھایا تم نے جو اس خاکسار سے اخلاص

نہ بول مجھ سے تو ناصح کہ میں ہوں دیوانہ
تو ہوشیار ہے کر ہوشیار سے اخلاص

ہر ایک شخص سے اخلاص پیار ہے تیرا
مگر نہیں اسی تقصیر دار سے اخلاص

بغیر رنج و مصیبت سوائے حسرت و یاس
رکھے ہ کون دل بیقرار سے اخلاص

غرور تھا ہمیں کیا اپنی پارسائی کا
نہ تھا ہمارا جب اس بادہ خوار سے اخلاص

جہاں میں جتنے کہ ہیں بدنصیب و بدقسمت
ظفر وہ رکھتے ہیں اس بدشعار سے اخلاص

لبوں سے منفعل اس کے شراب ہو خالص
خجل پسینے سے رخ کے گلاب ہو خالص

فلک خلوص سے بیزار ہے عجب مجھو
جو سیم ماہ و زر آفتاب ہو خالص

بلا سے گر نہیں ساغر میں اپنے بادہ ناب
جگر کا خون ہے چشم پرآب ہو خالص

نہ لکھو غیر کا مطلب ہمارے مطلب میں
کہ مخلصوں کے تو خط کا جواب ہو خالص

نچوڑے زلف نہا کرجو وہ تو قطرہ آب
دہان مار سیہ کا لعاب ہو خالص

زمانہ چاہئے جو آمیزش کدورت کو
تو آئینہ میں بھی ہرگز نہ آب ہو خالص

ظفر دکھاؤں اسے اشک سرخوہ اپنے
کہ اس نے دیکھا نہ ایسا شہاب ہو خالص

ردیف ضاد معجمہ

کون کہتا ہے کسیکو گھر میں آوے غرض
کچھ لگاؤ بھی نہیں یہ بے لگاؤ بے غرض

حضرت دل گر نہ ہو تم کو غرض اس زلف سے
آپ کو دام بلا میں کیوں پھنساؤ بے غرض

بن سنور کے تم مقرر آج جاؤ گے کہاں
یہ نہیں تم نے کیا اپنا بناؤ بے غرض

کیا غرض تمکو مرا دل اس سے گر پھرتا نہیں
ناصحو بک بک کے تم سر مت پھراؤ بے غرض

قصہ شب خوں ہے کس کا ورنہ تم کیوں شام کو
پان کا لاکھا مسی پر یوں جماؤ بے غرض

جو کہ ہیں اپنی غرض کے یار وہ عیار ہیں
ان کو جانو یار جن کو یار پاؤ بے غرض

اپنے مشتاقوں سے جاں گر رونمائی میں نہ لو
کیا غرض تم کو جو تم صورت دکھاؤ بے غرض

شمع کو بھی ہیں جلاتے کچھ غرض کے واسطے
یہ غضب کیا ہے کہ تم ہم کو جلاؤ بے عرض

اے ظفر صاحب غرض سے بھاگتے ہیں لوگ دور
اس زمانے میں کہیں جاؤ تو جاؤ بے غرض

منظور رو دیا رہے قرآں کے بالعوض
درکار کفر ملاف بہ آیاں کے بالعوض

راضی ہوں دل سے اپنے وہ ناوک فگن اگر
سینہ سے دل نکال لے پیکاں کے بالعوض

مثل شرار جھڑتے ہیں مژگاں سے اشک گرم
برسے ہے آگ ابر سے باراں کے بالعوض

منظور گر معاوضہ ہووے تو جہاں تک
دے دیجئے بوسہ لب جاناں کے بالعوض

چین و تتار گرچہ مجھے دے کوئی نہ لوں
میں اسکی تار زلف پریشاں کے بالعوض

گر زہر مرگ ہو تو گوارہ ہو وہ مجھے
اے یار تلخی غم ہجراں کے بالعوض

وہ مفت جان اس کو تامل نہ کر ظفر
ٹھہرے جو نیم غمزہ دل و جاں کے بالعوض

بوسہ کب دیتے ہیں مجھ کو وہ دل و جاں کے عوض
بلکہ ہر بات پہ کرتے ہیں نہیں ہاں کے عوض

زلف تیری نہ پریشاں ہو بلا سے کافر
دل پریشاں ہو سر زلف پریشاں کے عوض

خلد زاہد کو مبارک ہو مجھے تو مل جائے
حور وش کوچہ ترا روضۂ رضواں کے عوض

ایسے بخت اپنے کہاں ہیں جو لگے منہ ترے
دل حیرت زدہ آئینۂ حیراں کے عوض

دیکھتے سینہ پہ داغ کو ہیں ہم اپنے
تجھ بن اے رشک چمن سیر گلستاں کے عوض

پاؤں میں میرے ہے زنجیر سر موج سرشک
گھر ہے میرا ہی مجھے خانۂ زنداں کے عوض

میرے سینہ سے نکالے نہ وہ پیکاں اپنا
دل کو لے جائے مرے شوق سے پیکاں کے عوض

خندۂ لب ہو مرا برق جہاں کے بدلے
گریۂ چشم اگر ہو مری باراں کے عوض

اے ظفر خاک میں عاشق کے ملانے کے لئے
گردش اس چشم کی ہے گردش دوراں کے عوض

ردیف الطاء المہملہ

ناصح نے کہا مجھ سے کہ کر آہ و فغاں ضبط
ناداں یہ نہ سمجھا کہ محبت میں کہاں ضبط

آتی ہے ہنسی اس کو مرے رونے پہ کیا کیا
کرتا ہے مگر شرم سے وہ غنچہ دہاں ضبط

آتش سے نکلتی ہے سر ہر بن مو سے
کرتا ہوں جو یک دم نفس شعلہ فشاں ضبط

یہ اس شہ خوبی کا عجب ضابطہ دیکھا
کرتا ہے وہ بے جرم و خطا دل کا مکاں ضبط

گو شمع سراپا ہے زباں پر کبھی یک حرف
کہتے نہیں تل بے ترا اے سوختہ جاں ضبط

لپکا مجھے بوسہ کا انہیں عادت دشنام
کیا سخت ہے مشکل کہ نہ یاں ضبط نہ واں ضبط

رو رو کے نہ کہہ حال کو کر وہ رکتا ہے دل میں
کر گریہ کو تو اپنے ظفر وقت بیاں ضبط

اس نے پوشیدہ اسی کے لکھا ہے خط
سنتے ہیں ہم کہ چھپا کر کہیں بھیجا ہے خط

خط دیا میرا جو قاصد نے کہا یوں اس نے
تو کہاں سے یہ اٹھا لیا یہ کس کا ہے خط

دیکھے وہ رشک چمن کیا وہ چمن میں سبزہ
سبزہ جس نے ترے رخسار کا دیکھا ہے خط

ہو گا اس رنگ سے معلوم کہ خوں ہو گا مرا
وہ جو شنگرف سے اکثر مجھے لکھتا ہے خط

ہے کہ شاید دل صد چاک کے مضموں کا اثر
کر کے چاک اس نے جو قاصد مرا بھیجا ہے خط

کیوں نہ خوش دل شکنی سے ہو مری وہ تو خط
کہ خطوں میں یہ شکستہ اسے بھاتا ہے خط

خط میں لکھی ہے ظفر جس کی شکایت ہم نے
ہائے پڑھوانا اسی سے وہ ہمارا خط

تر آنسوؤں میں ہو نہ اگر چشم نم سے خط
جل جائے لکھتے لکھتے مرا سوز غم سے خط

آزاد پھر نہ کیجئے ہمیں شرط ہے یہی
لکھواتے گر ہیں آپ غلامی کا ہم سے خط

یاران رفتگاں کا کھلے حال کس طرح
بھیجا نہیں کسی نے بھی لکھ کے عدم سے خط

بہتر ہے رخ تیرا گل گلزار خلد سے
خوشتر ہے تیرا سبزہ باغ ارم سے خط

دشمن ہزار وار کرے گر نہ ہو قضا
تن پر پڑے نہ ایک بھی تیغ دو دم سے خط

کھینچی تری کمر جو مصور نے مو کمر
باریک ایک کھینچ دیا موقلم سے خط

لکھوں جو ایک حرف وفا خط میں اے ظفر
سو ٹکڑے کر کے پھینکے وہ دست ستم سے خط

ابھی بھیجئے نہ پارا پارا خط
دیکھ تو لیجئے میرا سارا خط

لایا قاصد جواب خط ایسا
ہم کو لکھنا پڑا دوبارہ خط

تجھ کو لکھتے قلم سے نرگس کے
تیرا حسرت کش نظارا خط

دل کے مضمون بیقراری سے
اڑ گیا ایسا جیسے پارا خط

کیا تعویذ ہوں وسمہ نے
لے کے اے دلربا تمہارا خط

مانگ ہے یا اندھیری رات میں یہ
کہکشاں کا ہے آشکارا خط

لکھا تقدیر کا کر تغیر کے ہاتھ
بھیجے ہیہات تو نگارا خط

کیا انعام دیکھ کر اس نے
الٹا قاصد کے منہ پہ مارا خط

شوق اظہار راز دل سے ظفر
کھل گیا خود بخود ہمارا خط

دیا ہے لکھ کے ابھی میں نے نامہ بر کو خط
خبر نہیں کہ وہ لے کر گیا کدھر کو خط

لکھا جو میں نے تمہیں خط کبھو خط کیا کی
جہاں میں لکھتا ہے اکثر بشر بشر کو خط

جواب لکھ کے مرے خط کا نامہ بر بیک ہا
خطر کی جا ہے چلو یاں سے لیکے سر کو خط

اسے خبر بھی نہیں کہ یہ خط میں لکھا کیا
کبھو لکھے کوئی کیا ایسے بے خبر کو خط

لکھا نہ سوز جگر خط میں اس لئے میں نے
کر دے جلا نہ کبوتر کے بال و پر کو خط

مجھے خطر ہے کوئی دیکھ لے نہ اے قاصد
چھپا کے دیجو اس شوخ عشوہ گر کو خط

لکھو خدا کے لئے وجہ اس تغافل کی
لکھا جو تم نے نہیں اب تلک ظفر کو خط

جو پہنچا اپنا دست یار میں خط
کھلا وہ محفل اغیار میں خط

نوشتہ میں ہے رسوائی جو قاصد
گرا دے ہے مرا بازار میں خط

خط رخسار اس رشک چمن کا
ملا دے ہے خط گلزار میں خط

نہ ہووے موت تو تلوار میں بھی
پڑے تن پہ نہ اک سو وار میں خط

نہ پہنچا قاصد اس پردہ نشیں تک
دھر آیا روزن دیوار میں خط

مرا تعویذ درد سر بھی ہے
کر ہو سر پہ ترے دستار میں خط

ظفر کا راز سربستہ کھلے گا
نہ پڑھ تو بیٹھ کر دو چار میں خط

جو بھیجے ہے مجھے مجنوں اجاڑ میں سے خط
تو کوہکن بھی ہے لکھتا ہے پہاڑ میں سے خط

کواڑ کھول نہیں سکتا گر وہ پردہ نشیں
تو پھینک دے ہے پٹ کی دراڑ میں سے خط

گلی میں یار کی اغیار جمع ہیں قاصد
نہ جانا لے کے تو اس بھیڑ بھاڑ میں خط

جلایا کاغذ گر سوز دل کے مضمون نے
تو نامہ بر مجھے کیا دے گا بھاڑ میں سے خط

رہا یہ بار سیہ گھاس ہی کے نیچے نہاں
نہ نکلا سرمہ کا مژگاں کی آڑ میں سے خط

ہوا تھا کل جو مرا خط پلنگ پہ سے گم
سو بارے آج وہ پایا کواڑ میں سے خط

جو خوش نویس ظفر کچھ بگاڑ کر بھی لکھے
دکھائے اور ہی حسن اس بگاڑ میں سے خط

بھیجتے ہو سینکڑوں لکھ لکھ کے تم یاروں کو خط
ایک بھی لکھا نہ تم نے ہم خطاواروں کو خط

ان کی صحت کے لئے یہ اک مجرب نسخہ ہے
لکھ کے اپنے ہاتھ سے بھیجا چہئے بیماروں کو خط

ہو گیا تاثیر مضموں سے قلم کا سینہ چاک
کیا لکھا اس نے تمہارے سینہ افگاروں کو خط

باغ کی رونق بھی ہے ہاں کر ہو سرسبز باغ
زیب دے کس وجہ سے تیرے نہ رخساروں کو خط

جو یہاں ہیں مفسد و جاسوس و غماز و رقیب
وہ جلانے کو مرے لکھتے ہیں ان چاروں کو خط

دل کا پرچہ قاصد اشک رواں لے جائے گا
کیا غرض مجھ کو جو بھیجوں دے کے ہرکاروں کو خط

خط نہ لکھنے کا اگر شکوہ کروں میں اے ظفر
کہتے ہیں وہ کیوں لکھیں ہم ایسے آواروں کو خط

لکھ کے بھیجیں ان کو ہم کیا خاک خط / بن پڑھے کر ڈالتے ہیں چاک خط

دور گھر ہے یار کا جائے نہ جائے / لے کے کوئی قاصد چالاک خط

مانگ اس کی یاد آئی دیکھ کر / کہکشاں کا شب سر افلاک خط

تر نہ کر اشکوں سے کاغذ سربسر / لکھنے دے اے دیدہ نمناک خط

تیغ براں سے تری پڑتا نہیں / بے قضا اے قاتل سفاک خط

تو نے کیا لکھا تھا جو رونے لگا / پڑھ کے تیرا عاشق غمناک خط

حاسدوں سے ناک میں دم ہے ظفر / دے دو چا کو سے پکڑ کے ناک خط

ہمدموں عشق کی نہ پوچھو شرط / جیسے بھونچال سے جاتا ہے مکاں مل مضبوط

جو تمہاری نہ جائے گی بدلی / یاں محل اپنے بناتے ہیں یہ غافل مضبوط

ہم کو منظور ہار ہے اپنی / گر رہے قول پہ یہ حور شمائل مضبوط

دل بیمار کے علاج میں ہے / لیکن اک بات پہ ہو جاتی ہے مشکل مضبوط

دل بندھا زلف سے نہیں چھٹتا / تھام لے ہاتھ میں گر دامن قاتل مضبوط

یوں کسی کو ہے کون دیتا دل / اف نہیں کرنے کا ہے دل کا یہ بسمل مضبوط

اے ظفر کیونکر عقیدہ میں ہو اپنے سستی / جب کر کر دے مدد مرشد کامل مضبوط

مضموں ہیں سینکڑوں تری تحریر میں غلط / باتیں ہزاروں ہیں تری تقریر میں غلط

پیش آئے گا وہی جو لکھا دخل کیا ہو / اک حرف بھی نوشتہ تقدیر میں غلط

تشبیہ زلف یار کو زنجیر سے نہ دو / کب ایسے پیچ و تاب ہیں زنجیر میں غلط

کیا دل نے سیدھے مانگ کے رستے کو چھوڑ کر / کی راہ کوئے صاف گرہ گیر میں غلط

پہنچے تری شبیہ کو یوسف کی کیا شبیہ / سب اس کے خط و خال ہیں تصویر میں غلط

کیا کیا نہ ہم نے دل کو تسلی کے واسطے / طومار باندھے آہ کی تاثیر میں غلط

ابرو پہ اس کے چین کا عالم ظفر ہے اور / جوہر کہاں ہیں یہ کسی شمشیر میں غلط

ردیف ظاء معجمہ

کرے ہے فتنہ ترے چشم فتنہ زا کا لحاظ
یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس بلا کا لحاظ

نہ کی شکایت ظلم و ستم کبھی میں نے
رہا سدا مجھے اس شوخ پر جفا کا لحاظ

فلک پہ کیوں رہی ہر ماہ سرخرو مہ نو
جو ہو نہ اس کو ترے نعل نقش پا کا لحاظ

دل اپنی جنبش مژگان سے کیوں حذر نہ کرے
کہ اس مریض کو ہاں چاہئے ہوا کا لحاظ

اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن میں نرگس نے
رہا جو اس کو تری چشم پر حیا کا لحاظ

ملوں میں تیرے کف پا سے اپنے وعدہ تر
مگر ہے مجھ کو ذرا سرخی حنا کا لحاظ

رکھیں ہم اس سے دلا چشم آشنائی کیا
نہ پاس یار کا جس کو نہ آشنا کا لحاظ

نہ توڑ دل کو مرے اے بتان سنگین دل
ڈرو خدا سے کرو خانہ خدا کا لحاظ

ظفر پلا دے اب بھر کے ساغر مے ناب
اگر اٹھانا ہے منظور دل ربا کا لحاظ

ردیف العین المہملہ

رخ سے مہتاب ہو اس کی تری کیا جاں ہے دشمن
روشنی تیری فقط رات کی مہماں ہے شمع

مطلع ثانی

خوب شمعوں کا یہ پروانہ کے ساماں ہے شمع
قد ترا تیر ہے شعلہ ترا پیکاں ہے شمع

اشک تو اپنے بہاتی ہے و لیکن تیرا
سوز دل کم نہیں ہوتا کسی عنواں ہے شمع

سر کے بل جائے تو جا منزل مقصود کو تو
کرنا طے راہ محبت نہیں آساں ہے شمع

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے اے سیم بدن
ہو کے خاموش کھڑی بزم میں حیراں ہے شمع

شعلہ آہ جو نکلے ہے دل سوختہ سے
دل جلوں کے لئے وہ کلبہ احزاں ہے شمع

سر قلم ہونے کا باعث ہے یہی بزم فروز
بہتر اس تاج سے تو یاں سر عریاں ہے شمع

جس طرح شمع پہ ہوتا ہے فدا پروانہ
ہوتی یوں اس رخ تابندہ پہ قرباں ہے شمع

اے ظفر اشک ندامت میں نہ ڈوبے کیونکر
کر جلا کر دل پروانہ پشیماں ہے شمع

چاہیے بزم میں کیا عاشق رنجور کی شمع
آہ سوزاں ہو جب اس کی دل محرور کی شمع

وہ کیا جلوہ نما قد ہے ترا سیمبدن
ڈھلے سانچے میں ہے قدرت کے عجب نور کی شمع

روشنی سوز محبت سے رہے گی تا حشر
ہم کو پروا نہیں گل ہووے اگر گور کی شمع

آتش فرقت جاناں سے دل سرد مرا
اس طرح جلتا ہے جیسے کوئی کافور کی شمع

نار رکھے دیکھ کے اپنا وہ محبت میں قدم
چاہیے دار بنے راہ میں منصور کی شمع

چارہ گر جائے تعجب نہیں گر بن جاوے
سوزش عشق سے بجھتی مرے ناسور کی شمع

آگے خورشید رخ یار کے کیا کام اس کا
اے ظفر خوب کیا بزم سے گر دور کی شمع

دل مرا لینے کو اس طرح سے دلدار ہوں جمع
جیسے اک جنس پہ کتنے ہی خریدار ہوں جمع

ہوں نہ وہ یک گرہ زلف سے اس کی ہمسر
اے صبا گر سینکڑوں گر نافۂ تاتار ہوں جمع

کشتۂ نرگس مخمور ہوں تیرا اے گل
میرے پہلو میں عجب کیا ہے جو میخوار ہوں جمع

دل عشاق میں یوں زلف کے حلقہ میں ترے
جس طرح خانۂ زنداں میں گرفتار ہوں جمع

کیا تماشا ہے کہ وہ منہ سے اٹھاوے برقع
اس کے جس وقت کہ سب طالب دیدار ہوں جمع

جوش گریہ مجھے دیتا نہیں اتنی فرصت
کہ مری چشم میں آنسو کبھی دو چار ہوں جمع

ناز و انداز و ادا سے تری کیا جان بچے
ایک کے قتل کو جب اتنے ستم گار ہوں جمع

شہرت اے یار جو ہو تیری مسیحائی کی
تیرے کوچہ میں نہ کیونکر پڑے بیمار ہوں جمع

اے ظفر کیونکہ ہو جمعیت خاطر اپنی
جب تک اس زلف پریشاں کے نہ سب تار ہوں جمع

ردیف الغین المعجمہ

ہے داغ دل جو عاشق رنجور کا چراغ
ہووے گا بعد مرگ بھی گور کا چراغ

محفل میں نور بادہ سے ساقی مثال ماہ
روشن کرے ہے ساغر بلور کا چراغ

ہے اس پری کی جلوہ گری گھر کی روشنی
میں کیا کروں گا تاب رخ حور کا چراغ

اے شمع ورد ترے رخ روشن کے روبرو
بے نور ہو گیا مہ پرنور کا چراغ

کشتہ ہوں چشم مست کا میرے مزار پر
لازم ہے جام بادہ انگور کا چراغ

سایہ میں اس کے طرہ مشکیں کے بن گیا
رخسار آتشیں شب دیجور کا چراغ

روشن دلوں کے قرب میں ہیں لاکھ فائدے
تا نہیں ہے کاشغر دور کا چراغ

ہے پاس اپنے اس رخ پرنور سے چراغ — اے ماہ تو دکھا نہ ہمیں دور سے چراغ
روشن ہو چشم مست کے کشتہ کے گور پر — روغن کی جائے بادہ انگور سے چراغ
شعلہ کو میری سوزش دل پر جو رشک ہے — جلتا ہے بزم میں مرے مذکور سے چراغ
رونق ہے تفتہ جانوں کو بخت سیاہ سے — پاتا فروغ ہے شب دیجور سے چراغ
کچھ سوزیوں کے گھر میں نہیں روشنی کا کام — مانوس کب ہے خانہ زنبور سے چراغ
اللہ رے تجلی انوار حسن یار — ہے میری گھرمیں روشنی طور سے چراغ

روشن ہو آفتاب قیامت کا اے ظفر
ہم دل جلوں کی شمع سر گور سے چراغ

کچھ بات کہہ دیں مطلقاً تجھ سے ہم دروغ — اے بت قسم نہ کھائیں خدا کی قسم دروغ
قاصد خط اس نے لکھ کے جو بھیجا کبھی تو کیا — تحریر جو ہے اس میں وہ ہے یک قلم دروغ
ابرو کو اس کی کہتے ہیں سب تیغ اصفہان — ہے اصفہانیوں میں کہاں ایسا خم دروغ
غم کھاتے کھاتے جان مری لب پہ آ گئی — وہ اب بھی جانتے ہیں مرا حال غم دروغ
میں نے تو کچھ کہا نہیں تم کہتے ہو کے کیا — کیا پیچوں اس دروغ کو ہے بے تم دروغ
سچا ہے اس زمانے میں وہ بھی کہ جس کی ہو — کچھ راستی سخن میں سوا اور کم دروغ

حق ہے دروغ گو کو نہیں حافظہ ظفر
جاتا ہے بھول کر کے جو وعدہ صنم دروغ

ہمارے قتل کو تو لی نہ بردوانی تیغ — ترا ہے ابروئے پر خم خود اصفہانی تیغ
جہاں کو کشتہ کیا اے کشندہ عالم — تری نگہ ہے غضب وقت ظلم رانی تیغ
پڑا ہے کس کا یہ دریا میں عکس چین جبین — ہر ایک موج سے دکھلاتی ہے جو پانی تیغ
چھٹے عذاب سے، تیرا اسیر رنج و الم — کرے جو اس پہ ذرا تیری مہربانی تیغ
قد کشیدہ ترا سیف ہیرے حق میں — نہ کھینچ مجھ پہ عبث اے عدوئے جانی تیغ
نشان زخم نہیں جسم زار پر میرے — یہ دے گئی مجھے ظالم تری نشانی تیغ

کیا تھا اس نے ظفر امتحاں محبت کا
وگرنہ تھی اسے کیا مجھ پہ آزمانی تیغ

ردیف الفا

گر ہے دل دینا خطا کر بت بے پیر معاف
کچھ نہیں ہونے کی ہو اب تو یہ تقصیر معاف

تو اگر قتل پہ خوش ہو تو خوشی سے اپنی
خوں کرے اپنا تجھے عاشق دلگیر معاف

دل سودا زدہ کو مارے ہے کوڑے وہ زلف
ورنہ دیوانے کو تو ہوتی ہے تعزیر معاف

دم بسمل نہ سنی منہ سے ترے بسم اللہ
ذبح کرنے میں ہے شاید تری تکبیر معاف

کر حساب ستم و جور جو ہوں حاصل داغ
کیا عجب ہوتی محاسب کو ہے تحریر معاف

دل دیوانہ تری زلف کو چھوڑے کیونکر
ہے سدا سے اسے یہ خانہ زنجیر معاف

اے ظفر حشر کو ہو جائیں گے سب تیرے گناہ
سبب دوستی حیدرؓ و شبیرؓ معاف

جو دیکھوں بزم میں اس شوخ جنگجو کی طرف
چھری کو دیکھ کے دیکھے مرے گلو کی طرف

تجھی کو دیکھتے ہیں اپنے دل کی آنکھوں سے
ترے سوا نہیں ہم دیکھتے کسو کی طرف

جو پائی بزم میں ساقی تری جگہ خالی
بھر آیا دیکھ کے دل ساغر و سبو کی طرف

تصور اس قد دل جو کا چشم تر میں ہے
چمن میں دیکھتے کیا سرو آب جو کی طرف

تلاش مشک میں جاتا ہے چین کو سوداگر
چلا دل اپنا نہیں زلف مشک بو کی طرف

نہ اس کی بزم میں آنسو بہائیو اے چشم
نگاہ رکھیو ذرا میری آبرو کی طرف

ظفر میں ان سے کروں بات کیونکہ محفل میں
لگائے کان ہیں سب میری گفتگو کی طرف

ہور تھی بیمار غم کی کل خبر چاروں طرف
آج کچھ سنتے ہیں احوال دگر چاروں طرف

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ نہیں آتا نظر
ہم بہت دوڑاتے ہیں اپنی نظر چاروں طرف

خاک بھی ہو کر رہا آوارہ ہی میں خاکسار
خاک اڑاتی ہے مری باد سحر چاروں طرف

خطیں جو میں نے لکھا رسوا ہوا میں چار سو
اس نے پھینکا خط کو میرے چاک کر چاروں طرف

دل مرا رہتا ہے یوں اس حسن کے شعار کے گرد
جیسے پروانہ پھرے ہے شمع پر چاروں طرف

کیا نوشتہ میں ہے اپنے دیکھئے ہوتا ہے کیا
خط کے چرچے ہو رہے ہیں نامہ بر چاروں طرف

ہے وہ دل ہی میں تمہارے تم اگر ڈھونڈھو اسے
پھرتے ہو ناحق بھٹکتے اے ظفر چاروں طرف

تھا نہ جب تک صنم ہوش ربا سے واقف
حق ہے واللہ نہ تھا بندہ خدا سے واقف

دے دیا ہم نے دل اپنا تجھے افسوس کہ ہم
اے دغا باز نہ تھے تیری دغا سے واقف

جانتے سب سے ہے لگ چلنے کے شیوے دنیا
پر نہیں ایک رہ و رسم وفا سے واقف

نہیں معلوم کہ ہے کحل و جواہر کیا چیز
ہم ہیں اس یار کی خاک کف پا سے واقف

جو مجھے کہتے ہیں دل اس کو دیا کیوں تو نے
نہیں اس شوخ کی وہ ناز و ادا سے واقف

کر دیا زلف نے کافر تری ہم کو آگاہ
ورنہ ہم اگئے تھے دام بلا سے واقف

میں ہوں بیمار محبت نہ کرو میرا علاج
اے طبیبو نہیں تم میری دوا سے واقف

ہائے کس شوخ ستمگر سے لگا دل اپنا
کہ نہ بے مہر سے وہ آگاہ نہ وفا سے واقف

چٹنے کیوں گل کی روش باغ جہاں میں غافل
اے ظفر ہوتے اگر یاں کی ہوا سے واقف

دیکھ کر اس قاتل سفاک کو خنجر بکف
عاشق سر باز رہ پھرتے ہیں ہمیشہ سر بکف

مے کشی کو کون آیا باغ میں اے عندلیب
جو صراحی در بغل غنچے ہیں وہ گل ساغر بکف

ہم بدولت آنسوؤں کو دیکھتے ہیں عشق میں
چشم سے اپنی صدف کی طرح سے گوہر بکف

خوں کے تو نے ہزاروں پھرتے ہیں سب داد خواہ
ہے ترے دست ستم سے اک جہاں محضر بکف

ٹپکے دریا میں ترے دل سوز کا گر اشک گرم
ہوں حبابوں کی جگہ گرداب کے اخگر بکف

آنکھ اٹھا کر بھی نہیں وہ دیکھتے تل بے دماغ
جو کہ نرگس کی طرح رکھتے ہیں سیم و زر بکف

دیکھئے قسمت کا لکھا ہو گا اس دن کیا ظفر
ہووے گا اعمال بد کا اپنے جب دفتر بکف

ہر رقم میں اس کا انداز رقم ہے مختلف
جو قلم سے اس کے نکلا یک قلم ہے مختلف

وہ جو پاس ان کے نہیں تھا جس کے باعث اختلاف
کچھ مزاج ان کا بہت آگے سے کم ہے مختلف

روبرو عارض کے تیرے روشنی خورشید کی
صاف مثل نور شمع صبحدم ہے مختلف

بات کا تیری بھروسا کیا کہ ہم نے لاکھ بار
قول کو پایا ترے بعد از رقم ہے مختلف

گاہ گریہ نالہ گاہے قلق گہ اضطراب
میرے دل کی حالت رنج و الم ہے مختلف

اک طرح پر ہوا گر ظلم و جفا کوئی سہے
اے ستم گر تیری ہر طرز ستم ہے مختلف

باغ عالم میں مناسب ہے بشر کو احتیاط
اے ظفر چلتی ہوا یاں دم بدم ہے مختلف

زلف کافر کا ہے ڈر دیں کو ایماں کو خوف
چشم سفاک کا ہے دل کو خطر جاں کو خوف

بے دھڑک جاتے ہیں ہم اور وہ بلاتے تھے ہمیں
ڈر نہ ہے صاحب خانہ کو نہ مہماں کو خوف

واہ کیا ایسا ہمارا غم حسرت نے خراب
دیکھ کر آئے ہے اس خانہ ویراں کو خوف

در جاناں سے ہوا پاؤں اٹھانا مشکل
آ گیا دیکھ کے جو صورت درباں کو خوف

کم ہو اندیشہ اگر کم ہو مآل اندیشی
جتنا دانا کو ہے اتنا نہیں ناداں کو خوف

گرچہ ہو دشمن جاں سارا زمانہ نہ ڈرے
ہاں مگر چاہیے اللہ کا انساں کو خوف

اے ظفر شافع محشر کی محبت ہو جسے
کیا ہو محشر کا پھر اس مرد مسلماں کو خوف

میں صبر کروں ہووے اگر ایک سے تکلیف
قسمت مجھے پہنچائے ہے ہر ایک سے تکلیف

ہیں چشم و نگاہ دونوں بلا کیونکر نہ پائے
دل ایک سے تکلیف جگر ایک سے تکلیف

بھی کہ شب و روز مجھے دل سے ہے اپنے
لیکن تو نہیں آٹھ پہر ایک سے تکلیف

مہوش تو بہت سے ہیں مگر دل کو نہیں ہے
یاں تیرے سوا رشک قمر ایک سے تکلیف

رکھتے مجھے بے چین ہیں دونوں وہ رخ و زلف
شام ایک سے ہے رنج سحر ایک ایک سے تکلیف

عاشق ترے ہو جاتے ہیں دنیا میں ہزاروں
اٹھ سکتی نہیں عشق کی ہر ایک سے تکلیف

یکساں نہیں عالم کوئی دشمن ہے کوئی دوست
ہے ایک سے راحت تو ظفر ایک سے تکلیف

ردیف القاف

نہیں ہے درد مجھے اور کچھ سوائے فراق
طبیب، تجھ سے اگر ہو تو کر دوائے فراق

بہائے چشم سے دریا بھی وہ تو بجھ نہ سکے
جگر میں اگ کسی کے اگر لگائے فراق

ترے فراق زدوں کے مزار سے تا حشر
عجب نہیں کہ یہ نکلے صدا کہ ہائے فراق

فراق مجھ کو ستاتا ہے ہاں فراق کو میں
یوں ہی ستاؤں اگر میرے ہاتھ آئے فراق

وصال بھی جو میسر ہوا تو خوش نہ ہوا
غم فراق کے ڈر سے یہ مبتلائے فراق

کیا خدائے جہان آفریں نے یہ پیدا
فراق میرے لئے اور مجھے برائے فراق

ڈرا نہ روز قیامت سے تو مجھے واعظ
کہ میں نے دیکھے ہیں کتنے ہی روز ہائے فراق

مزے سے کیا کوئی آگاہ ہو محبت کے
نہ جب تلک کہ ہو دل لذت آشنائے فراق

فراق و فرق میں اک حرف کا ہے فرق ظفر
جہاں ہے فرق دلوں میں وہیں ہے جائے فراق

ہو گا تہہ خاک بھی ساتھ جو دل کا قلق
جا کے ہلا دیں گے ہم ساتوں زمیں کے طبق

لعل مسی زیب پر اس کی جو ہے رنگ پان
ہوتے ہیں کیا کیا خجل دیکھ کے شام و شفق

حال شب غم را سب نہیں جاتا لکھا
گرچہ سیہ ہوتے ہیں روز ہزاروں ورق

دل کے ہیں ٹکڑوں میں یوں ہو رہی مشغول اشک
جیسے گلستاں کا لیں طفل دلبستاں سبق

اس کو خط کہکشاں تو نہ سمجھ رات کو
نالہ نے میرے کیا سینۂ گردوں کو شق

گو نہ زباں سیک ہا راز محبت تو کیا
خشک ہے لب چشم تر زرد ہے منہ رنگ فق

لالہ و گل پر ظفر اوس سی پڑ جائے گی
دیکھ کے رخسار پر اس کے بہار عرق

جن کے دلوں میں فرق ہے ان کی زباں میں فرق
مطلب میں ان کے فرق ہے ان کے بیاں میں فرق

میں خاکسار اور فلک پر ترا دماغ
ہے مجھ میں تجھ میں جیسے زمیں آسماں میں فرق

پہلو سے ہو کماں کے گریزاں نہ کیونکر تیر
ہوتا ہے ہاں طبیعت پیر و جواں میں فرق

نے ہے تفاوت اس رخ پر نور و ماہ میں
نے مانگ میں ہے اور خط کہکشاں میں فرق

ہو کیا غم فراق سے حال آگے دیکھیے
کچھ آ گیا ابھی سے ہے تاب و تواں میں فرق

ہے اپنا فیض عشق سے پیری میں دلجوان
مطلق نہیں ہے اپنی بہار و خزاں میں فرق

ہاں ہے تو ہاں ظفر جو نہیں ہے تو ہے نہیں
نے کچھ نہیں میں فرق ہے اپنی نہ ہاں میں فرق

پڑ گیا دھیان سے اس بت کے مرے دھیان میں فرق
بت پرستی سے مری آ گیا ایمان میں فرق

دوں ترے ابروئے پر خم سے اسے کیا تشبیہ
کہ ہے اس تیغ اور تیغ صفاہان میں فرق

جیسے دیکھا ہے ترا جلوہ حیرت افزا
نہیں آئینہ میں اور دیدہ حیران میں فرق

جو کہ برسوں سے ہوں یک دل ہم ان میں اے چرخ
ڈالے ہے تفرقہ سازی تری اک آن میں فرق

اپنے بیمار محبت کی عیادت کے لیے
تو جو آتا تو نہ آتا تری کچھ شان میں فرق

اے جنوں ہاتھ سے تیرے نہ رہا آخرکار
چاک دامان میں اور چاک گریبان میں فرق

دور ہو یا وہ ہو نزدیک برابر ہے ظفر
جب کہ انسان سے آیا دل انسان میں فرق

لیا پیغامبروں نے کہیں تقریر میں فرق
جو خط و پرزہ کے ہونے لگا تحریر میں فرق

مطلع ثانی

مل جوہر کی جو کلفت سے ہو توقیر میں فرق
سب رنگ کچھ قیمت شمشیر میں فرق

قید ہو گر دل دیوانہ عجب کیا کہ نہیں
حلقہ زلف میں اور حلقہ زنجیر میں فرق

چارہ درد نصیبوں میں نہیں ہے ناچار
ورنہ کچھ چارہ گروں کی نہیں تدبیر میں فرق

متصل دل پہ لگاتا ہے وہ یوں تیر پہ تیر
دخل کیا اسے اگر دوسرے ہو تیر میں فرق

جو نصیبوں میں لکھا تھا وہی لکھا تو ن ے
کچھ ترے خط میں نہیں اور خط تقدیر میں فرق

ہمدموں پوچھو نہ مجھ سے سبب درد فراق
آ گیا نالہ دل کی مری تاثیر میں فرق

دیکھو سمجھوا کے اگر غور سے دونوں کی شبیہ
میری اور قیس کی کچھ بھی نہ ہو تصویر میں فرق

اے ظفر عشق کی دولت سے ہے دل جن کا غنی
وہ سمجھتے نہیں کچھ خاک اور اکسیر میں فرق

ہے عاشق دلسوز سراپا شجر عشق
پھل جانا پھپھولوں سے ہے اس کا ثمر عشق

ہوتے نہ اگر قاصد اشک اپنے روانہ
یاروں کو پہنچتی نہ ہماری خبر عشق

نکلے ہے جو یوں داغ بدل خاک سے لالہ
ہے زیر زمیں کیا کوئی تفتہ جگر عشق

تھرانے لگے آتش دوزخ تو عجب کیا
دکھلائے شرارت اگر اپنی شرر عشق

کیا فائدہ اشکوں کو اگر چشم میں روکا
ہے زردی رخسار سے ظاہر اثر عشق

بجلی گرے اے چرخ اگر اس پہ بلا سے
لیکن نہ پڑے دل پہ کسو کی نظر عشق

ہو گرچہ دماغ اس کا فلک پر تو بجا ہے
جو آپ کو سمجھے ہے ظفر خاک در عشق

ردیف کاف فارسی

سوزش عشق کی یوں ہے دل بیتاب سے لاگ
جس طرح آتش سوزاں کی ہو سیماب سے لاگ

آنکھ کس طرح لگے میری کہ تجھ بن ہر شب
خواب کو چشم سے ہے چشم کو ہے خواب سے لاگ

آبرو رکھتی ہے دریا کو گر اپنی منظور
کبھو باندھے نہ مرے دیدہ پر آب سے لاگ

کام مسجد سے مجھے کیا مگر اس ابرو نے
شوق میں اپنے لگا دی مرے محراب سے لاگ

آپ کی زلف کے حلقہ سے دل اے لجہ حسن
اس شناور کو ہے اس حلقہ گرداب سے لاگ

دل لگے اور حسیں سے نہ مرا تیرے سوا
لگے جز شمع نہ پروانہ کی مہتاب سے لاگ

جام کوثر کو بھی وہ منہ نہ لگا دے ساقی
جس کے ہولب کو لگی جام مے ناب سے لاگ

آنکھ اس رخ سے لگی یوں مری جیسے لگ جائے
گل خورشید کی خورشید جہاں تاب سے لاگ

کی ہے جس روز سے اعدا نے لگاوٹ اس سے
اے ظفر باندھی ہے اس شوخ نے احباب سے لاگ

حال اپنا کرے کیا ترا بیمار بیاں خاک
دم لینے کو بھی اس میں نہیں تاب و تواں خاک

نالوں سے مرے آب ہوئے سنگ و لیکن
اس کو نہ ہوا کچھ اثر آہ و فغاں خاک

جوں نقش قدم مل گئے یاں خاک میں لاکھوں
دکھا نہ ملکنے تو کسی کا بھی نشاں خاک

منعم کو مبارک رہے قالین و نہالی
ہے خاک نشینوں کے لئے فرش مکاں خاک

جو خاک قدم کو تری آنکھوں سے لگائیں
کیا ان کی نظر پر چڑھی کحل صفاہاں خاک

اے گریہ کبھی تجھ سے بجھے گی نہ یہ آتش
کر دے گا جلا مجھ کو مرا سوز نہاں خاک

کب رہتی ہمیشہ ہے بہار گل و گلشن
دو دن میں اڑا دے ہے ظفر باد خزاں خاک

یاروں نے ہماری پاسداری کی ترک
ہم نے یاروں کی اپنی یاری کی ترک

دنیا میں رہے ہم اہل دنیا سے الگ
دنیا داری کی بات ساری کی ترک

ہم شیوہ وفا کا ترک کرتے کیونکر
تو نے نہ کبھی ستم شعاری کی ترک

کی تو نے نہ قدر جانبازی میری
پر میں نے نہ اپنی جاں نثاری کی ترک

غم بھی نہ ہو غم گسار میرا افسوس
اوروں نے تو میری غمگساری کی ترک

مضمون کمر کو باندھتے ہیں تیرے
ہم کیونکر کریں سخن کی باریکی ترک

جو کچھ تھا وہ ہم نے دل سے سب ترک کیا
لیکن نہ محبت اک تمہاری کی ترک

میں سوزش دل بجھاؤں کیونکر اپنی
چشموں نے بھی اب تو اشکباری کی ترک

جس دن سے دیا ظفر دل اس کو اپنا
اس دن سے نہ ہم نے آہ و زاری کی ترک

تھامتا ہے دل ہی میرا ہمدموں نالے کی جھوک
گرچہ زخم ہو نہ سنبھلے اس سے اس بھالے کی چوک

زلف کافر کھائے ہے جھوکے ہوا کے دیکھنا
کیا بلا ہے عالم مستی میں اس کے اس لے کی جھوک

بارش گریہ نے ہے لا کر دیا پانی جھکا
ورنہ تھی اتنی کہاں مژگاں کے پرنالے کی جھوک

ڈر ہے صرصر سے یہی مجھ کو کہیں ایسا نہ ہو
آشیاں میرا گرا دے باغ میں ڈالے کی جھوک

تولے ہے سب کو برابر اپنی آنکھوں میں وہی
اس ترازو میں نہیں جس تولنے والے کی جھوک

پھول بالے میں پروئے تو نے کیوں اے نازنیں
گوش نازک سے سنبھلنے کی نہیں بالے کی جھوک

شاخ گل جیسے ہوا سے جھولتی ہے باغ میں
اے ظفر یوں چال میں اس تیرے متوالے کی جھوک

حسن ہے کیا ہی پری چہرہ بھی ہے حور کا ٹھیک
ہے بہر وجہ غرور اس بت مغرور کا ٹھیک

داغ دل سوختگاں کو نہ ہو بہبود نصیب
ایک نسخہ نہ بنے مرہم کافور کا ٹھیک

دل پہ آبلہ کو میرے وہ جب مستقاز
کہتا ہے تاک ہے یہ خوشۂ انگور کا ٹھیک

حق شناس ایسا نہ تھا کوئی جو یہ حق کہتا
خون ناحق نہ کرو قول ہے منصور کا ٹھیک

تار آہوں کا جو باندھے دل نالاں میرا
ہووے مطرب سے کبھی تار نہ طنبور کا ٹھیک

کیوں نہ لوں جام مے ناب کے ساقی بوسے
اس میں انداز ہے اس نرگس مخمور کا ٹھیک

کیا آنکھوں سے محبت نے دم گریہ شوق
خانہ آب رواں عاشق مہجور کا ٹھیک

عکس ہے مردمک دیدہ عاشق کے بنا
واہ کیا حال تمہارے رخ پر نور کا ٹھیک

ان کے تو پاس نہ جا غیر کا ہے پاس انہیں
میرے نزدیک ہے اخلاص ظفر دور کا ٹھیک

واللہ بتوں نے ہم سے یاری کی ترک
پر ہم نے نہ ان کی پاسداری کی ترک

ہم خاک میں مل گئے بلا سے لیکن
اس در کی نہ ہم نے خاکساری کی ترک

دیتا نہیں تو جام تو ساقی ہم نے
لے آج ہی سے شراب خواری کی ترک

سو بار خفا ہوئے نہ چھوڑا ملنا
کیوں آمد و رفت اب کی باری کی ترک

کچھ آپ نے قدر جاں نثاروں کی نہ کی
اس پر بھی نہ ہم نے جاں نثاری کی ترک

میں غم ہی کو جانتا ہوں اپنا غمخوار
یاروں نے تو میری غمگساری کی ترک

سو بار برس کے تھم گیا مینہ لیکن
آنکھوں نے مری نہ اشکباری کی ترک

دشمن کیا اپنا اک جہاں کو ہم نے
لیکن نہ تمہاری دوستداری کی ترک

جس دن سے کہ دم تری محبت کا بھرا
اک دم نہ ظفر نے آہ و زاری کی ترک

دیئے جو پر مرے صیاد نے اکھاڑ کے پھینک
صبا وہ تو نے دیئے سب چمن سے جھاڑ کے پھینک

کس اشتیاق سے لکھا تھا میں نے خط قاصد
دیا بغیر پڑھے اس نے چیر پھاڑ کے پھینک

جہاں میں میں ہوں وہ دیوانہ جس پہ لڑکوں نے
تمام پتھر اٹھا کر دیئے پہاڑ کے پھینک

یہ سر پہ باندھے ہے دستار کیا سنوار کے تو
کر رد دیں گیا سے زاہدا بگاڑ کے پھینک

اس اپنے شیفتہ کو سنگسار کر لیکن
نہ کنکر اور پہ تو ساتھ چھیڑ چھاڑ کے پھینک

وہ میری لاش کو گاڑے نہ اپنے کوچہ میں
اگر گڑی بھی ہو تو اس کو دے اکھاڑ کے پھینک

مجھے نکال کے بستی سے میری وحشت نے
دیا ہے اب تو ظفر درمیاں اجاڑ کے پھینک

ردیف اللام

واہ کیا زلف بت بے پیر کے حلقے ہیں گول
دیکھ کر جن کو ہے زنجیر کے حلقے ہیں گول

آسماں پر یہ نہیں ہالے مہ و خورشید کے
دونوں اس شقف کہن تعمیر کے حلقے ہیں گول

واسطے عاشق کے ہیں گرداب دریائے فنا
وہ جو اس کے جوہر شمشیر کے حلقے ہیں گول

کہتے ہیں چشم و دہن جن کو وہ میرے دھیان میں
دام حسن عالم تصویر کے حلقے ہیں گول

ہم ہجوم زخم ہی کو تن پہ سمجھے ہیں زرہ
گول یہ روزن نہیں ہیں تیر کے حلقے ہیں گول

عین شفقت سے بنائے شہسوار ان کو رکاب
یہ جو دونوں دیدہ نخچیر کے حلقے ہیں گول

گرد روئے خوبرو یاں دیکھتا ہنگام خط
کیا بے پرکار سے تقدیر کے حلقے ہیں گول

گل جو کھائے تیرے چھلوں کے تو کیا ہے خوشنما
ہاتھ پر اس عاشق دلگیر کے حلقے ہیں گول

دل کو ان کانوں کے بالوں نے کیا حلقے بگوش
اے ظفر کچھ یہ عجب تاثیر کے حلقے ہیں گول

جو ہوتے ہم نہ جہان خراب میں داخل
تو ہوتے کاہے کو رنج و عذاب میں داخل

ترے شہید کی قاتل نماز ہوتی ہے
شریک ہو کے ہو تو بھی ثواب میں داخل

جو تیری چشم ہو بیدار ، دل بھی ہو بیدار
نہیں تو جاگنا ہے تیرا خواب میں داخل

حساب کرنا جو دس بیس دو گے بوسہ ہمیں
تم ایک دو کو نہ رکھو حساب میں داخل

بھرے ہیں چشم میں اعجاز عشق سے یہ اشک
وگرنہ کیونکر ہو دریا حباب میں داخل

کلام تلخ سے کیا کام لعل میگوں کو
کرے ہے زہر کو کیوں تو شراب میں داخل

رہے جہاں میں نہ باقی سفید ایک ورق
جو میرا قصہ غم ہو کتاب میں داخل

بچا تھا کچھ ترے رخسار سے ازل میں نور
ہوا وہ چشم مہ و آفتاب میں داخل

اگر جواں ہو دل پیر عشق کی دولت
تو اے ظفر ہے وہ تیرے شباب میں داخل

نہیں کہتے کہ جا تو بات کا کہنا ہے لا حاصل
اگر کہنے کا موقع ہے تو چپ رہنا ہے لاحاصل

کہا مجنوں نے تیرے پہن کر طوق سلاسل کو
کہ اس گہنے کے آگے اور سب گہنا ہے لاحاصل

جو حاصل ہونا مطلب کا نہیں موقوف کہنے پر
تو پھر کہنے کا لینا نام کیا کہنا ہے لا حاصل

جنوں کے ہاتھ سے ہوتا ہوں جا کر تنگ میں واں بھی
مرے نزدیک دامن دشت کا پہنا ہے لاحاصل

سدا ہے کروفر عاشق کے آہ و نالہ دل سے
سمجھنا کرنا بیجا ہے وہ سہنا ہے لاحاصل

نہ لے جائیں بہا کر مجھ کو گریہ اس کے در تک بھی
تو پھر ان آنسوؤں کا چشم سے بہنا ہے لاحاصل

فلک کے ہاتھ سے کلفت اگر روشن فقیروں کو
نہ ہو حاصل تو مہر و ماہ کا گہنا ہے لاحاصل

حمائل کر گلے میں اپنے میرا دست گل خوردہ
گلوں کا ہار تو نے رشک کا پہنا ہے لاحاصل

نہ جانے ظلم سہنے پر بھی گر وہ قدر عاشق کی
ظفر تو اس ستم گر کا ستم سہنا ہے لاحاصل

جبکہ دل ہی نہ ملے ماہ جبیں کیا حاصل
ساتھ شکووں کے چناں و چنیں کیا حاصل

گرچہ ہمسر ہے ہر اک آہ صا سے لیکن
دل کو منظور سہارا ہی نہیں کیا حاصل

اے کماندار نہ سینہ سے مرے تیر نکال
جائے گی ساتھ نکل جان حزیں کیا حاصل

زلف مشکیں سے تری اپنا معطر ہے مشام
کیوں پھریں ڈھونڈتے ہر نافۂ چیں کیا حاصل

گور عاشق پہ نہ لا غیر کو اپنے ہمراہ
ہو جو بے چین کوئی زیر زمیں کیا حاصل

نظر آئی نہ تری شکل اگرچہ ہم کو
روکا آنکھوں میں دم باز پسیں کیا حاصل

کیوں ملاتا ہے ہمیں خاک میں ظالم باز آ
اس سے ہو گا تجھے اے چرخ بریں کیا حاصل

دل و جاں دیتے ہیں انکار کسے ہے لیکن
جب محبت کا نہیں تم کو یقیں کیا حاصل

اے ظفر دل ہے جو دور وہ میرے نزدیک
گرچہ ظاہر میں نہایت ہے قریں کیا حاصل

موباف اس کے جعد شکن در شکن میں لال
گویا زباں ہے مار سیہ کے دہن میں لال

فرقت میں تیرے ٹپکے جو آنکھوں سے اشک خوں
دھبے سے جا بجا ہیں مرے پیرہن میں لال

کشتہ کو تیرے دست حنائی کے بعد غسل
دیکھا تو خوں سے تھا وہ سراپا کفن میں لال

جوش جنوں عشق سے ہے یہ فساد خون
چٹے سے پڑ گئے ہیں سراسر بدن میں لال

حاضر ہیں میرے لخت دل و پارہ جگر
منظور ہو تجھے اگر نورتن میں لال

پہنچی فلک پہ تیرے شہیدوں کی اڑ کے خاک
پیدا شفق نہ کیونکر ہو چرخ کہن میں لال

سنگ عقیق لب سے ترے کیا عجب اگر
بک جائے رنگ سرخ کی قیمت یمن میں لال

حسرت سے لالہ کیونکر نہ ہو جائے غرق خون
جوڑا پہن کے آئے جو وہ گل چمن میں لال

بوسہ جو لعل لب کا کل ان سے طلب کیا
کیا کیا ظفر وہ مجھ پہ ہوئے انجمن میں لال

جب فگراں بھووں کی کرے شان میں ہلال
منہ ڈالے کیوں نہ اپنے گریباں میں ہلال

آنے سے تیرے باغ میں کیا عید ہو گئی
شاخ خمیدہ ہے چمنستاں میں ہلال

کس مہ جبیں کے عشق میں جوگی بنا ہے یہ
مندرا فلک کے ڈالے ہے جو کان میں ہلال

منہ کیا کہ سامنے ترے ابرو کے آ سکے
شمشیر اپنی کھینچ کے میدان میں ہلال

پہنچا نہ زیر پا ترے جوں نعل کفش پا
اے مہ جبیں رہا اسی ارمان میں ہلال

چڑھ جائے میرے اشک کا دریا تو کیا عجب
کشتی ڈبوئے چرخ پہ طوفاں میں ہلال

یہ بھی ہے ایک ناخن پا اس کا اے ظفر
اس ماہ وش کے چڑھتا ہے کب دھیان میں ہلال

دیکھے جس وقت تری زلف پریشاں میں بل
پڑے اک تار سے سو تار رگ جان میں بل

بحر مواج سے بہتر اسے جانو جو کبھی
پڑے غصہ سے نہ پیشانی انسانی میں بل

قیس و فرہاد کو کیا تاب کو آگے میرے
کر سکیں ایک ذرا عشق کے میدان میں بل

نیش کژدم کجی دے ابھی اک دم میں نکال
اتنا ہے کوچ کو بالے کے ترے کان میں بل

یہ بھی کچھ پیچ نوشتہ ہی کا ہے اپنے کہ ہیں
ناوک انداز ترے جوہر پیکاں میں بل

زور گریہ کا ہمارے نہیں دیکھا اس نے
آ گیا اس سے ہے کچھ سوجہ طوفان میں بل

آدمی خاک کرے بلکہ اجل کے آگے
اے ظفر اس کا نکل جائے ہے اک آن میں بل

تیرا ایوان ہے کیا روضہ رضوان کی نقل
بلکہ ہے روضہ رضواں ترے ایوان کی نقل

ماہ نو جس کو بتاتے ہیں وہ ہے جلوہ نما
اے مہ زہرہ جبیں تیرے گریبان کی نقل

بے دوات و قلم اس روئے کتابی کا خیال
کرتا ہے کیا دل سیپارہ میں قرآن کی نقل

زلف کیا کیا تری ہوتی ہے پریشاں سن کر
دل سوداز دہ کے حال پریشان کی نقل

لی ہے عکس خط رخسار سے آئینہ نے
اے شہ حسن ترے حسن کے فرمان کی نقل

کرتی ہے کعبہ سمجھ کر جسے اک خلق طواف
ہے وہ دراصل دل حضرت انسان کی نقل

ہے ترے فیض سخن سے وہ سخن ور کامل
جس نے اک بار ظفر کی ترے دیوان کی نقل

کیا اک بوسہ پہ دل عاشق بدحال کا مول کچھ سوا کہتا نہیں مانگتا ہے مال کا مول

مطلع ثانی

ہائے کیا مشک تری زلف خط و خال کا مول چین و تاتار نہ جب دونوں ہوں اک بال کا مول
کیا عجب شوق اسیری میں جو مرغان اسیر بیچ کر آپ کو فساد کے دیں جال کا مول
دل کو بکوا ہی دیا چشم نے اس یار کے ہاتھ پھر سکا نہ پھر نہ چکایا ہوا دلال کا مول
قدر یوں الفت دیرینہ کی دی اس نے دکھا جیسے ہو جائے ہے کم جنس کہن سال کا مول
لایا دامن میں گہر بھر کے مگر دے نہ سکا ابر نیساں دم گریہ مرے رومال کا مول
ہو کے دنیا سے سبکدوش نہ منعم نہ فقیر کہیں کمبل ہے گراں اور کہیں شال کا مول
دل بلاؤں میں پھنسا زلف کا ہو کر خواہاں لیتا سودا کوئی ایسا بھی ہے جنجال کا مول

ماہ نے جمع کیا ہم ظفر مہر نے زر
پھر جو دیکھا تو نہیں یار کے اک گال کا مول

سوز غم میں یہ بلا اس بت بے پیر کے پھل دل و جگر دونوں گئے عاشق دلگیر کے پھل
باغ عالم میں ہیں جو مرد کہ خواہان نبرد پھول بھاتے ہیں سپر کے انہیں شمشیر کے پھل
کھائے ہے شاخ کماں سے ترے لے لے کے مزے دل مرا جان کے پیکان کو ہر تیر کے پھل
باغ دل میں شجر آہ لگائے ہم نے لیکن افسوس لگے ان میں نہ تاثیر کے پھل
ہے ذقن سیب کا پھل اور ذقن پر تیرے خال مشکیں جو کئی ہیں وہ ہیں انجیر کے پھل
رکھے اس باغ میں بے فیض سے کیا چشم ثمر کہ نہیں کھاتا کوئی نخل سے تصویر کے پھل

پھل ستاروں کا منجم سے ظفر کیا پوچھو
سب وہ کرتے ہیں موافق مری تقدیر کے پھل

عرق میں ہے گل رخسار کے گلاب کا میل شمیم زلف میں ہے بوئے مشک ناب کا میل
بغیر اشک پیا جائے کیوں نہ خون جگر کہ ہوتا آب سے ہے تیز تر شراب کا میل
جو رہتے گرم طپش ہیں شرار و شعلہ و برق کچھان میں بھی ہے مرے دل کے اضطراب کا میل
فروغ حسن میں ہے نشہ شراب کو دخل نمود صبح میں ہے نور آفتاب کا میل
ہمارا میل ہو کیا اس سے جس کی باتوں میں کبھی ہو لطف کا میل اور کبھی عتاب کا میل
نہ کوہ کن سے ملے دل مرا نہ مجنوں سے نہیں کسی سے بھی اس خانماں خراب کا میل

دل برشتہ پہ مائل ہیں وہ لب میگوں
کہ ہے شراب کا اور اے ظفر کباب کا میل

ردیف المیم

یہ جو تم کھاتے ہو خدا کی قسم
ہے دروغ اے جو خدا کی قسم

پھرتے ہیں مہر و مہ جو سرگرداں
ہے تری جستجو خدا کی قسم

کھول دیتے ہیں میرے نالہ و آہ
راز پوشیدہ کو خدا کی قسم

پہنچے منزل پہ ہمسفر اور ہم
گئے غفلت میں سو خدا کی قسم

جاؤ غماز کی نہ باتوں پہ
ہے وہ بیہودہ گو خدا کی قسم

یہ جو تم دیکھتے ہو غفلت میں
خواب ہے غافلو خدا کی قسم

مہر کیا ذرہ کیا کہ ہے سب میں
جلوہ یار لو خدا کی قسم

شمع میں ہے وہی تجلی نور
گل میں ہے وہ ہی بو خدا کی قسم

ظفر اس سے نہ کر زیادہ کلام
کہ وہ ہے تند خو خدا کی قسم

نکلے گریہ سے اگر تیرے حزینوں کے کام
کریں اک روز میں وہ بارہ مہینوں کے کام

کام کرتا شرفا کا جو فلک ہوتا شریف
یہ کمینہ ہے جو کرتا ہے کمینوں کے کام

طمع و حرص و ہوا نے کیا انساں کو خراب
کہ ہے یہ ساری خرابی انہیں تینوں کے کام

دولت عشق سے ہے سینہ جواہر خانہ
دل کے ٹکڑے مرے کرتے ہیں نگینوں کے کام

کرتا ہے حسن کی پندار سے اب تو جو ستم
کیا کبھی ہوتے ہیں اے شوخ حسینوں کے کام

روشن نقش قدم خاک میں ملتے ہیں سدا
تیرے کوچہ میں ہیں یہ خاک نشینوں کے کام

اے ظفر ایک بھی کام اس کا قرینہ سے نہ ہو
بے قرینہ کرے گر لاکھ قرینوں کے کام

ہیں نشے میں مست جو تری مے الفت کے ہم
عمر کرتے ہیں بسر کب ساتھ کیفیت کے ہم

آ گئی صورت نظر کس عالم تصویر کی
صورت تصویر جو عالم میں ہیں حیرت کے ہم

قتل کرتی ہیں مجھے اس کی رسیلی آنکھیں — رہتی ہے خوں سے مری روز رنگیلی آنکھیں
شدت گریہ سے کس وقت جدائی میں تری — آستیں کو نہیں رکھتی میری گیلی آنکھیں
نوک جھوک ان کی چلی جائے ہے دل سے میرے — کتنی مژگان ہیں بلا تیری نکیلی آنکھیں
ڈورا کاجل کو جو ہے وہ رسن گردن دل — کیا تماشا ہو اگر چھوڑ دیں ڈھیلی آنکھیں
کھل گئیں جلوہ رخسار تیرا دیکھتے ہیں — مہر و مہ کی بھی سر گنبد نیلی آنکھیں
نہیں ان کافروں سے نیم نگہ کی بھی امید — مجھ سے رکھتے ہیں ترے ہیر بخیلی آنکھیں

دل کے لینے ہی کے سو ڈھب ہیں انہیں یاد ظفر
اس ستم گر کی قیامت ہیں ڈھیلی آنکھیں

آہ و فغاں یا نالے پیہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں — تم کو کیا تنہائی میں ہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں
وہ بے پروا ان کی بلا سے کوئی جیئے یا کوئی مرے — ظلم و ستم عشاق پہ ہر دم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں
چاک گریباں ٹکڑے داماں بال پریشاں خاک بسر — اپنا جنوں سے ہے یہ عالم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں
مجھ سے خفا کیوں میری خطا کیا ہے تو قصور دیدہ دل — مشورہ دونوں کر کے باہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں
کرتے ہیں بحر کو غرق خجل کرتے ہیں ابر کو شرم سے آب — اشک ترے اے دیدہ پرنم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں
کرتے کبھی ہیں جیب دریدہ کرتے کبھی ہیں نوحہ گری — گھر جو ہے تم بن خانہ ماتم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

ہم سے کسی کو کام ظفر کیا کر کے شق ہم اپنا جگر
بھرتے نمک ہیں یا ہم مرہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

دل کیوں نہ روشن اس کے ہو ورد درود میں — دیکھا خدا کے نور کو جس کے وجود میں

مطلع ثانی

مثل حباب دیکھ محیط وجود میں — اتنی ہوا نہ باندھ تو آ کر نمود میں
سوزش انہیں کے واسطے ہے جو ہیں اہل درد — کیوں آگ میں جلے جو نہ خوشبو مسود میں
سودائے عشق میں کبھی پائی نہ منفعت — کیا کیا ضرر اٹھائے تمنائے سود میں
بھڑکے ہے سوز عشق سے ہر استخوان تن — دل جل رہا ہے آتش ذات الوقود میں
مستی ہماری کم نہیں طاعت سے زاہدا — رہتے ہیں پائے خم یہ ہمیشہ سجود میں
خالی نہیں ہے اس سے کوئی حد کوئی جہت — ہر چند وہ نہیں ہے جہات و حدود میں
گو بن گیا ہوں سوکھ کے کانٹا سا میں حقیر — لیکن کھٹکتا اب بھی ہوں چشم حسود میں وہ

وہ کھیل کھیل جس سے بنے کچھ وہاں کا کھیل
کیا فائدہ یہاں کے ظفر کھیل کود میں

چوسے لب میگوں دم خواب ایسے مزے میں
پی تھی نہ کبھی ہم نے شراب ایسے مزے میں

اس روئے کتابی کا ہے آنکھوں میں تصور
ہم دیکھتے ہیں دیکھو کتاب ایسے مزے میں

جو ہم نے مزا عشق کا پیری میں اٹھایا
گزرا نہیں حوروں کا شباب ایسے مزے میں

ساقی مری توبہ کے ٹھہرنے کے نہیں پاؤں
گر جھومتا ائے گا سحاب ایسے مزے میں

پروا ترے زخمی کو نہیں آب بقا کی
رکھتی ہے تری تیغ کی آب ایسے مزے میں

جیسا کہ دل سوختہ ہے اپنا مزے دار
رہتا ہے کہاں جل کے کباب ایسے مزے میں

پوچھوں ہ یہ تم بوسے لئے کتنے مزے سے
رہتا ہے کسے یاد حساب ایسے مزے میں

چھٹتا ہے مزا عشق کا ہم سے کوئی ناصح
آئے نہیں ہم خانہ خراب ایسے مزے میں

ہوتے ہی نشہ کیونکر نہ کھل جائے وہ ہم سے
رہتا ہے ظفر کوئی حجاب ایسے مزے میں

ڈھے گئے بن بن کے دنیا میں مکاں بھتوں کے ہیں
اے فلک تو نے مٹائے یاں نشاں بھتوں کے ہیں

حال دیوانوں کا اپنے پوچھ خار دشت سے
یعنی افسانے اسے نوک زباں بھتوں کے ہیں

ہر قدم پر تیری انداز خرام ناز نے
دل کئے پامال اے سرو رواں بھتوں کے ہیں

آشنائی کا بھروسا کیا تمہاری ہو مجھے
ہو چکے آپ آشنا اے مہرباں بھتوں کے ہیں

اس چمن میں میری برق نالہ پر سوز سے
جل گئے اے ہمصفیر و آشیاں بھتوں کے ہیں

محفل عشرت میں بھی سا قاتل سفاک کے
کٹ گئے سر ہنستے ہنستے شمع ساں بھتوں کے ہیں

عشق میں اس ماہ کے میں ہی نہیں اک دلفگار
چاک سینہ اے ظفر مثل کتاں بھتوں کے ہیں

رہے ہے غیر ہم سے ہم پیلہ آپ کے گھر میں
پلاتے شیر بکری کو ہو پانی ایک ساغر میں

لب شیریں پہ اس کے یوں ہے خال عنبریں جیسے
مگوں رہ جائے ہے گر کر قوام قند و شکر میں

جو ریگ شیشہ ساعت کو دیکھو تم یقین جانو
کدورت کی یہی حالت ہے طبائے مکدر میں

جگر کے آبلے جی میں ہجوم داغ دل لشکر
یہ سیدھا چاک سینہ ہے نشان اس غم کے لشکر میں

عرق کی بوند اس کے زیر ابرو دیکھ کر ہم نے
یہ جانا ہے کوئی قندیل بیت اللہ کے در میں

دکھائے اپنے چشم مست کی گردش اگر ساقی
تو آئے زاہد گوشہ نشیں کی عقل چکر میں

لگے سنبل میں کیونکر سوتیا کے غنچے حیراں ہوں
عرق کے دیکھ کر قطرے تری زلف معنبر میں

نہیں ہوتا ہے وہ آرام جاں جس رات ہم بستر
تو ہو جاتے ہیں میرے تار بستر خار بستر میں

بظاہر گو نہ مجھ پر گرم ہو وہ سنگدل لیکن
ظفر یہ جانتا ہوں میں نہاں ہے آگ پتھر میں

کفر سے ایماں ملا اس ملک ہستی میں ہمیں
حق پرستی ہاتھ آئی بت پرستی میں ہمیں

کر دیا ہی تھا کہ پندار نے ہم کو خراب
ہوش بار سے آ گیا جلدی سے مستی میں ہمیں

نیم غمزہ پر بھی گر سودا ہو دل کا وہ کہیں
نفع کچھ ہرگز نہیں اس جنس سستی میں ہمیں

اونچ نیچ اچھی جتائی خوب پھیکا چرخ نے
گر بلند پر ہمیں اور گاہ پستی میں ہمیں

ہر باراں میں سوا ہوتا ہے مے نوشی کا لطف
ساقیا دے جام مے بدلی برستی میں ہمیں

جوش وحشت کے ہمارا یاور ہی کچھ ڈھنگ ہیں
رہنے دے گا یہ جنگل میں نہ بستی میں ہمیں

ظاہر گو نہ مجھ پر گرم ہو وہ سنگدل لیکن
ظفر یہ جانتا ہوں میں نہاں سے آگ پتھر میں

کفر سے ایمان ملا اس ملک ہستی میں ہمیں
حق پرستی ہاتھ آئی بت پرستی میں ہمیں

کر دیا ہی تھا کہ پندار نے ہم کو خراب
ہوش بارے آ گیا جلدی سے مستی میں ہمیں

نیم غمزہ پر بھی گر سودا ہو دل کا وہ کہیں
نفع کچھ ہرگز نہیں اس جنس سستی میں

اونچ نیچ اچھی جتائی خوب پھیکا چرخ نے
گر بلند پر ہمیں اور گاہ پستی میں ہمیں

ہر باراں میں سوا ہوتا ہے مے نوشی کا لطف
ساقیا دے جام مے بدلی برستی میں ہمیں

جوش وحشت کے ہمارے اور ہی کچھ ڈھنگ ہیں
رہنے دے گا یہ نہ جنگل میں نہ بستی میں ہمیں

اے ظفر جو کچھ کے ہم نے زبردستی میں کام
ان کے بدلے مل رہے ہیں زبردستی میں ہمیں

جاؤ تم کہیں ایسا تو ہو سکتا نہیں
اور نہ میں پہنچوں وہیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

چھیڑوں چھین زلف کو میں اور نئی تقصیر پر
ہو نہ وہ چیں بر جبیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

کیا ہوا گو حسن یوسف شہرہ آفاق ہے
تو ہے پر جیسا حسیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

نے عنایت نے نوازش کیونکہ اس کافر کو میں
دوں دل و ایمان و دیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

زلف کے حلقے میں بھی جیسا رخ روشن ترا
ماہ بھی ہالہ نشیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

جائے تو بالیں سے میرے اور نہ جائے تیرے ساتھ
میری یہ جان حزیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

میں ہوں ایسا چاہتا دل ہو نہ اس پر مبتلا
کیا کہوں پر ہم نشیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

سینہ کاوی یاں کرے کوئی نہ جب تک اے ظفر
ناسور ہو جائیں نگیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

وہ دن گئے زلف بت کافر میں آ پہنچے تو ہیں
شام کو شامت زدہ پر گھر میں آ پہنچے تو ہیں

کوئی دن میں دیکھنا لخت جگر میں آئیں گے
تیر غم اپنے دل مضطر میں آ پہنچے تو ہیں

جائیں گے تو جان کو بھی ساتھ ہی لے جائیں گے
پھر برنگ بوئے گل دم بھر میں آ پہنچے تو ہیں

تیری جانب جب کیا ہے ہم سبکدوشوں نے قصد
نام ان کے عشق کے دفتر میں آ پہنچے تو ہیں

ہوں گے سر دفتر کہاں میری طرح فرہاد و قیس
گرتے پڑتے کوچہ دلبر میں آ پہنچے تو ہیں

اضطراب دل کے ہاتھوں ہم ضعیف و ناتواں
میں نے جب چاہا وہ آئیں بر میں آ پہنچے تو ہیں

کیونکر ہوں قربان اس اپنے تصور کے نہ میں
دیکھئے کیا ہووے اس لشکر میں آ پہنچے تو ہیں

دل یہ کہتا ہے ہجوم رنج و غم کو خیر کچھ پروا نہیں پر واسطے جلنے کے ہم
اے ظفر بزم پری پیکر میں آ پہنچے تو ہیں

دیکھئے کیا بانکے نہیں شمشیر و خنجر اور ہیں
لیکن اس کی ابرو پر خم کے جوہر اور ہیں

مطلع ثانی

کرتے ہم مضمون سوز دل بیاں گر اور ہیں
آگ ہو جاتے ابھی اس کو وہ سن کر اور ہیں

جب چھری کرتا ہے وہ بیداد گر اوروں پہ تیز
لگتی مرچیں سی مرے زخم جگر میں اور ہیں

لگتے ہیں خنجر ترے جس وقت پہلو میں مرے
طائر جاں کے مرے لگجاتے شہپر اور ہیں

دیکھ فرہاد ستم سے تیرے ہم کرتے ہیں کیا
چپ ابھی بیٹھے ہیں محفل میں تا بہ محشر اور ہیں

دیکھتا ہے آج وہ ہم کو نگاہ قہر سے
یاالٰہی خیر ہو قاتل کے تیور اور ہیں

کوہ کو پانی نہ کر اے نالہ خارا گداز
مارنے سر سے ہمیں دو چار پتھر اور ہیں

خم کے خم خالی کئے ساقی سے لیکن اب تلک
ہم کئے جاتے طلب ساغر پہ ساغر اور ہیں

پیر و عشق جنوں کو کیا غرض ہے خضر سے
راہ ان کی اور ہے اور ان کے رہبر اور ہیں

اہل بخشش سے برابر ہوں کہاں سنجیدہ طبع
سرد موزوں ہے تو کیا نخل ثمر ور اور ہیں

جو ہے دل پر وہ ہیمصہ پر لاتے ہیں آئینہ دار
ہم نہیں ہیں وہ کہ دل میں اور منہ پر اور ہیں

خوبی جوہر سے پائے ہے ہر اک شیا امتیاز
لعل بھی پتھر ہی ہیں لیکن وہ پتھر اور ہیں

سوز غم سے جل کے خاکستر تو ہوں میں ہو چکا
ہے جو گرمی سے رہی شاید کچھ اخگر اور ہیں

شعلہ آہ و فغاں سے ہم سر چرخ کہن
دیکھئے ہر شب عیاں تابندہ اختر اور ہیں

ہم قناعت کو تری دولت سمجھتے ہیں ظفر
ڈھونڈتے تھے جو زر کو ہیں وہ طالب زر اور ہیں

ابھی زاہد نہیں آیا ہے میخواروں کے قابو میں
پچھتائیں گے مزا گر گیا یاروں کے قابو میں

منافعکو ہیجرا حضرت عشق اکی دولت
پھنسی ہے جنس دل جا کر خریداروں کے قابو میں

ابھی مر جائیں یاں تک زندگی سے تنگ ہیں لیکن
نہیں ہے موت اپنی تیری بیماروں کے قابو میں

وہ چشم مست آہو ہیں کہ تیرے سامنے ظالم
نہیں رہتے ہیں بالکل ہوش ہشیاروں کے قابو میں

نگاہ و ناز انداز و ادا سے دل بچے کیونکر
کہ یہ تو آ گیا بیچارہ ان چاروں کے قابو میں

کہیں ہیں مردم دیدہ مرے اشکوں سے رو رو کر
کہ اب تو آ پڑے ہم مردم آزاوں کے قابو میں

ظفر بچنا ہی رہیو دیکھ اہل صومعہ سے تو
خدا کے واسطے آنا نہ مکاروں کے قابو میں

نیند اس فکر میں یاں رات بھر آج آئی نہیں
کہ ہوا کیا جو وہاں کی خبر آج آئی نہیں

صبح منہ دیکھا تھا کس کا کہ رہا ہم کو یہ رنج
تیری صورت کی سی صورت نظر آج آئی نہیں

جوش گریہ سے ترے کل تو رواں تھا دریا
بوند اک اشک کی اے چشم تر اج آئی نہیں

کیا چمن سیک ہیں سب اڑ گئے گلہائے چمن
بس کے پھولوں میں جہاد سحر آج آئی نہیں

کل کہا کس نے تھا کل آئیں گے اور آئے آج
دل کو کل میرے جو اک لحظہ بھر آج آئی نہیں

کیونکر جانوں کہ مجھے یاد کیا تھا تو نے
کوئی ہچکی بھی تو اے عشوہ گر آج آئی نہیں

ہو گیا عشق میں ہے ضعف یہاں تک تم کو
اہ بھی لب پہ تمہاری ظفر آج آئی نہیں

دوست اپنے کچھ نہ کچھ آ کر خبر دیتے تو ہیں
وں کی باتوں سے ہمیں آگاہ کر دیتے تو ہیں

کیوں نہیں لیتے لب و دنداں کے بوسہ کے عوض
اشک و لخت دل کے ہم لعل و گوہر دیتے تو ہیں

ہم تو اے میرے ملاحت کھول دیتے ہیں کان
کان جو تکتے ہیں تیرے کان بھر دیتے تو ہیں

دیکھئے کیا پیش آتا ہے لکھا تقدیر کا
لکھ کے ہم نامہ تجھے اے نامہ بر دیتے تو ہیں

یاد رکھنا ایک دن بوسہ بھی لے ہی لیں گے ہم
آپ ہم کو گالیاں ہر بات پر دیتے تو ہیں

اے خدنگ یار کیوں سینہ سے نکلا جائے ہے
ہم ترے رہنے کو اپنے دل میں گھر دیتے تو ہیں

دیکھیں دیتا ہے ہمیں نخل محبت کیا ثمر
ہم اسے اشکوں سے پانی چشم تر دیتے تو ہیں

تم جو کہتے ہو کہ تم کیا دو گے سر اپنا ہمیں
لیجئے حاضر ہے سر ہم اپنا سر دیتے تو ہیں

ہم کو ڈر ہے لے کے وہ دل جان کا خواہاں نہ ہو
آپاس بے مہر کو دل اے ظفر دیتے تو ہیں

جان عالم ہو کوئی کیوں کر جدا رکھے تمہیں
زندگی ہے اے بو تم سے خدا رکھے تمہیں

مطلع ثانی

خود نما ہو تم کوئی پردے میں کیا رکھے تمہیں
وہ رکھے در پردہ جو دل میں چھپا رکھے تمہیں

حضرت دل کیا کروں میں خود ہے الٹی آپ کی
تم اسی سے رہتی ہو خوش جو خفا رکھے تمہیں

ناصحو جانو مرا تم حال گرچہ زلف یار
ایک دو دن بھی گرفتار بلا رکھے تمہیں

درد اٹھے اس طرح سے دل میں پھر کیوں دمبدم
اپنے پہلو میں اگر عاشق بٹھا رکھے تمہیں

تم تو ہو عیار لیکن وہ بڑا عیار ہے
اس بگڑنے پہ جو یار اپنا بنا رکھے تمہیں

نکلے دم جب تک کے میرا آہ بالیں پر مرے
کوئی ایسا ہو کہ باتوں میں لگا رکھے تمہیں

خط تو میں لکھتا ہوں لیکن یہ مجھے رہتا ہے ڈر
کوئی دشمن کچھ نہ پہلے سے پڑھا رکھے تمہیں

اس کے حسن حیرت افزا کو جو دیکھے اے ظفر
عمر بھر آئینہ ساں و چشم وا رکھے تمہیں

کیا کہیں ان سے جنوں میں ہم نے کیا دیکھا نہیں
جو یہ کہتے ہیں سنا ہے پر خدا دیکھا نہیں

جس سے دیکھا ہے ترے ابرو کو ہم نے مہ جبیں
ماہ کو تو آسماں پر آنکھ اٹھا دیکھا نہیں

پہلے ہی سے حسن کا اپنے ہے تجھ کو اک غرور
آئینہ تو نے ابھی اے خود نما دیکھا نہیں

خوف ہے روز قیامت کا تجھے اس واسطے
تو نے اے زاہد کبھی دن ہجر کا دیکھا نہیں

وہ تماشا دیکھے گر دیکھے زلیخا تیری شکل
خواب میں بھی اس نے جو اے مہ لقا دیکھا نہیں

یوں تو ہیں سرو گل اندام او بھی اے رشک گل
تجھ سا پر رنگیں ادا گلگوں قبا دیکھا نہیں

تو جو کرتا ہے ملامت دیکھ کر میرا یہ حال
کیا کروں میں تو نے اس کو ناصحا دیکھا نہیں

ہم نہیں واقف کہاں مسجد کدھر ہے بتکدہ
ہم نے اس گھر کے سوا گھر دوسرا دیکھا نہیں

چشم پوشی دیدہ و دانستہ کی ہے اے ظفر
ورنہ اس نے اپنے در پر کیا تمہیں دیکھا نہیں

ہم نے اوصاف مژہ لکھے تھے جتنے خط میں
واں سے آئے کئی کانٹے کسی بن کے خط

جتنے ہم کھائیں گے گل روز یہاں اتنے ہی پھول لالہ کے تمہیں بھیجیں گے گن کے خط میں

اس پری کی خبر انساں تو نہیں لکھ سکتا حال معلوم ہوا اس کا کسی جن کے خط میں

رقعہ بھی برا وہاں تک نہیں پہنچا سکتے بھیجوں خط اپنا الٰہی انہیں کن کے خط میں

ہم نے ہر سن میں لکھے خط غلائی لیکن ہو گی لغزش نہ ہمارے کسی سن کے خط میں

رات دن آتے ہیں خط واں سے مگر وصل کا حرف نہ کہیں رات کے خط میں ہے نہ دن کے خط میں

یہ جو دو چار ظفر ان کے ہیں اخبار نویس
تم بھی خط لکھ کے روانہ کرو ان کے خط میں

ہم نہیں وہ جو کریں دل سے فراموش تمہیں جانتے اپنا ہیں اے جان دم و ہوش تمہیں

مطلع ثانی

چشم مست اپنی جو دکھلائے وہ مے نوش تمہیں زاہد و ہوش وخرد کا نہ رہے ہوش تمہیں

کر چکے آہ و فغاں ضبط تم اے حضرت دل دمبدم گر ہے محبت کا بھی ہوش تمہیں

شب فرقت میں بھی رہتے ہو بغل میں میرے دیکھتا ہوں اپنے تصور سے ہم آغوش تمہیں

آنکھیں سرمہ سے ہیں آلودہ تری پوچھ ان سے کس کے ماتم نے کیا ہے یہ سیہ پوش تمہیں

واعظو صبح قیامت کا جو تم لاتے ہو ذکر اس نے دکھلایا نہیں اپنا بنا گوش تمہیں

کون ایسا ہے جو زلف کو دھو دھو کے بچے مجھ سا ملنے کا نہیں کوئی بلا نوش تمہیں

شمع ساں گو کہ سراپا ہو زباں تم لیکن
دیکھتا ہوں ظفر اس بزم میں خاموش تمہیں

جگر اور دل جو زخمی ہیں مری جاں دونوں کے دونوں ہیں
خدنگ ناز غمزے کے نشاں دونوں کے دونوں ہیں

جہاں میں رنج و راحت کے ہو رہنے کا ٹھکانا کیا
وہ دل ہی ہے سما جاتے جہاں دونوں کے دونوں ہیں

مرے سینہ و پہلو میں ہیں دو تیر کے روزن
ادھر سے گھر کے یہ تو ناوداں دونوں کے دونوں ہیں

ہوئے ہیں اشک خوں سے جیب و دامن اس قدر رنگیں
مرے نزدیک یہ باغ جناں دونوں کے دونوں ہیں

ترے ابرو ہیں وہ کج خلق مانگو اک اگر بوسہ
ابھی رخ پھیر لے مثل کماں دونوں کے دونوں ہیں

امید وصل دل میں چشم ہے بہت شوق نظارہ
بہت دن سے تصرف میں مکاں دونوں کے دونوں ہیں

تمنائے زیارت میں تری یہ دیدہ گریاں
ترے پاس آئے کیونکر آسماں دونوں کے دونوں ہیں

تصور اور تخیل میں خبر دار اے ظفر اپنی
خبر دیتے تھے تو واں کے یہاں دونوں کے دونوں ہیں

تو جو آتا ہی نہیں راحت جاں دو دو دن
تو ہمیں دو دو برس ہوتے ہیں ہاں دو دو دن

رونا اک پل بھی مرا کرتا ہے طوفاں برپا
اب تو اشک آنکھوں سے رہتے ہیں رواں دو دو دن

آگے تم آتے تھے اک دن میں یہاں دو دو بار
اب بتاؤ ہمیں رہتے ہو کہاں دو دو دن

ہاتھ رخسار تلے دھر کے نہ سویا کیجئے
رہتے عارض پہ ہیں چھلوں کے نشاں دو دو دن

تم تو اک دن کو بھی جاتے تھے نہ گھر سے اپنے
خالی اب کس لئے رہتا ہے مکاں دو دو دن

دو گھڑی کے لئے کس واسطے یاں آتے ہو
وہیں تم جاؤ کہ رہتے ہو جہاں دو دو دن

ایک دن بھی جو ذرا ان کو خفا دیکھتے ہیں
اے ظفر رہتا ہے ہم کو خفقاں دو دو دن

جو تم کو اس برائی پر بھی ہم اچھا سمجھتے ہیں
خدا جانے کہ یہ بدکیش ہم کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیشہ رنج و غم درد والم پاس اپنے رہتے ہیں
ہمیں کنج حزن میں آپ کیا تنہا سمجھتے ہیں

ہم اپنا خون دل پیتے ہیں مثل بادہ گلگوں
اور اپنی چشم و دل کو ساغر و مینا سمجھتے ہیں

نہیں آتا سمجھ میں لوگ سمجھاتے ہیں کیا ان کو
کہ سمجھائے کسی کے کب ترے شیدا سمجھتے ہیں

نہ وہ خورشید کو نسبت ہمارے داغ سوزاں سے
کہ اس کو اس کا ہم اترا ہوا چھالا سمجھتے ہیں

تری باتیں تری گھاتیں سمجھ میں کس کے آتی ہیں
نہیں تو کچھ ہمیں اے شوخ بے پروا سمجھتے ہیں

دل پر خوں ملیں میرا نہ کیونکر اپنے تلووں سے
کہ خون دل کو میرے وہ حنا بے پا سمجھتے ہیں

الٰہی حضرت دل کی سمجھ کیوں ہو گئی الٹی
کہ اس نا آشنا کو آشنا اپنا سمجھتے ہیں

کبھی گر دیکھتے ہیں آئینہ حیران ہوتے ہیں
ظفر وہ حسن میں جو آپ کو یکتا سمجھتے ہیں

لاغری سے یوں ترے اندوگیں کی ہڈیاں
ہیں عیاں جیسے کہ مجنوں حزیں کی ہڈیاں

گر ترا دلسوز سرگرم فغاں ہو جل اٹھیں
شمع ساں گرمی سے آہ آتشیں کی ہڈیاں

یہ حلاوت ہے محبت کی کہ سر سے پاؤں تک
ہے مزا سب میں ہما کھائے کہیں کی ہڈیاں

خاک کو بھی جسم سے حائل نہیں دریا و کوہ
یہ زمیں کی ہیں رگیں اور وہ زمیں کی ہڈیاں

جی میں ہے میرے لکھوں قاتل تری شرح کی قسم
ہوں قلم برش سے گر شمشیر کیں کی ہڈیاں

قابل نفرت ہے وہ یاں تک نہ ہو جس کو یقین
کھاتے کتے بھی نہیں اس بے یقیں کی ہڈیاں

آگے ان آنکھوں کے گر شوخی کرے تو اے ظفر
توڑ ڈالوں مار کر آہوئے چیں کی ہڈیاں

ہنسی میں رکھائی رکھائی کے قربان
تری واہ اس خوش ادائی کے قربان

مطلع ثانی

جو لالہ ہو دست حنائی کے قربان
تو ہو شاخ نازک کلائی کے قربان

دکھاتا ہے ہر رنگ میں جلوہ اپنا
میں اس شوخ کی خود نمائی کے قربان

کدورت بھری دل میں منہ پر صفائی
اس آئینہ رو کی صفائی کے قربان

کہوں رتبہ کیا تیرے در کے گدا کا
کہ شاہی ہو جس کی گدائی کے قربان

یہ اک دل تو کیا ہے اگر لال دل ہوں
تو کیجیے تری دلربائی کے قربان

وفا ہو جو تجھ میں تو کیا جانے کیا ہو
کہ دل ہے تری بے وفائی کے قربان

ترے شیوہ آشنائی کے صدقے
تری طرز نا آشنائی کے قربان

کیا صاف ہاتھ اس نے پہلے مجھی پر
ظفر اس کی تیغ آزمائی کے قربان

میں بنی آدم میں ہوں کوئی کہ قوم جن میں ہوں
کیا بتاؤں کن میں ہوں پر اکیلا ہوں جن میں ہوں

ناتواں برسوں کا تھا پر واہ ری آب و ہوا
میکدہ میں کیا توانا ہو گیا دو دن میں ہوں

تین تیرہ وہ ہوں جن کو سمجھتے ہو تم اپنا یار
تین میں نے ہوں نہ تیرہ میں کہو میں کن میں ہوں

جو مرے دل میں ہے وہ ہی منہ پہ ہے آئینہ دار
جیسا ظاہر میں صفا ہوں ایسا ہی باطن میں ہوں

یہ نہیں امکاں کہ مجھ کو وصل جاناں ہو نصیب
جان دیتا میں عبث اس امر ناممکن میں ہوں

عاشقوں کو اپنے تم دیتے ہو مژدہ وصل کا
کیوں نہ سن کر شاد و خرم ہوں کہ میں بھی ان میں ہوں

عشق کے باعث ظفر پیری میں بھی ہوں جواں
جیسا جب اس سن میں تھا ویسا ہی اب اس سن میں ہوں

میں بھلائی کہوں تو کس کی کہوں
اور برائی کہوں تو کس کی کہوں

کہتا اتنا کہوں کس کو
آشنائی کہوں تو کس کی کہوں

رند بے باک ہیں کہوں تو کسے
پارسائی کہوں تو کس کی کہوں

شیوہ راستی کہوں کس کا
کج ادائی کہوں تو کس کی کہوں

جبکہ ہو سب میں وہ ہی جلوہ نما
خود نمائی کہوں تو کس کی کہوں

وہ تو کہتا ہے باوفا ہوں میں
بیوفائی کہوں تو کس کی کہوں

روبرو روئے صاف کے اس کے
پھر صفائی کہوں تو کس کی کہوں

وہ تو ہر دم ہے میرے دم کے ساتھ
پھر جدائی کہوں تو کس کی کہوں

اے ظفر بخت نارسا کے لئے
نارسائی کہوں تو کس کی کہوں

چوری سے وہ بوسہ عارض زلف اٹھا کر کیوں کرلوں
مال وزر دی یوں تو چھپا کر سب کو دکھا کر کیوں کرلوں

میری طرف سب تاک رہے ہیں محفل میں ہیں جتنے حریف
ساقی تجھ سے ساغر مے میں آنکھ بچا کر کیوں کرلوں

کیا کیا مجھ پر ظلم کئے ہیں چرخ نے ہی یہ فکر مجھے
بدلہ اس سے لوں جو کئے ہیں قابو پا کر کیوں کرلوں

جب تک میرے زخموں پر چھڑکے نہ وہ قاتل خوب نمک
مہر ووفا کے اپنے مزے لوں زخم جو کھا کر کیوں کرلوں

مجھ سینہ کہہ و دم کشتن دم تو لے بیتاب ہے کیوں
دم میں زیر تیغ محبت سر کو جھکا کر کیوں کرلوں

میں کیوں دل دوں نرخ بڑھا کر یا دوں لے کر مال کا سوں
وہ کہے لوں میں مفت اسے یا مول گھٹا کر کیوں کرلوں

تیرا شوق پا بوسی مدت سے ظفر ہے مجنوں کو
لیکن ہے یہ شوخ قدم جو لوں میں جا کر کیوں کرلوں

دوستو جی کیوں کر اپنا اس کے جی میں ڈال دوں
جو عداوت دشمنوں کی دوستی میں ڈال دوں

بات وہ کرتے ہو تم جس میں پڑے رونا مجھے
کب تلک میں ٹال دوں کب تک ہنسی میں ڈال دوں

تو سن وحشت جدھر چاہے یہ لے جائے مجھے
ہاتھ میباگ اپنی میں بے طاقتی میں ڈال دوں

اے صبا کر رہبری اتنی کہ اب میں خاکسار
جا کے مشت خاک اپنی اس گلی میں ڈال دوں

اس کے چشم مست کو دعوی ہے گر ڈالوں نظر
زاہدان چلہ کش کو مے کشی میں ڈال دوں

ہونٹ چاٹے اپنے مجنوں گر ہو لذت آشنا
وہ نمک شور جنوں سے عاشقی میں ڈال دوں

عقل ڈالے ہے خرابی اب ہے دانائی یہی
اے ظفر میں آپ کو دیوانگی میں ڈال دوں

کہوں میں ایک بوسہ پہ قناعت کیونکر کر جاؤں
اوران کو پیالِ وہ عنایت کیونکر کر جاؤں

جدا مجھ سے ہو دل یہ نہ سمجھا کر وہ مدت سے
رفیقان کا ہوں ترک اس کی رفاقت کیونکر کر جاؤں

پلائے غیر تجھ کو مے پیوں میں خون دلا پنا
گوارا اس کو میں اے بے مروت کیونکر کر جاؤں

وہ بھاگیں لاکھ مجھ سے دور مجھ کو پاس ہے ان کا
کنارہ ان سے میں اب لذت کیونکر کر جاؤں

جو باعث اس مصیبت کے ہیں وہ سب پاس ہیں تیرے
ترے آگے بیان اپنی مصیبت کیونکر کر جاؤں

سفر دنیا سے کر جانا تو کچھ مشکل نہیں لیکن
بتا اے دل کہ طے میں راہ الفت کیونکر کر جاؤں

دل بیتاب کو تو تھام کر میں نے رکھا اپنے
مگر نالہ کو ضبط اے درد فرقت کیونکر کر جاؤں

مری صورت تو سب پہچانتے ہیں اس کے کوچے میں
اگر جاؤں مبدل اپنی صورت کیونکر کر جاؤں

ظفر تطور ہو جلوہ دکھانا جب اسے اپنا
نہ دیکھوں کس طرح میں اور غفلت کیونکر کر جاؤں

کدورت کھو کے گر ساری دل بے کینہ بن جاؤں
صفائے سینہ سے میں اپنے ایک آئینہ بن جاؤں

کرے مشق خدنگ ناز تو گر اے کمان ابرو
تو میں تو وہ مقابل کر کے اپنا سینہ بن جاؤں

برابر آشنائے نو کے بھی سمجھے نہ وہ مجھکو
اگر میں عمر کھو کر عاشق دیرینہ بن جاؤں

کہا یہ دار نے منصور سے گر قصد ہو تیرا
تو بام عشق کا تیرے لئے میں زینہ بن جاؤں

نہیں جائے تعجب اے ظفر گر عشق کی دولت
ہجوم داغ سے میں اپنے اک گنجینہ بن جاؤں

وہ بیٹھے بیٹھے یوں ہیں جو اداس بے جا ہوں
تو پھر بجا ہے مرے گر حواس بے جا ہوں

وہی کہوں گا جو ہو گا بجا سنو نہ سنو
نہیں وہ میں کہ مرے التماس بے جا ہوں

سب اپنی اپنی جگہ پر ہیں ہمنشیں تیرے
جو ایک ہوں تو ہمیں تیرے پاس بے جا ہوں

امید وصل کی ٹھہری ہے ناامیدی سے
اگرچہ رکھتے یہ ہم دل میں آس بے جا ہوں

بناؤ ہو تو بجا ہو نہیں تو کیا حاصل
بناؤ میں اگر اے خوش لباس بے جا ہوں

یہ خط میں حرف شکایت کا ان کے ہے عنواں
کہ ایک ہووے بجا تو پچاس بے جا ہوں

ظفر ہو قدرت حق میں کبھی نہ عقل کو دخل
تمام وہم و گمان و قیاس بے جا ہوں

تھا فضائے قدس میں اب قالب آدم میں ہوں
چھپ گیا مجھ سے وہ عالم اور ہی عالم میں ہوں

زیر گردوں سیہ پوش اے دل غفلت شعار
خوش نہ ہو تو یہ سمجھ میں عالم ماتم میں ہوں

دیکھنا معجز نمائی عشق کی میری کہ میں
رکھتا اک دریا حباب دیدہ پرنم میں ہوں

اس بلا سے دیکھئے کیونکر رہا ہو مجھے
میں اسیر اس کی کمند گیسوئے پرخم میں ہوں

نالہ نے کی طرح سے اپنی ہستی کا مجھے
کیا بھروسہ ہے کہ اک دم میں نہیں اک دم میں ہوں

کام ہے رونے سے مجھ کو رات بھر مانند شمع
خواہ بزم عیش میں ہوں خواہ بزم غم میں ہوں

کرتا ہوں جب چارہ زخم دل اپنا اے ظفر
میں ملاتا مشک و الماس و نمک مرہم میں ہوں

عالم صورت میں تو میں صورت آدم میں ہوں
عالم معنی میں لیکن اور ہی عالم میں ہوں

بعد میرے کون ہو گا ایسا غم کا غمگسار
غمزدہ غم ہو گا میرے غم میں اس غم میں ہوں

کیوں اٹھا کر آنکھ دیکھو سوئے سرد آب جو
رکھتا اس قد کا تصور دیدہ پرنم میں ہوں

باندھتا کیا کیا ہوا ہوں اپنی مانند حباب
آ گیا اس ہستی یک دم کے ایسے دم میں ہوں

مجھ سے کیوں الجھے ہے تو ناصح کہ میں الجھا ہوا
آگے ہی اس کے خیال گیسوئے پرخم میں ہوں

رہتا ہوں مثل گل خنداں گریباں چاک میں
یہ نہیں معلوم شادی میں ہوں یا ماتم میں ہوں

بڑھتے بڑھتے دل تلک پہنچا ظفر زخم جگر
اور میں اب تک تلاش نسخہ مرہم میں ہوں

میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں
تیرا بندہ ہوں اے خدا کچھ ہوں

جزو و کل کو نہیں سمجھتا میں
دل میں تھوڑا سا جانتا کچھ ہوں

تجھ سے الفت نباہتا ہوں میں
باوفا ہوں کہ بے وفا کچھ ہوں

جب سے نا آشنا ہوں میں سب سے
تب کہیں اس سے آشنا کچھ ہوں

نشۂ عشق لے اڑا ہے مجھے
اب مزے میں اڑا رہا کچھ ہوں

خواب میرا ہے عین بیداری
میں تو اس میں بھی دیکھتا کچھ ہوں

گرچہ کچھ بھی نہیں ہوں میں لیکن
اس پہ بھی کچھ نہ پوچھو کیا کچھ ہوں

سمجھے وہ اپنا خاکسار مجھے
خاک راہوں کہ خاک پا کچھ ہوں

چشم الطاف فخر دیں سے ہوں
اے ظفر کچھ سے ہو گیا کچھ ہوں

کان سے سنیں ہم بات چیت یوں کی دوں
پر کہیں نہ منہ سے ہم بات چیت یوں کی دوں

یوں کہیں کہ دوں لیکن ایک بات کہتے ہیں
کہتے ہم نہیں ہم دمبات چیت یوں کی دوں

ہم نے دل میں جب ٹھانی بات ان سے یوں کیجئے
دی انہوں نے دے کر دم بات چیت یوں کی دوں

ہوش میں جو ہم رہتے جا کے ان سے کیوں کہتے
دو ٹکایوں فسانہ غم بات چیت یوں کی دوں

ہوتے یوں وہ کیوں برہم گر نہ کان میں کہتے
اکی زلف خم در خم بات چیت یوں کی دوں

حال تو بیاں کرنا اس سے میرا جوں کا توں
کہہ نہ دیجو اے ہمدم بات چیت یوں کی دوں

کفر و دیں ظفر ایک سال جانتے ہیں محرم لوگ
کر رہے ہیں نامحرم بات چیت یوں کی دوں

تجھے آغوش میں اے سیم بر لوں کس طرح سے
ترے میں پیار سے بوسے اگر لوں کس طرح سے لوں

نہیں ہے طاقت جنبش مجھے تو ناتوانی سے
جو کروٹ بستر اندوہ پہ لوں کس طرح سے لوں

مرا بخت سیہ دیتا نہیں یہ دسترس مجھ کو
بلائیں زلف کی جو سر بسر لوں کسطرح سے لوں

وہ دل لے کر نہ دے تو کیا کروں اے ہمنشیں بتلا
ہمت لوں کہ اس سے چھین کر لوں کس طرح سے لوں

خبر اپنی بھی جب مجھ کو نہ ہو رنج و مصیبت میں
دل آفت زدہ کی میں خبر لوں کس طرح سے لوں

طریق وصل میں میں چھوڑ کر خضر تصور کو
اگر ساتھ اور اپنے راہبر لوں کس طرح سے لوں

وہ دلبر آفت جاں ہے دل اس کو دوں تو کیونکر دوں
اک آفت میں جو اپنی جان پر لوں کس طرح سے لوں

ہوا میں قتل لیکن تو نہ ہو بدنام ڈرتا ہوں
ترا جو نام اے بیداد گر لوں کس طرح سے لوں

ستاتا ہے مجھے یہ دل نکل کر میرے قابو سے
اگر میں اس سے بدلا اے ظفر لوں کس طرح سے لوں

کیا کروں شکوہ کہ الفت عشوہ گر اگلی نہیں
اگلی الفت تو گئی گزری نظر اگلی نہیں

پھر گئی اک بار ایسی باغ عالم کی ہوا
بولتے وہ بولیاں بھی جانور اگلی نہیں

ور ہی طرز دروش پہ لکھ کے بھیجا اس نے خط
وہ رہ و رسم کتابت نامہ بر اگلی نہیں

نالہ شب ہی کے کیا اگلے اثر کو روئیے
تجھ میں بھی تاثیر اے آہ سحر اگلی نہیں

دیکھتے ہیں روز ہم تیرے نئے ظلم و ستم
بھولتے تیری وفا پیارے مگر اگلی نہیں

ہو گیا معلوم انداز سخن ہی سے مجھے
وہ عنایت ان کی میرے حال پہ اگلی نہیں

گرچہ آیا وقت پیری جاچکا عہد شباب
پر وہ باتیں ہم سے چھٹتی اے ظفر اگلی نہیں

نصیب وصل جو اس یار مہ جبیں سے نہیں
اندھیرے گھر میں مرے روشنی کہیں سے نہیں

تو اس کی دید کی طاقت نظر میں پیدا کر
کہ پاس وہ نظر آئے گا دور بیں سے نہیں

برنگ نقش قدم خاک میں ہیں مل جاتے
پر اٹھتے کوچہ جاناں کی ہم زمیں سے ہیں

اگرچہ کیسا ہی ہو گا کڑی کمان کا تیر
وہ پیش جائے گا آہ دل حزیں سے نہیں

یہاں ہے آتش دوزخ بھی اک شرارہ برق
ترا مقابلہ اس آہ آتشیں سے نہیں

کیا ہے تو نے نیا کس کو ذبح اے سفاک
کہ چھوٹا جس کا یہ خوں تیری آستیں سے نہیں

ہمیشہ رہتے ہیں ان کی مصاحبت میں وہی
ظفر ملاتے ہیں جو ہاں سے ہاں نہیں سے نہیں

نقاب اس کی رخ پہ عتاب پر رنگیں
شفق کا پردہ سا ہے آفتاب پہ رنگیں

سرشک خون سے ہے مانند شاخ مرجاں دیکھ
ہر اک مژہ مری چشم پر آب پر رنگیں

اگر خضاب سے رنگیں کیا ہے ریش کو شیخ
تو کچھ مزاج بھی ہو اس خضاب پہ رنگیں

اگرچہ کچھ ترے نالے میں ہے اثر بلبل
گلوں کے خون سے لے کر شتاب پہ رنگیں

عبث ہے زشتی باطل پہ ظاہر آزمائی
ورق لگاتے ہیں بدخط کتاب پر رنگیں

لہو سے رہتی ہے پٹی ہمیشہ اے جراح
جراحت دل پر اضطراب پر رنگیں

ظفر جو اس لب رنگیں سے ہو جواب طلب
تو دے جواب وہ کیا کیا جواب پہ رنگیں

رکھے ہے خانہ دل ہفت کشور اک گوشہ میں
نہ بلکہ دو جہاں ہیں اس کے تو ہر ایک گوشہ میں

کیوں کیا جوش گریہ چشم طوفان زا کا میں اپنے
بھرے ہیں سینکڑوں جسکے سمندر ایک گوشہ میں

بغیر از تیرے میخانہ میں سب بیکار ہے ساقی
پڑے ہیں شیشہ اک گوشہ میں ساغر ایک گوشہ میں

ترے ابرو کو دعوی ہے کہ ماہ نو ہو گر سرکش
پکڑ لاؤں کماں کے میں مقرر ایک گوشہ میں

کرے محفل میں سرگوشی وہ کیا حلقہ بگوشوں سے
غنیمت ہے جو کچھ کہہ دیتا کر ایک گوشہ میں

پڑے ہیں تیرے کوچہ میں مثال نقش پا لاکھوں
کہے تو ہم بھی کر لیں اپنا بستر ایک گوشہ میں

ظفر میخانہ دنیا کی کیفیت وہ کیا جانے
پڑا زاہد تو ہے مسجد کے اندر ایک گوشہ میں

آیا خط مدعی وقت سے میرے ہاتھ میں
آ گیا یہ مدعا قسمت سے میرے ہاتھ میں

چاہتا ہوں صورت تسکین دل بیتاب کی
آئے تصویر ان کی کس صورت سے میرے ہاتھ میں

دل غنی کیونکر نہ ہو میرا کہ اکسیر آ گئی
خاک پائے یار کی دولت سے میرے ہاتھ میں

سینہ کوبی سے ہوا کیا جانے کیا سینہ کا حال
اب تلک اک درد ہے شدت سے میرے ہاتھ میں

یاد دلواتا ہے ساقی مجھ کو چشم مست یار
دیکھے جام بادہ کیفیت ہے میرے ہاتھ میں

طوق گردن کے کٹے ٹکڑے گریباں کی طرح
دیکھو تو کیا زور ہے وحشت سے میرے ہاتھ میں

نسخہ بیماری دل ہے یہ نامہ یار کا
آ گیا کیا جانے کس حکمت سے میرے ہاتھ میں

کیونکر دامن گیر ہوں اس قاتل سفاک کا
ہو رہا رعشہ سے ہے ہیبت سے میرے ہاتھ میں

دے گئے تھے وہ نشانی مجھ کو اپنے ہاتھ سے
یہ جو چھلا ہے ظفر مدت سے میرے ہاتھ میں

دولت عشق ہو گر پاس تو زر کچھ بھی نہیں
کہ زر نقد بہاز داغ جگر کچھ بھی نہیں

بے خبر ہم ہیں محبت میں تمہاری سب سے
کیا خبر پوچھتے ہو ہم کو خبر کچھ بھی نہیں

غیر پر لطف و کرم ہم پہ نہ شفقت کی نگاہ
وانجو کچھ ہے ادھر ہی ہے ادھر کچھ بھی نہیں

جو ہے کام اسی میں مضرت ہی مضرت ہے تمام
ایک سودائے محبت میں ضرر کچھ بھی نہیں

ایک دن وہ تھا کہ تھی آہ میں کیا کیا تاثیر
ایک دن یہ ہے نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں

گرچہ بے پردہ ہے وہ پہ ہیں ہزاروں پردے
کام کرتی مری غفلت میں اثر کچھ بھی نہیں

واہ ری عقل کہ مرتے ہیں یہ شاعر کن پہ
جن حسینوں کے دہن اور کمر کچھ بھی نہیں

اس پہ بھی کتنا ہوں سرگرم شرارہ دیکھو
گرچہ ہستی مری مانند شرر کچھ بھی نہیں

جب تلک چشم ہے وا آتا نظر ہے سب کچھ
ہو گئی بند جہاں آنکھ ظفر کچھ بھی نہیں

یوں بہم پیوستہ بدخو یار دو رہتے نہیں
اک میاں میں جس طرح ہتھیار دو رہتے نہیں

آنکھ کس کس کی بچاؤں کونسی شب ہے کہ واں
در پہ درباں چار چوکیدار دو رہتے نہیں

اس لئے مجنوں کو موت آئی کہ پیدا ہم ہوئے
ملک وحشت میں بہم سردار دو رہتے نہیں

دونوں ان آنکھوں کے دیکھو میرے دل میں گھر کیا
ایک گھر میں سنتے تھے بیمار دو رہتے نہیں

تیرے مجنوں کے گریبان میں بجز اک تار اشک
پیچھ وحشت سے ثابت تار دو رہتے نہیں

چشم میں دو قطرہ انسو کے نہ ٹھہرے ورنہ کیا
ایک ڈبیہ میں در شہوار دو رہتے نہیں

کنج تنہائی میں کس دم پاس اپنے اے ظفر
رنج و غم یہ مونس و غمخوار دو رہتے نہیں

جو سر سے تا قدم اس میرے مہ جبیں کو تکیں
کبھی فلک کو تکیں اور کبھی زمیں کو تکیں

غرور حسن ہے یاں تک انھیں کہ کیا امکان
اٹھا کے آنکھ کبھی وہ مہ جبیں کو تکیں

ترے ہیں ناز و ادا بھی عجیب طرح کے دزد
تکیں نہ مال و دولت دل حزیں کو تکیں

جو تیرے تا کہنے والے ہیں تجھ کو تاکے ہیں
نہ وہ پری کو تکیں اور نہ حورعیں کو تکیں

نصیب ہو نہ ان آنکھوں کو نور بینائی
ترے سوا جو کسی اور مہ جبیں کو تکیں

تکیں ان ہمراہ اجل کی وہ خوں گرفتہ کبھی
جو تیرے ناوک بیداد تیغ کیں کو تکیں

پھر آفتاب کو دیکھیں نہ آفتاب پرست
ظفر جو یار کے رخسار آتشیں کو تکیں

بن جاتا ڈھب ہمارا اگر کل میں آج میں
ہم لے ہی آتے ان کو ادھر کل میں آج میں

کل تھی نگاہ اور تری آج اور ہے
ہے کچھ پھری ہوئی سی نظر کل میں آج میں

دو دن کے جوش گریہ سے تو نے ہزار ہا
طوفان اٹھائے دیدہ تر کل میں آج میں

کل سے رقیب گھر میں جو اس کے ہے آج تک
دن میں کہیں گیا ہو نہ گھر کل میں آج میں

تھا کل تو وعدہ آج کا کہتے ہو آج کل
جائے گی یونہی عمر گزر کل میں آج میں

کل اشک گرم چشم میں تھے آج ہیں شرر
کتنا بڑھا ہے سوز جگر کل میں آج میں

نے کل تھا دل کو چین نہ ہے جی کو آج کل
کچھ ہو تو کیجیے فرق ظفر کل میں آج میں

بعد دو دن کے اگر دیکھو اسے تیسرے دن
جانو مہ ہو کے یہاں آیا نظر تیسرے دن

بوسہ لب ترا لیتے ہی مجھے ہو گی شفا
یہ دوا وہ نہیں ہو جس کا اثر تیسرے دن

کیا بھروسہ نظر لطف کا ہے یہ دو دن
پھر نہیں دیکھنے کا بھی وہ ادھر تیسرے دن

نہ ہوئے ساتھ جنازے کے سوم میں آئے
سنکے عاشق کے وہ مرنے کی خبر تیسرے دن

گر زمانہ میں ترقی نہ ہو رفتہ رفتہ
کیوں ہلال اوج فلک پہ ہو قمر تیسرے دن

تپ غم جان کے ہے ساتھ نہیں یہ وہ بخار
رہے دو روز چڑھا جائے اتر تیسرے دن

ہم رہے اس نگہ مست سے دو دن بیہوش
بارےکچھ تھوڑا سا ہوش آیا طرف تیسرے دن

کیوں قدر نہ آنسو کی ہو صاحب نظروں میں
نکلے نہ گہر ایسا ہزاروں کے گھروں میں

صیاد نے آزاد کیا مجھ کو قفس سے
طاقت نہ رہی اڑنے کی جب میرے پروں میں

ناز و نگاہ غمزہ سے دل اس کے حذر کر
آمان کہا دیکھ نہ جا فتنہ گروں میں

یہ مست مے عشق سے واقف نہیں زاہد
سمجھے ہے خبردار کو یہ بے خبروں میں

طے کرتے ہیں سب یاردہ منزل مقصود
بے طاقت اگر ہیں تو ہمیں ہم سفروں میں

پہنچائیں جو واں نالہ جاں سوز کو میرے
ہے اتنا دم و دود کہاں نالہ بروں میں

اس دور میں کرتے ہیں جو کچھ چرب زبانی
جلتے ہیں ظفر گھی کے چراغ ان کے گھروں میں

جتنے ان کی خدمت میں لوگ آنے جانے والے ہیں
ہیں بہکانے والے انہیں کب راہ پہ لانے والے ہیں

مطلع ثانی

میرے دل کی سوزش کو کب اشک بجھانے والے ہیں
بلکہ یہ تو اور زیادہ آگ لگانے والے ہیں

میں ان سے پس دیوار کیا شب نالہ تو اس نے سن کے کہا
لائے پھر تشریف وہی سوتوں کے جگانے والے ہیں

یاد کروگے ہم کو جب اٹھ جائیں گے ہم جب دنیا سے
ملتے کب تقدیر سے ایسے ناز اٹھانے والے ہیں

اپنا ہنسنا رونا ہے موقوف انہیں کی باتوں پر
وہ ہی ہنسانے والے ہیں ہم کو وہی رلانے والے ہیں

کس کا منہ ہے روبرو اس کے جا کر میرا حال کہے
جانتا ہوں میں خوب انہیں سب باتیں بنانے والے ہیں

سینہ سپر ہو تیغ نگاہ سے کون تیری اے عربدہ جو
آنکھ لڑانے والے تیرے جان لڑانے والے ہیں

بستر گل پہ خاک کروگے سب کو ہماری گرم بغل
آپ ہمیشہ انگاروں پہ ہم لوٹانے والے ہیں

دل کی کششیں کچھ ہے اثر تو کھینچ بلاؤ ان کو ظفر
ورنہ تمہارے بلائے سے یوں کب وہ آنے والے ہیں

دشت جنوں کو جائیں گے ہم کل میں آج میں
لیں گے ہمارے تھام قدم کل میں آج میں

کرتے تھے یوں تو ظلم ہمیشہ پر آپ نے
کچھ کچھ کئے تھے تازہ ستم کل میں آج میں

ہستی کے قید خانے سے مجنوں ہے تیرا تنگ
چلتا ہے سوئے دشت عدم کل میں آج میں

معلوم ہے ہمیں بھی وہ جو کچھ عدو کے ساتھ
تم نے کئے ہیں قول و قسم کل میں آج میں

اس بت کی بیوفائی اگر ہے یہی تو ہم
ڈھونڈھیں گے کوئی اور صنم کل میں آج میں

جو کل تھا دل کا حال وہی آج بھی رہا
پایا کچھ اضطراب نہ کم کل میں آج میں

پڑھ قافیہ بدل کے ظفر اور بھی غزل
کچھ شعر کر لئے ہیں رقم کل میں آج میں

کرتا وہ بیچارہ کیا تدبیر سے چارہ نہیں
پر کرے کیا چارہ گر تقدیر سے چارہ نہیں

صورت تصویر میں حیراں ہوں حیرت کا مری
ہوتا کچھ اس عالم تصویر سے چارہ نہیں

زلف کے سودائیوں کو قید کرنا چاہیے
بہتر ان کے واسطے زنجیر سے چارہ نہیں

روز ہوتا جائے ہے وہ بت ہمیشہ سنگدل
ہوتا کچھ اس آہ بے تاثیر سے چارہ نہیں

کرتی ہے دلکو نشانہ ناوک مژگان یار
جز خدا کوئی قضا کے تیر سے چارہ نہیں

دے مریض عشق کو کوئی دوا کیا اور خاک
ہوتا اس بیمار کا اکسیر سے چارہ نہیں

تشنہ لب ہیں جو شہادت کے ظفر ان کے لئے
بہتر اس آب دم شمشیر سے چارہ نہیں

نہیں تار سرشک سرمہ آلود اس کی مژگاں میں
کمر باندھے یہ کالی پلٹن ایستادہ ہے میداں میں

ہلال اترا ہے شاید چاہ زمزم میں یہ سمجھے ہم
تمہارا دیکھ کر خال سیہ چاہ زنخداں میں

عرق سے ہے جو تیری آبروئے چین پیشانی
میاں وہ آب دیکھی ہی نہیں تیغ صفاہاں میں

سنہری دیکھ کر بندے بھووں میں ماہ وش تیری
یہ کہتے ہیں منجم آفتاب آیا ہے میزاں میں

کوئی دیوانہ آیا ساتھ لے کر لشکر وحشت
بگولوں نے جو ایستادہ کئے خیمہ بیاباں میں

ستاروں میں ہے خط کہکشاں یا دیکھ کر مجھ کو
رکھی ہے چرخ نے انگشت حیرت اپنے دنداں میں

کرے گا کیا رخ روشن سے اس کے نور کا دعوی
مہ ہالہ نشیں تو منہ تو ڈال اپنے گریباں میں

دلبر داغ کب ہے سینہ پر داغ میں مضطر
کرے ہے رقص طاؤس گلستاں یہ گلستاں میں

نہیں ہے کوئی شعر اس کا ظفر تشبیہ سے خالی
لکھی یہ کیا غزل تصویر تو نے اپنے دیواں میں

کیا دانت مصفا ہیں مرے یار کے منہ میں
دانے سے ہیں گویا دُرِ شہوار کے منہ میں

جلد آ کہیں اے رشکِ مسیحا کہ یہ ہے حال
پانی ہیں چواتے ترے بیمار کے منہ میں

کیا جانے پیا کس کا ہے خوں تیرنے تیرے
سرخی ہے کماندار جو سوفار کے منہ میں

حلقہ ہے بلا زلف کا اے پنچہ شانہ
دیجیو کہیں انگلی نہ سیہ مار کے منہ میں

پھرتا ہے عجب لطف سے مے جام میں ساقی
بھر آئے ہے پانی وہیں میخوار کے منہ میں

کیا دیکھا مرا حال کہ بالیں پہ ہے میرے
انگشتِ تحیر مرے غمخوار کے منہ میں

صیاد خبر لیجے کئی دن سے نہیں اڑ کر
دانہ بھی گیا مرغِ گرفتار کے منہ میں

اظہار کرے حال سب اپنا جو زباں سے
ظالم مرے زخمِ دلِ افگار کے منہ میں

منہ لگ نہ ظفر اس کے وہ کہہ بیٹھتا ہے صاف
جو آئے ہے اس آئینہ رخسار کے منہ میں

مریدِ قطبِ دیں ہوں خاکپائے فخرِ دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلامِ کمتریں ہوں میں

انہیں کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ مثلِ نگیں ہوں میں

نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ بتخانہ سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا ان کے آستانے پہ جبیں ہوں میں

رہوں میں عدم میکش پہ رہوں ان کی محبت میں
نہیں خواہش مجھے یہ صوفیِ خلوت نشیں ہوں میں

مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہیں ہوں میں

یہی عقدہ کشا میرے یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا ان کو اپنا حامیِ دنیا و دیں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

محرم کی دے ترے جو گرہ یار بند میں
دوں ٹھونک میخیں غیر کے میں چار بند میں

میں باغِ دلکشا میں بھی تجھ بن گرفتہ دل
ہوں اس طرح کہ جیسے گنہگار بند میں

جھگڑے سے کفر و دیں کے نہ نکلیں گے جب تلک
دونوں رہیں گے کافر و دیندار بند میں

پگڑی کو اپنے ہاتھ سے اے ہوشمند باندھ
تو کیوں بندھے یہ بندشِ دستار بند میں

سرو چمن کے ساتھ ہے اک سرکشی کی قید
آزاد بھی ہے باعثِ پندار بند میں

مجھ کو یقیں ہے بات مری بھول جائیں گے
دیں گے گرہ اگرچہ وہ سو بار بند میں

جس شرحِ غم سے سینکڑوں دفتر سیاہ ہوں
کیونکر ظفر سمائے وہ دو چار بند میں

نہ پوچھو اس مہ نامہربان کی باتیں
زمیں کی ہوں تو کہے آسمان کی باتیں

وہ بولتے نہیں کو اپنے باعث تمکین
پر انکو آتی ہیں سارے جہان کی باتیں

جو ایک ہو تو کہوں میں تو صبح سے تا شام
ہزاروں سنتا ہوں اس بدگمان کی باتیں

نہ کیجیے شکوہ مرا جا بجا کہ بہتر ہوں
اسی مکان پہ ہوں جس مکان کی باتیں

تری مژہ تری ابرو مجھے ہیں یاد آتے
جو کوئی کرتا ہے تیر و کمان کی باتیں

کیا ہو جس نے کہ بازار عشق میں سودا
اسی سے پوچھیے سود و زیاں کی باتیں

کہے ہے ضعف سے کچھ اس طرح نہیں آتیں
سمجھ میں اپنی تری ناتوان کی باتیں

نہیں ہے قتل ہی کرنے پہ امتحان وفا
کرو ابھی ہیں بہت امتحان کی باتیں

وہ گالیاں ہی سناتا ہے اے ظفر لیکن
مجھے خوش آتی ہیں اس بدزبان کی باتیں

نہ وہ زمیں کے نہ ہے آسماں کے پردے میں
مگر ہے جلوہ نما دو جہاں کے پردے میں

بدل رہا ہے وہ باغ جہاں میں کیا کیا رنگ
ہمیشہ دیکھو بہار و خزاں کے پردے میں

چھپے ہے پردے میں کب وہ مکین پردہ نشین
شگاف سینکڑوں ہیں ہر مکاں کے پردے میں

دوئی کا پردہ اٹھا دل سے اور آنکھ سے دیکھ
خدا کے نور کو حسن بتاں کے پردے میں

کسے ہے یاد سوا اس کے تاک جھانک ایسی
کہ چاہے پردہ دل سے وہ جھانکے پردے میں

کرے ہے چشم کے منظر میں رنگ رلیاں وہ
چھپا ہوا مژہ خوں چکاں کے پردے میں

ظفر رکھے اسے در پردہ دل میں کیا عاشق
چھپائے ماہ کو کیونکر کتاں کے پردے میں

گر کام تیرا وہم کے بھلاؤ پر نہیں
تیرے لئے اٹک کسی اٹکاؤ پر نہیں

جھٹکے ہے جب وہ ہاتھ تو کیا کیا ہمارا دل
جھٹکے اٹھاتا ہاتھ کے جھٹکاؤ پر نہیں

جوڑے سے دل کو باندھو نہ الجھاؤ زلف میں
مشکیں بلا سے کھینچ دو اٹکاؤ پر نہیں

دل سے بلائیں یوں تری ہاتھوں سے لوں نہ لوں
کچھ پیار انگلیوں ہی کے چھٹکاؤ پر نہیں

بھٹکائے ہے تو غیر کو کیا کیا کہ یاں نہ آئے
لیکن وہ رکتا اس ترے بھٹکاؤ پر نہیں

اے کوہکن نہ سر کو پٹک کوہ سے کہ عشق
رکھتا ہے شکوہ سر ہی پٹکاؤ پر نہیں

اڑنے کی دام سے نہیں ہم کو فراغت
صیاد ایک ہی بھی اٹکاؤ پر نہیں

کیونکر نکالے سوزن تار نیر دل سے پھانس
جب اطلاع ہی اسے کھٹکاؤ پر نہیں

مٹکائے آنکھ یا نہ وہ مٹکائے اے ظفر
موقوف آنکھ ہی کے تو مٹکاؤ پر نہیں

بوسہ بے مرضی ہم اے رشک قمر لیتے نہیں / کس لئے بستر پہ تم کروٹ ادھر لیتے نہیں
کیا کہیں حال اپنا تجھ سے اس قدر ہیں ناتواں / سانس بھی پہروں ترے خستہ جگر لیتے نہیں
تم ہوئے رشک مسیحا بھی اگر کیا فائدہ / اپنے بیمار الم کی تو خبر لیتے نہیں
دیکھے اس تو خط کو خط جس روز سے پائی سزا / خط کو میرے ہاتھ میں بھی نامہ بر لیتے ہیں
اپنے دانتوں کی صفائی تو دکھائے ہے جنہیں / کوڑیوں کے مول وہ سلک گہر لیتے نہیں
جان جو دیتے ہیں غمزے پر ترے وہ تو کبھی / سر پہ احسان اجل اے عشوہ گر لیتے نہیں

ہم سے بل کرتی ہے زلف یار لیکن اس پہ بھی
ہم بلائیں اس کی کس دن اے ظفر لیتے نہیں

واقف ہیں ہم کہ حضرت غم ایسے شخص ہیں / اور پھر ہم ان کے یار ہیں ہم ایسے شخص ہیں
دیوانے تیرے دشت میں رکھیں گے جب قدم / مجنوں بھی لے گا ان کے قدم ایسے شخص ہیں
جن پہ ہوں ایسے ظلم و ستم ہم نہیں وہ لوگ / ہوں روز بلکہ لطف و کرم ایسے شخص ہیں
یوں تو بہت ہیں اور بھی خوبان دل فریب / پر جیسے پر فن آپ ہیں کم ایسے شخص ہیں
کیا کیا جفاکشوں پہ ہیں ان دلبروں کے ظلم / ایسوں کے سہتے ایسے ستم ایسے شخص ہیں
دیں کیا ہے بلکہ دیجئے ایمان بھی انہیں / زاہد یہ بت خدا کی قسم ایسے شخص ہیں

آزردہ ہوں عدو کے جو کہنے پہ اے ظفر
نے ایسے شخص وہ ہیں نہ ہم ایسے شخص ہیں

جو تو کہتا ہے پردے میں وہ ہم طناز سنتے ہیں / میسر دیکھنا تیرا کہاں آواز سنتے ہیں
ترے کوچے میں چوری سے بھی میں تو آ نہیں سکتا / کہ کھٹکا پاؤں کا تیرے خلل انداز سنتے ہیں
دم آنکھوں میں ہے وہ آئے نہ آئے دیکھئے کیا ہو / کہ جس کے دم میں ہم آئے اسے دمساز سنتے ہیں
اے ہمراز شاید جان کر ہے تو سنا دیتا / جو تجھ سے کہتے ہیں وہ غیر سے ہم راز سنتے ہیں
دل مردہ ہمارا ہو اگر زندہ عجب کیا ہے / مسیحا کا سا ہم لب میں ترے اعجاز سنتے ہیں
یہی انعام شاید ناز برداری کا ہے اپنی / تری جو گالیاں ہم اے سراپا ناز سنتے ہیں
خوشی سے ایک ہو جاتی ہے ان کی عید قرباں کی / نوید قتل اپنی جب مرے جانباز سنتے ہیں
تسلیم کو کی جاتی ہے جس دم غیر کے منہ سے / شکایت ہم تری اے دلبر طناز سنتے ہیں

کنارے بیٹھ کر ان کو سنا تو مدعا اپنا
سر محفل ظفر کہتا ہے کیا غماز سنتے ہیں

مرے اور غیر کے کیا منہ سے جام مے لگاتے ہیں
وہ اک کاسہ میں پانی شیر بکری کو پلاتے ہیں

لگائی عشق نے وہ آگ دل میں بجھ نہیں سکتی
وفور اشک سے ہر چند ہم دریا بہاتے ہیں

دکھاتے ہیں دل پر داغ جب ہم چارہ سازوں کو
ہمارے داغ دل کیا کیا ہمیں آنکھیں دکھاتے ہیں

نہیں معلوم پھونکا کیا صبا نے کان میں گل کے
چمن میں جس سے غنچے چٹکے چٹکے مسکراتے ہیں

جگائیں بخت خوابیدہ کو گر میرے تو میں جانوں
کہ میرے نالہ دل خوب سوتوں کو جگاتے ہیں

نئی تلوار جس دم کوئی ان کے ہاتھ آتی ہے
تو پہلے اس کو وہ اس سخت جاں پر آزماتے ہیں

قطعہ

وہ ہم سے وعدہ کر جاتے ہیں اکثر شب کے آنے کا
مگر آتے نہیں ہرگز جا کر بھول جاتے ہیں

گزر جاتی ہے ساری رات کہتے کہتے یہ ہم کو
اب آتے ہیں لآتے ہیں اب آتے ہیں اب آتے ہیں

اگرچہ کھینچتے ہیں آپ کو وہ دور تر ان کو
کشش سے اپنے دل کی اے ظفر ہم کھینچ لاتے ہیں

وہ جو چلیں ہیں اتنی جلدی دیکھیں کدھر کو جاتے ہیں
ٹھہرتے ہیں رستے میں کہیں یا سیدھے گھر کو جاتے ہیں

جاتے تو ہیں کوچہ میں تیرے جو ہیں ترے سر باز وفا
لیکن رکھ کے ہتھیلی پر وہ اپنے سر کو جاتے ہیں

ہیں یہی قاصد میرے ہمیشہ اور یہی خط پرزا ہے
اشک رواں جو میرے لے کر لخت جگر کو جاتے ہیں

قصد کعبہ ان کو مبارک شوق جنہیں ہو کعبہ کا
اے بت کافر چھوڑ کے ہم کب تیرے در کو جاتے ہیں

کچھ تو عدم میں ہستی سے آسائش ان کو زیادہ ہے
پھر نہیں آتے پھر کے ادھر کو جو کہ ادھر کو جاتے ہیں

کوئی اگر مر جائے تڑپ کر ان کی بلا سے ان کو کیا
حال وہ کس کا پوچھتے ہیں اور کس کی خبر کو جاتے ہیں

کیا کہوں کیا بن جاتی ہے میرے جی پر ان کی جدائی سے
پاس سے میرے وہ جو کہیں اک لحظہ بھر کو جاتے ہیں

ہوتے ہیں تیری بزم میں خوش کب شمع صفت ہم سوختہ جان
جلتے شام کو آتے ہیں اور روتے سحر کو جاتے ہیں

جو ہیں ظفر پیدائش ان کی بے فکری میں گزرے ہے
آٹھ پہر اندیشہ ہی میں دانش ور کو جاتے ہیں

اسیر جن کے دل اس گیسوئے دوتا میں ہیں انہیں کے دل سے کوئی پوچھے کس بلا میں ہیں

مطلع ثانی

ہوا جو باندھتے اس قلزم فنا میں ہیں حباب وار وہ بے مغز کس ہوا میں ہیں
نہ ان کو چاہیے خنجر نہ چاہیے شمشیر وہ قتل کرتے ہیں ہزاروں کو اک ادا میں ہیں
ہمارے ان کے محبت کے کچھ نہ پوچھو ڈھنگ کہ ہم وفا میں ہیں سرگرم وہ جفا میں ہیں
جنوں کے ہاتھ سے دوچار تار بھی باقی نہ جیب میں نہ مرے دامن قبا میں ہیں
مزا ہے آج اگر ان سے ہاتھا پائی ہو لگا رہے وہ حنا اپنے دست و پا میں ہیں
ترے ہی کوچہ میں ہوں دفن تیرے کشتۂ ناز یہ تجھ سے چاہتے وہ اپنے خوں بہا میں ہیں
کریں گے پارہ کو کیا خاک یہ مہوس خاک کہ آپ کشتۂ تمنائے کیمیا میں ہیں

جو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں جنوں کو ظفر
بناتے بت کدہ وہ خانۂ خدا میں ہیں

فدا پروانہ ساں جاں اس پہ ہم جانباز کرتے ہیں اگرچہ پر نہیں پرشوق میں پرواز کرتے ہیں

مطلع ثانی

ستم ہم پر نہیں یہ دلبر طناز کرتے ہیں ستم کا ظاہرا پردہ ہے لیکن ناز کرتے ہیں
تمہارے گھر میں شب کو کس طرح ہم آئیں چوری سے کہ چوکیدار کھٹکا سنتے ہی آواز کرتے ہیں
جو کہتا تھا وہی کہتا رہا منصور سولی پہ کہ کہہ کر حرف حق انکار کب سرباز کرتے ہیں
ہم اس میں آپ ہوجاتے ہیں گم انداز سے باہر نظر میں جب کمر کا یار کی انداز کرتے ہیں
جو میرے درد دل کا چارہ ساز آتا بھی ہے کوئی تو سازش اس سے پہلے طالع ناساز کرتے ہیں
جو عالی ظرف ہیں جو مستِ صہبائے الفت میں نہ پردہ فاش کرتے ہیں نہ افشا راز کرتے ہیں
الٰہی خیر ہو کچھ آج کان ملاحت سے پھر آ کر دم بدم سرگوشیاں غماز کرتے ہیں

ظفر کیا کام ہے مستوں کو زاہد کے وظیفے سے
وہ اپنا ورد شعر حافظ شیراز کرتے ہیں

خط اس نو خط کو قاصد لکھ کے الفت آزماتے ہیں وہ کیا لکھتا ہے دیکھیں ہم بھی قسمت آزماتے ہیں

مطلع ثانی

جو سر بازوں پہ وہ تیغ محبت آزماتے ہیں
تو ہم بھی آج چل کر اپنی قسمت آزماتے ہیں

نہیں پائیں گے مضموں کمر کی اس کی باریکی
عبث باریک ہیں اپنی طبیعت آزماتے ہیں

دل وجاں دین و ایماں وہ ابھی دینے کو حاضر ہے
اگر عاشق کی اپنے آپ ہمت آزماتے ہیں

وہاں ہم جا کے دیکھیں کیونکہ رہتے ہو رفیق اپنے
تمہاری حضرت دل ہم رفاقت آزماتے ہیں

قیامت کر چکے برپا مرے سر پر محبت میں
اور اس پر بھی مجھے یہ سرو قامت آزماتے ہیں

مجھی سے سیکھ کر باتیں عدو کے دل دکھا لیں گے
مجھی پر آپ پھر وقت عداوت آزماتے ہیں

کہیں چھینٹوں میں ان کے دیکھ تو ٹھنڈا نہ ہو جائے
کہ یہ آنسو تجھے اے سوز فرقت آزماتے ہیں

ظفر یہ بار عشق اٹھے نہ اٹھے ہم ضعیفوں سے
مگر یکبار اپنی تاب و طاقت آزماتے ہیں

صنم جیسا کہ تو نام خدا ہے دلربائی میں
نہ ہو گا دلربا ایسا کوئی ساری خدائی میں

وہ ہیں آوارہ و سرگشتہ صحرائے جنوں میں ہم
خضر گم راہ ہوتا ہے جنوں کی رہنمائی میں

کہاں ہے آئینہ کو تاب اتنی اے پری پیکر
کہ وہ ہووے مقابل تیرے عارض سے صفائی میں

نہ ہوتے آشنا تیرے جو ہم کو یہ خبر ہوتی
کہ تو ہو جائے گا ناآشنا یوں آشنائی میں

میسر ہے ہمیں بوس و کنار اس کا تصور سے
مزے ہم وصل کے لے لیتے ہیں کیا اب جدائی میں

اسیران قفس نے دور اپنے بال و پر توڑے
ہوا حاصل ٹھہر کر یہ تمنائے رہائی میں

ظفر رنگ حنا میں کو نہاں ہے اسقدر شوخی
کسی کا خوں ملا اس نے مگر دست حنائی میں

گاہ بگاہ ادھر وہ جو گزر کرتے ہیں
خوب چھڑکاؤ مرے دیدہ تر کرتے ہیں

پھرتے ہیں خاک اڑاتے ہوئے مانند صبا
عمر ہم خاک بسر خاک بسر کرتے ہیں

کیوں نہ قرباں ہوں کماندار ترے تیروں کے
واہ کیا چھٹتے ہی دل میں مرے گھر کرتے ہیں

دیکھو اے غنچہ پہ اس باغ میں خنداں ہو کر گل
چلتے ہی گلشن ہستی سے سفر کرتے ہیں

دل پہ جو گزرے ہے ہو جائے ہے مجھ کو معلوم
قاصد اشک مرے آ کے خبر کرتے ہیں

جلتے ہیں کیونکر تیرے سوختہ جاں ہجر کی شب
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

اے ظفر ہم کو ادھر وہی نظر آتا ہے
ہم نظر اس کے تصور میں جدھر کرتے ہیں

ناصافیوں سے دل کے باصاف صافیوں ہیں
چھٹتی ہے ہم سے ان سے کیا برخلافیوں میں

کوچہ میں زلف کے تو رہنے دے میرے دل کو
اے شانہ مدتوں سے ہے یہ معافیوں میں

آتا ہے پیش دیکھیں کس طرح وہ ستم گر
ظلم و ستم کی اپنے ہم سے تلافیوں میں

وہ خوش غلاف تیغہ ہے قتل کو ہمارے
جو یار ہے تمہارے آنکھیں غلافیوں میں

مژگاں کے تیرے خنجر آتے ہیں کام اپنے
یا سینہ چاکیوں میں یا دل شگافیوں میں

وعدہ خلاف اب تو وعدہ کہیں وفا کر
اک عمر یونہی گزری وعدہ خلافیوں میں

کیا کیا سخنوروں کے پھر تنگ قافیے ہوں
لکھیں ظفر غزل وہ گر ایسے قافیوں میں

نگاہوں میں کھلی انکار کی تقریریں ہوتی ہیں
خلوں میں یک قلم اقرار کی تحریریں ہوتی ہیں

وہی ہوتا ہے جو ہونا ہے انساں کے مقدر میں
موافق دوستو تقدیر کے تدبیریں ہوتی ہیں

نہ ہو حیران اگر عالم میں ہر صورت علیحدہ ہے
مرقع میں ہزاروں رنگ کی تصویریں ہوتی ہیں

نہ ڈھونڈھو پائداری دیکھو دنیا کی عمارت میں
کہ بے بنیاد یاں کی غافلو تعمیریں ہوتی ہیں

ہوا کیا گر پھٹا گل کا جگر فریاد بلبل سے
کہ عاشق کی تو باتوں میں بڑی تاثیریں ہوتی ہیں

کہاں ہے دل میں گنجائش ترے تیغ دو ابر کی
میاں کب اک میاں میں دو ہم شمشیریں ہوتی ہیں

خدا جس کو بزرگی اے ظفر دیتا ہے عالم میں
تو ان کو خودبخود تعظیمیں ور توقیریں ہوتی ہیں

وہ نچلے بیٹھے بے چلبلے سے ہیں
کچھ چٹکیوں میں اپنی عجب چٹکلے سے ہیں

کیا گرمی نشاط ہے گلشن میں اے نسیم
بند قبا سے گل نظر آتے کھلے سے ہیں

مدت تلک کھنچے رہے ہر چند ور سے
ہم دیکھتے ہیں کچھ وہ ادھر کو ڈھلے سے ہیں

ہے موتیوں کے ڈھیر سے کیا کم ہجوم اشک
جانچے ہوئے نظر کے یہ پتھر تلے سے ہیں

دریائے اشک میں ہے مرے چرخ اک ہنوز
جتنے کہ ہیں ستارے وہ سب بلبلے سے ہیں

زنداں میں یہ جو نالہ زنجیر کا ہے غل
برپا کیے جنوں نے مرے غلغلے سے ہیں

دل عاشقوں کے ہیں شجر عشق کے ثمر
پر ان میں ہیں مزے کے وہی جو کھلے سے ہیں

شادی ہے کس کے آنے کی گلشن میں اے صبا
غنچے کے گال پھول کے جو گلگلے سے ہیں

نالے ہمارے بارش گریہ سے اے ظفر
بڑھ بڑھ کے اونچے ہو گئے باراں پلے سے ہیں

اکھڑے پارہ دل آ کے کب مژگاں پہ ہوتے ہیں
چمن میں عشق کے ہم پھول کانٹوں میں پروتے ہیں

ہمیشہ چاہتے ہیں چھیڑ اسکافر کی مژگاں سے
یہ کانٹے حضرت دل اپنے حق میں آپ بوتے ہیں

جدائی میں تری ہررات میری آہ و زاری سے
زمانہ جاگتا ہے اور میرے بخت سوتے ہیں

اگر دیتا ہے اپنی تیغکو واں آب وہ قاتل
تو جانباز محبت جان سے یاں ہاتھ دھوتے ہیں

جو تجھ سے آشنا ہیں وہ ترے چاہ زنخداں میں
نہیں دل کو ڈبوتے پر نصیب ان کو ڈبوتے ہیں

تمہارے محو صورت صورت تصویر حیراں میں
نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ ہنستے ہیں نہ روتے ہیں

وہ اپنی جنبش مژگاں دکھا کراے ظفر ہم کو
جگر میں اور دل میں سیکڑوں نشتر چبھوتے ہیں

رہیں گے سب ترے عاشق غم وحسرت میں جتنے ہیں
پھریں گے دن مصیبت کے یونہی قسمت میں جتنے ہیں

ہوئے گلہائے نرگس تجھ سے کیوں ہم چشم گلشن میں
کریں آنکھیں جھکائے سب وہ اس خجلت میں جتنے ہیں

پری رو دیکھنے والے ترے اس روئے زیبا کے
مثال آئینہ ہیں عالم حیرت میں جتنے ہیں

بتاؤں کون ہے ہشیار میخانہ میں دنیا کے
پڑے بے ہوش ہیں سب نشہ غفلت میں جتنے ہیں

جتائے کون میری دوستی اے بے وفا تجھ کو
مرے سب دشمن جاں ہیں تری صحبت میں جتنے ہیں

دکھاتے ہیں مجھے اے ماہ بے مہری سے سب آنکھیں
ستارے آسماں پر یہ شب فرقت میں جتنے ہیں

ہزاروں ہیں ترے عاشق نہ ہوگا پر کوئی اتنا
ہوئے رسوائے عالم ہم تری الفت میں جتنے ہیں

ظفر ہیں ایک مدت سے بھرے شکوے مرے دل میں
کروں گا میں کبھی ان سے بیاں خلوت میں جتنے ہیں

جگر پر زخم یوں پہلو میں زخم نو کے لگتے ہیں
کہ اک کی جائے نو اور نو برابر سو کے لگتے ہیں

لگی ہے جن کو لو بزم جہاں میں شمع رویوں کی
تو جلتے مثل پروانہ وہ ساتھ اس لو کے لگتے ہیں

لئے دو چار بوسے اس کے جب ہم نے کہا اس نے
دیئے جائے کہاں تک کوئی تم کو ہو کے لگتے ہیں

دکھائیں روشنی لاکھ اپنی مہر و ماہ عالم میں
مگر بے نور وہ آگے ترے پرتو کے لگتے ہیں

ترے کوچے میں جو آتا ہے وہ سر کے بل آتا
زمیں کو پاؤں اس رستہ میں کب رہرو کے لگتے ہیں

خیال آ جائے ہے اس مہ جبیں کے جبکہ ابرو کا
تو دل پر گھاؤ کیا خنجر سے ماہ نو کے لگتے ہیں

ظفر جو لوگ قانع ہیں شکم ان کا ہے بھر جاتا
اگر ہاتھ ان کے دانے ایک مٹھی جو کے لگتے ہیں

مجھے خط لال کاغذ پہ وہ کیا تحریر کرتے ہیں
ارادہ خون کا ہے میرے کیوں تاخیر کرتے ہیں

تصور سے جو ان کا کھینچ کر نقشہ دکھاتا ہوں
مصور کھینچنی موقوف ابھی تصویر کرتے ہیں

خفا تھے اس خطا پر کل کہ چھیڑی زلف مشکیں کیوں
وہ دیکھیں آج ثابت ہم پہ کیا تقصیر کرتے ہیں

اجل کھیلے ہے شاید عاشق سر باز کے سر پر
علم جو دم بدم آج اپنی وہ شمشیر کرتے ہیں

بچائے تیرے غمزوں سے خدا صید محبت کو
کہ یہ کافر ہمیشہ ذبح بے تکبیر کرتے ہیں

نہیں آئے گی ہرگز بات بھی اس شوخ کے آگے
یہ بیٹھے حضرت ناصح نہیں تقریر کرتے ہیں

خدا جانے اثر ہوتا نہیں کیوں دل میں اس بت کے
ظفر نالے مرے پتھر میں بھی تاثیر کرتے ہیں

کام جو کرتے ہیں بے ہودہ ظفر کرتے ہیں
ہرزہ گردی میں ہم اوقات بسر کرتے ہیں

شب غم ہوا شب عیش برابر ہے کہ ہم
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

بے خبر دل پہ جو گزرے ہے محبت میں تری
قاصد اشک مرے مجھ کو خبر کرتے ہیں

جب کہ وہ جنبش مژگاں ہیں دکھاتے اپنی
ایک پل میں دو جہاں زیر و زبر کرتے ہیں

کیا ہنسیں کھول کے دل غنچہ صفت وہ دلگیر
باغ ہستی سے جو جیتے ہی سفر کرتے ہیں

ٹکڑے کرتے ہیں جگر اپنے وہ غمخواروں کے
آہ جس وقت تیرے حصہ جگر کرتے ہیں

تیر مژگاں ترے سیکھے ہیں کچھ ایسی گھس پیٹھ
چھوٹتے ہی دل عشاق میں گھر کرتے ہیں

خاک اڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے کی طرح
عمر کیا خاک بسر خاک بسر کرتے ہیں

اے ظفر یہ ترے اشعار ہیں یا نالہ زار
کیا بلا ہیں جو کہ یوں دل میں اثر کرتے ہیں

مسی مالیدہ جو دنداں پہ نظر کرتے ہیں
ہم آئینہ میں وہ شام و سحر کرتے ہیں

رو دے کیوں تیغ پہ قاتل کے سرشک خون سے
سوت پہ خندہ مرے زخم جگر کرتے ہیں

دل مضطر نہیں اکسیر گروں میرا تا
کیا ہوا پارہ کو کشتہ وہ اگر کرتے ہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم خلد بریں سے گزرے
حور وش جو ترے کوچے سے گزر کرتے ہیں

جوش گریہ سے نہیں اشک اچھل کر گرتے
یہ گرہ باز کبوتر ہیں ہنر کرتے ہیں

روز و شب روئے مصفائے ترا پیش نظر
شغل آئینہ یہ ہم آٹھ پہر کرتے ہیں

سوزش دل کو ہیں کیا خاک بجھاتے میری
مجھ کو رسوائے جہاں دیدہ تر کرتے ہیں

آتش عشق سے اڑ جائیں سمندر کے حواس
یہ ہمیں ہیں جو اس آگ میں گھر کرتے ہیں

اس قدر ہم سے خفا ہیں کہ بجز خط غبار
وہ رقم خط بھی نہیں ہم کو ظفر کرتے

تیرے کوچے میں نہیں بے لاگ آئے تو ہم ہیں
لاگ پر دشمن کے بھاگا بھاگ آئے ہم تو ہیں

اس کے گیسو کہتے ہیں دل سے کہ تو اب بچ چکا
تیرے حق میں بن کے کالے ناگ آئے ہم تو ہیں

وادی مجنوں کی دیتے خاک اڑا پر اب تلک
تو سن وحشت کی کھینچے باگ آئے ہم تو ہیں

کاٹ کر ہجراں کی راتیں سوئے ہیں اے صور حشر
کیوں جگاتا ہے کہ برسوں جاگ آئے ہم تو ہیں

مطرب ایسا کچھ سنا جس سے کہ ہو دل کو کشود
ایک سن کر ہی ترا کھڑاگ آئے ہم تو ہیں

سوزش دل کو بجھائے گا تری کون آن کر
کہتے ہیں آنسو نکالے آگ آئے ہم تو ہیں

اے ظفر دیوانگی سے آئے ہیں جب ہوش میں
مثل دریا منہ میں بھر کر جھاگ آئے ہم تو ہیں

قابو میں اپنے تھوڑے سے وہ آ گئے تو ہیں
ان کا مزاج ہم بھی کچھا ب پا گئے تو ہیں

چتون کو خوب چاہ کی پہچانتے نہیں
پر دیکھنے سے مرے وہ شرما گئے تو ہیں

کوٹھے سے جو اتارتے ہیں اپنے وہ مجھے
کچھ اونچ نیچ غیر انہیں سمجھا گئے تو ہیں

کو مل گئے ہیں خاک میں اہل صفا مگر
جوہر مثال آئینہ دکھلا گئے تو ہیں

کھائیں گے اور کیا وہ میرے گھر میں آن کر
آنے کی میرے پاس قسم کھا گئے تو ہیں

میں نے کہا ہے جب خفقاں کا کچھ اپنے حال
ایک بار اس کو سن کے وہ گھبرا گئے تو ہیں

آتے ہیں کیونکہ حضرت دل پھر کے دیکھئے
کوچے میں زلف یار کے تنہا گئے تو ہیں

آئیں گے یا نہ آئیں گے یہ کس کو ہے خبر
لیکن یہاں وہ آنے کو فرما گئے تو ہیں

دنیا کا ہے مزا ظفر انجام کار زہر
میٹھا سمجھ کے لوگ اسے للچا گئے تو ہیں

مری آنکھوں سے مثل ابر جب آنسو ٹپکتے ہیں
تو ہنس کر برق آسا مجھ پہ وہ کیا کیا چمکتے ہیں

مطلع ثانی

چمن میں جب بہار آتی ہے اور غنچے چٹکتے ہیں
تو حسرت سے اسیران قفس کیا کیا پھڑکتے ہیں

مجھے سمجھاتے ہیں کیا ناصحوں کو کوئی سمجھائے
نہیں آتا سمجھ میں میری اتنا کیا وہ بکتے ہیں

مجال گفتگو ہم کو کہاں ہے اس پری رو سے
مگر آئینہ ساں حیران سے صورت کو تکتے ہیں

گیا منزل پہ سارا قافلہ اور راہ غربت میں
ہم آواز جرس کی طرح سے تنہا بھٹکتے ہیں

کرے ہے گرم جوشی غیر سے جسدم وہ آتش خو
تو میرے دل میں کیا کیا شعلہ حسرت بھڑکتے ہیں

ہمارے دوستوں کو دشمن اس در پہ میں دھکاتے
ابھی معلوم ہوتی ہے اگر ہم جا دھمکتے ہیں

اگرچہ عشق میں تیرے ہوئے ہم سوکھ کر کانٹا
نظر میں ناتواں بینوں کے پرائے گل کھٹکتے ہیں

سبب کچھ اس خموشی میں ہے اپنے اے ظفر ورنہ
زباں منہ میں ہماری بھی ہے ہم بھی بول سکتے ہیں

شب کو ہم پاس ان کے سرکٹ کے چلے جاتے تو ہیں
ان کے گھر والوں کو کچھ کھٹکے چلے جاتے تو ہیں

کوئی لٹکا یاد کیونکر زلف کی لٹ کو نہیں
خودبخود دل سیکڑوں لٹکے چلے جاتے تو ہیں

جائے گو سرپٹ سمند ناز تیرا شہسوار
ساتھ اس کے ہم بھی سر پٹکے چلے جاتے تو ہیں

کوچہ ہے قاتل کا وہ ایسا نہ ہو کو چین کٹیں
متصل ہم اس کی چوکھٹ کے چلے جاتے تو ہیں

کون کہتا ہے کہ میخواروں نے توبہ مے سے کی
اور گھر ان کے بھرے مٹکے چلے جاتے تو ہیں

حضرت دل زلف کے کوچے میں دست شانہ سے
کیا ہوا کھاتے ہیں گھر جھٹکے چلے جاتے تو ہیں

لگ رہے گا کچھ نہ کچھ لگا کسی دن اے ظفر
طور کچھ ان سے لگاوٹ کے چلے جاتے تو ہیں

یار کے سب قریب رہتے ہیں
دور ہم بے نصیب رہتے ہیں

نہیں ہوتا کسی سے میرا علاج
یہاں اتنے طبیب رہتے ہیں

فوج حسرت میں میرے نالہ و آہ
بس یہی وہ نقیب رہتے ہیں

دشت غربت میں رہتے ہیں جو لوگ
وہ ہمیں سے غریب رہتے ہیں

ہم کسی گل کے عشق میں نالاں
روش عندلیب رہتے ہیں

میرے ان کے معاملے باہم
کیا کہوں کچھ عجیب رہتے ہیں

ہوں وہ تنہا تو کچھ کہوں میں ظفر
ساتھ ان کے رقیب رہتے ہیں

نہ ہم کچھ ہنس کے سیکھے ہیں نہ ہم کچھ رو کے سیکھے ہیں
جو کچھ تھوڑا سا سیکھے ہیں کسی کے ہو کے سیکھے ہیں

کسی کو کیا اگر جی کھو کے سیکھے ہم فن الفت
نہیں سیکھے کسی کا کھو کے اپنا کھو کے سیکھے ہیں

نہ تھے آگاہ ہم اس کشت کاری سے محبت کی
زمین دل میں اپنے تخم الفت بو کے سیکھے ہیں

لیا ہے دیکے دھوکے دل انہوں نے ایک عالم کا
خدا جانے کہ دھبے کس سے وہ یہ سیکھے ہیں

کسی کو کاہے کو آتی ہے راہ و رسم جاں بازی
مگر ہم زندگی سے ہاتھ دھو کے سیکھے ہیں

سکھائی زلف نے ہیں ان کو طرزیں کج ادائی کی
وہ یہ انداز سب اس کافر خم رو کے سیکھے ہیں

ہمیں عشق و محبت نے سکھائی نالہ و زاری
ظفر دو کام یہ ہم فیض سے ان دو کے سیکھے ہیں

جب سے صحبت میں تمہاری یار بے ڈھنگے سے ہیں
ہو گئے سب آپ کے اطوار بے ڈھنگے سے ہیں

ہوتے ہیں معلوم ان باتوں سے ہم کو ڈھنگ اور
بولتے وہ جو دم گفتار بے ڈھنگے سے ہیں

اے مسیحا دم نہیں چھپے کا ان کے کوئی ڈھنگ
ہو گئے ایسے ترے بیمار بے ڈھنگے سے ہیں

روبرو ہونٹوں کے تیرے لعل ہیں بیرنگ سے
آگے ہونٹوں کے دُرشہوار بے ڈھنگے سے ہیں

زاہد مکار سے بہتر ہیں ان کے رنگ ڈھنگ
کیا ہوا ظاہر میں گر میخوار بے ڈھنگے سے ہیں

غمگساری کے مرے آتے ہیں ان کو خوب ڈھنگ
ورنہ جتنے ہیں مرے غمخوار بے ڈھنگے سے ہیں

سرو اور شمشاد کب ہے یہ رعنائی کا ڈھنگ
دونوں پیش قامت دلدار بے ڈھنگے سے ہیں

آشنا سب ہیں مگر سب کا نہیں ہے ایک ڈھنگ
دو اگر ہیں ڈھنگ سے تو چار بے ڈھنگے سے ہیں

اے ظفر تیرے سخن کا سا کسے آتا ہے ڈھنگ
سن چکے ہیں سب کے ہم اشعار بے ڈھنگے سے ہیں

آنکھ اس کے روزن در سے لگا بیٹھے تو ہیں
وہ نظر آویں نہ آویں جی جلا بیٹھے تو ہیں

دیکھئے اٹھتے ہیں مر مٹتے ہیں کیا کرتے ہیں ہم
جم کے اس کوچے میں مثل نقش پا بیٹھے تو ہیں

دور بھی ہم کو کھڑے ہونے نہ دیتا وہ کبھی
اے تصور تیری دولت پاس جا بیٹھے تو ہیں

دیکھئے کیونکر جمال یار کی آتی ہے تاب
ہم دوئی کا بیچ سے پردہ اٹھا بیٹھے تو ہیں

روضۂ رضواں کی کیا خواہش کریں اب حور وش
ہم ترے کوچے میں اپنا گھر بنا بیٹھے تو ہیں

دیکھئے کس دن اٹھائے وہ ستم سے اپنا ہاتھ
ہم اٹھائے اس لئے دست دعا بیٹھے تو ہیں

ہو نہ ہو تسکین درد دل مگر ہم مضطرب
بارہا اٹھے تو ہیں اور بارہا بیٹھے تو ہیں

دیکھنی صورت صنم کی دیکھئے کب ہو نصیب
ہم صنم خانہ کے در پر اے خدا بیٹھے تو ہیں

پوچھتے ہو تم ظفر کو یاں وہ آئے یا نہیں
بندہ پرور آپ نہیں کہتے ہیں کیا بیٹھے تو ہیں

وہ اپنے کوٹھے پہ ہر شام و صبح گر نہ چڑھیں
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی کہیں نگہ نہ چڑھیں

وہ میں ہوں محو خیال اس کے روئے تاباں کا
کہ جس کے دھیان پہ بھی آفتاب و مہ نہ چڑھیں

کریں گیا اور سوا ظلم ناتوانوں پر
الٰہی زور پہ خوبان کج کلہ نہ چڑھیں

شکست دل کی ہے منظور تیری آنکھوں کو
یہ کیوں لڑائی پہ مژگاں کے بے سپہ نہ چڑھیں

مزار ہوویں جہاں گل رخوں کے کشتوں کے
ہمیشہ پھول وہاں کیونکہ ہر جگہ نہ چڑھیں

ستم پسند ہے ایسا وہ خوش نہ ہو ظالم
جو روزدار پہ دو چار بے گنہ نہ چڑھیں

ظفر یہ کون کہے سوئے زلف مشکیں کو
کہ مشہ پہ یار کے اتنے یہ روسیہ نہ چڑھیں

جو پہلے تھے یار اپنے اب ان کو کہاں ڈھونڈیں
باقی ہے نشاں کس کا ہم کس کا نشاں ڈھونڈیں

جب دم کے ٹھہرنے کا دم بھر نہ ٹھکانا ہو
ناداں ہیں جو رہنے کا یاں اپنے مکاں ڈھونڈیں

سمجھیں یہ اگر غافل جوئندہ یابندہ
ہاتھ آئے وہی ان کے جس شے کو یہاں ڈھونڈیں

اس ابروئے پرخم سے تیغ ایک نہ ہاتھ آئے
پھر پھر کے میسر گر سارا صفاہاں ڈھونڈیں

گٹھری ہی گناہوں کی کیا کم ہے گرانباری
جو اور زیادہ ہم کچھ بار گراں ڈھونڈیں

جو ابرو و مژگاں سے دل صید کریں لاکھوں
وہ صید فگن ناحق کیوں تیر و کماں ڈھونڈیں

پیری میں ظفر بہتر ہے ہمدم دیرینہ
جو نوجواں ہوں وہ دلدار جواں ڈھونڈیں

تمہارے کچھ مریض غم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں
پڑے بستر پہ ہیں بے دم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

مثال آئینہ کیا جانے کس کی دیکھ کر صورت
ہوئے یہ محو حیرت ہم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

اٹھاتے ہم پہ ہیں طوفان کیا کیا آشنا اور ہم
پڑے ہیں چپ چشم نم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

ہم اپنی کہہ نہیں سکتے کسی کی سن نہیں سکتے
ہے اب سکتہ کا سا عالم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

وہ جب ملتے تھے مجھ سے کچھ مقرر کہتے سنتے تھے
پر اب تو ایسے ہیں برہم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

یہاں تو کہتے ہیں لائیں گے ہم کچھ اس کو کہہ سن کر
وہاں جا کر مرے ہمدم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

ظفر آنکھوں ہی آنکھوں میں ہیں باتیں ان سے ہو جاتیں
کبھی ظاہر میں کچھ باہم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

سوز غم سے آبلے داغ جگر کے بیچ میں
چار گل کی جائے ہے اک گل پپر کے بیچ میں

تار ہیں اشکوں کے میرے قطرہ ہائے خون دل
دانہ یاقوت ہیں سلک گہر کے بیچ میں

جب سے ہے تیرا خیال ناف اے دریائے حسن
ہے دل ناآشنا گویا بھنور کے بیچ میں

ہے جو اتنی روشنی کس کے رخ پرنور کا
عکس ہے آئینہ شمس و قمر کے بیچ میں

دیکھ تو گلہائے داغ عشق کی دل میں بہار
کیا چمن میں خوشنما یہ تیرے گھر کے بیچ میں

عشق ہے ان پاکبازوں کو جو اپنے یار سے
ہوتے ہم بستر ہیں شب تلوار دھر کے بیچ میں

ہو برا ان کا کہ جو ڈالیں برائی آن کر
سب سبب بے وجہ تیرا اور ظفر کے بیچ میں

کون واں جائے جہاں تفتہ جگر جلتے ہیں / اس جگہ تو ملک الموت کے پر جلتے ہیں
عین گریہ میں مرے سینہ و دل ہیں سوزاں / دیکھو اس شدت باراں میں یہ گھر جلتے ہیں
پھول لالے کہو ہیں داغ بدل گلشن میں / دیکھ کر اس گل عارض کو جگر جلتے ہیں
خاک کر دے کہیں اے عشق جلا کر جلدی / دیر سے ہم روش ہیزم تر جلتے ہیں
گرم نظارہ ہوں اس شعلہ رخسار پہ کیا / کہ وہاں بال و پر مرغ نظر جلتے ہیں
رات بھر گرچہ جلی شمع تو کیا خاک جلی / عاشق سوختہ جاں آٹھ پہر جلتے ہیں

داغ پہ داغ جو وہ دل پہ مرے دیکھتے ہیں
گھر میں کیا گھی کے چراغ ان کے ظفر جلتے ہیں

قمار عشق میں دیکھا جو کامل ہیں تو آپ ہی ہیں / کہ جاں پہ کھیلے آنحضرت دل ہیں تو آپ ہی ہیں
برنگ شمع تم کرتے ہو میری محفل افروزی / تمہیں سے روشنی ہے زیب محفل ہیں تو آپ ہی ہیں
کسی کی عقل پر کرتے نہیں یہ عشق بازی ہم / جو ناداں ہیں تو آپ ہی ہیں جو عاقل ہیں تو آپ ہی ہیں
جہاں میں اور بھی ہیں خوبرو سفاک و عاشق کش / مگر میرے کشندہ میرے قاتل ہیں تو آپ ہی ہیں
کسی کا دلجو لیتا ہے کوئی بیدل وہی کرتا / میرا دل لے کے رکھتے مجھ کو بے دل ہیں تو آپ ہی ہیں
کریں ہیں صید افگن ذبح پورا صید کو اپنے / مگر اک چھوڑ دیتے نیم بسمل ہیں تو آپ ہی ہیں
یہ دشت عشق کا طے حضرت دل کیونکر ہو تم سے / کہ اس منزل میں اپنے میر منزل ہیں تو آپ ہی ہیں
حجاب جلوہ دیدار جاناں ہے خودی اپنی / نہیں پردہ کوئی حائل جو حائل ہیں تو آپ ہی ہیں

زمین سہل میں تو ہیں کبھی کچھ شعر کہہ لیتے
ظفر لکھتے غزل جو ایسی مشکل ہیں تو آپ ہی ہیں

ردیف الواو

بھری دماغ میں کس زلف پر شکن کی بو / کہ خوش نہ آئی ہمیں نافہ ختن کی بو
لگایا ہم نے جو اس غیرت چمن کو گلے / بدن میں بس گئی نسرین و نسترن کی بو
چمن سے دور رہا اس قدر قفس میرا / کہ پہنچی اڑ کے نہ مجھ تک گل چمن کی بو
عرق فشاں کہیں گلشن میں تو ہوا شاید / ہر ایک گل سے جو آئی ترے بدن کی بو
ہوا ہے صورت دیوانہ گل گریباں چاک / چمن میں لائی صبا کس کے پیرہن کی بو
اثر سے عشق کے دامان کوہ میں ہر گل / عجب نہیں جو رکھے خون کوہ کن کی بو

چمن میں غنچہ جو اس گل کے سامنے ہے خوش
چھپا رہا ہے ظفر اپنے وہ دہن کی بو

جو دل میں ہو سو کہو تم نہ گفتگو سے ہٹو
رہو پر آنکھوں کے آگے نہ روبرو سے ہٹو

میں آپ پھیرتا ہوں اپنے حلق پر خنجر
چھری اٹھا لو تم اپنی مرے گلے سے ہٹو

وہ مثل کوہ گرانبار ہو تو تم حضرت عشق
کہ نے کسی سے ٹلو اور نے کسی سے ہٹو

شہید ناز کے ہر زخم سے ہے خوں جاری
تمہارا تر نہ ہو دامن کہیں لہو سے ہٹو

مراد عشق میں عاشق کی نامرادی ہے
اٹھاؤ حضرت دل ہاتھ آرزو سے ہٹو

جو پیش آئے وہ مستو کرم ہے ساقی کا
نہ پھیرو جام سے منہ اور نہ تم سبو سے ہٹو

ظفر یقیں ہے اگرچہ زمیں بھی ٹل جاوے
کبھی نہ عشق کے میداں میں تم عدو سے ہٹو

چشم میں اس کا تصور اے ظفر آنے تو دو
وہی نظروں میں رہے گا دھیان جم جانے تو دو

مطلع ثانی

پنجہ مژگاں سے میرے پاس ہیں شانے تو دو
پر مجھے تم دونوں زلفیں اپنی سلجھانے تو دو

قاصدان اشک کو روکو نہ اے آنکھوں ابھی
دیکھیں لاتے ہیں خبر کیا دل کی یہ لانے تو دو

دیکھ لینا ہو گیگو برپا قیامت سرد پر
جلوہ قامت چمن میں اسکو دکھلانے تو دو

میرے سمجھانے کو آئے حضرت ناصح ہیں آج
دیکھئے کیا مجھ کو سمجھاتے ہیں سمجھانے تو دو

ہیں بہت وحشت زدے پر ایک میں اور ایک قیس
ہو گئے ہیں شہرہ آفاق دیوانے تو دو

ہم دموں پھر شعلہ بازی دیکھنا اس آہ کی
عشق کو دل میں ہمارے آگ بھڑکانے تو دو

پوچھتے کیا ہو ابھی دل سے محبت کا مزا
زخم شمشیر ستم اس کو ابھی کھانے تو دو

دیکھو اس ناقدرداں کو دو نہ دل اپنا ظفر
قدر وہ دل کی تمہاری کچھ اگر جانے تو دو

لاشے کو مرے رکھ کے نہ دیوار میں چن دو
ہوں کشتہ قامت مجھے مینار میں چن دو

درکار ہوں یارو جو کسی کو گہر اشک
بکھرے ہیں پڑے کوچہ دلدار میں چن دو

دو تم دل عشاق کو جا چشم میں اپنی
ان شیشوں کو اس خانہ خمار میں چن دو

گل کھاؤں نہ کیوں رشک سے میں غیر کو
تم ہاتھ سے گل اپنے جو گلزار میں چن دو

ہیں چند حروف پارہ جو میخانہ میں مستور
زاہد نہیں گر باندھ لے دستار میں چن دو

عاشق ہیں بہت آپ کے لیکن کوئی مجھ سا
جب جانوں کہ تم ایک بھی دو چار میں چن دو

کرتا ہے ستاروں کو جو شرمندہ تو افشاں
ماتھے پہ ظفر اس کے شب تار میں چن دو

یارو سفر کا کچھ سرو سامان تو کرو
جانا کہاں ہے تم کو ذرا دھیان تو کرو

پھر دیکھنا کہ کتنے پریشاں ہوئے ہیں دل
تم اپنے رخ پہ زلف پریشان تو کرو

تم تو پری ہو حور ہو یہ تم نے کیا کہا
پیدا جہاں میں مجھ سا تم انسان تو کرو

توڑو نہ آئینہ کو جو دیکھے گر تمہارے منہ
لیکن تم اس کو خوب سا حیران تو کرو

ارمان کیا ہیں حضرت دل جی میں آپ کے
ہم سے بیان تم اپنے وہ ارمان تو کرو

زنداں میں کیا پڑے ہو کہے ہے مجھے جنوں
تم چند روز سیر بیابان تو کرو

پہچان لو گے یوں ہی اسے کیونکر غافلو
پیدا کچھ اس کی تم ابھی پہچان تو کرو

احساں کرو گے قتل کرو گے اگر مجھے
کہنا ہے آپ کو اگر احسان تو کرو

ایمان و دیں کو پیچھے سمجھ لینا اے ظفر
پہلے تم اس کے نذر دل و جان تو کرو

لائق ہے میرا کیا تقدیر میرے روبرو
ہے خجل کیا کیا مری تدبیر میرے روبرو

اور سودا ہو گا افزوں یاد آئے گی وہ زلف
لاؤ مت آہن گرو زنجیر میرے روبرو

میری آنکھوں سے تصور تیرا جاتا ہی نہیں
رہتی ہے ہر دم تری تصویر میرے روبرو

اے کمان ابرو تکرتا کیوں ہے تو نے تو ابھی
دل پہ مارا ہے نگہ کا تیر میرے روبرو

کاٹ کر رکھ دوں سر اپنا آپ مرضی ہے تری
تو نے رکھ دی لا کے جو شمشیر میرے روبرو

خاکساری کی بدولت خاک کی چٹکی سے کم
ہے مہوس تودہ اکسیر میرے روبرو

گر اثر دل میں نہ ہو اس کے تو پھر یہ چاہیے
دم نہ مارے آہ بے تاثیر میرے روبرو

بات بھی تم کو نہیں آنے کی اس کے سامنے
اشک‌میں کرتا ہے تو تقریر میرے روبرو

ہے ظفر جب سے مجھے اس روئے تو خط کا خیال
ایک قرآں ہے مع تفسیر میرے روبرو

کس کی ہے تصویر زلف اے وائے شامت روبرو
روز ہے روز سیاہ و شام غربت روبرو

ٹھوکروں ہی میں اڑائے وہ خرام ناز سے
اس کے قامت کے جو آ جائے قیامت روبرو

جو ہوا احوال ہے اپنی زباں سے میں کہوں
گر بلا بھیجیں مجھے وہ وقت فرصت روبرو

اپنی آنکھوں میں جگہ کیونکر تصور کو نہ دوں
رہتی ہے کس کی بدولت اس کی صورت روبرو

کس لب شیریں کا ہوں یارب شہید تشنہ کام
جو لئے حوریں کھڑی ہیں جام شربت روبرو

کرتے ہو غائب میں کیوں میرا گلہ تم غیر سے
جو تمہیں کرنی ہو کر لیجئے شکایت روبرو

تاب نظارہ کہاں ہے دیدہ پر آب کو
آ بھی جائے گرچہ وہ خورشید طلعت روبرو

جب سے دلاس آفت جاں کو دیا اے اشک‌میں
موت ہے سر پر کھڑی روز اور آفت روبرو

پیچھے سنتے ان سے کیا کیا اے ظفر کہتے ہیں وہ
کرتے ہیں جو آ کے اظہار محبت روبرو

ہو گئی تیرے ہجر میں ایسی رونے کی عادت آنکھوں کو
ایک گھڑی نہیں آٹھ پہر میں گریے سے فرصت آنکھوں کو

روئے عرق افشاں پہ ترے سیراب ہوا ایسا سبزہ خط
دیکھ کے جس کو دل کو ہو ٹھنڈک اور طراوت آنکھوں کو

کیوں وہ ناحق مجھ سے ہو برہم کیوں یہ بے جا مجھ سے لڑیں
گر نہ ہو سودا زلفوں کو تیری گر نہ ہو وحشت آنکھوں سے

دیکھا تو کیا دیکھا اس کو جب کہ صورت دیکھتے ہی
ہو گئی صورت آئینہ ایک ہی اپنی حیرت آنکھوں کو

کیا کیا جنبش مژگاں سے ہاتھ اپنے ہمیشہ ملتے ہیں
مدت سے دیدار کی تیرے ہے جو حسرت آنکھوں کو

گر یہی رونا روز کا ہے تو روتے روتے عاشق زار
رو بیٹھے گا ایک دن اپنی اے غم الفت آنکھوں کو

محو نظارہ ہو نہ ظفر تو اس کے روئے روشن کا
کرتی ہے خورشید پرستی دیکھ حضرت آنکھوں کو

جلایا آپ ہم نے ضبط کر کر آہ سوزاں کو
جگر کو سینہ کو پہلو کو دل کو جسم کو جاں کو

ہمیشہ کنج تنہائی میں مونس ہم سمجھتے ہیں
الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو

جگر کس کس دروں دل میں ترے ہاتھوں سے اے قاتل
کٹاری کو چھری کو بانک کو خنجر کو پیکاں کو

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو بستاں کو

نہیں قلقل دعا دیتا ہے شیشہ دم بدم ساقی
سبو کو خم کو مے کو میکدہ کو مے پرستاں کو

تجھے دل دے کے میں اے کافر بے مہر کھو بیٹھا
خرد کو ہوش کو طاقت کو جی کو دین و ایماں کو

بنایا اے ظفر خالق نے کب انسان سے بہتر
ملک کو دیو کو جن کو پری کو حور و غلماں کو

بن پڑھے خط نہ مرا تیوری پہ تم بل ڈالو
پہلے پڑھ لو اسے پھر پھاڑ کے مل مل ڈالو

جی دھڑکتا ہے نزاکت سے تمہاری دیکھو
اپنی تم گردن نازک میں نہ ہیکل ڈالو

صندلی اس کا عرق چیں ہی سونگھا دو مجھ کو
نہ دواؤں میں طبیبو مری صندل ڈالو

اپنی تم جنبش ابرو نہ دکھاؤ مجھ کو
کشور دل میں مرے دیکھو نہ ہلچل ڈالو

جس طرح غنچے کو مل ڈالتے ہو چٹکی میں
مجھ کو ڈر ہے کہ یونہی دل نہ کہیں مل ڈالو

کشتہ ناز کریں شور قیامت برپا
سایہ قامت اگر تم سر مقتل ڈالو

عشق کہتا ہے ہمیں کر لو فقیرانہ لباس
تم گلے میں کفنی دوش پہ کمبل ڈالو

گردن دیکھیں مرے طوق گرفتاری تم
نہ بجز حلقہ گیسوئے مسلسل ڈالو

کچھ ہی ہو جائے قدم پھر نہ ہٹے واں سے ظفر
پاؤں ہر کام میں تم سوچ کے بول ڈالو

سرمہ کی اپنی چشم میں تحریر کھینچ لو
میرے تو قتل کی بھی شمشیر کھینچ لو

گر مرغ دل کو دام میں ہو کھینچنا تمہیں
دکھلا کے اپنی زلف گرہ گیر کھینچلو

تم وہ نہیں کہ کھینچ لو ظلم و ستم سے ہات
جب تکمہ روح عاشق دلگیر کھینچ لو

تم اے مصور و مری صورت کو دیکھ لو
مجنوں کی کھینچتے ہو جو تصویر کھینچ لو

کھینچتے ہی تیر سینہ سے جائے گا دم نکل
ایسا نہ ہو کہ تم کہیں یہ تیر کھینچ لو

ہے صبح کوچ حضرت دل جب تلک ہے رات
دو چار اور نالہ شب گیر کھینچ لو

منظور کھینچنا ہے گر اپنی طرف مجھے
کیوں کھینچنے میں کرتے ہو تاخیر کھینچ لو

سب کھینچتے ہیں تمہاری طرف جسکو چاہو تم
گردن میں اس کی ڈال کے زنجیر کھینچ لو

مشتاق قصر خلد کے دکھلانے کو ظفر
تم اس کے گھر کا نقشہ تعمیر کھینچ لو

مرا وہ خوں نہیں جو خنجر قاتل سے دھو ڈالو
بس اب اے ہمدموں یہ بات اپنے دل سے دھو ڈالو

خطر ہے راز دل میرا کھلے یارو نہ محفل میں
مرا نکلے کے تم اس رونق محفل سے دھو ڈالو

جو ہووے ناقلو منظور دھبا داغ عصیاں کا
تو مل کر پاکبازوں میں کسی کامل سے دھو ڈالو

لگا کر کیوں حنا کرتے ہو رنگیں اپنے پنجوں کو
نگارا ہاتھ تم خون دل بسمل سے دھو ڈالو

غبار دامن دل دوستو دھویا نہیں جاتا
اگر ظاہر میں ہو آلودہ دامن گل سے دھو ڈالو

نہ کم ہو تو بھی یک ذرہ کبھی میری سیاہ بختی
سیاہی تم اگر بالفرض اپنے حل سے دھو ڈالو

نجات سے ظفر دنیا کی رہنا پاک بہتر ہے
بلا سے گرچہ دھوئی جائے یہ مشکل سے دھو ڈالو

دل و جاں دین وایماں ہے جو ہو لینا اے صنم لے لو
کروں گا عذر دینے میں نہ میں مجھ سے قسم لے لو

ہمارا منہ کہاں لیں بوسہ اس کا بے رضا مندی
کہیں جب تک نہ وہ منہ سے کہ ہاں راضی ہیں ہم لے لوں

تم آئے عین گرمی میں نکل کر دل سے اے اشکو
کوئی دم نخل مژگاں کے ذرا سایہ میں دم لیلو

بکی ہے حضرت دل عشق کے بازار میں سودا
اگر لیتے ہو اپنے واسطے تم مول غم لے لو

بھرے ہے کون کون الفت کا دم معلوم ہو جائے
میاں سے تم میاں جس وقت شمشیر ستم لے لو

روا نہ عشق نے کی ساتھ میرے نوجانشوں کی
اگر چلتے ہو تم بھی تا لہائے دل علم لے لو

اٹھائے جوش وحشت سے قدم مجنوں نے صحرا میں
کہو کانٹوں سے گر منظور لینے ہیں قدم لے لو

تمہیں ہے عاشق بے دل سے لینا دل کا کیا مشکل
کہ تم دل باز ہو جس وقت چاہو دے کے دم لے لو

نہیں ہے اعتبار ان کا وہ کہہ کر ہیں مکر جاتے
نوشتے ان کے ہاتھوں کے ظفر تم یک قلم لے لو

جاؤ اس بن اگر آرام نہیں تم جانو
حضرت دل ہمیں کچھ کام نہیں تم جانو

چڑھتے نظروں میں ہوں گے جائے کسی کی نہ نظر
بیٹھنا خوب لب بام نہیں تم جانو

طلب بوسہ پہ کہتے ہو دیں گے گالی
بات تو قابل دشنام نہیں تم جانو

دل تو موجود ہے کیا ہو جو سودا منظور
گرہ زلف میں گر دام نہیں تم جانو

قلقل کرتا ہے ترا ناز سے کہتا ساقی
کوئی پیتے ہو پیو جام نہیں تم جانو

ابتدا ہی میں ترے ڈھنگ جتاتے ہیں ہمیں
عشق کا جانتے انجام نہیں تم جانو

مے کشو جان جلا دے گی کہ ساقی کے بغیر
ہے یہ آتش مے گلفام نہیں تم جانو

قاصدوں کو نہ کرو منع نہ ہم کو بھیجو
مجھ سے ان سے خط و پیغام نہیں تم جانو

تم مسلماں ہو ظفر خوب نہیں عشق بتاں
اور اگر یہ ہے تو اسلام نہیں تم جانو

کہتا ہے کون سول سکاں مہ جبیں نہ لو
پر جب تلک نہ لو مرے گھر کے قریں نہ لو

سودا گلے پڑے کا نہیں دل ہیں بیچتے
خواہشاگر ہے تو تمہیں خواہش نہیں نہ لو

ڈر ہے یہی کہ حضرت دل تم ہو مضطرب
کروٹ پڑے پڑے کوئی زیر زمیں نہ لو

قاتل تمہارے نام کے ہے یہ تگین دل
افسوس ہے مجھے کہ تم اپنا نگیں نہ لو

ممکن نہیں کہ لو دل و جاں سول اے بتو
روکن میں جب تلک کہ تم ایمان و دیں نہ لو

اے قاصدو جو پوچھے وہ لائے ہو کس کا خط
مجھ کو خطر ہے نام مرا کہیں نہ لو

اس کے شمیم کاکل مشکیں کے سامنے
دے مفت بھی جو کوئی ظفر مشک چین نہ لو

کس طرح جا کے پڑوں اس بت دلجو کے پانو
بخدا ضعف سے میرے نہیں قابو کے پانو

آنکھ سے ہو کے رواں پہنچے ہیں کیوں دامن تک
گرنکالے نہیں اس طفل نے آنسو کے پانو

رکھا زانو پہ جو زانو تو اٹھایا اس نے
لات کے واسطے بس تکتے ہی زانو کے پانو

چوکڑی بھول گیا سامنے آنکھوں کے تری
اس قدر بھول گئے دیکھ کے آہو کے پانو

کیا پامال دل خوں شدہ کس کا تونے
کہ حنائی ہیں ترے رنگ سے لاہو کے پانو

جانب مصحف رخ زلف کرے پاؤں دراز
کاٹئے چاہئیں ہندوئے سیہ رو کے پانو

مہ ہے کیا چاند کا ہووے کف پا سے ہمسر
گورے گورے ہیں وہ اس شوخ پری رو کے پانو

چشم بچھو ہے تری سرمہ کا دنبالہ نیش
اور مژگان دراز اس کے ہیں بچھو کے پانو

سنگلاخ ایسی ظفر کی ہے زمیں یہ تم نے
جو قدم اس میں رکھے گا وہ ترے چھو کے پانوں

برسوں جو عدوے دل و جان تو ہو
پر دوست بھی کبھی مرے اک آن تو ہو

بن جانا پیچھے حافظ قرآن حافظو
تم پہلے اپنے حافظ ایمان تو ہو

اس مہروش پہ دیتے ہیں جو دم انہیں کہو
تم مثل صبح چاک گریبان تو ہو

الجھے ہو تم جو حضرت دل زلف یار سے
ہو کر شکستہ خوب پریشان تو ہو

صورت جو اس کی دیکھنی منظور ہے تمہیں
اے آنکھو مثل آئینہ حیران وہو

تم زعم میں گر اپنے فرشتہ بنے تو کیا
اے زاہدو ذرا ابھی انسان تو ہو

ایسا نہ ہو چرا کے وہ لے جائے اے ظفر
بنتے ہو اپنے دل کے نگہبان تو ہو

ہو رہائی یا نہ ہو زلف دوتا سے کچھ ہی ہو
جا پھنسا دل تو بلا میں اب بلا سے کچھ ہی ہو

ہو گئے جس وقت اے سفاک ہم سینہ سپر
منہ نہ موڑیں گے تری تیغ جفا سے کچھ ہی ہو

وہ ترش ابرو ہو یا ہو تلخ گو پر ہم کو آج
بوسہ اک لینا لب شیریں ادا سے کچھ ہی ہو

ظلم ہو یا ہو جفا اس بے وفا کے ہاتھ سے
ہاتھ اٹھانے کے نہیں ہم تو وفا سے کچھ ہی ہو

ناصحا بک بک کے تو کیوں سر پھراتا ہے عبث
دل نہیں پھرنے کا یہ اس دلربا سے کچھ ہی ہو

گرچہ دنیا کی ہوا میں سو طرح کا ہو ضرر
لیکن بچ سکتے نہیں ہم اس ہوا سے کچھ ہی ہو

کوچہ دلبر میں ہم تو آج جاتے ہیں ظفر
دل کو لے آتے ہیں دے کر دم دلاسے کچھ ہی ہو

وہاں کی مخلصی اے وائے قسمت ہو تو کیوں کر ہو
کہ میں آلودہ عصیاں ہوں رحمت ہو تو کیونکر ہو

مطلع ثانی

بجز شرمندگی چشم عنایت ہو تو کیونکر ہو
کہ بے اشک ندامت جوش رحمت ہو تو کیونکر ہو

جہاں ہو نفس سا رہزن جہاں شیطان ہو دشمن
وہاں طاعت ہو کیونکر عبادت ہو تو کیونکر ہو

غرور جاہ نے پھونکی وہ مغز جاں میں بیہوشی
کہ زائل نشہ پندار و نخوت ہو تو کیونکر ہو

گراں باری گناہوں کی اٹھانے سر نہیں دیتی
الہی کیا کروں یہ رفع خجلت ہو تو کیونکر ہو

ہوس کہتی ہے چل یاں سے ہے کہتی حرص لاواں سے
توکل ہو تو کیونکر ہو قناعت ہو تو کیونکر ہو

برنگ طائر تصویر ہوں میں دام حیرت میں
رہائی کی مرے کوئی جو صورت ہو تو کیونکر ہو

وہ ہمت ہی سے ہو سکتا ہے جو ہے کام ہمت کا
ظفر بے ہمتوں سے صرف ہمت ہو تو کیونکر ہو

واں تو کینہ ہو جفا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو
یاں محبت ہو وفا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

ہو بھلی قسمت تو، نے کچھ فکر نے تدبیر ہو چاہیے سو ہو
اور نصیبہ گر برا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

جو تمہاری نرگس بیمار کا بیمار ہو اس کے لئے
اور دوا دارو و دعا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

یہ ستم کیا ہے کہ اے قاتل ہمارے قتل کو خنجر بکف
تیرا غمزہ ہو ادا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

ہو کے خاک اپنا مٹا دینا جسے منظور ہو وہ یہ کرے
خاک رہ ہو خاک پا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

ہو نہ دل میں درد جس کے ہو وہ صاحبدل کہاں گرچہ ہزار
پارسا ہو بے ریا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

اے حریص اکسیر و پارس ڈھونڈتا پھرتا ہے کیوں کیا فائدہ
بے عنایت اس کی کیا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

میں ہوں اور کنج الم اور اس میں بہلانے کو جی تم ہو نہیں
ہووے آفت اور بلا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

وصل میں بھی کچھ نہ کچھ دھڑکا رہے ہے اے ظفر کچھ ایسا ہو
یار ہو گوشہ جدا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ صنم تم ہی تو ہو
لیکن جو کچھ ہو سو اللہ کی قسم تم ہی تو ہو

نہ مرا پاس کسی کو نہ کوئی میرے پاس
ہاں مگر ایک جو ہو مجھ سے بہم تم ہی تو ہو

کفر و دیں کا مجھے بتلا دیا تم نے رستہ
میرے تو رہبر دین و حرم تم ہی تو ہو

خواہ رلواؤ ہمیں خواہ ہنساؤ ہم کو
کہ ہمارے سبب شادی و غم تم ہی تو ہو

چرخ کو یاد نہ تھے پہلے یہ انداز ستم
اس ستم گر کو سکھاتے ہو ستم تم ہی تو ہو

جب تلک تم ہو تو ہستی ہے لئے تم تو عدم
میرے نزدیک تو ہستی و عدم تم ہی تو ہو

دم محبت کا تمہاری جو ظفر بھرتا ہے
اس میں کیا دم تھا مگر دے گئے دم تم ہی تو ہو

اگر عمر اپنی مجھے یاد کم ہو
تو کیا دخل کچھ اس کی میعاد کم ہو

وہی جائے خوش آ کر اس غمکدے سے
جو غمگیں زیادہ رہے شاد کم ہو

گھٹے تو دمہ بارہا آسماں سے
پر اس کا نہ حسن خداداد کم ہو

نہیں پائدار اپنی تعمیر ہستی
کہ ٹھہرے وہ کیا جس کی بنیاد کم ہو

محبت میں فریاد دل ہے زیادہ
ستم ہے جو تاثیر فریاد کم ہو

نہ کم ہو کبھی جوش سودا کا میرے
ہزار اب لہو میرا فصاد کم ہو

زمانے میں اس شوخ بیداد گر نے
ظفر کس طرح داد بے داد کم ہو

دوستی مجھ سیار تجھ کو صنم دل سے ہو
جو ہو قول و قسم اللہ کی قسم دل سے ہو

کم ہو ظاہر کی ملاقات بلا سے لیکن
جو محبت کہ ہے دل میں وہ نہ کم دل سے ہو

پاس گر نہ ہو وہ آرام دل و جاں میرے
دور کس طرح مرے رنج و الم دل سے ہو

نہیں اک طرز پہ ظلم آپ کے تم تو ہر روز
کرتے پیدا نئے انداز ستم دل سے ہو

قاصد اشک ادھر ہو نہ روانہ تو نہ ہو
راہ دل کو نگر اے دیدہ نم دل سے ہو

بندہ الطاف زبانی کا نہیں ہے قائل
بندہ پرور اگر لطف و کرم دل سے ہو

دیکھو اس جام جہاں میں ہیں تماشائے جہاں
پاس تم رکھتے ظفر ساغر جم دل سے ہو

یہ قصہ وہ نہیں تم جس کو قصہ خواں سے سنو
مرے فسانہ غم کو مری زباں سے سنو

سناؤ درد دل اپنا تو دمبدم فریاد
مثال نے مری ہر ایک استخواں سے سنو

کرو ہزار ستم لے کے ذکر کیا یک بار
شکایت اپنی تم اس اپنے نیم جاں سے سنو

خدا کے واسطے اے ہمدمو نہ بولو تم
پیام لایا ہے کیا نامہ بر وہاں سے سنو

تمہارے عشق نے رسوا کیا جہاں میں ہمیں
ہمارا ذکر نہ تم کیونکہ اک جہاں سے سنو

سنو تم اپنی جو تیغ نگاہ کے اوصاف
جو تم کو سننا ہو اس شوخ دلستاں سے سنو

ظفر وہ بوسہ تو کیا دے گا پر کوئی دشنام
جو تم کو سننا ہو اس شوخ دلستاں سے سنو

نہیں شکوہ بلا سے خط کو میرے گر کترتے ہو
غضب کرتے ہو مرغ نامہ بر کے پر کترتے ہو

زباں ہر بات پر کیا آپ کی قینچی سی چلتی ہے
دم تقریر اک تم گل نیا اکثر کترتے ہو

نہیں گر جیب کتروں میں تو کیوں تم دست مژگاں سے
مری جیب اے دل خوباں غارت گر کترتے ہو

کسی کے دل کے پرزے کر رہے ہو بیٹھے پردے میں
نہیں یہ چھپا لیا چلمن کے تم اندر کترتے ہو

تہ گل گیر اہل بزم سے یہ شمع کہتی ہے
مرا سر کاٹتے ہو تم کہ موئے سر کترتے ہو

مرا زخم جگر تو دمبدم بڑھتا ہے ہرا ہو
عبث پھاہے برابر اس کے رکھ کر کترتے ہو

وہ مہوش کون سا ہے جس کے زلف بندی کی خاطر
ظفر کاغذ کے گل تم چاند کے مسر کترتے ہو

ہاتھ اٹھانے کے نہیں زلف و وفا سے کچھ ہو
ہو چکے ہم تو بہ بخت بلا سے کچھ ہو

بے وفا تجھ سے شکایت ہے ستم کی بے جا
کیجئے اس سے کہ جو آگاہ وفا سے کچھ ہو

سر رہے یا نہ رہے جان بچے یا نہ بچے
منہ نہ موڑیں گے تری تیغ جفا سے کچھ ہو

ہو چکا بس ترے بیمار محبت کا علاج
نہ تو اب کچھ ہو دوا سے نہ دعا سے کچھ ہو

خاک پہنچے ترے کوچے میں کسی کی کیا خاک
جب تلک اس کی لگاوٹ نہ صبا سے کچھ ہو

دست گیر اس کا نہ جب تک ہو ترا دست ستم
ہاتھ کٹواؤں جو شمشیر قضا سے کچھ ہو

تیرے غمزوں سے یہ پوچھوں کہ ہوئے تم سیراب
یا ابھی اور بھی خوں کے مرے پیاسے کچھ ہو

کہے دیتی ہیں نگاہیں ہی تمہاری سب کچھ
کیا ہوا اگر نہیں تم کہتے حیا سے کچھ ہو

نہیں معلوم ظفر ان سے ہوئیں کیا باتیں
چپکے بیٹھے ہوئے تم آج خفا سے کچھ ہو

مجھے تم ذبح کرکے اپنا چاقو پونچھتے ہو کیوں
نہیں چھپنے کا ہرگز میرا لوہو پونچھتے کیوں ہو

جو ہے منظور عرق آب وجاہت سنبل تر ہو
عرق چیں سے عرق آلودہ گیسو پونچھتے کیوں ہو

اگر اچھا نہیں ہوتا تو کہدو چارہ سازوں سے
کہ دھوتے کیوں ہو میرا زخم پہلو پونچھتے کیوں ہو

لگا دو منہ سے منہ میرے کہ لوں میں چوس ہونٹوں کو
لگا کر تم مسی کو اے پری رو پونچھتے کیوں ہو

نہایت چادر مہتاب کو رشک آئے ہے اس پر
کہ تم رومال سے رخسار نیکو پونچھتے کیوں ہو

امنڈ آتا ہے دل جس وقت کب روکے سے رکتا ہے
مجھے رونے دو یارو میرے آنسو پونچھتے کیوں ہو

ظفر دیوانگی میں اس کو سمجھو پیرہن اپنا
تن عریاں سے وہ خاک سر کو پونچھتے کیوں ہو

نظام خانہ فخر جہاں تمہیں تو ہو
قیام سلسلہ و خانداں تمہیں تو ہو

نہ کیوں تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین
خدا رکھے تمہیں ان کا نشاں تمہیں تو ہو

تمہارے در پہ جھکا کر سر ارادت خلق
کہے ہے کعبہ امن و اماں تمہیں تو ہو

نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل
کہ شمع محفل صاحب دلاں تمہیں تو ہو

تمہاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے
کہ میرے باعث تاب و تواں تمہیں تو ہو

مجھے ہے تم سے امید اعانت دو جہاں
معین میرے یہاں اور وہاں تمہیں تو ہو

بغیر آپ کے ہو کیوں نہ جان و دل بے چین
کہ راحت دل و آرام جاں تمہیں تو ہو

صفا ہو دل میں تو بہتر ہے وہ کدورت سے
سنا تمہیں سے ہے کرتے بیاں تمہیں تو ہو

ظفر کی چاہیے نصرت تمہیں نصیر الدین
کہ اس کے یاور مددگار ہاں تمہیں تو ہو

نالہ دل کا اثر دل کو نہ ہو کیونکر نہ ہو
بے خبر دل کی خبر دلکو نہ ہو کیونکر ن ہو

تو نہ ہو پہلو میں تو پھر درد دوری سے تری
بیقراری رات بھر دل کو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

زخم کھانے میں محبت کے حلاوت آئے ہے
تیر تیرا بیقرار دلکو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

دل صفائی اپنی گر دکھلائے تو پھر آئینہ
محو حیرت دیکھ کر دل کو نہ ہو کیونکر نہ ہو

ہوتی ہے تیغ محبت کی محبت سے پناہ
داغ دل منہ پہ سپر دل کو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

سود کا خواہاں ہے دل سودائے زلف یار میں
بالعوض اس کے ضرر دل کو نہ ہو کیونکر نہ ہو

کشتی شکستہ ہے دل چین پیشانی تری
ہمسر موج خطر دل کو نہ ہو کیوں کرنہ ہو

دل جگر ہمدرد ہوں جب دونوں درد عشق میں
صدمہ درد جگر دل کو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

دل کو دل سے راہ ہے راز دل دلدار سے
میرے آگاہی ظفر دل کو نہ ہو کیوں کرنہ ہو

غافلو دل مت ادھر آٹھوں پہر باندھے رہو
تم رہو بیٹھے کہیں پردھیان ادھر باندھے رہو

جلوہ گر ہے وہ تو بے پردہ پہ آئے کیا نظر
جبکہ تم غفلت کی پٹی چشم پہ باندھے رہو

حضرت دل باندھتے ہو گر وہ مضمون کمر
چلنے کو سوئے عدم اپنی کمر باندھے رہو

دشت کے کانٹوں سے کہتے ہیں مرے دامن کے تار
سر پہ تو دستار اب تم سر بسر باندھے رہو

ہو اگر منظور تم کو طائر دل اڑ نہ جائے
اپنے تم ناز نظر سے اس کے پر باندھے رہو

گلشن دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو
غنچہ ساں تم دوش پہ رخصت سفر باندھے رہو

فخر دین تو فخر دنیا ہے جو بس وہ فخر دین
تم ادب سے ہاتھ اپنے اے ظفرباندھے رہو

ہمارا کوچہ جاناں میں جانا ہو تو کیونکر ہو
اگر جانا بھی ہو تو پھر کے آنا ہو تو کیونکر ہو

نہ ہوش اپنا ٹھکانے سے نہ دل اپنا ٹھکانے سے
محبت میں کہیں اپنا ٹھکانا ہو تو کیوں کر ہو

بشر کیا واں فرشتہ کا بھی کیا مقدور پہ مارے
مرا خط لے کے قاصد گر روانہ ہو تو کیونکر ہو

ہنسا دینا نہیں مشکل مرا ہی ان سے ہو سکتا
مگر منظور جب ان کو رلانا ہو تو کیوں کر ہو

اسیروں کو ترے دام محبت میں بجز آنسو
میسر اے ستم گر آب و دانہ ہو تو کیونکر ہو

وہ پہلے ہی بتاتے درد سر ہیں سامنے ان کے
بیاں درد محبت کا فسانہ ہو تو کیونکر ہو

ہجوم داغ سینہ میں نہ ہو گر عشق کی دولت
ظفر پھر پاس عاشق کے خزانہ ہو تو کیونکر ہو

تم شب وعدہ شام ہی سے مہندی کا لگانا سیکھے ہو
صدقے اس رنگینی کے کیا خوب بہانہ سیکھے ہو

لاکھوں کے دل خوں ہوتے ہیں ہر روز ہوس میں بوسے کے
پان کا لاکھا تم جو اپنے لب پہ جمانا سیکھے ہو

میرے دل کو کیجئے نشانہ اپنے ناوک مژگاں کا
میں بھی تو وہاں دیکھوں گا کیا تیر لگانا سیکھے ہو

داغ بدل رکھتے ہو ہمیشہ رشک سے ماہ تاباں کو
کاجل کا حل گورے منہ پہ جیسے بنانا سیکھے ہو

روز زیادہ بھڑکاتے ہو تم ہو آگ محبت کی
سوزش دل کو اے اشکو کیا خاک بجھانا سیکھے ہو

خاک میں مثل نقش کف پا میرے دل کو ملانے کو
طرز خرام سے اپنی تم یہ نقش اٹھانا سیکھے ہو

جانتے ہو ہے جان کا بچنا مشکل کوچہ جاناں میں
تم ہو ظفر جانباز بڑے جو واں کا جانا سیکھے ہو

دل جو ہے میرا دشمن میرا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو
کہتے ہیں جسکو بجلی کھونا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

ہونا غیر از مرگ شفا بیمار غم الفت کو تو کیسے
اس کا علاج اے رشک مسیحا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

زیر خاک بھی دل میں میرے خار محبت کھٹکے گا
زیر فنا کچھ مجھ کو کھٹکا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

لکھتے ہیں وہ خط میں کچھ ایسا دیکھ کے جس کو قاصد ہم
جانتے ہیں تقدیر کا لکھا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

تو نے کیا خوں نا زمرا اے عربدہ گر بے جرم و خطا
ہو رہا ہے کچھ آج جو چاہا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

کیوں نہ لگائے سینے سے رکھیں اپنے داغ عشق کو ہم
گنج لحد میں مونس اپنا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

رکھتا جگر فولاد کا ہے یاں کون سوائے آئینہ
جا کے حریف اس تیر نگاہ کا ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

لکھو ظفر تبدیل قوافی کر کے غزل اس بحر میں تم
ناداں دوست اور دانا دشمن ہوے نہ ہوسکے تو یہی ہو

کوئی ہے جز دل سادہ پُر فن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو
ناداں دوست ور دانا دشمن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

دل کے سوا ہرگز نہ لگا نا دیکھ کہیں تو تیر نگاہ
تیر ہدف اے ناوک افگن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

دیر حرم سے پھر کے جو دیکھا دل میں جو آیا جلوہ نظر
جان لئے ہم اس کا مسکن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

دیکھ کے ماہ نو کو فلک پر کہتا ہے وہ شاہسوار
کوئی میرا لعل تو سن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

رکھ کے سر پر تاج زر اے شمع ہوئی یوں نازاں کو
آخر تیرا وبال گردن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

چاک جگر کو میرے سینے گا کون سوا اس مژگاں کے
واسطے اس بخیہ کے سوزن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

لوگ تو اپنے عقل کو اپنا جانتے ہیں یاں راہنما
ہم کہتے ہیں ان کا رہزن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

کیونکہ نہ داغ عشق کو سمجھوں اپنا فروغ خانہ دل
یعنی چراغ اس گھر میں روشن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

یار بنے وہ اس کے جس کو میرا ہے منظور بگاڑ
اے ظفر ان سے میرا ان بن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

بلا سے جاہ و حشم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو نہیں ہے ہم کو بھی غم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

تمہاری کھینچیں گے تصویر ہم تصور سے ہمارے پاس قلم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

جو تجھ کو آنا ہے آ ایک دم مسیحا دم ترے مریض میں دم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

کیا ہے عہد جو پہلے پھریں نہ وہ اس سے دوبارہ قول و قسم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

کمی نہ گریہ میں تو کی جو دیکھ دیدہ تر یہ سوز دل مرا کم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

فقط ہے چشم عنایت پہ زندگی میری تری نگاہ کرم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

تمہارے کھوج سے آگاہ ہے دل پامال زمیں پہ نقش قدم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

تری گلی سے کہاں جائے ناتواں تیرا روانہ سوئے عدم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

ہم اس صنم کے رہیں اے ظفر بلا گردان
نصیب طوف حرم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

کہتا ہے کون تم سے کہ خنجر بکف نہ ہو
برحق ہیں جاں نثار محبت تلف نہ ہو

خاطر نشاں نہ دل کی ہو ناوک فگن کبھی
جب تک کہ تیرے تیر نگہ کا ہدف نہ ہو

آتی ہے سینہ سے کوئی عاشق کی تو صدا
محفل میں اس کے گر نہیں آواز دف نہ ہو

رکھتی ہے دل سے قصد صف جنگ چشم یار
مژگاں کی کیونکر فوج کھڑی صف بہ صف نہ ہو

جب تک کہ خوب عشق میں عاشق نہ ہو خراب
چاہے وہ یہ کہ ہو مجھے عزو شرف نہ ہو

بہتر ہیں دیکھاس سے مری چشم تر میں اشک
نازاں در خوش آب پہ تو اے صدف نہ ہو

اللہ ہے ہمارا طرف دار اے ظفر
گو وہ اگر نہیں ہے ہماری طرف نہ ہو

اگر ہو دل میں محبت کا داغ اچھا ہو
خدا کا گھر جو نہ ہو بے چراغ اچھا ہو

کبھی نہ سیر ہو جی میکشوں کا اے ساقی
کہ جب تلک نہ لبالب ایاغ اچھا ہو

ہجوم داغ سے ہے سوز دل کو یہ منظور
کہ ایک سینہ میں تیار باغ اچھا ہو

عدو کو مجھ سے ہو کس طرح تعلق میں ترجیح
مگر یہ جب ہو کہ طوطی سے زاغ اچھا ہو

دل اس کے زلف کے کوچے میں گم ہوا میرا
برائے شانہ اگر کچھ سراغ اچھا ہو

اگر سنے نہ کہانی مری وہ خوب کرے
نہ ہو جو اس کا پریشاں دماغ اچھا ہو

کنارہ کش ہو جو دنیا سے اے ظفر کوئی
تو پھر نصیب اسے کنج فراغ اچھا ہو

خدا جانے نگاہوں میں جو کیا کام کرتے ہو
نظر جس وقت تم کرتے ہو قتل عام کرتے ہو

جو بھر کر آہ ان کا نام لیتا ہوں تو کہتے ہیں
جتا کر عشق اپنا کیوں مجھے بدنام کرتے ہو

جدائی میں تمہاری ہم یہاں بیتاب پھرتے ہیں
پڑے واں بستر راحت پہ تم آرام کرتے ہو

تمہیں جب دیکھتے ہیں رخ پہ تم زلفیں بناتے ہو
بناوٹ کس کی خاطر صبح سے تا شام کرتے ہو

خدا جانے کہ ہے منظور کس سے مشورہ اس میں
تامل تم جو سن کر وصل کا پیغام کرتے ہو

نصیحت کرتے ہو کیوں پختہ مغز ان جنوں کو تم
یہ کیا اے حضرت ناصح خیال خام کرتے ہو

ظفر اس تنگ خو سے بوسہ لب مانگتے ہو کیا
مگر اس پردہ میں کوئی طلب دشنام کرتے ہو

جو دل نے میرے کہا ہو نہ ہو تو یونہی ہو
یقیں مجھے بھی ہوا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

ہوا اس ابروئے پر خم سے ہم کو یہ معلوم
خمیدہ تیغ تھا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

بہاؤں کیونکر نہ آنسو کہ وہ مکدر ہے
دل اس کا مجھ سے صفا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

خیال زلف ترا جائے میرے سر کے ساتھ
یہ دفع سر سے بلا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

فنا سے چاہیے ہو جائیں ہم فنا پہلے
نصیب ہم کو بقا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

عدو جو کہدے مرے حق میں گو وہ ہو کہ نہ ہو
کہے وہ ہوش ربا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

گرہ کو دل کی ہے درکار ناخن ابرو
یہ عقدہ وہ ہے کہ وا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

مریض عشق ترا کس طرح نہ مانگے موت
کہ جانتا ہے شفا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

ظفر لگایئے سینہ سے یار کی تصویر
قرار دل کو ذرا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

میرا شکوہ جب انھیں پیش عدو واجب ہی ہو
چپ رہو کیونکر مجھے بھی گفتگو واجب ہی ہو

جب ہو خلوت کا مکاں اور یار بھی ہو مہربان
پھر تو کہنی اپنے دل کی آرزو واجب ہی ہو

اے سراپا ناز خاک کشتگان ناز پر
ہوں نہ ہوں گل ایک ہونا ناز بو واجب ہی ہو

شرط یاری سے گر بجس جا پسینہ یار کا
واں بہانا اپنا یاروں کو لہو واجب ہی ہو

بس ہے وہ تار نگاہ و سوزن مژگاں مجھے
چاک سینہ پر اگر میرے رفو واجب ہی ہو

جو کر دے ہرجائیوں کو دل اسے پھر ناخراب
در بدر خانہ بخانہ کوبکو واجب ہی ہو

تیری محراب خم ابرو میں جو سجدہ کرے
اپنے آب دیدہ سے اس کو وضو واجب ہی ہو

ذبح کرنا جس کا اے قاتل تجھے منظور ہو
زیر خنجر اس کو رکھ اپنا گلو واجب ہی ہو

ہاتھ سے جا کر ظفر پھر ہاتھ آئے یا نہ آئے
پر ہو دل گم جس کا اس کو جستجو واجب ہی ہو

نہ پردہ در پردہ نشیں پکڑ کر بیٹھ
جو بیٹھنا ہے تو اے دل زمیں پکڑ کر بیٹھ

نہ کوہکن نے سکی ضرب تیشہ غم عشق
گیا سر اپنا وہ اندوگیں پکڑ کر بیٹھ

مگر تو راہ رضا حق ہے جو ہے مرضی حق
نہ اتنا فکر میں ناحق جبیں پکڑ کر بیٹھ

جو نام صفحہ عالم پہ چاہتا ہے تو
تو گھر میں گوشہ عزلت وہیں پکڑ کر بیٹھ

پکڑ بٹھائے تھا کتنے خوں گرفتوں کو
ذرا وہ چاہے جو شمشیر کیں پکڑ کر بیٹھ

جگر سے آہ جگر سوز بھر کے میں جو اٹھا
گئے جگر کو مرے ہم نشیں پکڑ کر بیٹھ

ہم اٹھے جھاڑ کے دامن تو اس نے مستی میں
عجب ادا سے کہا آستیں پکڑ کر بیٹھ

جگر میں بیٹھ کر دل میں خدنگ غمزہ ناز
مگر تو ایک ٹھکانا کہیں پکڑ کر بیٹھ

اگر سخن کا ہے دعوی ظفر کے سامنے تو
قلم کو ہاتھ میں اے نکتہ چیں پکڑ کر بیٹھ

ہم سے ملتا ہے گر صفائی کے ساتھ
کوئی تو بات کر صفائی کے ساتھ

صاف دیکھا تجھی کو ہم نے ادھر
دیکھا دن کی جدھر صفائی کے ساتھ

واہ قربان تیغ قاتل کے
کیا اڑا دے ہے سر صفائی کے ساتھ

وہ غنیمت سمجھو کوئی دم
گزرے مثل سحر صفائی کے ساتھ

کفن اس کا کبھی نہ ہو میلا
جان دے جو بشر صفائی کے ساتھ

دیکھ لو آبروئے اہل صفا
ہے مثال گہر صفائی کے ساتھ

ٹھہرتی اس رخ مصفا پہ
نہیں ہرگز نظر صفائی کے ساتھ

اس کا تیر نگاہ سینہ سے
جائے ہے کیا گزر صفائی کے ساتھ

کیا مقابل ہو خاک آئینہ
اس کے رخ کے ظفر صفائی کے ساتھ

کیا ہی لالایا قول پر اس رونق محفل سے ہاتھ
اس کے جھوٹے قول پر دھو بیٹھے آخر دل سے ہاتھ

مطلع ثانی

جڑھ بھی جاتے ہیں جو برسوں میں کبھی مشکل سے ہاتھ
بھاگ جاتے ہیں چھڑا کر اپنے وہ مائل سے ہاتھ

کون کہتا ہے نہ کر تو ذبح پر اس طرح سے
ہوں نہ آلودہ ترے خون دل بسمل سے ہاتھ

چاہتا ہے جی کر ہو جائے مسخر وہ پری
کوئی آ جاوے عمل ایسا کسی عامل سے ہاتھ

غوطہ کھائے بیچ ہی میں آشنائے بحر عشق
تا دگر پہنچے نہ وہ اس ساحل تک اس ساحل سے ہاتھ

ہو نہیں سکنے کا بیمار محبت کا علاج
اے طبیب اپنا اٹھا تدبیر لاحاصل سے ہاتھ

ہو گا خوں مجنوں کا دل غیرت سے مانند حنا
گر نکالا تو نے لیلیٰ پردہ محمل سے ہاتھ

حسرت اس بسمل پہ دامن گیر ہو جس کی قضا
اور اس کا دور ہووے دامن قاتل سے ہاتھ

پونچھے آنسو خاکساروں کے وہ کیا جانے ظفر
دھووے سو سو بار گر بھر جائے عطر گل سے ہاتھ

خط اسے جلدی میں لکھتا ہوں قلم برداشتہ
جائیو اے نامہ بر تو بھی قدم برداشتہ

تیرے غمگیں کو نہ ہووے گی سبکباری نصیب
جائے گا دنیا سے یونہی بار غم برداشتہ

فوج فتنہ نے جہاں میں کی صف آرائی جہاں
قدر عنا تیرا واں دیکھا علم برداشتہ

جی لگے کیونکر کہیں اپنا محبت نے تیرے
اک جدائی سے کیا دل اے صنم برداشتہ

جان سے اپنی اٹھائے یہ ستم کش کیوں نہ ہاتھ
اے ستم گر تو جو ہو تیغ ستم برداشتہ

ہو گیا مضمون گریہ کی مری تاثیر لیں
ایک قلم کاغذ مرے نامہ کا غم برداشتہ

کس کو برداشت اتنی کس کا عشق میں یہ حوصلہ
ہو ظفر کی طرح جو رنج و الم برداشتہ

تو نے کیا جانے نکالا ہے کدھر کا رستہ
تیرے گھر سے تو ہے سیدھا مرے گھر کا رستہ

رکھ قدم راہ محبت میں سنبھل کر اپنا
دیکھ اے دل کہ یہ ہے خوف و خطر کا رستہ

وہ نہ آیا شب وعدہ تو ہمیں صبح تلک
بیٹھے دیکھا کیے اس رشک قمر کا رستہ

نہ کرے اے پردہ نشیں روزن دیوار کو بند
دیکھ رہنے دے کھلا تو یہ نظر کا رستہ

نامہ شوق کی تاثیر سے قاصد نے مرے
طے گھڑی بھر میں کیا آٹھ پہر کا رستہ

چارہ غم کو سینہ کے لگا مت ناکے
بند ہو جائے گا فریاد جگر کا رستہ

پاسباں ہوں گے ترے کوچے میں لاکھوں لیکن
روک سکنے کا نہیں کوئی ظفر کا راستہ

ہے دل سوزاں سے آتش تا گلوئے سوختہ
بلکہ ہے ہر سانس میں بھی ایک بوئے سوختہ

ہو گیا خاموش بزم یار میں مانند شمع
اس مری آتش زبانی سے عدوئے سوختہ

جیسے جل جائے زمیں پر ہے کہیں گرمی سے گھاس
سوختہ جانوں کے تن پر یوں ہیں موئے سوختہ

شمع سے پروانہ مل کر دیکھ لو جل جائے ہے
سوختہ ہوتا ہو جس کو جائے سوئے سوختہ

جن کا دل آتش کدہ ہو ان کو آتش کے لیے
کیوں ہو چقماق کی تلاش اور جستجوئے سوختہ

عاشق دل سوختہ چپ ہی رہے تو خوب ہے
کون سنتا ہے ظفر واں ہائے ہوئے سوختہ

خجل ہے دیکھ کے ابرو ہلال کیسا کچھ
اسی سے جانو کہ ہو گا جمال کیسا کچھ

فلک کے ہم نے ستارے تو کر لئے معلوم
کھلا نہ یہ کہ ہے اس رخ کا خال کیسا کچھ

جو دوست تھے وہ ہیں دشمن عجب تماشا ہے
ہوا ہے دیکھو زمانے کا حال کیسا کچھ

مرے زوال سے جانو کمال کو میرے
زوال یہ ہے تو ہو گا کمال کیسا کچھ

نہ ہووے کیوں کر گرفتار تار تار میں دل
بچھایا زلف نے ہے اس کے جال کیسا کچھ

نہ آئے بہر عبادت جو وہ مسیحا دم
تو ہو مریض کو اس کے ملال کیسا کچھ

ظفر نکالے فلک نے جو کج روی کے ڈھنگ
تو اک زمانہ ہوا پائمال کیسا کچھ

ہے جہاں میں خواہش نام و نشاں بے فائدہ ۔۔۔ سینہ کاوی ہے نگیں کی طرح یاں بے فائدہ

مسکن اس بحر فنا میں گر نہ مانند حباب ۔۔۔ ڈال پانی میں نہ بنیاد مکاں بے فائدہ

چین دیکیں کو فلک وہ آپ ہی چکر میں ہے ۔۔۔ ہے ہوس راحت کی زیر آسماں بے فائدہ

دیکھ غنچہ کو ہے آخر شکل گل پژمردگی ۔۔۔ پیر پہ ہنستا ہے تو کیا اے جواں بے فائدہ

مثل مہر و ماہ گردش میں ہیں جن کو ہے فروغ ۔۔۔ ہے فلک سے آرزوئے عزوشاں بے فائدہ

ہو نشاط زندگی تو زندگی کا لطف ہے ۔۔۔ ورنہ ہے چوں خضر عمر جاوداں بے فائدہ

اے ظفر اس پردہ میں کچھ کہہ رہا ہے بے نواز
نے یونہی کرتی نہیں شور و فغاں بے فائدہ

جی کھول کے رو لیجئے تھی یہ ہوس شیشہ ۔۔۔ پر ساتھ ہی ہچکی کے الٹا نفس شیشہ

داغوں میں محبت کے دیکھو تو مرے دل کو ۔۔۔ رکھے ہوئے ساغر ہیں کیا پیش و پس شیشہ

منہ رکھتے ہی شیشہ کا اجڑ جائے ہے اے ساقی ۔۔۔ بوئے مے گلگوں سے مرغ قفس شیشہ

میں دیدہ و دل حاضر گر یار کے ہاتھوں تک ۔۔۔ ہو دسترس ساغر اور دسترس شیشہ

ہر آبلہ پا ہے ہمسر مرا شیشہ سے ۔۔۔ اور کانٹے ہیں گر اس کے مانند خس شیشہ

کیا خوب ہو زیندہ گر بادہ پرستوں کے ۔۔۔ ہو گنبد تربت پہ ساقی کلس شیشہ

دل میں ہے خیال آیا خال رخ جاناں کا ۔۔۔ اب دیکھئے نکلے یہ کیوں کر مگس شیشہ

ہے جی میں ظفر کیجئے خالی دم مے نوشی
شیشہ کو پس ساغر اور خم کو پس شیشہ

اس کی عادت کا اور ہے نقشہ ۔۔۔ اس کی قدرت کا اور ہے نقشہ

مطلع ثانی

شام غربت کا اور ہے نقشہ ۔۔۔ اپنی طاقت کا اور ہے نقشہ

مطلع ثالث

اب نقاہت کا اور ہے نقشہ ۔۔۔ اپنی طاقت کا اور ہے نقشہ

میری صحبت خوش آئے کیونکر انہیں ۔۔۔ ان کی صحبت کا اور ہے نقشہ

دل تو کیا جان تک بھی دیں تجھ کو ۔۔۔ اپنی ہمت کا اور ہے نقشہ

جائے تدبیر سے تپ غم کیا ۔۔۔ اس حرارت کا اور ہے نقشہ

ہے قیامت سے اس کو کیا نسبت ۔۔۔ تیری قامت کا اور ہے نقشہ

سیدھی باتوں پہ ٹیڑھے ہو جانا ۔۔۔ اس کی خصلت کا اور ہے نقشہ

تیری اس سرد مہری پہ بھی ۔۔۔ سوز الفت کا اور ہے نقشہ

جانے کیا بوالہوس حقیقت عشق ۔۔۔ اس حقیقت کا اور ہے نقشہ

کیونکر جاں بر ہو درد مند ترا ۔۔۔ درد فرقت کا اور ہے نقشہ

تھا تو مجنوں کو بھی جنوں لیکن ۔۔۔ میری وحشت کا اور ہے نقشہ

نقش جب لکھتے ہیں عبث احباب ۔۔۔ کر محبت کا اور ہے نقشہ

جب سے دیکھا ہے تجھکو آئینہ رو ۔۔۔ اپنی حیرت کا اور ہے نقشہ

کھینچ صورت نہ اس کی صورت گر ۔۔۔ اس کی صورت کا اور ہے نقشہ

کوئے جراح چارہ کس کس کا ۔۔۔ ہر جراحت کا اور ہے نقشہ

اے ظفر ہے جہاں میں خلق کہاں
اب تو خلقت کا اور ہے نقشہ

کھنچا عجب ترے روئے جبیں کا ہے نقش
وہ مہر کا ہے یہ ماہ مبیں کا ہے نقش

مطلع ثانی

بدلتا غم جو اس اندوہگیں کا ہے نقش
تو لحظہ لحظہ چناں اور چنیں کا ہے نقش

ہزار دور ہیں وہ ہم سے پر ہیں پیش نظر
تصور اپنے میں اک دور بیں کا ہے نقش

بنا فلک پہ شفق اڑ کے کس شہید کی خاک
کہ اور رنگ پہ چرخ بریں کا ہے نقش

سنوارنا ہے جو تو زلف اپنی او کافر
بگڑتا خلق کے ایمان و دیں کا ہے نقش

کوئی حلاوت دنیا میں کھنس کے کیا نکلے
کہ یہ تو بس مگس و انگبیں کا ہے نقش

یہ جوہر آئینہ میں ہیں کہ بے قلم کیا صاف
اتار لیتا وہ اس نازنیں کا ہے نقش

پڑے ہیں خاک پہ اتنے ہمارے گوہر اشک
کہ مثل چرخ پہ انجم زمیں کا ہے نقش

گلی کو دیکھ کے اس حوروش کے آ جاتا
مرے خیال میں خلد بریں کا ہے نقش

لبوں تک آئی ہے لے لیکے دم ہزار جگہ
یہ ضعف سے مری جان حزیں کا ہے نقش

عیاں ہے خواب میں پنہاں ہے وقت بیداری
ظفر عجب مرے پردہ نشیں کا ہے نقش

یار و اغیار میں کیا آج ہم ایک جگہ
دونوں ہیں میرے لئے شادی و غم ایک جگہ

کعبہ و دیر میں کیا مسجد و بت خانہ میں
کس جگہ ہے نہیں میرا وہ صنم ایک جگہ

نہ ہو پہنچایا تصور کے ہمارے واں تک
ورنہ تھے بیٹھ رہے ضعف سے ہم ایک جگہ

حرف شکوہ جو رکاوٹ کا تمہارے آیا
رک گیا صفحۂ کاغذ پہ قلم ایک جگہ

مر گیا پھوڑ کے سر عاشق سرباز ترا
تھا ابھی ذکر ترے سر کی قسم ایک جگہ

مہرباں غیر پہ ہو ہم پہ غضب تم یہ کیا
ہو کرم ایک جگہ اور ستم ایک جگہ

پھرتا آوارہ ہوں پیچھے کسی ہرجائی کے
ٹھہرے کس طرح ظفر میرا قدم ایک جگہ

قلم سے خال نہ نوک قلم نکال کے دیکھ
جگر سے آہ دلا دمبدم نکال کے لکھ

جواب نامہ ہمارا ہمارے قاصد پہ
نہ آنکھیں غصہ سے اے پر ستم نکال کے لکھ

لگائے دل کو وہی جو اٹھائے جان سے ہاتھ
کفن پہ میرے یہ تو میرا دم نکال کے لکھ

کبھی تو رقعہ طلب میں مرے خدا کے لئے
کوئی ملاپ کا رستہ صنم نکال کے لکھ

کہے ہے کون کہ خط اس کو تو نہ لکھ اے دل
پر اپنا حد سے نہ باہر قدم نکال کے لکھ

طبیب میرے لئے بھی کتاب میں سے تو
کوئی تو نسخہ آزار غم نکال کے لکھ

پڑھے وہ دلبر تو خط ظفر خوشی کے خط
کچھ ایسی تو نئی طرز رقم نکال کے لکھ

اس کے کوچے میں کہاں اپنے ٹھکانے کی جگہ کہ جہاں ہم کو ملے آنکھ ملانے کی جگہ
آئینہ کو تم اگر منہ نہ چڑھاؤ اپنے تو نہ ہو اس کو کہیں منہ بھی دکھانے کی جگہ
نقش بر آب ہے ہستی کو نہیں کچھ بنیاد اے حباب اس پہ کہاں گھر کے بنانے کی جگہ
دل پہ گر زخم نہ ہو کوئی تو کیا ہو معلوم کہ یہ ہے ناوک جاناں کی نشانے کی جگہ
کیا کریں جائیں اگر آپ نہ ہمیار کے گھر گھر میں جب اپنے نہ ہو اس کے بلانے کی جگہ
تجھے اے شمع ہوا سر کے کٹانے میں فروغ جائے شادی ہے نہیں اشک بہانے کی جگہ
قطرہ خون جگر پہ ہے مری آب و خورش وہی پانی کی جگہ ہے وہی دانے کی جگہ
اے کماندار لگا تیر نگہ کو دل میں کہ نہیں اور کوئی اس کے ٹھکانے کی جگہ

ہے یہ انبوہ غم و رنج ہجوم حسرت
نہیں سینہ میں ظفر دم کے سمانے کی جگہ

ڈالے نہ محبت کا خدا جان پہ صدمہ اس سے نہیں افزوں کوئی انسان پہ صدمہ
کھل جائے ذرا زلف تو اللہ رے نزاکت پہنچے ترے رخسار نمکدان پہ صدمہ
منظور نظر جب سے ہوا آئینہ ترا کیا کیا ہے ہمارے دل حیران پہ صدمہ
وہ پوچھو لو ہر تار گریباں سے ہمارے جو دست جنوں سے ہے گریبان پہ صدمہ
رشک لب و دنداں سے ترے ہو تو عجب کیا در عدن و لعل بدخشان پہ صدمہ
اے شانہ تری دست درازی سے رہی ہے اس زلف پریشاں کے پریشان پہ صدمہ
ڈرتا ہوں نزاکت سے تری کان ملاحت بالے کی نہ ہو جھوک سے کچھ کان پہ صدمہ
ہاتھوں سے ترے اے بت بدکیش ہمیشہ رہتا ہے دل گبر و مسلماں پہ صدمہ

گھل گھل کے جو آخر ہوئے پروانہ کے غم میں
تھا کچھ تو ظفر شمع شبستان پہ صدمہ

عالم ہستی میں ہے وہ دیکھتا کب آئینہ جب تلک پیش نظر جام لبالب آئینہ
ہو گیا مغرور اپنے حسن پر وہ اور بھی اس پری رو کو دکھایا کس نے یارب آئینہ
ہائے کیوں سخت ستم سے تم نے اے سنگیں دلو ٹکڑے ٹکڑے کرو یا دل کا مرے سب آئینہ
دل میں جو آتا ہے وہ ہی منہ پہ کر دیتا ہے صاف دیکھو کیا اپنا صفا رکھتا ہے مذہب آئینہ
دورے بھی جس کی صورت دیکھنے پائے نہ ہم یہ تماشا ہے کہ ہو اس کا مقرب آئینہ

دیکھئے ہوتی ہے کیا کیا ہم کو حیرانی ظفر
منہ لگا ہے اس پری پیکر سے بے ڈھب آئینہ

کب کہا میں نے کہ تو اس کو بھی الفت سے نہ دیکھ　　　دیکھ پر میری طرف چشم عداوت سے نہ دیکھ

مطلع ثانی

جو کہ ہو تجھ سے سوا تو اس کو حسرت سے نہ دیکھ　　　اور جو تجھ سے ہو کم اس کو حقارت سے نہ دیکھ

وہ تو دکھلائے ہے ہر رنگ میں تجھے جلوہ　　　خواہ تو دیکھ اسے خواہ تو غفلت سے نہ دیکھ

دیکھ آئینہ صفت ساتھ صفائی کے ہمیں　　　روش کینہ و آئین کدورت سے نہ دیک

دیکھوں کیا گلشن ہستی کو کہ کہتی ہے خزاں　　　تو بہار اس کی بہت بیٹھ کے فرصت سے نہ دیکھ

دیکھ کر تو مری تصویر مٹاتا کیوں ہے　　　تجھ کو بیزاری اگر ہے مری صورت سے نہ دیکھ

فال کیا دیکھتا ہے تو کہ تری فال نکو　　　نہیں دینے کی زیادہ تجھے قسمت سے نہ دیکھ

زال دنیا تجھے سو جلوے عروسانہ دکھائے　　　ہے جواں مرد اگر تو اسے رغبت سے نہ دیکھ

سن ظفر قافیہ مصرع طرحی میں غزل
میری جانب کو ذرا چشم حقارت سے نہ دیکھ

کون کہتا ہے کہ شوخی و شرارت سے نہ دیکھ　　　دل کو لیکن نظر دزدی و غارت سے نہ دیکھ

دیکھ تو ہمت عالی سے بشر کا رتبہ　　　مرتبہ اس کا بلندی عمارت سے نہ دیکھ

نبض کیا دیکھے ہے بیمار محبت کی طبیب　　　نہیں آگاہ تو اس تپ کی حرارت سے نہ دیکھ

دل کو دیکھ اپنے کو کعبہ کی زیارت ہو نصیب　　　بے نصیب اس کی اگر تو ہے زیارت سے نہ دیکھ

وہ مہ تو کہ نہ پھر آنکھ اٹھا کر دیکھے　　　ابروئے یار جسے کہہ دے اشارت سے نہ دیکھ

لے کے قاصد سے مرے نامہ کو کیا دیکھتا ہے　　　تو ہے واقف مرے مضمون عبارت سے نہ دیکھ

قدر دانی کی نگاہوں سے جو دیکھے ہے تو دیکھ　　　جنس دل کو نظر نفع تجارت سے نہ دیکھ

گرچہ ہم ضعف سے ہیں مثل ہلال باریک　　　اب بھی ہیں سر بفلک ہم کو حقارت سے نہ دیکھ

دیکھ تو روشنی دیدہ باطن سے ظفر
چشم ظاہر کیا سے نور بصارت سے نہ دیکھ

سینہ پہ دھر کے دیکھ ذرا ایک بار ہاتھ　　　یہ حال ہے کہ اچھلے ہے دل چار چار ہاتھ

ہو جائے دسترس جو تری زلف تک مجھے　　　میں جانوں آ گیا مرے ملک تتار ہاتھ

میرا دل رمیدہ ہوا کب کسی کا صید　　　قسمت سے آ گیا ہے ترے یہ شکار ہاتھ

امید پروفا کی اٹھاتا ہے کیوں جفا　　　اس سے اٹھا تو اے دل امیدوار ہاتھ

رنگ حنا نہ سمجھو وہ ہے سرخی شفق　　　اس شوخ کا ہے پنجہ خورشید وار ہاتھ

دیکھو تیرے ہاتھ میں شمشیر آبدار　　　دھو بیٹھا زندگی سے ترا جاں نثار ہاتھ

ہاتھوں سے غم کے اب ہے یہ ہیہات میرا حال　　　ملتے ہیں مجھ کو دیکھ کے سب غمگسار ہاتھ

صورت گر ازل نے جو کھینچی تری شبیہ　　　آپ اپنے اس نے چوم لئے اے نگار ہاتھ

موقوف ایک ہاتھ پہ اس کا نہیں کرم
دینے پہ آئے وہ تو ظفر ہیں ہزار ہاتھ

آنسوؤں سے رات دن رہنے لگی نمدیدہ آنکھ
کیوں لگائی ہم نے اس سے اے دل شوریدہ آنکھ

خواب میں بھی دیکھنے پائے نہ اس مہوش کو ہم
کھل گئی یکبارگی اے طالع خوابیدہ آنکھ

لے گئے دل کو چرا کر رہ گئے سب دیکھتے
کیا بلا ہے وزدائے کافر تری وزدیدہ آنکھ

سچ ہے رنجش کے سوا ہے کیا لڑائی میں حصول
تجھ سے لڑ کر دل کو کرتی ہے مری رنجیدہ آنکھ

جلوے نا فہموں کو دنیا اپنے دکھلایا کرے
دیکھتے ہیں کب اٹھا کر مردم سنجیدہ آنکھ

چاہتا ہے شوق نظارہ مرا اے نامہ بر
خط کے سرنامے پہ جائے مہر ہو چسپیدہ آنکھ

اے دل شامت زدہ یہ حلقہ سومت سمجھ
تجھ کو دکھلاتا ہے اس کا طرہ پیچیدہ آنکھ

ماہ کی تجھکو نہ لگ جائے نظر ڈرتا ہے جی
ڈالتا ہے تجھ پہ مثل مردم نادیدہ آنکھ

اللہ اللہ جلوہ حسن و جمال فخر دیں
ہے اسی پر اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ

ردیف الیاء التحتانیہ

جائے پا جو تری دیکھ اے صنم لیتے
تو پائیں باغ میں جھک جھک کے گل قدم لیتے

مطلع ثانی

اگر وہ نام ہمارا نہ دمبدم لیتے
تو ان کا کیا یونہی مطلب سمجھ نہ ہم لیتے

یہ ناتواں ہیں کہ جڑھتا ہے ان کا ضعف سے دم
جو سانس بھی ہیں تمہارے مریض غم لیتے

کہاں تھی شانہ صفت اتنی دسترس ہم کو
کہ ہم بلائیں تری زلف خم بہ خم لیتے

جو رو کا آنکھوں میں اشکوں کو ہم نے اپنے تو کیا
کہ آہ و نالہ تو دل میں نہیں ہیں دم لیتے

نہیں ہیں اپنے میں کیا جانے ان کو کیا لکھ دیں
اسی سے ڈرتے ہیں ہم ہاتھ میں قلم لیتے

وہ دیکھی ساغر دل لے کے ہم نے کیفیت
نہ دیکھتے جو عوض اس کے جام و جم لیتے

جو دل کو بیچتے ہیں اپنے جا کے ان کے ہاتھ
وہ مول اپنے لئے ہیں غم و الم لیتے

کسی نے کچھ تو لگایا مری طرف سے ظفر
جو بات بات میں ہیں مجھ سے وہ قسم لیتے

شکر لب اس تری شیریں ادائی میں گری
جو ہوتو کیا ہے عجب ہے مٹھائی میں گری

خدا ہی جانے کہ عشق بتاں ہے کیسی آگ
کہ جس کی پہنچی ہے ساری خدائی میں گری

بنا ہے حسن کی گری سے وہ سراپا گرم
سوائے شمع سے گوری کلائی میں گری

یہ سرد و مہر وفا میں تو ہیں نہایت سرد
الٰہی کرتے ہیں کیوں بیوفائی میں گری

لگی ہے پنجہ سر جاں کو اس کے رشک سے آگ
بلا ہے شوخ کے دست حنائی میں گری

نہیں ہے حاجت منقل ہمیں زمستاں میں
ہے اس قدر ترے داغ جدائی میں گری

ظفر جلاتے ہیں دل اس کا شوخ آتش خو
یہ جس سے کرتے ہیں کچھ آشنائی میں گری

ساتھ ہیں یوں تو ہزاروں اپنے دم کے آدمی
پر نہیں ہمدم بنانے والے غم کے آدمی

وہ خدا جانے کیا ہو گا کیسا بے رحمی شعار
ناخدا ترس اس قدر ہیں جس صنم کے آدمی

دیکھتے ہیں اپنے دل میں جو تماشائے جہاں
ہوتے ہیں محتاج کب وہ جام جم کے آدمی

کیا زمیں دلکش ہے کوچے کی ترے اٹھے نہ پھر
جو مثال نقش پا واں بیٹھے جم کے آدمی

دام ہے اس واسطے ہوں جانور اس میں اسیر
پھنستے ہیں پھندے میں زلف خم بخم کے آدمی

جو گیا پھر کر نہ آیا اور کس سے پوچھیے
رہتے ہیں کس حال میں ملک عدم کے آدمی

ہے عبث کوشش فروغ انساں کا ہے قسمت کے ہاتھ
جب تلک طالع نہ چمکائے نہ چمکے آدمی

اے پری رو ہو اگر آگاہ تو آ جائے پھر
کیوں فریبو ترے قول و قسم کے آدمی

عشق کا کب بوجھ اٹھتا ہے فرشتوں سے ظفر
ہیں اٹھانے والے اس بار الم کے آدمی

شوخ چشمی خوش نگاہی بیوفائی بدگمانے
دلفریبی دلنوازی دلربائی دلستانے

مست نازی فتنہ سازی تند خوئی جنگجوئے
ظلم کیشے ظلم کوشی ظلم خواہی ظلم رانے

کج کلاہی کج ادائی پر فریبی پر دغا ہے
بد طریقے بد شعاری بدمزاجی بدزبانے

چشم میگون میغرد مہر نگاہی بادہ نوشی
خط عارض سبز زاری روی گلگوں گلستانے

خوش نگارے خوبروئے بذلہ سنجے لغزگوئی
ہوشیاری حرف گیری نکتہ طبعی نکتہ دانے

خودپرستی خود نمائی خود پسندی خود نمائی
خود سرے نا آشنائے سرکشی نا مہربانے

ہم ظفر ہیں اس پہ مفتوں خوار و رسوا زار محزوں
وہ یہ مانے یا نہ مانے وہ یہ جانے یا نہ جانے

کیا کہوں گریہ سے جو کچھ چشم پر اے دل بنی
دیکھنے سے ہاتھ دھوئے یہ بڑی مشکل بنی

دل نے کیا جانے کہ طے کی کس طرح راہ وفا
کیا بنی رستے میں اس پر کیا سر منزل بنی

کس کے نور حسن کی تابش سے یہ پایا فروغ
شمع جو محفل میں لیکن رونق محفل بنی

کھنچی شمشیر اس نے جس دم سرمہ تحریر کی
میں نے جانا چشم جاناں پھر مری قاتل بنی

تھی مہوش خاکساری تیرے حق میں کیمیا
گر بنی اکسیر تو کیا خاک اے غافل بنی

تیرا کیا بگڑا دلا تیغ نگاہ یار سے
جو بنی وہ دم پہ اپنے ہی دم بسمل بنی

بات بن آئی نہ کوئی اے ظفر تدبیر سے
پر بنی وہ ہی کہ جو تقدیر کے شامل بنی

ہے جو مدت میں کبھی وصل کی صورت بنتی
تو گھڑی بھر مری ان کی نہیں صحبت بنتی

دوست اس جان جہاں کا نہ اگر میں بنتا
تو میری دشمن جاں کا ہے کو خلقت بنتی

ڈھب بنے ملنے کا اس یار کی تدبیر سے کیا
نہیں تدبیر بھی بے یاری قسمت بنتی

ہوتا گر معرکہ عشق میں سینہ کا نہ داغ
دل کی کس طرح سپر بہر حفاظت بنتی

دن قیامت کا مرے واسطے بنتا ہر روز
پر نہ اے ماہ جبیں یہ شب فرقت بنتی

عشق کی زیب ہے بے عزتی و رسوائی
اس میں عزت کے نہ کرنے سے ہے عزت بنتی

کان لگ کر مرے غیروں نے بگاڑا تجھ کو
اب کوئی بات ہے لے اسے کان ملاحت بنتی

گر بے قصر مرے واسطے جنت میں تو کیا
خوروش تیری گلی میں مری تربت بنتی

کام دنیا کے ظفر بگڑے ہی رہتے سارے
مل دنیا کے لئے گریہ نہ غفلت بنتی

کرے خانہ بدوشوں کی خدا خود خانہ سامانی
ملے ہر شب نئی منزل نیا دانہ نیا پانی

مطلع ثانی

پھپھولے دل کے تازہ تازہ طرز اشک افشانی
رہ الفت میں ہے روز اک نیا دانہ نیا پانی

کہا میں نے نہ کھینچ اس زلف کی تصویر کھینچے گا
نہ مانی بات مانی نے مری آخر کو چیں مانی

ترے سر باز کو وہ دن نہ ہو کم عید قرباں سے
کرے جس روز تو قرباں اسے مانند قربانی

دکھا دیتا جو حسن اپنا وہ طلعت گر زلیخا کو
تو اس کو خواب ہو جاتا جمال ماہ کنعانی

پریشاں مثل زلف یار ہو ہر سطر کاغذ پر
جو کچھ لکھوں میں اپنے دل کا احوال پریشانی

تماشا آ کے اس صورت کدہ میں اس نے کیا دیکھا
کہ اتنی صورتوں میں جس نے اک صورت نہ پہچانی

کوئی جاتی ہے اس میں پیش تدبیر اے خرد پیشہ
نوشت اپنی جو پیشانی میں ہے وہی ہے پیش آنی

ظفر اس عالم تصویر کی صورت کو جب دیکھا
ہوئی صورت گروں کو صورت تصویر حیرانی

صحبت نہ ان بتوں سے گر اتنی ڈرا ہے
واللہ اعلم اپنے دل و جاں پہ کیا بنے

لے جائے اڑا کے زر گل نہ کس روش
باد چمن میں چور جو باد صبا بنے

سرمہ تو ہم نے آنکھوں میں ان کی لگا دیا
پہ ڈر ہے یہ کہ اور نہ کچھ طوطیا بنے

دن رات پیچتے ہیں سر سرکشی سے کیوں
کیا نہ فلک یہ حق میں مرے آسیا بنے

اے ظلم کیش کیا وہ بچے جس کے واسطے
تیر نگاہ ہمسر تیر قضا بنے

دود جگر سے میرے ہی اے آہ کیا عجب
زیر فلک جو اس کو فلک دوسرا بنے

خاموش جب تلک تھے کہ تھے بے نوا ظفر
للکارتے ہیں اب تو کہ ہم بانوا بنے

تیری گریہ سے چڑھا ہے جو فلک پر پانی
ہے بھنور ہالہ سے کھائے ہے چکر پانی

لعل ہے سامنے ہونٹوں کے ترے رشک سے خون
روبرو دانتوں کے ہے شرم سے گوہر پانی

تشنہ کاموں کو شہادت کے نہ سیراب کرے
اے ستم گر بجز آب دم خنجر پانی

گر ہو آتش کدہ میں اک شرر آتش دل
چھوڑ کر آگ کو پھر ڈھونڈے سمندر پانی

تیرے رخسار عرق ناک سے اے رشک چمن
پھر نہ جائے گل سیراب پہ کیوں کر پانی

سنگدل حیف پسیجا نہ کبھی دل تیرا
گرچہ نالوں سے مرے ہو گئے پتھر پانی

دیکھ تو آئینہ میں شعلہ رخسار کا عکس
کیا تماشا ہے تلے آگ ہے اوپر پانی

زلف تیری ہے وہ افعی کہ جسے اس نے ڈسا
اس نے مانگا نہ پھر اے شوخ ستم گر پانی

نہ بجھی تو بھی دل سوختہ عشق کی آگ
صرف ہوویں کئی دریا کے ظفر گر پانی

صنم میں جلوہ حق گر کوئی دیکھے تو کیا کہوے
دعا ایماں کی مانگے اپنے اور صل علیٰ کہوے

کہاں فرصت ترے عاشق کو اتنی اشکباری سے
کہ تیرے سامنے وہ اپنا سارا ماجرا کہوے

نگاہیں ہی وہ سب کہہ دیتی ہیں جو دل کا مطلب ہے
نہیں حاجت یہ عاشق کو کہ منہ سے مدعا کہوے

تری تیغ نگہ کے گرد کھاؤں زخم کاری میں
زبان الحفیظ اے شوخ شمشیر قضا کہوے

ترے مفتوں کو کیا مطلب بھلائی اور برائی سے
کوئی چاہے بھلا کہوے کوئی چاہے برا کہوے

صبا سے کوئی کہہ دے گر وہ دشت نجد کو جاوے
کہ اس دیوانہ کی جانب سے مجنوں کو دعا کہوے

کہوں سو بار دلکو میں اگر مانے کیا میرا
جو مانے ہی نہیں تو پر کہو کس کی بلا کہوے

جو زخمی ہووے تیغ عشق کا یہ اس کو واجب ہے
لب ہر زخم سے قاتل کو اپنے مرحبا کہوے

ستاروں کی طرح سے تو بھی کاٹے رات آنکھوں میں
ظفر اپنی کہانی تجھ سے گر اے مہ لقا کہوے

نہ تو پی بنگ کبھی ہم نے نہ مے نوش ہوئے
سبزہ رنگوں کی نگاہوں ہی سے بیہوش ہوئے

اٹھ گیا کونسا اس بزم سے مے کش ساقی
جس کے ماتم میں یہ بادل ہیں سیہ پوش ہوئے

عہد و پیماں تھے مرے ساتھ تمہارے کیا کیا
ہو گیا کیا کہ جو سب تم کو فراموش ہوئے

دل گرفتہ کوئی کیا مجھ سا چمن میں آیا
کہ جسے غنچہ گل دیکھ کے خاموش ہوئے

گئے آغوش لحد میں ہم اسی حسرت سے
کہ کبھی ہم سے نہ تم آ کے ہم آغوش ہوئے

گئے اس منزل ہستی سے بآرام وہی
جو کہ بار غم دنیا سے سبکدوش ہوئے

نکلے اشک آنکھ سے اور سینہ سے میرے نالے
دل میں پیدا جو محبت کے ظفر جوش ہوئے

جب سنی بات تری رشکِ قمر اور سنی
شام کو اور سنی وقتِ سحر اور سنی

نہ سنا ہم نے کسی بات پہ حرفِ حسین
منہ سے گالی ترے ہاں کوئی مگر اور سنی

نہیں تحقیق کہ ہے کیا ترے بیمار کا حال
کل خبر اور سنی آج خبر اور سنی

دیکھئے حال جو ہوتا مگر اس ظالم نے
اک ذرا میری نہ فریادِ جگر اور سنی

ہم یہاں سنتے تھے لوگوں سے حقیقت کچھ اور
جا کے جس وقت سنی یار کے گھر اور سنی

ہوش اڑتے تھے شبِ وصل میں دیکھ آخر صبح
آواز تری مرغِ سحر اور سنی

قصۂ غم سے مرے خوش نہ ہوا وہ بے رحم
پھر کہانی نہ کوئی اس نے ظفر اور سنی

عقدہ مقصود اپنے آج کل کھل جائیں گے
وہ جو بل کرتے ہیں ہم سے ان کے بل کھل جائیں گے

لائیے دل کے محل میں شوق سے تشریف آپ
کیا ہوا گر بند ہیں باب محل کھل جائیں گے

ان کی باتوں پہ نہ جانا پیچھے پچھتائے گا دل
تجھ سے دو باتوں میں گو پہلے پہل کھل جائیں گے

بند ہے جب تک زباں کھلتے نہیں اسرار دل
جائے گا جس دم زباں سے کچھ نکل کھل جائیں گے

چین ابرو سے تمہارے عاشق سر بار پہ
دم میں سارے جوہر تیغِ اجل کھل جائیں گے

تاقلو کرتے ہو جو پوشیدہ تم اعمالِ بد
ہو گئے رسوا سب جس دن وہ عمل کھل جائیں گے

جو کسی کا شعر نخوت سے نہیں سنتے ظفر
کان ان لوگوں کے سن کر یہ غزل کھل جائیں گے

ظفر جو اتنی پر گوئی پہ ہے تو خوب گو اتنا
یہ خوبی ذہن کی اور طبع کی جودت کی خوبی ہے

اشارہ چشم قاتل کا وہ کافر تیز چلتا ہے
نہ جدھر کوئی ایسا اور نہ خنجر تیز چلتا ہے

رواں گر ہوں ذرا اس چشم دریا بار سے آنسو
تو پھر دریا کو دیکھیں ہم بھی کیونکر تیز چلتا ہے

پیام وصل گر بھیجیں ہاتھ ان کے
مرا پیک نظر اے جان مضطر تیز چلتا ہے

ہمارے دوڑے انکھ جس طرح اس بحر خوبی پر
جہاز ایسا کہاں پانی کے اوپر تیز چلتا ہے

چلا ہے جلد کس کے ذبح کرنے کو خدا جانے
لئے خنجر بکف جو وہ ستم گر تیز چلتا ہے

اگرچہ طائر شوق اپنا ہے بے بال و پر لیکن
پرندہ بھی نہیں اس کے برابر تیز چلتا ہے

درازی وصل کی شب کو ظفر گر ہو تو کیونکر ہو
کہ اس شب اور چرخ کینہ پرور تیز چلتا ہے

مجھ کو اپنے دلبر کا دھیان بھی جو ہے سو ہے
اور دل میں وصل کا ارمان بھی جو ہے سو ہے

زلف سرکش یہ تری کیا رہزن دیں ہے فقط
بلکہ کافر دشمن ایمان بھی جو ہے سو ہے

منزل سرکش سے ظالم ہے ترے عاشق کا کوچ
اور مہیا کوچ کا سامان بھی جو ہے سو ہے

شاخ گل تجھ بن چمن میں ہے مجھے مثل خدنگ
اور غنچہ ہمسر پیکان بھی جو ہے سو ہے

تازہ ہے غمزہ ترا ظالم ہے کیا قہر و ستم
بلکہ آفت ہر ادا و آن بھی جو ہے سو ہے

کیا تماشا ہے کہ منہ چڑھتا ہے میرے آئینہ
اور صورت دیکھ کر حیران بھی جو ہے سو ہے

اے صنم قدرت خدا کی ہے ترا حسن و جمال
اور پھر اس پر شکوہ و شان بھی جو ہے سو ہے

ہائے کس کس کو سنبھالوں میں فراق یار میں
دل ہے کیا بیتاب مضطر جان بھی جو ہے سو ہے

واں تو ہیں بد عہدیاں پر اب تلک یاں اے ظفر
عہد بھی جو ہے سو ہے پیمان بھی جو ہے سو ہے

کہاں مژگان تر سے ابر دریا بار ہمسر ہے
سمندر سامنے اس چشم کے چشمہ کے کمتر ہے

رہے جب روبرو آئینہ دیکھیں کیونکر ہم صورت
ہمارے آپ کے درمیان سد سکندر ہے

میاں سرمہ کا دنبالہ ہے تیری چشم وحشی میں
کہ برگ نیلوفر آہو کے منہ میں اے سمن بر ہے

جدائی میں تیرے اے رشک گل ہو چین کیا مجھ کو
گل بستر بھی میرے حق میں مثل خار نشتر ہے

لیا اس چشم نے یوں پنجۂ مژگاں میں دل میرا
کہ جیسے چنگل شاہین میں گھ جاتا کبوتر ہے

لب نازک سے تیرے کیونکر دوں میں لعل کو تشبیہ
کہ یہ برگ گل احمر ہے وہ اک لعل پتھر ہے

کیا ہے قتل اک عالم کو تیری چین ابرو نے
ستم گر اس تیری تلوار میں کیا خوب جوہر ہے

سمجھ اے دل نہ تو موباف سرخ اس حور مشکیں میں
نکالے یہ زباں مارے سیہ نے منہ سے باہر ہے

صفائی کیا ہوئی خاک اے ظفر اس آئینہ سے
کہ ظاہر صاف ہے اور باطن میں مکدر ہے

دل لگا میرا بت ہوش ربا سے ہوں ہے
یہ نہیں چھٹنے کا امید خدا سے یوں ہے

جانتا ہی نہیں آزار محبت کا علاج
تیرے بیمار کو انکار دوا سے یوں ہے

وہ ہے مایوس ترا ملتا ہوں میں ہاتھ اپنے
دل مرا خون ہے اگر رنگ حنا سے یوں ہے

جیسے ڈرتا ہوں خدنگ نگہ یار سے میں
سہتا کوئی نہیں تیر قضا سے یوں ہے

بھاگوں زنداں سے نہ کیوں سن کے صدائے زنجیر
تیرا وحشت زدہ آوارہ سدا سے یوں ہے

ہاتھ کیا آئے گا تیرے کہ جو تو اے ظالم
توڑتا شیشۂ دل سنگ جفا سے یوں ہے

کس سے یہ حق محبت ہو ادا میرے سوا
کون سینہ سپر اس تیغ ادا سے یوں ہے

کیسی تسکین کہ سوا ہوتی ہے بیتابی دل
ہمنشیں میرا مجھے دیتا دلاسے یوں ہے

اس سے کہہ سکتا نہیں میں کہ ہے میرا یوں حال
اے ظفر سن کے وہ کہہ دے گا بلا سے یوں ہے

زلف کرتی نیم رخ اس طرح کا چھل بل سا ہے
اک طرف ہے چاندنی سی اک طرف بادل سا ہے

جی لگے تجھ بن میرا کیونکر کہ نظروں میں مری
گھر ہے ویرانہ سا بھی اور شہر اک جنگل سا ہے

چاہئے کیا روشنی مجھ کو شب تاریک میں
ساتھ میری شعلہ میری آہ کا مشعل سا ہے

تار اشک سرمہ چشم سرمہ سا ہے یار کا
مصحف رخسار پہ گویا خط جدول سا ہے

یوں ہی بکتا ہے ہمیشہ ناصح بیہودہ گو
کون اس کے منہ لگے جانے بھی دو جھل سا ہے

کل کے آنے کا الٰہی کس نے ہے وعدہ کیا
دل جو شوق وصل میں آج اس قدر بے کل سا ہے

اخگر سوزاں ہیں وہ داغ محبت اے ظفر
دل پہ آتش جس کے باعث سے مرا منقل سا ہے

دم ہجراں سے گر صورت بدل جائے عجب کیا ہے
اور اس صورت سے دم مرا نکل جائے عجب کیا ہے

دکھاتا اپنے سر بازوں کو ہے وہ جنبش ابرو
اگر چہ ہم در تلوار چل جائے عجب کیا ہے

اگر درد محبت سے اثر ہو نالہء دل میں
تو مثل پتھر بھی پگھل جائے عجب کیا ہے

مرا غم خوار میرے پونچھتا ہے گرم گرم آنسو
پھپھولوں سے جو اس کا ہاتھ جل جائے عجب کیا ہے

بھرے گو رستمی کا دم عدو پر سامنے میرے
جب آئے عشق کے میداں میں ٹل جائے عجب کیا ہے

تمہارے عشق جاں سوختہ کی خاک مدفن پر
اگر برسات میں یہ گھاس جل جائے عجب کیا ہے

ظفر آگاہ ہے جو کوئی آداب محبت سے
وہ پا بوسی کو اس کی سر کے بل جائے عجب کیا ہے

کیا کہوں جو کچھ اس نے کیا کہنے سے برائی ہوتی ہے
چپ ہوں میں کہ منہ سے نکلی بات پرائی ہوتی ہے

کسی سے لڑائی آنکھ انہوں نے کبھی لڑی جو پھولوں کی
آج ہماری ان کی دیکھو کیسی لڑائی ہوتی ہے

ترے دست ظلم وستم سے قاتل غیر از ناخن تیز
مجھ سے گرفتہ خاطر کی کب عقدہ کشائی ہتی ہے

دست و پا ہیں دونوں تمہارے آج حنائی باندھ دے
آج ہمارا قابو ہے تو ہاتھا پائی ہوتی ہے

شکل بتاں ہوش ربا پر میں ہی فقط کیا شیفتہ ہوں
دیکھ کر ان کی صورت مفتون ساری خدائی ہوتی ہے

غم نہیں درد جدائی سے گر عاشق کا ہا جائے وصول
لیکن تیرے در سے اے بو درد جدائی ہوتی ہے

بھیجے ہیں وہ غیر کے ہاتھوں ہم کو دستہ نرگس کا
دیکھو ظفر ہم چشموں میں یوں چشم نمائی ہوتی ہے

تم وہاں مشغول شب کو محفل آرائی میں تھے
ہم یہاں بیتاب کیا کیا کنج تنہائی میں تھے

فائدہ کیا گر نہ کام آئے دل بیمار کے
گو کہ تیرے دونوں لب یکتا مسیحائی میں تھے

جب تلک عاشق نہ تھے اس شوخ ہرجائی پہ ہم
شہرہ آفاق یوں کا ہے کہ رسوائی میں تھے

پی رہے تھے اشک خوں آنکھوں میں ہم بھر بھر کے یاں
واں چھلیساغر پہ ساغر بادہ پیمائی میں تھے

مسجدوں میں اس طرح کا ہے ٹکراتے تھے سر
اس صنم کے در پہ جب تک ہم جبیں سائی میں تھے

دیکھ کر اس قد رعنا کو چمن میں کٹ گئے
سرو جو مغرور و سرکش اپنی رعنائی میں تھے

عمر نے فرصت نہ دی ورنہ تماشا دیکھتا
ڈھنگ ساری قیس کے سے تیرے سودائی میں تھے

عشق کے باعث گنے جاتے ہیں دیوانوں میں ہم
ورنہ گنتے اپنے آگے کس دانائی میں تھے

کر دیا اک آن میں اس دلربا نے ناشکیب
ہم کو دعویٰ اے ظفر کیا کیا شکیبائی میں تھے

کرتے عیاری ہیں وہ واں رسم یاری یوں بھی ہے
پر کریں کیا ہم کو واجب جاں نثاری یوں بھی ہے

رکھتے ہو بے چین تم کیا کیا دل بیمار کو
واہ وا کرتا کوئی بیمار داری یوں بھی ہے

چشم سے دریا بہے لیکن بجھی دل کی نہ آگ
وہ جو تھی نالوں کی اپنی شعلہ باری یوں بھی ہے

ہجر میں دھڑکن وصل میں ڈر ہجر کا
جان بے آرام دوں بھی ہے ہماری یوں بھی ہے

رات دن ہیں خون فشاں آنکھیں مری کیا دیکھ تو
کی کبھی اے ابر تو نے اشک باری یوں بھی ہے

کوچہء جاناں میں بھی جا کر نہیں آیا قرار
لکھی قسمت میں ہماری بے قراری یوں بھی ہے

ورنہ بوسہ ہمیں تم ہم تمہیں دیتے ہیں دل
ہم کو تو منظور ہاں خاطر تمہاری یوں بھی ہے

سنگ سرمہ پہ لگاتے کیوں ہو تم تیغ نگاہ
قتل کو عاشق کے اس میں آبداری یوں بھی ہے

نالنے کی ان کو آتی ہیں بہت باتیں ظفر
گہ کسی میں ٹالتے ہیں گہ کسی میں ٹالتے

دل ہے کہتا اور کچھ تدبیر کہتی اور ہے
عقل کہتی اور ہے تقدیر کہتی اور ہے

مجھ سے تو کچھ اور کہتی ہے تمنائے وصال
اور اس سے کچھ دم تقریر کہتی اور ہے

ہو گیا معلوم جنبش سے لب شمشیر کے
آج قاتل کچھ تری شمشیر کہتی اور ہے

بولی وہ تصویر تصویروں میں میری دیکھ کر
صورت حال اپنی یہ تصویر کہتے اور ہے

کاٹتا ہے کیوں زبان شمع کیا جز سوز دل
یہ زباں سے اپنی اے گلگیر کہتی اور ہے

کھا چکا دل پر جراحت پر جراحت متصل
اور اس پر بھی زبان تیر کہتی اور ہے

نالہء زنجیر کی غل سے یہ زنداں میں کھلا
آج دیوانوں سے کچھ زنجیر کہتی اور ہے

میں تو ہوں کچھ اور کہتا اور عداوت سے مری
خلق تجھ سے اے بت بے پیر کہتی اور ہے

اپنی اپنی سب ہیں کہتے آہ کیا کیجئے ظفر
آہ کہتی اور ہے تاثیر کہتی اور ہے

جیسے کہ باغ میں نہیں وہ رشک باغ ہے — لالہ کی جائے باغ کے سینہ میں داغ ہے

مطلع ثانی

دنیا فروغ دل میں محبت کا داغ ہے — رہتا بغیر داغ یہ گھر بے چراغ ہے

مطلع ثالث

تو ہے نشا شراب کا اور صحبا غ ہے — ہم ہیں جنوں کا جوش ہے دامان زاغ ہے
تجھ بن کہاں ہے بادہ گلگوں مجھے نصیب — خون جگر سے اپنا لبالب ایاغ ہے
جب تک نہ ہووے گم کوئی عنقا کی طرح سے — تیری کمر کا ہاتھ کب آتا سراغ ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ تو گل ہے جگر نگار — کس کو چمن میں دہر کے غم سے فراغ ہے
کیا قدر ہو سخن کی انہیں جن کو سامنے — یکساں صدائے طوطی و فریاد زاغ ہے
دل کھول کر نہ کر سکے ہم نالہ و فغاں — دھڑکا رہا یہی کہ وہ نازک دماغ ہے

تو نے لگایا سینہ سے کس رشک گل کو آج
دل تیرا اس قدر جو ظفر باغ باغ ہے

رخ سے تو نے زلف کو اے ماہ سرکایا تو ہے — تیرہ بختوں کا ترے اقبال کچھ چمکا تو ہے

مطلع ثانی

گرچہ وہ بیداد گر بے درد بے پرواہ تو ہے — پر جو میں کچھ درد دل کہتا ہوں سن لیتا تو ہے
دیکھئے ہے کیا نوشتہ میں مری ہونا ہے کیا — اس بت نو خط کو قاصد میں نے لکھا تو ہے
پوچھتے ہو اور کیا رونے کا میرے ماجرا — دیکھ لو چشموں سے ہم چشموں رواں دریا تو ہے
دیکھتے ہیں جب برا احوال میرا عشق میں — پوچھتے ہیں ہنس کے وہ مجھ سے کہ تو اچھا تو ہے
یہ نہیں معلوم مارا کس کو اس سفاک نے — پر گلی مین اس کے ہنگامہ سا اک برپا تو ہے
گر نہیں غم خوار وحشت میں کوئی میرا نہ ہو — پونچھنے کو میرے آنسو دامن صحرا تو ہے
جانتا تھا میں کہ پہلو میں نہیں ہے میرے دل — پر چھری سے آج میں نے چیر کر دیکھا تو ہے

گر بگڑ کر الجھے وہ کافر تو پھر کیسی بنے
تو نے زلف کج ادا کو اے ظفر چھیڑا تو ہے

یہ نہیں نکلے میاں ہر دو ابرو تنگ ہے
قبضۂ و شمشیر میں اک اے جفا جو تنگ ہے

کیونکر ہوں دل کھولکر باتیں کہ قسمت سے مری
جائے بے قابو کشادہ جائے قابو تنگ ہے

آبلہ مس پاؤں کے کیونکر سمائیں خار دشت
اے جنوں انبوہ اتنا اور تنبو تنگ ہے

دیکھ کر تحریر سرمہ چشم وحشی میں تری
ہاتا پٹے سے گلے کے اپنے آہو تنگ ہے

اے دل دیوانہ ہے دامان صحرا تو وسیع
تو سن وحشی کا لیتا کیوں نہیں تنگ ہے

منہ ہے کیا تیرے دہن سے ہو مقابل باغ میں
قافیہ غنچہ کا پہلے ہی سے گلرو تنگ ہے

زشت خصلت کو ہمیشہ رنگ میں دیکھا ظفر
اپنی خوے بد سے رہتا آپ بد خو تنگ ہے

مے کے لئے خمار بھی اے بادہ خوار ہے
پردہ شراب اور ہے جو بے خمار ہے

اے آب گریہ تیری ہو کیا خاک آبرو
دل مین تو یار کے وہی اب تک غبار ہے

رخسار زرد پر ہیں کہاں اشک لالہ گوں
دکھلا رہا یہ عشق خزاں میں بہار ہے

آرام زیر خاک بھی معلوم گر یہی
پہلو میں آہ اپنی دل بے قرار ہے

تو پیاس تشنگان شہادت کی بجھا
تا جانے وہ کہ تیغ تری آبدار ہے

اس کو شفق نہ سمجھو پڑی منہ پر چرخ کے
اڑا کر کسی شہید کی خاک مزار ہے

پیدا ہوئے شادی و غم باہم اے ظفر
خنداں اگر ہے برق تو ابر اشک بار ہے

کوچۂ عشق اس بت پردہ نشیں کا اور ہے
رستہ اس کے مبتلا کو کفر و دین کا اور ہے

مطلع ثانی

ماہ کا ہے اور عالم مہ جبیں کا اور ہے
چاند ہے وہ آسما کا یہ زمین کا اور ہے

دستۂ گلہائے رنگیں پر کہاں ہے یہ بہار
اشک خوں سے رنگ میری آستیں کا اور ہے

لے خبر اے بے خبر آ کر کہیں جلدی کہ آج
حال تیرے عاشق اندوہگیں کا اور ہے

ہو چکے ہیں یار دل میں سیکڑوں تیر ستم
وار کرنا اس پہ بھی وہ تیغ کیں کا اور ہے

شمع تو اس شعلہ رو سے بزم میں ہمسر نہ ہو
دیکھ جلوہ اس کے روے آتشیں کا اور ہے

کاکل مشکیں کے پھندے سے جو دل چھوٹا کیا
پاس اس کے دام زلف عنبریں کا اور ہے

ہمنشیں ہر بات پر اب وہ کہتے ہیں نہیں
تو نہیں واقف کہ باعث اس نہی کا اور ہے

آہ جو کھینچتے ہوئے آتا ہے وہ شمشیر ناز
کچھ ارادہ اے ظفر اس نازنیں کا اور ہے

دیدہ تر جوش گریہ سے جو اک دریا سا ہے — رات اٹھی سیاہی دن رہا تھوڑا سا ہے

مطلع ثانی

دیدہ تر جوش گریہ سے کو اک دریا سا ہے — دامن مژگاں سراسر پاٹ دریا کا سا ہے
زلف سنبل خط ریحان چشم نرگس ہے تری — رخ برنگ گل دہن غنچہ سا قد بوٹا سا ہے
وصل کی شب ہر گھڑی گھڑیال کی سنکر صدا — پہنچتا اک دل کو صبح ہجر کا دھڑکا سا ہے
جو ہے ان آنکھوں کا مقتول اس کو اک وحشت سی ہے — جس کا ان زلفوں میں دل الجھا اسے سودا سا ہے
حال مجنوں کا نہ اپنے پوچھ اے لیلئے ہنس — ہو گیا دست جنوں میں سوکھ کر کانٹا سا ہے
دیکھنا اس بستہ لب سبزہ خط کی بہار — واہ کیا یا قوت احمر پہ کیا مینا سا ہے
بیٹھا کیا باتیں بناتا ہے اگر دیکھے اسے — حال ہو جاتا ترا ناصح ابھی میرا سا ہے

جلوہ رہے وہ تجھی میں جس کا ہے مشتاق تو
اے ظفر تیری خودی پر درمیان پردا سا ہے

عزیز دگور میں کیا دل کا داغ جلتا ہے — اندھیرے گھر میں ہمارے چراغ جلتا ہے
کیونکر گل ہوں سبا قلر کہ دیکھ کر تجھ کو ہوائے زلف — ہمیشہ باغ میں اے رشک باغ جلتا ہے
ہے بھڑکی یہ آتش سودا — کہ بوئے مشک سے میرا دماغ جلتا ہے
بجائے بادہ بھرا کیا مرا چکیدہ داغ — کہ آفتاب کا گردوں ایاغ جلتا ہے
کہاں ہے لالہ ، خورد و نغان بلبل سے — صبا تمام یہ دامان زاغ جلتا ہے
ہم اس سے جلتے ہیں اے شمع رو کہ پروانہ — شب انجمن میں ترے با فراغ جلتا ہے

سخن سے میرے جلے ہیں عدوئے بد گفتار
ظفر مقال سے طوطی کے زاغ جلتا ہے

وہ خط لکھنے پہ مجھ سے جو یہ خلاف رہے — تو جوں قلم مرے دل میں نہ کیوں شگاف رہے
کوئی ہو خوب و زشت چاہیے تجھ کو — مثال آئینہ تو سب سے سینہ صاف رہے
پھرا ہے جو تیرے کوچہ میں اے صنم یک بار — پھر اس کو کعبہ کی کیا خواہش طواف رہے

ہے نہ کیونکر وہ گرداب فکر میں ڈوبا
جسے ہمیشہ تمہارا خیال ناف رہے

نہیں درنگ مری قتل میں اسے منظور
کمر میں اس کے کیوں نہ تیغ خوش غلاف رہے

ہم اس پری کے ہیں دیوانے اپنے عشق کی دھوم
ہمیشہ کیونکر نہ ازقاف تابہ قاف رہے

جو در پہ بیٹھ رہے یار کے ظفر اس کو
نہ فکر مسجد و پروائے اعتکاف ہے

کہاں ہے اپنا وہ عالم کہیں اٹھے کہیں بیٹھے
ہوئی ہے اب تو یہ حالت جہاں بیٹھے وہیں بیٹھے

مٹایا ہم نے تل کا جل کا ان کے منہ پر سے
لگے کہنے یہ تھا معلوم یاں ہیں نکتہ چیں بیٹھے

آمادہ تھا کہ ان سیا آج اپنا حال دل کہیئے
یہ دیکھو خوبی، قسمت کہ ہیں وہ خشمگیں بیٹھے

اٹھاتا کون ہے دیکھیں گلی سے یار کی ہم کو
کہ ہیں پکڑے ہوئے جوں نقش پا ہم بھی زمیں بیٹھے

اٹھا کے دو جہاں سے ہاتھ جو تیری محبت میں
ترے در پہ وہ اے غارتگرے دنیا و دیں بیٹھے

اگر وہ دور بھی ہوں گے تو پاس آجائیں گے اپنے
صفائی دل سے ہم جس وقت لے کر دوربین بیٹھے

ہمارا نام تو ہے اے ظفر مشہور عالم میں
اگرچہ ہم میں اپنے گھر میں مانند نگیں بیٹھے

خط نو رستہ سے تیرے دل بیتاب مرتا ہے
یہی بوٹی ہے وہ جس سے سیماب مرتا ہے

خبر لے جلد اے دریائے خوبی اپنے مضطر کی
کہ تجھ بن وہ مثال ماہی بے آب مرتا ہے

اوگے ہے سنبل اس کی خاک سے ترا آشفتہ
خیال زلف میں کھا کھا کے پیچ و تاب مرتا ہے

پلا اک جام اے ساقی کہ صورف زندگی کی ہو
کوئی مے نوش پیاسا بے شراب ناب مرتا ہے

پڑے ہے حلقہ گیسو مین دل اس بحر خوبی کے
یہ نادان ڈوب کر ناحق تہ گرداب مرتا ہے

چمن میں تو جو پژمردہ ہوا ہے دیکھ کر اس کو
مگر کچھ تجھ میں پانی اے گل شاداب مرتا ہے

کہے کون اے ظفر اس سے نہ ہو مے نوش غیروں میں
وگرنہ رشک سے پی کر کوئی زہر آب مرتا ہے

مہر خط پہ اور ہے قاصد نشانی اور ہے
لکھا مضمون اور ہے کتنا زبانی اور ہے

کیوں سناتا ہے مرا افسانہ غم قصہ خواں
نیند اڑ جائے گی ان کی قصہ خوانی اور ہے

اے تغافل کیش آنا ہے اگر تجھ کو تو آ
کوئی دم عاشق کی تیری زندگانی اور ہے

باندھتا ہے ابر دریا بار بھی تو یوں جھڑی
پر مرے مژگاں ر خونفشانی اور ہے

پانوں سے تم مل چکی میرے دل خوں گشتہ کو
یا ابھی منظور کچھ مہندی لگانی اور ہے

مہربانی ہے تو ہم پر بھی تمہاری مہربان
پر جو ہے غیروں پہ وہ کچھ مہربانی اور ہے

ساقیا فردش میں لا ساغر کو جلدی ورنہ دیکھ
لاتا چکر کوئی دور آسمانی اور ہے

آنسوؤں سے کم نہیں ہوتا مرا سوز جگر
بلکہ اس آتش کو بھڑکا دیتا پانی اور ہے

کیا ستم اے ظفر کرتے ہیں جتنی وفا
اتنی ہی ہم پر وہ کرتا ظلم رانی اور ہے

ہم سے تیرا ہونا خفا بے جرم و خطا یہ کیوں کر ہے
آنکھوں سے کچھ دیکھا یا کانوں سے سنا یہ کیونکر ہے
غارت گر ہے چشم بتاں اب دیکھئے اس کے ہاتھوں سے
بچتا اپنا دین و دل اے بار خدایا کیونکر ہے
منہ پر کچھ ہے پیچھے کچھ ہے یار مثال آئینہ
باطن میں سو قدورت ہے ظاہر میں صفا کیونکر ہے
اکثر دیکھ کے مجھ کو دور ہی سے پھر جاتے تھے
گھر میں میرے آنا تمہارا آج ہوا یہ کیونکر ہے
دخت زر بے باک نہیں نورانی تیری محفل میں
منہ تکتی بد مستوں کے بو شرم و حیا یہ کیونکر ہے
ہووے جاناں پیش نظر اور دیکھوں نہ اس کو آنکھ اٹھا کر
ہم چشموں انصاف کرو تم ہو سکتا یہ کیونکر ہے
خط کو میرے اس نے ظفر کھولا بھی نہیں میں حیران ہوں
مضمون میری خط کا سارا اس پہ کھلا یہ کیونکر ہے

بنائیں یار انہیں کیا بناؤ ہو تو وہی
لگائیں کیونکر یونہی کچھ لگاؤ ہو تو سہی

جو میرے رونے پہ ہنستے ہیں یارب ان کو یہ غم
نصیب اگر نہ ہو سب آدھ پاؤ ہو تو سہی

دکھاؤں کیونکر تجھے میں کہ ہے پردہ نشیں
کہیں کچھ اے دل مضطر دکھاؤ تو سہی

انہیں میں دیکھو تو دریائے دل میں کیا لہریں
تم آشنائے دل اے آشناؤ ہو تو سہی

برنگ نقش قدم ہم کے ہم نہ اٹھیں گے
پر اس کے جی میں کچھ اتنا جماؤ ہو تو سہی

تم اپنے بوسہ کی قیمت میں ہم سے کیا لو گے
بتاؤ کچھ ہمیں معلوم بھاؤ ہو تو سہی

دبا کے بیٹھے ہم اس واسطے ترا زانو
کہ کچھ عدو پہ ہمارا دباؤ ہو تو سہی

جہاں میں کون ہے ہمدرد تیرے زخمی کا
کسی کے ایسا کلیجے پہ گھاؤ ہو تو سہی

جو اپنا نقد دل و جان ظفر لگا دیں ہم
قمار عشق میں ایک آدھ داؤ ہو تو سہی

سن عداوت کیش کو مجھ سے عداوت ہے سو ہے
اس عداوت پر بھی جو مجھ کو محبت ہے سو ہو

بھولتا ہرگز نہیں میں اس کی قامت کا خیال
زور برپا میرے ہجراں کی جو حالت ہے سو ہے

کر چکے سارے اطباء بلکہ عیسیٰ بھی علاج
پر ترے بیمار ہجراں کی جو حالت ہے سو ہے

کیا بتاؤں میں کہ ہے مجھ سے وہ کیسا بے وفا
عشق میں اچھی نہیں منہ سے شکایت سو ہے

آ گیا انکھوں میں دم ظالم ترے مشتاق کا
پر ترے دیدار کی آنکھوں کو حسرت ہے سو ہے

حب دنیا کے نشہ میں جن کو غافل کر دیا
تا بوقت مرگ ان کو وہی غفلت ہے سو ہے

میرے گریہ نے نہ دھویا بارے دل سے غبار
اس کے دل میں میری جانب سے کدورت ہے سو ہے

فصل گل بھی جا چکی لیکن ترے دیوانہ کو
وہ ہی سودا ہے سو ہے اور وہ ہی وحشت ہے سو ہے

اے ظفر مجھ سے رہا جاتا نہیں بے شغل عشق
کیا بتاؤں رنج ہے اس میں کہ راحت ہے سو ہے

کیا عجب آفت کا درد آسماں میں پیچ ہے
جس کے باعث سے جہاں دیکھو میں پیچ ہے

شاخ سنبل میں کہاں ہے پیچ ایسا خوش نما
جو تمہارے کاکل عنبر فشاں میں پیچ ہے

زلف پیچاں کس کی دریا میں ہوئی سایہ فگن
پڑ گیا جو موج آب رواں میں پیچ ہے

کیا کروں آہ و فغاں سن سن کے یہ کہتا ہے وہ
جانتا ہوں میں کچھ اس آہ و فغاں میں پیچ ہے

دور میں جیسے پتنگوں کے پڑے پیچ اس طرح
میرے تار آہ و تار کہکشاں میں پیچ ہے

تیرے روئے آتشیں پر یہ نہیں پیچیدہ زلف
آتش رخسار کی موج دخاں میں پیچ ہے

ہوئے آتش دیدہ کے مانند سوز عشق سے
دیکھو تو کیا تار جسم ناتواں میں پیچ ہے

خاک ہو کر بھی نہیں جاتا ہے بل داروں کا بل
جل کے کب نکلے گا وہ جو ریشماں میں پیچ ہے

اے ظفر گر پوچھتا ہے وصف قدر زلف یار
اس میں سیدھی بات ہے اس کے بیاں میں پیچ ہے

جب سے ترے آئینہ دل پیش نظر ہے
اس آئینہ میں جلوہ یہ آئین دگر ہے

کس رو سے مہ نو ہر ترا ہم سفر آبرو
ناخن سیترے پاؤں کے شرمندہ قمر ہے

گہ دھیان تیر زلف گہ رخ کا تصور
اپنی تو گزرتی یونہی تا شام و سحر ہے

دیتے نہیں ہم دل میں جگہ غیر کو اپنے
جس روز سے جانا یہ کہ اس یار کا گھر ہے

آگاہ ذرا آمد و شد سے ہو نفس کی
کرتی یہ تری عمر گراں مایہ سفر ہے

کہتے ہیں ملک صل علے دیکھ کے اس کو
اللہ وہ کس شکل و شمائل کا بشر ہو

دکھلا دے کبھی جلوہ دیدار تو اپنا
مشتاق تری دید کا مدت سے ظفر ہے

عشق میں ظالم تری کیا خاک ہم اچھے رہے
برسوں ایذا میں رہے ایک دام اچھے رہے

گر دل و دیں دے کے اپنا ہم تمہیں کافر ہوے
تم کو کیا نقصان ہوا تم تو صنم اچھے رہے

ہم نے اس ہستی میں رہ کر یہ قدم اٹھائے رنج و غم
جو روانہ ہو گئے ملک عدم اچھے رہے

بن گیا جو دل کو تیری زلف پیچاں کا خیال
موج دود آہ میں بھی پیچ و خم اچھے رہے

عشق کا آزار صحت سے ہے بہتر اے طبیب
جو رہے اس شوخ کے بیمار غم اچھے رہے

ابخدا جانے کہ دل میں کیا برائی آ گئی
پہلے تو ہم ہر لطف و کرم اچھے رہے

وہ رہے کھل کر پریشان ان کو دلجمعی رہی
گل سے غنچہ اے نسیم صبحدم اچھے رہے

خاک اخر ہوں گیب پر پہلے ہی جو خاکسار
ہو گئے اس یار کے خاک قدم اچھے رہے

ہر کسی سے راز دل کہہ بیٹھنا اچھا نہیں
اے ظفر دنیا میں ہیں اب لوگ کم اچھے رہے

غیر کر سکتا ہے گو مجھ سے عداوت کیا ہے
مہربان دوست ہے دشمن کی حقیقت کیا ہے

جو نہ دیکھا تھا سو وہ عشق میں تیرے دیکھا
دیکھیے اور دکھاتی ہمیں قسمت کیا ہے

زلف اکثر جو ترے کان لگی رہتی ہے
کہتی یہ کان میں اے کان ملاحت کیا ہے

سب جگہ ہے وہی اور سب کی نظر سے نہاں
پڑ گیا آنکھوں پہ پردہ غفلت کیا ہے

آبرو کھوتا ہے کیوں کہہ دے یہ صاف آئینہ سے
اس سے تو ہو گا مقابل تری صورت کیا ہے

غمزہ کرتا ہے ترا ایک جہاں کو غارت
یہ بلا کیا ہے خدا جانے یہ آفت کیا ہے

جلد آ جلد نہ کر دیر تو اے رشک مسیح
دیکھ تو اب ترے بیمار کی صورت کیا ہے

کیا کہوں کہنے میں تو اور مصیبت سے سوا
مھ سے پوچھتے ہیں تجھ پہ مصیبت کیا ہے

میں کروں شکوہ جو کچھ ان کی محبت ہو ظفر
جب محبت ہی نہیں تو شکایت کیا ہے

اپنے دروازہ کی تم زنجیر دے کر سو رہے
کیے تو جاں در پہ دلگیر دے کر سو رہے

قتل ہونا تھا نہ قسمت میں لاکھ بار
ہاتھمیں قاتل کے ہم شمشیر دے کر سو رہے

وہ بغل میں غیر کے سوئے یہاں ہم ان کے بغیر
ہاتھ یاں بغلوں میں اے تقدیر دے کر سو رہے

جب تلک بوسہ نہ دے گا سونے کب دیتا ہوں میں
ہم کو بوسہ بہ بت بے پیر مہر دے کر سو رہے

روبرو میری جو منہ پہ دوپٹہ تان کر
سوئے تو اپنی مجھے تصویر دے کر سو رہے

کہنے بھی پایا نہ میں اپنی کہانی اس نے رات
گالیاں وہ مجھ کو بے تقصیر دے کر سو رہے

جاگنے سے خوب رہ گر چیں سی کوئی ظفر
دل کو تسکین زیر خرچ پیر دے کر سو رہے

ان سے عرض حال کی تدبیر ہو سکتی تو ہے
کیجے کچھ تقریر یا تحریر ہو سکتی تو ہے

صورت تسکین نہیں شکل دل بیتاب کی
کھینچ دو گر اپنی تم تصویر ہو سکتی تو ہے

دل کو پہنچے گا ترے صدمے وگر نہ عشق سے
آہ بے تاثیر میں تاثیر ہو سکتی تو ہے

کشتہ ہو کر خاک ہو جائے جو دل سیماب وار
خاک اس کی ہمسر اکسیر ہو سکتی تو ہے

تیرو ابرو کا سا خم ہو یہ ممکن ہی نہیں
گرچہ خم دار اور بھی شمشیر ہو سکتی تو ہے

وہ بشر بس میں کس کے ہو یہ ہو سکتا نہیں
گر پری بھی ہے تو کیا تسخیر ہو سکتی تو ہے

ہے پسند قاتل سفاک خون بے گناہ
ورنہ ثابت مجھ پہ کچھ تقصیر ہو سکتی تو ہے

اس بت عیار سے یاری نہیں امر محال
کچھ اگر یاری کرے تقدیر ہو سکتی تو ہے

دل جو ہاتا ہے شکستہ پھر وہ بنتا ہی نہیں
ٹوٹ کر مسجد ظفر تعمیر ہو سکتی تو ہے

شب کو اس طرح اس کے گرد کاشانہ رہے جیسے سرگرداں سر فانوس پروانہ رہے

مطلع ثانی

ہم رہیں ساقی رہے اور دور پیمانہ رہے بوئے گل سے کیوں نہ مہکا اپنا کاشانہ رہے

مطلع ثالث

ہم رہیں ساقی رہے اور دو پیمانہ رہے حشر تک بارے یونہی آباد میخانہ رہے

مطلع رابع

گرم آرائش جو اپنا اور جانا نہ رہے کیوں نہ دوست مہر میں آئینہ و شانہ رہے
تم بتاؤ اپنے گورے منہ پہ اک کاجل کا تل پاس تا کافور کو فلفل کا بھی دانہ رہے
ہووے محتاج نمکدان زخم دل بلبل کا کیوں جبکہ شبنم سے بھرا ہر گل کا پیمانہ رہے
جس طرح سے شمع پروانہ ہوتا ہے فدا اس طرح شمع اس کے رخ پہ پروانہ رہے
میں وہ مجنوں کہ صحرا میں زبان خار پر تا قیامت اس مری وحشت کا افسانہ رہے
زیر محراب خم ابروئے چشم مست یار دیکھنا کیا دور ہے مسجد میں بتخانہ رہے
موج جوہر سے نہ کیونکر پائے در زنجیر ہے کیونکہ آئینہ تری صورت کا دیوانہ رہے
دیکھ کر خال اس کے رخ پر کیونکر میں حیران ہوں یعنی قائم شعلہ پر کس وجہ سے پرواز رہے
جو کہ وحشی تری آنکھوں کا اے آہو نگاہ کس کا اس سے خیر و خوش اخلاص یارانہ رہے
شمع تیرا آب گریہ پھر یہ کس کام آئے گا جب پڑی بے غسل لاش پروانہ رہے
جس کے سر پر ہووے زیبا یار کے کوچے کی خاک خاک اس کو آرزوئے تاج شاہانہ رہے
شمع راہ عشق میں کوئی پر پروانہ سے راہداری کا مقرر پاس روزنی رہے
عشق ہے وہ برق خرمن سوز یہ جس دم گرے لاکھ خرمن ہوں پھر باقی نہ اک دانہ رہے
سیر کر دل کے ورق کی ورنہ لاحاصل ہے پھر گر ترے پیش نظر سارا کتب خانہ رہے
دیکھ کر وحشت جنوں میں مجھ کو مجنوں نے کہا مہربانی مجھ پہ اے قبلہ بزرگانہ رہے
گھر میں کون اس تفتہ جگر کے آسکے اے سوز عشق موج آتش جس کے پہ زنجیر درخانہ رہے
میں وہ مے کش اس چمن میں ہوں کہ ایسا مثل نرگس جس کے سر کے ساتھ پیمانہ رہے

تیغ قاتل کا ادا کب شکر ہوتا ہے ظفر
گو لب ہر زخم پر بسمل کے شکرانہ رہے

درکار اجل کی دست درازی ذریسی ہے
اٹھنے میں عمر کے رہی بازی تو لیسی ذریسی ہے

بندہ بتوں کو کوئی نہ کرتا خدا پرست
پر اس میں رسم بندہ نوازی ذریسی ہے

آتی ہے دل میں صاف وہ صورت نظر جو عشق
دکھلاتا اپنی آئینہ سازی ذریسی ہے

دے ہے بہا شکیب کو پل نگاہ بد
اس میں جو طرز صبر گذاری ذریسی ہے

گزارا جو سر سے اور ہوا فرض بس ادا
عاشق کی تو نماز جنازہ ذریسی ہے

آسان ہے نفس کافر سرکش کا مارنا
پر شرط ہمت اے دل غازی ذریسی ہے

لے جائے ہے ظفر یہ حقیقت کے رستہ پر
ہر چند راہ عشق مجازی ذریسی ہے

گالیوں کا ہم پہ چلتا روز چہرہ صاف ہے
کیا زبان ہے آپکی کیا روزمرہ صاف ہے

کیا غضب ہے جو محبت کا تیری بھرتا ہے دم
اس پہ ہوتا تیری محفل میں تیرا صاف ہے

دھو دیا روئے زمیں کو آب گریہ نے مری
پر نہیں ہاتا دل اس کا ایک ذرا صاف ہے

حاشیہ کیا کیا چڑھاتی ہے محبت دیکھئے
اجتلک تو یہ کتاب دل مرا صاف ہے

جا نہ تو باتوں پہ زاہد رندمے آشام کی
منہ پہ پر آتا ہے پر دل میں یہ بہت بڑا صاف ہے

آج مرغان قفس کے کیا کہیں کترے گا پر
کر رہا مقراض کا صیاد پڑا صاف ہے

حرص دنیا ہے بشر کے واسطے آلودگی
ہو گیا جس وقت یہ اس سے میرا صاف ہے

تیرے رشک قامت رعنا سے سر پر سرو کے
شہپر قمری چمن میں شکل آرا صاف ہے

اے ظفر ہمسر ہو کیا شعلہ دل بیتاب سے
دیکھ کر بجلی بھی جاوے اس کو تھرا صاف ہے

مصور نے ہمیں یا جانے دی تصویر کس کی ہے
ملے تصویر ایسی کس کو یہ تقدیر کس کی ہے

ہمیشہ آہ بھی کرتے ہیں ہم نالہ بھی کرتے ہیں
پر اس کے دل میں ہوتی دیکھئے تاثیر کس کی ہے

تری تقریر ناصح خوب ہے ہاں ہم بھی قائل ہیں
مگر سنتا دل دیوانہ یہ تقریر کس کی ہے

ترا ہے ناز بے جا پائداری پر عمارت کی
رہی قائم یہاں منعم سدا تعمیر کس کی ہے

بجز تیغ نگاہ یا رکشت و خون عاشق پر
زیادہ تیز ہوتی دمبدم شمشیر کس کی ہے

کیا جو کچھ نصیبوں نے نہ کچھ دل نے نہ آنکھوں نے
کہوں میں یہ خطا کس کی ہے اور تقصیر کس کی ہے

ظفر جو کچھ پیشانی میں وہ ہی بات پیش آتی
کہ جاتی پیش اس کے سامنے تدبیر کس کی ہے

نکالے کام جو کوشش سے تو تدبیر وہ یہ ہے
نہ آئے کام جو کوشش تری تقدیر وہ یہ ہے

دکھائے زخمی تیغ محبت حال کیا اپنا
لگیں سو زخم اور ظاہر نہ ہو شمشیر وہ یہ ہے

وہ جتنا کھینچتے ہیں اتنا ہی ان کو کھینچ لاتی ہے
مرے دل کی کشش میں ہے جو کچھ تاثیر ہو یہ ہے

کہوں کس وجہ سی میں شمع تیرے روئے تاباں کو
جہاں روشن ہو جس سے ماہ پر تنویر وہ یہ ہے

تری صورت نظر آئی تو سب اٹھے صورت گر
جہاں حیران ہو جس کو دیکھ کر تصویر وہ یہ ہے

ملی ہے دولت کونین ہم خاکساری میں
مہ وش جانتے ہیں ہم جسے اکسیر وہ یہ ہے

خدنگ ناز سے اس کے نہ سہمے کیونکہ جی میرا
ظفر جو بے گماں ہو پار دل کے تیر وہ یہ ہے

کبھی لب پر جو ہنسی اپنے زری آتی ہے
ساتھ ہی آنکھوں میں گریہ تری آتی ہے

آنچھر فصل بہاری جو بسی پھولوں میں
آج گلشن سے نسیم سحری آتی ہے

دل کا پرچہ مرے لے جائے گا واں قاصد اشک
یہ سوا اس کے نامہ بری آتی ہے

چشم قتال سے خدا تیری بچائے کافر
اس ستم گر کو بلا فتنہ گری آتی ہے

دیکھ کر سوئے چمن حسرت پرواز ہمیں
ہائے کیا کیا دم بے بال و پری آتی ہے

بے خبر جبکہ تو آتا ہے خبر کو میرے
پہلے آنے سے ترے بے خبری آتی ہے

روئے جاناں کا جو آتا ہے ظفر دل میں خیال
صاف شیشہ میں نظر ہم کو پری آتی ہے

نظر کس واسطے تو اپنی او قاتل چراتا ہے
نہ خنجر ترے کب بسمل چراتا ہے

کبھی جا بیٹھتا ہوں پاس میں اس کے جو محفل میں
تو پھر کیا کیا بدن وہ رونق محفل چراتا ہے

متاع دل کی چوری یوں نہیں کرتا مہ غمزہ
مگر جس وقت پاتا ہے مجھے غافل چراتا ہے

مجھے دل کھول کر رو لینے دو روکو نہ ہم چشموں
کہ پانی آنسوؤں سے میرا زخم دل چراتا ہے

لگا تیغ ستم تو شوق سے ظالم کہ مرنے سے
بھلا کب جان اپنی ترا مائل چراتا ہے

یہ کیا اندھیرے جو دن دیئے خاسے اجالے میں
مرے دل کو رخ روشن کا تیرے تل چراتا ہے

ظفر سب کو برابر دیکھتے ہیں وہیں روشن دل
کسی سے آنکھ اپنی کب مہ کامل چراتا ہے

جب اشک آنکھ سے کچھ زیر مژگاں تیز بہتا ہے
کھڑا ہے کھیت خشک اور آب دہقاں تیز بہتا ہے
ترے زخمی کو یاد آتی ہے جب شمشیر کی تیزی
تو کیا کیا خون زخم تیغ براں تیز بہتا ہے
سخن میں اس لب جاں بخش کے ایسی روانی ہے
کوئی جانے کہ گویا آب حیواں تیز بہتا ہے
کبھی دل میں جو ہے دریا دلی سے جوش آجاتا
تو کیا کیا لہر میں تنکا سا انساں تیز بہتا ہے
عرق افشاں تری زلفیں جو رخساروں پہ ہوتی ہیں
چمن میں اس کے کیا کیا آب باراں تیز بہتا ہے
کوئی کم آشنا ایسا ہے جس کے پاؤں یاں پھڑیں
کہ دریائے محبت اے مری جاں تیز بہتا ہت
ظفر بہتا تو ہے ناسور دل کا روز پر اس کو
کوئی گر چھیڑتا ہے اور بھی ہاں تیز بہتا ہے

ہوشمند وقت ہے وہ پیشوائے وقت ہے
بات کرتا دیکھ کر جو مقضائے وقت ہے
رہتا ہے ہر وقت جاری چشم سے دریائے اشک
پوچھتا اے آشنا کیا ماجرائے وقت ہے
ہوتا ہے جس کام کا موقوف اپنے وقت پر
ہوتا جلدی سے ترے وہکب سوائے وقت ہے
مستعد مرنے پہ ہے عاشق لئے تیغ و کفن
اس ستم گر سے کہو اس وقت آئے وقت ہے
وقت پر آیا نہ اپنے کام کوئی آشنا
ہم نے دیکھا جسے وہ نا آشنائے وقت ہے
ہے وقت امتحان عشق بازو بلہوس
تو اگر شمشیر اپنی آزمائے وقت ہے

اے ظفر راہ وفا میں جو رہا ثابت قدم
رفتہ رفتہ ہو گیا وہ رونمائے وقت ہے

تو خطوں سے ہم نیا رب آشنائی تو ہے
دیکھیے لکھا ہے کیا بخت آزمائی کی تو ہے

یہ خدا جانے کہ دل میں ہے کدورت یا نہیں
ظاہر اس آئینہ رو نے کچھ صفائی کی تو ہے

قد رعنا سے بھی اپنے سیکھے طرز راستی
سیکھی جو زلفوں سو تو نے کج ادائی کی تو ہے

دست و پا میں ہے لگی مہندی اگر لگ جائے
آج کیفیت کچھ ان سے ہاتھا پائی کی تو ہے

تیغ قاتل ہے در زنداں ہستی کی کلید
اس سے کچھ صورت نظر آئی کی تو ہے

دل نہ دو گا کوئی تجھ کو دیکھ پچھتائے گا تو
لے کے تو نے دل کو مجھ سے بے وفائی کی تو ہے

ہو گئی برباد خاک اپنی بلا سے عشق میں
لیکن امید اس کے دامن تک رسائی کی تو ہے

تو نے تلووں سے کیا جانے کس کی چشم تر
آج کم سرخی ترے پائے حنائی کی تو ہے

ہم کہاں اور منزل جانان کہاں لیکن ظفر
کچھ تصور نے ہماری رونمائی کی تو ہے

ہمیں خط اس نے انداز ستم ایجا لکھا ہے
وہ پیش آنے کو جو ہے اپنی پیشانی پہ لکھا ہے

وہ خط پشت لب لعلیں یہ کلک قدرت نے
خط ریحانی سے کچھ لعل بدخشانی پہ لکھا ہے

اشارہ ہے کہ ہم افشان جبین پر اپنی جیسی ہیں
انہوں نے خط جواب قرطاس افشانی پہ لکھا ہے

دوا میری ہے وصل یار کیوں نسخہ حکیموں نے
طریق حکمت ہندی و یونانی پہ لکھا ہے

کہاں ہے خط چین اس آبروئے خمار پہ دیکھو
یہ نام تیغ گر تیغ صفا ہانی پہ لکا ہے

کہو کیا ماجرائے بے ثباتی نقش ہستی کا
مٹا جاتا ہے یوں گویا کہ یہ پانی پہ لکھا ہے

متانت دیکھتا ہے کیا ظفر کی طبع عالی میں
کہ جو لکھا مضمون طرز خاقانی پہ لکھا ہے

وہ دل کیا ہے جو تیرے غم الفت سے خالی ہے
وہ دیدہ کیا جو تیری دید کی حسرت سے خالی ہے

عجب انداز سے ہم خط اس حراف نے لکھا
نہیں اک حرف جس میں ماہ بر حرفت سے خالی ہے

بھر اگر جام مے ساقی نے لیکن ہم کو کیا حاصل
کہ اپنا ساغر دل بادہ عشرت سے خالی ہے

ذرا صورت بتوں کی دیدہ تحقیق سے دیکھو
کوئی صورت نہیں اللہ کی قدرت سے خالی ہے

گیا یاں سے نکل کیا جانے دیوانہ کہاں تیرا
پڑا پھر خانہ زنجیر اک مدت سے خالی ہے

رہے گا داغ ہائے عشق سے سینہ بھرا یونہی
کوئی ہوتا خزانہ اپنا اس دولت سے خالی ہے

ظفر ہم باندھتے ہیں جب سے مضمون کمر اس کا
ہمارا شعر بھی کوئی نہیں وقت سے خالی ہے

پھرتی آنکھوں میں جو اس زلف دوتا کی شکل ہے
خواب میں آتی نظر مجھ کو بلا کی شکل ہے

شوق میں اس قد رعنا کے ہے مثل آزاد سرو
بن گیا لے کر چھری جو بینوا کی شکل ہے

ناتواں ہے تو تجھے اے دل سہارا چاہیے
آہ تیرے واسطے تیرے عصا کی شکل ہے

کرتا ہے جو تو ملامت اتنی اے ناصح مجھے
تو نے دیکھی بھی کبھی اس دلربا کی شکل ہے

جس کے تو ہو قتل کے درپے کہاں اس کو پناہ
ابروئے پر خم ترا تیغ قضا کی شکل ہے

واہ کیا تاثیر رکھتا ہے ترا مکتوب شوق
نامہ بر دیکھو اڑا جاتا ہوا کی شکل ہے

صدقہ اپنی روئی صورت کو کرے رو دیتا یار
دیکھتا جس وقت وہ اس مبتلا کی شکل ہے

تیرے مجنوں کے تصور سے ہے تیری دل لگی
وحشت بھی آنکھوں باغ دلکشا کی شکل ہے

چشم ہو جائے ظفر سب سے صورت آشنا
دل فقط پہچان لیتا آشنا کی شکل ہے

وہ دیکھ لیتے ہیں جو ادھر کچھ نہ کچھ تو ہے
ہو جاتی دل کی دل کو خبر کچھ نہ کچھ تو ہے

برگشتگی نصیب کی اپنے کہوں میں کیا
پھیری ادھر سے اس نے نظر کچھ نہ کچھ تو ہے

آیا ہے پھر کسی کی محبت کا دل میں جوش
بھر آئے جو دیدہ تر کچھ نہ کچھ تو ہے

بلبل سے بعد مرگ گئی کب ہوائے گل آئے گا کیا
اڑتے پھرے ہیں باغ میں پر کچھ نہ کچھ تو ہے

چمن میں کوئی رونق چمن
گل رہے ہیں میں باد سحر کچھ نہ کچھ تو ہے

وحشت ہے یا جنوں مجھے پر تیرے عشق میں
پھرتا ہوں میں جو خاک بسر کچھ نہ کچھ تو ہے

جل جائے ہے جو گھاس سدا میری خاک پر
باقی ہنوز سوز جگر کچھ نہ کچھ تو ہے

اپنے کشیدہ مجھ سے نہ ہو تم کہ آخرش
دل کی مری کشش میں اثر کچھ نہ کچھ تو ہے

شاید کسی سے ہو کہ بغل گیر آج تم
بغلیں بخار ہے ظفر کچھ نہ کچھ تو ہے

طرز آنکھ کی نرگس میں ہے زخم زلف کا سنبل میں ہے
نقشہ ہے قد کا سرو میں رخ کی شباہت گل میں ہے

جام جہاں بیں میں نظر ایا وہ کب جمشید کو
دیکھا تماشا ساقیا جو ہم نے جام مل میں ہے
سو ٹکڑے ہو گل کا جگر اک دم باد سحر
تاثیر درد عشق کی وہ نالہ بلبل میں ہے
جائے گا جس ملت میں تو پائے گا واں جنگ ع جدل
آرام گر منظور ہو تجھ کو تو صلح کل میں ہے
ہوتے ہیں زندہ مردہ دل بزم شراب ناب میں
اعجاز اے ساقی عجب اس خندہ قلقل میں ہے
میرا دل شامت زدہ ظالم گرفتار بلا
ہے گاہ تری زلف میں گاہے تری کاکل میں ہے
خاموش رہنا چاہیے دنیا کی شورش گاہ میں
سنتا کسی کی اے ظفر یاں کون شور و غل میں ہے

یہ عمر ہم نے بسر سب شراب میں کی ہے
سفید ریش نہیں آفتاب میں کی ہے
گیا ہے بھول میری بے قراریاں قاصد
ورنگ اس نے جو خط کی جواب میں کی ہے
بار ہے نہیں اس کے حواس جس کی طرف
نگاہ آپ نے خشم و عتاب میں کی ہے
بنا ہے چرخ پہ جو ماہ ساغر سیمیں
کسی نے بادہ کشی ماہتاب میں کی ہے
سمجھ حباب کو بحر جہاں میں اے غافل
کہ بن ایک ہوا سی حباب میں کی ہے
ملا نہ رہنے کو جب گھر کہیں تو غم نے تیرے
جگہ مرے دل خانہ خراب میں کی ہے
ہوئی جو پیری میں تابت تو کیا وہی ہے خواب
کسی نے توبہ جو عہد شباب میں کی ہے
فلک پہ برق جہاں کے اڑا دیئے میں ہوش
جو آہ ہم نے کبھی اضطراب میں کی ہے

تمام عمر گزاری ہے اپنی غفلت میں
جہاں کی سیر ظفر ہم نے خواب میں کی ہے

گر بے طاقت ہوں میں پر دل میں طاقت اور ہے
قوت ظاہر سے ہاں باطن کی طاقت اور ہے
ہوں دل بریاں سے میرے کس طرح ہمسر کباب
اس کی لذت اور ہے اس کی لذت اور ہے

نا ز ی درپے نہیں دل کے فقط غمزہ بھی ہے
بچ سکے کیوں کر کر اک آفت پہ آفت اور ہے
میری رسوائی سے تو ہوتا ہے ناخوش کس لیے
اس سے تو ہوتی زیادہ تیرہ شہرت اور ہے
جلد لے کر مریض عشق کی اپنے خبر
آج اے رشک مسیحا اس کی حالت اور ہے
مے کدہ میرے لیے تیرے لیے ہے خانقاہ
تیرا مذہب اور زاہد میری ملت اور ہے
کیوں انا الحق کہہ کے سر منصور نے اپنا دیا
کون جانے سر حق یہ تو حقیقت اور ہے
اے ظفر جتنی جتاتے ہیں ہم اپنی دوستی
ہوتی اتنی ہی انہیں یاں ہم سے نفرت اور ہے

بلا سے یار نے شمشیر کھینچ کر چھوڑی　　بھوؤں کی ہم نے بھی تصویر کھینچ کر چھوڑی
نکل کر خانہء زنداں سے پہنچے دشت کو ہم　　جنوں نے ڈھیلی جو زنجیر کھینچ کر چھوڑی
نہ شھوڑی تری محبت کسی نے گر چھوڑی　　تو رنج اے بت بے پیر کھینچ کر چھوڑی
نہ دم بھی لینے کہ طاقت تھی ہم میں پر ویسی　　اک آہ ہمسفر صد کھینچ کر چھوڑی
ہزاروں چھوڑے گرفتار جبکہ شانہ نے　　تمہاری زلف گرہ کھینچ کر چھوڑی
وفا کے جرم پہ اس بے وفا نے میری لاش　　گلی گلی پہ تشہیر کھینچ کر چھوڑی

ہم اپنے کلک تصور کے ہیں ظفر قائل
کہ اس نے یار کی تصویر کھینچ کر چھوڑی

نہ دل ان شعلہ رخسار پہ لوٹے　　بلا سے گرچہ انگاروں پہ لوٹے
تم اینڈ و بستر گل پہ تمہیں کیا　　کوئی حسرت سے گر زخاورں پہ لوٹے
کہاں پایا یہ مزہ جو چھٹے چھٹے　　گل اس گل کے دل افگاروں پہ لوٹے
نہیں زلفوں کے سودائی کو کچھ ڈر　　پڑا شب کو سیہ ماروں پہ لوٹے
اسے جو دیکھ کر ہو برق بیتاب　　زمیں پہ لوٹے دیواروں پہ لوٹے
گیا دل لوٹ میرا ان بھوؤں پہ　　وگرنہ کون تلواروں پہ لوٹے

ہمیشہ لوٹے بسمل کی طرح وہ
ظفر جوان طرح داروں پہ لاٹے

ہے جبکہ خلق سوچ کے تدبیر بولتی
کچھ اور ہے جواب میں تقدیر بولتی

ہنستا وہ گل چمن میں اگر کھلکھلا کے صبح
حسرت تھی کیا جو بلبل تصویر بولتی

برپا رہے ہے خانہ زنداں میں ایک غل
مجنوں کے ہے جو پاؤں میں زنجیر بولتی

بلبل ہمنوائے شوق کر آمدہی کے شور میں
کیا کیا ہے خاک عاشق دلگیر بولتی

گرچہ نہیں ہے میرے نے استخواں میں دم
پر عشق کے باعث تاثیر بولتی

افسوں عشق سے دل عاشق کے سر پہ زور
ہے وہ بلائے زلف گرہ گیر بولتی

تیرے کلام میں ہے وہ انداز اے ظفر
محفل میں آفرین دم تقدیر بولتی

دیا چکر ہو چشم شوق مہ طلعت کی گردش نے
کہ اک گردش پہ گردش دی مجھے قسمت کی گردش نے

نہ افلاک فانوس خیالی کی طرح مکھ کو
نئی صورت دکھائی اک نئی صورت کی گردش نے

کیا زاہد کو مستوں سے زیادہ تر سر محفل
خراب انجم میں جام مے نخوت کی گردش نے

مجھی کو کیا فقط ایسا کہ پیسہ اک زمانہ ہو
مثال آسیاں گردوں رواں ہمت کی گردش نے

ستم گر دیکھ تو کیا کیا ڈبوئے آشنا تیرے
تیرے گرداب دریائے غم الفت کی گردش نے

رکھا چکر میں میری خاک کو بھی بعد مرنے کے
ہمیشہ گردباد وادی وحشت کی گردش نے

نوشتہ میں ظفر گردش زدوں کی کوئی کیا جانے
کیا ہے کام کیا کیا خامہ قدرت کی گردش نے

تیرے کوچہ میں جانا کون گر جاتے تو ہم جاتے
نہ جاتے ہم بھی پر جس سے گزر جاتے تو ہم جاتے

نہ تھا ہم سے سوا آئینہ مشتاق اکی صورت کا
گیا کیوں پیکے ہو پیش نظر جاتے تو ہم جاتے

نہ لایا کچھ جواب ان سے گیا تو کیا کیا قاصد
دل مضطر کے بن کر نامہ بر جاتے تو ہم جاتے

نکالا تو نے ہمکو تو گئے ہم تیرے کوچہ میں
وگر نہ کھینچے گی کب جاتے مر جاتے تو ہم جاتے

رفیق اپنی گئی جلدی ہم اکے ساتھ کیا جاتے
اگر اک دو نفس بھی ہو ٹھر جاتے تو ہم جاتے

گیا رونا ہوا کیا ہر تر گور غریباں کو
کبھی گر اس طرف با چشم تر جاتے تو ہم جاتے

بتاتا گر خدا سایہ ہمیں اکا تو ساتھ اکے
نہ جاتا کوئی لیکن اے ظفر جاتے تو ہم جاتے

سانس بھی ضعف جو خستہ جگر لے نہ سکے
حیف تو آ کے ذرا اس کی خبر لے نہ سکے

ہم نے سو بار یہ سوچا کہ کسی صورت سے
بوسہ لے لیں ترے رخسار کا پر لے نہ سکے

پونچھ آنسو نہ میرے اپنے غم خواری میں
اپنے دامن میں کبھی تم یہ گوہر لے نہ سکے

اے پری وش ترے عاشق کا جو دیکھے احوال
نام بھی عشق کا پھر کوئی بشر لے نہ سکے

فصد مجنوں کی ترے لے کوئی کیوں کر فصاد
کام نشتر کا وہ ہر خار سے گر لے نہ سکے

ناتواں اٹھے تیرا بستر غم سے کیا خاک
جبکہ کروٹ بھی ادھر سے وہ ادھر لے نہ سکے

تا نہ صد چاک ہو شانہ کی طرح دل اپنا
اس کی زلفوں کی بلائے یہ ظفر لے نہ سکے

غرور حسن سے گروہ جلال میں آوے
تو اس کی مہر نہ ذرا خیال میں آوے

اس پہ زلف ہوا اس خال رخ کو دیکھ کر دل
بغیر دانا کے طائر نا جال میں آوے

کرے اس ابروے پہ خم سے ہمسری کیوں کر
کہاں سے خم یہ کمان ہلال میں آوے

وہ خال رخ جو بکھرے ہیں زلف کے بال
ستارہ دیکھیے کس کا وبال میں آوے

حنا جو اس کی قدم بوس ہو تو پھر کیوں کر
نہ حسرت اپنے دل پائمال میں آوے

بلا سے وصل کا دن ہو وہی ہے عید کا دن
کہ اک بار تو وہ ایک سال میں آوے

ظفر وہ خاب میں کس طرح آئے میرے پاس
کہ جب نا خواب ہی رنج و ملال میں آوے

نا مال سے نا زر سے نا تدبیر سے چمکے
چمکے اگر اقبال تو تقدیر سے چمکے

یہ انجم تاباں نہیں جھلکے ہیں فلک پہ
آہ جگر عاشق دلگیر سے چمکے

ہم ایسے نہیں ہیں کہ جو آنکھ اپنی جھپک جائے
وہ برق سی ہر ور تیری شمشیر سے چمکے

خورشید کا کیا منہ ہے کہ ہم تاب ہو اس سے
وہ نور ترے چہرہ تصویر سے چمکے

یہ آگ نہیں وہ کہ بجھاوے جسے پانی
عشق اور میرے گریا کی تاثیر سے چمکے

جس تک کہ نا ہو رات نا ہو روشنی شمع
حسن اس کا نا کیوں زلف گرہ گیر سے چمکے

غصے میں بھرے بیٹھے تھے میں نے جو کہا کچھ
تو اور ظفر وہ میری تقدیر سے سے چمکے

متفرقات قطعہ

کتنے ہی بن کے شہر کے اور گاؤں کے نشان
یوں مٹ گئے ڈھلے پہ جو پاؤں کے نشان

گر نخل خشک کوئی کہیں رہ گیا ظفر
پائے نا اس کے پاؤں تلے چھاؤں کے نشان

سلام

سلام امام کا کہہ پڑھ کے صبح و شام نماز
تو اسے ملائی ادا کر نہ بے سلام نماز

نہ ہووے دل میں دو حب نبی و ال نبی
تو کام آئے نہ روزو نہ آئے کام نماز

دو اس امام کا ہے دوست ہے خدا کا دوست
قبول ہوتی ہے اس کی علی الدوام نماز

جو ہو حسین کا دشمن اسے کہاں ایمان
اگرطہ پڑھتا بھی ہو وہ برائے نام نماز

عبادت ایسی ہو کس سے کہ تھا ادا کرتا
بوقتِ قتل بھی وہ قبلہ امام نماز

کرے اس پہ ستم ہائے کیا مسلمان ہیں
پڑھیں طریق پہ سب دیں کے خاص و عام نماز

حسین کا ہے وہ رتبہ کہ جائیں فخر اپنا
اگر پڑھائے فرشتو کو وہ امام نماز

یہ کیا ستم ہے کہ نہ خود پڑھیں نہ پڑھنے دیں
کسی کو اس کے جنازے کی اہل شام نماز

قطعہ

کہا یہ شاہ نے اپنے اعداء سے چاہیے تم کو
توقف اتنا کہ ہو میری اختتام نماز

یہی ہے دل میں میرے آرزو کہ تہ تیغ
ادھر تمام حیات اور ادھر تمام نماز

سر شک دیدہ پہ آب سے وضو کر
ہمیشہ پڑھتے ہیں شبیر کے غلام نماز

نا ہوئے کوئی مجھے غم بجز غم شبیر
ظفر یہ مانگ دعا پڑھ کے تو مدام نماز

مسدس بطور مرثیہ

نماز پڑھ کے سدا سجدہ و قیام کت ساتھ
وظیفہ چاہیے ذکر غم امام کے ساتھ
اگر ہے دوشق تو سرور نام کے ساتھ
تو ورد صبح کے ساتھ اور ورد شام کے ساتھ

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

ہزار کوئی عبادات میں رہے مشغول
جو دل میں رکھتا نہ ہو حب اہل بیت رسول
نماز اس کی نہ مقبول نہ دعا قبول
جو ہو تو دولت ہر دو جہاں ہو اس سے حصول

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

بجز حسین ہو کوئی شفیع امت کیا
کرے جو وہ نہ شفاعت تو ہو شفاعت کیا
بغیر اس کے اطاعت ادا ہو اطاعت کیا
نہ ہو جو اس کی محبت تو ہے عبادت کیا

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

وہ شاہ ہر دوسرا نور چشم شاہ نجف
جھکا جو اس کی طرف وہ جھکا خدا کے طرف
پے ناز ملک باندھیں جب فلک پہ صف
کہیں حسین کو اللہ نے ادا یہ شرف

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

جہاں میں ہے جو کوئی خاص بندہ معبود — نہ ہو نماز تھا اس سے اور ترک درود
اسے حسین کے غم میں دل اس کا درد آلود — کہ اس کے واسطے ہے دو جہاں کی بہبود

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

حسینؑ ابن علیؑ ہے وہ شاہ ہر دو جہاں — کہ جس کے جن و بشر سب ہیں تابع فرمان
سلام بھیجے اس پہ ہمیشہ بادل و جان — یہی ہے دین یہی اسلام اور یہی ایمان

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

غم حسین سے ہے جو تیری چشم ہے پر نم — سیاہی اس میں نہیں روشنائی سے کچھ کم
ہر اک شاخ مژہ سے ظفر بنا کے قلم — یہ دل کہ پرچہ پہ آنکھوں سے کر ہمیشہ رقم

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

مخمسات

گل رخو عالم آشنا ہیں ہم — ہم سے کیا پوچھتے ہو کیا ہیں ہم
کہ چکے غم سے بارہا ہیں ہم — گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم

جرم ثابت ہوا ہے کیا ہم پر — نہیں کھلتا یہ ماجرا ہم پر
اور اک ظلم ہے نیا ہم پر — اے بتو اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندہ خدا ہیں ہم

تو نے دیکھا جسے اٹھا کر چشم — کیا مفتوں اسے دکھا کر چشم
سن کے یہ چشم سے ملا کر چشم — سرمہ آلود مت دکھا کر چشم
دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم

گرچہ ہوتی رہی جفا پہ جفا — پر نہ سرکے وہاں اک ذرا
ہم پہ احسان یہ وفا نے کیا — ترے کوچہ میں تا بہ مرگ رکھا
کشتۂ منت وفا ہیں ہم

نہیں مرہم طلب تن مجروح — ہے یہ اپنا عجب تن مجروح
دیکھو تو آ کے اب تن مجروح — ہے نمک سود سب تن مجروح
تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم

ہوئی ہم کو نصیب جتنی عمر تھی ہو تھوڑی سی یا بہت سی عمر
ہم نے اس طرح سے بسر کی عمر آستاں ہی پہ تیرے گزری عمر

اس دروازے کے گدا ہیں ہم

جیسا تھا شاعری میں اچھا میر پاتا گر قدردان بھی ایسا میر
اس طرح اے ظفر نہ کہتا میر کوئی خواہاں نہیں ہمارا میر

گویا جنس نا روا ہیں ہم

ایضاً

کب میں آوارہ کو بہ کو نہ گیا مضطرب کب ہر ایک سو نہ گیا
عشق خوباں ملہر و نہ گیا دل سے شوق رخ نکو نہ گیا

جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

O

تمام شد

جلد دوم دیوان ظفر

محمد عثمان کاتب ایمن آباد موڑ

ضلع گوجرانوالہ

ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ اکبر ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم کے پوتے تھے۔ ۲۸ شعبان ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) بروز شنبہ قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت شاہ عالم بادشاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مغل بادشاہ اگرچہ برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے مگر اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں جیسے علم دوست اجداد کی روایات اس خاندان میں جوں کی توں برقرار تھیں۔ بادشاہ اہل علم کے مربی تھے اور کسب

نہ رہا وقت دور سے جاناں کوئی بھی پاس اپنے سوئس جاں
تجھ سا پاؤں گا میں رفیق کہاں سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں

لیکن اے داغ دل دل سے تو نہ گیا

اس کے ملنے کے سب تھے رستے ٹھیک اور نزدیک تردو ایک سے ایک
دیا غفلت سے مجھ کو دور دو پھینک دیا ہر قدم پہ تھی اس کی منزل ایک

سر سے سودائے جستجو نہ گیا

جس جگہ آدمی کا بس نہ چلے دست افسوس وہاں نہ کیونکر ملے
تھے مطالب مرے برے کہ بھلے دل میں کتنے مسودے تھے ولے

ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

زہدوں سے ظفر ہم تو رہے اوروں پہ بھی رنجم تو رہے
ایک کہتے یہ دمبدم تو رہے سبحہ گرداں ہی میں ہم تو رہے

دست کوتاہ تا سبو نہ گیا

ایضاً

آشنائی کر جو قابل اس تو الفت والے نہ یہ بے مہرو وفا دولت و حشمت والے
یار وہ ہیں جو ہیں یاروں کے رفاقت والے کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے

ان کا بندہ ہوں جو بندہ ہیں محبت والے

اس قدر خواہش نظارہ مجھے ہے تیرے چاہوں میں اس کو چھپاؤں تو نہیں چھپ سکتی
جب کہ لکھواتا ہوں یاروں سے حقیقت اپنی ہائے رہی حسرت دیدار مری ہائے کو بھی

لکھتے ہیں ہائے وہ چٹھی سے شکایت والے

پس مرداں مرے مر قدپہ کوئی بھی غم خوار فاتحہ پڑھنے تو صد حیف نہ آیا یک بار
سوختہ جاں کا بجز سوختہ جاں ہو یار نہیں جز شمع مجاور مری بالیں مزار

نہیں جز کثرت پروانہ نیابت والے

دمبدم کلبہ اخوں میں ہے دم گھبراتا دم کے جانے میں مرے لب ہے کوئی دم جاتا
اور غم خوار تو صورت بھی نہیں دکھلاتا کبھی افسوس ہے آتا کبھی رہا آتا

دل بیمار کے ہیں وہی عیادت والے

بھیجوں کیا نامہ میں لکھوا کے تمہیں دل کا راز   ہوتی تحریر ہے بیتابیٔ دل کی غماز
بیقراری کے اثر سے مرے اے بندہ نواز   چھوڑ دیتے ہیں قلم جوں قلم آتشباز

میری شرح تپش دل کے کتابت والے

تجھ سے رکھتا ہے کوئی چارۂ غم کی خواہش   تجھ سے کرتا ہے کوئی قول و قسم کی خواہش
مٹ گئی عشق میں سب اپنی تو دل کی خواہش   نہ ستم کا کبھی شکوہ نہ کرم کی خواہش

دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے

پھولے جس وقت کہ گل اپنی چمن میں اے ذوق   ہے جو آگاہ ظفر شعر کے فن میں اے ذوق
کہیے انصاف سے اس تیرے سخن میں اے ذوق   ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق

اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

ایضاً

چشم دل میں جو خود و گل بھر دیتی ہے   یہ سمجھا کر ہمیں آگاہ وہ کر دیتی ہے
یاں فنا کس کے سدا اپنے کو کر دیتی ہے   یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے

زندگی موت کر آنے کی خبر دیتی ہے

باندھتا آتا کسی پر نہیں مجھ کو   خوب معلوم ہے اے گبر و مسلماں مجھ کو
کرتا سودائی نہیں طرۂ پیچاں مجھ کو   تیرہ بختی کرتی ہے پریشاں مجھ کو

تہمت اس زلف سیہ فام پہ دھر دیتی ہے

اس پہ حاجت نہیں کچھ مجھ سے قسم لینے کی   آرزو ہے مجھے اس تیرے قدم لینے کی
پر ہیں تیاریاں اب راہ عدم لینے کی   دم بدم تھم پاک قدم ہے دم لینے کے

مجھ کو فرصت تری کب تیغ نظر دیتی ہے

مفتی شہر کوئی ہووے کہ ہو قاضی شہر   ہو گا اس فاحشہ سے دل کا لگا اے نیر
مگر اس کے غضب اور قرب اس کے ہیں قہر   زال دنیا ہے عجب طرح کی علامہ دہر

مرد دیندار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے

بھیجتا تھا بہت تو خط ہمیں خط پہلے بھی   لیک وہ حرف عتاب ایسے نہ لکھتا تھا کبھی
ہو گئی اور بھی کچھ طرز کتابت اس کی   بڑھتی جاتی ہے وہ مشق ستم اس ظالم کی

کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے

گر گئی عشق جوانی کا ہے چارہ دشوار دلوئی سرد ہو پیری سے نہ کیونکر بیکار
جس کو نہ ہو وہ دیکھ لے اس کو سو بار تپ دل شمع کی جب کم نہیں ہوتی ناچار

لیس کو کافور سفیدی سحر دیتی ہے

رکھتا ہے ہمیں گو جیسے ظفر عشق کا شوق کہتا ہے آہ و فغاں سے ہے مجھے عشق میں ذوق
حال رسوائی میرا سننے سے ہے یار کو شوق کوئی غماز نہیں میری طرف سے لے ذوق

کان اس کے مری فریاد ہی بھر دیتی ہے

ایضاً

سردار تو وہ نبیؐ جس کے نہیں بعد نبیؐ دیکھ شان تری عرش کی بھی شان دبی
ہیاؐ تجھ سے کہیں وقت شفاعت طلبی مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہے ترے جلوہ سے مسجود ملائک آدم ہے ترے نور سے پر نور حدوثاور قدم
دیکھ کر حسن کے شیدا ترے دونوں عالم من بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمال است عالی نسبی

تجھ کو گر خالق کونین نہ پیدا کرتا پھر تو یہ ارض وسما ہوتے نہ پیدا اصلا
گرچہ اولاد میں آدم کے ہوا تو پیدا نسبتے نیست بذات توبنی آدم

برتر از عالم آدم تو چہ عالی نسبی

ہر وہ احسان و کرم سے تیرے سیراب تمام نرم خلق سے ہے تیرے جہاں شیریں کلام
اے ترو تازگی افزائی ریاض اسلام نخل بستان مدینہ تو سرسبز مدام

زاں شدا شہرائے آفاق بشیریں رطبی

موسیٰ و عیسیٰ و داؤد جہاں تھے ہود وہیں نازل ہوئی توریت اور انجیل و زبور
ان کی ہر خاص زباں میں کرنا ہو تفہیم سے دور ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

جب گیا سوئے فلک کرکے زمیں کے طے دشت دیکھے سب باغ بہشت ایک سے لے کر تا ہشت
کر چکا گلشن نہ چرخ کا جب تو گلگشت سب معراج عروج تو زافلک گزشت

بہ مقامی کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبیؐ

وہ فرشتہ کہ جو ہو جالِ عرشِ اعظم آ کے در پہ ترے آنکھوں کو کرے قدم
تو ادب سے یہ کہے کھا کے ترے در کی قسم نسبت خور بسکت کر دم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شدے ادبی

سوزِ عصیاں سے جگر سوختہ جب مخلوقات آئیں صحرائے قیامت میں طلب گار نجات
کہیں سرچشمۂ احسان ہے شہ تیری ذات ماہمہ تشنہ لبا نیم توئی آبِ حیات

لطف فرما کہ زعدمے گزرد تشنہ بے

ہے ظفر کے دلِ بیمار کا بھی حال وہی اور اسی طرح سے اب چارہ طلب وہ ہے بھی
کر گیا آگے ثنا میں تری جیسے قدسی سید سوئے تو قدسی پے دہاب طلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

ایضاً

جو عشق باز ہیں وہ راہ دیں پہ آ چکے سربازی وفا ہیں دیا گھر لٹا چکے
واعظ بہ رب کعبہ تجھے ہم جتا چکے دو دل قمار خانہ میں بت سے لگا چکے

وہ گنجیں چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

ساری حقیقت اب تو مری ان پہ کھل گئی ہے بات اور قابلِ تحریر کون سی
لے کر قلم کو ہاتھ میں ہوں سوچتا ابھی کیا خط میں مدعا لکھوں اپنا کہ مدعی

پہلے ہی انکو میری طرف سے پڑھا چکے

ہر چند اس کا لطف عداوت سے کم نہیں آنا نہ آنا ہے اسکا قیامت سے کم نہیں
پر اپنے حق میں وہ بھی عنایت سے کم نہیں اور آمد آمد اس کی کچھ آفت سے کم نہیں

مرتے ہیں انتظار میں اک روز آ چکے

دل کے پھپھولے پہنچے جگر کے تھے متصل اور سوزش ان میں وہ کہ ہوں آتشکدے خجل
تھی گرمئی نظارہ سے گو آگ مشتعل باز آیا دیکھنے سے نہ آتش رخوں کے دل

سو بار گو ہے اسے آنکھیں دکھا چکے

اپنی جنہوں نے جان تہ شمشیرِ عشق دی آلودگی نہ ان کو کسی طرح کی رہی
ہے تیغ آبدار تری پاک کر چکی حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی

قاتل وہ تیرے ہاتھ سے خوں میں نہا چکے

بازار دوستی میں بہت پھرا ہے تو   سودا ہر اک سے کرتا ابھی رہا ہے تو
ٹھہرا ہوا جو نرخ ہے وہ سن چکا ہے تو   کیا مجھ سے قیمت دل و جاں پوچھتا ہے تو

دونوں ہیں اک نگاہ پہ اے دل ربا چکے

مدت کے بعد مے سے کیے تر لب و وہاں   لیکن ابھی ہے پیاس ہماری بجھی کہاں
اس وقت سوچتا ہے کے سودور زیاں   زہر اب بھی ہے جو بادہ تو کر لیں گے نوش جاں

ساقی پیلہ مے کے ہم اب تو لگا چکے

اے بے وفا نہ کرتی تھی تجھ سے ہمیں وفا   قائل ہیں آپ ہم کہ ہوئی ہم سے یہ خطا
جو اس خطا پہ ہم کو سزا دے وہ تھی بجا   اچھا کیا وفا کے عوض تو نے کی جفا

بس اب ستم نہ کر کہ کیا اپنا پا چکے

دن کو سنا گئے تھے وہ یہ مژدہ طرب   آکر رہیں گے آج یہیں ہم تمام شب
پر کیا کہیں برائی نصیبوں کی ہے غضب   یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ انھیں تو کب

جب رات کو وہ مہندی لگا چکے

تم دیکھ کر ہماری نحیفی و ضعف کو   یہ چاہتے ہو سر سے ٹلے بوجھ دوستو
اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ تم کہو   جب تک کہ سر ہے ساتھ ہے سر کے ہوش ہو

ہم اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے

بسم اللہ ہے ارادہ اگر میرے قتل کا   چھوٹے کہیں اذاب سے تا جان مبتلا
بسمل کی طرح آہ تڑپتا ہوں میں سدا   کیا دیکھتا ہے تیغ نگہ ایسی اک لگا

قصہ تمام عمر کا اے پر جفا چکے

ٹھہریں ہیں بعد مرگ ذرا اس خرابہ میں   ورنہ پھر سے خراب سدا اس خرابہ میں
کیا کیا نہ ہم نے آکے کیا اس خرابہ میں   اب خاک کے ہیں ڈھیر تو کیا اس خرابہ میں

پہلے تو ہم بھی خاک بہت سی اڑا چکے

کہہ دو ظفر برا یہ کہو میکدہ کو ذوق   ہے کچھ تو واں بھی دیکھ تو لو میکدہ کو ذوق
تم دیکھ کر نہ دل میں رکھو میکدہ کو ذوق   ہکارو آج خوب چلو میکدہ کو ذوق

چھوڑو کہیں وظیفہ بہت پڑھ پڑھا چکے

ایضاً

یہ جانتے سب غنچے بھی ہیں اور گل تر بھی   اور دیتے گواہی ہیں برو برگ شجر بھی

ہے میری صدا شام بھی یہ اور سحر بھی　　گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر

اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

مدت میں مرے گھر کی طرف سے جو گزرنا　　دو چار گھڑی غیر کے تو پاس ٹھہرنا
اور مجھ سے دو چار آنکھیں بھی اک بار نہ کرنا　　کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ

کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

مانا ترے آنسو در خوش آب ہیں سارے　　اور ایسے ہیں تابندہ کہ پانی ہوں ستارے
پر یہ تو بتا دے ہمیں انصاف کے بارے　　اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے

ٹپکا تری آنکھوں سے کوئی لخت جگر بھی

بیٹھے ہوئے ہمدم تو بہت ہیں مجھے گھیرے ہوئے　　پر ایسا نہیں کوئی جو تقدیر کو پھیرے
جانے کا نہیں غم دل نالاں سے یہ میرے　　اے نالہ صد افسوس جواں مرنے پہ تیرے

دیکھا نہ کبھی تو نے ذرا روئے اثر بھی

اللہ رے بیہوش تری غفلت سرشار　　نے دیں سے ہے ہشیار نہ دنیا سے خبردار
دن رات جو یوں رہتا ہے مست پندار　　کس ہستیٔ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار

کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی

جب سے کہ ہوئی باد فنا دست در آغوش　　اور شمع صفت میں ہوا اس بزم میں خاموش
دن رات جہاں میں غم حسرت کا ہے اک جوش　　تنہا مرے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش

رہتا ہے سدا چاک گریباں سحر بھی

ہم کہتے ظفر ہوتی جو سودا سے ملاقات　　کیوں کرتا بسر آہ و فغاں میں ہے تو اوقات
ٹک آکے جو ہمسایہ تر سے کہتے ہیں یہ بات　　سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات

آتی ہے سحر ہونے کو ظالم مر بھی
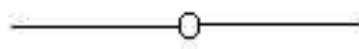
تمام شد

جلد دوم　　دیوان ظفر

محمد عثمان کاتب ایمن آباد موڑ

ضلع گوجرانوالہ

ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ اکبر ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم کے پوتے تھے۔ ۲۸ شعبان ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) بروز شنبہ قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت شاہ عالم بادشاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مغل بادشاہ اگر چہ برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے مگر اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں جیسے علم دوست اجداد کی روایات اس خاندان میں جوں کی توں برقرار تھیں۔ بادشاہ اہل علم کے مربی تھے اور کسب کمال کو اپنے لیے باعث فخر اور ضروری سمجھتے تھے۔ شاہ عالم کے زمانے میں پہلے کمال کی جو پرسش ہوئی اس کی نظیر مشکل سے نظر آئے گی۔ سودا، میر، انشا اور بیسیوں شاعران کے خوان کرم کے زیر چین تھے۔ اکبر شاہ کا دربار شعراء اور اہل کمال کا مرجع تھا۔ بہادر شاہ نے اسی ماحول میں پرورش پائی۔ ان کے دادا کی طرف سے ان کی تربیت کا ایسا اہتمام کیا گیا جو مغلوں کے دور عروج میں بھی ولی عہد سلطنت کے لیے باعث فخر ہوتا۔ بہدر شاہ نے تمام متداولہ علوم وفنون میں دستگاہ بہم پہنچائی چنانچہ صاحب گلشن بیخار لکھتے ہیں:

”باکثر صفات موصوف ومحامد ومکارم معروف۔ در اکثر خطوط دستگاہ بہ بشاشت دارد وبایں فن (شاعری) بسیار مالوف است.....“

بہادر شاہ کو اپنے زمانے کے مشہور اہل کمال کی صحبت میسر رہی اور اس سے ان کے ذاتی کمالات اور فطری ذہانت کو مزید جلا ملی چنانچہ وہ زمانہ ولی عہدی میں بھی اپنے علمی ذوق کے لیے نام پیدا کر چکے تھے اور اکثر شعراء ان کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔

یہ تو تھا ان کے علمی وادبی ماحول کا اجمالی تذکرہ۔ جہاں تک ان کے سیاسی ماحول کا تعلق ہے اس کی داستان بڑی طویل اور دردناک ہے۔ بہادر شاہ جس دور میں پیدا ہوئے وہ سلطنت مغلیہ کے انتہائی زوال کا دور تھا۔ دہلی کی مرکزی حیثیت عملی طور پر ختم ہو چکی تھی ملک میں بدامنی کا دور دورہ تھا، بادشاہ مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھ کا کھلونا تھا اور دلی آئے دن کے حملوں اور انقلابات کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ بہادر شاہ نے اپنے شفیق دادا کے نابینا ہونے کا حادثہ دیکھا، مرہٹوں، سکھوں، جاٹوں اور روہیلوں کی چیرہ دستیاں اور بادشاہ کی بے بسی دیکھی۔ یہی سبب ہے کہ شاہ عالم بادشاہ نے انگریزوں کی سرپرستی قبول کی اور بادشاہ حاکم ہونے کی بجائے ایک معمولی وظیفہ خوار رہ گیا۔ آخر بہادر شاہ کے والد اکبر ثانی تخت نشیں ہوا اور ساری زندگی انگریزوں سے رحم کی توقع میں گزار کر راہی ملک عدم ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں بہادر شاہ کے سر پر تاج رکھا گیا۔

انگریزوں کی سرپرستی شاہ عالم کے وقت سے چلی آ رہی تھی بادشاہ اب نام کے بادشاہ تھے۔ ان کے پاس کسی طرح کا اختیار نہ تھا۔ بلکہ ان پر بھی حکم کمپنی بہادر کا ہی چلتا تھا۔ بہادر شاہ کے زمانے میں حالات اور بھی بگڑ گئے تھے انگریز ریزیڈنٹ نے بادشاہ کی تذلیل کی نئی نئی صورتیں نکال لیں۔ بادشاہ کے ذاتی معاملات تک میں دخل دیا جانے لگا۔ ۱۸۳۵ء سے سکہ پر بادشاہ کا نام درج ہونا بند ہو گیا تھا۔ پھر گورنر جنرل کی مہر سے ”فدوی خاص بادشاہ“ کے الفاظ خارج کر دئے گئے بادشاہ کو مختلف مواقع پر جو نذر گزاری جاتی تھی وہ بھی ۱۸۴۳ء میں موقوف کر دی گئی اور اب انگریزوں کی نظر قلعہ پر تھی۔ اس سلسلے میں بادشاہ پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالنے کی تجویزیں سوچی گئی۔ الغرض بادشاہ کو قلعہ سے بے دخل کر کے قطب میں آباد کرنا چاہتے تھے۔ دراصل اب انگریز بادشاہ کو ایک بیمعنی چیز سمجھتے تھے چنانچہ رفتہ رفتہ وہ تمام تکلفات ترک کر دئے گئے جو شاہ عالم کے وقت میں اختیار کئے گئے تھے۔ بادشاہ سو فیصدی انگریزوں کے رحم وکرم پر تھا اسے جو وظیفہ ملتا تھا وہ کسی بھی وقت بند کیا جا سکتا تھا۔ بہادر شاہ جن کی رگوں میں اکبر اور شاہ جہاں جیسے جلیل القدر بادشاہوں کا خون تھا قیاس کیا جا سکتا ہے ان تمام حالات کو دیکھ کر ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔

۱۸۵۷ء کا سال برصغیر ہند وپاک کی تاریخ کا بہت اہم سال ہے اس سال برصغیر کے لوگوں نے انگریزوں کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کی آخری کوشش کی مگر۔

”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“

ہندستانی حریت پسندوں کو شکست ہوئی اور ظفر ان کی قیادت کرنے کی جرم میں گرفتار کر کے رنگون بھیج دئے گئے وہاں ۱۸۶۲ء میں ان کی پر الم زندگی کا خاتمہ ہوا مغل سلطنت شاہ عالم کے وقت میں ختم ہو چکی تھی بہادر شاہ کے ساتھ خاندان مغلیہ کا خاتمہ ہوا۔

یہ ہے اس بدنصیب شاعر کا ماحول جس کے کلیات کی پہلی جلد آپ کے ہاتھ میں ہے اس کے حالات زندگی بڑے عبرتناک ہیں ان حالات میں اس کے دل ودماغ پر بڑے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ اس نے شاعری سے اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کی مگر یہ غم اس کے شعروں میں جا بجا جھلکتا ہے۔ انکی طبیعت کی افسردگی اور غم کی کسک میں اس کے اشعار میں ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جسے پڑھنے والے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔

بہادر شاہ ظفر نے شعر گوئی سے فطری مناسبت تھی جس وقت انھوں نے جب شعر کہنے شروع کیا تو دلی پر شاہ نصیر کا سکہ چلتا تھا ظفر نے بھی انھیں کی شاگردگی اختیار کی (مومن اور ذوق بھی نصیر ہی کے شاگرد ہیں) شاہ نصیر شاعر جیسے بھی ہوں البتہ فن پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی تشبیہیں اور استعارے ملتے ہیں زمیں مشکل سے مشکل نکالتے ہیں لمبی لمبی ردیفیں اور مشکل قوافی انہیں خاص طور پر مرغوب ہیں تمام تر استادی کے باوجود ان کا کلام ہر طرح کے جذبات کا عاری ہے مگر ظفر کو ان کی شاگردی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ ایک پختہ گو شاعر ہو گئے انھوں نے شاہ نصیر کی پوری طرح پیروی کرنے کی کوشش کی ہے مگر شاہ نصیر کے اصل میدان میں بھی وہ ان سے آگے ہیں انھوں نے نصیر کی طرح سنگلاخ زمینوں میں غزلیں بکثرت کہیں ہیں لمبی ردیفوں اور عجیب وغریب قوافی کی ان کے یہاں بھی بہتات ہے مگر نئی زمینیں نکالنے کے معاملے میں وہ شاہ نصیر سے کہیں آگے ہیں۔ شاہ نصیر کی تقلید کے باوجود ان کا اپنا رنگ برقرار رہتا ہے اور کسی جگہ بھی ان کا کلام جذبات سے عاری نہیں ہونے پاتا۔ ان کے کلام کی تاثیر مشکل سے مشکل ذہن میں باقی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلم طور پر شاہ نصیر سے بہتر شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ شاہ نصیر کی تقلید سے ظفر کو جہاں یہ فائدہ ہوا کہ وہ ایک مشاق شاعر ہو گئے اور فن پر انہیں پورا عبور حاصل ہو گیا۔ وہاں یہ نقصان بھی ہوا کہ وہ شاعری کا کمال شاہ نصیر کی طرح ذہنی ورزش کو سمجھنے لگے یہ بات ان کے کلیات کے سرسری مطالعہ سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے ظفر کے یہاں جذبات کی کمی نہیں مگر نصیر کی تقلید نے ان کے کلام کی تاثیر کو بہت گھٹا دیا ہے۔ اور اسی اعتبار سے ان کے شاعرانہ مرتبہ میں کمی واقع ہوئی ہے۔ شاہ نصیر کے بعد چند روز کاظم حسین بیقرار کو انھوں نے اپنا کلام دکھایا۔ پھر ذوق استاد مقرر ہوئے اور اس کے بعد مرزا غالب کو

یہ اعزاز ملا۔ بحیثیت مجموعی طور پر ذوق کا دور استادی سب سے طویل ہے۔ ذوق خود شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور بہت حد تک اس کی طرز کے مقلد بھی چنانچہ ذوق کے اثر سے ظفر کا رنگ سخن تبدیل ہونے کی بجائے اور پختہ ہوگیا۔

ظفر نے ایک ضخیم کلیات یادگار چھوڑا جو چار جلدوں میں متعدد بار شائع ہو اگر اب کامیاب ہے ان چار جلدوں میں اشعار کی تعداد کو دیکھا جائے تو مصحفی کے سوا کوئی دوسرا اردو شاعر اب سے بازی نا لے جاسکا۔ ضخامت کے اعتبار سے شاید ہی کوئی دیوان ان کے کلیات پر بھاری ہو مگر ظفر کے کلیات کا بھی وہی حشر ہوا جو مصحفی کا ہوا۔ اتنے بڑے کلیات کو پڑھ کر اچھے اشعار کا چننا خاصا وقت طلب کام ہے اب کی شاعرانہ عظمت کے پوری طرح سے نا پہچانے جانے کی وجوہات میں ایک یہ بھی ہے۔ پھر اکثر تذکرہ نگاروں نے ظفر کے سلسلے میں ایک عجیب طرح کی بے اعتنائی برتی ہے۔ اسکی وجہ غالبًا یہ ہے ۱۸۵۷ء کے حادثہ کے بعد لوگ بادشاہ سے کسی بھی طرح کا اظہار کرتے ڈرتے تھے۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کے بعد کے لکھنے والے بھی نظر انداز ہی کرتے رہے۔ حد ہے کہ رام بابو سکسینہ کی "تاریخ ادب اردو" بھی جس کو اردو شعر و ادب کی جامع تاریخ سمجھا جاتا ہے ظفر کے ذکر سے خالی ہے۔ مثل مشہور ہے "مرے کو مارے شاہ مدار" مولانا محمد حسین ظفر کے لیے شاہ مدار ثابت ہوا انھوں نے ظفر کو نظر انداز کرنے پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ اس غریب کا کلیات ہی ذوق کے جاگیر کر دے دیا چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"بادشاہ کے چار دیوان میں پہلے میں کچھ غزلیں شاہ نصیر کی اصلاحی ہیں، کچھ میر کاظم حسین بیقرار کی ہیں۔ غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سرتاپا حضرت مرحوم (ذوق) کے ہیں۔ مسودہ کچھ خاص میں کوئی شعر پورا، کئی ڈیڑھ مصرع، کوئی ایک، کوئی آدھا مصرع فقط بحر اور ردیف قافیہ معلوم ہو جاتا تھا، باقی بجبر۔ یہ ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھا کر حسن و عشق کی پتلیاں بنا دیتے تھے۔۔"

مولانا آزاد کا فارمولا سر آنکھوں پر مگر استاد ذوق کے اپنے کلام میں بھی تو حسن و عشق کی پتلیاں نظر آئیں۔ مولانا حالی جیسے محتاط بزرگ بھی یادگار غالب میں فرما گئے ہیں:

"ناصر حسین مرزا کہتے تھے کہ ایک دن میں اور مرزا صاحب دیوان عام میں بیٹھے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا کہ حضور نے غزلیں مانگی ہیں، مرزا نے کہا کہ "ذرا ٹھہر جاؤ" اور اپنے آدمی سے کہا کہ پالکی میں کچھ کاغذ رومال میں بندھے ہوئے رکھے ہیں لے آؤ۔ وہ فوراً لے آیا۔ مرزا نے اس کو کھولا تو اس میں سے آٹھ نو پرچے جن پر ایک ایک دو دو مصرع لکھا ہوا تھا نکالے اور اسی وقت قلم دوات منگا کر ان مصرعوں پر غزلیں لکھنی شروع کیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ نو غزلیں تمام و کمال چوبدار کے حوالے کیں۔"

حالی مرحوم کے اس بیان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیونکہ مرزا غالب اور ظفر کے رنگ سخن میں بعد المشرقین ہے اور ظفر کے کلیات میں دو چار شعر بھی ایسے نہیں ملتے دن میں غالب کے رنگ کی ہلکی سی جھلک بھی نظر آتی ہو۔ پھر غالب کے حالات اور ان کے خطوط ہمارے ہیں۔ وہ یقینًا بہت بڑے شاعر تھے، مگر ان کی ذوود گوئی محل نظر ہے۔

حالی کے بیان کی اتنی اہمیت ضرور ہے کہ مولانا آزاد کے اس دعوے کی تائید ہو جاتی ہے کہ ظفر خود شاعر نہ تھے چنانچہ اکثر لوگوں نے ظفر کے کلام کو ذوق ہی کا کارنامہ سمجھ لیا اور یہ غور کرنے کی بھی زحمت نا کی کہ ذوق و ظفر میں کیا فرق ہے؟ اور کیا یہ ممکن بھی ہے کہ ایک شخص مختلف انداز کی شاعری اتنی کامیابی سے کرے کہ دو الگ ذہنوں میں تفریق نظر آئے۔ اس غلط فہمی نے جو مولانا آزاد کی پیدا کردہ ہے ظفر کی شہرت کو بہت نقصان پہنچایا ہے جب ان کا کلام ہی ذوق کی تخلیق تھا تو وہ شاعر کیوں سمجھے جاتے۔ پھر اگر دوسرے تذکرہ نگار انھیں نظر انداز نہ کرتے تو کیا کرتے؟۔

ذوق اور ظفر کے کلام کا مقابلہ کیا جائے تو ان میں کئی باتیں مشترک نظر آتی ہیں دونوں کے یہاں زور استادی اور پختگی کلام کی شان نظر آتی ہو دونوں زبان اور محاورے کے استعمال میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ دونوں کے کلام میں صنائع بدائع اور رعایات لفظی و معنوی کی بہتات ہے مگر یہ باتیں دونوں میں شاہ نصیر کے اثر سے ہیں۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو ظفر میں ذوق سے زیادہ ہیں۔ مثلًا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زبان اور محاورے کے معاملے میں ظفر کو ذوق پر فوقیت حاصل ہے۔ دونوں کے یہاں شاہ نصیر کی طرح سنگلاخ زمینیں ملتی ہیں مگر ظفر کو قافیہ اور ردیف کو بٹھانے پر جو قدرت حاصل ہے وہ ذوق کو میسر نہیں۔ مضمون آفرینی سے معاملہ میں ذوق کا کلام اکثر کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مصداق ہو جاتا ہے مگر ظفر کا حال نہیں وہ سنگلاخ سے سنگلاخ زمین میں اچھا شعر نکال لیتے ہیں اور ذوق کا دیوان پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں وہ ظفر کے ہم سر نہیں ہیں۔ دونوں کے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ کیجیے:

ذوق

کیا غمزہ ترا بر سر بیداد غضب ہے ۔۔۔ جلاد فلک سے بھی یہ جلاد غضب ہے
نکلے ہے سدا کوہ سے ہم آتش و ہم آب ۔۔۔ کیا سوز و گداز دل فرہاد غضب ہے

زخم دل پر میرے کیوں مرہم کا استعمال ہے ۔۔۔ مشک اگر مہنگا ہے تو کیا لون کا بھی کال ہے
وادیٔ وحشت میں بھی جا کر نہ دل اپنا کھلا ۔۔۔ پنجہ مژگان آہو شیر کا چنگال ہے

کس کے سوشانے میں اے دست ہوس ٹوٹ گئے ۔۔۔ تیرہ بختوں کے رواں تار نفس ٹوٹ گئے
رونگٹے یار کے پشت لب شیریں پہ نہیں ۔۔۔ شہد پر بیٹھ کے ہیں پائے مگس ٹوٹ گئے

ہم اول ہی سے خود کو نابود سمجھے ۔۔۔ کہ بانگ ولادت کو مولود سمجھے
ہو نالہ جب دود آلود سمجھے ۔۔۔ کہ تھے شق علوائے بے دود سمجھے
تری بانگ کی تیغ کا ہو جو زخمی ۔۔۔ ہر اک زخم دل کو نمک سود سمجھے

ہنگام بوسہ گرم جو وہ اک زری ہوئے — شکر تو تجھ سے پسینہ تری ہوئے
جل جائے خاک وحشی چشم تاں پہ گھاس — لیکن ہرن گھری نہ رہے بن ہری ہوئے

نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے — نکالے پر ہے مشکل ماہی تصویر پہلو سے
دل سیپارہ کو لے تا تک تعویزوں میں ہیکل کے — نہ سرکار یہ حمائل اے بت بے پیر پہلو سے

دکھلا نہ کال ناف تو اے گلبدن مجھے — ہر لالہ ہے نافہ مشک ختن مجھے
ہے تن میں ریشہ ہائے تنے خشک استخواں — کیوں کھینچتا ہے کانٹوں میں اے ضعف تن مجھے

خسرو سے تیشہ بو لا جو چاٹوں نہ تیرا خوں
شیریں نہ ہووے خون سر کوہ کن مجھے

ذوق کے یہ اشعار دیکھ کر ان کی نفاست طبع پر بھی شک ہونے لگتا ہے بہر حال اب **ظفر** کی ہی زمینوں میں ظفر کے اشعار دیکھئے:

میری نگاہ جو رت بے پیر پھر گئی — قسمت مری الٹ گئی تقدیر پھر گئی
ہم مر گئے تو مل گئے صبا و نسیم سے — خاک اس گلی میں اپنی بتدبیر پھر گئی
دیکھا جو کل اک عاشق و معشوق کو بہم — اپنی نظر میں بس تیری تصویر پھر گئی
قاتل ترا جو ہاتھ رکا میرے قتل سے — ہو کر قضا بھی میرے گلو گیر پھر گئی
خط کا مرے خواب نہ اس نے لکھا ظفر — کیا سر نوشت کی مرے تحریر پھر گئی

کہیں گلے کو مرے خنجر ستم سے گلہ — اٹک رہا ہے یہ دم کیوں مجھے ہر دم سے گلہ

ہزار رنج والے ہوں تری محبت میں — نہ مجھ کو رنج سے شکوہ نہ ہے الم سے گلہ
کیا ہے میں نے یہ وحشت میں دشت کو پامال — کہ خار خار ہے اب مرے قدم سے گلہ
برنگ شمع دلے سر سے پاؤں تک لیکن — زبان پہ لائے نہ ہم اپنے سوز غم کا گلہ

دل پر بلا کے زلف گرہ گیر ڈال دی — تو نے مصیبت اے مری تقدیر ڈال دی
جب روبرو وہ آکے تو پا کے نگہ میں — موج سر شک چشم نے زنجیر ڈال دی
لکھا جو ہم نے اپنی سراسیمگی کا حال — گردن قلم نے بھی دم تحریر ڈال دی
کیونکر اثر نہ ہو دل عالم میں اے ظفر — تیرے سخن میں عشق نے تاثیر ڈال دی

عیش سے گوری کہ غم کے ساتھ اچھی بن گئے — بیگی دو اس صنم کے ساتھ اچھی بن گئے
ہم کو تھا منظور اپنی خاکساری کا نباہ — بارے اس نقش قدم کے ساتھ اچھی بن گئے
برگ گل کیا رو کے کرتی گل نے رہ کر کیا کیا — وہ نسیم صبحدم کے ساتھ اچھی بن گئے

گئے دیوانے نکل مثل صدائے زنجیر — قید خانوں کے یونہی رہ گئے در بند کے بند

مفلس کے ہوش لیا رہیں اس کے عقل کو — اے چرخ تو نے باعث افلاس کھو دیا

ایسے دیوانے ٹھہرتے ہیں کہیں زنداں میں — پاؤں پڑتی ہے مرے آن کے زنجیر عبث

اس دماغی ورزش یا استادانہ قسم کی شاعری میں بھی ظفر روح شاعری کو برقرار رکھنے پر قادر ہیں۔ ان کی کوئی غزل ایسی نہیں جس میں دو شعر دل کش اور پر تاثیر نہ ہوں برخلاف اس کے ذوق کی غزلیں عموماً سپاٹ ہیں اور ان میں سوائے استادی کے کوئے اور خوبی نظر نہیں آتی ظفر اور ذوق میں ایک اور فرق یہ ہے کہ ذوق کے یہاں شکوہ الفاظ ہے اور ظفر کے ہاں دھیما پن اور لہجے کی گھلاوٹ ہے۔

اب تک ہم ظفر اور ذوق کی شاعری کے ان عناصر سے بحث کر رہے تھے جن کا شعر کی روح کے ساتھ کوئے خاص تعلق نہیں ہے غزل کی شاعر مخصوصا واردات قلب کی شاعری ہے حسن وعشق کے معاملات اور ہجر و وصال کی واردات تک ہے یہ محدود نہ صحیح مگر یہ آپ بیتی ضرور ہے اس لیے اگر اس جگہ بیتی بھی بیان کی جاتی ہے تو آپ بیتی کا گمان ہوتا ہے یہاں ذائف غزل سے بحث مقصود نہیں صرف یہ کہ غزل کے موضوعات اگرچہ محدود نہیں مگر اس میں مضامین ایک خاص انداز سے نظم کیے جاتے ہیں اور اچھی غزل کے اشعار میں سوز و گداز، تاثیر اور غزل کے دوسرے اوصاف کا ہونا ضروری ہے اس نظر سے ہم ذوق اور ظفر کے کلام کو دیکھیں تو ظفر ذوق سے بہت بڑے غزل گو نظر آتے ہیں ذوق کا دیوان مولانا آزاد کا مرتب کیا ہوا ہر جگہ ملتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے پہلی ہی نظر میں جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ بقول علامہ جو ر نجیب آبادی کے ان کا کلام ہر طرح کے جذبات سے یکسر عاری ہے ذوق کا بیشتر کلام بقول مولانا آزاد ہنگامہ غدر میں ضائع ہو گیا مگر ان کا موجودہ دیوان بھی یہ بات واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ اگر ان کا پورا دیوان موجود بھی ہوتا تب بھی ان کے شاعرانہ مرتبے میں اضافہ نہ ہو سکتا ان کا کلام سوز و گداز اور اثر سے اس طرح خالی ہے کہ بعض اوقات یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید ان کے پہلو میں دل تھا ہی نہیں۔ بہر حال تمام تر استادی کے باوجود ہم انھیں اچھا غزل گو قرار نہیں دے سکتے ایک عرصہ تک غالب اور مومن کے زمانے کا تیسرا بڑا شاعر ذوق سمجھا جاتا رہا ہے اگر لوگ ظفر کے کلام کا پوری طرح مطالعہ کرتے تو شاید وہ اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اس دور کے تیسرے بڑے شاعر ذوق نہیں ظفر ہیں شاید مولانا آزاد کو اس بات کا احساس تھا اسی لیے انھوں نے اپنے استاد کی استادی برقرار رکھنے کے لیے ظفر کا کلام ان کے نام لکھ دیا تھا۔

ظفر کی قادر الکلامی مسلم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی غزلوں میں اچھی غزل کے تمام لوازم موجود ہیں ان کی شاعری سوز و گداز اور تاثیر سے پر ہے شاہ نصیر کی تقلید کے باوجود ان کی رنگ طبیعت نہیں چھپتا۔ ان کی زندگی رنج و الم، یاس و بے بسی کا مجموعہ تھی ان کی شاعری اسی کا آئینہ ہے۔ ان کے کلیات میں اگر تلاش کیا جائے تو میر کے تیر و نشتر قسم کے اشعار بھی ملتے ہیں ان کی وہ غزلیں جو آسان زمینوں میں ہیں، انداز بیاں کی سادگی لہجے کی گھلاوٹ اور جذبات کے لحاظ سے اردو کی بہترین غزلوں میں شمار ہونے کے لائق ہیں اور یہاں ذوق ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔

ظفر کا کلیات اپ کے ہاتھ میں ہے اس لیے مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں اس کا سرسری مطالعہ بھی یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ غالب اور مومن کے دور میں تیسرا غزل گو صرف ظفر ہی ہے ذوق کا شاعرانہ مرتبہ اس سے بہت کم ہے۔

تیرے تیر نگاہ سے ظالم دل بچے کیا بچا نہیں جاتا
آگیا جب زبان پہ نام ترا پھر زبان سے مزا نہیں جاتا
سوے آب بقا نہیں جاتا سوے آب [illegible]قا نہیں جاتا
تیرے بیمار غم کے پاس آکر کون سنبھالا ذرا نہیں جاتا
جب کہ ہوتا ہے دل مرا بے تاب کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
محو حیرت صورت تصویر ان کا ہرز نشا نہیں جاتا
بادہ عشق سے جو ہیں مخمور

مطلع ثانی

سرے نالوں سے پتھر موم ہوا سے نازمیں ہوتا مگر دل میں اثر نہیں ہوتا نہیں ہوتا
کہاں جاسکتا چھپ کر مجھ سے ظالم تو جہاں جاتا برنگ سایا پیچھے پیچھے تیرے میں نہیں ہو
تری دوری میں کیا کیا سوجھتی ہے دور کی مجھکو عیاں ہے حال مجھ پر دور کا بے دور میں ہو تا
ترے مضمون خال لب کے آگے مانتا چیں وہ تیری محفل میں گر کیسا ہی کوئی نکتہ چیں ہوتا
دکھاتا کان کا بالا جو تو رخسار پر اپنے ترے حلقہ بگوشی میں مہ ہالہ نشیں ہوتا
ہمارے پیچ و تاب دل کی یہ تاثیر تو دیکھو کہ مجھ کو دیکھ کر ہے اور وہ چیں بر جبیں ہوتا
لپٹتا اے ظفر اس کو نہ دود آہ گر میرا تو کا ہے کو کھڑا یہ خیمہ چرخ بریں ہوتا

دیگر

بلا سے گر نہوا دل کا داغ گل نہوا پر اپنے گھر کا یہ روشن چراغ گل نہوا
چمن میں قصد کیا مے کشی کا کب تو نے کہ لے کے سامنے حاضر ایاغ گل نہوا
کیا ہزار شگفتہ بہار نے لیکن خزاں کے ڈر سے کبھی بافراغ گل نہوا
نہ ٹپکے خار پا مجنوں کے پانو نے تا خون نمود اک سرد امان راغ گل داغ گل نہوا
گیا جو تو تو مقابل تری نزاکت کے چمن میں اسے بت نازک دماغ گل نہوا
بہار آئی مگر جب تلک نہ تو آیا چمن میں رشک چمن میں باغ باغ گل نہ ہوا
عشق اسپہ میں ہوں نہ غیرا اسے ظفر کہ جو بلبل بہار میں کبھی مرغوب زاغ گل نہوا

دیگر

کوئی صنم اسے سمجھا کوئی خدا سمجھا
نہ سمجھے ہم کو کہ وہ کیا سمجھا اور یہ کیا سمجھا

نہ آیا دل کی سمجھ میں کہ بار غم ہے گراں
جا گرچہ میں نے دیا اس کو بار سا سمجھا

چڑھا جو اشک کا دریا مرے تو ایک جہاں
فلک کے نیچے کو پانی کا بلبلا سمجھا

بنایا ہے یہ کیوں تو نے ال کا جل کا
یہ نکتہ میں نہیں اے شوق مہ لقا سمجھا

نہ سمجھے سینہ کو کیوں عرصہ گاہ محشر وہ
جو دل کے داغ کو خورشید حشر کا سمجھا

غم جدائی میں موت اس کو عین صحت ہے
مریض ہجر ترا زہر کش دوا سمجھا

ہمیشہ کیوں تری آنکھوں سے اشک جاری ہیں
ظفر ہمیں بھی ذرا یہ تو ماجرا سمجھا

اے ستمگر کس نے ایسا تجھکو نٹ کھٹ کردیا
ان فریبوں نے ترے عالم کو قتل کردیا

صبح گل اس کا کھلا تو نے جو ہمکو دیکھ کر
رات کو اپنے چراغ خانہ گل جھٹ کردیا

کرتے ہیں پانی کی آمیزش شراب تند میں
خون دل سے آنسوؤں کو ہم نے غٹ پٹ کردیا

کھل گئیں یکبارگی آنکھیں سی مہر و ماہ کے
جبکہ اپنے منہ سے تو نے دور گھونگھٹ کردیا

جو ترے کوچہ میں سویا خاک پر آرام سے
ترک اس نے جینے سونے کا چھپر کھٹ کردیا

یہ تو لٹکا خوب سیکھے ہو جسے چاہا اسے
تم نے سودائی رکھا کر زلف کی کردیا

اشک کے قطرے لئے جاتی ہیں بھر بھر کر سبو
جوش گریہ نے میری آنکھوں کو پنگھٹ کردیا

فقیری سے صفا کر اس سے کیا حاصل اگر
تو نے داڑھی کو بڑھایا یا صفا چٹ کردیا

ہوتا چرچا محبت محبت کا اگا شٹ سے ظفر
ہم نے رسوا آپ کو وہاں بلا گاوٹ کردیا

تیری گلی سے عاشق زار اٹھ کر دہ گیا
اٹھا تھا نہ تو اں وسا غبار اٹھ کے رہ گیا

دیتا میں اک جہاں کو بہا سیل اشک
پر دل میں میرے جوش سا یا را اٹھ کے رہ گیا

گنبد بنا نہ گور پہ مجنوں کے رشت میں
آ کثر پر بگولہ اٹھ کے دہ کے رہ

رخ سے اٹھا کے زلف جو پھر سے چھوڑ دی
دل پر سے وہ شب تار اٹھ کے رہ گیا

گر کر سنبھل سکا نہ ترا زخمی نگاہ
دیکھا یہ تیر خوردہ شکار اٹھ کے رہ گیا

دکھ ہاتھ سے جام و صراحی اٹھا کے تو
ساقی بلا سے ابر بہار اٹھ کے دہ گیا

بھڑکی ہے بے طرح یہ ظفر آج دل کی آگ
آ گے تو شعلہ سا کئی بار اٹھ کے رہ گیا

دیگر

شعلہ خو اک بات تو میری نہ آ کر گیا
تیری باتوں سے کلیجا جل گیا دل بھن گیا

مطلع ثانی
شمع بھی یہاں رو گئی شعلہ بھی یہاں سر دھن گیا

آ کے پروانہ ہی گیا اس بزم میں چل بھن گیا
بن کے آہو کی طرح وحشی وہ شہ تکتے چھن گیا

گر حیا بھی کوئی دن مفتوں تمہاری چشم کا
جو گیا دل سوختہ وہاں باندھ کد یہ دھن گیا

چاہا اس در پا دھونی لگا کر بیٹھے
ورنہ جویاں سے گیا ساتھ اس کے اس کا گیا

نام جس کا رہ گیا کچھ اس کا گن باقی رہا
ایک پر جس کا نہ ڈگرتا سر گلبن گیا

میں صبا وہ طائر طاقت اس گلشن میں ہوں
اے جنوں جب تک نہ میرا ٹوٹ ہر ناخن گیا

ہاتھ اٹھایا سینا سے نہ میں نے عشق میں
سبز ہو سکتا نہیں وہ جو کہ دانہ گھن گیا

واسطے بے غیر کے کیا خاک ہو نشو ونما
کان میں جس دم ظفر خالق کا امر کن ہو گیا

جاگ خواب عدم سے ایک بیک سارا جہاں

دیگر

گر فلک تک یہ ہمارا نالہ دل جائے گا
کنگرہ عرش معلی کا بھی ہل جائے گا

غم نہیں جائے گا تیرا جب تلک ہے دم میں دم
دم کے ساتھ آیا ہے یا ورم کے شامل جائے گا

رشک گلزار ارم ہو جائے گا کوچہ ترا
چشم پر خوں لے کر جب یہ تیرا مائل جائے گا

ہو گئے ہیں ساتھ جو تیرے یہیں تک میں وہ ساتھ
آیا یاں تنہا ہے تو تنہا ہی غافل جاوے گا

گوہر دندان پہ تیرے ہو نگے جب انجم نثار
عارض روشن کے صدقے ماہ کامل جائے گا

اٹھ کے جائے گا تری محفل سے جو اے شعلہ جو
چشم تر ہی وہ مثال شمع محفل جائے گا

جائے گا دم میں دلربا تک پیک خیالی
ورنہ جو جائے گا وہ منزل بمنزل جائے گا

میں چمن میں بھی رہونگا دل گرفتہ اے صبا
دل نہیں ہے میرا وہ غنچہ کہ جو کھل جائے گا

جان شیریں جائے گی اپنی مثال کوہکن
پر نہ تیرا شوق اے شیریں شمائل جائے گا

تیرے کوچہ سے کہاں جائے گا تیرا خاکسار
مثل نقش پا وہیں یہ خاک میں مل جائے گا

ہو و یگی اس روز برپا کیا قیامت اے ظفر
خاک پر جس دن شہیدوں کے وہ قاتل جائے گا

غلط ہے جو کہے یہ چپکے رہنا کچھ نہیں اچھا
نہ کہنے میں مزا ہے منہ سے کہنا کچھ نہیں اچھا

جنہوں سے دوستی کی وہ ہماری ہو گئے دشمن
قصور انکا نہیں ہے اپنا لہنا کچھ نہیں اچھا

ستم اس یار کا سہنے پہ سہنا اے دل اچھا ہے
ولیکن بات کا غیروں کے سہنا کچھ نہیں اچھا

محبت کی پڑیں گر بیڑیاں پاؤں میں زیبا ہے
نہ کہنا چاہیے ہرگز یہ کہنا کچھ نہیں اچھا

جہاں تک رک سکے اس گریہ کا ہے روکنا اچھا
ہمیشہ اشک کا آنکھوں سے بہنا کچھ نہیں اچھا

خط شبرنگ تیرا خوشنما ہے تیرے عارض پر
وگرنہ چاند کا عالم میں گہنا کچھ نہیں اچھا

مثل یہ اے ظفر ہے نکلی ہونٹوں اور چڑھی کوٹھوں
نہیں کہنے کی جو بات اس کا کہنا کچھ نہیں اچھا

دیگر

چال اس زلف نے ایسا کسی ڈھب کا مارا
ہو گیا دل یہ گرفتار غضب کا مارا

پھر گیا منہ عقبے سے کہ جب دنیا نے
اک طپانچہ ہوس عیش و طرب کا مارا

دل پہ مارا تھا کبھی جوڑ کے تیرے مکا
یاد اب تک ہے وہ مکا مجھے جو مارا

وہ منے عیش سے سرخوش ہیں بلا سے ان کے
کوئی مرتا ہے اگر رنج و تعصب کا مارا

توڑ کر آئینہ دل کو مرے وہ شہ حسن
یوں جو خوشنود ہے کیا شہر حلب کا مارا

دل مرا لے کے مکرنے لگے معلوم ہوا
مال اسی طرح سے ہے آپ نے سب کا مارا

دل نے کی مصحف رخ سے ترے کے بے ادبی
کہ تری زلف نے کوڑا نہ ادب کا مارا

لب عیسی سے نہ ہرگز ہو طلب کار دعا
اے ستمگار ترے جنبش لب کا مارا

بیٹھے آرام سے کیا کنج قناعت میں حریص
اے ظفر پھرتا ہے دنیا کی طلب کا مارا

کیونکہ دل ماہ جبیں مجھ سے تمہارا ملتا
کہ نہیں آپ کا اور میرا ستارا ملتا

تیری صورت سے ملا کر مہ کنعاں کی شبیہ
دیکھا کچھ فرق نہیں نقشہ ہے سارا ملتا

لے کے دل پھیر دیا تم نے نہ مانگو اب دل
لے کے یکبار نہیں پھر یہ دوبارہ ملتا

یوں ہوئی عید تو کیا عید تو واں جب ہوتی
کہ گلے میرے وہ آ کر مرا پیارا ملتا

مجھ کو وہ زلف معنبر ی سنگھا دے اپنی
نہ ملے گر وہ نہیں عنبر سارا ملتا

ڈھونڈھ کر تیری کمر کو ہوئے ہم ایسے گم
مثل عنقا نہیں اب کھوج ہمارا ملتا

دست و پا میں جو لگاتے ہو تم اپنے مہندی
کیا نہیں خون کسی عاشق کا نگارا ملتا

ہوتے ہیں پیدا وہاں مار بجائے سنبل
ہے جہاں خاک میں اس نام کا مارا ملتا

دست و پا مارتے ہیں گرچہ ظفر ہم لیکن
نہیں دریائے محبت کا کنارا ملتا

ہوگا کیا دشمن اگر سارا جہاں ہو جائے گا
جبکہ وہ آمہر ہم پر مہرباں ہو جائے گا

گر ہوا اس آہ سوزاں کا کوئی شعلہ بلند
دیکھ لینا خاک جل کر آسماں ہو جاوے گا

اے پری رو اپنی صورت تو دکھائے گا جسے
صاف وے حیرت زدہ آئینہ ساں ہو جائے گا

وہ جو دل میں لگ رہی ہے آگ بجھنے کی نہیں
چشم تر سے گرچہ اک دریا رواں ہو جائے گا

دیکھتا اس چاند کے ٹکڑے کو کیونکر جانتا
ٹکڑے ٹکڑے دل مرا مثل کتاں ہو جاوے گا

اے جنوں تیری بدولت نام میرا آخرش
دشت میں ہر خار کے در د زبان ہو جائے گا

باز آ اس خونفشانی سے کہیں اے چشم تر
دیکھ میرا راز دل سب پر عیاں ہو جائے گا

اے تغافل کیش کی تو نے اگر آنے میں دیر
کام آخر تیرے عشق کا یہاں ہو جائے گا

کرتے ہیں دعوی محبت کا جو اس سفاک سے
اے ظفر اک روز ان کا امتحان ہو جائے گا

دیگر

ہمارا انکا جو ہمدم مقابلہ پڑتا
نہیں کلام کا غیروں کو حوصلا پڑتا

فراق یار میں ہو ویگی زندگی کیونکر
کہ پیچھے جان کے یہ غم تو ہے بلا پڑتا

یہ سوز دل سے میرا اشک گرم ہے کہ جہاں
بدن پہ گرتا ہے واں ایک آبلا پڑتا

سناتے نالہ پر درد ہم اگر اپنا
تو بلبلوا بھی صیاد بلبلا پڑتا

نصیب ہوتے بھلے اپنے گر محبت میں
تو یہ معاملہ سے کیوں معاملہ پڑتا

اسیر زلف ترا ہے یہ قید سے مانوس
کہ چین ہے نہیں بے طوق و سلسلہ پڑتا

بلا سے تیری جو الجھے وہ زلف شانہ سے
تو اس کے بیچ میں ہے کس لئے دلا پڑتا

رفیق راہ محبت کدھر گئے یارب
کہیں نظر ہی نہیں اب وہ قافلہ پڑتا

سنا ہے جیسے کہ آتا ہے کوئی رشک بہار
برنگ غنچہ ہے دل اے ظفر کھلا پڑتا

دیگر

ہم نے حال اس سے دل زار کا کہ کیوں نہ دیا
ماجرا دیدہ خونبار کا کہ کیوں نہ دیا

یہاں کے آنے سے جو انکار کیا آپ نے رات
تھا جو پیارے سبب انکار کا کہ کیوں نہ دیا

جو کہ پیغام زبانی تھا وہ تو نے قاصد
دیکھے خط ان کو خطا وار کا کہ کیوں نہ دیا

کہا یاروں نے مجھے تیغ اجل کا کشتہ
مارا اس ابرو خمدار کا کہ کیوں نہ دیا

گئے تھے حضرت دل حال تم اپنا کہنے
ڈر نہ تھا تم کو اگر یار کا کہ کیوں نہ دیا

پوچھا اس نے مرے غمخوار سے میرا احوال
ہو برا اس مرے غمخوار کا کہ کیوں نہ دیا

سو جتے تم کو ظفر لاکھوں مضامین رنگین
وصف اس کے گل رخسار کا کیوں نہ دیا

کنارہ کش جو تو اے پر غرور ہم سے ہوا
جتائی ہم نے محبت قصور ہم سے بڑا

ہزاروں دل میں تھے مطلب ہمارے پر منہ سے
یہاں نہ ایک بھی ان کے حضور ہم سے ہوا

کیا نشہ نے محبت کی اس قدر مسرور
تمام عمر نہ زائل سرور ہم سے ہوا

کرے ہے منع جو تو ہم کو عشق سے ناصح
یہ کام ترک کب اے بے شعور ہم سے ہوا

بہشت بھی ہمیں ہوگی جحیم اے سائل
بجز پیالہ نہ وہ رشک حور ہم سے ہوا

ہم اس سے آپ رہے دور اپنی غفلت میں
جدا ہمارا دل ناصبور ہم سے ہوا

وہ اے ظفر نہ کسی وقت دور ہم سے ہوا

دیگر

ساقی ہے نشہ آنکھوں معمولی سے ہلکا
نظروں میں ہے حباب رطل گران پھول سے ہلکا

ہر بات میں تو ایک بھی ہے لاکھ سے بھاری
گر بات کو اپنے نکرے طول سے ہلکا

ہے جامہ تکلف کا پسندیدہ احمق
ہوگا نہ گدھا یہ کبھی اس جھول سے ہلکا

اچھا کیا سر تو نے مرے تن سے اتارا
اب کوئی نہیں اس ترے مقتول سے ہلکا

جز تارک دنیا ہو ہوس سے نے سبکدوش
یہ بوجھ نہ دنیا کے ہو مشغوں سے ہلکا

صرف نہیں کاغذ کا مگر بھیجتے ہیں وہ
خط ڈاک میں اندیشہ محصول سے ہلکا

دنیا میں ظفر جو ہے گرانبار جہالت
کب ہوتا ہے وہ مردم معقول سے ہلکا

دیگر

بلا سے کچھ ہی ہوتا لیکن ان پر ہاتھ پڑ جاتا

وہ تنہا آئے تھے گر کچھ تا بورات پڑ جاتا
جہاں میں تہلکہ یہ دیکھ کر برسات پڑ جاتا

اگر ہم روکتے یارو نہ اپنی اشکباری کو
اگر پڑ جاتی اسپر ایک میری لات پڑ جاتا

عدو کرتا بھلا وستادگی کیا سامنے میرے
جب اے دل جان کے پیچھے ہے یہ بذات پر جاتا

بچانا جان کا ہوتا ہے مشکل غم کے ہاتھوں تے
جو اس مردار کے پالے یہ جوش او وقت پڑ جاتا

عدو سے کچھ کہا اور مجھ سے آ کر کچھ کہا تو نے
یہ لپکا تجکو کیسا ہے ظفر ہیات پڑ جاتا

مزے کیا کیا چکھاتی دیکھتے زر
وہ ہم ہو بلا سے تو چھیڑے زلف کیا ممکن

کچھ سود و ضرر عالم ہستی میں نہ سوجھا

جز بادہ ہمیں بادہ پرستی میں نہ سوجھا
کیا سوجھے گا جنگل میں جو بستی میں نہ سوجھا

جا بیٹھا ہے صحرا میں عبث شہر سے زائد
سوجھا جو بلندی میں وہ پستی میں نہ سوجھا

پستی میں جو دیکھا وہ بلندی میں نے دیکھا

اللہ رے ستمگر ترے چین دوا رو
جوہر یہ کسی تیغ دودستی مین نہ سوجھا

نرگس کی روشن آنکھ ظفر ہم نے جو کھولی
اس گل کے سوا گلشن ہستی میں نہ سوجھا

جہان پہلے تھے ہم اب وہ مکاں پایا نہیں جاتا
اگر ڈھونڈھیں نشاں اس کا پایا نہیں جاتا

خیال اپنا فلک پر جا چڑھا کیونکر خدا جانے
یہ ہے وہ بام جس کا نردباں پایا نہیں جاتا

جہاں سے خوب وہی ہے جہاں ہمکو سدا رہنا
مگر یاں وہ جہاں جاوداں پایا نہیں جاتا

پھرے بھٹکا نہ کیونکر طائر دل بہر آسایش
کہ اس باغ جہان میں آشیان پایا نہیں جاتا

شرارہ نالہ دل سے ستارو کی ہے یہ کثرت
کہ تل دھرنے کو خالی آسماں پایا نہیں جاتا

پھر سر مارتا رل کیوں نہ کوئی زلف میں تیرے
کہ ہے ظلمات میں رہتا نہاں پایا نہیں جاتا

کہو گے حال دل اپنا ظفر کیا مہ جبینوں سے
کہ ان کا تو دماغ اے مہربان پایا نہیں جاتا

کھا کھا کے تیر غم یہ میرا حال ہوگیا
سینہ تمام سینہ غربال ہوگیا

زلفوں کو اس نے ہاتھ لگانے دیا ہمیں
کچھ دستگیر اپنا جو اقبال ہوگیا

کوئی درخت زلف کی کشتہ کے خاک سے
پیدا ہوا نہ ایک مگر بال ہوگیا

جانے کا دل کے غم ہے نہیں اور غم مجھے
غارت بلا سے گر چہ زر و سامان ہوگیا

رنگ شفق نہیں ہے کسی پر مگر فلک
گرم غضب ہوا ہے جو منہ لال ہوگیا

عاشق نہیں ہے کسی پر فلک
آخر کو رفتہ رفتہ وہ پامال ہوگیا

عاشق ہوا جو یار کے طرز خرام پر

وقت نظارہ روئے مصفا پہ یار کے
عکس اپنی مردمک کا ظفر خال ہوگیا

کدورت دل میں ہے ظاہر صفائی گر ہوئی تو کیا
ملاپ ان سے ہو تو کیا جدائی گر ہوئی تو کیا

ارے نا آشنا و پھر وہی نا آشنا ہو تم
کسی کی تم سے دو دن آشنائی گر ہوئی تو کیا

بنایا ہے صنم جسے نہیں سجدہ اسی کو ہے
بتوں کے سنگ در پر جبہ سائی گر ہوئی تو کیا

جوانی کیسی طاقت کوئی ہو سکتی ہے پیری میں
کسی تدبیر سے حاجت روائی گر ہوئی تو کیا

لڑائی جاتی ہے وہ آنکھ دیکھو اب بھی غیروں سے
مری اس بات پر ان سے لڑائی گر ہوتی تو کیا

نہیں پرواز کی صیاد بال و پر میں جب طاقت
قفس سے ہم اسیروں کو رہائی گر ہوئی تو کیا

رہی پروا ہی جب ہرگز نہ کچھ شکر و شکایت کی
بھلائی گر ہوئی تو کیا برائی گر ہوئی تو کیا

پہنچ سکتی نہیں فریاد اس مہوش کی کانوں تک
فلک تک آہ کو میرے رسائی گر ہوئی تو کیا

نہ چھوڑی اس بت کافر کی ہرگز دوستی میں نے
ظفر دشمن مری ساری خدائی گر ہوئی تو کیا

دیگر

حرف اس پہ نہ آئے جو ہو تحریر کا سانچا
چھوٹا ہو نہ ہرگز کبھی تقریر کا سانچا

ڈھلتا ہے سدا اس سے جو یہ آہ کا مصرع
کیا دل ہے ترے عاشق دلگیر کا سانچا

دیتا ہے لب زخم جگر میرا گواہی
ہے ہاتھ پہ ابرو کے شمشیر کا سانچا

ڈھالا تجھے سانچے میں ہے اسے عالم تصویر
ہے قدرت صانع تری تصویر کا سانچا

کی آہ و فغاں دل نے بہت عشق میں لیکن
دعوی نہ ہو ایک کی تاثیر کا سانچا

یہ شمع اسی سانچے میں ڈھلتی ہے ہمیشہ
ہے سینہ مرا نالہ شبگیر کا سانچا

سانچے ہے ظفر پیر مرا مجکو یہیں ہے
ہر قول ہے واللہ مرے پیر کا سانچا

دیگر

جو دل کو کل و زلف دوتا نے بھنایا
تو جاں کو غمزہ دشنہ و ادا نے بھنایا

بہار دیکھ کے اپنی ذرا ہنسا تھا گل
لگایا ایسا طمانچہ صبا نے بھنایا

کیا تھا بلبل نے بھی عشق کا دعویٰ
مگر انہیں ترے ظلم و جفا نے بھنایا

لگایا دختر رز کو اگر کسی منھ
تو اس کو خوب ہی اس حیا نے بھنایا

اٹھایا گرتی ہیں شربت پہ مکھیاں بھن بھن
مریض غم کو طبیبو دوا نے بھنایا

شب فراق میں آئیں جو یاد وہ زلفیں
تو اس کو مجھکو ہجوم بلا نے بھنایا

مجھے یہ کہتا تھا ناصح کہ دل نہ دیجو کہیں
دکھایا غمزہ جو اس دلربا نے بھنایا

نہ تھا کسو کے بھی قابو کا یہ بشر لیکن

ستم سے ہم نہیں اس بیوفا کے گھبرانے
ظفر ہمیں تو ہماری وفا نے بھنا

دیگر

دیکھ کر جدول الف و قد رعنا سیدھا
دل سے نکلا مرے جو نالہ سو نکلا سیدھا

نہ ہوا گردن دلدار میں خم یوہیں رہا
مدتوں بہر دعا دست تمنا سیدھا

کج ادا ایسا کیا حسن کی دولت نے اسے
بولتا بھی نہیں وہ شوخ خود آرا و سیدھا

باتیں کرتا ہے عدو مجھ سے جو ٹیڑھی سیدھی
ایک دن خوب یہ کج بحث بنے گا سیدھا

خانہ اس زلف کے کوچے میں کہ ہے خم در خم
دل شامت زدا لے مانگ کا رستا سیدھا

طرز ٹیڑھی ہے سخن کی ترے کس سے ہو ادا
چھوٹتے ہی مرے دل کی طرف آیا سیدھا

اے کماندار ترے کے قربان ہوں نکیوں
ظفر انداز ہے یاروں کا تو سیدھا سیدھا

بنا جو رخ مہوش پہ تل پری ہے بنا
کوئی ہے زہرہ بنا کوئی مشتری ہے بنا

جو در ہیں اشک تو یاقوت و لعل لخت جگر
ہمارا دیدہ یہ دوکان جوہری ہے بنا

کوئی بنا کوئی بگڑا یہی رہا ہر روز
جہاں میں جیسے کہ یہ چرخ چنبری ہے بنا

تمہارے روئے منور پہ مطلع ابرو
عجیب مطلع دیوان انوری ہے بنا

ہٹاؤ آئینہ کو روبرو سے جلد کہیں
کہ ہم میں تم میں یہ سد سکندری ہے بنا

رکھیں امید وفا کیا ہم اس ستمگر سے
کہ وہ زمانہ میں بہر ستمگری ہے بنا

ظفر کسی سے بگڑ کر نہیں وہ کرتے بات
کہ جن کے واسطے خلق پیمبری ہے بنا

وہ اشکوں کا ہے یہاں تلاطم میں دریا
کہ چڑھتا نہیں چشم مردم میں دریا

یہ سوجھا شے میں دم جوش باراں
بھرا تھا فلک کے کہیں خم میں دریا

کہوں کیا طبیعت کی اس کی روانی
بہاوے بھی گویا تکلم میں دریا

بجھی آگ اے آنکھوں دل کی نہ میری
بھرے ہوں ہزاروں اگر تم میں دریا

مگر دیکھا دریا یہ مستوں کو ہنستے
کہ ہر موج سے ہے تبسم میں دریا

مرے پانوں کے آبلوں سے رواں ہے
کہ اس دشت وحشت رہ گم میں دریا

ظفر دھوئیں گنہ کیوں نہ اپنے
کہ ذات باری ترحم میں دریا

دیگر

اسے یاروں نے میرا رقعہ جا کر دیدیا ہوتا
کھلا گر دے نہ سکتے تھے چھپا کر دیدیا ہوتا

بگڑ جاتا ترا کیا سرخ رو میں سب میں ہو جاتا
مجھے ایک پان تو تو نے بنا کر دیدیا ہوتا

نہ ہوتے مجھ سے تم سینہ بسینہ ہو کے ہم بستر
پر اک بوسہ تو منہ سے منہ بھڑا کر دیدیا ہوتا

گوارا شربت دیدار دینا گر نہ تھا تجکو
بلا سے زہر ہی تجکو بلا کر دیدیا ہوتا

بھروسے میں جواب خط کے مرا ہائے کیوں تجکو
جواب صاف ہی قاصد نے آ کر دیدیا ہوتا

لگاتا خضر کیوں آب کو منہ پر اے ساقی
جو تو نے جام مے منہ سے لگا کر دیدیا ہوتا

ظفر لے کر تمہارا دل وہ کافر کیسکو مکر جاتا
اگر تم نے اسے سکو جتا کر دیدیا ہوتا

نہ ہرگز واسطے فریاد کے بسمل کا ہاتھ اٹھا

علم کر تیغ کو سو بار اس قاتل کا ہاتھ اٹھا
کہ دل پر سے دم بھر عاشق بیدل کا ہاتھ اٹھا

رہا تجھس یہ عالم رات دل کی بیقراری کا
ادھر منعم کا ہاتھ اٹھا ادھر سائل کا ہاتھ اٹھا

عطا منظور ہے اس کو نہ دستور ہے اس کا
جو تجھ پر ساربان ناقہ محمل کا ہاتھ اٹھا

اٹھایا دو جہاں سے ہاتھ پر تیری محبت سے
نہ محفل میں کبھی اوس رونق محفل کا ہاتھ اٹھا

نہیں اٹھنے کا ہو کر خشک اس کا ہاتھ اے مجنوں ظفر سر سے نے اپنے مرشد کامل کا ہاتھ اٹھا

گئے ہم سامنے سو بار پر صاحب سلامت کو

رہا سر پر ہمارے دو جہاں میں افسر شاہی

دیگر

بن تیرے عجب حال مری جان ہے میرا بیٹھا ہوں کہیں اور کہیں دھیان ہے م یرا

کچھ پوچھو نہ جو حسن بتاں کی ہے تجلی دل دیکھتا کچھ اس میں عجب شان ہے میرا

حال دل غمگین نہ کہا میں نے کسی سے اے حضرت غم تم پہ یہ احسان ہے میرا

نے مجکو غرض دین سے نہ کفر سے مطلب عشق اس بت پر کیش کا ایمان ہے میرا

مانع جو رہ نیک سے ہووے تجھے غافل تو جان لے یہ دل میں کہ شیطان ہے میرا

صحرا سے بھی میں جاؤں نکل تنگ ہوں اتنا پر خار نہیں چھوڑتا دامان ہے میرا

فرمائیں جو ناصح وہ سر و چشم پہ میری پر دل تو نہیں تابع فرمان ہے میرا

آرام کہاں مجکو نہ جب تک ہو بغل میں وہ شوخ کہ آرام دل و جان ہے میرا

جب سنتا ہوں میں نام ظفر فخر جہاں کا ہو جاتا دل اوس نام پہ قربان ہے میرا

اب تو ہے جو س جان جہاں کو خوب طرح سے جان لیا بھیس میں ہے آرام کے وہ آیا ہم نے بھی پہچان لیا

مطلع ثانی

دل ہی فقط کیا تو نے دیکھا کر اپنی ادا و آن لیا بلکہ دل کے ساتھ اے کافر دین لیا ایمان لیا

کون تھا ایسا تیرے سوا ہم نے دیئے جس کو دل اپنا جس نے کہا یہ اس نے ہم پر تہمت لی بہتان لیا

سوئے عدم ہستی سے چلا ہے بے سر و سامان خالی ہاتھ ہائے مسافر ساتھ سفر کا تو نے نہ کچھ سامان لیا

سینہ میں اپنے لیجاؤ نگا اس کو زیر خاک بھی میں دیکر جان اے ناوک افگن میں نے تیرا پیکان لیا

دل نہیں مانتا میرا ناصح یہ مانے تو کام چلے تو نے تو جو کچھ مجھ سے کہا سب سچ ہے وہ میں نے مان لیا

جو کہ ہوا شمشیر نگہ کا تیرے قاتل منت کش تیغ اجل کا اپنے سر پر اس نے کب احسان لیا

دیکھ جو پایا اس نوخط نے نام مرا سرنامہ پر ٹھہر تو نہ خط قاصد سے تیرے اسنے کسی عنوان لیا

کوئی نپایا ایسا بشر ہے جیسا ظفر رشک پری سارا پرستاں ڈھونڈھا ہمنے سارے جہانکو چھان لیا

دیگر

تنگ مجنون سے طبیب ذوفنون آجائے گا پھاڑ ڈالے گا گریبان کو جنون آجائے گا

دیکھنا اک دن جلا کر خاک کر دے گا مجھے کام ہی میرے کبھی سوز دروں آجائے گا

ہوگی سیر سبزہ و گل جبکہ ساقی باغ مین لے کے مینائے شراب لالہ گوں ہو جائے گا

اور دیکھیں کون تیرے بس میں یوں آجائے گا

آ گئے قابو میں تیرے جیسے ہم اے پر فریب
رو تے رو تے گر مرے اشکوں میں خوں آ جائے گا

اے حنائی پنجہ تو آنسو نہ پوچھے گا کبھی
اے دل بیتاب میں کیونکر کہوں آج آ جائے گا

آج کیا کل بھی نہیں آئے گا وہ وعدہ خلاف
ہاتھ جس کے اے ظفر کوئی فسوں آ جائے گا

لف کے افعی کو ہاتھوں میں کھلائے گا وہی

دیگر

سنا ہے مشورشب اس کے گھر میں اور کچھ ٹھہرا
ارادہ کیا دل رشک قمر میں اور کچھ ٹھہرا

یہ پ ٹھہرا جاتے جاتے کیوں مرا خط لے کے کیا باعث
مگر قصدا اب خیال نامہ بر میں اور کچھ ٹھہرا

نگین دل کا تھا مول ور کچھ ٹھہرا ہوا پہلے ط
گیا جس دن سے دست سیمبر میں اور کچھ ٹھہرا

کبھی اخگر کبھی گل ہے کبھی لالہ
نہ ٹھہرا داغ یہ میرے جگر میں اور کچھ ٹھہرا

کوئی زیبا جبیں ٹھہرا ہے کوئی مہ لقا اس کو
مگر وہ مہر روشن میری نظر میں اور کچھ ٹھہرا

نہیں نازاں ہم اسیر اوس نے ہمکو دوست ٹھہرایا
ابھی دے گا وہ ظالم لحظہ بھر میں اور کچھ ٹھہرا

ہر اک کے ذہن میں کچھ طور ٹھہرا اس کے ملنے کا
طریقہ اس کا پر فہم ظفر میں اور کچھ ٹھہرا

اس بتکدہ میں جس نے کہا اے بت تجھے نا کا
کیا خوب نظر باز وہ بندہ ہے خدا کا

اللہ ری تیزی تری شمشیر نگہ کی
دم سرد جسے دیکھ کے ہو تیغ قضا کا

کہتے ہیں مہ نو جسے دیکھا اسے ہمنے
ہے ایک تراشیدہ ترے ناخن پا کا

کیا اس ترے بیمار کو امید شفا ہو
جس کو کہ اثر ہو نہ دعا کا نہ دوا کا

اے دوستو اس دلبر بےمہر کے آگے
کیا نام وفا لوں کہ وہ دشمن ہے وفا کا

سرکش جو بہت حسن پہ تو اپنے اے شمع
دیکھا کبھی جلوہ نہیں اس ماہ لقا کا

ناکام رہا گردن زخم زبان سے
اچھا ہوا شاکی نہ ہوا تیغ جفا کا

تلووں سے ملا دیدہ پر آب کو کس کے
پھیکا ہے کف پا میں ترے رنگ حنا کا

نیسان سے اور اس چشم گہر بار سے میرے
دیکھو گے ظفر ہو گا کبھی خوب جھگڑا کا

دیگر

اگر بے پردہ شب ماہ مبیں دیکھا تو کیا دیکھا
نہ تجکو اے پردہ نشیں دیکھا تو کیا دیکھا

کچھ ایسا ہو کہ دیکھے وہ ادھر چشم عنایت سے
ہمیں گر اس نے ہو کر خشمگیں دیکھا تو کیا دیکھا

ہماری عید تو ہے دیکھنے پر تیرے ابرو کے
ہلال عید کو اے مہ جبیں دیکھا تو کیا دیکھا

مزا جب ہے کہ بیٹھے سامنے اور ہم اسے دیکھیں
عزیزو چلتے پھرتے گر کہیں دیکھا تو کیا دیکھا

کہیں ہو پاس دیکھیں اس کو ہم دل کی صفائی سے
اگر ہم نے لگا کر دوربیں دیکھا تو کیا دیکھا

کہاں طاقت کو دیکھیں آنکھ بھر کر دم ہے آنکھوں میں
اسے گر ہمنے وقت واپسیں دیکھا تو کیا دیکھا

ندیکھا ہمنے جب اس عالم تصویر کا نقشہ
ظفر گر نقش نقاشاں چیں دیکھا تو کیا دیکھا

دیگر

کام نہیں کسی سے کوئی بھلا ہو یا برا
سب سے الگ ہوں میں مجھے کہتے ہیں سب اکل کھرا

مرغ چمن ہزار ہے مطرب خوش نوا تو کیا
اس دل نالہ کش کی ہے سامنے پردہ پی سرا

زاہد سنگدل اگر میکدہ میں کرے گذر
دختر زر کو دیکھ کر اس کا بھی دل ہو بھر بھرا

تیرے مریض عشق سے وہ بھی نہ ہضم ہو سکے
آٹھ پہر میں گر غذا اس کی ہو ایک مرمرا

کرتا ہے ذبح وہ مجھے ایک نگاہ ناز سے
اور تو پاس یار کے نے ہے چھری نہ ہے چھا

دل میں ہے میرے غم بھرا دیدہ پر آئے ہے مرا
جھوٹی قسم نہ کھاؤ گا عشق کی میں بھرا پرا

عشق کے ہاتھ اے ظفر بیچ متاع جاں کو
وہ زر نقد داغ دل دیگا تجھے کھرا کھرا

شورش غم سے پڑا دل پر پتنگا آگ کا
یہ جلا ہو گا بڑی مشکل سے چنگا آگ کا

جامہ آبی کا اپنی آسمانی دیکھنا
ہے شفق سے کیا تماشا رنگ رنگا آگ کا

نالہ سوزاں کی میرے گرمی ہنگامہ سے
اس کے گرجی میں رہا شب ایک دنگا آگ کا

دیکھوں بجلی کو مستوں نے یہ پوچھا ابر سے
تو نے ڈالا ہے گلے میں کیا جھلنگا آگ کا

دل مرا پروانہ ہے آتش رخوں کے عشق سے
مانتا ہرگز نہیں ڈر یہ پتنگا آگ کا

ہر بن مو سے ترے دیوانہ کی نکلی جو آگ
بن گیا پتلا سراپا جسم ننگا آگ کا

رنج بے بادہ نہوں مستوں کی گرمی جگر
کب بجھاتا ہے یہ شعلہ آب گنگا آگ کا

ہے خدا جانے یہ میری آہ سوزاں کیا بلا
آسمان پر ایک لگاتی ہے اڑنگا آگ کا

لڑتی ہے بندوں سے جو اے ظفر فوج فرنگ
رکھے ہے ہتھیار پاس اپنے تلنگا آگ کا

عارض کا صاف رنگ ترے گل میں آگیا
زلفوں کا پیچ و خم ترے سنبل میں آگیا

کس چشم پرخمار کا ساقی پڑا تھا عکس
جس سے کہ یہ نشا قدح مل میں آگیا

کب تک کروں میں صبر کرو در فراق سے
ہے فرق میرے صبر و تحمل میں آگیا

کیا شعلہ وشرار میں کیا مہر و ماہ میں
جلوہ ترا تو ہم کو نظر کل میں آگیا

دیکھا مجھے نہ تونے اور آنکھوں میں میرا دم
آخر کو یار تیرے تغافل میں آگیا

کاکل میں تنگ آیا تو زلفوں میں آیا دل
زلفوں میں تنگ آیا تو کاکل میں آگیا

جلدی سے قاصدوں کے ہوا کچھ نہ اے ظفر
وہاں سے جواب خط کا تامل میں آیا گیا

دیگر

شمع کا داغ جگر ہے بزم میں کیا گل بنا
بلکہ اوسکا درد دل ہمسر سنبل بنا

پھر دکھا آخر خزاں ہےکوئی دن ہے یہ بہار
اس چمن میں آشیاں اپنا نہ اے بلبل بنا

مل گیا دریا میں جب قطرہ تو دریا ہو گیا
جزو جو کل میں ہوا گم جزو سے وہ کل بنا

میں وہ میکش ہوں کہ میری خاک سے بھی بعد مرگ
یا سبوئے مے بنایا کوئی جام مل بنا

دل کا زنجیر بلا سے چھوڑ جا دنیا میں مسم کچھ تو اپنا تو نشاں
جب سے یہ شامت زدہ سودائی کا کل بنا

اے ظفر آئی قیامت بزم میں ساقی بغیر
یا سرا یا چاہیا مسجد بنا یا پل بنا

شور محشر میرے حق میں خندہ قلقل بنا

دیگر

نہیں یہ سوز محبت نے ہمکو داغ دیا
ہمارے خانہ دل کے لئے چراغ دیا

مطلع ثانی

ہمیں جو عشق نے یہ سینہ داغ داغ دیا
ہمارے سیر کو گھر میں خدا نے باغ دیا

تمہاری زلف کے کوچہ میں مجکو شانہ نے
بتا مرے دل گم گشتہ کا سراغ دیا

بنا کے خال سیہ خط سبز پر اپنے
بٹھایا آپ نے طوطی کے پاس زاغ دیا

جو مانگی عشق سے فرہاد قیس نے جا گیر
تو اس کو کوہ دیا اور اس کو راغ دیا

کرشمہ ہے یہ تری چشم مست کا میکش
چمن میں جو کف نرگس پہ دھر ایاغ دیا

نہیں نشیب وہ شاہان ہفت کشور کو
ہمیں جو فقر نے ہے گوشہ فراغ دیا

شگفتہ غنچہ دل کیوں نہو کہ اس گل نے
ہمیں جو بوسہ دیا ہو کے باغ باغ دیا

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہو ہمسر
خدا نے ہے یہ تمہیں کو دل و دماغ دیا

نکوئی یار پایا اور نکوئی آشنا پایا
جسے یاں دوست جانا اس کو دشمن جا نکا پایا

پھر ہم ڈھونڈھتے مدت تلک راہ محبت میں
رفیق اپنا نکوئی بھی ترے غم کے سوا پایا

قمر کو نسبت اس عارض سے کیا ہم نے ملا دیکھا
اسے اس سے جدا پایا اسے اس سے جدا پایا

کسی سے کس لیے پوچھیں صنم خانہ کا رستہ ہم
کہ اپنے اس صنم کا ہمنے دل ہی میں پتا پایا

ملایا تیرے خال رخ کو جب خال سویدا سے
قسم ہے ہمنے دونوں میں نہ فرق اک نکتہ کا پایا

خط اس نے نامہ بر سے لے لیا پڑھ کر چھپا ڈالا
الٰہی شکر غیروں نے یہ میرا مدعا پایا

سنا یوسف کو بھی اور اک جہا نکو آنکھ سے دیکھا
مگر تجھ سا حسین ہم نے نہ ہرگز دوسرا پایا

ذرا بھی دل ہلا تیرا نہ کافر میرے نالہ سے
فرشتے کانپ اٹھے عرش بریں کا ہلکیا پایا

ظفر کیونکر نہ یہ ظلم و ستم مجھ پر روا رکھیں
کہ مجھکو ان ستمگاروں نے اپنا مبتلا پایا

مانگ کی لیکھ پر ہر رات سویرا دیکھا
کوچہ زلف میں دنکو بھی اندھیرا دیکھا

دور ساغر ہی میں گذرے ہیں دن جون خورشید
ساقیا اٹھ کے جو منہ صبح کو تیرا دیکھا

ابلق چشم کی اللہ رے تیری شوخی
کہ او لیل ایسا نہ کوئی بھی پچھیرا دیکھا

دل کو چیتا مرے ناخن کے خراشوں سے تمام
بہتر اس دست جنون سے نہ چتیرا دیکھا

خط مرا دیکھ لیا ایک دفعہ اس نے تو کیا
حرف مطلب نہ کووی غور سے میرا دیکھا

حلقہ زلف سے تم بچ نہ سکے حضرت دل
اس بلا نے تمہیں کس طرح سے گھیرا دیکھا

ہم سے غربت زدہ ٹھہرے نہ ٹھکانے کہیں
لیتے سب جانوروں کو بھی بسیرا دیکھا

خاک مجنون نے کیا وادی وحشت میں مقام
کہ بگولے کے سوا کوئی نہ ڈیرا دیکھا

ہم نہ کہتے تھے ظفر بیچ نہ ڈال اس کے ہاتھ
نہ پسند اس نے کیا لیتے ہی پھیرا دیکھا

دیگر

انہیں جب پیار سے ومیین گوی بھر کے لیلونگا
دہن کے بوسہ بھی میں لب کولب پر دھر کے لیلونگا

فقیر اے یار ہو جاؤں گا میں تیری محبت میں
زمین تکیہ کے خاطر پاس تیرے گھر کے لیلونگا

پرکھ پر جوہری کے مول لینے کا نہیں موتی
در دندان سے میں تیرے مقابل کر کے لیلونگا

لب میگون کے تیرے لیگا بوسے گر لب ساغر
تو میں اے بادہ کش بوسے ترے ساغر کے لیلونگا

بلا دونگا جہاں کو دیکھنا زیر زمین بھی میں
ذرا کروٹ جو ہاتھوں سے دل مضطر کے لیلونگا

جو توڑے شیشہ مے محتسب نے مار کر پتھر
تو بدلے میں کسی دن اس سے اس پتھر کے لیلونگا

کرونگا کعبہ میں جا کر ظفر کیا گر ہے گا ڈھپ
تو بوسے اس بت کافر کے سنگ در کے لیلونگا

دیگر

کیون فریب اس کے ہے دل دیکھے کے بل کھاتا
کرتا ہے بات وہ پیچھے قسم اول کھاتا

زلف عارض پہ ہے اس شوخ گلستان رو کے
یا چمن میں ہے کوئی مار سیہ بل کھاتا

دیکھا ہے قاتل سفاک ترا کشتہ ناز
خون کے دریا میں ہے غوطے سر مقتل کھاتا

بوسہ لوں سیب ذقن کا ترے سرو رواں
نخل سے سرو کے ہو کوئی اگر پھل کھاتا

چشم گریاں سے جو میرے نہ مقابل ہوتا
تو ہوا کے طمانچے بھی بادل کھاتا

کھا لیا آج ہی گر غم نے مجھے خوب ہوا
آخرش کھاتا ہے یہ آج نہیں کل کھاتا

ہوں وہ سرگشتہ جنوں میں کہ بگولے کی طرح
اے ظفر دیکھ کے چکر مجھے جنگل کھاتا

وہ دیکھے ہے جس طرح کچھ میر کرنا
مجھے ڈر ہے الٰہی خیر کرنا

بتوں دل میں جو میرے اب سے تم
ہوا منظور کعبہ دیر کرنا

طیور و سدرہ و طوبیٰ کو سکھلانے
ہمارا طائر دل طیر کرنا

غضب ہے توپ پر عاشق کو رکھکر
فرنگی زاد تیرا فیر کرنا

ہرے ہو تیغ پہ میرے زخم دل کے
پھر آ کر اس چمن کی سیر کرنا

نہیں اوس مصحف رخ پر مناسب
تجھے اے زلف لیلے ہیر کرنا

ظفر جاتے وہ میرے پاس سے کیوں
اگر ہوتا نہ پاس غیر کرنا

کوئی دم فنا کی ہے منزل میں بیٹھا
بس اب تو ہے کس فکر باطل میں بیٹھا

مطلع ثانی
ہمیشہ رہا پر مرے دل میں بیٹھا

بظاہر نہ وہ میری محفل میں بیٹھا
لب بام آ کر مقابل میں بیٹھا

ہوا ماہ کیا کیا خجل جب وہ مہوش
اگر دوست بھی بزم قاتل میں بیٹھا

کشندہ مرا ہو گیا اے عزیزو
کہ جکڑا ہوا سلاسل میں بیٹھا

کہاں جائے سودا یے زلف اٹھکر
خ تنگ نگہہ کس کا ہے دل میں بیٹھا

رواں خون دل ہے جو آنکھوں سے ہر دم
نہ باتیں بنا میری محفل میں بیٹھا

ہو بیہودہ گو ہو ظفر اس سے کہدو

چھپا ہوا ہے جگر میں میرے یہ نیش مژگاں یار کیسا
کھٹکتا ہر دم ہے ساتھ دم کے الٰہی سینہ میں خار کیسا

جو مست اس چشم مست کے ہیں نہیں ہو کچھ ان کو ہوں ساقی
کہ جام کیسا شراب کیسی نشا ہے کیسا خمار کیسا

بندھا جو اشکوں کا تار دیکھا تو اسنے ہنسکر تجھ سے پوچھا
کہ تو نے اپنے گلے میں ڈالا یہ موتیوں کا سا ہار کیسا

اڑاتا کیا خاک سر پہ مجنوں چلا ہے زنداں سے سوے ہاموں
اڑی ہے دیکھو یہ گرد کیسی اٹھا ہے دیکھوں غبار کیسا

کرے جو تجھ سے تپاک پیدا جو تجھ پہ اے شعلہ خو ہو شیدا
پھر اس کو ہوش و حواس کیسے پھر اسکو صبر و قرار کیسا

یہ لے کے تیر و کماں کا جانا شکار کا ہے فقط بہانا
تجھے کسی کو ہدف بنانا ارے ستمگر شکار کیسا

ظفر جو پھیری ہے اس نے چتوں خفا ہے مجھ سے وہ شوخ پر فن
بنا دیا اس کو میرا دشمن ہے دوستدار کیسا

بنا بسمل ہے کیا تجکو ہے اے قاتل دعا دیتا
لب ہر زخم سے ہر دم ہے اس کا دل دعا دیتا

تماشا ہے کہ تو اسے بد زباں دشنام دیتا ہے
اور اس کے بدلے تجکو ہے ترا مائل دعا دیتا

جو پوچھا ہم نے مجنوں سے کہو کیا شغل رہتا ہے
کہا میں ہوں تمہیں اے مرشد کامل دعا دیتا

صدا آئی نہیں قلقل کے ساقی شیشہ مے سے
تجھے وہ جانکر ہے رونق محفل دعا دیتا

قل ایذا طلب یوں میرا ان ایذا دہندوں کو
دعا دے تیغ کو جیسے ہے سائل دعا دیتا

تجھے اے صید افگن دیکھ تو کس کس محبت سے
ترا صید محبت ہے دم بسمل دعا دیتا

ظفر اشکوں سے میرے جب مدد ہو تجھے ہے دریا کو
تو میری چشم تر کو ہے لب ساحل دعا دیتا

یوں تیرے ہجر میں دل ہے لوٹتا
وہ الٹے پھر گئے مد نظر کیا تھی ہوا یہ کیا

کیا کہہ دیا ہے کان میں باد بہار نے
توقع ہم کو تجھ سے چشم تر کیا تھی ہوا یہ کیا

ملتی ہے زلف کب خط رخسار پر ترے
کوئی پوچھے خطائے نامہ بر کیا تھی ہوا یہ کیا

کیا جانے ذبح ہونے میں آتا ہے کیا مزا
تمنا ہم کو اے بیدادگر کیا تھی ہوا یہ کیا

ہے شیخ گوشہ گیر دیا سے بھلا وہ مست
لگی لو ہم کو شب سے تا سحر کیا تھی ہوا یہ کیا

سر کٹ کے بھی ہوا نہیں ٹھنڈا شہید عشق
ہمیں نالوں سے امید اثر کیا تھی ہوا یہ کیا

ہیں یوں تو اس غزل لوتے سبھی
تمہاری وسع آ گیا اے ظفر کیا تھی ہوا یہ کیا

دیگر

جب عاشقی میں دل دل نے مرا پاس کھو دیا
میں نے بھی اس کا ایسا کیا پاس کھو دیا

مفلس کے ہوش کیا رہیں اس کی تو عقل کو
جا اے چرخ تو نے باعث افلاس کھو دیا

اقرار نامہ ان کی محبت کا ہم انہیں
دکھلائیں کیا کہ ہم نے وہ قرطاس کھو دیا

مضمون یہ آ گیا تھا خموشی کا اپنے ہاتھ
یاروں سے کی جو آن کے بکواس کھو دیا

خورشید جو چھپا تو یہ آیا نشے میں شوخ
سونے کا وہ فلک نے کہاں طاس کھو دیا

افسوس اپنے اشک کی جانی نہ ہم نے قدر
کیا بے بہا نگینہ الماس کھو دیا

نے دل رکھا نہ جاں رکھی میں نے عشق میں
جو کچھ کہ اے ظفر تھا مرے پاس کھو دیا

اگر مرے دل سوزاں گل ہوتا
کبھی چمن میں نہ گل کا چراغ ہوتا

وہ رشک گل جو گلستاں میں میکشی کرتا
تو غنچہ ہوتا گلابی ایاغ گل ہوتا

ہر ایک خار یہ فیض قدم سے مجنون کے
نمود سے سر دامان داغ گل ہوتا

جو زشت خو ہیں انہیں کیا ہو روئے خوب سے عشق
سنا نہیں کبھی معشوق زاغ گل ہوتا

اگر یہ جانتا ہے تنگ عرصہ کار بہار
شگفتہ یوں نہ کبھی بافراغ گل ہوتا

چمن میں نالہ بلبل کو کون پھر سنتا
تری طرح سے جو نازک دماغ گل ہوتا

چمن میں جائے بھی جب اے ظفر وہ رشک چمن
تو اس کو دیکھ کے ہے باغ باغ گل ہوتا

جب آ کے میرے قتل کو قاتل الٹ گیا
مضطر ہوئی یہ سن کے قضا دل الٹ گیا

آتا نظر ہے یوں فلک سبزہ واژ گوں
جیسے ہو جام زہر پلا ہل الٹ گیا

جان اولٹی پھر گئی میرے آ کر لبوں تلک
یہ آ کے راہ روسر منزل الٹ گیا

عاشق کے دل کو یہ ترا ما سیاہ زلف
بس کائی ہے جو روشائل الٹ گیا

ساقی مثال شیشہ مے روتے روتے آج
دم میرا بن ترے سر محفل الٹ گیا

عالس وہ کیا عمل نہو جس کا کتاب پہ
سنگ مزار عاشق بیدل الٹ گیا

جیتا ہیوں سے دل کی پس از مرگ اے ظفر
قضا نے میرا کفن اپنے سر پہ باندھ لیا

دیگر
اوٹھا کے ہم نے جو زخم جگر پہ باندھ لیا

جب اس نے ناز سے تیغہ کمر پہ باندھ لیا
ارادہ اپنے ترے تاج زر پہ باندھ لیا

یہی علاج تھا پٹی کی جاترا رومال
کہ تو نے اس کو چڑھا جو نظر پہ باندھ لیا

یہ کہدو شمع سے گلگیر چھوڑنے کا نہیں
عزیز و پیرہی اس رہگذر پہ باندھ لیا

ترا تار نظر بھی عجب کمر پلا
تصور رخ روشن قمر پہ باندھ لیا

گذر ہو کیونکر مرا وہاں کہ مجھ سے لوگوں نے
حصار خط رخ سمبر پہ باندھ لیا

سمجھتے ہم ہیں غلط ہیں اس آنکھ کو جس نے
پکڑ لیا جسے اور او سکو در پہ باندھ لیا

نگاہ بد سے رہے تا کہ حسن بے آسیب
اسہ کہ جسے ہے طوفان ظفر پہ باندھ لیا

وہ آدمی تھا مرا چور چور کہکر رات
گلے میں باندہ کے پتھر ڈبو دو دریا میں

کی اگر تو نے مرے قتل کی تدبیر لے آ
سر یہ حاضر ہے مرا شوق سے شمشیر لے آ

لب تک آدل سے نے تنہا شب تنہائی میں
جان کو ساتھ تو اے نالہ شبگیر لے آ

یوں تو آئیں گے نہیں ہیں وہ کشیدہ خاطر
تجھ میں کچھ اے کشش دل ہے جو تاثیر لے آ

روز لے جاتی مجھی کو ہے ادھر اوسکو بھی
کبھی ہر پھر کے ادھر گردش تقدیر لے آ

گر نہ آئے دل دیوانے تو کہ زلف سے تو
گر کے سودا زدہ کو بستہ زنجیر لے آ

ہم نے ہے دل میں بنایا غم دلدار کا گھر
کہدو اس سے کہ مکاں ہو چکا تعمیر لے آ

ہیں وہ روٹھے ہوئے آنے کے نہیں آج ظفر
عید کا روز ہے جا ہو کے بغلگیر لے آ

جان جائے گا وہ بت کافر ہمیں نے اب یہ جان لیا
چھوڑا اس نے پاس مرے کیا دین لیا ایمان لیا

ہوتا ناحق خون آلودہ خوب کیا اس قاتل نے
میرے وقت کشتن اس نے دامن کہ گردن لیا

بھیس بدل کر شب کو چلے تھے غیر کے گھر وہ چوری سے
ہم نے اوکی چال سے اوکو رستہ میں پہچان لیا

لوہو تھو کا رشک سے اسدم عاشق کا یہ رنگ ہوا — تو نے غیر کے ہاتھوں سے بنوا کے جو منہ میں پان لیا
جو ہیں مسافر راہ عدم کے ان سے اتنا پوچھو تو — تم نے اپنے ساتھ سفر کا کیا کیا ہے سامان لیا
جتنا چھانا اتنا پایا کر کر اس کو چھانا خاک — ہم یہ کہیں کس منہ سے ہم نے خوب جہاں کو چھان لیا
بیٹھ کے مثل کف پا اٹھے نہ اس کے کوچے سے — کچھ ہی ہو وے اب تو ظفر یہ دل میں ہمنے ٹھان لیا

اگر بے پردہ ہمسے وہ بت کافر ادا ہوتا — میسر ہم کو دنیا ہی میں دیدار خدا ہوتا
چھپاتا مجھ سے زیر زلف تو کیوں خال رخ اپنا — ستارہ گر مرا چمکا ہوا اے مہ لقا ہوتا
اگر تھوڑی سی مرچیں بھی نمک میں مسکر قاتل — لگا دیتا مرے زخموں کے منہ کو کیا مزہ ہوتا
خدا سے ڈر نہ کہ ہم پر روا جور و ستم اپنے — کہ ظالم دل ستاتا ہے غریبوں کا برا ہوتا
نہ ملتا اس طرح میں خاک میں گر میرے جانب سے — نہوتا تو مکدر دل ترا مجھ سے صفا ہوتا
تری اس بیوفائی پر فدا ہوتی ہے جان اپنی — خدا جانے اگر تمہیں وفا ہوتی تو کیا ہوتا
خطر ہے کیا اگر دشمن ہے میرا وہ بت کافر — نہیں اے حضرت دل کچھ بھی بحکم خدا ہوتا
خدا نے خیر کی جلدی بجھائی آگ اشکوں نے — وگرنہ سوز دل سے آج میں جل ہی گیا ہوتا
ظفر کچھ درد ہوتا آج بیدرد کو میرا — اگر درد محبت میں دل اس کا مبتلا ہوتا

دیگر

جبکہ مجھے اندیشۂ عقبی دنیا میں ہے بہلاتا — پھر تو بہلتا جی نہیں میرا لاکھ طرح ہوں بہلاتا

مطلع ثانی

نالہ کروں کیا سانس بھی لینی اب تو جی سے کہلاتا — چشم سے میں کچھ اشک بہا کر دل کو ہوں اپنے بہلاتا

مطلع ثانی

اپنوں میں مل جل کے غافل ناحق جی ہے بہلاتا — تا تا گو تا یہیں تک ہے وہاں کون کسی کا کہلاتا
دیتا اٹھا کر رخ سے اپنے زلف کو جو وہ رشک قمر — شمع تو کیا ہو سکتی مقابل تاب نہ ہرگز مہ لاتا
منزل راحت دشت جنوں ہو کیوں نہ ترے دیوانے کو — کیا کیا اس کے تلووں کو ہے خار بیابان سہلاتا
ہوتا اگر معلوم کہ دیگی کھول نسیم صبح اسے — غنچہ چمن میں رخت کو اپنے گر کے نہ ہرگز تہ لاتا
تو جو رنگ میں ہو لے کے واں بیٹھے ہے ساتھ رقیبوں کے — تجکو ہے میرا دیدہ پر خون خون جگر میں نہلاتا
ہوتا مفتوں گر نہ مرا دل اس کی چشم فتاں کا — کیوں مجھے وحشت ہوتی ظفر اور کیوں میں وحشی کہلاتا

دیگر

جسم میں عاشق کے تیرے تھا جو کچھ لہو ہو بنا — وہ بوقت جوش گریہ آنکھ کا آنسو بنا
تختی ہے تیغ صفاہانی حلب میں بھی ابھی — آئینہ لے کر ذرا اپنا خم ابرو بنا
دیکھو کھیل اس چشم کے وحشی کے بعد از مرگ بھی — اس کی مٹی کا کھلونا گر بنا آہو بنا

جائے گا گر روبرو اس کے بگڑ جائے گا منہ　　ناصحا بیٹھا ہمارے پاس تو باتیں بنا
کس طرح پٹکیں نہ سر پتھر سے ہم اے سنگدل　　غیر کے سر کے لئے تکیہ ترا زانو بنا
مجھ سے تو ہوتا ہے ٹیڑھا بگڑ جا اے رقیب　　میں بنا ئنگا تجھے سیدھا اگر قابو بنا
دل رہا اپنا اسیر حلقہ دام بلا　　اے ظفر جس دن سے اس کا حلقہ گیسو بنا

دل میرا اس رشک کا جو مسکن بن گیا　　سینہ پر داغ گویا ایک گلشن بن گیا
دوستی نے تیری مجھ سے کر دیا سکو برا　　اپنا بیگانہ ہوا اور دوست دشمن بن گیا
اپنی دینداری پہ کیا کیا نازتھا زاہد کو پر　　اس صنم کی دیکھ کر صورت برہمن بن گیا
بزم عشرت مجکو تجھ بن بزم ماتم ہو گ ی　　نغمہ شادی لب مطرب پہ شیون بن گیا
میرے گریہ نے کیا جو خشکی لب کا علاج　　صاف ہر آنسو برنگ موم روغن بن گیا
گر لگا تیرا سکے سینہ میں مرے اچھا ہوا　　جھانکنے کو دل کے مرے ایک روزن بنگیا
روئے ہم اپنی اسیری پر تو یہ دریا بہا　　حلقہ گرداب اپنا طوق گردن بن گیا
نے اثر کرتا ہے نالہ اور نہ کچھ تاثیر آہ　　دل خدا جانے ترا پتھر کہ آہن بن گیا
ہو گیا پانی مرے نالوں کی گرمی سے جو خشک　　پاٹ دریا کا ظفر صحرا کا دامن بن گیا

دیگر

نہ ہے یہاں دیر کا چرچا نہ حرم کا چرچا　　اپنے گھر میں تو ہے اس اپنے صنم کا چرچا

حسن مطلع

تھا جو خوبان ستمگر میں ستم کا چرچا　　اور وہ تیغ ستم سے ترے چمکا چرچا
نہ کہیں تذکرہ دریا کہ ہے ابر کا ذکر　　جابجا اب تو ہے اس دیدہ نم کا چرچا
کیونکہ خنداں ہو نہ گل کیوں نہ ہو شبنم گریاں　　اس چمن میں جو رہے شادی و غم کا چرچا
تن گل خوردہ کو جسدن سے ہمارے دیکھا　　کوئی کرتا نہیں گلزار ارم کا چرچا
ذکر ساقی کا ہے یا ساغر مے کا مذکور　　نہ یہاں جام کا چرچا ہے نہ جم کا چرچا
خط پشت لب لعلیں کو دیکھا دے اپنے　　ہو جہاں کچھ خط یاقوت رقم کا چرچا
بات بھی کرتا نہیں کوئی جہاں دم نکلا　　اے ظفر سارا ہستی میں ہے دم کا چرچا

رستہ میں یار پاس سے جسدم نکل گیا　　میں نے تو جانا یہ کہ مرا دم نکل گیا
تاثیر تیرے گریہ نے کیا کی اے جگر　　دل کا بخار دیدہ پرنم نکل گیا
پھر کس کے ہاتھ آتا ہے جس وقت قید سے　　تیرا اسیر کاکل برہم نکل گیا

جو معرکہ میں عشق کے ثابت قدم رہے
ٹھہرا نہ ان کے سامنے رستم نکل گیا

اوس نے نہا کے زلف نچوڑی بھلا ہوا
جو اس سیاہ مار میں تھا سم نکل گیا

دیوانگی میں کرتے ہیں میرا لہو جو کم
کیا پہلے آنسو و نہیں ہے خون کم نکل گیا

پہلو میں کل سے اپنے اسے دیکھتا نہیں
یارب کدھر مرا دل پر غم نکل گیا

دیکھے عذاب سوز محبت میں اس قدر
دل سے ہمارے خوف جہنم نکل گیا

پھر خواب میں بھی ہم نے دیکھا وہ اے ظفر
آنکھوں کے سامنے سے جو عالم نکل گیا

ہم نے کل ایک عجب آفت جاں دیکھا تھا
پر نہیں یاد ہمیں یہ کہ کہاں دیکھا تھا

کیونکہ خوش ہو کے تڑپتا مرے دلمیں غم یار
اس نے ایسا کبھی کا ہمکو مکاں دیکھا تھا

گڑ گیا شرم سے اتنا جو زمیں میں شمشاد
کیا ترا قد کہیں اسے سرو رواں دیکھا تھا

تو نے دل کس کا جلایا تھا خدا جانے کہ رات
ہم نے اٹھتے ترے کوچہ سے دھواں دیکھا تھا

بت پرستی سے مجھے ہوتا تھا مانع زاہد
جب تلک اس نے نہیں حسن بتاں دیکھا تھا

کھل کھلا کر جو ہنسے باغ میں گل وقت بہار
تھا یہ باعث کہ نہیں روز خزاں دیکھا تھا

لگ گیا قفل خموشی سے جو منہ کو تیرے
خواب میں کس کا ظفر حال وہاں دیکھا تھا

دیگر

غلط گو ہے کہے جو چپ رہے سے کچھ نہیں ہوتا
یہاں چپ ہی کچھ اچھی ہے کہے سے کچھ نہی ں ہوتا

بنے جام لب لب بھی تو کیف ہوا سے ساقی
صراحی کے تو خالی قہقہے سے کچھ نہیں ہوتا

سہے ظلم ان ستمگاروں کے کوئی کس توقع پر
کہ یاں ظلم و ستم بھی تو سہے سے کچھ نہیں ہوتا

مجھے بھاتے ہیں اپنے نالہائے زار اے بلبل
مرا دل خوش ترے اس چہچہے سے کچھ نہیں ہوتا

دکھاوے تو رخ تو خط پہ خط سبز کی سبزی
کہ حاصل لطف سبزی لہلہے سے کچھ نہیں ہوتا

نہیں بجھنے کی دل کی آگ گرچہ میرے چشموں سے
بہا دریا تو کیا دریا بہے سے کچھ نہی ں ہوتا

خط آنے پر بھی ہے عالم وہی اس روئے روشن کا
ظفر یہ نور یہ سورج گہے سے کچھ نہیں ہوتا

دیگر

کچھ دیدۂ گریاں ہی سے آنسو نہیں تھمتا
زخم جگر و دل سے بھی لوہو نہیں تھمتا

تھامے دل دیوانہ کو کیا کوئی کہ جب تک
ہوتا نہیں پا بستہ گیسو نہیں تھمتا

اے صید فگن چشم غضبناک سے تیری
بھاگے ہے جو ڈر کر تو پھر آہو نہیں تھمتا

کیوں ہو کے خفا ایسا چلا آج یہاں سے
سب تھامتے ہیں اور وہ بدخو نہیں تھمتا

سرکیوں نہ اڑیں سیکڑوں شمشیر زنی سے
اک روز ترا ہاتھ جفا جو نہیں تھمتا

تو کہتا ہے جانیکو بتا جائے گا کیونکر
مینہ آج تو اے شوخ پری رو نہیں تھمتا

دیگر

کرتا اس رخ پہ ہے کیا جلوہ نمائی سہرا
آئی ہے دیکھنے کو ساری خدائی سہرا

شکر للہ کہ اللہ نے دکھایا یہ دن
دیا اس کے رخ تاباں پہ دکھائی سہرا

سیم و زر کرتا مہ و مہر سے ہے چرخ نثار
دیکھ کر چاند سے مکھڑے پہ طلائی سہرا

عکس رنگ گل رنگیں سے بنا دیتا ہے
گوندھنے والے کے ہاتھوں کو حنائی سہرا

تہنیت لکھے عطارد وہی نے کیا سہرے کی
زہرہ بھی شوق میں اس سہر کی گائی سہرا

کثرت گل سے ہے ہر شاخ لڑی پھولونگی
گوندھ کر باد بہاری ہے جولائی سہرا

شرف مہر سے ہوتا ہے مشرف تو روز
رکھتا اس رخ کے بدولت ہے بڑائی سہرا

کھلتی کلیاں نہیں سہرے میں مگر کرتا ہے
دل یک خلق کی یہ عقیدہ کشائی سہرا

آفریں کرنے ترے معنی روشن پہ
یہ اگر سنتے بہائی و ثنائی سہرا

نامہ بر خط کسی عنوان یہ ادھر لے تو جا
لے نہ لے پڑھ کے وہ سرنامہ کو پر لے تو جا

میری بالیں پہ ٹھہر یا نہ ٹھہر کوئی دم
پر کبھی آن کے تو میری خبر لے تو جا

میں ہوں برباد دبلا سے مگر اس کوچے میں
تو مری خاک کو اے باد سحر لے تو جا

ابھی ہوئی ہے تجلی شمع ذرا بزم میں تو
اپنے دل سوز کو بادیدۂ تر لے تو جا

اڑ کے جا سکتے چمن تک نہیں مرغان قفس
اے صبا ان کا اوڑا کر کوئی پر لے تو جا

دیکھیں کیا یار کو منظور ہے معلوم تو ہو
دل کا پیغام تو اے پیک نظر لے تو جا

شوق دیدار ہو یا آرزوئے بوس و کنار
تو وہاں جائے تو کچھ تحفہ ظفر لے تو جا

دیگر

ظفر ہوتا ہے رنج و غم میں دل کیسا ہی آلودہ
مگر صورت کو اس کے دیکھ کر ہے شاد ہو جاتا

یہ سہرا شاہ کے نور بصر کج ہے سہرا
یہ سہرا ماہ کے جان جگر کا ہے سہرا

عجب طرح کی یہ شان و شکوہ کج ہے بیاہ
عجیب طرح کی یہ کروفر کا ہے سہرا

رہے نشاط زہے خرمی کہ دیکھنا آج
ہوا نصیب پدر کو پسر کج ہے سہرا

چڑھا طرب کا جو دریا تو آیا کشتی میں
یہ نور چشم شہ داد گر کا ہے سہرا

جو لعل ہیں گل ہیں احمر تو موتیا ہوتی
یہ سہرا پھولوں کا لعل و گہر کا ہے سہرا

چڑھا طرب کج جو دریا تو آیا کشتی میں
حجاب چہرہ شمس و قمر کج ہے سہرا

جو لعل ہیں گل احمر تو موتیا ہوتی
جواب حسن مہ مصر کا ہے نور جمال

وہ تیرا چاند سا مکھڑا کہ جس پہ ماہ لقا   بندھا ستاروں کے تار نظر کا سہرا
کہے ہے فہم و ذکا کج یہ ترا کہ تیرے سر   تمام دانش و عقل و ہنر کا ہے سہرا
ظفر ہے آج قلم ایسی پھلجھڑی اپنی   کہ باندھ دیتی یہ گلہائے زر کج ہے سہرا

ہمیشہ ہے وصل و جدائی کا دھندھا   بتوں کی ہے الفت خدائی کا دھندھا
اگر بیٹھے رندوں کی صحبت میں زاہد   تو دے چھوڑ سب پارسائی کا دھندھا
جو ہوتا ہے آخر وہ ہو کر رہے گا   کرے کون بخت آزمائی کا دھندھا
پریشان رہے عمر بھر پہ نچھوڑا   تری زلف نے کج ادائی کا دھندھا
مبارک رئیسوں کو کار ریاست   گدا کو ہے کافی گدائی کا دھندھا
نہیں خضر کے پیچھے گر اور جھگڑے   تو ہے ساتھ اک رہنمائی کا دھندھا

ظفر اس سے بہتر ہے نا شنائی
کہ مشکل ہے یہ آشنائی کا دھندھا

غیر کے ہاتھوں سے پی تو نے شراب اچھا کیا   رشک سے دل کو کیا میرے کباب اچھا کیا
کھوئی میری آبرو رو رو کے کوے یار میں   تو نے رسوا مجکو اے چشم پر آب اچھا کیا
لیتے ہیں کہنے وہ اس کے لوگ دیوانہ مجھے   یار نے مجکو عنایت یہ خطاب اچھا کیا
شکوہ میں کس کس خرابی کا کروں تیرے دلا   جو کیا تو نے سوائے خانہ خراب اچھا کیا
ہوتا جیسی سے نہ برسوں میں بھی چنگا یہ مریض   اے اجل تو نے اسے آکر شتاب اچھا کیا
سوزوں سے رات دن ہیں آتش دوزخ میں ہم   عشق نے ہم کو گرفتار عذاب اچھا کیا
اپنے ابرو پر بنایا نقطہ خال سرمہ سے   واہ واہ کیا تم نے مطلع انتخاب اچھا کیا
لے گیا کوچے میں اس بیداد گر کے کیوں مجھے   یہ نہ تو نے اے دل پر اضطراب اچھا کیا

ٹکڑے ٹکڑے تو ہوا خط کی طرح قاصد مگر   جو کیا اس نے ظفر اس سے جواب اچھا کیا

حال غم لکھ کر تجھے بھیجوں بہت گمراہ کیا   تجکو اے بندے خدا کے ہے مری پرواہ کیا
قامت رعنا کا تیرے جب سے ہے ہمکو خیال   دل سے نکلی ہے ہمارے ایک سیدھی آہ کیا
بیطرح چاہ زنخدان کی ہوتی ہے دلکو چاہ   دیکھیں ڈانو اڈول کرتی ہے اسے یہ چاہ کیا

لاغری سے عشق نے دیکھو لگائے پر مجھے
اوڑتا پھرتا ہوں ہوا سے میں برنگ کاہ کیا

اس پری کو دیکھ کر دیوانہ یہ جو بن گیا
بیٹھے بیٹھے ہو گیا دل کو مرے ناگاہ کیا

ہمپہ گر تیغ آزمائی اب تجھے منظور ہے
کر تو بسم اللہ دیکھے ہے اجل کی راہ میں

یہ ستارے کی ہے گردش اے ظفر گھبرا نہیں
دیکھنا تیرے بنا ناکام ہے اللہ کیا

تیرا اس نے کمان سے کھینچا
اور تیغا میان سے کھینچا

نقشہ نقاش سے ترا بہتر
ہم نے ہے اپنے دھیان سے کھینچا

اتنی طاقت کہاں کہ نالہ دل
جائے اس ناتواں سے کھینچا عجب اندز و آن سے کھینچا

کھینچا اس نے جو ہم پہ خنجر ناز
وار پر امتحان سے کھینچا

تو نے اے بدگماں ہزاروں گو
ہاتھ دونوں جہاں سے کھینچا

تیرے عاشق نے عشق میں ترے
رنج اپنی زبان سے کھینچا

اے ظفر بدزباں نے دنیا میں

دیگر

لے کے دل دیتے نہیں کیوں نہ ہو درپھر دنگا

شوخ چشموں کو اگر دیکھے کوئی کیا دیکھے
نادہندوں کے سدا رہتا ہے گھر پر دنگا

غم و حسرت کا ہے ہنگامہ ہمیشہ دل پر
کہ مچا دیتے ہیں یہ ایک نظر پر دنگا

ہر جگہ دولت دنیا کا ہے عالم میں فساد
نالہ و آہ کا ہر دم ہے جگر پر دنگا

فتنہ انگیز ہے وہ چال تمہاری جس سے
ہے کہیں مال پہ دنگا کہیں زر پر دنگا

دل پہ اندوہ کا انبوہ نہ سمجھو کہ یہ ہے
سر ہر کام ہے ہر راہگذر پر دنگا

منزل امن ہے عالم میں رہ خیرو صلاح
ونگئی فوج کی سردار کے سر پر دنگا

ردیف الباے موحدہ
غرض کہ آپ بھی ہیں واہ ذوفنوں کیا خوب

جو کچھ کہوں تو بتاؤ مجھے جنوں کیا خوب
دل اپنا دوں تمھیں میں اپنی جاں دوں کیا خوب

تم ایک بوسہ نہ دو مجکو اور یو ہیں مفت
اے ظفر ہے روش فتنہ و شر کا دنگا

بھولائے نیم نگہ میں جو اک جہاں کے ہوش
تمہاری چشم کو بھی یاد ہے فسوں کیا خوب

چمک کو دیکھ کے اس کی پڑے نہ برق کو کل
ترے ہی پا تو نہیں کفش کلابتوں کیا خوب

جو خوب رنگ حنا چاہتے ہو ہاتھوں میں
تو دیکھو رکھتا ہے سرخی ہمارا خوں کیا خوب

تمہاری بزم میں غیروں سے ہووے سرگوشی
ہم آہ بیٹھے رہیں چپکے سرنگوں کیا خوب

ہزار خوب ہوں عالم میں خوبرو لیکن
ترے مقابلہ میں انکو میں کہوں کیا خوب

بہا رہے ہیں جو یہ اشک میرے دیدۂ تر
بجھیگی ان سے مری سوزش دروں کیا خوب

بہار لالہ چمن بن ند یکھی انکو دیکھ | ظفر ہیں یار کے رخسار لالہ گوں کیا خوب

صورت شبنم نہ یہاں ہر گل سے سرگوشی ہے خوب | اس چمن میں غنچہ کے مانند خاموشی ہے خوب

خواب میں کس کے لب میگونکا بوسہ لے لیا | آج جو ہم کو نہیں کچھ ہوش بیہوشی ہے خوب

جو کہا غیروں نے تم سے تم نہ رکھو دل میں یاد | یاد رکھو ایسی باتوں میں فراموشی ہے خوب

عید کے دن بھی نہیں ہوتے بغلگیر آن کے | ان دنوں غیروں سے جو ان کو ہم آغوشی ہے خوب

جس جگہ اہل ہنر کے بے ہنر ہوں عیب جو | واں ہنر کے فاش کرنے سے ہنر پوشی ہے خوب

چڑھ رہی آنکھیں ہیں تیرے چہرہ ہے اترا ہوا | کی کسی کے ساتھ تو نے آج مے نوشی ہے خوب

تاب حسن یار دریا میں پڑے جیسے ظفر | کر رہی ہر موج دریا بادلہ پوشی ہے خوب

دیگر

یوں گم ہو جذب عشق کی تاثیر یا نصیب | اتنی ہو ان کے آنے میں تاخیر یا نصیب

تقدیر کے بگاڑ کی تدبیر کیا کریں | بنتی نہیں ہے کوئی بھی تدبیر یا نصیب

دل کو ہوئی نصیب نہ میرے شگفتگی | گا ہے برنگ غنچہ تصویر یا نصیب

اس بیوفا نے قتل پہ باندھی میرے کمر | سمجھا مری وفا کو وہ تقصیر یا نصیب

منت ہی کے بہانہ سے دیوانہ کو ترے | طفلی میں بھی نصیب ہو زنجیر یا نصیب

سیراب تشنگان شہادت نہونے پائے | بے آب ہو گئی تری شمشیر یا نصیب

اس شہسوار حسرت فتراک میں ترے | جی دے تڑپ تڑپ کے یہ نخچیر یا نصیب

کیونکر کہیں میں ان کو برا وہ برے نہیں | کرتی برائی مجھ سے ہے تقدیر یا نصیب

یا خم اٹھا کے منہ سے لگا لیتے تھے مدام | یا کانپتا ہے دست قدح گیر یا نصیب

دیگر

دیتے ہیں تجکو ہم دل بیتاب کے کباب | کیا طرفہ تر ہیں ماہی بے آب کے کباب

مژگاں پہ ٹکڑے یہ دل پر خوں کے ہیں کہاں | ہیں سیخ پر لگے ہوئے سرخاب کے کباب

کھائیں دل برشتہ نہ کیوں پی کے اشک ہم | دیتے مزے ہیں ساتھ مے ناب کے کباب

یہ دشمنوں کے ساتھ تری گرم جوشیاں | کرتے ہیں دل کو رشک سے احباب کے کباب

زاہد تمام عمر مزے ہی لیا کرے | دے بادہ کش جو منہ سے کوئی چاپ کباب

کرتے ہیں نسر طائر گردوں کو تفتہ دل | شعلہ سے اپنی آہ جگر تاب کے کباب

کہتے ہیں جس کو عشق وہ ہے اس بلا کی آگ | ہو جائیں جس سے طائر سیماب کے کباب

جیسے کیے ہیں ٹکڑے مرے دل کے عشق نے | ایسے بنے نہ ہاتھ سے قصاب کے کباب

جو آبروئے عشق میں عشق میں آنسو کو اے ظفر | ہے ایسے منہ پہ گوہر خوش آب کے کباب

منعم و مفلس ہیں دونوں بزم ہستی میں خراب — مال مستی میں ہے یہ وہ فاقہ مستی ہیں خراب

ہیں بھویں تیر وہ آفت ہوویں جس کے ہاتھ سے — وہ جہاں یک ضربت تیغ دو دستی میں خراب

یہاں ترقی و تنزل سے مثال گرد باد — گہ بلندی میں ہیں ہم اور گاہ پستی میں خراب

صرف ہو جام وسبو میں خاک اپنی ساقیا — تانہو مٹی ہماری مے پرستی میں خراب

تنگدل کو یوں خرابی میں رکھے دست فراغ — جس طرح سے ہووے کوئی تنگدستی میں خراب

قیس اور میں عشق میں دونوں ہیں آوارہ مگر — وہ ہے جنگل میں خراب اور میں ہوں بستی میں خراب

حق پرستی کا جنہیں دعوے تھا اپنی اے ظفر — عشق کے ہاتھوں سے ہیں وہ بت پرستی میں خراب

ہے تیرے قد کے سامنے سروچمن خراب — ہیں تیرے رخ کے آگے گل یاسمن خراب

مطلع ثانی

دل کو کرے گا خوب یہ دیوانہ پن خراب — اس کے ابھی سے ڈھنگ برے ہیں چلن خراب

جس طرح وقت صبح کے فانوس میں ہو شمع — یوں حال دل جلونکا ہے زیر کفن خراب

کریگی صوفیوں کو خراباتیوں کی طرح — اک پل میں چشم ساقی یہاں شکن خراب

جیسے نہیں چمن میں تو اے رونق چمن — بلبل خموش گل ہیں پریشاں چمن خراب

پروانہ کو یہ اپنے جلانے کی لو لگے — پھرتا ہے گرد شمع پہ سوختن خراب

اپنے صفائے گوہر دنداں جو تو دکھائے — کوڑی کے تین تین ہوں در عدن خراب

قاتل سنبھل کے قتل کر ایسا نہو کہ ہو — چھینٹوں سے میرے خون کی ترا پیرہن خراب

تو اور بحروقافیہ میں لکھ غزل ظفر — اس طرح کو کہیں اگر اہل سخن خراب

دیگر

ہمارا اور عالم ہمکو اس عالم سے کیا مطلب — کسی سے کیا غرض ہمکو کسی کو ہم سے کیا مطلب

تماشے سب جہاں کے ہم نے دیکھے ساغر مے ہیں — قسم آنکھوں کی ساقی ہمکو جام جم کیا مطلب

جراحت میں مرے کچھ نون مرچیں پیسکر بھر دو — کہ ہے یہ زخم عاشق کا اسی مرہم سے کیا مطلب

عرق آلود عارض تیرے دیکھوں اے گلتا نرو — مجھے کیا کام گلشن سے گل و شبنم سے کیا مطلب

سیہ بختی اپنے اس بلا کے پیچ میں آیا — وگرنہ دل کو میرے زلف ورخم سے کیا مطلب

جو یہ سمجھے کہ ملتا ہے وہی جو کچھ ہے قسمت میں — وہا اونکو ظفر پھر پیش و کم سے کیا مطلب

ردیف الباری فارسی

یا تو وہ ہر روز اس شیریں شمائل سے ملاپ
یا کبھی برسوں میں بھی ہوتا ہے مشکل سے ملاپ

یار کے ابرو کج ہے میل ماہ نو سے کیا
بلکہ ہو رخسار کا بھی ماہ کامل سے ملاپ

یوں جو مل بیٹھے تو کیا ہے دل لگی کا جب مزا
دونوں ہم تم ایکدن ہوں دل کا ہو دل سے ملاپ

چومتا ہوں میں لب ہر زخم سے اس تیغ کو
جو کہ رکھتی ہے زیادہ دست قاتل سے ملاپ

دنیا سا بھی لگ چلنے والا تو تو خال خال
جو بڑھائے لگے خال رخ سے تل تل سے ملاپ

گرفرزادہ کہ پہونچوں منزل مقصود کو
عشق سے مل جل چھوڑا اس سرمنزل سے ملاپ

جس کو ہو جہل مرکب اس سے کوسوں دور بھاگ
اے ظفر اچھا نہیں ہے ایسے جاہل سے ملاپ

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ
راہ میں تم نے کچھ کہو چپ چپ

گھر چل کر شکایتیں کرنا
یہاں نے مجھ سے گلہ کرو چپ چپ

کہیں ایسا نہو سنیں دو چار
مجھ کو تم ایک بوسہ دو چپ چپ

راز پنہاں فغاں سے کھلتا ہے
حضرت دل بس اب رہو چپ چپ

میرے جاتے ہی ان کے غیروں سے
پھر لگی ہونے گفتگو چپ چپ

بوسہ چشم سرمہ سادیدش
منہ سے کیا مجھ سے کہتے ہو

بولتے تم تو کیا غضب کرتے
سو ستم کرتے ہو بتو چپ چپ

ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ
نہ کرو شور بلبلو چپ چپ

دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا
اے ظفر تم جو رہتے ہو چپ چپ

گر موسم گرمی میں ہوئی تیز بڑی دھوپ
ہر سوزش دل سے مرے ٹھنڈی وہ پڑی دھوپ

پہونچے جو مرے نالہ سوزاں کی نہ گرمی
خورشید سے ہوتا ہے قیامت نکڑی دھوپ

اجس جلوہ سے یوں خشک لہو کے ہوئے آنسو
جس طرح سکھا دے کوئی پھولوں کی لڑی دھوپ

زلف رخ جاناں سے ہیں برسات کے دن روز
کم کر دی جو دن کش تری مسی کی دھڑی دھوپ

دانتوں کی چمک انجم شب تاب دکھا وے
یا ابر کے دامن میں سے چھن چھن کے جھڑی دھوپ

ہے عکس فگن زلف سے اس کج رخ پہ نور
کھاتی ہے ظفر باغ میں ہر شاخ کھڑی دھوپ

میرے نفس سرد کی سردی سے اکڑ کیا

کیوں دانت نکالے ہے تو اے رشک قمر ڈھانپ
درج دہن تنگ میں یہ گہر ڈھانپ

اے پردہ نشین حسرت دیدار میں تیرے
ہم چپکے پڑے روتے ہیں منہ دو دوپہر ڈھانپ

بیغم ہوں کیوں الم سے دل عاشق بھر
لیتی ہے اسے باغ محبت کی سپر ڈھانپ

مارا ہے مجھے غمزا پنہاں سے جو تونے
کثرت سے ستاروں کے فلک چھپ نہیں سکتا
تر ہو عرق شرم سے کیا کیا رخ خورشید
نازاں ہو نہ دکھلا کے کسی کو ہنر اپنا

سبب ہے کیا جو وہ یوں اپنے مہرباں ہیں چپ
وہ لے رہے ہیں مزے ناوک ستم کے ترے
دکھاتے اپنی وہ تمکیں ہیں اور ہم حیرت
بندھا ہے ہم سے وہ مضمون خال لب تیرا
زباں ہے مشہ میں ہمارے بھی پر ترے ڈر سے
بپاد ہو کر خزاں مثل بلبل تصویر
ظفر نہیں ہے اگر باغباں کا کچھ کھٹکا

ردیف التاءی فوقانی

شانہ اس زلف کے ڈالے ہے شکن میں انگشت
کر دیا فاقت کو عشق میں انگشت نما
کریں اس چشم مفلس سے اگر ہم چشمی
دیکھ اس مانگ کو دانتوں کے تلے انجم نے
خوانشاں ہے جو کسی پائے برہنہ کی خراش
پوچھے قاتل کو اگر کوئی تو کشتہ تیر
دست نازک پہ ظفر اس کے ہو بار نگین

دیگر

اللہ تری مشت کماندار تنگ چست
کیونکر بچاؤں جاں کو میں چشم یار سے
کیا کیا چمن میں رشک سے غنچہ ہوا ہے تنگ
اس چشم پہ ہے یوں دل پہ داغ دوڑتا
دنبالہ چشم یار میں سرمہ کا دیکھتا
کہتے تو کوچہ گرد کہے جہاں نورد
مژگان ہیں تیرے کس سے لڑائی پہ مستعد
زاہد پڑا ہے مست اگر میکدہ کو جائے
مضمون شوق کی مرے ناشر سے ظفر

تو منہ تو مری گور پہ بادیدہ تر ڈھانپ
لیں گے اسے اس نالہ سوزاں کے سر ڈھانپ
لوں سینہ میں اپنے جو نہ تہہ میں داغ جگر ڈھانپ
تو ڈھانپ سکے عیب کس کا تو ظفر ڈھانپ

نہ بولتے ہیں نہ ہنستے ہیں غنچہ ساں ہیں چپ
پڑے ہوئے جو ترے میر نیم جاں ہیں چپ
غرض کہ چپ ہیں وہاں وہ تو ہم یہاں ہیں چپ
کہ جس کو سن کے ہوئے سارے نکتہ ہیں چپ
ہمیشہ رہتے ہم اے شوخ بدزباں ہیں چپ
ترے فریفتہ اے رشک گلستاں ہیں چپ
تو آج کیوں ہوئے مرغاں بوستاں ہیں چپ

کون یوں دیتا کالے کے دہن میں انگشت
سرو نے اپنی اٹھائی چمن میں انگشت
تو کروں چشم غزالاں ختن میں انگشت
کہکشاں نے ہے دیا چرخ کہن میں انگشت
کیا حنائی ہوئی ہر خار کی بن میں انگشت
دے اوٹھا تیری طرف اپنی کش میں انگشت
ہو اگر خاتم یا قوت یمن میں انگشت

بیٹھا مرے جگر میں ترا ہر خدنگ چست
باندھی کمر جو قتل پہ خانہ جنگ چست
رنگین قبا جو دیکھی ترے بر میں تنگ چست
آہو یہ جست کرتا ہے جیسے پلنگ جست
ہے دست ترک مست میں کیا ہی لفنگ چست
ہر کام میں ہے عاشق بے نام تنگ چشت
ہے صف کی صف جو صورت فوج فرنگ چست
ہو جائے پی کے جام مے لالہ رنگ چست
جو نامہ بر گیا سو گیا بید رنگ چست

دل نے ماریوں گھات میں چشم بت دلجو کی جست
جیسے آہو گیر کرتا ہے طرف آہو کی جست

دل تو کہتا ہے کہ تو کر جست بام یار پر
پر نہیں ہے نا توانی سے مرے قابو کی جست

صید ناوک خوردہ پر نہ دوڑے چھری لے کر جو وہ
دیکھے اس دم کوئی اس شوخ کماں ابرو کی جست

میں ہوں وہ چالاک وحشت میں کہ میرے وقت قصر
ہوش اڑے قصاد کے بھی دیکھ کر لوہو کی جست

بانس پر نٹ سے کہاں چالاکی ایسی ہو سکے
جیسے جوش گریہ سے گال پہ ہے آنسو کی جست

ہے، مین پر گاہ اور گاہ ہے فلک پر مثل برف
کیا کہوں شوخی سے میں شوخ آتش خو کی جست

جا نہیں سکتا دل اس کے سامنے آ کر ظفر
وہ بلا ہے اس خدنگ غمزہ جادو کی جست

واسطے اس غیر کے ہر وقت ہو خلوت کا وقت
ہو کسی وقت نہ میرے لئے فرصت کا وقت

صبحدم اٹھ کے نہ ہم دیکھیں ترا منہ کیونکر
نور کا وقت ہے قرآن کی تلاوت کا وقت

قامت یار کا آ جاے ہے جس وقت خیال
میرے حق میں ہے وہ ہو جاتا قیامت کا وقت

آئے مدت میں ہیں وہ جائیں نہ برہم ہو کر
ناصحا جا نہیں یہ وقت نصیحت کا وقت

اس کی فرقت میں عجب حال ہے اس وقت اپنا
ہم پہ ہر وقت گزرتا ہے مصیبت کا وقت

کیا کہیں اپنی مصیبت کی جدائی میں ترے
ہے وقت اور گیا مہر و محبت کا وقت

اس زمانہ میں ظفر مہر و محبت ہے کہاں

کیا غضب ہیں تیز ظالم آرہ ہائے غم کے دانت
ہیں یہ گڑ جاتے جگر میں عاشق بیدم کے دانت

درنداں سے ترے نسبت نہیں کیا رشک گل
گو وہاں غنچہ میں ہوں ہر گو پر شبنم کے دانت

عشق اس آہو نگہ کا ہے قوی دست اسقدر
مارے گر منے پر طمانچہ جھڑ پڑیں ضیغم کے دانت

اس فلک کو دشمن عالم نہ میں کیونکر کہوں
پیتا ہے یہ ہمیشہ سر پاک عالم کے دانت

کان کے بالے کے موتی الجھے بالوں میں نہیں
ہیں یہ اس مار سیاہ زلف خم و در خم کے دانت

سامنے آئے مرے گر عشق کے میداں میں
کھٹے کر دوں ایکدم میں اے ظفر رستم کے دانت

آشنا کون رہا جس سے رکھیں ہم صحبت
نہ وہ ہمدم نہ وہ ہمدرد نہ وہ ہم صحبت

زلف کے چھیڑتے ہی ایسے ہوئے وہ برہم
روشن زلف پریشان ہوئی برہم صحبت

کم نصیبی یہ ہماری ہے کہ جو غیروں سے
انکا اخلاص بڑھا ہم سے ہوئی کم صحبت

کرتے کس لطف سے آپس میں ہیں یہ سرگوشی
شیشہ و جم میں ساقی رہے ہے جم جم صحبت

عشق میں ہیں تو یہی اپنے مصاحب دونوں
ہم رکھیں کس سے سوائے الم و غم صحبت

دیکھنا اس رخ روشن پہ عرق کے قطرے
رکھتی کیا مہر درخشاں سے ہے شبنم صحبت

چرخ ہے تفرقہ پرواز غنیمت ہے ظفر
کہیں دیاروں میں نبھ جائے جو یکدم صحبت

دیگر

اپنے جلسہ میں کہاں عیش وطرب کی بات چیت　　یا ہے چرچا غم کا یا رنج وتعب کی بات چیت

مطلع ثانی　　اور ہے معلوم ہوتی تلخ سب کی بات چیت

گالیوں میں بھی ہے ان کی اپنی ڈھب کی بات چیت

نکلتی ہے شیریں ہمیں اس پستہ لب کی بات چیت　　یاد ہے اس پر غضب کو اس غضب کی بات چیت

وہ خفا ہو کر کہتے ہیں تو ہم ہوتے ہیں خوش　　ہم نہیں کر سکتے ان سے کچھ طلب کی بات چیت

قتل کر ڈالے ہزاروں کو ابھی اک بات میں　　ہے خدا جانے یہ کب کا ذکر کب کی بات چیت

وہ خوشی سے اپنے دیتے ہیں کوئی بوسہ ہمیں　　تو نے اے شانہ سنی اس بے ادب کی بات چیت

باتیں اگلی سی عنایت کیں ہیں اب تم ہیں کہاں　　میکدہ ہے ہم ہیں اور ہے بنت عنب کی بات چیت

زلف سرگوشی کرے ہے رکھ کے اس کے منہ پہ منہ　　اے ظفر اس نے نہیں یہ بے سبب کی بات چیت

مدرسہ ہے تو ہے واعظ اور ذکر حور عین

حرف رنجش درمیان آنے کا ہے کچھ تو سبب

دیگر　　ہیں ہم بھی جب کوئی بلا نوش بلا چٹ

کیا بوسہ تری زلف کا شب لے ہی لیا چٹ　　لیگا وہ ابھی دل سے کوئی بات بنا چٹ

ڈر اس بگڑنے کا نہیں ڈر ہے تو یہ ہے　　دینگے یہ تجھے چٹکیوں میں دکھا اوڑا چٹ

جائیں گے چٹک غنچے اگر باغ میں بلبل　　زلفوں کی ہمیں لیتی بلائیں ہیں چنا چٹ

شانہ کی بھی ایک چٹکی نہیں انگلی　　آتا ہے تو آجاتا ہے بس منہ میں مزا چٹ

جب بوسہ لعل نمکین یاد کسیکا　　کر جائے گا عاشق ترا اے ہوش ربا چٹ

تو زہر بھی دے گا تو اسے شہید سمجھ کر　　جب تک نہ کرے ریش کو رندوں میں صفا چٹ

ہو یکسر مو دل میں نہ زاہر کی صفائی　　جب دل میں کھچاوٹ ہوئی یہ ٹوٹ گیا چٹ

ہے تار محبت بھی عجب رشتہ نازک　　کر جائے ہے اک روز ظفر سب کو قضا چٹ

اچھے سے نہ کام اس کو نہ مطلب ہے برے سے　　لیکن نہ بت غیروں میں باتیں بنا کے کاٹ

ظالم بلا سے سر کو تو اس مبتلا کے کاٹ　　دن جس طرح کٹیں یہ مصیبت اٹھا کے کاٹ

اے دل اوٹھا نہ ہاتھ محبت سے ہجر میں　　شبنم چمن میں دے ابھی ہیرا کھلا کے کاٹ

ہمسر جو تجھ سے گل ہو تو اس کا جگر تمام　　چھیڑا اگر ہے دل نے تجھے اس کو جا کے کاٹ

اے مار زلف یار مجھے کیوں ڈسے ہے تو　　دیتے ہیں رات ہجر میں اس مہ لقا کے کاٹ

گن گن کے تارے کرتے ہیں ہم صبح اس طرح　　چورنگ کاٹ تیغ نگہ کا دکھا کے کاٹ

حاضر ہیں چاروں سینہ و دل جان اور جگر

منظور کوہ غم کا ہے گر کاٹنا تجھے نالہ کو اپنے تیشہ ظفر تو بنا کے کاٹ

جس وقت ترے تجھ سے طرف دار گئے ٹوٹ جو جو کہ ترے دل میں تھے پندار گئے توٹ

مطلع ثانی

اب تو ترے پیمان کبھی یکبار گئے ٹوٹ آگے تو یہ تھا چادر رہے چار گئے ٹوٹ
ٹکرایا سر اپنا تری فرقت میں یہ ہمنے سب گھر کے ہمارے درو دیوار ٹوٹ
ہے رنج مجھے سینے کے کیوں ابلے پھوٹے افسوس مرے گوہر شہوار گئے ٹوٹ
دل سنگ ہے گر تیرا تو کیا ان سے حذر کر یہ نالے وہ ہیں جن سے کہسار گئے ٹوٹ
صیاد و جفا پیشا نے چھوڑا ابھی تو کسوقت جب نالہ وہ ہیں جن سے کہ کہسار گئے ٹوٹ
اس طرح لگایا ہے گلے سے تجھے کس نے جو آج گلے کے یہ ترے ہار گئے ٹوٹ
تیروں کو تری جب مرے سینہ سے نکالا پیکاں کئی ٹوٹے کئی سوفار
عاشق جو ہوئے اسپہ ظفر کافر و دیندار آپ آپ میں سب سمجھ و ز گئے ٹوٹ

دیگر

وہ کھا گئے سو بار مری آگے قسم جھوٹ اور پھر ہے یہ دعوی کہ نہیں بولتے ہم جھوٹ
جو سوز محبت سے لگی آگ سے دل میں تم اس کو بجھا سکتے ہو اے دیدہ نم جھوٹ
وہ چاہیں سو لکھیں ہمیں پر ہم انہیں قاصد کیا دخل کریں خط میں جو یکحرف رقم جھوٹ
کیا دیکھا خدائی میں اگر تجکو نہ دیکھا یہ بات ہے سچ ہاں نہیں اللہ صنم جھوٹ
ہے ابرو پرخم کا ترے اور پہ عالم اور جیتنے بیا کیجے ترے لطف و کرم جھوٹ
جو ظلم و ستم کیجے ترے سچ ہے ستمگر لیکن نہیں عاشق کا ترے قصہ غم جھوٹ
جو اور کہانی ہے وہ جھوٹ سراسر کہتے ہیں کہ و میاز ہو تم دیتے ہو دم جھوٹ
دیتے ہیں ہم اوپنہ تو وہ ناز سے ہنسکر کتنا وہ ظفر بولتے ہیں ہائے ستم جھوٹ
سو بار کہا آنے کو یکبار نہ آئے

چھپ گئے تھے آپ ہم کو دیکھ کر سچ ہے کہ جھوٹ

دیگر

اے صبا تو سچ بتا دے یہ خبر سچ ہے کہ جھوٹ
رات کو جاتے تھے تم غیرو نکے گھر سچ ہے کہ جھوٹ ہم جو کہتے ہیں تمہیں رشک قمر سچ ہے کہ جھوٹ
ان کے آنے کی سنی ہے ہم نے اوڑتی سی خبر دیکھتے ہیں جذب الفت میں اثر سچ ہے کہ جھوٹ
اپنا جلوہ تم دکھا دو سب کرتا معلوم ہو پر خدا جانے لکھا اے نامہ بر سچ ہے کہ جھوٹ
کھنچتے ہیں آج اے دل ان کو ہم اپنی طرف کوئی کیا جانے مرا سوز جگر سچ ہے کہ جھوٹ

خط میں تو ہے سر بسر مضمون الطاف و کرم — پر خدا جانے لکھا اے نامہ بر سچ ہے کہ جھوٹ
جب تلک جل بھن کے سرتاپا نہ میں ہو جاؤں خاک — کوئی کیا جانے مرا سوز جگر سچ ہے کہ جھوٹ
عشق میں جو حال ہے میرا نہیں اس میں خلاف — قصہ مجنون خدا جانے ظفر سچ ہے کہ جھوٹ

قول بھی جھوٹ قسم بھی بت گمراہ کی جھوٹ — جو کہے وہ اسے جانو قسم اللہ کی جھوٹ
لوگ کہتے ہیں تجھے مہروش و مہ رخسار — نہ تو یہ مہر کی ہے شکل نہ ہے ماہ کی جھوٹ
آشنا کون ہو اور چاہے تجھے کون کہ ہے — روش الفت کی غلط طرز تری چاہ کی جھوٹ
سنگدل ہے یہ وہ پتھر کہ نوموں کبھی — ہوئی کہیں ترے تاثیر مری آہ کی جھوٹ
تم جو ہر بات پہ ٹھہراتے ہو جھوٹا کہیے — دیکھی بات آپ نے کیا بندہ درگاہ کی جھوٹ
منہ سے لوگوں کے یہ سنتے ہیں آج آئیں گے وہ — پر خدا جانے خبر سچ ہے کہ افواہ کی جھوٹ
اے ظفر کہیں ہے جو تیرے وہ سے جانتے ہیں — بول محفل میں نہ یاران دل آگاہ کی جھوٹ

ہمارے پاس جب سوتے ہو تم نہیں کروٹ — چڑھے ہو آج سینہ پر کریں گے خوب چٹ پٹ
یہیں کر استراحت آج تو گھر سے نجا میرے — ادھر بچھا چھپر کھٹ ادھر بچھا ہوا سرکٹ
وہ پٹ پٹ غیر سے کرتے ہیں باتیں سامنے میرے — گریں کیونکر نہ مرے اشک حسرت آنکھوں سے پٹ پٹ
تماشا قدرت حق کا نظر آئے تجھے زاہد — اٹھادے وے بت کافر اگر منہ سے ذرا گھونگھٹ
نہ اٹھیں کشتہ رفتار تیرے شور محشر سے — سنیں جب تک نہ کانوں سے ترے پاؤں کی وہ آہٹ
چمنے سے ہمارے آج ہے بوئے گلابی آتی — ہوئے تھے خوب میں بس گلبدن سے شبکو ہم عٹ بٹ
مجال آستاف بوسی ظفر یوں تو نہیں ہم کو — تصور سے مگر ہم چومتے ہیں یار کی چوکھٹ

ردیف الثاء مثلثہ

خدا جانے ترا کل سے نہ یہاں آنے کا کیا باعث — ہوئی تقصیر کیا ہم سے قسم کھانے کا کیا باعث
کوئی مفسد ملا رستے میں اس نے تم کو بہکایا — کہ یہاں تک آکے الٹے گھر کو پھر جانے کا کیا باعث
نہیں کھلتا کہ کس بیمار کو ہے یاس صحت سے — مقفل ہے جو دروازہ شفا خانہ کا کیا باعث
کوئی وحشت سے یہ پوچھے کہ ہم سے خاک زادوں کو — بگولے کی طرح صحرا میں روڑانے کا کیا باعث
تمہارے زلف سے اولجھے ہے شانہ اس سے برہم ہو — بگولے کی طرح صحرا میں دوڑانے کا کیا باعث
لگا دو منہ سے منہ میرے تم اپنا گھونگھٹ — کہ پیادے ساتھ سونے میں ہے شرمانے کا کیا باعث
چلے آؤ ظفر کے ساتھ ہنستے بولتے پیارے — برابر آتے آتے پیچھے رہ جانے کا کیا باعث

اس مذهیر میں کہاں ڈھونڈھیے کتار کا کھوج

سایہ زلف میں گم ہے گھر یار کا کھوج
نہ رہا در کا پتہ اور نہ دیوار کا کھوج

سیل گریہ سے ہوئی خانہ خرابی ایسی
نہ ملا پر نہ ملا میرے دل زار کا کھوج

کوچہ زلف میں گوشانہ پھر اسر گرداں
گر جو ڈھونڈھا تو نیا یا بگلزار کا کھوج

جب رخصت ہوئی پرواز قفس سے ہم کو
بستر غم پہ ترے عاشق بیمار کا کھوج

لاغری سے ہے یہ حالت کہ نہیں ہاتھ آیا
نہ کہیں جنس کا پایا نہ خریدا کا کھوہ

نہ وفا دیکھی نہ دیکھا کوئی خواہان وفا
مٹ گیا اس ترے حسرت کش دیدار کا کھوج

قطعہ

نز ہے دیں کا نشان اور نہ دیندار کا کھوج

رفتہ رفتہ روشن چشم نشان کف پا
کہ نہ پیکاں کا ملا اور نہ سوفار کا کھوج

زلف کافر تری برہم زن اسلام جو ہو

یوں گیا ہے گزر میرے ظفر تیرا اس کا

ہوا ہے عہد میں ظالم تر جفا کا رواج
کہاں ہے رسم محبت کہاں وفا کا رواج

جو دیکھیں خوں سے بھرے ہاتھ نگار کے سرخ
تو گلزار میں نہ ہرگز رہے حنا کا رواج

ترا مریض کرے کیا کہ درد فرقت میں
نہ ہے دوا کا رواج اور نہ ہے دعا کا رواج

جھکا رہی ہے جو یوں چشم شرمگین نرگس
ابھی ہے کچھ چمن دہر میں حیا کا رواج

کرے نہ کیونکر وہ عاشق کا بے تامل خون
کہ جانتا ہی نہیں اکمیں خون بہا کر رواج

بدن پہ سمجھے ہے مجنون برہنگ کو لباس
دیا جنوں نے اٹھا جامہ و ادا کا رواج

جہان مین پہلے تھے خون ادا پہ ایسا نہ تھا
کیا کدورت دل نے یہ کم صفا کا رواج

وہ خط بھی لکھتے ہیں خط عباد سے ہو کو
کہ ہے فریب کی رسم ان میں اور دغا کا رواج

سمجھ کرو بجو ظفر دلبروں کو دل اپنا

دیکھو کس خوبی سے ہے ابرو میں اس دلجو کی کج
دیکھا ہو دیگا نہ ایسا شاخ میں آہو کی کج

چرخ کجرو سے نہیں جاتی ہرگز کجر وی
اے عزیز وہ ہے طبعیت سے کچھ اس بدخو کی کج

دیکھتا ہے خم شمشیر صفا ہاں کی کیا
اے مبصر دیکھ تو تلوار اس ابرو کی کج

سر نہ اوٹھا ضعف سے جھلکر جو نرگس کی طرح
رہ گئی گردن مریض نرگس جادو کی کج

بانکپن کی چال چلتا جیسے ہے وہ مست ناز
ہے کہاں رفتار ایسی موج آب جو کی کج

مارا ہے کس کج ادائی سے خراجانے اسے
قبر میں بھی جو تیرے کشتہ گیسو کی کج

بانکپن پھبتا ہے اس کو اے ظفر زیبا ہے سب
ہو کلہ کج یا کہ ہو دستار اس مہ رو کی کج

تو لکھ کے خط نہ بھیج زبانے خبر تو بھیج   پر آدمی جو بھیجے کوئی معتبر تو بھیج
پھولوں میں اپنے کشتہ کے ظالم گیا نہ تو   دوچار پھول آ سکے کبھی گور پر تو بھیج
کوئی تو روئے گور غریباں پہ اے فلک   آئے اگر نہ شمع کبھی ابر تر تو بھیج
صیاد نے نجانے دیا مجکو باغ تک   لیکن صبا کے ہاتھ دے میرے پر تو بھیج
خط دے کے نامہ بر کو نہ بھیجا تو کیا ہوا   دیتا ہوں ہاتھ اشک کے لخت جگر تو بھیج
یا رب اجل ہی آئے نے آئے اگر وہ یار   پر درددل کا میرے کوئی چارہ گر تو بھیج
دل سے نہیں ہے اور کوئی چیز تحفہ تر   تو بھیجتا ہے تحفہ اسے اے ظفر تو بھیج

ہم نہ ہیں مال کے محتاج نہ زر کے محتاج   ہیں فقط تیری عنایت کی نظر کے محتاج
خواہش بوسہ ہے تیرے لب شیریں سے مجھے   اے شکر لب نہیں ہم قند و شکر کی محتاج
نورافزا اے بصر جبکہ ہیں تیرے رخسار   وہ نہیں روشنی شمس و قمر کے محتاج
یا کبھی رہتے تھے گلشن ہی میں یا مدت سے   ہم قفس میں ہیں صبا گل کی خبر کے محتاج
اشک لخت و جگر اپنی جو یہ دامن میں   ان کے دولت نہیں ہم لعل و گہر کے محتاج
جو تری تیغ غم عشق سے ہوں سینہ سپر   وہ بجز داغ جگر ہوں نہ سپر کے محتاج
چشمہ و دجلہ و جو بحر و سحاب نیسان   اے ظفر سب میں ہیں مرے دیدہ تر کے محتاج

ہیں ترے شیفتہ و مال نہ زر کے محتاج   بھوکے اک ناز کے ہیں ایک نظر کے محتاج
جو کو بوسہ ہو میسر لب شریں کا ترے   اب شکر لب وہ نہ ہوں قند و شکر کے محتاج
دیکھے کس کے بھروسے پہ دل اپنا اس کو   نالہ و آہ تو دونوں ہیں اثر کے محتاج
سامنے تیغ غم یار کے سر باز وفا   ہوں بجز داغ محبت نہ سپر کے محتاج
اشک لخت جگر اپنے کی بدولت عاشق   ہوں نہ دیا میں کبھی لعل و گہر کے محتاج
نکہت گل کی روش رہتی ہے جو خانہ خراب   وہ مسافر نہیں اسباب سفر کے محتاج
دل سے ہے دل کو ظفر راہ تبھو کی ہرگز   ان کے ہم اور ہمارے وہ خبر کے محتاج

ردیف الجیم فارسی

ہر ال سر پہ تیغ نہ یوں بید رنگ کھینچ   تو ہاتھ قتل خلق سے اے خانہ جنگ کھینچ
تو وہ ہے بحر حسن کہ ظالم تری بھویں   لے جاتی آشنا کو ہیں مثل نہنگ کھینچ
اے شوخ تجھ سے عالم تصویر کی شبیہ   کیا منہ سے لیں مصور چین و فرنگ کھینچ
فرہاد دیکھ کو کنی میں نہ ہاتھ ڈال   دب جائے تیرا دست نہ یہاں زیر سنگ کھینچ
نکلا جو یہ تو جائے گا دم بھی مرا نکل   اے چارہ گر نہ سینہ سے اس کا خدنگ کھینچ
لے تیری زلف خم بخم اے شوخ و شنگ کھینچ

سر مارے پہ نچھوٹے جسے مار کر کمد
اے چارہ گر نہ سینہ سے اس کا خدنگ کھینچ

کھنچتا ہے مجھ سے اور بھی یہ غنچہ لب ظفر
لے تیری زلف خم بخم اے شوخ و شنگ کھینچ

لیتا ہوں دل سے آہ میں ہو کے تنگ کھینچ

نہ پیچ یا رائے دل نے کچھ رقیب کا پیچ
یہ اپنے بخت کا ہے پیچ اور نجیب کا پیچ

وہ پیچ کرتا ہے رہنے دے کیونکر پاس مجھے
کہ جان جاتا ہے باشندہ ہاں فریب کا پیچ

کھلے ہے دام کے رشتہ کا پیچ کب صیاد
پڑا ہوا ہے یہ تقدیر عندلیب ک ا پیچ

تمہاری زلف کا ہے پیچ وہ بلا کہ ڈر سے
بلا بھی دیکھ کے اس اژدر مہیب کا پیچ

مریض عشق ہو جانبر دو اسے کیا ممکن
یہ نسخہ لکھنا ولاسے سے ہے طبیب کا پیچ

بگولا اس کو نہ سمجھ کہ دست غربت میں
یہ کھا رہا ہے غبار اب کسی غربت کا پیچ

سب اس زمانہ میں یکساں ظفر ہیں دشمن دوست
کہ جو ہے پیچ عدو کا وہی حبیب کا پیچ

پھیر لی اس نے مجھے دیکھ کے چتوں سچ مچ
ہو گیا پھر کے وہ مجھ سے مرا دشمن سچ مچ

با' میں کرتا ہے ہر گل چاک گریبا اپنا
کیا تجھے دیکھ کے دیوانہ گیا بن سچ مچ

کیا ستم ہے مرے جانب سے جو کچھ میرے عدو
جھوٹ موٹ اس سے کہیں جا کے وہ پرفن سچ مچ

گریہی جوش ہے گریہ کا تو کوئی دم میں
پاٹ دریا کا بنے گا مرا دامن سچ مچ

گل جو پھولے نہیں جامہ میں سماتے ہیں صبا
آیا کیا باغ میں وہ غیرت گلشن سچ مچ

ابھی مرجاؤں اگر مجھ کو یقین ہو کہ وہ شوخ
آئیگا گور پہ میرے پس مردن سچ مچ

یوں ملی زلف ہوا سے کہ ڈرا میں دل میں
کاٹ کھائے گی ابھی ڈر کے یہ ناگن سچ مچ

برگ گل بنگئے برگ گل سوسن سچ مچ

جب مسی سے ہوئے رنگین لب نازک اس کے
بن گیا عشق میں اس بت کے برہمن سچ مچ

قشقہ ماتھے پہ ہے زنار گلے میں ہے ظفر

نقاش نقشہ کھینچ سکے اس کا گر تو کھینچ
کیا کھنچتا ہے دیکھیں وہاں وکمر تو کھینچ

کیوں کھنچتا عبث ہے ولا آہ بے اثر
گر جانتا ہے کچھ بھی ہے اس میں اثر تو کھینچ

قمری پہ کیا کریگا ستم اور عشق سرو
ڈالا گلے میں طوق دیا دار پر تو کھینچ

بولے گا اس کے سامنے اے غنچہ منہ ہے کیا
باہر تو اپنا جیب خجالت سے سر تو کھینچ

کیوں دیر کر رہا ہے اگر میرے قتل پہ
تلوار تو نے باندھی ہے اے فتنہ گر تو کھینچ

کہتا ہے جذب شوق کہ میں کھینچ لوں پہاڑ
اس تنگ دل کو لائے کبھی یہ ادھر تو کھینچ

ایسے نہیں ہیں وہ تو چلے آئیں ابھی
تو ان کا انتظار ظفر دوپہر تو کھینچ

دیگر

ہم پہونچے وہاں جو لانگ کے گھر تین چار پانچ
جاسوس آئے ساتھ نظر تین چار پانچ

مطلع ثانی

تجھ بن جو کاٹے میں نے پہر تین چار پانچ
مجھ پر گئے برس وہ گذر تین چار پانچ

جیسا کہ آسماں پہ ہے یہ آسماں ایک
ایسے ہیں میرے داغ جگر تین چار پانچ

ہیں ہم سے وہ پھرے ہوئے لیکن ہم آپ بھی
کرتے روز پھرے ادھر تین چار پانچ

ارواح تین غلط ہیں چار اور حواس پانچ
ہیں یہ بڑے رفیق بشر تین چار پانچ

ہیں دوست گر بہت سے بہت اپنے ایک دو
اور کم سے کم عدو ہیں اگر تین چار پانچ

رہتے ہیں روز کوچہ میں قاتل ترے پڑے
دوتین چار لاشے تو سر تین چار پانچ

خالی نہیں ہے عیب و ہنر سے کوئی بشر
ہیں یہ ستون دین کے ظفر تین چار پانچ

بارہ امام ہی سے ہے اسلام کو قیام

ردیف الحاے مہملہ

دل عشق میں جو میری نہیں مانتا صلاح
ٹھہرائی اس کے جی میں ہے کیا جانے کیا صلاح

بہتر میرے حق میں نکل جانا شہر سے
اچھی نکالی تو نے جنوں مرحبا صلاح

کیوں ڈوبتا ہے چاہ زنخدان یار میں
اے دل یہ تجکو دیتا ہے کون آشنا صلاح

یک بیک کے سر پھرا تو اپنا کہ پھر چکے
جو دل میں اپنے ٹھہر گئی ناصحا صلاح

بسم اللہ ایک تیغ ستم شوق سے لگا
بہتر ہے اب تو بس نہیں اسے پر جفا صلاح

سرگوشی اس سے زلف جو کرتی ہے دمبدم
شاید ترے پھنسانے کی ہے کچھ دلا صلاح

دیتا ہے کون کوچہ قاتل میں اپنا سر
جب تک کہ اے ظفر نہیں دیتی قضا صلاح

گرچہ بچھائیں یار مری سو کسی طرح
پر ایک سے نہ دل کی بجھے تو کسی طرح

ناخن سے تیرے پاؤں کے ہمسر نہ ہو سکے
اے مہروش فلک پہ مہ نو کسی طرح

ہر چند ہے نصیب پہ موقوف وصل یار
یہ چھوڑیے نہ اس کی تگ و دو کسی طرح

اس رنگ گندمی کا دلا آدمی سے شوق
جبتک ہے زندہ کم نہو یکجو کسی طرح

مانیں نصیحتیں کہو کس کس کی ناصحو
دس کہتے ہیں کسی طرح اور سو کسی طرح

میں ضبط گر یہ کرتا ہوں سو سو طرح مگر
اشکوں کی میرے تھمتی نہیں رو کسی طرح

خورشید وار جن کے ہیں دل روشن اے ظفر
پڑ جائے ان کا مجھ پہ بھی پر تو کسی طرح

دیکھے اس ابرو کی جو تصویر کو اچھی طرح
پھر مبصر دیکھے کب شمشیر کو اچھی طرح

بن پڑھے خط پرزے پرزے یکقلم تم نے کیا
پڑھ تو لینا تھا مری تحری کو اچھی طرح

دیکھا جب گردش کو تیری چشم کی اے فتنہ گر
ہم نے جانا گردش تقدیر کو اچھی طرح

اپنی کیا اچھی عمارت پر ہو نازاں غافلو
دیکھ لو اگلوں کی یہاں تعمیر کو اچی طرح

کاتب قدرت نے گرد اس مصحف رخ کے لکھا
کیا ہے خط خوب سے تفسیر کو اچھی طرح

دل سے گھر اچھا نہیں ہے کوئی اے ناوک فگن
بیٹھنے دے اس میں اپنے تیر کو اچھی طرح

ہو رہیں گے خار بھی مانوس پر اتنو جنوں
پاؤں پڑنے دے میری زنجیر کو اچھی طرح

جو تجھے منظور ہے کرنا وہی پر ایک بار
سن تو لے ظالم مری تقدیر کو اچھی طرح

دے کر دل اس سنگدل کو کر چکے ہم امتحان
اے ظفر اس آہ بے تاثیر کو اپنی طرح

فقط ہے کیا لب ترا شراب کی روپ
تار ہے طرہ مشکیں بھی مشکناب کی روح

عجب نہیں ہے نیر آہ سے میرے
ہوا یہ سہم کے جائے نکل عقاب کی روح

خیال آئے ہے تیری سرد مہری کا
تو کانپتی ہے مری اس جگر کباب کی روپ

ترا جو روئے کتابی اے گلستان رو
وہ اک کتاب گلستان ہے سو کتاب کی روح

پھنسا بلا میں ہوا دل دیکھے گر نہ دیتا دل
تو مبتلا مری کیوں ہوئی اس عزاب کی روح

نہ سمجھو اس کو بگولا ملتی پھرتی ہے
یہ دشت دشت کسی خانماں خراب کی روح

نہ پہونچے اس گل رخسار کے پسینے کو
ظفر ہزار نکالے کوئی گلاب کی روح

زاہد وہم اس صنم د دھیان چھوڑیں کس طرح
اپنا وہ ایمان ہے ایمان چھوڑیں کس طرح

بطرح دردو الم پیچھے پڑے ہیں جان کے
دیکھیے اب یہ ہماری جان چھوڑیں کس طرح

بن بلائے آج اس کے گھر میں ہم جاتے تو ہیں
پر یہ ہے دیکھئے دربان چھوڑیں کس طرح

غیر سے در پردہ کچھ کرنا ہے ان کو مشورہ
وہ نہ اپنا پردہ دلان چھوڑیں کس طرح

کوچہ قاتل میں تیرے ساتھ ہم کیونکر نجائیں
تجکو تنہا اے دل نادان چھوڑیں کس طرح

دل مرا حسرت کرنا خون اسے منظور ہے
غیر کے ہاتھوں سے کھانے پان چھوڑیں کس طرح

دل مرا چھوٹا ظفر اس زلف سے پر دیکھئے
غمزہ و نازو اداو آن چھوڑیں کس طرح

بولا جو اک طرح سے صنم دوسری طرح
پھر یہاں بھی ہے خدا کی قسم دوسری طرح

اک طرح اپنی اوول ملاقات ہے سو ہے
کچھ اور ڈھونڈتے نہیں ہم دوسری طرح

گر اک طرح ظلم پہ کرتے ہیں صبر ہم
کرتے ہیں کچھ وہ اور ستم دوسری طرح

مجنوں کے جو قدم بقدم ایک طرح پہ ہو
رکھے کبھی نہ اپنا قدم دوسری طرح

یکبار اک طرح پہ انہیں لکھے کوئی حال
گر خط کرے دوبارہ رقم دوسری طرح

ہاتھ اس کا مطلع ایک تو ہو ایک طرح پہ
اور دوسرا جو ہاتھ قلم دوسری طرح

جب اک طرح پہ رہتے نہیں دم پہ وہ ظفر
دمباز ان کو دیتے ہیں دم دوسری طرح

کیوں لے گے اب وہ مجھے گنہگار کی صلاح
دس پانچ دن سے اور ہے دو چار کی صلاح

مطلع ثانی

اس کے خلاف کب ہو دل زار کی صلاح
دل کی وہی صلاح جو دلدار کی صلاح

کافی ہے اک نگاہ تری میرے قتل کو
دیجے کا میں نہیں تجھے تلوار کی صلاح

رکھیں گے ہم خیال خط سبز کا ترے
ہم زم دل پہ مرہم زنگار کی چلاح

امکان کیا کہ آئے وہ میری طرف کبھی
جب تک کہ لے نہ اپنے طرفدات کی صلاح

برگشتگی بخت کا دیکھو مرے اثر
یہاں آتے آتے پھر گئی طرز کی صلاپ

مر جائیے نہو جیسے منت کش مسیح
یہی ہے اس دل بیمار کی

ناصح ترے کہے پہ عمل مجھ سے کیوں کہ ہو
انتو یہی اس دل بیمار کی صلاح
دیوانہ نہ کیا جو مان لے ہشیار کی صلاطاح اے صگاح

جی چاہتا ہے میرا غمِ دل بیان کروں
پر اے ظفر نہیں میرے غمخوار کی صلاح

آنکھ کیوں کرتا ہے میری رکھ نظر سیدھی طرح
ہم سے ملنا ہے تو مل اے عشوہ گر سیدھی طرح

کچھ نصیب اپنے تھے سیدھے اے دل خانے خراب
ہم چلے آئے جو وہاں سے اپنے گھر سیدھی طرح

درد فرقت سے ہوں لیتا اس طرح میں کروٹیں
رہتی بستر پہ نہیں دم بھر کمر سیدھی سیرح

ہیں تو مژگاں اس کے ٹیڑے پر مرے دل میں چھپیں
مثل پیکاں و سناں ویتعر سیدھی طرح

اس روش سیدھا بنایا رشک قامت نے ترے
سرو گلشن میں رہیں گے عمر بھر سیدھی طرح

مرانالہ دیگا سارا تیرا ٹیڑھا پن نکال
دیکھ چل اے آسمان کینہ ورسیدھی طرح

بانکا انکے بھروسا کیا کہ میں وے بولتے
دوپہر ٹیڑھی طرح اور دوپہر سیدھی طرح
ہم میں سیدھے سیدھے ہم سے بات کر سیدھی طرح

جو ہوں ٹیڑھے ٹیڑھے دکھلائیں ان کو اپنا بانکپن

ہر غزل کی اپنی ہے ٹیڑھی زمین سنگ لاخ — ہم ہیں سیدھے سادے ہم سے بات کر سیدھی طرح

آہ کے دیکھ شرارے علی الصباح — ٹھے ست نگیں فلک پہ ستارے علی الصباح

کیا قہر ہے کہ غیر کے گھر رات کو رہو — اور آؤ وہاں سے گھر میں ہمارے علی الصباح

سنبل چمن میں کیوں نہ ہو عرق آہ شرم — منہ دھوکے وہ جو بال سنوارے علی الصباح

ہوتا تجھ سے خواب میں جو شبکو ہمکنار — روتا ہے بیٹھ کر وہ کنارے علی الصباح

خورشید کو نہ کیونکر چڑھے تپ جو تفتہ دل — پھاے کو داغ دل سے اتار علی الصباح

گزرا وہ روز ہجر مجھے مثل روز حشر — جس دن وہ اپنے گھر کو سدھارے علی الصباح

مژدہ دیا صبا نے ظفر کیا کہ ہنس پڑے — گل کھلکھلائے باغ میں سارے علی الصباح

ردیف الخائے معجمہ

چبھی مژہ کی جو بخت دل خراب میں سیخ — دکھائی دی وہ پرائی ہوئی کباب میں سیخ

ہمیشہ نان پہ آسمان کے ہاتھوں سے — خط شعاع کی قرص آفتاب میں سیخ

نشہ بغیر گزک بے مزا ہے اے ساقی — کباب کیا ہوئے خالی دھری ہے تاب میں سیخ

بری نظر سے جو دیکھے تجھے وہ اے مہوش — تو کرے آہ مری چشم ماہتاب میں سیخ

یہ دیکھو شعبدہ برق کر کے آگ میں لال — لپٹ دیتی ہے کیا چادر سجاب سحاب میں سیخ

کباب اسطے اس خوش دماغ کے نے لگائے — نہ دھوکے پہلے کبابی اگر گلابی میں سیخ

بندھا خیال کبابوں کا رات کو ج و ظفر — تو کہکشاں بھی لگی نشہ شراب میں سیخ

ہے اس کی چشم کی گردش سے آسماکو چرخ — اور آسمان کر گردش سے ہے جہاکو چرخ

قریب اس رخ روشن کے دیکھ کرور گوش — فروغ دے نہ مہ ش زہرہ کے قران کو چرخ

بتوں کے ہاتھ سے لٹوائے ہے زمانہ میں — ہمارے دین کو ایمان کو دل کو جان کو چر

گرے نہ جلوہ شام و شفق پہ ناز اتنا — جو دیکھ لے ترے رنگ مسی و پان کو چرخ

ہزار قصر و محل ہوں تو دے مٹا آخر — مثال نقش کف پاترے نشان کو چرخ

عجب نہیں ترے ابرو کے سامنے دل سے — او تاردے مہ نو کی اگر کمان کو چرخ

نہیں یہ کاہکشاں گرمی فغان سے مرے — نکال دیتا ہے منہ سے ظفر زبا کو چرخ

وہ کیا شراب ہے شیشہ میں آسمان کے تلخ — کیا ہے عیش کو جس نے کہ اک جہاںکے تلخ
نہ کیوں تلخ مجھے اپنی جان شیریں ہو — کرے کلام وہ شیریں ادا جو آن کے تلخ
جو بات دوست کی ہو تلخ بھی تو پی جائیں — ہم اس کو ایک دو اپنے حق میں جان کے تلخ
کرے ہے تیرا خط سبز تلخ کام مجھے — کہاں سے لایا ہے ظالم یہ بنگ چھانکے تلخ
ستم ہے منہ کے وہ میٹھے ہیں دل کے زہر بھرے — ملے سے دل کے وہ میٹھے ہوں اور زباںکے تلخ

غم اس کا آیا ہے دل کو جلا کے تلخ نہ کر — ظفر کباب نہ رکھ آگے مہمان کے تلخ

ردیف دال مہملہ

اب اس کے ہیں جو مے خوشگوار میں آلود — تو چہرہ سرخ ہے آنکھیں خمار میں آلود
ذرا سنبھل کے چھری پھیر اے شکارا فگن — کہ آتیں نہو خوں شکار میں آلود
نے کیوں ہوا ہر گہر بار آب شرم میں غرق — جو زلف ہو عرق روے یار میں آلود
ہمیشہ چھانتے ہیں خاک و شت وحشت کی — نہ کیو نکر ہم ہوں سراپا غبار میں آلود
کہاں ہے مجھ میں دم اتنا کہ نشتر فصاد — لہو سے ہووے نگہ جسم زاو میں آلود
ترے پسینے کی خوشبو سے اے گل خوبی — تمام جامہ ہے عطر بہار میں آلود
ظفر وہ کھولے اگر اپنی لف مشکیں کو — ہوا کے جھوکے ہوں مشک تیار میں آلود

تجھیں ہے خواب دیدہ بیخواب سے بعید — او صبر و تاب ہے دل بیتاب سے بعید
کس طرح دل کو سوز محبت میں ہو قیام — آتش میں ٹھہرنا تو ہے سیماب سے بعید
عالم کو گرڈبوئے یہ طوفان گریہ سے — سمجھو نہ میرے دیدہ پر آب سے بعید
جو دیکھا ان بتوں میں ہے ہمنے وہ زاہد — نزدیک میرے ہے گل سیراب سے بعید
تشبیہ دینی روے عرقناک کو ترے — نسبت نہیں ہے حلقہ گرداب سے بعید

میرے وفور گریہ سے ہالہ کو ماہ کے — ہے کیا ظفر عنایت احباب سے بعید

پھانس الفت کی نہ ایدل دیکھ نشتر سے کرید — ڈھب بنے تو سوزن مژگان دلبر سے کرید
دیکھ تو کتنے نکلتے ہیں ترے پیکاں تیر — میرے سینہ کو ذرا تو نوک خنجر سے کرید

جب ذرا بھرنے لگی ہے پائے مجنوں کی خراش　　دے ہے نوک خار صحرا پھر نئے سر سے کرید
مل گئے ہیں خاک میں کتنے ہی تیرے ہاتھ سے　　پر نہیں کرتا کوئی ظالم ترے ڈر سے کرید
ہاتھ آتا ہے نصیبوں سے دفینہ اے حریص　　خاک تو بیفائدہ مت خواہش زر سے کرید
ناخن حسرت نے چھیلا سینہ باہر سے مرا　　کاؤ کاؤ غم نے ڈالا دل کو اندر سے کرید

خاک میں میری دبی ہے آتش دل اے ظفر　　گر باور تو کہدو اوس ستمگر سے کرید

رہے ہے دل میں محبت کے شورو شر کا فیا　　مٹے گا دیکھیے یارب یہ کیونکر گھر کا فساد
جلایا آہ کے شعلہ نے خیمہ افلاک　　بڑھا ہے دیکھو تو کیا سوزش جگر کا فساد
لڑائی مجھمیں اور اس میں مفسدوں کے سبب　　نہ ہے ادھر کا فساد اور نہ ہے ادھر کا فساد
بشر نہ جانیے شیطان ہے وہ فساد انگیز　　ہمیشہ کام ہے دنیا میں جس بشر کا فساد
ہزار فتنہ محشر سے بھی زیادہ ہے　　جو نکلے دم تو مٹے دم میں عمر بھر کا فساد
یہ دم کے ساتھ ہیں دنیا کے مفسدے سارے　　تو یاز میں کا یازن کایا ہے زر کا فساد
بچشم غور جو دیکھا ظفر زمانے میں

برسر مہر ہے ستم ایجاد　　دوستو مجکو دو مبارکباد
دشت میں قیس کوہ میں فرہاد　　دونوں کہتے ہیں مجکو یا استاد
بچ چکا جیتا اس کے ہاتھ سے میں　　عشق ہے میرے واسطے جلاد
خاطر گل ہے نازک اے بلبل　　نہ کر اتنی چمن میں تو فریاد
خاک سے کشتگاں قامت کے　　نخل پیدا جو ہو تو ہو شمشاد
برق خنداں ہے ابر گریاں ہے　　کوئی یاں شاد ہے کوئی ناشاد
دیکھ کر حال بید مجنوں کا　　آیا صحرا میں ہمکو مجنوں یاد
ہم ہووے خاک عشق میں تیرے　　ہو گئی بلکہ خاک میں برباد
دے دیا اتنو دل ظفر جسنے　　اس ستمگر کو ہر چہ بادا باد

ردیف الذال معجمہ

تسلی بخش دل ہے یار کی تصویر کا کاغذ　　مصور ہے یہ کاغذ بھلی عجب تاثیر کا غذ
مجھے اے نامہ بر مضمون وصل یار کی دولت　　یہ ہے نامہ کاغذ نسخہ اکسیر کا کاغذ
دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوںسے　　نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ
مرے خط ہی کو رکھ دیتا ہے اپنے تری کے زد پر　　بناتا ہے نشانہ جب کبھی وہ تیر کا کاغذ

لکھوں اس مہ جبیں کا میں جو وصف عارض روشن
تو ہمسر نور میں ہو ماہ تنویر کا کاغذ

لکھا میں چاہتا ہوں شکوہ اس کو سرد مہری کا
مرے نالے کو قاصد چاہیے کشمیر کا کاغذ

ظفر مضمون چاک سینہ نے تاثیر کی آخر
کیا ہے چاک اسنے عاشق دلگیر کا کاغذ

لکھنے بیٹھا جو نشے میں وہ شرابی کاغذ
تو کیا بادہ گلگوں سے گلابی کاغذ

کیا عجب چاک کرے رشک سے حسن خط کے
سو کتابوں کے ترا روے کتابی کاغذ

اپنے دل سوز کا انگاروں پہ رکھدی افسوس
یوں وہ میکش سر دوکان کتابی کاغذ

نامہ بر تو میرے کاغذ کو چھپا کر لیجا
مجکو ڈر ہے کہ نہ لاے یہ ترابی کاغذ

عشق نے جب سے دیا ہے مجھے دیوانہ خطاب
کوئی میرا نہیں بے مہر خطابی کاغذ

بن پڑھا سپہ مرے گریہ کا مضموں کھلجاے
نامہ بر ہو مرے نامہ کا جوابی کاغذ

کیا عجب گر اثر شوق سے میرے اوڑ کر
اے ظفر پہونچے کبوتر کا شتابی کاغذ

جب کہ در پردہ کہیں سے لگے آنے کاغذ
ان کو ناچار پڑے سب سے چھپانے کاغذ

جوش گریہ کا برا ہو کہ تری نامہ کو
دیا آنکھوں سے بھی ہمکو نہ لگانے کاغذ

جتنے خط میرے گئے شوخ کماندار کے پاس
اسنے تیروں کے بنائے وہ نشانے کاغذ

یہ نوشتہ کی ہے خوبی کہ وہاں سو نپچایا
پہنچے جو کھت کے لگے روز دبانے کاغذ

آؤں کیا خاک کہ تعویز عداوت کے عدو
گو کہ افلاک زمیں کے ہیں پرانے کاغذ

ابتک انجم سے قبالوں پہ ہیں مہریں روشن
لگے گلریز بنا کر وہ جلانے کاغذ

شرح سوز غم الفت نے کھلایا یہ گل
اشک خوں سے جسے رنگیں ہو بنانے کاغذ

رکھ دو وہ لکھ کے ظفر ان کے سرہانے کاغذ

دیگر

پیے دھو کر تری ہیکل کے تعویز
دیئے پھینک اور بس مل مل کے تعویز

گراں ہوں دست نازک میں تمہارے
جو برگ گل سے بھی ہوں ہلکے تعویز

نہ چمکے شرم سیشب کو ستارے
ترے جھومر میں ایسے جھلکے تعویز

وہ کرتے ہیں جو ہم سے گرم جوشی
جلاتے ہیں عدو جل جل کے تعویز

مفید اس چشم کے بیمار کو ہوں
جو ہوں لکھے ہوے کاجل کے تعویز

لڑائی میرے اس کے تھی جو منظور
لکھے دشمن نے دن منگل کے تعویز

رکھے ہے خواب بندی کے غم ہجر
ظفر بستر تلے مخمل کے تعویز

ردیف الرائے مہملہ

کھلے گا خط کے کھلنے سے مرا بھید او رجیدی پر
سیاہی چڑھ گئی اے نامہ بر اب تو سفیدی پر

شتر غمزے کئے خرخ خمیدہ پشت نے کیا کیا
شترا آسا سرے نالے نے اس اس کی ناک چھیدی پر

امید وصل گر ہوتی تو کیا جانے کیا کرتے
فدا کرتے ہیں اپنی جان تک اس ناامیدی پر

کیا ہے کوہ کا یہ حال میرے جوش گریہ نے
کہ جیسے ڈال دے پانی کوئی مٹی کریدی پر

اٹھا کر آج میری جنس دل لے ہی چلا تھا وہ
ظفر کہنے سے اپنے دوتوں کے اسنے دیدی پر

تمہاری گالیاں کھاتا ہوں میں بوسہ کے لالچ پر
کہوں گا سچ یقین ہو یا نہ ہو تمکو مرے سچ پر

مری اک بات سے بھی تم جو رکتے ہو خدا جانے
لگے ہے آپ کا دل کس طرح اوروں کی کچ کچ پر

کھچا کھچ بھر دیے ہیں عشق نے دل میں غم و حسرت
نہیں ہوتی ہے نیت سیروں کی اس کھچا کھچ پر

سفارش لاکھ پر کچ گر کرے کوئی نہیں سنتا
وہ ظالم جبکہ آجاتا ہے اپنی بات کی پچ پر

کہا سب نے مرے دل کو کہ پیچ ما گیسو سے
بچا ہرگز نہ یہ شامت کا مارا اتنی پیچ پیچ پر

چمن کو یاد کر کر ہم قفس میں اس قدر پھڑکے
کہ بازو ٹوٹ کر دونوں ہوئے لوہو میں لچ لچ پر

ظفر دل کا محل مضبوط ہوتا ہے تو ہمت سے
نہ موقوف اس کا استحکام چونہ پر ہے نے گچ پر

کیا عجب جسنے کہ مارا دل غمناک میں تیر
نہ وہ بنوا کے لگائے وہ مرے خاک میں تیر

سرکشی ہے سزا تیری یہی اے گردوں
کہکشاں دیتی ہے ہر شب جو تری ناک میں تیر

ان کو انجم نہ کہو آتے ہیں سوفار نظر
بیٹھے آہو کے مرے سینہ افلاک میں تر

کس کماندار نے کی دوت میں دور اندازی
کوسوں ہر سمت پڑے ہیں خس و خاشاک میں تیر

جو کہ دنیا میں ہیں آلودہ یہ کاوش ہے انہیں
ہے ہر اک رنگلا گویا تن ناپاک میں تیر

دیکھنا جذب محبت کہ نہ نکلا ہرگز
رہگیا ٹوٹ کے اس کا دل صد چاک میں تیر

عشق کے رستے میں ہر گام پہ جی ہمہ ہے
ہیں برستے ظفر اس راہ خطرناک میں تیر

دیگر

زلف سیہ کی تیرے لٹک اے شوخ پری رخسار ہے اور
یہ تو بلا کچھ اور ہے کافر یہ تو کچھ اسرار ہے اور

سوتے سوتے چونک اٹھے وہ شب جو میرے نالوں سے
بولے یہ تو نالاں کوئی آج پس دیوار ہے اور

آتا ہے جو دیکھنے کو اپنے مریض الفت کے
دیکھ کے تیری آنکھوں کو ہو جاتا وہ بیمار ہے اور

کبک اوڑا ہی لیتا کبھی چال تری اے فتنہ خرام
لیک اوائی جاتی کب ہے یہ تو کچھ رفتار رہے اور

چشم کا لڑنا سب نے دیکھا جانی کسی نے دل کے نہ ڈھنگ
جو کہ اسے لڑواتا ہے وہ پہلو میں عیار ہے اور

غیر طبیب عشق ہو کس سے تیرے مریض غم کا علاج
اس کی دوا کیا جانے کوئی یہ تو کچھ آزار ہے اور

عشق ہے شاہنشاہ ظفر تم اس کی درگہ عالی میں
جانے ہو تو ادب سے جاؤ وہ تو کچھ دربار ہے اور

دیگر

نپوچھو دوستو تم ہم سے حال دل کہیں کیونکر
کہ یہ تو قصہ کہنے کے نہیں قابل کہیں کیونکر

الجھتا آکے ہے سودائیوں سے اس کی زلفو کے
تجھے اے ساحر نافہم ہم عاقل کہیں کیونکر

مہ نو جب کہے ابرو کو تیرے دیکھکر عالم
تو عارض کو نہ تیرے ہم مہ کامل کہیں کیونکر

مرے پیغام دہاں لیجا کے قاصد و ہیں کہتے ہیں
کہ کہنا یہاں تو ہے اگ حرف بھی مشکل کہیں کیونکر

ترے ہاتھوں سے ہو کر مضطرب کیا کیا تڑپتا ہے
ہم اس دل کو نہ اپنے طائر بسمل کہیں کیونکر

لب ہر زخم دل جب تک کہ سینہ میں نہ گویا
تو گزرے دل زخمی پہ اے قاتل کہیں کیونکر

تغافل ہی میں دیتا ہے آخر کام عاشق
ظفر ہشیار ہے وہ ہم اسے غافل کہیں کیونکر

دیگر

نہ رکھ کسی سے طریق تمردی میں بیر
کہ اے صنم ہے ہمیشہ خدا خدی میں بیر

بنایا دشمن انہیں اپنا چھیڑ کر میں نے الٰہی لڑتے ہیں کیوں
کہ ان کو مجھ سے پڑا ایک گدگدی میں بیر

مدرسہ میں طالبعلم
پڑھا انہوں نے ہے کیا درس مبتدی میں بیر

نہ آیا وادی مجنوں میں ناقہ لیلے
غضب ہے تیرے بھی اے ساربان حدی میں بیر

کوئی ہزار کرے امر لابدی میں بیری
کوئی ہزار کرے امر لابدی میں بیر

ڈھونڈے کوئی کیا یار کا در چھوڑ کے در اور
اس گھر کے سوا تو نظر آتا نہیں گھر اور

ہم دیکھتے ہیں ان کی نظر آج ادھر اور
معلوم ہوا اونکو ہے کچھ مد نظر اور

جس وقت ہووے اشک فشاں دیدہ تر اور
دل اپنا جلا اور بڑھا سوز جگر اور

اس منزل ہستی سے کوئی آکے عدم سے
کیا چین سے بیٹھے کہ ہے درپیش سفر اور

گل پھولے سمائے نہیں جامہ میں صبا کیوں
کچھ اوڑتی ہوئی آئی ہے کانوں مین اور

رسوائے جہاں کیا ہوئے گریہ سے ہم اے دل
ہم کو تو ڈبو دیگا ابھی دیدہ تر اور

جس دن سے تصویر ہے رخ و زلف کا تیرے
اوس دن سے مرا حال ہے شام اور سحر اور

ہر چند کہ تیروں سے ہے سینہ مرا غربال
اس پر بھی کھیے جاتا ہوں دل اور جگر اور
گہ روتے ہو گہ ہنستے ہو گہ چپ گہے نالاں
حال اپنا ہم دیکھتے ہیں آج ظفر اور

ہے محبت ان بتوں کے دل میں آجاتی کچھ اور
کفر تو یہ ہے پر اس میں ہے مسلمانی کچھ اور
تیرے جی میں ابرو پر خم کا عالم اور ہے
ہیں ستمگر جو ہر تیغ صفاہانی کچھ اور
خون دل ہے یا وہ جگر رنگ و لخت دل کباب
اس سے بھی اے دل سوا ہو گی پشیمانی کچھ اور
کر کے جو اقرار آئے تھے بجا لائے نہ ہم
حضرت دل کا ہے یہ سامان مہمانی کچھ اور
دردندان اور ہیں در عدن کچھ اور ہیں
لعل لب کچھ اور ہیں لعل بدخشانی کچھ اور
دل سے کیا چھوٹے خیال زلف ہے شامت کی مار
لکھی ہے اس کی تو قسمت مین پریشانی کچھ اور
یون تو عالم میں ہزاروں ہیں حسینان اے ظفر
پر تمہارا ہے یہ انداز خدائی کچھ اور

دیگر

لگ گیا دل تو بتان دلربا کی راہ پر
آئے یہ کافر کہو کیونکر خدا کی راہ پر
سر ہتھیلی پر نہ رکھ لے جب تک سر بار عشق
رکھ سکے کیونکر اپنا وفا کی راہ پر
دل کے ہر روزن سے تیرا زخمی تیر ستم
چشم بر رہ ہے سدا پیک قضا کی راہ پر
عشق لیجائے جدھر کیونکر ادھر جائیں نہ ہم
چاہیے رہرو کو چلنا رہنما کی راہ پر
کوچہ جاناں کے جانے کی نکالی ہے یہ راہ
خاک ہو کر آ پڑے ہیں ہم صبا کی راہ پر
فتنہ محشر سے فتنے ہی وقت خرام
ٹھوکریں کھاتے پھریں اس پر جفا کی راہ پر
چاہتے ہیں کب نشان اپنا وہ مثل نقش پا
جو کہ مٹ جانے کو بیٹھے ہیں فنا کی راہ پر
دل سے ہوں کیونکر طریق آشنائی میں خلاف
آشنا وہ ہے کہ جو آشنا کی راہ پر
ہے صراط المستقیم اس کے لئے چلنے ظفر
استقامت کی ہے تسلیم و رضا کی راہ پر

بڑھے جو عشق کے شعلہ سے دل کے داغ نور
نہ پہونچے شمع کا نور اس کو نے چراغ کا نور
پڑے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا
فزوں ہو نور سے خورشید کے ایاغ کا نور
کمر کو اس کی شب تار زلف میں ڈھونڈھے
کہاں ہے عقل میں یہ طاقت سراغ کا نور
وہ ماہ باغ میں جس وقت یار سے وہ ہمچشمی
تو دیکھے پھر کوئی اس وقت صحن باغ کا نور
کرے جو خال رخ یار سے وہ ہمچشمی
تو پھر یقین ہے کہ اوڑ جائے زاغ کا نور
بغیر تیرے ہے عاشق کے حق میں نار سقر
چراغ محفل یاران خوش دماغ کا نور

فروغ بخش تا نعوں کے چہرہ پر
ہمیشہ ان کے ہے دلہا ئے با فراغ کا نور

کھلتا نہیں ہے حال کسی پر کہے بغیر
رپ دل کی جان لیتے ہیں دلبر کہے بغیر

میں کیوں کہوں تم آؤ کہ دل کی کشش سے وہ
آئیں گے دوڑے آپ مرے گھر کہے بغیر

کیا تاب کیا مجال ہماری کہ بوسہ لیں
لب کو تمہارے لب سے ملا کر کہے بغیر

بیدرد تو سنے نہ سنے لیک درد دل
رہتا نہیں ہے عاشق مضطر کہے بغیر

ہم ہیں وہ خاکسار کہ مانند نقش پا
در پر جما دیا ترے بستر کہے بغیر

جو میں کہوں وہ سب کہی جاتی ہے غیر سے
آئے قرار اس کو نہ دم بھر کہے بغیر

صورت ہی میری دیکھ کے سب میرے دل کا حال
معلوم کر گیا وہ ستمگر کہے بغیر

کیا خاکساری اپنی کہوں انسے جا کے میں
وہ ہو رہے ہیں مجھ سے مکدر کہے بغیر

کیا ذکر کچھ کلام میں واعظ کے ہو مزا
محفل میں وصف بادہ ساغر کہے بغیر

جب دل ہو صاف آئینہ پھر وب ہو کہ رشبت
جو دل میں آئے رہیے نے منہ پر کہے بغیر

کیا تاب اوف زبان سے کہوں تیرے بزم میں
کٹتا ہے شمع وار یو ہیں سر کہے بغیر

تقدیر کے سوا نہیں ملتا کہے سے بھی
دلواتا اے ظفر ہے مقدر کہے بغیر

دیگر

آتا ہے ایسا دشمن وہ تیز بار لے کر
جو سرا اوڑائیں میرا تلوار تیز لیکر

مجنوں کو فیصد کی جو حاجت پڑی جنوں میں
نکلے نہ کیوں ناکہ نشتر ہر خار تیز لے کر

کی دل نے یوں گوارا تیزی تری نگہ کی
پی جائی جیسے بادہ میخوار تیز لے کر

غمزے ہی کی چھری سے ہیں ذبح ہو چکے ہم
تو کیا کرے کا خنجر پیکار تیز لے کر

دل کو مرے جلاتے گرمی سے حسن کے ہیں
آتش ہمیشہ ترے رخسار تیز لے کر

لاتا تو ہے خبر پر آتا ہے میرا قاصد
سو بار سست لے کر یکبار تیز لیکر

تندی خو جو تیری ہووے علاج دل کا
پھر کھائے کیوں دوا یہ بیمار تیز لے کر

زخم جگر میں میرے کیا بھر رہے ہو مرہم
تم پیں رکھو سرچیں دو چار تیز لے کر

خواہان ظفر ہیں دل کے دلبر پچھا ند تو میں
اس جنس کو دکھایا بازار تیز لے کر

دیگر

ہے ابرو پر خم تری شمشیر کی تصویر
بینی بھی ہے سیدھی تری اک تیر کی تصویر

تصویر سے مجنون کے مشابہ ہو عجب کیا
وحشت میں ترے عاشق دلگیر کی تصویر

دل اپنا گرفتہ ہوا حوال پریشان
دیکھی جو تری زلف گرہ گیر کی تصویر

گھر ہے محل خلد سے کیا تیرا مشابہ
گویا وہ مکاں ہے اسی تعمیر کی تصویر

خنجر ہو ترا حلق سینہ میں ترا تیر
یوں چاہیے کھنچی تری تنچلر کی تصویر

حیران رہے خود صورت تصویر مصور
کھنچے اگر اس عالم تصویر کی تصویر

قربان ظفر میں قلم شوق کے اپنے
کھینچے ہے مرے دل پہ مرے پیر کی تصویر

عشق میں کیونکر جبیں ہم اپنا سینہ کوٹکر
جی میں ہے کھائیں ہیرے کا نگینہ کوٹ کر

واوا کیا صانع قدرت نے آنکھوں میں تری
بھر دیے موتی سے اے ماہ شبیہ کوٹکر

تیغ ہمسر تیرے ابرو کے نہ کوئی بن سکے
تیغ گر رہ جائیں لوہا لے قرینہ کوٹکر

ہاتھ ٹوٹیں محتسب تیرے کہ تو نے سنگدل
ریزہ ریزہ کر دیا پتھر سے مینا کوٹکر

گر کبھی ہو وصل کی یکشب تو ہم اس کے عوض
دن گزاریں چھاتی اپنی اک مہینا کوٹکر

پارہ پارہ کر دیا سنگ ستم سے بے ستم
اے پری رو تو نے دل کا آبگینہ کوٹکر

ظلم بد جوہر سے کیا نقصان شریفوں کو ملے
کب گھٹائے قدر لوہا کمینہ کوٹکر

وہ فروغ محبت سے دل کے داغ کا نور
نہ ہو نہ شمع کا اور اس کو نے چراغ کا نور

پڑے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا
تو آفتاب سے مہتاب ہو ایاغ کا نور

نظر لگائے اگر اس کے خال عارض کو
تو یہ دعا ہے کہ اوڑ جائے چشم زاغ کا نور

تجلی چمن میں ہو کیا روشنی صبح بہار
جو دیکھے چہرہ خوبان رشک باغ کا نور

نظر میں وحشیوں کے جوش ماہتاب سے آج
عجب طرح کا ہے دامان کوہ و راغ کا نور

وہ ماہ گر ہو تو اس چاندنی محل سے بھی
زیادہ ہو دے مرے گوشہ فراغ کا نور

ظفر سخن کی مرے روشنی بڑھائی ہے
نگاہ دیدہ یاران خوش دماغ کا نور

جو دل رکھے اور کرے منہ سے بیاں اور
ہر بات پر اس کے ہو مجھے کیوں نہ گماں اور

دن اور ہے رات اور زمین اور زماں اور
رہتے ہیں ز خود رفتہ جہاں ہے وہ جہاں اور

یکبار کئے نذر دل و جاں ترے دونوں
اب کیا تجھے دیں ہم کہ نہ دل اور نہ جاں اور

دے جام پہ گر جام پیاپے مجھے ساقی
میں بس نہ کہوں منہ سے کہے جاؤں کہ ہاں اور

جل جائے گی اے برق نہ ہو دیکھ مقابل
ہے سوختہ جانوں کا دم شعلہ فشاں اور

کچھ چشم تر اور سوز جگر پر نہیں موقوف
افشائے محبت کے بہت سے ہیں نشاں اور

کس طرح غم یار کو میں دل سے نکالوں
جائے یہ کہاں اس کا ٹھکانا ہے کہاں اور

کیا ہوویگا اک چاک کو سینہ کے سیے سے ۔
دل میں تو ہزاروں میں ہیں ابھی زخم نہاں اور

یہ شوق شہادت کی ہے تاثیر کہ قاتل
ہوتی ہے مرے خون سے تری تیغ رواں اور

دوں دل میں جگہ کیونکہ نہ اس پردہ نشین کو
اس سے نہیں بہتر کوئی پردہ کا مکاں اور

محفل سے اوٹھا غیر کو اور اس کی عوض تو
رکھ دے مری چھاتی پہ کوئی سنگ گراں اور

تو گھر کو سدھار اپنے خدا کے لئے ناصح
ہوتا تری زباں سے ہے مجکو خفقاں اور

مینہ خوب برستا ہے جو ہوتی ہے ہوا بند
بہتے ہیں ظفر اشک دم ضبط فغاں اور

ردیف الرائے ہندی

میں نہیں کہتا کہ دل تو نے لیا جان تو چھوڑ
پر خدا کے لیے کافر مرا ایمان تو چھوڑ

مطلع ثانی

بیڑیاں چھوڑ پر زلف پریشان تو چھوڑ
دولت حسن پر تو کوئی نگہبان تو چھوڑ

اسقدر دست درازی نہ کر اے وحشت جنوں
چھوڑ ثابت نہ اگر جیب کو دامان تو چھوڑ

کرتے دنیا کو ہو سامان عبث تم اتنا
غافلو جاؤ گے یاں کا یہیں سامان تو چھوڑ

جنبش ابرو پہ خم سے دل بسمل پہ
ہاتھ اک کھینچ کے شمشیر صفاہان تو چھوڑ

ہووے اس حور لقا پہ جو پری دیوانی
اور اگر کچھ نہ کرے دے وہ پرستان تو چھوڑ

تیر ثابت نہ چھوڑا کوئی دل میں تو نے
پر جگر میں کوئی ٹوٹا ہوا پیکان تو چھوڑ

دل کبوتر ہے مرا جال میں زلفوں کے ترے
تو نچھوڑ اس کو اگر سمجھے ہے گردان تو چھوڑ

شیوہ ا
روش آن وادا اپنی تو اک آن تو چھوڑ

جب کہا میں نے کہ چھوڑونگا نہ میں آج تمھیں
لگے کہنے کہ ذرا پردۂ دالان تو چھوڑ

لے گئے ساتھ ظفر سب وہ مرا صبر و قرار
لیکن البتہ گئے حسرت و ارمان تو چھوڑ

ردیف الزائے معجمہ

یوں ہوا دل میں مرے یار کا پیکان عزیز
جس طرح آیا ہو گھر میں کوئی مہمان عزیز

بخدا اے بت بدکیش کہ ہمکو تجھ سے
نہ تو ہے دین عزیز اور نہ ایمان عزیز

عزت اس روے کتابی کی کرے کیونکر
ہووے کس وجہ مسلمان کو نہ قرآن عزیز

شمع رو جس کے لگے دل کو ترے وصل کی بو
مثل پروانہ اسے اپنی نہیں جان عزیز

ناصحا ہاتھ اوٹھا فکر رفو سے کہ ہمیں — دست وحشت سے نہیں اپنا گریبان عزیز
نہ کھلا ہم پہ یہ مضمون کہ عدم میں جاکر — کیونکہ ہمیں خط نہیں لکھتے کسی عنوان عزیز
اے ظفر ہے وہ ستمکار نہایت سفاک — دل نہ دے اپنا اسے دیکھ کہا مان عزیز

دیگر

کس وقت گھورتا ہے تمہیں یہ غلام تیز — گرتے ہو تیز ہو کے جو ایسے کلام تیز
تیزی ہے میکشوں کی طبیعت میں اور ہی — ساقی شراب دے ہے جو ان کو مدام تیز
لایا جواب خط کا ہے بادیہ کر باصواب — قاصد کا کچھ خوشی سے ادھر ہے خرام تیز
کیا جانے کیا ارادہ ہے ان کا کہ ہر طرف — کاغذ کے دوڑتے لگے گھوڑے مدام تیز
کرتا ہے سنگ سرمہ سے تیغ نگاہ کو — وقت قتل عاشق بے ننگ و نام تیز
کس طرح کوئی ابلق لیلو نہار کو — روکے لگام جائے ہے یہ بدلگام تیز
گرمی ہے کیا ہی یار کے چہرے میں زیر زلف — دیکھا نہ آفتاب کو یوں وقت شام تیز
صیاد و ظلم پیشہ نے کچھ آج بے طرح — کی ہے چھری برائے اسیران دام تیز
تیزی طبع کے لئے مے ہے ظفر مفید — کر دیتا کند ذہن کو ہے ایک جام تیز

دیگر

لے میرے پے قتل نہ تیغ دو دم تیز — تو دونوں بھویں اپنی بنا دیگی خم تیز

مطلع ثانی

معلوم نہیں نامہ میں ہے کیا رقم تیز — جو نامہ پہ آتا ہے اوٹھائے قدم تیز
ست آئے کہ تیز آئے مری آنکھ سے آنسو — بے محکو غم ست ہے اے دل نہ غم تیز
سب حال کہے دے ہے مرا ابن کہے سب سے — کندی حواں اور یہ ہر لحظہ دم تیز
اس عاشق بیدا پہ ستمگر نہ روا دکھ — یہ سستی الطاف اور اتنا ستم تیز
کو دیکھے تجھے یہ کہے واللہ نہ دیکھا — جانا نہ گرم ایسا نہ ایسا صنم تیز
سرکش ہو عدو گر سر میدان کتابت — ہو خنجر تیز اے ظفر اپنا قلم تیز

کر تو خوشی سے حرف و حکایات چند روز — اے یار پھر کہاں کہ یہ ہے بات چند روز
دنیا مثال فاحشہ جاتی ہے جس کے پاس — رہتی ہے اس کے پاس یہ بد ذات چند روز
تو جانے گرم و سرد زمانہ کو اس لئے — گرمی کبھی ہے اور کبھی برسات چند روز
بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا زاہدوں کی طرح — تو اوٹھ کے کر لے سیر خرابات چند روز
ہو جلد ہوشیار کہ جاتے ہیں ہاتھ سے — غافل نشاط و عیش کے مہیات چند روز

کچھ لطف زندگی کا اگر ہے اسی میں ہے | ہے یہ جو دوستونکی ملاقات چند روز
فرصت بہت ہے کم ہے غنیمت سمجھ ظفر | ہنس بول کر بسر ہو تو اوقات چند روز

کرے ہے کس لئے تلوار تو تیز | نظر کیا کم ہے تیری جنگجو تیز
مرے گر زخم کو دھوتا ہے جراح | تو دھوکر لیکر شراب مشکبو تیز
سرچاک جگر دست جنوں نے گل خاک شہید خنجر ناز | کئے ناخن ہیں پھر بعداز رفو تیز
مزا ہو پیسکر زخم جگر میں | رکھے ہے بو برنگ ناز بو تیز
پیام وصل میں ہے یاس و امید | بھرے مرچیں اگر وہ تند خو تیز
ہزار آتش زبان دشمن ہیں لیکن | کبھو ست آئے ہے قاصد کبھو تیز
ظفر سب پر ہے وقت گفتگو تیز

دیگر

گیا نہ ہجر کا دل سے غم و ملال ایک روز | امید وصل میں ہے ہو گیا وصال اک روز
اگر نہ آیا وہ دو چار روز کیا ہو گا | بغیراس کے مجھے ہزار سال اک روزتو زندگی مجھے ہوجاوے
خیال زلف پڑا اگر یوہین خیال مرے | گی و بال ایک روز
خرام ناز سے تو رفتہ رفتہ فتنہ خرام | کرے گا ایک زمانے کو پامال اک روز
چمک چمک کے نہ ہر روز نکلے یوں خورشید | دکھا وے یوں اگر اپنا اسے جمال اک روز
کمال حسن پہ اے مہ جبیں غرور نکر | کہ ہر کمال کے ہے واسطے زوال ایک روز
گلی میں یار کے کر خوب گریہ و زاری | بخار دل کا ظفر اپنے نکال اک روز

دیگر

آج ہے ٹھنڈی ہوا دے تو شراب اک جام تیز | چاہیے ہمکو نشا اے ساقی گلفام تیز
تیزی رفتار سے قاصد کے ہم پر کھل گیا | آج لایا ہے وہاں سے کچھ نہ کچھ پیغام تیز
قتل کو میرے نگاہ تیز کافی تھی تری | اے ستمگر تو نے کس واسطے صمصام تیز
غیر سے آہستگی میں بات کرنی پیار سے | اور ہم سے بولنا یوں اے بت خود کام تیز
جوش وحشت میں ترے مجنونکو یہ پرواہ نہیں | خار درپا ہیں صحرا میں سربگام تیز
گرمی رخسار تیری ہے قیامت زیر زلف | اسقدر ہوتا نہیں خورشید وقت شام تیز
بوسہ مانگو تو طبعیت اس کی ہو جاتی ہے کند | اے ظفر ہو جائے ہے دینے کو دشنام تیز

یوں سیہ تن پہ زلف شکن در شکن دراز
چاہ عقیق کے لیے جیسے رسن دراز

عاشق کو تیرے ہوگا نہ آرام جیتے جی
جا کر کرے گا پانوں وہ زیر کفن دراز

ناحق زبان شمع یہ گلگیر کٹتا
کرتے نہ وہ زبان جو سر انجمن راز

بارے کیا وے تیشہ آخر نے مختصر
تھا جو کہ قصہ عشق کہ اے کوہکن دراز

مارے ہے بے زبان دہن زخم لاف عشق
یہ تو زبان دراز نہیں ہے دہن دارز

تشبیہ اس کو دوں قد موزوں سے کیا ترے

جانے دے تو نہ چھیڑ ظفر ذکر زلف یار
ہو جائے گا زیادہ وگرنہ سخن دراز

بارش کے تار ہیں مرے مژگان تر کا عکس
خورشید چرخ ہے مرے داغ جگر کا عکس

تالاب پر وہ ماہ جو دیکھے ہے چاندنی
پانی میں رقص کرتا ہے کیا کیا قمر کا عکس

رخسار تر آئینہ ہے جس میں خط سبز
طوطی باغ حسن کا ہے بال و پر کا عکس

مہ گھر میں آفتاب کے ہے یا کہ جلوہ گر
جام شراب میں ہے رخ سیمبر کا عکس

کہتے ہیں آپ کو وہ ہنرور زمانہ میں
جن پر کبھی پڑا بھی نہیں ہنر کا عکس

سمجھو نہ اس کو عقد ثریا فلک پہ ہے
اس ماہ جبیں کے کان کے عقد گہر کا عکس

وہ آئینہ میں اپنا اور اپنے ظفر کا عکس

دیگر

ہرتا رزلف کھول نہ اے خود پسند بس
بس ہو چکے ہزاروں اسیر کمند بس

جس کو سناؤں درد دل آئے نہ اس کو تاب
سنتے ہی یہ کہے کہ بس اے دردمند بس

برباد خاک ہو چکی اس خاکسار کی
اے شہسوار روک عنان سمند بس

اس روئے آتشیں پہ جو خال آ گیا نظر
بس بس اب آگے کیجئے زبان اپنی بد بس

اتنی زبان دراز نہ ہویاں بھی ہے زبان
اے آہ سوزناک نہ ہو تو بلند بس

ڈرتا ہوں جل نہ جاوے کہیں خیمہ فلک
تم آج پی گئے ظفر اس سے دو چند بس

رکھ دے پیالہ جتنے کہ پیتے تھے روز مے

دیگر

سناؤ اور جو تم دل کو اس غریب کے بس
یہ خاک ہو تو چکا رشک سے رقیب کے بس

نہ ہو جو اصل نصیبوں میں کیا چلے تدبیر
کسو کا چلتا نہیں آگے کچھ نصیب کے بس

رہے محلہ میں بھی اس کے ہم تو دور رہے
گئے جو غیر مکانوں میں سب قریب کے بس

خدا پہ چھوڑ دو بیمار عشق کو اپنے
علاج دیکھ چکے تم ہر اک طبیب کے بس

نہ مشک میں تھی یہ خوشبو نہ آگے عنبر میں
گئے ہیں طرہ مشکیں سے اس حبیب کے بس

ذرا بھی پائی نہ گرمی گلو کے دل میں صبا
یہی تھی نالہ پر سوز عندلیب کے بس

کہے ہے عشق ظفر عقل کا نہ مان کہا
تمام ہو چکے آداب اس ادیب کے بس

جمع کر سکتے نہیں صاحب تدبیر حواس
منتشر کرتی ہے جب گردش تقدیر حواس

کہو اس رعد فرشتے سے نہ غرا اتنا
تیرے کھو دیگا مرا نالہ شبگیر حواس

لائے زنداں میں جب اس زلف کے سودائی کو
اور ابھی اس کے گئے دیکھ کے زنجیر حواس

تجھے بیجا و بجا خاک کہ پیری کے سبب
رہے تیرے نہ بجا اے فلک پیر حواس

دل کی دل ہی میں رہی منہ سے نہ کچھ دل کی کہی
گم ہوئے سامنے اس کے دم تقریر حواس

تیغ ابرو سے ہمیں سینہ سپر میں ورنہ
اچھا چھوٹے اوڑا دیتی ہے شمشیر حواس

نہیں معلوم ظفر یاد ہے اس کو کیا پیچ
کہ بھلا دیتی ہے وہ زلف گرہ گیر حواس

بعد آزادی بھی دے ہے رنج تاثیر قفس
ہوش اڑ جاتے ہیں گر دیکھوں ہوں تصویر قفس

تم چمن میں کر رہے ہیں آشیاں اپنا درست
کرتا ہے صیاد فکر دام و تدبیر قفس

سیکڑوں جانیں ترے ہاتھوں سے اے صیاد وش
یوں گرفتاری میں ہیں جیسے عصافیر قفس

باد شاخ گل دلا کر کو کرتی ہے نگار
ہے بجا چوب قفس کو گر کہوں تیر قفس

جبکہ بلبل کر دیا منصب ہزاری عشق نے
کی مقرر اس کی خاطر پہلے جاگیر قفس

مجکو صیاد جفا پیشہ نے ڈالا قید میں
نے قصور دام ہے اس میں نہ تقصیر قفس

شاخ گل میں چاہیے لٹکانا اس کا اے ظفر
بڑھتی اس لٹکے سے ہے بلبل کی توقیر قفس

باب الشین معجمہ

اشکوں سے مرے رہتی ہے دن رات کی بارش
برسوں سے یہاں ہے یونہیں برسات کی بارش

آتے ہیں خیال اتنے محبت میں تمہارے
رکھتی ہے مرے دل پہ خیالات کی بارش

رونے سے مرے یار کو یاں آنے سے روکا
مانع ہوئی افسوس ملاقات کی بارش

اب اس کے عوض گالیوں کی رہتی ہے بوچھار
تھی آگے جو الطاف عنایات کی بارش

ہے ابرو و مژگاں سے ترے دل پہ ہمارے
تیروں کی سی کثرت سے اشارات کی بارش

میٹے مرے اگر شیخ میں کچھ بھی ہو کرامت
ہوتی نہیں باتوں سے کرامات کی بارش

کیچڑ ہو کہ پانی وہیں ہو جائیگے ظفر ہم
کب روکتی ہے راہ خرابات کی بارش

دیگر

نہ خبر لی مری اس بیخبری کوشاباش
مرگیا میں تری بیدادگری کوشاباش

نامہ بر لے ہی کے تو آنا مرے خط کا جواب
آفریں تجکو ترے نامہ بری کوشاباش

خوب اس زلف کے سودے میں دلا تو اولجھا
تجکو اور اس تری آشفتہ سری کوشاباش

کیا پرواز کی تکلیف سے آزاد مجھے
کہوں کس طرح نہ بے بال و پری کوشاباش

نظر مہر سے اس مہر لقا نے دیکھا
کچھ تو تاثیر کی آہ سحری کوشاباش

عیب جوئی میں ہیں جو اہل ہنر کے اونسے
مجھے محفوظ رکھا بےہنری کوشاباش

دل سے جاتا ہی نہیں تیرے ظفر اس کا خیال
خوب شیشہ میں اتارا ہے پری کوشاباش

دیگر

کیا ابر و بہار سے ساقی نسیم خوش
رکھی ہے دیکھ دوش پر اپنے گلیم خوش

خوش آئی بوے مشک کسی جب دماغ سے
اس زلف عنبریں کے بھری ہو شمیم خوش

ان تیرے سرخوشوں کے لئے کوئی میفروش
آب و ہوائے خوش سے ہے ساقی نعیم خوش

تیرے مریض عشق کو مرنے کی ہے خوشی
دیکھا سوائے اس کے نہ کوئی سقیم خوش

گر ہو پسند اے سہ پردہ نشیں تجھے
ہے چشم منتظر مری خوش دل حریم خوش

بیت الحزن میں یار ترے غمزدوں کے پاس
ہے داغ ہمنشیں خوش مرغم ندیم خوش

جو ہے یہاں مسافر ناخوش ہے اے ظفر
پایا نہ اس سرا میں کوئی بھی مقیم خوش

تمکو بے بوسے دل اپنا دوں چہ خوش
تم ہو خوش میں وا ناخوش ہوں چہ خوش

میں ن خوشامد بھی اگر اس کی کروں
ہو کے وہ ناخوش کہے ہے یوں چہ خوش

ہے وہ جاناں دشمن جانی مرا
دوست اپنا اس کو میں جانوں چہ خوش

تو پیہ خوش خوش دہان غیروں میں مے
کھاؤں میں یاں رشک سے افیوں چہ خوش

اٹھ گیا جو پاس کر کے غیر کا
اس کو پھر میں پاس بٹھلاؤں چہ خوش

وادی وحشت میں میری طرح سے
خاک اڑائے تو بھی اے مجنوں چہ خوش

وہ خطاداروں میں ٹھہرائیں مجھے
ان کو میں خط لکھ کے بھجواؤں چہ خوش

ہوں وہ حشل زلف بر ہم اور میں
ان کی زلفوں کی بلائیں لوں چہ خوش

اے ظفر دامن سے اس سفاک کے
کوئی دھوڈالے ہمارا خوں چہ خوش

جیسے نکالی تو نے ہے جائے نمشیں تراش
لاکھوں حسیں ہیں ایک کی ایسی نہیں تراش

کرتی ہے اس کی ساعد نرک سے ہمسری
کچینکوں چمن سے شاخ گل یاسمیں تراش

دل کو تراشا کاوش مژگاں نے اس کے یوں
جیسے تراشا ہے نگیں کو نگیں تراش

بوسے کو اس زمین کے فلک سے جھکے ہلال
جس جائے چھینکے ما حسن ماہ جبیں تراش

یک قطرہ خوں نہیں غم واندوہ کے سوا
باور اگر نہیں دل اندوہگیں تراش

سردہ کوئی س مجھ کے دل سرد کو مرے
ڈر ہے کہ وہ چھری نہ ڈالے کہیں تراش

منظور ہے ظفر کو لکھے وصف چشم یار
نرگس کے دے قلم کوئی اے نمشیں تراش

دیگر

تیرے وہ ام خدا ہے صنم سنگ تراش
بت تراشی نہ کریں دیکھا سے سنگ تراش

باغبان دیکھنا انگشت پہ فندق جو تری
ڈالتا رشک سے شاخ گل اورنج تراش

جنگجویوں کو جو حق ہے لڑائی منظور
دل سے مضمون گرنی لیتے ہیں پے جنگ تراش

دست نازک کو نگر رنجہ ادھر لا شمشیر
دکھ دے سر آپ ہی تا عاشق بینگ تراش

تیغ سے موج تبسم کے مرا غنچہ دہن
باغ میں دے جگر غنچہ دل تنگ تراش

اس کے خاتم کے لئے پارہ دل سے مرے
اے نگیں ساز نگیں لعل کا خوش رنگ تراش

خوشنویس ایسا ہے تو دیکھ کے ہوتے ہیں خجل
تیرے خامہ کے ظفر صاحب فرہنگ تراش

دیگر

نہو کیوں تجھ بزم عشرت میں گردش
کہ جوں ساغر مے ہے قیمت میں گردش

بھنور کی طرح رکھتی ہے آشنائی
مرے ساتھ بحر محبت میں گردش

وہ کب ٹھہرتے ہیں زمیں پر کہ جنکے
فلک کی طرح ہے طبعیت میں گردش

جلا شمع کے گرد پروانہ پھر کر
ہوئی رہنما سوز الفت میں گردش

بگولے کے مانند مجکو ہمیشہ
لئے پھرتی ہے دشت وحشت میں گردش

پھرا مہر زردار ہو کر جہاں میں
رہے اہل دولت کو دولت میں گردش

ظفر ہم جو رہتے ہیں آوارگی میں
نصیبوں کی ہے یہ حقیقت میں گردش

ردیف الصاد مہملہ
کیوں نہ غم کھائے کہ ہے اس کی یہی خوراک خاص

میرے غمخواروں میں ہے میرا دل غمناک خاک
پر یہ میرا صید دل ہے قابل فتراک خاص

اور یوں تو ہزاروں ہیں شکارا ے شہسوار
پر یہ میرا صید دل ہے قابل فتراک خاص

وہ سمند ناز کو کرتا ہے کیا کیا گرم خیز
ہے اسی کے واسطے یہ توسن چالاک خاص

قاصدان اشک جو رہتے رواں ہیں رات دن
واسطے دل کے خبر لانے کی ہے یہ ڈاک خاص

ابر نیساں سے برستے کب کب ہیں لعل لخت دل
یہ تو ہیں برسانے والے دیدۂ غمناک خاص

خاکساروں میں تم اپنے خاص کہتے ہو ہمیں
اور ملتے ہیں سوا ہم خاک میں ہیں خاک خاص

یوں قتل عام کرتے ہیں وہ سب ناز و ادا
پر ظفر اس کام کا ہے غمزۂ سفاک خاص

سمجھتا ہے جسے یاروں میں تو خاص
تری ہوتی ہے اس سے گفتگو خاص

حسیں تو اور بھی ہیں خاصے خاصے
مگر سب میں ہے تو اے ماہرو خاص

مرے چاک جگر کے واسطے ہے
مگر سب میں ہے تو اے ماہرو خاص

جلانا عاشق شیدا کو ناحق
ترا تار رفو خاص

کرم ہے عام تیرا پر مجھی پر
یہ ہے تری ہی خوئے شعلہ خاص

گلی میں تیرے جائیں دوست کیونکر
ستم کرتا ہے تو اے جنگجو خاص

یہی ہے اب خاصہ عاشقوں کا
کہ وہ تو ہو گئی جائے عدو خاص

ظفر پیتے ہیں وہ دل کا لہو خاص

دیگر

دیکھا سو بار یہاں ماہ پر انوار میں نقص
لیک پایا نہ کبھی ہم نے رخ یار میں نقص

سرد مہری میں جو گرم ہو آتش خو
ہے یہ مرے آتش آہ شرربار میں نقص

سخت جانوں پہ نکر وار کہ جی ڈرتا ہے
کہیں آ جائے نہ قاتل تری تلوار میں نقص

سبزۂ صحن چمن اور ہوا زیب چمن
خط سے آیا نہ بہار گل رخسار میں نقص

کہتے تھے رہنے کو دو روز نہ ٹھہرے اک دم
واہ اے عہد شکن اتنا بھی اقرار میں نقص

کھولدے طرۂ مشکیں کی جو تو ایک گرہ
سمجھے وہ اپنا کمالات کے اظہار میں نقص

کرے ظاہر نہ کمال اپنے ظفر اہل کمال

دیگر

لگ گیا کاری جگر پر جس کے زخم تیر حرص
دم رہا جب تک رہا بیتاب وہ نخچیر حرص

حرص کے ہاتھوں نہ کیونکر کشمکش میں ہوں حریص
حرص دامنگیر ان کی وہ ہیں دامن گیر حرص

سیکڑوں قیصر و محل بنجائیں گے اور بن گئے
پر نہیں ہونے کی پوری معموری تعمیر حرص

رکھیں میدان توکل میں قدم کیا وہ حریص
جو کہ ہیں روز ازل سے پائے در زنجیر حرص

مال کے بھوکے ہیں لیکن مال قسمت میں کہاں
اہل دنیا کھاتے ہیں تیر ہوس شمشیر حرص

رکھتے ہیں ذلت روا اپنی جو دنیا میں حریص
یہ قصور ان کا نہیں اے ظفر تقصیر حرص

سب آفتیں بری نہیں پر الفت علی الخصوص
سب غم ہیں سخت پر الفت علی الخصوص

ہر ناز و غمزہ اس کا قیامت سے کم نہیں
اور پھر وہ جلوہ قد رقامت علی الخصوص

کوئی ہے چشم یار جب ایمائے قتل عام
ہوتی مرے طرف ہے اشارت علی الخصوص

ہے صاف جوش میں نقصان آبرو
اور پھر یہ آمیں گریہ کی شدت علی الخصوص

ہم وحشیوں کو چمن سے وحشت بنا چکی
اور اس نگاہ و چشم کی وحشت علی الخصوص

سب ان کے ناپسند مضامین دوستی
اور اس میں دشمنوں کی شکایت علی الخصوص

جتنے کہ شیوہ خوب تھے دنیا سے اٹھ گئے
اور اے ظفر طریق مروت علی الخصوص

ردیف الضاد معجمہ

رکھتا نہیں ہے ہم سے جو وہ بیوفا غرض
تو ہم بھی بیغرض ہیں ہمیں سا سے کیا غرض

ہم ان کے ملتجی ہوں نہ کیوں وصل کے لیے
دنیا میں کب نکلتی ہے بے التجا غرض

مطلب نہ ظلم سے ہے نہ تیرے ستم سے کام
ہم کو وفا سے اپنی ہے اے پر جفا غرض

کام اپنا ہو گیا نگہ یار سے تمام
اب تجھ سے کیا رہی ہے ہمیں اے قضا غرض

ناحق بناؤں اپنے لئے اور مدعی
کیا جاؤں میں وہاں مجھے کچھ مدعا غرض

کوئی برا کہے ہمیں یا عشق میں بھلا
ہم کو برے بھلے سے نہیں ناصحا غرض

ہم اس چمن میں غنچۂ تصویر ہیں ہمیں
مطلب نسیم سے ہے نہ تجھ سے صبا غرض

دل جانتا ہے جیسے یہ کافر ہیں سنگدل
ڈالے نہ ان بتوں سے کسی کی خدا غرض

کیا حال آشناؤں کا تجھ سے ظفر کہوں
ہیں آشنا غرض کے یا آشنا غرض

دیگر

ساقیا ہونچے ہے تیرے جام سے عالم کو فیض
منہ نہیں ہم کو لگاتا اک نہیں ہے ہم کو فیض

ہوں نہ صاحب دل کبھی محتاج فیض جام جم
بلکہ ان کے ساغر دل سے ہو جام جم کو فیض

رکھتی ہے جاری ہمیشہ آنسوں سے فیض نہر
دیکھنا منظور ہے کیا میری چشم نم کو فیض

عشق میں ہے بس غنیمت ہم کو غم اور غم کو ہم
پہونچا ہے غم سے ہمکو فیض ہم سے غم کو فیض

ہو تو شاید کچھ تمہارے ہی لب جاں بخش سے
ورنہ ہو عیسی سے کیا اس عاشق بیدم کو فیض

عمر بھر کھایا کیے تم حضرت دل پیچ و تاب
کیا اوٹھایا چھوڑ کر اس کاکل پرخم کو فیض

ہے نکات فیہ من روحی سے ظاہر اے ظفر
جو کہ پہونچا خالق کونین سے آدم کو فیض

دیگر

تیرے دیوانہ کو کیا گانے بجانے سے غرض ۔ سینہ کوبی سے غرض شوق مچانے سے غرض

مطلع ثانی

سوزش دل کے بجھانے سے نہیں ہمکو غرض ۔ بلکہ رونے سے غرض آنسو بہانیسے غرض

خط لکھیں کیوں نہ انہیں نصف ملاقات ہے خط ۔ ہے ہمیں شوق ملاقات جتانے سے غرض

پر کدورت ہو کہ ہے صاف ترا دل لیکن ۔ ہمکو کوچے میں ترے خاک اڑانے سے غرض

اپنے گھر آج مرے گھر سے ہے جانا منظور ۔ ورنہ کیا غسل کے ہے انکو بہانے سے غرض

میری باتوں میں اگر ہووے نہ بو الفت کی ۔ تو پھر اس شوخ کو کیا ناک چڑھانے سے غرض

دے کے دل اپنا اسے اب سے ہوے بے پروا ۔ ہم نہیں رکھتے ظفر ایک زمانے سے غرض

ردیف الطائے مہملہ

کس کس کے نام آئے ہیں اس عشوہ گر کے خط ۔ ہیں آج دونوں ہاتھوں میں جو نامہ بر کے خط

مطلع ثانی

دلوادے یاد کوئی انہیں یاد کر کے خط ۔ تکیہ تلے وہ بھول گئے میرا دھر کے خط

تاباں ہیں نور عشق سے مثل خطوط مہر ۔ ہیں گرد جو نہوں سے داغ جگر کے خط

کرتا ہے کہکشاں کو شب تار میں خجل ۔ اس مہ جبیں کے مانگ کا بالو نمیں سر کے خط

سو ٹکڑے دل کے ہو گئے پر جسم پر کہیں ۔ ظاہر پڑا نہ وار سے تیغ نظر کے خط

حال اپنا لکھ کے آئے جو روتا کبھی مجھے ۔ بہ جائے خوش گریہ اس چشم تر کے خط

تاثیر کچھ تو کی ہے مرے دود آہ نے ۔ آیا نکل جو رخ پہ ہے اس سیمبر کے خط

ہے یہ خطر کہ تکڑے نہ قاصد کے دے اوڑا ۔ پھینکا بلا سے قینچی سے اس نے کتر کے خط

ہوں لاکھ خوشنویس اگر خط نسخ میں ۔ پر ہر کسیکا خوب نہ خط سے ظفر کے خط

دیگر

جب لکھا اسے عذر مین تقصیر کے خط ۔ اس خطا وار کا پھینک اس نے دیا چیر کے خط

خط کے پہونچانیکی قاصد سے نہیں ہے امید ۔ بھیجتے ہم تو بھروسے پہ ہیں تقدیر کے خط

اللہ اللہ ری نزاکت کہ رخ نازک پر ۔ پڑ تے بالوں سے ہیں اس زلف گرہ گیر کے خط

دسترس ہاتھ تک اس کے جو نہیں قاصد کو
رکھ تو دے سامنے وہ اس بت بے پیر کے خط

سرد مہری کے جتانے کا یہی ہے عنواں
اس نے لکھا مجھے کاغذ پہ جو کشمیر کے خط

جس نے تصویر پہ دیکھا نہ کبھی ہو ہالہ
دیکھے چہرہ پہ وہ اس عالم تصویر کے خط

جس کا خط آپ کبوتر از شوق سے ہو
باندھے بازو پہ وہ کیوں مرغ ہوا گیر کے خط

ہے سپر اس کی حفاظت تو بدن پر تیرے
نہ پڑے ایک بھی سو وار سے شمشیر کے خط

شوق پابوس کہ دیکھا جو ظفر ہر خط میں
اسنے تلووں سے ملے عاشق دلگیر کے خط

دیگر

زر ہے کیا میہروں کی ہے ملاقات شرط
بلکہ نقد دل و جاں بھی ہے مدارات کو شرط

رکھتے ہر وقت ہیں جو لطف و کرم کا شیوہ
ہوتا اک وقت نہیں ان کی عنایات کو شرط

کچھ تپش دل میں ہو تو چشم سے برسیں آنسو
یعنی ہاں تھوڑی سی گرمی بھی ہے برسات شرط

نعمت خلد ہے موقوف کرم پر اس کے
ترک کرنا نہیں دنیا کی ہے لذات کو شرط

نہیں بیوقت کوئی امر کہ از بہر نماز
ضبط اوقات ہے مردان خوش اوقات کو شرط

سر کا رکھنا نہیں آساں تہ شمشیر ستم
اے ستمگار اک حوصلہ اس بات کو شرط

جانے دل زلف میں بے داغ جنت کیونکر
کہ چراغ از پے رہبر ہرو ہے ظفر رات کو شرط

دیگر

اونکی ظاہر آشنائی ہے فقط
ورنہ پنہاں بیوفائی ہے فقط

کیوں لڑائی آنکھ اسنے غیر سے
میرے اس کے یہ لڑائی ہے فقط

دل کو سودا ہے جو غش ہے زلف پر
اس میں کیا ہے کج ادائی ہے فقط

ہمکو کافی منزل مقصود تک
عشق ہی کی رہنمائی ہے فقط

جان تک دیگا جلا یہ سوز عشق
آگ بھی دل میں لگائی ہے فقط

گر سخن میں عشق کی گرمی نہیں
اے ظفر ہرزہ درائی ہے فقط

کیا لکھوں قاصد اے اشکوں کی طغیانی میں خط
حرف مٹ جائیں گے سارے بھیگ کر پانی میں خط

ہو لکھا تقدیر کا معلوم کس عنوان ہمیں
وہ پڑھا جاتا نہیں ہے جو کہ پیشانی میں خط

قتل کرنے کو ہمارے کم نہیں شمشیر سے
ہمدموں سرمہ کا چشم دلبر جانی میں خط

کیا قبا ہے پڑا تو ہے کام مجنوں کو کہ ہیں
ناخن دست جنوں سے تن پہ عریانی میں خط

ہم ترے روئے کتابی کو ہیں مصحف جانتے
ملتا ہے عارض کا تیرے خط قرانی میں خط

بندھ گیا ہے جب سے اس زلف پریشان کا خیال
ہم شکستہ لکھتے ہیں اکثر پریشانی میں خط

صفحہ عالم پہ ہیں جتنے سوا اس اے ظفر
لکھتے ہیں تیری غلامی کا تجھ دا اثر میں خط

ردیف الظائے معجمہ

ہم تو چلتے ہیں لو خدا حافظ
بتکدہ کا بتو خدا حافظ جاؤ بس ناصحو خدا حافظ

کر چکے تم نصیحتیں ہم کو
سنتے ہیں گفتگو خدا حافظ

آج کچھ اور طرح پر ان کی
دل کا چارہ گرو خدا حافظ

گر یہی ہیں ہمیشہ زخم پہ زخم
دم رخصت کہو خدا حافظ

کیوں نہ رخصت ہو دم مرا جب تم
دل بیتاب کو خدا حافظ

آج ہے کچھ زیادہ بیتابی
ہر نفس جبکہ ہو خدا حافظ

کیوں حفاظت ہم اور کی ڈھونڈیں

چاہے رخصت جو راہ عشق میں عق ,
اے ظفر جاتے وو خدا حافظ

ردیف العین

صنم کو میں نے دیکھا خواب میں جاگے مرے طالع
تماشا اک خدائی کا نظر آیا زہے طالع

نصیب اس مہروش کا وصل ہے ان کو کہ میں جن کو
بھلے دن اور بھلی قسمت بھلے بخت اور بھلے طالع

میرے گھر آتے آتے رات کو وہ پھر گئے اولٹے
کچھ ایسے یک بیک برگشتہ میرے ہو گئے طالع

نکل بھاگے گا ہو یگا اگر چہ سات تالو میں
پر پریوا ایسے ہیں گردش میں اس دیوانہ کے طالع

لگایا منہ سے اپنے جام مے اے ماہرو تو نے
تماشا ہے کہ یکجا مہر و مہ دونوں ہوے طالع

خدا لایا لب بام اس بت خورشید طلعت کو
وگر نہ میرے تو یارو بلند ایسے نہ تھے طالع

بھلائی کے عوض وہ جو برائی ہم سے کرتے ہیں
قصور ان کا ظفر کیا ہے کہ ہیں اپنے برے طالع

دیگر

کاذت اس طرح سے دنیا کی ہو خیرات میں رفع
جو غبار آندھی کا ہو جائے ہے برسات میں رفع

وہ لبوں میں ترے اعجاز مسیحائی ہے
کہ صدا آزاد اگر ہوں تو ہوں اک بات میں رفع

جام مے تک نہیں پہونچی ابھی نوبت کہ ہوئی
رنج میخوار کی ساقی کی ملاقات میں رفع

کیوں لگاتا نہیں تو کھینچ کے قاتل شمشیر
قصہ یک عمر کا تا ہوا ابھی اک بات میں رفع

واعظا فائدہ کیا مدرسہ میں بک بک سے
شبہ جو دل کا ہے ہوگا وہ خرابات میں رفع

وہ رہیں آ گے اگر شب کو ہمارے گھر میں
اگلے پچھلے گلے سب انسے ہوں اک رات میں رفع

مدد اے فخر جہاں تا ہوں ظفر کے دل میں
سب ملال آپ کے الطاف وعنایات میں رفع

نہ آبرو کی طمع ہے نہ گھر نہ در کی طمع
جو بد معاش ہیں ان کو ہے مال و زر کی طمع

مطلع ثانی

نہیں ہے ہمکو سوا وصل سیمبر کی طمع
فقط ہے عین عنایت سے اک نظر کی طمع

رواں ہو پر جو اگر لیکے دل کا قاصد اشک
نہ کچھ ہو نامہ کی حاجت نہ نامہ بر کی طمع

طمع کا چھوڑنا آساں نہیں کہ زیر زمیں
بشر کے ساتھ ہی جائے ہے یہ بشر کی طمع

تصور لب و دندان یار کی دولت
نہ ہم کو لعل کی خواہش نہ ہے گہر کی طمع

مگس کی طرح سے چپکے گا منہ کو اے طماع
مگر حلاوت دنیا سے تو شکر کی طمع

اوٹھا چکا ترا عاشق ہے دو جہاں سے ہاتھ
نہ اب ادھر کا ہے لالچ نہ ہے ادھر کی طمع

وہ تیرے محو دہان و کمر کا پوچھے حال
نہ اب ادھر کا ہے لالچ نہ ہے ادھر کی طمع

شکست دیجے کسی طرح نفس سرکش کو
نہیں ہے اس کے سوا اور کچھ ظفر کی طمع

دیگر

ہو گیا دل صنم ہوش ربا کے تابع
کیا کریں ہم کہ ہیں مرضی خدا کے تابع

کوئی جاناں کی ہوا سے نہیں جائے گا خلاف
دل پر سوز کہ ہے شعلہ ہوا کے تابع

ہم تو مرنیکو ہیں موجود اگر آئے قضا
پر قضا اپنی ہے اس تیغ ادا کے تابع

خواہ آزاد کرے خواہ گرفتار رکھے
دل سودا زدہ ہے زلف دوتا کے تابع

دیکھیے رخصت نظارہ ادھر ہو کہ نہو
نگہ یار تو ہے شرم و حیا کے تابع

میں رہ عشق میں ہوں کیوں جنوں کا محکوم
راہ رو چاہیے ہو راہنما کے تابع

کوئی آتی ہے ظفر لب پہ شکایت ان کی
جو کہ ہر حال میں ہیں اس کی رضا کے تابع

دیگر

جگر کے داغ سے ہے جو مرے کنارہ میں شمع
یہ کام آئے کی تاریکی مزار میں شمع

مطلع ثانی

جو سوز آہ ہو دلہائے داغدار میں شمع
تو چاہیے اسے بیکار شعلہ زار میں شمع

جلے ہیں آتش رشک عدم سے ہم ہر شب
بنایا عشق نے کیا ہمکو بزم یار میں شمع

مقابل اس رخ روشن سے ہو قمر کیا تاب
کہو تو کہدے زباں سے یہ شب ہزار میں شمع

عجب نہیں یہ اگر میرے صرصر نالہ
بجھا دے مہر کی اس نیلگوں حصار میں شمع

وہ روئے رات کو یہ رات دن رہے گریاں
سمائے کیونکہ مری اشکبار میں شمع

جو آہ میری نہو شعلہ ور تو کون مجھے
دکھائے شب کو محبت کی رہگذار میں شمع

وہ زیب بزم جو آتا نہیں شب وعدہ
تو رات کاٹے ہے سولی پہ انتظار میں شمع

جلائے کون ظفر کو کسی کی تربت پر
سوائے سوز محبت کے کوہسار میں شمع

ردیف العین معجمہ

ہم کو نہیں رہی ہوس گل ہوائے باغ
گل اشک خوں ہیں تختہ دامن بجائے باغ

دل اس قدر ہے بند غم ہجر میں کہ ہے
زنداں سے تنگ تر مرے حق میں فضائے باغ

دو پھول بھی مزار پہ وہ نکلے نہیں فلک
لیکر زمیں جنھوں نے ہزاروں بنائے باغ

نا باغ ہم نہ ہو سکے قفس ہی میں مر گئے
کہ کر کہ ہائے ہائے چمن ہائے ہائے باغ

منظور سیر باغ اگر ہو تو آب مجھے
داغوں سیاہ پنے سینہ کے عاشق دکھائے باغ

پھر جام ساقیا کہیں جلدی کہ پھر کہاں
یہ گل یہ سبزہ اور یہ ٹھنڈی ہوئے باغ

وہ رشک باغ پاس نہیں اپنے اے ظفر
کیا گل خوش آئے اور ہمیں کیا خوش آئے باغ

تو نے جسے کہدیا اے بت پرفن دروغ
بات اگر سچ بھی تھی وہ تو گئی بن دروغ

دل کو یہ ڈس لیتی ہے جانتا ہوں خوب اسے
میں نہیں کہتا تری زلف کو ناگن دروغ

دوست جو سچے وہ ہیں ایک بناور کریں
بات بنائیں ہزار آن کے دشمن دروغ

ہو گے جنت تم سے نہ سچے کبھی
دیتی ہے ہمکو جتا آپ کی چتوں دروغ

گل کو ہے نسبت کہاں اس ترے رخسار سے
بولتے شاعر ہیں اے غیرت گلشن دروغ

لکھے کو تقدیر کے جانتے ہیں ہم تو سچ
پوتھی میں جو ہے ترے ہے وہ برہمن دروغ

درد دل اپنا نہ کہہ تو ناسخ بیدرد سے
جانتا ہے اے ظفر اس کو یہ ہے کو دن دروغ

کیا جو ڈھونڈھنے خط لے کے اس کے گھر کا سراغ
ہوا جہاں سے گم میرے نامہ کا سراغ

وہ گم ہوا آپ عنقا کی طرح جو ڈھونڈھے
ترے دہن کا نشاں اور تیری کمر کا سراغ

ہر اشک دیدہ میں خوں ہو کے بہہ لیتا ایسے
ملا نہ سینہ میں میرے دل و جگر کا سراغ

عدو کے گھر میں جو کچھ آئی روشنی سی نظر
تو پایا ہم نے شب اس غیرت قمر کا سراغ

زمیں سے تا بفلک ڈھونڈھتے پھرتے لیکن
نہ پایا آہ نے میرے کہیں اثر کا سراغ

جو راہ گم شدہ میں ہو ہم سفر اپنا
تو مثل عمر گذشتہ ہو گم خضر کا سراغ

گیا جو کشور ہستی سے سوئے ملک عدم
ظفر کسی نے نہ پایا پھر اس بشر کا سراغ

دیگر

عشق سفاک اگر کھینچ لے میدان میں تیغ
آئے رستم کے بھی مردوں کے نہ پھر جان میں تیغ

ساقیا دے پر جام مئے ناب شتاب
کھینچے ہے موج ہوا مجھ پہ گلستاں میں تیغ

جیسے برندہ ہے قاتل تری تیغ ابرو
نہ خراسان میں ہے ایسی نہ صفاہاں میں تیغ

نہ تہ ہد تری تیز ہو جس دم قاتل
ایک عالم کو کرے قتل یک آن میں تیغ

دونوں مائل ہیں اس ابرو پہ خدا خیر کرے
مجھے ڈر ہے کہ نہ چلجائے دل و جان میں تیغ

چشم کافر ہے تیری رہزن ایمان ظالم
اور غمزہ ہے کف رہزن ایمان میں تیغ

ظفر آسان نہیں قابو میں زبان کا رکھنا
آئی مشکل سے ہے یہ قبضہ انساں میں تیغ

دیگر

چل کر یہ پھر رکتی نہیں ایک آن تیغ
گویا ہے تیری تیغ زبان بے میان تیغ

دم عشق کا بھرے کبھی ہرگز نہ بلہوس
کھینچے اگر وہ اپنی لئے امتحان تیغ

اوسان اپنے اوڑتے ہیں ہے آج کیا سبب
تم سان پر لگاتے ہو اے مہربان تیغ

ہمسر نہ تیری ابرو پر خم سے بن سکے
گرچہ بنائے تیغ گر اصفہان تیغ

بیماہ تو نہیں ترے دورے میں مہ جبیں
چمکا رہا ہے سر پہ مرے آسمان تیغ

میری نگاہ ہے غضب دیکھ کر جسے
خنجر تو الحفیظ ہے الامان تیغ

لکھ بحر و قافیا کو بدل کر ظفر غزل
تیزی میں تیرے ہے قلم و زبان تیغ

او گل کے کوئی ہے دو ٹکڑے دل کے صاف ہے تیغ
تیری نگاہ کوئی سپر خوش غلاف ہے تیغ ط

سوال بوسہ ابرو کیا کب میں نے
جو مجھ پہ کھینچتا وہ ہو کے بر خلاف ہے تیغ

ہمیشہ سینہ بسینہ ہیں ہم بھی سینہ سپر
اگرچہ کھلی وہ سینہ سے تا بناف ہے تیغ

الٰہی سرمہ دنبالہ دار ہے کس پر
یہ اس کی چشم نے کھینچی پے مصاف ہے تیغ

وہ چین دیکھ کے ابرو پہ لا نہیں سکتے
زبان پہ جوہر خوبی کے اپنے لاف ہے تیغ

ہر ایک غنچہ گل کے لئے گلستان
یہ تیری موج تبسم جگر شگاف ہے تیغ

ظفر ہو قدر سپاہی کی اس زمانہ میں کیا
ہر ایک باندھتا نداف و نورباف ہے تیغ

آج زینب نوحہ گر ہے وا دریغا وا دریغ
پیٹتی سر ننگے سر ہے وا دریغا وا دریغ

گھر جلا خیمہ جلا بیٹھے کہاں جائے کدھر
اب نہ گھر ہے اور نہ در ہے وا دریغا وا دریغ

نور چشم ساقی کوثر ہے پیاسا دشت میں
خشک لب ہے چشم تر ہے وا دریغا وا دریغ

رہتا تھا جو سر کنار مصطفٰے میں روز و شب
آج وہ سر نیزہ پر ہے وا دریغا وا دریغ

شہ نے صغرا سے کہا بیلہ خدا حافظ ترا
اپنا اب پانے سفر ہے وا دریغا وا دریغ

جسم پر اللہ اکبر کے میدان میں ہزاروں زخم ہیں
اور جو بے کار گر ہے وا دریغا وا دریغ

باندھتا عباس غازی ہے جو مرنے پر کمر
ٹوٹتی شہ کی کمر ہے وا دریغا وا دریغ

کہتی ہے بانو کہ مارے پیاس کے دم توڑتا
اصغر تشنہ جگر ہے وا دریغا وا دریغ

نے کوئی ہے شیر کا قطرہ کہ منہ میں اس کے دوں
اور نہ پانی بوند بھر ہے وا دریغا وا دریغ

کان میں بالی سکینہ نے نکالا کھینچ کر
کان سے اس کے گہر ہے وا دریغا وا دریغ

قاسم نوشاہ کے جوڑے سہانے کے لے
سرخی خون جگر ہے وا دریغ

کہہ رہا دولہا ادھر ہے حسرتا واحسرتا
کہہ رہی دولہن ادھر ہے وا دریغا وا دریغ

اے ظفر میں ان کیا کہوں کہتا غم شبیر مین
دل مرا آنکھون پہیر ہے وا دریغا وا دریغ

دیگر

یہ کہا کس نے تم سے حال دروغ
ہم کو ہو آپ سے ملال دروغ

جا نہ کہنے پہ تو رقیبوں کے
بولتے ہیں وہ بد خصال دروغ

حق وہی ہے جو حق کو ہے منظور
اور سارے ہیں قیل و قال دروغ

جائے صیاد دام سے تیرے
اوڑ کے مرغ شکستہ بال دروغ

ہو نہ تجھکو اگر دروغ پسند
کہہ سکے کوئی بھی مجال دروغ

اس زمانہ میں ہیں وہ اہل کمال
جو کہ ہیں بولتے کمال دروغ

مہ ہو ہمتاب تیرے رخ سے غلط
ہمسر ابرو سے ہو ہلال دروغ

اے ستمگر خرام ناز سے تو
کرے دل کو پائمال دروغ

شیوہ راستی ہے خوب ظفر
بات منہ سے نہ تو نکال دروغ

چاہیے نے شمع مجکو نے سر مدفنک چراغ
داغ دل روشن ہے زیر خاک لے روغن چراغ

جنبش دامن سے تیرے اے نسیم صبحدم
؟ ل نہیں ہوتا چمن میں گل کا یہ روشن چراغ

یوں پس مژگان ہے وہ سرخی چشم پر خمار
رکھدیا جیسے جلا کر ہو پس چلمن چراغ

شب دکھا کر تو رخ روشن نکر غارت گری
ساتھ اپنے رات کو رکھتے ہیں کب رہزن چراغ

وقت صحبت یار سے گھر میں اندھیرا چاہیے
روشنی اس وقت ہے غماز اور دشمن چراغ

رات کو چوری سے جھانکا جو ذرا وہ شمع رو
تاب رخ سے بن گیا دیوار کا روزن چراغ

شمع ساں جلتے ہیں سب جو سوز غم سے اے ظفر
ہے جلاتا گھر میں کی کے وہ بت پر فن چراغ

ردیف الفا

ہم ہوئے جیسے کہ اس ماہ جبیں سے واقف
پھر جہاں میں نہوے اور حسیں سے واقف

عین ایمان سمجھتے ہیں ہم اونکا دیدار
نہ تو ہیں کفر سے آگاہ نہ دیں سے واقف

نامہ بر دیگا مرا خط اوسے کیا در پردہ
کہ نہیں خوب یہ اس پردہ نشیں سے واقف

جانے کیا حال مرا وہ جو نہوا سے تا حال
دل حسرت زدہ و جان حزیں سے واقف

کوچہ اوس حور شمائل کا سمجھتے ہیں بہشت
ہم نہیں چمن خلد بریں سے واقف

تشنہ کاموں کو ترے آب بقا سے کیا کام
ہو گئے آب و دم خنجر کیں سے واقف

اے ظفر کیو نکر نمک ہو نہ سخن میں اونکے
جو ہیں اوس یار کے لعل نمکیں سے واقف

دیگر

نہ کیونکہ ہمکو ہو خوباں پر جفا کا خوف
یہ کافر ایسے ہیں ان کو نہیں خدا کا خوف

ہلا نہ دامن مژگاں کو دمبدم اپنے
ترے مریض محبت کو ہے ہوا کا خوف

تمہارے تیز نگہ کا ہے کو ڈر جتنا
نہیں ہے اتنا سے ناوک قضا کا خوف

ڈسا ہے جس کو اس افعی نے وہ بچا ہی نہیں
بجا ہے دل ترے طرہ دوتا کو خوف

زباں سے بات بھی سیدھی نکل نہیں سکتی
یہ دل پہ چھائے ہے اس شوخ کج ادا کا خوف

کہے ہے دیکھ کے چشم اس کی الحفیظ ہر ایک
یہ وہ بلا ہے کہ ہے سبکو اس بلا کا خوف

جہاں میں اور تو ڈرتے ہیں غیر سے لیکن
ظفر رہے ہے مجھے اپنے آشنا کا خوف

دیگر

ہو جائے بلا سے وہ دل آزار مخالف — پر مجھ سے نہو میرا دل آزار مخالف

کیا گھر میں ترے رات کو چوری سے ہم آئیں — گر ایک موافق ہے تو دو چار مخالف

پایا نہ زمانہ کو موافق کبھی ہم نے — جب دیکھا اسے ہے یہ ستمگار مخالف

قسمت ہی مخالف ہے فقط عشق میں اپنی — نے یار مخالف ہیں نہ اغیار مخالف

کیوں وادی وحشت میں نہ کھٹکا رہے مجھکو — ہر جھاڑ ہے دشمن مرا ہر خار مخالف

وہ روزن دیوار سے کیونکر ہمیں جھانکیں — سب تاک رہے ہیں پس دیوار مخالف

کیا سحر ہے آنکھوں میں ترے دیکھکے تجھکو — ہو جاتے ہیں سب تیرے طرفدار مخالف

کر صلح کل اے دل کہ سب اٹھ جائے لڑائی — کافر نہ مخالف ہو نہ دیندار مخالف

برگشتہ زمانہ ظفر ایسا ہوا ہم سے — جو یار موافق تھے وہ ہیں یار مخالف

مجھے جو تیری جدائی کا دہ ہے غم تکلف — خدا کسی کو نہ دے ایسی اے صنم تکلیف

لکھیں گے ہم نہ تکلیف سے اور کچھ قاصد — کریں گے خط میں رقم اپنی یکقلم تکلیف

مریض عشق کو آرام ایک دم میں ہو — کرے ذرا جو یہاں وہ مسیح دم تکلیف

ہی جان گئی ہے برا کام مشکل اے فریاد — کہ اس سے کوہکنی میں کہیں ہے کم تکلیف

مسافران عدم کی خبر خدا جانے — کہ اونکو چین ہے یا جانب عدم تکلیف

مزا ہے کچھ تو مصیبت میں عشق کی ناسح — اوٹھاتے جان پہ جو اسقدر ہیں ہم تکلیف

قدم سمجھ کے رکھا اے دل رہ محبت میں — یہ راہ وہ ہے کہ جسمیں ہر قدم تکلیف

جو دیکھیں بتکدہ دلمیں صورت اس بت کی — کریں نہ شیخ جی صاحب سوے حرم تکلیف

دیا ہے ایسے ستمگر کو دل ظفر ہم نے — کہ جس سے جان کو پہونچے ہے دمبدم تکلیف

ہوئی غیروں کو خطا کی ہے تقدیر معاف — اس کا باعث ہے بتا دوں جو ہو تقصیر معاف

مدتوں تو نے دیے ہمکو جہاں میں چکر — اب تو رکھ کوئی دن اے گردش تقدیر معاف

کشتہ ناز کی جو لاش پہ وہ آ نکلے — بارے اتنا تو کیا کر گئے تشہیر معاف

قلم آہ سے لکھ داغ کی نقدی کا حساب — ہے دلا عشق کی سرکار میں تحریر معاف

حضرت عشق سے کہتا ہوں کہ دیوانہ ہوں میں — مجھے کچھ بے ادبی ہو تو ہو یا پیر معاف

دل کا سودا تو نکر دیکھ کہ اس میں سے تجھے — ہوگا اک دام نہ اے زلف گرہ گیر معاف

قتل کر شوق سے قاتل کہ تجھے اپنا خون — کر چکا ہے یہ ترا عاشق دلگیر معاف

اے ظفر دشت جنون پر ہے تصرف میرا
کی شہ عشق نے ہے مجکو یہ جاگیر معاف

دیگر

یاں کب آئی رستم کی او نکے دھیان میں سیف
ہمیشہ سیف زبانوں کی ہے زبان میں سیف

ہمیں پہ صاف کرے پہلے ہاتھ وہ اپنا
اگر نہ آئی ہو قاتل کے امتحان میں سیف

کیا رادہ ہے کیا جانے کس کے تجّون کا
یہ کہکشاں سے جو ہے دست آسمان میں سیف

تری ہے خط وابرو کا کچھ عجب عالم
نہ ایسی ہند میں دیکھی نہ اصفہان میں سیف

شتاب دے سپر جام تو چمن میں مجھے
کہ شاخ گل بھی ہے ساقی مرے گمان میں سیف

تمہارے سرمہ دنبالہ دار کے ہمسر
کہاں سلاح فروشوں کی ہے دکان میں سیف

ظفر تمام جہاں آئے تیرے قبضہ میں
علم کرے تو اقبال گر جہان میں سیف

ردیف القاف

ہوا غم گساری کے موافق
یہ نکلا یاریاری کے موافق

قفس سے اوڑ کے ہم صحن چمن میں
گئے باد بہاری کے موافق

سپند و شعلہ و سیماب کب ہوں
ہماری بیقراری کے موافق

فدا کرتا ہے جان پروانہ لیکن
نہ میری جاں نثاری کے موافق

اگر ہو ابر دریابار تو بھی
نہوا اس اشکباری کے موافق

نگہ کرتی ہے تیری کام ظالم
جگر پر تیر کاری کے موافق

محبت میں یہ بیہوشی بھی اپنی
ظفر ہے ہوشیاری کے موافق

گل سے ہیں تیرے عارض اے لالہ رو مطابق
سنبل سے زلف تیری ہے ہو بہو مطابق

تیغ قضا ہے میری اور تیری تیغ غمزہ
ہے تیزی زباں میں اے جنگجو مطابق

دل کے بھید ڈھنگ وہی مجھ سے ہیں جو ہیں تیرے
ہے تیری اور اوسکی کیا خو سے خو مطابق

کیا جوش گریہ مجھسے لایا ہے رنگ دیکھو
ہے میری چشم تر میں اشک اور لہو مطابق

جو دل ہی میرا کہتا ہوتا ہے وہ ہمیشہ
حکم تخمیں ہے ہوتا کبھو مطابق

تو بھی وہی کہے ہے جو کہہ رہا ہے دشمن
اے دوست اس سے تیری ہے گفتگو مطابق

یوسف میں اور اس میں فرق اے ظفر نہیں ہے
یہ نقل و اصل دونوں پائیگا تو مطابق

آئینہ ہے اگرچہ پر پر و صفا میں غرق — پر آگے تیرے رخ کے ہے شرم و حیا میں غرق

دولت سے آنسوؤں کے مری کیا عجب کہ ہو — کشتی گدا کی آب در بے بہا میں غرق

نے شام کی خبر ہے اسے اور نہ صبح کی — جو ہے خیال زلف و رخ دلربا میں غرق

خط لکھتے لکھتے آیا جو رونا تو ہو گیا — کاغذ تمام خون دل مبتلا میں غرق

اے بحر حسن حلقۂ گیسو سے ہے ترے — سارا جہاں ورطۂ رنج و بلا میں غرق

اے شوخ حسرت لب جاں بخش سے ترے — مر جائے ہو کے خضر بھی بقا میں غرق

کیا کیا تھے آشنا نہ رہا ایک بھی ظفر — افسوس سب کے سب ہوئے بحر فنا میں غرق

دیگر

اے بلہوسو تم کو نہیں ہے خبر عشق — کیا چیز ہے عشق اور ہے کیا شے اثر عشق

ڈر ہے نہ کہیں خیمۂ افلاک جلا دے — ہیں نالۂ سوزاں میں ہمارے شرر عشق

ہرگز نہیں ہم بھولنے کے عشق کا رستہ — یہ خضر دل اپنا ہے سدا راہبر عشق

یہ عشق میں سودا ہوا تنکے لگے چننے — اب دیکھیے کیا اور ہے مد نظر عشق

پیدا ہوا اثر نالۂ دل میں جو ہمارے — ہم جانیں ہوا بار ور اپنا شجر عشق

کیونکر رہے گریہ زاری میں ہمیشہ — سینہ میں دل اپنا ہے ظفر نوحہ گر عشق

دیگر

اوسکا جو تیرا سینۂ افگار میں غرق — تا بہ سوفار ہا دل زار میں غرق

ہاتھ مہیات نہ آئی روشن زلف دراز — دل ہوئے کتنے ہی چاہ ذقن یار میں غرق

اس خرابات جہاں میں نہیں کوئی ہوشیار — جس کو یاں دیکھو وہ ہے نشۂ پندار میں غرق

ابداری وہ ہماری گہر اشک میں ہے — کشتی چشم ہو آب در شہوار میں غرق

پھوٹ کر آبلۂ پا مرے گر روئیں تو ہو — قیس سیلاب رہ وادی پر خار میں غرق

تیرے عکس رخ پر نور سے مثل خورشید — کیا عجب ہووے اگر آئینہ انوار میں غرق

جس طرح رہتا ہے تو فکر سخن میں ڈوبا — یوں ظفر کوں ہوا اس قلزم زخار میں غرق

تم جو ہر بات میں کرتے ہو ملاقات میں فرق — تم نے دیکھا مری جانب سے ہے کس بات میں فرق

بھیجے کس کس سے ہمیں لکھوا کے خط اسنے ہو کو — خط میں ہے فرق خطوں کی ہے عبارات میں فرق

نہ رہا اس نگہ مست کی کیفیت سے — گوشۂ مدرسہ و کنج اخراجات میں فرق

مہ کو کیا حسن سے اوس مہر لقا کی نسبت — فرق دونوں میں ہے یوں جیسے کہ ذرات میں فرق

چمن دل میں رہیں کیوں نہ گل زخم ہرے
جوش گریہ میں مرے اور نہیں برسات میں فرق

کرتے ہیں پیشکش اوسکے وراشک آنکھوں سے
ہم نہیں کرتے ترے غم کی مدارات میں فرق

آج بیوقت وہ کیوں آئے خلاف عادات
اے ظفر ان کی تو اتا نہیں عادات میں فرق

جوان بتوں کی ہے چہرے کی تاب میں رونق
برب کعبہ نہیں ماہتاب میں رونق

حیات تو رہی پیری میں لیک وہ نہ رہی
جو تھی حیات کی عہد شباب میں رونق

دکھائی دیتی ہے بے رونقی جدھر دیکھو
گئی زمانہ کی سب انقلاب میں رونق

دکھائے رونق حسن اپنی وہ تو ایک ذرہ
رہے نہ ماہ میں افتاب میں رونق

فروغ شمع رہی زیر برقع فانوس
بجائے حسن کی تیرے حجاب میں رونق

اگر وہ مست مے ناز رونق افزا ہو
تو ہو کچھ اور ہی بزم شراب میں رونق

نصیب تیرے سے یوسف کو کب سے رونق حسن
نہ دیکھی ایسی زلیخا نے خواب میں رونق

دل شکستہ میں اور رونق نشاط کہاں
کہ ہووے خاک مکاں خراب میں رونق

ظفر وہ کیا رخ روشن ہے واہ صلی علی
کہ جس کی چھپ نہیں سکتی نقاب میں رونق

دیگر

کیا ہے ماہ مصر میں اور اقمر طلعت میں فرق
شکل ہے دونوں کی یکساں کچھ نہیں صورتیں میں فرق

بوسہ اپنے لب شیریں کا مجکو نزع میں
اے شکر لب کچھ نہیں ہے اس میں اور شرب میں فرق

نے تفاوت فتنۂ محشر میں اور رفتار میں
نے قیامت میں ہے اور اس جلوہ قامت میں فرق

رات دن کا فرق ہے دنیا دین میں غافلو
پر نہیں معلوم ہوتا تم کو کچھ غفلت میں فرق

دونوں ہیں حیران برابر تیری صورت دیکھ کر
میرے اور آئینہ کے ہرگز نہیں حیرت میں فرق

کونسا عیسی نفس آیا عیادت کے لئے
آج ہے کل سے دل بیمار کی حالت میں فرق

دل میں کچھ اوسکے مقرر فرق اب کی ہے ظفر
دیکھتے ہیں ان دنوں ہم یار کی الفت میں فرق

خطا واروں کا کیا کیا لے کے جائے نامہ بر واں تک
کہ رستہ میں لاکھوں طرح کے خوف خطر واں تک

ظفر سے دور ہے نظارہ گاہ یار کی کیجیے
جہانتک پہونچ سکتی ہے پہونچتی ہے نظر واں تک

جو دل کو راہ ہے دل سے تو کیا مشکل ہے گر پہونچے
ترے دل کی خبریاں تک مرے دل کی خبر واں تک

زباں پر ہم نہیں لائیں گے ہرگز حرف شکوہ کا
ستم کرنا جہاں تک ہے تجھے منظور کر واں تک

رہے گا زور شورا ایسا نہ پھر مجنوں کا صحرا میں
پہونچ جائے گا گر مجھ سا کوئی سوریدہ سر واں تک

قفس سے چھوٹ کے مرغ ناتواں کیا جائے گلشن میں
کہ جھڑ پڑتے ہیں جاتے جاتے سب پر ٹوٹ کر واں تک

چمن میں نافۂ مشک ختن ہو جائے ہر غنچہ
شمیم کاکل مشکیں تری رہ ہو پہنچے اگر واں تک

بھلا اتنا تو رو تجکو اگر منظور ہو رونا
بہا کر اشک لے جائیں تجھے اے چشم تر واں تک

ہمیشہ حضرت ناصح یہیں باتیں بناتے ہیں
کبھی تشریف لے جاتے نہیں یا اے ظفر واں تک

بھلا

وہم کی راہ میں اے دل آگاہ ہے ٹھیک
راہ جو صدق و یقین کی ہے وہ راہ ہے ٹھیک

حلقۂ زلف میں تیرے رخ پر نور کو ہم
دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہمیں ماہ ہے ٹھیک

اوڑتا پھرتا ترے کوچے میں ہے ہمراہ صبا
تن کا ہیدہ مرا اب تو پر کاہ ہے ٹھیک

سرکشی کرتا ہے ہم سے فلک ناہنجار
دیکھیں تو کیسا بناتی اسے اے آہ ہے ٹھیک

دل گدا کا ہو جو دولت سے عنایت کے غنی
شاہ کیا بلکہ اسے کہنا شہنشاہ ہے ٹھیک

کیونکہ زیبا نہ تجھے جامۂ رعنائی ہو
اے صنم تیری ہی قامت پہ یہ واللہ ہے ٹھیک

اے ظفر لوگ محبت کی ہوا باندھتے ہیں
پر نظر آتا نہیں کوئی ہوا خواہ ہے ٹھیک

میری اور مجنوں کی کیا تصویر ہے دونوں کی ایک
وہی طوق ایک اور وہی زنجیر ہے دونوں کی ایک

برق سے نالہ کی میرے کچھ شرارت کم نہیں
آتش افروزی میں تو تاثیر ہے دونوں کی ایک

مسجد و بتخانہ سنگ وخشت سے دونوں بنے
فرق کچھ انمیں نہیں تعمیر ہے دونوں کی ایک

قیس سے سینئے کہانی مجھ سے میرے قیس کی
داستان ہے ایک اور تقریر ہے دونوں کی ایک

جو لکھا دشمن نے تجکو وہی لکھا دوست نے
قاصد و کیا ایک قلم تحریر ہے دونوں کی ایک

دونوں وہ نام و ادا دشمن ہیں میری جان کے
قتل کرنے میں مرے تدبیر ہے دونوں کی ایک

جیسا سرگرداں ہوں میں ویسا ہی سرگرداں ہے چرخ
فی الحقیقت گردش تقدیر ہے دونوں کی ایک

دل کے کر دیتی ہیں دو ٹکڑے تری دونوں بھویں
اے ستمگر برش شمشیر ہے دونوں کی ایک

جو برابر جانتے ہیں رتبۂ شاہ و گدا
اونکے نزدیک اے ظفر توقیر ہے دونوں کی ایک

دیگر

جستجو میں اوسکی جب دوڑے نظر کوسوں تلک
آئی پھر مایوس الٹی ڈھونڈھ کر کوسوں تلک

کونسا صیاد آیا دشت میں بہر شکار
ایک بھی باقی نہ چھوڑا جانور کوسوں تلک

گر شب تاریک میں بھی آئے مہتابی پہ تو
روشنی ہو جائے اے رشک قمر کوسوں تلک

آگیا فرہاد کی تربت پہ گر رونا ہمیں
ہوگا پانی کوہ کے بھی تا کمر کوسوں تلک

دشت وحشت میں رکھے تیرا جو دیوانہ قدم
تو اوڑادے خاک وہ شوریدہ کوسوں تلک

حیف تو ہے حال سے میرے ہے اب تک بیخبر
ورنہ پہونچی ہے یہ ہر جانب خبر کوسوں تلک

ہے جہاں مدفن تمہارے عاشق دلسوز کا — سبز ہو ہوتا واں نہیں ہرگز شجر کوسوں تلک

ہے رواں ہر دم ہمارے دیدۂ خونبار سے — خون دل کوسوں تلک خون جگر کوسوں تلک

کھول دیتا ہے وہ جس دم اپنی زلف مشکبو — پہونچتی ہے اوسکی خوشبو اے ظفر کوسوں تلک

دیگر

آہ ہے یا نالہ دل میں ہے اثر دونوں کا ایک — وہ ہیں نخل باغ غم پر ہے اثر دونوں کا ایک

رنج و غم کو دل سے اپنے مین نکالوں کس طرح — ہوگیا ہے ایک مدت سے یہ گھر دونوں کا ایک

کیا بچوں ناز و ادا سے قتل کرنے میں مرے — ہے ارادہ ابتو اے بیدادگر دونوں کا ایک

گرچہ جلتی دیر تک ہے شمع اور پروانہ جلد — لیک ہے سوز دل و سوز جگر دونوں کا ایک

فرق کچھ ہیں اور مہ کنعان میں ہووے کس طرح — جب ہو نور حسن اے رشک قمر دونوں کا ایک

جو ہیں زخم تیغ غم دل پر جگر پر بھی وہی — حال ہے اب عشق میں اے چارہ گر دونوں کا ایک

کیوں نہ مجنوں اور ہم دونوں چلیں اک راہ پر — جبکہ ہووے اے جنوں تو راہبر دونوں کا ایک

کیا ہوا صورت میں کوئی خوب ہے اور کوئی زشت — لیک صورت گر ہے اے صاحب نظر دونکا ایک

دل تو اولجھا زلف سے ہے زلف اولجھی دل کے ساتھ — ہے پریشانی سے عالم اے ظفر دونوں کا ایک

وہ آکر پھر گئے جو میرے گھر تک — پھر آئیں شام سے منتظر سحر تک

مطلع ثانی

سرشک آئے تو کب مژگان تر تک — کہ جب جل ہی گیا دل سے جگر تک

نہیں کعبہ کی جانے کی تمنا — خدا پہونچائے ہمکو اوسکے در تک

ہمیشہ ہاتھ ملتا ہوں کہ ہیہات — نہ پہونچا ہاتھ میرا اس کمر تک

ترے تیغ ستم سے اے ستمگر — عزیز اپنا نہیں عاشق کو سر تک

پہونچتی ہے مرے آہ و فغان سے — خبر دل کی مرے اوس بیخبر تک

ہزار افسوس ہے بلبل چمن میں — رہا تیرا نہیں اب ایک پر تک

مجھے آئے نہ سمجھانے کو ناصح — مگر جائے ذرا اس عشوہ گر تک

ظفر جس پر لگائی تاک تو نے — اسی کو تک ادھر تک یا ادھر تک

بن پڑھے خط نہ خطاوار کا تو چیر کے پھینک — دیکھ کر پھینک اور اک طور سے تدبیر کے پھینک

اپنی تقدیر سے پہونچا ہوں میں تیرے در تک — کہ بھروسے ہی دیا تھا مجھے تقدیر کے پھینک

ہوں گے لاکھوں پریشاں یہ کھو شانہ سے — توڑ کر بال نہ اس زلف گرہ گیر کے پھینک

جس مصور نے مرے یار کی دیکھی تصویر — سب مرقع دئے اس نے وہیں تصویر کے پھینک

دل خراش اپنے ہیں وہ نالے جو سنتے مطرب
تو چکر دیتے رگ و پوست مزامیر کے جھوک

تیری مژگاں پہ نہیں دیکھی کمانداروں نے
ورنہ دیں کھول کے ترکش ابھی وہ تیر کے پھنک

دور پھینکا مجھے کس نے کہ مرے نامہ کو
دیا کاتب نے مرے ساتھ ہی تحریر کے پھینک

دشت کی خاک پہ نقش سم آہو ہیں کہاں
تیرے دیوانہ نے حلقے دیئے زنجیر کے پھینک

سردمہری کا زمانہ کی ظفر لکھ کر حال
لاکھوں دستے دیئے پاں کاغذ کشمیر کے پھینک

دیگر

آج اس نے کہدیا سب حال ہم سے ٹھیک ٹھیک
ہو گیا معلوم ہے وہ اپنے دم سے ٹھیک ٹھیک

مصحف رخ پر بھوؤں سے کاتب قدرت نے واہ
مد بسم اللہ کیا کھینچی قلم سے ٹھیک ٹھیک

رکھ نظر اے دل خدا پر دیکھ تو ہوتا ہے کیا
جو تجھے کہنا ہے کہدے اس صنم سے ٹھیک ٹھیک

کیوں نہ تیغ اصفہانی کہیے ابرو کو ترے
اسکا زخم ملتا ہے قاتل اس کے خم سے ٹھیک ٹھیک

جو ہیں تیرے پائمال نازپا جاتے ہیں وہ
چال کو تیری ترے نقش قدم سے ٹھیک ٹھیک

کیوں بناتا ٹھیک وہ دست ستم سے یوں تجھے
تو دلا رہتا اگر اوس پر ستم سے ٹھیک ٹھیک

اے نہیں ہے ٹھیک کوئی بات اپنی اے ظفر
آ گئے تجھے ہم پہلے ہستی میں عدم سے ٹھیک ٹھیک

دیگر

ہے یاں کی تسبیح کشف و کرامت یہیں تلک
شیخی یہیں تلک ہے مشیخت یہیں تلک

جا کر عدم میں لکھتا نہیں کوئی اپنا حال
ہے یاں کی رسم و خط و کتابت یہیں تلک

پہونچا کے گور تک تجھے پھر جائیں گے رفیق
اے بیخبر ہے ان کی رفاقت یہیں تلک

لے کر گیا نہ یاں سے کوئی ملک اور مال
رہتی ہے یاں کی دولت و حشمت یہیں تلک

تو جا کے یاں سے پھر نہیں رہنے کا حکمران
ہے تیری چند روز حکومت یہیں تلک

جانے گا تیرا نام بھی کوئی نہ زیر خاک
ہے تیرے واسطے تری شہرت یہیں تلک

تو اونکی دوستی پہ نہ کر ناز اے ظفر
ہے یہاں کے دوستدار محبت یہیں تلک

اشک آنکھوں میں ہووے ہیات خشک
گزری اکی بار تو برسات خشک

گر نہ ہو نچے میرے گریہ کی مدد
روز دریا ہووے رود وہات خشک

ہے تری کا رستہ زلف پر عرق
مانگ ہے اے دل رہ ظلمات خشک

میرا دامن جوں گل شبنم زدہ
کب ہوا اشکوں سے ساری رات خشک

تر زبانی کچھ نہ کام آئی وہاں
ہو گیا منہ سنتے ہی اک بات خشک

ہاتھ اٹھانا مستحب مستو پہ ہے
ہوویں یارب اسکے دونوں ہات خشک

اے ظفر اوروں کو بھیجا اوسنے عطر
ہمکو بن ڈلیاں فقط سوغات خشک

ہو کے نثار تجھ پہ یوں دیتے ہیں دم ہمیں تلک
تیز ہے تیری پر جفا تیغ ستم ہمیں تلک

کون ہے وہ کہ جس کے گھر جاتے نہیں خوشی سے وہ
لیک کیا نہ آپ نے رنجہ قدم ہمیں تلک

بعد ہمارے کوئی بھی ہوگا نہ تجھ پہ شیفتہ
ہیں اٹھاتے عشق میں رنج و الم ہمیں تلک

خون جگر سے یہ ہمیں کرتے ہیں گلفشانیاں
کوچہ ہے تیرا رشک گل رشک ارم ہمیں تلک

نامہ شوق غیر تک پہونچے تمہارے کتنے ہیں
بھیجا نہ تم نے کوئی خط کر کے رقم ہمیں تلک

ہم سے زیادہ غیر پر کرتے ہیں وہ عنایتیں
کہتے تھے ہم کہ ہو گئے ہیں لطف و کرم ہمیں تلک

بات کا اونکا اے ظفر آئے گا کسکو پھر یقین
ہیں جو یہ اونکے معتبر قول و قسم ہمیں تلک

دیگر

تو نے ظالم نہ مری بات کبھی مانی ایک
میں نے رو رو کے کیا اپنا لہو پانی ایک

تیری شمشیر دو ابرو کے برابر تلوار
نہ خراسانی ہے دیکھی نہ صفاہانی ایک

چھیڑ کر زلف کیا یار کو برہم ہمنے
ہو گئی وصل کی شب ہم سے نادانی ایک

تیرے مجنوں نے بیاباں کو کیا جو پامال
نہ رہا نام کو بھی خار بیابانی ایک

خون کے قطروں میں ہے اس طرح کوئی اشک کی بوند
جیسے ہو فوج قزلباش میں درانی ایک

یوں تو ظاہر کے غم سیکڑوں ہیں میرے لئے
پر ہوا سب سے ہے دل میں غم پنہانی ایک

سرمہ آلودہ ہے جیسا ترا آنسو ایسا
ہم نے دیکھا کہیں موتی نہ سلیمانی ایک

چھوٹ گئے خانہ زندان سے ہزاروں قیدی
پر چھٹا تیری محبت کا نہ زندانی ایک

جیسے اوس زلف پریشان میں مرا دل اولجھا
مجکو رہتی ہے ظفر اور پریشانی ایک

دیگر

بات سن پائیں گر مروڑ کی ایک
کہہ دیں لاکھوں میں ہم کروڑ کی ایک

محتسب سے بنی ہے میکدہ میں
وہ وہی تدبیر توڑ پھوڑ کی ایک

ہم گئے سیدھے سوے منزل عشق
راہ دیکھی نہ ہمیں موڑ کی ایک

تیرے مغموم کو ہنسی کی بات
خوش نہ آئی کسی ہنسوڑ کی ایک

غم زیادہ جھوڑے اور مجھے — گر شکایت کروں جھنجھوڑ کی ایک

دخت رز لگ گئی ہے منہ ورنہ — ہے یہ مردار سو بندوڑ کی ایک

صورتیں ہیں فریب کی لاکھوں — پر نہیں پاتے اسکے جوڑ کی ایک

روؤں اتنا کہ ڈوب جائے جہاں — اب تو یہ بات ہے نچوڑ کی ایک

دل ہزاروں کے لوٹ جائیں ظفر — بات کہدیں وہ ایسی توڑ کی ایک

جب تلک دم کی آؤ جاؤ ہے ٹھیک — ہد سو بات جو بناؤ ہے ٹھیک

روزن دل سے دیکھتا ہوں اسے — یہاں سے اوس یار کا دکھاؤ ہے ٹھیک

دست و پا باندھے ہے حنا او سکے — ہاتھ پائی کا آج داؤ ہے ٹھیک

حضرت دل تمہیں بنا سکتا — کون او سکے سوا بناؤ ہے ٹھیک

اپنی اے جامہ زیب تو پوشاک — جو بنا ہے ترا بناؤ ہے ٹھیک

میرا قصہ نہیں غلط سارا — کچھ نہ کچھ وہ تو آدھا پاؤ ہے ٹھیک

ماہ سے اے ظفر شباہت میں — تیغ ابرو کا او سکے گھاؤ ہے ٹھیک

تمنے کی غیروں میں مے نوشی ادھر دو دن تلک — ہم ادھر پیتے رہے خون جگر دو دن تلک

مطلع ثانی

تم نہ آئے ایک دن کا وعدہ کر دو دن تلک — ہم پڑے تڑپا کئے دو دو پہر دو دن تلک

درد دل اپنا سناتا ہوں کبھی جو ایک دن — رہتا ہے اوس نازنیں کو درد سر دو دن تلک

تو مہینوں روز غائب ہی رہے ہے ورنہ ماہ — اک مہینہ میں نظر آتا نہیں دو دن تلک

رستہ تھا اک دن کا او سکا گھر اگر لایا جواب — ہم نے دیکھی راہ تیری نامہ بر دو دن تلک

دیکھتے ہیں خواب میں جسدن کسو کی چشم مست — رہتے ہیں ہم دو جہاں سے بیخبر دو دن تلک

تو شہید ناز کا اپنے سوم ہو لینے دے — اے ستمگر پان کھانا ترک کر دو دن تلک

گر یقیں ہو یہ ہمیں آئے گا تو دو دن کے بعد — تو جئیں ہم اور اس امید پر دو دن تلک

کیا سبب کیا واسطہ کیا کام تھا بتلایئے — گھر سے جو نکلے نہ اپنے تم ظفر دو دن تلک

ہماری چشم رہی اشکبار برسوں تک
برستے دیکھا نہ ابر بہار برسوں تک

تمہارے ظلم و ستم کا شمار ہو نہ سکے
کرے اگر کوئی اونکو شمار برسوں تک

رہی نہ کوئی نشانی پر اس کا داغ فراق
ہمارے پاس رہا یادگار برسوں تک

شراب وصل جو ہوتی ہے ایک روز نصیب
تو ہمکو اوسکا رہے یادگار برسوں تک

اثر نہو کبھی اوس گل کو مثل بلبل ہم
کریں فراق میں نالے ہزار برسوں تک

ملا ہے خاک میں آخر اوڑا اوڑا کر خاک
تری گلی میں ترا خاکسار برسوں تک

ظفر بہار گلوں پر چمن میں ہے دو روز
رہے ہے رونق رخسار یار برسوں تک

ردیف الکاف فارسی

کیوں جام مے کے دینے میں کرتا ہے بات تنگ
ساقی ہے دیکھ عرصہ بزم حیات تنگ

قید حیات ہی میں نہیں تنگ تنگدل
ہووے گی اونکی گور بھی بعد از ممات تنگ

بن جائے غنچہ غنچہ تصویر باغ میں
ایسا ہو سنکے منہ سے ترے ایک بات تنگ

ہو تنگی زمانہ کی ہنگام شرح حال
زنداں سے زیادہ ہے خوش صفات تنگ

دیتا ہے بد صفات کو اک گلشن وسیع
لے کر بغل میں اپنے تجھے ایک رات گن

ہم ایک عمر تنگ رہے تیرے ہاتھ سے
اس لئے ظفر نہیں راہ نجات تنگ

جو شافع امم ہے وہ ہے اپنا پیشوا
اس لئے ظفر نہیں راہ نجات تنگ

تجھ بن ہے میرا حال یہ وعدہ خلاف تنگ
لکھوں جو خط تو ہووے قلم کا شگاف تنگ

وحشت کے جوش میں ترے وحشی کے واسطے
ہے عرصہ گاہ قاف سے لیتا بقاف تنگ

کھینچے نہ گھوڑے کی کبھو اپنے وہ شہسوار
کشتوں کے خوں سے تا نہو تر زیرپاف تنگ

زاہد نکل کے سیر خرابات کر ذرا
حجرے میں کیوں پڑا ہے پے اعتکاف تنگ

یارب پھر آئے موسم سرما کہ میں اسے
کھینچوں بغل میں راتکو زیر لحاف تنگ

اے دوست تیری بزم میں جی اپنا کیا کھلے
دل سنکے دشمنوں کی ہے لاف و گزاف تنگ

آئے جو ذکر اس دہن تنگ کا ظفر
غنچہ کا قافیہ دہن ہو جائے صاف تنگ

جیسے ہے عشق کی تیرے دل بیتاب میں آگ
یوں کوئی بھر تو سکے ساغر سیماب میں آگ

گرے اک پھول اگر آتش دل کا میرے
تو ہیں گل جتنے کنوں کے وہ تالاب میں آگ

لخت دل آنسوؤں کی رو میں چلے آتے ہیں
کیا تماشا ہے کہ یاں بہتی سیلاب میں آگ

سوزش غم سے ہے میرے جگر و دل کا یہ حال
جیسے لگ جائے کسی شخص کے اسباب میں آگ

حلقہ و زلف میں ہے اس کا رخ آتشناک
لچہ حسن کی روش ہوئی گرداب میں آگ

شعلہ حسن کا تیرے جو تصور ہے مجھے
سو بھی جاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں خواب میں آگ

طرز نالہ کی ظفر سیکھے جو ہم سے بلبل
تو لگا دے چمن لالہ سیراب میں آگ

دیگر

ہے شرار اشک خوں سے چشم طوفان زا میں آگ
عشق کی گرمی سے دیکھو لگ گئی دریا میں آگ

چرخ پر سرخی شفق کی ہے کہ دیتی ہے لگا
دل جلوں کی آہ جا کر عالم بالا میں آگ

سرد مہروں کی محبت میں جلاؤں کیوں نہ دل
یعنی خوش آئے ہے سب کو موسم سرما میں آگ

تیرے دیوانے کی آنکھوں سے جو ٹپکے اشک گرم
کیا تعجب گر لگا دے دامن صحرا میں آگ

پیتے ہی اک گھونٹ ساقی بھن گیا دل اور جگر
تھی مے دو آتشہ یا ساغر و مینا میں آگ

یوں ہے تیری زلف مشکیں تاب روئے آتشیں
جیسے کی روشن کسی نے ہو شب یلدا میں آگ

بھر وے انگاروں سے دم میں لالہ و گل کے چمن
پر کہاں اتنی نوای بلبل شیدا میں آگ

کوہ تک بہ جائے مثل موم سب ہو کر گداز
میرے دل کی سی اگر ہو سینہ خارا میں آگ

اشکباری سے ہماری چشم دریا بار کے
اے ظفر بجھ جائے گی یکبار سب دنیا میں آگ

دیگر

آ گئے تو ہم سے اسقدر تھا نہ کبھو الگ الگ
اب ہوئی ایسی کیا خطا رہتا ہے تو الگ الگ

آج ہے کیا کہ ساقیا بزم میں ہیں دھرے ہوئے
شیشہ و خم جدا جدا جام و سبو الگ الگ

ڈر ہے کہ بوسہ لے نہ لے منہ کو بچا کے منہ سے یہ
مجھ سے رہے ہے وہ مزا آئینہ رو الگ الگ

چشم سے ہر مژہ پہ یوں جلوہ نما ہیں اشک خون
جیسے چراغ رکھ دیے ہوں لب جو الگ الگ

نے میں یہ ہے طلسم کیا نکلے ہے سب سے اک صدا
روزن سینہ گرچہ ہیں تا بگلو الگ الگ

دست جنوں ابھی مرا پہونچا نہیں ہے جیب تک
ہو گئے خود بخود ہیں سب تار رفو الگ الگ

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب ہے رنگ جدا جدا اسکی ہے بو الگ الگ

سوز الفت سے ہے وہ میرے دل مضطر میں آگ — جسکے آگے شرم سے جا کر چھپے پتھر میں آگ

میری آہ آتشیں سے کیا عجب جائے شفق — پھیل جائے دامن چرخ ستم پرور میں آگ

کیا ہجوم داغ سوزاں سے بھرا ہے عشق نے — سینہ کے منقل میں اور دل کے مرے مجمر میں آگ

اوسکے کوچے میں ہمارے نالے آتشبار ہیں — ڈر ہے یہ ہمکو نہ لگ جائے کسی کے گھر میں آگ

نکلے تیرے دل جلوں کے ایسے آنسو گرم گرم — لگ گئی گرمی سے جنکی ایک چشم تر میں آگ

شعلہ جوالہ و گرداب مت سمجھو انہیں — ہے کہیں چکر میں پانی ہے کہیں چکر میں آگ

سردی گرمی سے او نکے اے ظفر ڈرتا ہے جی — ہوتے ہیں دم بھر میں ٹھنڈے اور وہ دم بھر میں آگ

قصہ سنتے ہیں مرے تیرے لڑائی کے لوگ — تو نے ہنسوائے صنم ساری خدائی کے لوگ

کوئی ہمدرد نہیں کس سے کہوں درد اپنا — سننے والے نہ رہے درد جدائی کے لوگ

دل پھنسا دام محبت میں ہمارا ایسا — کہ ہوے دیکھ کے مایوس رہائی کے لوگ

تاب کیا دیکھ سکیں ایک نظر بھی تجکو — ہیں جو مشتاق ترے جلوہ نمائی کے لوگ

باندھتے پنجہ مژگاں پہ ہیں مہندی خون ہے — کتنے ہیں شوق میں اس دست حنائی کے لوگ

خاک اوڑا نیکو رہے اہل کدورت باقی — مل گئے خاک میں تھے وہ جو صفائی کے لوگ

واقعی جینا انہیں کا ہے بھلا دنیا میں — اے ظفر کرتے ہیں جو کام بھلائی کے لوگ

دیگر

رنگ اس عارض کا ہے رنگ رخ گل سے الگ — پیچ و خم اس زلف کے ہیں شاخ سنبل سے الگ

اے مصور چاہیں دونوں کی تصویریں بہم — ہو نہ بلبل گل سے اور گل ہو نہ بلبل سے الگ

جان لبوں پر آ گئی حسرت سے دل خون ہو گیا — اب تو کر لب کو کہیں تو ساغر مل سے الگ

آیا جو میں نالہ زنجیر زنداں سے نکل — ہو گئی زنجیر بھی مجھ سے مرے غل سے الگ

گاہ کاکل سے بندھیگا کہ پھنسےگا زلف سے — دل نہیں ہونے کا تیری زلف و کاکل سے الگ

دل مرا مانوس ہے مدت سے اونسے ہمنشیں — گر یہ ہوویگا بھی ہوگا اک تامل سے الگ

دلبران بیوفا سے بس بہت مل جل چکے — اے ظفر ہو جاؤ اب ان سے کسی جل سے الگ

ردیف اللام

خطر ہے کس کا خط کے لکھنے میں اسنے قاصد کیا تامل
جو اس کو لکھنا ہے ہمکو لکھے بلا توقف بلا تامل

جو ہوکے خنجر بکف وہ آئے تو ہم بھی موجود سر بکف ہیں
نہیں ہے انکو اگر تامل تو ہمکو ایدل ہے کیا تامل

بہار باراں کا لطف کچھ بھی نہیں نشے کے بغیر ساقی
کرے ہے کیا جام مل کے دینے میں وقت ابر وہوا تامل

یہ میرے دل جان میں دونوں حاضر وہ لیلو جو ہو پسند خاطر
نہ مجکو اسمیں ہو راتر دو نہ مجکو اسمیں ذرا تامل

غم والم سے نجات پاؤں کہ میں نہایت عذاب میں ہوں
بڑا ہی احسان کرے اگر اب کرے نہ تو اے قضا تامل

دل اپنا سینہ میں جب ہو مضطر ہم اس کو تسکین جو دیں تو کیونکر
نظر میں شیوہ ترا تغافل سخن میں شیوہ ترا تامل

ظفر درنگ وشتاب میں ہیں نکلتے انساں کے کام لیکن
کرے وہ جلدی کی جائے جلدی کرے تامل کی جا تامل

نہ ہے روئے انکو اور اس پہ یہ خط کی نمود اول
کہ جو دیکھے ہے اس جلوہ کو پڑھتا ہے درود اول

جو اسمیں آشنا ڈوبے ہیں سن لے ماجرا اونسے
دلا تو دیکھ اس چاہ زنخدان میں نہ کود اول

سلگ جائے گا جب تو دل تو کوئی شعلہ نکلے گا
ابھی تو ساتھ آہوں کے مرے اٹھتا ہے دود اول

کروں کیا دل کا سودا زلف سے بازار الفت میں
نہ کچھ اسمیں سود آخر نہ ہے کچھ اسمیں سود اول

یہ خوبی ہے فقط تیری خیال خط مشکیں کی
وگرنہ زخم دل میرا کہاں تھا مشک سود اول

نعمت فیہ من روحی نے دی انسان کو عزت
نہ تھا اس خاک کے پتلے کا تو کچھ بھی وجود اول

دل سوزاں سے میرے یہ اڑائی طرز جلنے کی
وگرنہ کاہیکو جلتا تھا یوں آتش پہ عود اول

مرے سب ہو گئے بد خواہ تیری خیر خواہی میں
نہ تھا کوئی عدو اول نہ تھا کوئی حسود اول

اگر پاس اس بت بے مہر کے ہے قصد جانے کا
ظفر دم کرتو پڑھ کر یا عزیز ویا ودود اول

تیر مژگاں پہ روا تیر بلا کی تمثیل
تیغ ابرو پہ بجا تیغ قضا کی تمثیل

جبکہ والشمس سے ہو رخ کی تمہاری تشبیہ
کیوں نہ واللیل سے ہو زلف دوتا کی تمثیل

مرمٹیں پر نہ اٹھیں در کے ترے خاک نشین
اسپہ زیبا ہے نشان کف پا کی تمثیل

صاف ہے خواہش نظارہ میں آئینہ سے
چشم کو اس ترے مشتاق لقا کی تمثیل

ناتوانی میں اسیکا ہے سہارا دل کو
آہ کو اپنے نہ دوں کیونکہ عصا کی تمثیل

دینی واجب ہے دم تشنہ لبی اے قاتل
آب خنجر سے ترے آب بقا کی تمثیل

اے ظفر کونسا فتنہ ہے جہاں میں ایسا
جس سے اس شوخ کی دوں ناز و ادا کی تمثیل

دیگر

ڈھیر پر رکھیں جو شیدائے رخ سیمین کے پھول
یا تو وہ ہوں چاندنی کے پھول کے پھول یا نسرین کے پھول

رکھا جب پائے حنائی اس نے اپنا فرش پر
بس گوئے عطر حنا میں سر بسر قالین کے پھول

داغ حسرت کیوں نہ پھولونکی جگہ ہوں بعد مرگ
بیکسی کرتی ہے تیرے عاشق مسکین کے پھول

کھینچتے ہیں جب تری تصویر اے رشک قمر
جھڑتے ہیں خامہ سے کیا صورتگران چین کے پھول

دل میں کیا کی ارادہ لیک تیرے سامنے
دست و پا جاتے ہیں تیرے عاشق غمگین کے پھول

بھر دیا ٹکڑوں سے دل کے ایک نالہ میں چمن
دیکھے بلبل نے جو دامن میں سحر گلچیں کے پھول

اے ظفر اس مہ جبیں کی آفتابی ڈھال پر
چاند ماہ نو کا ہو تو چاہئیں پروین کے پھول

دیگر

مرے اسکے ہے آئینہ سمندر بیچ میں حائل
کہوں میں کیا اسے سد سکندر بیچ میں حائل

لیا شب ایک بوسہ بھی نہ تیرے میٹھے عارض کا
ہوئی زلف معنبر ایسی کافر بیچ میں حائل

کرے کیا جانے خون کسکا تیغ موج رنگ گل
نہ ہو مثل سپر ساقی جو ساغر بیچ میں حائل

ستم دیکھو کہ جب وہ بیٹھتے ہیں سامنے میرے
تو کر لیتے ہیں دشمن کو مقرر بیچ میں حائل

جدھر دیکھے جمال یار ہی تجکو نظر آئے
نہ ہووے پردہ غفلت ترا اگر بیچ میں حائل

دم گریہ جدھر جائے ترا عاشق کہ اشکوں سے
نظر آتا ہے اک دریا سراسر بیچ میں حائل

ظفر ہے شوق وصل شمع میں پروانہ تو مضطر
مگر ہو جائے ہے فانوس اکثر بیچ میں حائل

ردیف المیم

در بتان خودنما زاہد خدارا دیدہ ام   آنکہ از چشم تو پنہان آشکارا دیدہ ام
تا نظر افگندہ ام بر قامت رعنائے تو   جملہ از سر تا قدم ناز و ادا را دیدہ ام
کردہ ام رنگین ز حسرت پنجہ مژگاں بخوں   تا بدست سرخی رنگ حنا را دیدہ ام
سالہا گردیدہ ام من در تلاش کیمیا   دیدہ ام اکسیر اگر آن خاک پا را دیدہ ام
ناصحا طرز نگاہش را ندیدہ ای کہ چیست   پرس از من ماجرا من این بلا را دیدہ ام
کردہ ام من عمر خود در تیرہ روزی بسر   گر شبے در خواب آن زلف دوتا را دیدہ ام

چون تو در عالم ندیدم میکشی صوفی وشے   اے ظفر بسیار رند و پارسا را دیدہ ام

نے خرد نے ہوش نے تدبیر پر شاکر ہیں ہم   دوستوں اپنی فقط تقدیر پر شاکر ہیں ہم
ہاتھ سے قاتل کے کچھ شکوہ نہیں کرتے کبھی   رکھ کے آپ اپنا گلا شمشیر پر شاکر ہیں ہم
تو برا کہہ یا بھلا ہم سے نہو تیرا گلا   اے ستمگر تیری ہر تقریر پر شاکر ہیں ہم
کرتے کیا کیا شکر کچھ ہوتا جو نالوں میں اثر   جبکہ اپنی آہ بے تاثیر پر شاکر ہیں ہم
لکھا پیشانی کا پیش آتا ہے ہم شاکی نہیں   کاتب تقدیر کی تحریر پر شاکر ہیں ہم
ہم تو ہیں صید محبت تیرے اے ناوک فگن   ذکر یاں شکوہ کا کیا ہر تیر پر شاکر ہیں ہم
ہے ظفر ہم سا جفا کش کون زیر آسمان   ہر جفائے آسمان پیر پر شاکر ہیں ہم

دیگر

اوس بیوفا سے اسکو بھرا دے تو دینگے ہم   دل کو مزا وفا کا چکھا دے تو دینگے ہم
دل کیا ہے بلکہ جان سے ایمان و دیں تلک   مانگو گے جو بتو بخدا دے تو دینگے ہم
بیتاب دل رہے گا اگر یوں ہیں زیر خاک   یکبارگی زمیں کو ہلا دے تو دینگے ہم
قصوں میں یا کہانیوں میں پر کسی طرح   احوال اپنا اونکو سنا دے تو دینگے ہم
مژگان اشکبار سے یکبار دیکھنا   ابر سیہ کا زور گھٹا دے تو دینگے ہم
جو نم ہیں زخم سینہ کے ہو خشک یا نہوں   پر نالہائے دل سے ہوا دے تو دینگے ہم
کچھ ہو بلا سے عشق کی بازی پہ اے ظفر   اک روز اپنی جان لگا دے تو دینگے ہم

دیگر

جوں بوئے گل رفیق نسیم چمن ہیں ہم   اے ہمدمو وطن میں غریب الوطن ہیں ہم
شیوہ ہے تیرا کوہکنی اپنی جان کنی   محنت کشوں میں تو ہے کہ اے کوہکن ہیں ہم

دیوانے جو ہوئے کسی گل پیرہن کے ہیں صد چاک رکھتے گل کی روش پیرہن ہیں ہم

دل کی طپش سے شعلہ فانوس کی طرح بیتاب بعد مرگ بھی زیر کفن ہیں ہم

یارو نہ روکو عشق میں رونے سے تم ہیں اس سے بجھاتے دلکی کچھ اپنے جلن ہیں ہم

ہیں گرچہ مثل شمع سراپا زبان تو کیا کہ سکتے پر زبان سے نہیں اک سخن ہیں ہم

دیوانگی کا شور ہے مجنوں کے کیا ے ظفر دکھلاتے جب تلک نہیں دیوانہ پن ہیں ہم

کیا کہیں اے ہمنشیں ہیں آج کیوں بیکل سے ہم جن سے کل تھی جا انکو اونسے جدا کل سے ہیں ہم

لاکھ بل ڈالے ہے کافر ایک سیدھی بات میں زلف تیری ہے بلا ڈرتے ہیں اسکے بل سے ہم

پیر کا وعدہ کیا ہے اوس بت نے پیر نے رو رہیٹھے شوق میں دن کنتے ہیں منگل سے ہم

تیری چشم مست سے ساقی طلب کرتے ہیں جام رکھتے وقت میکشی مطلب نہیں بوتل سے ہم

ہاتھ جو گردن میں ہو تیرے حمائل پنا بھی سیکھ لیں انداز یہ کیونکر تری ہیکل سے ہم

ٹھنی جھڑ جاے تری اک پل میں اے ابر بہار باندھ لیں اشکونکی جھڑی مژگاں اگر بادل سے ہم

ہوتا ہے کالا جہاں یں مردم آزاروں کا منہ پاگئے ہر رمز چشم شوخ کے کاجل سے ہم

ملتے ہیں اپنے تن عریاں پہ خاک کوے یار نے غرض تن زیب سے رکھتے ہیں نے ململ سے کام

گہہ زمین پر ہے گہےتو آسمان پر مثل برق ڈرتے ہیں اے شوخ آنکھو تری چھل بل سے ہم

جس نے نیاں رکھا قدم تحت الغرے کو وہ گیا کیونکہ نکلیں دیکھیے دنیا کی اس دلدل سے ہم

لاکھ بھاری بن کے بیٹھیں پر سبک ہیں بیوقار بے ترازو پاگئے انکو ظفر اٹکل سے ہم

دیگر

مجھ سے ظم رو ہیں جو میرے دل افگار کے زخم ہیں یہ کس ابروخمدار کی تلوار سے زخم

چارہ گر ہو گو سے اچار ہیں سب چارہ پذیر دل بیچارہ میں تیغ غم دلدار کے زخم

دست و شمشیر کو قاتل کی دعا کرتے ہیں منہ جو ہیں کھولے ہوئے میرے تن زار کے زخم

پہونچیں ہم کود کے اس رشک چمن کے گھر میں گو کہ ہوں پانوں میں خار سر دیوار کے زخم

کہکشاں کہتے ہیں جسکو وہ مری آہ کی سیف ڈالتی سینہ پہ ہے چرخ ستمگار کے زخم

دشت وحشت میں مزا پاے برہنہ کیا پاے تا نہ پہنچے تلک ایڑی سے ہوں سو خار کے زخم

زخم حسرت دل فرہاد کے یاد آئے ہمیں دیکھتے ہیں جگہ لالہ کہسار کے زخم

دل عاشق میں ہوا ہے لب معشوق جو تیر بوسے ہنس ہنس کے جو لے ہیں لب سوفار کے زخم

ہوں دوچار اوسکی جو آنکھیں تو ظفر تیغ نگاہ ‏ ‏ ڈالے دو چار ابھی سینہ کے دو چار کے زخم

دیگر

وصل کی بس کر چکے تدبیر ہم ‏ ‏ ہو گئے نا چار اے تقدیر ہم
اوس صنم کا وصل ہے اپنی مراد ‏ ‏ مانتے کیا کیا ہیں اللہ پیر ہم
تیری ابرو قتل کرتی ہے ہمیں ‏ ‏ ہوویں کیوں منت کش شمشیر ہم
پڑ گئی الفت کی بیڑی پاؤں میں ‏ ‏ ہیں ہمیشہ پا بہ در زنجیر ہم
بن پڑھے کرتا ہے پرزے خط کے وہ ‏ ‏ کیا کریں احوال دل تحریر ہم
چاہتا ہے دل جنوں کے ہاتھ سے ‏ ‏ پھینک دیں اپنا گریباں چیر ہم
حب دنیا کی بنا کیا پائدار ‏ ‏ کیا کریں اسپر مکان تعمیر ہم
صورت تصویر حیران ہو گئے ‏ ‏ دیکھ کر اوس یار کی تصویر ہم
ذبح کر تو ہمکو بسم اللہ کر آپ ‏ ‏ پڑھتے ہیں اپنے لئے تکبیر ہم
موم ہو اوس سنگدل کا کیونکہ دل ‏ ‏ آہ میں رکھتے نہیں تاثیر ہم

بعد مجنوں عشقبازوں میں ظفر ‏ ‏ رکھتے ہیں تھوڑی سی کچھ توقیر ہم

کے بت طناز قربانت شوم ‏ ‏ اے سراپا ناز قربانت شوم
حلقۂ زلف و کند جان و دل ‏ ‏ اے کمند انداز قربانت شوم
چون مسیحا در لب جان بخش تو ‏ ‏ صد ہزار اعجاز قربانت شوم
مرغ جانم در ہواے کوے تو ‏ ‏ میکند پرواز قربانت شوم
تا بہ قربان گاہ من بکرہ زناز ‏ ‏ باز آ تا باز قربانت شوم
تو بہر انداز نما جلوہ ‏ ‏ من بہر انداز قربانت شوم

ہر دم آن ابرو کمان را از ظفر ‏ ‏ میرسد آواز قربانت شوم

چلنا مریض غم کو تر ے آٹھ نو قدم ‏ ‏ معلوم ہوے ضعف سے دس بیس سو قدم
حد ادب پہ رہتے ہیں آداب دان عشق ‏ ‏ آگے نہیں بڑھاتے کبھی نیم جو قدم
دیکھے جو تیرے سا حسن پا کو تو کیا عجب ‏ ‏ چومے فلک سے جھک کے تیرے ماہ نو قدم

گر کاٹ کے سر اپنا ہتھیلی پہ رکھ لیا
راہ وفا میں تو نے بجا رکھا تو قدم

پروانہ لو لگائے جلائے جو اپنی جان
لے اوسکی کیوں نہ شمع شبستاں تکے قدم

کھٹکا ہے ہر قدم پہ ظفر راہ عشق میں
رکھا اپنا دیکھ بھال کے اے راہرو قدم

دیگر

دوستی جو تجھ سے جاہل سے دلی رکھتے ہیں ہم
دشمنی اپنی مگر دل سے دلی رکھتے ہیں ہم

تلخ باتوں سے بظاہر گر نہیں ملتے تو کیا
الفت اوس شیریں شمائل سے دلی رکھتے ہیں ہم

زیر شمشیر ستم بھی دل سے دیتے ہیں دعا
کیا محبت اپنے قاتل سے دلی رکھتے ہیں ہم

زلف بل کھانے بلا سے پر ترے رخسار پر
آرزو بوسہ کی ہر تل سے دلی رکھتے ہیں ہم

صحبت پیر مغاں ہمکو خوش آئی ہے بدل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

دل فدا کرتے ہیں نام فخر دین پر اے ظفر
عشق اپنے پیر کامل سے دلی رکھتے ہیں ہم

ردیف نون

سوا اس دل کے اپنے بس میں آئے کب کیسکے ہیں
اگر قابو میں ہیں تو ہم اسی کے ہیں اسی کے ہیں

مطلع ثانی

عبث پہناتے ہمکو منقشیں پوشاک سیلکے ہیں
ہمیں بھاتی ہے عریانی کہ دیوانے کسی کے ہیں

ہوئے طاقت سے بیطاقت تو اب یہ حال اپنا ہے
کہ آجاتے غشی پر جس طرح دن مفلسی کے ہیں

ترے دانتوں میں ریخیں اللہ اللہ خوشنما ہیں کیا
لکھے دندان سیمیں پہ رنگ سے گویا مسی کے ہیں

ورم آنکھوں کا گریہ سے نہیں جاتا اگرچہ ہم
لگائے لیپ گیر کے ملو کے نرگسی کے ہیں

سفال میکدہ کافی ہے ساقی تیرے مستوں کو
یہ خواہاں ظرف چینی کے نہ وہ ظرف مسی کے ہیں

جو ان کی قوم سے ہے دور نزدیک انکے سب دشمن
کہ وہ تو دوست اپنے دوستان مجلسی کے ہیں

عجب کیا خاک سے اپنے اگر روئیدہ ہو نرگس
کہ ہم اے شوخ کشتہ تیری چشم نرگسی کے ہیں

ظفر روئے مصفا اسکا ہے پیش نظر جن کے
نہیں وہ مائل نظارہ ہوتے آرسی کے ہیں

دل جگر جو پاس میرے منچلے دونوں ہی ہیں
رکھدیا اس نے بھی خنجر کے تلے دونوں ہی ہیں

گو جلا پروانہ جلد اور شمع لے کچھ دیر کی
لیکن آتش سے محبت کے جلے دونوں ہی ہیں

نے وہاں کوئی یار جاتا ہے نہ کوئی آشنا
گرتے اس کے لانے میں آرے بلے دونوں ہی ہیں

جب کیے ہیں دیدہ و دل بنے اسکے فرش راہ
اوس ستمگر نے بھی تلووں سے ملے دونوں ہی ہیں

خوشنما عارض پہ تیرے خط بھی ہے اور زلف بھی
لگتے نظروں میں مرے کافر بھلے دونوں ہی ہیں

کیوں نہ سمجھوں ہمدم اپنا تیغ و خنجر کو تو سے
آ کے ظالم میرے لگ جاتے گلے دونوں ہی ہیں

اے ظفر ان سے بچاؤں کس طرح میں عقل و ہوش
جب کبھی آئے ہیں وہ لے کر ٹلے دونوں ہی ہیں

کف پا میں ترے مہندی وہاں جب غیر ملتے ہیں
لگی ہے آگ یاں تلووں سے ہم غیرت سے جلتے ہیں

ارادہ ہے ترا گر کوچہ جاناں کے جانے کا
ٹھہر تو اے دل بیتاب جلدی ہم بھی چلتے ہیں

لگا دیتا ہے تیرا غمزۂ قاتل اک ہاتھ ایسا
کہ بسمل تیرے خوش ہو ہو کے دو دو ہاتھ اچھلتے ہیں

اب لعلیں نے اسکے گر نہیں دل خوں کیا میرا
تو میری چشم تر سے لال آنسو کیوں نکلتے ہیں

خیال آجائے ہے جسوقت تیرے قد موزوں کا
تو مصرع آہ کے کیا کیا ہمارے دل سے ڈھلتے ہیں

الٰہی موم کیوں ہوتا نہیں اس سنگدل کا دل
مرے نالے تو وہ ہیں جس سے پتھر بھی پگھلتے ہیں

ظفر ہم وکلے بدلے چاہتے ان سے نہیں بوسہ
وہ ہم سے تیوری کس واسطے ناحق بدلتے ہیں

دیگر

دل و جاں بوسہ بغیر مجھے چین کہاں
دوں ملا خاک میں لیکن تجھے میں خاک نہ دوں

قیمت نیم نگہ میں ترے کیا دوں تجکو
خوب چکر تجھے جب تک تہ افلاک نہ دون

رہے کس طرح تر و تازگی گلشن عشق
میں اگر دیں و دل و دانش و ادراک نہ دون

کھو چکا راہ محبت میں قدم میں اپنا
پانی اشکوں سے گرا سے دیدۂ نمناک نہ دون

سوزن و تار نہ جب تک ہوں وہ مژگاں و نگاہ
اب بتا کیونکہ سرا سے قاتل سفاک نہ دون

دیدیا خط انہیں قاصد نے ظفر قہر کیا
سینہ میں اپنا بھی سینہ صد چاک نہ دون

یہ نہ سمجھا کہ وہ بیٹھے ہیں غضبناک نہ دون

دیگر

انہیں غیروں نے جو جو کچھ سکھایا تھا سو کہتے ہیں
ہمیں وہ آج لوگوں میں نہ کہنا تھا سو کہتے ہیں

یونہی اں کہتے نہیں ہم ماہ و خوابرو سے جاناں کو
کہ جو آنکھوں سے اپنے ہم نے دیکھا تھا سو کہتے ہیں

نہیں ہم قصہ خواں جو جھوٹ قصے آ کر کہتے
جو تجھ بن فی الحقیقت ہم پہ گزرا تھا سو کہتے ہیں

یہ قاصد وگلی کیا خفا وہ کیوں ہوئے اپر
پیام ہم نے جو اونسے کہکے بھیجا تھا سو کہتے ہیں

اگر ہم کہیں کس واسطے باتیں شکایت کی
خلاصہ مدعا جو کچھ کہ اپنا تھا سو کہتے ہیں

کچھ لوگ میری قتل کی چھپے نہیں کہتے
جو کوچہ میں مرے قاتل کے چرچا تھا سو کہتے ہیں

ظفر تحریر اور تقریر اپنی ایک ہیں دونوں
انہیں جو کچھ کہ ہم نے خط میں لکھا تھا سو کہتے ہیں

غم نہیں ہم کو اگر رکھے فلک چکر میں
کہ فلک آپ بھی ہے آٹھ پہر چکر میں

یہ جو پھرتا ہے سدا خانہ بخانہ خورشید
اس سے ظاہر ہے کہ ہیں صاحب زر چکر میں

موج دریا سے سرشک اپنی بھی وہ طوفان ہے
جس کے ہے ایک طپانچے سے بھنور گر میں

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کس زہرہ جبیں کو یارب
روز و شب رہتے ہیں جو شمس و قمر چکر میں

گردش چشم کا ساقی کے اشارہ ہے یہی
کہ رہے ساغرمے شام و سحر چکر میں

خاک ہو کر تو ذرا بیٹھنے دے چین سے چرخ
جوں بگولا مجھے رہ باد نگر چکر میں

آسیا کی یہ ہوا پھرنے سے معلوم کہ میں
گردش دہر سے پتھر بھی ظفر چکر میں

کہوں اس بخبر کو ہم خبر بھیجیں تو کیا بھیجیں
کوئی پرچہ بجز لخت جگر بھیجیں تو کیا بھیجیں

نہ جانے کس طرح سرباز ہمکو عشق میں اپنے
اگر اپنا نہ ہم سر کاٹ کر بھیجیں تو کیا بھیجیں

وہاں سے طعنہ و تشنیع کی سوغات آئی ہے
یہانسے ہم انہیں سوغات اگر بھیجیں تو کیا بھیجیں

فرشتہ پر نمارے اس گلی یں تو تو انسان ہے
تجھے خط دیکے ہم اے نامہ بر بھیجیں تو کیا بھیجیں

نہ قاصد نے کبوتر کبھیے یاران عدم رفتہ
ادھر سے کچھ خبر اپنی ادھر بھیجیں تو کیا بھیجیں

جو کشتہ چشم کا ایک انکی ہو وہ عین عنایت سے
گل نرگس نہ اسکے گور پر بھیجیں تو کیا بھیجیں

کرے جو شیطنت سے سرکشی اور فتنہ پردازی
نہ لعنت اسپہ سب دانا بشر بھیجیں تو کیا بھیجیں

جگر ہے ٹکڑے ٹکڑے جان و دل ہیں سوختہ دونو
تجھے کچھ تحفہ ہم اے عشوہ گر بھیجیں تو کیا بھیجیں

ہمارے سایہ سے بھی وہ بھی تو کوسوں دور بھاگے ہے
پیام وصل اس کو اے ظفر بھیجیں تو کیا بھیجیں

دیگر

گرچہ سو بحر رواں دیدۂ نم سے ہو جائیں
جلکے ہم خاک سے اس آتش غم سے ہو جائیں

مطلع ثانی

کیونکر آگاہ ترے طرز ستم سے ہو جائیں
جب تلک تیرے ستم دیدہ نہ ہم سے ہو جائیں

پہونچیں کب برہمن و شیخ ترے در کے قریں
دور جب تک نہ رہ دیر و حرم سے ہو جائیں

دم بھرے جائیں محبت کا ترے یہ جانباز
گرچہ دو ٹکڑے بھی یہ تیغ دو دم سے ہو جائیں

بھول جائیں ابھی سب پند و نصیحت واعظ
باتیں دو چار جو اس میرے صنم سے ہو جائیں

سینکڑوں فتنۂ خوابیدہ جہاں میں پیدا
اے ستمگر تری آواز قدم سے ہو جائیں

اوس کف پائے نگاریں سے ملوں گر آنکھیں
اشک رنگیں مرے گلہائے ارم سے ہو جائیں

دمبدم چھیڑ نہ تو زلف کو انکی اے دل
ہم کو ڈر ہے کہیں برہم نہ وہ ہم سے ہو جائیں

خامہ آوے بس شرح جدائی کو ظفر
دست بردار نہ ہم کیونکہ قلم سے ہو جائیں

دیگر

بلا سے گرچہ ہوتا راز دل افشا ہے رونے میں
نہ رو کو تجکو رونیس سے مزا آتا ہے رونے میں

ہنساتا ہے ذرا تو عالم رویا میں جو آ کر
بسر کر دیتا ساری شب ترا شیدا ہے رونے میں

پڑا ہے کشتی افلاک کا رونا زمانے کو
مری آنکھوں نے وہ طوفان کیا برپا ہے رونے میں

مری دیوانگی کا اے پریرو ہے عجب عالم
کبھی رونے میں ہنستا ہے کبھی ہنستا ہے رونے میں

ہزاروں دل لگی کے شغل ہیں پر دل نہیں لگتا
جو تجھ بن اپنا جی لگتا ہے تو لگتا ہے رونے میں

غبار اس یار کے دل سے ذرا دھویا نہیں جاتا
اگرچہ میرے چشموں سے رواں دریا ہے رونے میں

سنا ہے نوح کے طوفان کو یاروں نے کانوں سے
مگر آنکھوں سے اپنے ہمنے وہ دیکھا ہے رونے میں

لگے آگ ایسے رونیکو کہ مثل شمع گھل گھل کر
بہا جاتا ترا دلسوز سرتا پا ہے رونے میں

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کسکے
رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

صنما ہم کہیں تو کیا کہوں
بخدا ہم کہیں تو کیا کہوں

مدعی کہنے ہی نہیں دیتے
مدعا ہم کہیں تو کیا کہوں

حال غم تجھ سے کہہ چکے یکبار
بارہا ہم کہیں تو کیا کہوں

اپنے رونیکا تیرے ہنسنے کا
ماجرا ہم کہیں تو کیا کہوں

نہیں فرصت جو کہیے حسرت دل
حسرتا ہم کہیں تو کیا کہوں

کہتے ہیں سب وفا نہیں تجھ میں
بیوفا ہم کہیں تو کیا کہوں

خاک در کو ترے کہیں اکسیر
توتیا ہم کہیں تو کیا کہوں

تو تو منہ سے کہے ہے ہمکو برا
پھر بھلا ہم کہیں تو کیا کہویں

تجھ سے کہویں جو ہو مزے کی بات
بے مزہ ہم کہیں تو کیا کہویں

تجھ سے واں کچھ کہا نہیں جاتا
قاصدا ہم کہیں تو کیا کہویں

بن کہے ہی وہ اے ظفر ہم سے
ہے خفا ہم کہیں تو کیا کہویں

دیگر

کوئی آئینہ دل کا نہیں کہ جہاں رخ یار کی جلوہ نمائی نہیں
یہ قصور ہے اپنی نظر کا فقط جو کہ دیتا وہ ہم کو دکھائی نہیں

تیری زلف دوتا نپٹ ہوش ربا وہ ہے دام بلا کہ بچائے خدا
کہ جو اس میں پھنسا وہ پھنسا ہی رہا کبھی اسکی امید رہائی نہیں

کہا میں نے جو اس سے کہ اس کو بجھا یہ دہیں گیا ہے تو آگ لگا
تو یہ سن کے وہ ناز سے کہنے لگا مجھے آتی لگائی بجھائی نہیں

وہ رہے بھلا ہوا آٹھ پہر مگر اس سے جدائی ہے تو آٹھ پہر
کرے دور دوئی کو یہ دل سے اگر تو پھر اس میں اور اس میں جدائی نہیں

نہیں منہ سے تو کہتا اگرچہ ہے تو کوئی بات کدورت دل کی کبھی
و لے غور سے دیکھا تو آئینہ رو ترے دل میں ذرا بھی صفائی نہیں

جو بھلے ہیں بھلے ہی رہیں گے سدا کوئی ہووے برا انہیں کام ہے کیا
جسے کہتے نہیں منہ سے وہ اپنے بھلا بھی کہتے پھر اسکی برائی نہیں

تری پلکوں سے کس لیے آٹھ پہر یہ ٹپکتا ہی رہتا ہے خون جگر
تری چشم پر آب میں اسکا ظفر جو تصور دست حنائی نہیں

کس زلف کے سودے کی ہے تاثیر ہوا میں
ہے موج دخاں صورت زنجیر ہوا میں

دیتے ہیں بگولے کو مری خاک سے چکر
اب تک ہے مری گردش تقدیر ہوا میں

ساقی سپر جام کو کیا ہاتھ سے رکھے
ہر موج ہوا لگتی ہے شمشیر ہوا میں

جاتا ہے اڑا کیا طرف اس صید فگن کے
مرغ دل وحشی روش تیر ہوا میں

آجائے جو خاک قدم یار مرے ہاتھ
جوں خاک اوڑا دوں ابھی اکسیر ہوا میں

کہدیں وہ جسے یہ ہے ہوا خواہ ہمارا
آجائے نہ کیوں باعث تقدیر ہوا میں

کیا کیا ہو ہوا مشک فشاں اے ظفر اسدم
جب کھول دے وہ زلف گرہ گیر ہوا میں

دیگر

نہیں ٹیکے جمائے یار نے اپنے دو ابرو میں   بنایا ماتگ سے قبضہ لگا کر شاخ آہو میں
پڑیں کیا پانوں زنجیریں ترے مجنوں کی زنداں میں   نکل جائے اگر صحرا کب بھی کانٹے قدم چو میں
خدا جانے کہ سینہ میں مرے کیا رنگ ہے دل کا   نظر آتی ہے کچھ آمیزش خوں آج آنسو میں
گہر ہے کان میں اس مہروش کے یہ میں حیران ہوں   ستارہ جلوہ گر خورشید کے ہے کیونکہ پہلو میں
نجانا چاہیے کوچہ میں اس کے سچ کہا تو نے   پراے غمخوار کیا کیجئے نہیں دل اپنے قابو میں
اگر برپا ہو طوفان دیدہ غمخوار سے میرے   تو ہووے کشتی افلاک تک بھی غرق لوہو میں
مزا برسات میں ہے ساقیا یوں بادہ نوشی کا   اودھر ابر سیہ جھومے ادھر مستی میں ہم جھومیں
اگر زنجیر ہوتی توڑ کر کب کا نکل جاتا   دل دیوانہ کو باندھا ہے تو نے اپنے گیسو میں

اگر گلگشت کو جائے ظفر وہ رشک گل میرا   بہار آئی مچائیں عندلیبیں باغ میں دھومیں

تری نگاہ جو اے فتنہ زمان دوڑیں   تو دل پہ لاکھوں بلا ہائے ناگہاں دوڑیں
ہمارے حال سے وہ بے خبر نہیں آگاہ   وگرنہ یہ خبریں ہیں کہاں کہاں دوڑیں
غم فراق کے ہاتھوں سے ہو کے فریادی   زمین سے آہیں مری سوئے آسمان دوڑیں
اگرچہ آنکھیں تری پرنیاں ہیں پر اے شوخ   شکار دل پہ مرے جیسے چیتیاں دوڑیں
ہوا سے کیوں مری زلفیں لگی ہیں لہرانے   بیا گنیں کے ڈسنے کو دلستان دوڑیں
بلائیں لینے کو پریاں تری پرستان سے   ہوا کے گھوڑوں پہ چڑھ چڑھ کے میری جان دوڑیں
زبان پر آیا نہیں اپنے ایک حرف ظفر   کہ پہلے ہی سے یہاں اونگی چٹھیاں دوڑیں

دیگر

نور تیرا ہے فقط شمس و قمر میں کچھ نہیں   آنا یان تیرے سوا اپنی نظر میں کچھ نہیں
پہونچے گے کیونکر چمن تک ہم قفس سے چھوٹکر   طاقت پرواز اپنے بال و پر میں کچھ نہیں
کوئی دم مہمان ہے یہ مثل چراغ صبحدم   جلد آ باقی ترے تفتہ جگر میں کچھ نہیں
دون گہر و کیونکہ میں تشبیہ اپنے اشک سے   آبداری رو برو اسکے گہر میں کچھ نہیں
تو مسافر ہے یہاں اٹھ فکر کچھ چلنے کی کر   دیکھ غافل اسقدر غفلت سفر میں کچھ نہیں
جیب میں ہو یا کمر میں ہو تو ہو خط کا جواب   ہمنشیں ظاہر تو دست نامہ بر میں کچھ نہیں
سینکڑوں مہمان چلے آتے ہیں صورت آشنا   اور اپنے صورت آئینہ گھر میں کچھ نہیں

ہے چمک کیا کیا دکھاتی ہستی ناپائدار پھر جو مثل برق دیکھو لحظہ بھر میں کچھ نہیں

کر چکے ہم اشکباری عشق میں پہلے ظفر اب تو جز خون جگر اس چشم تر میں کچھ نہیں

دیگر

محبت کے سبب پڑتا ہے یا انسان جوکھوں میں وگر نہ ڈالتا ہے کون اپنی جان جوکھوں میں

انہیں جوکھوں ہے کیا دنیا میں جو ہیں لے سر و سامان پڑے ہے آپ منعم باعث سامان جوکھوں میں

محبت ہے جنہیں زر کی نماز ان کی نہ پوچھو تم اگرچہ سر ہے سجدہ میں مگر ہے دھیان جوکھوں میں

جگہ جوکھوں ہے اسمیں پہلے رکھ لے سر ہتھیلی پر کہ جو آ کر رہا یاں وہ رہا مہمان جوکھوں میں

یہ وہ جوکھوں ہے اس میں پہلے رکھ لے سر ہتھیلی پر نہیں رکھنا قدم کچھ عشق کے آسان جوکھوں میں

گرہ اوس زلف کی کھولے تو کر دو منع شانہ کو کہ ڈالے ہے کس کے ہاتھ کیوں نادان جوکھوں میں

ظفر مائل ہو جو آن و ادا پر اس ستمگر کے اٹھائے جان پر جوکھوں رہے ہر آن جوکھوں میں

اپنے غرفہ سے جنہیں آپ ذرا جھانکتے ہیں پھر ستواونکی تو کیا کیا وہ زٹل ہانکتے ہیں

شب کو گلزار پر ایک اوس سی پڑ جاتی ہے منہ کو شبنم کے دوپٹے سے جو وہ ڈھانکتے ہیں

بھیجو بازار محبت میں مرا گوہر دل پوچھو تم جوہریوں سے کہ وہ کیا آنکتے ہیں

کوئی گل اور کھلا چاہتا ہے رشک چمن آپ کرتی پہ نئے رنگ سے گل ٹانکتے ہیں

کچھ تو آتا ہے انہیں دشت نوردی میں مزا خاک صحرا کی جو دیوانے ترے پھانکتے ہیں

بل بے نفرت کہ ہمیں دیکھ کے خوبان فرنگ جلد جلد اور بھی بگھی کو سوا ہانکتے ہیں

بھی ظفر جنکو خدا نے صفت ستاری کھولتے عیب کسی کے وہ نہیں ڈھانکتے ہیں

یوں شعلہ سوز غم سے اٹھا و کلے داغ میں جیسے بھڑک گیا ہو فتیلہ چراغ میں

رخ پر ترے پسینوں کے قطروں سے ہے بہار کیا پھول چاندنی کے ہیں مہتاب باغ میں

ناصح نصیحتیں تری ہم سن چکے بہت خاموش ہو کہ اب نہیں طاقت دماغ میں

اے مست ناز پیتے ہیں تجھبن بجائے مے ہم بھر کے اشک دیدہ تر کے ایاغ میں

ڈھونڈے ہزار کوئی نہ او نکا ملے پتہ جو گم ہوئے ہیں تیرے کمر کے سراغ میں

یہ لاغری سے حال ہے دیوانہ کا ترے اڑتا ہوا کے ساتھ ہے تنکا سا راغ میں

دنیا سے جس نے کھینچ لیا ہاتھ اے ظفر   پھیلا سے پانوں کیوں نہ وہ کنج فراغ میں

دیگر

اے جنوں کیونکر اتار اپنی تجھے پوشاک دون   ہے لباس خاک تن پر دوں تو میں کیا خاک دوں
کیا تماشا ہے کہ دے ہر دم مجھے تو گالیاں   اور میں تجکو دعائیں اے بت بیباک دوں
اس نے قاصد سے کہا دوں کیا جواب خط تجھے   ہے جواب اسکا یہی میں خط کو کر کے چاک دوں
جی میں آتا ہے دکھا کر گردش چشم اسکی میں   اور بھی چکر تجھے اے گردش افلاک دوں
اس تڑپنے کا مزا جب ہے دل بسمل کہ میں   جان قدموں پر ترے اے قاتل سفاک دوں
دل تو کیا ہے جو دون میں تجکو بلکہ دل کے ہاتھ   صبر دوں تاب و تو ان و ہوش دوں ادراک دوں
مرد نیکوں کا رکو دنیا سے آمیزش ہو گیا   اے ظفر یہ پاک جوہر اور وہ ناپاک دوں

دیگر

شمیم زلف پر ور ہے عجب زلف سمن بر میں   نہ ایسی مشکل میں بو ہے نہ ایسی بو ہے عنبر یں
سیہ ریشم کی ہے ڈوری پڑی گردن میں آہو کے   اسے تحریر کا جل کی نہ سمجھو چشم دلبر میں
عجب کیا گر جلائیں یہ بتان سنگدل تجکو   کہ دل انکے ہیں پتھر اور نہاں ہے آگ پتھر میں
یہ سوجھا دیکھ عکس چشم آئینہ میں مستوں کو   چھٹی دریا میں کشتی یا جہاز آیا سمندر میں
ہوے یوں جلوہ گر دندان لب لعلیں کے کھلنے سے   کہ گویا سلک ڈر ہے در جگ یا قوت احمر میں
نکالوں کس طرح زنجیر کو میں پانو سے اپنے   پسند آئی ہے وحشت کو یہی پا زیب زیور میں
ظفر وہ قہر وہ آفت ہے گردش میرے طالع کی   کہ ہے باعث سے جس کے آسمان وزات چکر میں

دیگر

تمہاری زلف مشکیں کے طرف جو میل کرتے ہیں   وہ ہر شب درد اپنا سورۂ و الیل کرتے ہیں
برابر ڈھا کے کر دیتے ہیں سب دیوار و در گھر کے   رواں جب چشم سے ہم آنسوؤں کی سیل کرتے ہیں
ترا عاشق ہو یا وامق ہو یا فرہاد یا مجنوں   محبت میں سب ان کو شامل اک ذیل کرتے ہیں
گزارہ کرتے ہیں زیر فلک ہے بے سرو سامان   نہ چھپر کرتے ہیں تجویز نے کچھ پل کرتے ہیں
وہ جب آراستہ کرتے ہیں پلٹن اپنی مژگان کی   تو نازو غمزہ کو کپتان اور جرنیل کرتے ہیں
انہیں منظور سب سے پہلے ہے سر کاٹنا میرا   کہ سر بازو میں اپنے وہ مجھے سرخیل کرتے ہیں

نہ جس کو عقل ہو اور ہو کتابوں سے لدا پھرتا   ظفر اوس آدمی کو ہم تصور بیل کرتے ہیں

جا کام ہو گریہ سے مرے ایک گھڑی میں
وہ ہووے نہ باراں سے کئی دن کی جھڑی

یہ انجم گردوں کو تمنا ہے کہ ہم بھی
ہوں موتیوں کی جا ترے جھومر کی لڑی م

ہے آب بقا پردہ ظلما میں پنہاں
دیکھ اوس لب جاں بخش کو مسی کی دھڑکن م

جو پارہ دل ہیں مژدہ تر پہ نہوں کے
ایسے گل رنگین کہیں پھولوں کی چھڑی م

انسان کو مناسب ہے کرے بات پہ نرمی
کہہ دے نہ کڑی منہ سے نہیں ل کڑی

ذرات کی گھڑیوں کی گھڑی دیکھ نہ غافل
دم دم کا ہے احوال ترے دل کی گھڑی

وہ چھپے ہیں دل جانتا ہے خوب ہمارا
ہم اے ظفر آئے ہیں کوئی ان کی تڑ یک میں

دشمن جو حسینوں کو ہم جان کے کہے ہیں
یوں ہیں نہیں کہتے ہیں کچھ جا کے کہتے

ہم تیری طرح کافر جھوٹے نہیں الفت میں
جو کہتے ہیں ساتھ اپنے ایمان کے کہے

جو روئے کتابی کو کہتے ہیں ترے قرآن
وہ خط کو تری مصحف قرآن کے کہے

یاروں سے کہو دیکھیں عالم مرے رونیکا
یہ قصے ہو دانے کیا طوفان کے کہے

اسرار محبت کو کیا جانے تو اے ناصح
نادان ہیں جو ہم آگے نادان کے کہتے

غماز ہیں تم جن کو ہمراز سمجھتے ہو
جو کہے ہو وہ ہم سے سب آن کے کہے

بھید اپنا ظفر سب کہدیتے نہیں دانا
کہتے ہیں تو اسان کو پہچان کے کہتے

غیر اوسے سو طرح کی گفتگو رکھتے تو ہیں
یہ مزا اب تک وہ ہم س ای سو رکھتے تو

تجھ سے گو جاہل نہیں پہ اپنی ہم تیغ زبان
واسطے دشمن کے تیز اے تند خو رکھتے تو ہی

چشم پہ آب و دل پہ خون کی دولت اپنے پاس
ہم بھی اس بت خانہ میں جام سبو رکھتے تو

یہ نہیں معلوم وہ تقدیر میں ہے یا نہیں
ایک وصل یار کی ہم آرزو رکھتے تو

جو اثر ہے آہ نالہ میں ہمارا وہ کہاں
نغمہ خوش مطربان خوش گلو رکھتے تو ہی

وہ بہے کے واسطے قبر شہید ناز پہ
جائے گل لالہ کے برگ ناز بو رکھتے تو

ہم ان کی زلف کو ہاتھوں سے جب سنوارتے ہیں
تو دانتوں کاٹتے ہیں اور وہ لاتیں مارتے

نہ آؤ گر نہیں آتے مگر جواب تو دو
تمہارے در پہ کھڑے شب سے پکارتے

کوئی تو ان کی نظر پر چڑھا ہے جو ہم کو
گراتے اانکھ ہیں ویسے وہ اٹھاتے ہیں

جو تیری چاہ میں ڈوبا وہ کب ابھرتا ہے
ہزار اس کو اگر آشنا ابھارتے ہیں

قمار عشق میں رہتی ہے بازی اون کے ہاتھ
وہ جان ہار کر جان اپنی سکین ہارتے ہیں

کب ایک جام سے ہوتے ہیں ساقیا سیراب
وہ بادہ کش کہ جو یاں خم کے خم ڈکاتے ہیں

ظفر جو کھینچتے ہیں ہاتھ اپنا دنیا میں
ہمیشہ پانون وہ آرام سے پسارتے ہیں

ترا سا غمزہ و ناز اے صنم کسو میں نہیں
جو مہجبیں ہے وہ خدا کی قسم کسو میں نہیں

بغیر رنج کے کوئی نہیں ہو کار جہاں
مگر جو عشق میں ہے رنج و غم کسو میں نہیں

گہرے اشک کے کیا موتیوں کو دوں نسبت
جو اس میں آب ہے اے چشم نم کسو میں نہیں

اگرچہ ہیں چمن دہر میں ہزاروں گل
ولیک بوے وفا پاتے ہم کسو میں نہیں

نہ موج میں ہیں نہ زنجیر میں نہ سنبل میں
جو اس کی زلف میں ہیں پیچ و خم کسو میں نہیں

سب اوس کو دیکھ کے حیران ہیں صورت تصویر
ہوا یہ حال گویا کہ دم کسو میں نہیں

خط اوس نے بھیجے کئی لکھ کے او ظفر ہم کو
پہ ایک حرف محبت رقم کسو مین نہیں

خواہ میں ہوں راہ پہ اور خواہ میں گمراہ ہوں
لیکن اس بت کا فدا سے صورت دلخواہ ہون

گو خمیدہ پشت ہون مین ضعف سے مثل کمان
پر لگاتا سینہ گردون مین یہ آہ ہون

خاک مین مجھ کو ملا لیکن گزرا س راہ سے
مثل چشم نقش تکتا پڑی مین راہ ہون

کنج تنہائی مین میرا مونس جان کون ہے
رکھتا اک غم خوار اپنا مین غم جانکاہ ہون

یہ جو دل کی بیقراری مین کبھی کرتا ہون آہ
اپنے حال دل سے میں کرتا اسے آگاہ ہون

چھوڑتا ہے کب برنگ سایہ مجھسے تیرا ساتھ
تو کہان چلتا چل مین بھی ترے ہمراہ ہون

عشق کی دولت مجھے حاصل ہوئی ہے نقد داغ
اے ظفر مین عشق کا کیونکر نہ دولتخواہ ہون

دیگر

ہماری اور مجنون کی جو تصویریں ہیں دو کھچیان
تو یکسان پاءون مین دونوں کی زنجیرین ہین دو کھچیان

کھنچی اک آہ دل سے اک جگر سے ناتوانی مین
بڑی مشکل سے کر کے لاک تدبیرین ہین دو کھچیان

نہیں لکھا قلم ٹھہرا کے خط وہ دونون عارض پر
مگر جلدی مین یہ قرآن کی تفسیرین ہین دو کھچیان

دیا ترک وفا و مہر کی باتوں کو طول اتنا
زیادہ حد سے ناصح کی یہ تقریریں ہیں دو کھیان

چھپیں ہم دیکھتے کیونکر تری تیغ دوا برو سے
کہ اپنا ایک دم اور اس پہ شمشیریں ہیں دو کھیان

لگیں کیونکر نہ کھینچ کر اے ظفر دو تیرے دل میں
دو چشم یار میں سرمہ کی تحریریں ہیں دو کھیان

دیگر

ایک بد گو ہو تو میں اوس کے سخن کو پکڑوں
واں سبھی ایسے ہیں کس کس کے دہن کو پکڑوں

سوچتا جی میں ہوں اس زلف در گوش کو دیکھ
سانپ کو پکڑوں کہ سانپ کے من کو پکڑوں

ہے تصور میں تری چشم کے وحشت کا یہ جوش
گر گردوں دشت میں یک جست ہرن کو پکڑوں

ہم صفیر و کہو کیا کیجے کہ آیا صیاد
لے کے پھر دام کہ مرغان چمن کو پکڑوں

گر کے دل چاہ زنخدان میں یہ کہتا ہے کہ میں
کیونکہ اوس زلف معنبر کی رسن کو پکڑوں

کون ہے چور مرے دل کو چورلیا کس نے
خال رخ کو ترے یا خال ذقن کو پکڑوں

خاک پا قنبر جہان کا وہ ظفر ہوں کہ جو اور
پکڑیں قدموں کو تو میں ان کے چرن کو پکڑوں

عجب اعجاز ہے بلبل ہوا میں
چراغ گل نہ دیکھا گل ہوا میں

مطلع ثانی

جو مشک افشان ہو وہ کا کل ہوا میں
نہ آئے نکہت سنبل ہوا میں

اوڑے گر خاک دیوانہ کی تیرے
اٹھے زنجیر کا ساغل ہوا میں

ہوا میں آ کے کس نے زہر اوگلا
کہ سمیت ہوتی بالکل ہوا میں

ترے کوچہ تلک پہونچی ہے آخر
ہماری خاک مل جل کر ہوا میں

دل سرد آہ سے اس طرح پگھلا
کہ جیسے برف جائے گل ہوا میں

ہوا ہے مے سے برہم کیونکہ ساقی
نہیں خوش ہو کے جام مل ہوا میں

ظفر ہے گلشن عالم معطر
کھلے ہیں بال کس کے کھل ہوا میں

میں نہیں اس میکدہ میں آج کل سے مست ہوں
مے پرست عشق ہوں روز ازل سے مست ہوں

کہتی ہے مجھ سے حذر کر اس کی چشم خانہ جنگ
دیکھ اب میں نشہ جنگ و جدل سے مست ہوں

دیں اگر آب بقا بھی مجکو جانوں آب تلخ
اس قدر جام تمنا ی اجل سے مست ہوں

بوسہ خال لب جانان کی کیفیت پوچھ | ہین فزون مے سے اس افیون کے عمل سے مست ہون
دل مین ہے میرے جو کیفیت شراب عشق کی | مین بھی اپنے شیشہ زیر بغل سے مست ہون
فاقہ مستی ہے مری دولت کی مستی سے فزون | مین فقیری مین سوا اہل دول سے مست ہون
ڈھونڈھے صحبت صوفیوں کی وہ جو ہو صوفی منش | مجھ کو رند خوش آتے ہین مستون کے جلسے مست ہون
پہونچی ہے اس کے لب شیرین سے کیفیت مجھے | کوئی ہو گا مست مے سے مین عسل سے مست ہون
ہے سخن مین میرے کیفیت عجب ہی ذوق سے | اے ظفر ہو جاتا مین اپنی غزل سے مست ہون

دیگر

دن کی میرے بیقراری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں | شب کی میری آہ و زاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
بار غم سے مجھ پہ روز ہجر مین ایک اک گھڑی | کیا کہون ہے کیسی بھاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
شام سے تا صبح جو بستر پہ تم بن رات کو | مین نے کی اختر شماری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
کیا کہوں جو کچھ تھا کہنا مین گیا بالکل وہ بھول خاکساری اپنی کی برباد | دیکھ کر صورت تمہاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
در پہ آپ کے | مین نے کی جو خاکساری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
آتا ہے رونا زیادہ پوچھنے سے اور بھی | ماجرائے اشکباری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
خنجر مژگان و تیر ناز و تیغ غمزہ سے | دل پہ جو ہین زخم کاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
میری صورت ہی سے بس معلوم کر لو ہمدمو | تم حقیقت میری ساری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
اے ظفر جو حال میرا کرونگا گریبان | ہو گی اون کو شرمساری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

دیگر

ہم مریض ہجر ہین ہم مین رہا دم کچھ نہیں | جز شراب وصل دارو جانتے ہم کچھ نہیں
جبکہ ہم جائین گے وہان کیا ہم سے پوچھا جائے گا | غم اگر ہے تو یہی ہے اور تو غم کچھ نہیں
ہے یہ زیبا زلف ہی کے واسطے تیرے لئے | اپنے آشفتہ سے ہونا اتنا برہم کچھ نہیں
صاف کھل جائے گا محجوب مین میرا راز دل | دیکھ اتنا پھوٹ بہنا چشم پر نم کچھ نہیں
خوب جو دیکھا تو شمشیر صفاہانی مین بھی | روبرو اس ابرو خمدار کے خم کچھ نہیں
مشک و الماس و نمک بھر دے ملا کر چارہ گر | واسطے زخم جگر کے میرے مرہم کچھ نہیں
خوب ہے وہ اک جہان جس کو کہے خوب اے ظفر
کچھ نہیں وہ جس کو کر دے ایک عالم کچھ نہیں

ہر رات سبھی اپنے آرام کو سوتے ہین
ہم جاگتے ہین تم بن کو شام کو سوتے ہین

کیا عشق کے صحرا مین بیخوف و خطر عاشق
طے کر کے رہ کفرو اسلام کو سوتے ہین

ہر شب ہمین فرقت مین روتے ہی گزرتی ہے
نے صبح کو سوتے ہین نے شام کو سوتے ہین

کر لین ترا نظارہ گر خواب مین تو آئے
ہم شب کو جو سوتے ہین اس کام کو سوتے ہین

ہم بستر راحت پہ یارو وہ دراز اپنے
اونے نہ کہو میرے پیغام کو سوتے ہین

مہکے ہوئے اٹھے ہے خوشبو مین سحر جس شب
ہم لیکے بغل مین اس گلفام کو سوتے ہین

بیہوش اون آنکھون کے ہم یون ہین تصویر مین
گویا کہ ظفر پی کر دو جام کو سوتے ہین

خدا کا گھر اے زاہد بتو کے آستانون مین
جگہ سجدہ کی ہے ان کے کف پا کے نشانون مین

مطلع

ثانی

رہی صحبت کہان بوڑھوسین نے بیول اور جوانوسین
کہین بھی تیر دیکھے ٹھہرتے سونی کمانون مین

لگاؤ نیچے تم اور بھی اک نیم غمزدہ کا
ابھی کچھ جان باقی ہے تمہارے نیم جانوسین

تری زلفون نے مثل مار شاید زہر اگلا ہے
کہین سبزے ہین یہ کان ملاحت ترے کانوسین

خرابی ہو گی دیکھو گر کریگا اشک غمازی
کہ ہے اے حضرت دل یہ تمہارے رازدانوسین

کرون نالے غم فرقت مین اگر اس مہر طلعت کے
تو برپا شور ہو یکبار ساتون آسمانون مین

میسر بوسہ لب جو تیرے ہووے یاقوتی
ابھی تاب و توان آ جائے تیرے ناتوانوسین

اگر لائین زبان پہ قصہ جانسوز کو میرے
تو پڑ جائین پھپھولے قصہ خوانونکی زبانوسین

ظفر جو کچھ ہے منظور خدا معلوم کس کو
نہین ہے عقل کو کچھ دخل اس کے کارخانوسین

دیگر

بستے تھے وہ جو لوگ یہان کوئی بھی نہین
خالی پڑے ہین اونکے مکان کوئی بھی نہین

دلسوز غیر سوز نہان کوئی بھی نہین
ہمدم سوائے آہ فغان کوئی بھی نہین

سن جاتے میرا حال ہین سب مجھ سے غمگسار
پر کرتا اونسے جا کے بیان کوئی بھی نہین

ہین یون تو گلعذار ہزارون جہانمین
پر تجھ سا شوخ غنچہ وہان کوئی بھی نہین

معلوم رفتگان عدم کا ہو کیونکہ حال
آیا وہان سے پھر کے جہان کوئی بھی نہین

دے یاد سے بھی وہ مرے دل کی خبر مجھے
قاصد سوائے اشک روان کوئی بھی نہین

دل میں مکین ہو کیوں نہ غم یار آن کر | اس سے تو بہتر اور مکان کوئی بھی نہیں
موجود ہیں وہ چھوڑ گئے جو کہ نام نیک | باقی اگرچہ اونکا نشان کائی بھی نہیں
میں دل کو جانتا تھا بڑا دوست عشق میں | دیکھا تو ایسا دشمن جان کوئی بھی نہیں
شکووں سے یوں تو دل ہے لبالب مگر کبھی | آتا ہمارے تا بزبان کوئی بھی نہیں
لون کس کو اپنے ساتھ رفاقت میں اے ظفر
صبر و شکیب و تاب و توان کوئی بھی نہیں

لب و دہن کے مزے ہوسے وہ اگر دو تین | بلا سے گالیاں دے منہ سے سیکڑ دو تین
جواب خط کا نہیں وانسے ایک بھی لاتا | روزانہ کرتے ہیں ہم روزنامہ پر دو تین
نہو تسلی دل میری اک جراحت سے | نہ جب تلک کہ ہوں زخم اور کر گر دو تین
زیادہ مجھ سے نہیں قیس و وامق و فرہاد | اگرچہ عشق میں ہیں یہ بھی نامور دو تین
نئے نئے انھیں دو تین بات فتنے روز | جہاں میں تجھ سے جو ہوں اور فتنہ گر دو تین
وہ سن کے نام مرا کچھ نبولے خیر ہوئی | کہ وان تھے اور اسی نام کے بشر دو تین
چلے جہان سے مرے ساتھ رنج و درد الم | ہیں اس سفر میں میرے یہ ہم سفر دو تین
جگر سے میرے اگر ایک خار غم نکلا | چبھو دیے حسرت نے نیشتر دو تین
وہ کہتے تھے کہ ہم اک دو گھڑی میں آتے ہیں
نہ آئے اور ظفر دن گزر دو تین

ملائیں اپنی قسمت کیاکو کاروکی قسمت میں | خدا جانے کہ کیا ہم گنہگاروں کی قسمت میں
نہ پایا بوسہ اس لب کا مریضان محبت نے | نہ تھا یہ شربت عناب بیماروکی قسمت میں
چلے میری طرف سے خط جو میرا مجھ سے لکھوا کر | لکھا ہے کچھ برا میرے طرفداروں کی قسمت میں
نہیں قسمت پہ اپنے ناز بیجا اس عشقبازی میں | کہ یہ کار لیاقت ہم سے ناکاروکی کی قسمت میں
سر ہر خار صحرا آبلہ پاٹوٹکا میرے | عجب منڈیل رکھی سر پہ تھی خاروکی قسمت میں
پھنسیں کیوں آکر دام بلا سے زلف میں بیرے | رہائی ہو اگر تیرے گرفتاروکی قسمت میں
ظفر وہ جنس ناکارہ ہوں نہیں لین مول و تجکو | کہ سرتا پا زیان ہو جن خریداروکی قسمت میں

دیگر

منہ کیا جو راز الفت غیر اے صنم بتا دیں | یا ہم کہ م بتا دو یا تم کو ہم بتا دیں

راحت ہمارے حق میں ہے یہ غم محبت | ہم کس طرح سے ناصح راحت کو غم بتا دیں

جو کچھ جواب خط میں اس نے لکھا ہے ہم کو | قاصد کی شکل ہی سے ہم یکقلم بتا دیں

محو کمر کی اپنے پوچھ ان سے تو حقیقت | جو حال رفتگان ملک عدم بتا دیں

کہتا ہے تو کہ میں نے تم کیے ستم کیا | جو جو کیے ہیں تو نے ظلم و ستم بتا دیں

تم شب کو لاکھ جاؤ چوری سے گھر کسی کے | ہم دیکھ کر تمہارے نقش قدم بتا دیں

آتے ہیں جام مے میں کیا کیا نظر تماشے | کیونکر ظفر نہ اس کو ہم جام جم بتا دیں

دیگر

جب منعکس ہو وہ رخ روشن شراب میں | کیا فرق ہو شراب میں اور آفتاب میں

مطلع | ثانی

آنسو نہ سمجھو یہ مری چشم پر آب میں | اعجاز سے ہے عشق کے دریا حباب میں

مطلع | ثانی

اللہ ری شرم آئے جو وہ شب کو خواب میں | پنہاں رکھا حجاب سے منہ کو نقاب میں

خوشبو ہے جو پسینہ میں اے گلبدن ترے | نے وہ گلاب میں ہے نہ عطر گلاب میں

دل میرا یک کیا ہزاروں ہی اس نے دل | باندھے کمند کاکل پر پیچ و تاب میں

میرے دل شکستہ میں آ کر رہے وہ کیا | رہتا ہے کون ایسے مکان خراب میں

یوں آنسوؤں کے ساتھ پیا ہم نے خون دل | جیسے ملا کے پیتے ہیں پانی شراب میں

منت کش اجل نہوئے ہم کر ہو گیا | کام اپنا تیری ایک نگاہ عتاب میں

اس بیوفا کو دو نہ دل اپنا تم اے ظفر

ڈالو نہ اپنی جان کو دیکھو عذاب میں

ہم کہیں اے نگار رہتے ہیں | لیکن تجھ پہ نثار رہتے ہیں

ہم نہ شعلہ ہیں نے شرر ہیں نہ برق | پہ سدا بیقرار رہتے ہیں

نہیں اس گل کو کچھ اثر ہوتا | نالہ کش ہم ہزار رہتے ہیں

صورت نقش پا گلی میں ترے | ہم بھی اک خاکسار رہتے ہیں

شمع ساں سوز دل نہیں بجھتا | گرچہ ہم اشکبار رہتے ہیں

اپنے دامن میں دولت اشکوں کے | گوہر آب دار رہتے ہیں

ایک رنجش اسکی سے ہے ورنہ — آپ کے سب سے پیار رہتے ہین
چشم مست اس کی لے ہی جائے ہے ہوش — گرچہ ہم ہوشیار رہتے ہین
جب پلا ہے شراب عشق ظفر — ہم نہیں بے خمار رہتے ہین

دیگر

کہی نہ اس نے جو تھی بات جی مین — رہی جی کی وقت ملاقات جی مین
لگایا نہ ہاتھ ان کو تنہائی مین بھی — تمنا رہی اپنی ہیہات جی مین
دکھاتے ہین جب اپنی ہم اشکباری — خجل ہوتی کیا کیا ہے برسات جی مین
سمجھتے کسی کو نہیں مال و دولت — یہ سمجھے ہے کیا اپنی بد ذات جی مین
بچھائی ہے وان ہم نے شطرنج ایسی — حریف اپنے پہلے ہی ہون مات جی مین
تصور مین گیسو و عارض کے تیرے — کہون کیا جو آتی ہے دن رات جی مین
دل ایسے نکیلے کو کیونکر نہ دیجے — کہ جس کی چھپے اے ظفر گات جی مین

دیگر

سب سلامی ہون اگر اہل سخن تھوڑے ہین — شہ کے اوصاف بہت اور دہن تھوڑے ہین
جگر عابد مظلوم پہ ہین داغ بہت — اور یہ انجم گردون کہن تھوڑے ہین
غم شبیر مین دیکھو یہ بڑی دولت ہے — آگے اک اشک کے سو در عدن تھوڑے ہین
قتل مین شہ کے توقف جو کوئی دم ہے تو ہے — سہنے کچھ اور ابھی رنج محن تھوڑے ہین
جسم پہ سرور دین کے سر میدان قتال — نیزہ تیر بہت سوے بدن تھوڑے ہین
تن زخمی مین جو پوشیدہ تہہ گرد و غبار — تو شہیدون کے لئے کیا یہ کفن تھوڑے ہین

قطعہ

کہتے تھے سرور دین غم نہیں گر ساتھ مرے — قہر باہم ہین رفیقان وطن تھوڑے ہین
لشکر شام کو ایک ایک دلاور ہے بہت — گرچہ ظاہر مین یہ ہفتاد و تن تھوڑے ہین
اے ظفر شہ کی سلامی کو برائے گلگشت — گر ملین خلد مین کتنے ہی چمن تھوڑے ہین

غیر نے آج ترے رات سحر کی گھر مین — نہ کھلی بات کسی پہ رہی گھر کی گھر مین
رات بھر ہم رہے تیرے پس دیوار پڑے — کسی جاسوس نے بھی یہ نہ خبر کی گھر مین

دل جلوں کو کہیں درکار چراغ خانہ | روشنی تھوڑی ہے کیا داغ جگر کی گھر میں

اشک گلگوں سے نظر آئے ادھر کیا کیا گل | چشم پر خون سے جدھر ہم نے نظر کی گھر میں

شمع کی طرح سے یاد قد رعنا میں ترے | ہم نے سولی پہ سدا رات بسر کی گھر میں

چشم کی طرح سے صاحب نظروں نے دیکھو | سیر کیا کیا نہیں بے رنج سفر کی گھر میں

مدعی وہ جو چھپے بیٹھے تھے بھاگے چھپ کر

آمد جو ہوئی رات ظفر کے گھر میں

گہنہ سے ہم نہیں خالی گناہگار تو ہیں | پر اس کی لطف و کرم کے امیدوار تو ہیں

بلا سے جان گئی اپنی عشق میں لیکن | وہ ہم کو جان گئے اپنا جاں نثار تو ہیں

زیادہ بھڑکے گی کیا اور دل میں آتش عشق | نکلے ہر بن مو سے مرے شرار تو ہیں

وفور اشک سے گو سوز دل بجھے نہ بجھے | پر اپنی آنکھوں سے ہم رہے اشکبار تو ہیں

بلا گر جگر و دل ہیں داغ اچھے | ہمیشہ دیکھتے ہم سیر لالہ زار تو ہیں

لگائے دیکھئے یا رب وہ اور کتنے تیر | کہ دل میں ہو گئے روزن کئی ہزار تو ہیں

نہ برق میں کوئی شعلہ نے شرار ہیں ہم | مگر تپش سے محبت کے بیقرار تو ہیں

اگرچہ کیسے ہی عیار و پر فریب ہیں وہ | مگر یہ بھی غنیمت بلا سے یار تو ہیں

شراب پی کہیں یا رات بھر کہیں جا کے | کچھ آنکھیں ان کی ظفر پر خمار تو ہیں

دیگر

قاصدا خط لکھوں یار خلوت میں لکھوں | کس طرح راز نہاں بیٹھ کے خلوت میں لکھوں

مطلع ثانی

کبھی ایک حرف نہ میں تیری شکایت میں لکھوں
جو لکھوں سو وہ ترے شکر عنایت میں لکھوں

یہ جو پڑھتے ہیں سیہ کار سحر اٹھ کر نماز
اس کو عادت میں لکھوں میں نہ عبادت میں لکھوں

شمع کی جل اٹھے مرے خامہ کی زبان
اگر اک حرف ترے وصف شرارت میں لکھوں

وہ جو مطلب ہی نہ لکھوں اسے میں کیا ممکن
نامہ بر یار کو نامہ کسی حالت میں لکھوں

وہ سمجھ لے اس اور غیر نہ سمجھے ہر گز
اسقدریں خط اسے کچھ ایسی عبارت میں لکھوں

ہے کہاں عیش نصیب اس کو جو تحریر کروں
ہاں مگر رنج لکھا ہے مری قسمت میں لکھوں

صفحۂ چرخ پہ ہے جائے کہاں جو غم دل
قلم آہ سے اپنے شب فرقت میں لکھوں

اے ظفر کاغذ ابری پہ لکھوں میں اس کو
قلم آہ سے اپنے شب فرقت میں لکھوں
ماجرا گریہ کا اپنے جو مصیبت میں لکھوں

دیگر

کہیے اپنا کسے اپنا تو کوئی ہے ہی نہیں
جو ہے بیگانہ ہمارا تو کوئی ہے ہی نہیں

وائے قسمت جسے ہم جانتے تھے دوست اپنا
جیسا دشمن ہے وہ ایسا تو کوئی ہے ہی نہیں

جس نے اس عالم تصویر کو دیکھا یہ کہا
ایسا تصویر سراپا تو کوئی ہے ہی نہیں

قیس و فرہاد ہوں کیا عشق میں ہمسر مجھے
مجھ سا دیوانہ و شیدا تو کوئی ہے ہی نہیں

تیرے دانتوں کے مقابل میں کوئی گوہر کو
سمجھے کیا مال کہ ہیرا تو کوئی ہے ہی نہیں

سر کے بالوں میں ترے جیسے کہ ہے مانگ تری
ایسا ظلمات کا رستہ تو کوئی ہے ہی نہیں

کس تمنا پہ جیے عاشق مایوس ترا
لیکن اب اس کے تمنا تو کوئی ہے ہی نہیں

ہو نہ ہو زلف کے کوچے میں دل سودائی
اور اب اس کا ٹھکانا تو کوئی ہے ہی نہیں

سروقد کون ہو رعنائی میں ہمسر تیرا
تجھ سا یاں دلبر رعنا تو کوئی ہے ہی نہیں

کیا کروں غم کو نہ سمجھوں اپنا غمخوا
دل کے دینے کو دلاسا تو کوئی ہے ہی نہیں

قدرت حق کا تماشا ہے ظفر جیسے بشر
ایسا دنیا میں تماشا تو کوئی ہے ہی نہیں

بتوں نے نہ کیں آشنائی کی باتیں
کہیں اور ساری خدائی کی باتیں

مطلع ثانی

نہیں تم کو لازم برائی کی باتیں
بھلوں کو ہے زیبا بھلائی کی باتیں

غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت
کرو منہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں

لڑاتے ہو محفل میں غیروں سے آنکھیں
صریحاً ہیں یہ تو لڑائی کی باتیں

جو کرتے ہو تم دلربائی کا دعویٰ
کچھ آتی بھی ہیں دلربائی کی باتیں

نہیں بات کوئی بھی تجھمیں وفا کی
ستمگر ہیں سب بیوفائی کی باتی

اگر بوسہ مانگو تو وہ منہ بنا کر
کہے ہے کبریائی کی باتیں

شب وصال بھی مجھکو روتے ہی گزری
جو یاد آئیں روز جدائی کی باتیں

اگر سیدھے ہوتے مرے بخت واژون
تو کیون کرتے وہ کج ادائی کی باتیں

ظفر دل میں بستی ہے رندی و مستی
نہ منہ سے بنا پارسائی کی باتیں

دیگر

رخ گلرنگ کو جب میں گل رنگین باندھون
کیونکہ دانتون کو نہ پھر غنچہ نسرین باندھون

گر کہون اس کی جبین کو قمر ابرو ہلال
پھر تو جھومر کو بھی میں خوشہ پروین باندھون

لب و دندان کو کہون اس کے بدخشان و عدن
زلف و کاکل کو سراسر ختن و چین باندھون

نگہ و ناز کو ٹھہراؤن جو اس کی شہباز
اس کی مژگان کو نہ کیون چنگل شاہین باندھون

باندھون مژگان ستمگار کو میں نیزہ و تیر
خط و دنبالہ کو بندوق و قرابین باندھون

زلف کو لیلے و عارض کو لکھون میں عذرا
اور اس لعل شکر بار کو شیرین باندھون

روئے روشن کو کہون اس کے اگر سورہ نور
اس کے دانتون کو بھی میں سورہ یٰسین باندھون

چشم میگون کر اگر جام سے دون میں تشبیہ
صاف گردن کو صراحی بلورین باندھون

کیون گر غمزہ سفاک کو غارتگر ہوش
چشم کافر کا نہ کیون رہزن دین باندھون

قد رعنا اگر سرو سے دون میں نسبت
دست نازک کو بھی شاخ گل نسرین باندھون

نازوانداز کی اس کی نہ ادا ہو توصیف
اے ظفر گرچہ میں کتنے ہی مضامین باندھون

دیگر

کہیں سے جا پڑے اڑ کر جو برگ گل سمندر میں
تو شرط عشق یہ ہے ساتھ ہو بلبل سمندر میں

مطلع ثانی

اگر ہو عکس افگن یار کی کاکل سمندر مین
تو پیدا جائے موج اب ہو سنبل سمندر مین

پڑے عالم مین جس دم شوردریائے سرشک اپنا
تو بس طوفان کے ڈر سے ہو نہ کیونکر غل سمندر مین

دکھاؤن گا جو اپنے دیدہ پر اب کا عالم
تو گرداہون کی بھی جائینگی آنکھیں کھل سمندر مین

گزر جانا نہ سمجھے سہل دریائے محبت سے
اگر باندھے کوئی تدبیر سے سو پل سمندر مین

دکھانے اب داری تو جو اپنی دردندان کی
تو غرق اب خجلت ہوویں سوتی کل سمندر مین

علی وہ ہے ظفر موڑے نہ ہرگز باگ میدان سے
سمندر ہو جا حائل ڈال دے دلدل سمندر مین

کان سے گوہر اور رون نے دو چار نکالے اچھے ہین
چشم سے لاکھون ہم نے درشہوار نکالے اچھے ہین

گاہ جلانا گاہ رولانا یہ تو تم نے میرے ساتھ
ڈھنگ نکالے خوب ہین اور اطوار نکالے اچھے ہین

حق مین ہمارے اس نے کہی باتیں لاکھون بار بری
منہ سے کلام اس شوخ نے گر یکبار نکالے اچھے ہین

خار رنج وغم کی خلش سے برسون ہم بے چین رہے
جیسے تو نے کھینچ سے یہ خار نکالے اچھے ہین

بات تری کب خالی ہے یا جھڑکی ہے یا گالی ہے
پیارے تو مجھ سے تو یہ پیار نکالے اچھے ہین

زلف نے ظالم مار نکالا دل کو تو کیا سودائی تھا
اس کافر نے اور ہزارون مار نکالے اچھے ہین

گرچہ زمین یہ خوب نہ تھی پر اپنی زور طبیعت سے
کیا کیا اس مین تو نے ظفر اشعار نکالے اچھے ہین

دیگر

انہیں جو کہ خط مین دم تحریر ہم لکھیں
یہ اپنی کیونکر اپنے ہاتھ سے تقصیر ہم لکھیں

شکایت لکھیں اے قاصد جو انکی سرد مہری کی
تو لازم ہے کہ لیکر کاغذ کشمیر ہم لکھیں

کہیں خنجر نگہہ کو تیرے اور شمشیر ابرو کو
خط و نبالہ کو نیزہ مژہ کو تیر ہم لکھیں

ترے روئے خط کا تو ورق سے بہتر ہے
پڑھیں قرآن اگر ہم اور تفسیر ہم لکھیں

غنی ہین آ گیا ہاتھ اپنے نسخہ خاکساری کا
کہیں سے ڈھونڈھ کر کیون نسخہ اکسیر ہم لکھیں

یہ اپنی بن گئی صورت کہ پہچانی نہیں جاتی
نہ جب تک نام بھی اپنا سر تصویر ہم لکھیں

کہان تک صفحہ گردون پہ حال دل ظفر اپنا
ہمیشہ لے کے کلک آہ بے تاثیر ہم لکھیں

دیگر

کرو اے بتو دلربائی کی باتیں
نکالو نہ ساری خدائی کی باتیں

نہیں اعتبار آشنائی کا ان کو
کریں لاکھ وہ آشنائی کی باتیں

رہے ایسے بیدرد اپنے کہاں ہیں
کہیں جن سے درد جدائی کی باتیں

تمہارے تو دل میں کدورت بھی ہے
کرو تم نہ ظاہر صفائی کی باتیں

قفس میں ہے کیا فائدہ شور و غل سے
کرو کچھ اسیر و رہائی کی باتیں

جب آئی ہمیں یاد وہ چشم میگون
گئے بھول سب پارسائی کی باتیں

کہا اس نے جب لے لیا ہم نے بوسہ
مری ڈھٹھ ہیں یہ ڈھٹائی کی باتیں

لڑا تو نہ محفل میں بیونسے آنکھیں
یہ اے جنگجو ہیں لڑائی کی باتیں

ظفر کیا زمانہ برا آگیا ہے
جہاں دیکھو ہیں واں برائی کی باتیں

دیگر

ہم سے کب اس بیوفا نے بیوفائی کی نہیں
لیکن اس سے ترک ہم نے آشنائی کی نہیں

ہووے کیا بیمار فرقت کا طبیبوں سے علاج
وصل بن کوئی دوا درد جدائی کی نہیں

تو اگر کچھ پوچھتا ہے مجھ سے میرے دل کی پوچھ
اے صنم مج کو خبر ساری خدائی کی نہیں

وہ بھلا کرے ہیں کہتے ہیں بجا مجکو برو
کی برائی میں نے یہ میں نے برائی کی نہیں

بیٹھے ہیں نہا لگا کے دست و پا میں وہ حنا
اس سے بہتر جانے کوئی ہاتھا پائی کی نہیں

چھوٹے قسمت ہی سے دل دام بلائے زلف سے
ورنہ ظاہر کچھ توقع تو رہائی کی نہیں

لیگیا وہ دلربا دل کیونکہ میں حیران ہوں
بات آئی کوئی اس کو دلربائی کی نہیں

دیکھیے کیا ہو مکدر ہم سے ہے آئینہ رو
اور کوئی صورت نظر آتی صفائی کی نہیں

عشق ہی ماہر ہے
اپنا عشق ہے رہنما

اے ظفر حاج کسی
کی رہنمائی کی نہیں

اسی لئے تو ہمیں جستجو کسو کی نہیں
کہ ہم کو ملنے کی اب آرزو کسو کی نہیں

کہیں کے دل ہی میں جو کچھ ہمارے دل میں ہے
زبان سے کہنے کے ہم روبرو کسو کی نہیں

جھکایا جس نے ہے سر اپنا زیر تیغ صنم
وہ ہوتا آ کے کبھی سرفرو کسے کی نہیں

ہمارے چاک جگر کا عبث ہے فکر رفو
یہ ہوتا ہاتھ سے ہرگز رفو کسو کے نہیں

امید آنے کی اس کے ہو کس طرح ہم کو
کہ آتا خواب میں وہ ماہرو کسو کے نہیں

چھپایا زلف میں کس طرح اس نے تجھ کو دلا
کہ الیا پیچ میں اس طرح تو کسو کے نہیں

گلہ ظفر نہ کرو ان سے آشنائی کا
کہ آشنا ہوئے تو کبھو کسو کے نہیں

دیگر

رہتا ہمیشہ دل سے تمہارے حضور ہون
باطن مین مین قریب ہون ظاہر مین دور ہون

ناصح تجھے شعور سے ہے میرے کیا غرض
مین صاحب شعور ہون یا بے شعور ہون

اے مست ناز گر کے نظر سے ترے ہوا
مین شیشہ شراب کے مانند چور ہون

دل چاہتا ہے تم کو اسے دیجئے سزا
میرا قصور کچھ نہیں مین بے قصور ہون

مرتا پری رخون پہ ہون مین بعد سے پرست
زاہد نہیں ہون مین جو طلبگار حور ہون

کرنے لگے زیادہ تغافل وہ اور بھی
مین کہا جو ان سے کہ مین ناصبور ہون

دن کو کہ رات کو مگر اک بار ظفر
ہو آتا ا کے کوچے مین مین بھی ضرور ہون

دیگر

ہے مہر وفا اور ماہ طلعت آزماتے ہین
ہم اپنے آج طالع اور قسمت آزماتے ہین

مطلع
ثانی

ستم گر ہم نہیں کچھ تیری الفت آزماتے ہین
دل اپنا دیکے تجکو اپنی قسمت آزماتے ہین

نہیں کھلتا معما اس دہان تنگ کا مجھ سے
اگرچہ ہم بہت سے اب طبیعت آزماتے ہین

جو دعوی عشق کا ہے بوالہوس کو سامنے آئے
کہ اپنی آج وہ تیغ محبت آزماتے ہین

دلا تم جانتے ہو جو ہین شیوے دلرباؤن کے
انہیں کیون عیدہ داشت حضرات آزماتے ہین

کرے زور آزمائی بستیون پہ کوہکن اپنی
سر کوہ الم ہم اپنی طاقت آزماتے ہین

چلے ہم آج چل تو بھی ہمارے ساتھ دنیا سے
تری ہم اے غم جانان رفاقت آزماتے ہین

عجب نادان ہین لاکھون یار کر کے آزمائش ہم
مروت پھر تری اے بے مروت آزماتے ہین

دم عیش و طرب اغیار بھی ہین یار بن جاتے
ظفر یارون کو تو وقت مصیبت آزماتے ہین

دل دے کے ان کو گنہگا تو مین ہون
دین کس کو سزا وہ کہ سزاوار تو مین ہون

پیاسا مرے لوہو کا جو ہے کوئی تو وہ ہے
ہون اس کا اگر تشنہ دیدار تو مین ہون

ہے کون کہ لیتا ہو جسے اپنی گوارا
ہون اپنے اگر در پے آزار تو مین ہون

کہتا ہے مجھے عشق سے ہراسان
کس واسطے ہے تیرا مددگار تو مین ہون

آنکھونسے حریفون کے کھٹکتا ہو ہمیشہ
سوکھا ہوا اگرچہ روش خار تو مین ہون

آ بوسہ ترے لب کا مرض غم کی دوا ہے
کیوں اور کو دیتا ہے کہ بیمار تو میں ہوں

ناصح مجھے کیوں عشق سے مانع ہے اسے کیا
ہوں رنج و مصیبت میں گرفتار تو میں ہوں

جی چاہتا ہے تجھ پہ فدا ہونے کو میرا
مرضی تری ہووے اگر اے یار تو میں ہوں

لوں جان تلک بیچ کے مول اے ظفر اس کو
ہوں جنس محبت کا خریدار تو میں ہوں

کہاں ہے بوسہ لب ہم لبگاروں کی قسمت میں
کہیں یہ شربت عناب بیماروں کی قسمت میں

نمک تھوڑا سا اے کان ملاحت چیں کر بھر دے
اگر مرہم کہیں تیر دل افگاروں کی قسمت میں

اڑاتے خاک پھرتے کیوں صبا کی طرح سے سر پر
اگر آرام ہوتا تیرے آواروں کی قسمت میں

خطا کی اپنی ناحق چھیڑ کر اس زلف مشکیں کو
خدا جانے کہ کیا ہم خطاواروں کی قسمت میں

وہی لیتے ہیں سوداؤں بازار محبت میں
کہیں ہے سود مطلق جن خریداروں کی قسمت میں

کہیں ہے طائر تصویر آسا دام حیرت سے
کسی صورت رہائی ہم گرفتاروں کی قسمت میں

ظفر اور وامق و فرہاد و مجنوں کیوں نہ ہوں نالی
لگی تھی عشق کی دولت انہیں چاروں کی قسمت میں

دیگر

ہم نے کہیں ایک دم سے دو باتیں
تو سنیں اس نے ہم سے دو باتیں

تو نے اے پر خفا نہ کہیں ہم سے
کبھی لطف و کرم سے دو باتیں

اے خدا ایک بات ہو لیکن
ہم سے ہوں اس صنم سے دو باتیں

پھر کے آتے جو وہ تو کرتے ہم
رفتگان عدم سے دو باتیں

چل سکی جب نہ وہاں زبان اپنی
کہیں زبان قلم سے دو باتیں

پھر لپٹے نہوگی مہر وفا
ہیں یہ اپنے ہی دم سے دو باتیں

آپ ڈوبے مجھے بھی لے ڈوبے
ہو رہیں یہ چشم نم سے دو باتیں

کبھی اس بیوفا سے ہوتی ہیں
لاکھ قول و قسم سے دو باتیں

اے ظفر کچھ ہی اس میں ہو لیکن
کیجئے اس پر ستم سے دو باتیں

دیگر

ٹکڑے کہیں جگر کے ہیں اشکوں کے تار میں
یہ لعل موتیوں کے پروئے ہیں ہار میں

قطرے کہیں پسینے کے ہیں زلف یار میں
درانی اا گئے ہیں یہ ملک تتار میں

سرمہ نہیں لگا ہوا مژگان یار پر
ہے زنگ سا لگا ہوا خنجر کی دھار مین

ساقی شتاب دے مجھے تو بھر کے جام مے
بیٹھا ہون تجھو اس نشے کے اتار مین

ہم حسن گندمی پہ ترے ہو کے شیفتہ
کیا کیا ذلیل و خوار ہیں قرب و جوار مین

بعد از فنا بھی کم نہ ہوئی سوزش جگر
گرمی ہے اب تلک مرے خاک مزار مین

سایہ مین زلف کے ہے کہاں روئے تابناک
ہے چاند سا چھپا ہوا ابر بہار مین

مثل غبار اٹھ کے جو تیری گلی سے جائے
طاقت کہاں ہے اتنی ترے خاکسار مین

اس رشک گل کی اب تو دیا ہم نے دل ظفر
کہہ دیں گے ہم زبان سے یہ سو مین ہزار مین

راز پنہان کھل گیا محفل کے یکسر بیچ مین
خط کھلا جو رکھ دیا یا قاصد نے لا کر بیچ مین

یار کے روئے کتابی پر نہ سمجھو خط سبز
رکھ دیا قرآن کے ہے طاؤس کا پر بیچ مین

سر کے بالون مین مانگ اور مانگ مین موتی بھرے
وہ ہے شب وہ کہکشان ہو اس کے اختر بیچ مین

اشک و لخت دل پرو کر یون بنائے ہم نے ہار
دانہ یاقوت دو دو ایک گوہر بیچ مین

عکس بینی کو کہے آئینہ مین وہ مست ناز
دیکھو کیا دریا کے ہے سد سکندر بیچ مین

دل کو سوز عشق مین کیونکر مرے تسکین نہ ہو
چین سے رہتا ہے آتش کے سمندر بیچ مین

اے ظفر وہ ساتھ بھی سوئے تو سوئے اس طرح
رکھ لیا تکیہ کو پہلو کے برابر بیچ مین

دل اپنا دینا ایسا ہے دل آزارو کے ہاتھون مین
کہ دیوے جیسے شیشہ کوئی میخوارون کے ہاتھون مین

نہیں کھلتی خبر اس بےخبر پر ہیں کھلے پھرتے
مے اخبار کے پرچے خبردارون کے ہاتھون مین

کرون جس وقت مین احوال رنج و غم بیان اپنا
تو ہون رومال تر اشکون سے غمخوارون کے ہاتھون مین

اٹھالین توڑ کر زنجیر زندان دشت کو سر پر
جنون دے زور گر تیرے گرفتارون کے ہاتھون مین

نکل جاتے ہی وہ کیونکر چھیڑ کر اس زلف مشکین کو
کہ بوئے مشک آتی تھی خطاوارون کے ہاتھون مین

اگر اس سیمبر کے ہاتھ کا لائین خط مہری
کڑے سونے کے ڈلوا دون مین ہرکارون کے ہاتھون مین

مرے نزدیک زاہد کم نہیں زنار گردن سے
یہ تسبیح ریائی جھوٹی مکارون کے ہاتھون مین

کسی کا قول یاد آئے اس کافر کو کیا ممکن
گر وقت قسم قرآن ہو دیندارون کے ہاتھون مین

زیادہ خوشنما ہے سرخی رنگ حنا سے بھی
ظفر خون شہید ناز خونخوارون کے ہاتھون مین

دیگر

آج تک معلوم یہ مجھکو نہیں کیا چیز ہوں
کون ہوں کیا شے ہوں میں ناچیز ہوں یا چیز ہوں

لے ہی لے تو گوہر دل کو مرے ہرگز نچھوڑ
دیکھ تیرے واسطے کیا خوب لایا چیز ہوں

دل دیا جان دی تجھے دین بھی دیا ایمان بھی
اور کیا دوں کونسی میں اور رکھتا چیز ہوں

ہو گیا دل میرا دولت سے قناعت کی غنی
جانتا دنیا کو میں کیا مال ہوں کیا چیز ہوں

جنس دل بازار الفت میں کوئی لیتا نہیں
پھیر لے ہے شہ جسے میں یہ دکھاتا چیز ہوں

واہ یہ عالم عجب کوئی تماشا گاہ ہے
ہر جگہ میں دیکھتا یاں اک تماشا چیز ہوں

اے ظفر کیا پوچھتے ہو کیا بتاؤں آپ کو
خاک ہوں میں خاک ہوں ناکارہ ہوں ناچیز ہوں

دیگر

دل لگانے کی باتیں اور ہی ہیں
دل دکھانے کی باتیں اور ہی ہیں

وہ چھپانے کی باتیں اور ہی ہیں
یہ جتانے کی باتیں اور ہی ہیں

کیا کہی بات ہم نے تم سے خلاف
روٹھ جانے کی باتیں اور ہی ہیں

تو اگر چاہے آئے یاں سو بار
پر بہانے کی باتیں اور ہی ہیں

کیا بجھاؤ گے میری سوزش دل
کہ بجھانے کی باتیں اور ہی ہیں

آزماتے ہیں وہ وفا میں کے
آزمانے کی باتیں اور ہی ہیں

زہر کھاتا ہے بات بات پہ کون
زہر کھانے کی باتیں اور ہی ہیں

ہم کہاں اور کہاں قفس صیاد
آب و دانہ کی باتیں اور ہی ہیں

شمع کیا جانے طرز دل سوزی
دل جلانے کی باتیں اور ہی ہیں

ہم نے بڑھ کے تم سے کس دن بات
شر بڑھانے کی باتیں اور ہی ہیں

ظفر اگلا زمانہ تھا کچھ اور
اس زمانے کی باتیں اور ہی ہیں

ہر ایک سے ہیں تری اتحاد کی باتیں
مگر ہمیں سے ہیں بغض و عناد کی باتیں

خدا کے واسطے ان مفسدونکو گھر سے نکال
نکالتے ہیں یہ کیا کیا فساد کی باتیں

کہیں ہے معتقد شیخ و برہمن عاشق
کہ اس کی اور ہی ہیں اعتقاد کی باتیں

نہیں ہے خوب یہ بیداد اے شہ خوبی
کہ شہ کو چاہیں انصاف و داد کی باتیں

بنائیں باتیں ہزار آ کے حضرت ناصح — پہ ان کی باتیں کہیں اعتقاد کی باتیں
اگر ان آنکھوں کو منظور ہے ہمارا دل — تو ہیں یہ عین ہمارے مراد کی باتیں
بھلا دے دل سے ظفر اور تذکرے سارے — وہ یاد رکھ کہ جو ہیں اس کی یاد کی باتیں

دیگر

سرشک و آہ میں توقیر دوں تو کس کو دوں — خطاب صاحب تاثیر دوں تو کس کو دوں
نہ نامہ بر ہے نہ ہے مرغ نامہ بر صیاد — خط اپنا کر کے تحریر دوں تو کس کو دوں
نگاہ و ناز ہیں دونوں مرے لیے جلاد — قضا کہے ہے کہ شمشیر دوں تو کس کو دوں
نہیں ہے درد سے آگاہ ناصح نافہم — جواب میں دم تقریر دوں تو کس کو دوں
گنہگار محبت ہیں دونوں دیدہ و دل — بتاؤ دوں تو میں تعزیر دوں تو کس کو دوں
نظر پہ اپنے بھی جب رشک ہو تو دیکھنے کو — پھر اپنے یار کی تصویر دوں تو کس کو دوں
نمک میں دونوں برابر ہیں وہ لب نمکین — ظفر دل اپنا اگرچہ دوں تو کس کو دوں

دیگر

ہم ان کی گرچہ خاطر داری و دلجوئی کرتے ہیں — و لیکن ہم سے وہ ہر بات پر بد خوئی کرتے ہیں
شمیم زلف سے تیرے نسیم صبح کے جھونکے — معطر ہر چمن کو باعث خوشبوئی کرتے ہیں
وہ بد گفتار سب اپنی بدی کے پاس بیٹھیں گے — جو بیٹھے تیرے پہلو میں مری بدگوئی کرتے ہیں
نہ میری سوزش دل کو بجھاتے ہیں مرے آنسو — نہ ان کے دامن دل سے کدورت شوئی کرتے ہیں
غرض کیا ان کو آرائش سے جو قانع ہیں اے منعم — بدل کب شال سے وہ اپنی میلی لوئی کرتے ہیں
تمہارے گیسوؤں کی میں کیا تقصیر کی پوچھو — جو مجھ سے ذاتی پیشہ سے وہ خمروئی کرتے ہیں
ہمارے نیک و بد کو اے ظفر کیا پوچھتا ہے تو
کہ کار بد ہزاروں اور تلافی کوئی کرتے ہیں

گئی آہ جگر کہیں کی کہیں — جا ہی پہونچی خبر کہیں کی کہیں
میں کیوں بات تو وہ لے جائیں — جی میں کچھ سوچ کر کہیں کی کہیں
ہو گا پردہ سے کیا پردہ نشین — میری پہونچی نظر کہیں کی کہیں
لے گئی بوئے زلف اڑا کے تری — ہائے باد سحر کہیں کی کہیں
میری اور تیری چاہ کی اک دھوم — پہونچی اے فتنہ گر کہیں کی کہیں

یہ بگولا نہیں بھٹکتی ہے
روح مجنون مگر کہیں کی کہیں

کیا لکھون خط چھپا کے پہونچ گئی
یہ خبر نامہ بر کہیں کی کہیں

سمجھے اپنا ہے گلہ ان کو
میں نے باتیں اگر کہیں کی کہیں

میری وحشت لئے
پھرے ہے مجھے

اندنون اے ظفر
کہیں کی کہیں

ہم خیال زلف و رخ میں اپنی حالت کیا کہیں
رات دن رہتی ہے جو ہم پر مصیبت کیا کہیں

تو جو ہم سے صاف ہو تم ہم کہیں کچھ اپنا حال
ہے بھری دل میں تمہاری تو کدورت کیا کہیں

کوئی بھی دلسوز اپنا جب نظر آتا نہ ہو
پھر کسی کے سامنے سوز محبت کیا کہیں

تم درازی کو شب ہجران کے ہو کیا پوچھتے
ہم کہیں رات اس کو یا روز قیامت کیا کہیں

جب کسی صورت تجھے پاس پروت ہی نہ ہو
ہم جو کچھ تجھ سے کہیں اے بے مروت کیا کہیں

جی میں تھا یار آئے گا تو کچھ کہیں گے راز دل
جب وہ آیا ہو گئے ہم محو حیرت کیا کہیں

وہ جو رانیکا ہمارے پوچھتے ہیں ماجرا
اور بھی ہو جائے ہے گریہ کی شدت کیا کہیں

تل بے گری حسن کی اللہ رے عارض کی تاب
مہروش تجھ کو کہیں یا ماہ طلعت کیا کہیں

ہم نے چاہا کچھ کہیں اس نے لیا منہ اپنا پھیر
ہوگئی اپنی ظفر برگشتہ قسمت کیا کہیں

دیگر

جس سے چار آنکھیں تری اے آفت جان ہو گئیں
تیر سے اس کے جگر کے پار مژگان ہو گئیں

ایک میری جان ہے کیا ایسی و جائیں سیکڑون
ناز کے صدقے ترے غمزہ کے قربان ہو گئیں

گر جو چٹیں بھی لگیں دست حنائی سے ترے
ہم خطاوارون کو وہ پھولون کی چھڑیان ہو گئیں

تیز تھیں پہلے بھی تلواریں نگاہون کی ترے
سنگ سرمہ سے زیادہ اور بران ہو گئیں

ان کے رونے نے ڈبایا آشنائی میں مجھے
میری آنکھیں میرے حق میں قہر طوفان ہو گئیں

شہر سے شاید گیا دیوانہ صحرا کو نکل
شور لڑکون کا نہیں سونی گلیان ہو گئیں

واہ اس صور کدہ میں دیکھتے ہی دیکھتے
صورتیں کیا کیا نظر سے اپنی پنہان ہو گئیں

روائے اس دست نگارین کے تصور میں جو ہم
اشک خون سے اپنی پلکیں شاخ مرجان ہو گئیں

او ظفر دل کی پریشانی کا ہے میرے اثر
یہ جو اس کافر کی زلفیں ہیں پریشان ہو گئیں

دیگر

نامہ بر شاید وہاں کچھ اور تدبیریں ہوئی
جو خط و پرزہ کی سب موقوف تحریریں ہوئیں

مطلع ثانی

کیا خطائیں ہم نے کیں کیا ہم سے تقصیریں ہوئیں
جو ہمارے قتل کی قاتل یہ تدبیریں ہوئیں

غل پڑا عالم میں ہم سودائیوں کی قید کا
جس گھڑی تیار ان زلفوں کی زنجیریں ہوئیں

ہیں جو خوبان عالم تصویر ہم ان کے کلام
سن کے حیران ہیں کہ گویا کیونکہ تصویریں ہوئیں

تھے بہت سر بار پر میں ہی ہوا سینہ سپر
سامنے تیرے بھویں جو لچکے شمشیریں ہوئیں

حسن کی سرکار سے امداد و دل کو عشق میں
دونوں زنجیریں تری زلفوں کی جاگیریں ہوئیں

پھوڑا جب فرہاد نے سر اپنا اور مجنوں نے پاؤں
عشق میں ثابت بری دونوں کی تقدیریں ہوئیں

عشق کو دیتا تھا میں ترجیح ناصح عقل کو
اس پہ مرے اور اس کے خوب تقریریں ہوئیں

جو نہ تھی توقیر کے قابل انہیں کو اے ظفر
چرخ کی سفلہ نوازی سے ہیں توقیریں ہوئیں

نہ پوچھ گردن مجھر ہل گئی تھی کیوں
چھری تری دم تکبیر ہل گئی تھی کیوں

نہ آیا خواب رہا رات پھر یہی کھٹکا
کہ در پہ یار کے زنجیر ہل گئی تھی کیوں

جو ان بھووں کی نہ جنبش سے آیا تھا بھونچال
تو میری دل کی یہ تعمیر ہل گئی تھی کیوں

پہونچ گیا رخ نازل پہ اس کے اک صدمہ
ہوا سے زلف گرہ گیر ہل گئی تھی کیوں

جو تیرے خوف ستم سے لرز گئے تھے نہ یہ
تو پھر زمیں فلک پہ ہل گئی تھی کیوں

جہاں سے جنبش ابرو سے اس نے قتل کیا
الہی اس کی یہ شمشیر ہل گئی تھی کیوں

پڑا جو خانہ زندان میں غل خدا جانے
کہ میرے پاؤں کی زنجیر ہل گئی تھی کیوں

زبان شمع کو کاٹا جو تو نے خوب کیا
یہ شب کو بزم میں گلگیر ہل گئی تھی کیوں

جو زیر خاک نہ تھا اضطراب دل باقی
تو گور عاشق دلگیر ہل گئی ہی کیوں

ہماری جان ہمیشہ رہی جو تیرے پاس
یہ تجھ سے اے بت بے پیر ہل گئی تھی کیوں

ظفر جو خوف سے تیرا نہ کانپتا یہ ہاتھ
قلم تری دم تحریر ہل گئی تھی کیوں

دیگر

شوخی بلا سے شوخ پریرو کی آنکھ میں
وحشت ہے ایسی کاہے کو آہو کی آنکھ میں

میں اپنے سوز دل کو بجھاؤں تو کس طرح
اب تو نہیں ہے بوند بھی آنسو کی آنکھ میں

کیا دیکھیں اس سے چشم کہ دیکھیں نہیں کبھی
ہم نے مروت اس بت دلجو کی آنکھ میں

اک دم بھی اشک خون سے جو تھم رہائے رات کو
سرخی تمام دن رہی لوہو کی آنکھ میں

ہو کیا ادا نماز جو محراب دیکھ کر
پھر جانے شکل اس خم ابرو کی آنکھ میں

چشم اس کی خود سے سحر نگاہیں ہیں خود فسون
حاجت نہیں ہے سرمہ جادو کی آنکھ میں

ہیں دل کے باندھنے کو کمندیں یہ اے ظفر
ڈورے چھپے ہوئے مری مہرو کی آنکھ میں

دیگر

میں ہوں بھی نہ منہ سے کبھی یارو نہیں نکالوں
بیٹھا ہوا سب کام اشاروں میں نکالوں

گالی مجھے وہ لوگوں میں کیوں دے جو یہ سمجھے
کیا ایسا سخن منہ سے ہزاروں میں نکالوں

سو بار بہار آئے نہ آئے وہ گل اندام
کیا دل کے میں ارمان بہاروں میں نکالوں

ہیں دشت میں وحشت نے ترے پاؤں نکالے
میں پاؤں یہ کیوں دشت کی خاروں میں نکالوں

گر مجھ کو جلادیں روش شمع سراپا
میں منہ سے نہ اف شعلہ عذاروں میں نکالوں

ہم سر ہوں جو دندان مسی زیب سے ترے
سو طرح کے میں عیب ستاروں میں نکالوں

مانند نگین سینہ خراشی کے بدولت
میں نام ظفر سینہ فگاروں میں نکالوں

دل غم الفت سے مضطر کچھ نہیں تو کچھ نہیں
چشم آب گریہ سے تر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

نے ہے بت خانہ میں نہ کعبہ میں ہے جو دل میں ہے
ور اگر دل ہی کے اندر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

غم ہے کیا ساقی کہ ہستی کا نہیں کاچھ اعتبار
تو دیے جا بھر کے ساغر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

ہے ترے دل کی کدورت سے مرے دل پہ غبار
ور جو تیرا دل مکدر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خوبی تقدیر کے ہیں ساتھ ساری خوبیاں
ور اگر اے دل مقدر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

قد خوباں گرچہ نخل میوہ فردوس ہے
ناز پستان سے ثمر ور کچھ نہیں تو کچھ نہیں

غم نہیں ہونے نہ ہونے کا کہ بے پروا ہیں ہم
ہے تو ہے سب کچھ میسر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خوبی جوہر سے ہے انسان کی قدر و منزلت
ور اس میں خوب جوہر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خانہ دل کم نہیں رتبہ میں بیت اللہ سے
پر ترے نزدیک کافر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

حسن و خوبی ناز و شوخی سب ہیں لیکن کیا کریں
رحم تجھ میں اے ستمگر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

تم جو کہتے ہو ظفر کو کچھ نہیں یہ آدمی
خیر بہتر بندہ پرور کچھ نہیں تو کچھ نہیں

جا کے ہم گوشہ دان پکڑتے ہین — کر سخن چین زبان پکڑتے ہین
جو ان آنکھون کے ہوتے ہین بیمار — پھر وہ دو دن کہان پکڑتے ہین
کیا بلا مار گیر ہین ہم بھی — یار زلف بتان پکڑتے ہین
چھیڑ کر فندقون کو ہاتھ مین ہم — گویا انگار یان پکڑتے ہین
کب نکلتے ہین دل سے تیرے تیر — جب جگر میری جان پکڑتے ہین
جان کر مرشد اپنا بادہ پرست — دست پیر مغان پکڑتے ہین
گیا چوری کے ساتھ دل پکڑا — چور گٹھری سے ہان پکڑتے ہین
دیکھ کر تیری ایک گردش چشم — کان تو آسمان پکڑتے ہین
اے ظفر خاک ہو کے عشق مین ہم — دامن داستان پکڑتے ہین

دیگر

بد کو جو ہے بدی سے کہنا ہمارے حق مین — بد ہو گا اس کے حق مین اچھا ہمارے حق مین
ہے کیا خطا تمہاری تھا یون نوشتہ اپنا — ہو کر خفا جو تم نے لکھا ہمارے حق مین
تیرا خیال قامت ہر روز اے ستمگر — کرتا ہے اک قیامت برپا ہمارے حق مین
آنسو ہمارے ہم کو ہین عشق مین ڈبوتے — ہے ایک ایک قطرہ دریا ہمارے حق مین
پڑتی ہے دمبدم کیون ہم پر نظر تمہاری — منظور آپ کو ہے اب کیا ہمارے حق مین
مژگان جو یار اس کی ہم کو دلاری ہے — دل ہے ہمارا کانٹے بوتا ہمارے حق مین
کرتی ہے تنگ ہم کو وحشت ظفر ہماری — زندان سے کم نہین ہے صحرا ہمارے حق مین

دیگر

جو خوش کلام ہین کام و دہان پکڑتے ہین / جہان کہ مردم بد گو زبان پکڑتے ہین

کرے ہے چشم و عنایت ست تو نظر جس پہ / وہ عذر تیری دل اے دلستان پکڑتے ہین

جو ہوتے ہین تری چشم سیاہ کے بیمار / وہ رات کاہکو اے میری جان پکڑتے ہین

ارادہ کرتے ہین دل کے شکار کرنے کا / وہ جبکہ ہاتھ مین تیر و کمان پکڑے ہین

کوئی بلا ہین سپیرے ہمارے حضرت دل / جو مار طرہ عنبر فشان پکڑتے ہین

برنگ نقش و قدم پھر وہ کوئی اٹھتے ہین / جگہ جو تیرے سر آستان پکڑے ہین

ظفر لکھیں انہیں کیا حال ہائے کانپتے ہین / قلم جو ہاتھ مین ہم ناتوان پکڑتے ہین

تیر و شمشیر کے زخمون سے ہین اے یار نشان / تن پہ جو گول کئی ہین کئی خمدار نشان

تو جو لے کیہ کی جا ہاتھ نہ رکھ کر سوتا / پڑتے چھلو کے ترے کیون سر رخسار نشان

سینہ کاوی سے غرض کیا انہیں مانند نگین / نہ تمہین نام کی خواہش ہے نہ درکار نشان

جز جفاؤ ستم وجود نپایا تجھمین / ہم سے الفت کا کچھ اے شوخ ستمگار نشان

زخم کھانے مین مزا کچھ جو نہووے تو یہ دل / کیون ہو تیرنگہ یار کا سو بار نشان

لاکھ دھو تو نہیں جانے کا کبھی اے قاتل / تیرے دامن سے لہو کا مرے زنہار نشان

چشم گریان دل بریان دم سرد و رخ زرد / ہین اظاہر تو بھی عشق کے دو چار نشان

کثرت داغ سے ہے فوج صف آرا دل پہ / کھول دے تو بھی تو اے آہ شرر بار نشان

اے ظفر جبکہ ہوئی فرصت گلگشت انہیں / نہ رہا گل کا سر دامن گلزار نشان

دیگر

کبھی جو ہاتھ مین ہم گیسوے جانا نہ لیتے ہین / تو اپنے پنجہ مژگان مین کارشانہ لیتے ہین

سبو زخم سے کبھی ہوتےہیں سیراب جو مےکش / وہ کب احسان ساقی بہر یک پیمانہ لیتے ہین

انہیں کیا کام زاہد نے لیا گر رستہ کعبہ کا / ہم اس بت کی محبت مین رہ بتخانہ لیے ہین

اٹھاتے ہین وہ معشوق کی کیفیت جو مستی مین / لب میگون کے تیرے بوسہ گستاخانہ لیتے ہین

ترے کہنے سے ناحق چھیڑ کر اس زلف مشکین کو / بلا ہم اپنے سر پہ اے دل دیوانہ لیتے ہین

قسم ہے اپنے سر کی ہم ابھی دیتے ہین سر اپنا / اگر جرم وفا پہ ہم سے جرمانہ لیے ہین

ظفر نثار گردن جن کی ہے رشتہ محبت کا / وہ اپنے ہاتھ مین کب سبحہ صد دانہ لیتے ہین

دیگر

مجھ سے کیونکر نہو انکار ملاقات تمہیں
گذرے ہے صحبت اغیار میں دن رات تمہیں

ہم سے ہر بات پہ ہوتے ہو جو ٹیڑھے ترچھے
کرنی آتی نہیں سیدھی بھی ابھی بات تمہیں

آئے یا آئے نہ تم ہم بھی گئے یا نہ گئے
یہ مساوات ہمیں ہے وہ مساوات تمہیں

داؤ پہ جڑھ کے ہمارے کوئی بچ سکتا ہے
دل کے لینے کی تو آتی ہے عجب گھات تمہیں

اشک بھر لاؤں جو آنکھوںمیں دم روزش دل
عین گرمی میں دکھا دوں ابھی برسات تمہیں

تحفہ تر دل سے کوئی چیز نپائی ہم نے
بھیجتے راہ محبت سے ہیں سوغات تمہیں

خوش غم عشق میں اس یار کے ہو م ہر وقت
اے ظفر کیوں نہ کہیں لوگ خوش تمہیں

دیگر

دے کر کے گرہیں زلف گرہ گیر میں دو تین
باندھے ہے وہ دل زلف کی زنجیر کی دو تین

ہو کر چار اس سے وہ کر وہ قاتل سفاک
سر دے ہے اڑا ایک ہی شمشیر میں دو تین

یہ ناز و ادا یہ نگہ و غمزہ انداز
ہیں خوب ای عالم تصویر میں دو تین

دس باتیں ہوں دل میں تو ادا سامنے اس کے
تقریر میں دو تین ہوں تحریر میں دو تین

اس پنجہ مژگاں سے لے خوب پیاپے
خنجر جگر عاشق دل گیر میں دو تین

بیمار محبت نے ترے اور بھی ظالم
دن پکڑے ترے آنے کی تاخیر میں دو تین

قربا ترے ہاتھوں کے اے شوخ کمانداز
کیا تو نے پروئے ہیں دل اک تیر میں دو تین

یہ رنج و قلق اور یہ اندوہ و غم و درد
غمخوار لکھے تھے مری تقدیر میں دو تین

اک میں ہی نہیں وصل کا خواہاں ظفر اس کے
ہیں اور بھی پھرتے اسی تدبیر میں دو تین

نے کبھی ہوں شاد شادی میں نہ غمگیں غم میں ہوں — میرا عالم اور ہے میں اور ہی عالم میں ہوں

فرصت یک دم پہ اتنا پھولنا مثل حباب — آ گیا کیا ہستی موہوم کے میں دم میں ہوں

کیوں پھروں آوارہ اس کو ڈھونڈھتا مثل صبا — میرا ہم دم مجھیں ہے اور اپنے میں ہمدم میں ہوں

کیا کرے گا اشک باری ابر میرے سامنے — رکھتا اک دریائے خوں ہیں دیدہ پر نم میں ہوں

میں جگر افگار ہوں کیا عشق میں سوزش پسند — چارہ گر سے اپنے ملواتا نمک مرہم میں ہوں

جو مقدر میں ہے اس سے نے زیادہ ہو نہ کم — میری نادانی ہے گر میں فکر بیش و کم میں ہوں

کاسہ چشم تصور چھوڑ کر اپنا کبھی — اے نظر محو تماشا میں نہ جام جم میں ہوں

دیگر

دل ہے تیر نگاہ یار کی سکون — لیکن اس کو نہیں شکار کی سکون

چشم ہے کیا انتظار کی سکون — دل بھی ہے درد ہجر یار کی سکون

ہم ترے ظلم کے سوا ظالم — نہ محبت کی ہے نہ پیار کی سکون

ہم کو جز بوسہ لب میگوں — نہیں صہبائے خوشگوار کی سکون

خون کو میرے ملے وہ تلووں سے — ہے یہ مہندی اسی نگار کی سکون

دیکھ لیتے ہیں سینہ پہ داغ — ہے کسے سیر لالہ زار کی سکون

تن پہ جائے قبائے آب رواں — خاک ہے تیرے خاکسار کی سکون

واہ ابرو ہوا و سبزہ و گل — ہے یہ موسم شراب خوار کی سکون

یار کا نامہ تسلی بخش — ہے مری جان بیقرار کی سکون

دل مرا مثل بلبل تصویر — نہ خزاں کی ہے نہ بہار کی سکون

قطعہ

اے پری ہے زمیں دشت جنوں — ترے دیوانہ کے مزار کی سکون

بید مجنوں سرہانے ہو اس کے — ہو اگر نخل سایہ دار کی سکون

قطعہ

ہو میسر زلال خضر تو کیا — کر نہیں تیرے جان نثار کی سکون

ہے تو اس تشنہ شہادت کو — آب شمشیر آبدار کی سکون

لے چلا دل ظفر مجھے تا حق
میں کہیں اس ستم شعار کی کون

آئے نہ تم جو ایک نفس پانچ روز میں / یاں کاٹے ہم نے پانچ برس پانچ روز میں
ہے عمر پنجروزہ بہت فرصت قلیل / کیا خاک نکلے دل کی ہوس پانچ روز میں
پہونچے جہاں پیادہ ہم اک دن میں مضطرب / جائے نہ واں سوار فرس پانچ روز میں
وہ پانچ دن خفا رہے ایسے دید لو / آنکھیں سکیں ہمارے ترس پاچ روز میں
یہ ضعیف ہے کہ آئے ہے سینہ سے لب تلک / صیاد بانگ مرغ قفس پانچ روز میں
ماتم ترے شہید کا پنجم تلک رہا / جو ہونا تھا سو ہو گیا بس پانچ روز میں
چھپے کا راز عشق کہیں اپنا او ظفر
کھل جائے ا یہ دیکھنا دس پانچ روز میں

ردیف الواو

گر ناز سے وہ صبح میں رکھے چمن کے پانو / چومے زمیں پہ گر کے گل اس گلبدن کے پانو
وحشہ کو میرے دیکھ کے جو بھولے چوکڑی / اک جست میں شکستہ ہوں چاروں ہرن کے پانو
اے عشق کیا صلاح ہے تیرے بتا مجھے / لوں شیخ کے قدم کہ پڑوں برہمن کے پانو
اٹھا نہ آہ و نالہ سے اپنے بلا اسے / اے دل کہیں ہیں گنبد چرخ کہن کے پانو
شیریں کو پھر نہ ہو ہوس سرخی کفک / رنگین کرے لہو سے اگر کوہکن کے پانو
یہاں تک ہے شوق دشت نوردی کی دوں نکال / میں اپنے بعد مرگ بھی باہر کفن کے پانو
شیطان کو سونپے اپنی خدمت اگر وضو / دھو دھو پئے وہ زاہد پر مکر ان کے پانو
کیونکر نکل سکے دل وحشی کہ پھنس گئے / پھندے میں اس کی زلف شکن در شکن کے پانو
دشت جنوں میں تو بھی فرصت نہیں ظفر / پھیلیں جو اک ذرہ مرے دیوانہ پن کے پانو

دیگر

الفت کو تم ہمارے کیا دم سے پوچھتے ہو — دل ہی سے اپنے پوچھو کیوں ہم سے پوچھتے ہو

اے ہمدمو ہے کوئی دم ار پوچھ لو تم — جو کچھ کہ میری جان پہ ہے غم سے پوچھتے یو

ہم کون ہیں جو پوچھو کوئی صلاح ہم سے — پوچھتے ہو اپنے محرم سے پوچھتے ہو

یہ ہم جو اس طرح وہ ہوتی ہے حضرت دل — کیا بات اس کی زلف پہ خم کی پوچھت ہو

تدبیر قتل میری پوچھوگے سے اپنی — تم اس کو کیا قضائے مبرم سے پوچھتے ہو

سر دیجے عشق میں ہیں کیونکر یہ ہم سے پوچھو — کیا اس دلاوری کو رستم سے پوچھتے ہو

خانہ بخانہ سوار ہوتے ہو اے ظفر تم — اس کا مکان جو سارے عالم سے پوچھتے ہو

دیگر

چاہیے تیر ناز پہ کاری تیر نظر اور اچھا — جیسے میں زخم دل کے قریب اک زخم گر اور اچھا ہو

قطرہ اشک کو میرے لے کر جو ہر یوں سے تم یہ کہو — لاؤ دکھاؤ اس سے بھی جو کوئی گہر اور اچھا ہو

پرورش اپنی خون جگر سے کرے ہیں اس واسطے ہم — حاصل نخل محبت کا تا ہم کو ثمر اور اچھا ہو

دل کو جلا کر میرے اگر وہ مجھ کو جلاوے سرتاپا — پیدا نالہ سوزاں میں اک میرے اثر ار اچھا ہو

اے غم جاناں دل میں مرے آ کے رہی پھرتی بلا — واسطے تیرے رہنے کے جو اس سے گھر اور اچھا ہو

سارے اطباء بلکہ مسیحا آئے لیکن ممکن کیا — جو ہو تیرا بیمار چشم فسوں گر اور اچھا ہو

اچھا ہو گر چھڑکے نمک وہ میرے دل کی جراحت پہ — بلکہ تھوڑا مشک بھی اس میں ہو جو ظفر اور اچھا ہو

وہ دیکھے سوز محبت سے دل کے داغ کی لو — نہ دیکھی جس نے بھڑکی ہوئی چراغ کی لو

دکھاوے رشک چمن اپنے تو لب رخسار — لگی ہوئی ہے مرے دل کو سیر باغ کی لو

خیال ہے ہمیں ساقی کی چشم میگوں کا — نہ ہے شراب کی خواہش نہ ہے ایاغ کی لو

عجب نہیں کہ مرے سر پہ داغ سودا سے — عیاں ہو شمع صفت سوزش دماغ کی لو

جہاں سے ہو گئے عنقا کی طرح وہ معدوم — لگی جنہیں کمر یار کے سراغ کی لو

تمہارے عاشق وحشی مزاج کہ تم بن — کبھی ہے باغ کی لو اور کبھی ہے راغ کی لو

جہان میں کنج قناعت کو ہا وہی خواہاں — ظفر لگی ہو جسے گوشہ فراغ کی لو

زلف میں قطرے عرق کے ہیں تارے ایک دو — یا نکل آئے ہیں بدلی میں ستارے ایک دو

مطلع

باقی

روز تم وشام دو منہ پہ ہمارے ایک دو
پیار سے بوسہ نہ صد افسوس پیارے ایک دو

لکھ کے ساری عمر یہ پاپڑا کی جانے ہم نے بھی
آپ کے دو چار ایسا اور اشارے ایک دو

اس تپ سوز محبت کا کروں میں کیا علاج
روز لائے ہے نئے مجھ سے حرارے ایک دو

کیا رکھے کوئی فلک سے کار سازی کی امید
سیکڑوں اس نے بگاڑے گر سنوارے ایک دو

کہتے ہیں آتشکدہ جس کو ہوئے ہیں جمع وہ
آتش دل کے مرے شاید شرارے ایک دو

چرخ پہ انجم، کو پھر کیا کیا زمیں پہ رشک ہو
جھڑ پڑیں اس نقش پا سے گر ستارے ایک دو

کوئی دن ایسا نہیں جاتا کوچہ میں ترے
جا کے مر جاتے نہیں شامت کے مارے ایک دو

ماہتابی پہ ظفر کیا لطف سیر ماہتاب
ہووین پہلو میں نہ جب تک ماہ پارے ایک دو

دیگر

بس میں دل کر لو کسی دم سے نہ پوچھو نہ پچھو
انہیں کیا پوچھتے ہو ہم سے نہ پوچھو نہ پچھو

میرے نالے ہی سے ہو جائے گا سب کچھ معلوم
حال میرا میرے ہمدم سے نہ پوچھو نہ پچھو

دل کی دل بے خبر پوچھ لو دل سے اپنے
کچھ ہمارے دل پر غم سے نہ پوچھو نہ پچھو

وہ کرو آہ غضب جو کہے نا محرم راز
اور اپنے کبھی محرم سے نہ پوچھو نہ پچھو

کیا کہے حال وہ جو لے نہ سکے ضعف سے دم
اب تو کچھ عاشق بیدم سے نہ پوچھو نہ پچھو

دل بیمار کو پوچھو اب جانان سے علاج
ہمدمو چھٹے مرہم سے نہ پوچھو نہ پچھو

جاؤ اے حضرت دل مانگ کی سیدھی راہ
رستہ اس طرہ پر خم سے نہ پوچھو نہ پچھو

دل پہ جو میرے گزرتی ہے اسے دیکھ لو تم
ہے عیان دیدہ پر نم سے نہ پوچھو نہ پچھو

پوچھ لو دل سے ظفر پوچھتے ہو جو تدبیر
اور کچھ مردم عالم سے نہ پوچھو نہ پچھو

دیگر

گالیاں دے چکے اب نالہ و زاری تو سنو
اپنی سب کر چکے تھوڑی سی ہماری تو سنو

بات آدھی بھی نہیں منہ سے نکالی ہم نے
کیوں رکے ہم سے حقیقت ابھی ساری تو سنو

یارو احوال مرا سن کے کرو گے تم کیا
اس میں کچھ اور اگر ہو سکے یاری تو سنو

نہ سنو تم میری توقیر کی باتیں نہ سنو
پر بلا سے مری تم ذلت و خواری تو سنو

کہیں کچھ ہم تو سنو تم نہ اے یکتائی
اور مخالف کہے آ کر کئی باری تو سنو

ناصحو حال غم عشق سنو تم کیونکر ہووے حالت جو ہماری سی تمہاری تو سنو

اے ظفر سن ہو کیوں باتیں کسی کی بیکار

کچھ اگر سننے سے ہو کار براری و سنو

اگر ہم قتل کو میرے کوئی شمشیر لے آؤ تو ابرو ہی کی اپنے کھینچ کر تصویر لے آؤ

قسم کھائی ہے یارو اس نے میرے گھر میں آنے کی جو تم سے آ سکے تو کر کے کچھ تدبیر لے آؤ

دیا تھا ہم نے کیا اقرار نامہ آپ کو لکھ کر کہاں ہے وہ ہمارے ہاتھ کی تحریر لے آؤ

کسی نے جو کہا عاشق کا لائیں سامنے تیرے کہا گر ہے تھا ہی اس کی دامنگیرے لے آؤ

مقابل کر کے دیکھو خوبی اس کی روبیے تو خدا کی عزیزہ و سورہ یوسف کی ہم تفسیر لے آؤ

وفا کا کب کیا اقرار ہم نے بیوفاؤں سے بتا کر دل سے تم چاہو کوئی تقریر لے آؤ

کہو اعدا اے یہ گر ہو ظفر کی ہمسری کرتے

تو اس کی سی کہیں سے پہلے تم تقدیر لے آؤ

کون کہتا ہے ادا سے نہ چلو یوں نہیں چلو لیکن تم پاؤں سے دل کو نہ ملو یونہیں چلو

تربت عاشق شیدا پہ اگر چلتے ہو تو کسی غیر کو ہمراہ نہ لو یونہیں چلو

چھوڑتے چال بھلونکی وہ نہیں جو ہیں بھلے تم جو دنیا میں بھلے ہو تو بھلو یونہیں چلو

جب کہا میں نے میرے گھر کی طرف چلیے تو کہا آگے بڑھو یاں سے ٹلو یونہیں چلو

نہ چلو ساتھ مرے یوں کر چلیں اور بھی ساتھ اور جو چھاتی پہ مرے مونگ دلو یا کہیں چلو

کر لو کچھ نیک عمل چلنا یاں سے تم کو کہیں ایسا نہ ہو اے بدعملو یونہیں چلو

کھینچ لا عشق ظفر آگ میں پروانوں کو کہتا ہے خواہ جلو خواہ یوں نہیں چلو

دیگر

کہیں عیش مجھ کو نہ عیاش سمجھو تم اس غمزدہ کو نہ بشاش سمجھو

نہ کھینچوں اگر دل پہ نقش تمہارا تو کاہے کو تم مجھ کو نقاش سمجھو

مدام اس کو رندوں سے صحبت رہی ہے تم اس دختر رز کو اوباش سمجھو

کیا جھاڑ کر صاف صحرا کو اس نے نہ سمجھو ہوا اس کو فراش سمجھو

یہ ہے عکس خورشید دریا میں مستتر اے بادلہ سمجھو یا تاش سمجھو

پڑا در پہ میں آپ کے خاک ہو کر مجھے خاکسار اپنا تم کاش سمجھو

تم اس حوروش کے لب شکریں کو ظفر سیب جنت کی اک قاش سمجھو

دیگر

کچھ اس کے دیکھنے کا اے دل نہیں لگاؤ کہ پاس تم لگاؤ یا دور ہیں لگاؤ
آتا ہے پاس میرے تم کو تو آج کی شب پانو میں م نہ مہدی اے مہ جبین لگاؤ
دنیا میں بے لگاؤ کوئی مکان نہیں ہے لیکن نہ پایا میرے گھر کا کہیں لگاؤ
اوس ماہ وش سے اپنا کیونکر لگے گا لگا تو نے ہیں سب منائے چرخ بریں لگاؤ
وہ خال لب کا نکتہ کھلتا ہے کب کسی پر ڈھونڈیں ہیں ہزار اس کا اب نکتہ چیں لگاؤ
سنگ فسان سے بہتر ہے میری سخت جانی تم کو اگر لگانی ہے تیغ کیں لگاؤ
تو اضطراب دل کو کیا پوچھے ہے ظفر کے
ہوتا برا ہے دل کا اے نازنیں لگاؤ

جس سے آرام ہو دل دیجے کسی ایسے کو نہ کر دل لیکے دکھاتا رہے جی ایسے کو
بشر اس حور شمائل کو ہو کیا دیکھے نقش ہوش اڑ جائیں اگر دیکھے پری ایسے کو
دل کی اچھا کیا اس زلف نے باندھیں مشکیں دینی لیکن ہی سزا چاہیے تھی ایسے کو
روت دیکھا جو مجھے اس نے تو ہنس کر یہ کہا کر انہیں دیکھ کے آتی ہے ہنسی ایسے کو
شکوہ بیجا ہے اگر دل دل کو چھوڑے غم عشق دل میں بھی ہم نے جگر آپ ہی دی ایسے کو
خط مرا پھرتا ہے غیروں کو دکھاتا قاصد دی نوشتہ نے مرے نامہ بری ایسے کو
دیجے اس دلبر نازک کا الٰہی کیوں سخت زیب دیتی نہیں یہ سنگدلی ایسے کو
جوہر آئینہ ہیں ورنہ ہے ایسا غماز کر دکھاوے نہ کبھی منہ بھی کبھی ایسے کو
اس زمانے میں نہ آئے ہو جسے مکر و فریب
سچ تو یہ ہے کہ ظفر کہیے ولی ایسے کو

نہ اس رخ پہ زلف پریشان سمجھو شب و روز دست و گریبان سمجھو

مطلع ثانی

مسی پر نہ وہ سرخی پان سمجھو کسی کے یہ شبخون کا سامان سمجھو
نہ سمجھو اسے جان اے حضرت دل اگر ہے سمجھ دشمن جان سمجھو
تمہیں کیونکہ دیدیں کے بے بوسہ دل ہم انہیں تم نہ ایسا بھی نادان سمجھو

کبھی جو طغیانی اشکون کی اپنے
تو پھر آج آیا ہے طوفان سمجھو

کبھے ہو یون بات کب م ہماری
اگر کچھ سو کھول کر کان سمجھو

نہیں حق پرتی سے کم ب پرتی
اگر عشق کو دین و ایمان سمجھو

کسے لاؤ خاطر مین م تو پری ہو
جو انسان ہو قدر انسان سمجھو

کرو عشقبازی ظفر تم سمجھ کر
یہ کام مشکل نہ آسان سمجھو

دیگر

ہنسی سے ہم نے ذرا چھو لیے جو یار کے پانو
تو اس نے کھینچ عجب ایک چیخ مار کے پانو

بھلا دی ایسی ان آنکھون نے چوکڑی اکبار
کہ گر کے ٹوٹ گئے آہوے تتار کے پانو

زیادہ ہوئی رنگین چمن مین گل مہندی
گئے جو دھوے نگارین وہان نگار کے پانو

پھرون نہ دشت جنون مین برہنہ پا کیونکر
کہ آشنا ہین مزے سے خراش خار کے پانو

نکالے پانو ہین آنسو نے اب تو مژگان پر
کوئی ٹھہرتے ہین اس طفلک سوار کے پانو

ملے ہین دیدہ خونبار کس کے لوون سے
بھرے ہین خون مین جو اس شوخ گلعذار کے پانو

جو کوچے تیغ ستم سے ہو بچے کٹواتے
تو رکھیں کوچہ مین ہم اس ستم شعار کے پانو

نصیب اس سے اگر ہو ہماری پابوسی
تو خاکپا یہ تمہارا پڑے ہزار کے پانو

یہ ٹھکانے جہان اے ظفر کہیں وہ جائے
کہ سووے چین سے کوئی یہان پسار کے پانو

دیگر

تیغ غم سے کس کا دل سینہ سپر میرا سا ہو
وہ چڑھے منہ عشق کے جس کا جگر میرا سا ہو

کہتے اس نو خط کے کوچے مین ہین کوچے نکلا
لے کے خط جاوے وہان جو نامہ بر میرا سا ہو

ابر سو سو بار گوہر بار ہو لیکن کہان
عہردیدہ اس کا خونفشان وو دوپہر میرا سا ہو

چھیڑے وہ شامت زدہ کا لیکو اس کی زلف کے
جان پہ جو کھیلے دل جس کا نڈر میرا سا ہو

جو ہو ہرجائی پہ شیدا اس کا رسوائی سے حال
کو بکو خانہ بخانہ در بدر میرا سا ہو

ہووے حسن عشق کا جب آشکارا رنگ ڈھنگ
رنگ ادھر تیرا سا ہو اور ڈھنگ ادھر میرا سا ہو

ناصح بیدرد سے اپنا کہون مین درد دل
جبکہ دل پہ درد اس کا اے ظفر میرا سا ہو

گڑ کے سو بار اکھڑ جاتے ہیں تدبیر کے پانو
لیک لغزش نہیں کرتے کبھی تقدیر کے پانو

گنبد چرخ خدا جانے کھڑا ہے کیونکر
ورنہ گر ہی پڑے گر ہووین نہ تعمیر کے پانو

دل کا اس زلف میں یہ حال ہے جیسے پھنس جائیں
آ کے پھندے میں کسی مرغ ہوا گیر کے پانو

آئے گا پائے تصور سے ترے کوچہ میں
کٹ جائیں گے اگر عشق کے پانو

کیا عجب وحشت سے گر آ کے چومے مجنون
تیرے وحشت زدہ پائے بہ زنجیر کے پانو

اے کماندار ترے تیر کی زد پر آ کر
اٹھ نہیں سکتے زمیں سے ترے نخچیر کے پانو

جی بھی چاہتا ہے
آنکھیں لگا دون اپنی

اے ظفر دیکھ کے اس
عالم تصویر کے پانو

دوست اچھے ہو تو پوری دوستی کے ہو رہو
یا کسی کو کر رکھو تم یا کسے کے ہو رہو

اس چمن میں کیا کرو گے میکشو فہس بول کر
غنچہ سان خاموش خون دل کر پی کے ہو رہو

حضر دل ہوتا حیران گر تمھیں منظور ہے
محو حیرت اس کی چشم نرگسی کے ہو رہو

ناصحو دکھلا دے وہ جلوہ تو میری طرح سے
تم بھی دیوانے سے اس رشک پری کے ہو رہو

جاتے ہو یارو مرے ہو کر طرف دار اس کے پاس
پر کہیں ایسا نہ ہو تم بھی اسی کے ہو رہو

ہوشیار پوچھتے ہو تم اگر مجھ سے صلاح
مست لا یعقل نشے میں بیخودی کے ہو رہو

کرے ہو بہاد اپنی خاکساری کیون ظفر
اس کی خاک درغبار اس کی گلی کے ہو رہو

دیگر

آپ کی مرضی ہے جو منہ سے ذرا کہہ تو دو
بات کیا گر گو منہ سے ذرا کہہ تو دو

تم نے جو مجھے دیکھ کر پھیر لیا اپنا منہ
کس لئے رنجیدہ ہو منہ سے ذرا کہہ تو دو

بوسہ مجھے دو گے تم ایک کے دو لے کے دل
مشفق من وعدہ و منہ سے ذرا کہہ تو دو

سامنے اس کے جلوہ دکھیں تو کیا کہتے ہو
ہم بھی سنیں ناصحو منہ سے ذرا کہہ تو دو

دل کہو حاضر ہے دل جان کہو حاضر ہے جان
جو تمھیں لینا ہو تو منہ سے ذرا کہہ تو دو

اس دل بیتاب کی کوئی تسلی کی بات
گرچہ نہ دل سے کہو منہ سے ذرا کہہ تو دو

کچھ رکون تو رکو اور نہ کیون تو رکو
منہ سے ذرا کہہ تو دو منہ سے ذرا کہہ تو دو

درد دل اپنا ظفر اس بت بیدرد سے
آج جو کچھ ہو سو ہو منہ سے ذرا کہہ تو دو

دیگر

صحبت تمھیں جو غیر سے لیل و نہار ہو
پھر مجھ سے کیونکہ آپ کی صحبت بر اا رہو

وہ ایک دوست چاہیے تو پرواکہیں اگر
دشمن ہمارا ایک سے لے تا ہزار ہو

عیاریوں سے لیتے ہو دل کیسے یاریاں
مطلب کے اپنے یار ہو تم کس کے یار ہو

حاضر ہیں صید گاہ محبت میں پہلے ہم
ناوک فگن اگر تجھے شوق شکار ہو

سینہ میں داغ عشق کو رہنے دو چارہ گر
شاید یہ بعد مرگ چراغ مزار ہو

دپ ہے وہی پسند جو تجھ پہ فدا رہے
جان ہے وہی عزیز جو تجھ پہ نثار ہو

کیا حال اس کا ہو کہ تڑپے جس مریض کا
آنکھوں میں دم ہو اور ترا انتظار ہو

اختر شمار یوں ہی میں تجھ بن کروں بسر
ہر چند رات ہجر کی روز شمار ہو

ہوں خاک راہ اس
کا پہ ایسا نہوظفر
میرا غبار خاطر
نازل پہ بار ہو

سو دو زبان بتو کے نہ کچھ دم بھر پیے ہو
اے ہمدمو سو خدا کے کرے سے ہو

کوئی بھلوں کے ساتھ برائی بھلی نہیں
نقصان اسی کا ہو جو کھوٹا کھرے سے ہو

تجھ سا حسین نپایا کوئی ہم نے اے پری
پریوں کے ملک کے بھی تم آئے پری سے ہو

دل میرا صاف ان سے ہے مانند آئینہ
کیونکر غبار لوگوں کے تہمت دھرے سے ہو

صحرا میں آب گریہ سے دیوانہ کو ترے
تھے جو درخت خشک گئے سب ہرے سے ہو

یکساں ہے تیرے عاشق شیدا کو مرگ و زیست
حاصل نہ کچھ جیے سے نہ اس کو مرے ہی ہو

کیوں سوتے سوتے چونک پڑے خواب میں ظفر
وہ نازلف دیکھ کے شاید ڈرے سے ہو

دیگر

یوں مرے گریہ سے خط روے جاناں سبز ہو
جس طرح فراط باراں سے گلستاں سبز ہو

و کر ہیں آزاد ان کو ہے ہمیشہ تازگی
کیا عجب ہ فصل میں گر سرو یکساں سبز ہو

چشم آلودی سے دیکھے جو ان کو محتسب
میکدہ میں کیوں رنگ بادہ خواراں سبز ہو

ہر نہال باغ ہووے زرد خجلت سے اگر
بر میں جوڑا تیرے اے سرو خراماں سبز ہو

خار سے تا زاغ آہو سب میں نکلیں برگ سبز
گر ترے مجنوں کے رونے سے بیاباں سبز ہو

اس قدر میں سوز دل لے کر چلا ہوں زیر خاک
نخل تربت پہ نہ میرے وقت باراں سبز ہو

ہو یقیں سب کو کر آیا چشمہ حیواں پہ خضر
جب ظفر اس پشت لب پہ خط نمایاں سبز ہو

دیگر

زمین پہ خاک جبین ترے خاکسار کے پانو
ہوا کے دوش پہ ہوئے ہیں یہاں غبار کے پانو

وہ پائیں باغ میں کب ہے بہار گل مہندی
جو ہیں بہار پہ مہندی سے اس نگار کے پانو

راہ اجل پہ قدم تیری سخت جانوں کے
اکھڑ کے گڑتے نہیں جیسے کوہسار کے پانو

شراب خانہ سے جائے مست اٹھ کے کہاں
کہ ساقیا نہیں ہوتے شراب خوار کے پانو

بلا سے بیٹھے ہیں جاسوس ڈر نہیں ہم کو
گلی میں یار کے رکھتے ہیں ہم پکار کے پانو

مجھے ہے ڈر کہ نہ قاصد تری کہیں کوچین
رکھے ہے کوچہ میں تو اس ستم شعار کے پانو

ظفر جو حرص سے دنیا کے کھینچ لے ہیں ہاتھ
وہ سوتے کنج قناعت میں ہیں پسار کے پانو

دیگر

یہ چمن کی صورت ہے جو منظور خدا ہو
پہلو میں جگر دل کے بہت ہوش ربا ہو

مطلع ثانی

تم پہ یہ ہوا خواہ دل و جان سے فدا ہو
اور تم یہ کہو حیف کہ چل یاں سے ہوا ہو

سر اپنا جھکیے اور کہاں غیر در یار
سجدہ وہیں کرتے ہیں جہاں سجدہ کی جا ہو

بوسہ لب میگون کا جو وہ مست مے ناز
د عالم ہستی میں تو کیا خوب مزا ہو

آزار محبت سے ہیں ناچار اطباء
کیا اس کا مداوا ہو کہ جس کی نہ دوا ہو

برہم ہون دو عالم ترے اک جلوے سے کافر
جب دونون طرف منہ پہ ترے زلف دوتا ہو

چشم یرقانی پہ ہے یون سایہ مژگان
تنکے کو اٹھائے ہوئے جون کاہ ربا ہو

جب جانے گرفتاری دل کو مرے ناصح
دل اس کا بھی گر دام محبت میں پھنسا ہو

مسجد سے نہیں کم وہ زمین سجدہ کو اپنے
جس جا ظفر ا یار کا نقش کف پا ہو

عاشق کو اپنے دیکھ کبھی اک نظر تو لو
وہ تم پہ جان دے ہے تم اس کی خبر تو لو

زخمی کیا فلک کو مرے تیر آہ نے
خون ہے شفق نہیں ہے ذرا دھیان کر تو لو

لے دون گا اپنی جان تلک تیغ کر تمہیں
اے نالو ہاتھ آئے بقسمت اثر تو لو

عاشق تو مری جایا یہ کوئی دم میں آپ
خون لیجئے اپنے سر پہ ہو ناحق اگر تو لو

بوسہ نہ دو گلے نہ لگو تم پلنگ پہ
پہ منہ کو اپنے پھیر کے کروٹ ادھر تو لو

میں نے کہا کہو تو مسیحا کیوں تمہیں
کہنے لگا کہ کہتا ابھی پہلے مر تو لو

منہ کیا کہ دو گے نامہ و پیغام قاصد و
تم جا کے اس کے سامنے نام ظفر تو لو

جتنے گلے ہیں سارے منہ سے نکال ڈالو
رکھو نہ دل میں پیارے منہ سے نکال ڈالو

ہم پیار سے ڈلی دیں منہ میں تمہارے اور تم
جا کر اسے کنارے منہ سے نکال ڈالو

غصہ کو تھوک دو تم بیٹھو نہ منہ بنا کر
جو جی میں ہے تمہارے منہ سے نکال ڈالو

کہنے سے ہم نہ چوکیں کہدیں ارشاد تونے
تم گر زبان ہماری منہ سے نکال ڈالو

زلف اکی وہ کہیں ہے ناگن کہ حضرت دل
دانت اس کے ڈر کے مارے منہ سے نکال ڈالو

کچھ پان میں دیا ہے اس نے کہ یار ہم کو
کرتے ہیں یہ اشارے منہ سے نکال ڈالو

تم گوہر سخن کو چمکا کے جب نکالو
گویا ظفر ستارے منہ سے نکال ڈالو

دیگر

دلا اس روے آتشناک پر تو دیکھ گیسو کو
پرستش آگ کی کرتے نہ دیکھا ہو جو ہندو کو

لگ پر دیکھ کر ماہ صیام اے شوخ بہ طلعت
کوئی تلوار کو دیکھے ہے اور ہم تیرے ابرو کو

دکھاوے کان کے بالے میں اس کو زلف الجھا کر
نہ دیکھا جس نے ہو مارے سے لڑتے بچھو کو

معطر مہلعجان نکہت عنبر سے ہ سارا
اڑا گر صبا لیجاے ان زلفوں کی خوشبو کو

کہاں ہے دل کہ وہ تو بہہ گیا خون ہو کے اشکوں میں
ستمگر دیکھتا ہے چیر کر کیا میرے پہلو کو

تصور چشم تر میں جس کے ہے اس قد دلجو کا
اٹھا کر آنکھ کب دیکھے ہے وہ سرو لب جو کو

لب سوفار میں کیوں سرخ اے ناوک فگن ان کے
پیا تیروں نے یہ گ نہیں عاشق کے لوہو کو

نہیں یہ چشم وحشی میں ترے تحریر کاجل کی
یہ ڈوری سے باندھا ہے مگر اے شوخ آہو کو

ظفر جس سے در خوش آب غرق بحر خجلت ہے
محبت نے ہے دی وہ آبداری میرے آنسو کو

دیگر

جو اس کی زلف میں ہے مشک ناب کیسی بو
تو ہے پسینے میں رخ کے گلاب کیسی بو

الٰہی خیر ہو آتی ہے کوئے قاتل سے
جو خون عاشق پر اضطراب کیسی بو

جلایا سینہ میں کیا دل کو آتش غم نے
کہ ساتھ آہ کے آتی کباب کیسی بو

تصور رخ مہوش میں ہم اگر روئیں
ہر اشک میں ہو گل ماہتاب کیسی بو

تجاوز لطف و عنایت پہ اس کے حضرت دل
تلخی اس میں بھی ہے اک عتاب کیسی بو

کہاں ہے سنبل پیچاں میں اے نسیم چمن
کسی کی طرہ پیچ و تاب کیسی بو

نہ لیجے منہ سے ظفر نام پارسائی کا
تمہارے منہ سے ہے آئی شراب کیسی بو

حضرت دل بیٹھے ہو گر کام سے بیٹھے رہو
میرے گھٹنے سے لے آرام س ٹھے رہو

شاعر و مضمون زلف و رخ نہ آ سکا ہاتھ اے
کر میں گر صبح ک م شام سے بیٹھے رہو

جا کے دیر و کعبہ میں کیا لو گے تم اے غافلو
ہاتھ اٹھاؤ اور اسلام سے بیٹھے رہو

بیٹھے سے پاس بدنامی کا ڈر ہے کیوں نہ تم
دور اپنے عاشق بدنام سے ٹھے رہو

چرخ تک چکر میں سب ہیں کیونکہ یارو زیر چرخ
بچ کے م اس گردش ایام میں بیٹھے رہو

اے سیرو اب نہ پر میں طاقت پرواز ہے
کیا کرو گے م نکل کر دام سے بیٹھے رہو

وہ دکھائے گا کبھی تو جلوہ اپنا اے ظفر
م لگائے آنکھیں اپنی بام سے بیٹھے رہو

عرق میں رخ کے اگر ہے گلاب کیسی بو
تو اس کے زلف میں مشکناب کیسی بو

پھر آیا سوز محبت سے میرے دل میں جوش
کہ آنسوؤں میں ہے جو پوشیدہ آب کیسی بو

کہا یہ دل نے کہ ہے مست لے ابھی لے بوسہ
دہن سے اس کے جو آئی شراب کیسی بو

وہ خاکسار ہوں میں جس کے جسم خاکی پر
پسینہ آئے تو آئے تراب کیسی بو

رہب شیخ کا ڈاڑھی کے رنگ کرے سے
عیاں ہے منہ پر اس کے خضاب کیسی بو

کیا جو آتش غم نے برشتہ سینہ میں دل
تو ساتھ سان کے آئی کباب کیسی بو

نہ کیونکہ چین سے آنکھوں میں خواب آئے ظفر
صبا جولائی کسی مست خواب کیسی بو

دیگر

مسافرو کہیں یاں ٹھہرنے کی جائے چلو
راہ ں میں تم اپنے قدم اٹھائے چلو

بتا ہمیں دل بیتاب ہم چلیں نہ چلیں
کہ یار کہتے ہیں تم واں نہ بن بلائے چلو

جو ساتھ غیر ہو تو ہنستے بولتے جاؤ
جو تمہارے ہوں ہمراہ تو منہ بنائے چلو

تمہارے چال سے پہچان لیں گے ہم تم کو
ہزار راہ میں برقع سے منہ چھپائے چلو

قدم قدم پہ رہ عشق میں ہے لغزش پا
چلو حضر دل پاؤں تم جمائے چلو

جو لیٹے جاؤں انہیں میں تو وہ کہیں ل دور
جو غیر جائے بولا نے کہیں کر آئے چلو

ظفر گلی میں ہیں اس کے لگے ہوئے جاسوس
نہ ٹھہرو ایسا کوئی دیکھ پائے چلو

دیگر

یا جو منہ سیکھو دل کو ذرا لگی کہیو
مت کہو روے رعایت سے خدا لگی کہیو

آنسوؤں سے کوئی بجھتا ہے مرا سوز دروں
بلکہ دل میں اور ہے آتش سوا لگی کہیو

درد دل بلبل کا کر سکتے نہیں گر گوش زد
کان کیوں گل کے چمن میں ہے صبا لگی کہیو

جیسے ہاتھوں میں تمہارے ہے مری سرخی کا خون اے ستمگروں
ہے کہاں خوش رنگ ہاتھ ایسی حنا لگی کہیو

ہوتا گر ستم کو مجھ سے الٰہی
تو گلے سے کیوں مرے تیغ جا لگی کہیو

حضرت دل اس پری کی ہیں ادائیں سینکڑوں
پر تمہیں ہے کون سی پیاری وہ لگی کہیو

تم جو کہتے ہو لگا دختر رز پہ نہ تاک
شیخ جی صاحب تمہاری ہے یہ کیا لگی کہیو

زلف کو عارض پہ اس کے کیوں ہلاتی ہے صبا
دل پہ اک چھٹی سے میرے ہے بلا لگی کہیو

جس جگہ لگی سخن میں ہے طبیعت آپ کی
اے ظفر واں کس کی ہے فکر رسا لگی کہیو

جو کہو ان صاف سے بات اک ذرا لگی کہیو
اے بتو بہر خدا کچھ تو کہا لگی کہیو

حضرت دل تم جو لگ چلتے نہ زلف یار سے
کیوں تمہاری جان کے پیچھے بلا لگی کہیو

قتل ہی ہوتا تھا قسمت میں گر نہ ہمدمو
کارگر کیوں دل پہ وہ تیغ ادا لگی کہیو

گر نہ تھا تم کو ساتھ ابرق وش کے کچھ لگاؤ
کیوں جھڑی اشکوں کی آنکھوں یار ہا لگی کہیو

گر بری ہوئی نہ قسمت او ربھلے ہوتے نصیب
بات میری کیوں بری تم کو بھلا لگی کہیو

گر نہ تھا دل مرا خون حسرت پابوس میں
پاؤں میں اس شوخ کے کیونکر حنا لگی کہیو

سو سن آزاد ہو یا سرو آزاد اے ظفر
اس گلستاں میں نہیں کس کو ہوا لگی کہیو

تم اپنی یاد کبھو غافل اجل تو کرو
بلا سے کچھ نہ کرو اور یہ عمل تو کرو

بتاؤ دل بہ سے کر میری آنکھوں میں
پسند اپنے لئے تم کوئی محل تو کرو

ہمیشہ کرتے ہیں اے بادلو مری مژگاں
نہ جیسے اشک فشانی نہ ایک پل تو کرو

کسی کے تل پہ کرو عشق میں نہ کوئی کام
جو رکھتے حضرت دل تم ہو اپنا تل تو کرو

رہیں نہ ہوش بجا واعظوں کے محفل میں
جو کہئے مسئلہ عشق ایک حل تو کرو

بلا سے گر کہیں تم کرے صلح کی باتیں   کلام مجھ سے کوئی برسر جدل تو کرو
جنہیں ستم کا ہے دعویٰ ظفر کہو ا سے   کہ لکھی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو

دیگر

واے باتیں مدعا کی یوں چھپا کر چاب جاؤ   جس طرح پانوں کا بیڑا تم بنا کر چاب جاؤ
داہوں انگلی میں جو دانتوں میں تو وہ فہس کر کہیں   دیکھو تم یوں کیا دباتے ہو دبا کر چاب جاؤ
کہتا ہے فرہاد سے مجنوں کہ کوہ و دشت میں   میں نے پچھاکی خاک م پھر اٹھا کر چاب جاؤ
دیکھو تم کاغذ گلے پرچہ پ مرا تم حرف راز   چاہیے اس کو مٹاؤ اور مٹا کر چاب جاؤ
دوستو تم کو چبائے ہوں جو لوہے کے چنے   آؤ ان سیمیں دلوں سے دل لگا کر چاب جاؤ
یا عجب کھایا کلیجہ حضر غم پ نے   تم تو وہ ہو ہڈیاں غصہ میں آ کر چاب جاؤ
ان کی آنکھوں سے کرے بادام ہم چشمی اگر   اس کو کچا ہی ظفر سب کو دکھا کر چاب جاؤ

دیگر

ہماری آہ کا جس راگ میں شرارا ہو   وہ جل کے خاک ہو روشن نہ پھر دوبارہ ہو
عزار کوہکنی و قیس میں تمیز ہو یوں   کہ اس پہ خار ہوں اور اس پہ سنگ خارا ہو
لڑی رہی نظر فتنہ کی تری جانب   کہ دیکھیں چشم منعص سے کیا اشارا ہو
کہوں میں کیونکہ اے نخل کھیں پا تیرا   کہ جب فلک مہ نو میں کوئی ستارا ہو
وہ ماہ پارہ دکھائے جو اپنا جلوہ حسن   کتاب کی طرح دل ماہ پارا پارا ہو
وہ دشمنوں کو حرارت جواب بھاتی ہیں   کہیں نہ رات کے آنے کا یہ حرارا ہو
ظفر وہ کون سا دلا جہاں میں ہے کہ جسے   اس آسیاے فلک نے نہ پیش مارا ہو

مرا غم نامہ یہ واںتک پہونچ جاوے و کیا ہو   خوشی کی نامہ بر واںسے خبر لادے تو کیا ہو
ستاتے کیا ہو تم ہ دم کر لو اب ہم تو جاتے ہیں   یہ سن کر جان سے کوئی گزر جاوے تو کیا ہو
دل شامت زدہ کیوں چھیڑتا ہے زلف کو اس کی   ابھی برہم وہ کو کے تجھ پہ جھنجھلاوے تو کیا ہو
بجھاتے ہیں ہم اپنی سوزش دل آب گریہ سے   یہ دل میں آگ دوتی اور بھڑکاوے تو کیا ہو
ہوا حال ایسا اپنا سن کے اس کے حسن کا شہرہ   خدا جانے کہ وہ صورت جو دکھلا دے تو کیا ہو
نہ چل اے فتنہ رفتار اس طرح اٹھلیوں سے تو   کہ تا حق خاک میں کوئی جو مل جاوے تو کیا ہو

ذرا دم لینا جب ہو ناگوار اس صید افگن کو
اگر یہ صید ناوک خوردہ چلا دے تو کیسا ہو

چلے تو ہے تم نے دل ہمارا آتش غم سے
وہاں بھی گر دل دیوانہ گھبروے تو کیسا ہو

جو یہ بیزار ہو مجھ سے خفا ہو نام سے میرے
یہ آہ آتشیں سے آگ برسا دے تو کیسا ہو

ظفر اس واسطے کہتا ہوں دل کو دے سمجھ کر تو
وہ میرا ذکر محفل میں جو سن پاوے تو کیسا ہو

کر دے کر دل اسے پھر جی میں پچھتاوے تو کیسا ہو

دیگر

اس کا بجرا خشک تھا جس کا تہ خنجر گلو
کہ ہا تھا اب خنجر سے وہ اپنا تر گلو

حلق پر اس کے چھری ہو اور سنان پر اس کا سر
ہائے چومے فاطمہ سر جس کا پیغمبر گلو

چور تھے زخموں سے سرور اور تھے مجروح سب
سینہ پہلودست بازو شانہ عارض سر گلو

پیاس سے بولا نہ جاتا تھا تو بابا جان کو
کر دکھا تا تھا زبان کا ہے علیؑ اکبر گلو

تھا یہ احوال سکینہ تفتہ دل تفتہ جگر
تشنہ لب دہان اور خشک سر تا سر گلو

کہتی تھی رو رو کے یہ بانو کہ ہے کر جی جائے اب
پیسان دوست و نازک طوق و ناز کتر گلو

ہو سو ابن علی کے کس کا ایسا حوصلہ
جو رضائے حق میں دے نیچے چھری کے دھر گلو

اے ظفر اشک مسلسل سے غم شبیر میں
حشر کو ہو وینگے تسبیح گوہر در گلو

دیگر

موت منظور مری اپنی نظر پر رکھو
دیکھو احسان نہ قضا کا مرے سر پر رکھو

وصل کی رات نہ نا تو کہیں گزارو ساری
بس گلے ہو چکے گرہیں تو سحر پر رکھو

اے ستمدیدہ پہ تم رحم کرو یا نہ کرو
پر ذرا کان تو فریاد جگر پر رکھو

دشمن خانہ خراب ایک نہ آنے پائے
تم جو دربا نو کہیں اپنے مجھے در پر رکھو

نہ رہو بے خبر اس غمزدہ سے اے حضرات دل
تم کسی حال میں ہو اسکی خبر پر رکھو

کچھ تو آنسو مرے پونچھ جائیں اگر لطف سے تم
آستین اپنی مرے دیدہ تر پر رکھو

وشک خورشید قیامت ہو وہ چھالا جسکو
اپنے تم سوختہ کے داغ جگر پر رکھو

گر قدم رنجہ کرو راہ عنایات سے یہاں
تم قدم آنکھو پہ رکھو مرے سر پر رکھو

دم بھی لینے کی نہیں ضعف سے طاقت اس کو
تہمت نالہ نہ تم اپنے ظفر پر رکھو

چمن میں دیکھی نگارین جو اس نگار کے پانو ‏ کہے بہار کہ ہیں واہ کیا بہار کے پانو
نصیب ہو اگر اس رشک گل کی پابوسی ‏ کرون ہزار کی منت چھون ہزار کے پانو
شکارگاہ میں جو آئے وہ چکار افگن ‏ تو کیا مجال کہ اٹھ سکیں شکار کے پانو
خط ایک پہونچے کسی کا تو بخشواون روز ‏ قلم ہون چار کے ہاتھ اور قطع چار کے پانو
نگاہ مست تری گر پڑے نہ دل پہ کہیں ‏ نشے میں کرتے ہیں لغزش شراب خوار کے پانو
ظفر اگے ہے وہان سے ہمیشہ گل مہندی
جہان تھے دھوئے حنابستہ میرے یار کے پانو
ستم اور بھی مجھ پہ وہ چند کر لو ‏ مگر میرے دل کو رضا مند کر لو

مطلع ثانی

جو برگ گل ہیں شکر خند کر لو ‏ ملا کر گل و قند گلقند کر لو
کرو بند دیکھو نہ غرفہ کو اپنے ‏ ہمیں سے کہو آنکھیں تم بند کو لو
وہ تھوڑا ہی ڈر ہے مجھے حضرت دل ‏ کہ باور تم انکی نہ سوگند کو لو
یہ دیوار نہ چلتا ہے دشت جنون کو ‏ کہو پند گویون سے کچھ پند کر لو
کہا عشق سے قیس نے بعد میرے ‏ کہ قبلہ مجھے اپنا فرزند کر لو
جو باندھیں کمر فقر پہ انسے کہدو ‏ توکل کو اپنا کمر بند کر لو
جو پھٹ جاوے دل پھر سیا جائے کیونکر ‏ نہیں پیرہن وہ کہ پیوند کر لو
وہ آئیں نہ آئیں مگر اے ظفر تم ‏ اس امید میں دل کو خرسند کر لو

دیگر

آو گھر میرے اے صنم آو — تمھیں اللہ کی قسم آو

قاصد دلاؤ جلد خط کا جواب — ایک دم جاؤ ایک دم آو

اے بتو میرے خانہ دل کو — دیر تم سمجھو یا حرم آو

ہوگیا غیر سے زیادہ ربط — کیوں نہ اب میرے پاس کم آو

بیٹھے ہیں منتظر تمہارے ہم — تم اٹھا کر ذرا قدم آو

کس نے تم کو کہا کہ حضرت عشق — لے کے تم اپنے رنج و غم آو

دیکھوں میں کب تلک تمہاری راہ — آیا آنکھوں میں میرا دم آو

ابر کی طرح خاک پہ میری — تم کبھی تو بچشم نم آو

تم جنازے کے ساتھ عاشق کے — کہیں امید دو قدم آو

حکم اوس بزم میں یہ ہے جوں شمع — شام کو جاؤ صبحدم آو

کشش دل میں ہو اگر تاثیر — کیوں کہیں تم کو منہ سے تم آو

لکھو اک اور قافیوں میں غزل — لو ظفر کا غزو قلم آو

آو اے مہرباں ادھر آو — تم چلے ہو کہاں ادھر آو

میرے گریہ سے ہے اگر منظور — سیر آب رواں ادھر آو

تودۂ دل یہ خوب ہے بے مشق — لیکے تیرو کماں ادھر آو

مجکو دیر و مغنی میں دیکھتے ہی — کہے پیر و مغان ادھر آو

بد گمانی ہے تو نہ آو تم — گر کہیں کچھ گمان ادھر آو

اتنی تاثیر ہے کہاں کہ جو تم — سنکے میری فغان ادھر آو

دیکھو کیا میرے دیدۂ خونبار — آج ہے گل فشاں ادھر آو

بوسے دیتے تو جاؤ غیر کے پاس — دیتے کو گالیاں ادھر آو

خانہ دل کو سمجھو اپنا گھر — ہے یہ حاضر مکان ادھر آو

اتنی فرصت کہاں رقیبو نے — کہ جو اک زمان ادھر آو

آگئی جان میرے ہونٹوں پہ — اب تو اے میری جان ادھر آو

اے ظفر میرے درد دل کی تم
گر سنو داستان ادھر آؤ

صفا میری طرح سے کسکا اے دل ہے منہ دیکھو
مثال آئینہ یہ اہتو اس قابل ہے منہ دیکھو

تماشا قدرت حق کا ہے اسکے حسن کا جلوہ
مقابل اسکے ہو سکتا مہ کامل ہے منہ دیکھو

مزاجل طبیعت کچھ جتاتے ہیں جو یار اسکو
تو وہ ہنسکر کہے ہے میرا یہ مائل ہے منہ دیکھو

تہ تیغ جس طرح میں بیتاب ہوں ظالم
تڑپتا اسطرح کب طائر بسمل ہے منہ دیکھو

شہید ناز کو ہے سرخرو منظور دکھلانا
کفن کو کھول کر کہتا ہے وہ قاتل ہے منہ دیکھو

کہیں تم جل نجانا حضرت دل مثل پروانہ
سکھاتا شمع سان وہ رونق محفل ہے منہ دیکھو

ظفر دکھا تو ہے تم نے قدم راہ محبت میں
کوئی طے تم سے ہوتی عشق کی منزل ہے منہ دیکھو

دیگر

مجھے تم کیا دل فگروں کی خبر پوچھتے ہو
مہربان دل ہی سے کچھ پوچھو اگر پوچھتے ہو

ہو گیا اور زیادہ وہ کشیدہ مجھسے
دوستو کیا کشش دل کا اثر پوچھتے ہو

نفع سودائے مجھے میں ہے جی کا نقصان
اسمیں کیا حضرت دل سود و ضرر پوچھتے ہو

بات بھی میری کہیں پوچھتے اور غیر سے تم
کنج تنہائی میں تم دو دو پہر پوچھتے ہو

اسکا گھر دل میں تمہارے ہے ارے بیخبرو
ہم سے پوچھو اگر اس یار کا گھر پوچھتے ہو

جان کر ہوتے ہو نادان کر تم جو ہم سے
باعث دود دل اور درد جگر پوچھتے ہو

قطعہ

خفلو ہو کر نہو تمکو سفر کچھ سود
ساعت ٹھیک منجم سے مگر پوچھتے ہو

لیک جب جانے ہو دنیا سے سوئے ملک عدم
نہ کوئی دن نہ کوئی وقت سفر پوچھتے ہو

اور ہوتا ہے مزاج اسکا زیادہ برہم
کیوں مزاج اس بت مذخو کا ظفر پوچھتے ہو

دیگر

خط لکھ کے بھیج دوں کر اسے کچھ خبر تو ہو
پر کوئی میرے خط کے لئے نامہ بر تو ہو

کیا آہ کو بتاؤں قلم شہر مشق غم
کچھ بھی روشنائی دود جگر تو ہو

میں اس گلی میں بیٹھ رہوں مثل نقش پا
پر جائے بیٹھ رہنے کو بالشت بھر تو ہو

ایمان بھی اسکو دیدوں مگر مجھ سے وہ صنم
گمراہ ہو رہا ہے ذرا راہ پر تو ہو

سوفتنہ وہ اٹھائے مگر جیسا فتنہ گر
دل چاہتا ہے ویسا کوئی فتنہ گر تو ہو

کیوں کھینچے اسکی سے ہو سینہ سے اپنا تیر
رہنے دو اسکا دل میں ذرا میرے گھر تو ہو

میں اک نظر پہ نذر کروں اسکے جان و دل
لیکن یہ چشم یار کے مد نظر تو ہو

ہو جائے کیونکہ موم دل اے سنگدل ترا
اس آہ بے اثر میں ابھی کچھ اثر تو ہو

تھوڑی سی گر ظفر کی سنے داستان غم
اسکی نشست ایک جگہ دوپہر تو ہو

مصحف رخسار پر کافر ترے گیسو ہیں دو
ہے تماشا حافظ قرآن ہو ہندو ہیں دو

اسکو تیغ اصفہانی اور خراسانی کہاں
پہونچتی ہے یہ جو اے قاتل ترے ابرو ہیں دو

کہاں نمو کشت امید دل ان آنکھوں سے تمام
کھیت میں تنکا چھوڑیں یہ تو وہ آہو ہیں دو

اسی قامت کی پستان میں طلسم طرفہ تر
ایک نخل سرو میں پیدا ہوئے ہندو ہیں دو

دلکو اک تسکین سے ہو جائے ہے وقت اضطراب
جبکہ آنکھوں سے ٹپک پڑتے کبھی آنسو ہیں دو

درد دل ہے اک طرف درد جگر ہے اک طرف
درد فرقت میں بھی ہم درد مرہم پہلو ہیں دو

اس خراب آباد میں بستے ہیں دو نیک و بد
صلح جو بھی ہیں ظفر دو گر ستیزہ جو ہیں دو

دیگر

اٹھاؤ ہاتھ بس اب شیوۂ جفا سے ڈرو
کر ظلم خوب نہیں اے بتو خدا سے ڈرو

بکھرو زلف کو اس کج ادا کی مخرت دل
بڑی بلا ہے یہ کافر تم اس بلا سے ڈرو

مبادا پھونک دے کچھ کان میں گلو کے یہ
چمن میں دیکھو تم اے بلبلو صبا سے ڈرو

جو دل میں آئے سو کہدو تمہیں ہے ڈر کسکا
کہ آشنا سے نہ تم غیر آشنا سے ڈرو

نگاہ یار سے تم ہو نڈر نہ اتنا سو
جو ڈر ہے جان کا تو اس ناوک قضا سے ڈرو

جو باغبان کا ہے کھٹکا تمہیں طیور چمن
تو گھر کے ایک بھی پتا اگر ہوا سے ڈرو

وہ لے ہی جائیں گے اک پل میں چھینکر دلکو
ظفر ڈانگہ شوخ دلربا سے ڈرو

دیگر

تم نہ شب کو آ کے میرے متصل بیٹھا کرو
رات کو لگتی ہے تہمت و نکو مل بیٹھا کرو

داغ پر دل ماہ تابان رشک سے ہوتا ہے رات
منہ پہ کاجل کا بنا کر تم نہ تل بیٹھا کرو

تم سے کچھ کرتا نہیں میں شکوۂ ظلم و ستم
بیٹھے ہو خود بخود گر منفعل بیٹھا کرو

خاک میں مل جائیں گے ہم دیکھو دست غیر سے
تم نہ محفل میں لگا کر عطر گل بیٹھا کرو

بیٹھے ہو تم عدو سے سنگدل کو لیکے ساتھ
رکھ کے چھاتی پر ہمارے ایک سل بیٹھا کرو

کچھ ہنستا بولا کرو آیا کرو گر میرے پاس
میرے پہلو میں نہ تم آزردہ دل بیٹھا کرو

کون اٹھا سکتا ہے تمکو کوئے جانان سے ظفر
شوق سے اس در پہ ہو کر مستقل بیٹھا کرو

دیگر

جاتے ہو تو اک بوسہ تم دیکے ٹلے جاؤ
آسان نہیں یوہین دل لیکے چلے جاؤ

گھر اپنا ہی سمجھو کو بے طلب آئے تم
ہم منہ سے نہیں تمکو کہتے کے چلے جاؤ

گر اپنی نشانی تم چھلا نہیں دیجاتے
تو گل ہی نہیں دیکر چھلے کے چلے جاؤ

بازار میں ہستی کے اے غافلو آکر تم
جھگڑے نہ نکالو تم دیکے چلے جاؤ

اے زاہد و اس بت کا گر دیکھو تم اک جلوہ
بتخانہ کو دھوکے میں کعبے کے چلے جاؤ

شکل اچھی کہاں ایسے ہو طالع جو اچھے ہوں
پس قرعہ نہ رما لو تم پھینکے چلے جاؤ

کعبہ ہو کہ بتخانہ
سجدہ میں ظفر اسکے
ماتھے کو زمین پہ تم
ہان ٹیکے چلے جاؤ

یارو کچھ اگر خط میں ہو تحریر تو پڑھ لو
یہ کیونکہ کیون میں خط تقدیر تو پڑھ لو

تم ذبح کرو صید محبت کو جو اپنے
یہ تمکو مناسب ہے کہ تکبیر تو پڑھ لو

اکسیر تو موقوف ہے قسمت پہ عزیز و
پڑھتے ہو اگر نسخہ اکسیر تو پڑھ لو

تصویر کو کہتے ہو مرے کسکی ہے تصویر
گر نام مرا ہے سر تصویر تو پڑھ لو

اے بسملو اتنی نہ کرو مرنے میں جلدی
منہ سے کلمہ تم تہ شمشیر تو پڑھ لو

پیدا ہو خط مصحف رخسار پہ اس کے
اے حضرت دل پڑھتے ہو تفسیر تو پڑھ لو

تم اے ظفر اسکے
لئے کوئی عمل جب
کچھ رکھتے زبان میں جو
ہوتا قہر تو پڑھ لو

کہے جو عدو کچ نہ جانا کرو
برا مانتے ہو تو ملا کرو

سرائے دل و خانہ چشم میں
تم اپنا کہیں تو ٹھکانا کرو

رکھو طاق پر اپنی یہ دوستی
نہ دشمن مرا اک زمانہ کرو

خبر ہے مجھے تم چلے ہو جہاں
عبث اب نہ مجھ سے بہانا کرو

کہے ہے مجھے دشت میں یہ جنون
کہ اب تم یہاں خاک چھانا کرو

لگاتے ہو گر اپنا تیر نگہ
تو دل کو ہمارے نشانا کرو

ظفر گر کہیں ہے کوئی تاب بر
تو آنسو ہی اپنا روانہ کرو

دیگر

وہ تیرے عارض تابان ہیں پر پوش دونو
دیکھ کر جن کو مہ مہر بھی ہوں خوش دونو

مطلع
ثانی

تیری زلفوں کی دل و جان ہیں بلاکش دونو
رہیں کیونکر نہ پریشان ومشوش دوون رہتے اک حال میں ہیں

دور میں چشم سیہ مست کے بیرے ساقی
صوفی میکش دونو

دیکھیے لڑتی ہیں کس سے تری آنکھیں صف جنگ
ہے جو پلکوں سے لگائے ہوئے ترکش دونو

یہ عجب خانہ مستی ہے ساغر خانہ
ہوتے محتاج و غنی یہاں ہیں فروکش دونو

قطعہ

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن میں استاد
کیوں نہ قائل ہوں ترے ناسخ و آتش دونو

بلکہ ہوتے ظہوری بھی آج
کرے ہر شعر کو سن کر ترے عش عش دونو

دیگر

دے گر یہ آپ چرخ کو سو سبز کشت کو
لیکن نہ دھو سکے وہ مری سر نوشت کو

کرے نہیں کنارہ کسی سے بھی سینہ صاف
آئینہ دے ہے دل میں جگہ خوب زشت کو

ہم قصد کرتے جاتے ہیں ہر سحر
مسجد کو کوئی جاے کوئی کنشت کو

مرد خدا پرست پرستش سے رکھتے کام
دوزخ سے نے ڈرے نہ وہ جائے بہشت کو

دیرو حرم میں جاتے ہیں جو دل کو چھوڑ کر
ماریں گے اپنے سر سے وہ کیا سنگ وخشت کو

دے کیوں نہ نکلے تیر کو آغوش سے کمان
الفت ہو راست رو سے اگر کج سرشت کو

دے ہے نصیب مجھ کو جو ہر کام میں شکست
لکھا خط شکستہ سے کیا سر نوشت کو

گر ہے کمال عشق میں منظور اے ظفر
کر اختیار سلسلہ اہل چشت کو

تیغ ہو غیر از نگاہ یار ایسی کاہے کو
تیز ہوتی ہے میاں تلوار ایسی کاہے کو

ہے سوا اسلماس سے بھی تیرے دونتوں کی چمک
تاب رکھتا ہے بے درشہوار ایسی کا ہے کو

چشم فتان پر ترے اے شوخ گر مفتون نہو
ہووے نرگس باغ میں بیمار ایسی کاہے کو

گر نہ پیجائے لہو عاشق کا ظالم تیرا تیر
تو رکھے سرخی لب سوفار ایسی کاہے کو

جو تمہارے غمزہ پ ن کو آتے ہیں فریب
کرتے ہیں عیار گی عیار ایسی کاہے کو

وہ جو الا خوابیں شاید مرے جاگے نصیب
ورنہ اائے دول بیدار ایسی کاہے کو

کیا مری ہمسائگی سے بڑھ گیا پردہ سوا
کر بلند اس شوخ نے دیوار ایسی کاہے کو

ٹھہر جا دم بھر کہ جاوے دم بھی میرا تیرے ساتھ
کر رہا جلدی ہے تو اے یار ایسی کاہے کو

اے ظفر گر جا پڑیں کوچے میں اس کے ہو کے خاک
خاکساروں کی ہے مٹی خوار ایسی کاہے کو

دیگر

تم چلے ہو کہاں کھڑے تو ہو
جانا اے مہربان کھڑ تو ہو

جاؤ تنہا ہ م تمہارے ساتھ
جا نگی میریجان کھڑے تو رہو

ہے پڑی دل جلوں کی آج جہان
تا بکیا تم وہان کھڑے تو رہو

ٹھہرے ہر گز نہ رہروان عدم
کہا کتنا میاں کھڑے و رہو

گر تمہیں بیٹھتے نہ جیحو پہ
سن لو میرا بیان کھڑے تو رہو

بھاگے دیر مغان جو دیکھ کے شیخ
تو پکارے مغان کھڑے و رہو

قد پہ نازان ہے اپنے سرو چمن
اک ذرا تم بھیہان کھڑے تو رہو

ہم ہو تھک کے ہیں رہے جاتے
ہم پس کاروان کھڑے تو رہو

وہ بلا لیں گے م کو گھر میں ظفر
م سر آسان کھڑے و رہو

ردی الھائے مختفی

باعث سوز جگر کوئی جو دا الا ہے ہاتھ
وہ ادھری گور کا پنچراغ آیا ہے ہاتھ

چشم نرگس زلف سنبل سرو قد رخسار گل
یار کیا الا ہے ہاتھ اپنے کہ باغ الا ہے ہاتھ

جستجو مدت سے تھے ہم کو دل گم گشتہ کی زلف کے کوچہ میں بارے اب سراغ آیا ہاتھ
دیدہ حسرت سے جس کو دیکھتا ہے جام جم ہاتھ سے ساقی کے اپنے وہ ایاغ آیا ہے ہاتھ
کر کے چاک گریبان رووئیں جی کھولکر اب تو وحشت میں مرے دامان داغ آیا ہے ہاتھ
کیا کہوں بیدولتی اور بدنصیبی اپنی میں جب ہما پر ہاتھ ڈالا تو زاغ آیا ہے ہاتھ
عشق کی دولت سے کیونکر ہو نہ دل اپنا غنی ملک وحشت ہاتھ آیا نقد داغ آیا ہے ہاتھ
میرے حال بد کے سنے کا نہیں اس کو دماغ دلربا قسمت سے کیا نازک دماغ آیا ہے ہاتھ
ہاتھ دنیا سے اٹھایا ہے جنھوں نے اے ظفر
رہتے ہیں وہ بافراغ ان کو فراغ آیا ہے ہاتھ

بغیر بادہ بھی اس شوخ پرست کی آنکھ نشے میں حسن کے لگی ہے جیسے مست کی آنکھ
جہان ہے گھر وہ روشن گر کے پیش نظر کرے ہے سیر ہمیشہ بلند و پست کی اانکھ
رنگ حسرت دیدار کو ترے منظور نشست ہو تو جگہ خوب ہے نشست کی آنکھ
جہاںمیں جن کو حکومت ہے ان کو نیند کہاں کہ لگنے دیتی نہیں فکر بندوبست کی آنکھ
لگائے دیکھیے کب یہ وہ کمان ابرو لگائی صید محبت نے سم شست کی سکھ
دکھائے محتسب شہر طمطراق ہزار کوئی جھپکی ہے بعد قدح بدست کی آنکھ
گیا ہے ٹوٹ ظفر دل کہ دے ہے اشکوں میں
ہجوم پارہ دل سے خبر شکست کی آنکھ

اگر وہ لے دل اضطراب ہاجہ ہاتھ تو ساتھ جان بھی دوکیں شتاب ہاتھ بہ ہاتھ
نصیب ہم کو نہو بوسہ اور ترے لب تک ہمیشہ پہونچے یہ جام شراب ہاتھ بہ ہاتھ
صد آفرین تجھے قاصد کہ لایا لکھوا کر ہمارے خط کا تو اسے جواب ہاتھ بہ ہاتھ
مزا تو جب ہے کہ یہ گرم گرم اے میخوش دل برشتہ کے پہونچیں کباب ہاتھ بہ ہاتھ
خطا ہے کیا مرے دل کی باندھے ہے مشکیں تمہارا طرہ پر پیچ و تاب ہاتھ بہ ہاتھ
جہان میں ہیں وہ کہاں جوہری کہ لے جائیں ہمارے اشک کا در خوش آب ہاتھ بہ ہاتھ
ظفر ہوا ترے دیوانگا اک جہان مشتاق ہزار کوس گئی یہ کتاب ہاتھ بہ ہاتھ

دیگر

جو ابرو ہے شمشیر و خنجر کا نقشہ — تو ہے چین ابرو بھی جوہر کا نقشہ

مرا اور مجنون کا ایک عالم — برابر کی صورت برابر کا نقشہ

نہیں ماہ کنعان سے کم اے عزیزو — مرے دلبر ماہ پیکر کا نقشہ

مری چشم تر کی تھی چشمہ کی صورت — پر اب ہے باعینہ سمندر کا نقشہ

یہ پہلو و سینہ مشبک نہ سمجھو — دل مردہ کے ہے مجمر کا نقشہ

جو ہے اس کی گردن صراحی کی صورت — تو ہے چشم میگون بھی ساغر کا نقشہ

جسے قصر جنت بتاتا ہے واعظ — کسی حوروش کے ہے وہ گھر کا نقشہ

نہیں بات کوئی بھی خالی ستم سے — یہ ہے اندنون اس ستم گر کا نقشہ

اتارے ہے کلک خیال اپنا دل پر — ہمیشہ ظفر اپنے دلبر کا نقشہ

دیگر

مژگان ترے سنان اور تیر کا نمونہ — ابرو ترے کمان و شمشیر کا نمونہ

آشفتگون سے کہدے دکھلا کے زلف اپنی — سودازدون کی ہے یہ زنجیر کا نمونہ

وہ خاکپا بظاہر ہے سرمہ جواہر — پر دیکھکر غور سے ہے اکسیر کا نمونہ

تو اور ماہ کنعان کیا حسن مین ہین یکسان — دونون کا ایک سا ہے تصویر کا نمونہ

آنکھون کا تیری سرمہ وہ بلا کر ظالم — تیغ اجل ہے جس کی تحریر کا نمونہ

لو ہو گیا نظر وہ آزردہ تجھے دیکھا — اس نالہ و فغان کی تاثیر کا نمونہ

کوچے مین اپنے دے وہ صنم مجکو گر جگہ — باقی رہے نہ سجدہ سے بالشت بھر جگہ

دل سے نہین نکلتا کسی طرح تیر غم — پکڑی ہے اس نے چارہ گرو اسقدر جگہ

وہ کون ہے کہ جس کے لئے یہ شعاع مہر — جاروب لے کے جھاڑے ہے وقت سحر جگہ

کھٹکے سے باغبان کے چمن مین نہین رہی — بلبل کے بیٹھنے کے لے شاخ پر جگہ

آ بیٹھا میرے دل مین خدنگ نگاہ یار — بہتر یو زاس سے کوئی نہ ائی نظر جگہ

دیر حرم مین جا کے اے شیخ و برہمن — کیا ڈھونڈھتے ہین وہ تو ہے موجود ہر جگہ

تکیہ بنائے بیٹھے رہین ہم فقیر وار — ہاتھ آئے کوئی ہار مین گر اے ظفر جگہ

دل کو الفت ہے جو اس تیر کے پیکاں کے ساتھ
نہیں جائیگی اگر جائیگی تو جان کے ساتھ

یوں ہے اس زلف سے مانوس دل آشفتہ
جیسے ہو انس پریشان کو پریشان کے ساتھ

ناخن دست جنوں کی ہے یہی گر تیزی
چاک ہو جائے گا سینہ بھی گریبان کے ساتھ

کفر و دین دونوں سے ہے مذہب عشاق جدا
نہ وہ کافر کے ہیں ہمراہ نہ مسلمان کے ساتھ

لے گئے درد و غم و داغ کو وہ ساتھ اپنے
گئے دنیا سے ترے شیفتے سامان کے ساتھ

زلف کو مصحف رخسار سے اپنے سر کا
کہ وہ ہندو اسے کیا کام ہے قرآن کے ساتھ

رنج و راحت سے نہیں کوئی الگ دنیا میں
یہ تو دونوں ہیں ہمیشہ ظفر انسان کے ساتھ

دیگر

ہر شب تری گذری ہے عیش و طرب کے ساتھ
ہوتے ہیں دن بسر مرے رنج و تعب کیساتھ

جاتے ہیں کوئی چھوڑ کے ہم کوئے مہوش
تاک اپنی اب تو لگ گئی بنت العنب کیساتھ

مرقد پہ ترے عاشق وحشی مزاج کے
مجنوں جو آئے ہے تو کمال ادب کے ساتھ

گر جانتے کہ ہووینگے ہم تنگ اس قدر
دل کو کبھی لگاتے نہ اس غنچہ لب کے ساتھ

دشمن کی بھی ہو گر خبر مرگ گوش زد
اے دوست تو نہ خوش ہو کہ ہے یہ تو سب کے ساتھ

ہم دیکھتے جنہیں سے چشم عنایت ہیں ہے ستم
وہ ہم کو دیکھتے ہیں گاہ غضب کے ساتھ

نے کچھ غرض کسے سے نہ مطلب کسی سے ہے
ہم کو جو کام ہے تو ظفر اپنے رب کے ساتھ

دیگر

کوئی یہ شور ہے یا برق یا شرار ہے یہ
دل اپنا کیا ہے الٰہی کہ بیقرار ہے یہ

غضب ہے ابرو پہ خم تری عرق آلود
ہمارے قتل کو شمشیر آب دار ہے یہ

چمن میں نیم شگفتہ ہے غنچہ و لالہ
کہ لال لال کوئی چشم پر خمار ہے یہ

ہمیشہ دیکھتے ہیں سرخرو فلک کو ہم
ملایا خاک میں کیا ہم کو شرمسار ہے یہ

ہمارے سینہ پہ داغ کو وہ رشک چمن
جو دیکھے آکے کیا خوب لالہ زار ہے یہ

ہزار جان نثار پائی ہم نے کی لیکن
نجانا اس نے کہ شید اے جان نثار ہے یہ

ہمارے دل کو ترے رخ پہ دیکھ کر خط سبز
جنوں نہ کیوں ہو فزوں فصل نو بہار ہے یہ

خیال دل کو ہے ہر وقت تیرے مژگان کا
وہ میرے واسطے ہوتا ہمیشہ خار ہے یہ

برگ نقش کف پا تمہارے کوچہ میں
ظفر پڑا نہ رہے کیونکہ خاکسار ہے یہ

ہر جگہ ایک نیا رنگ ہے اللہ اللہ — واہ کیا جلوہ نیرنگ ہے اللہ اللہ
کوئی صورت نہیں لیکن کہ پہنچے کافر — دل صنم کا مرے کیا سنگ ہے اللہ اللہ
تیرے دندان مسی زیب کی کافر ہر رخ — کیا ہی زیب دہن تنگ ہے اللہ اللہ
تیرا اک میکدہ میں اے بت سر مست غرور — کچھ عجب رنگ عجب ڈھنگ ہے اللہ اللہ
ننگ اور نام سے میں عشق میں جس کے گزرا — نام سے میرے اسے ننگ ہے اللہ اللہ
کیا ترا چھوہ پہ نور ہے سبحان اللہ — کیا ترا شب رنگ ہے اللہ اللہ
لب گلبرگ ہلے تا بزبان ہر خار — سب پہ گلشن میں اک آہنگ ہے اللہ اللہ
برگ گل بھی تھا گر ان جن کے تن نازک پہ — ان کی چھاتی پہ لک سنگ ہے اللہ اللہ
چھوڑ کر اس بت کافر کے ظفر در کا طواف
آپ کو کعبہ کا آہنگ ہے اللہ اللہ

یوں ترے رخ کا لیا میں نے مری جان بوسہ — جیسے قرآن کا لیں صاحب ایمان بوسہ
میں وہ مجنوں ہوں کہ رکھتے ہی بیابان میں قدم — پانو لگا لے ہے مرے خار بیابان بوسہ
منہ لگا کر جو اسے تو نے کیا گستاخ — لیے ہے عارض کا ترے زلف پریشان ک بوسہ
جائے خوشبو نہ مرے منہ سے جو دے خوبمیں بھی — گل رخسار کا وہ رشک گلستان بوسہ
کافر عشق دیا کو یوں چومتے ہیں — جیسے لیں سنگ کا کعبہ میں مسلمان بوسہ
کیوں نہ ہو مجھ سے سیہ بخت کا دل رشک سے خون — لے ترے لب کا جو رنگ مسی و پان کا بوسہ
اے جنوں ہاتھ سے آخر ترے بڑھتے بڑھتے — لے گا دامن کا مرے چاک گریبان بوسہ
ہے لب زخم جگر کو یہ تمنا میری — دیوے اک اور بھی وہ خنجر بران بوسہ
اس کا خط دیکھ کے آتا ہے دل میں میرے — دست کاتب کا ظفر لوں کسی عنوان بوسہ

دیگر

ہم دیکھ چکے خوب تماشائے زمانہ — اچھا ہے جو کچھ اور نہ دکھلائے زمانہ
کس وجہ نہ ہو دیکھ کے آئینہ کو حیران — وہ شوخ کہ ہے حسن میں یکتائے زمانہ
کیا ہووے کوئی ساغر عشرت کا لبگار — خالی ہے مے عیش سے مینائے زمانہ

نکلا دل بیمار کے حق میں ملک الموت — ہم جانتے تھے جس کو مسیحائے زمانہ

ہووے نہ شمار انجم افلاک پہ ان کا — ہیں اتنے سبھی ہم نے ستمہائے زمانہ

ہر روز خراش فلک دوں سے زمیں پر — دانتوں کی طرح پیستے ہیں داناؤ زمانہ

پنہاں جسکو نظر سے ہو وہ مہوش تو نہ کیونکر — تاریکی نظر میں مرے ہو جائے زمانہ

اتنا ہی ترا حسن میں وہ شہرہ آفاق — جتنے ہوئے ہم عشق میں رسوائے زمانہ

ڈھونڈو تو زمانہ میں نہیں مہر و محبت — کس طرح کا آیا ہے ظفر ہائے زمانہ

دیگر

کہوں کیا جوش اشکوں کا معاذ اللہ معاذ اللہ — امنڈ آیا اک دریا معاذ اللہ معاذ اللہ

شکایت کس سے کی جیسے بلا لو سامنے اس کو — کروں گا شکوہ میں تیرا معاذ اللہ معاذ اللہ

خدا محفوظ رکھے اس بت کافر کے گیسو سے — بلا وہ ناگ ہے کالا معاذ اللہ معاذ اللہ

جگر تو دیکھ تو میرا نہ کی اک آہ بھی میں نے — کئے تو نے ستم کیا کیا معاذ اللہ معاذ اللہ

لگایا ہاتھ شب میں نے جو اس کی زلف مشکیں کو — تو وہ برہم ہوا کیسا معاذ اللہ معاذ اللہ

جو سوئے مقتل عشاق وہ محشر خرام آوے — تو کیا اک حشر ہو برپا معاذ اللہ معاذ اللہ

جو سرگرم طپش میرے دل بیتاب کو دیکھا — تو بجلی بھی گئی تھرا معاذ اللہ معاذ اللہ

قد جاناں کو دوں تشبیہ کیونکر نخل طوبےٰ سے — کہاں وہ قد کہاں طوبےٰ معاذ اللہ معاذ اللہ

کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا کی الفت نے — بڑی آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ

گراں ہے تم کو نزاکت سے پیرہن — نہ رکھو بازو ہے نازک پہ نورتن کا بوجھ

ہزار کوہ اگر کوئی انہیں اٹھا لیں ہم — پہ اٹھے ہم سے کسی کے نہ اک سخن کا بوجھ

فلک زمیں پہ ابھی گر پڑے جو تھام نہ لوں — ستون آہ سے اس گنبد کہن کا بوجھ

نہ ڈال بار غم اے چرخ ان کندھوں سے — کہ جن سے اٹھ نہ سکے اپنے بھی بدن کا بوجھ

گراں ہے اس مرے نکلے دماغ نازک پر — چمن میں بس نکہت نسریں و یاسمیں کا بوجھ

نہ تن سے دور ہو سر جب تلک نہ ہو ہلکا — ستمگر اس ترے شیدائے خستہ تن کا بوجھ

نہ ہوتی سر پہ یہ گٹھری ظفر گراں ہوتی — بلا سے ہوتا اگر اور لاکھ من کا بوجھ

دیگر

گر میسر ہو مجھے تیرے جبین کا بوسہ
تئن یہ جانون کر لیا ماہ مبین کا بوسہ

مطلع ثانی

لب کا دو بوسہ کہ رخسار و جبین کا بوسہ
آج دے ڈالو مجھے ایک کہیں کا بوسہ

تر جہان رکھے قدم روے زمین پر اپنا
اپنی ہم آنکھون سے لین و ان کی زمین کا بوسہ

جان کیا بلکہ ہم ایمان تلک بھی دیدین
گر ملے اس بت نگار ستمگر دین کا بوسہ

پیچ و تاب اپنے ہوا رشک کیا کیا دل کو
جب لیا زلف نے اس روے جبین کا بوسہ

شرم اس کی ہے مانع تو نہیں لے سکتے
ہم تصور سے بھی اس پردہ نشین کا بوسہ

لیتے دن بھر ہین مزے ہم جو کہیں لیتے ہین
خواب مین شب ترے لعل نمکین کا بوسہ

دیکھ کس شوق سے لیتا ہے لب زخم اپنا
تیری تیغ ستم و خنجر کین کا بوسہ

جب ظفر دیکھتا ہون نام نگین پر اس کا
جی یہ چاہے ہے کہ لے لیجے نگین کا بوسہ

دیگر

دیکھا نہو جس نے کہ جہنم کا نمونہ
دیکھے مرے آتشکدہ غم کا نمونہ

ہے ماہ مبین صاف جبین کا ترے نقشہ
رہے مہ نو ابروے پر خم کا نمونہ

آمیزش مشک و نمک سو وہ سے جراح
بناتا ہے مرے زخم کے مرہم کا نمونہ

ساغر مین حباب مے گلرنگ ہے ساقی
یا دختر زر کی ہے یہ محرم کا نمونہ

نیسان مرے مژگان گہر بار کا سایہ
دریا ہے مرے دیدہ پر نم کا نمونہ

محراب وہ ابرو ہے در کعبہ کا نقشہ
ہے چشم تری چشمہ زم زم کا نمونہ

ہوتا جو نہیں غنچہ تصویر شگفتہ
شاید ہے یہ میری دل پر غم کا نمونہ

ہے ساغر مے جام جہان مین ہے مشابہ
میخانہ ہے اک سلطنت جم کا نمونہ

جو عرش سے تا فرش ہے
سب اس مین ہے موجود

ہے اے ظفر انسان
یہ عالم کا نمونہ

مرد دیتے ہین ای مرد خوش آئین کا ساتھ
ترک کرتا نہیں دنیا مین ہے جو دین کا ساتھ

ہین رفیق اپنے غم و رنج و الم یاس و تعب
ہم کو بھاتا ہے ہمیشہ انہیں دو تین کا ساتھ

ہے تماشاگہ یار کر دل ہے بھرا
ورنہ کر سکتا کبوتر کہیں شاہین کا ساتھ

خوشنما اس لب لعلیں پہ ہے یون سرخی پان
جیسے تمکین کو خوش آئے ہے رنگین کا ساتھ

سینہ کوبی نہ سمجھو اس کو دم آہ و فغان | مطب خوش نے پکھاوج س کیا تین کا ساتھ
نہ رہا یار جب غم خوار نہ مونس نہ رفیق | مگر اک غم نے دیا عاشق غمگین کا ساتھ
زلف پر پیچ نہیں | عارض جانان پہ ظفر
چمن میں ہے سنبل | و نسرین کا ساتھ

دل کو وہ رنج دے الٰہی اللہ | اور یہ سب سمجھے آمین اللہ
کوسا اس دشمن جان نے جو مجھے | دوست کہنے لگے آمین اللہ
تجھ سے آنکھیں ہے ملاتا آہو | تنکے چنتا پھر آمین اللہ
آمین آمین ابھی ہو جاوے وہان | مہربانی کرے آمین اللہ
تیرے آنے کی خبر سن بلبل | باغ میں بول اٹھے آمین اللہ
جو کہ عاشق کو جلاوے جون شمع | وہ بھبھلتا رہے آمین اللہ
محتسب تو نے خم سے توڑا | ہاتھ ٹوٹیں ترے آمین اللہ
اپنے مرنے کی دعا گر مانگون | وہ ستمگر کہے آمین اللہ
جو ستائیں تجھے ان کو بھی ظفر | عوض اس کا بھی ملے آمین اللہ

دیگر

ہم اٹھائیں کیون ستم ان کے انہیں کیا واسطہ | یہ تو ہے اے حسرت دل سب تمہارا واسطہ
نے کوئی ہو دوست نے دشمن تمہارے واسطے | جو ہے دنیا میں سو ہے اے دوست اپنا واسطہ
ہاتھ اٹھاوے وہ بت کافر نہ میرے قتل سے | دے اسے ساری خدائی گر خدا کا واسطہ
کر دیا دشمن انہیں میرا محبت نے مری | دشمنی کا میری ان کے اور تھا کیا واسطہ
جان دیتا ہے جو تم پر اس طرح یہ نیم جان | نیم غم زہ کا تمہارے ہے سارا واسطہ
آ چکی لب پہ جان تیرے مریض عشق کی | آ کوئی دم کا ہے اے رشک مسیحا واسطہ
اے ظفر وہ یک بیک کیون مجھ سے آزردہ ہوے | مجھ پہ کچھ کھلتا نہیں کیا سبب کیا واسطہ

دیگر

نہ رقیبوں سے تو لپٹ کر بیٹھ | اور جو بیٹھے تو ہم سے اٹھ کر ہٹ
تہ گرداب عشق دل اور ہم | گئے دونوں بہم چمٹ کر بیٹھ
کر تجلی مہ کو ماہتابی پر نہوا میرے گریہ سے یہ بھی | منہ سے گھونگھٹ ذرا الٹ کر بیٹھ

گوشہ عاقبت بہت تنگ بیٹھنا ہے اگر سم کر بیٹھ
سوچتا کیا ہے عشق میں اے دل جو ہو کرنا تجھے سو جھٹ ک بیٹھ
قصد اٹھ بھاگنے کا کر نہ ظفر
تو جو وہاں بیٹھا ہے ڈٹ کر بیٹھ

نہیں کہیں بھی تری چشم فتنہ زا کی پناہ یہ وہ بلا ہے کہ بس اے صنم خدا کی پناہ
سوائے رنج و غم و یاس چاہ میں اس کی دلا نہ ڈھونڈ کسی یارو آشنا کی پناہ
پناہ مانگتا ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص غضب ہے تیغ ادا شوخ کج ادا کی پناہ
جفا سے بیے کہیں ڈرتے با وفا ظالم کہ ان کے واسطے ہے عشق میں وا کی پناہ
بھی ہے موج ہوا ساقیا لیے شمشیر کہیں بجز سپر جام اس ہوا کی پناہ
بچے نگاہ س ل تیری کس طرح ظالم کہ ہے جہاں میں کہاں ناوک قضا کی پناہ
گر بول ہو درگاہ ایزدی میں ظفر
تو دو جہان میں ہے کافی یہ اک دعا کی پناہ

شکل اس نے ایسی آ کر ج دکھائی اللہ دل میں کیا اس بت کافر کے یہ آئی اللہ
ہو گیا مجھ سے مکدر وہ میرا آئینہ رو دیکھئے ہوتی ہے کس طرح صفائی اللہ
گل میں کیا خار میں کیا زر میں کیا نائیں کیا اللہ اللہ تری جلوہ نمائی اللہ
لائی بوس گل خوبی کی ہے یہ یاد بہار کہتی ہے صل علی ساری خدائی اللہ
روز اڑاتا ہے وہ سر تیغ ستم سے دو چار کس سے یہ طرز ستم اس نے اڑائی اللہ
آ گیا آنکھوں میں دم دیکھتے عی ڈکھتیراہ دیر قاصد نے مرے کہیں لگائی اللہ
کہتے ہیں دیکھ کے صورت کو تری صورت گر عاہ کیا تو نے صورت ہے بنائی اللہ
گر نہ تھا سوز محبت کے مزے سے آگاہ جان پر وانی نے کیوں اپنی جلائی اللہ
جو مصیبت ایسی قسمت نے دکھائی دیکھی پر دکھائے نہ ظفر اس کی جدائی اللہ

دیگر

ردی یائے تحتانی

نہ تنہا ہم نے کی اس بت کے در پہ جبہ سائی ہے یہ وہ جا ہے جھکائی سر جہاں ساری خدائی ہے
نہیں ہے کوئی بھی غمخوار اپنا کنج حزان میں اگر ہے تو غم تنہائی و درد جدائی ہے

پھنسے ہیں بطرح ہم آن کر دام محبت میں
نقیر از رگ ہوتی ہم کو کب اس سے رہائی ہے

ہمیشہ تجھ کو کہتا ہوں الجھ اس کی نہ زلفوں سے
کہیں تو مانتا اے دل تری شامت ہیائی ہے

لڑاتا ہے جو آنکھیں بزم میں تو آج غیروں سے
تجھے منظور کیا اے جنگجو ہم سے لڑائی ہے

تماشا ہے کہ ہم سے وہ تو ہیں نا آشنا بالکل
تو اپنے دل میں ہم خوش ہیں کہ ان سے آشنائی ہے

نہیں کرنے کے ہم ترک وفا ہے دم میں دم جب تک
بلا سے گرچہ ایول اس کا شیوہ بیوفائی ہے

قد رعنا سے اپنے راستی بھی سیکھ اے ظالم
اگر زلفوں سے اپنے تو نے سیکھی کج ادائی

نہ چھوکو سچ گر ہے کچھ ارادہ ہاتھا پائی کا
کہ اس نے دس و پا میں اے ظفر مہندی لگائی

دیگر

جو سمجھے اس دل کو وہ ہے کو دن ہمیں میں سے
کہ ہے تو ہمارے جان کا دشمن ہمیں میں سے

گریبان چاک جو کرتے ہیں گل گلشن میں کیا یہ بھی
ترے دیوانے ہیں اے غیرت گلشن ہمیں میں سے

ہمارے ناصح مشفق نے جب دیکھی تری صورت
یہ ان کی ہو گئی صوت کے وہ بن ہمیں میں سے

اشارہ فہم تیرا کون ہے یہ فہم ہے کس کو
کوئی پہچانتا ہو گا تری چتون ہمیں میں سے

نپایا دیر و کعبہ میں پتا ہرگز ترے گھر کا
اگر نکلا تو پھر نکلا ترا مسکن ہمیں میں سے

ہمیں سر باز ہیں دم دینے والے تیرے ابرو پر
تہ شمشیر رکھ دے گا کوئی گردن ہمیں میں سے

ظفر جو زلیخان پاکدامن
میں الگ ہم سے

کبھی تھے اس سے پہلے یہ
بھی ترا دامن ہمیں میں سے

ترا دیوانہ یہ کیا آٹھ پہر تکتا ہے
گاہ تکتا ہے ادھر گاہ ادھر تکتا ہے

ترے رخسار مصفا کی طرف آئینہ سان
ہو کے حیرت زدہ ہر ایک بشر کو تکتا ہے

کب گزرتا ہے وہ اس راہگذر سے اپنی
در سے راہ کوئی آہ بشر تکتا ہے

غم فرقت سے ہے یہ حال کہ میرا غم خوار
منہ کا چپکا مرے بادیدہ تر تکتا ہے

کیا کہیں جھانکتے دیکھا تجھے اے پردہ نشین
ایک عالم طرف روزن در تکتا ہے

جبکہ تکتا ہے نشانہ کو کماندار مرا
پہلے میرا ہی وہ دل اور جگر تکتا ہے

کوئی ٹھہراتا نہیں وصل
کی صورت ان سے

صورت اک ایک کی
ناچار ظفر تکتا ہے

بات ان کی جو مری بات پہ اونچی نہ ہوئی
منہ گریبان میں ڈالا نظر اونچی نہ ہوئی

کچھ اونچوں سے جدھر لڑتی تھی اے پردہ نشین / کبھی یہ پردہ کی دیوار ادھر اونچی نہوئی

تیری تلوار سے ہم نے بچایا سر کو / پستمگر کبھی اپنی سپر اونچی نہ ہوئی

ہو کے ہم چشم ہوئے چشم سے کس کے یہ خجل / انکھ نرگس کی جو باد سحر اونچی نہوئی

تیرے بیمار دانی کا ہے یہ ضعف سے حال / چاہا بستر سے ہو اونچے نہوئی

چرخ تک پہونچنے پر ضعف نے پست کیا / کر ذرا سینہ سے آہ جگر اونچی نہوئی

تیغ قاتل کے سمنے سر نہ جھکایا جس نے / اس کی پھر شرم سے گردن ظفر اونچی نہوئی

دیگر

ہوئے خسروان جہان اچھے اچھے / نہ اب وہ نہ انکے مکان اچھے اچھے

کیون کس سے بے مہربان اس فلک کی / کہ سب اٹھ گئے مہربان اچھے اچھے

ہماری محبت کی تھی قدر جنکو / وہ کیا لوگ تھے قدردان اچھے اچھے

یہ پیر فلک وہ ہے جس کے ستم سے / گئے خاک میں مل جوان اچھے اچھے

ترین کیا زمانہ سے کشتی کر اس نے / پچھاڑے بہت پہلوان اچھے اچھے

اگر تیرے مژگان وابرو کو دیکھیں / یہ دیں پھینک تیروکمان اچھے اچھے

ترے چشم بیمار کے اے ستمگر / ہزاروں ہیں بیماریاں اچھے اچھے

جو دل تم کو لینا ہے لے لو نہ چہو کو / کہ ہیں اور بھی دلستان اچھے اچھے

فلک ہے وہ گرمی تمہارے سخن میں / کہ جلتے ہیں آتش زبان اچھے اچھے

دیگر

کہے گا ساقیا کیا مجھ سے دیوانے کے پیمانے / کہ پی جاؤ نشا میں مستی میں پیمانے کے پیمانے

الٰہی محتسب کے ہاتھ ٹوٹیں اسکے ہاتھوں سے / ہزاروں ہی کے ٹوٹ آج میخانے کے پیمانے

نہ سمجھو آبلے انکو کہ ہے تقدیر کو الٹی / تو ہیں اوندھے پڑے یہ دل کے کاشانے کے پیمانے

جدائی میں ترے ہیں دیدہ تر میرے اے ساقی / شراب خون دل بھر بھر کے پیمانے کے پیمانے

اوڑاؤ مرغ دل کو اور پرندو کے لئے رکھو / سدا پانی کے پیمانے سدا دانے کے پیمانے

تری آنکھو کے بیماروں نے شربت کے عوض ظالم / پیے زہر آپ سے بھرک دوا خانے کے پیمانے

دل پر آبلہ وہ خوشہ انگو سے میرا / کہ بھرے آپ سے ہیں جس کے ہر دانے کے پیمانے

نہیں آنکل جب تک ہاتھ خاک اس بادہ پیما کی / کبھی ساقی کہیں میخوار ہوانے کے پیمانے

مے عیش و طرب کا ایک قطرہ بھی نہیں ساقی
ظفر یہ آسمان ہیں یوں دکھلانے کے پیمانے

آج بوسہ پر لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی | میرے ان کے ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی
شکر ہے وہ من گئے ورنہ چلے تھے روٹھ کر | وصل میں بارے جدائی ہوتے ہوتے رہ گئی
آہ وہ آئینہ رو ہم سے مکدر ہی رہا | ہم نے جب چاہی صفائی ہوتے ہوتے رہ گئی
وہ ڈبوتے چاہ میں ہوتے اگر آشنا | لیکن ان سے آشنائی ہوتے ہوتے رہ گئی
توڑنا تھا تو زنجیر در زندان جنون | کیا ہوا زور آزمائی ہوتے ہوتے رہ گئی
مہربان صیاد ہو کر ہو گیا نا مہربان | دام سے ہم کو رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اے ظفر دیکھا بھلائی کا اثر دشمن میں بھی
کی اگر تجھ سے برائی ہوتے ہوتے ہ گئی

بہائے جا تو آنسو کو کر در پے جان کے تو رہوے | بلا سے عشق میں ر جان جاوے آبرو رہوے
کھلی رہویں نہ آنکھیں کیونکہ اس کے بعد مرنے کے | جسے تا مرگ تیرے دیکھنے کی آرزو رہوے
کرے گر میکشی وہ گل تو پھر کیونکر نہ گلشن میں | کف گل پر پیالہ دوش غنچہ پر سبو رہوے
مجھے کیا چشمہ آب بقا سے کام اے قاتل | ترے آب دم خنجر سے تر میرا گلو رہوے
تصور اس لب پان خوردہ کا مجکو رولاتا ہے | روان کیونکر نہ جائے اشک آنکھوں سے لہو رہوے
صبا جان اگر ہو تیرا کوے زلف جانان میں | ذرا میرے دل گم گشتہ کی بھی جستجو رہوے
ظفر پاکیزہ تر اس سے سہووے کوئی عالم میں | جو آب دیدہ سے اپنے نہ یکدم بے وضو رہوے

دیگر

تیر رخ روشن پر کب کس کا بالا ہے | وہ چاند ہے اے مہوش یہ چاند کا ہالا
حل داغ میں چیچک کے اس نے جو بنایا ہے | معلوم کیا ہم نے کچھ دال میں کالا ہے
کن انکھوں سے وہ دیکھے نرگس کو گلستان میں | اس چشم منقش کا جو دیکھنے والا ہے
شمشیر تری ابرو خنجر ہیں ترے مژگان | اور سرمہ کا دنبالہ کافر کوئی بھالا ہے
اے رشک چمن آ کر تو دیکھ بہار اس کی | سینہ مرادا غون سے اک تختہ لالہ ہے
اس بنا پہ ہم تیری سو گالیاں کھاتے ہیں | لے لیا مرا بوسہ لیا منہ کا نوالہ ہے
ہے طفل سر شک اجر لیکن ہے لحاظ اتنا | آنکھوں میں ظفر اپنے میں نے اسے پالا ہے

دیگر

کہاں تک رہیں رنج و غم و تعب میں پھنسے
الٰہی ہم اے دل دیکھے کس غضب میں پھنسے

اسیر دانہ کے لالچ ہو دام میں طائر
پھنس جو زلف میں دل شوق خال لب میں پھنسے

خبر نہ لی کہ کسی غمزدہ پہ کیا گزری
وہ آج ایسے کہیں محفل طرب میں پھنسے

انہیں فراغ کہاں جو ہیں طالب دنیا
ہمیشہ رہتے ہیں دنیا کے لب میں پھنسے

پھنسا جو رنج میں کوئی کسی سبب سے پھنسا
تمہارے ہاتھ سے ہم رنج بے سبب میں پھنسے

اگر ہے گلشن جہاں بھی تو ہم کو زندا ہے
کہ ہم اپنی الفت خوبان غنچہ لب میں پھنسے

نہیں ہے دام فریب اس کا کوئی بھی خالی
بلا کشان محبت ظفر ہیں سب میں پھنسے

ہم نے تم سے بھلائی ایسی کی
تم نے ہم سے برائی لیکن کی

ہم نہ بھولے کبھی وفا کی راہ
عشق نے رہنمائی ایسی کی

ظاہر اصاف اور دل میں غبار
کی تو اس نے صفائی لیکن کی

کیا نا آشنا انہیں سب سے
آپ نے آشنائی ایسی کی

پہونچا زلفوں تک تری شانہ
کیونکہ پیدا رسائی ایسی کی

کٹ گئے سر ہزاروں ایک دم میں
اس نے تیغ آزمائی لیکن کی

کیونکہ اس بت نے تابع فرمان
ہے خدا کی خدائی لیکن کی

کی بگڑ کر کبھی جو بات اس نے
ہم سے کچھ بن نہ آئی لیکن کی

اک انہیں سے ظفر نہیں اس نے
جس سے کی بیوفائی ایسی کی

طاقت کہیں چھپنے کی عادت لئے پھرتی ہے
یا صرف مجھے میری ہمت لے پھرتی ہے

اس زلف کے سودے میں آوارہ سرگشتہ
سایہ کی طرح مجھکو شامت لیے پھرتی ہے

خورشید صفت مجھ کو ہے شوق جہانگردی
طالع لئے پھرتے ہیں قسمت لیے پھرتی ہے

سرباز اٹھاتے ہیں سر دیتے میں لطف ایسا
سر اپنا ہتھیلی پہ قسمت لئے پھرتی ہے

میں کوچہ بکوچہ دیوانہ سا جو پھرتا ہوں
اس شوخ پری رو کی الفت لیے پھرتی ہے

اس چشم کے پھرنیکا کیا پوچھتے ہو عالم
ساتھ اپنے وہ کافر اک آفت لیے پھرتی ہے

کیا جانے ظفر کس کو یہ ڈھونڈتی ہیں آہو کے — صحرا میں ان آنکھوں کی وحشت لئے پھرتی ہے

دیگر

جسے دیوان حافظ یا دیوانہ پڑھا ہے — اسے جتنی کتابیں حفظ ہیں سب بھول جاتا ہے

جگاے بخت خوابیدہ کو گر میرے تو میں جانوں — بلا سے نالہ شبگیر سو تو کو جگاتا ہے

اثر کیا خاک ہے گریہ میں تیرے ڈوب مر شبنم — کہ ل ہنستا ہے تجھ پہ غنچہ مسکراتا ہے

وہ آئے یا نہ آئے پر دل بیتاب کو اپنے — تسلی میں یہ دیتا ہوں اب آتا ہے اب آتا ہے

کہاں تک روئیگا اے دیدہ تر روک اشکوں کو — ہماری آبرو خاک میں تو کیوں ملاتا ہے

صبا کیا آج وہ ل پیرہن آتا گلشن میں — کہ اپنے پیرہن میں گل نہیں پھولا سماتا ہے

بھلا انصاف کر تو ہی کہ ظاہر تیرے کوچہ سے — اٹھے یہ ناتواں کیونکر کہ بیٹھا ہی جاتا ہے

اگرچہ روسیہ ہوں پر ہوں منظور نظر سب کا — مجھے آنکھوں سے کاجل کی طرح ہر اک لگاتا ہے

نہ شمع بزم ہوں میں نے چراغ خانہ ہوں اس کا — ظفر وہ شعلہ خو کس واسطے مجھکو جلاتا ہے

دیگر

راہ مشتاقی کی بالکل اس کے در پر ختم ہوئی — جی میں جو آیا کیا یہ عقل سششدر ختم ہوئی

تو نے کیوں آنے سے روکا قاصد ان اشک کو — جو خبر دل کو مرے اے دیدہ تر ختم ہوئی

پوچھتے کو کیا ٹھکانا دل کا بحر عشق میں — کشتی اس دریا میں یہ تو غرق ہو کر ختم ہوئی

داغ سوزاں جب دکھایا اس تر دل تفتہ نے — دیکھتے ہی تابش خورشید محشر ختم ہوئی

کر نہ راحت کی تمنا تو کہ تیرے واسطے — وہ تو دنیا ہی سے اب اے جان مضطر ختم ہوئی

تل بے ناکامہ کر اس تشنہ گلو کے حلق تک — پہونچا جس دم اس کا خنجر آب خنجر ختم ہوئی

لے گیا دل سے متاع صبر کو کون اے ظفر — سچ بتا یہ جنس اب گھر میں سے کیونکر ختم ہوئی

تھی ترے دیدہ کی ہر دم مجھے حسرت دونی — تجھے دیکھا تو ہوئی اور محبت دونی

مطلع ثانی

ہوئی جائی ادھر سے جو محبت دونی — اور بھی ہوئی ادھر سے ہے عداوت دونی

مطلع ثانی

چاہے گر کوئی فلک سے کہ ہو راحت دونی — تو یہ موذی اسے دے اذیت دونی

میرے داغ دل سوزاں کا پڑا جو پر تو — ہو گئی تابش خورشید قیامت دونی

تری زلفوں کو ہوا دیکھ کے سودا دونا — تری آنکھوں کو ہوئی دیکھ کے وحشت دونی

میرے گریہ نے نہ دھویا دل جاناں سے غبار — بلکہ اس سے تو ہوئی اور کدورت دونی

عوض بوسہ میں دل مانگتے تھے جان بھی لو — اب تو خوش ہو کر تمہیں ملتی ہے قیمت دونی

زخم کھانے کا محبت میں مزا ہے لیکن — وہ نمک چھڑکے تو ہو اور بھی لذت دونی

فائدہ میرے تپ عشق کو تبرید سے کیا — بلکہ ہو جائے ہے اور اس سے حرارت دونی

میں جو رسوائے جہاں ہوں تو بلا سے تیری — تجھکو کیا یری تو ہو جائے گی شہرت دونی

رو برو یار کے رخسار مصفا کے ظفر — اور آئینہ حیران کو ہے حیرت دونی

دیگر

انہیں جب یاد اس کا منہ سے لگانا منہ کو آتا ہے — تو یہ ہوتا ہے حال اپنا کلیجہ منہ کو آتا ہے

غم دوری میں تیری بن گئے ہم شکل مردوں کی — تم گر تو ہمارے دیکھنے کیا منہ کو آتا ہے

ہم اپنا خون دل پیتے ہیں جس دم ساتھ غیروں کے — لگا یاراپنے جام صہبا منہ کو آتا ہے

ذرا سی بات پر ہے تو بگڑ کر منہ بنا لیتا — انہیں تو دیکھ کر تیرے اچنبھا منہ کو آتا ہے

خدا جانے کہ تجھ بن ہو گئی ہے میری کیا صورت — کہ جو آتا ہے یاں وہ میرے تکتا منہ کو آتا ہے

خیال آتا ہے جس دم راستی کا قد جاناں کے — تو پھر دل سے ہمارے نالہ سیدھا منہ کو آتا ہے

ظفر منہ کس کا میدان سخن میں منہ چڑھے یرے — کہ جو آتا ہے وہ اپنے چھپاتا منہ کو آتا ہے

دیگر

گئے یارب وہ لوگ اگلے کہاں پائے نہیں جاتے — جو ڈھونڈھیں تو کہیں ا کے نشاں پائے نہیں جاتے

عجب صنعت دکھائی اپنی یہ نقاش قدرت نے — کہ نقشے ایک سے سب کے یہاں پائے نہیں جاتے

غرور حسن سے یہ مہوشوں کو بے دماغی ہے — دماغ اب ا کے زیر آسما ن پائے نہیں جاتے

کسی کو ہم نہیں اس واسطے دیتے ہیں دل اپنا — کہ جو آ گئے تھے وہ بے دلستان پے نہیں جاتے

مرے جانب سے ہیں جیسے گماں ان بدگمانوں کو — زمانے میں کہیں ایسے گماں پائے نہیں جاتے

عدم کی راہ میں کیونکر کسی کا کھوج ہاتھ آئے — کہ وا ں تو نقش و پائے رفتگاں پائے نہیں جاتے

سبب کیا نے کمر ہے نے وہاں ا خوبرو یوں کی

ظفر یہ ہم سے اسرار نہاں پائے نہیں جاتے

بزم میں آ کر تمہیں چپکے نہ رہنا چاہیے   کچھ نہ کچھ آئی گئی منہ سے کہنا چاہیے

اس ستمگر کو دل اپنا اب تو ہم نے دے دیا   جو کرے ہم پر ستم وہ ہم کو سہنا چاہیےاپنی قسمت چاہیے اور اپنا

ہاتھ سے ساقی کے لینا جام ہے مشکل نہیں   لینا   چاہیے

اے پری و پاؤں میں زنجیر ہو ردن میں طوق   تیرے دیوانوں کو زیب افزا یہ گہنا چاہیے

چاہیے ہین پانو کے تلوے خلش کو خار کی   دشت میں مجنون کو پھرنا یا برہنا چاہیے

چھ کر تم پھر گئے یا ہم کیو انصاف سے   چاہ میں صاحب نکلنے دنیا اور کہنا چاہیے

حسن اس مہوش کا چمکے شب جو زیور سے دو چند   چاند کو پھر کیونکہ غیرت سے نہ گہنا چاہیے

اے   ظفر   ل   مبتھا   اچھا   نہیں   اس   وقت   میں

سنج   خجلت   میں   الگ   ی   سب   سے   رہنا   چاہیے

لب ہیرے سے زیادہ یاقوت لال کیا ہے   دانتوں کے آگے تیرے الماس مال کیا ہے

پر نور ہے جبین بھی مانند ماہ تابان   ابرو ہے وہ خمیدہ مثل ہلال کیا ہے

دیکھے جو جوتجکو ہوتا ہے محو حیرت   ان کو دیا خدا نے دیکھو جمال کیا ہے

جو دل پھنسے ہے ان میں پھر چھوٹتا نہیں وہ   ظالم یہ زلف تیری کیا جانے جال کیا ہے

قاصد مرا بتائے یہان مجھ سے لاکھ باتین   پر جاکے کچھ کہے وہان ان سے مجال کیا ہے

میں بوسہ مانگتا ہون و دے ہے تجکو گالی   تیرا جواب کیا ہے میرا سوال کیا ہے

جس کے سبب رہے ہے رنج و ملال تجکو   وہ مجھ سے پوچھتے ہین تجکو ملال کیا ہے

رخ سے ترے مقابل ہووے جو ماہ کامل   اے مہر طلعت اس میں ایسا کمال کیا ہے

جو دل پہ گزرتی وہ ل ہی جانتا ہے   بتلاؤں اے ظفر کیا میں دل کا حال کیا ہے

دیگر

جنون کی جب صورت میری انکھوں میں سمائی ہے
نظر آتا ہے مجھے کیا کیا تماشائے خدائی ہے

مکدر کو کے اس نے کیا ہوا اگر با کی ہم سے
ظاہر ہے کدورت لیک باطن میں صفائی ہے

دلا اس زلف کے پھندے میں بیڈھب جا پھنسا ہے تو
تجھے کب اس بلا سے دیکھیے ہوتی رہائی ہے

شفا بے وصل جانان ہو نہ اس بیمار ہجرانکو
علاج اس کا یہی ہے اور یہی اس کی دوائی ہے

لڑانا بے سبب آنکھیں نہیں تو آج غیروں سے
ہوئی منظور تجھکو جنگجو ہم سے لڑائی ہے

پیالہ ہاتھ میں لے کر جو گل نکلا ہے گلشن میں
بہار حسن سے کس کی تمنائے گدائی ہے

تعجب کیا اگر ہووے وہان روئیدہ گل مہندی
ظفر اس شوخ نے دھویا جہان دست حنائی ہے

دیگر

آ گیا آنکھوں میں دم حال ہمارا یہ ہے
دیکھ لیں ہم تجھے اک بار تمنا یہ ہے

مول اک غمزدہ پہ لیتا ہے وہ کافر دل ودین
کچھ چکاتا نہیں ایمان کا سودا یہ ہے

رقص بسمل پہ تڑپتا ہے جگر میرا
تو اگر دیکھے تو کیا خوب تماشا یہ ہے

زندہ کر دیتا ہے اک بات پہ سو کشتہ ناز
لب جان بخش ہے تیرا کہ مسیحا یہ ہے

لخت دل دے کے روان کرتے ہیں ہم آنسو کو
وہ اگر نامہ ہے نامہ بر اپنا یہ ہے

کبھو دل سے نہ رکھے اس کا خیال مژگان
کانٹے کس واسطے اپنے لئے بوتا یہ ہے

شعلہ دل کو بجھاتا نہیں آب گریہ
بلکہ بھڑکاتا اسے اور بھی ہوا یہ ہے

دل کو اپنی مجھے ہے اس لیے خاطر منظور
کہ ترا شیفتہ یہ ہے تیرا شیدہ یہ ہے

گر کہے کوئی برا ان کے نہیں وہ نہ برا
جو ہیں اچھے ظفر ا کے لئے اچھا یہ ہے

آج تیری شمشیر کچھ کہتی تو ہے
مجھ سے اے قاتل مری تقدیر کچھ کہتی تو ہے

سن لو جو ہے خانہ زندان میں دیوانوکا حال
کر کے برپا غل سدا زنجیر کچھ کہتے تو ہے

تو خدا جانے پری پیکر ہے یا ہم شکل حور
تجھکو اے عالم تصویر کچھ کہتے تو ہے

ہوتیو دل میں اثر تیرے اگر سنگدل
حال میرا آہ بے تاثیر کچھ کہتے تو ہے

اے ظفر وہ بے خبر سن لے گا سب تیری خبر
مجروں کی یہ آج تقریر کچھ کہتی تو ہے

نہ ہم راہ وفا بھولے نہ تم طرز ستم چوکے
جو اپنی بات تھی اس سے نہ تم چوکے نہ ہم چوکے

جو مضمون چاہیے تھا خط میں لکھنا ہم کو اے قاصد
کیا ہی ہے قلم انداز و وہی یک قلم چوکے

گئے دیر و حرم کو چھوڑ کر جو آستان تیرا
مرے نزدیک یہ شیخ و برہمن اے صنم چوکے

یہ پتی دم شماری تھی اسی کے دم سے کوئی دم
بلا جس دم وعیسیٰ دم اسی دم ہم بھی دم چوکے

تمھین دل کو میرے لے کے واپس کر دیا تم نے
بہ پچھتاؤ گے کیون چھوڑ دی ایسی رقم چوکے

بہا کر اشک ہم چشمون میں کھوئی آبرو ہم نے
کرین کیا اب تو چوکے اپنی آنکھون کی قسم چوکے

ظفر راہ محبت میں چلے جاؤ ابھی قدمون
کہیں آنے کا رستہ ہاتھ پھر گر دو قدم چوکے

دیگر

ہماری دل سوزیوں کی تجکو کہاں رہے ہیں جتانیوالے
جو رہ گئے ہیں تو اے ستمگر لگانے والے بجھانے والے

نہ کس طرح اپنی جان کے ہوون بروگی کیون جان کو روون
کہ ایک ہے گر ہنسانیوالا تو ہیں ہزارون رولانیوالے

ہمارا خط لے کے نامہ بر بس جو بن پڑھے پھاڑتے ہو جھڑ سے
جنھون نے تم کو ہے یہ پڑھایا وہ کون سے ہیں پڑھانے والے

جہان ترا نالہ کش نہ جائے وہان کسی شب کو نیند آئے
مجال کیا کوئی سونے پائے ہیں اپنے نالے جگانے والے

کبھی برحم نہ تجکو آیا ستم سے و نے نہ ہاتھ اٹھایا
جہان سے آخر کو اٹھ گئے سب ترے ستم کے اٹھانیوالے

اٹھے ہے جب شعلہ ہر فغان سے تو جل کے نکلے ہے بیابان سے
الٰہی وہ رہیں نہ ٹھنڈے جو ہیں ہمارا جلانیوالے

نظر وہ ہم سے ہیں جب چراتے تو ہیں نظر باز تاڑ جاتے
ظفر نگاہون سے پکڑے جاتے ہیں چور دل کے چرانے والے

دیگر

چشم میگون کے تصور میں خرابی یہ ہے
جو مجھے دیکھے وہ جانے کہ شرابی یہ ہے

گل نہیں جام ہے ساقی یہ کسی میکش کا
غنچہ گلشن میں نہ اس کا گلابی یہ ہے

رات دن رہتا ہے جو آنسوون کے دریا میں
مردم دیدہ نہیں یا مردم آبی یہ ہے

کس کے سامان ضیافت میں ہے سردم فلک
مہر کی سے لایا جو سونے کی رکابی یہ ہے

کوئی زنگی بچہ قرآن پڑھے ہے دیکھو
خالی کب اس کے سر روئے کتابی یہ ہے

روز ہیں آتش غم سے جگر و دل بھنتے
میرا سینہ نہیں دکان کبابی یہ ہے

وعدہ وصل کسی سے فر آج ان کا
وہ جو جاتے ہیں شتاب اتنی شتابی یہ ہے

دل ہے سر گرم فغان چشم ہے گریان رہتی
عین گرمی مین ہے یان شدت باران رہتی

ایک دھجی بھی جنون ہاتھ سے تیرے باقی
جیب سے میرے کہین تا سر دامان رہتی

وہ اٹھا دیتا جو اپنی رخ روشن سے نقاب
روشنی کیا تری اے مہر درخشان رہتی

ہاتھ دامن تلک اس کے کہین پہونچا میرا
مجھ سے تا حق ہے اجل دست و گریبان رہتی

ہم کو درکار زمستان مین ہے کیا آتشدان
گھر مین ہے گرمی آہ دل سوزان رہتی

حال میرا غم ہجران مین اگر دیکھے یار
سب کی انگشت تحیر تہ دندان رہتی

جب کہتے ہین کہ جے کہین ہم جاتے ہین
جیتے جی یہ مرے قالب مین کہین جان رہتی

تیر اس کا مرے
سینہ مین رہا خوب ہوا

ورنہ اس دل کو
ظفر حسرت پیکان رہتی

چین کرتے ہین وہان عیش مین دن رین پڑے
ہم یہان لوٹتے ہین خاک پہ بے چین پڑے

خاک ہو جائین رہ مہر وفا مین لیکن
ہم رہین اس کے ہمیشہ تہ نعلین پڑے

کیونکہ اس چشم کا آ جائے تصور نہ ہمین
جب کہ حرفون مین نظر اپنی سر عین پڑے

دیندار اس کی محبت مین ہین جان کیونکہ مدین
کیا کرین جبکہ ادا کرنا ہمین دین پڑے

تپ غم کم نہو تیرہ سے اپنی اس مین
خواہ اب تحرفہ پڑے خواہ خیارین پڑے

روز لیجاتے ہین دل سیکڑون یہ غارتگر
دیکھو کیا لوٹ مین ان آنکھون کے ہین نین پڑے

کب وہ اٹھے ہین اٹھانے سے جو اس کے در کے
اے ظفر چھوڑ کے ہین خواہش دارین پڑے

دیگر

تمہارے غم سے جو گزرے سو گزرے
نہ پوچھو ہم سے جو گزر سو گزرے

جو گزرے دم پہ اپنے کیا کہین ہم
ہر اک ہمدم پہ جو گزرے سو گزرے

ہوا جب تو نہ زخمون پہ نمک پاش
تو پھر مرہم سے جو گزرے سو گزرے

رہے موجود دم دینے کو تم پہ
ہم اپنے دم سے جو گزرے سو گزرے

رکے روکے سے موج اشک کیونکر
یہ چشم نم سے گزرے سو گزرے

ظفر کہتے ہو کیا دل کی حقیقت
کسی محرم سے جو گزرے سو گزرے

دیگر

کوئی عاشق جو دربار حسین پر جم جائے
اٹے سجدے وہ کرے خاک جبین پر جم جائے

پھر کوئی اٹھا ہوئیں گر روش نقش قدم
پانوں میرا ترے کوچہ کی زمین پر جم جائے

بات پردے کی اگر پردے میں کہے تو یوں
کر وہ سب ذہن بت پردہ نشین پر جم جائے

نہ چھٹے لاگ چھوڑا ہے اسے تو اے قاتل
خون عاشق جو ترے خنجر کین پر جم جائے

نہ کرے پھر نہ کرے ہاں کبھی منہ سے ہرگز
وہ سخن پرور اگر اپنی نہیں پر جم جائے

خاک صحرا میں اڑائیں جو ترے دیوانے
تہ بتہ گرد رخ چرخ بریں پر جم جائے

پھر نظر پر نہ چڑھے قسمت دنیا ان کے
دھیان جن کا کہ ظفر دولت دیں پر جم اجے

دیگر

جب حوروشوں کے ہے کوچہ سے نسیم آئی
ہر جھونکے میں سے بوئے گلہائے نعیم آئی

کس طرح چمن میں ہو مشکل نہ پسند اپنے
اس میں سے کسی کی ہے کاکل کی شمیم آئی

یہ عشق کی دولت ہے جو چشم میں آنسو کی
ہر بوند نظر مجکو ہے در یتیم آئی

گزرا رو نزار اس کی الفت میں نپٹا میں
کیوں جان مری لب پر باحال سقیم آئی

ناقہم کوئی سمجھے کیا رمز محبت کو
یہ فہم میں ہے کس کے جز مرد فہیم آئی

یاد اس کی مرے دم میں گر آئے تو میں اس کو
کس طرح نہ آنے دوں ہے یہ تو قدیم آئی

یہ چہرہ زرد اور یہ آنسو مجھے کافی ہیں
کچھ دل میں نہیں میرے حرص زر وسیم آئی

ناحق ہے علاج اے دل آزار محبت کا
کچھ کام نہیں اس میں تدبیر حکیم آئی

مژگاں کا خیال اس کے دل میں مرے آتا ہے
اس طرح ظفر جیسے جو فوج غنیم آئی

ہے وحدت کی ہم کو مستی ہے
بت پرستی خدا پرستی ہے

یوں ٹپکتے ہیں اشک مژگاں سے
جیسے کوئی گھٹا برستی ہے

دل کو ہم بیچتے ہیں بوسہ پر
اس کو لے لیجے جنس سستی ہے

مثل فوارہ سر بلند نہ کر
کہ بلندی کے ساتھ پستی ہے

نہیں ہنسا ہے کھل کھلا کر گل
اس کی ہستی یہ اوس پہ ہنستی ہے

رنج و غم کو خدا رکھے آباد
خانہ دل میں ایسی بستی ہے

وہ میں ہم سے تو ملیں ہم بھی
تالی بجتی ظفر دوستی ہے

دیگر

پھر درستی خاطر پیمان شکن میں کچھ تو ہے
پایا جاتا لطف اب اس کے سخن میں کچھ و ہے

جاے دیوار چمن تک ڈرتے ہیں مرغ چمن
اندنون اے باغبان کھٹکا چمن میں کچھ تو ہے

اس پری کو دیکھ کر ہوتے ہیں دیوانے جو ہم
ناصحا آتا ہا یوانہ پن میں کچھ تو ہے

منہ پھلائے رہتے ہیں غنچے کہیں کچھ بولتے
اے نسیم صبح دم ان کے دہن میں کچھ تو ہے

تا نہ روکیں یار رونے سے مجھے کہتا ہوں میں
فرق گریہ سے مرے دل کی جلن میں کہ تو ہے

کھینچ کر شمشیر قاتل کر کے اپنے ہاتھ صاف
دم ابھی باقی ترے اس خستہ تن میں کچھ و ہے

شانہ ہے یا ہے دل صد چاک میرا اے ظفر
الجھا اس کافر کی زلف پر شکن میں کچھ تو ہے

دیگر

شعلے بڑے ہیں چرخ برین نے پکڑ لیے
ہم بھاگیں کیونکہ پاؤن زمین نے پکڑ لیے

لینا بلائیں زلف کی میں خوب رات کو
پر ہاتھ میرے ماہ جبین نے پکڑ لیے

صورت کو تیری عالم تصویر دیکھ کر دست میں چلتے چلتے مسلمان ہزار ہا
کان اپنے بس مصور چین نے پکڑ لیے
ناحق بتان رہزن دین نے پکڑ لیے

وہ قسمت اب کہاں مری آنسو کے رو برو
موتی اس سے پہلے در ثمین نے پکڑ لیے

جینا کہاں مگر تری امید وصل میں
دو روز اور ترے حزین نے پکڑ لیے

ہو دل میں جائے مہر وفا اس کے کیا ظفر
واں تو ٹھکانے بغض نے کین نے پکڑ لیے

دیگر

اس کو سزا کچھ جس نے م سے آنکھ لڑائی واجب ہے
چشم عنایت پیچھے پہلے چشم نمائی واجب ہے

ظل میں کدورت میری طرف سے دیکھ نہ رکھا اے آئینہ رو
میں ہون جیسا صاف تجھے بھی مجھ سے صفائی واجب ہے

ایک جگہ پر رہنا سہنا بات نہ کرنی الفت سے
لط ہے اس ل بیٹھے میں کیا بلکہ جدائی واب ہے

میٹھی چھری ہیں باتیں تمہاری جھوٹ کہیں واللہ جو
جاتی کہا اس سے حذر اب ساری خدائی واجب ہے

گالی جھڑکی سب ہے گوارا منہ سے تمہارے م نہ رکو
کہنا اس کا جو حق نا حق جیمیں اائی واجب ہے

پھرے راہ عشق میں ہیں ہم بھٹکے بھٹکے مدت سے
حضرت عشق اب م کو ہماری راہنمائی واب ہے

ہے یہ نسخہ خوب ظفر کام آئے گا اس کو یاد رکھو
کوئی برائی لاکھ کرے پہ تم کو بھلائی واجب ہے

کسی تدبیر سے تقدیر پہچانی نہیں جاتی
مگر تقدیر بن تدبیر پہچانی نہیں جاتی

خط اس نے کس سے لکھوا کر ہمیں بھیجا ہے اے قاصد
بتا دے ہم سے یہ تحریر پہچانی نہیں جاتی

ہوا دل اس میں پابند بلا پر یہ خدا جانے
کہ ہے وہ زلف یا زنجیر پہچانی نہیں جاتی

بتا مجھکے ہمیں جو ہر ہیں جو اس تیغ ابرو میں
مبصر ہیں کبھی شمشیر پہچانی نہیں جاتی

مگر بہر نشان کر عمارت و کر دو دن میں
یہاں تو ٹوٹ کر تعمیر پہچانی نہیں جاتی

رخ و خط کو میں ہوں دیکھ کر حیران کہ یہ کس نے
لکھی قرآن کی تفسیر پہچانی نہیں جاتی

جدائی سے تری دو دن میں ایسی ہو گئی صورت
کہ شکل عاشق دلگیر پہچانی نہیں جاتی

شرف یہ خاک کو میرے دیا ہے خاکساری نے
کہ ہے وہ خاک یا اکسیر پہچانی نہیں جاتی

ظفر ہے ایک صورت میری اور مجنوں کی وحشت میں
کوئی پہچانے کیا تصویر پہچانی نہیں جاتی

دیگر

لگا ہے ہر چند ایک عالم ہماری تم سے تمہاری ہم سے
کبھی محبت نہ ہوگی کم ہماری تم سے تمہاری ہم سے

دم آئی آنکھوں میں ہے ہمارا نجاؤ بالیں سے تم خدارا
کہ ہے ملاقات اور اک دم ہماری تم سے مہاری ہم سے

عدو ہیں مدت جو ہمارے ہوئی ہیں وہ ہم نشیں تمہارے
کہیں یہ صحبت نہووے برہم ہمارے تم سے مہاری ہم سے

چھپے کہو کیونکہ دل کی حالت پیشہ غماز ہے محبت
بیان حقیقت کرے ہے پیہم ہماری تم سے تمہاری ہم سے

ہزار باتیں کر اک بناوے یقیں نہ الا کبھی نہ آئے
کہ نہ جب تک کہ کوئی محرم ہماری تم سے تمہاری ہم سے

غم و الم میں ہیں رہتے شامل ہم اور تم دونو حضرت دل
سنے کوئی اب حکایت دل ہماری تم سے تمہاری ہم سے

ظفر یہ کہہ دیجے آج ان سے کہ ہم اسی روز مر چکے تھے
لڑی تھی جس روز آنکھ باہم ہماری تم سے تمہاری ہم سے

دیگر

نصیب اچھے اگر ہوتے مصیبت کس لیے پڑتی
ہمیں دل کے لگانے کی یہ عادت کس لیے پڑتی

اگر سودا نہ ہوتا اس تری زلف مسلسل کا
گلے عاشق کے زنجیر محبت کس لیے پڑتی

اگر دھو کر مرا گریہ ترا دل صاف کر دیتا
تو کیوں آتا غبار اس میں کدورت کس لیے پڑتی

کتان کی طرح ہوتا چاک تھا دل کو مرے دو ورنہ
نظر تیری اور اے ماہ طلعت کس لیے پڑتی

جو میرے دشمنوں سے دوستی ان کی نہو جاتی
تو ایسی مجھ میں اور ان میں عداوت کس لیے پڑتی

نہ کرتی گر کمی وہ تیغ ابرو قتل میں میرے
تو شمشیر اجل کی پھر ضرورت کس لیے پڑتی

مری قسمت نہوتی گر بری تو میری جانب سے
برائی دل میں تیرے بی مروت کس لیے پڑتی

پڑا ہے دم کہیں مجنوں میں یہ پر خدا جانے
کہ ہو اس ناتواں کے پیچھے وحشت کس لیے پڑتی

ظفر روتے جو ہم دل کھول کر ایک بار جنگل میں
زراعت کے لیے بارانی حاجت کس لیے پڑتی

تصویر دیکھ ہی کر نقاش چین نے کھینچی
بن دیکھے اس کی صورت دل پر ہمیں نے کھینچی

یا رب ارادہ کس کے شبخون کا ہے جو شب کو
شمشیر کہکشاں کی چرخ برین نے کھینچی

بھر آئے اشک دو ہیں آنکھوں میں ہمدمو کے
جب آہ دل سے تیرے اندوہگیں نے کھینچی

ہو کر مقابل اس کے رخسار سے فلک پر
شب کو بہت خجالت ماہ مبین نے کھینچی

تھا جس طرف لگاؤ کچھ اپنے دیکھنے کا
دیوار اس طرف کو پردہ نشین نے کھینچی

تھی میر تیشہ خون دیوار اس طرف
جس وقت ہند مچی دو ہیں زمیں نے کھینچی

صدمے ظفر اٹھائے کیا دل نے عاشقی میں
تکلیف ساتھ دل کے جان حزیں نے کھینچی

ان دونوں ابروؤں کے جو خوب خم کو سمجھے
وہ کیا یہاں کسی کے تیغ دودم کو سمجھے

مطلع ثانی

حق ہے وہی کہ ہم ہیں جو اس صنم کو سمجھے
گو اس پہ ہر مسلمان کافری ہم کو سمجھے

جو تن مرا گلو سے باغ و بہار دیکھے
باغ خزاں رسیدہ باغ ارم کو سمجھے

شکوہ کرے نہ عاشق کچھ چشم پر غضب کا
عین عنایت اس کی ظلم و ستم کو سمجھے

طے منزل محبت کرتے ہیں پی کے آنسو
اس راہ میں ہیں چشمہ ہم چشم نم کو سمجھے

کوئی رفیق و مونس ہم کو نظر نہ آیا
ہمدم جہاں میں اپنا ہم اپنے دم کو سمجھے

عاشق کو ہیں مساوی دنیا میں رنج و راحت
نے وہ خوشی کو جانے مطلق نہ غم کو سمجھے

جو لکھے اس کا وصف زلف دو تا عجب کیا
گر ما دون زبان وہ اپنے قلم کو سمجھے

دیں جان کے ظفر ہم گر ا کی دوستی میں
تو بھی وہ دوست اپنا ہرگز نہ ہم کو سمجھے

دیگر

دل پہ گریہ کی ہنسی اچھی
ہے جہان میں فروتنی اچھی

روغن قاز ل کے چرب زبان
بات کرتے ہیں روغنی اچھی

نہیں نادان کی دوستی بہتر
بلکہ دانا کی دشمنی اچھی

کیجے لاکھوں ہی صید تیز نگاہ
سیکھے تم صید افگنی اچھی

جان عشق بتاں میں دی جس نے
ا کی اللہ سے بنی اچھی

دیکھی بس کوہکن کی کوہکنی
اس سے ہے اپنی جان کنی اچھی

چارہ گر بن کر نہ روزن دل
ہے اندھیرے سے روشنی اچھی

اے ظفر ہم سے اور زاہد سے
کل خرابات میں چھنی اچھی

دیگر

لگے پینے زاہد شراب اچھے اچھے
ہوئے اس تگہ سے خراب اچھے اچھے

مجھے گر وہ سیکش تو یہ دل برشتے
لگا رکھیں دل کے کباب اچھے اچھے

دکھا دے جو مصحف وہ روے کتابی
تو قائل ہوں اہل کتاب اچھے اچھے

مزاج آیا اصلاح پر ان کا قاصد
جو لکھے خطوں کے جواب اچھے اچھے

خیال ان کے روے نکو کا ہے جن کو
وہ ہیں دیکھتے شب کو خواب اچھے اچھے

بلا ہیں تری زلف کے پیچ کافر
کہ لاتے نہیں جن کی تاب اچھے اچھے

ظفر تار مژگان میں کیا آنسوؤں نے
پرائے ہیں درخوش آب اچھے اچھے

آئے جب اس خاکدان میں گردش افلاک سے
خاک ہم سے بن گئی اور بن گئے ہم خاک سے

ہو گئے دیوانے کس گلگوں قبا کو دیکھ کر
گل نظر آئے ہیں گلشن میں گریبان چاک سے

کھائی اس صید الفت کے نصیبوں کی قسم
ذبح کو کر جو بندھے ظالم تری فتراک سے

ایک دن دھویا کہیں جاتا ترے دل کا غبار
روز بہ جائے ہیں دریا دیدہ نمناک سے

خواب میں اک گلبدن کو جو لگایا تھا گلے — اب تلک آتی ہے بوئے گل مری پوشاک سے

آنسوؤں میں پارہ دل ہیں کہ ہیں لخت جگر — چشم دریا میں چھوٹے گ تیراک سے

تاب کیا ہم تاب ہو — برق اے ظر وقت عتاب

تاب شمشیر نگاہ — قاتل سفاک سے

خط اپنے آدمی کہیں گر لیکے اڑ ے — تو کیا فرشتے یہاں کی خبر لے کے اڑ گئے

اشکوں سے میرے کوچہ جاناں میں جانور — دانے کی جائے مشہ میں گہ لے کے اڑ گئے

ہم اس چمن میں ٹھہرے تو کیا مثل رنگ گل بو — دم کوئی دم نسیم سحر لے کے اڑ ے

پروانے خاک ہو کے اڑے سوز عشق سے — پردہ سلامت اپنے نہ پر لے کے اڑ گئے

اللہ رے ترا حسن کہ پریوں کے بھی حواس — تیری بلائیں رشک قمر لے کے اڑ گئے

ڈھونڈھوں کہاں میں آپ کو تجکو مرے خیال — کیا جانیں ہیں کدھر سے کدھر لے کے اڑ گئے

اللہ ری لاغری کہ مجھے ہمہ آشیان — خس کی طرح سو تجکو ظفر لے کے اڑ گئے

دیگر

کرتا اک غمزدہ سے غارت دین و ایمان کون ہے — یا الٰہی ہے وہ کافر یا مسلمان کون ہے

تو ہی جلوہ نما اس آئینہ خانے میں ہے — ور کوئی دوسرا تیرے سوا یاں کون ہے

رہتی ہے میری طرح سے جو پریشان تیی زلف — اس سے کہ دیتا مرا حال پریشان کون ہے

یوں تو جیب گل بھی ہے صد چاک و جیب صبح بھی — کرتا پہ میری طرح ٹکڑے گریبان کون ہے

دوستی میں یہ بے جائی رہی بالکل تمیز — دوست اپنا کون ہے اور دشمن جان کون ہے

چشم میں انجم سے آنسو شب جو بھر لاتا ہے چرخ — نالہ کش ایسا ترا بیمار ہجران کون ہے

ہم ہیں اور پہ داغ سینہ اپنی تیرے ہجر میں — کرتا اے رشک چمن سیر گلستان کون ہے

رات بھر ہم نے کئے الے نہ اس نے یہ کہا — دیکھتا میرے پس دیوار نالان کان ہے

ہم نہ کہتے تھے ظفر تجھ سے کہ دے اس کو نہ دل — دیکھ اب ہم ہیں کہ یا تو ہے پشیمان کون ہے

دیگر

بت پرستوں کے سوا یہ بھید پاتا کون ہے
ان بتوں میں جلوہ کیا جانے دکھاتا کون ہے

یہ انہیں جو لگا کر دل لگا دیتے ہیں سر
اس طرح دل اس ستمگر سے لگاتا کون ہے

عشق کے رستے میں جاتے ہیں قدم سب کے اکھڑ
پاؤں میری طرح سے پا جماتا کون ہے

جس کی شامت لائے ہے آئے ہے وہ شامت زدہ
آپ سے یوں پیچ میں زلفوں کو آتا کون ہے

جو کتاب عشق میں ہے پڑھے یک قلم
دل تو ہے ای مرا اس کو پڑھاتا کون ہے

جس سے صورت یار کی اپنے میں آ جائے نظر
عشق میں یہ شغل آئینہ بناتا کن ہے

اے ظفر جس طرح تو سر باز جاتا ہے نڈر
اس طرح کوچہ میں اس قاتل کے جاتا کون ہے

جو اس نے چاہا نہ میرا برا بری تو نہ کی
بھلی نہ کی تو نہ کی پر بھلا بری تو نہ کی

نہ ہو نصیب میں صحت تو کیونکہ صحت
مگر طبیب نے میری دوا بری تو نہ کی

الٰہی کیوں ہے برا اس نے مجھکو ٹھہرایا
برا جو اس کو نہ میں نے کہا بری تو نہ کی

بروں کی جان کو و رو کے عشق میں ہم نے
بلا سے تجھ پر جو کی جان فدا بری تو نہ کی

مجھے بھی ہے غنیمت کہ مجھ سے کوئی بات
جو تو نے کی کبھی اے خوش ادا بری تو نہ کی

کرے ہے ظلم و ستم کیوں وہ بیوفا ہم پر
کہ اس سے ہم نے ار کی وفا بری تو نہ کی

بتوں نے کی جو بھلی ہم سے وہ بھلی ہی سہی
پر ان سے ہم نے بھی شکر خدا بری تو نہ کی

کرے وہ مجھ سے برائی تو کیوں برا مانوں
اگر برے کو بری دی سزا بری تو نہ کی

ظفر بھلائی میں دی ا
کی تو نے جان اپنی

صد آفریں تجھے صد
مرحبا بری تو نہ کی

یا آئے اجل یا صنم عربدہ جو آئے
ایسا نہو یا رب کہ نہ یہ آئے نہ وہ آئے

وہ پاک نظر یار تجھے دیکھنے کو آئے
جو چشم کو اب گہر اشک سے دھو ائے

دل صاف ہو جس کا وہ چھپائے نہ کبھی راز
منہ پر کہے دل میں صف ائینہ ج ائے

پھر نام نہ لے مدرسہ میں جانے کا ملا
یکبار مرے ساتھ جو میخانہ میں ہو آئے

اے غنچہ تجھے کیا دہن یار سے نسبت
اس جھوٹ پہ کس طرح منہ سے رے بو آئے

کہتے تھے وہ آئیں تو کچھ ان سے کہیں ہم
اے حضرت دل اب کہو کیا کہتے تھے لو آئے

ب ارنی منہ سے نہ ہر گز کہے موسے
تیرا جو نظر جلوہ رخسار نکو آئے

خالی نہ رہا دل یہ کبھی رنج سے اپنا
گر ایک گیا جائے ہی اس ایک کے دو آئے

آئے بھی تو آتے ہی لگے پھیرنے چتون
کیا آئے وہ گردن پہ چھری پھیرنے کو آئے

میں اس لب میگوں سے جگر خون ہوں عجب کیا
گر میرے لہو سے مے گلرنگ کی بو آئے

یک حرف محبت نے یہ طوفان اٹھایا
ہم سارے کتب خانے کو دریا میں ڈھو آئے

اے قاتل سفاک ترے کوچہ میں کیا ہم
دل اپنا گئے ڈھونڈنے کو جان بھی کھو آئے

خوش ہوا کہاں جبکہ نصیبوں میں ہو رونا
ہم شمع صفت محفل شادی میں بھی رو آئے

پایا نہ کہیں دل کے سوا اس کا ٹھکانا
بت خانہ بھی دیکھ آئے ظفر کعبہ بھی دیکھ آئے

دیگر

پہلے فکر مضامین کلمر میں ڈوبے
دیکھا جب نا کو تو اور بھنور میں ڈوبے

موج زن قہر کا دریا نہیں چین جبین
یہ خطرے ہے نہ دل اس موج خطر میں ڈوبے

اے ستمگار تری آنکھوں سے ہوتی دو چار
سوعد تیغ نگہ و ناز جگر میں ڈوبے

آشناؤں کا رہا چاہ میں یہ یہ حال
اک نظر میں وہ ترے ایک نظر میں ڈوبے

لخت دل آ کے ہوئے آنسوؤں میں صفت حباب
یہ مسافر یوں ہیں دریا کے سفر میں ڈوبے

تیری مژگاں ہے وہ نشتر کہ نہ نکلے ہرگز
آہ جس دم یہ رگ جان بشر میں ڈوبے

اے ظفر میری آنکھوں کی گہر باری سے
کیا عجب کوہ تلک آب گہر میں ڈوبے

دیگر

وہ اور میں جو عشق کا دم بھر کے رہ گئے
ہم نے تو جس دم آہ بھری مر کے رہ گئے

تھا قصد یہ کہیں گے کچھ ان سے ہم اپنا حال
دیکھا ان کو چین بجبیں ڈر کے رہ گئے

یہ حال ضعف سے ہے کہ مانند نقش پا
جس جا پہ ہم نے پاؤں دھرے دھر کے رہ گئے

دیکھا جو اس کا جلوہ تو حیرت سے رات کو
دیدے کھلے ہوئے مہ و اختر کے رہ گئے

یک شب رہا بغل میں نہ تو دل کے دل ہی میں
ارمان تیرے عاشق مضطر کے رہ گئے

آئے وہ جب کہ کہہ نہ سکے کچھ بھی ان سے ہم
حسرت سے اک نگاہ فقط کر کے رہ گئے

کتنے ہی طائر دل و جان پھنس کے اے ظفر
پھندے میں اس کی زلف معنبر کے رہ گئے

جو ہم سے نہو تم صنم اکھڑے اکھڑے
تو بولو نہ یوں و سہدم اکھڑے اکھڑے

ہوا ہم کو معلوم ہے وہ نشے میں
جو پڑتے ہیں اس کے قدم اکھڑے اکھڑے

نظر آئے اس سرو قامت کے آگے
نہالان باغ ارم اکھڑے اکھڑے

ترے رنج و دوری میں ظالم ہمیشہ
رہا ہم سے دل، دل سے ہم اکھڑے اکھڑے

رفیقان راہ محبت کے اپنے
ابھی سے ہیں سینہ میں دم اکھڑے اکھڑے

پڑے ہیں ان انکھوں کی گردش سے دیکھو
مکانات دیر و حرم اکھڑے اکھڑے

طبیعت ہے اکھڑی ہوئی کیوں نہ خط میں
لکھیں حرف وہ یکقلم اکھڑے اکھڑے

مرے آگے اب بو الہوس جم سکے کیا
جہاں پاؤں اے پر ستم اکھڑے اکھڑے

ظفر ہم سے اس شوخ پیمان شکن نے
کئے بھی قول و قسم اکھڑے اکھڑے

دیگر

ہو تو مرگ سے غافل کہ ہستی بھی یہی و ہے
نہ کر خود پرستی ب پرستی بھی یہی تو ہے

عدوں مژگان تر کو کیا نک نسبت ابر تر سے میں
گھٹا برسات کی بن کر برستی بھی یہی تو ہے

شررسان اتنی ہستی پہ ہے تو ہنستا شرارت سے
تری ہستی پہ جو ہنستی ہے ہستی بھی یہی تو ہے

خریداری عزیز و دل کی بازار محبت میں
نہ کیوں سب ہوں کہ سمیں جنس سستی بھی یہی تو ہے

نہوں کیونکر قوی دست آہ کی ہم دستگیری سے
کہ چوب دستی و تیغ دو دستی بھی یہی تو ہے

بھی چشم ان کی صورت کی کیا کرتی تھی نظارہ
اور ان کے دیکھنے کو اب ترستی بھی یہی تو ہے

کرے ہے سرکشی سے آخرش فوارہ سر کے بل
بلندی کے یہاں ہے ساتھ پستی کے بھی یہی تو ہے

دل پہ رنج وحسرت بن کہاں ہے عشق میں رونق
کہ اس ویرانے میں ہے گرچہ بستی بھی یہی تو ہے

جنوں میں ہے ہوا قدرت حق اے ظفر کیونکر
نہ کچھ بت پرستی حق پرستی بھی یہی تو ہے

دیگر

ترے محراب دوا ابرو کو کوئی کیا سمجھے
سمجھے کعبہ اسے یا مسجد اوصطے سمجھے

نہ کریں ترک ہم اس بت کی محبت ہم کو
گرچہ کافر ہی کوئی بندہ خدا کا سمجھے

ہم کہیں وہ کہ جو دو چار قدح سے بہکیں
کہو کم ظرف نہ ساقی ہمیں ایسا سمجھے

سمجھے اپنا مجھے صد شکر کہ گھر میں میرے
بے تکلف وہ چلے آئے گھر اپنا سمجھے

تیری زلفوں کی تصور میں ترا سودائی
کیا عجب گر شب مہ کو شب یلدا سمجھے

ناصحا جو ہمیں سمجھائے ہے تو وہ ہم بھی
سب سمجھتے ہیں مگر دل بھی ہمارا سمجھے

وہ اچھا ہے کہ جو سمجھے کسی کو نہ برا
بلکہ گر کوئی برائی بھی ہو تو اچھا سمجھے

مرگ کو جانا ہے زندگی اپنی عاشق
ملک الموت جو آئے مسیحا سمجھے

اے ظفر اڑ گئی دنیا سے محبت بالکل
آدمی دوست کو اس وقت میں عنقا سمجھے

کبھی غیروں کبھی تم نے میرے سے کہی
کوئی ان کی سی کہی اور کو میری سی کہی

اس کے کہنے پہ بجا دیکھ کر جس نے تجھ سے
ابھی تیری سی کہی تھی ابھی میری سی کہی

کیا ہی دوست تھا وہ تم ہوئے دشمن اس کے
آپ کے سامنے جس نے ذری میری سی کہی

شکر صد شکر کہ جو بات کہی تھی میں نے
آگے اوروں نے بھی ان سے وہی میری سی کہی

روز ہم کہتے تھے اپنی سی خدا جانے کہ آج
جی میں کیا آیا کہ تم نے ابھی میری سی کہی

کہتے حسرت دل اور تو سب ان کی سی
لیکن افسوس نہ کچھ تم نے بھی میری سی کہی

اس کے کہنے کا ہوں قائل ظفر ان سے جس نے
کچھ کہی یا کسی ڈھب سے کہی میری سی کہی

تجھ سے دل کو اپنے لگایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے
تجکو ہم نے اپنا پایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

ایک تجھی کو جانتے ہیں ہم اور کسی سے ہم ہیں محروم
کون اپنا کون پرایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

چرخ بریں سے لے کے زمیں تک اور زمیں سے چرخ بریں تک
دیکھا جہاں وہاں تو نظر آیا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

ماہ کو بھی اور اختر کو بھی لعل کو بھی اور گوہر کو
سب کو تو نے ہی چمکایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

دیر میں کیا اور کعبہ میں کیا تیری پرستش ہوتی ہے سب جا
آگے تیرے سب نے جھکایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

کیا ملک اور کیا انسان کیا کافر کیا مسلمان
جیسا چاہا تو نے بنایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

گل میں کیا اور گلشن میں کیا شعلہ میں کیا اور خس میں کیا
سب میں جلوہ تو نے دکھایا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

سوچا سمجھا دیکھا بھالا تجھ سا نہ کوئی ڈھونڈھ نکالا
اب یہ ہی سمجھ میں ظفر کے آیا جو کچھ ہے سو تو ہی ہے

دیگر

اک خلق جو ہے در پہ مرے یار کے بیٹھی
یوہیں نہیں ہے شوق میں دیدار کے بیٹھی

نکلے نہ کسی طرح وہ جو میری طرف سے
دل میں کوئی جا اس مرے دلدار کے بیٹھی

اڑ اڑ کے نظر اگر اپنے مگس دار
تو پاس ہے اس لعل شکر بار کے بیٹھی

اے شوخ ستمگر یہ نگہ کی ترے برچھی کس روز کہیں سینہ میں دوچار کے بیٹھی

پھرتی اجل اب تک ہے، اسی گھات میں ہیہات لاکھوں کو یہ کم بخت کہیں مار کے بیٹھی

سن لیجو کسی دن کہ فلک کی یہ عمارت طوفان سے مرے دیدہ خونبار کے بیٹھی

نے یار نہ غم خوار تکر بیکسی اے یار روتے ہی سرہانے ترے بیمار کے بیٹھی

کچھ کر نہ سکا میں ظفر اس سے مری آواز یہ خوف سے اس شوخ ستمگار کے بیٹھی

دیگر

دل چاہتا ہے یہ کہ وہ آغوش میں آئے بے ہوش سے کہدو کہ ذرا ہوش میں آئے

پھر آئے ار نوح کا طوفان تو عجب کیا دریائے سرشک اپنا اگر جوش میں آئے

ہر ایک سے وہ کیون نہ بدے یاد فراموش دل ہاتھ کے یاد فراموش میں آئے

منظور ہے صوفی کو اگر دل کی صفائی تو محفل رندان قدح نوشم ین آئے

ممکن ہی کہیں بسر آرام پہ تجکو آرام تری یاد بہ رو دوش میں آئے

دکھلائے نہ صورت مجھے وہ کان ملاحت آواز تو اب اسکی سر گوش میں آئے

گنجائش اشک اپنی ظفر کیا ہو فلک میں

یہ دانے کب اس چھوٹے سے سر پوش میں آئے

وہ ہر طرف دکھا رہی اپنیہ نمود ہے جاتی مری نگہ کہیں کامل وجود ہے

سودا اسی کا خوب ہے بازار عشق میں جس نے سمجھ لیا ضرر اس میں سود ہے

غنچہ جو ہے مثال و ہان گلبرگ گوش آپس میں کچھ تو ہو رہی گفت و شنود ہے

دشمن ہم اپنی جان کے ہین آپ عشق میں نے ہے کوئی عدو نہ ہمارا حسود ہے

کیونکر چھپاؤن سوز محبت کہ چرخ تک ساتھ آہ کے گیا جگر و دل کا دور ہے

اللہ ری نازکی کہ وہ رخسار لالہ گون صدمے سے اک نگاہ کی ہوتا کبود ہے

ہے کس صنم کی تجکو ظفر خواہش و داد

ہر دم جو تیرا ورد نیا یا وودو ہے

جس نے بنایا ہے ہمیں ہم کو قسم اسی کی ہے اپنے خمیر خاک میں خاک قدم اسی کی ہے

ہین جو یہ زخم کارگر سینہ میں دل سے تا جگر کر گئی کاٹ اس قدر تیغ ستم اسی کی ہے

جس کو ہے شعلہ خو تری شمع کی طرح لو لگی سوزش اس کی دل میں ہے چشم میں نم اسی کی ہے

کعبے ہیں جس کو دل وہی اصل ہے خانہ خدا — نقل یہ سب عمارت دیر و حرم اسی کی ہے
بزم جہان میں اسلفیں کون ہے وہ جو خوش کہیں — جس کا لگا ہے دل کہیں جان کو غم اسی کی ہے
یارو اجل کا منہ ہے کیا مجھ پہ جو ہاتھ اٹھا سکے — ہوتی ہمارے قتل کو تیغ الم اسی کی ہے
چشم عنایت اے ظفر سب کی زیادہ ہے ادھر — ایک نگاہ لطف اگر مجھ پہ ہے کم اسی کی ہے

دیگر

الہی کس کی یہ آواز میرے کان پڑی — کہ جس سے پھر تن بیجان میں میری جان پڑی
وہ بات کل کی جو یاد آ گئی مجھے تیری — تو آج جی کو نہ کل میرے ایک آن پڑی
لگایا جس نے دل اس مہروش سے اس پر روز — مصیبت ایک نئی زیر آسمان پڑی
سمجھ کے پیر گئی درخت زرد نہ شیخ کے پاس — ہمارے گھر میں ہمیں دیکھ کر جو آن پڑی
کہاں ہے دم کہ نکل اے تن سے اے قاتل — سسک رہی ہے مری جان ناتوان پڑی
اوڑے ابرو مژگان سے ہوش رستم کے — پڑے ہیں یہ کہیں اور کہیں کمان پڑی
ہر ایک بات پہ تو دے ہے گالیاں ہم کو — یہ کیسی خو تری اے شوخ بد زبان پڑی
لگا سکے گا کوئی کیا تمہارے حسن کو عیب — کہیں بھی چاند پہ ہے خاک مہربان پڑی
کھڑے تھے اور بھی سربازیوں کو پر اون کی — ظفر مجھی پہ نظر وقت امتحان پڑی

دیگر

صبا گلشن سے کیا بیتاب و لے قابو سی آتی ہے — کسی گل میں جو کچھ اس رشک گل کی بو سی آتی ہے
اگر سودا نہیں تجھکو کسی زلف مسلسل کا — سدا زنجیر کیوں میرے لئے پاہی آتی ہے
کبھی تو سیر کر تو بھی کی جوش اشک سے میرے — چمن میں سینہ پر داغ کے اک جو سی آتی ہے
مقابل تیرے رخ کے شمع کب سی تی ہے محفل میں — اگر آتی ہے زیر برقع فانوس آتی ہے
تیرے مژگان بھی ظالم ہو گئے ہیں مجھ سے برگشتہ — فقط ابرو ہی تیری کیا نظر خمرو سی آتی ہے
ہم ان کے گھر میں جائیں اور ان کے پاس کیا بیٹھیں — نہ غمازی ہمیں آتی ہے نے جاسوسی آتی ہے
گذارا اے ظفر واں تو کہیں لوگوں کا ہوتا — کہ جن کی چاپلوسی اور کانا پھوسی آتی ہے

موجب فرحت مری تیری شرارت بن گئی
آتش دوزخ بہار باغ جنت بن گئی

دیکھو صحبت کا اثر مجنون جو بیٹھا میرے پاس
میری اس کی دو ہی دن میں ایک صورت بن گئی

جب نظر آتی ہو کہیں ہم کو صورت یار کی
بت پرستی واسطے اپنے عبادت بن گئی

ترک کی ا بیوفا میں نے نہ تیری دوستی
گرچہ س میں میری دشمن ایک خلقت بن گئی

یون تو تصویرین مصور نے بنائیں سیکڑون
پ تری تصویر خوش قامت قیامت بن گئی

باتون باتون میں بگڑ بیٹھا جو ہم سے تو کبھی
جان ہی پر اپنی پھر اے بےمروت بن گئی

ہم نہ تھے آگاہ رستے سے محبت کے ظفر
رہنما اس راہ میں پہ اپنی قسمت بن گئی

اشک آنکھوں میں دم گریہ جو بھر کر پی گئے
پی گئے دریا کیا بلکہ سمندر پی گئے

ہو گئی بالکل مریضان محبت کو شفا
وہ جو تیرے آستان کے دھوکے پتھر پی گئے

خشک ہوتے ہی نہیں ہرگز مرے زخم گر
اے ستمگر اس قدر یہ آب خنجر پی گئے

ہم تو پی جاتے لہو دشمن کا پر کچھ سوچ کر
دل میں اپنے غصہ اپنا اے ستمگر پی گئے

بات پی تلخ ظالم تلخ دارو کی طرح
پی گئے ہم ہو کے خوش یا منہ بنا کر پی گئے

قطرہ بھی اپنے نہ ہاتھ آیا حریف اس بزم میں
کر گئے خالی سبو بھر بھر کے ساغر پی گئے

جانتے تھے ہم برا زاہد جنہیں وہ اے ظفر
میکدہ کی کیچ تک عمامہ دھر کی پی گئے

دیگر

دل دے کے تم کو جان پر اپنی بری بنی
شیرین کلامی آپ کی میٹھی چھری بنی

مطلوب تو ہے نقش آفاق میں فقط
خلقت ہے اور سب بے خانہ پری بنی

آہنگ نالہ کو مرے سن کہوار بار
آواز عندلیب چمن بے سری بنی

تو دیکھ تو بغور کر کیا صنعتون سے ہے
انسان کی ہیئت بدن عنصری بنی

طرار یون کو خوب تے جانتے ہین ہم
طفلی ہی سے زبان ہے تری تر سے بنی

حیوانیت بہر گزارا نہیں یہان
پاپوش میں بشر کے بھی آخر کھری بنی

کاٹے ہے گرم کو لوہا ہمیشہ سرد
دنیا میں خوب چیز ظفر غم خوری بنی

دیگر

وہ چین ابرو پہ خم دکھائی اس ستمگر نے
کہ مانی جس سے چین لیخ صفا ہانی کے جوہر نے

پکاری العطش کیا کیا جراحت دل کے سینہ میں
لب زخم جگر کو تر کیا جب آب خنجر نے

وہ مکیش کون سا مہوش ہے جس کی بادہ نوش کو
فلک پہ جام زر چکایا اپنا مہر انور نے

وہ مشل نالہ زنجیر کب زندان میں ٹھہرے ہے
کیا ہے جس کو سودائی تری زلف معبر نے

ہزاروں مر گئے بیمار ہو کر اس منا میں
مسیحائی نہ کر پ اس کے لعل روح پرور نے

دکھائی اپنی چشم مست کی جب اس نے کیفیت
نہ کی حیرت سے ہرگز بند اپنی آنکھ ساغر نے

اگر باور نہیں تو جھاڑ کر چقماق سے دیکھو
چھپا رکھی ہے آتش عشق کی سینہ میں پتھر نے

ترے رشک قد رعنا نے جب شمشاد کو کاٹا
چمن میں کام آرہ کا کیا قمری کے شہپر نے

ظفر سیراب کو کیونکر نہ سارا گلشن عالم
کیا چشمہ جاری فیض کا اس دیدہ تر نے

پسند اس کو اگرچہ بے نیازہ حسن سے بے حد ہے
ولیکن اس پہ بھی بندہ نوازی حد سے بے حد ہے

بہا جاتا ہوں سر سے پاؤں تک گھل گھل کے اشکوں میں
برنگ شمع میری جانگدازی حد سے بے حد ہے

بچھائی ہے فلک نے کچھ عجب شطرنج عالم میں
کہ اس کجباز کی جو دیکھو بازی حد سے بے حد ہے

سر منصور سولی پہ یہ کہتا تھا جو حق پوچھو
تو عاشق کے لئے یہ سرفرازی حد سے بے حد ہے

الٰہی خیر ہو ستون ہوا دل چشم پہ اس کی
کہ جس کے غمزہ میں جادو طرازی حد سے بیحد ہے

رہے فرہاد و مجنوں اپنے اپنے عشق کی حد پہ
مگر عاشق کی تیرے عشقبازی حد سے ب حد ہے

دم مردن مرے کیا جانے آئے یا نہ آئے تو
کہ دم بازی تری اور حیلہ سازی حد سے بے حد ہے

سحر سے شام تک اک اک گھڑی ہے دن قیامت کا
کہوں کیا میں شب غم کی درازی دس بے حد ہے

جو دیکھو امتیاز اپنی نبھاؤ اس کی محفل میں
کہ واں تو اے ظفر بے امتیازی حد سے بے حد ہے

ہوئے کس سے خفا رنجش کا باعث میری جان کیا ہے
طبیعت کیوں ہے رنجیدہ نصیب دشمنان کیا

کیا جو ناخلف یان تم نے وان وہ پیش آئے گا
بتائے کوئی کیا تم کو کہ یان کیا وہان کیا ہے

ترے کوچہ میں ہیں ترے شہید عشق آسودہ
کہیں وہ جائے او حوروش باغ جنان کیا ہے

کہیں ٹوٹے ہوئے شیشے پڑے ہیں ار کہیں ساغر
خرابی میکدہ میں آج اے پیر مغان کیا ہے

عجب عالم ہے اپنا خانہ بدوشی کے عالم میں
کہیں واقف نہیں یان کون ہے اور یہ مکان کیا ہے

مرے دود فغان کو دیکھ کر یہ خلق کہتی ہے
کہ زیر آسمان اک دوسرا یہ آسمان کیا ہے

وفور اشک زیبا ہے عریان پہ مجنون کے
قبائے شبنم و پیراہن آب روان کیا ہے

گل تصویر ہون واقف کہیں میں اس گلستان میں
صبا فصل بہاری کیا ہے اور فصل خزان کیا ہے

جو دل کا حال ہے تیرے وہ صورت ہی سے سب تیرے
عیان ہے اے ظفر کرتا عیان کو تو بیان کیا ہے

دیگر

نہ تم سے صنم پہ ستم سار کے
نہ مہر ووفادار ہمسار کے

مرے آہ و نالہ سے ہو جائے آب
دھر کوہسار الم سار کے

کرے گا تراوش اک دم میں طے
کئی در سمت دشت عدم سار کے

اگر چشم خونبار ہو گلفشان
بنے لاکھ باغ ارم سار کے

جگر لو ہے کا پسلیان سار کی
بنے تو سکی جائیں غم سار کے

گر آوے نگاہوں سے چشم مست
پیے جام مے جام جم سار کے

پڑے خانہ دل کے گوشہ میں ہیں
مکان چند دیر و حرم سار کے

کرون انکی باتون کا کیا اعتبار
غلط ہون جو قول و قسم سار کے

سار کیفر راہ صنم عشق میں کہیں
کہیں ملے نقش قدم سار کے

وفا کا نام ہیں جو تیرے روبرو لیتے
وہ جھک کے پہلے ہمارے قدم ہیں چھو لیتے

بتاتے تیری ہی مژگان کو نیشتر فصاد
جو تیری زلف کے سودا زدہ لہو لیتے

قریب مصحف رخ تر عرق سے ہیں گیسو
کہ ہاتھ میں نہیں قرآن بے وضو لیتے

جو لیتے سرمہ ہم اپنے پے بصارت چشم
تو خاک پا تری یا تیری خاک کو لیتے

ہمارا جام سے کیا کام چلتا اے ساقی
کہ جب تلک نہ کوئی ہم خم و سبو لیتے

نہ کرتا ہم سے جو اغماض تیرا غمزۂ چشم
اجل کا سر پہ نہ احسان ہم کبھو لیتے

کروں میں آہ و فغان کیونکہ سامنے اسکے
کہ ہیں وہ پہلے ہی میرا دبا گلو لیتے

جلا جلا کے رلاتے ہیں شمع سان مجھکو
وہ اپنی بزم میں میں میری آبرو لیتے

جہان میں کوئی نہیں
لیتا اپنے واسطے غم

ظفر یہ ایک ہمیں
ہیں یہ آرزو لیتے

وفور اشک سے جو دیدۂ تر میں تلاطم ہے
کہاں ہنگام طوفان وہ سمندر میں تلاطم ہے

تیرے بسمل کر بیتابی میں وہ تاثیر ہے قاتل
کہ پڑ جاتا ابھی اک آب خنجر میں تلاطم ہے

محبت ہے تو دریا جوش میں آجائے ہے جسدم
ڈبو دیتا جہاںکو اسکا دم بھر میں تلاطم ہے

درندان پہ اس مہ پارہ کی موج تبسم ہے
یہ عالم ہے کہ گویا آب گوہر میں تلاطم ہے

جب آئینہ میں دیکھے ہے وہ اپنی چین پیشانی
تو پڑ جاتا وہیں اک موج جوہر میں تلاطم ہے

چھلکتا بادۂ گلرنگ کا خالی نہیں ساقی
پڑا مستی سے ان آنکھوںکے ساغر میں تلاطم ہے

ظفر زخم جگر کی کھل گئی ہے کیا کہیں پٹی
کہ اک دریائے خونکا سا ترے گھر میں تلاطم ہے

دیگر

ہائے یوں الفت بتوں کی دل مرا غارت کرے
ایسے غارت گر کو دنیا سے خدا غارت کرے

چشم غارت گر ہے تیری پر نہ یاں دل ہے نہ جان
وہ اگر غارت کرے ظالم تو کیا غارت کرے

پڑ گیا بیڈھب محبت کا مزا ایسا نہو
اے دل دیوانہ تجکو یہ مزا غارت کرے

اس لئے غمزہ ترا اے شوخ غارت گر بنا
طاقت و ہوش و خرد کو میرے تا غارت کرے

دل مرا کہتا ہے غارت مجکو تیرے عشق میں
کیا ستم ہے آشنا کو آشنا غارت کرے

چشم تیری رہزنی کرتی ہے ظالم دیکھئے
کس کو یہ رہزن سر راہ وفا غارت کرے

جو کہیں غارت کسی کو یان دغا سے اے ظفر
ان دغا بازوں کو خود انکی دغا غارت کرے

دیگر

تو سر بزم جہان چھرا برا فروختہ ہے   شعلہ دہان شمع کا پروانہ جا نسوختہ ہے

نہیں معلوم کہ اس جنس میں دیکھا کیا نقص   کرتا واپس جو مرا وہ دل بفروختہ ہے

مکتب عشق میں مجنون سے ہے مجکو سبقت   کہ سبق اسکا ہے وہ مرا آموختہ ہے

حسرت و رنج و تعب یاس و غم دردوالم   دولت عشق سے ہے پاس اپنے یہ اندوختہ ہے

کچھ کم و بیش پہ دنیا کی نہیں اسکو نگاہ   جو زمانہ میں ظفر چشم طمع دوختہ ہے

دیگر

نا روا الفت نہ بت ہوش ربا کا ٹوٹے   دل عاشق پہ اگر قہر خدا کا ٹوٹے

ٹوٹے مسجد تو بلا سے کہ وہ بن سکتی ہے   کعبہ دل نہ ستمگر اہل صفا کا ٹوٹے

سخت جانی سے یہان ٹوٹ پڑی شاخ امید   پھل جو قاتل تری شمشیر جفا کا ٹوٹے

وہان یقین بات کا کیونکر ہو کہ کہیں سو بار   عہد و پیمان جہان اہل دغا کا ٹوٹے

پیرہن چاک کرے باغ میں ہو گل اپنا   کبھی چھٹنے میں جو بند اسکی قبا کا ٹوٹے

اپنے عشاق کی لازم ہے تمہیں دلداری   کہیں ایسا نہو دل اہل وفا کا ٹوٹے

اے ظفر میں ہون وہ آوارہ کہ جسکے ہمراہ   دو قدم چلنے میں دم باد صبا کا ٹوٹے

آتش عشق جو سینہ میں مرے تیز رہی   آہ کر شعلہ فشان گاہ شرر ریز رہی

اس ستمگر کے ستم کون اٹھا سکتا ہے   جان کیا جانے مری کیونکہ ہے انگیز رہی

عوض ساغر ساقی گلفام بغیر   چشم تر خون جگر سے مرے لبریز رہی

گردن دل میں ہمیشہ مرے مانند کمند   اے ستمگار تری زلف دلاویز رہی

کیونکہ بیمار محبت کی ہو امید شفا   نہ دوائی رہی نے طاقت پرہیز رہی

کی ادل نے جو یہان آنے میں اتنی تاخیر   منتظر کیا تری اے قاتل خونریز رہی

اے ظفر حق میں ہمیشہ مرے چشم جانان   فتنہ انگیز رہی اور بلا خیز رہی

کہیں ہے کس مین اسے دیکھ لو سبھی مین ہے
کہ لیکے عرش سے تا فرش وہ سبھی مین ہے

سہایو ماہ پہ کیا بخش، مین اگر ہو نور
تو اسکا جلوۂ نکو سبھی مین ہے

عجب نہیں مری رگ رگ سے گر رواں ہو خون
وہ دیتا نشتر مژگان چبھو سبھی مین ہے

سکھائی ماہ و شنون کو جو اسنے نیمری
تو اب سبھی مین یہ وارت یہ خو سبھی مین ہے

پھنسائے دل کو نکیون اوسکی زلف کا ہر تار
کمند ناز کا انداز تو سبھی مین ہے

نہیں ہے یاسمیو نسرین پہ کچھ موقوف
چمن مین جتنے ہین گل اسکی بو سبھی مین ہے

ظفر یہ بھید ہے کیا جانے کیا کہیں کھلتا
کہ ڈھونڈھتے ہین سبھی اسکو جو سبھی مین ہے

دیگر

گلون کی تیرے ہے وہ بہار سبکردی
ہوتی ہے بوئے گل بھی نثار سبکردی

رکھ دیکھ کر قدم کہ خدا جانے کون کون
ہے تیرا خاک راہگذار مین ہے

غافل عنان تو سن عمر رواں تری
ہے مثل موج رشتہ کار سبکردی

کیا خاک اٹھے خاک سے وہ ناتوان کے ہے
مور ضعیف کا ساغبار سبکردی

دنیا سے دیکھ ہو کے گر انبار تو نجا
بہتر ہے بے شعور شعار مین ہے

کیا نازک اسکے پانون ہین اللہ ری نازکی
جنکو نہیں تحمل بار سبکردی

ہے ضعف سے مثال پر کاہ اے ظفر
دائم ہوا پہ اپنا مدار سبکردی

دیگر

رہی قلم دم تحریر غم بھری کی بھری
بہانہ اشک رہے چشم نم بھری کی بھری

ستم زدون سے کہیں ہوتی وہ گلی خالی
ہمیشہ دیکھتے ہین جا کے بھری کی بھری

لگا نہ دل جو صبوحی پہ تجھ بن اے ساقی
رہے صراحئ مے صبحدم بھری کی بھری

نہ روئے کھول کے دل پاس آبرو سے ہم
طبیعت اپنی رہی اے صنم بھری کی بھری

کسیکو قتل کیا تو نے بھی ابھی قاتل
لہو مین ہے تری تیغ دودم بھری کی بھری

بھری تھی دل مین ہمارے جو تیری حسرت وصل
وووہ اپنے ساتھ گئی تا عدم بھری کی بھری

پڑھا نہ حرف کتابون کی ہے ظفر گٹھری
رہی سرہانے دھری یک قلم بھری کی بھری

ہم شب جو انکے در کے رہے آڑ میں پڑے
دربان ہمارے واسطے کھٹر کاڑ میں پڑے

دل جل گیا ہمارا جگر بھن گیا تمام
الفت تمہاری شعلہ رخو بھاڑ میں پڑے

جانے کہاں ہو چھپ کے لیا ہم نے تمکو تاڑ
مدت سے یان ہیں ہم بھی اسی تاڑ میں پڑے

دیوانے تیرے نکلے جدھر ہو کے دشت میں
دامن کے ٹکڑے رہگئے ہر جھاڑ میں پڑے

بیخوف دل کا شعلہ چڑھا بام چرخ پر
شہتیر آہ و نالہ کے جب پاڑ میں پڑے

اس سخت جان پہ ساخت گئی پیٹتے اجل
دندانے انکی تیغ کے جو پاڑ میں پڑے

فرہاد و قیس کی ہیں جہاں دفن ہڈیاں
مٹی ہماری بھی اسی ہڑواڑ میں پڑے

شب کو شراب خانہ میں مینہ تو پڑا کیا
اور مست لنڈتے رہے بوچھاڑ میں پڑے

لیا دل ان نگاہوں نے مژگان کو کرشریک
جو چور بچلے اے ظفر اس دھاڑ میں پڑے

اپنے پہلو میں جو دی آپ نے کمظرف کو جاے
نہ ہی خدمت عالی میں ہمیں حرف کو جاے

یار کے روے کتابی پہ لب لعلیں ہے
خوب موقع پہ ملی سرخی شنگرف کو جاے

گرچہ ساقی نے چھکایا ہمیں ناکوں ناک
لیکن اسپر بھی ہے یکدو قدح ژرف کو جاے

گوشہ راحت دل سکا ہر طرف کلاہ
آگے جو طرف پسند آے دل اس طرف کو جاے

پھرتا ہے وحشی دل تفتہ جو ہر دم دم گرد
دی ہے آتشکدہ میں عشق نے کیا برف کو جاے

مدرسہ عشق کا یہ درس وفا کی ہے جگہ
نہ یہاں نحو کو ہے جاے نہ ہے صرف کو جاے

ظفر اس غنچہ دہن سے ہے تمنا سخن
نہیں دل کے دہن تنگ میں یکحرف کو جاے

دیگر

گل نرگس نہ تو اے شوخ اوتور آنکھو کے اوپر سے
مری آنکھ کو لیکر اپنے وار آنکھو کے اوپر سے

در دل سے اٹھا دے تو اگر اک پردۂ غفلت
تو اٹھ جائیں ابھی پردے ہزار آنکھو کے اوپر سے

وہ جب میری طرف دیکھے ہے نیچی نیچی نظروں سے
فدا ہوتا ہے دل کیا بار بار آنکھو کے اوپر سے

رکھیں آنکھوں پہ گر ذرہ کو تیری راہ الفت میں
نہ جھاڑیں اسکو تیرے خاکسار آنکھو کے اوپر سے

مجھے محفل میں جام مے اگر دیتا ہے اے ساقی
تو دے تو وار کر پھر تمار آنکھو کے اوپر سے

بھرے کیا کوٹ کوٹ آنکھوں میں موتی تیرے مہوش کے
عجب کیا ہوں اگر انجم نثار آنکھو کے اوپر سے

اڑا کر خاک آیا ہے ظفر تو کس کے کوچے میں
نہیں ابتک گیا تیرے غبار آنکھو کے اوپر سے

دیگر

قتل پر میرے وہ جسدم کھینچکر سیف آئے ہے
پھرا جل کی بھی زبان پر حیف صد حیف آئے ہے

چھٹتا ہے مقسوم میں وہ ہر طرح ہے پہونچتا
پر بشر کو عقل سے فکر کم و کیف آئے ہے

ٹھنڈی سانسوں سے مری آتی ہے کیا فصل شتاب
نالہائے گرم سے بھی موسم صیف آئے ہے

خواہ ہے طرز عنایت خواہ انداز عتاب
لطف اس ستمکش کی باتوںمیں بہر کیف آئے ہے

اے ظفر جہان کریم الطبع مہمان ہین
اپنے کھانے کا مزا کب انکو بے ضیف آئے ہے

بلا سے جام فلک شعباہ سے گر جائے
مگر کوئی کسیکی نگاہ سے گر جائے

نہ کر تو شانہ کو ہر تار میں ہین سوسو دل
کوئی نہ دل تری زلف سیاہ سے گر جائے

گمان ہو ٹوٹا ہے تارا اگر کبھی شب کو
عرق کی بوند رخ عقک ماہ سے گر جائے

اگر ہو کوہ بھی ہو جائے جل کے خاکستر
جو برق سوختہ جانوں کی آہ سے گر جائے

چڑھائے مہرا سے سر پہ مثل تار شعاع
جو تار زر ترے زرین کلاہ سے گر جائے

جو قصد مہر کرے میرے محضر خون پہ
تو مہر ہے کہیں دست گواہ سے گر جائے

گر اے چاہ زنخدان مین کون دل اپنا
مگر وہ آپ ظفر اپنی چاہ سے گر جائے

فقط کیا پاس ننگ و نام ہین سیکھے ہوئے بھولے
کہ ہم تو وحشت مین سب کام ہین سیکھے ہوئے بھولے

بھولے ہوش ایسے تیری چشم مست نے ساقی
بنائے کاسہ گر اب جام ہے سیکھے ہوئے بھولے

چمن مین ہم نے سیکھے تھے جو کچھ انداز اڑنیکے
وہ اے صیاد زیر دام ہین سیکھے ہوئے بھولے

محبت نے بتوں کی ہمکو کافر کر دیا بالکل
وہ سب رسم و رہ اسلام ہین سیکھے ہوئے بھولے

سکھائے کیا کوئی شیوے انہیں مہر و محبت کے
کہ وہ تو بیدل ناکام ہین سیکھے ہوئے بھولے

وظیفہ ہے ہمارا جیسے ذکر زلف و رخ تیرا
ہم اپنا ورد صبح و شام ہین سیکھے ہوئے بھولے

انھوں کے پیار کے جو ڈھنگ اک مدت مین سیکھے تھے
ظفر وہ سب بجز دشنام ہین سیکھے ہوئے بھولے

دیگر

تیرے دانتوں کا تصور جب سے یار آنکھوں میں ہے
بن گیا ہر اک در شاہوارا آنکھوں میں ہے

شام سے تو صبح اپنا ہے مقتسب وعدہ یہ حال
بیقراری دل کو ہے ار انتظار آنکھوں میں ہے

کی کسی کے ساتھ تو نے شب مقرر میکشی
کیوں کھٹکتا ہے تر اب تک خمار آنکھوں میں ہے

کیا چمن میں جا کے دیکھوں مجھ کو اے رشک چمن
لگتا ہر اک گل مرے مانند خار آنکھوں میں ہے

جب سے نظروں میں سمائے ہیں گل رخسار یار
ہے چمن پیش نظر اپنی بہار آنکھوں میں ہے

گنبد افلاک بھی جس میں ہو مانند حباب
وہ بھرا دریا مری ان اشکبار آنکھوں میں ہے

اس قدر خاطر مکدر ہے کہیں کچھ سوجھتا
آ گیا دل کی کدورت سے غبار آنکھوں میں ہے

ہاتھ میں مستوں کے ہے تیغ سیہ تاب اس نے دی
یا دیا یہ سرمہ دنبالہ دار آنکھوں میں ہے

گر گیا کحل الجواہر اپنی نظروں سے ظفر
خاکپائے یار جب سے سرمہ وار آنکھوں میں ہے

دیگر

فغاں ہے دن کے لئے اور گریہ شب کے لئے
رفیق ہم نے یہ دو ساتھ اپنے ڈھب کے لئے

مطلع ثانی

طرب ہے یرے لئے اور تو طرب کے لئے
تعب ہے میرے لئے اور میں تعب کے لئے

معطر اب تلک اپنا دہ ہے خوشبو سے
کبھی جو بوسے تھے اس شوخ غنچہ لب کے لئے

کیا نہ دشت کو پامال جب تلک میں نے
قدم نہ دشت کے کانٹوں نے میرے دب کے لئے

جلے نہ مجھ پہ عدو وہ بھی یوں ہیں رو دے گا
کہ اس کے عشق میں یہ ایک دن ہے سب کے لئے

ہر ایک بات پہ ہوتے ہو تم بہت برہم
تمہیں نہ دیتے تھے دل ہم اسی غضب کے لئے

جلے چمن میں صبا گل جو سامنے اس کے
تو کو تمال مناسب ہے بے ادب کے لئے

سوا ترے لبجاں بخش کے کہیں کوئی
علاج اس ترے بیمار جاں بلب کے لئے

ندیکھا اس کے رخ
صاف کے مقابل ایک

ہزاروں آئینے ہیں کو
ظفر طلب کے لئے

وہ کہتے ہیں بھلے ہیں ہم بھلا نیکی تو ہم نے کی
یہ سچ ہے ہاں برے ہم ہیں برائی کی تو ہم نے کی

ہوئے سب بے مزہ تجھ سے نبائی جب وفا تجھ سیں
مگر تیری گوارا بیوفائی کی تو ہم نے کی

نہوتے دوست اس بت کے تو ہوتی خلق کیوں دشمن
عدو اپنی اگر ساری خدائی کی تو ہم نے کی

خراباتی و صوفی دونوں قائل ہو گئے اپنے
جو رندی کی تو ہم نے پارسائی کی وہ ہم نے کی

ہنسین کیا گرچہ رونے پر ہمارے لوگ ہنستے ہین
کر ماضو یہ جگ ہنسائی کی تو ہم نے کی

کسی نے بھی کہیں ہم کو ڈبویا آپ ہم ڈوبے
کر تجھ سے بکر خوبی کی تو ہم نے کی

نہ دیکھو آئنہ کو تم صفا کیا خاک اس مین
ہمارا دل صفا دیکھو صفائی کی تو ہم نے کی

کہا زلفون نے اکے منہ پر تم ہو کج ادا بیشک
مگر ظاہر تمہاری کج ادائی کی تو ہم نے کی

جو کچھ چاہا ے تھے ان کے دست و پا حا ستہ
ظفر موقع پر ان سے ہاتھا پائی کی تو ہم نے کی

مجال کس کی تمہاری جانب کرے جو کوئی نگاہ اونچی
بندھی ہے چلمن بھی آگے غرفہ کے خواہ نیچی ہو خواہ اونچی

جلا ہی دے گی لک کو جا کر یہ دلکی آتش سے ایک دم مین
نکل کر سینہ سے دل جلون کی ہوئی ذرا بھی جو آہ اونچی

نصیب اونچے نہووین جب تک نصیب ہووے نہ سر بلندی
ہزار اونچا کوئی جہا ںمیں ہو سر پر رکھ کر کلاہ اونچی

چڑھا یہ دریاے اشک اپنا ہو گیا غرق آسمان تک
بچے کہان اس سے کوئی لیکن کہان ہے جاے پناہ اونچی

وہ ہم مین ہمسایہ تیرے جیسے ہوا یہ منظور تجکو پردہ
کر تو نے دیوار اپنے کوٹھے کی کی اے رشک ماہ اونچی

وہ کام کر کچھ کر جس کے باعث بلند رتبہ ترا وہان ہو
بلندی نام کے لئے یان بناتا تو بار گاہ اونچی

کرم ہے اپنے وہ بخشندیگا ظفر ہمیں لیکن اس کے آگے
ہماری گردن نہونے دی گی ہماری شرم گناہ اونچی

دیگر

یون تو عالم تیرا چشم ہ بشر مین ار ہے
پر خدا شاہد ہ تو میری نظر مین اور ہے

لے خبر اپنے مریض غم کی اے رشک مسیح
ورنہ اس کا حال یہان اب لحظہ بھر مین اور ہے

ہم پھڑک لین اور بھی صیاد یرے دامن مین
کوئی دم طاقت ہمارے بال و پر مین اور ہے

کہے اک شاخ شجر مین ہین ل و برگ و ثمر
ایک جلوہ ہر گل و برگ ثمر مین اور ہے

اشک برساتی ہے جتنے میری چشم اشکبار
ہوتی سوزش اتنی ہی میرے جگر مین اور ہے

ہر سفر مین رنج ہے پ کر کے دنیاے سفر
پھر کہیں آ سکتے یہ رنج اس سفر مین اور ہے

وعدہ آنے کا کیا ہے تجھ سے کس نے اے ظفر
آج سامان طرب کچھ تیرے گھر مین اور ہے

دیگر

آپ ہیں غیر کا دم باعث الفت بھرتے
ہم محبت میں تمہارے ہیں مصیبت بھرتے

تشنہ کاموں کو ترے آب بقا سے کیا کام
آب خنجر سے ہیں وہ جام شہادت بھرتے

سرد مہری سے تمہاری ہے ہمارا دل سرد
سانس ٹھنڈی ہیں یہ ہم آپ کی دولت بھرتے

تو نے حال مرا کیا کہ ہی جانب سے
غیر ہیں کان ترے کان ملاحت بھرتے

پونچھو انسو نہ تم اے ناصح مشفق میرے
اپنے دامن کو ہیں کیون خون حسرت بھرتے

بھر دو اے چارہ گرو دل کی جراحت میں نمک
اس میں ہو چیں کے کیون سنگ جراحت بھرتے

جن کے دل میں ہو ظفر قامت دلدار کی یاد
دل سے آہین وہ رہین تا بہ قیامت بھرتے

جو تیری جلوہ قامت میں سو گئے
گویا وہ عرصہ گاہ قیامت میں سو گئے

ان غافلون نے دیکھا تماشا جہان کا کیا
جو مست ہو کے نشہ غفلت میں سو گئے

جو تیر انتظار میں جا کے تمام عمر
حیران ہون کس طرح سے وہ تربت میں سو گئے

ہمخواب ہوا خواب میںبھی دیکھے نہیں
بخت اپنے ایسے تیری محبت میں سو گئے

جس روز دیکھی یہ تری چشم سیاہ مست
شب زندہ دار عین عبادت میں سو گئے

ہم ہوتے زیر خاک نہ آرام سے مگر
جاگے بہت تھے رنج و مصیبت میں سو گئے

جتنے جگائے فتنہ خوابیدہ حرص نے
سب آ کے میر کنج قناعت میں سو گئے

سہلائے بگولے پانون کے کانٹون نے اس طرح
مجنون کے پانون وادی وحشت میں سو گئے

خواب عدم سے چونکے تھے مشتاق ہم ترے
دیکھا نہ تجکو اور اسی حسرت میں سو گئے

کرتے ہیں جیسے لوگ جو انکار روز حشر
کیا نالہ کش تری شب فرقت میں سو گئے

سوئے ہزار فتنے قیامت کے اے ظفر
اہل دول جو نشہ دولت میں سو گئے

دیگر

مکن تشویش و باش ایدل غلام شاه جیلانی   غلاش دابو دور هر دو عالم فر سلطانی
به بزم و اصلاکق به مکن قریش بذات حق   مقبول یزدانی و هم محبوب سبحانی
کند مشکل کشائی چونکه دست فضل؛ و احسانش   هزاران عقده دشوار بگشاید بآسانی
بخاک آستیانش کرنالد مهر روے خود   گر دو چهره اش نیسان رواج چرخ دوانی
لک آورد تسبیح گهراز دانه انجم   کند تا هر ملک در خانقاهش سجه گردانی
چه باشد حاجت اظهار مطلب در حضور او   که ظاهر بر ضمیر روشنش اسرار پنهانی
ظفر ردین و دنیا نیست دیگر دستگیر ممن   بغیر از پیر پیران غوث اعظم قطب ربانی

دیگر

دکھاتی اہل دین کو گرچہ زور و شور دنیا ہے   پر ان کے زور کے آگے کہیں زور دنیا ہے
یہ دنیا ہین کیا خاک یا در گور دنیا ہے   کہ دنیا دار مردہ اور مردہ خور دنیا ہے
ہمیشہ کام مین عقبی کے اپنی دل چرائے ہین   بنا دیتی جنہیں حرص و ہوس دل چور دنیا ہے
نئے رنگ اپنی نیرنگی کے دکھلاتی ہے روز اس کو   جسے کر دیتی اپنے رنگ مین شرابور دنیا ہے
پتنگون کی طرح کیا کیا ہوا خواہان دنیا کے   گئے ہین بادھے طول امل سے دور دنیا ہے
انہیں کیا دل کے آئینہ مین اپنی خاک سوجھے ہے   بنا دیتی جنہیں غفلت سے مثل کور دنیا ہے
ظفر جو ہو گئے ہین آشنا دین کی لطافت سے   لگائین منہ وہ کیا دنیا کو یہ آ خور دنیا ہے

دیگر

پریشان حال دل زلف دوتا سے ہووے کیسا ہی   تجھے کیا کام وہ تیری بلا سے ہووے کیسا ہ
رہے پیاسا ترے آب دم خنجر کا اے قاتل   کوئی سیراب گر آب لقا سے ہووے کیسا ہی
اٹھائے ہاتھ کب تیرا جفا کش تیری الفت سے   اگرچہ تنگ وہ تیری جفا سے ہووے کیسا ہی
ترے بیمار کو دارالشفا ہووے ترا کوچہ   اگر مایوس وہ اپنی شفا سے ہووے کیسا ہی
رہے محتاج کب اکسیر خاک پا کا وہ تیرے   کسی کا دل غنی گر کیمیا سے ہووے کیسا ہی
کشش دل کی وہ آفت ہے کہ تجھکو کھینچ ہی لائے   کشیدہ تو ر اپنے مبتلا سے ہووے کیسا ہی
نچھوڑے خاکسار اس کا   ظفر ورنہ ہار اس کا
پریشان گر غبار اس کا   ہو اے ہووے کیسا ہی
مجنون کو جنگلون مین اجاڑون مین ڈھونڈیے   اور کوہکن کو جا کے پہاڑون مین ڈھونڈیے

کیونکر بنے گی ہم سے بگڑتے ہو دمبدم
باتیں بناؤ کی نہ بگاڑون مین ڈھونڈیے

گر سوز غم کہین ہے تو عاشق کے دل مین ہے
یہ آگ وہ کہین جسے بھاڑون مین ڈھونڈیے

خط پرزے پرزے ہو کے مرا جائے کا کہان
دیوار و در کے اپنے درازون مین ڈھونڈیے

دریا کی سیر کیجے ان آنکھون مین آن کر
ہے یہان ہی وہ لطف لواڑون مین ڈھونڈیے

یارون کی کیجے کثرت اغیار مین تلاش
جا کر گلونکر کانٹون کی باڑون مین ڈھونڈیے

کشتی لڑے ہے عشق سے دل ایسا پہلوان
نکلے نہ گر ہزار اکھاڑون مین ڈھونڈیے

پیکان یار سینہ مین میرے کہان ملے
جب تک دل و جگر کی نہ آڑون مین ڈھونڈیے

دو چار اب بھی دامن مجنون کی دھجیان
نکلیں جو خار دشت کی جھاڑون مین ڈھونڈیے

جو دل خنک مین ان مین کہان گرمجوشیان
عالم کو گرمیون کی نہ جاڑون مین ڈھونڈیے

روزن کہین تو جھانکنے کو چاہیے ظفر
دیوار مین نہیںہن تو کواڑون مین ڈھونڈیے

دیگر

طرز نگاہ یار کو پہچانا چاہیے
رنجش کو اور پیار کو پہچانا چاہیے

پی سے کہین کہ رات کو جاگے ہین وہ کہین
آنکھون کے اس خمار کو پہچانا چاہیے

دامن مین دیکھ کوہ کے لوہو سے سنگ سرخ
فرہاد کے مزار کو پہچانا چاہیے

اس میکدہ مین ہوش کسے ہے کسی کو ہوش
بیہوش و ہوشیار کو پہچانا چاہیے

باتون پہ جاؤ بوالہوسون کے نہ مہربان
عشاق جان نثار کو پہچانا چاہیے

دی ہے خدا نے عقل اسی واسطے ظفر
دشمن کو دوستدار کو پہچانا چاہیے

دیگر

ہماری آنکھ ترے بام پہ تو جا پہونچی
نہ پہونچے ہم تو بلا سے نظر تو جا پہونچی

کہان تلک یہ جلائے گی مجکو عشق کی آگ
بھڑک کے دل مین مرے تا جگر تو جا پہونچی

مرے جنازہ پہ آئے نہ آئے وہ ظالم
پہ اس کو مرنے کی میرے خبر تا جو پہونچی

سنیں نہ یار نے خانہ خرابیان میری
پر ان کی دھوم رقیبون کے گھر تو جا پہونچی

نہ پہونچا نالہ شب گرچہ کام مین اس کے
بلا سے پر مری آہ سحر تو جا پہونچی

کہین خیال تھا جس چیز کا مبارک ہو
وہ آج تمہارے ظفر تو جا پہونچی

کیا کہین خوش ہین غم عشق سے کیسے ایسے
کہ نہ خوشنود ہوئے ہم کسی شے سے ایسے

مطلع　　　　　　ثانی

جیسے دل سے ہوئے نالے نہیں نے سے ایسے
ور جو ہوویں بھی تو ہرگز نہیں نے سے ایسے

تجھے ہم یار اگر دل نہ لگائے اپنا
سہتے کیوں ظلم و ستم عشق میں ایسے ایسے

اب تو سب ہو گئے اے شوخ قرینے معلوم
پہلے آگاہ نہ تھے ہم ترے ایسے ایسے

سارے دیوانے نہیں ہمسر قیس و فرہاد
ہوں تو وحشت زدہ اک دو کہیں جیسے ایسے

دام ہیں کس کی گرہ میں کر ہو سودا دل کا
حلقہ زلف ہی کے پاس ہیں پیچے ایسے

چشم ساقی کو ہوئے دیکھ کے جیسے بدمست
اے ظفر ہم نہ چھکے ساغر مے سے ایسے

اس زلف کا سایہ ہے دل زار پہ بھاری
اس طرح کہ جو دن ہو بیمار پہ بھاری

کچھ پہونچے گے پنچہ نازک پہ نہ صدمہ
قبضہ سے خنجر ترے لوار پہ بھاری

ہے لخت دل اشکوں میں گ لاری غم سے
یاقوت کے ہر موتیوں کے ہار پہ بھای

معلوم ہوا پیش خمیدہ سیکہ شاید
کچھ بوجھ ترا چرخ نگو نسار پہ بھاری

اے عشق عجب کیا کہ گر ان جانی فرہاد
ہو جائے ترے ہاتھ سو کوہسار پہ بھاری

ہو غیر نہ پہلو میں ترے ا کے عوض کاش
پتھر ہو مرے سینہ افگار پہ بھاری

قیمت میں اگر بوسہ کے تو جان بھی مانگے
کچھ مول نہ ایسا خریدار پہ بھاری

الفت کی بھی کیا قید گر ان ہے کہ جس میں
اک اک گھڑی تیرے گرفتار پہ بھاری

ہو جائے گا نظروں میں سبک دیکھ تو سنگی
دل اپنا ظفر کر نہ دریا پہ بھاری

دیگر

پردہ کوٹھے کا تمہارے اسقدر اونچا تو ہے
اپنے قد سے ناپ تو بالشت بھر اونچا تو ہے

عاقبت اے پست فطرت تو رہے گا زیر خاک
تو نے دنیا میں بنایا اپنا گھر اونچا تو ہے

ہے غنیمت جائے بالش ہمکو سنگ و خشت بھی
خاک کے بستر پہ رہتا اپنا سر اونچا تو ہے

دار پر چڑھ کر ہوا سردار سر بازوں میں تو
رتبہ اے منصور تیرا چڑھ کر اونچا تو ہے

اونچی اسکے روبرو ہو گی نہ چشم آفتاب
ہوتا معشوق کی طرف سے یہ سحر اونچا تو ہے

دے جلا ایسا نہ ہو یہ قیصر افلاک کو
ہو گیا کچھ شعلہ آہ جگر اونچا تو ہے

یہ نہیں ممکن نہو فریاد بلبل کا اثر
گرچہ نیچا کان سے گل شاخ پر اونچا تو ہے

خاک اپنی دی بگولے نے اڑا اچھا ہوا
خاکساری میں نصیب اپنا ظفر اونچا تو ہے

دیگر

تم تو اے حجرت دل اس کی محبت میں پھنسیے
ساتھ ہم آپ کے ناحق کی مصیبت میں پھنسے

حشر تک بھی کہیں ہو ویگی رہائی تمکو
ایسے دنیا کی تم اے غافلو الفت میں پھنسے

کیا کریں ہم ستم و ظلم کی اسکے نالش
نہیں منظور یہ ہم کو وہ عدالت میں پھنسے

اے دل اس زلف کا ہر تار ہے اک دام بلا
کس کی شامت ہے کہ اسطرح کی آفت میں پھنسے

آپ کیا جانیں کہ ہے سیر خرابات میں کیا
شیخ جی تم تو رہے گوشہ عزلت میں پھنسے

کم نہیں حلقہ زنجیر سے چشم آہو
وحشی اس چشم کے ہیں وادی وحشت میں پھنسے

عندلیبو یہ چمن جائے گرفتاری ہے
ہیں یہاں طائر تصویر بھی حیرت میں پھنسے

ہے ترا تار نظر قہر کمند جادو
کہ جہاں سیکڑوں دل ایک اچارت میں پھنسے

ہم نہ پھنسے کبھی زندان محبت میں ظفر
لیک پھنسنا ہی لکھا اپنی تھا قسمت میں پھنسے

بعسہ بے مرضی لیا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی
یار کی رنجش بجا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی

کیا کہیں اسنے کہا کیا جو کہ کہنا تھا کہا
گفتگو کل برہ ملا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی

دل تو کیا تھا زلف کا فرجی بھی لے کر چھوڑتی
آج برہم وہ بلا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی

خاک ہو کر اس گلی میں خاک برباد اپنی کی
خاکساری اے صبا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی

اور تو ہم نے نہیں تقصیرے کی اے مہربان
ہاں مگر مہر و وفا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی

ایک عالم نے تجھے چاہا ہماری چاہ سے
تیری شہرت مہ لقا ہم سے ہوئی ایسی تو تھی

کیون نہ برہم ہوتے وہ چھیڑا تھا ہم نے زلف کو
اے ظفر اکی خطا ہم سے ہوئی لیکن تو تھی

زلف شب گسکی رہی تا دیر آنکھون کے تلے — آج سارے دن رہا اندھیر آنکھو کے تلے
اے تصویر مین ترے قربان کر تو اس یار کو — لائے ہے چارو نظر سے گھیر کر آنکھو کے تلے
لکھنے بیٹھے ہم جو خط اسکو تو گریہ نے دیا — حرف پر مطلب کے پانی پھیر آنکھو کے تلے
گزرے ہین جو جو نظر سے شیر مردان خدا — اے تصور پھرتے ہین وہ شیر آنکھو کے تلے
جو تیری آنکھو پہ ظالم ہو گئے ہین مر کے ڈھیر — زیر غرفہ اسکو ہوا ڈھیر آنکھو کے تلے
آگئی جو یاد مجکو ابروے پر خم ترے — پھر گئی اک صورت شمشیر آنکھو کے تلے
ہے جو خواجہ کی زیارت کا تصور اے ظفر — آبسی گویا مری اجمیر آنکھو کے تلے

دیگر

جب مست یان خودی کی پی کر شراب ہو گئے — بد مستیون مین اپنی وہ خود خراب ہو گئے
اس سنگدل کے دل مین ہرگز اثر نہ ہو گا — گر سنگ و آہن اپنے نالون سے آب ہو گئے
ہم اپنی بیقراری جس سے بیان کرین گے — کیا کیا دل ان کے سنکر پر اضطراب ہو گئے
پر تو فگن ہو آکر ساقی کا روے روشن — دریا مین جو بھنور ہین سب آفتاب ہو گئے
مین عشق کے مسائل کیا عالمون سے پوچھون — سن کر سوال میرا وہ لاجواب ہو گئے
نامون مین گر لکھین کے مضمون سوز دل ہم — مرغان نامہ بر بھی جل کر کباب ہو گئے
ٹرتا نہ انسے شکوہ مین سرد مہریون کا III — گر جانتا وہ ایسے گرم عتاب ہو گئے
بڑھ جائے گا جو دریا ان اپنے آنسون کا — انجم جہان فلک پر ہین وہ حباب ہو گئے
جو ہو سو ہو ظفر ہم لے لینگے اسکا بوسہ — اسکی اگر نشہ مین وہ بے حجاب ہو گئے

دیگر

ملا نے تیری تلوار ایک ایسی ہے میان چھوڑی
کہ اس نے چھٹتے ہی میرا نہ دل چھوڑا نہ جان چھوڑی

کہیں دل چھوڑتا آہ وقعان تل بے تری ہمت
اگرچہ دل میں غم نے کچھ نہیں تاب و توان چھوڑی

محبت میں تمہاری ہمنے چھوڑا ایک عالم کو
گئی الفت نہ تم سے غیر کی اے مہربان چھوڑی

غم جانان ہے پیا سا خون کا اور تو نے مرے دلبین
کہیں ہے نام کو بھی بھر چشم خونچکان چھوڑی

زبان سے گالیان ہی تو سدا دیتا رہا ہم کو
کبھی اے بد زبان تو نے نہ یہ اپنی زناب چھوڑی

قسم تیرے اٹھائے پر نہ اٹھے اس گلی سے ہم
زمین میں نے بھی پکڑی تو نہ پھر اے آسمان چھوڑی

ظفر کچھو آئے دل سی چیز اپنی بیخودی میں ہم
خدا دانے کہ کسکو دی کدھر پھینکی کہان چھوڑی

اے نیک خو بتا دے کہ بدخوئی کس لیے
تو بیدلی سے کرتا ہے دلجوئی کس لیے

گر زخم تازہ کوئی جگر پر لگا نہیں
تو چشم خون کے آنسو و نے روئی کس لیے

یہ دار بمدار ہے یہ دیر بے قیام
یان جو مقام دیر کرے کوئی کس لیے

خاک شہید ناز کا رکھا تھا کچھ پتا
یان نازو بو جو تو نے کہیں بوئی کس لیے

ہم زلف خم بخم کو کبھی چھیڑتے نہیں
پوچھو وہ ہم سے کرتی ہے خروئی کس لیے

منہ دھویا آنسوؤن نے ہمارا ہزار بار
لیکن کہیں سیاہی دل دھوئی کس لیے

اس گل کی بو دماغ میں ہو جب بسی ہوئی
پھر ڈھونڈین اور ہم کوئی خوشبوئی کیلیے

اپنی بسی سے آپ ہیں بدنام بسھا
بیہودہ گو جو کرتے ہیں بدگوئی کس لیے

پایا نہ ہجر یار میں کچھ زندگی کا لطف
عمر عزیز ہم نے یو ہیں کھوئی کس لیے

مہر اور حباب تم کو ظفر گر نہیں پسند
کجکی کلاہ خاص میں ہے توئی کس لیے

دو دو پھرین نہو کر حرص و ہوا کے بندے
دیکھیں خدا کے رو برو گر یہ خدا کے بندے

کیا گبر کیا مسلمان دیکھیں گر اس صنم کو
ہو جائین اسکے دونون ناز و ادا کے بندے

ہم جانتے ہین تمکو بے مہرو بے وفا ہو
ہوتے ہین اور ہی وہ مہرو وفا کے بندے

دیکھیں گلون کا کہنا پیغام ہے خزان کا
بیٹھے ہین اس چمن مین کیون کھل کھلا کے بندے

نا آشنا ہو جانو کیا قدر آشنا کی
جو آشنا ہین وہ تو ہین آشنا کے بندے

صابر ہین ہم ستم پر راضی ہین ہم جفا پر
ہم ہین تمہارے عاشق صبر و رضا کے بندے

اس بت کا اے ظفر جب سے ہوا ہون بندہ
بندہ کو دیکھتے ہین سارے خدا کے بندے

دیگر

نہوگی اے عزیز و ایسی میخواری مین بیہوشی
اسیی جیسی رہے ہے عین ہشیاری مین بے ہوشی

دل بیدار بن کیا دیدۂ بیدار سے حاصل
مرے نزدیک غافل ہے وہ بیداری مین بیہوشی

سردار اگر منصور دنا الحق کیون نہ بول اٹھے
کر دے ہے نشہ سرداری کا سردای مین بیہوشی

کیون انسے کہ وہ شاگرد چشم مست جانان ہون
جو ہو در کار د عیار وکو عیاری مین بیہوشی

کیا بیمار دل کو تو نے اپنی چشم میگون سے
نہ ہو ا ناتوان کو کیونکہ بیماری مین بیہوشی

ہوا راحت کدہ غفلت سے زندان خانۂ ہستی
ہماری کام آئی اس گرفتاری مین بیہوشی

دل و جان بیچتے کیون قیمت مین اسکے نیم غمزدہ کے
ظفر ہم کو نہوتی گر خریداری مین سیہوشی

دیگر

شکستہ دل کون کر تو بھلا ای مین ہے
کہ گھر خدا کا بھی ہے خدا ای مین ہے

کرین گے ترک محبت نہ وہ کہ جو ل مین
سمجھ چکے ہین کہ اپنی اقضا ای مین ہے

نا ہو عشق مین تو ہے اگ رہتا کی لب
کہ تیرے واسطے آخر بقا ای مین ہے

نہیں اپنی مجھے نا خوشی کا م ہر گز
اگر خوشی تری اے ہیوا ای مین ہے

غنیمت اپنی سمجھ زندگی کو اے غافل
ترے لئے تو بھلا اور برا ای مین ہے

نمک چھڑکتے وہ قاتل کو میرے زخمون پر
کہ زخم کھانے کا آتا مزا ای مین ہے

سمجھ کے ڈال قدم بحر آشنائی مین
کہ ڈوب جاتا ر آشنا ای مین ہے

انعام میں جان اپنی بھی اے رشک پری دی
قاصد نے ترے وصل کی جب خوشخبری دی

لکھتا اسے نامے میں سب حال دل اپنا
پر گریہ نے میرے مجھے فرصت نہ ذری دی

جو کچھ تر و خشک دیا عشق نے مجھ کو
دی ہونٹوں کو خشکی مری آنکھوں کو تری دی

دل اس کو دیا سخت اگر سنگ بلا سے
پر آہ کو یا رب مرے کیوں بے اثری دی

گل پھولے سماتے نہیں گلزار میں تو نے
آنے کی خبر کس کی نسیم سحری دی

محروم رکھا مجکو بھی قسمت نے جو میری
گرچہ نہ دیا کوئی ہنر بے ہنری دی

دی مثل نگیں پہلے اسے سینہ خراشی
جس کو کہ زمانہ نے ظفر نامورِی دی

دیے جواب جو اس نے نہ قاصد آ آڑے
کچھ آ گیا ترا شاید لیا دیا آڑے

یہ نکلیں دیکھیے کیونکر کہ اڑ گئے ظالم
جگر میں ہو کے ترے ناوک جفا آڑے

ار نصیب ہیں سیدھے تو ڈر نہیں ہم کو
بلا سے ہم سے وہ ہوں پڑھے ترچھے یا آڑھے

جتاتا اپنا جو ہو بانکپن تو پھر کیونکر
نہ تھان قطع کرے لے کے دلربا آڑے

لگا لی کس نے ہے رچھی نگاہ کی تلوار
کہ دل پہ زخم ہیں میرے ہزار ہا آڑے

چلن سے کیونکہ کجونکہ نہ کو کجی کا ظہور
ظفر جو پاؤں ہوں ٹیڑھے نقش پا آڑے

دیگر

م میں کاہے کو ہم تم میں یہ جھگڑے ہم کچھ تھے
نہ کم کچھ تھے نہ تم کچھ تھے نہ م کچھ تھے نہ ہم کچھ تھے

نہ ہمسر ہو سکے کچھ بھی تمہاری زلف پیچاں سے
ارچہ شاخ سنبل میں بھی پیارے پیچ و خم کچھ تھے

ہمیں کیا کام تھا جو دیتے دل ہم اس ستمگر کو
مگر سہنے نصیبوں میں ہمارے یہ ستم کچھ تھے

ہوئے ہم دیکھ کر صورت تری واللہ محو ایسے
گئے سب بھول وہ جو دل میں شکوے اے صنم کچھ تھے

اٹھائے صبح کو طوفان کیا کیا ہم پہ یارو نے
ہوئے محفل میں تیرے ہم جو شب کو چشم نم کچھ تھے

لیا پہچان تو بھی ہم نے اس کو چال سے اس کی
اگرچہ دیکھ کر اس نے ہمیں بدلے قدم کچھ تھے

یہ امداد دل کر آنسو ہی بہا کر لے گئے خط کو
ظفر ہم ان کو شرح شوق جو کرتے رقم کچھ تھے

دیگر

خفا رکھا جو دل نے پاس اک داغ تنہائی ہے
نہیں معلوم کس پردہ نشیں کی یہ نشانی ہے

مطلع

ثانی

شہیدوں کو ترے اس سے حیات جاودانی ہے یہ آب تیغ تیری کیا ہے آب زندگانی ہے

بیان کرتا ہوں میں قصہ جو اپنی مصیبت کا وہ کہتا ہے مجھے بھاتی کہیں یہ قصہ خوانی ہے

جو پوچھو میرے دل کا اپنے دل سے پوچھو تم صنم الفت میں ہوتی دل کو دل کی رازدانی ہے

کہیں م نے بھی جاؤ دل کو میرے پاس سے جلدی مجھے کرنی پڑی دن را اس کی پاسبانی ہے

ہلال آ سا جیسے ابرو خمدار یہ پری نہ تیغ مغربی ایسی نہ تیغ اصفہانی ہے

جواب خط میں کہتا ہے جو قاصد بات تسکین کی خدا جانے بناوٹ ہے کہ یا اس کی زبانی ہے

ڈرے ہے گردش چشم بتان مہروش سے دل خدا اس سے بچائے یہ بلائے ناگہانی ہے

ظفر اس عالم پیری میں پری وہ ارادے ہیں

کہ جس میں تھک کے رہ جاتی جوانوں کی جوانی ہے

ہمارے دوست لگائے سے مہ جبین نہ بنے لگانے والوں کی اللہ کرے کہیں نہ بنے

وہ ہم سے دور ہیں ہم کس طرح انہیں دیکھیں کہ جب تلک یہ خیال اپنا دور بین نہ بنے

ترا وہ حسن ہے حیرت فزا جو دیکھے اسے تو کیونکہ دیدہ حیران مہ جبین نہ بنے

ہمارے آنکھوں سے برسیں جو اشک خون ہر دم تو سرخ پھر پھولی سی کیوں زمین نہ بنے

ہم اس کو یار بناتے ہیں سو طرح اپنا بے نصیب میاں اے دل حزین نہ بنے

نہو جو مردمک چشم اپنا عکس فگن رخ صفا پہ ترے خال عنبرین نہ بنے

بنے جو ابر سیہ آسمان دود فغان تو کیونکہ برق جہانتاہ آتشیں نہ بنے

خیال زلف میں رونا ہو پہ یہ ڈر ہے مجھے گہر تار اشک کہیں مار آستین نہ بنے

خدا کرے کہ ظفر وان بنی رہے اپنی بلا سے بنتی ہماری یہان کہیں نہ بنے

دیگر

جہان میں نئی بد گوئی و بد خوائی کہیں دیکھی کسی میں ہم نے دلداری و دلجوئی کہیں دیکھی

بہت کی سی اس صورت کدہ میں نے پہ اب تک یہان تصویر صورت تیری سی کوئی کہیں دیکھی

جو بد طینت ہیں وہ محروم ہیں تخم محبت سے زمین شور میں تخمی کہیں بوئی کہیں دیکھی

کسی میں تیرے قد کی سی نہ پائی راستی ہم نے کسی میں تیری زلفوں کی سی خم روئی کہیں دیکھی

کہوں کیا وصف میں بیرے شمیم کا زلف کا کافر دیے حرف کہ ایسی مشک و عنبر میں بھی خوشبوئی کہیں دیکھی

کدورت یکقلم ہیں دل کے دھو میں نے مرا دل دیکھو گر ویسی کوئی دھوئی کہیں دیکھی

سخندان و سخن گو یوں تو دنیا میں ہزاروں ہیں
ظفر پر ہم نے تیری سی صفتیں کوئی کہیں دیکھی

دیگر

جو ہاتھا پائی کی نوبت نہ تجھ پر پہونچی
تو ہاتھ کی ترے کھلکر گری کدھر پہونچی

سوائے قاصد اشک اور تو کسی سے بھی
ہمارے دل کی نہ ہم کو کبھی خبر پہونچی

بتا عشق میں ہے ایسی کون سی تکلیف
کہ جو تجھے کہیں اے شوخ فتنہ گر پہونچی

تمہارے ساتھ ہی ہو جاتی جان بھی رخصت
کروں میں کیا کہ اجل میری دیر کر پہونچی

نہ سمجھو رنگ شفق ا کو لگ رہی ہے آگ
کہیں فلک پہ مری آہ شعلہ ور پہونچی

عرق عرق جو نزاکت سے ہیں ترے رخسار
نگہ ہے ان کے مری گرمی نظر پہونچی

اس آرزو میں ہوئے خاک ہم پہ اپنی خاک
گلی میں یار کے ہرگز نہ اے ظفر پہونچی

دیگر

جو کوئی بھی نہ ملنے کی ترے تدبیر نکلے گی
تو کیا حسرت سے جان عاشق دلگیر نکلے گی

نکالے گا وہاں سے نہر خون کوہکن سے تو
جہاں سے کوہ میں اے عشق جوئے شیر نکلے گی

جو دل میں آرزو ہے عاشق سر باز کی پیارے
اگر نکلے گی قاتل وہ تہ شمشیر نکلے گی

ہمیں یہ سوچ ہے اس کی کمند زلف پیچاں سے
ہماری گردن دل کیونکہ اے کاتب تقدیر نکلے گی

ہمارے عشق کو بعد از فنا منظور ہے شہرت
کب اس کوچہ سے اپنی نعش بے تشہیر نکلے گی

مصور گرچہ کھینچے گے ورق سارے مرقع کے
پہ اس کی سی نہ ہرگز ایک بھی تصویر نکلے گی

ابھی باتیں بناتا ہے وہاں جس وقت جائے گا
نہ منہ سے بات تا صبح کے دم تقریر نکلے گی

کرے گا ذبح جس دم اپنے تو صید محبت کو
زبان خنجر براں سے بھی تکبیر نکلے گی

نکل جائے گا سینہ کو لک ک توڑ کے دم میں
ظفر جب دل سے اپنے آہ مثل تیر نکلے گی

بظاہر کیا ہوا ہم سے اگرچہ کشیدگی ہوں ہے
ولے آزردہ وہ دل میں کہیں ہم کو یقین یوں ہے

عدو پہ مہربانیہ اور ہم پہ ظلم رانی ہے
ستمگر ہے یہ کیا شیوہ کہیں یوں ہے کہیں یوں ہے

نہ جب تک سینہ کاوی ہو نہ جب تک رو سیاہی ہو
کوئی ہو سکتا روشن نام مانند نگیں یوں ہے

چمن میں چاٹنے کو اوس نکلے جس طرح ناگن
عرق آلودہ رخ پہ اس کی زلف عنبریں یوں ہے

کبھی بیتاب ہو جاتا ہے زیر خاک بھی عاشق
نہ سمجھو زلزلہ اس کو یہ بن جای زمیں یوں ہے

کبھی بیتاب ہو جاتا ہے زیر خاک بھی عاشق   نہ سمجھو زلزلہ اُس کو یہ بن جاتی زمین یوں ہے

کہیں غم کچھ بھی اصلا ہم کو غمگین اپنے ہونے کا   کہ ہم ناخوش رہیں اس کی خوشی اے ہمنشیں یوں ہے

ظفر ابر سیہ میں جس طرح ہے کوندتی بجلی   عیاں زلفوں سے اس کے تاب روئے آتشیں یوں ہے

وفور اشک ہے جو دیدہ تر میں تلاطم ہے   نہ وہ دریا میں ہے نے وہ سمندر میں تلاطم ہے

ڈر ہے دیکھ کہ دل اس کی موج چین پیشانی   کہ اب دریائے حسن ماہ پیکر میں تلاطم ہے

ہوا ہے موج زن کیا خندہ دندان نما اس کو   تماشا ہے کہ گویا آب گوہر میں تلاطم ہے

ہوئی نالہ سے میری چرخ مینائی کی یہ حالت   کہے تو اک ہوا سے بحر اخضر میں تلاطم ہے

دل بسمل کہے ہے دیکھ کر یہ موج جوہر کو   کہ اس قاتل کی شاید آب خنجر میں تلاطم ہے

نہ پوچھو ماجرا جوش و خروش عشق کا مجھ سے   کہ اس دریا کا میری جان مضطر میں تلاطم ہے

وہ طوفاں ہے مرا یاراں اشک خون دم گریہ   گھٹا دیتا ظفر دریا کا دم بھر میں لاطم ہے

دیگر

زمیں باراں سے یارو کب تہ الاک گیلی ہے   ہمارے جوش گریہ سے ہوئی سب خاک گیلی ہے

کیا ذبح کس کو اس طرح جو آستیں تیری   لہو سے ہو گئی اے قاتل سفاک گیلی ہے

لکھوں کیا وقت جوش گریہ اپنا حال دل اس کو   کہ سب کاغذ کی فرد اے دیدہ نمناک گیلی ہے

لب نازک ہوا تیرا نہیں ہے تر پسینے سے   یہ گل کی پنکھڑی شبنم سے اے بیباک گیلی ہے

کوئی توصیف تازہ شہسوار حسن باندھا ہے   لہو سے جس کے جا ہر جا سر فتراک گیلی ہے

بتا بھیجا تجھے کس نے لگا کر اپنے سینے سے   بدن جو پر عرق ہے اور تری پوشاک گیلی ہے

ظفر کیا زاہد خشک آج میخانہ میں جا نکلا   ہوئی مے سے جو یہ اُس کی ردائے پاک گیلی ہے

دیگر

جگہ اچھی ہے کیفیت کی ہم کو پلا اچھی   کہ ہے ساقی اچھی گھٹا اچھی ہوا اچھی

ہزار آئینہ رو ہوں رو برو پر ہم کے دیکھیں   نہ نکلی کوئی صورت ایسی پیارے سوا اچھی

خیال بوسہ میں لب چاٹتے ہیں لوگ ہر دم   لب شیریں سے تیرے چاٹ پائی واہ کیا اچھی

اڑا دی جو ہماری خاک ساری اُس کے کوچہ سے   نہ کی ہم خاکساروں سے یہ تو نے اے صیاد اچھی

خجالت کش ہے یہ بھی دیکھ تجھکو ماہتابی پر   خدا نے وہ بنائی شکل تیری مہ لقا اچھی

ارے کیا کی میاں تو نے کر اپنا سارا گھر پھونکا   کہیں تقدیر سے کوئی مہوس کیمیا اچھی
ظفر کو شربت دیدار سے تو چاہئے تسکین دی
مریض غم ہے وہ اس کے لئے یہی دوا اچھی

ہم جو لگے دروازہ پہ زنجیر سے شب کھٹ کھٹ کرنے   پھر تو اس کھٹکے سے کچھ گھر میں لگے سٹ پٹ کرنے
کیا جانے ہیں کس نے سکھائے ہم کو ایسے مکر و فریب   نقد دل و جان لے کے ہمارا آپ لگے لپٹ کرنے
عشق نے تیری ہم کو ظالم دی ہے کیسی چاٹ لگا   خون جگر کو اپنے لگے ہم یوں جو مزے سے چٹ کرنے
بن گئے دیکھو کیسے ہٹیلے ہو کر اختر طفل سرشک   جوں جوں روکا ہم نے ان کو اور لگے ہٹ کرنے
کون اسے گا سچ بتاؤ کس کا تم کو کھٹکا ہے   شام سے دروازے کے جو بند لگے تم پٹ کرنے
غیر سے ہنستے ہو تم کھول کے منہ بے شرم و حجاب   کیا باعث جو دیکھ کے ہم آپ لگے گھونگھٹ کرنے
اپنے دل دیوانہ کے تم آ گئے ایسے قابو میں
جو کیا اس نے تم کو ظفر وہ آپ لگے جھٹ پٹ کرنے

میرا وہ پیر ہے جو پیروں کا پیر ہے   رضوان کو خاک اس کے قدم کی عبیر ہے

مطلع ثانی

کیا مہر تیری چین جبین کی لکیر ہے   یہ دل اسی لکیر پہ میرا فقیر ہے

مطلع ثالث

وہ مہروش جو حسن میں خود نیر ہے   اس کو پسند اس لئے بدر منیر ہے
تو وہ ہمارا سینہ ہدف ہے ہمارا دل   ابرو کماں ہے اس کی نگہ اس کی تیر ہے
تا حشر اس بلا سے کہیں چھوٹنے کا وہ   جو دل کمند زلف کا تیرے اسیر ہے
جمعہ سے ہفتہ ٹھہرا تھا ہفتہ سے اتوار   لے اتوار وہ بھی گیا اب تو پیر ہے
سکھلائے برق کو نظر اس کی شرارتیں   وہ شعلہ خو تو ایسا قیامت شریر ہے
غم نامہ دل اپنا انہیں بھیجنا ہے واں   نالہ کو اپنے ہم نے بنایا سفیر ہے
جتنے حسین ہیں سب پہ نظر کر گئے ہم   آتا نظر کہیں کوئی تیرا نظیر ہے
بلا مجھے نہ آگے عدو کے خدا سے ڈر   طوطے کو کرتا زاغ سے کیوں ہم صفیر ہے
گر آپ بحر غم کا کہیں تجھکو ڈر ظفر   وہ پیر فخر دین سے مرا دستگیر ہے

دیگر

پہلے تو نامہ ب کی وہ تقریر پہ کھلے ۔۔۔ پھر پڑھ کے نامہ نامہ کی تحریر پہ کھلے
مطلع ۔۔۔ ثانی

باتون مین وہ اگر کسی تقریر پہ کھلے ۔۔۔ راز اس کے دل کا عاشق دلگیر پہ کھلے
پوشیدہ تھا نوشتہ کا مضمون سو کھل گیا ۔۔۔ خط آئے وان سے ہائے رے تقدیر کھلے
تفسیر تیرے مصحف رخسار کی ہے خط ۔۔۔ معنی ہین اس کے صاحب تفسیر پہ کھلے
جاڑ زمردین سے ہے لالہ گون کا عکس ۔۔۔ رنگ حنا سا دست قدح گیر پہ کھلے
کھولی جو تو نے زلف کھلے دل بندھے ہوئے ۔۔۔ کھلتے نہیں بستہ زنجیر پہ کھلے
اس مہ جبین کو دیدہ انجم بھی دیکھ کر ۔۔۔ حیرت سے رہ گئے فلک پیر پہ کھلے
دروازہ ان کے گھر کا سحر پہ کھلے نہ صبح ۔۔۔ کہدو میر نالہ شبگیر پہ کھلے
جیسی ہے چین اس ابروئے پر خم پہ خوشنما ۔۔۔ جوہر کہیں بھی ایسے شمشیر پہ کھلے
نامہ نہ کھل پڑا ہو کہ مرغان نامہ بر ۔۔۔ جاتے ہوا مین ہین روش تیر پہ کھلے
ڈرتا ہون آہ و نالہ سے ایسا نہو کہیں ۔۔۔ میری محبت اس بت بے پیر پہ کھلے
گر خون دل سے میرے مصور بنائے رنگ ۔۔۔ کیا خوب ا کے چہرہ تصویر پہ کھلے
جلد آ کہ ذبح کرکہ ہین سب چشم انتظار ۔۔۔ تیر ون کے زخم سینہ نخچیر پہ کھلے
روشن دلون سے کہنے ۔۔۔ کی حاجت نہین ظفر
سب میرے مدعا ہین ۔۔۔ مرے پیر پہ کھلے

ایسی مین رنج بھی ہے اور راحت بھی ایسی مین ہے ۔۔۔ جہنم بھی ایسی مین ہے اور جنت بھی ایسی مین ہے
کسی سے دوستی ہم کو کسے سے دشمنی ہم کو ۔۔۔ محبت بھی ایسی ہے عداوت بھی ایسی مین ہے
کہین مشہور عاقل کہیں بد مست لا یعقل ۔۔۔ کہ ہشیاری بھی ہم مین اور غفلت بھی ایسی مین ہے
مثال سینہ دیکھو ہمارے ور سے جوہر ۔۔۔ صفائی بھی ہمین بھی ہے کدورت بھی ایسی مین ہے
کبھی ڈرتے ہین پشہ سے کبھی لڑتے ہین شیر ونسے ۔۔۔ کہ بے جرات بھی ہم ایسی اور جرات بھی ایسی مین ہے
ہمارے پاس جو دریاء در خر مہرہ دونون ہین ۔۔۔ کہ بے ہمت بھی ہم ہین اور ہمت بھی ایسی مین ہے
کہین سر در گریبان ہین کہیں دست و گریبان ہین ۔۔۔ تحمل بھی ایسی مین ہے جہالت بھی ایسی مین ہے
بھڑین تو سو پہاڑ ونسے وہین تو ایک تنکے سے ۔۔۔ کہ بیطاقت بھی ہم ہین اور طاقت بھی ایسی مین ہے
نہیں غیر از صلاح و خیر وان تو اور کچھ ہرگز ۔۔۔ ظفر شر بھی ایسی مین ہے شرارت بھی ایسی مین ہے

دیگر

دیگر نالہ سے کیا ہر مکان ہلتا ہے
زمین کانپتی ہے آسمان ہلتا ہے

برنگ نقش قدم ضعف سے جہان بیٹھا
تواں سے کب یہ ترا ان توان ہلتا ہے

چمن میں سانپ سے لہراتا یا ترا گیسو
ترے عذار پہ اے میری جان ہلتا ہے

نہ سمجھو جنبش مژگاں کہ پیش منظر چشم
پڑا ہوا ہے یہ جو سائبان ہلتا ہے

گزرتے ہیں تجھے اظہار مدعا کے گمان
مرا جو ہونٹ بھی ای بد گمنی ہلتا ہے

ترا جو عاشق غمگین ہے مضطرب تہ خاک
بغیر زلزلہ سارا جہان ہلتا ہے

ظفر زیادہ لاؤ تم اس کی بے مہری
کلیجہ خوف سے اے مہربان ہلتا ہے

دیگر

صورت اس بت کی کسی جا انکھیں دیکھی تو تھی
دیر میں یا کعبہ میں دل میں کہیں دیکھی تو تھی

حال مضطر کا ترے کیا جانے کیا تھا زیر خاک
پر لرزتی اس کے مدفن کی زمین دیکھی تو تھی

یہ نہیں معلوم الجھا کون جھگڑی کس سے رات
ہم نے بر ہم تیری زلف عنبریں دیکھی تو تھی

پھر کیا مشہ اپنی اکالا کیوں ہوس میں نام کے
تو نے نال رو سیاہی نگین دیکھی تو تھی

اس نے سر کاٹا کہ چھوڑا یہ خدا جانے مگر
گردن عاشق تہ شمشیر کین دیکھی تو تھی

شمع تھی یا ماہ تھا یا تو پس چلمن کہ رات
روشنی کچھ ہم نے عرفہ نشین دیکھی تو تھی

کیوں ہوا بسمل ترا منت کش تیغ اجل
اس نے اے قاتل تری چین جبین دیکھی توتھی

دل ہوا خون یا جگر یہ تو نہیں ہم کو خبر
لیک پر خون چشم تر بر آستین دیکھی تو تھی

کہدیا ہوتا ستمگر نے دل کا حال
بیقراری اس کی تو نے انکھیں دیکھی تو تھی

جس وقت ذکر سید مظلوم چل پڑے
کیوں بھرتی نہ چشم سے آنسو نکل پڑے

خنجر تلے بھی کرے رہے سجدہ شاہ دین
کیا دخل کہ طاعت حق میں خلل پڑے

صغرا جو دیکھے باپ کی شکل اپنے خواب میں
کس طرح سوتے سوتے نہ شب کو اچھل پڑے

کہتے تھی شہ کہ میں کیا امون کا کیا
جو پیچھے میری جان کیسہ بد عمل پڑے

زخمی جو ہو کے شاہ گرے ذوالجناح سے
اک ہلکہ نہ کیوں سر دشت و جبل پڑے

کہتے تھے شہ کہ مرتکل عباس کی خبر
ایسا نہ ہو کہ سن کے سکینہ دہل پڑے

سر پہ پڑیں حسینؑ کے کیا کیا مصیبتیں　　پہ ٹل ہے حوصلہ کر نہ ماتھے پہ بل پڑے

کیا خاک راہ دین پہ وہ ہیدی تھے مستقیم

دنیا میں مال و زر کی طمع میں پھسل پڑے

قطعہ

میدان میں شاہ کے رفقاء جب رکھیں قدم　　کس طرح آ کے پانو نہ ان کے اجل پڑے

اور یہ کہے کہ کیجیے آباد چل کے خلد　　خالی ہیں تم بغیر تمہارے محل پڑے

سن کر ظفر مصیبت شبیر بزم میں　　بے نالہ نہ مجنون کو کل پڑے

دیگر

طبیعت یار کی تصویر سے بہلائی جاتی ہے　　اس میں اپنی کچھ تسکین کی صورت پائی جاتی ہے

لگی ہے آتش اپنی یان تلووںنے وان جس دم　　حنا غیرون کے ہاتھون پانوںسہلکوائی جاتی ہے

کرے ہے دل کو روشن تاب رخ اس مہ طلعت کی　　یہ دیکھو آرسی کیا ھوپ میں چمکائی جاتی ہے

کوئی تڑپے بلا سے یا تڑپ کر کوئی مر جائے　　کوئی اس شوخ بے پروا کی بے پروائی جای ہے

کیا کحل؛ بھر جس نے تری خاک ک پا کو　　پھر ان کی چشم سے کب قوت بینائی جاتی ہے

مرے گریہ سے میرا دل ہوا جاتا ہے افسردہ　　تماشا ہے کہ باران میں کلی کلائی جاتی ہے

غم فرقت میں قائل ہون تو میں اس کی رفاقت کا　　کہ یکدم چھوڑ کر مجکو نہیں تنہائی جاتی ہے

یہان تک مجھ سے نفرت ہے میرا ہاتھ دامن کو　　ار لگ جائے ہے پوشاک سب دھلوائی جاتی ہے

ظفر یون تو بڑے دا ہوم پہ سامنے اس کے　　خدا جانے کہان پہ آپ کی داء جاتی ہے

دیگر

لب پان خوردہ ہیں کیا تیری حلاوت سے بھرے　　لب بلب جام ہیں حباب کے شربت سے بھرے

کیا وہ اس دور میں ساغر مے عشرت سے بھرے　　کاسہ سر کو جا لاکھ مصیبت سے بھرے

کوئی حاسد سے ترے گھر میں کوئی غماز　　واہ کیا لوگ ہیں آ کر مری قسمت سے بھرے

دیکھا اس لب دندان کو کر میں صانع لے　　درج اعلیٰیں میں گہر خوب ہی صنعت سے بھرے

لوئے برق آگ میں گری سے مرے اہ کے　　ابر پانی جو مرے گریہ کی شدت سے بھرے

گرمجوشی جو تری غیر سے دیکھے ہر دم　　تو دم سرد نہ کیونکر کوئی حسرت سے بھرے

نامہ بر یار تلک ا سکا پہونچا معلوم　　ہم نے لکھ لکھ کے جو دفتر ہیں حقیقت سے بھرے

ترک الفت نہ کروں کیونکہ ترے اے بے مہر   بے مروت سیکوئی کیونکہ مروت سے بھرے
چاہیے اس کو ظفر صاف درون پاک ضمیر   دل جو خالی کرے کینہ سے محبت سے بھرے

سرمہ دے چشم میں گر صید فگن تو نکلے   ہدف تیر نگہ ہونے کو آہو نکلے

مطلع ثانی

تجھ سے کیا کام دل اے دلبر گلرو نکلے   جب کہ تجھ میں نہ محبت کی ذرا بو نکلے
ڈرے سے غمزہ قاتل کے یہ خوں جسم میں خشک   بوٹیاں کاٹو تو اک بوند نہ لوہو نکلے
مارے تیشہ کو نہ پھر کوہکن اپنے سر پہ   عشق میں کام جو بے قوت و بازو نکلے
خار خار غم و حسرت کا ہے دل میں یہ ہجوم   کہ مرے جسم سے کانٹے کے عوض سو نکلے
سن کے احوال مرا کوچہ ہوں پتھر پانی   سنگ دل پہ نہ تری آنکھ سے آنسو نکلے
نہ تو دل حور کو دوں میں نہ پری کو اپنا   دوں اسے جس میں کہ کچھ پری سی خو بو نکلے
جو وہ کس واسطے من کش شمشیر اجل   جس کا کام دیکھ کے قاتل ترا ابرو نکلے
پا سکے رمز و کنا کوئی کیا اس کے ظفر   جس کی اک بات میں سو طرح کا پہلو نکلے

ہم کئی بار ان کے گھر ہو آئے   نہ ملے گھر میں وہ ستمگر ہو آئے
شمع ساں جا کے اس کی بزم میں ہم   چشم تر سوختہ جگر ہو آئے
ہائے صیاد جا کے گلشن تک   کیونکہ مرغ شکستہ پر ہو آئے
میری قسمت کا پھیر ہے ورنہ   ابھی واں جا کے نامہ بر ہو آئے
دیر و کعبہ میں کیا کیا ہم نے   پھوڑ کر پتھروں سے سر ہو آئے
کر نہ جس نے زیارت مجنوں   کیو اس کے مزار پر ہو آئے
سب خبردار ہوشیار وہاں   جا کے بیہوش و بے خبر ہو آئے

قطعہ

کبھی کہیں جاتے تھے نہ آتے تھے   جب سے اس در پہ اے ظفر ہو آئے
اب کہیں کوئی پوچھتا ہم سے   کہ چلے ہو کہاں کدھر ہو آئے

دیگر

شہادت سہل کس کو خنجر قاتل سے لی ہے
یہ دولت جس کو ملتی ہے بڑی مشکل سے ملتی ہے

مشابہ ماہ نو سے ہے اگر وہ ابروئے پر خم
تو عارض کی شباہت بھی مہ کامل سے ملتی ہے

چمن میں توڑ کر غنچے ملے تو کیوں نہ لوون سے
کہ شکل اے رشک گل اس کی مہ کامل سے ملتی ہے

کہیں ایسا نہ ہو کھل جائے دل کا راز محفل میں
ہماری آنکھ بھر اس رونق محفل سے ملتی ہے

کے کہتا ہے کیا خنجر ترا شمشیر بھی تیرے
ستمگر ہاتھ پھیلا کر ترے بسمل سے ملتی ہے

شبیہ قیس و فرہاد اس کو دکھلا کر کوئی پوچھے
کہ صورت دیکھ تو کس کی ترے مائل سے ملتی ہے

ظفر اس وقت میں بھاگے ہے دنیا دور دانا سے
جو ملتی ہے تو خوش ہو کر کسی جاہل سے ملتی ہے

دیگر

دو علام کر ہم سے پرستی میں بھولے
نگر ایک ساغر نہ مستی میں بھولے

بگولے کے مانند پھرتے رہے ہم
خیال بلندی و پستی میں بھولے

جو ہو عشق رہبر تو پھر کوئی رستہ
نہ جنگل میں بھولے نہ بستی میں بھولے

اے بت کدہ کعبہ ہے کفو ایمان
خدا کو جو نہ ب پرستی میں بھولے

وہ مفلس نہیں اس کو سمجھو تو نگر
نہ وسان جو تنگدستی میں بھولے

نہیں یاد کیا جانے کیا تھا عدم میں
کہ بالکل وہ ہم آ کے ہستی میں بھولے

پھرے میکدہ سے
چلے خانقاہ کو

ظ راہ میکش جو
مستی میں بھولے

اس جفا کا کیا جو کوئی گلا تم سے کرے
م نے بھی ہم سے کی ایسی خدا تم سے کرے

ڈوبنا منظر ہو جس کو تمہاری چاہ میں
وہ نہیں چاہے دل اپنا آشنا تم سے کرے

جو ستم ہم پر کرے چاہے سپہر پر جفا
پر کرے اتنا تو وہ ہم کو جدا تم سے کرے

پر نہیں ممکن نہ کہدو مدعی سے جا کے تم
کیا کوئی اظہار اپنا مدعا م سے کرے

ہیں لب خندان تمہارے چشمہ آب حیات
ککرے کوئی طلب اب بقا تم سے کرے

باز آئیگے نہیں لم و ستم سے اپنے تم
کوئی عاشق گرچہ کیسی ہی وفا تم س کرے

جس کو تم چاہو کرو تیغ نگہ سے اپنی قتل
جان کیا کوئی سوال خون بہا تم سے کرے

جاؤ تم جسدم تمہارے ساتھ جائے میری جان
ہج کو شرمندہ نہ تاخیر قضا تم سے کرے

آپ بھی رووو رولا وے م کو بھی اے ہمدمو
گر ظفر اپنا بیان کچھ ماجرا تم سے کرے

دیگر

ہوں جو رنج و الم واللہ جھیلے جائیں گے
پر بتوں کی چاہ میں دل کو دھکیلے جائینگے

مطلع ثانی

نے ملازم ساتھ جائیں گے نہ چیلے جائینگے
شاہ جائیں یا گدا یاں سے اکیلے جائیں گے

چشم پر دیکھیں گے میرے گر ہجوم لخت دل
پھر نہ ہندو دیکھنے دریا پہ میلے جائیں گے

تو ولے گا مونگ چھاتی پر ہمارے اور ہم
ہاتھ سے ظالم ترے پاپڑ ہی بیلے جائیں گے

تو غم ہجران سے بھاری پر تل میدان عشق
پل پڑے تو دیکھنا پھر اس کے پیلے جائیں گے

روز ہے تلخی غم اور روز ہے جی بے مزہ
دیکھیے کس دن یہ دن کڑوے کسیلے جائیں گے

عشق بازی سے نہ باز آئیں گے تیرے عشق باز
جب تلک ہے جان اپنی جان پہ کھیلے جائیں گے

جو کریں گے جمع یاں غافل نہیں جائینگے چھوڑ
ہاں مگر ارمان و حسرت ساتھ لے لے جائیں گے

اے ظفر ہم سے نہ جائیں گے جھیلے عشق کے
جان ہی کے ساتھ اپنے یہ جھمیلے جائیں گے

دیگر

ان بتوں کی دوستی ایمان کا نقصان ہے
اور ان سے دل لگانا جان کا نقصان ہے

تیر اس کا دل میں ٹوٹا ہے مجھے شرمندگی
ہو گیا گھر میں بڑے مہمان کا نقصان ہے

پھلکے اڑ جاتے ہیں ٹکڑے دل کے سوز عشق سے
ہوتا اس آتش سے آتشدان کا نقصان ہے

آہ میں وہ جنس ناقص ہوں سر بازار عشق
ہوتا دوکان میں مرا دوکان کا نقصان ہے

ہاتھ آتا ہے بتا کیا تیرے اے جوش جنون
تو جو کرتا جیب اور دامان کا نقصان ہے

اے ظفر بھائی کا گر بھائی نہیں دشمن تو پھر
چاہتا انسان کیوں انسان کا نقصان ہے

کیا کیا وہ انہیں دیکھتے ہیں دھیان سے بیٹھے
ہم پوچھتے ہیں اشک جو دامان سے بیٹھے

کہتے ہیں برا سب انہیں محفل میں تمہارے
کچھ کہتے کہیں سنتے ہو تم کان سے بیٹھے

ہاتھ آیا نہ بوسہ لب شیرینکا تو ہم ہاتھ
ملتے رہے مثل مگس ارمان سے بیٹھے

جن کو ہے یہ معلوم کہ یاں ہم ہیں مسافر
بے کر ہیں وہ کیوں سرو سامان سے بیٹھے

زلفیں نہیں چہرے پہ وہ در مار سیہ ہیں
اس حسن کی دولت پہ نگہبان سے بیٹھے

جو دل میں تمہارے ہے وہ سب جانتے ہیں ہم
در چند کہ ظاہر میں ہیں ان جان سے بیٹھے

اس منزل ہستی سے ظفر اٹھ گئے سب یار
اور جو رہے باقی وہ ہیں مہمان سے بیٹھے

آج مہتابی پہ کیا کوئی مہ دلخواہ ہے
چھپنی بھر پانی میں ڈوبا شرم سے جا ماہ ہے

پا برہنہ جہاں مجنون ترا اس دشت میں
بخش جائے خار ہے اور خار جائے گاہ ہے

جانتا ہے کوئی بھی مجھ سا خدائی میں کہیں
حسن پر مغرور اپنے وہ بہت گمراہ ہے

یاد میں اس قامت رعنا کے ہم ہیں نالہ کش
سرو و شمشاد و چمن سے بہتر اپنی آہ ہے

مجکو ڈر ہے یہ کہیں اس چاہ میں جائے نہ ڈوب
دل کو اس چاہ زنخدان کی نہایت چاہ ہے

اے پری یہ جو بگولا خاک کا ہے دشت میں
تیرے وحشی کا یہی بس خیمہ و خرگاہ ہے

دل کو دل سے راہ ہے کیا ہو گا سد راہ
مجکو اس سے راہ ہے اور اس کو مجھ سے راہ ہے

فرق جو مجھمیں اور مجنون میں پوچھو عشق سے
مجھ سے بھی واقف ہے یہ اور اس سے بھی آگاہ ہے

کوئی سنگین تو کیا سو کوہ بلجائیں ظفر
تیری بھی نام خدا وہ ضرب الاللہ ہے

دیگر

شرر آہ جو میرا جگر شوق جھاڑے
تاب کیا برق مرے سامنے چقمق جھاڑے

سیر دریا تجھے منظور ہے گر اے مہوش
کہدے ملاح سے تا جلد وہ ذورق جھاڑے

جھاڑے دامن سے مری خاک و لیکن افسوس
گرد کین دامن دل سے نہ وہ مطلق جھاڑے

پھول سے تیرے جھڑیں منہ سے تو غیرت سے صبا
پھر چمن میں نہ گل دسوسن و زنبق جھاڑے

شیخی جھڑ جا ویگی ساری ابھی اس کی کہدو
بات تجھ پر نہ بنا کر کوئی احمق جھاڑے

گل بنے مجھ پہ چمن میں اگر اے رشک چمن
خوب اس کو ترے رخسار کی رونق جھاڑے

ہے کہاں عشق میں مجنوں کو ظفر یہ رتبہ
جیسا بری وہ اے مرشد برحق جھاڑے

دیگر

دھڑی مسی کی جو الغل لب پہ ہان یون ہے کہیں بھی آتش یاقوت پہ دھنوان یون ہے

ہمارے آہ کی ناگن نے اوڑ کے کاٹا ہے تمام ہو گیا نیلا یہ آسمان یون ہے

تمہارے ابرو پہ خم سجاؤ اللہ خمیدہ دیکھی نہیں تیغ اصفہان یون ہے

اشارہ ہے کہ ملیں گے ہم اور اونچوں سے لگائی آپ نے کوٹھے پہ نردبان ہون ہے

نہ ان سے ترک فا ہو نہ ہم سے رک وفا ارادہ اب تو وہان دون ہے اور یہان یون ہے

تمہارے ابرو مژگان کے واہ واہ قربان کیون نہ تیرے سیدھا خم کمان یون ہے

کسی سے وعدہ خلافی ظفر نے کب کی ہے

کہ بر خلاف ہوا اس سے اک جہان یون ہے

تم بزم غیر مین یومے بے حجاب پیجئے ہم خون دل ہین اپنا جائے شراب پیجئے

اس مست نے جو دیکھا سیتہ مین بھووکو سجا کر دو تگر ہین دریا مین آب پیجئے

اس بزم میٹھونا گر پاس آبرو کا آنکھوںیں اشک بھر کر ہم کیون شتاب پیجئے

کرتے ہین زندگانی ہم یون بغیر تیرے دن رات غم ہین کھاتے اور خون ناب پیجئے

نسخہ مرے مرض کا پاتے نہیں اطبا دھو دھو کے ہین وہ آپ ہی اپنی کتاب پیجئے

لون ان لبون کا بوسہ جب وہ عرق مین تر ہون شربت مین ہم ملا کر اکثر گلاب پیجئے

قلیان کو گرچہ عالم مکروہ ہین بتاتے

پر اے ظفر ہین اب تو سب شیخ و شاب پیجئے

نہ کیونکہ شوق کی گرمی سے دل کا داغ جلے وہ کہہ گئے ہین کہ آئین سے ہم چراغ جلے

مری طرح سے جو آتش نفس ہو تو بلبل تو ایک نالہ سے تیرے تمام باغ جلے

پڑے جو مے مین ترا عکس روے آتشناک تو آفتاب نہ کیون دیکھ کر ایاغ جلے

اگر ذرا تری وحشت زدون کا نالہ گرم شرر فشان ہو تو دامان کوہ زاغ جلے

اتحاد پردہ فانوس کو جو تو اے شمع تو خوب بزم مین پروانہ با فراغ جلے

نہیں ہے سوز و محبت مین کچھ انہیں پروا بلا سے جان جلے دل جلے دماغ جلے

ظفر ہے رشک سعید و سپہ بد خصالونکو ہما کو دیکھ کے کیونکر نہ دل مین زاغ جلے

دیگر

عزیزو اس ستمگر سے محبت کی تو ہم نے کی
تمہیں کیا جان سے اپنی عداوت کی تو ہم نے کی

جو مشق تیشہ رانی کی تا کیا کر کوہکن تو نے
ہمیشہ سینہ کاوی کی مشقت کی تو ہم نے کی

نکر تے یاد وہ قامت تو اٹھتی ہمپہ کیوں آفت
یہ برپا اپنے سر پر اک قیامت کی تو ہم نے کی

ہوئے سب بادہ کش محفل میں شب ساقی کے مےکش
یہ برپا اپنے سر پر اک قیامت کی تو ہم نے کر

کہا درد والم نے کنج تنہایہ میں یہ مجھ سے
فقط خون جگری ہی پر قناعت کی تو ہم نے کی

کہا اس بیوفا نے کیا دل اپنا دیکے آپ اس کو
کر چھوڑا سب نے تجکو اک رفاقت کی تو ہم نے کی

اٹھایا سر کو سجدہ سے نہ محراب دو ابرو میں
گوارا جان پر اپنی مصیبت کی تو ہم نے کی

ظفر وہ شعلہ خو کیونکر نہ ہم پر آگ بنجائے
جو عابد ہیں تو ہم ہیں اور عبادت کی تو ہم نے کی

زبردستی لیا بوسہ شرارت کی تو ہم نے کی

دیگر

یوں تو ہیں ہم بہت حسین پاتے
کاش تجھ سا مگر کہیں پاتے

دل پہ درد اپنا پہلو میں
ہم میں ہمدرد ہمنشیں پاتے

الف مشکیں سے ہم ترے ہمسر
نہیں مشک تتارو چیں پاتے

دیکھتے جکو ہم جو گریہ سے
فرصت اے شوخ مہ جبیں پاتے

پانوھ کے آبلے سے کانوں کے
ہم تو ہیں زیر پوستیں پاتے

باغ میں سامنے ان آنکھوں کے
ہم ہیں نرگس کو شرمگیں پاتے

جیسا وہ لعل لب ہے ہم ایسا
نام کو بھی نہیں نگیں پاتے

کہے ہم اپنا حال تنہائی
تم کو تنہا اگر کہیں پاتے

غیر تو ہے ظفر کر شکوں سے
ہم ہیں بری آئین پاتے

پہونچتے خاک ہیں آنکھوں میں سکی ڈال کے ہم — تری گلی میں بھلا پاسبان دیکھ تو پائیں

تمہاری ہو وینکی زاہد بھی اے بتو بندے — ذرا وہ کوئی ادا کوئی آن دیکھ تو پائیں

رکھیں گے ہم بھی فلک سے خوشی کی پھر امید — کسی کو شاد نہ اے آسمان دیکھ تو پائیں

نکل رہیں گے تری زلف پر شکن کے بل — مگر ہم اب کی گگے تیرے کان دیکھ تو پائیں

جو کھوئیں آپ کو ہم جستجوے جاناں میں
ظفر کہیں نہ کہیں کچھ نشان دیکھ تو پائیں

جو موسم بہار میں مست شراب ہوں گے تو ہوں — کسی کو کیا ہے ہم آپ ہی خراب ہوں گے تو ہوں

کبھی تو ہاتھ سے اپنے پلا شراب ہمیں — رقیب رشک سے جل کر کباب ہوں گے تو ہوں

سہیں گے تیرے ستم ہم تمہیں اے ظالم — جو ہم پہ جور و جفا بے حساب ہوں گے تو ہوں

بیان کریں گے ہم آج اوس سے سوز دل اپنا — وہ سن کے ہم پہ جو گرم عتاب ہوں گے تو ہوں

تمہارے کہنے سے اوس یار کو نچھوڑیں گے — خفا جو حضرت ناصح جناب ہوں گے تو ہوں

گئے ہیں کوچہ گیسو میں بن کہے میرے — بلا سے حضرت دل گر خراب ہوں گے تو ہوں

ظفر وہ روے کتابی ہی ہم تو دیکھیں گے — جو خوردہ گیر یہ اہل کتاب ہوں گے تو ہوں

دیگر

ہے تصویر تیری مژگاں کا جو دلبر آنکھ میں — چبھ رہے ہیں سینکڑوں نشتر پہ نشتر آنکھ میں

مطلع ثانی

کوئی تو رہتا ہے اپنی ماہ پیکر آنکھ میں — ہے جو تارے کی طرح چمکی سنور آنکھ میں

مطلع ثالث

بھیج کر ہم کو نہ سمجھے تو ستمگر آنکھ میں ‏ جون بصارت میں رکھوں تجھ کو مقرر آنکھ میں

ناگہاں اوس خال لب کا یوں تصور آ بندھا ‏ اوڑ کے پڑ جائے کسی کے جیسے کنکر آنکھ میں

یاد دندان میں جو روئے ہم ترے اے بحر حسن ‏ بن گئے آنسو ہمارے صاف گوہر آنکھ میں

کیوں نہیں دل پر لگاتا ہم سیہ بختوں کے تیر ‏ سرمہ و نبالہ دار اے شوخ دیگر آنکھ میں

عشق میں لخت و لخت جگر کے روبرو ‏ لعل بھی ہے ایک اپنی لال پتھر آنکھ میں

ہے جو بن تیرے زمانہ اپنی نظروں میں سیاہ ‏ بن گیا ہے سرمہ نور ماہ انوار آنکھ میں

کیوں نہ ہر لحظہ سمایا اپنی آنکھوں میں رہے ‏ ہے برنگ مردمک اوس ماہ کا گھر آنکھ میں

خاک میں ہم کو ملائیں گے برنگ نقش پا

وہ جو آئے ہیں ظفر سرمہ لگا کر آنکھ میں

بوسہ رخ دو ہمیں دل ہم اپناد یں تمہیں

درد دل اپنا صنم کیوں نہ ہم تجھ سے کہیں

چپ رہا جاتا نہیں کب تلک چپکے رہیں

وہ عبث ہیں کوستے اے بن کیونکر مریں

تو ہمیں دے گالیاں ہم دعائیں تجھ کو دیں

بھر رہا ہے کیوں مرا دل پھر آنسو بہیں

چشم و دل دونوں برے ہم بھلا کس کو کہیں

یہ ترے جور ستم یار ہم کب تک سہیں

اس غزل پہ سب ظفر

آفریں تج کو کہیں

مری لے جاتا واں خبر ہے کون — مجھے بتلا دو وہ بشر ہے کون

جو مقابل تری نگاہ کے ہو — ایسا رکھتا دل و جگر ہے کون

بار غم جیسے دل پہ ہم نے لیا — بوجھ یوں لیتا جان پر ہے کون

سوز الفت نہیں ہم تو آگ — پھر لگاتا ادھر و ادھر ہے کون

دیکھ کر جس کو کھل گئیں آنکھیں — ایسا آیا تو مجھے نظر ہے کون

زلف و رخ کے سوا نہیں معلوم — شام ہے کون اور سحر ہے کون

جس کو ہووے نہ خواہش دنیا — ایسا دنیا میں وہ بشر ہے کون

قطعہ

بعد استاد ذوق تیرے سوا — رکھتا فہمید شعر تر ہے کون

لکھ اسی قافیہ میں اور غزل — تجھ سے بہتر اب اے ظفر ہے کون

دیگر

نہیں رکھتا ہوں یہ خبر ہوں کون — اور کچھ ہوں کہ ہوں بشر ہوں کون

زلف تیری جو کان لگتی ہے — جانتی وہ نہیں سحر ہوں کون

ترے دامن سے رگ لیتا ہوں — تیرا ہوں مشت خاک در ہوں کون

کیا بتاؤں تجھے میں اے ہمدم — پر ہنر ہوں کہ بے ہنر ہوں کون

کبھی گھر میں جو آئے تو میرے — میں بھلا شوخ فتنہ گر ہوں کون

نہیں کھلتا یہ آج تک مجھ پر — آگیا واں سے یاں کدھر ہوں کون

کوئی کہتا ہے جو وہ آتے ہیں — پوچھتا اوس سے جاکر ہوں کون

بندہ بادشاہ مطلق ہوں — گرچہ رکھتا ہوں تاج زرہوں کون

وہ جو کہتا ہے مجھ کو کون ہے یہ — آتا بے دید کو نظر ہوں کون

کوئی پہچانتا بھی ہے مجھ کو — شاہ ہوں یا گدا ظفر ہوں کون

دیگر

یوں تو بندھوائے حنائے بت بے پیر کو پاؤں
چھٹنے دیتی نہ پہ عاشق دلگیر کو پاؤں

چلتی میدان میں ہے یونہیں دم قتل عشاق
نہیں درکار ہیں قاتل تری شمشیر کو پاؤں

بے ادب زلف ہے کیا روے مخطوط پہ ترے
کر لگاتی ہے یہ قرآن کو تفسیر کو پاؤں

اے جنون رکھتا ہے آغوش ہی میں اپنی سدا
بسکہ بھاتے ہیں مرے حلقہ زنجیر کو پاؤں

ذبح کرتا نہیں وہ صید فگن کیا ہے ستم
ڈال دیتا ہے یونہیں باندھ کے نخچیر کو پاؤں

دشت گردی میں جنون عمر ہوئی اپنی بسر
نہ تھکے دیکھ تو ہوں گردش تقدیر کو پاؤں

اے ظفر یوں جو پھرتا ہے مجھے جون خورشید
توڑتے ہیں مرے شاید فلک پیر کو پاؤں

کل دیکھا جو گھر کے ترے دیوار میں روزن
لاکھوں ہی پڑے ہیں سینہ افگار روزن

تیر نگہ ناز سے ہیں تیرے ہزاروں
چھلنی کی طرح میرے دل زار میں روزن

شب دیکھ کے کہتے تھے ستاروں کو ہم مست
کہتے ہیں دل چرخ ستمگار میں روزن

پہونچے جو مرے نالہ شبگیر کا اک تیر
ہوں سینکڑوں اس گنبد دوار میں روزن

سوراخ کرے دل میں نکیوں اشک کہ ہووے
اس ہیرے سے اس گوہر شہوار میں روزن

روزن کی طرح اپنی کھلی رہ گئیں آنکھیں
آئے جو نظر آج در یار میں روزن

مستوں کے ہو سوراخ ظفر دل میں جو دیکھیں
گر کوئی خم خانہ خمار میں روزن

دیگر

دیدہ تر کو جو پوچھا میں نے رکھ کر آستین
بن گئے تکمہ حباب اور موج یکسر آستین

مطلع ثانی

موج دریا سے نہو کس وجہ ہمسر آستیں
روز شب رہتی ہے میری چشم تر پہ آستین

موج طوفان خیز اوسکو دیکھ کر کہتی ہے خلق
اوس نے پہنی ہے قبا کی اپنی چن کر آستین

سر و ہمسر ہو سکے تیرے قدر دلجو سے کیا
کیا چڑھاتا ہے تو اے رشک صنوبر آستین

خار صحراے اوڑائیں دھجیاں دامن کی کیا
چاک ہے دشت جنون سے بھی سراسر آستین

اشک اپنا بھی کوئی اے مردمان طوفان ہے
چھوڑتا ہرگز نہیں یہ طفل اختر آستین

تیغ کو تکتے ہیں وسدم اوسکے جانبازان عشق
جب اولٹتا کہہ کے ہے اللہ اکبر آستین

مجکو ڈر ہے یہ مبادا کوئی دامنگیر ہو
خون سے آلودہ ہے تیری اے ستمگر آستین

ابر نیساں کیوں نہو خجلت سے پانی اے ظفر
طرفہ تیرے کلک کے جھاڑے ہے گوہر آستین

دیگر

زاہد نہ بادہ نوش ہوں نے مے پرست کیوں
رہتا شراب عشق ہی سے خوب مست ہوں

کہتا ہے میرا نالہ کر نہ بام چرخ پر
چڑھ جاتا ہوں میں ابھی اس و جو اک کرتا جست ہوں

گردش میں ہوں سپہر کی مانند روز و شب
اک لحظہ پھر کہیں نہیں کرتا نشست ہوں

مانند گرد باد جنون تیرے ہاتھ سے
کیا کیا سدا میں دیکھتا بالا و پست ہوں

یہ نفس کافر اور بھی کرتا ہے سرکشی
ہر روز اس حریف کو دیتا شکست ہوں

وہ مست ہو گیا بھی اگر باغ میں کبھی
پھروں ہی لوٹتا میں تہ دار بست ہوں

ہستی کے میکدے میں ظفر کب ہوا سرور
روز ازل سے مست شراب الست ہوں

پان کھا کر نہ رقیبوں سے کیا کر باتیں
رنگ لائیں نہ تری کرنی چبا کر باتیں

دیکھو تقدیر جو اک بار ادھر آتے ہیں
جاتے ہیں لاکھوں ہی وہ ہم کو سنا کر باتیں

ہمدمو انکو مری شکل سے نفرت ہی سہی
سن تو جائیں مری وہ دو کہیو آ کر باتیں

کیا تماشا ہے نہیں کرتے نکھر بھی وہ ادھر
کرتے ہیں غیر سے کیا آنکھ ملا کر باتیں

بزم جاناں میں دلا منہ سے کس و ناکس کے
تجھے منظور جو سننی ہیں سنا کر باتیں

تجھے اے شوخ غضب یاد ہے ڈھب ملنے کا
سب سے مل جائے ہے دوچار ملا کر باتیں

دل سے ہم اپنے دل اے یار جدائی میں ترے
کرتے ہیں دو دو پہر اشک بہا کر باتیں

مجھے ڈر ہے کہ نہ مفسد کہیں بھڑکائیں او نہیں
جھوٹی سچی مری جانب سے لگا کر باتیں

آپ سے آپ ہی وہ ہم سے بگڑ جاتے ہیں
کچھ نہ کچھ ہم پہ ظفر روز بنا کر باتیں

رحم کچھ آئے جو اوس رشک پری کے جی میں
کیونکہ جی ڈالیے پر اپنا کسی کے جی میں

نہ ملا قطرہ مئے دور میں تیرے ساقی
خون دل بیٹھ رہے اپنا ہی پی کے جی میں

چشم میگون وہ ہمیں یاد جو آئی تو مزے
آ گئے صاف شراب عجمی کے جی میں

کوئی سمجھائے اوسے میری طرف سے غمخوار
اتنی آتی نہیں افسوس کسی کے جی میں

مجھے دکھلاتا جو اپنے قد رعناک کی بہار
کبھی آتی نہ مرے سرو سہی کے جی میں

وہ جو آ نکلے تو سارے ہی فراموش ہوئے
بھر رہے تھے مرے شکوے جو کبھی کے جی میں

وہ جو آئے بھی تو کیا آئے نہ دم بھر ٹھہرے
اے ظفر رہ گئے ارمان تو جی کے جی میں

دیگر

مست ہمیں لا تو نے کچلواب جو پھوٹیں کچلیاں
ایک دن ہو گا کہو گے ہائے ٹوٹیں کچلیاں

مطلع ثانی

پھوٹ کر روتے تھے ہم تھیں جبکہ پھوٹیں کچلیاں
دل ہی ٹوٹا ہائے اپنا جو جب ٹوٹیں کچلیاں

عہد پیری تک حفاظت ہم نے کی اے چرخ
تیرے زنبور ستم سے پر نہ چھوٹیں کچلیاں

دیکھ کر تارے نشے میں رات کو کہتے تھے مست
منہ میں چرخ پیر کے کس طرح چھوٹیں کچلیاں

کیونکہ ہو جائے دہن بالکل نہ بے رونق
رہزن پیری نے لوٹے دانت ٹوٹیں کچلیاں

دیگر

ہمدمو آٹھ پہر عشق میں غم کھاتے ہیں
کس کو ملتی ہے غذا ایسی جو ہم کھاتے ہیں

پیچ و تاب اپنا دل زار ہے کھاتا کیا کیا
ہاں زلفوں کے ترے رخ پہ جو خم کھاتے ہیں

آب گریہ مرا آ جائے جو طغیانی پہ
غوطے افلاک ابھی دیدہ نم کھاتے ہیں

نیشکر کو نہیں اس طرح سے کھاتا کوئی
جس مزے سے ترے ہم تیر ستم کھاتے ہیں

کھاتے ہیں حضرت دل عشق میں یوں لاکھوں داغ
جیسے مسرف کہیں دینار و درم کھاتے ہیں

سبزہ رنگوں کی محبت میں ہیں ہم اتنے تنگ
ہاتھ آئے اگر اپنے ابھی سم کھاتے ہیں

اے ظفر دل سے محبت ہے رقیبوں کی اونہیں
کیا ہوا گرچہ بظاہر وہ قسم کھاتے ہیں

دیگر

عرق جو روے گلگون بت پرفن سے میں پوچھوں

تو گویا اوسکے رخسار گل گلشن سے میں پوچھوں

سرشک خون کسی صورت نہیں تھمتے نہیں تھمتے

کہاں تک دیدہ خونبار کو دامن سے میں پوچھوں

اسی سے ہے مری زیبائش تن خاکساری میں

غبار کوے جاناں کیونکہ اپنے تن سے میں پوچھوں

جو خون آلود ہے شمشیر قاتل کی تو ہونے دو

مجھے کیا کام جو سرخی لب دشمن سے میں پوچھوں

ابھی ہر تار دامن کا ہر تگہ موج دریا ہو

جو چشم اشکبار اپنی ذرا دامن سے میں پوچھوں

جو پوچھوں خاک تن سے اے جنوں کس چیز سے پوچھوں

جو پیراہن ہو میرے پاس پیراہن سے میں پوچھوں

مسی آلودہ لب سے گر پسینا اے ظفر پوچھوں

تو شبنم باغ میں برگ گل سوسن سے میں پوچھوں

اے بتو تم جیسے اہل بغض و کین ہوتے نہیں   اور ایسے دشمن ایمان و دین ہوتے نہیں

مطلع ثانی

عشق کے بندے جو تم سے نازنیں ہوتے نہیں ‏ بندہ پرور ہم سے بھی اندوہگیں ہوتے نہیں

ناصحا بیٹھا بنا باتیں یونہیں بے فائدہ ‏ یہ سخن تیرے تو اپنے دلنشیں ہوتے نہیں

ہم سے کرتے ہیں عدو کس بدزبانی سے کلام ‏ کیا تماشا ہے کہ دل میں شرمگیں ہوتے نہیں

رات جاتی ہے گزر اختر شماری میں ہمیں ‏ یاد سے غافل ترے اے مہ جبیں ہوتے نہیں

کب نہیں ہوتی ہمارے واسطے تیغ قضا ‏ دیکھ کر کب قتل ہو چیں بر جبیں ہوتے نہیں

خال کاجل کا بناتے ہیں وہ جب رخسار پر ‏ ہمدمو محفل میں جس دم نکتہ چیں ہوتے نہیں

دیکھتے ہیں کب ترے جوڑے کو اے کافر کہ ہم ‏ کھا کے ڈسا دل پہ بیدم بس وہیں ہوتے نہیں

اپنی اپنی محفل جاناں میں کہتے ہیں سبھی ‏ اے ظفر افسوس اوس جا اک ہمیں ہوتے نہیں

دیگر

ہمیشہ لعل ہی تجھ سے تو چشم تر برستے ہیں ‏ وگرنہ ابر نیساں سے کبھی گوہر برستے ہیں

جنون رحمت تجھے تیری بدولت دست طفلاں سے ‏ جدھر کو ہم نکلتے ہیں اودھر پتھر برستے ہیں

عجب ہی میکدہ میں جھگڑے ہوتے ہیں مستوں کے ‏ ذرا بادل کبھی گر ساقیا جمکر برستے ہیں

ہوئے اوس ابروے خمدار پر جس دن سے ہم مائل ‏ کمان چرخ سے تیر بلا ہم پر برستے ہیں

شب فرقت میں کیا کیا آہ آتشبار سے اپنی ‏ سحر تک ایک انگارے سے اے کافر برستے ہیں

تصور ہے در دندان و لعل لب کا جو تیرے ‏ سدا آنکھوں سے اپنے لعل اور گوہر برستے ہیں

نکلتے ہیں کڑک کر دل سے نالے کے اثر کچ ہے ‏ گرجتے ہیں جو بادل اے ظفر کم تر برستے ہیں

دیگر

کوچہ جاناں میں ہم گریہ کناں بیٹھے تو ہیں / اشک وہ پوچھے نہ پوچھے مرد ماں بیٹھے تو ہیں
دیکھیے ہوتا ہے کب تک مہربان وہ ماہوش / ہم اسی امید میں اے آسماں بیٹھے تو ہیں
کیا غرض ہمکو جو ہوں منت کش تیغ اجل / قتل ہونے کو ترے ہاتھوں سے ہاں بیٹھے تو ہیں
مرمٹیں گے تو بھی کوچے سے اٹھیں گے ترے / جم کے مثل نقش پا جان جہاں بیٹھے تو ہیں
دیکھیے کرتا ہے کب تک وہ کمان ابرو ہدف / کر کے ہم اپنی ولا خاطر نشان بیٹھے تو ہیں
ٹھوکریں کس کس کی کھائیں دیکھیے جون سنگ ماہ / کوچہ دلدار میں ہم ناتواں بیٹھے تو ہیں
پوچھتے ہو تم ظفر کو یاں وہ آئے یا نہیں
آپ او نہیں کہتے ہیں کیا اے مہربان بیٹھے تو ہیں

ہم آہ درد جدائی کہیں تو کس سے کہیں / نصیب تیرے برائی کہیں تو کس سے کہیں
غبار دل میں ہے ان کے ہماری جانب سے / عزیز و بہر صفائی کہیں تو کس سے کہیں
سمجھتے ہیں ہم اسے نارسائی تقدیر / جو واں نہیں ہے رسائی کہیں تو کس سے کہیں
ہمارے دل میں ہے اے شورش غم پنہاں / جو تو نے آگ لگائی کہیں تو کس سے کہیں
حقیقت شب ہجران و روز فرقت ہم / بتاتے ہیں وہ رکھائی کہیں تو کس سے کہیں
ہمارے قصہ غم غم سنے تو کون سنے / یہ رنج و درد و جدائی کہیں تو کس سے کہیں
جو دوستی میں بتونکی ہے اپنا حال ظفر / عدو ہے ساری خدائی کہیں تو کس سے کہیں

دیگر

دندان وہ خوشنما دہن سیمبر میں ہیں — ایسے گہر نہیں کسی درج گہر میں ہیں
کیا منہ ہے ابر کا جو کرے گا مقابلہ — دریا بھرے ہوئے وہ مری چشم تر میں ہیں
ہم سینہ چاک رہتے کتان کی طرح مدام — کیا شوق دید عارض رشک قمر میں ہیں
کھاتے ہیں جس مزے سے کماندار تیرے تیر — ہم پاتے یہ مزا ہی نہیں نیشکر میں ہیں
دونوں طرف یہ جذب محبت کا ہے اثر — ہم تنگ اپنے گھر میں وہ اپنے گھر میں ہیں
گردش زدوں کو تیرے نہیں ایک جا قیام — رہتے فلک کی طرح ہمیشہ سفر میں ہیں
کرتے ہیں او سکے ہاتھ قلم اس خطا پہ وہ — خط دیکھتے جو میرا کف نامہ بر میں ہیں
آنکھیں جو یوں چراتے ہو تم مجھ کو دیکھ کر — بہکانے والے آپ کے میری نظر میں ہیں
لکھ دوں جو دو گھڑی میں تو پھر قاصد اے ظفر
لاتے جواب نامہ مرا دوپہر میں ہیں

ردیف الواو

تم کسی دن سنو کہ رات سنو — کبھی دل کی تو میری بات سنو
لب شیریں کا دو گے کیا بوسہ — جب ہماری صنم نہ بات سنو
غافلو تم ذرا سنبھل کے چلو — تنگ ہے عرصہ حیات سنو
تمہیں یہ بدصفات کچھ ہی کہیں — تم اگرچہ ہو نیک ذات سنو
سنتے جھگڑے ہو روز غیروں کے — کبھی میری بھی واردات سنو
شیخ کیا جانے دختر رز کو — منہ سے رندوں کے تم صفات سنو
اے ظفر گوش دل سے تم اپنے — قصہ دور بے ثبات سنو

دیگر

دریاے اشک تا بفلک پہونچا رات کو کیوں بولیں جھوٹ پانی لگا مینہ کا ہات کو

رکھتی گرہ میں دام ہے وہ زلف خم بخم چاہے ابھی خرید لے سب کائنات کو

کیا کیا سکے نہ رشک سے شمشاد باغ میں وہ سروقد کھاے اگر اپنی گات کو

پروانے کو جلا کے کیا خاک بزم میں لگ جاے آگ شمع ترے التفات کو

کوچہ میں عشق کے ہیں برابر شہ و گدا کب پوچھتا ہے واں کوئی ذات و صفات کو

ہوتا نگین کی طرح سے ہے نامور وہی کر لیتا دل پہ نقش جو ہے ٹھیک بات کو

دیوان ظفر کا دیکھ کے کاتب ہیں کہہ رہے

لکھیں کہاں تلک ترے ہم کلیات کو

ساتھ لو ہم کو تم جھگڑے نہ پھرو ڈر ہیں اس پھرنے میں پڑے نہ پھرو

میکشو خوش کہاں جو تم جب تک ساتھ مے کے لئے گھڑے نہ پھرو

پھرتے آوارہ کیوں ہو حضرت دل اوس گلی میں رہو پڑے نہ پھرو

جس پہ اڑ جاؤ تم یقین ہے کہ پھر رہو اوس بات پہ اڑے نہ پھرو

اس زمانے کے چکنے چہروں میں تم بھی چکنے بنے گھڑے نہ پھرو

کون کہتا ہے تم سے پھر آؤ بات سن لو کھڑے کھڑے نہ پھرو

کیا غضب ہے کہ تم نہ جاؤ کہیں چھن کر پاؤں میں کڑے نہ پھرو

اے ظفر جاؤ کوے قاتل کو اور اگر جاؤ بن لڑے نہ پھرو

تم ہو دل کے اگر کڑے نہ پھرو

دیگر

اگر ہو خوش وضع ہو تم ہو رخوش اوقاتوں میں ملتے ہو

تو مل کر تم بروں سے کیوں بری باتوں میں ملتے ہو

گلے ملنا شب وصل آپ کا ہے عدو مجھ کر مشکل

ہزاروں منتوں سے تم کئی راتوں میں ملتے ہو

نہیں آتے یہاں جس دن کہ ہوتی ہے ذرا بدلی

عدو سے جا کے کیسی کیسی برساتوں میں ملتے ہو

جو مل کر تم سے وہ چاہیں ملا دیں خاک میں تم کو

تو پھر اے حضرت دل دو ملاقاتوں میں ملتے ہو

بہت سی آپ کے ملنے کی ہم گھاتیں لگاتے ہیں

کہیں جب ہم سے تم یکبار سو گھاتوں میں ملتے ہو

مشابہ ہم بھی سب ڈھنگوں میں ہیں فرہاد سے دیکھو

اگر شیریں سے تم اے جان سب باتوں میں ملتے ہو

ظفر ملتے تھے آگے صوفیوں سے خانقاہوں میں

پر اب تو میکشوں سے تم خراباتوں میں ملتے ہو

دیگر

زمیں پہ رکھتے سمجھے جو کر اپنے زور میں پاؤں — وہ اب ضعیف ہیں لٹکائے بیٹھے گور میں پاؤں

چھٹا نہ طائر دل تار زلف سے ہرگز — پھنسا یہ پھندے میں ایسا الجھ کے ڈور میں پاؤں

خلیدہ ہوں گے کف پا میں خار مژگاں کے — نہ ڈال دیکھ سر راہ چشم مور میں پاؤں

مجال کیا کہ جو پھیلائے رشتہ سوزن — تمہارے زخموں کے زخم دل کے چور ہیں پاؤں

ہوس کو دخل ہے کیا دل میں کور باطن کے — رکھے ہیں چور یہ بے ڈر مکان گور میں پاؤں

کرے رخ نمکین کے عرق سے اوس کے عدو — ظفر سے کہتا ہوں ڈالے نہ آب شور میں پاؤں

حلال خور کے گھر جائیے ظفر لیکن

نہ رکھیے کوے حریص حرام خور میں پاؤں

نہ اتنا دوڑ چلو عاقلو ٹھہر کے چلو — چڑھو نہ باد کے گھوڑے پہ تم اتر کے چلو

مطلع ثانی

دکھاتے ناز تم اپنے ٹھہر ٹھہر کے چلو — مگر نہ دوش پہ غیروں کے ہاتھ دھر کے چلو

الٰہی خیر ہو درپے ہے پھر دل بیتاب — کہ اوٹھو کوچہ میں اوس شوخ فتنہ گر کے چلو

جو دل میں ہو نہ کتر بیونت اور کچھ منظور — تو دیکھ کر ہمیں رستہ نہ تم کتر کے چلو

سنبھالو اے رفقا مجکو تو ان ہون میں — اٹھاؤ جلد نہ اتنے دم ٹھہر کے چلو

نکالا خط کے یہ لکھنے کا تم نے وہ عنوان — کہ اوسکے چڑھنے کو تم ساتھ نامہ بر کے چلو

فرو ہوئی نہیں آتش ہمارے دل کی ابھی — ہماری خاک پہ دیکھو نہ پاؤں دھر کے چلو

یہ سارے جان کے جھگڑے ہیں جان دینہ انہیں — تم آج حضرت دل فیصلہ ہی کر کے چلو

خفا رہوگے کہاں تک ہت رہی خفگی — بس اوٹھو مشفق من خوش ہوکر ظفر کے چلو

دیگر

ہر بات پر جو میری تم بات کاٹتے ہو — محفل سے شاید اپنی مجکو او چاٹتے ہو

تم زیر سقف گردون یارو کرو گزارا — کے دن کے واسطے یان چھت گھر کی پاٹتے ہو

بس واسطے خدا کے اے ناصحو سدھارو — بک بک کے کیوں ہمارا تم مغز چاٹتے ہو

تیغ نگہ لگاؤ اس چار پارہ دل پر — دیکھیں تو ہم بھی کیسے چورنگ کاٹتے ہو

دیوانوں سے یہ اپنے کہدو کہ خاک اوڑا کر — کیں و گرد میں ہمیشہ گردون کو آٹتے ہو

جس روز تلخ کلامی سنتے ہو کچھ ہماری — اوس روز تم مٹھائی یاروں میں باٹتے ہو

اوس لعل شکرین کی بوسہ کی چاٹ تم کو — ایسی ظفر لگی ہے ہونٹوں کو چاٹتے ہو

دیگر

بڑھا دے گر نہ جوہر عزت و توقیر آہن کو
جو سمجھیں تیغ چوبیں سے کمتر شمشیر آہن کو

گلے میں پہنیں جو زنجیر زر کو وہ پری اپنے
تو یہ دیوانہ ڈالے پاؤں میں زنجیر آہن کو

برہمن اوس صنم کی دیکھے گر تصویر کاغذ پر
نہ تصویر حجر کو پوجے نے تصویر آہن کو

دل پرسوز سینہ میں ہمارے ہے وہ انگارہ
اٹھائیں گی نہ تاب اوسکی نہ آتشگیر آہن کو

گرانبار ون کو ہے صحبت سبکبار ون سے نازیبا
کر تنکے کی کمان میں کون چھوڑے تیر آہن کو

محل مٹی کا ہے انسان کا تو قالب خاکی
فنا ڈھا کر ملا دے خاکسو میں تعمیر آہن کو

عجب کیا فیض صاحبدل سے پہونچی تیرہ بختونکو
بدل دیتا ہے پارس اے ظفر تاثیر آہن کو

دیگر

کیا دیکھے کوئی اوس رخ روشن کی تابکو
جس کے نہ دیکھنے کی ہو تاب آفتاب کو

بوے عرق سے یار کے خوشبو ہے یہ دماغ
ہم سونگھتے نہیں کبھی عطر گلاب کو

سودا مجھے نہیں تری زلفوں نے اے پری
دیوانہ کر دیا دل خانہ خراب کو

ہے شوق بوسہ لب میگون ترا جنہیں
نشہ بھی نہیں لگاتے وہ جام شراب کو

ہم نے دیا وہ معرکہ عشق میں جواب
سب لاجواب ہو گئے سن کر جواب کو

کہتے ہیں بادہ نوش نشے میں شفق نہیں
شیشے میں آسمان کے بھرا ہے شہاب کو

دود جگر جو میرا گھٹا زیر آسمان
دیکھا نظر سے سب نے گھٹا کر سحاب کو

جب یاد آ گیا نمکین حسن یار کا
مرچیں سی لگ گئیں مرے دل کے کباب کو

کرتے ہیں یاد ساغر صہبا کو بادہ کش
دریا میں دیکھتے ہیں ظفر جب حباب کو

راضی وہ شوخ عربدہ جو دیکھیں کس سے ہو / اوس پر غضب کا غصہ فرو دیکھیں کس سے ہو

پیتے ہیں یار بزم میں بھربھر کے جام مے / خالی مگر سبو پہ سبو دیکھیں کس سے ہو

کعبہ میں گر نماز کسی نے پڑھی تو کیا / سجدہ ادا ترے سر کو دیکھیں کس سے ہو

شمشیر و خنجر آپ کے دونوں ہیں آبدار / سیراب اپنا تشنہ گلو دیکھیں کس سے ہو

ناصح نے میرا چاک گریبان تو سی دیا / لیکن یہ سینہ چاک رفو دیکھیں کس سے ہو

خارا گداز نالہ ہے آہن گداز آہ / دل تیرا موم ہو جو کبھو دیکھیں کس سے ہو

وعدہ ترا رقیب سے ہے اور ہم سے بھی / سچا پر اپنے قول کا تو دیکھیں کس سے ہو

کہتی ہے چشم تر یہ دم گریہ ابر سے / جاری بجائے اشک لہو دیکھیں کس سے ہو

اس آرزو میں خاک ہوئے کتنے خاکسار / صاف اے ظفر وہ آئینہ رو دیکھیں کس سے ہو

دیگر

برق تھر جائے آہ پر شرر کے / ابر کی جھر جائے شیخی چشم تر کے روبرو

روبرو مانگے اوس تو خط سے گر قاصد مرے خط کا جواب / پھینک دے قینچی سے وہ خط کو کتر کے روبرو

اشک بھر لاتا ہوں تجھ بن چشم میں اے مست ناز / لائے ہے جس وقت ساقی جام بھر کے روبرو

جا چھپے زنداں خورشید ہو کر منفعل / تاب کیا ٹھہرے مرے داغ جگر کے روبرو

کوئی مخبر بھی نہیں ایسا کہ جو اخبار میں / کچھ کہے میری خبر اوس بے خبر کے روبرو

گھر ہے اے قاصد وہی اوس قاتل سفاک کا / ہیں پڑی دوچار لاشیں جس کے در کے روبرو

ہے ہنر شرط آدمی کی آدمیت کے لئے / بے ہنر حیوان ہے صاحب ہنر کے روبرو

ناز اپنی نازکی پر ہے رگ گل کو مگر / ہیچ ہے اے رشک گل تیری کمر کے روبرو

کرتے ہیں غائب میں سب دعوئی سخن سنجی کا پر / بول بھی سکتا نہیں کوئی ظفر کے روبرو

دیگر

نصیب وصل تمہارا کہو تو کیونکر ہو / فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

مطلع ثانی

تو اپنے وعدہ کا سچا جو ہو تو کیونکر ہو
یہ تجھ سے جھوٹ کی ہو ترک خو تو کیونکر ہو

نہ جل کے خاک ہو جب تک مثال پروانہ
طپش ہو دل کی ہمارے فرو تو کیونکر ہو

ترے مریض کے سو سو علاج ہوں لیکن
شفا نہ اسکے نصیبوں میں ہو تو کیونکر ہو

کسی پہ راز نہاں دل کا میرے اے آنکھو
جو تم نہ گریہ سے افشا کرو تو کیونکر ہو

یہ ہم بھی چاہتے ہیں ترک عشق ہو لیکن
جو دل پہ بس نہ ہو اے ناصحو تو کیونکر ہو

ملیں نہ خاک میں جب تک تمہاری کشتہ ناز
دمیدہ خاک سے ہو ناز بو تو کیونکر ہو

جگر پہ زخم تو کھائے مگر مزا حاصل
نمک فشاں ہو نہ وہ جنگجو تو کیونکر ہو

کرم کہاں کہ ستم بھی ہو کرتے ناز سے تم
جو یہ بھی ہو تو غنیمت ہے وہ تو کیونکر ہو

جھکاتے سر نہیں آزاد و راستی شیوہ
چمن میں سرو جو سر خم ہو تو کیونکر ہو

ظفر جو ہو نہ محبت میں دل سے دل کو راہ
وہ میرے حال سے آگاہ ہو تو کیونکر ہو

عجب ہے مصحف رخ سے ہو گر خلاص گیسو کو
وہ ہندو ور یہ قرآن کا کام کیا قرآن سے ہندو کو

کہاں ہوس چشم وحشی میں ہے یہ تحریر کاجل کی
سیہ ریشم کے ڈوری سے مگر باندھا ہے آہو کو

جو کشتہ گردش چشم سیہ کا ہے تہ سے تا حل
سیہ پوش وسکے ماتم نے کیا ہے چرخ مینو کو

بغیر از بیش و کم چاہو نظر میں تول لو جس کو
کہ کچھ پاسنگ کی حاجت نہیں ہے اس ترازو کو

عزیزو کیوں نہیں پاتے ذرا ہم بو محبت کی
سفید ایسا زمانہ نے کیا یکبار لوہو کو

وہ آرام دل و جان ہو نہ جب تک اپنے پہلو میں
کہاں آرام ہو کیونکر ہمارے درد پہلو کو

ظفر یہ شعر پر درد اپنے ہم جس کو سناتے ہیں
کبھی وہ سر کو پیٹے ہے کبھی پیٹے ہے زانو کو

دیگر

بظاہر دشمنوں سے رکھتے تم ان بن ہماری ہو
مگر باطن میں دیکھا تو تمہیں دشمن ہمارے ہو

کیا ہے قتل اوس لعل مسی مالیدہ نے ہم کو
نہ کیونکر ڈھیر پر زیبا گل سوسن ہمارے ہو

اندھیرے گھر میں ہووے روشنی بے جا بدان کیونکر
مناسب ہے اگر دل میں کوئی روزن ہمارے ہو

آیا ہے عشق نے کشتہ ہمیں اوس سرو قامت کے
نکیونکر قمریوں کا غل سر مدفن ہمارے ہو

نہیں ہے دل کے چھٹنے کا ہمیں کچھ اپنے غم لیکن
یہ اندیشہ ہے رکھتے دل میں تم مسکن ہمارے ہو

چراغ و گل نہ لاؤ تم ہمارے گور پر آؤ
کہ تم ہی شمع و گل اے غیرت گلشن ہمارے ہو

ظفر ہیں وہ گل شاداب گلزار محبت کے
جنہیں تم اشک خون کہتے سر دامن ہمارے ہو

دیگر

جانے کی نہ تم ہو راہ کہیں اور نکالو
کچھ رہنے کا ڈھب اپنے کہیں اور نکالو

اے جوہری یہ میرے در اشک سے بہتر
گر ہے تو کوئی در ثمین اور نکالو

گر مہر و وفا مجھ میں ہے کچھ عیب نہیں ہے
تم عیب کوئی ماہ جبین اور نکالو

ہم ترک کریں ناصحو اوس شوخ سے الفت
گر ڈھونڈھ کے تم کوئی حسین اور نکالو

سینے سے مرے تیر تو ہاں تم نے نکالا
پیکان بھی اک دل کے قرین اور نکالو

دیکھا تمہیں دیکھ کے کتنے ہوئے بیدم
لو پردہ سے منہ پردہ نشین اور نکالو

دیگر

جو پردے میں رہتے ہیں وہ نسے کیا کہتے ہو پردے ہو

چاہیے کہنا پردہ دار و بے پردوں کو پردے ہو

کسکو مہمان گھر میں رکھو گے اپنے ایسے تکلف سے

آج نئے دالان میں یہ بندھوا تے تم پردے ہو

لیکر ساتھ رقیبوں کے تم بزم میں جام صہبا کو

شرم و حیا کے کیوں یہ اوٹھا تے آنکھو نسے دیکھو پردے ہو

ہم سے ہے یہ پردہ تم کو آتے ہیں جب گھر میں ہم

ڈالتے اک اک پردے پر تم ہر جا دو دو پردے ہو

دیکھتے ہیں ہم چلمن میں سے اپ سر یجا جا جھانکتے ہیں

چھپ کر سب سے بیٹھتے ہوئے ظاہر میں گویا پردے ہو

دیکھتے ہیں جو تم کو ہمیشہ اپنی چشم تصور سے

چاہو تم بے پردہ ہو او نسے پیار چاہو پردے ہو

مثل شمع فانوسی کب جلوہ تمہارا چھپتا ہے

بیٹھے ظفر سے چھپ کر کیوں اے پردہ نشینو پردے ہو

محفل شاید ظفر آج بھی ہو کل بھی ہو
گھر ترا شادی کا گھر آج بھی ہو کل بھی ہو

رات کو ہو رت جگا دن کو ہو صحنک بھی شہنا
دھوم یہ شام و سحر آج بھی ہو کل بھی ہو

باعث صحت تری روز ہے دن عید کا
کیونکہ خوش ہر بشر آج بھی ہو کل بھی ہو

گھر میں مہیا ترے از پے نذر و نیاز
لعل و گہر سیم و زر آج بھی ہو کل بھی ہو

وہ تری بزم میں جام مے عیش کا
اے شہ جمشید فر آج بھی ہو کل بھی ہو

جو کہ سماں ہے آج یہ آج سے ہو کل سوا
عیش کا سامان سب آج بھی ہو کل بھی ہو

باغ میں نغمہ سرا کیوں نہ ہو مرغ چمن
بیٹھ کے ہر شاخ پہ آج بھی ہو کل بھی ہو

آج شب قدر ہو کل کا ہو دن روز عید کا
یمن شفا کا اثر آج بھی ہو کل بھی ہو

وہ ہے ظفر تری کل بھی ہو پرسوں بھی ہو
جو کہ خوشی بیشتر آج بھی ہو کل بھی ہو

دیگر

تم اپنی کہہ چکے میں بھی کہوں اپنی اگر ٹھہرو
مری دو باتیں سن لو ہو سوا اک لحظہ بھر ٹھہرو

چھٹیں بھی ہم قفس سے تو کہے یہ بے پروبالی
کہاں جاؤ گے یاں سے اے اسیرو چھوٹ کر ٹھہرو

ہم اپنے ساتھ پیارے جب تمہاری دل لگی جائیں
کہ ٹھہرائیں تمہیں گر اک گھڑی دو دو پہر ٹھہرو

کوئی دم میں ہے جاتا دم بھی میرا ساتھ ہی جاتا
چلے اے حضرت دل تم ہو اب تنہا کدھر ٹھہرو

رہے جاتے ہیں پیچھے پارہ دل میرے اے اشکو
انھیں تم رکھ لو آگے کیوں چلے ہو پیشتر ٹھہرو

کرو گر جفا ہر دم ہم سے با وفاؤں پر
تو کیوں مشہور تم ظالم ہو کیوں بیدادگر ٹھہرو

تمہارا جذبہ دل کھینچ لائے گا تمہیں اوکو
چلے بیتاب ہو کر تم وہاں کیوں اے ظفر ٹھہرو

دیگر

باد بندی سے نہ تم یاد کا جھگڑا باندھو
باد لو بات کا بیٹھے نہ جھگڑا باندھو

ہوتے ہو بار کش منت دنیا کیوں تم
دم سے اپنے نہ گدھو حرص کا لنگڑا باندھو

زاہد بیٹھکے ہدوں میں نہ باندھو پگڑی
اور جو کھانا ہو کوئی ڈھول کہ چھکڑا باندھو

ہم جو اک بات کہیں بزم میں تم سے بلحاظ
جھاڑ تم گالیوں کے بول کے پھکڑ و باندھو

دست و پا نارے زاہد کے ہیں ایسے ہدو
تم ہو شاعر تو مقرر رو سے بکڑا باندھو

بھول جاؤ تو بلا سے مجھ پہ پیار رہے
مجھ پہ بہتان نہ کوئی بن کے بھلکڑ باندھو

اے ظفر دل کے دھوئیں میں ہے نہایت تلخی
تم خمیرہ ہو سے ٹھہراؤ کر لگنا باندھو

کون کہتا ہے کہ تو کلفت دل مضطر سے دھو
لیکن اے گر یہ کدورت خاطر دلبر سے دھو

زخم ہونے ہیں مرے مشہور گر اے چارہ گر
تو اوس قاتل کی تو آب دم خنجر سے دھو

دھو سکے تقدیر کے لکھے کو کوئی کس طرح
نہیں وہ حرف دین جو لکھے کے تختی پر سے دھو

تو نہا اے غافل اگر دھویا بدن سارا تو کیا
دھو سکے تو میل دنیا دل کی تو اندر سے دھو

جوش گریہ دھوئے کیا داغ دل خوں گشتہ کو
دے سیہ کاران کب سیاہی لالہ احمر سے دھو

محتسب میخانہ میں آیا لیے سنگ تم
ساقیا بس ہاتھ اب تو شیشہ و ساغر سے دھو

روسیاہی کو جو دھوئے نامہ اعمال کی
اے ظفر اپنے وضو را اشک چشم تر سے دھو

زیادہ جو مہ حسن و جمال میں تم ہو — پری کو لاتے بھلا کب خیال میں تم ہو

بنا کے سرمہ کا حل زیر ابروے پُرخم — دکھاتے ہم کو ستارہ ہلال میں تم ہو

شب اوسکی زلف کو کیوں چھیڑ بیٹھے حضرت دل — جواب اسیر بلا اس وبال میں تم ہو

نہ پوچھا تم نے کبھی یہ بھی ہم سے ہائے ستم — کہ بہر کس لیے رنج و ملال میں تم ہو

حنا کی جاے کف پا کو اپنے کرتے لال — ہمیشہ خون دل پائمال میں تم ہو

وہ اور درکھتی ہیں دل میں زیادہ ہمنفسو — جو بولو اوٹھتے مری عرض حال میں تم ہو

تمہارے سامنے ہے تاب گفتگو کس کو — کہ دیتے ہوش اوڑا بول چال میں تم ہو

ہمارے طائر دل کو دکھا کے دانہ خال — پھنساتے زلف معنبر کے جال میں تم ہو

ظفر امید وفا ایسے بیوفاؤں سے — گیا ہے سوجھ کدھر کس خیال میں تم ہو

دیگر

دوستو اوسکو جا کے لے آؤ — وہ خفا ہے منا کے لے آؤ

مطلع ثانی

جس کا دل چاہو جا کے لے آؤ — یوں عدو سے تو چورا کے لے آؤ

قاصدو دیں تمہیں ہم اپنا خط — گر اوسے تم دیکھا کے لے آؤ

وہ لگاوٹ ہے تم کو یاد کہ تم — جس کو چاہو لگا کے لے آؤ

ہم بلائیں تمہیں تو غیر کو تم — ساتھ اپنے بلا کے لے آؤ

یارو جس طرح سے بنے اوسکو — حال میرا سنا کے لے آؤ

کچھ فسوں سیکھو ایسا حضرت دل — اوس پری کو اوڑا کے لے آؤ

جب کہا میں نے دل کروں حاضر — تو کہا منہ بنا کے لے آؤ

یہ غنیمت تم اے ظفر سمجھو — دل جو اوس سے بچا کے لے آؤ

دیگر

پارہ دل یا کوئی لخت جگر پہونچا تو دو
کچھ نشانی میری دامان اشکو گر پہونچا تو دو

سن کے آئے گا نہ آئے ہمدم سو وہ بے خبر
پر اوسے یکبار تم میری خبر پہونچا تو دو

کہنا جھونکو نسے ہوا کے ہے تن لاغر مرا
گر اوٹھایا ہے مجھے تو اوسکے گھر پہونچا تو دو

خوب سرگرداں پھرایا حضرت عشق آپ نے
لیک مجکو منزل مقصود پر پہونچا تو دو

وصل کی شب تم کرو جس سے کنارا ہے یقین
گور کے اوسکو کنارے تا سحر پہونچا تو دو

قدر و قیمت کچھ تو ہو معلوم دُر اشک کی
جوہری بازار تک تم یہ گہر پہونچا تو دو

جو کہ ہونا ہو سو ہو پر دامن دلدار تک
ہاتھ اپنا ایک دن تم اے ظفر پہونچا تو دو

اوس پری خو کی طرز بیداد کچھ نہ پوچھو
جو وہ ستم کرے ہے ایجاد کچھ نہ پوچھو

پوچھو نہ پوچھو دل کا یوں حال تم بلا سے
پر قہر ہے جو سن کر فریاد کچھ نہ پوچھو

مانند نکہت گل عمر اپنی اس چمن میں
کی جس طرح سے ہم نے برباد کچھ نہ پوچھو

جو کچھ ہے حال میرا صورت ہی سے عیاں ہے
کیا پوچھتے ہو میری روداد کچھ نہ پوچھو

دو چار خون گرفتہ روز اوسکو قتل کرنے
جیسا ہے اوسکا غمزہ جلاد کچھ نہ پوچھو

احوال دل ظفر کیا پوچھتے ہو پیارے
کیا جانے شاد ہے یا ناشاد کچھ نہ پوچھو

دیگر

سب جھوٹ کریں رات اے سحر ہوئے تو یوں ہو
یوں ہووے تو مستی میں اگر ہوئے تو یوں ہو

کیا جی پہ بنے دیکھیے جب ہاتھ سے تیرے
ی خون ہو تو یوں ٹکڑے جگر ہوئے تو یوں ہو

ہووے ہدف تیر نظر یوں نہ مرا دل
تجکو بھی اگر مد نظر ہوئے تو یوں ہو

آلودہ بخون قاصد اشک آئے ہمارا
معلوم ہمیں دل کی خبر ہوئے تو یوں ہو

غیروں پہ کرم ہم پہ ستم واہ رے اخلاص
ووں ہو جو ادھر ہوئے ادھر ہوئے تو یوں ہو

جائے نہ پس از مرگ بھی دل سے غم جاناں
الفت ہو تو یوں دل میں جو گھر ہوئے تو یوں ہو

لے دل کو نکال آہ کوئی چیر کے پہلو
شاید مجھے آرام ظفر ہوئے تو یوں ہو

دیگر

میکشو تم نوش کوئی ساغر تو کرو
کر کے بدمستی ابھی کیا ہو تامل تو کرو

ذکر کیا اے حضرت دل ہو جو اوس گل کو اثر
کر کے ہو نالے اگر تم مثل بلبل تو کرو

دیکھو پھر کیا کیا پریشاں ہوتا ہے سنبل کا حال
اک ذرا گلشن میں وا تم زلف و کاکل تو کرو

کر کے شمشیر نگہ سے گر نہیں کشتہ مجھے
تو بلا سے زخمی تیغ تغافل تو کرو

گل کا سوز دل سے بلبل کے جو روشن ہے چراغ
کر دو جھونکوں سے صبا کے تم بھلا گل تو کرو

کہتا ہے مجنوں ترا لڑکوں سے کوچے کے ترے
مارتے پتھر نہیں ہو تم اگر غل تو کرو

لکھتے ہو تعریف اوسکی زلف پیچاں کی اگر
اے ظفر اپنا قلم تم شاخ سنبل تو کرو

دیگر

قتل عالم کو کرو تم اور قضا کا نام لو
اے بتو تہمت لگو دیکھو خدا کا نام لو

غم مجھے کھانے کو دو اور خون دل پینے کو دو
اے طبیبو نے خدا کا نے دوا کا نام لو

بے خطا شانہ سے ہو برہم کرے وہ زلف کو
اور خطا واروں میں تم اس بے خطا کا نام لو

جو تمہارے جی میں آئے کہنا ہو فرماؤ تم
پر نہ میرے سامنے ترک وفا کا نام لو

خون عاشق سے کرو رنگین جو ہاتھ اے گلرخو
پھر کبھی ہرگز نہ تم رنگ حنا کا نام لو

حضرت دل آپ کی گر جیتے چھٹو اوس زلف سے
پھر نہ جیتے جی تم اس کالی بلا کا نام لو

اے ظفر چشم و نگہ یا غمزہ ناز و ادا
کون دل کو لے گیا اوس دلربا کا نام لو

سمجھ کر جو برا تجکو برا کہتے ہیں کہنے دو
کہ سچ ہے میں برا ہوں وہ بجا کہتے ہیں کہنے دو

نہ لیں گے نام جیتے جی ہم اونکی آشنائی کا
اگرچہ وہ ہمیں نا آشنا کہتے ہیں کہنے دو

نچھوڑونگا خیال زلف تجکو حضرت ناصح
بلا سے گر گرفتار بلا کہتے ہیں کہنے دو

ہنسی آتی ہے گر تم کو تو ہنسو تم شوق سے لیکن
یہ ہم رونے کا اپنے ماجرا کہتے ہیں کہنے دو

وہ کہتے ہیں نہ باز آئیں گے اس ظلم و جفا سے ہم
اگر عشاق ہم کو پر جفا کہتے ہیں کہنے دو

نہ روکو میرے غمخوارو کو میرا حال کہنے دو
لگا کر کان سن لو تم وہ کیا کہتے ہیں کہنے دو

ظفر اب لے ہی بوسہ تم ہو کے لعل میگون کا
اگر وہ ہم کو بے شرم و حیا کہتے ہیں کہنے دو

خط بھی کبھی جو ہم کو لطف و کرم سے لکھو / خط شکستہ میں وہ ٹوٹے قلم سے لکھو

لکھا نہ جائے نسخہ تم سے کبھی طبیبو / گر حال پوچھ کر اس بیمار غم سے لکھو

اے کاتبو زیادہ شنگرف سے ہو سرخی / گر اشک سرخ لے کر اس چشم نم سے لکھو

جاتے جہاں ہو وہاں سے لکھتے ہو خط عزیزو / جب جائیں کچھ حقیقت ملک عدم سے لکھو

میں خوب جانتا ہوں نامعتبر ہیں بالکل / تم لاکھ عہد نامے قول و قسم کے لکھو

جو کچھ لکھو ہمیں تم وہ غیر کو دکھاؤ / اور غیر کو لکھو تو پوشیدہ ہم سے لکھو

شرط وفا نہیں ہے یہ اے ظفر کو خط میں / حرف شکایت ہو کچھ ظلم و ستم سے لکھو

دیگر

خط نہ میرا تیوری ناحق بدل کر پھینک دو / دیکھو تو لو یونہیں ہاتھوں میں نہ مل کر پھینک دو

غیر کے ہاتھوں سے کھاؤ پان لے لے کر مزے / ہم گلوری منہ میں دیں تو تم اگل کر پھینک دو

رکھو اے آنکھو نہ طفل اشک کو آغوش میں / پاؤں پھیلاتا ہے یہ اتر مچل کر پھینکدو

چھینکتے ہو چھیڑ سے چھلا اگر میری طرف / کر کے چھل بل یاں نہ چھنگلیان سے ٹل کر پھینک دو

سوز دل میرا نہ لکھا جائے تم سے یک قلم / تم قلم اے کاتبو ناچار جل کر پھینک دو

پیتے ہو آہ تو کیا انجم گردون پرداشت / یہ تو وہ دانے نہیں تم جن کو دل کر پھینک دو

شیخ جی قائل نہ ہوں ہم اس تمہارے حال کے / سر سے عمامہ کو تم اپنے جو اچھل کر پھینک دو

تنگ ہوں دل سے یہاں تک میں کروں ہرگز نہ آہ / پتھروں سے تم اگر اس کو کچل کر پھینک دو

اے ظفر کیسا ہی کوہ غم اگر ہو عشق میں / صرف ہمت تم کرو جس دم سنبھل کر پھینک دو

دیگر

بدزبان ہو یا ہو بد اطوار اس میں کوئی ہو
جو کہیگا دوستی نا چار اس میں کوئی ہو

بیچتے ہیں جنس دل ہم عشق کے بازار میں
شوق سے لے جس کو ہو درکار اس میں کوئی ہو

ہو وہی جانبر جسے دے شربت دیدار تو
اک ادا و سینکڑوں بیمار اس میں کوئی ہو

دوں جگر دل میں اوسے جانوں جسے دلسوز میں
نالہ ہو یا آہ آتشبار اس میں کوئی ہو

تیری چشم مست کو جو دیکھے ہو جائے خراب
خواہ صوفی خواہ ہو میخوار اس میں کوئی ہو

ہو رفو کیونکر ہوا سارا گریبان تار تار
یہ تو ہاں جب ہو کہ تا بست تار اس میں کوئی ہو

دیجئے اوسکو نہ دل جس میں نہ مہر و وفا
مہر طلعت ہو کہ مہ رخسار اس میں کوئی ہو

جان و دل ایمان و دین صبر و خرد حاضر ہیں سب
اس لیے شاید پسند یار اس میں کوئی ہو

اپنا ہم ملت وہی ہو جس کا مذہب عشق ہو
اے ظفر کافر ہو یا دیندار اس میں کوئی ہو

لاتے ہو کیوں حضرت دل یہ شکوہ دس میں جانے دو
جاتی رہیں گر الفت کی وہ پہلی رسمیں جانے دو

جائے گا کیونکر تا چمن صیاد اوسے بے بال و پر
جائے اگر پھر اولٹا پھر کر دام و قفس میں جانے دو

کرتے ہو اوس سوختہ جان کو دیکھو کیوں سرگرم فغان
دیگا جلا یہ سارے جہاں کو ایک نفس میں جانے دو

کوچے میں اوس زلف کے دونوں دل کے کرو اوقات بسر
کہتا ہوں جان و دل کو نہ الجھو تم آپس میں جانے دو

پارہ دل اے اشکو ہیں یہ پارہ آتش مژگان پر
آگ لگاؤ دیکھو نہ تم اس خار و خس میں جانے دو

کھولو نہ بزم غیر میں گھونگھٹ مست سے اپنے دیکھو تم
جان مری نظارہ کی گر جاے ہوس میں جانے دو

اپنے دل دیوانہ کو سمجھاؤ ظفر اور اس پر بھی
جا ہی پڑے اوس رشک پری کے گر یہ بس میں جانے دو

دیگر

پھرتے تھے ہم ڈھونڈتے جس کو تم میں پایا تم ہی تو ہو

غیر کا دھوکا ہم کو ہدو تم ہم نے تاڑا تم ہی تو ہو

برق میں کیا اور شعلہ میں کیا خورشید میں کیا ارو ماہ میں کیا

سب میں ہے اک جلوہ تمہارا جلوہ فرما تم ہی تو ہو

یہ تو رند درد کش سب صوفی صافی مشرب ہیں

کرتے چشم مست سے اپنی مست ہما تم ہی تو ہو

پردے میں تو ہم کو گمان تھا شاید کوئی اور ہو

اب تو اٹھا کر پردہ ہم نے خوب جو دیکھا تم ہی تو ہو

راہنما میں تم کو اپنا جانتا ہوں اے حضرت عشق

میرے ہادی میرے مرشد میرے مولا تم ہی تو ہو

کیوں ہوا لال کیوں ہو گریاں گر کرو تم ظلم و ستم

کرتے عاشق زار کو اپنے خلق میں رسوا تم ہی تو ہو

قتل کرے گر تم کو ظفر وہ کیا ہے قصور اوس قاتل کا

کرتے اوسکے سامنے جا کر عشق کا دعوی تم ہی تو ہو

چاندنی کس جا دیکھنے شب کو نور کے تڑکے آئے ہو
منہ جو بنا کر آئے ہو تم کس سے بگڑ کر آئے ہو

پوچھتا ہے دیوانوں سے تیرے دشت میں مجنوں رو رو کر
کہیں وہ تم ہاں اے خانہ خراب ہو گھر سے اوجڑ کے آئے ہو

کیونکہ نہ روئیں حضرت دل ہم تم کو لگا کر سینے سے
مدت میں تم پاس ہمارے وہ ان سے بچھڑ کے آئے ہو

لے کے جواب خط کو ہمارے وہاں سے تم آئے نامہ برو
آئے تو ہو لیکن کیا کیا پاؤں رگڑ کے آئے ہو

یہ تو ذرا اے دیدۂ گریاں پونچھ تو اپنے اشکوں سے
گرم جو ہو کے آئے ہو لڑ کو کس سے لڑ کے آئے ہو

ایک گھڑی کا وعدہ کر کر چار گھڑی کے عرصے میں
آئے ہو تو بات نئی اک دل سے گھڑ کے آئے ہو

بند کیا ہے اوس نے اپنے گھر کے آنے والوں کو
کیا جانے کیا کس کس کے ظفر تم پاؤں پڑ کے آئے ہو

دیگر

جو ہیں برے حال انکا برا ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو
جو کہ بھلے ہیں اونکا بھلا ہے یہاں تو ہے تو اور وہاں ہے تو

خواہ پھنسا ہے زلف میں دل اور خواہ پھنسا ہے کاکل میں
تیرا اسیر دام بلا ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو

شمع حرم میں نور ہے اوسکا اور چراغ دیر میں بھی
دونوں جا وہی جلوہ نما ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو

پاس ہے تو یا دور ہے تو پر جو ہے ترا عاشق زار
تجھ پہ وہ جان و دل سے فدا ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو

گلشن ہو یا لب دریا ساقی ہے روز ابر و ہوا
بادہ کشی کا آج مزا ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو

بزم غم اور محفل شادی دونوں ہیں یکساں عاشق کو
تجھ بن وہ سرگرم بکا ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو

دشت میں کیا اور شہر میں کیا اس جنون کے ہاتھوں سے
روز ظفر اک شور بپا ہے یہاں ہے تو اور وہاں ہے تو

دیگر

غیروں سے کچھ نہ پوچھو صنم ہم سے پوچھ لو
کہہ دیں گے ہم خدا کی قسم ہم سے پوچھ لو

کیا جانے کوئی ظلم و ستم کیا ہیں آپ کے
ہیں وہ تمہارے لطف و کرم ہم سے پوچھ لو

ہے کیا خزانہ درم داغ کا حساب
جب چاہو ایک ایک درم ہم سے پوچھ لو

کہتے ہو جن کو حسرت دل لعل شکریں
ہیں وہ تمہارے واسطے سم ہم سے پوچھ لو

لکھا نصیب کا ہے یہ لکھوائیں ان سے غیر
جب کچھ کرو کسی کو رقم ہم سے پوچھ لو

پوچھو نہ یہ رقیب سے کھاتے ہیں کیونکہ غم
واقف مزے سے اس کے ہیں ہم ہم سے پوچھ لو

ہم جانتے ہیں روتے ہو تم جس لیے ظفر
یہ ماجرا اے دیدۂ نم ہم سے پوچھ لو

میرے اوسکے ملنے کی لوگوں کو خبر ہو کیونکہ نہو
چرچا اوس کا روز سر رہ گزر ہو کیونکہ نہو

میں جو ہوں سرگرم فغاں تو وہ بھی آ ہیں سرد بھرے
گرم و سرد محبت کا دونوں کو اثر ہو کیونکہ نہو

عشق میں اوسکے چاک ہو میرا سینہ جو مانند کتان
غیرت سے میرے داغ دل وہ رشک قمر ہو کیونکہ نہو

جب پر نم اشکوں سے یاں پاٹ بنے جو دریا کا
مثل چادر آب رواں واں دامن تر ہو کیونکہ نہو

جلتے گزرے سارا دن جو مجکو یاں خورشید صفت
شمع نمط واں سوزش دل سے رات بسر ہو کیونکہ نہو

رکھوں چشم تصور میں ہر لحظہ میں جو اوسکی شبیہ
میری بھی تصویر گر اوسکے پیش نظر ہو کیونکہ نہو

عشق میں سن کر مثل بلبل میرے نالے سینہ خراش
ٹکڑے ٹکڑے گل کی روش گر اوسکا جگر ہو کیونکہ نہو

اوسکا میں مشتاق ہوں ہر لحظہ اور رہوں چشم براہ
اوسکی عین عنایت ہے جو آ نکلے ادھر ہو کیونکہ نہو

مجکو خیال اوس رشک پری کا جب ہو ظفر دن رات یہاں
اوس کو بھی میرا دھیان وہاں جو آٹھ پہر ہو کیونکہ نہو

دیگر

روکنے کو میرے باندھیں اپنے وہ در کے پردے کو
گریہ سے میرے ایک رہے دیوار نہ گھر کے پردے کو

دیکھا لگاؤ ایک جدھر شب میر اپنے کوٹھے پر
صبح وہ سوتا کیدوں سے ہوائے اودھر کے پردے کو

مرد نہ سمجھو اونکو ہیں وہ مثل زنان پردہ نشین
رکھتے ہیں جو میدان میں اپنے منہ پہ سپر کے پردے کو

سوز عشق ہے پنہاں بہتر دیکھو اوٹھا کر چھاہا تم
کھولتے ہوائے چارہ گرو کیوں داغ جگر کے پردے کو

منہ ہے کیا جو ماہ مقابل ہو سکے فروغ حسن سے ہو
زلف اوٹھاوے رخ سے اگر اوس رشک قمر کے پردے کو

نالہ دل یہ وہ ہے بلا سن کے جسے اے رشک پری
پھونچتا اک آسیب ہے گوش جن و بشر کے پردے کو

تا یہ تجھے در پردہ دیکھیں اور نہ دیکھے کوئی انہیں
آنکھوں پہ باندھا اس خاطر مژگان تر کے پردے کو

عشق ترا اے شوخ پری وش کرتا ہے کیا کیا پردہ دری
دست جنوں سے میری قبا کے ٹکڑے کر کر کے پردے کو

واسطے ہے اس شمع کے بہتر شعلہ رخ و فانوس یہ
کیجیے برقع منہ کا اپنے چشم ظفر کے پردے کو

نہ جانے دوں گا اوسے آج گو کہیں کچھ ہو
بلا سے مجھ سے وہ خوش ہو کہ خشمگیں کچھ ہو

وہ میں نہیں کہ شکایت کروں کسی سے تری
کروں تو جبکہ مرے دل میں مہ جبین کچھ ہو

جمائیں گے سر میدان امتحان سرباز
جھکائی دیں گے وہ سر زیر تیغ لیکن کچھ ہو

کریں حوالے دل و جان و دین و ایماں تک
اوسے ہماری محبت کا گر یقین کچھ ہو

جو میرے قتل کا ہے قصد تم کو بسم اللہ
چڑھاؤ تیغ بکف ہو کے آستین کچھ ہو

فروغ حسن سے تیرے ہو شمع کیا ہمتاب
جو ہو تو چہ رخ پہ شاید مہ جبین کچھ ہو

کرے جلا کے بلا سے ہمیں وہ خاکستر
ظفر کریں گے ہم اک آہ آتشیں کچھ ہو

دیگر

عیش و طرب میں کوئی دم تم اور بسر ہو لینے دو
جانے کہاں ہو رات ابھی ہے دیکھو سحر ہو لینے دو

ہاتھ ابھی سودائے وفا سے تم نہ اوٹھاؤ حضرت دل
ہونا جو کچھ ہو قسمت میں ہے سود و ضرر ہو لینے دو

جانے دو پنا کیونکہ تمہارے صید ناوک خوردہ کا
ٹھنڈا اس کو کھانے ابھی تم تیر نظر ہو لینے دو

آخر تو پھر تیغ ستم کے وار ہمیں پر ہوویں گے
اور کوئی گر ہوتا ہے اب سینہ سپر ہو لینے دو

جب میں نچوڑوں دامن اپنے کتنا ہی دریا جاری ہوں
اشکوں سے اے آنکھو اس کو اتنا تر ہو لینے دو

جانے کہاں ہو بالیں سے تم اپنے مریض الفت کے
ٹھہرو کوئی دم یا تو ادھر یا اوسکو اودھر ہو لینے دو

اوسکے اوٹھا کر ظلم ابھی سے تم نہ اوٹھاؤ جان سے ہاتھ
اور ستم ہوں جو کچھ باقی وہ بھی ظفر ہو لینے دو

تم میری بات تو کھلے میدان میں سنو
اور غیر کچھ کہے تو اوسے کان میں سنو

وحشت سے ہم ہیں پائے بزنجیر جب تلک
غل ایک روز خانہ زندان میں سنو

تعریف تیغ ابروے پر خم کی اپنے تم
کیا سنتے ہند میں جو صفاہان میں سنو

چھپا تم اپنی چشم سیہ مست کا مدام
ہر ایک مے فروش کی دوکان میں سنو

قصہ زبان خار سے وحشت کا میری تم
کر دو یہ وحشیوں سے بیابان میں سنو

سنتے ہو گر برائی کسی کی تو غافلو
منہ ڈال کر تم اپنے گریبان میں سنو

کہتے تھے ہم دکھاؤ نہ اپنی ادا و آن
لو قتل کتنے ہو گئے اک آن میں سنو

سنتے ہو جس کا ملک سلیمان میں شور حسن
دھوم اوس پری کی جا کے پرستان میں سنو

دیکھو نہ کوئی تذکرہ پھر ایک بھی غزل
پڑھوا کے تم ظفر کے جو دیوان میں سنو

نیک خو میں ہو نہ پوشیدہ وہ کو خوئی کی بو
جو ہے خوشبو او کہیں کب چھپتی ہے خوشبوئی کی بو

اے گل رعنا دو رنگی ہے بری ہر بات
بات میں تیری نہ پائی ہم نے یکسوئی کی بو

کیوں لگاتا منہ ہے بدگویوں کو اے غنچہ دہن
ان کے منہ میں سے چلی آتی ہے بدگوئی کی بو

وہ معطر ہے رضائی سر پہ تیرے خوبرو
اے بلائیں بوستان سونگھے اگر روئی کی بو

یک مدت اس چمن میں ہے پھرے مثل صبا
پر کسی گل میں نہ پائی ہم نے دلجوئی کی بو

گلبدن تیرے بدن کی کیا کہوں خوشبو کرواہ
نے چنبیلی کی ہے بو لیکن نہ ہے جوئی کی بو

لطف نے اوسکو سکھائی تیغ ادائی اے ظفر
نکلے ہے ہر بات میں اوسکی جو خم روئی کی بو

دیگر

بجز از سوز دل لب پر مرے آہ و فغاں کیوں ہو
کہ آتش سے دھواں ہی گر ہو آتش دھواں کیوں ہو

رقیب سنگدل کو لا بٹھاتے ہیں مرے سر پر
اور آپ ہی پوچھتے ہیں مجھ سے وہ سرگران کیوں ہو

ملائی خاک میں ہے عشق کو تو آبرو میری
نہ یہ آنسو مرا افسا ز دل کا راز دان کیوں ہو

جلا دیں باغ سارا اک نوائے آتشیں سے ہم
صبا دامن کش برق اپنا خار آشیاں کیوں ہو

قلق سے پھوڑنے کو سر ہزاروں اور پتھر ہیں
لہو سے میرے آغشتہ وہ سنگ آستاں کیوں ہو

اگر ڈر ہو نہ آتش کو ہمارے تاب گریہ کا
تو چھپ کر سنگ کے دل میں وہ آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

مرا دل تھا میں اپنے آپ سے آپ ہی کچھ سمجھ لیتا
تمھیں کیا کام مطلب تم جو آئے درمیان کیوں ہو

اگر پیرو نہ ہو اوسکے خم ابرو آرا کا
تو پھر اتنا زمیں پر فتنہ انگیز آسمان کیوں ہو

تمھیں منظور میرا ذبح کرنا ہے تو بسم اللہ
ہٹ خنجر کا اپنے لیتے نام امتحاں کیوں ہو

کیا جو تم نے میرے ساتھ اپنے دل سے وہ پوچھو
مجھے بس چپ ہی تم رہنے دو کھلواتے زبان کیوں ہو

یقین جب یہ ہو اتم کو نہیں کوئی حسین مجھ سا
تو پھر فرمایئے میری طرف سے بدگمان کیوں ہو

نکل سکتی ہے چبھ کر دل سے کوئی پھانس الفت کی
مرے اے سا تو تم دل میں لیتے چٹکیاں کیوں ہو

تم اوس جان جہاں کو جانتے ہو وہ ہر جائی
ظفر او سکے لیے پھر ہوتے رسوائے جہاں کیوں ہو

آوازاپنے ہوش میں مستو جتنے ہواتنے ہی رہو

پی پی کے مے مت ہنگا رو جتنے ہو وتنے ہی رہو

کھنچتے ہو تم کیوں نخوت سے مثل مہ نو سر پھلیک

ہو گے حقیر آنکھوں میں دیکھو جتنے ہو وتنے ہی رہو

آ گے ہوا میں سرکشی اتنی کرتے ہو کیوں مثل حباب

بحر فنا میں اک دو نفس ہو جتنے ہو وتنے ہی رہو

گر دگنے سے دامن اپنا پاک ہو کہتے کس منہ سے

اپنے گریبان میں منہ ڈالو جتنے ہو وتنے ہی رہو

لوگ بتاتے باتیں ہیں جو آگے تمہارے بڑھ بڑھ کر

تو نے تم اتنا کہہ دو جتنے ہو وتنے ہی رہو

اے غم و درد عشق و محبت دل میں مرے کچھ تم میں ہے

نے ہو قلت نے کثرت ہو جتنے ہو وتنے ہی رہو

بوسہ لب جو ہم نے مانگا اون سے ظفر تو کہنے لگے

حد سے زیادہ بڑھو نہ دیکھو جتنے ہو اتنے ہی رہو

دیگر

حور و پری ہمارے ہزار آئے رو برو
کیا کام گر نہ اپنا یار آئے رو برو

دیکھی نہ ہم نے کشف و کرامات ایک میں
پیر و فقیر یوں تو ہزار آئے رو برو

برقع اوٹھا دو چہرے سے اپنے ذرا اگر
بیدل تمہارا ہو نے نثار آئے رو برو

تیر نگاہ یار کا دل ہی نشانہ ہو
یارب نہ کوئی اسکے شکار آئے رو برو

دیکھیں کدورت آپ کے جب دل میں خاکسار
آنکھوں کے اوسکے کیوں نہ غبار آئے رو برو

قطرے عرق کے زلف سے رخ پر پڑے کہ یمن
لینے بلائیں اہل نثار آئے رو برو

سرسبز ہو نہ آگے دل داغدار کے
لالہ کی کو چمن میں بہار آئے رو برو

گل ایسے بے سرے کو لگائیں کبھی نہ منہ
بلبل ترانہ گائے ہزار آئے رو برو

مشغول کیوں نہ فاتحہ خوانی میں ہو ظفر
پیردن کا اپنے جبکہ مزار آئے رو برو

دیگر

وہ بت اگر آجائے ذرا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

اوس سے ملادے میرا خدا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

زلف و رخ دلدار رگ آجائے تو کچھ اچھا ہے

کہتا ہے دل ہر شام و پگا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

آنکھ اوٹھا کر دیکھنا کیا پھر مہر و مہ کا نام نہ لوں

دیکھ لوں میں گر جلوہ تیرا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

کہتا ہوں میں تو تنگ آکر یہ ہر دم فرقت جاناں میں

وہ جو نہ آئے تو آئے قضا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

بھر دیں نمک گر زخم جگر میں جائے مرہم چارہ گر

دل کو مرے حاصل ہو مزا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

ہے یہ تمنا بعد فنا گر خاک اوڑا کر لے جائے

اوسکی گلی میں باد صبا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

اور مرض گر کچھ ہووے تو شاید اچھا ہو جائے

ایک صنم بیمار ترا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

کشتۂ قامت اوس کافر کے جتنے ہیں سب اوٹھ اوٹھ کر

کردیں اگر کاک حشر بپا کیا اچھا ہو کیا ہو کیا اچھا ہو

یہ جو پڑا ہے پردہ غفلت اپنے دیدہ دل پہ ظفر

کوئی اگر دے اوسکو اوٹھا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

وہ پاتے ہیں مری جس بزم با فراغ میں بو
پھٹکتے وان نہیں اوگے ہے یہ دماغ میں بو

کوئی تو غیرت گلزار آج آیا ہے
مہک رہی ہے جو کچھ اور صحن باغ میں بو

سرشک تلخ غم ہیں جو داغ سوزان ہیں
تو کڑوے تیل کی آتی ہے اس چراغ میں بو

کلیجہ سوز دروں سے ہے بھنگیا شاید
جلی جلی سی کچھ آتی ہے دل کے داغ میں بو

گرے جو وس لب میگون سے قطرہ دریا میں
شراب کیسی حبابون کے ہو ایاغ میں بو

اوگے ہے لالہ کہان قیس و کوہ کن کی یہ
ہنوز خون کی آتی ہے کوہ و راغ میں بو

دل برشتہ کی اس طرح بو ہے سینہ میں
کہ جیسے سوختہ دانہ کی ہو اوجاغ میں بو

کہاں ہیں وامق و فرہاد یا قیس کیا جانے
ملی نہ عشق کی اس راہ بے سراغ میں بو

شمیم زلف ولائی صبا ظفر جب سے
سمائی ہو رہی کچھ اپنے ہے دماغ میں بو

دیگر

سبب فساد کا اوس گل کی جب دو رنگی ہو
تو کیونکہ کوچہ بکوچہ نہ خانہ جنگی ہو

جو ہیں نصیب پہ شاکر سدا کبھی اون کو
نہ کچھ نشاط فراخی نہ رنج تنگی ہو

نہ کیونکہ زیر فلک رنگ ماتمی ہووے
کلاہ اس نے جب اپنی سیاہ رنگی ہو

نشا ہو جس کو محبت کا سبزہ رنگون کی
عجب نہیں کہ وہ مشہور سب میں بنگی ہو

بہم ہے کیونکہ وہ رخسار و زلف حیران ہوں
کہ مشتق نہ کبھی رومی و فرنگی ہوں

عجب نہیں ہے کہ توڑ جائیں سربزاروں کے
ذرا جو ہاتھ میں تلوار اوسکے ننگی ہو

لگا کے دختر رز کو تو منہ ظفر تم ہو
گلے کی ہار تمہارے نہ یہ دبنگی ہو

دیگر

ہوئے تم پر جو عاشق ہم بھلا مانو برا مانو
بھلے ہیں یا برے ہیں کچھ ہیں لیکن ہم تمہارے ہیں
نہ یہاں تک آپ آتے ہو نہ تم ہم کو بلاتے ہو
یہ دل دیوانہ ہے اپنا کوئی رہتا ہے بن چھیڑے
عرق آلودہ عارض کو تمہارے دیکھ کر عاشق
تمہارے ہم گل و چشم کو برعکس کہتے ہیں
نہ چھوڑا پر نہ چھوڑا تم نے ملنا غیر کا پیارے
تمہاری دوستی میں مر گئے لاکھوں نہ رحم آیا
بروں کو منہ لگاتے ہو بھلوں سے تم کو نفرت ہے
ظفر کو ہے یہی بس غم بھلا مانو برا مانو

اوٹھائے لاکھ رنج اور غم بھلا مانو برا مانو
کہے جائیں گے یہ ہر دم بھلا مانو برا مانو
کہیں گے بے مروت ہم بھلا مانو برا مانو
تمہارا طرہ پر خم بھلا مانو برا مانو
بتاتے ہیں گل و شبنم بھلا مانو برا مانو
صراحی اور جام جم بھلا مانو برا مانو
ہمیں تو کھا گیا غم بھلا مانو برا مانو
تمہیں ہو دشمن عالم بھلا مانو برا مانو

یوں رہو غیر کے گھر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو
سب جتا لے کرو اوس کوچے میں تم حضرت
ہم نہیں چھوڑتے ہیں اوسکا خیال رخ دیار
روبرو اوس رخ روشن کے شب ماہ میں ہم
اوس کے جاتے ہی دلا جی سے گزر جاتے ہیں
ابر مژگان سے جو ہر روز کہے تو برسات
جھوٹی سچی جو مری اوسنے لگائیں باتیں
ایسے لوگوں سے ظفر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو

نہ کبھی آؤ ادھر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو
اس طرح دو دو پہر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو
ہم پہ یوں شام و سحر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو
دیکھیں گے سوئے قمر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو
کچھ توقف ہو اگر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو
اوس کی اے دیدۂ تر پھر خفگی کیونکہ نہ ہو

تصور زلف مشکیں ہے یہ کس کی بندھا مجکو
جہاں میں جو نظر آتا ہے اک اندھیرا سا مجکو

مطلع ثانی

کہا بلبل نے عشق گل میں یہ حاصل ہوا مجھکو
کہ غنچے ہیں بجا کر چٹکیاں دیتے اوڑا مجھکو

کس صورت تو میں اے ضعف پہونچوں کوے جاناں تک
بٹھا کر دوش پر لے چلے باد صبا مجھکو

کہوں کیا غیب سے کیا آ لگا اک دل پہ پکا سا
ترا اجوڑا جو شکوہ یاد آیا مہ لقا مجھکو

سرود نالہ دل نے بھرے ہیں کان اپنے تو
ترے یہ چہچہے مرغ چمن خوش آئیں کیا مجھکو

محبت کو جو یہ دل ابتدا میں سہل سمجھا ہے
نظر کچھ اور ہی آتا ہے اس کا انتہا مجھکو

مزا اس عشق کا وہ ہے کہ جس سے سب مزے بھولے
نہیں ہے یاد دنیا کا ظفر کوئی مزا مجھکو

دیگر

اپنے پر زور تھے یاں جنکے سہارے بازو
وہ نظر آتے نہیں ہائے ہمارے بازو

غم و اندوہ رہیں کیوں نہ لگے ساتھ ان کے
حضرت دل کے یہی دونوں ہیں بارے بازو

سینے سے سینہ لگانے میں قباحت ہے اگر
اگر ذرا ملنے دو بازو سے تو پیارے بازو

بھولی آئی ہو کہاں بیچ تو کھولا بازو بند
آتے خالی ہیں نظر آج تمہارے بازو

ماہ نو کو جو ترقی ہے ترے ابرو سے
جانتے خال کو بھی اپنا ہیں تارے بازو

گر ترا تیر نگہ تیر ہوائی بنجائے
سرخ ہوں خون سے پرندوں کے بھی سارے بازو

دیکھیے ہوتے ہیں ہم کس سے بغلگیر ظفر
خود بخود آج پھڑکتے ہیں ہمارے بازو

دیگر

یونہیں گر ان بتوں پہ ہم فدا ہوں گے تو ہونے دو
جو ہم پہ ہر دم جور و جفا ہوں گے تو ہونے دو

مطلع ثانی

جتو پر زاہد و گر م فدا ہو نگے تو ہو نے دو
تمہیں پھر کیا گنہگا ر خدا ہو نگے تو ہو نے دو

اگر ہم مائل زلف دوتا ہوں گے تو ہو نے دو
کسیکو کیا گرفتا ر بلا ہو نگے تو ہو نے دو

نکلیں گے بلہوس آ سا نہ میدان محبت سے
اگر ہم کشتۂ تیغ جفا ہو نگے تو ہو نے دو

ذرا آئیں سہی وہ مقتل عشاق تک اپنے
جو لاکھوں فتنۂ محشر بپا ہو نگے تو ہو نے دو

اوٹھیں گے اے مسیحو ہم نہ ہر گز کوے جاناں سے
جو پا ال عدو جون نقش پا ہو نگے تو ہو نے دو

رہیں گے غرق ہی دائم ہم ونکی بحر الفت میں
اگر اس پر بھی وہ نا آشنا ہو نگے تو ہو نے دو

چلتے ہیں کوچہ گیسو میں شامت حضرت دل کی
بلا سے وان گرفتا ر بلا ہو نگے تو ہو نے دو

ظفر تم آج شکوہ گھر میں اوس مہوش کے جا دیکھو
بلا سے اس کے چہ بے جا بجا ہو نگے تو ہو نے دو

تری زلفوں کا ہوا جیسے کہ سودا ہم کو
ایک اندھیر جہاں میں نظر آیا ہم کو

مطلع ثانی

دے چکے آپ تسلی و دلا سا ہم کو
مرحمت کیجئے اب دل ہی ہمارا ہمکو

ہم پہ اس طرح جو رکھتے ہو روا جور و ستم
کیا نہیں جانتے بت بندہ خدا کا ہم کو

اپنی بر گشتگی بخت کا یا رب ہو برا
دین بھلائی پہ بھی الزام وہ اولٹا ہم کو

شکل آئینہ جو ہم آنکھ بہم رکھتے ہیں
اپنی صورت میں وہی ہے نظر آتا ہم کو

تری دشت نوردی کی جو طاقت تو جنون
کنج زندان ہی میں پھر تو نے بٹھایا ہم کو

عمر کی ہم نے بسر بے بصری میں یونہیں
وائے قسمت نہ نظر کوئی بھی آیا ہم کو

کچھ تو تھی دل میں کدورت جو بے خط غبار
ایک خط اوس بت نو خط نے نہ لکھا ہم کو

قصد ہے کشتن عشاق کا لیکن پہلے
دیکھیے اور کو وہ قتل کرے یا ہم کو

شور محشر سے نہ بیدار ہون ہے مستی عشق
اس قدر تو نے تھپک کر ہے سولایا ہم کو

جب سے کی سیر بہار چمن حسن ظفر
کوئی دنیا کا تماشا نہیں بھایا ہم کو

دیگر

آپ کو رسوا نہ زیر چرخ مینائی کرو
غافلو دیکھو سمجھ کر بادہ پیمائی کرو

اس طرح کا ہے کو اوس جان جہان پر ہو فدا
حضرت دل تم اگر کچھ خوف رسوائی کرو

کام کرتی ہے اشارہ میں ہزاروں کے تمام
تیغ ابرو کو ذرا تم کا فرمائی کرو

کھول کر زلف سیہ رخسار پر پھرتے تو ہو
رفتہ رفتہ پر کہیں ہم کو نہ سودائی کرو

کرتے ہو کیا کیا بیان کے تم مکان آراستہ
غافلو ان کی بھی وے کچھ خانہ آرائی کرو

جان لب پر آگئی بیمار درد ہجر کی
اب تو اے رشک مسیحا کچھ مسیحائی کرو

صاف آ جائے نظر پھر جلوہ جاناں تمہیں
دیدہ دل میں ظفر پیدا جو بینائی کرو

دیگر

ہر اک سخن پہ نہ میری زبان تو پکڑو
رقیب آگے مرے اپنے کان تو پکڑو

تم اور ہم سے زیادہ جنوں میں ہو معقول
ہمارے سامنے اے قیس کان تو پکڑو

زمیں کوچہ قاتل پہ جاے جان بازو
پکڑنے دے جو تمہیں آسمان تو پکڑو

بس اپنے کوچے میں جو تم شوق سے بنا کر چور
مری طرف سے جو ہو بدگمان تو پکڑو

خدا کے واسطے کہنے دو کچھ جو ہم کو تو
نہ گفتگو میں ہماری زبان تو پکڑو

لکھا ہے خط کوئی جیسے کہ تمہارے بن
کہ مدعا کوئی کوئی نشان تو پکڑو

خدنگ یار کہاں جاتے ہو ابھی جانا
ہمارے دل میں ذرا تم مکان تو پکڑو

جتانا اپنی نزاکت تمہیں ہے گلشن میں
تم اس خطا پہ ذرا گل کے کان تو پکڑو

پھر آج بھاگ چلا دل اوسی گلی کو ظفر
پکڑ سکو جو اوسے مہربان تو پکڑو

دیکھ کر رخ پر کھلی زلف چلیپا رات کو
اور بھی ہم کو ہوا وہ چند سودا رات کو

یاد خال رخ میں تیرے مہ جبین سوئے نہیں
ہم پڑے گنتے رہے اک اک ستارا رات کو

مانگ ہے زلفوں میں تیرے سائے یہ زہرہ جبیں
یا فلک پر کہکشاں کا خط ہے سیدھا رات کو

چاند سے مکھڑے پہ ملتی ہے ہوائے کب وہ زلف
چاندنی میں پھر رہا ہے سانپ کالا رات کو

آپ یوں چھپ چھپ کے کوئے یار میں جاتے تو ہیں
حضرت دل پاسبان سے ہو نہ جھگڑا رات کو

سرمہ سا آنکھوں کے تیرے وحشی اے آہو نگاہ
بیٹھے ہیں اک بچھا کر مرگ چھالا رات کو

ڈر ہے چشم ماہ کی تم کو نہ لگ جائے نظر
دیکھو کوٹھے پہ چڑھو اپنے نہ تنہا رات کو

قطعہ

تم جو کہتے ہو کہ دن کو ہوتا ہے افشائے راز
گھر میں میرے اے ظفر تو شوق سے آ رات کو

اپنے دربانوں سے یہ کہہ دو ہمیں ٹوکیں نہیں
ورنہ ہو جائے گا در پر مفت دنگا رات کو

دیگر

دیکھو بوسہ نہ بت ہوش ربا سے مانگو
اپنی اے حضرت دل خیر خدا سے مانگو

اندرون گلشن عالم کی مخالفت ہے ہوا
الاماں عندلیبو لیکن ہوا سے مانگو

تشنہ کامان محبت سے یہ کہہ دو جو تمہیں
چاہیے آب تو اوس تیغ جفا سے مانگو

تم سے دم باز کو دیتا ہوں کوئی اپناد
لاکھ دے کے مجھے دم اور دلاسا مانگو

کوئی دم اور بھی دیدار صنم دیکھنے دے
مہلت اے حضرت دل اتنی قضا سے مانگو

اوسکے در سے نہیں محروم کوئی بھی جاتا
جو تمہیں مانگنا ہو اپنے خدا سے مانگو

دولت شاہی باطن بھی اگر چاہتے ہو
تو ارادت سے ظفر تم فقرا سے مانگو

دیگر

تمہارے چشم کے کشتوں میں جدائی مقرر ہو
تو پھر رنگ کفن بھی اوسکا حنائی مقرر ہو

دلا جاتا ہے کوئے یار میں تو اور میں ڈرتا ہوں
کہ تیرے نام کچھ اس میں نہ بدنائی مقرر ہو

جو درد صاف جام مے رکھے پیر مغاں ساقی
مرید آکر پھر اوسکا سو لوی جائی مقرر ہو

تری جو زلف شبگوں کا ہو کشتہ دفن کو اوسکی
عجب کیا گر زمین کشور ختائی مقرر ہو

جو تو ہووس بت خودکام پر مائل تو پھر حاصل
نہ کیونکر اے دل ناکام ناکائی مقرر ہو

نہ کیونکر ہم بہ کشی حسرت سے اپنا خون دل ہر دم
جو گھر غیروں کے بزم بادہ آشنائی مقرر ہو

گلا ہرگز نہ اوس خودکام سے کرنا ظفر تم پر
کہیں ایسا نہ ہو الزام خودکائی مقرر ہو

دیگر

کہیں ہے ہم کبھی اولٹا نہ ہرگز یار سیدھی کو
ہیں اولٹے جو کہیں پھیر جاتی رفتار سیدھی کو

تمہاری قامت زیبا کا ہر دم وصف کرتا ہوں
نہ کہنا تم کبھی اولٹا مری گفتار سیدھی کو

خم ابرو کو تیرے دل ہی میرا لے ہے چھاتی پر
نہ لیوے ورنہ سینے پر کوئی تلوار سیدھی کو

نہ اہل حلم دل میں بات رکھ کر ہوں گران خاطر
کہ رکھے دل میں اولٹے کو نہ کچھ کہسار سیدھی کو

ہمیشہ کج روی کی بات ہے مقبول عالم میں
سمجھتے ہیں خلش کر دل میں مثل خار سیدھی کو

نہ ہوتی قدر ہرگز راست بازوں کی زمانے میں
سمجھتا ہی نہیں ہے چرخ کج رفتار سیدھی کو

ظفر کیسی پڑھا دی عمر نے پٹی انھیں اولٹی
کروں اقرار اولٹی کو یہاں انکار سیدھی کو

وحشت یہ کہہ رہی ہے کہ گھر سے نکل چلو
آئی بہار پھر نئے سر سے نکل چلو

جانا ہے کوئے یار میں تم کو اگر شتاب
اے طفل اشک دیدۂ تر سے نکل چلو

ہم رقیب ہو جو مرے گھر کی راہ میں
اے جاں اودر اگر سے نکل چلو

گردش میں چشم قبلہ نما کی طرح سے ہے
جب جانے چھپ کے میری نظر سے نکل چلو

فرقت میں کہہ رہی ہے مری آہ گرم رو
سینہ میں دل سے جان سے جگر سے نکل چلو

کہتا خدنگ نالہ سے ہے اپنا تیر آب
نہ گنبد فلک کی سپر سے نکل چلو

تم بات بھی نہ راہ میں اغیار سے کرو
لڑتے جھگڑتے اپنے ظفر سے نکل چلو

دیگر

اگر الفت کے قابل دل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو
ظفر تم اس میں کچھ حاصل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

قباحت زاہدو کیا ہے بتوں کے سجدہ کرنے میں
جو ہر شے میں اوسے شامل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

کرو کچھ گفتگو اون سے نیا رو میری جانب سے
اگر میرا سا اپنا دل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

ارادہ حضرت دل کوچہ قاتل میں جانے کا
نہیں تم کچھ اگر مشکل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

برنگ شمع سر کاٹو مرا تم یا جلا ڈالو
مناسب جو سر محفل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

کرو اے مے پرستو گفتگو کچھ تم نہ زاہد سے
گر اوسکو بات کے قابل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

ظفر جب کا عمل کرتے نہیں کیوں اوس پری وش پر
اگر تم آپ کو عامل سمجھتے ہو تو کر بیٹھو

دیگر

تم مرے دلربا ہو کچھ کہہ لو
دیدو اک بوسہ چاہے کچھ کہہ لو

اے بتو کہنے میں بر امیرے
گر تمہارا بھلا ہو کچھ کہہ لو

باوفا ہیں کہیں گے کچھ نہ تمہیں
تم ہمیں بیوفا ہو کچھ کہہ لو

ہو سکے تیز جھے نہ ہم کبھی تم سے
ہمیں اسکے گلا ہو کچھ کہہ لو

اور ہوتا تو ہم بھی کچھ کہتے
تم مرے آشنا ہو کچھ کہہ لو

حال اپنا تم اونسے حضرت دل
اور بھی گر رہا ہو کچھ کہہ لو

زاہدو رند ہم کو یا مےخوار
تم برے پارسا ہو کچھ کہہ لو

اے ظفر داخل کیا جو غیرت آئے
اوسکو جو بے حیا ہو کچھ کہہ لو

دیگر

وان سے رقیب دفع کہیں ہون کوئی نہو
جب ہے مزا اکیلے ہمیں ہون کوئی نہو

افسوس آہ و نالہ فغاں تیرے گوش زد
تاچہ رخ جائے ماہ جبین ہون کوئی نہو

بہتر ہے واقف اپنے اگر دل کے راز سے
رکھتے جو عشق پردہ نشیں ہون کوئی نہو

دیکھا بتوں کو ہم نے خدائی میں دوستو
جیسے یہ دشمن دل و دین ہون کوئی نہو

افسوس ہے خنجر و شمشیر اپنے پاس
جب غیر ہم پہ چین جبیں ہون کوئی نہو

ہمتاب تیرے گوہر دندان سے بحر حسن
ہیرے ہون خواہ در خوشون ہون کوئی نہو

یوں تو ہون جان نثار بھی اوسپہ بلبوس
جب کھینچتے وہ خنجر کین ہون کوئی نہو

کیا ہی ہما بھی ہے بتوں کو بھی اے ظفر

کہتے ہیں یہ جہان میں ہمیں ہون کوئی نہو

تو خط و خطا کی نہ تم تحریر کی توبہ کرو
ایک چھوٹی جھوٹی اس تقریر کی توبہ کرو

بوسہ بے مرضی نہیں ہم نے لیا جو جرم ہیں
مہرباں تجویز سے تعزیر کی توبہ کرو

کہتی ہے وہ زلف اپنے عہد میں آہنگرو
تم گرہ ہست سے آہنی زنجیر کی توبہ کرو

اپنے منہ سے آپ کہتے ہو کہ ہیں تقصیروار
ہم نے ملا تم نے گر تقصیر کی توبہ کرو

مل گئے یاں خاک میں کیا کیا محل جو نقش پا
غافلو اس فکر سے تعمیر کی توبہ کرو

آ گئے پہلے ہی قبضہ میں تمہارے اسے میاں
کیوں علم پھر ہم پہ یوں شمشیر کی توبہ کرو

منہ ہے کیا اے مانی و بہزاد جو کھینچو گے تم
کچھ شبیہ اوس عالم تصویر کی توبہ کرو

گر ہوئے یاں صاحب توقیر بھی کیا فائدہ
آرزو سے غافلو توقیر کی توبہ کرو

کیا تقدیر ہی کو اپنے سمجھا اے ظفر
کرتے ہو کیوں جستجو اکسیر کی توبہ کرو

دیگر

مدت کے بعد آج ادھر کیونکر آئے ہو
ازخود جو آئے ہو مرے گھر کیونکر آئے ہو

چہرے پر اوڑ رہی ہیں تمہارے ہوائیاں
سر تا قدم عرق میں ہو تر کیونکر آئے ہو

کل کیوں گئے تھے روٹھ کے تم ہم سے کیا سبب
آج آئے ہو جو رشک قمر کیونکر آئے ہو

آنکھیں ملا کے ہم سے کرو بات صاف صاف
کیا آپ کو ہے مد نظر کیونکر آئے ہو

آنا تمہاری ذات سے تو یاں بعید تھا
اپنے زہے نصیب مگر کیونکر آئے ہو

شب کو تو میرے پاس نہیں آئے تم کبھی
کچھ تو سبب ہے وقت سحر کیونکر آئے ہو

دل آپ کا جو صاف ہے مانند آئینہ
یاں دل پہ کب غبار ہے پر کیونکر آئے ہو

میں تو یہ جانتا تھا مرے آئے قتل کو
لائے نہ تیغ ہو نہ سپر کیونکر آئے ہو

کہنے لگے کہ تم بھی عجب شخص ہو کوئی
ہم سے جو پوچھتے ہو ظفر کیونکر آئے ہو

قطعہ

لائی ہے کھینچ کر کشش دل سے آپ کی
کہتے ہو بار بار ادھر کیونکر آئے ہو

اس پوچھنے پہ ہم نہیں آئیں گے پھر کبھی
منہ سے نہ کہنا باز دگر کیونکر آئے ہو

ردیف ہای مختفی

ہو میں وا نہیں اوس زلف عنبریں کی گانٹھ
کھلی ہے نافہ مشک تتار و چین کی گانٹھ

صبا وہ چور ہے باد کی کہ کھول لے ہے الگ
چمن میں غنچہ نسرین و یاسمین کی گانٹھ

سبب گرفتہ دلی کا ہے مایہ دنیا
صدف کے دل میں ہے دیکھو در ثمین کی گانٹھ

کشادکار ہو دل کی کہیں کھلے جلدی
الٰہی گوشہ ابروے مہ جبین کی گانٹھ

میرا حسن سوچ سا کبھی نہ کھلے
حباب وار ہمارے دل حزیں کی گانٹھ

خدا بچائے کہ عارض پہ سبزہ رنگوں کے
یہ گانٹھ زہر کی ہے خال عنبریں کی گانٹھ

ظفر جدا ہو نہ تسبیح سے کبھی زنار
ہر ایک دانہ کے گھٹ میں ہے کفر و دیں کی گانٹھ

لب خوبان مہ جمال کو دیکھ
رنج کو آئی ہنسی ہلال کو دیکھ

تیرا کلک خیال سے نقشہ
کھینچا ہن دیکھے اس کمال کو دیکھ

ہو قیامت بپا قیامت پر
تیرے قامت کو تیری چال کو دیکھ

اے دل اوس زلف سے الجھ کر تو
سر پہ لیتا ہے کیوں وبال کو دیکھ

رکھتا ہوں میں خیال وصل ترا
مجھ کو دیکھ اور مرے خیال کو دیکھ

تیرہ بختوں کا کوکب طالع
گر نہ دیکھا ہو اپنے خال کو دیکھ

بوسہ مانگوں تو وہ کہے ہنس کر
اپنے منہ کو اور اس سوال کو دیکھ

ہے یقین جلد آئے گا قاصد
کر گیا ہے وہ میرے حال کو دیکھ

پڑھتا ہوں قافیہ بدل کے غزل
اے ظفر میری بول چال کو دیکھ

تو اوٹھا کر نظر ادھر کو دیکھ
میں رہا ہوں تری نظر کو دیکھ

مطلع ثانی

وہ جو ہنسنے لگے ادھر کو دیکھ
پا گئے کچھ مری نظر کو دیکھ

تا بہ بارش کو دیکھتا کیا ہے
مری مژگان چشم تر کو دیکھ

شمع کھنچتی ہے جس رخ تک سو بار
رات اوس غیرت قمر کو دیکھ

شعلہ کیا کانپتی ہے بجلی بھی
اوس مری آہ پر شرر کو دیکھ

کھینچ لایا ہے آخرش رخ کو
کشش دل کے اس اثر کو دیکھ

تیرے کیا کیا ستم سہے میں نے
اے ستمگر مرے جگر کو دیکھ

دیکھ نادان کسی کا عیب نہ دیکھ
دیکھتا ہے اگر ہنر کو دیکھ

کان سے جو سنا تھا مجنوں کو
وہ گیا آنکھ سے ظفر کو دیکھ

دیگر

دیکھ اے آئینہ رو اپنا دکھا مت نقش
ہم کو دکھلائے گی کچھ اور ہی حیرت نقش

ماہ کنعان ترا ہمشکل ہو کس صورت سے
نہ یہ صورت نہ یہ اے کان ملاحت نقش

گر یہی تیری درازی ہے تو پھر صبح نکل
دیکھیے اپنا ہو کیا اے شب فرقت نقش

دیکھ کر نقش ترا کہتے ہیں سارے نقاش
یہ کھنچے کس سے بجز خامہ قدرت نقش

ماہرو چہرہ ہے زرد اشک ہیں مانند گہر
تیرے عاشق کا ہے یہ عشق کی دولت نقش

جس نے مجنوں کو نہ دیکھا ہو وہ مجھ کو دیکھے
ایک سا دونوں کا ہے باعث وحشت نقش

دل نے کی دیکھتے ہی ایک قیامت برپا
وسکے قامت کا ظفر ہے وہ قیامت نقش

دیگر

جھپکتی سکتی ہے اوس شوخ پر عتاب سے آنکھ
وہ کون ہے کہ لڑی جس کی آفتاب سے آنکھ

کیا گنا ہوں نے میری مجھے یہ شرمندہ
کہ میری اوٹھ نہیں سکتی کبھی حجاب سے آنکھ

صفائی دیدہ کی دیکھو حیا کا نیل نہیں
مثال آئینہ دھوئی ہوئی ہے آب سے آنکھ

نہووے قابل نظارہ گل رخسار
ہزار بار اگر دھوئیں ہم گلاب سے آنکھ

پیے ہے خون کسی کا یہ تیر غمزہ چشم
نہیں ہے سرخ تری تشنہ شراب سے آنکھ

تری جو عارض روشن کی اک جھلک دیکھی
بس اپنی سیر ہوئی سیر ماہتاب سے آنکھ

پھر اخراب وہ خانہ بخانہ وحشت میں
تمہاری پھر گئی جس خانمان خراب سے آنکھ

یہ میرے طالع خفتہ کی خوبیاں ہیں کہ وہ
جب آئیں خواب میں کھل جائے میری خواب سے آنکھ

خدا نے دی ہے نظر جس کو اے ظفر اوس کی
رہی ہے ایک ہی پیری تلک شباب سے آنکھ

اپنی تو سوا تیرے کسی پر نہ پڑی آنکھ
سو پردوں میں اے پردہ نشین تجھ سے لڑی آنکھ

کیا پوچھتے ہو رات ہے کس طرح گزرتی
لگتی شب فرقت میں نہیں اک گھڑی آنکھ

ہر ایک مژہ کو مرے ٹکڑوں سے جگر کے
کیا خوب بنا دیتی ہے پھولوں کی چھڑی آنکھ

دنیا کی شد آمد کا شریفوں کو تحمل
کیونکر ہو اوٹھا سکتی نہیں چوٹ کری آنکھ

غارت گر دل یوں تو ہین سب ابرو مژگان
پر آفت جان سب سے ہے اے شوخ بڑی آنکھ

کیونکہ نہ جلے دیکھ کے پروانہ کہ سب سے
اے شوخ لڑائے ہے تو بے شرم کھڑی آنکھ

جھڑ جاتی ہے اک پل میں ظفر ابرو کی تیغ
جس وقت لگا دیتی ہے اشکوں کی جھڑی آنکھ

دیگر

تکرر ہر ایک سے تو وہ کلام بیہودہ
کہ جس سے ہو ترا مشہور نام بیہودہ

نصیب ہو گا نہ ہرگز وہ بوسہ رخ و زلف
یہ ہے خیال ہمیں صبح و شام بیہودہ

ترے شہید محبت کی نعش پہ قاتل
ہوا ہے خلق کا کیوں اژدہام بیہودہ

جو اشک و خون لہو بیفائدہ ہے دیدہ دل
بغیر بادہ ہے مینا و جام بیہودہ

ترے خرام کے آگے غرور فتنہ حشر
ہے ایک لاف سے اے خوشخرام بیہودہ

جو دل میں آئے سو فرماؤ مجھ کو حضرت عشق
کرے گا عرض نہ کچھ یہ غلام بیہودہ

نہیں دہن میں مرے غنچہ لب کے جائے سخن
کلام کرتا ہے یان لا کلام بیہودہ

نہ کچھ ہے گریہ سے حاصل نہ آہ و نالہ سے
ہمارے عشق میں ہیں دونوں کام بیہودہ

جو ذکر کیجئے کچھ اے ظفر تو ذکر خدا
بغیر اس کے ہیں باتیں تمام بیہودہ

دیگر

گو تمسے خفا ہو کے نہیں بات کہی کچھ
پر دل میں تمہارے خفگی ہے تو سہی کچھ

معیت کش گردون دنی کس کی بلا ہو
دل میں تو تمنا ہی نہیں اپنے رہی کچھ

کم قسمتی اپنی کے سوا اور تو ہم کو
کھلتا نہیں اونکا سبب کم نگہی کچھ

گریہ سے جو میرے لہو برسات تو پیدا
دنیا میں نہ غلہ ہو نہو دود وہی کچھ

ہو سکتا بھلا کون ستم تیرا ستمگر
البتہ جفا ہم نے سہی ہاں تو سہی کچھ

دریا مرے اشکوں کا جو چڑھ جائے تو گردون
معلوم ہو یہ آئی ہے گھڑی سی بہی کچھ

جس کے کلہ فقر ظفر سر پہ سجا یا
وہ مال سمجھتا ہی نہیں تاج شہی کچھ

ہر ادا اک بلا معاذ اللہ / تو وہ کافر ادا معاذ اللہ

دل کے ڈسنے کو کیا بلا ناگن / ہے وہ زلف دوتا معاذ اللہ

چشم سحر آفرین و قہر خدا / نگہ فتنہ زا معاذ اللہ

ناصحو ہو سکے ہے کب مجھ سے / ترک مہر و وفا معاذ اللہ

میں کہوں توبہ مے سے جھوٹ نہ بول / توبہ کر زاہدا معاذ اللہ

جو برا سمجھے آپ کو وہ کہے / کیا کسی کو برا معاذ اللہ

تجھ سے دل لے کے دیں گے اور کو ہم / غلط اے دلربا معاذ اللہ

اے ظفر چھیڑنے پہ زلف کی رات
ہوئے برہم وہ کیا معاذ اللہ

نشے میں کس نے اوتارا تھا طاق سے شیشہ / کہ گر کے ہاتھ سے ٹوٹا تڑاق سے شیشہ

ہمیں تو جام ہی پہ ٹالتا رہا ساقی / ہوا نصیب کبھی اتفاق سے شیشہ

بہت دنوں میں جو ہوتی ہے بزم وصل نصیب / ملے ہے جام سے کیا اشتیاق سے شیشہ

مگر فلک سے طلب شربت محبت کی / بھرا ہوا ہے یہ زہر نفاق سے شیشہ

اگر اشارہ ہو کچھ چشم مست ساقی کا / تو آئے بزم میں اک طمطراق سے شیشہ

جو سیکھے لب سے ترے طرز خندہ نمکین / بجے نہ بزم میں خالی مذاق سے شیشہ

دیگر

پڑے جس جا پہ تری زلف دوتا کا سایہ / نہ ہے ہما کو وہاں اور بلا کا سایہ

کیا عجب شاخ کو گر گاو زمیں کے توڑے / اسی گراں بار غم و رنج و عنا کا سایہ

اوس سے پیدا گل اورنگ ہوا گل مہندی / پڑے جس خاک پہ اوس فندق پا کا سایہ

اپنے آرام کو اس باغ جہاں میں ساقی / خوب مستوں نے ترے تاک کا تاکا سایہ

دل دیا جسنے ہے اوس مہر لقا کو اپنا / گر پڑا جس پہ نہیں مہر و وفا کا سایہ

کشتۂ دست حنائی ہوں مری تربت پر / کیا عجب ہے کہ رہے نخل حنا کا سایہ

اپنی قسمت سے ہیں ہم آپ ظفر ظل اللہ / نہیں درکار ہمیں بال ہما کا سایہ

دیگر

کردے وہ اک دم میں سب تیغ نظر سے فیصلہ
جان کا تن سے فیصلہ ہو تن کا سر سے فیصلہ

کیوں جواب خط قلم انداز ہوتا ہے مرا
ہو نہیں سکتا کچھ اس کا نامہ بر سے فیصلہ

دوپہر کے بعد تم آئے تو پھر کیا فائدہ
ہو گیا پہلے ہی یاں تو دوپہر سے فیصلہ

کرتی ہیں کاوش مرے دل سے وہ مژگان بیٹھے
کیونکہ ہووے اس کا چشم فتنہ گر سے فیصلہ

میرا اونکا فیصلہ ہو کس طرح جب تک نہ ہو
کچھ ادھر سے فیصلہ اور کچھ ادھر سے فیصلہ

یہ محبت کا وہ جھگڑا ہے کہ روز حشر کو
شام تک جس کا نہ ہو ہرگز سحر سے فیصلہ

یہ لڑائی روز کی اچھی نہیں اے مہربان
بیٹھ کر لیجئے اک دن ظفر سے فیصلہ

دیگر

اوسنے عرفے سے جب اٹھائی آنکھ
دیکھ لی ہم نے لاابالی آنکھ

کچھ حیا بھی ہے تھوڑی آنکھوں میں
ہم سے اوسنے جو یوں چھپالی آنکھ

دیکھے اوس آنکھ کو کوئی پھر کیا
ہو جو سو بار دیکھی بھالی آنکھ

شب تاریک ہجر میں مجھ پر
ہر ستارے نے کیا اٹھالی آنکھ

پر ہے ہر دم ترے تصور سے
ہوتی اپنی کبھی نہ خالی آنکھ

ظفر آنسو نہیں کبھی تھمتے
اپنی ہے کیا ہی رونے والی آنکھ

میرے خط کا گر ادے کچھ مدعا لگ جائے ہاتھ
سر قلم قاصد کا ہو کاتب کے بھی کٹوائے ہاتھ

مطلع ثانی

جسکو گل چلمن سے مہندی کے بھرے دکھلائے ہاتھ
خون ہی پی جاوں اوسکا میں جو وہ آ جائے ہاتھ

فندق و دست حنائی دیکھ کر کہتا ہے مست
ہائے رنگت ہائے فندق ہائے مہندی ہائے ہاتھ

اوس بت رنگین ادا کی یہ بھی ہیں رنگنیاں
جو بہانے سے حنا کے غیر سے بندھوائے ہاتھ

نقش روے کو تیرا کھینچے امکان کیا
لاکھ باری گر مصور توڑ کر بنوائے ہاتھ

دیکھ کر گردوں پہ خط کہکشاں کہتے ہیں مست
آسمان ہے اپنا بہر جام مے پھیلائے ہاتھ

اے ظفر تجکو ید اللہ کی قسم مت چھوڑیو
بعد مدت ہاتھ اوس بت کے ہیں تیرے آئے ہاتھ

دیگر

جو کھولی زلف کی شانہ نے چھیڑ چھاڑ کے گانٹھ
کھلی نہ دل کی مرے بعد اس بگاڑ کے گانٹھ

کمند عشق میں پہلے ہی بند دہا پڑے
لگا دن سے نہ اس صید کو پچھاڑ کے گانٹھ

مرے جو پاؤں کے چھالوں کی تھی گرہ دل میں
سو کانٹے کھول رہے ہیں وہ جھاڑ جھاڑ کے گانٹھ

جو بعد قتل بھی ہو دل میں تیرے کوئی گرہ
دے کھول لاش مری پاؤں سے لتاڑ کے گانٹھ

نہ دل گرفتہ ہو پھر کیونکہ سا کنان زمین
جب اس کے دل میں باعث ہو پھر پہاڑ کے گانٹھ

عدو کے بند قبا میں مرے دکھانے کو
لگا رہے تھے وہ پیچھے کھڑے کیواڑ کے گانٹھ

لگا دیے دل و دین بازی محبت پہ
اب اور کیا ہے کہ بیٹھے ہیں ہم جھاڑ کے گانٹھ

گئے تو ہیں مرے غمخوار واں مجھے ڈر ہے
ظفر نہ لے وہ ادھر سے اودھر اوکھاڑ کے گانٹھ

یہ قدرت نے جو لکھا ہے تمہارا نقشہ نہ کھینچا ایک مصور سے وہ سارا نقشہ

مطلع ثانی

ہم نے دیکھا جو ترا آج دل آرا نقشہ ہو گیا دیکھتے ہی اور ہمارا نقشہ
پنجہ مہر کی دیکھی نہ شفق میں یہ شکل دست رنگین کا ترے ہے جو نگارا نقشہ
رخ روشن پہ ترے خال کا شب ماہ جبین چھپ گیا دیکھ کے ہر ایک ستارا نقشہ
وہ خود آرا نہیں صورت ہے دکھاتا مجکو تو مجھے کھینچ دے مانی وہ خدارا نقشہ
آفرین کلک تصور کو مرے کیا اوس نے ورق دل پہ ہے سب اوسکا اوتارا نقشہ
اہ پر سوز جلا دے نہ کہیں دامن چرخ رکھتا ہے اور ہی کچھ اوسکا شرارا نقشہ
اک نقطہ رخ سے ہی کچھ ملتی یونہیں سی صورت ملتا کب ماہ کا ہے یار سے سارا نقشہ
یار کی ملتی شباہت ہے اگر لیلی سے
تو ظفر ملتا ہے مجنوں سے ہمارا نقشہ

جوش گریہ سے لگی رہتی جو دریا بار آنکھ ہو گئی کس بحر خوبی سے ہماری چار آنکھ
لگ گئے دل کو مرے آزار کیسے دیکھنا لگ گئی جس دن سے تجھ سے اوبت عیار آنکھ
ہو تصور اوس رخ پرنور کا جس آنکھ میں کیا عجب بن جائے گر وہ مطلع انوار آنکھ
پھر اس سے تو بلا سے میری گردن پر چھری پر نہ مجھ سے پھیر اپنی قاتل خونخوار آنکھ
ہو گیا وہ محو حیرت صاف مثل آئینہ پڑ گئی جس پر تری آئینہ رخسار آنکھ
دیکھتے ہی نیچی یہ نظروں سے کس گلزار میں کیں وہ نہیں اوپر اوٹھاتی نرگس بیمار آنکھ
سرمہ بینش نہو جب تک غبار میکدہ اے ظفر ہرگز نہو سے قابل دیدار آنکھ

دیگر

نہ آنکھ لگی پری کی ہے جو ہے حور کی آنکھ
جو رسیلی ہے غضب وہیں بت مغرور کی آنکھ

چشم انجم کی طرح ہجر کی شب ماہ لقا
نہیں اک لحظہ جھپکتی ترے مہجور کی آنکھ

بسکہ روتی غم دوری میں کسی کی برسوں
دیکھ سکتی نہیں چیز کو اب دور کی آنکھ

شوق دیدار میں تیرے جو کھلی رہتی نہیں
آج وہ بند ہوئی عاشق رنجور کی آنکھ

ہوتے ہیں دیکھتے ہی ہم اسے از خود رفتہ
رکھتی مستی سے ہے جام مے انگور کی آنکھ

کہتے نرگس ہیں جسے خاک سے یہ نکلی ہے
دید و دنیا کے لیے قیصر فغفور کی آنکھ

حق ہی کہتے ہیں سر دار بھی حق میں ہو ظفر
تو جھپکتی نہیں لاکھوں سے بھی منصور کی آنکھ

دیگر

پڑی جو دل میں ترے ہے وہ اپنے تاڑ میں گانٹھ
کس طرح نہیں کھلتی پڑے یہ بھاڑ میں گانٹھ

نسیم سوج بہاری بھی ہے بادی وہ چور
کہ کھولتی ہے غنچوں کی چھیڑ چھاڑ میں گانٹھ

نہ جرم بوسہ پہ پکڑو گلے سے لگ جاؤ
کہ غم کی دل میں پڑے سے نہ اس بگاڑ میں گانٹھ

گرہ جو سال گرہ کی تھی کوہکن کے لگی
بنی ہے لعل بدخشاں وہی پہاڑ میں گانٹھ

پھرے ہیں دشت میں دیوانے نقد دل دے کر
کہ زر کی رکھتے وہ مفلس نہیں ہو جھاڑ میں گانٹھ

لڑی تو آنکھ چرا لے گئی وہ دزد نظر
جو دل کے رکھی تھی پینڈ کی ہم نے آڑ میں گانٹھ

بن اوسکے مے کا جو اترا گلو سے گھونٹ ظفر
جو جا کے بن گیا چھاتی کے وہ کواڑ میں گانٹھ

کہتے ہے ہو کیونکہ دل پاک بشر میں گرہ
دیکھی نہیں آج تک تار نظر میں گرہ

دیکھے مژہ پہ مرے پارہ دل جس نے گر
دیکھی نہو جون ثمر شاخ خنجر میں گرہ

دود جگر سے مرے چرخ پہ ہو گا عجب
مرد مک آسا سیاہ چشم قمر میں گرہ

ہوتی کسی طرح سے کیوں نہیں واشدا سے
دل سے اگہی کہ ہے یہ مرے بر مین گرہ

دیکھے جو گرداب میں بادہ کشوں نے جناب
سوجھی نشہ میں اونہیں دیکھو بھنور میں گرہ

خطوط میں لکھیں ہم اگر حال رگفتہ دلی
ہووین کبوتر کے پھر سیکڑوں پر میں گرہ

فرقت ساقی میں آہ اوترا گلے سے نہ یان
قطرہ مے بن گیا حلق ظفر میں گرہ

دیگر

حضرت غم کا ہے گر قصد ادھر بسم اللہ
دل میں وہ آہ کہ حاضر ہے یہ گھر بسم اللہ

سطر ابرو سے ترے کیا ہے سر مصحف رخ
یہ قدرت کی لکھی ائی نظر بسم اللہ

پاس وا اوس مست کار ہے جو نشہ کے باعث
کیا تعجب کہے زاہد بھی اگر بسم اللہ

دل میں ہے عشق جو اوس روے کتابی کا شروع
اپنے ہے ورد زبان آٹھ پہر بسم اللہ

سوجھی مستوں کو عجب دیکھ خط کا کہکشاں
صفحہ چرخ پہ لکھی ہے مگر بسم اللہ

بسمل شوق تڑپتا رہے کب تک قاتل
قتل کرتا ہے اگر اس کو تو کر بسم اللہ

کام انسان کا رہے بند ہی پھر دنیا میں
کنجی اس قفل کی ہووے نہ اگر بسم اللہ

کیوں لگاتا ہے ولا دیر جو ہوئی ہو سو ہو
بحر الفت میں قدم شوق سے دھر بسم اللہ

دفتر علم و خرد ہم نے اوسی دن دھویا
کتب عشق میں کی جبکہ ظفر بسم اللہ

دیگر

دیویں قاصد کیا خط اوس بدمذہب کے ہاتھ
جو قلم کرتا ہو یکسر سب کے ہاتھ

غور سے دیکھا تو سب ہے خلق میں
دوستی و دشمنی مطلب کے ہاتھ

دل پھرے اوس سنگدل سے کس طرح
نکلے کیا پتھر کے نیچے دب کے ہاتھ

میری اونکی ہاتھا پائی دیکھنا
چڑھ گئے موقع پہ گر وہ اب کے ہاتھ

اب جدا ہیں وہ تو کیا پر یاد ہیں
ہم کو وہ اونکے ملانے جب کے ہاتھ

عشق میں مرنے سے ہم ڈرتے نہیں
جان سے دھو بیٹھے ہیں ہم اب کے ہاتھ

ہو کے پیدل ڈالنا مت اے ظفر
اوپر اوسکے ناز کے مرکب کے ہاتھ

کھینچتا لے جو گئے ضعف سے ہم ہانپ کے بیٹھ | زلف تو مل گئی اور جی رخ گیا کانپ کے بیٹھ

ہم سے چھپ چھپ کے جو تم غیروں سے ہنستے ہو تو پھر | اوس کیا جان کو ہم روئیں گے منہ ڈھانپ کے بیٹھ

ناگن زلف کی تیری وبلا ہے کافر | دیکھ کر جس کو گئے دانت سیہ سانپ کے بیٹھ

شب کو وہ ماہ وش آیا جو لب بام تو ماہ | چادر ابر میں منہ اپنا گیا ڈھانپ کے بیٹھ

جودت طبع ظفر ہم ہیں جہاں دکھلاتے

باؤ کے گھوڑے بھی جاتے ہیں وہاں ہانپ کے بیٹھ

جی کھول کے رو لیجے ہے یہ ہوس شیشہ | پر ساتھ ہی ہچکی کے اولٹا نفس شیشہ

داغوں میں محبت کے دیکھو تو مرے دل کو | رکھے ہوئے ساغر ہیں کیا پیش و پس شیشہ

منہ کھلتے ہی شیشہ کا اوڑ جائے ہے جا ساقی | بوئے مے گلگون ہے مرغ قفس شیشہ

ہیں دیدہ و دل حاضر گر یار کے ہاتھوں تک | ہو دسترس ساغر اور دسترس شیشہ

ہر آبلہ پا ہے ہمسر مرا شیشہ سے | اور کانٹے ہیں گرد اوس کی مانند مس شیشہ

کیا خوب ہو زیبد گر بادہ پرستوں کی | ہو گنبد تربت پر ساقی کلس شیشہ

دل میں ہے خیال آیا خال رخ جاناں کا | اب دیکھیے نکلے ہے کیونکر مگس شیشہ

ہے جی میں ظفر کیجیے خالی دم مے نوشی | شیشہ کو بس ساغر اور خم کو بس شیشہ

دیگر

لوگ تو روز سناتے ہیں خبر کچھ کی کچھ | پر ہمیں اور ہی آتی ہے نظر کچھ کی کچھ

سرد مہری سے تری سرد ہے دل اس پر بھی | ہے مری گرمی بازار جگر کچھ کی کچھ

چھپ سکے عاشق و معشوق سے کیا راز بہم | کچھ سے کچھ حال اودھر شکل ادھر کچھ کی کچھ

ہو گئی شکل ترے صید کی اے صید فگن | تکتے ہی ایک ترا تیر نظر کچھ کی کچھ

پڑتے ہی آئینہ جو رخ میں عکس رخ یار | ہو گئی روشنی شمس و قمر کچھ کی کچھ

آگے ہوتا تھا کبھی حال دگرگون دل کا | حالت اب رہنے لگی آٹھ پہر کچھ کی کچھ

رات بھر گر ترے بیمار کی یہ شکل رہی | دیکھنا صورت امید سحر کچھ کی کچھ

کچھ کہیں بھی ہم اگر اونسے حقیقت اپنی | فی الحقیقت نہ کہی جائے مگر کچھ کی کچھ

اونسے کہنا ہو جو کچھ تم کو سمجھ کر کہنا | کر بنا لیتے ہیں وہ بات ظفر کچھ کی کچھ

دیگر

میرے اوس کے ہو جو گھر میں ایک گھر کا فاصلہ
ہے مرے نزدیک وہ بھی کوس بھر کا فاصلہ

تیر مژگان پار سینہ سے ہوا اک جست میں
ہمدمو کچھ بھی نہ سمجھا دل جگر کا فاصلہ

دو پہر کو آئیں گے کہہ تو گئے وہ صبحدم
یاں قیامت ہے عزیزو دوپہر کا فاصلہ

جھوٹ ہم کہتے نہیں ہیں تیری آنکھوں کی قسم
دل سے تو نزدیک ہے پر ہے نظر کا فاصلہ

اتصال زلف و رخ دیکھا جو یا ہم روٹھ گیا
عمر میں تیرے سانے صنم شام و سحر کا فاصلہ

پھاند کر دیوار جائیں شب کو گھر اوس کے مگر
ضعف سے کوسوں کا ہے دیوار و در کا فاصلہ

خیر گزری اوٹھ گیا جلدی سے ورنہ بزم میں
غیر میں اور یار میں تھا اک ظفر کا فاصلہ

دیگر

میں نہیں دل سے بت ہوش ربا کا بندہ
بندۂ شرطی ہوں ولے میں ہوں خدا کا بندہ

مطلع ثانی

کوئی ایسا نہیں دنیا میں خدا کا بندہ
کہ نہیں اوس صنم ہوش ربا کا بندہ

کیونکہ پھر قدر ہو کچھ مہر و وفا کی اوسکو
کہ وہ ہے مہر نہیں مہر و وفا کا بندہ

اللہ اللہ رے تیرے شرم و حیا کا عالم
ایسا دیکھا ہی نہیں شرم و حیا کا بندہ

ہو تو اثر بہت دیدا اپنے سر رنج کو
درد میں ہو نہ وہ محتاج دوا کا بندہ

سرخرو حشر کو ہوگا وہی سب بندوں میں
جو شہید اوسکی ہوا تیغ جفا کا بندہ

تیرے ہر جور پہ صابر ہوں جفا پر راضی
دیکھ تو میں بھی ہوں کیا صبر و رضا کا بندہ

تو جو ہے بندۂ حق بیٹھ خدا کے در پر
در بدر بن کے نہ پھر حرص و ہوا کا بندہ

خواہ ہو گبر کوئی خواہ مسلمان لیکن
یاں نہیں کون تری آن و ادا کا بندہ

اے ظفر جیسے میں اوس بت کا بنا ہوں بندہ
دیکھتا ہے مجھے ہر ایک خدا کا بندہ

آج کل میں کچھ اور ہے نقشہ
گھڑی پل میں کچھ اور ہے نقشہ

اونکی الفت میں جو خلل آیا
اس خلل میں کچھ اور ہے نقشہ

ماتم کو کس سے اے شیریں
ہر جبل میں کچھ اور ہے نقشہ

کیونکہ دیکھے نہ پھونک پھونک قدم
اس عمل میں کچھ اور ہے نقشہ

دل مضطر کا یار بن تیرے
اب بغل میں کچھ اور ہے نقشہ

گر یہی غم سے اپنی حالت ہے
کوئی پل میں کچھ اور ہے نقشہ

اے ظفر آپ کی طبیعت کا
ہر غزل میں کچھ اور ہے نقشہ

دیگر

نہیں کہیں ہے تری چشم فتنہ زا کی پناہ
یہ وہ بلا ہے کہ بس اے صنم خدا کی پناہ

سوائے رنج و غم و یاس چاہ میں اونکی
دلا نہ ڈھونڈھ کسی یار و آشنا کی پناہ

پناہ مانگتا ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص
غضب ہے تیغ ادا شوخ کج ادا کی پناہ

جفا سے تیری نہیں ڈرتے باوفا ظالم
کہ اونکے واسطے ہے عشق میں وفا کی پناہ

پھرے ہے موج ہوا ساقیا لیے شمشیر
نہیں بجز سپر جام اوس ہوا کی پناہ

بچے نگاہ سے دل تیرے کس طرح ظالم
کہ ہے جہاں میں کہاں ناوک قضا کی پناہ

اگر قبول ہو درگاہ ایزدی میں ظفر
تو دو جہاں میں کافی ہے اک دعا کی پناہ

ردیف الیا

خیال زلف نے یہ شکل رات سے کھودی
کہ ہم نے جان ہی آج اپنے ہات سے کھودی

جہاں کے سارے حسینوں کی آپ نے خوبی
پھبن سے ناز سے شوخی سے گات سے کھودی

ترے مریض کی ہیں زندگی سے سب مایوس
جو گور اس کی ہے پہلے وفات سے کھودی

نشان نظر نہیں آتا کہیں محبت کا
یہ شے خدا نے ہے کیا کائنات سے کھودی

نگین دل پہ کیا کندہ نام تیرا دیکھ
یہ ہو رہی ہے کہ لک نا دررات سے کھودی

برائی آئی بھی دل میں جو کچھ تغافل سے
تو اور نے اک نگہ التفات سے کھودی

وفا کا مشرے نہ لیتا تھا نام وان ہم سے
س اپنی بات ظفر ایک بات سے کھودی

کہے ہے اور بیگانہ یگانہ اور کہتا ہے
دل اپنا اور کہتا ہے زمانہ اور کہتا ہے

نکل کر آہ سینے سے مرے کچھ اور کہتی ہے
اور آنسو آنکھ سے ہو کر روانہ اور کہتا ہے

نہیں آساں لگانا تیر دل پر سخت جانوں کے
کر اے ناوک فگن کچھ یہ نشانہ اور کہتا ہے

کہا کس کا کروں ہے قصد کعبہ اور کچھ کہتا
اور اس کافر کا شوق آستانہ اور کہتا ہے

یہ ہیں تقدیر کی باتیں کہ میں کچھ اور ہی کہتا تھا
ہوا وہ سن کے برہم اور سے جانا اور کہتا ہے

اڑی سنکر جسے اے قصہ خوان نیند اپنی آنکھوں سے
ہمارے آگے تو وہ ہی فسانہ اور کہتا ہے

جہاں میں اور شاعر اے ظفر کچھ اور کہتے ہیں
جو تو کہتا ہے شعر عاشقانہ اور کہتا ہے

اعجاز نما جلوہ موسائے فلک ہے
خورشید نہیں یہ ید بیضائے فلک ہے

انجم سے جو ہے انجمن آراستہ کرتا
کیا جانے وہ کون انجمن آرائے فلک ہے

کیا تاب تجھے دیکھ سکے ایک نظر بھی
ہر چند کہ مہ دیدہ بینائے فلک ہے

قطرے وہ جبیں پر نہیں ہیں جمع عرق کے
جن سے کہ خجل عقد ثریائے فلک ہے

دوری میں تری اے مہ بے مہر ہمیشہ
جولانگہ نالہ مرا پہنائے فلک ہے

غافل نہ ہو عشرت کا طلبگار فلک ہے
خالی یہ مئے عیش سے مینائے فلک ہے

کہتا ہے ظفر خلق جسے ماہ پر نور
سجدے سے در یار کے سیمائے فلک ہے

دیگر

زلفوں پہ تیری آئینہ میں یہ گماں ہے
دریا پہ ہندوؤں کا ہے میلہ نہان ہے

تیرے مریض عشق کا اے شوخ سبزہ رنگ
یہ حال ضعف سے ہے کہ بس دھان پان ہے

نکلے ہے جبکہ دل سے مرے آہ شعلہ بار
بجلی بھی کہتی الحذر والامان ہے

یوں خال رخ سے اوس کے در گوش ہے قرین
گویا کہ مشتری کا زحل سے قران ہے

تعظیم دل کی کیوں نہ ہو رہتا ہے دل میں تو
پاتا شرف مکین کے سبب سے مکان ہے

انجم سے ہے جو خندہ دندان نما عیان
ہنستا ہمارے رونے پہ شب آسمان ہے

کہتا ظفر کو بزم میں ہے کیوں برا بھلا
اے بد زبان او سکے بھی منہ میں زبان ہے

دیگر

ہماری آنکھ ہے اک بزم یار میں جھلکی
بھلے نصیب اگر ہوئے گردن عاشق
ہوا سے ہلتی نہیں ہے یہ شاخ لالا کی
ہزار فتنہ سرکش کو ہے جھکا دیتی
کہے ہے زلف مگر کچھ مری پریشانی
جو نفع چاہو تو لو وصول دل محبت میں
خجل اون آنکھوں سے چشم نرگس شہلا

نہ سو میں جھلکی ہے نے یہ ہزار میں جھلکی ہے
بہ زیر تیغ تری راہگوار میں جھلکی ہے
ترے سلام کو ہے لالہ زار میں جھلکی
تری نگاہ ہے جس دم خمار میں جھلکی
جو ہے وہ گوش بت بد شعار میں جھلکی
کہ جنس سستی ہے یہ اس دیار میں جھلکی
ظفر ہے اس سے وہ جوش بہار میں جھلکی

کہکشاں سے خیمہ چرخ بریں پر جھول ہے
چست ہے قد پر ترے کیا ہی قبائے راستی
قطع کرنا چاہیے خیاط ہاتھوں کو ترے
تن پہ مجنوں بر بندھے کیوں نہیں چین رو شکنج
ہے عجب سلطان خاور سے کہ ہوا اس پر سوا
اے ظفر اس چرخ گردوں بریں میں جھول ہے

اور موج ریگ سے فرش زمیں میں جھول ہے
جیب میں نے جھول ہے نے آستین میں جھول ہے
تو نے کیوں رکھا قبا سے نازنیں میں جھول ہے
رکھتی عریانی کچھ اپنے پوستین میں جھول ہے

گر کوئی اوصاف خال روئے دلبر کے لکھے
جس کو ہو منظور لکھنا اوس رخ روشن کا وصف
اس قدر مشکل ہے بیمار محبت کا علاج
ہے طویل اتنا بسر ہو جائے لکھتے لکھتے عمر
تیرے قد کی راستی کا جو کرے مضمون رقم
کشتۂ لعل لب جاناں کی تاریخ وفات
لکھو شعر عاشقانہ اس سے کیا حاصل ظفر
گرچہ قصے تم نے دارا و سکندر کے لکھے

میری آنکھوں کی سیاہی سے قلم بھر کے لکھے
چاہیے صفحے پہ وہ ماہ منور کے لکھے
گر لکھے نسخہ طبیب ہو سکا تو مر مر کے لکھے
اگر کوئی جھگڑے کو اوس زلف معنبر کے لکھے
سطر سیدھی وہ بغیر از خط مسطر کے لکھے
گر لکھے کرے پہ کوئی لال پتھر کے لکھے

بات اک روز ہیں احباب بنا کر کہتے
کبھی ہیں نقل کبھی خواب بنا کر کہتے

گر بھلی ہوتی محبت میں ہماری قسمت
کیونکہ یہ ہم کو وہ بیتاب بنا کر کہتے

وہ بھی رو دیتی ہیں ہم درد دل اپنا جن سے
اپنی آنکھوں کو ہیں پر آب بنا کر کہتے

شاعر وصاف کمر میں تو تے شعر نازک
دل سے ہیں معنی نایاب بنا کر کہتے

آفریں آنسوؤں کو دیدۂ پرنم میرے
چرخ گردوں کو ہیں گرداب بنا کر کہتے

کبھی تم بھی تو بگڑ کر کہو کچھ غیروں کو
مجھ پہ کیا کیا ہیں کذاب بنا کر کہتے

ہم تصور سے اوس ابرو کے ظفر وقت نماز
ہیں اذان سامنے محراب بنا کر کہتے

دیگر

ہے اور بلا جی کو لگائی ہوئی ٹھٹی
پر موت کسی سے نہیں آئی ہوئی ٹھٹی

آگے سے مری آنکھوں کے اے عالم تصویر
تصویر نہیں تیری دکھائی ہوئی ٹھٹی

ٹل جائے مرے پاس سے یارب کہیں دشمن
چھاتی پہ نہیں سل یہ جمائی ہوئی ٹھٹی

سو بار کھلا ابر گرہ و دجگر کی
گردوں پہ گھٹا ہے نہیں چھائی ہوئی ٹھٹی

ٹھٹی نہیں اب بھی خفگی یار کی ہم سے
ہاں چاہیے تھا کہ یہ صفائی ہوئی ٹھٹی

سو طرح سے ٹل سکتی ہے کچھ اور مصیبت
پر عشق کی آفت نہیں لائی ہوئی ٹھٹی

جو رکھتے ہیں تاثیر ظفر دلیں کچھ اپنے
بات ہوکی نہیں دل کی سمائی ہوئی ٹھٹی

دیگر

دے عدو سے وہ لب کے یا وہ چشم و جبین کے بوسے
لیں گے ہمیں بقرار آج اوس جبین کے بوسے

کس کس مزے سے قاتل میرے لب جراحت
لیتے ہیں دیکھ تیری شمشیر کین کے بوسے

تو جس زمین پہ رکھے اپنا قدم عجب کیا
جھک جھک کے آسمان لے گر اوس زمین کے بوسے

دیتا ہے گالیاں وہ اس لطف سے خفا ہو
جی چاہتا ہے لیلوں اوس خشمگیں کے بوسے

بیدار ہو نہ فتنہ میں خواب میں بھی شب کو
لیتا اس واسطے ڈرتے ڈرتے اوس نازنین کے بوسے

لے جائے بو صبا گر اوس زلف مشکبو کی
ہو جائیں مست آہوے صحرائے چین کے بوسے

جس کو اوس پری کے بوسے کی آرزو ہو
جنت میں لے ظفر کیا وہ حور عین کے بوسے

زلف کے ہو وہ رخ اگر نیچے — شام اوپر ہو اور سحر نیچے
جائے گل تکیہ میرے گالوں کو — اپنے گالوں کے یارو ہر نیچے
کرتے کیا کیا ہیں آہ و زاری ہم — ترے کوٹھے کے رات بھر نیچے
دیکھ کر تیغ کو منہ چھپاتا ہے — چادر ابر کے قمر نیچے
عکس دندان نہیں وہ آئینہ میں — آب اوپر ہے اور گہر نیچے
مثل فوارہ چرخ نے آخر — کر دیئے سرکشوں کے سر نیچے
آب گریہ میں میری کشتی چرخ — بیٹھ جائے نہ ڈوب کر نیچے
ہے عجب چیز واہ بخت بلند — اس کے آگے ہیں سب ہنر نیچے
ایک کیا سینکڑوں پڑے ہیں دل
اوسکے پانوں کے اے ظفر نیچے

چشم اوسکی بلا سے لڑتی ہے — نظر اوسکی قضا سے لڑتی ہے
نگہ یار ہے جو تیغ بکف — دیکھیں کس مبتلا سے لڑتی ہے
ہاتھ پھیلا کئے کیوں تو اے وحشت — میری جیب قبا سے لڑتی ہے
زلف اوسکی صبا سے ہے برہم — دیکھو کافر ہوا سے لڑتی ہے
چشم خونخوار خانہ جنگی روز — مردم باوفا سے لڑتی ہے
بزم میں ہر کسی سے آنکھ اوسکی — چوری چوری حیا سے لڑتی ہے
جان میری اولجھ اولجھ کے ظفر — اوسکی زلف دوتا سے لڑتی ہے

دیگر

اس جہاں میں آ کے ہم کیا کر چلے — بار عصیاں سر پہ اپنے دھر چلے
تو نہ آیا اے مسیحا دم یہاں — ہم اسی حسرت میں آخر مر چلے
اوس گلی میں ہم تو کیا خورشید بھی — ڈر کے مارے کانپتا تھر تھر چلے
اس قدر پیک صبا میں دم کہاں — ساتھ اوس آوارہ کے دم بھر چلے
لے چلے کیا اس چمن سے غنچہ سان — ہم تو کیسہ اپنا خالی کر چلے
ذکر ابرو کا چلے تیرے جہاں — کیا عجب تلوار واں اکثر چلے
اور تو چھوڑ سبھیں کا سب یہیں — ایک تیرا داغ ہم لے کر چلے
دم نہ مارا ہم نے تیرے عشق میں — سر پہ آرے بھی ہمارے گر چلے
دل ہی قابو میں نہیں جب اے ظفر — تم وہاں کس کے بھروسے پر چلے

دیگر

پلا مجھے مے گل رنگ ساقیا اچھی
کہ دن بہار کے اچھے ہیں اور ہوا اچھی

ترا مریض محبت ہو کس طرح اچھا
نہ ہے طبیب ہی اچھا نہ ہے دوا اچھی

عزیز وکھاؤں جو میں غم تو مجھکو کھانیدو
مرے لیے ہے یہی عشق میں غذا اچھی

حذر کر اوس نگہ و چشم زلف کاکل سے
نہیں ہے دیکھ دلا کوئی بھی بلا اچھی

ہمارے خون سے بھرے ہاتھ تو نے خوب کیا
کہاں ہے اس سے سوا سرخی حنا اچھی

یہ کس کی چشم کے بیمار ہو گئے ہیں ہم
طبیعت اپنی جو ہوتی نہیں ذرا اچھی

قلم اوٹھا کے ظفر بے مثال آپ نے آج
غزل یہ لکھ کے سنائی ہے واہ کیا اچھی

خط میں جب آپ نے تحریر سراسر الٹی
میں نے جانا مری تقدیر سراسر الٹی

ڈس کے کیا ناگن مجھے اولٹے ہوا سے یہ نہیں
یار کی زلف گرہ گیر سراسر الٹی

نہوئی قسمت وا ژون کبھی سیدھی اپنی
کر کے سو مرتبہ تدبیر سراسر الٹی

ہو گئی اور ہی کچھ شکل غم ہجر نے جب
صورت عاشق دلگیر سراسر الٹی

ہاتھ سیدھا نہ پڑا مجھ پہ مرے قاتل کا
بخت برگشتہ نے شمشیر سراسر الٹی

کیوں نہ پھر جائیں وہ مجھ سے کہ نصیبوں نے مرے
ہے مری آہ کی تاثیر سراسر الٹی

کہدے ہے تجھے وہ ظفر غیر سے کیا جانے کیا
دیکھتے ہی مجھے تقدیر سراسر الٹی

جاؤں نہ تیرے دام محبت سے چھوٹ کے
بہتان لاکھ باندھے کوئی جھوٹ موٹ کے

کہتا ہے جب فسانہ رنج و الم مرا
روتا قصہ خوان بھی ہے خود سینہ کوٹ کے

رکھی جو آگے بادہ کشون کے گزک کی قاب
اک دم میں اوٹھ کھڑے ہوئے سب چاٹ چوٹ کے

اک گل بھی دیکھنے کو نہیں اے صبا کہیں
ویران کیا خزان نے یہ گلشن کو لوٹ کے

یہ جو ہماری آنکھوں سے جاری ہے سیل اشک
شاید بہے ہیں آبلہ سینہ پھوٹ کے

توڑے ہے شیشے میکدہ میں محتسب مدام
ساقی پڑے خدا کا غضب اس پہ ٹوٹ کے

اپنا ظفر ہمیشہ سے شیوہ ہے راستی
ہم تو کبھی پھٹکتے نہیں پاس جھوٹ کے

دیگر

غیر ہیں کیا ترے یاروں میں گنائے جاتے
بلکہ ہیں وہ ترے پیاروں میں گنائے جاتے

جیسے آنکھوں میں سمائی ترے ستاب بدان
ہیں در اشک ستاروں میں گنائے جاتے

جتنے ہیں صید حرم کہتے ہیں سب حسرت سے
کاش ہم تیرے شکاروں میں گنائے جاتے

خوبرویوں تو ہزاروں ہیں جہاں میں مشہور
پر وہ یکتا ہیں ہزاروں میں گنائے جاتے

تھی فلک پہ مہ و خورشید کو یہ تاب کہاں
کہ ترے آئینہ داروں میں گنائے جاتے

دیگر

فقط کیا آنسوؤں سے چشم تر پر آستین بھیگی
مرا دامن بھی بھیگا اور دامن سے زمین بھیگی

چمن میں اوس سی پڑ جائے گی پھر شاخ سنبل پر
پسینے میں تری جس وقت زلف عنبرین بھیگی

نہیں معلوم تو آیا کہاں سے کھیل کر ہولی
کہ ہے پوشاک ساری رنگ میں اے نازنین بھیگی

تسلی کو کہے ہے تو کہ زخم دل ہوا اچھا
وگرنہ خون سے کس دن چارہ گر پٹی نہیں بھیگی

جھڑی ساون کی ہے یہ گریہ بے باران بے صدوں کا
کہ جس سے کشت دہقان ہو گئیں سوکھی بھیگی

رخ مہتاب پر پھر جائے گا پانی خجالت سے
جبین تیری عرق سے گر ذرا اے مہ جبین بھیگی

سوزش دل سے بلا میری بغل میں آگ ہے
پھونک دیتی نہ فلک پر ایک پل میں آگ ہے

دل ہمارا تیرا گھر ہے مت جلا خانہ خراب
کیوں لگاتا دیکھ تو اپنے محل میں آگ ہے

اشک کے قطرے میں دیکھو سرخی خون جگر
بے چراغ و شمع ابرک کے کنول میں آگ ہے

دل میں میرے بے طرح بھڑکی ہے آتش عشق کی
دیکھو یہ مجھ کو جلاتی آج کل میں آگ ہے

شمع پر شعلہ نہیں تیرے جلانے کے لئے
دیکھ اے پروانہ یہ دست اجل میں آگ ہے

دل میں سوز عشق پیدا ہووے جس سے اے ظفر
گرمی مضمون سے وہ تیری غزل میں آگ ہے

بستر پہ تیرے دھبے ہیں کس کے اوگال کے
اوسکو لہو پلاؤں گا اوسکا نکال کے

مطلع ثانی

ابرو پہ تیرے دیکھ لے نقطہ کو خال کے
دیکھا ہو جس نے پاس نہ اختر ہلال کے

مطلع ثالث

ہر رات ہجر میں مجھے اوس مہ جمال کے
کیا کیا فلک ڈرائے ہے آنکھیں نکال کے

مطلع رابع

میری بغل سے شیشۂ دل تم نکال کے
لے تو چلے ہو پر اسے رکھنا سنبھال کے

کشتہ ہوں اوسکی چشم کا میں میری گور پر
ہووے چراغ جام سے چشم غزال کے

کوئی بھی ہمدم اپنا بجز نالہ و فغان
آیا نہ کام وقت میں رنج و ملال کے

کھینچا ہے مجکو شہر سے آخر کو سوئے دشت
جوش جنون نے ہاتھ گریبان میں ڈال کے

اے غنچہ اوسکے سامنے اتنا چٹک کر تو
کیا بولتا ہے بول ذرا منہ سنبھال کے

جو دل کہے ہے سچ کے سوا اوسکے اے ظفر
قائل نے استخارہ کے ہم ہیں نہ فال کے

دیگر

اوسکے دل سے الفت تقدیر سب جاتی رہی
کیا ہماری آہ کی تاثیر سب جاتی رہی

ملے تھا عالم میں اپنے واسطے بھی کچھ وقار
جب سے ہم عاشق ہوئے توقیر سب جاتی رہی

اے ستمگر روبرو تیری نگاہ تیز کے
آبروئے خنجر و شمشیر سب جاتی رہی

کیا شکایت میں روکاوٹ کے قلم ہی رک گیا
ہاتھ میں بھی طاقت تحریر سب جاتی رہی

اوس رخ روشن کے آگے اوڑ گیا کیا نور شمع
بلکہ تاب ماہ پرتنویر سب جاتی رہی

دیکھتے ہی اوسکی صورت اوڑ گئے ناصح کے ہوش
وہ نصیحت اور وہ تقریر سب جاتی رہی

خاکساری نے ظفر دل کر دیا ایسا غنی
دل سے اپنے خواہش اکسیر سب جاتی رہی

دیگر

تو نے رکھا عشق و سپر و رغم کا بوجھ ہے
ضعف سے کتنا گراں سینہ دم کا بوجھ ہے

جی ڈرے ہے تیری نازک سے کمر اے سوکمر
ڈالنا کیوں واں پہ زلف خم بخم کا بوجھ ہے

قتل کو میرے ہے کافی اک نگہ اے نازنین
کیوں اوٹھاتا تو عبث تیغ ستم کا بوجھ ہے

فوج غم میں دل اوٹھاتا ہے علم کو آہ کے
اوٹھ نہیں سکتا کسی سے اس علم کا بوجھ ہے

مثل قارون جائے گا تحت الثریٰ کو وہ بخیل
جس نے رکھا سر پہ دینار و درم کا بوجھ ہے

لکھیں حال دل ظفر پر باعث بے طاقتی
کب سنبھلتا ہاتھ سے اپنے قلم کا بوجھ ہے

یوں ترے لب سے خط مشک نشاں اوپر ہے
ہوتا جس طرح سے آتش کے دھواں اوپر ہے

اے مہ زہرہ جبیں مانگ کا ہے تیرے عکس
یا فلک کے جو خط کا کہکشاں اوپر ہے

کان تک تیرے رسائی نہیں اے مہر لقا
پہونچی نہ چرخ سے کو میری فغاں اوپر ہے

بیٹھی ناگن ہے لیے چینٹ کے نیچے بیٹھے
کان کے موتیوں کے زلف کہاں اوپر ہے

دم نکل جائے بلا سے کہ ترے ہاتھ سے روز
صدمہ اک جان کے اے آفت جان اوپر ہے

یہ چراغ سر تربت نہیں جو داغ جگر
ہے نہ یہاں خاک نہاں وسکا نشاں اوپر ہے

چشم کا گریہ سے یہ حال ظفر ہے گویا
کشتی نیچے ہے کوئی آب رواں اوپر ہے

کس حال سے ہیں دیکھ ترے دل جلے پڑے
سر تا قدم پھپھولوں سے ہیں سب پھلے پڑے

بلبل کا کیا رہا ہے چمن میں بھلا نشان
دو چار رہوں گے پر کسی گلبن تلے پڑے

اوٹھے نہ خاک سے کبھی مانند نقش پا
یہ خاکسار تیری گلی میں بھلے پڑے

مژگاں پہ تار اشک نہیں فوج زنگ کے
دیکھو گلے میں نقرہ ہیں پرتلے پڑے

پڑتے کبھی نہ حضرت دل دام زلف میں
شامت سے وہ نصیب کے اوپر ولے پڑے

سنتا نہ آنسوؤں کے ہیں وہ موتیوں کے ہار
کوئی نہ لے سکا انہیں یہ سے گلے پڑے

کوئی بھی عشق کے نہ ہوا سامنے ظفر
سر پر پڑے جو اوسکے ہمیں دل جلے پڑے

دیگر

غیر آپ کے بے مرضی رہزن مرے کیوں ہوتے
وہ دوست بنے رہتے دشمن مرے کیوں ہوتے

کرتیں نہ مری آنکھیں گر عشق پہ خونباری
رنگین جو ہوئے جیب و دامن مرے کیوں ہوتے

ہوتا نہ تصور گر اوس حسن کے شعلہ کا
مشعل کی طرح دیدے روشن مرے کیوں ہوتے

گر تیر ترے پیہم لگتے نہ مرے دل میں
تو سینکڑوں سینہ میں روزن مرے کیوں ہوتے

ہوتا جو نہ اوس گل کا کشتہ تو گل رنگین
روئیدہ سر خاک مدفن مرے کیوں ہوتے

ظالم تری مژگان کا رکھتے نہ خلش دل سے
تو موئے بدن مثل سوزن مرے کیوں ہوتے

منظور نہ پیار اوسکو ہوتا تو دم مستی
ہاتھ اوسکے ظفر زیب گردن مرے کیوں ہوتے

دیگر

دنیا میں ہزار رنج و مصیبت کی جائے ہے
یہ غمکدہ نہ عیش و نہ عشرت کی جائے ہے

شاکی ترے جفا و ستم سے نہیں ہیں ہم
ہر دم زبان پہ شکر و شکایت کی جائے ہے

تیرے تصور لب شیریں میں خون دل
اس تیرے تلخ کام کو شربت کی جائے ہے

کرتی ہے چشم مست نہان دل کو کیوں خراب
یہ خانہ خدا ہے عبادت کی جائے ہے

پھیلائیں پاؤں کنج قناعت میں با فراغ
کیونکہ نہ ہم کہ خوب فراغت کی جائے ہے

خورشید و ماہ تیرے مقابل نہ ہو سکیں
اور آئینہ ہو سامنے حیرت کی جائے ہے

جو خاکسار عشق ہیں اونکے لیے ظفر
خاک اوس گلی کی بستر راحت کی جائے ہے

تربت پہ شامیانہ ابر سیاہ ہے
صحرا میں قبر پوش غریبان گیاہ ہے

جب تک کہ دم میں دم ہے ہمدم ہے اپنا دم
ہے دم کو ہم سے راہ کہیں دم سے راہ ہے

آہ و فغاں کچھ آپ سے کرتے نہیں ہیں ہم
پردے میں کوئی چشم کی اب دادخواہ ہے

جس دم گئے یہاں سے نہ ہے شاہ نے گدا
جب تک یہاں ہیں کوئی گدا کوئی شاہ ہے

سمجھے ہیں دل میں جو بخدا اوس صنم کو ہم
کہنا اوسے نہ چاہیے کہنا گناہ ہے

پردہ دوئی کا بیچ میں حائل اگر نہو
دیکھے جدھر نگہ وہی پیش نگاہ ہے

کیونکہ شاہد اپنے حال کے ہم ڈھونڈیں اے ظفر
یہ ہے جو بیکسی یہی اپنا گواہ ہے

اگرچہ سامنے برقع سے منہ کو ڈھانک لیتا ہے / مگر برقع کی جالی سے وہ تجکو جھانک لیتا ہے
ترے دیوانہ کی جو پھانکی ہے خاک قیمت میں / گلی میں تیری آ کر اسے پریرو پھانک لیتا ہے
بدولت آنسوؤں کے سوزن مژگان سے یہ عاشق / گریبان میں در خوش آب اپنے ٹانک لیتا ہے
کرے ہے قدر بیعت کیا خاک شیخ اپنے مریدوں کو / مگر یہ گاؤدی یونہیں گدھے سے ہانک لیتا ہے
وہ ماتھا مار رکھتا ہے ہر ایک کو کج ادائی سے / نہ خنجر ہاتھ میں لیتا ہے اور نہ بانک لیتا ہے
لگا دوں چین ابرو دیکھ کر کیوں جان ابرو پر / مبصر تیغ کے جوہر سے قیمت آنک لیتا ہے
ظفر لے ہے مزے سے اوس لب شیریں کا یوں بوسہ / کہ گویا منہ میں اپنے زنگترے کی پھانک لیتا ہے

دیگر

کام جو کوشش سے ہو تدبیر اس کا نام ہے / اور بے کوشش جو ہو تقدیر اس کا نام ہے
دیکھ کر ابرو کو تیرے کہتے ہیں شمشیر گر / واہ کیا شمشیر ہے شمشیر اس کا نام ہے
ہمنشیں ہے نام سے ہے شیفتہ کی اوکو ننگ / تو نے کیوں خط میں کیا تحریر اسکا نام ہے
ہاتھ آئی ہے نصیبوں سے تمہاری خاک پا / ملتی یہ آسان نہیں اکسیر اس کا نام ہے
یہ جو ہے روئے کتابی یار کا قرآن ہے / خط جو ہے گرد اس کے یہ تفسیر اس کا نام ہے
تو شگفتہ کیا کرے گی اس کو اے باد بہار / دل نہیں یہ غنچہ تصویر اس کا نام ہے
ہو گئے پتھر مرے نالوں سے پانی اے ظفر / اس کو کہتے ہیں اثر تاثیر اس کا نام ہے

دیگر

دیکھے جو نعل نقش کو اوس مہ جمال کے / گردوں پہ شرم سے مہ کو جھکا دے ہلال کے
قائل ہووے ہمت عاشق کا اپنے تو / دے تجکو گر وہ اپنا کلیجہ نکال کے
نازک ہیں تیرے ہاتھ مگر رنجہ تو نہیں / پھولوں کے گیند اے گل رعنا اوچھال کے
جی چاہتا ہے اپنا کہ گل تکیہ کی جگہ / رکھ لے ہمارے گال کو تو نیچے گال کے
اوس مہ جبیں کے واسطے لایا ہے آسمان / تار خطوط مہر سے تنکے خلال کے
مارے گا دام زلف میں جس کو پھنسا کے تو / ہونگے درخت اوسکے مزاروں پہ جال کے
جلدی کہیں وہ آئے کہ بن او سکے اے ظفر / تجکو تو ایک دن بھی برابر ہے سال کے

اوس کوچے سے جب عاشق روتا ہوا آتا ہے
دریا ہے کہ آنکھوں سے امڈا ہوا آتا ہے

لاتا ہے جواب خط قاصد مگر اب دیکھیں
کیا پیش نصیبوں کا لکھا ہوا آتا ہے

اوس زلف کے کوچے سے جھوکا ہوا کا شب
آتا ہے تو خوشبو سے مہکا ہوا آتا ہے

آنکھوں میں ہے دم اوسکو ہم دیکھ تو لیں یکدم
اس دم وہ مسیحا دم اچھا ہوا آتا ہے

اوس زلف پریشاں کا جب لکھتا ہوں مضمون
جو لفظ کہ آتا ہے الجھا ہوا آتا ہے

دل میں کشیدہ ہے مجھ سے صنم سرکش
کھینچ کر کشش دل سے وہ کیا ہوا آتا ہے

منہ اپنا چھپا لیتے ہیں شرم سے سب غنچے
گلشن میں ظفر جب وہ ہنستا ہوا آتا ہے

یہ بزم میں نہیں ساقی شراب اوڑتی ہے
ہمارے دولت عمر شباب اوڑتی ہے

عرق فشان گل رخسار آج ہیں کس کے
صبا چمن میں جو بوئے گلاب اوڑتی ہے

بھبھوکا اوس لب لعلیں پہ یوں ہے سرخی پان
کہ جیسے آگ پہ گر کر شراب اوڑتی ہے

کرے ہے قتل ہزاروں کو تیری تیغ نگاہ
نہ اس کا نشہ ہے جو ہر نہ آب اوڑتی ہے

تجھے سناتا ہوں میں اپنا گر فسانہ غم
تو نیند ابھی تیری اے مست خواب اوڑتی ہے

جلایا تو نے جگر کس کا شوخ آتش خو
تری جو بزم میں بوئے کباب اوڑتی ہے

رہے ہے شدت گریہ میں بھی مکدر دل
عجب ہے گرد یہاں تو پر آب اوڑتی ہے

پڑے نہ دامن قاتل پہ دیکھیو اے گل
لہو کی چھینٹ دم اضطراب اوڑتی ہے

اوڑ بکھرے ہے تن زار یوں ظفر میرا
ہوا پہ جوں کوئی تکل خراب اوڑتی ہے

دیگر

ساقیا آج گلستاں میں گھٹا اچھی ہے
جام مے دے کہ جگر خوب ہوا اچھی ہے

مطلع ثانی

ناز اچھا نظر اچھی ہے ادا اچھی ہے
تجھ میں جو بات ہے وہ ماشاء اللہ اچھی ہے

کس طرح ہو ترا بیمار محبت اچھا ہے
نہ طبیب اچھا ہے کوئی نہ دوا اچھی ہے

ہو ہی جاوے گا کسی روز ترا وصل نصیب
قسمت اپنی اگر اے مہر لقا اچھی ہے

یا تجھے تجھکو لگی میری بری کیا باعث
ورنہ جس نے سنی اوسنے کہا اچھی ہے

اے جفا کار اسی میں ہے خوشی گر تیری
تو وفا سے مرے حق میں یہ جفا اچھی ہے

کیوں نہ زندان میں بسیں سلسلہ جنبان جنون
گل زنجیر کی کانوں کو صدا اچھی ہے

قصر و ایوان سے ہے کیا کام فقیروں کو ظفر
کہ جہاں بیٹھ رہے بس وہی جا اچھی ہے

دیگر

نہ دیا بوسہ نہ منہ تم نے لگایا منہ سے
آپ کہتے رہے یوں ہی ہمیں کیا کیا منہ سے

باتیں کرتا ہے جو ہنس ہنس کے مرا غنچہ دہن
پھول سے جھڑتے ہیں ہر بات میں گویا منہ سے

رشک سے خون جگر اپنا پیے گا کوئی
نہ لگا غیر کے تو ساغر صہبا منہ سے

سیب شرمندہ ذقن سے ہے تو لب سے عناب
ہے خجل چشم سے بادام و پستا منہ سے

جان ہی میری نکل جائے گی اے آفت جاں
تو نے جانے کا اگر حرف نکالا منہ سے

تلخ کامی کا کیا میرے جو کچھ تم سے بیان
زہر کیا کیا نہ عدو نے مرے اوگلا منہ سے

ہم ہوئے جس کے لیے ایک زمانے سے برے
وہ بھی کہتا نہیں ہم کو ظفر اچھا منہ سے

بیٹھ کر غیروں میں تم نے وہ جو کل کی بات ہے
کیا کریں اوسکی شکایت ہم کہ کل کی بات ہے

ہو کے سرکش یوں جو بل کرتی ہے ہم سے زلف یار
یہ سراسر اپنی ہی قسمت کے بل کی بات ہے

دیتی ہے جب چشم تیری حکم قتل عام کا
پوچھتا پھر کون ہے قاتل اجل کی بات ہے

بھیجتے غیروں کو ہو تم صلح کا پیغام رو
اور ہم سے جب ہے اک جنگ و جدل کی بات ہے

گر محل پردہ کا دیکھا پردہ ہی میں کچھ کہا
ہم نے اے پردہ نشین کب بے محل کی بات ہے

ہے ہمارا نامہ وہ مجموعہ اعمال بد
ایک بھی جس میں نہیں حسن عمل کی بات ہے

منہ پہ کچھ دیکھیں ہے کچھ حاضر میں کچھ غائب میں کچھ
اے ظفر کیا سنتا یاران دغل کی بات ہے

آیا نہیں ہے وہ جو صنم چار روز سے
مضطر ہے دل خدا کی قسم چار روز سے

اے مہ جبین یہ تیری جدائی کی ایک رات
کم نہیں ہے حشر کے کم چار روز سے

فرصت نہیں ہے اتنی کہ جاویں وہاں تلک
کرتے ہیں روز قصد یہ ہم چار روز سے

اپنے مریض ہجر کی تو جلد لے خبر
اٹکا ہوا ہے آنکھوں میں دم چار روز سے

جس کے بغیر ایک گھڑی بھی نہ تھا قرار
وہ یوں جدا ہوا ہے صنم چار روز سے

ہے چار دن کی چاندنی کیا اس کا اعتبار
کرتا ہے تو جو لطف و کرم چار روز سے

برگشتگی نصیب کی اپنے ہے اے ظفر
دیکھے نہیں جو اوس کے قدم چار روز سے

دیگر

جب آہ دل سے بجائے شعلہ خو نکل آتی
تو دل کے جلنے کی ہے اوسکی بو نکل آتی

جو زلف رخ سے تری شب کو ہے سرک جاتی
تو چاندنی سے بجائے ماہ رو نکل آتی

چھپائیں لاکھ نہیں چھپتی بات الفت کی
کہ گفتگو میں ہے کچھ گفتگو نکل آتی

نکالا اوس نے مرے دل سے تیر بہتر تھا
جو اوسکے ساتھ ہی اے جان تو نکل آتی

عجب نہ تھا کہ میرے قتل کو میان سے تیغ
بغیر کھینچے ہی اے جنگجو نکل آتی

رہا نہیں مری آنکھوں میں اب تو کوئی بھی اشک
مگر ہے بوند لہو کی کبھو نکل آتی

ہماری جنس دل اوس زلف میں ہوتی تھی گم
جو کرتا شانہ ظفر جستجو نکل آتی

دیگر

جو ہیں بتوں کی تیغ ادا کے غضب سے
سمجھیں وہ یہ کہ آئے خدا کے غضب سے

مہندی جو ول کے پاؤں اوتارے پلنگ سے
رکھے تھے چاندنی پہ جما کے غضب سے

تھا دشمنوں کے دیکھ کے ہم کو چھپا لیے
زانو اوسے اپنے اوٹھا کے غضب سے

کوئی تو زیر عرف کھڑا ہے کہ آپ نے
بوسے کو بھیکا ہم سے چھپا کے غضب سے

دیکھا جو میرا حال زبوں تو وہ رہ گئے
دانتوں کے اپنے اونگلی دبا کے غضب سے

اللہ رے شرم کرتے وہ اونچی نہیں نگاہ
بیٹھے ہیں اپنے سر کو جھکا کے غضب سے

جب شہ نشین میں ہم کو بٹھا کر وہ چل دیئے
پھر کودے ہم بھی پاؤں جما کے غضب سے

گویا کہ زیر ابر ہے پوشیدہ آفتاب
عارض ہی تیرا زلف دوتا کے غضب سے

کچھ کہہ دیا جو کان میں ہم نے تو اے ظفر
کوٹھے سے اوترے کان دبا کے غضب سے

نیک ہے یا بد ہے پر یہ ہے کہ چھوٹی بات ہے

ہم سے دنیا میں نہیں کوئی بھی چھوٹی بات ہے

جی ڈرے ہے ہو نہ رسوائی الٰہی خیر ہو

دل کے پوشیدہ ہماری سب میں پھوٹی بات ہے

غم سے رہتی ہے زدوکوب اپنی جان خستہ پر

کہتے ڈرتے ڈرتے کچھ جو ماری کوٹی بات ہے

زلف کو ہے منہ سے تو سرکا کے تیرے کان میں

کہتی کیا جھک جھک کے یہ کالی کلوٹی بات ہے

کیا ڈھٹائی اور درشتی سے وہ کرتے ہیں کلام

جس سخن سازوں کی یاں سو بار گھوٹی بات ہے

سبزہ خط و لب و عارض کا یہ دل جانے ہے بھید

ہے یہ لقمان اس سے کرتی بوٹی بوٹی بات ہے

دشمن و غماز و حاسد جمع ہوں تینوں جہاں

اے ظفر کرنی وہاں واجب نہ کھوٹی بات ہے

دیگر

ہر جائی ہے قدرت کا تماشا مرے آگے
لیکن مری غفلت کا ہے پردا مرے آگے

مطلع ثانی

گر چشم پر آب آپ کو سمجھا مرے آگے
رو رو کے کنواں ہووے گا اندھا مرے آگے

وہ دام میں شہرت کے عبث میں دام سے آزاد
جا سکتا کہاں اوڑ کے ہے عنقا مرے آگے

بس اب رہ نا کافی الفت میں رہا میں
اوٹھنے ہی نہیں پاتی تمنا میرے آگے

انداز ستم سے مجھے اپنے ہے بتاتا
مارے ہے وہ توسن کے جو کوڑا مرے آگے

کرتا ہوں جو میں شکوہ جفا کا تو کہے ہے
پھر نام کبھی لیجو وفا کا مرے آگے

آنکھوں میں کسی کی ہے جو آنکھوں کا تصور
ہے پتلیوں کا ایک تماشا مرے آگے

قائل ہوں میں دل کا کہ جو دل پہ ہے گزرتی
کہتا وہ کسیسے نہیں الا مرے آگے

آئینہ دکھاتے ہیں سمجھ کر مجھے سکتہ
اے آئینہ رو تو ہی کہیں آ مرے آگے

ہاتھوں سے تڑپنے نہ کسی بیمار کے نالاں
میں آگے مسیحا کے مسیحا مرے آگے

خاک قدم یار مرے سجدہ کی جا ہے
یہ نقش کف پا ہے مصلا مرے آگے

میں وہ متحمل ہوں گرانباری غم کا
ہے کوہ بھی اک تنکے سے ہلکا مرے آگے

سادہ ورق آئینہ عبرت کی نظر سے
روداد سکندر ہے نسخا مرے آگے

کہتا ہے جو دل اوسکے خط سبز کے اوصاف
کیا کیا ہے ظفر زہر اوگلتا مرے آگے

مجھے اے دوستو جس کی محبت حد سے باہر ہے
قسم ہے میرے ساتھ اوسکو عداوت حد سے باہر ہے

مطلع ثانی

کسی وحشی تمک کی دل کو الفت حد سے باہر ہے
تعجب کیا مجھے گر جوش وحشت حد سے باہر ہے

نہیں عاشق کو تیری کچھ بھی اندیشہ قیامت کا
پر اوسکو تیرا ڈر اے سرو قامت حد سے باہر ہے

مقابل ابر دریا بار کیا ہو چشم گریاں سے
کہ اس کے گریہ میں بارش کی شدت حد سے باہر ہے

کرے گا برگ دعویٰ اس کے آگے نازکی کا کیا
لب نازک میں تیرے تو نزاکت حد سے باہر ہے

الٰہی میں نے دیکھا کس کے روئے حیرت افزا کو
کہ مجھکو صورت آئینہ حیرت حد سے باہر ہے

زبان سے میں نہیں کہتا تو کیا لیکن مرے دل میں
بھری اے تندخو تیری شکایت حد سے باہر ہے

چمک کر برق اپنی چلبلاہٹ کیا دکھاتی ہے
اوس آتش خو میں شوخی و شرارت حد سے باہر ہے

ظفر ہر چیز کی حد ہے مگر عشق و محبت کی
جہاں میں ہم نے دیکھی جو مصیبت حد سے باہر ہے

جابجا ہم نہ اگر تیرے تلاشی پھرتے
تو نہ جا کر بھی سوئے مکہ و کاشی پھرتے

ہوتی برگشتہ جو قسمت نہ مری تو مجھ سے
نہ وہ پھرتے نہ کبھی او کے حواشی پھرتے

عشق کی راہ میں جون بانگ جرس سرگردان
ہیں بہت قافلے اور قافلہ باشی پھرتے

روسیاہی نہ ہو جب تک روش حرف نگین
بخت وارون تجھیں اے سینہ خراشی پھرتے

دل عدو کا ہے اگر سنگ تو ہم نالہ سے
لیے آلہ ہیں پئے سنگ تراشی پھرتے

کیا دل وحشی عشاق کا ہے شوق شکار
وہ تو پہنے ہوئے پوشاک ہیں ماشی پھرتے

نکلے کر مطلب دل یار سے دے کر رشوت
اے ظفر جان بھی دینے کو ہیں راشی پھرتے

دیگر

تجکو تو اپنے ظلم سے قاتل سرور ہے
اور مجکو اپنے صبر سے حاصل سرور ہے

دل کو ہو سرور جو خط دیکھ کر ترا
واللہ وہ تو لکھنے کے قابل سرور ہے

ہوجائے گا قفس میں مبدل وہ رنج ہے
گلشن میں جو نصیب عنادل سرور ہے

دنیا ہے جائے رنج و مقام غم و الم
یہاں ہونا کس طرح تجھے غافل سرور ہے

تجھ بن کسے خوش آتی ہیں اسباب انبساط
محفل میں تجھ سے رونق محفل سرور ہے

مسرور بادہ کش ہیں جو باران کو دیکھ کر
بارش ہے یہ کہ چرخ سے نازل سرور ہے

گردن صراحی اوکی ہے اور چشم جام ہے
ہوتا اوسے تو دیکھ کے بیدل سرور ہے

رونے پہ کیوں نہ ابر کے ہو برق خندہ زن
باغ جہاں میں رنج سے شامل سرور ہے

موجود درد و غم تو ہیں ہر لحظہ اے ظفر
ہوتا کبھی نصیب بمشکل سرور ہے

دیگر

بہار آئی ہوا بند قبائے گل کشادہ ہے
سر گلشن ہوائے طرہ سنبل کشادہ ہے

رہے ہے انتظار آنے کا کس میکش کے اے ساقی
ہمیشہ بزم میں جو چشم جام مل کشادہ ہے

دل سودازدہ ہوئے نہ پابند بلا کیونکر
ادھر زلفیں کشادہ ہیں اودھر کاکل کشادہ ہے

ہزاروں روز آتے ہیں ہزاروں روز جاتے ہیں
تماشا ہے وہ در جہاں بے تامل کشادہ ہے

لب فریاد کرتے ہیں ہم بھی آج گلشن میں
اگر منقار نالہ تیری اے بلبل کشادہ ہے

غنیمت جان اے مینا کے مے تو بزم عشرت میں
کوئی دم گر دہان شیشہ قلقل کشادہ ہے

ظفر چشم کشادہ کار رکھ مشکل کشا سے تو
کہ کرتا دم میں وہ مشکل کے عقدہ کو کشادہ ہے

پہلے یہ بت دیں اور ایمان کے پیچھے پڑے
لپکے جب دین و ایمان جان کے پیچھے پڑے

کرتے سرگوشی ہیں اے کان ملاحت تجھے کیا
یاں یہ جو زلف کے ہیں کان کے پیچھے پڑے

خوب کھڑکائیں او سے لیکن ہمیں ہے تیرا ڈر
تو کہیگا کیوں مرے دروازے کے پیچھے پڑے

محتسب نے کی خراب آ کر دکان میفروش
شیشے ہیں ٹوٹے ہوئے دوکان کے پیچھے پڑے

لاتے ہیں کیا دیدہ گریاں خرابی دیکھیے
ہیں یہ مرے کلبہ احزان کے پیچھے پڑے

کرتی ہیں دست نظارہ وں زلفیں اوس رخ پر دراز
دیکھو ہندو ہیں کیا قرآن کے پیچھے پڑے

کی جو باتیں تم نے شب غیروں سے اے پردہ نشیں
ہم وہ سب سنتے رہے دالان کے پیچھے پڑے

چاہتے ہیں سب نکل جائے جگر سے او سکا تیر
دو تیر سے ہیں مرے مہمان کے پیچھے پڑے

سہل ہے پیچھا چھوڑنا دست شیر و گرگ سے
پر نہ انسان اے ظفر انسان کے پیچھے پڑے

دیگر

کہنکو ہے حیات بشر پانچ روز کی
نے ایک روز کی نہ خبر پانچ روز کی

چشم شہید ناز کا اپنے وہ کیوں کرے
منظور تعزیت نہ گر پانچ روز کی

جنبش دکھا کے پنجہ مژگان کی ایک دن
جان او سنے میری زیر زبر پانچ روز کی

آئے نہ ایک ہفتہ میں دو دن بلا سے وہ
صحبت نہ ہووے تک مگر پانچ روز کی

اکدن بھی گوش زد نہ ہوئی تیرے بے ستم
فریاد ہم نے آٹھ پہر پانچ روز کی

قاصد ملا جو ہم کو تو اپنا نصیب ہے
دس دن میں آتی راہ ہو گر پانچ روز کی

اک روز جس بغیر نہ ہو گل ہزار حیف
ہووے جدائی اوس سے ظفر پانچ روز کی

دیگر

میرے اشکوں کی جھڑی دن رات یہ اچھی تو ہے
ہے اگر اونکی برس برسات یہ اچھی تو ہے

زندہ کر دے اپنے کشتہ کو جو تو اک بات میں
واقعی رشک مسیحا بات یہ اچھی تو ہے

دامن نیساں میں بھر دے دست مژگان سے گہر
تجھ سے ہو گر چشم تر خیرات یہ اچھی تو ہے

بیتکین دل ہمارے پاس اک عمدہ رقم
بھیج دیں گر یار کو سوغات یہ اچھی تو ہے

زہب ہے عاشق کے ہووے جس قدر رنج و بلا
عشق میں ہاں کثرت آفات یہ اچھی تو ہے

بوسہ لے چوری سے اوسکے رخ کا لیوال زیر زلف
چور کے حق میں اندھیری رات یہ اچھی تو ہے

ہاتھ آئے کیا نہ آئے دلبر آ ہو نگاہ
پر ظفر بیٹھا لگا کر گھات یہ اچھی تو ہے

دیگر

ٹھنڈا اور صبا دل بلبل نہ کر سکے
یعنی چراغ گل وہ کبھی گل نہ کر سکے

ساقی ہمارے واسطے دو چار خم تو ہوں
سیراب ہم کو اک قدح مل نہ کر سکے

عارض سے کر سکے نہ ترے گل برابری
زلفوں سے ہمسری ترے سنبل نہ کر سکے

ہے مرغ روح جو طائر دل ایسا کون سا
جس کو اسیر دام وہ کاکل نہ کر سکے

اتنا تو عشق دے کشش دل میں تو اثر
آنے میں اس طرف وہ تامل نہ کر سکے

دل اوس ستم شعار پہ ہو کیوں فریفتہ
جس کے ستم پہ صبر و تحمل نہ کر سکے

دو چار میں سناؤں اگر نالے اے ظفر
گلشن میں عندلیب ذرا غل نہ کر سکے

سو سو اٹھکھوں سے گھر سے باہر دو قدم نکلے
بلا سے ہو گئی گر اس میں کسی مضطر کا دم نکلے

کہاں آنسو کے قطرے خون دل سے ہیں بہم نکلے
یہ دل میں جمع تھے مدت سے کچھ پیکان غم نکلے

مرے مضمون سوز دل سے خط سب جل گیا میرا
قلم سے حرف جو نکلے شرر ہی یک قلم نکلے

نکال اے چارہ گر تو شوق سے لیکن سر پیکان
اودھر نکلے جگر سے تیر ادھر قالب سے دم نکلے

تصور سے لب لعلیں کے تیرے ہم اگر رو دیں
تو جو لخت جگر آنکھوں سے نکلے اک رقم نکلے

نہیں ڈرتے اگر ہوں لاکھ زنداں یار زنداں سے
جنون اب تو مثال نالۂ زنجیر ہم نکلے

جگر پر داغ لب پر دود دل اور اشک دامن میں
تری محفل سے ہم مانند شمع صبحدم نکلے

اگر ہوتا زمانہ گیسوئے شبرنگ کا تیرے
مری شب دیز سودا کا زیادہ تر قدم نکلے

کجی جن کی طبیعت میں ہے کب ہوتی وہ سیدھی ہے
کہو شاخ گل تصویر سے کس طرح خم نکلے

شمار اک شب کیا ہم نے جو اپنے دل کے داغوں سے
تو انجم چرخ ہشتم کے بہت سے اوس سے کم نکلے

خدا کے واسطے زاہد اوٹھا پردہ نہ کعبہ کا
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

تمنا ہے یہ دل میں جب تلک ہے دم میں دم اپنے
ظفر منہ سے ہمارے نام اوس کا دم بدم نکلے

دیگر

یار سے نسبت ماہ کو کیا یہ بھی ہے وہ وہی ہے
اوسمیں کہاں یہ ناز و ادا یہ بھی ہے وہ وہی ہے

کہیے شاخ طوبیٰ جنت کیونکر تیری قامت کو
سچ بھی تو ہے اے حور لقا یہ بھی ہے وہ وہی ہے

طرز خرام ناز کو تیرے گرچہ اوڑائے کبک دری
لیکن پھر اے ہوش ربا یہ بھی ہے وہ وہی ہے

تیرے روئے مصفا سے کیا خاک مقابل آئینہ ہو
ایسی کہاں ہے اوسمیں صفا یہ بھی ہے وہ وہی ہے

تیر خدنگ ناز غضب ہے اوسکو بنا اے صید فگن
کہیے کیونکر تیر قضا یہ بھی ہے وہ وہی ہے

تیرے رخ پر نور کے آگے تاب ہے کیا جو ماہ جبین
ہووے فلک پر جلوہ نما یہ بھی ہے وہ وہی ہے

میری چشم طوفان زا سے ابر مقابل کیا ہو ظفر
جس نے دیکھا اوسکو کہا یہ بھی ہے وہ وہی ہے

دیگر

ترے در پر جو عاشق کو محبت لے کے آئی ہے
اوسی تقدیر نے بھیجا ہے قسمت لے کے آئی ہے

لبوں پر جا آئی ہے جو میری ہجر میں تیرے
تو اپنے ساتھ کیا کیا رنج و حسرت لے کے آئی ہے

معطر کر دیا سارے چمن کو ایک جھوکے میں
خدا جانے صبا کس گل کی نکہت لے کے آئی ہے

جلا پروانہ ایسا شمع کے شب سوز الفت سے
کہا اوٹھ جا کہاں کا سوز الفت لے کے آئی ہے

الٰہی کیوں دراز اتنی ہوئی ہر رات فرقت کی
یہ اپنے ساتھ کیا روز قیامت لے کے آئی ہے

بلایا ایک مجکو ہے شہادت گہ میں قاتل نے
ہزاروں کو تمنا ہے شہادت لے کے آئی ہے

ظفر دل تو ہمارا پیچ میں اوس زلف پیچاں کے
کبھی ہرگز نہ آتا ایک شامت لیکے آئی ہے

گل رخسار پر تیرے کھلی زلف دوتا یوں ہے
کہ گلشن میں کبھی دیکھی نہیں کالی گھٹا یوں ہے

کریں کیوں بت پرستی تو صورت ہو کے اوس بت کی
مگر ہم کیا کریں زاہد کہ منظور خدا یوں ہے

صفائی دل کی گر درکار ہے تو خاکساری کر
کہ بے خاکستر آئینہ کو بے ہوا صفا یوں ہے

بجا ہے وہ جو کچھ لکھتے ہیں خط میں تجکو اے قاصد
خطا اونکی نہیں قسمت ہی میں میرے لکھا یوں ہے

نہیں گر دل خراش اے گل چمن میں نالۂ بلبل
تو کیوں سینہ سراسر چاک تیرا ہو گیا یوں ہے

کہے ہے دل چل اوس کوچے کو ناصح منع کرتا ہے
ادھر یہ کہہ رہا یوں ہے اودھر وہ کہہ رہا یوں ہے

خدا جانے کیا کیا سحر اوس چشم پر افسوں نے
ظفر جو دل تمہارا بس میں اوسکے آ گیا یوں ہے

دیگر

نمود داغ جتے ہیں گھر میں جھوٹ موٹ پڑے
الٰہی جان پہ جھوٹوں کے قہر ٹوٹ پڑے

جو ٹپکے دیدۂ داغ جگر سے سب آنسو
تو دل کے آبلے بھی ساتھ اوسکے پھوٹ پڑے

قلق سے تیری جدائی کے ہے یہ حال اپنا
کہ قلق میں رہتے ہیں چھاتی کو کوٹ کوٹ پڑے

یہ روز مشورہ کیا ہے کوئی تو جھوٹی بات
خدا کرے کہ کہیں دشمنوں میں پھوٹ پڑے

ہمیشہ رکھتے ہیں جھوٹوں سے آپ سرگوشی
تمہارے کان میں کیونکر نہ بات جھوٹ پڑے

ہم اوسکی چشم کو دیں کیونکر اپنا شیشۂ دل
کہ ہے وہ مست کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹ پڑے

ظفر وہ ناز و نگہ ہے بلا کی تیری فوج
شکیب و صبر کی دل میں نہ کیونکہ لوٹ پڑے

دیگر

اگرچہ ماہ فلک پر کمال کو پہونچے
مگر نہ یار کے حسن و جمال کو پہونچے

نہ کھینچ شانہ سے اس طرح زلف کو اپنی
کہ صدمہ اس دل آشفتہ حال کو پہونچے

گئے جہاں سے ناکام ہیں تیرے مہجور
کبھی نہ ہائے مراد وصال کو پہونچے

جو پھڑکے مرغ گرفتار اک ذرا صیاد
چمن میں توڑ کے یا تیرے جال کو پہونچے

ہزار مشک کرے اپنی رنگ و بو پہ ناز
کہ تیری زلف کو پہونچے نہ خال کو پہونچے

خوشی تمہاری یہی ہے کہ اک ملال اپنا
ہمیشہ میرے دل پر ملال کو پہونچے

اوٹھاؤ ہاتھ نہ سودے سے تم محبت کے
ظفر اگرچہ ضرر جان و مال کو پہونچے

دیگر

کیا کہوں شب کو مرے گریہ کی حالت اور تھی
روکنے سے آنسوؤں کی ہوتی شدت اور تھی

بزم یاران گذشتہ کی نہ پوچھو دل لگی
تھے وہ جلسے اور یارو اور وہ صحبت اور تھی

کرتا کیا دیوانگی میں مجھ سے مجنوں ہمسری
مجھکو وحشت اور تھی اور اوسکو وحشت اور تھی

نزع میں تھی آرزو مجھکو تو وصل یار کی
کچھ سوا اس کے نہ میرے دل میں حسرت اور تھی

عشق میں شیریں کے جو تلخی گوارا ہو گئی
پائی کچھ فرہاد نے اس میں حلاوت اور تھی

غمزہ و ناز و ادا سے مجھ پہ جو گزری نہ پوچھ
دمبدم میرے لئے آفت پہ آفت اور تھی

اے ظفر اچھا کیا تم نے کہے اسرار عشق
ورنہ تھی اسکے چھپانے میں قباحت اور تھی

نظر پہ تو ہی بس اے میری جان چڑھتا ہے
ترے سوا نہیں کوئی یہ دھیان چڑھتا

نظر سے خلق کے گر جائے ہے فلک پہ قمر
جو وقت شام وہ کوٹھے پہ آن چڑھتا

اگر برا نہ کہے ہووے کیوں برا مشہور
تو اس زبان سے سب کی زبان چڑھتا

کوئی اوترتا ہے دریائے عشق یہ اپنا
زیادہ دمبدم اے مہربان چڑھتا

ضرور عشق حقیقی کو ہے مجازی عشق
کوئی بام پہ نردبان چڑھتا

ہمارا نالہ پردرد آسمان کے تلے
بناتا ایک سے اک آسمان چڑھتا

ظفر عجب نہیں گر چرخ پیر ہو پامال
سمند ناز پہ پھر وہ جوان چڑھتا ہے

اون لب و دندان کو ہم ہیں لعل و گوہر جانتے
اور زلف و خال کو ہیں مشک و عنبر جانتے

تاب یہ کسکو لگائے ہاتھ تیری زلف کو
ہیں تمہیں اے کافر اس کالے کا منتر جانتے

سامنے تیرے لب نازک کے اے رنگین ادا
لعل کو ہیں جوہری اک لال پتھر جانتے

کیا کریں تجھ سے سوال بوسہ تو ہے پرعتاب
ہم تری پہچانتے چتون ہیں تیور جانتے

چین ابرو کو ترے اے قاتل سفاک ہم
اس تری شمشیر ابرو کے ہیں جوہر جانتے

دیکھتے گر چشم تر میں میرے اشکوں کا ہجوم
مردم اس کو مردم آبی کا لشکر جانتے

ہے ہمارے اور اوسکے درمیان جو آئینہ
اے ظفر ہم اس کو ہیں سد سکندر جانتے

دیگر

نازو ادا میں کیا بت گمراہ ایک ہے
وہ تو ہر ایک بات میں واللہ ایک ہے

رخسار تیرے دونوں ہیں تابندہ اس قدر
گر آفتاب ایک ہے تو ماہ ایک ہے

گزری ہے صاف سینہ اسمان کے پار
تیر بلائے عشق مری آہ ایک ہے

پروانہ جل کے خاک ہوا نالاں ہو عندلیب
دونوں کی کس طرح سے کہوں چاہ ایک ہے

کیونکر کرے نہ میری دم سرد ہمدمی
تجھ بن رہا یہی تو ہوا خواہ ایک ہے

کہتے ہیں راہ دل سے ہے دل کو اور جس پہ بھی
حالت سے ایک کی نہیں آگاہ ایک ہے

فرہاد و قیس سے ترے شاگرد ہیں ظفر
اوستاد فن عشق میں تو واہ ایک ہے

دیگر

ویسی ہی آہ و فغاں ہیہات کل کی آج ہے
میری قسمت سے وہی پھر رات کل کی آج ہے

ٹھہری بات آج کی کل پر ہے میرے واسطے
ہوتی غیروں کے لیے ہر بات کل کی آج ہے

کہتے ہو کیا آج گرمی ہے تو کل برسات ہے
میرے گریہ سے ہوئی برسات کل کی آج ہے

جانہ اس دنیا ے مکار ہ کے تو اقرار پر
آج کی کل کرتی یہ بد ذات کل کی آج ہے

آپ نے بھیجا تھا کچھ تحفہ جو کل میرے لئے
آئی میرے پاس وہ سوغات کل کی آج ہے

کیا بھروسا کل کا غافل آج ہی کر لے نہ چوک
تم سے ہو سکتی اگر خیرات کل کی آج ہے

آج جو کچھ کر سکے کر کل کی کل پر رکھ ظفر
فکر کیا اے مرد خوش اوقات کل کی آج ہے

ہوئے جہاں میں ترے شیفتہ ہزار آگے
پر ایک بھی نہ ہوا مجھ سا جان نثار آگے

مطلع ثانی

بندھا تھا کب مرے رونے کا ایسا تار آگے
کہاں تھے یوں مرے آنسو گلی کے ہار آگے

مطلع ثالث

دل ایک بوسہ پہ رکھ دوں گا لا کے یار کے آگے
تجھے ہے لینے نہ لینے کا اختیار آگے

قدم اوٹھا کے تو آندھی سے بھی بیابان میں
اوڑاتا خاک چلے تیرا خاکسار آگے

رہے گا عمر بھر آئینہ آب شرم میں غرق
ہو وہ آ کے ترے ایسا شرمسار آگے

کہاں مجال کہوں سن لو میری دو باتیں
کہ ایک کہہ کے ابھی سن چکا ہوں چار آگے

یہ حال اپنا ہے اوس زلف کے تصور میں
اندھیرا آئے ہے آنکھوں کے بار بار آگے

نہ کرتے گریہ نہ یوں کھوتے آبرو اپنی
بیا یا اپنا کیا چشم اشکبار آگے

غضب ہے تیر نگہ اوس شکار افگن کا
نہ بچ کے جائے ظفر آئے جو شکار آگے

دیگر

کیا پڑھے خط کی ہمارے وہ عبارت سیدھی
سرنوشت اپنی نہ سیدھی ہے نہ قسمت سیدھی

ناصحو دیکھنا تم سیر بہار آنے دو
ہو نہ پہنچے گی دشت میں لے کر مجھے وحشت سیدھی

بار اندوہ مرا وہ ہے کہ جس کے نیچے
نہ ہوئی پشت فلک تا بہ قیامت سیدھی

شیخ جی کرتے ہو رندوں سے جو ٹیڑھی باتیں
کیا کیا چاہتے ہو تم کوئی حضرت سیدھی

شاخ گل باغ میں کچھ ہونے لگی تھی ٹیڑھی
ہو گئی دیکھ کے وہ جلوہ قامت سیدھی

ہر قدم پر ہیں ظفر لاکھ طرح کے خم و پیچ
کون کہتا ہے کہ ہے راہ محبت سیدھی

دیگر

جو وقت جوش گریہ دیدۂ تر جوش کھاتا ہے
تو دل بے جوش گویا اک سمندر جوش کھاتا ہے

سمجھ خاک شہید ان پر نہ تو جوش گل و لالہ
یہ ہوتا خون اے شوخ ستمگر جوش کھاتا ہے

مزا آئے کوئی تو اب یا رو جوش میں لیکن
کب اپنے جوش گریہ کے برابر جوش کھاتا ہے

تری جب گرم جوشی دیکھتا ہوں ساتھ غیروں کے
تو پھر کیا کیا مرا دل اے ستمگر جوش کھاتا ہے

یہ ہو شعلہ اسے تیرے حسن کے مہتاب کا عالم
کہ ہوا آتش پہ تیری ماہ پیکر جوش کھاتا ہے

ہوئے اشک اور بھی اپنے زیادہ جوش گریہ سے
وگرنہ آب ہو جاتا ہے کم گر جوش کھاتا ہے

ظفر اس موسم گل میں بغیر از جام گلگون
تپ حسرت سے کیا خون دل کے اندر جوش کھاتا ہے

دیگر

فکر خیال کر آئی گھٹا بہت سی ہے
ابھی تو شیشہ میں مے ساقیا بہت سی ہے

الٰہی خیر ہو شامت نہ دل کی آ جائے
کہ برہم آج وہ زلف دوتا بہت سی ہے

کبھوں میں کیا کر گزرتی ہے دل پہ کیا مجلس
یہ داستان غم ہو ل ربا بہت سی ہے

کبھی ہمارا بھی خون دل کے دیکھو ہاتھوں میں
لگائی آپ نے یوں تو حنا بہت سی ہے

پلائے گا کوئی جام مے مجھے ساقی
طبیعت آج مری بے مزا بہت سی ہے

کبھو شرارے ہنستا ہے کیا شرارت سے
کہ تیری ہستی پہ ہستی فنا بہت سی ہے

حیات عشق میں کر لی بسر ہمیں اپنی

ظفر اگرچہ ہے تھوڑی سی یا بہت سی ہے

آتا اس غم پہ گمان ایک تو دل میں یہ ہے
کہ بڑا دشمن جاں ایک تو دل میں یہ ہے

خواہشیں اور بھی ہیں پر تر ا لیلون بوسہ
ہوس اے غنچہ دہاں ایک تو دل میں یہ ہے

ہے جہان جان وہاں تو ہو کہیں ایجا ں
تیرا رہنے کا امکان ایک تو دل میں یہ ہے

کہیں دل سوختہ کیا دیکھے لے داغ دل کو
سوز الفت کا نشان ایک تو دل میں یہ ہے

مل گیا جان سے اور تو نہ یہاں تک آیا
حسرت اے آفت جاں ایک تو دل میں یہ ہے

کیوں ہوں منت کش دنبالہ مژہ کافی ہے
کہ کھٹکے کو سنان ایک تو دل میں یہ ہے

ہیں ارادے تو بہت پر ظفر ان کے آگے

کیجے سب حال بیان ایک تو دل میں یہ ہے

دوستی کو بہت ہوش رہا ہے یوں ہے
کر نہ جائے کہیں امید فدا ہے یوں ہے

جیسے بے تاب ہو کی گرمی سے مرے دل کا حال
پھول مرجھاتا کہاں گرم ہوا سے یوں ہے

چاہیے وصل سے بیمار جدائی کا علاج
ہوتا جان بر نہ دوا سے نہ دعا سے یوں ہے

زیر شمشاد ہیں بکھرے ہوئے گویا گلبرگ
سرخ ہر پا حسن پا اوسکا حنا سے یوں ہے

جیسے ڈرتا ہے خدنگ نگہ یار سے دل
سہا کوئی نہیں تیر قضا سے یوں ہے

جس طرح آبلہ پا سے لگا دشت میں خار
تنکا اوٹھ سکتا کوئی کا رہا سے یوں ہے

تاڑلی اوس نے ظفر تیری محبت کی نگاہ
سر جھکائے ہوئے جو شرم و حیا سے یوں ہے

دیگر

مجھ سے وہ بات کریں وقت شکایت سیدھی
میری تقدیر ہے سیدھی مری قسمت ہے سیدھی

بخت برگشتہ نے دی اتنی بھی فرصت نہ ہمیں
کر کمر کرتے سر بستر راحت سیدھی

دل نکمے سے ترے سمجھے ہے کہ چھٹ کر جوں تیر
آئے ہے میرے ہی جانب کو یہ آفت سیدھی

ہے کجی اس کی طبیعت میں یہ جو چرخ کج رو
چال چلنے کا نہیں تا بقیامت سیدھی

کچھ سنیں یا نہ سنیں گلا کر کج فہم
بات کہتے ہیں ہم اسکان ملامت سیدھی

دیکھا توڑ کے اک روز در زندان کو
راہ ہم لیں گے سوئے وادی وحشت سیدھی

کس کے قامت کا تصور ہے کہ دل سے میرے
آہ اک نکلے ہے آلودہ حسرت سیدھی

کہکشاں اس کو نہ سمجھو یہ ہے قتل مرے
تیغا کھینچے ہوئے آئی شب فرقت سیدھی

ٹیڑھی باتوں کے ہیں الفت کے ظفر ٹیڑھے ڈھنگ
سیدھے سادھوں کو تو بھاتی ہے محبت سیدھی

دیگر

گزرتی ہے شب یوں ہی کر لیتے لیتے
تو ہوتی ہے ہم کو سحر لیتے لیتے

بچھے جاتے ہیں پاؤں میں تیرے فتنے
قدم تیرے اے فتنہ گر لیتے لیتے

بندھا زلف کا جو تصور تو گزری
بلائیں ہمیں رات بھر لیتے لیتے

خبر دل کی کچھ اپنے لینے نہ پائے
ہوئے بے خبر ہم خبر لیتے لیتے

کہاں بستر گل گزرتی ہے ہر شب
مجھے کروٹیں خاک پر لیتے لیتے

گیا تھا دل اوس زلف سے لینے سودا
الٹی گیا وہ کدھر لیتے لیتے

لیا ہم نے ڈر کر نہ قاصد سے اپنے
خط اوس تندخو کا ظفر لیتے لیتے

کسی کا مفت دل لے جانا کیوں جی بھی ہوتا ہے

جو بوسہ مانگے تو جھنجلانا کیونکی یوں بھی ہوتا ہے

کبھی خط لکھ کے بلوانا کبھی خط کے بھی لکھنے کا

مچلنا ٹھسے اک لکھوانا کیوں جی یوں بھی ہوتا ہے

جو شانہ زلف سے اولجھے تو سلجھانا اوسے لیکن

دل صد چاک کو اولجھانا کیوں جی یوں بھی ہوتا ہے

کنارہ کرنا عاشق سے نہیں اتنا کہ پھر وسکو

کنارہ گور کے پہونچانا کیوں جی یوں بھی ہوتا ہے

کچھ ایسی بات کہہ دینا بنا کر اور روٹھنا آپ ہی

پکڑ کر غصہ پھر فرمانا کیوں جی یوں بھی ہوتا ہے

ہمیں تو خط میں اپنے تم کو لکھنا راز پوشیدہ

تمہیں غیروں سے وہ پڑھوانا کیوں جی یوں بھی ہوتا ہے

ظفر ہے کچھ تو باعث دل کو ہے جو اتنی گھبراہٹ

کہ ہو سکتا بے سبب گھبرانا کیوں جی یوں بھی ہوتا ہے

دیگر

آج پردازشش جہت کے مے سے چھک کے کھل گئے

عشق کی بازی میں ساقی وے کے چھکے کھل گئے

پہلے تو کھلتی ہوئی باتوں میں ہم سے دیر تک

وہ جھجکتے ہی رہے پر ہارے جھجک کے کھل گئے

رات کو گھر کے کواڑوں کے نہ کھل سکتے مگر

اور الفت سے دیئے ہم نے جو دھکے کھل گئے

ہو رہے تھے بند گلشن میں جو غنچوں کے دماغ

لف وہ کھلتے ہی خوشبو سے مہک کے کھل گئے

زیر پنبہ چھپتے ہیں کب داغ دل پہ ایک دن

دیکھ لینا جیسے انگارے دہک کے کھل گئے

چلتے چلتے راہ الفت میں لگے ہم دوڑنے

کیا تماشا ہے کہ اپنے پاؤں تھک کر کھل گئے

بھید پوشیدہ ہمارے دل کے یاروں پر ظفر

وس گلی میں رہ گئے ہم جو ٹھٹھک کے کھل گئے

دیگر

یاں آیا ایک پرچہ جب چند روز گزرے
اور واں مری طرف سے سو چند روز گزرے

آئے کبھی ادھر تو رنجیدہ ہی گئے وہ
اور غیر کی گلی سے خورسند روز گزرے

بیمار غم نکیونکر ہو شائق رخ و لب
نسخہ میں جب نظر سے گلقند روز گزرے

ناصح کہیں کہاں تک بس ہو چکی نصیحت
کہتے ہی ہم کو سنتے یہ پند روز گزرے

سوگندوں کی زبان سے گندی زبان ہے اوسکی
جس کو کہ کھاتے جھوٹی سوگند روز گزرے

ہاتھوں سے گر جنون کے ٹکڑے ہوں پیرہن کے
بخیہ گروں کو کرتے پیوند روز گزرے

اندیشۂ شب غم جائے ظفر نہ دل سے
عیش و طرب میں اپنا ہر چند روز گزرے

رکھتا ہے محبت دل ناشاد تمہاری
کیا ذکر کہ بھولے یہ کبھی یاد تمہاری

مطلع ثانی

ہم سہتے ہیں بیداد پہ بیداد تمہاری
لیکن نہیں کرتے کہیں فریاد تمہاری

حیران رہیں صورت تصویر جو دیکھیں
تصویر ذرا مانی و بہزاد تمہاری

اے غافلو مانند حباب ایک نفس میں
مٹ جاؤ گے تم کچھ نہیں بنیاد تمہاری

سمجھا نہ تمہیں حضرت دل اوسنے ہوا خواہ
محنت ہوئی ساری یونہیں برباد تمہاری

کٹ جائے ابھی از رہ غیرت سے چمن میں
کج دھج یا گر دیکھ لے شمشاد تمہاری

اے بلبلو اتنا نہ کرو غسل کہ مبادا
دشمن ہو سوا جان کا صیاد تمہاری

مجنوں سے کیا ہم نے جو ذکر اپنے جنوں کا
کہنے لگا کیا بات ہے اوستاد تمہاری

منہ دیکھے ہے جو آئینہ حسرت سے ہمارا
ہم جس سے ظفر کہتے ہیں روداد تمہاری

کیا قتل آج اوس نے یہ خبر دو تین دن سے تھی
جو پیش آئی ہے وہ پیش نظر دو تین دن سے تھی

کیا ہے آخر اوس نے جلا کر مجھکو خاکستر
جو دل میں آگ میرے شعلہ زن دو تین دن سے تھی

ہوا گریہ سے دامن آج سارا پاٹ دریا کا
وگرنہ آستین اشکوں سے تر دو تین دن سے تھی

مبدل ہو گئی رنجش سے وہ کیوں آج کیا باعث
عنایت اوس کی میرے حال پر دو تین دن سے تھی

ڈبونا ہے مرا منظور تھا اس چشم گریاں کو
اوٹھاتی تھی یہ طوفان اس قدر دو تین دن سے تھی

خدا لایا تجھے جو چین آیا ورنہ فرقت میں
عجب حالت مری اے عشوہ گر دو تین دن سے تھی

کوئی کیا سیر کرتا اس حیات پنج روزہ میں
نہیں فرصت زیادہ یہاں ظفر دو تین دن سے تھی

دیگر

غم کو چھوڑوں کیونکہ میں گر آشنا ہے تو یہی
اب برا ہے تو یہی ہے اور بھلا ہے تو یہی

کیونکہ دل پھیرے نہ مجھکو جانب ابروے یار
واسطے اس قبلہ کے قبلہ نما ہے تو یہی

خون عاشق سے کریں کیونکر نہ یہ آلودہ ہاتھ
گلرخون کے واسطے رنگ حنا ہے تو یہی

ناوک مژگان سے تیرے کیوں نہ جی سہمے مرا
واقعی میرے لیے تیر قضا ہے تو یہی

کیا کرے گا ہم وزر کو خاکساری اختیار
اے ہوس تیرے حق میں کیمیا ہے تو یہی

چھڑکے وہ قاتل جراحت پر مرے دل کے نمک
زخم کھانے کا محبت میں مزا ہے تو یہی

واہ رے تیری بہار خندان دندان نما
حسن کے گلشن میں تیرے موتیا ہے تو یہی

میں نے اوس قاتل سے پوچھا آج کیا دل میں ترے
قتل کا میرے ارادہ ہے کہا ہے تو یہی

کس طرح عاشق کو صحت ہو بغیر از وصل یار
اے ظفر بیمار فرقت کی دوا ہے تو یہی

دیگر

ہیں چاروں طرف غیر اوسے گھیر کے بیٹھے
منہ میری طرف سے کیوں نہ وہ پھیر کے بیٹھے

وہ پوچھتے اتنا نہیں یہ کون ہے بیٹھا
ہم سامنے ہیں اوس کے بڑی دیر سے بیٹھے

بے قاعدہ یہاں کا یہی پستی و بلندی
ہیں سوچ میں نادان زیر و زبر کے بیٹھے

چین کیوں تری ابرو پہ ہے یہ ہم نے نہ پوچھا
دیکھا کیے جوہر تری شمشیر کے بیٹھے

یہ سوزش دل سے ہے مری خاک میں گرمی
کیا تاب کوئی پاس مرے ڈھیر کے بیٹھے

گردش پہ بھلا چشم سیہ کے کوئی کیونکر
آرام سے اس دور میں اندھیر کے بیٹھے

اوٹھ بھاگتا ہے سامنے سے مرد کے نامرد
روباہ مقابل نہ ظفر شیر کے بیٹھے

الٰہی شکر ہے ہم ہیں بتوں کو بیوفا کہتے
اگر ہوتی وفا ان میں تو پھر کیا جانے کیا کہتے

جگہ ہے ڈوب مرنے کی جنہیں ہم آشنا سمجھے
وہ ہیں اس آشنائی پر ہمیں نا آشنا کہتے

شب فرقت میں اپنی آنکھ اک لحظہ نہیں لگتی
گزرتی رات ہے سارے ہمیں اے مہ لقا کہتے

تمہارے بیمار اے عیسیٰ نفس یاں سے کہاں جائیں
گلی کو تیرے اپنے حق میں ہیں دارالشفا کہتے

بہایا کیوں نہ خون کشتوں کا تو نے زیر پا اپنے
کہ اے سفاک وہ اپنا اسی کو خون بہا کہتے

ہوئے ہم خاک جس کے واسطے راہ محبت میں
ستم یہ ہے نہیں وہ ہم کو اپنا خاک پا کہتے

شمار انجم افلاک کر سکتا اگر کوئی
تو ہم بھی اپنے دل کے داغ سب اے دلربا کہتے

ترے ہاتھوں سے ہم اے سنگدل اس نالہ دل کو
شکست شیشۂ دل کی ہیں اپنے اک صدا کہتے

تماشا ہو کسی کشش سے لگ جائے تمہارا دل
بہت ہی آپ کو تم اے ظفر ہو پارسا کہتے

دیگر

رہے دولت سے قیاس فقیری
امیری ہے زیر لباس فقیری

فقیر اس کو کہیے کہ جو پاس اپنے
نہ رکھتا ہو کچھ غیر پاس فقیری

سوال ان سے کر تو نہ دنیائے دوں کا
فقیروں سے کر التماس فقیری

عجب وہ قلندر ہیں آزاد جن کو
نہ امید دنیا نہ یاس فقیری

تری خاک پا رشک تاج و کلہ ہے
ہے فرق شاہی دراس فقیری

تزلزل میں کب حرص دنیا سے اے
مرا دیں محکم اساس فقیری

ظفر وہ سمجھتا ہے تیرا کنایہ
جو ہے رمز و ایما شناس فقیری

دیگر

ہمیں مستی سے ہے صہبا کی رتی
نہیں بالکل خبر دنیا کی رتی

نہ پوچھو ماجرا اشکوں کا میرے
روانی سی ہے اک دریا کی رتی

ترے دانتوں کے آگے آبرو کیا
زمانے میں در یکتا کی رتی

تڑپتا ہے مثال مرغ بسمل
یہ حالت ہے دل شیدا کی رتی

ترے دیوانے کے گریے سے دائم
زمیں سرسبز ہے صحرا کی رتی

قیامت روز اک رتی ہے ہم پر
کہ ہے یاد اوس قد رعنا کی رتی

اگر آ جانا زاہد میکدے میں
نہ خواہش جنت الماوا کی رتی

سرشک خوں جس سے ہے دامن میں اپنے
بہار اک لالۂ حمرا کی رتی

ظفر کیا کیا ہے مجھ پر مہربانی
مرے اوس یار مہ سیما کی رتی

دیگر

مرے اوٹھ گئے ہے جو کچھ مہر و محبت رہ گئی
یہ فقط اک دور کی صاحب سلامت رہ گئی

جو کبھی ہم سے حقیقت وہی اس نے غیر سے
فی الحقیقت اب ہماری کیا حقیقت رہ گئی

وعدہ آنے کا کیا آیا نہ وہ محشر خرام
آتے آتے سر پہ عاشق کے قیامت رہ گئی

اوٹھ گئے منعم جہاں سے چھوڑ کر قصر و محل
عاقبت یا تکیہ ہیں ساری عمارت رہ گئی

منہ کو کیا پھیرے پڑا ہے آ گلے لگ جا مرے
رات کچھ تھوڑی سی ہے اے ماہ طلعت رہ گئی

سخت جانی نے مرے توڑی تو اوس قاتل کی تیغ
اے ظفر دل میں تمنائے شہادت رہ گئی

شوق پابوسی میں ہم دور سے دوڑے آئے
چومنے کو یہ قدم دور سے دوڑے آئے

صید افگن جو ہو وہ صنم کافر کیش
سیکڑوں صید حرم دور سے دوڑے آئے

دیکھ کر ظلم ترے پاس سے سب بھاگ گئے
ہم اوٹھانے کو ستم دور سے دوڑے آئے

اس قدر رو کے عرق آئے جو یہ طفل سرشک
شاید اے دیدہ نم دور سے دوڑے آئے

ساقیا جام کو بھر جلد کہ یہ کیا کیا بادل
دیکھ تو ہیں سیر نم دور سے دوڑے آئے

تری الفت ہمیں لائی نہیں ہم آپ سے آپ
تیری الفت کی قسم دور سے دوڑے آئے

جب رہا پاس ظفر کوئی نہ اپنے غم خوار
سنتے ہی حضرت غم دور سے دوڑے آئے

دیگر

جہاں یہ چشم دریا بار ہے دن رات ہو جاتی
وہاں ہے عین گرمی میں عجب برسات ہو جاتی

لب جاں بخش کو جنبش جو تو دیتا تکلم سے
ترے بیمار الفت کو شفا اک بات ہو جاتی

مقدر میرا گر گشتہ اگر مجھ سے نہ ہو جاتا
تو قاصد واں سے کیوں واپس مری سوغات ہو جاتی

پڑے سجدے در میخانہ پر اے محتسب گر ہم
تو کیا ہے چین سے اپنی بسر اوقات ہو جاتی

غم دوری ترا وہ ہے کہ ظالم ہاتھ سے جس کے
ہمیں ہے جان شیریں تلخیاں ہیہات ہو جاتی

اوٹھا کر زلف کو رخ سے اگر پھر چھوڑ دیتے تم
تو ہوتا رات میں دن اور دن سے رات ہو جاتی

ظفر تم عشق کی شطرنج اون سے سوچ کر کھیلو
کہ واں جب عشقبازوں کی ہے بازی مات ہو جاتی

دیگر

نے طلب ہے دین کی ہمکو نہ ہے ہیں دنیا ڈھونڈتے
ہم خدا جانے ہیں طالب کس کے اور کیا ڈھونڈتے

وصل تیرا ہے ترے بیمار فرقت کا علاج
ہیں کتابوں میں عبث نسخہ اطبا ڈھونڈتے

مے پرستوں کے لیے ہے جا بے خم جائے سجود
وہ نہیں بہر نماز اپنے مصلا ڈھونڈتے

جو تماشا دیکھکر محو تماشا ہم ہوئے
کیا تماشا ہے وہی ہیں ہم تماشا ڈھونڈتے

چشم میں بھر بھر کے پیجاتے ہیں اشک خون مدام
ہم نہ ساغر ڈھونڈتے ہیں اور نہ صہبا ڈھونڈتے

خاکساری کی بدولت ہو گئے ہیں جو غنی
اے ہوس وہ نہیں اکسیر اصلا ڈھونڈتے

اس زمانے میں جو اہل دل ڈھونڈتے ہیں یار دوست
ہیں مرے نزدیک گویا دشمن اپنا ڈھونڈتے

حسن میں پائے نہیں ثانی ترا خورشید و ماہ
گرچہ ہیں لے کر چراغ اے ماہ سیما ڈھونڈتے

اے ظفر ہے جا پناہ حامی دو جہاں میں فخر دین
ہم نہیں ہرگز کسی کا بھی بھروسا ڈھونڈتے

دیگر

جان میری تن میں اے قاتل تڑپتی چھوڑ دی
اور اک تو نے نہ کیوں تیغ دو دستی چھوڑ دی

بیچتے تھے دل کو اک بوسہ پہ تیرے ہاتھ ہم
تو نے کیوں ہیہات ایسی جنس سستی چھوڑ دی

تنگ آیا ہاتھ سے وحشت کے مجنوں اس قدر
جا لیا ویرانہ میں وہ اوسنے بستی چھوڑ دی

جو کہ سمجھا منزل رفعت وہ اس میں رہ گیا
جس نے دیکھا ہے یہ دنیا جائے پستی چھوڑ دی

کیا لیا نفس کر شرارت سے جہاں میں اے شرر
ہنستے ہنستے تو نے آخر اپنی ہستی چھوڑ دی

چھا گیا گلشن میں گویا ایک ابر نوبہار
زلف عارض پر جو اوسنے وقت مستی چھوڑ دی

خود پرستی بت پرستی سے نہیں کم اے ظفر
جس نے چھوڑی خود پرستی بت پرستی چھوڑ دی

کردن کیا پایا دزلف دلبر جانی نہیں جاتی
نہیں جاتی مرے دل کی پریشانی نہیں جاتی

بسمل ہو وے پر نہ خم کے ہم ہیں پر کسی سے بھی
ثنائی تیری شمشیر صفاہانی نہیں جاتی

حقیقت کو ہمارے عشق کی ہو نہچیں تو کیا ہو نہچیں
کہ وہاں تک ناصحوں کی عقل دیوانی نہیں جاتی

ہوئی برباد میری خاک میدان محبت میں
سمند ناز کی پر تیرے جولانی نہیں جاتی

بھلا کر تو بھلا ہو گا صدا ہن با نوا کی
نہیں یہ بات کچھ ایسی کہ جو مانی نہیں جاتی

نہیں پہونچاتے ہم تا گوش نازک خوش دماغوں کے
کہ جب تک بات کوئی خوب چھانی نہیں جاتی

یہ نقش ہو گیا ہے صبر اسودائے محبت میں
مری صورت مرے یاروں سے پہچانی نہیں جاتی

گزر جائے سکیونکر جان سے قاصد کہ جاناں تک
خبر مشکل سے جاتی ہے آسانی نہیں جاتی

طبیعت ہے جوان پیری میں بھی وہ اے ظفر تیری
سخن فہمی سخن سنجی سخندانی نہیں جاتی

خانۂ دل میں جو آ آ تشیں کا سانپ ہے
ڈر رہا اس سے یہ محبت کی زمیں کا سانپ ہے

مانگ کا کاس کے تصور ہے کر خط کہکشاں
رات کو آتا نظر چرخ بریں کا سانپ ہے

گنج کو حسن بتاں کی چاہیے کیا پاسبان
بال اک اک اوسکے زلف عنبریں کا سانپ ہے

دیکھ کر چین جبین آئینہ میں وہ مست ناز
آ گیا پانی میں بہہ کر یہ کہیں کا سانپ ہے

آنکھ لگ جاتی بھی ہے تو شب ڈرا دیتا ہمیں
خواب میں زلف مہ زہرہ جبیں کا سانپ ہے

سوئیں تجھ بن چین سے کیا زیر سر ہم رکھ لے ہاتھ
تار ریشم آستیں میں آستیں کا سانپ ہے

کیوں لگائے ہے تو اپنے دل سے دو دواہ کو
رہنے والا اسے ظفر یہ تو کہیں کا سانپ ہے

دیگر

ہر لحظہ آنکھ جانب در تین دن سے ہے
آنے کی اونکی یاں جو خبر تین دن سے ہے

مطلع ثانی

آیا نہیں وہ ماہ نظر تین دن سے ہے
غائب نظر سے شکل قمر تین دن سے ہے

مدت سے ہم اوڑاتے ہیں وحشت جنوں کی خاک
بیچارہ قیس خاک بسر تین دن سے ہے

کیا کشتۂ وفا کے سوم سے غرض کرو
سرگرم عشق کے ہے وہ گھر تین دن سے ہے

تر گر نہیں جگر یہ ہے خون دل کہاں
فاقہ پہ فاقہ دیدۂ تر تین دن سے ہے

بڑھ جاتا ہے ہر ایک سے دو دن میں اونکا پیار
رہتا نہیں زیادہ مگر تین دن سے ہے

ملتا نہیں ہے یار کے گھر کا کہیں پتا
قاصد مرا احباب ظفر تین دن سے ہے

جو مرے قتل کو شمشیر ہے صورت رکھتی
وہی اوس سرمہ کی تحریر ہے صورت رکھتی

تیری صورت کو کہاں ہو نہ پری کی صورت
ایسی وہ کاہے کو تصویر ہے صورت رکھتی

قید کرنے کو ہمارے دل سودائی کے
زلف وہ ہمسر زنجیر ہے صورت رکھتی

گردش چشم کی جو تیری وہاں ہے صورت
وہی یاں گردش تقدیر ہے صورت رکھتی

دیکھ کر مار سیہ بھی جسے ڈر جاتے ہے
وہ بلا زلف گرہ گیر ہے صورت رکھتی

ویسی ہے دل کی بھی صورت نظر آتی جیسی
خانہ کعبہ کی تعمیر ہے صورت رکھتی

اے ظفر جس سے بنے یار کی کچھ صورت وصل
ایسی کوئی نہیں تدبیر ہے صورت رکھتی

ہم نے دیکھے عجب اس بحر جہاں کے دھوکے
دیکھے یاں ریگ رواں آب رواں کے دھوکے

ہم تو ہیں آپ پڑے جان کے پیچھے اپنے
ہاتھ اب عشق میں اوس آفت جان کے دھوکے

داں زخم جگر میں مرے پیکان تیرا
اے ستم کیش مجھے دے بے زبان کے دھوکے

نہو افاقہ بیمار محبت کو تو ہے
گرچہ تعویذ ہے ایک جہاں کے دھوکے

قصر جادو محل عدن سے کیا کیا ہم نے
کھائے اے حور لقا تیرے مکان کے دھوکے

دسترس دیر مغان تک ہو اگر زاہد کو
توڑے پانوں ابھی پیر مغان کے دھوکے

سچ ہے دنیا کو اگر دھوکے کی ٹٹی کہیے
اے ظفر کھائے کسی پر نہیں یاں کے دھوکے

دیگر

بلائیں لیتے ہم کیا اوس کی کر اچھی طرح لیتے
سلام اپنا نہیں جو فتنہ گر اچھی طرح لیتے

مرا خط دے کے اولٹے پانوں واں سے بھاگتے ہیں
جواب اوس سے نہیں کچھ نامہ بر اچھی طرح لیتے

کہاں تھی اتنی فرصت جواب شمشیر کی ہوتے
ہمارے یاں اب زخم جگر اچھی طرح لیتے

حجاب اوسکو نہیں مجھ سے تو پھر کیوں شب کو بستر پر
خوشی سے وہ نہیں کروٹ ادھر اچھی طرح لیتے

کہاں طالع تھے ایسے اپنے جو آغوش میں اپنی
تجھکو ہم شب کو اے رشک قمر اچھی طرح لیتے

وہ لے لیتے ہیں دل کو مول میرے یونہیں بن دیکھے
وگرنہ جنس کو ہیں دیکھ کر اچھی طرح لیتے

لگائیں گے مجھے کیا منہ کہ وہ تو نام بھی میرا
نہیں ہیں منہ سے اپنے اے ظفر اچھی طرح لیتے

دیگر

تپ غم سے جب اپنا دیدۂ تر سوکھ جاتا ہے
تو بے آبی سے دریا کیا سمندر سوکھ جاتا ہے

ستاتا ہے مجھے تو کیوں کہ پیاسا ہوں ترے خوں کا
لہو میرا تو اے قاتل یہ سن کر سوکھ جاتا ہے

کیوں کیا تشنگی اپنی آتے آتے ہی لب تک
شراب ناب کا لبریز ساغر سوکھ جاتا ہے

جو ہو جاتا ہے دیوانہ گل رخسار کا تیرے
وہ کانٹے کی طرح سے اے سمن بر سوکھ جاتا ہے

لگے ڈھیر پر کوئی جز کیا تفتہ جانوں کے
کہ آتا کیسا ہی بہتا ز ہو تر سوکھ جاتا ہے

کروں تجھ سے بیاں کیا ماجرا میں اپنے رونے کا
کہ تیرے روبرو منہ اے ستمگر سوکھ جاتا ہے

ظفر ہے میری فریاد جگر میں کیا بلا گرمی
کہ جس سے حلق تا لب تک سراسر سوکھ جاتا ہے

دیگر

گزری جو سخت مصیبت ہے کڑی پاؤ گھڑی
تو وہ ہو روز قیامت سے بڑی پاؤ گھڑی

ایک عالم سے رہی اس پہ لڑائی برسوں
آنکھ ہوس شوخ سے میری جو لڑی پاؤ گھڑی

دم نکل جائے گا گھبرا کے اگر یونہی رہی
آہ سینے میں مرے اور اڑی پاؤ گھڑی

شعلہ جو دیکھے اگر جلوۂ قامت کو ترے
تاب کیا پھر جو رہے شمع کھڑی پاؤ گھڑی

ہاتھ میں درد نزاکت سے کئی روز رہا
لی اوٹھا اوسنے جو پھولوں کی چھڑی پاؤ گھڑی

کر چکی باغ میں سوسن کو دکھا کر اے گل
اپنے ہونٹوں پہ تو مسی کی دھڑی پاؤ گھڑی

جلد آ ورنہ بھی زندہ رہے بیمار ترا
دو گھڑی ایک گھڑی آدھ گھڑی پاؤ گھڑی

آج آیا نہ مرے پاس جو وہ راحت جان
تو پھر اوسکے مجھے کل نہ پڑی پاؤ گھڑی

غنچے جھڑ جائے ابھی ابر بہاری کی ظفر
باندھوں اشکوں کی جو آنکھوں سے جھڑی پاؤ گھڑی

چشم کا نرگس اک انداز پایا جائے ہے
پر کہاں وہ غمزہ اور انداز پایا جائے ہے

اشک سے نالے لیں اور چہرہ کے رنگ زرد سے
الفت پنہاں کا اپنے راز پایا جائے ہے

اے دل بیمار خوش ہو اوس لب جاں بخش میں
حضرت عیسیٰ کا سا اعجاز پایا جائے ہے

دم دلاسے پر ترے دے ہے جو دم سارا جہان
کچھ تو اس میں لطف اے دمساز پایا جائے ہے

کرتا ہے رسوا مجھے لاتا ہے منہ پر دل کی بات
صاف طفل اشک تو غماز پایا جائے ہے

تیرا مضمون گم ہے جو عنقا کی طرح
کوئی ڈھونڈھے سے وہ اے طناز پایا جائے ہے

اے ظفر نالہ کو دوں دل میں نہ کیوں اپنے جگہ
ایک بھی تو ہمدم و دمساز پایا جائے ہے

دیگر

وہ شرارت کیش ہے جو بے سو شرم کی بات ہے
کوئی بے فتنہ نہیں وہ فتنہ گر کی بات ہے

نے لکھا کچھ ہم نے وہ نہ خط کو نے وہ سنے ہمیں
جعلسازی ہے فقط جو نامہ بر کی بات ہے

بھولے تھا اک دوسی زلف و رخ نہیں ہم ورنہ یاں
یا دوہتی شام تک کس کو سحر کی بات ہے

ہو گئیں سب باتیں اولٹی واہ رے یہ انقلاب
بات تھی جو عیب کی اب وہ ہنر کی بات ہے

جون زر قلب اے عزیز و قلب ہے جس کا سیاہ
کب وہ چلتی اون طمع داران زر کی بات ہے

اہل دنیا نفع پر دنیا کی کرتے ہیں پسند
وہ عقبیٰ کے لیے بالکل ضرر کی بات ہے

شیخیون کے بات کا ہرگز نہ کیجیے اعتبار
یہ ظفر نے سچ کہا پکی ظفر کی بات ہے

دیگر

کوئی پھرتا تو رک تھمو ارا آنکھوں کے نیچے ہے
ہمیشہ اپنے رہتا اک غبارا آنکھوں کے نیچے ہے

مرے نخچیر دل کو صید کرلے اے شکار افگن
نہ چھوڑ اس کو کہ یہ تیرے شکارا آنکھوں کے نیچے ہے

مرے تیر اب اشک سوز نے کیا زخم ڈالے ہیں
کہ ہے جو زخم اک مانند غارا آنکھوں کے نیچے ہے

تر ابیمار چشم سرمہ آگیں اوٹھ نہیں سکتا
ادھر اوسکے آنا بار بارا آنکھوں کے نیچے ہے

وفور گریہ وہ طوفان ہے دائم دیکھتا ہوں میں
کہ اک دریا رواں ان اشکبارا آنکھوں کے نیچے ہے

تصور ہے جو اپنے سرو گل رخسار کا ہم کو
تو اک جلوہ عجب باغ و بہارا آنکھوں کے نیچے ہے

کہوں کیا حال میں اپنا نہیں ہے کہنے کی حاجت
ظفر جو کچھ ہے وہ سب آشکارا آنکھوں کے نیچے ہے

دیگر

راہ دیکھیں نزع میں ظالم تری ہم تاب کے
جلد آ نکلا ہے آنکھوں میں یہاں دم تاب کے

دیکھیں یہ گلشن میں ہے جا شادی و غم تا کجے
گل ہیں خنداں تا کجا گریاں ہے شبنم تا کجے

ابر تو سو بار برسا اور برس کے کھل گیا
شدت گریہ ہو اپنی دیکھیے کم تا کجے

حسن پر نازاں جو ہے اے عالم تصویر تو
ہم بھی دیکھیں یہ رہے گا تیرا عالم تا کجے

دل کو رکھتا ہے مرے ہر رات پیچ و تاب میں
دیکھیے یہ اخیال زلف پر خم تا کجے

تا نہ مرہم جائیں گے ہوگا نہ پر یہ زخم دل
تم بھروگے چارہ سازو اکیس مرہم تا کجے

دیکھیے تجھ بن نظر میں اپنے اے رشک چمن
ہووے ہر گلبن چمن میں نخل ماتم تا کجے

کی خطا ہم نے کہ چھیڑا زلف مشکیں کو تری
دیکھیے اس پر رہے تو ہم سے برہم تا کجے

رات دن چشموں سے جاری ہے ظفر دریائے اشک
پر خدا جانے بجھے گی آتش غم تا کجے

سوا میرے یہ الفت کی نشانی کس کے منہ پر ہے
کہ منہ زرد اور آنسو ارغوانی کس کے منہ پر ہے

ہمارے بخت خوابیدہ بجا گیں ہیں بجا گیں گے
چھڑکنا دیکھ تو اے گریہ پانی کس کے منہ پر ہے

ہوا خجلت سے چہرہ زرد کیوں خورشید تاباں کا
دوپٹا اس نے دیکھا زعفرانی کس کے منہ پر ہے

زبان شمع کو کیوں بزم میں ناحق جلاتے ہیں
الہی اس نے کی آتش زبانی کس کے منہ پر ہے

ملا دیکھو مری تصویر کو تصویر مجنوں سے
سوا معلوم ہوتی ناتوانی کس کے منہ پر ہے

ظفر کو دیکھ کر کیوں پھیرتا ہے منہ بتا او نے
نکھتیرا کیا اے یار جانی کس کے منہ پر ہے

دیگر

میرے جو شور گریہ کا جب ذکر چل پڑے
فوارہ کیوں نہ حوض میں سن کر اچھل پڑے

جذبے سے میرے شوق شہادت کے کیا عجب
تلوار خود بخود تری قاتل او نکل پڑے

میں نے کہا جو بزم میں شب اپنا سوز دل
بے اختیار شمع کے آنسو نکل پڑے

دریا جو چشم تیرے مقابل ہوا تو موج
اتنی ہنسی کہ آنتڑیوں میں او سکے بل پڑے

بسمل ہوں ایک میں ہی فقط کیا کہ سینکڑوں
ہیں اوس گلی میں زخمی تیغ اجل پڑے

شب نالہ کرتے ڈرتے ہیں ہم کوئے یار میں
ایسا نہ ہو کہ نیند میں اوس کی خلل پڑے

آنے کا کل کا وعدہ کیا اوس نے پر مجھے
کل تک الہی دیکھیے کس طرح کل پڑے

کہتے ہیں جس کو آبلے وہ دل کے باغ میں
ہیں نیچے نخل آہ کے دو چار پھل پڑے

اللہ رے صفائی رخ یار اے ظفر
رکھے نگاہ پاؤں گر اپنا پھسل پڑے

دیگر

آنکھ تیری جو زمانے سے فتنہ دوراں پھرتی ... تو اجل آ کے بھی ہرگز نہ کبھی یاں پھرتی

سر تو پلک کے پھراتا ہے کروں کیا ناصح ... کہ طبیعت نہیں اوس سے کسی عنواں پھرتی

دیکھوں کیا آنکھ اوٹھا کر مہ تاباں کی طرف ... ہے مرے پیش نظر صورت جاناں پھرتی

نہیں معلوم کہ کس زلف کے سودے میں صبا ... بوے سنبل ہے گلستاں میں پریشاں پھرتی

روح مجنوں کی بگولے کی طرح سرگرداں ... دیکھو وحشت میں ہے کیا سوے بیاباں پھرتی

ہاتھ سے غمزہ خونخوار کے گردن پہ مرے ... اک چھوری سی ہے دم جنبش مژگان پھرتی

تم یہ سمجھو کہ نصیب اس کے ہوے برگشتہ

دیکھو جس وقت ظفر نیت انسانی پھرتی

کیا کسی واوسکو نہیں دیکھا بہت دن ہو گئے ... اوسنے تو خط بھی نہیں بھیجا بہت دن ہو گئے

اب کیے گر ضبط اشک و آہ تو کیا فائدہ ... ہم تو سب میں ہو چکے رسوا بہت دن ہو گئے

گرچہ عرصہ میں حیات چند روزہ کے کوئی ... رہ گیا دو تین دن تو کیا بہت دن ہو گئے

مر گیا اے عشق جیسے چھوڑ کر سر کو کسی ... پھر کسی کا سر نہیں پھوٹا بہت دن ہو گئے

اب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تیرا کیا حال ہے ... کام ہی یاں ہو گیا میرا بہت دن ہو گئے

جلوہ قامت دکھاوے تو کہ سنتے سنتے ہی ... نام ہم کو تو قیامت کا بہت دن ہو گئے

کردے پروا شوق سے مرے کہ تجھکو دام میں ... رہتے اے صیاد بے پروا بہت دن ہو گئے

کیا کہوں تجھ بن گزاری کس طرح سے ملنے رات ... ایک لحظہ بھی اگر گزرا بہت دن ہو گئے

تو ظفر کو صورت اک دن اوس بت بے مہر کی

اب تو دکھلا دے خدا وندا بہت دن ہو گئے

حلاوت لب شیریں کو کیا بات لگے ... کہ جس کی جان سے زیادہ ہو تو کیا بات لگے

کہاں نصیب یہ دولت ہمارے ہات لگے
کہ مثل سایہ پھریں اوسکے سات سات لگے

یہ غم ہے جالگے گلے سوئے آپ غیر کے ساتھ
اور اپنی آنکھ نہ اوس بن تمام رات لگے

کہیں ٹھکانا اس آوارہ محبت کا
نہ جیتے جی ہی لگے نے پس وفات لگے

عجب نوشتہ ہے سوجھے جو خط کا کچھ مضمون
تو ہاتھ پھر سے نہ قاصد قلم دوات لگے

جناب وارہم اک دن یہ کیا ہوا مذہیں
گزرتی دیر نہ جب عرصہ حیات لگے

غضب ہے غیر سے تو ہوں کلام بے پردہ
حجاب ہم سے ہو تو بیچ میں قنات لگے

ارادہ کس کے ہے دل کے شکار کرنے کا
ادھر اودھر جو لگانے وہ داو گھات لگے

رہے ہے سامنے آنکھوں کے وہ پری حاضر
ظفر تو کرنے تصور سے حاضرات لگے

دیگر

ہوگی ادھر نہ اوسکی تدبیر کھینچنے کی
جب تک کر تو نہیں اے تقدیر کھینچنے کی

صورت دکھادے اپنی گر وہ بت خود آرا
تو بہ کرے مصور تصویر کھینچنے کی

ہے قتل کو ہمارے کافی نگاہ تیری
حاجت نہیں ہے قاتل شمشیر کھینچنے کی

رستم کو بھی یہ مژگان چالاک دست تیرے
فرصت نہ دیں کمان سے اک تیر کھینچنے کی

تیغ اجل کی تجھ پر کھینچے ہے دیر قاتل
سرمہ سے چشم میں ہے تحریر کھینچنے کی

ڈرتا ہے کیوں کہ تجکو سولی پہ اوسکی مژگان
اے دل نہیں بغیر از تقصیر کھینچنے کی

ہیں جو لب و زبان پہ تیرے ظفر پھپھولے
یہ آہ گرم کی ہے تاثیر کھینچنے کی

دیگر

صبا گر چمن سے ادھر ہوتی جاتی
تو کچھ فصل گل کی خبر ہوتی جاتی

دکھاتا ہے کون اپنے مژگان کی جنبش
کہ ہے خلق زیر و زبر ہوتی جاتی

نہیں بجھتی گریہ سے آتش جگر کی
فزون سوزش دل ہے پر ہوتی جاتی

شب وصل دم اپنا ہوتا ہے آخر
کہ جوں جوں ہے پیارے سحر ہوتی جاتی

دم قتل اوس تیغ کے ٹوٹنے سے
شکستہ ہے اپنی کمر ہوتی جاتی

نہیں کرتے ہاں وعدہ وصل پر تم
نہیں پر نہیں ہے مگر ہوتی جاتی

گئی پھر بھڑک عشق کی آگ دل میں
کہ ہے آہ کچھ شعلہ ور ہوتی جاتی

رقیبوں سے تو آنکھ لڑتی یہ اوسکی
مگر ہے ادھر ہی نظر ہوتی جاتی

یہ باتیں فریبندہ سن سن کے اوسکی
تسلی ہے دل کو ظفر ہوتی جاتی

غضب تیری نگاہ چشم نازکی کی تیزی ہے
پہونچتی اس کی تیزی کو کہاں خنجر کی تیزی ہے

جلادے گا جہاں کو ایک شعلہ آہ کا اوسکی
بھی گر آتش دل میں تری مضطر کی تیزی ہے

لکھوں کیونکر نہ خط آنکھوں سے میں اوسکو کہ دکھلاتے
مجھے تو خامہ مژگان چشم تر کی تیزی ہے

سخن اوس لعل میگوں نگار کے ہے وہ بلا تیزی
کہ اوس کے روبرو کیا بادہ احمر کی تیزی ہے

اگر جوش جنوں میں فصد کی حاجت ہے مجنوں کو
تو نوک خار صحرا میں سر نشتر کی تیزی ہے

خدا جانے کہ ایسا تیز ہو کر کیوں وہ آیا ہے
کہ جو ہر بات میں آج اوس بت کافر کی تیزی ہے

تڑپتا زیر خاک اب تک دل اندوہگیں یوں ہے
کہ جس کے زلزلہ سے کانپتی ساری زمیں یوں ہے

جب اوٹھ کر جائے وہ بالیں سے میں ساتھ ہی جاؤں
ارادہ کر رہی ہے اب تو مری جان حزیں یوں ہے

ہمیشہ آگ پر لوٹے ہے جس کو دیکھ کر بجلی
چمک آسمان پر میری آہ آتشیں یوں ہے

مثال موج و دریا ہو نہیں سکتے جدا دونوں
قریں یوں اوسکے میں ہوں اور میرے وہ قریں یوں ہے

مٹادوں لے کے بوسہ خال اوسکے رخ سے کاجل کا
کہ نا جانے بت کافر کہ کوئی نکتہ چیں یوں ہے

جلے ہے شمع پر پروانہ نالاں گل پہ ہے بلبل
کہ ہوتا راز عشق افشا کہیں یوں ہے کہیں یوں ہے

الٰہی کب کیا میں نے سوال بوسہ ابرو
جو مجھ پر کھنچتی تلوار وہ چیں جبیں یوں ہے

وہ اولجھے شانہ سے اور شانہ اوس سے کیا خطا میری
ہوئی کیوں مجھ سے برہم تیری زلف عنبریں یوں ہے

فدائے چار یار و خاک پائے پنجتن ہوں میں
ظفر میرا تو مذہب یہ ہے اور ایمان و دیں یوں ہے

دیگر

ہو جاتی آہ سے مژہ تر بھی خشک ہے
کر دیتی یہ ہوا تو سمندر بھی خشک ہے

چھوڑی کہاں ہے میکدہ میں محتسب نے مے
شیشہ بھی آج خشک ہے ساغر بھی خشک ہے

خون خشک ہو گیا تن مجنوں میں اس قدر
رگ سے نکلتا ڈوب کے نشتر بھی خشک ہے

دنیا کے آشنا کو ہوا آلودگی نہ کیوں
دریا میں کوئی رہتا شناور بھی خشک ہے

ہے قہر تشنگان شہادت کی تشنگی
ہو جاتا دیکھ کر دم خنجر بھی خشک ہے

ہے جان خشک تر جو ملے آبرو کے ساتھ
بے آبرو اگر ہو تو وہ تر بھی خشک ہے

طغیان اشک خون سے نہیں رہتی اے ظفر
آنکھوں پہ آستیں مری دم بھر بھی خشک ہے

دیگر

کرتا پیدا عالم آرا عالم میں سے عالم ہے
عالم کو دکھلا اپنا عالم میں سے عالم ہے

کس کس کا افسوس کریں ہم آگے سے ان آنکھوں کے
وٹھ گیا یوں دیکھا کیا کیا عالم میں سے عالم ہے

ہے ایک اوسے عرصہ جولاں مرتے آہ و نالہ کا
وہ جو اعلیٰ عالم بالا عالم میں سے عالم ہے

کیا کہوں رنج و غم کے عالم میں جو اوسکی دوری میں
عشق دکھاتا مجکو میرا عالم میں سے عالم ہے

آئے عدم سے ہستی میں ہستی سے عدم کو جاتے ہیں
رکھتا کیا ہی سیدھا رستا عالم میں سے عالم ہے

گاہے پری کا عالم ہے وہ گاہے حور کا عالم ہے
جن کا عالم اوسکے دکھاتا عالم میں سے عالم ہے

ہر دم ایک دنیا ہے عالم دیکھتے ہیں ہم عالم میں
دیکھ ظفر کیا ہوتا عالم میں سے عالم ہے

جو دل میں ہے وہ ہی منہ سے کہو خدا کے لئے
اوسے تو رہنے ہی دو گفتگو خدا کے لئے

کبھی کبھی تو قدم رنجہ کیجئے یاں بھی
ملاپ ترک نہ بالکل کرو خدا کے لئے

ہمیشہ غیروں کے تو ساتھ پھرتے چلتے ہو
کبھی ہمارے بھی گھر تک چلو خدا کے لیے

ہے اختیار تمہیں مانو یا نہ مانو پر
جو ہم کہیں اوسے تم سن تو لو خدا کے لیے

کرو نہ عاشق مسکین پر اپنا چشم عتاب
بچو خدا کے غضب سے ڈرو خدا کے لیے

نہیں ہوں آپ کے میں آبرو کا کچھ دشمن
یہ اتنا منہ سے کہو تو نہ رو خدا کے لیے

خدا کے واسطے دیتے ہیں سرتی اپنا
تم ایک بوسہ تو دو اے بتو خدا کے لیے

ہزاروں اوروں کی سنتے ہو ایک میری بھی
لگا کے کان ذرا تم سنو خدا کے لیے

ظفر کی عرض یہ ہے یا جناب فخر جہان
مجھے غلام تم اپنا گنو خدا کے لیے

دیگر

وہاں تلک گریہ میرا ایک نظر جلوہ ہونچے
جو مرے دل میں ہے سب اوسکو خبر جلوہ ہونچے

اے صبا یہ بھی غنیمت ہے قفس سے پس مرگ
اوڑ کے وہ چار تن میرے پر جلوہ ہونچے

میرے اس بارش گریہ سے جہاں میں پانی
کیا عجب کوہ کے بھی تا بہ کمر جلوہ ہونچے

خوب مجنوں کی اوڑی خاک اگر صحرا میں
تیرا دیوانہ کوئی خاک بسر جلوہ ہونچے

کیا مزا ہو جو تڑپ کر تہ خنجر قاتل
تیرے بسمل کا تڑپ کے پاؤں پہ سر جلوہ ہونچے

لاکھ گو ہمسرے ہے بہتر ظفر ایک اپنا سخن
تجھکے اوس کوچے میں اے دیدہ تر جلوہ ہونچے

کان تک کان ملاحت کے اگر جلوہ ہونچے

دیگر

جس میں ہے بھری یوسف سے شباہت ملتی
شکل سے شکل ہے صورت سے ہے صورت ملتی

کیونکہ ہر ایک کو ہوں داغ محبت کے نصیب
کہ کسی کو ہے نصیبوں سے یہ دولت ملتی

نامہ بر خط میں لکھوں اونکو کچھ اپنا رونا
پر کروں کیا کہ نہیں رونے سے فرصت ملتی

ہر مرض کے لیے ملتی ہے دوا ڈھونڈھے سے
پر نہیں دارو ئے آزار محبت ملتی

کبھی گلشن کی طرف چاک قفس سے جھانکیں
ہم اسیروں کو نہیں اتنی ہے رخصت ملتی

بوسے دو چار ملیں ایسے کہاں اپنے نصیب
ایک گالی بھی ہے وہاں ہم کو بہ منت ملتی

کیونکہ بچائیں ہم اے یار تیرے یاروں سے
کہ نہ خو ملتی ہے اونسے نہ ہے خصلت ملتی

خاک مجنوں کی بگولے میں ہے کھاتی چکر
عشق میں خاک بھی ہو کر نہیں راحت ملتی

یار جو ملتے ہیں اغیار ہی ملتے ہیں ظفر
کیا ملیں اونسے نہیں اپنی طبیعت ملتی

محبت سے نہ کہتا ہوں نہ الفت سے بہت خاصی
مدکھی کوئی صورت تیری صورت سے بہت خاصی

اگر جنت رسا ہو پہنچائیں وہاں اے حور وش ہم کو
تو ہے تیری گلی گلزار جنت سے بہت خاصی

نہ کھائیں زخم تیغ عشق کیونکر ہم حلاوت سے
نہیں کوئی حلاوت سے حلاوت سے بہت خاصی

شرارت ہے بھری اے شوخ شوخی سے بہت بہتر
تری شوخی ہے جا اے ظالم شرارت سے بہت خاصی

یہ سچ ہے جا صحو ہے عشق میں تکلیف سرتاسر
مگر تکلیف ہے یہ ہم کو راحت سے بہت خاصی

ترے بیداد کی بیداد گر کیا داد دے کوئی
ہمیں ہیں یہ جو کہتے ہیں محبت سے بہت خاصی

بری بات اے ظفر کوئی نہ ہو گر خوب ہو قسمت
بری ہی بھی ہے تو ہو جائے قسمت سے بہت خاصی

تازہ غمزہ جو ہے اوس کافر ادا کا چور ہے
دل چرا لینے کو یہ اک بلا کا چور ہے

دیکھ کر جس کو یہ بیٹھا خجل ہوائے نگار
وہ ترے دست حنائی میں حنا کا چور ہے

سینہ صافوں میں کب اے دل میں ہو جس کے غبار
وہ ہمیشہ محفل اہل صفا کا چور ہے

چھپتا پھرتا ہے ہر اک سے کیمیا گر خلق سے
بن گیا نسخہ بنا کر کیمیا کا چور ہے

دیکھ کر محفل میں ہم کو تو چراتا ہے جو آنکھ
دل میں کچھ شاید ترے مکر و دغا کا چور ہے

روزہ داروں سے ڈرے کیوں کیا لیا ان کا چرا
چور روزہ خوار گر ہے تو خدا کا چور ہے

بوسہ رخسار اک چوری سے لے کر رات کو
بن گیا تو اے ظفر اس مہ لقا کا چور ہے

دیگر

تجکو کیا کوئی بلا سے گریہ و زاری کرے
سنگدل ایسا ہو دل اپنا تو بھاری کرے

جز غم عشق اور ہے غمخوار ایسا کون سا
کلبہ احزان میں جو وہ میری غمخواری کرے

صبح محشر شام ہو گر یہ ترا آفت زدہ
جو مصیبت اس پہ گزری ہے بیان ساری کرے

یوں تو ہیں دلدار دنیا میں بہت اے ہمنشیں
پر نہیں کوئی کہ جو دل لے کے دلداری کرے

نہیں ممکن بجھے میرے دل سوزاں کی آگ
چشم دریا بار سو دریا اگر جاری کرے

شیشۂ دل میرا نازک ہے اگر وہ مست ناز
لچکا ہے تو کہو اس کی خبرداری کرے

کی تو ہے تدبیر کچھ یاروں نے وصل یار کی
اے ظفر میرا مقدر بھی اگر یاری کرے

دیگر

ہم اس دست جنوں سے جیب کو گر چیر ڈالیں گے
تو اوس کے ساتھ سینہ بھی سراسر چیر ڈالیں گے

نہیں ہونے کا اچھا دل کا پھوڑا تیرے عاشق کے
اگر جراح اوس کو لے کے نشتر چیر ڈالیں گے

وہ خط تو پھاڑ ہی ڈالیں گے میرا لے کے قاصد سے
مگر قاصد کی ٹانگیں بھی مقرر چیر ڈالیں گے

اگر ٹھہرے گا سر کے چیرنے پر یار کا ملنا
تو لاکھوں کوہکن کی طرح سے سر چیر ڈالیں گے

خیال اوس ابروے خمدار کا دل سے نہ جائے گا
اگر ہم زیر آرہ اوس کو دھر کے چیر ڈالیں گے

کوئی کرتے ہیں دعویٰ خون کا ہم اپنے قاتل سے
اگر آجائے گا ہاتھ اپنا گھس چیر ڈالیں گے

نہ نکلے گا ظفر دل سے مرے پیکاں تیر اوس کا
اگر وہ سارا سینہ لے کے خنجر چیر ڈالیں گے

وہی جو ہوس سفاک کو تحریر اپنے ہاتھ کی
ہم نے اپنے قتل کی تدبیر اپنے ہاتھ کی

مار کر فرہاد تیشہ سر پہ کہتا تھا کہ آپ
چوٹ کھائی ہم نے اس تقدیر اپنے ہاتھ کی

ہاتھ نازک ہیں ترے لا کاٹ دوں اب اپنا سر
تو حوالے کر مرے شمشیر اپنے ہاتھ کی

میرے آنسو پونچھ کے کرتا ہے کیوں تو اے نگار
سرخی رنگ حنا تغیری اپنے ہاتھ کی

کھینچ کر مانی تری تصویر کہتا ہے بناز
دیکھتا ہے واہ کیا تصویر اپنے ہاتھ کی

ہاتھ کیوں کٹتا اگر لگتا نہ اوس دامن کو ہاتھ
ہم نے ثابت آپ کی تقصیر اپنے ہاتھ کی

خانہ دل یہ عمارت ہے خدا کے ہاتھ کی
دیر و کعبہ ہے ظفر تعمیر اپنے ہاتھ کی

کیا لعل پارہ دل اس نے کیا تلف ہے
یہ طفل اشک اپنا اجڑ ہے نا خلف ہے

سوفار دار رہتا ہر زخم سے خوشی ہے
تیر نگہ کا کس کے یہ دل ہوا ہدف ہے

ہیں چشم و اشک ہم کو مانند جام و صہبا
آہ و فغاں بجا ہے آواز چنگ و دف ہے

ہم یار کس کو سمجھیں کس کا کریں بھروسا
ہے دل جو دوست اپنا وہ بھی تری طرف ہے

خنجر بکف جو تو ہے قاتل وہاں تو یاں بھی
سرباز عشق تیرا موجود سر بکف ہے

رسوائیوں سے ڈرنا عاشق نہیں تمہارا
ذلت کو تو سمجھتا ہے وہ عزت و شرف ہے

یہ اشک کے ہیں قطرے یا دانہ گہر ہیں
چشم پر اشک یہ ہے یا پر گہر صدف ہے

مژگاں کی تیری جنبش دیتی الوٹ ستمگر
عشاق خستہ دل کی اک پل میں صف کی صف ہے

ہووے ظفر کہیں وہ چھوا وے نجف میں
رکھتا جو دل میں اپنے حب شہ نجف ہے

دیگر

بول اٹھا تیرے آگے جو غنچہ چٹاق سے
مارا طمانچہ منہ پہ صبا نے تڑاق سے

مطلع ثانی

شب وصل کی ہوئی بھی اگر اتفاق سے
ہم کو ہوئی نہ کل غم روز فراق سے

اے سیم تن ہزار مصفا ہے شمع پر
ساعد سے تیرے ہو نہ مشابہ نہ ساق سے

دیکھے اگر نہ تجکو تو کیا اوسکا حال ہو
جو دیکھنے کو آئے ترے اشتیاق سے

آتش رخوں کی زلف کے سودے میں آخرش
خون ہو گیا تمام سیہ احتراق سے

آئی تو نکاح میں تو میرے دختر رز
پر ہے نہ ننگ زیادہ مرے طلاق سے

دیکھا نہ تھا ستارہ کبھی آفتاب پر
دیکھا تمہارے منہ پر وہ در بلاق سے

ان گالیوں کا اپنے مزہ اوس سے پوچھیے
واقف ہیں جو تمہارے غضب کے مذاق سے

ہووے گا تجھ سے حضرت ناصح نہ ترک عشق
رکھیے معاف بندہ کو اس امر شاق سے

منہ پر مثال آئنہ وہ صاف ہیں تو کیا
دل تو بھرا ہوا ہے غبار نفاق سے

ڈرتا ہوں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گر کے اے ظفر
شیشہ یہ میرے دل کا اوس ابرو کی طاق سے

دیگر

واہ کیا طرز ستم تجکو ستمگر یاد ہے
اک جہاں تیرے ستم سے کر رہا فریاد ہے

کھیلتا ہے تو جو اوس مار سیاہ زلف سے
کیا تجھے اے دل کوئی کالے کا منتر یاد ہے

جب سنی تجھ سے شکایت بیقراری کی سنی
بات تجکو ایک بھی اے جان مضطر یاد ہے

میں ہوں اور دن رات ہے اوس چشم میگوں کا خیال
ہے نہ مجکو یاد ہے ساقی نہ ساغر یاد ہے

دیکھ کر مقتل کو میں کھاؤں نہ کیونکر پیچ و تاب
مجکو آتی تری صف محشر یاد ہے

ذبح کرنے کا مرے جب خنجر بیداد سے
اوس بت کافر کو کیا اللہ اکبر یاد ہے

اے ظفر پڑھتا ہے خط میرا وہ اس عنوان سے
غیر کو ہو جاتا مضمون سارا ازبر یاد ہے

وان بھلائی اپنی گر دشمن کے منہ سے سنی
تو برائی خوشتر دشمن کے منہ سے سنی

آئیں وہ اب یا نہ آئیں پر یقین سا آ گیا
اونکی آمد جو ادھر دشمن کے منہ سے سنی

حسن کی تعریف تیری شہر میں روز اک سوا
ہم نے اے رشک قمر دشمن کے منہ سے سنی

کیا مزا آیا جو اوس نے لیک میری داستان
سو طرح سے رات بھر دشمن کے منہ سے سنی

وان نہ بات اچھی سنی ہم نے زبان سے ایک کی
ہاں کوئی گالی مگر دشمن کے منہ سے سنی

سر اوڑا لا آج اوس قاتل نے دو چار کا
ہے یہ اوڑتی سی خبر دشمن کے منہ سے سنی

ایک کے آگے نہیں منہ سے نکالی ہم نے بات
اوس نے کیونکر اے ظفر دشمن کے منہ سے سنی

دیگر

کیا جانے کس کے پاس وہ نکل رات کو گئے
چپکے جو اپنے گھر سے نکل رات کو گئے

غیروں سے دیکھیاں جو تیری گرم جوشیاں
ہم شمع وار بزم میں جل رات کو گئے

جاسوس بیٹھے راہ میں تھے جس جگہ وہیں
قسمت سے اپنے پاؤں پھسل رات کو گئے

پوچھو نہ حال ہم سے مریضوں کا ضعف سے
دن کو گزر سے اگرچہ سنبھل رات کو گئے

پیش نظر رہے وہ تصور سے صبح تک
کب سامنے سے چشم کے ٹل رات کو گئے

شاید سہاگ اوتکا کسی سے نیا ہوا
وہ عطر جو سہاگ کا مل رات کو گئے

دن کو نکل ہی جائیں گے یہ گھر سے چشم کے
طفل سرشک گو کہ مچل رات کو گئے

نکلا کڑک کے نالہ مرے دل سے اس طرح
ہمسایہ سارے سن کے دہل رات کو گئے

پہچان ہی لیا ہمیں یاروں نے اے ظفر
ہم ہاں ہزار بھیس بدل رات کو گئے

دیگر

گلاب ڈال کے میکش شراب میں پیجے
شراب اگر تپش آفتاب میں پیجے

کہاں ہے ساغر و مے ہم تو اشک خون پیجے
مدام بھر کے ہیں چشم پر آب میں پیجے

خیال سبزہ خط میں جو سو گئے شب کو
تو صبح تک رہے ہم بھنگ خواب میں پیجے

وہ مست بادۂ عشرت ہے اوسکو کیا پروا
کہ ہم ہیں خون جگر اضطراب میں پیجے

نہیں افاقہ تپ غم سے گرچہ ہم ہر دم
ملا ملا کے ہیں شربت گلاب میں پیجے

وہ آپ اپنے بلا نوش ہیں ترے نزدیک
کہ جو ہیں غصہ کو چشم وحتاب میں پیجے

ظفر وہ ساقی مہوش نہ تھا وگرنہ ہم
شراب خوب شب ماہتاب میں پیجے

دیگر

کیا جانے کیا بلا نگہ شوخ و شنگ ہے
جاتی دل و جگر سے گزر جوں خدنگ ہے

شمشیر تیرے ہاتھ میں حاضر ہے سر مرا
منظور اگر ہے قتل تو پھر کیا درنگ ہے

آنکھیں تری کہیں اے وحشی بنا نہ دیں
آتا نظر کچھ اور مجھے دل کا ڈھنگ ہے

کھو بیٹھا جس کے عشق میں میں ننگ و نام تک
اوس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ ہے

تیری نگاہ تیز کو سرمہ سے کیا غرض
تو کیوں لگاتا خنجر بران کو زنگ ہے

آتا ذکر جب دہن تنگ کا ترے
ہوتا چمن میں قافیہ غنچوں کا تنگ ہے

کرنے نشانہ کیوں نہ مجھے ترک چشم یار
دنبالہ سرمہ کا مرے حق میں تفنگ ہے

کچھ ہوتا آہ نالہ کا میرے نہیں اثر
کیا جانے دل ہے یار کا آہن کہ سنگ ہے

باغ و بہار کیوں نہ ہو بزم اپنی اے ظفر
ساقی ہے سبزہ رنگ کا تو مے لالہ رنگ ہے

نہ دکھاتے دیتے غمخواروں کو غم کھاتے تو ہم کھاتے
بہت کھاتے تو ہم کھاتے جو کم کھاتے تو ہم کھاتے

قسم ملنے کی کھائی تو نے کیوں ہم باوفاؤں سے
ارے او بے مروت گر قسم کھاتے تو ہم کھاتے

نشانہ ناوک مژگان کا ہوتا کون پے در پے
ترے یہ تیر ظالم یکقلم کھاتے تو ہم کھاتے

بہا دینا ہی بہتر تھا تجھے اشکوں کا اک دریا
بلا سے غوطے گر اے چشم نم کھاتے تو ہم کھاتے

ہزاروں یوں تو گل رشک چمن کھاتے ہیں الفت میں
کوئی گل رشک گلزار ارم کھاتے تو ہم کھاتے

کہاں تھا بوالہوس آ گاہ لذت سے محبت کی
مزے سے زخم شمشیر ستم کھاتے تو ہم کھاتے

ظفر بل اس قدر کیوں کھائے اوس کافر کی زلفوں نے
ہم اون کے پیچ میں تھے پیچ و خم کھاتے تو ہم کھاتے

دیگر

صبح سے نکلے بہر تجسس شام کو گھر میں پھر کر آئے
اونکو کہیں بھی ہم نے نہ پایا چار پہر میں پھر کر آئے

ملک عدم کو جو ہوئے راہی پھر وہ نہ آئے پھر کے کبھی
گرچہ ہزاروں کوس مسافر جا کے سفر میں پھر کر آئے

ہم کو ہمارا بیکل تصور ساتھ جو اپنے لے کے گیا
آج کہاں سے دیکھو کہاں ہم ایک نظر میں پھر کر آئے

پردہ شرم اوٹھا کر منہ سے تو جو دکھانے اپنا منہ
کیوں نہ مہر خورشید درخشاں جیب سحر میں پھر کر آئے

قطرے اشک خون کے ہمارے آئے نظر تو مژگان پر
بارے شگوفہ تازہ ورق اس شاخ شجر میں پھر کر آئے

گھر کا پتا کہیں اون کے نہ پایا کتنے ہی قاصد میرے گئے
اولٹے ہی میرے گھر کی طرف ہر راہ گذر میں پھر کر آئے

ہالہ میں آیا ماہ فلک پہ شب کو نظر سو بار مگر
تم نہ کبھی اے رشک قمر آغوش ظفر میں پھر کر آئے

مرے جی میں ہے پوچھوں انجان بن کے
چلے کس کے گھر آج مہمان بن کے

تمھیں وصل میں جاناں جو قیمت میں اپنی
بگڑ جائے ہے سارا سامان بن کے

تری صورت آئینہ ساں جس نے دیکھی
وہ بس رہ گیا صاف حیران بن کے

کہاں جائے گا دل مرا تیرے گھر سے
کبوتر کے مانند گردان بن کے

کرے ہے مرا اک اشک سینہ میں روزن
تیرے ناوک غم کا پیکان بن کے

مسی مل کے کاجل لگا کر چلے ہو
کہاں تم دھواں دھار ایجان بن کے

پھٹکنے نہ دیں غیر کو گھر میں تیرے
اگر بیٹھیں ہم در پہ دربان بن کے

مرا دل ہے یک قطرہ خون پر اک دن
ڈبو دے گا عالم کو طوفان بن کے

ظفر وہی ہے اپنے نزدیک دانا
رہے ہے جو دنیا میں نادان بن کے

کھولا تو نے راز مرا اے دیدہ پرنم سارا ہے
ہوگیا واقف حال سے میرے اب تو عالم سارا ہے

مجھ سے پھرا ہے سارا زمانہ جب سے پھری ہے تیری نگاہ
زلف ہے تیری جب سے برہم برہم عالم سارا ہے

ابر و ہوا و سبزہ و گل ہے جام و سبو و شیشہ ہے
آج تو سامان بادہ کشی کا ساقی جم جم سارا ہے

زلف سیہ کا دیکھ کے سایہ تیرے عدوے روشن پر
ہم نے جانا آیا گہن میں نیر اعظم سارا ہے

ہووے کیا سیراب وہ میکش دے تو اگر اک ساغر مے
پی جاتا جو خم کا خم اے ساقی یکدم سارا ہے

سینہ میں میرے زخم بہت ہیں چارہ گروں سے پوچھو تو
تم نے بنایا آدھا ہے یا نسخہ مرہم سارا ہے

بعد ہمارے کون کرے گا اتنی ظفر غمخواری غم
غم زدگان عشق کو ہو سکے ہے تو یہی غم سارا ہے

دیگر

اگرچہ یار ہمارا زبان دراز تو ہے
مگر زبان سے ہمدیتا دل کا راز تو ہے

بلا سے ہوتے ہیں گر بات بات پر خفا
نکلتی اس میں بھی طرز ادائے ناز تو ہے

رکوع و سجدہ کیا جھک کے گر قدم پر پڑے
ادا ہوئی دم قتل مرے نماز تو ہے

ادھر سے گھر میں ہمارے نہیں بلا سے خرچ
کہ اپنا سوز محبت سے دل گداز تو ہے

اگر نہیں ہے مغنی دل نواز نہ ہو
کہ اپنی آہ و فغان میں بھی سوز و ساز تو ہے

چڑھایا تو نے سناں پر بلا سے کاٹ کے سر
ترا شہید محبت میں سرفراز تو ہے

کنارہ کش ہے جو ہم سے جہاں تو ہونے دو
ہمارے ساتھ ظفر دو جہاں نواز تو ہے

کان میں جب مرے نالہ کی کڑک جاتی ہے
ابر میں رعد کی چھاتی سی دھڑک جاتی ہے

دے ہے وہ اس مژگان کا جو اسے جنبش
آتش دل مرے سینہ میں بھڑک جاتی ہے

ہو نہ ہو جنگ ترے کوچہ میں قاتل لیکن
ڈھال تلوار تو وان روز بھڑک جاتی ہے

باؤلا دولت دنیا کی ہے خواہش میں حریص
سگ دیوانہ سے یہ کوئی سڑک جاتی ہے

زلف کے کوچہ سے بہتر ہے دلا مانگ کی راہ
وہ کئی سو خم ہیں یہ اک سیدھی سڑک جاتی ہے

شوخی ناز تر دیکھ تڑپ جائے ہے دل
دیکھ ٹھٹھوں کی پھڑک جان پھڑک جاتی ہے

آہ سوزاں مرے دل سے ہے نکلتی جس دم
اے ظفر کیا کہوں بجلی سی کڑک جاتی ہے

وہ نہیں ہیں گھر میں آج ان کے مکان پر قفل ہے
اور جہاں میں کیا بتاؤں میں زبان پر قفل ہے

اے زیادہ گو نہیں ہے تجھکو خاموشی کی قدر
یہ ترا گنجینۂ راز نہاں پر قفل ہے

زلف کے حلقے نے تیرے سی لگایا اے پری
خوب زندان خانہ دیوانگان پر قفل ہے

بے ہوش کیا کیا نہیں منہ سے نکلتا ایک حرف
ہو گیا بوسہ ترا امیر کے دہاں پر قفل ہے

میں وہ عاصی ہوں کہ رضوان دیکھتا ہے جب تجھے
وہ لگا دیتا در باغ جنان پر قفل ہے

میکشوں کے حال پر روتے ہیں کیا کیا مے فروش
محتسب نے جو لگایا ہر دکان پر قفل ہے

ہونٹھ پر ہو سکے نہیں یہ حال مشکیں اے ظفر
درج لعل لب گوہر فشاں پر قفل ہے

دیگر

مانگ بالوں میں ہے کہاں نکلی — شب یلدا میں کہکشاں نکلی
دام قہر اور وصل منہ سے ترے — اے ستمگر کبھی نہ ہاں نکلی
ہوئی جس وقت فوج اشک رواں — لے کے ساتھ آہ بھی نشان نکلی
وصل کی شب گزر گئی جلدی — دل کی حسرت نہ میری جان نکلی
توڑ کر سینہ صاف نکلے پار — مژہ یار کی سنان نکلی
سرخ سوباف کب ہے چوٹی میں — دہن مار سے زبان نکلی
تن سے میرے عصا کے آہ بغیر — نہ مری جان ناتواں نکلی
عکس ابرو کا یہ پڑا کس کے — ہے فلک پر جو یہ کمان نکلی
کوئی دل کی نہ آرزو اپنی — اے ظفر زیر آسمان نکلی

دیگر

کرنا فکر وتردد ناحق جان کو اپنے کھونا ہے
ہوگا وہی آخر اے دل قسمت میں جو ہونا ہے

ہم کو کسی کی شادی وغم سے کام نہیں کچھ شمع صفت
کام اپنا ہر اک محفل میں یہ جلنا ہے یا رونا ہے

اس کے ذقن کی چاہ سے دل بھاگے تو کہیں ہے بخت زبوں
جاتا ہے کہاں تو کر کہیں اس چاہ میں تجھکو ڈبونا ہے

کوئی لحظہ زیر فلک تو جاگ لے خواب غفلت سے
پھر تو زیر زمیں اے غافل آخر تجھکو سونا ہے

رو رو کر گر چشم سے دریا ہم نے بہائے حاصل کیا
وہ جو دل کا داغ ہے اپنے مشکل اوسکا دھونا ہے

دل کو ہم دیوانہ بتاتے پر یہ نہیں معلوم ہمیں
کرتے تیری چشم فسونگر جادو ہے یا ٹونا ہے

یاد کر اوسکے نوک مژہ کو میری بلا سے تجھکو کیا
دل میں ظفر گر اپنے تجھکو نشتر کوئی چبھونا ہے

جان جس کی زخم شمشیر محبت کھائے گی
لاش اوسکی خون میں غوطے قیامت کھائے گی

کیسے ہی طرار ہو پر جاکے اوسکے روبرو
جب کہیں گے کچھ زبان یاروں کی لکنت کھائے گی

چشمۂ خورشید میں لہرائے گا مار سیاہ
تل جو تیرے رخ پہ زلف اے عنبر ظلمت کھائے گی

تیغ پانی گر کہے گا تو تو ہیں اے سبزہ رنگ
میں ہی کیا سن کے یہ زہر ایک خلقت کھائے گی

چاٹ سے اس عشق کے کس کس مزے سے دیکھنا
غم کو ہم کھائیں گے ہمکو تیری فرقت کھائے گی

رکھتے راہ عشق میں کر کیوں قدم گر جانتے
ٹھوکریں ہر گام پر یاں تاب و طاقت کھائے گی

اے ظفر یہ جائے گی ساری کدورت کی بنا
ایک بھی اشکوں کا مینہ گر یہ عمارت کھائے گی

دیگر

جب تک نہ بیخودی کے عالم کو جانتے تھے
ہم سب کو جانتے تھے سب ہم کو جانتے تھے

میدان عشق میں ہم دکھلاتے اپنا عالم
اون کو کہ جو دلاور رستم کو جانتے تھے

تیغ قضا کے جوہر سرباز دیکھتے تھے
تیغ جفا کی تیرے دم خم کو جانتے تھے

یہ پائیداری اپنی ہستی کی تھے سمجھتے
کانٹے کی نوک پر ہم شبنم کو جانتے تھے

ہم تیرہ بخت کرتے کیونکہ درازوتی
مار سیاہ زلف پر خم کو جانتے تھے

لاتے تھے کف دریا دائم دم روانی
شاید نہ میری چشم پر نم کو جانتے تھے

جب تک نہ دل دیا تھا اوس بیوفا کو ہم نے
نے رنج کو سمجھتے نے غم کو جانتے تھے

بھرتے تھے نون اپنے زخموں میں جب مزے سے
کاہے کو تیرے زخمی مرہم کو جانتے تھے

دنیا میں مونس اپنا کس کو ظفر سمجھتے
اپنا تو ہمدم اپنے ہمدم کو جانتے تھے

دیگر

ہمیشہ حسن سے تھے تعریف اپنے آگے ہم سنتے
تمہیں دل دے کے ہیں اون سے مذمت دمبدم سنتے

کیا خط ٹکڑے ٹکڑے تم نے تو قاصد سے لیتے ہی
مناسب تھا کہ پڑھوا کر حقیقت کے قلم سنتے

خدا جانے کہ تم بھی سنتے ہو وہ یا نہیں سنتے
تمہارے واسطے جو کچھ کہ ہم ہیں اے صنم سنتے

نہ دیکھا تجھ سے دل کر کچھ بھی جز ظلم و ستم ہم نے
ہمیشہ دور سے تھے ہم ترے لطف و کرم سنتے

کبھی نا نوح کے طوفان کا کوئی ذکر بھی ہرگز
اگر مردم ہمارا ماجرا اے چشم نم سنتے

نہ لیتے نام الفت کا کبھی الفت کے جویندہ
جو میرا صبر سنتے اور ترے ظلم و ستم سنتے

کہیں کیا ان بتوں سے اے ظفر ہم حال دل اپنا
کہ یہ کافر نہیں اک بات اللہ کی قسم ہے

دیگر

دیکھئے دو مجھے بد ہیں جو برا دیکھتا ہے
میں برا ہوں کہ بھلا اس کو خدا دیکھتا ہے

جو ترا طالب دیدار ہے جائے بہر لقا
ماہ کو بھی نہیں وہ آنکھ اوٹھا دیکھتا ہے

چل بسا ہوتا مریض غم رفقت کب کا
پر تری راہ وہ اے ہوش ربا دیکھتا ہے

گھر میں تجھ کو نہیں جب دیکھتا عاشق ترا
در و دیوار کو حیرت سے پڑا دیکھتا ہے

دل میں آتا ہے اوسی شخص کے عکس رخ دوست
جس کا دل صورت آئینہ صف دیکھتا ہے

ہوتا ہے حسرت پابوس سے دل خون کیا کیا
پاؤں میں جب وہ ترے رنگ حنا دیکھتا ہے

اب کوئی دم ہی میں آخر ہے یہ کہہ دو کہ طبیب
نبض بیمار محبت کی تو کیا دیکھتا ہے

جس کو دل چاہتا ہے ہوتا ہے مفتون اوس پر
نہ برا دیکھتا ہے اور نہ بھلا دیکھتا ہے

اوس شکر لب سے جو کرتا ہے محبت کوئی
اے ظفر خوب محبت کا مزا دیکھتا ہے

ترا بوسہ دل و جان بیچ کر لیتے تو ہم لیتے
یہ سودا کون لے سکتا اگر لیتے تو ہم لیتے

پڑی تھی کیا غرض اوس کو جو آتا وہ عیادت کو
دل بیمار کی اپنے خبر لیتے تو ہم لیتے

حنا تیری ہوئی پابوس کیوں رشک آئے ہے ہم کو
اگر تیرے قدم اپنے نذر کر لیتے تو ہم لیتے

وہ غمزے مجھ سے کہتے ہیں ترا دل کون لے سکتا
خوشی سے لیتے یا چھین کر لیتے تو ہم لیتے

نکلتا کام کیا اور تو کسی کے کام کیا آئے
مگر کچھ کام اے آہ جگر لیتے تو ہم لیتے

کیا غیروں نے کیوں بدنام کہہ کر بیوفا مجکو
یہ تیرا نام اے بیداد گر لیتے تو ہم لیتے

کے دیتا وہ ساقی ساغر مے ہاتھ سے اپنے
مگر قسمت سے اپنے اے ظفر لیتے تو ہم لیتے

دیگر

مدعی کو لکھ کر مدے تو ہاتھ سے
یک قلم جاتا رہیگا دیکھ قابو ہاتھ سے

نہیں رنگ حنا چھٹ جائے جو دو روز میں
حشر تک چھوٹے گا عاشق کا نہ لوہو ہاتھ سے

ایک میں کیا بلکہ مجھ سے روز لاکھوں بیگناہ
قتل ہوتے ہیں ترے اے عربدہ جو ہاتھ سے

لگ گیا میرا اگر اوس زلف عنبر بو کو ہاتھ
ایک مدت تک گئی میرے نہ خوشبو ہاتھ سے

تو جو پہلو سے گیا ایسا ہوا پہلو میں درد
رہ گیا بس تھام کر میں اپنا پہلو ہاتھ سے

اک بلا کافر سیہ کژدم ہے وہ زلف سیاہ
اے دلا نادان نہ اس بچھو کو چھو تو ہاتھ سے

اللہ اللہ تجکو کتنی خود پسندی ہے پسند
آئینہ چھٹتا نہیں تیرے پری رو ہاتھ سے

ہو گئی دست نگاریں میں ترے سرخی جو کم
پونچھے ہیں تو نے نگارا کس کے آنسو ہاتھ سے

دیگر

کیا بولوں آگے اوس صنم نکتہ چین کے
لے جائے ہے جو بات مرے منہ سے چھین کے

کاجل کا خال اوس رخ روشن پہ دیکھ کر
ہے دل میں داغ رشک سے ماہ جبین کے

عزت ہے میرے دل کی غم عشق سے تیرے
ہوتا شرف مکان کو ہے باعث مکین کے

کرے گا اضطراب بھی ہے تو بعد مرگ
آرام ہو چکا ہمیں نیچے زمین کے

کھینچا ہے نقش کس نے تری چین زلف کا
چیں مانتے ہیں دیکھ کے نقاش چین کے

دشمن ہے آبرو کا مری گریہ عشق میں
یہ آنسوؤں کے تار ہیں تار آستین کے

عاشق ہوئے جو اوس پہ گئے دو جہاں سے
دنیا کے اے ظفر نہ رہے وہ نہ دین کے

عجب حالت سے تیرا خاکسار اوٹھتا زمیں سے ہے
کہ گویا ناتواں سا اک غبار اوٹھتا زمیں سے ہے

غبار اوٹھتا کہاں ہے خاک سے ہم تفتہ جانوں کے
کوئی اوٹھتا ہے شعلہ یا شرار اوٹھتا زمیں سے ہے

ترے کوچے میں تیرا خاکسار ایسا ہے جا بیٹھا
مثال نقش پا کب اے نگار اوٹھتا زمیں سے ہے

وہ جذب کہربا ہے آبلہ میں پاؤں کے میرے
کہ اس سے جیسے تنکا خار خار اوٹھتا زمیں سے ہے

بگولا دود دل کا خاک سے زلفوں کی یاروں کے
اوٹھتا یوں جیسے چھوٹی دار مار اوٹھتا زمیں سے ہے

ترے کوچے میں آ کر پاؤں ایسے بھول جاتے ہیں
قدم اپنا نہیں اے گلعذار اوٹھتا زمیں سے ہے

تپ غم سے کوئی زیر زمیں ہے جل رہا عاشق
ظفر باعث یہی ہے جو بخار اوٹھتا زمیں سے ہے

دیگر

گزرتی کیا کہیں ہم پر تری الفت میں جو جو ہے
کہ وہی پیش آئے ہے لکھا قسمت میں جو جو ہے

زلیخا نے نہ دیکھی ہوگی ہرگز ماہ کنعاں میں
عزیزو خوبی اوس میر سے قمر طلعت میں جو جو ہے

دل و جاں دین و ایماں سب ہیں حاضر کہہ دو لے جائے
وہ ہم سے مانگتا اک بوسہ کی قیمت میں جو جو ہے

وہ دل ہی جانتا ہے میرا اوسکو کوئی کیا جانے
اوٹھایا رنج و غم میں نے تری فرقت میں جو جو ہے

مقرر وہ کسی سے صبح کو سن لیتے ہیں ہم بھی
رقیبوں سے وہ رکھتا رات کو خلوت میں جو جو ہے

اگر ہو پاس اپنے واعظو وہ حور وش اپنا
تو پھر عیش و طرب ہے وہ کہیں جنت میں جو جو ہے

کھلے گر آنکھ اپنی اے ظفر اس خواب غفلت سے
تو وہ معلوم ہو ہم کو ہوا غفلت میں جو جو ہے

دیگر

اوسی پر رہے راضی جس طرح مرضی مولا ہے
کہ جو مرضی مولا ہے وہی ہاں سب سے اولا ہے

رقیبوں سے جو دیکھی گرمجوشی اوس کی محفل میں
تو بھوڑ سے کی طرح کیا کیا کلیجا میرا کھولا ہے

لب نوشیں پہ یہ میاں مسی تجکو ترش روئی
کیا شفتالوے شیریں سے کیوں پیوند کولا ہے

کیوں کیا زاہد افسردہ دل کا حال سردی ہے
روئی میں رہتا وہ لپٹا ہوا جیسے ہولا ہے

ظفر ہم کو کرتجا ہیں پر امکاں کیا جو گھبرائیں
اگرچہ ہر طرف رنج و غم و حسرت کا رولا ہے

آج کیا جانیں کہ میخانہ پہ کیا پتھر پڑے
ہیں کہیں ٹوٹے ہوئے شیشے کہیں ساغر پڑے

کیا غضب چمکی ہے اوس قاتل کی شمشیر نگاہ
دیکھیے بجلی یہ کس پر اے دل مضطر پڑے

کر کے پرسوں کل کا وعدہ آج تک آئے نہ وہ
منصفیں انصاف کر تو تجھکو کل کیونکر پڑے

سبزہ خط نے ترے حسن کو کیا بیہوش وہ
شور محشر سے نہ چونکے جنگ یہ پیکر پڑے

اوسکی چین ابروے پر خم پر بسر دیکھ کر
کہتے ہیں کیا اس صفا پانی میں ہیں جوہر پڑے

ہوگئی اشکوں کی دولت اس قدر ہم سیر چشم
آنکھ اوٹھا کر بھی نہ دیکھیں ہوں اگر گوہر پڑے

کیا کہیں کس شغل میں گزری ہمیں فرقت کی رات
کرتے تھے اختر شماری بستر غم پر پڑے

ہوگا کیا حاصل جو ہوگی آبرو میری خراب
دیدہ تر میرے پیچھے ہاتھ کیوں دھو کر پڑے

یار کیا جانے کہ ہے کیسی مصیبت عشق کی
اسکو جانے تو وہی جانے کہ یہ جس پر پڑے

شاہ خسرو پہ سر پھوڑے ہے یہ مسکین گدا
کوہکن کی عقل پر کیا جانے کیا پتھر پڑے

کوئے قاتل میں قدم رکھنا سنبھل کر اے ظفر
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں لاکھوں سر پڑے

دیگر

جب کہ نظر اوس رشک چمن کی زلف و کاکل آئی
رشک سے پیچ و تاب میں کیا کیا شاخ سنبل پر آئی ہے

تیرے لب نازک پہ پیا یا قطرہ عرق کا عارض سے
برگ گل پر شبنم کی یا بوند کوئی پیا آئی ہے

شکر کہ بعد اک مدت کے پھر ساقی اپنے کانوں میں
بزم سے تیرے آج صدائے خندہ قلقل آئی ہے

مرغ چمن ہے نغمہ سرا ہے گھر گھر چمن میں شور مچا
جوش گل ہے کیا کہ بہار مستی بلبل آئی ہے

جوش جنوں میں جیسا نکل آتا میں ہوں زنداں سے
ساتھ مرے زنجیر بھی میری کرتی ہوئی غل آئی ہے

زلف سمن سا کس نے کھولی اپنے گل رخسار پہ آج
لے کے نسیم صبح جو بو سے کیا سمن و گل آئی ہے

جتنا وہ حال دل سے غافل اوتنا ہی مائل اوس پر دل
دل کو پسند اب اوسکی ظفر جو طرز تغافل آئی ہے

دیگر

لکھا ہے ہم نے خط اک اپنے آشنا کے لیے
وہاں تلک کوئی پہونچائے یہ خدا کے لیے

ڈرو خدا سے کرو تم نہ قتل کا سامان
اس اپنے عاشق بے جرم و بے خطا کے لیے

کوئی دوا نہیں بیمار ہجر کی تیرے
سوائے زہر سو ملتا نہیں دوا کے لیے

لیے نہ بوسے کبھی دل ربا کے چوری سے
ہمیشہ ہم نے تو اوسکو جتا جتا کے لیے

نچھوڑ اتو عمل نیک دیکھ اے غافل
یہ ہے اثاثہ تیرے خانہ بقا کے لیے

بجائے آب ہی پیتے کو اشک خون میرے
کباب لخت جگر ہے میری غذا کے لیے

چمن میں تا نہ لگے کہیں گلو پہ دست اندراز
اوٹھاتی ہاتھ ہے ہر شاخ گل دعا کے لیے

ہلال عید کو حسرت رہی فلک پر بھی
کہ بوسے جھک کے نہ اوس نعل نقش پا کے لیے

سنائے مدعی اوکو ظفر کئی دفتر
نیاد ہووے ہمیں ایک مدعا کے لیے

بادہ عشق اور ہے اس کا خمار اور ہے
اسکا چڑھاؤ اور ہے اوسکا اوتار اور ہے

بازی عشق پا سکے کیونکر کہ قمار باز
اس کی تو جیت اور ہے اوسکی تو ہار اور ہے

غمزہ کرے ہے صید دل ناز کرے ہے صید جان
اس کا شکار اور ہے اوسکا شکار اور ہے

گل کو ہو کیا مشابہت اوس رخ لالہ رنگ سے
اس کی بہار اور ہے اوسکی بہار اور ہے

پیار محبت آپ کو یوں تو سبھی سے ہے مگر
ہم سے محبت اور ہے غیر سے پیار اور ہے

نامہ و نشان ہے مدعا دونوں سے گرچہ ظاہر
لوح طلسم اور ہے لوح مزار اور ہے

یہ جو ہے ننگ و عار او نہیں ہم بھی ہیں خوب جانتے
موجب ننگ اور ہے باعث عار اور ہے

دیکھیے اون سے چاہ کا ہووے نباہ کس طرح
اپنا طریق اور ہے اونکا شعار اور ہے

اس کے عذاب بیشمار اوس میں کہاں ہیں اے ظفر
روز فراق اور ہے روز شمار اور ہے

دیگر

صبح رو رو کے شام ہوتی ہے
شب تڑپ کر تمام ہوتی ہے

سامنے چشم مست ساقی کے
کس کو پروائے جام ہوتی ہے

کوئی غنچہ کھلا کر بلبل کو
ہیکلی زیر دام ہوتی ہے

ہم جو کہتے ہیں کچھ اشاروں سے
یہ خطا لاکلام ہوتی ہے

کیا چھپاتے ہو جانتا ہوں جہاں
بادہ نوشی مدام ہوتی ہے

دیکھیے اوس چشم کو جو تک ملیک
ابھی تڑکی تمام ہوتی ہے

کس دن اوس غمزہ سے نہیں شائع
خبر قتل عام ہوتی ہے

تھی جو خدمت جنوں کی مجنوں کو
سو وہ اب میرے نام ہوتی ہے

پانی پانی لبوں سے اوس کے ظفر
کیا مئے لالہ فام ہوتی ہے

دیگر

نالے اوس نے جو گلستاں کی ہوس میں کھینچے
تھے صیاد نے بلبل کے قفس میں کھینچے

دل نے میرے جو نہ کھینچے تھے کبھی رنج والم
اے ستمگر وہ سب آ کر ترے بس میں کھینچے

سنگدل لاکھ کشیدہ ہو مگر عاشق زار
کشش دل سے وہ ایک نفس میں کھینچے

پاس اوسکو جو نہ منظور کسی کا ہو تو کیوں
مجھ سے روتا پ کو وہ بیٹھ کے دکمیں کھینچے

یوں تن زار سے عاشق کے کرے عشق نمود
شعلہ سر جیسے لپٹ کر کوئی خس میں کھینچے

کھینچوں اک دم میں تصور سے تری وہ تصویر
کہ مصور کوئی بارہ برس میں کھینچے

اے ظفر کھینچتا ہے دل یوں ہی کسی کی جانب
تا ادا کر کے وہ الفت کی یہ دکمیں کھینچے

آسمان کے ہاتھ سے کیا اک جہاں گردش میں ہے
اب یہی رہتا ہمیشہ آسماں گردش میں ہے

کھا رہی گردش زدوں کی خاک ہے چکر صدا
جانب صحرا بگولا یہ کہاں گردش میں ہے

چشم مست یار کی آتی ہے گردش مجھکو یاد
ساغر مے جبکہ آتا اے مغان گردش میں ہے

دل کی بیتابی نے میرے یہ ہلایا کوہ کو
آسیا کی طرح ہر سنگ گراں گردش میں ہے

آشنا گردش زدوں کے ساتھ اے نادان نہ ہو
کیا بھنور سے مل کے دیکھا آب رواں گردش میں ہے

مثل تصویرات فانوس خیالی زیر چرخ
کون ہے آرام سے جو ہے یہاں گردش میں ہے

لکھتا ہوں گردش نصیبوں کی جو اپنے اے ظفر
میرے ہاتھوں سے قلم بھی ہر زبان گردش میں ہے

کلام اون کو ہر طرح فرماتے ٹیڑھے
جو سیدھے بھی ہوں تو کوئی جانے ٹیڑھے

یہ سیکھی تری زلف سے کج ادائی
جو سب سے رہے تیرے دیوانے ٹیڑھے

عجب انقلاب آج ہے میکدے میں
کرشمے ہیں و لٹے تو پیمانے ٹیڑھے

نظر تیری جس سے نظر آئے ٹیڑھی
ہوئے اوس سے سب اپنے بیگانے ٹیڑھے

برگشتگی میری قسمت کی سمجھو
جو ہوں سن کے وہ میرے فسانے ٹیڑھے

کروں شانہ مژگان سے زلفوں میں تیری
جو اس شانہ کے ہوں نہ دندانے ٹیڑھے

چلے آئے ہم اوٹھ کے سیدھے وہاں سے
ظفر او کے تیور جو پہچانے ٹیڑھے

دیگر

گر عدم سے کوئی سفر سے پھرے
جا کے اوس یار کے نہ در سے پھرے

تو پھر آئے تو یہ تیرا بیمار
اے صنم پھر خدا کے گھر سے پھرے

بخت برگشتہ کوئی کیا پھرے
نہ پھرے دور سے نہ در سے پھرے

سر پھرا ہے مرا تو ناصح
دل نہ اوس غیرت قمر سے پھرے

کس طرح سے ہیں رفتگان عدم
پوچھیے گر کوئی اودھر سے پھرے

پھرے بر میں ہزار پارہ سے
تیری مژگان رشتہ گر سے پھرے

غم نہیں گر زمانہ پھر جائے
آنکھ تیری نہ پر ظفر سے پھرے

دیگر

نہیں معلوم کیا ہے دل میں او کے
کہ غصہ بھر رہا ہے دل میں او کے

خدا جانے گمان میری طرف سے
برا ہے یا بھلا ہے دل میں او کے

وہ کچھ کچھ جو مجھے کہہ بیٹھتے ہیں
کوئی بیٹھا ہوا ہے دل میں او کے

بتان سنگدل ہیں سخت کافر
کہاں خوف خدا یہ دل میں او کے

مزے لیتے ہیں زخم دل کے عاشق
بھلا کیا مزا ہے دل میں او کے

سلگتے ہیں جو دل میں تیرے دل سوز
دھواں سا گھٹ رہا ہے دل میں او کے

نہیں وہ مدعی نا حق نہ میرے
کہیں جو مدعا ہے دل میں او کے

نہ رکھنا ہاتھ دل پر دل جلوں کے
کہ آگ اے دلربا ہے دل میں او کے

ظفر کی کچھ شرح غم سنتا پھر
کہ رحم آنے لگا ہے دل میں او کے

تو ایک بار وہ مکھڑا دکھا دیکھو تو سہی
کرتا ہے تیرا حال وہ کیا دیکھو تو سہی

ہے رقص بسمل اس ترے بسمل کا اضطراب
تو بھی تماشا آکے ذرا دیکھو تو سہی

کھائی ہے بوسے کی جو تو نے قسم نہ بول
لیکن ادھر تو آنکھ اوٹھا دیکھو تو سہی

زخموں پہ وہ چھڑک کے نمک کہتے ہیں مجھے
تو ان جراحتوں کا مزا دیکھو تو سہی

کہتا ہے اے رقیب مجھے روز تو برا
سمجھوں گا ایک روز بھلا دیکھو تو سہی

اتنی نہ پھیر آنکھ ستمگر خدا سے ڈر
کیا حال ہو گیا ہے مرا دیکھو تو سہی

دیکھے گا دیر و کعبہ میں کیا جا کے دل میں دیکھ
وہ تو نہیں ہے جلوہ نما دیکھو تو سہی

کہتا ہے وعدے اوس میں کس طرح عدوں
تا صبح تو اوس کے نازو ادا دیکھو تو سہی

رنگین ہیں یہ جو گل چمن دہر میں ظفر
ہے بھی کسو میں رنگ وفا دیکھو تو سہی

بارے شب فراق بسر ہو گئی تو ہے
جوں شمع روتے روتے سحر ہو گئی تو ہے

بیٹھیں ہوں گے وہ بھی کہ ہے دل سے دل کو راہ
میرے قلق کی اونکو خبر ہو گئی تو ہے

کی ہے دل و جگر کی طرف تو نے جب نگاہ
برچھی سی ایک ادھر سے اودھر ہو گئی تو ہے

کیا جانے کس کو ذبح کیا تو نے مست ناز
تر خون میں آستین تر ہو گئی تو ہے

روئے ہیں جب تصور دندان میں تیرے ہم
آنسو کی بوند رشک گہر ہو گئی تو ہے

کیا جانے دیکھا کس نے بری آنکھ سے مگر
دل کو مرے کسی کی نظر ہو گئی تو ہے

دیکھوں مری وفا پہ وہ کرتے ہیں کیا جفا
تقصیر مجھ سے اب یہ ظفر ہو گئی تو ہے

دیگر

نہ پوچھو سر فلک نالہ و فغان یہ ہے
بلند بام محبت کا نردبان یہ ہے

ہزار ہم نے چھپائی چھپی نہ اونکی چاہ
جہاں میں سنتے ہیں چرچا جہاں تہاں یہ ہے

ہمارے دل سے کہاں جائے گا غم دلدار
کر اوسکے واسطے رہنے کے تو مکان یہ ہے

ہلا دے ابروے پر خم کو تو ذرا قاتل
ہمارے قتل کی شمشیر اصفہان یہ ہے

الٰہی بند نہ ہو اوسکے تیر کا روزن
اندھیرے گھر کا مرے دل کے ناودان یہ ہے

نکلتے ہر بن مو سی ہیں سیکڑوں شعلے
جگر میں عشق کی اوف سوزش نہان یہ ہے

جو ہو تجھے رود جگر زیر آسمان اپنا
تو شہر سب کو ہو وہ ہے کہ آسمان یہ ہے

کریں وہ ہم پہ جفا ہم کریں وفا اون سے
ہماری اونکی محبت کا امتحان یہ ہے

عجب نہیں جو کہیں الامان فلک پہ ملک
ظفر غضب تری آہ شرر فشاں یہ ہے

دیگر

گر نہ لکھوں حال دل میں ہاتھ اپنا تھام کے
جو پڑھے خط کو وہ رہ جائے کلیجا تھام کے

اٹھتے اٹھتے گر پڑا تیرا مریض ناتواں
گر بد شواری عصائے آہ اٹھا تھا تھام کے

ہیں خریدار اپنے دل کے زلف و کاکل خال و خط
ہوں اوٹھے اچھا جو میں بیچوں یہ سودا تھام کے

ہے دماغ اوسکا فلک پر کب سنے ہے میری عرض
باگ گھوڑے کی ذرا وہ ماہ سیما تھام کے

تیری چشم مست کی گردش کو ساقی دیکھ کر
رکھ سکیں کیا ہاتھ میں ہم جام صہبا تھام کے

اب تو تھامے سے دل بیتاب تھم سکتا نہیں
تھم سکا جب تلک یہ ہم نے رکھا تھام کے

عشق کے کوچے میں گر رکھتے تو ہو اپنا قدم
اے ظفر لیکن در ایمان پاؤں رکھنا تھام کے

مرض عشق میں کچھ ایسی لیو ل بن جائے
کہ علاج اوسکا نہ پھر ہو سکے مشکل بن جائے

گرم اشکوں سے مرے تپ جو چڑھے دریا کو
شکل تبخالہ حباب لب ساحل بن جائے

کیا تماشا ہو اگر دیدۂ مشتاق کا حل
تیرے رخسار کا اسکے آئینہ رو حل بن جائے

ہے ستم ہائے غضب دوست ہوں میں جس کا
میرا بن جائے وہ دشمن مرا قاتل بن جائے

رنگ خوبی طلب گار ہے عارض سے ترے
کیوں نہ گل کاسہ بکف صورت سائل بن جائے

کیا عجب تیرے تصور میں اگر زیر نگاہ
اپنی پرچھائیں پڑے حور شمائل بن جائے

وصف اوسکے رخ روشن کا ظفر ہو نہ رقم
تا نہ قرطاس مصفا مہ کامل بن جائے

کہاں وہ دور عیش فزا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے
نہ رہتے تھے کبھی تنہا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

عجب عالم تھا جب وہ زیب افزا بزم عشرت میں
برنگ ساغر و مینا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

مثال شمع و پروانہ ہم سرگرم دل سوزی
ہمیشہ انجمن آرا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

اگر ہم خار تھے تم گل تھے لیکن باغ الفت میں
جدا ہوتے نہ تھے اصلا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

بلا سے گرچہ ہم روتے تھے اور تم ہم پہ ہنستے تھے
و لیکن ابر و برق آسا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

جدائی بھی جو ہوتی تھی تو صدقے اس تصور کے
اوٹھا کر آنکھ جب دیکھا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

نہ وہ صحبت نہ وہ جلسے نہ ہے وہ وصل کا عالم
ظفر کہتا ہے اب بیجا جہاں ہم تھے وہاں تم تھے

دیگر

جو سوز دل سے ہر ہڈی کو تن میں آگ لگتی ہے

تو پھر گویا کہ اک بانسوں کے بن میں آگ لگتی ہے

جھڑے ہے پھول کوئی آگ کا نالہ سے بلبل کے

نہ سمجھو جوش لالہ یہ چمن میں آگ لگتی ہے

بلند اک شعلہ ہوتا ہے ابھی جو آہ سوزان کا

تو پھر نہ خیمہ چرخ کہن میں اگ لگتی ہے

نہ پہنو سرخ جوڑا بر میں تم غیروں کے ہاتھوں سے

قسم ہے رشک سے میرے بدن میں آگ لگتی ہے

گئی سوزش نہ بعد از مرگ دل سے تفتہ جانوں کی

کہ زیر خاک بھی اون کے کفن میں آگ لگتی ہے

کرے ہے گرم جوشی غیر سے جو شعلہ خو میرا

تو مثل شمع مجکو انجمن میں آگ لگتی ہے

کروں منہ سے بیان کیا خاک میں سوز جگر اپنا

زبان کو اوس کی گرمی سے دہن میں آگ لگتی ہے

کہا ہے لالہ کہسار سوز عشق سے شیرین

مگر یہ قبر پوش کوہکن میں آگ لگتی ہے

ظفر آہ سحر کی شعلہ باری سے شفق کی جا

سحر کے روز چاک پیرہن میں آگ لگتی ہے

کرون منہ سے بیان کیا خاک مین سوز جگر اپنا
زبان کو اوس کی گرمی سے دہن مین آگ لگتی ہے

کہا ہے لالہ کہسار سوز عشق سے شیرین
شرر یہ قبر پوش کوہکن مین آگ لگتی ہے

ظفر آہ سحر کی شعلہ باری سے شفق کی جا
سحر کے روز چاک پیرہن مین آگ لگتی ہے

جب وہ تشریف ادھر لاتے ہین چلتے پھرتے
گالیان ہم کو سنا جاتے ہین چلتے پھرتے

ٹھہرتے پاس نہیں دور سے وہ ماہ کی طرح
صورت اپنی مجھے دکھلاتے ہین ہین چلتے پھرتے

ناتوان اوٹھ کے ترا خاک چلے خاک پھرے
پانون تو ضعف سے تھراتے ہین چلتے پھرتے

ہون وہ دل تفتہ مرے دود جگر کے بادل
ہر طرف آگ سی برساتے ہین چلتے پھرتے

جاتے جو دشت جنون کو ہین ہوا کے مانند
ٹھوکرین کا ایکو وہ کھاتے ہین چلتے پھرتے

ہم کو ہوتی ہے ہان اونسے ملاقات نصیب
پر کبھی رسہ مین ملجاتے ہین چلتے پھرتے

فکر مین بیٹھ کے کہہ سکتا نہیں کوئی ظفر
آپ جو شعر کر فرماتے ہین چلتے پھرتے

کعبہ و دیر سے گر شیخ و برہمن تجھے
تیرے کوچے سے نہ ہم اے بت پرفن تجھے

جو کہ ہین صید محبت ترے اے صید فگن
زیر خنجر نہیں رکھتے سے وہ گردن تجھے

راز دل کیونکہ کہون تجھ سے اک لحاظ بھی
نہیں اے دوست ترے پاس سے دشمن تجھے

بوسہ تیرے گل رخسار کا لین ہم کیونکر
رخ سے گیسو نہیں اے غیر گلشن تجھے

مجھ سے یان تک حذر اونکو ہے جو آتے ہین ادھر
خاک سے میری بچا کر ہین وہ دامن تجھے

کبھی جاتے ہین اگر جانب صحرائے جنون
کر کے ہم گور پہ مجنون کے ہین شیون تجھے

اے ظفر راہ نکوئی پہ چلے کیا کوئی
نفس و شیطان نہیں اوس راہ سے رہزن تجھے

دیگر

مکدر ہو گیا عالم مری طبع مکدر سے
عجب کیا خاک جاے آب برسے آسمان پر سے

تصویر سے جو آنکھوںمیں کسی کے دندان کا
تو آنسو آبداری مین نہیں کم اپنے گوہر سے

بجھی ہرگز نہ دل کی آگ بلکہ اور بھی بھڑکی
بہائے ہم نے گو رو رو کے دریا دیدہ تر سے

نہ اس میں کچھ قصور اوس کا نہ کچھ تقصیر ہے تیری
ہوا جو عشق میں بیدل سو وہ اپنے مقدر سے

مدام اشک جگر گون چشم میں ہم بھر کے پیتے ہیں
نہ مطلب بادہ گلگون سے ہے ہم کو نہ ساغر سے

تمہاری جنبش مژگان مجھے جس وقت یاد آئی
ہزارون چھد گئے دل میں مرے یکبار نشتر سے

لگاتے کیون ہو تم اوس سنگدل سے دیکھو دل اپنا
بھڑانا اے ظفر اچھا نہیں شیشہ کو پتھر سے

دیگر

اگر ہم نہ اولاد آدم سے ہوتے
تو کیون مضطر اسقدر غم سے ہوتے

نکرتے اگر عشق میں ضبط گریہ
تو دریا روا چشم پر نم سے ہوتے

عرق ناک یون ہیں وہ رخسار گلگون
کہ جون گل ہیں آلودہ شبنم سے ہوتے

کہ وہ برہم نہ یون ہم سے ہوتا اگر ہم
نہ گستاخ اوس زلف پر خم سے ہوتے

جو ہوتے ہیں اوس مست آنکھو کی چتکی
وہ ہیں بے خبر دونون عالم سے ہوئے

گلستان میں جو سرو گلبن ہیں سمجھی
وہ معلوم ہیں نخل ماتم سے ہوتے

ظفر بخش دے ہے وہ اپنے کرم سے
گنہ سیکڑون روز ہیں ہم سے ہوتے

دیگر

مصور نے ترا سب چہرہ مقبول کھینچا ہے
مگر اک زلف ہی کے کھینچنے میں طول کھینچا ہے

جہانمیں سب کو عبرت ہوگئی جس دنسے اے قاتل
سر بازار تو نے لاشہ مقتول کھینچا ہے

ہزارون بیگنا ہون کو ستم گر عشق میں تو نے
یہان سولی پہ بے دستور بے معمول کھینچا ہے

چھوڑانا ہی جو دامن زاہد اپنا چھوڑ دو رندو
کہ تم نے اس گدھے کو کیون پکڑ کر جھول کھینچا ہے

جو کھینچا رنج ہے ہم نے جہان میں تیرے ہاتھون سے
تو وہ کر کر دل رنجیدہ کو مشغول کھینچا ہے

عرق رخسار کا تیرے ہے خوشبو اسقدر گویا
گلاب اے رشک گل لیکر ابھی کچھ پھول کھینچا ہے

ظفر قربان جاوؤن اپنے میں کلک تصور کے
کہ اس کا نقشہ اس نے واہ کیا معقول کھینچا ہے

کیا فسون یہ شراب کرتی ہے — جو اوسے بے حجاب کرتی ہے
قتل کس کس کو دیکھیے تیری — نگہ پر عتاب کرتی ہے
رزو طوفان بپا مرے سر پر — میری چشم پر آب کرتی ہے
اوسکی خدمت دیکھیے تقدیر — کب مجھے بار یاب کرتی ہے
آتش عشق میرے سینہ میں — جگر و دل کباب کرتی ہے
بزم عالم میں دشت زر تجگو — تیری مستی خراب کرتی ہے
تاب رخسار تیری آئینہ کو — روکش آفتاب کرتی ہے
جائیو ٹھہراو سکو آنے دو — جان کیون اضطراب کرتی ہے
اے ظفر آسمام پہ میری — کار تیر شہاب کرتی ہے

دیگر

پروا نہیں جو ضرب ہو شمشیر کی کڑی — قاتل ہے جان عاشق دلگیر کی کڑی
فرہاد سر پہ مار کے تیشہ جو مرگیا — اے عشق چوٹ لگ گئی تقدیر کی کڑی
پہونچی جو دور تیر حوادث کی اسکی زد — ہے کیا غضب کمان فلک پیر کی کڑی
تاثیر شوق دشت نورد سے خود بخود — زندان میں کھل گئی مری زنجیر کی کڑی
پر زور کا ہو کام نہ کم زور سے کبھی — ہان بے محل ہے جان پہ شمشیر کی کڑی
اے آہ پہونچ جانا ہے آسان فلک تلک — منزل ہے ہان مگر رہ تاثیر کی کڑی
نرمی سے جو کلام کیے ہم نے اے ظفر — اوس سنگدل نے اور بھی تقریر کی کڑی

دیگر

جام و مینا پہ تری آنکھ شرابی نہ پڑے — میکدہ میں مجھے ڈر ہے کہ خرابی نہ پڑے
داغ دل دیکھے مرے جس نے کہیں انگارے — دیکھے ہووین سر دوکان کبابی نہ پڑے
ہون وہ میکش رہے جب تک کہ گلابی جاڑا — چھین ساقی مجھے بے جام و گلابی نہ پڑے
گر جھڑے آہ شرر بار سے دریا میں شرر — کیونکہ بجلی سی سر مردم آبی نہ پڑے
اے پری کاہ جہان میں ترے دیوانہ کو — کچھ پڑے بھی تو بجز خانہ خرابی نہ پڑے

بھلو ہی جائے گا قرآن کی تلاوت زاہد
نظر اوسکو کہیں وہ روئے کتابی نہ پڑے

غیر سے کہہ کے وہ آیا ہے کہ آتا ہون ابھی
اوسکو جانے کی ظفر کیونکہ شتابی نہ پڑے

دیگر

کبھی آ گئے وہ جو یان چلتے پھرتے
تو دے کر ہوئے گالیان چلتے پھرتے

بچھاتے ہین ہم زیر پا اپنی آنکھیں
تمہین دیکھین جہان چلتے پھرتے

ترے قد کو کیا سرو شمشاد پہونچیں
دور ہین اس روش سے کہان چلتے پھرتے

ملادیتا ہے خاک مین سیکڑون کو
زمین پر تو ہین آسمان

چلے آؤ بالین تک اس جان بلب کے
ذرا تم بھی اے میری جان چلتے پھرتے

صبا کی طرح دیکھ جائین گے ہم بھی
چمن کی بہار و خزان چلتے پھرتے

پڑے رہتے جون نقش پا خاک پر کیون
اگر ہوتے ہم ناتوان چلتے پھرتے

بسر عمر کی ہم نے بحر جہان مین
یوہین موج و گرداب سان چلتے پھرتے

پڑا کنج مسجد مین تو کیون ہے زاہد
پہنچتا ہے دیر مغان چلتے پھرتے

ظفر مشہ ہے کیا جو کہے اس طرح سے
غزب اب کوئی نکتہ دان چلتے پھرتے

نہیں اے ابر ہم قاتل کہ آنسو سر بسر ٹپکے
وہ کیا آنسو جو بے آمیزش خون جگر ٹپکے

گلون پر اوس سی پڑ جائے پھر یکبار گلشن مین
عرق اے رشک گل رخسار سے تیرے ٹپکے

ہ راک آنسو کا قطرہ ہے جو دانہ گہر با کا سا
دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

ٹھہر کر میری مژگان پر گرا یون لخت دل آمیز
کہ جیسے پختہ ہو کر شاخ سے کوئی ثمر ٹپکے

حلاوت سے لب شیرین کی تیری کیا تعجب ہے
اگر وقت تکلم شربت قند و شکر ٹپکے

ٹپکتے اشک یون ہین چشم سے میرے دم گریہ
سبب سے شدت باران کے جیسے کوئی گھر ٹپکے

ہراسان ہون نہ سرباز محبت سامنے اوسکے
ہزارا اوس غمزہ کی تلوار سے خان اے ظفر ٹپکے

دیگر

ہم سے کچھ پوچھو نہ تم بات ہماری کل کی — کیا کہیں کیونکہ کٹی رات ہماری کل کی

آج شاید کسی بد گو نے تمہیں بہکایا — پھیر دی تجھے جو سوغات ہماری کل کی

گالیاں سیکڑوں دیں گھر میں بولا کر ہم کو — آپ نے خوب مدارات ہماری کل کی

آج ہی ہم ایسے ہیں ہم جیسے کہ برسوں کے ہوئے یار — گرچہ ہے اوس سے ملاقات ہماری کل کی

کل سے جو آج تلک ہم سے ہوں برہم کیسے — کیا خطا آپ نے اثبات ہماری کل کی

کل خوشی وصل کی تھی آج ہوا ہجر کا غم — ہوگئی آج مکافات ہماری کل کی

آج پھر پانوں کو ہاتھ اوسکے لگایا تو کہا — کیا وہ تو بھول گیا لات ہماری کل کی

غم فرقت نے کیا ایسا ہی بیکل ہم کو — کوئی صورت نہیں ہیہات ہماری کل کی

ہم نے کل جا بھی لیا کوچے میں تنہا اوسکو — تو نے دیکھی یہ ظفر گھات ہماری کل کی

دیگر

زبان پر میرے جب دل سے خدا کا نام آتا ہے — تو جی کو ہر نفس کے ساتھ اک آرام آتا ہے

مطلع ثانی

زبان پر اوس بت بے مہر کا گر نام آتا ہے — خدا جانے یہ کیا ہے دل کو اک آرام آتا ہے

تصور میں جو عالم ہے قیاس و وہم سے باہر — وہ آنکھوں سے نظر تجھ میں بت خود کام آتا ہے

خیال زلف و رخ سے دل نہیں ہے ایک دم خالی — یقین ہے اب تو ہمدم یاد صبح و شام آتا ہے

پڑھاتی غیر نے پٹی ہے اوس تو خط کو کیا یارب — نہ کچھ آتا ہے خط وان سے نہ کچھ پیغام آتا ہے

گلوں کے منہ پہ گویا اوس پڑ جاتی ہے گلشن میں — مے گلرنگ پیکر جب کہ وہ گلفام آتا ہے

لکھا تھا یان جیسے ایسا کیا جو اولٹا خط لئے وانسے — بھرا نامہ بہ دیتا ہمیں دشنام آتا ہے

جو کچھ کرنا ہے اے غافل تو کر لے یان کر وان ہرگز — نہیں کچھ کام اتا ہے یہی بس کام آتا ہے

رہا ہے کوئی دنیا میں نہ رہویگا یہاں کوئی — کر فرمان قضا بے قید خاص و عام آتا ہے

وہ بحر بیکران دریا سے الفت ہے نظر جسکا — نہ کچھ آغاز آتا ہے نہ کچھ انجام آتا ہے

ہمارا طائر دل زلف کے پھندے میں کیا آوے
ظفر یہ مرغ زیرک کب تہ ہے دام آتا ہے

عشق میں دل کو نئی روز بلا سی چمٹی
پر بلا کوئی نہ اوس زلف دوتا سی چمٹی

درد دل سن کے مرا درد ہوا کیا سر میں
آج ماتھے پہ جو اوسکے ہے دوا سی چمٹی

جی میں آتا ہے کہ لوں اوسکے چمٹ کر بوسے
تر ہے لب پر مسی اوسکی ذرا سی چمٹی

چشم مخمور تری رخ اور اوسمیں کاجل
وہ کیا ساتھ شفق کے ہے گھٹا سی چمٹی

خاک کوچے کی تری تن پہ ہے مرے زیبا
ایک تن زیب کی ہے تنگ قبا سی چمٹی

دیکھیے کیا ہو تری جنبش مژگان قاتل
جھاڑ پیچھے مرے پیچھے قضا سی چمٹی

اے ظفر توڑے گئے شیشے سے بزم میں رات
روح آکر کسی میکش کی جو پیاسی چمٹی

دیگر

میرے اوسکے کیا بنے اوسکی تو خصلت اور ہے
میری عادت اور ہے اوسکی طبیعت اور ہے

مطلع ثانی

کوئی دم مہمان ترا بیمار فرقت اور ہے
آج اے عیسیٰ نفس کچھ اوسکی حالت اور ہے

عشق میں ہوتا ہوں اوسکے جتنا میں رسوائے خلق
ہوتی اوسکے حسن کی اوتنی ہی شہرت او رہے

ماہ تابان جانتا ہے تجکو عالم پر غلط
میرا تو عالم ہی کہتا ہے مہر طلعت اور ہے

ہاتھ سے تیرے ہوا گر ایک اے قاتل شہید
دوسرا موجود خواہان شہادت او رہے

میں نے دل جس روز سے اوس آفت جان کو دیا
روز میرے واسطے آفت پہ آفت اور ہے

ہے تپ ہجران بلائے بد کہ دو ہی روز میں
ہوگئی ظالم ترے عاشق کی صورت اور ہے

اور سے لکھوا کے بھیجا شاید اوس نے خط ابھی
آج خط کچھ اور ہے خط کی عبارت اور ہے

خاک ہو کر اے ظفر حاصل ہوا کیا ہم کو خاک
ہوگئی دل سے سوا واں کے کدورت اور ہے

دیگر

ہم نئے ہی آج اے صیاد کیا پکڑے گئے
بارہا چھوٹے قفس سے بارہا پکڑے گئے

مطلع ثانی

تیرے کوچے مین گئے خط جب منا پکڑے گئے — کچھ مرے یارون کے دل اے دلربا پکڑے گئے

نکلے مثل نالہ زنجیر جب زنجیر سے — پھر نہ ہم سودائے زلف دوتا پکڑے گئے

زلف کو چھیڑا صبا نے ہماری کیا خطا — ہم گرفتار بلاہین بے خطا پکڑے گئے

تیرے جھوکے لے گئے آخر زر گل سب اوڑا — یہ نہ بادی چور اے با صبا پکڑے گئے

جیتے جی چھوٹے نہ زندان محبت سے کبھی — ایسی ساعت سے تمہارے مبتلا پکڑے گئے

کیون ہنسی تھی اے صبا سنکر فغان عندلیب — کان گلشن مین گلون کے جو سدا پکڑے گئے

کیون وفا کی تم سے جو ایسی بلاؤن مین پھنسے — ہم کئے کو اپنے ہین اے بے وفا پکڑے گئے

ہم سے چوری کوئے زلف یار مین جاتے تھے یہ
حضرت دل اے ظفر اچھا ہوا پکڑے گئے

نالون سے گر اوڑا دون چرخ کہن کے ٹکڑے — اوڑتے پھرین ہوا مین بادل سے بنکے ٹکڑے

کرتا برابری گر قد سے ترے تو کرتے — ارون سے چیر کر ہم سرو چمن کے ٹکڑے

ڈھونڈا نشان جو ہم نے قاصد کا اوس گلی مین — کچھ پاے سر کے ٹکڑے اور کچھ بدن کے ٹکڑے

کس جامہ زیب کی یہ دیوانہ ہے پھبن کا — گل نے کئے ہین اپنے جو پیرہن کے ٹکڑے

دامان دشت کے بھی اوڑ جائین گے کسی دن — ہاتھون سے اس ہمارے دیوانہ پن کے ٹکڑے

ہووے نہ سطع ہر گز ظالم تیری محبت — تیغ ستم سے گر ہون اس خستہ تن کے ٹکڑے

سنگین دلون سے اپنا دل اے ظفر لگانا
کرتے ہین پتھرون سے در عدن کے ٹکڑے

ہم جو ہین یاد ترا جلوہ قامت کرتے — سر پہ ہین اپنے بپا آپ قیامت کرتے

مطلع ثانی

جو ہین بمہر ہم اون سے ہین محبت کرتے — جنکو الفت کہیں ہم اون سے ہین الفت کرتے

خاک مین اونکو ملاتا تھا ہمارا منظور — دور کس طرح سے وہ دل کی کدورت کرتے

کرتے ظاہر تو ہین وہ منہ پہ ہمارے تعریف — خلتے غائب مین تو کیا کیا ہین شکایت کرتے

ہیں پس از مرگ بھی اپنے الم و رنج رفیق
آفریں اب بھی نہیں ترک رفاقت کرتے

ایسے مانوس ہیں وحشی تری تنہائی سے
ہمسایہ کو بھی ہیں دیکھ کے وحشت کرتے

کیا کہیں تجھ سے کہ کس طرح سے ہم رو رو کر
شمع کی طرح بسر ہیں شب فرقت کرتے

دل کو کیوں پھینک دیا لے کر ہمارے ممنے
گر برا تھا تو انہیں کو یہ عنایت کرتے

کھو کے دیں گر ہوئی دنیا تو ہوئی کیا دنیا
ایسی دنیا پہ ظفر ہم تو ہیں لعنت کرتے

دیگر

کہوں کیا زباں سے کہ ہے دھیان پھرتی
وہ صورت جو ہے آنکھ کے تل میں پھرتی

ذرا وادی دل کی سیر مجنوں
کہ لیلیٰ یہیں رہے گی محمل میں پھرتی

مری بیکسی ہائے اک اک کے آگے
لیے کاسہ دل ہے محفل میں پھرتی

بتو جاچکے ہمتو کعبہ کر نیت
کچھ اپنی ہے بھولی ہی منزل میں پھرتی

ہے یوں عکس زلف سیہ آئینہ میں
کہ ناگن ہو جوں موج ساحل میں پھرتی

جو شے دیدہ دل سے رکھے تعلق
وہ صورت نہیں چشم غافل میں پھرتی

بس اب ہو چکی خیر اپنی کہ ہمکو
قضا ہے لیے کوئے قاتل میں پھرتی

بتو کیا کہوں میں کہ شان خدا ہے
تمہاری ہے شکل و شمائل میں پھرتی

نگہ تیری قاتل لیے تیغ ہر دم
مرے دل کے ہیگی مقابل میں پھرتی

نہیں یاد ہے رو برو اون کے آتی
کہ جو بات ہے کچھ مرے دل میں پھرتی

ظفر روح قیس آکے صورت میں میری
دیے پاؤں ہے گی سلاسل میں پھرتی

باغ جہاں میں تیرے لبوں نمود ہے
گل کو کہاں یہ باغ میں حاصل نمود ہے

کس شمع رو کو بزم جہاں میں ہے یہ فروغ
جو آج تیری غیرت محفل نمود ہے

برش سے جسکی ہوتا ہے عالم کا دل دو نیم
تیغ ادا کی تیرے و قاتل نمود ہے

اے مہروش کے سامنے چمکے گا کیا کوئی
دیکھی ہوئی تری مہ کامل نمود ہے

رخسار آتشیں ترے وہ ہیں کہ بے فروغ
شمس و قمر کی جنکے مقابل نمود ہے

کیا کیا تڑپ کے برش تیغ نگاہ کی — قاتل دکھا رہا ترا بسمل نمود ہے

اوس حوروش کو دیکھا کہیں اس نے اے ظفر
کہتا جو آتی ناصح عاقل نمود ہے

مجکو وان کون اوٹھالے لیجائے — گر یہ شاید بہا کے لے جائے
جب گرفتار دام زلف ہو دل — تاب کس کو چھوڑا کے لے جائے
دیکھیے کس اجل گرفتہ کو — آج قاتل لگا کے لے جائے
دل کو وہ ناز لے ہے نظرون مین — لاکھ کوئی چھپا کے لے جائے
کس کا مقدور اوس کے دامن تک — ہاتھ اپنا بڑھا کے لے جائے
پھر وہ چوری سے دیکھتا ہے ادھر — دل نہ میرا چورا کے لے جائے
جائیں بھی ہم تو وہ نہ آنے دے — غیر کو آپ آکے لے جائے
دل کو اے شوخ دلربا تجھ سے — کوئی کیونکر بچا کے لے جائے

قطعہ

رقم شوخ کو مرے قاصد — نہ کسی کو دکھا کے لے جائے
کہیں ایسا نہ ہو ترے خط کا — کوئی مضمون اوڑا کے لے جائے
روٹھ کر اے ظفر نجاؤ تم — وہ نہ جب تک منا کے لے جائے

دیگر

تیری سی سرمہ کی کب تحریر کھینچی اور نے — مجھ پہ کسدن اسطرح شمشیر کھینچی اور نے
منہ تھا کیا مانی کا جو تصویر کھینچی — ہے یہ صورت عالم تصویر کھینچی اور نے
کھینچی جو تکلیف مین عشق مین وہ کاہیکو — ہے اذیت شکل چرخ پیر کھینچی اور نے
ہین تو وہ خوش قد اور بھی پر اوسکی قامت کے سوا — شمع سولی پہ نہ اے گلگیر کھینچی اور نے
چھٹتے ہی ہو نہ فلک کے پار یہ میرے سوا — آہ سرکش کب مثال تیر کھینچی اور نے
باندھ کر مجنو کو تیرے لئے یون کھینچتے — رسی کھینچی اور نے زنجیر کھینچی اور نے

اوسکی زلف پر کشش چھٹ یون شکنجہ مین ظفر	کب کسی کی جان بے تقصیر کھینچی اور نے

دیگر

اوسکی کل آئیگی خبر ایک ذری سی تو ہے	کل مرے جی کو آگئی خوشخبری سی تو ہے
دیجئے پری کو یار سے حسن مین کیا مشابہت	دیکھی کہین تو کیا ہوا ہم نے پری سی تو ہے
سروقدون کی تو دلا پوچھ نہ دوستی کا پھل	تو نے نہان سرو کی بے ثمری سی تو ہے
ڈرتا ہے جی کر دیکھیے ہم کو دکھائے کیا نصیب	ہم نے تری شکایت کم نظری سی تو ہے
دل کے مرے نگین نے کچھ پایا ہے نام ورنہ	گرچہ نگین جم کی بھی ناموری سی تو ہے
تیرا سا غمزہ دیکھیے ہے یہ کس مین یا کہیں	اور پریزون مین بھی عشوہ گری سی تو ہے

گو وہ نہ دیکھے آنکھ سے ہم کو پر اوسکے عشق مین
جو کر مصیبت اے ظفرہم نے بھری سی تو ہے

نامہ بر کیا مرادیے کو ہے آیا دھو کے	خط کسی اور کا جو مجکو دکھایا دھوکے
مین نہ چھوڑون گا ترا حشر کو دامن قاتل	تو نے گو خون کو دامن سے چھوڑایا دھوکے
پانون دھلوائے کب اوسنے کہ ادب سے ہم نے	پانون کو اوسکے نہ ہاتھ اپنا لگایا دھوکے
کون گلشن مین ہے گامے گلرنگ جو گل	آب شبنم سے پیلہ کوہیے لایا دھوکے
گو مرے گر یہ سے پانی مرے سر سے گذرا	پر جو لکھا تھا جبین پر نہ مٹایا دھوکے
دے گا کیا اوسکے سوا اور کر دیجے تجکو	یا فریب آئے ہین اے ہوش ربایا دھوکے

ہے سیہ کار ظفر اس کے سیہ نامہ
کر سفید آب سے رحمت کے خدایا دھوکے

تیرا بیمار غم سنبھل نہ سکے	سو تپیں کیجئے ایک چل نہ سکے
اوسکی چاہ ذقن مین حضرت دل	ایسے ڈوبے کہ پھر اوچھل نہ سکے
بستر غم پہ یہ ناتوانی سے	کبھی کروٹ بھی ہم بدل نہ سکے
دل کی افسردگی سے بعد از مرگ	گور پر بھی چراغ جل نہ سکے

لاکھ بہلائین الجھی مین دل اوس گلی کے سوا بہل نہ سکے
ہے وہ کس کام کا دل پر سوز یار گلون سے جسکو ٹل نہ سکے
اوس ستمگر کے دام الفت مین اے ظفر پھنسکے ہم نکل نہ سکے

دیگر

آتا نہیں تو عاشق مضطر کے سامنے ہر چند اوس کا گھر ہے ترے گھر کے سامنے

مطلع ثانی

سویا اوس اٹھا ستم گر کے سامنے رکھ دے ہے تیغ ہاتھ سے ڈر ڈر کے سامنے
یکسو ہجوم آبلہ یکسو ہجوم داغ لشکر ہے ملک دل مین یہ لشکر کے سامنے
چین مان جائے نافہ مشک تتار چین اس تیری چین زلف معبر کے سامنے
کچھ پھرتا نظر پہ نہین سحر سامری اوس فتنہ گر کی چشم فسونگر کے سامنے
شمشاد بھی زمین مین خجالت سے گڑ گیا گلشن مین میرے سرو سمن بر کے سامنے
ہو غرق آب شرم رگ ابر نو بہار ہنگام گر یہ اس مژہ تر کے سامنے
کیونکر نکون بلائین سنوارے جو زلف کو سو سو ادا سے آئینہ وہ دھر کے سامنے
تدبیر لوگ کرتے ہین کیا کیا پر اے ظفر چلتی نہیں کسی کی مقدر کیسامنے

دیگر

عشق بن اے دل زار وحزین ہے کون کسی خاطر سے کھتا اپنی جان یون ہین ہے کون کسی کی خاطر سے
جو بےمزے سے عشق کے واقف وہی گوارا کرتا ہے کھاتا زخم تحجر کین ہے کون کسی کی خاطر سے
کھینچے ہے لیجاتا جسکو جذبہ شوق وہ جاتا ہے جاتا کسی کے در کے قرین ہے کون کسی کی خاطر سے
ہین یہ ایسی جو کرتے تیری نذر ہم اپنا گوہر دل دیتا ایسا در ثمین ہے کون کسی کی خاطر سے
نام وری ہو اور کے خاطر سینہ خراشی اپنے لیے کرتا کام یہ غیر تکین ہے کون کسی کی خاطر سے
لطف عنایت مہر ومروت اے بت کافر کچھ تو ہو کرتا حوالہ یون دل ودین ہے کون کسی کی خاطر سے
تیر غم اوس کا آ کے طرف رگر کھینچ کے لائے دل کی کشش
ہوتا مکان دل مین مکین ہے کون کسی کی خاطر سے

عبث ہم کو قسم اے دشمنایمان دیتا ہے
نہیں ہم جھوٹ کہنے کے خدا کو جان دیتا ہے

دکھاوے اے پری رو اپنے دیوانونکو زلف اپنی
اگر منظور زنجیر در زندان دینی ہے

سر ہر گام کوئے یار میں پڑتا ہے سر دینا
خبر کیا جا کے وان اے قاصد و آسان دینی ہے

لیا ہے بوسہ کسی نے مفت کے بہتان باندھو تم
یو ہین دیدو اگر گالی کوئی ایمان دینی ہے

بنا باتیں نہ بے ہودہ عذر کر ایسی باتون سے
کہ ایسی بات آئی اب دل نادان دینی ہے

تجھے اتنی طبیب مہربان تکلیف دین گے ہم
کہ بعضے نسخہ کی دوا پہچان دینی ہے

جو کہنے کو ظفر جاتے ہین وان ہم بھول جاتے ہین
گرہ اب بند میں واجب بہر عنوان دینی ہے

دیگر

وہ رشک گل چمن میں اگر اے صبا ملے
پھر عشرت ہے کیا جو غنچہ کوئی کھل کھلا ملے

کرتا ہے چارہ مجھ سے مریض فراق کا
کیونکر نہ چارہ ساز پہ میرے قضا ملے

خندان ہے یون خراش جگر سے خروش دل
جس طرح آشنا سے کوئی آشنا ملے

بارش کے وقت چمکے بجلی بھی پیشتر
رونے پہ میرے برق وشو تم ہنسا ملے

ہو جائین کیون نہ انجم شب تاب بے فروغ
ملکر مسی جو دانتون میں وہ مہ لقا ملے

نے گل کو یان ثبات نہ شبنم کو ہے قرار
کیا روئے اس چمن میں کوئی اور کیا ملے

پروانہ کو ہے عشق میں جلنے سے اپنے کام
پروا نہیں کہ شمع ظفر روئے یا ملے

دیگر

سرشک خون کو اپنا رزق جانا ہے تو ہم نے ہے
گوارا کر لیا یہ آب و دانہ ہے تو ہم نے ہے

ترے زلفون کی آرائش جو کر آنکھونسے ہٹنے کی
بنایا پنجہ مژگان کو شانا ہے تو ہم نے ہے

کہی جس نے کہانی تیرے آگے اوسنے اور دن کی
کیا تجھ سے بیان اپنا فسانہ ہے تو ہم نے ہے

لگانا تیر مژگان سیکھا ہے تو وہ کمان ابرو
بنا کر رکھدیا دل کو نشانہ ہے تو ہم نے ہے

جو سر مانگا دیا سرجان مانگی جان حاضر کی
ترا گر حکم اے سفاک ملا ہے تو ہم نے ہے

زمانے میں اگر رہے دوستی تم سے تو ہم کو کیا
بنایا دشمن اپنا اک زمانہ ہے تو ہم نے ہے

ظفر ہے ناز یون تو سبکو اپنی شعر گوئی پہ
کہا پہ کوئی شعر عاشقانا ہے تو ہم نے

جو اپنے کوٹھے کے وہ مہ جمال اوپر جا کے
تو پھر کسی کی نظر کیا مجال اوپر جا کے

کرے نہ وعدہ یک مہ وہ سال بھر میں وفا
گذر نہ سال کے تا وار سال اوپر جائے

بغیر جان لیے چھوڑتی ہے کب وہ زلف
یہ وہ وبال کہیں جو وبال اوپر جائے

کٹے چمن میں نہ کیوں سرو دیکھ کر اوسکو
وہ اوڑھ کر جو کوئی سبز شال اوپر جائے

رہو ہمیشہ جو بام غرور حسن پہ تم
تو کس طرح کوئی لے عرض حال اوپر جائے

تری خوشی ہے کہ دم کے میرا سینہ میں
نہ جائے نیچے نہ وقت ہلال اوپر جائے

ظفر اوس ابروے پر خم کے سامنے اپنے
کبھی نگاہ نہ سوے ہلال اوپر جائے

دیگر

اگر اے حضرت دل آپ کچھ بینائی دیجاتے
تو جو پردے میں تھے شرطی انہیں دکھلائی دیجاتے

انہیں مرنا تھا مرتا غیر کیونکر ہاتھ سے تیرے
کسی کو موت اپنی کسطرح ہم آئی دیجاتے

وہ جس وقت اپنے گھر جاتے ہیں مجھکو چھوڑ کر تنہا
تو بہلانے کو دل میں اک غم تنہائی دیجاتے

کسی کو جھانکتے ہو چڑھ کے تم کوٹھے پہ ہم کو بھی
یہ آنے جانے والے ہیں خبر بالائی دیجاتے

اگر منظور ہوتا تجکو سودا اپنی زلفوں کا
تو قیمت میں دو عالم تک ترے سودائی دیجاتے

نہ ہوتی اتنی رسوائی نہ اتنا شور و غل ہوتا
جو وہ چپکے سے بوسہ کر کے غل فسائی دیجاتے

مزا رکھتا نہ مر جانا اگر عشق و محبت میں
ظفر کیوں جان اپنی عاشق شیدائی دیجاتے

دیگر

بولا کہ غیر کو ہو پاس مشورے کرتے
اٹھو دور ہی سے تم پرے پرے کرتے

وہ دل کے کھوٹے ہیں معلم ہیں چلن اوسکے
کلام اگرچہ ظاہر بہت کھرے کرتے

جھڑی جو باندھ کے برستے اشک چشم سے ہم
درخت سیکڑوں سوکھے ہو ہرے کرتے

وہ ذکر کرتے اگر میری تلخ کامی کا
نباتی تلخی اگر لاکھ غرغرے کرتے

نکرتے بس کبھی ہم میکشی سے اے ساقی
اگرچہ سیکڑوں خالی سبو بھرے کرتے

گئی نہ مر کے بھی خانہ خرابی عشاق
خراب ڈھاکے ہو تم اوسکے مقبرے کرتے

وہ کیوں نہ تنگ ہوں جنکو ہو پاس شرم ظفر
کہ اس زمانے میں ہیں چھین مسخرے کرتے

دیگر

اگر ابر سیہ سایہ مری مژگان تر کا ہے
تو بجلی ایک پر تو میری آہ پر شرر کا ہے

بیان کرتا ہے واعظ جبکہ عالم قصر جنت کا
تو پھر جاتا مری آنکھوں میں نقشہ اوسکے گھر کا ہے

وہ سر سے باندھ دے میرے دوپٹا صندلی اپنا
علاج اوسکو اگر منظور میرے درد سر کا ہے

خدا دے طاقت پرواز اور اس طائر دل کو
کہ اب تو کام کرتا ہے بھی مرغ نامہ بر کا ہے

نہیں جائے اقامت یاں کہ ہر غنچے نے پہلے ہی
لگایا دوش پر گلشن میں رخت اپنے سفر کا ہے

نہیں خورشید محشر آسمان شاید اٹھا لایا
کوئی اوڑا ہوا چھالا مرے داغ جگر کا ہے

معطر چاہیے اوسکا کفن ہو عطر فتنہ سے
جو کہ کشتہ ستم گیر تیری چشم فتنہ گر کا ہے

نہ پردہ ہے نہ برقع ہے نہ ہے منہ پر نقاب اوسکے
نہ دیکھیں ہم اگر اوسکو قصور اپنی نظر کا ہے

نہیں ممکن کوئی پھیرے عنان اختیار دل
ارادہ ہے ظفر اسکا جدھر کا ہے اودھر کا ہے

ہم یہ کیا کیا ہیں وہ جفا کرتے
اس پہ بھی ہم ہیں جان فدا کرتے

مطلع ثانی

بے وفاؤں سے ہیں وفا کرتے
حضرت دل میں دیکھو کیا کرتے

ہم دعا اوسکے حق میں کرتے ہیں
اور ہمیں وہ ہیں بد دعا کرتے

خاکساری سے ہیں دل آپنا ہم
صورت آئینہ صفا کرتے

اے ستمگر مریض عشق تیر
کبھی اپنی نہیں دوا کرتے

جو نہیں چاہتے کسی کا بھلا
وہ برے ہیں بہت برا کرتے

انکو نا آشنا سمجھتے جو ہم
کبھی ہم ہرگز نہ آشنا کرتے

میرے اور اوسکے چاہ ہوتی ہے
لوگ چرچے ہیں جا بجا کرتے

دل نہ دیتا کہیں ظفر وسکو
کہ وہ دل لیکے ہیں دغا کرتے

دیگر

میرے قاصد کو وان جاتے خطر آتا تو ہے
پر وہ جب جاتا ہے کچھ لیکے خبر آتا تو ہے

دل کی ہوتی آرسی سی کیون نہ آتی مانگی
جلوہ اس آئینہ مین اوسکا نظر آتا تو ہے

مین وہ غمگین ہون کہ ہنسکر دیکھتا ہے جو مجھے
اوسکو رونا میری صورت دیکھ کر آتا تو ہے

بھر کے ٹھنڈی سانس رونا ہے جدھر عاشق ترا
باد کا جھوکا اودھر کو سرو تر آتا تو ہے

جب قلق مین دل کا اپنے منہ سے کہتا ہون بیان
کچھ کلیجا منہ کو اے بیداد گر آتا تو ہے

گو نہیں آتا بھلائی سے برائی کے سوا
ہمنشیں میرا خیال اوسکو مگر آتا تو ہے

دے ہے بھر کر جام مے غیرون کو جب وہ بزم مین
دیکھ کر یہ دل مرا حسرت سے بھر آتا تو ہے

ہو گیا راہ محبت مین بلا سے خاک مین
پر غنیمت ہے وہ میری خاک پر آتا تو ہے

ہائے ہم نے کیا کیا اور چاہیے کرنا تھا کیا
اس کا اک افسوس ہم کو اے ظفر آتا تو ہے

دیگر

برا کہا تمھیں ہم نے زبان سے کیا ہے
تمھیں بتاؤ سنا تم نے کان سے کیا ہے

جب اپنا جان تمھیں مین نے مری جان جانا
تو پھر عزیز کوئی چیز جان سے کیا ہے

چھپائے غنچہ گل کیون نہ اپنی خوشبو کو
کہ نسبت اوسکو تری عطر دان سے کیا ہے

کرے ہے کوچہ جانان کا قصد جو قاصد
کہیں ارادہ سفر کا جہان سے کیا ہے

پس از فنا بھی نہیں دل کو چھوڑتا غم یار
اسے بھی دیکھو تو اس اس مکان سے کیا ہے

کرے جو ابرو و مژگان سے میرے دل کو شکار
تو پھر غرض اوسے تیرو سے کیا ہے

سوائے سینہ خراشی و رو سیاہی کے
نگین کو فائدہ نام و نشان سے کیا ہے

جو شکوہ ہے تو ہمیں اپنے طالع بد کا
گلہ ستارے سے کیا آسمان سے کیا ہے

ظفر جو حال ہے تیرا وہ خوب جانتے ہین
کہ کر بیان اوسے حاصل بیان سے کیا

یہ دنیا ہے اوگھٹ گھاٹی پگ نہ بہت پھیلاؤ جی
اتنی ہی پھیلاؤ کہ جس سکے سکھ سیدھا پاؤ جی

اس دنیا کے جتنے دھندے سگرے کو رکھ دھندے ہین
اوسکے پھندے جا نہ پڑو تم ان مین نہ من الجھاؤ جی

یہ منوا ہے مورکھ لوبھی سب ہی پر للچائے ہے
چاتر ہو تو اس مورکھ کو جیسے بنے سمجھاؤ جی

جس کارج کا ہوا کھٹکا تم من میں اپنے جانتے ہو
اوسکی دیا سے سہج وہ سمجھو اتنا نا گھبراؤ جی

عمرا کارت تم نے کھوئی کچھ تو ادھر کا دھیان کرو
بہت گئی اور تھوڑی رہی ہے یہ بھی نہ یوں ہیں گنواؤ جی

سدھ بدھ دی کرتار نے تم کو سوچ سمجھ کر نا کچھ
ایسی کرنی مت کرنا جو کر کر پھر پچھتاؤ جی

کہیے نہ بھولا اوسکو ظفر جو صبح کو بھولا سانجھ کو آئے
چھوڑ کے سگرے جھگڑے اپنا رب سے دھیان لگاؤ جی

دیگر

جو ہو مہوش نہیں اتنا مہینے دو مہینے سے
مقرر اوسکو بہکایا کسی نے دو مہینے سے

جو بیٹھے ہے وہ شوخ ماہ طلعت بان پہ چڑھتا
نہ بچتے ٹوٹتے ہیں روز زینے دو مہینے سے

نہ بلبل چہچہے نہ قمری بزم گلشن میں ہزار افسوس
فقط زاغ و زغن سے ہیں کمینے دو مہینے سے

نہیں آتی کبھی ہر گز یہان تک دو گھڑی کو بھی
یہ اوسکے بھر رہے ہیں دل میں کینے دو مہینے سے

بتوں کی سرد مہری دو مہینے سے جو دیکھی ہے
تو آتے ہیں مجھے ٹھنڈے پسینے دو مہینے سے

عوض اس کے جو کی ناکماہ تیرے ساتھ مے نوشی
پڑے غم سیاہو کے گھونٹ پینے دو مہینے سے

ظفر اک دو مہینے ہمکو بیٹھے ہیں قرین اوسکے
تو ہیں کچھ اور ہی اپنے قرینے دو مہینے سے

دیگر

ہمیں تو خط کی خبر ساری تیرے گھر سے کھلی
چھپا نہ بات کو تو کر دے نامہ بر سے کھلی

ہماری تیری محبت کی بات آج تلک
نہ کچھ ادھر سے کھلی اور نہ کچھ اودھر سے کھلی

کسی سے کچھ تو ہے وعدہ کہ آئی آدھی رات
جو اوسکی ڈیوڑھی تو ہے آج دوپہر سے کھلی

ہمیں تو کشف محبت سے سب ہے تیری خبر
زبان سے کہتے نہیں ہم کو کسی بشر سے کھلی

کسی کی نوک مژہ چبھی رگ جان میں
نہ ایسی چارہ گرو فصد نیشتر سے کھلی

رخ آفتاب قیامت کا رد ہووے گا
جو پٹی اپنی بھی زخم جگر سے کھلی

کہیں ہے راز محبت سے کوئی بھی آگاہ
کھلی جو وہم کو حقیقت تو کچھ ظفر سے کھلی

دیگر

کام نالوں سے جو بیمار جدائی لیتے
تو خبر چرخ کی یہ تیر ہوائی لیتے

تم جو کہتے ہو برا ہم کو بجا کہتے ہو
گر نہ دل دیجے تو کاہیکو برائی لیجے

ان بتون سے مرے نزدیک تو کچھ دور نہ تھا
ایک غمزہ مین اگر ساری خدائی لیجے

دیکھے دل اس بت بد خو سے لڑائین آنکھین
ہم بھی ہر روز ہین سول ایک لڑائی لیجے

تیرے ہاتھون سے ہین ناچار و گرنہ کب کے
راہ صحرا کی ہم اے آبلہ پائی لیجے

مار ہی ڈالتا صیاد ہمین پھڑکا کر
گر کبھی بھول کے ہم نام رہائی لیجے

وصف اوس دست نگارین کے جو ہم لکھتے ہین
تو ہین کاغذ بھی ظفر سول حنائی لیجے

کل جا کے ہم جو گھر مین اوس فتنہ گر کے بیٹھے
گھبرا کے اوٹھ گئے سب چوتھے اودھر کے بیٹھے

مطلع ثانی

کیا خاک جا کے کوئی پاس اوس بشر کے بیٹھے
محفل مین لوگ جس کی بانی ہون شر کے بیٹھے

اوٹھتے ہین کوئی وان سے جب تک نہ مر مٹیں گے
جون نقش پا ہین در پہ اوس تمگر کے بیٹھے

وعدے پہ دو گھڑی کے غافل شعار تیرے
تکتے ہین راہ تیری یان دوپہر کے بیٹھے

تعریف قد کا اوس کے جب سے کیا ارادہ
سولی پہ فکر مین ہم کیا چاہ کر کے بیٹھے

بھرتے پھرے مصیبت کیا کیا عوض مین اوسکے
آغوش مین جو تم کو یکبار بھر کے بیٹھے

اوٹھیگے اور ہی کچھ سو سو طرح کے فتنے
کوٹھے سے آج اپنے ہین وہ اوتر کے بیٹھے

اب اور اسکا رونا کیا جانے کیا کرے گا
کتنے مکان سب سے اوس چشم تر کے بیٹھے

جو چاہتا سو کہتا اوٹھ کے وہ دیکھے نامہ
منہ پر نہ بات آئی کچھ نامہ بر کے بیٹھے

دشوار ضعف سے ہے یہان اوٹھنا بیٹھنا بھی
ہم آہ کر کے اوٹھے اور آہ بھر کے بیٹھے

اوٹھے عدو بناوٹ کے کیا کیا کیجے اپنے
کل جا کے ہم جو گھر مین اوس فتنہ گر کے بیٹھے

مقدور کیا کہ جائے اوٹھکر کہیں وہ شب کو
دروازہ پر ہین اوسکے دربان ظفر کے بیٹھے

دیگر

بمروت وہ ایسی کہتے ہین لو خاصی کہی
بیمروت ہم کہ وہ اے دوستو خاصی کہی

بات ہے وہ بات کوئی بات جب ہم تم کرین
ہم کہیں خاصی کہی تم بھی کہو خاصی کہی

نکہت گیسوے جانان ہمدمو کچھ اور ہے
مشک میں بھی کہتے ہو اوسکی سی بو خاصی کہی

اور تو باتیں تمہاری خیر خاصی تھیں نہ تھیں
ترک الفت کی مگر اے ماہرو خاصی کہی

جب کبھی کہتا ہون اک بوسہ عنایت ہو مجھے
منہ بنا کر کہتا ہے وہ تند خو خاصی کہی

جو کہی وہ بات منہ سے ہو اگر کیسی ہی بات
ہے یہی شرط ادب تم بھی کہو خاصی کہا

جب کہا دل نے کہ چلیے کوے جانان میں ظفر
ہم نے بھی دل سے کہا اچھا چلو خاصی کہی

جی کا ضرر دو دن سے ہے
درد جگر دو دن سے ہے

دل ہے جلا بر ساقی جو
آہ شرر دو دن سے ہے

اوسکو سکھاتا کیا کیا شر
کوئی بشر دو دن سے ہے

لوٹتا عاشق بن ترٹے
دودو پہر دو دن سے ہے

پھرتا ہے وہ ماہ کہان
خالی گھر دو دن سے ہے

اشک فشانی کرتی کیون
یہ چشم تر دو دن سے ہے

قطعہ

پھرتا قاتل تیغ بکف
آٹھ پہر دو دن سے ہے

بیٹھا عاشق مرنے پر
باندھے کمر دو دن سے ہے

دو گھڑی کہہ کے آیا نہیں
یار ظفر دو دن سے ہے

دیگر

ہم نے کی اپنی جوانی میں سے مستی اتنی
کی نہ جمشید نے بھی بادہ پرستی اتنی

برش تیغ نگاہ ایک بلا ہے اوس کی
کاٹ کرتی ہی ہے وو دستی اتنی

خانہ باغ میں ہر رنگ کے لاکھون گل تھے
دی خزان تو نے ملا خاک میں بستی اتنی

نہ چڑھا چرخ پہ نے پھینک زمین پہ مجکو
نہ تو ہو اتنی بلندی ہی نہ پستی اتنی

اے شرر تو جو شرارت سے نہ چھپا تو تھا
کیوں تری ہستی موہوم پہ ہنستی اتی

ابر مژگاں نے یہ اشکوں کی لگا دی جھڑی
کبھی دیکھی کہیں بدلی بھی برستی اتی

حق پرستی میں کوئی دم جو بسر ہو بہتر
اے ظفر خوب کہیں بادہ پرستی اتی

دیگر

دل دبا کیا خطا ہمیں سے ہوئی
ایسی تقصیر کیا ہمیں سے کوئی

ہے وہ برہم کچھیڑی تھی زلف
کج ہے سر زد خطا ہمیں سے کوئی

دل مدیا بتوں کو تھا ناصح
بات بیجا بجا ہمیں سے کوئی

بے وفائی پہ مر گئے تیری
بے وفا یہ وفا ہمیں سے کوئی

اوسکی بو سے کیا تجھے آگاہ
بے وثوقی صبا ہمیں سے کوئی

گذری سر سے نماز عشق میں ہم
ہوئی گر یہ ادا ہمیں سے کوئی

دخت رز کو نہ مشر لگاتا تھا
دو بدو تھیا ہمیں سے کوئی

شانہ بھی چھیڑتا تھا کیوں برہم
تیری زلف دوتا ہمیں سے کوئی

دل بلبل میں تھا نہ درد ظفر
وہ بھی درد آشنا ہمیں سے ہوئی

کبھی شاید وہ ذرا جھانک تو لے پٹ میں سے
کہیں ملتے ہماس امید میں چوکھٹ میں سے

پیشوائی کے لیے دوڑتا ہے دل کیا کیا
جب صدا آتی ہے اوس پاؤں کی آہٹ میں سے

تو نے دیکھا نہ ہمیں بزم عدو میں افسوس
ہم تمہیں تاک رہے تھے اوس جمگھٹ میں سے

لاکھ گھٹ راگ اگر لائے تو ہم سے شب کو
اوٹھنے دیتی ہیں کوئی تم کو چھپر کھٹ میں سے

کیا عجب بوے گلاب آئی عرق میں تیرے
بوے مشک آئی ہے زلفوں کی تری لٹ میں سے

دیر و کعبہ میں اوسے ڈھونڈھتا پھرتا کیا ہے
ڈھونڈھ گھٹ بیتا کر وہ پاے گل ترے گھٹ میں سے

بوے الفت تو تہلی ہی ظفر نے پائی
تیرے انکار میں سے اور تری ہٹ میں سے

دشت الفت مین چلے گر خار و خس کو توڑ کے
آسمان بٹھلاے پاے ہاہوس کو توڑ کے

اپنے تار جیب و دامن سے فقط توڑے کہین
تو رہے گا اے جنون تار نفس کو توڑ کے

گر اسیرون کو یونہین صیاد تو پھڑکایگا
تو نکل بھاگین گے وہ اک دن قفس کو توڑ کے

وصل کی شب مین سخت ہے دل پر مرے بانگ جرس
ڈھب ہے تو پھینک دون ہمدم جرس کو توڑ کے

دیکھ حال روے ساقی کہتے ہین آپ کیون مست
کیون جمایا ہے یون ہین پر مگس کو توڑ کے

تو نے اے منعم اگر تعمیر اچھی کی تو کیا
لوگ سب لیجائین گے اک دو برس کو توڑ کے

تیر نالہ کیا عجب گر گنبد افلاک سے
پھینک دے خورشید کے زرین لس کو توڑ کے

اشک دل نے شیشہ و جام و سبو توڑے تو ہین
زند بھی چھوڑے ہین گے دست عسس کو توڑ کے

بات ایسی بد زبان سے کیا کرے کوئی ظفر
دے جو ٹکرا سا جواب اک بار اوسکو توڑ کے

دیگر

کس کی اوسے منظور دل محزون کی اولٹا پٹی ہے
کی جو صبا نے زلف عنبر گون کو اولٹا پٹی ہے

اولٹی ہے تقدیر وگرنہ کرتا دوا مین روز طبیب
تیرے مریض چشم پہ افسوس کی اولٹا پٹی ہے

دیکھ کے شانہ اون بالون مین کہتا دل دیوانہ ہے
ظالم تو نے اس لشکر مین کیون کی اولٹا پٹی ہے

جنبش مژگان دیکھ کے دل پھر زیروزبر ہو جاے کیون
تیری چشم فتنہ گر نے یون کی اولٹا پٹی ہے

اور نظر فروزی آئی عشق جنون انگیز کی ہے
ہم نے دفتر دانش کی جون جون کی اولٹا پٹی ہے

سچ ہے جو بات تو اوسکا باندھنا ہے دشوار بڑا
فکر کمر مین روز یہان مضمون کی اولٹا پٹی ہے

اپنے سخن سے پھرتے ہین کب جو ہین لوگ شریف
ہوتی ظفر ہا بات مین مردو دون کی اولٹا پٹی ہے

دیگر

بات گر منہ سے نکل کچھ بے تامل جاے گی
پھر تو وہ اے میکشو ہر ایک پر کھل جائگی

کچھ نہ کچھ دکھلاے گی اپنا اثر آہ رسا
کان تک تیرے جو اے مست تغافل جائگی

ہے یہ کھٹکا دیکھ کر گل کو نہ شادی مرگ ہو
جب قفس سے چھوٹ کر گلشن مین بلبل جائگی

نافہ آہو مین یکسر مشک ہو جاے گا خون
گر صبا لیکر ختن مین بوے کاکل جاے گی

ہوگئے جب بد مست گرم مے پرستی دیکھنا
چرخ مینائی تلک آواز قلقل جائگی

ہو وےگی کیا کیا نہ رسوا پھر اگر لیکر صبا   کوچہ گیسو میں تیری بوے سنبل جائیگی

اپنے آب و گل میں ہے آمیزش آتش ظفر
سوزش عشق اپنے دل کی کیونکہ بالکل جائیگی

ترے آتے ہی گلے اے جان سب جاتے رہے   جی میں تھے پہلے جو کچھ اس آن سب جاتے رہے
نہ رہا فرہاد نہ مجنون ترے ہاتھوں سے عشق   تنگ ہو کر بے سروسامان سب جاتے رہے
خانہ دل میں نہ پیکان ہے نہ تیر یار ہے   جن سے اک رونق تھی وہ مہمان سب جاتے رہے
اے کمان ابرو لگایا تو نے جب تیر نگاہ   دل سے شکوے بھی ترے قربان سب جاتے رہے
زندگی تک ہین سبھی ارمان انسان کے لیے   موت جب آئی تو پھر ارمان سب جاتے رہے
ایک باقی رہ گیا تو دھیان اوسی کا رہ گیا   اور تھے دل میں جو میرے دھیان سب جاتے رہے
ہو کے وہ خنجر بکف آیا جو بہر امتحان   بلہوس کیا چھوڑ کر میدان سب جاتے رہے
نالہ و فریاد اشک و آہ یہ قاصد ترے   تیرے کوچے میں سوا ایجان سب جاتے رہے
یون تو کہنے کے لیے کل اے ظفر انسان ہین   پر حقیقت میں جو تھے انسان سب جاتے رہے

دیگر

احمق ہین وہ جو شوکت و حشمت ہین ڈھونڈھتے   دانا بھی کوئی مایہ نخوت ہین ڈھونڈھتے

مطلع ثانی

دیدے ہمارے کس کی شباہت ہین ڈھونڈھتے   پاتے کہیں جو پھرتے وہ صورت ہین ہین ڈھونڈھتے
دنیا کے ملک و مال نہ ڈھونڈھیں خدا طلب   سب سے الگ وہ گوشہ خلوت ہین ڈھونڈھتے
جو کشتگان قامت جانان نے پاے لطف   وہ ہی مزے وہ تا بہ قیامت ہین ہین ڈھونڈھتے
ایسا ہو کچھ عدو میں اور اوسمین ہو دشمنی   ہم پھرتے نقش بغض و عداوت ہین ڈھونڈھتے
کیا وہ نخل بید سے ہین ڈھونڈھتے ثمر   جو بیمروتون سے مروت ہین ڈھونڈھتے
چلتی ہے باغ دل میں تو باد سموم ہجر   ہم بھی ہین کیا جو اسمین طراوت ہین ڈھونڈھتے
پھرتے چراغ مہر ہے یہ نہ سپہر   تجھ سا جو آئینہ طلعت ہین ڈھونڈھتے

ہم ڈھونڈھتے ہیں اوسکی عنایت فقط ظفر
نے تخت ڈھونڈھتے ہیں نہ دولت ہیں ڈھونڈھتے

دیگر

وہ آتے آتے کرتے جو کچھ وہم رہگئے
ہم ایک آہ کھینچ کے بس و ہم رہگئے

کیش نظر ہی رکھتے ہیں کعبہ کو راست رو
رستوں کے بیر پھرے میں کج فہم رہگئے

کیا منہ چڑھے کوئی ترے تیر نگاہ کے
رستم سے دیکھ جی میں اوسے سہم رہگئے

سرگرم لاف بزم میں شب تھے جو شمع رو
وہ مہروش جو آیا تو سب وہم رہگئے

پھرتے خراب ہیں جنہیں فہمید ہے ظفر
وہ ہی رہے مزے میں جو نا فہم رہگئے

تیرے در پر خاک دیوانے ترے سر مارتے
تیرے کوچے کے اوکہیں لڑکے ہیں پتھر مارتے

تیرے جوڑے کا تصور رات بھر آنکھوں میں تھا
کیونکہ ہم کے نہ اپنے دل جگر پر مارتے

ناف تک ںکلی کسی کی ہم نے دیکھی تھی غضب
کیوں برچھی پیٹ میں اپنے اوٹھا کر مارتے

سرکشی کرتی تھی تیرو برو والے شعلہ خو
شمع کو محفل میں پھر گردن نہ کیونکر مارتے

دمبدم کرتا ہے اوپر تیز تو تیغ ستم
اور ہرگز ہم کہیں دم اے ستمگر مارتے

شعوہ و غمزہ ترے دونوں سپاہی ہیں غضب
تیغ پر ہیں تیغ اور خنجر پر خنجر مارتے

یوں کیا اوس پنجہ مژگاں نے مرغ دل اسیر
جس طرح صیدی کا ہوں اوڑتا کبوتر مارتے

خاک ہو کر بھی نپایا چین وحشت سے کہ ہم
جوں بگولہ دشت میں پھرتے ہیں چکر مارتے

طائر دل دیکھنا پہونچا ہے اپنا کس جگہ
اے ظفر جس جا فرشتے بھی نہیں پر مارتے

بتوں کے ہم تصور میں جو شب بھر آج جاگے تھے
تو جلوے اک خدائی کے ظفر آنکھوں کے آگے تھے

مطلع ثانی

ہم دشت جنوں میں قیس اور ہم کل جو بھاگے تھے
وہ ہم سے سو قدم پیچھے تھا اور ہم اوس سے آگے تھے

شب اعدا کو بلایا تھا جو گھر مین اوس نے چوری سے
کسی ڈھب سے پہلی دیوار ہم بھی جای لاگے تھے

دیے زخم دل سوزان مین جب جراح نے ٹا کے
تو گرمی سے بنے تار شعاع مہرتا گے تھے

تصور تھا جو آنکھون مین کسی کی زلف سرکش کا
تو کالے ناگ لہراتے مری آنکھون کے آگے تھے

جو سوئے بھی تو ایسے ہی کہ صبح حشر کو اوٹھے
جو جاگے بھی شب فرقت مین ہم ایسے ہی جاگے تھے

نہ کیونکر یاد آئین ہر گھڑی اونکی ہمین باتین
وہی کچھ خوب تھے لوگ اے ظفر جو ہم سے آگے تھے

دیگر

یون تو لکھا اونکین سب کچھ بھی نچھوڑا باقی
اک فقط رہ گئی تحریر نچولکا باقی

مطلع ثانی

کونسا حسن بتان مین رہا جلوہ باقی
کہتا زاہد جو ہے دیدار خدا کا باقی

قصہ غم ہے دراز اتنا جو کہنے بیٹھیں
ہو چکیں حشر کئی پھر رہے کہنا باقی

رحم اے سوز غم عشق کے ہاتھون سے ترے
نہ رہا دل نہ جگر اور کلیجہ باقی

ٹھوکرین فتنہ محشر بھی ہین کھاتے لاکھون
تیری رفتار نے ظالم کے چھوڑا باقی

خانہ چشم مین تم آؤ مرے اور دیکھو
دیکھنا چلیون کا گر ہو تماشا باقی

دیدہ ودل مین تو دن رات رہا کرتے ہین
کیا تماشا ہے اونکین سے ابھی پردہ باقی

ل رہین گے ترے کوچے مین کبھی لیول ور ہم
یار باقی ہے تو صحبت ہے دل آرا باقی

صحبت گل سے بیزار اونکو ہوئی اطمینان
دل بلبلیں ہے صیاد کا کھٹکا باقی

ہم کہان او رکہان خانہ رنگین جہان
دیکھ لین اور کوئی دم کا ہے تماشا باقی

جاتے ہین عالم فانی سے وہی حسرت مین
دل مین ہے جس کے ظفر خواہش دنیا باقی

دیگر

ہم حال غم ہین کہتے جا کر بتون کے آگے
سنتے نہیں ہین کہنے کو دوستون کے آگے

مستانہ وہ غضب ہین آنکھیں دم نظارہ
ناچین گی پتلیان کیا اون چلیون کے آگے

گر محتسب بھی آئے تو مست سر سے پھوڑین
کچھ سوجھتا نہیں ہے ان مستیون کے آگے

پانون کے نیچے اپنے دل عاشقون کے ملتے
سمجھیں نہ کچھ وہ اپنی اٹھکھیلیون کے آگے

اوس زلف کی لٹون پر کوئی چلے نہ ٹکا
جن بھی جو ہو تو بھاگے ان منترون کے آگے

گر طائر تصور ہووے بلند پرواز مراد
مارے نہ پر فرشتہ ہو سکے پرون کے آگے

ایک بات بھی سمجھ کی کہتا ظفر نہیں ہے
جاتی رہے سمجھ ہے ان لہرون کے آگے

ہم عجب رنگ سے میخانۂ ہستی میں رہے
شغل سب چھوڑ دیے بادہ پرستی میں رہے

لشکر اشک روان ساتھ ہے اپنے ہر جا
کب خرابہ میں رہے جب رہے بستی میں ہے

اونچے نیچے بھی مکان گرچہ بنائے تو کیا
نہ بلندی میں رہے کوئی نہ پستی میں رہے

ہر مژگان کی مرے بارہ مہینے ہے جھڑی
گر کوئی کیونکہ پھر اس بدلی برستی میں رہے

سخت جانی جو یہی ہے تو یقین ہے مجھکو
دم بھی قاتل نہ تری تیغ دوستی میں رہے

جو رہے زہد ریائی میں ہمیشہ مشغول
حق پرستی میں تو کیا خلق پرستی میں رہے

اے ظفر بادۂ وحدت سے جسے کچھ ہو سرور
ہوش میں آئے نہ پھر عالم مستی میں رہے

دیگر

تیری قدرت کو کون پہچانے
تیری حکمت کو کون پہچانے

طائر وہم کے ہین پر جلتے
تیری رفعت کو کون پہچانے

ایسی آنکھیں کہان کسی کی ہین
تیری صورت کو کون پہچانے

بن ترے جان نثار کے پیارے
تیری خصلت کو کون پہچانے

زلف جانان ہیولیٰ اور
تیری شامت کو کون پہچانے

پھوڑ سر پتھرون سے اے فرہاد
تیری محنت کو کون پہچانے

دوست اپنے ہوئے ظفر دشمن
اس مصیبت کو کون پہچانے

دیگر

شبنم سے پر سرشک جو نرگس کی آنکھ تھی
دیکھی چمن میں ہوتے سحر کس کی آنکھ تھی

وہ شمع رو جو رات سر محفل آ گیا — پڑتی نہ اس پہ بزم میں کس کس کی آنکھ تھی

بند آنکھ اوس مریض کی تیرے ہوئی سحر — جھپکی نہ لحظہ ہجر کی شب جس کی آنکھ تھی

سمجھے تھے ہم نقل اوسے جام شراب ناب — وہ تو کوئی غضب ہی بھری بس کی آنکھ تھی

کیا دیکھ کر نشہ میں وہ آنکھیں جھکی جھکی — گلشن میں نیچی شرم سے نرگس کی آنکھ تھی

کن حسرتوں سے دیکھتے اوس گنج حسن کو — مانند مرد بے زر و مفلس کی آنکھ تھی

پر نظر فلک کی لگی وصل یار کو — دشمن سدا سے اپنی ظفر کی آنکھ تھی

دیگر

تجھے خط غلامی لکھدیا یار اپنے ہاتھوں سے — ہوئے ہم اور بھی تیرے گرفتار اپنے ہاتھوں سے

دل دیا تجھ سے جھوٹے کو تو جھوٹے ہم بھی کہلائے — ہوئے ہم آپ سے اسکے سزاوار اپنے ہاتھوں سے

مجھے قتل آپ کیجے سوچیے جلاد کو کیوں ہو — وہی کچھ خوب ہوتا ہے جو ہو کار اپنے ہاتھوں سے

لگاتا ہے جو ہاتھوں میں حنا پھر آج کیا جانے — کرے گا ذبح کس کس کو وہ خونخوار اپنے ہاتھوں سے

لکھا تقدیر کا یہ ہے کہ اوس نو خط کی محفل میں — کریں یوں خط کو میرے چاک اغیار اپنے ہاتھوں سے

کبھی کرنا گریبان چاک اور سینہ زنی گاہے — تری فرقت میں لیتے ہیں یہی کار اپنے ہاتھوں سے

دل اپنا اے بت کافر تجھے ہرگز ندیا تھا — گلے میں ہم نے پہنا آپ زنار اپنے ہاتھوں سے

نہ ہرگز دخت رنگو بزم میں رندوں کے جانا تھا — ہوئی بدنام واں جا کر یہ مردار اپنے ہاتھوں سے

ظفر اوس نوک مژگان کا تصور اب کہیں چھوڑو
چبھوتے اپنی آنکھوں میں ہو کیوں خار اپنے ہاتھوں سے

جو دل میں رکھے تھے اپنے چھپے چھپائے گلے — سو ہم نے اون سے کہے جو زبان پہ آئے گلے

خدا کرے کہ یہاں تک ذرا وہ آ جائے — ہیں دل میں جتنے کروں اون سے بھی سوائے گلے

شب وصول تو گذری گلہ گذاری میں — تمہارے دل میں بلائیں کوئی سمائے گلے

کہے ہے دل اگر آئیں کروں گلے اون سے — ابھی جو آئیں تو یہ سارے بھول جائے گلے

نہیں وہ لوگ جو سنتے تھے شکوے کچھ دل کے — کریں گے کس سے ہم اب دل کے اپنے ہائے گلے

ہنسی میں لاکھوں گلے کر گئے نہ وہ سمجھے — مرے رقیبوں نے اونکو مرے جتائے گلے

بھرے ہیں تیری طرف سے ظفر کے جو دل میں
کسی کو آج تلک وہ نہیں سنائے گلے

دیگر

عاشقوں سے کوچے قاتل میں گھما گھم ہے
اور وہ خنجر بکف پھرتا ہے تجکو سہم ہے

دل تو کیا ہم جان تک رکھتے نہیں تجھسے عزیز
پھر جو تو یاں آزماتا ہے تجھے کچھ وہم ہے

سوز الفت نے جلا کر خاک ایسا کر دیا
میری حالت دیکھ خلقت رہی گئی بس وہم ہے

اے کماندار اک جہان ہی کیا فقط چلا اوٹھا
ترک گردوں بھی ترے ناوک سے رکھتا سہم ہے

فہم والوں کو ظفر سو طرح کے ہیں رنج غم
ووہی اچھا ہے مرے نزدیک جو نافہم ہے

دیگر

مرے سینہ سے پیکان اپنے وہ جسدم نکالینگے
یقین ہے ساتھ ہی اوسکے مرا پھر دم نکالینگے

جو ہوگا دل نہ پہلو میں مزے سے خوب گذریگی
یہ کھٹکا دل کا بھی پہلو سے اک دن ہم نکالینگے

نکالینگے جو کچھ ہم ذکر اوسکی زلف مشکیں کا
تو کیا کیا ہم پہ آنکھیں ہوکے وہ برہم نکالینگے

جو ہوگی دسترس مانند شانہ حسرت دل کو
تو سارے بل ترے اے زلف خم در خم نکالینگے

ہزاروں ہی اوٹھیں گے ہم پہ طوفان بزم میں اوسکے
جو اک آنسو بھی آنکھوں سے ہم اے ہمدم نکالینگے

برنگ شمع محفل میں زبان کٹ جائیگی اپنی
ذرا بھی ذکر سوز دل جو منہ سے ہم نکالینگے

لگاؤ گے اگر تم ہاتھ محرم کو ظفر اون کی
تمھیں گھر سے بنا کر پھر وہ نامحرم نکالینگے

دیگر

رکھ کے تم زلف میں شانہ جو ہو پیار پھرتے
دل صد چاک پہ ہیں رشک سے آرے پھرتے

مہروش عشق میں پھرتے ہیں ترے سرگردان
دن ہیں کب دیکھیے گردش کے ہمارے پھرتے

پھرتے ہیں غیر کے گردن میں وہ ڈال کے ہاتھ
تو گلے پر مرے خنجر ہیں دودھارے پھرتے

اے ستمگار اگر ہم سے نہ توپھر جاتا
اس طرح کا ہے کو ہم رنج کے مارے پھرتے

بحر خوبی جو کیا تو نے کنارا ہم سے
ہم ہیں روتے ہوئے دریا کے کنارے پھرتے

ہم سے اے جان جہان اک نہ ترا دل پھرتا
غم نتھا اہل جہان جتنے ہیں سارے پھرتے

پاس کب کرتے کسی کا ہیں ظفر روہ بیباک
شر پہ جو آپ ہی اپنے ہوں اتارے پھرتے

تیرے کوچے میں جو مدفن کو نہ جا ظہر لی
خاک میں سب آرزوئے عاشق مضطر لی

تو ملا ظاہر اگر ہم سے تو پھر کیا فائدہ
جب طبیعت ہی نہ تیری اے بت کافر لی

میری جانب سے رہا ووہی ترے دلمیں غبار
خاک سے خاک اپنی ظالم گور کے اندر لی

جب ملائی اک ذرا تصویر مجنوں سے تو صاف
تیر دیوانے کی صورت اے پری پیکر لی

تیرا جو آنسو ہے دربے بہا ہے عشق میں
دیکھ تو ہی کیا ہے دولت تجھ کو چشم تر لی

ہوگئے ہم ذبح اے ظالم جو تیرے ہاتھ سے
جو مراد اپنی تھی وہ تیرے تہ خنجر لی

ہے جو فوج اشک میں نالہ علم دار اے ظفر
عشق کی جانب سے خدمت کیا ہی بالا تر لی

لوگوں نے لکھی وہاں کی خبر تیسرے دن کی
ہم نے بھی یہاں خط پہ نظر تیسرے دن کی

مطلع ثانی

الفت کی جو آنکھ اوسنے ادھر تیسرے دن کی
تاثیر محبت نے تیسرے دن کی

کیا عیش میں گذرہیں انہیں و دن جو ملاقات
ٹھہرائے تو اے رشک قمر تیسرے دن کی

اے مہر لقا بن ترے وہ صبح تو کائیں
دکھلائے ہے کیا دیکھیں سحر تیسرے دن کی

ہم دل سے ہیں کہتے کہ اب آئے وہ اب آئے
اور اوکی ہے آنکل خبر تیسرے دن کی تیسرے دن کی

دو تین مہینے کی خبر لکھتے ہیں واں کی
لکھتا نہیں یاں کوئی تیسرے دن کی

دو دن سے وہ تھا آپ ہی کچھ ہم سے تو چپ چپ
آج آپ میںات اوسنے ظفر تیسرے دن کی

دیگر

ظفر کہیں رگ جان دل کے داغ میں جلتی
کہ تیل بن ہے یہ بتی چراغ میں جلتی

تجھے جو پیاس تو دو چار خم میں اے ساقی
طبیعت اور ہے اک دن ایاغ میں جلتی

بھڑک رہی مرے سینہ میں ہے وہ آتش غم | کہ ایسی آگ نہوگی اور جاغ میں جلتی
جو کھینچتا کبھی میں آہ آتشیں سر دست | تو جتنی گھاس تھی وہ باغ وراغ میں جلتی
جو سوزش دل بلبل اثر دکھاتی کچھ | تو شمع وار ہر اک شاخ باغ میں جلتی
نہ ہم ہی آتش الفت سے ایک خلق خدا | سدا کوے بت بد دماغ میں جلتی
ظفر رہے روشنی دل چراغ درویشان | نہیں ہے شمع جو کنج فراغ میں جلتی

دیگر

راحت سوائے رنج کسے یان نصیب ہے | اس غمکدہ میں عیش عجیب و غریب ہے
جب درد ہی کو میرے افاقہ ذرا نہو | پھر میرے کس مرض کی دوائے طبیب ہے
داغ جنون جو افسر شاہی ہے عشق میں | تو فوج اپنی اشک ہے نالہ نقیب ہے
آہ رسا کا ہم کو سہارا ہے ضعف میں | اے عشق تو نے دی ہمیں اچھی جریب ہے
یارب ہو خیر اوس صف مژگان میں دل گھرا | وہ فوج نیزہ باز ہے اور یہ غریب ہے
اے شوخ تیری بات کا ہو اعتبار کے | جوں غنچہ تیری جیب کے اک نیچے جیب ہے
آداب راہ عشق سکھانے کے واسطے | دل سے نہیں کوئی بھی زیادہ ادیب ہے
تو آپ اوس سے باعث غفلت بعید ہے | تو ورنہ تیرے بہت ہی قریب ہے

محراب ہی جو ابروے جانان تو اے ظفر
مبنی پہ خال سر منبر خطیب ہے

یہ جب وان تک مری فریاد جگر پہونچ گئی | حال کی میری اونہیں کچھ تو خبر پہونچ گئی
ایک مدت سے مری خاک کی مٹی تھی خراب | بارے اوس کوچے میں اے باد سحر پہونچ گئی
گنبد چرخ کے ہو جائیں گے ٹکڑے ٹکڑے | ضربت نالہ کوئی اپنی اگر پہونچ گئی
مرگ عاشق سے ہے تو بے خبر اب تک افسوس | یہ تو ہے سارا زمانہ میں خبر پہونچ گئی
تیرا اگر یہ کوئی طوفان ہے کہ موج یم اشک | کشتی چرخ تک اے دیدہ تر پہونچ گئی

فائدہ کیا ہے شکایت سے کہ اوسکے ہاتھون
ہم کو ایذا جو پہونچنی تھی ظفر پہونچ گئی

کانپتی جان بہت ہوش ربا سے یوں ہے
کوئی ڈرتا نہیں دنیا میں خدا سے یوں ہے

مطلع ثانی

دل کو دیتا ترا مجھو ردلا سے یوں ہے
آج ہی وصل ہوا امید خدا سے یوں ہے

بخت برگشتہ کی ہے اب یہ ہماری تاثیر
پھر گیا اپنے جو وہ عہد وفا سے یوں ہے

نہیں بچنے کا ترے ہاتھ سے کوئی عاشق
ہوتا معلوم ترے جو رو جفا سے یوں ہے

آئی شامت ہے ہمارے دل سودائی کی
یہ اولجھتا جو تری زلف دوتا سے یوں ہے

اور بیمار کرے جیسیں غذا سے پرہیز
تیرے رنجور کی پرہیز دوا سے یوں ہے

گو نہو وصل تو ہو ہجر میں عاشق کا وصال
یوں ہی ہو جائے جو قسمت میں بلا سے یوں ہے

خار کوئی ہے لگا آبلہ پا میں لگا جیسے
تنکا اوٹھ سکتا کہاں کاہ ربا سے یوں ہے

اے ظفر رشک سے دل کیونکہ نہ خون ہو کر جا
ہاے لپٹی ہوئی اوسکے کف پا سے یوں ہے

دیگر

کیا فقط تم کو ادھر چشم مروت لائی
اتنے کوسوں سے بلکہ مری قسمت لائی

نور دے کا ہے تمہارے رخ روشن میں ظہور
واہ واہ کیا ہی ثمر شاخ ریاضت لائی

جامہ فقر ہے زیبا تمہیں گویا تقدیر
واسطے آپ ہی کے یہ تو ہے خلعت لائی

بلکہ گنجینہ عرجان ہے تمہارا سینہ
نہ تہیدست گیا یان جسے قسمت لائی

خازن مخزن اسرار تمہیں ہو کر تھا
آپ کے پاس کلید در دولت لائی

اس خزانہ سے مجھے بھی تو عنایت کچھ ہو
میری قسمت تمہیں اے گنج سعادت لائی

ہے یقین آپ کے آنے سے وہ ٹل جائیگی
گردش چرخ ستمگر ہے جو آفت لائی

ہوگیا آپ کا اسطرح سے آنا جو ادھر
کشش شوق ظفر ہے تمہیں حضرت لائی

دیگر

سچ سچ اے رشک جو سب کہدے
خامشی کیا ضرور سب کہدے

کھل گیا ہو جو راز پوشیدہ
کیا چھپانا ضرور سب کہدے

بے تامل ذرا تو کھنچتا خنجر
جو ہے جس کا قصور سب کہدے

تا گریبان میں اپنے منھ ڈالیں
گر تجھے ہے شعور سب کہدے

ہوا بے جرم و بے قصور اپنا
اور ہمارے قصور سب کہدے

کچھ بھی اس میں نہ رکھ گئی لپٹی
ہو کے ناصبور سب کہدے

پاس کس کا تجھے نہ کہنے میں
خوف کر دل سے دور سب کہدے

سنگدل کچھ نہ کہیئے سے تیرے
شیشہ دل ہے چور سب کہدے

ڈر خدا سے نکر ظفر سے دریغ
اے بت پھر غرور سب کہدے

چھوڑ کر یار ہمیں سب ہوے چلتے پھرتے
اپنی تنہائی پہ ہم ہاتھ ہیں ملتے پھرتے

دم جنبش تری زلفوں سے ٹپکتا ہے عرق
یا کہ ہیں مار سیہ زہر اوگلتے پھرتے

شمع رو جب سے ہوا تو مرا زیب محفل
مثل پروانہ صدوں میں ہیں جلتے پھرتے

غافلو عالم پیری ہے کوئی دم بیٹھو
دیکھو لڑکوں کی طرح کیوں ہو اوچھلتے پھرتے

اپنے کوچے میں جو پھرتے ہیں تو اس ناز سے وہ
پاؤں سے ہیں دل عشاق مسلتے پھرتے

تری مرضی ہو تو لوں اون سے میں بدلے
تیوری مجھ پہ ہیں جو لوگ بدلتے پھرتے

گر کے اوس کوچے میں پھر ہم سے سنبھلا نگیا
کیونکہ ہم پھرتے وہاں سے جو سنبھلتے پھرتے

اے ظفر روز تو جاتے ہیں وہ گھر غیروں کے
آ نکلتے ہیں ادھر بھی کبھی چلتے پھرتے

دیگر

مری یوں مدعا کی بات ہیں دل پر چبا جاتے
کر جیسے پان کا بیڑا ہیں یہ کافر چبا جاتے

جو کرتے خون کا دعوی اونسے ہماپنے تو غصہ میں
عجب کیا تھا جو لیکر کاغذ محضر چبا جاتے

مزا ہوتا اگر جوش جنوں میں تیرے دیوانے
جو کھاتے ہاتھ سے لڑکوں کے وہ پتھر چبا جاتے

فقط کھایا کلیجا کیا نہ تھا اس دل کا اسکین بھی
ہماری ہڈیاں بھی حضرت غم گر چبا جاتے

جو کشت سبز گردوں تک نہیں کچھ دسترس ہوتی
کبھی کے یہ گرسنے دانہ اختر چبا جاتے

تری چشموں سے ہم چشمی اگر بادام کچھ کرتا
تو رکھ کر ہم اوسے دانتوں میں اولبر چبا جاتے

لگاتے ہین جوان آہن دلون سے دل ظفر اپنا
تو لوہے کے چنے ہین یان وہہ غم پرور چبا جاتے

دیگر

قفس مین بند اے صیاد تو نے کر کے پر کترے
نچھوڑا اور گئے یو ہین ہمارے پر کے پر کترے

بہت اوڑ اوڑ کے گھر صیاد بے پروا کے جاتا تھا
گئے ہین آخرش مرغ دل مضطر کے پر کترے

جو نامہ سیر گلشن نے ذرا صیاد کے آگے
ابھی وہ بلبل شوریدہ مغزو سر کے پر کترے

قفس مین جھاڑ کے پر گرا اسیران قفس بولین
گلو اوسکے دبا کر دہ سکے خنجر کے پر کترے

بنا کر نامہ بر اپنا کبوتر بھیجے وان بھیجا
کہیں جائین نہ گھر مین اوس بت کافر کے پر کترے

ہزارون مرغ ہم نے نامہ بر اپنے کے پر سب کے
پریرویون نے بھی ہین کیا ہی دل پتھر کے پر کترے

ظفر غنچون کو وہ کترے نہ کتر عشق گلشن مین
دل عشاق کو مقراض مین ہان دھر کے پر کترے

دیگر

جو باتین کہے گا عدو سو طرح کی
تو منکر رہے گا کبھو سو طرح کی

نہ نکلا فلک ایک ارمان اپنا
رہی دل ہی مین آرزو سو طرح کی

کہے تو جواک ترک الفت کی ناصح
ابھی تو تری گفتگو سو طرح کی

مرے خون کو تو ہزار اب چھپائے
نکلتی ہے باتون مین بو سو طرح کی

ملین ایک بوسے پہ کس کس مزے سے
تری گالیان تند خو سو طرح کی

ہر اک سے جو لڑتا پھرے ہے تو اس مین
خرابی ہے اے جنگجو سو طرح کی

ظفر رایک جاہووے جو چاہا تو کیو ہین
ہین رسوائیان کو بکو سو طرح کی

کوئی دم کی غافل یہ سب گفتگو ہے
پھر آخر سمجھ لے نہ مین ہون نہ تو ہے

امیدین اوسکے در سے ہو پھر یاس کیونکر
کہا اوسنے جب آپ لا تقنطو ہے

جو کھاتا تو غم ہے جو پیتا تو آنسو
سنا جب سے ہم نے کلو اوا شربوا ہے

کیون تجھ سے کیا یا کی شور و شرابی
کہ اس میکدہ مین عجب ہائے وہو ہے

بلا سے کہیں شیشہ و ساغر مے
مری چشم تر تجکو جام وسبو ہے

بھروسا کہیں ہم کو کا بھی اپنے
کہ دوست سمجھے جو یہ بھی عدو ہے

جنون نے جو اخلاص جوڑا ہے مجھ سے
تو جامے مین میرے رفو پہ رفو ہے

جو کی صاف وہ زلف شانہ سے دل کے
تو پابند احسان ہو مو بمو ہے

ظفر دیر و کعبہ مین کیا ڈھونڈھتا ہے
وہ تجہین ہے جسکی تجھے جستجو ہے

دیگر

ظفر ہم جو اچھے نصیبون کے ہوتے
یہ کیون جوڑ ہم پہ رقیبون کے ہوتے

نہ یون دشت غربت مین آوارہ پھرتے
اگر دن بھلے ہم غریبون کے ہوتے

خدا سے ڈرو دوستی ہم سے رکھو
کہیں دشمن ایسے حبیبون کے ہوتے

وہ آہو نگہ رام ہوتا جو اپنا
تو کاہے کو چیتے رقیبون کے ہوتے

اگر درد دل کی دوا کچھ بتاتے
تو پھر ہم بھی قائل طبیبون کے ہوتے

محبت عیان اور پنہان عداوت
عجب رنگ برتاو حبیبون کے ہوتے

ادب یافتہ ہین جو روز ازل سے
وہ محتاج کب ہین ادیبون کے ہوتے

ترے حال مبنی سے سمجھے یہ نکتہ
کہ منبر ہین اونچے خطیبون کے ہوتے

ظفر خار پہلو مین کیون گل کے ہوتے
جو اچھے نصیب عندلیبون کے ہوتے

دیگر

کہتے ہین آج ہم بہت نادان کھول کے
راز نہان کو کیا کہیں ہر آن کھول کے

پہونچے عدو کہ بھیس مین شب جو ہم گھر ترے
مدت سے تجھ پہ مرتے ہین سن کان کھول کے

خورشید پہ اک ابر دھوندھار چھا گیا
پچھتائے در کو کیا ترے دربان کھول کے

کیون تجکو دیکھ تیر و کمان ڈھونڈھتا ہے تو
آیا وہ حشر پہ زلف پریشان کھول کے

خورشید حشر کا بھی ہو رخ زرد چارہ گر
مجھ سے تو کہدے یہ ترے قربان کھول کے

آنکھون کی اپنی تم کو قسم ہے کہ میرا حال
دکھلاؤن داغ سینہ گریبان کھول کے

آنکھون کی اپنی تم کو قسم ہے کہ میرا حال
دیکھو تو آنکھ تم کبھی اک آن کھول کے

کھل جائے مدعی پہ نہ کچھ مدعا مرا غیروں میں خط پڑھو نہ مری جان کھول کے

امید دید مصحف رخ میں ہمیں ظفر
ہر روز فال دیکھیے قرآن کھول کے

دوست ہے یا ہے عدو تو ہی تو ہے خواہ کچھ ہے جستجو تو ہی تو ہے
ذرا خورشید میں دکھلا رہا جلوہ روئے نکو تو ہی تو ہے
اے دل اسیر جانیوں کے واسطے کرتا رسوا کو بکو تو ہی تو ہے
کون ہے تیرے سوا دیکھیں جسے جلوہ گریاں چار سو تو ہی تو ہے
شدت گر یہ سے کھوتی چشم پر صاف میری آبرو تو ہی تو ہے
گر نہ تو ہوتی عجب آرام تھا رکھتی بیچین آرزو تو ہی تو ہے

بزم اعدا میں جلاتا شمع وار
یوں ظفر رکو شعلہ جو تو ہی تو ہے

دل سے جس طرح تری فوج مژہ لڑتی ہے کب جہان میں کوئی اسطرح سپہ لڑتی ہے
کیا بسر آئے ہجوم غم اعدو سے دل ایک بیچارے سے ایسی اتی سپہ لڑتی ہے
کونسا دن ہے کہیں مول لڑائی لیتے اک نہ اک شوخ سے ہر روز نگہ سپہ لڑتی ہے
زال دنیا بھی لڑاکا ہے بلا ہراک سے ہر جگہ بھڑتی ہے ہر ایک جگہ سپہ لڑتی ہے
آنکھ تیری ہے غضب ایک فقط کیا تجھے یہ ہزاروں ہی سے ایک غیرت مہ سپہ لڑتی ہے
گر برس جائے تو کیفیت مے نوشی ہے آنکھ مستوں کی سوئے ابر سیہ سپہ لڑتی ہے
اے ظفر ہم تو کسی سے نہیں لڑتے بھڑتے خلق ہم یوہیں بے جرم و گنہ لڑتی ہے

دیگر

جو فکر جاہ و حشمت و دولت میں پڑگئے وہ ہوشیار ہو چکے غفلت میں پڑگئے

مطلع ثانی

ہم جو کسی کے رنج محبت میں پڑگئے
بیٹھے بٹھائے کیسی مصیبت میں پڑگئے

میں نے تو اون سے دوستی کی تھی نہ دشمنی
میری طرف سے کیون وہ عداوت میں پڑگئے

کس طرح ہم سے وہ نکرین بے مروتی
اب اور ہی کسی کی مروت میں پڑگئے

دنیا کو ہم تو سمجھے تھے آرام کی جگہ
آ کر یہان کچھ اور ہی محنت میں پڑگئے

ہم کو جنون پھرائے گا کب تک برہنہ پا
پانون میں چھالے وادی وحشت میں پڑگئے

چلتا ہے کام جھوٹ ہی سے خوب آج کل
سچ بول کر ہم اور قباحت میں پڑگئے

چھٹتا نہیں ہے ہاتھ سے کیون اوسکے آئینہ
کیا اپنے عشق خوبی صورت میں پڑگئے

برقع کی اوسنے جالی سے جھانکا جب اے ظفر
سو رخنے زاہدون کی عبادت میں پڑگئے

ودیگر

جس کے جانب سے کل ڈھلے بیٹھے
وہین رہتے ملے بجے بیٹھے

نہ کسی کی نظر لگے سر شام
نہ رہا کچھے سر کھلے بیٹھے

پھرتے ہین جو ہو اے دنیا میں
وہ نہ بیٹھے نہ چلبلے بیٹھے

بول سکتا ہے کون اب اوسسے
وہ تو غصے میں ہین سلے بیٹھے

کوچہ یار میں جو ٹھٹھے ہین
ہم وہ سنتے ہین غلغلے بیٹھے

بحر ہستی میں ہم ہین یون جیسے
اوٹھے پانی پہ بلبلے بیٹھے

ترے سوز و گداز عشق سے ہم
سنگدل کیا ہی ہین گھلے بیٹھے

اوس گلی میں ہزار ہا ہم سے
ہین ظفر خاک میں رلے بیٹھے

واے غفلت عمر تو سب ناشناسون میں کٹی
اب کہیں کس منہ سے ہم نعمت شناسونمیں کٹی

اوسکے کوچے میں کہیں کوئی نہ قاصد کی کہیں
جو گھڑی ہم کو کٹی یان سو ہراسون میں کٹی

مانتا دل ہی نہیں ہی بن تیر اپنا اور کہیں
کونسی شب ہی کہیں جو دم دلاسونمیں کٹی

ساقی سے میں کا ترے آیا جو شب مذکور کچھ
خم پھر کیا کیا نہ بزم دل اوداسونمیں کٹی

ہم نہیں وہ اے صنم تیرے جو ہین ناحق شناس
ہے خدا کا شکر اپنی حق شناسونمیں کٹی

مجمع خون ریز خوبان مین بہت جاتا تھا روز گردن دل ایک دل خون کے پیاسو کیں کئی

اہل دنیا اے ظفر مست مے پندار ہین کیا کئی اوقات گران بد حواسو کیں کئی

دیگر

گرد ہین کب مانگ کے موسر پہ اوس خود کام کے سانپ بیٹھے گھیر کر رستے کو ملک شام کے

جو مریض چشم پر افسون ہین تیرے اے صنم وہ سدا رہتے ہین خواہان روغن بادام کے

دیکھ خال چشم ساقی کہتے ہین آپ سکین مست آن بیٹھی ہے مگس کوئی کنارے جام کے

کب چھپی اوسکے رخ روشن پہ ہے زلف سیاہ روے خورشید آ گیا برقع مین ہے یہ شام کے

چین ابرو دیکھ کہتے ہین مبصر تیغ شام کے واہ وا کیا خوشنما جو ہر ہین اس صمصام کے

سبزہ خط مین نرکتا خال پر یون مرغ دل جانتا گرزہر کا دانہ ہے نیچے دام کے

ہو گئے دیوان یک ہزار ویکصد وشا دارو اے ظفر رکھتے عدو ہین یہ تمہارے نام کے

دیگر

نہیں ہم آے یہان عشرت و طرب کے لیے بنے ہین حسرت و یاس و غم و تعب کیلئے

تمام عمر رہے ہو نحو چاٹتے اپنے جو ہوے خواب مین اک شب تمہارے لب کیلئے

جو بیٹھے کنج فراغت مین وہ نہیں رکھتے نہ شب کا دن کیلئے نہ دن کا شب کیلئے

خفا جو مجھ پہ ہے تو تو کیون رقیب ہنستے ہین کہ ایک دشمن ہوا پیار سب کیلئے

تمہارشیفتون کے کیا نہ تھے دل حیران جو مول آئینہ ہین آپ نے جلب کیلئے

دیکھا دیا ہے بہتیں کچھ کرشمہ اے ساقی خراب پھرتے ہین وہ دختر عنب کیلئے

یہیں جو کام نہ آیا تو ممسکون نے ظفر کیا ہے جمع زرو مال پھر یہ کب کیلئے

دیگر

بگولہ کب سر صحرا تہ افلاک پھرتا ہے کوئی مجنون ہے یہ سر پر اوڑتا خاک پھرتا ہے

پھرائے لاکھ بک سر اپنا ناصح نادان ذرا سمجھے کوئی کافر دل غمناک پھرتا ہے

چڑھے ہے دختر رز دیکھے کب دامن پہ ساقی کہ مدت سے ہر اک مسکش لگائے تاک پھرتا ہے

پھر آتا ہے اگر کوچے سے تیرے جیتے جی کوئی
خدا کے گھر سے وہ تو اے بت بیباک پھرتا ہے

خدا جانے قضا آئے گی کس کس خون گرفتہ کی
لیے جو ہاتھ میں شمشیر وہ سفاک پھرتا ہے

ہوئے ہیں سبزہ کوہ دشت یکسر جو ترا عاشق
برنگ ابرتر بادیدہ نمناک پھرتا ہے

ظفر تو ہے سمجھتا رلدہ درگاہ حق اوسکو
ترے در سے جو کوئی اے شہ لولاک پھرتا ہے

تجکو بھی کچھ خبر ہے مرے تین روز کی
یاں کیونکہ ہم نے زیست بسر تین روز کی

گر تین سال میں بھی ادا ہو تو جلد ہو
کہیے حقیقت اپنی اگر تین روز کی

گر تین پل کی بھی ہو مسافت تو ضعف سے
آتی ہے ہم کو را ہگذر تین روز کی

یکسان چمک دمک ہے سدا روے یار کی
تیری فقط چمک ہے قمر تین روز کی

کیاہوتا چار دن کی جو ہوتی حیات اور
یہ کچھ ہے زندگی یہ بشر تین روز کی

کچھ بھی ہوا دو اے تری فائد طبیب
کہنے سے تیرے ہم نے اگر تین روز کی

چاہوں جاؤں جس طرح ہے اوس مہ جبین کو خط
مہلت ہے قاصدن کو ظفر تین روز کی

جو اک ترے مریض جدائی کے ساتھ ہے
یہ غم صنم نہ ساری خدائی کے ساتھ ہے

مطلع ثانی

ہوتی کہاں بھلائی کے ساتھ ہے
کچھ نام نیک ہے تو بھلائی کے ساتھ ہے

دیکھا نہ آفتاب میں سے ماہتاب میں
جو نور تیرے جلوہ نمائی کے ساتھ ہے

جب ہے ہنر نہ عیب کسی پر ذرا کھلے
کارندگی تو کاروائی کے ساتھ ہے

اتنی سمجھی برائی تو دل بھی نہ تھا پھرا
پھر جانا جی کا جی ہی میں آئی کے ساتھ ہے

پی جائے سن کے لاکھ نہ منہ سے جواب دے
کب ہو کسو سے ہوتا بھلائی کے ساتھ ہے

اون سے جو بات چیت تھی قول و قرار کی
سب اوڑ گئی وہ بار ہوائی کے ساتھ ہے

مستون کے ساقیا جو نشون کے اتار میں ہین
منہ کھولتا ہر ایک جمائی کے ساتھ ہے

دل میں جو گل جھڑی ہے پڑی کب یہ اے ظفر — کھلتی کسی کی عقدہ کشائی کے ساتھ ہے

دیگر

مر مر کے شب ہیں کیا ترے بیمار کاٹتے — یوں بھی ہیں اک عذاب میں بیمار کاٹتے

کرتا سوال بوسہ ابرو جو ان دنوں سے میں — سر میرا لیکے وہ ابھی تلوار کاٹتے

لے جاتا اوسکے کوچہ میں قاصد جو خط مرا — کوچے ہی وہ بتا کر خطا وار کاٹتے

آگاہ کچھ جو موت سے ہوتے تو عمر کیوں — غفلت میں مست بادہ پندار کاٹتے

وعدہ خلاف کیا ہی ترے انتظار میں — اک ایک ہم گھڑی ہیں بدشوار کاٹتے

واجب ہے کہ پس زبان ہی ایسوں کی کاٹتی — جو بات منہ سے ہوں دم گفتار کاٹتے

جو سنگ صفت ہیں تیک صفا تو کو اے ظفر
دنیا میں ہر طرح سے ہیں ہر بار کاٹتے

کون تھا گھر میں ترے کیوں بت بے پیر کھلی — صبح تک شام سے جو در کی نہ زنجیر کھلی

قتل کا کس کی ہوا آج ارادہ قاتل — تو جو پھرتا ہے لیے ہاتھ میں شمشیر کھلی

پڑگئی جو دل میں اوسکے مری جانب سے گرہ — نہ برنگ گرہ غنچہ تصویر کھلی

دل ہوا اور بھی پابند سلاسل اپنا — پیچ شانہ سے جب زلف گرہ گیر کھلی

بند افیار پھر اک بات میں ہو جاتے — گر کبھی اپنی زبان بھی دم تقریر کھلی

ہم نے تحریر کیا تھا جو اوسے راز نہاں — والے قسمت کہ وہاں سب پہ وہ تحریر کھلی

یارو افیار وہاں بند ہوئے جاتے ہیں
اے ظفر کچھ تو مری آہ کی تاثیر کھلی

ہوں بھلا میں یا برا کچھ ہوں بلا اپنے لیے — پر کہے کوئی جو کچھ پھر اوسکو کیا اپنے لیے

ہے خدا شاہد کہ ہم نے ان بتوں کے عشق میں — کچھ کہیں دکھا ہے باقی جز فنا اپنے لیے

دوستو پوچھو نہ کچھ رنج نہاں کیا کیا ہوئے — ہو کر اس پردہ نشین پہ مبتلا اپنے لیے

غیر کو دل کو یکر دیں اسمیں نظر آتا ہے یار — ہم نے یہ آئینہ رکھا ہے صفا اپنے لیے

وہ صنم و اور ہم ہون عافیت کی جائے ہو
ہمدمو مانگو خدا سے یہ دعا اپنے لیے

جانتے سنم اگر خالی پڑے رہ جائینگے
پھر بناتے کیون مکان وہ جابجا اپنے لیے

مغز کھاتا پھر نہ بک بک کر اگر تو جانتا
ہین محبت مین مرے جو ناصحا اپنے لیے

مجھ سے سب راضی رہین گو مجھکو ہو سب سے رنج
دمبدم کرتا ہون حق سے التجا اپنے لیے

اے ظفر کچھ تو مزا ہے ہم جو دیگر دل اوسے
یون گوارا کرتے ہین جو رو جفا اپنے لیے

دیگر

کہیں ٹپکا پسینا اوسکی زلف پرشکن سے ہے
جھڑا زہر اب ہے مارسیہ کے یہ دہن سے ہے

کہا کی آتش غم دل مین بھڑکی ہے خدا جانے
نکلتا جو دھوان اک ایک اپنے موے تن سے ہے

ہوا سے زلف الجھیون دروش صنم پر ہے
کہ جیسے سانپ کالا کھیلتا یہ اپنے من سے ہے

بدن پر اس لیے دو چار گل ہر روز کھاتے ہین
کہ تا معلوم ہو الفت امیناک گلبدن سے ہے

پہنتا بالک کے چھلے جو ہے دست حنائی مین
تو جانا شوق اوس رنگین ادا کو بانکپن سے ہے

مہ نو ناخن پا سے ہے جس کے صاف شرمندہ
تجلی عقد ثریا بھی اوسی کے نور تن سے ہے

ابھی چھپتی پھرے گی ابر کے پردے مین تھرا کر
مقابل برق ہوتی کیا اس آہ شعلہ زن سے ہے

زمانے مین جو کہلاتے ہین شاعر آج کل اچھے
ظفر رتبہ ملا انکو ترے فیض سخن سے ہے

دیگر

تری صورت جو پھرتی اے نگار آنکھوکے نیچے ہے
تو جوش اشک خون سے لالہ زار آنکھوکے نیچے ہے

مطلع ثانی

جو رہتی اپنی زلف مشکبار آنکھوکے نیچے ہے
تو گویا ہند اور ملک تتار آنکھوکے نیچے ہے

تصور جو کسی کی سرمئی آنکھوںکا رہتا ہے
تو اپنے آگیا صاف اک غبار آنکھوکے نیچے ہے

خیال اوس نوک مژگان کا کہیں جاتا کسی صورت
ہمیشہ اک کھٹکتی رہتی کٹار آنکھوکے نیچے ہے

کہیں کو دیکھتے تجھ کو اسی سے دل کو ہے تسکین
تری صورت تو لیل و نہار آنکھوکے نیچے ہے

نظارے آہ ہوتے تھے بہار حسن کے کیا کیا
وہی رہتا سما اے گلعذار آنکھوکے نیچے ہے

جو نکلے ہے مرے دل سے کڑک کر نالہ سوزاں
جو جاتی کوندھ اک بجلی سی یار آنکھوں کے نیچے ہے

لگاتا تیر مژگاں کیوں کہیں تو دل پہ صید افگن
کہ تیرے آ گیا یہ تو شکار آنکھوں کے نیچے ہے

ظفر اوس غیرت گلزار کو جب دیکھتا ہوں میں
تو پھر جاتی مری کیا کیا بہار آنکھوں کے نیچے ہے

کیا اوس سے کوئی اس دل مضطر کو پھیر دے
مقدور ہے کسے جو مقدر کو پھیر دے

آئے بھی وہ ادھر تو یہ برگشتگی بخت
اولٹا ہی راہ میں سے اوسے گھر کو پھیر دے

بیداد پھیرتا ہے جو ہم سے نگاہ تو
لا کر گلے پہ اوس سے تو خنجر کو پھیر دے

زیر زمیں بھی دل کی طپش میری کیا عجب
پھرکی کی طرح گور کے پتھر کو پھیر دے

مسجد میں وہ کرشمہ دکھا دے تو واعظا
کعبہ کی سمت سے ترے منبر کو پھیر دے

اتنی بھی شرح شوق بڑھا کر نہ لکھ دلا
ایسا نہو کہ وہ ترے دفتر کو پھیر دے

میدان میں سخن کے ظفر رستم زماں
کس طرح وہ نہ روئے سخنور کو پھردے

طاقت کہیں پھرنیکی ہے عادت لیے پھرتی
یا محو مجھے ہے میری ہمت لیے پھرتی

اے پردہ نشیں خواہش دیدار میں تیری
ہے کوچہ بکوچہ مجھے حسرت لیے پھرتی

مانند صبا کوہ و بیاباں میں ہوں پھرتا
چہک ہے مجھے گردش قسمت لیے پھرتی

بتاتے ہیں جس جائے پہ سو طرح کی کھٹکے
ہے مجھکو وہیں دیکھنا الفت لیے پھرتی

فانوس خیالی ہے فلک اس میں جہاں کو
دنیا کی ہوا ہے اسی صورت

دنیا کی طلب ہے جنہیں وہ جیتے کب ہیں
ہر دم انہیں ہے اس کی محبت لیے لیے پھرتی

ہشیار وہی خوب ہیں جو گوشہ نشیں ہیں
اک ہم ہیں کہ ہے ہمکو یہ غفلت لیے پھرتی

یاں ضعف سے ہے دشت نوردی کے کسے تاب
پر جوش جنوں کی ہے رفاقت لیے پھرتی

کیا جانے ظفر جیسیں میں آہو کے سے ہے
اوس چشم سیہ مست کی وحشت لیے پھرتی

دیگر

نظر پھر آج شکل نامہ بر دو دن کے بعد آئی
خدا جانے کہ واں کی کیا خبر دو دن کے بعد آئی

ترے ہاتھوں سے آفت اے دن آ چکی عاشق پر
نہ آئی آج گر اے فتنہ گر دو دن کے بعد آئی

کہی تحقیق میں جو بات ہم نے تجھے اول دن
وہی پیش لیول شو دیدہ سر دو دن کے بعد آئی

زہے قسمت کہ میں دو دن نجاؤں اور وہ پوچھیں
کہاں تھے آپکی صورت نظر دو دن کے بعد آئی

بہت بیکل تھا میں دو دن سے تجھ بن بارے تو آیا
مجھے کل آج اے رشک قمر دو دن کے بعد آئی

جو دو دن پہلے آئی تھی بلا دل پر محبت میں
وہ آخر ستمگر جان پر دو دن کے بعد آئی

بہار گل ہے دو دن پھر اوڑیگی خاک گلشن میں
خزان جس وقت اے باد سحر دو دن کے بعد آئی

اجل جس دن وہ جائے تو اوسی دن پاس آ میرے
کہ ہوگی زندگی مشکل اگر دو دن کے بعد آئی

قیامت ایکدن اوس جلوہ قامت سے آئی ہے
اگر دون دن نہ آئی اے ظفر دو دن کے بعد آئی

دیگر

بتوں پر جان ہے جاتی خدا مارے کہ چھوڑے
انہیں کی طرز ہے بھاتی خدا مارے کہ چھوڑے

دل و جان دین و ایمان دین صنم تجکو تو اچھا
یہی اب دل میں ہے آتی خدا مارے کہ چھوڑے

بجز بزم بتان دشمن دین و دل و جان
کوئی صحبت نہیں بھاتی خدا مارے کہ چھوڑے

سوا اسکے کہ دین ہم مایہ دین اوس صنم کو
نہیں کچھ اور بن آتی خدا مارے کہ چھوڑے

لگاوٹ دختر رز سے کرین کے زاہد پھر
کہ کیفیت ہے دکھلاتی خدا مارے کہ چھوڑے

چلیں کیونکر نہ ہمکعبہ سے اوٹھکر بت کدہ کو
یہ الفت ہے ادھر لاتی خدا مارے کہ چھوڑے

ظفر کوئے بتان میں پھر انہیں جانا پڑا اب
طبیعت پھر ہے گھبراتی خدا مارے کہ چھوڑے

ارادہ اور ہے کچھ دل میں لاتا برزبان ہے
کریں کیا اعتبار اوسکا عیان کچھ ہے نہان کچھ ہے

لکھا تو اوسنے کچھ خط میں کہا قاصد سے کچھ اور
تماشا ہے کہ وہ آکر یہاں کہتا بیان کچھ ہے

نکیوں سنسان گھر بے یار ہووے اپنی نظروں میں
نہو جب تک مکین ہوتی بھلا زیب مکان کچھ ہے

سمجھے ہو دماغ اپنا تو ہم چرخ چہارم پر
سنا جب سے کہ وہ دلدار ہم پر مہربان کچھ ہے

خدا جانے کریگا خون کس کس خون گرفتہ کا
دکھاتا رنگ لب پراور ہے وہ رنگ پان کچھ ہے

ترے رخسار رنگین کو جو دوں تشبیہ میں گل سے
حقیقت گل کی تیرے سامنے غنچہ دہان کچھ ہے

بیان رنج و غم فرقت وہاں فکر قیامت ہے
ظفر آرام کی صورت نہ یاں کچھ ہے نہ واں کچھ ہے

ودیگر

جو کچھ میں نے شکوے پہ اپنے نکالے
کہا پھر یہ تو نے فسانے نکالے

بہاتے جو دیکھا مجھے اشک اوسنے
تو بولا نئے یہ بہانے نکالے

ہوئے عاشقوں پہ وہ برہم تو گھر سے
گئے سب نئے اور پورانے نکالے

جو ہیں لاکھوں ہی داغ سینے پہ اپنے
دیے عشق نے یہ خزانے نکالے

ترے تیر رہتے ہیں دل میں جگر میں
کماندار اچھے ٹھکانے نکالے

جو صد چاک دل اپنا دوں پھر نشانہ
وہ گل آمیسو شانہ شانے نکالے

جو اک بوسہ مانگا تو جھلا کے مجھ پہ
ظفر دیدے اوس پہ جفا نے نکالے

ودیگر

آتے آتے وہ ادھر کیوںآج تھم کے رہ گئے
کیا کہیں رستے میں اوسکے پانوں جم کے رہ گئے

تو نے کی جلدی جو قاصد ہم نہلکھنے پائے خط
ست پتا کر ڈھونڈنے ہی میں قلم کے رہ گئے

سیر ہو کر اس غذا سے چلدیئےفرہاد و قیس
کھانے والے رہ گئے تف ہم ہی غم کے رہ گئے

کیوں رقیبوں پہ نہیں کرتے جفا کیا مرگئے
سننے والے اک ہمیں ہوکے ستم کے رہ گئے

آکے ہم ان دھمکیوں میں رہ چکے الفت سے باز
تیرے دھمکانے سے نا حق جو کر دم کے رہ گئے

دور گردوں سے کبھی کا جام جم ٹوٹا گیا
ایک افسانے سے یونہیں جام جم کے رہ گئے

رو برو اوس قامت رعنا کے کیا ہی شرم سے
سر جھکا کر سرو سب باغ ارم کے رہ گئے

ہمرہوں نے کی بہت جلدی کر آگے چلدیے
ہم تو یاں مشتاق ہی ملک عدم کے رہ گئے

ہیں کہاں بندے خدا کے سچ اگر پوچھو ظفر
اب تو بندے ہی فقط دام و درم کے رہ گئے

ودیگر

خیال ایسا کسی کا اندنوں ہم کو ظفر کچھ ہے
جدھر دیکھیں سوا اوسکے نہیں آتا نظر کچھ ہے

مطلع ثانی

خراش ناخن دست جنون کا پھر اثر کچھ ہے
کہ پھر تازہ ہوا زخم دل و زخم جگر کچھ ہے

فزون تو ہو یہان رغبت دہان اوسکو بڑی نفرت
تری تاثیر اے الفت ادھر کچھ اور ادھر کچھ ہے

خط اوس نو خط کو تو پہونچا نہ پوچھ اوسمین لکھا کیا ہے
تجھے کیا پوچھنے سے کام لکھا نامہ بر کچھ ہے

کبھی اک رنگ پر نقشہ ترے بیمار ہجران کا
گھڑی کچھ دو گھڑی ہے پہر کچھ دوپہر کچھ ہے

سر مژگان جو لخت دل نظر آے تو مین سمجھا
مرے نخل تمنائین لگا بارے ثمر کچھ ہے

جو کرنا ہے تجھے منظور کر لے آج تو غافل
کہ کل کیا جانے کیا ہوگا تجھے کل کی خبر کچھ ہے

ہماری اور اوسکی کیون نہ پھر ہر بات پر بگڑے
اوسے منظور کچھ ہے اور ہمیں مدنظر کچھ ہے

جو خال روکو اوسکے دیکھتا ہون تو کہتا ہے
مقرر دال مین اب کالا کالا اے ظفر کچھ ہے

نصیبا جب مرا اچھا تھا اور تقدیر اچھی تھی
مری ہر بات اچھی تھی ہر اک تدبیر اچھی تھی

مقابل جب رخ روشن کے تیرے رات کو دیکھا
نہ ہرگز روشنی ماہ پر تنویر اچھی تھی

جو دیکھے تیغ ابرو کو ترے منہ سے نہ پھر کھودے
کہ مسجد مین پری کی ہنستی کیا شمشیر اچھی تھی

ہمین کہتے ہوئی جاتے ہین منعم حسرت و غم مین
یہ کیا اچھا مکان تھا اور یہ کیا تعمیر اچھی تھی

ہمارے روبرو گروہ کبھی کچھ سرخرو ہوتا
کھینچی مانی سے کسدن یار کی تصویر اچھی تھی

کٹا سر شمع سرکش کا جوا اوسکے رو برو اچھا
نہ باد نخوت اسکے حق مین اے گلگیر اچھی تھی

ستم گر ساتھ تیرے اچھے اچھے تھے کھنچے آتے
کشش مین اس دل مضطر کی جب تاثیر اچھی تھی

وصال یار دیکھا تھا ہوا ہمدم وصال اپنا
ہمارے خواب کی بھی واہ کیا تعبیر اچھی تھی

عطارد چوم لیتا کیا عجب گر ہاتھ کو تیرے
عبارت تیری اچھی تھی ظفر تحریر اچھی تھی

دیگر

مے کا ذرا بھی ساقی گر تار ٹوٹ جائے
تار نفس ہی اپنا یکبار ٹوٹ جائے

دل کی جو ہے کدورت مجھ مین اور اوسمین حائل
یہ درمیان سے یارب دیوار ٹوٹ جائے

قاتلا گر دکھائیں ہم سخت جان اپنی
رہ جائیں ہاتھ تیرے تلوار ٹوٹ جائے

توڑے پہاڑ کو تو جوں شیشہ اک نفس میں
دہشت اگر نہ تیری اے یار ٹوٹ جائے

نوک مژہ کھٹکتی یوں دل میں ہے ہمارے
پاؤں میں کوئی لگ کر جوں خار ٹوٹ جائے

الفت بلا بتوں کی میرے گلے پڑی ہے
یارب کسی طرح یہ زنار ٹوٹ جائے

کیا کیا غضب نہ ٹوٹے پھر وصل میں ظفر پر
اوسکے گلے کا اوس سے گر ہار ٹوٹ جائے

دیگر

گو ہم کہیں وہ ابروے خمدار چومتے
پر ہیں دہان زخم سے تلوار چومتے

کس کو ہے بوسہ در کعبہ کی آرزو
اے شیخ ہم ہیں سنگ دریار چومتے

توقیر یہ جنون نے مجھے دی کہ دشت میں
ہر گام پر قدم ہیں مرے خار چومتے

دیتا ہے جام بادہ تو کس کس مزے سے ہیں
ساقی کے ہاتھ بعد قدح خوار چومتے

کرتے ہیں وہ چمن میں قدم رنجہ گر کبھی
جھک جھک کے پاؤں میں گل گلزار چومتے

کیا کیا نہ تیری حسرت پابوس میں ہم آہ
نقش قدم کو ہیں ترے ہر بار چومتے

زاہد ہیں چومتے حجر الاسود اے ظفر
اور ہم ہیں خال عارض دلدار چومتے

نظروں میں ترے رخسار اے سیمبر تلتے
فلک پر جس طرح میزان میں ہیں شمس و قمر تلتے

تری ناز و ادا کا پھر کوئی انداز کیا جانے
جو میزان خرد سے بھی نہوں اے عشوہ گر تلتے

وہ جب حل بیٹھتے ہیں تو تصدیق اوسپہ ہو نیکو
دل عشاق ہیں اوکی برابر جوں گہر تلتے

ترے وحشی اگر بازار وحشت گرم کر دیتے
تو پھر کانٹوں میں کانٹے قدر سے کس کس قدر تلتے

یقین ہے پلہ میزان بھی جھکتا بوجھ کے مارے
مرے بار گنہ بازار محشر میں اگر تلتے

در دندان ترے کان ملاحت اپنی نظروں میں
یونہیں تلتے ہیں ہوں جسطرح کانٹے میں گہر تلتے

مرے انبار عصیاں گر کوئی تولے تو کیا تولے
کہیں کوہ گراں بھی ہیں کسی سے اے ظفر تلتے

دل جو تیرا اسے بت بے پیر اکچھ اور ہے
رکھتا نالہ بھی مرا تاثیر ہی کچھ اور ہے

کند ہو تیغ قضا کیونکر نہ ہوسکے سامنے
تیری قاتل تیری شمشیر ہی کچھ اور ہے

دل تو کہتا ہے کہ تو کچھ وصل کی تدبیر کر
او رمجھ سے کہہ رہی تقدیر ہی کچھ اور ہے

ہے وقار اہل جاہ و حشمت دنیا کچھ اور
اور اہل فقر کی توقیر ہی کچھ اور ہے

کیا تماشا ہے کہ تو کرتا بیان ہے اور کچھ
اور ارادہ کر رہا تقریر ہی کچھ اور ہے

خاک کوئے یار کو ہم کیون نہ سمجھیں کیمیا
اور خط میں نامہ بر تحریر ہی کچھ اور ہے

کھاتے ہیں جو نے شکر کی طرح خوش ہو ہو کے ہم
ہم کو دیتا اک مزا وہ تیر ہی کچھ اور ہے

اے ظفر کیونکر یہان تک آسکے وہ پردہ نشین
وان حیا کے پاؤن میں زنجیر ہی کچھ اور ہے

دیگر

دون کیا سینہ سوزان پر اشکون سے تریڑے پانی کے
یان ہے توے پر بونک اگر ہون لاکھ ڈریڑے پانی کے

چلتے ہیں کیون موج کے مانند اوبل اوبل کر ہر اک سے
غور کرین تو بلے ہیں یہ پالا کر تھپیڑے پانی کے

جوش بحر اشک سے گر کر آخر کو ہم ڈوب گئے
جم نہ سکے یہ زور سے اپنے پاؤن اوکھڑے پانی کے

ہان اے جوش گریہ چڑھا دے ایسا دریا اشکون کا
موج تلاطم روئے فلک پر مارے تھپیڑے پانی کے

کس کی صراحی کیسا پیالہ ایک ہی چھاگل پانی ہے
رکھتے کہیں درویش نیاہد ساتھ بکھیڑے پانی کے

دریا جوش گریہ سے گر اے چڑھے اک لحظہ میں
بہتے پھرین افلاک بھی اوپر جیسے بیڑے پانی کے

عشق نے ایسی آگ لگائی دل میں پھر وہ بجھ نہ سکی
بھر بھر کر مشکیزہ ہزارون ہم نے نبیڑے پانی کے

تجھ بن اوتری بوند گلے سے میرے اوبل کر رگ رگ ہین
حلق سے لیکر سینہ تک ہے سوا ادھیڑے پانی کے

زلف عرق آلودہ کو چھیڑا دل نے یون بے بیم و ہراس
ہو کے نڈر جس طرح سے کوئی سانپ چھیڑے پانی کے

نہ پانی ہے سخن کی مشکل یون تو زور طبیعت ہے
ہم نے ظفر اس بحر میں مضمون خوب ہی چھیڑے پانی کے

وہ بت مہ جمال اور ہی ہے
اوسمین دیکھا کمال اور ہی ہے

تیرے بیمار ہجران کا ظالم
آج کہتے ہین حال اور ہی ہے

تیرا ابرو کہان لال کہان
مہ جبین یہ ہلال اور ہی ہے

مانگتا ہو جو بوسہ در پردہ — اوسنے میرا سوال اور ہی ہے

کیوں نہ ہو درد سر انہیں واعظ — کہ تری قیل و قال اور ہی ہے

کیا سبب رنج کیوں تجھے ہر دم — اے دل پر ملال اور ہی ہے

جاتا ہے تو جو خواب دشمن میں — جی میں آتا خیال اور ہی ہے

دیکھ کر تیری زلف مہر لقا — دل پہ آیا وبال اور ہی ہے

اے ظفر اس سے کیا رہائی ہو — یہ محبت کا جال اور ہی ہے

دیگر

داغ اوس غیرت چمن پر ہے — جس کے چھلے کا گل بدن پر ہے

ہے سر سید یہ نگیں کوئی — خال اوسکے نہیں ذقن پر ہے

کیوں نہیں یار بولتا ہم سے — خال لب مہر کیا دہن پر ہے

دست جاناں میں ہے یہ ڈورا — سانپ یا شاخ یاسمن پر ہے

اوسکی چشم سیاہ آہو گیر — ہنستی کیا کیا سدا ہرن پر ہے

کھائیں گے تو طرح کے ہاتھ پہ گل — دھیان اوس گل کے نور تن پر ہے

کیوں نہ وہ ہم سے ہوں ظفر ٹیڑھے — ناز انہیں اپنے بانکپن پر ہے

دیگر

وصل کے دن جو گذرتے تھے وہ ہر کونسے تھے — ساعتیں کونسی تھیں اور پہر کونسے تھے

تھے جو مہتابی پہ شب کو ترے جلسے میں شریک — مشعلیں ایسے وہ اے رشک قمر کونسے تھے

دل پہ صدمے رخ و گیسو کے تصور میں نہ پوچھ — شام کو کونسے تھے اور سحر کو نسے تھے

جب نشان بھی نہو جوں نقش قدم یاں باقی — کون پھر جانے کہ کس کس کے تھے گھر کونسے تھے

منہ سے کہیے بھی اگر اب تو سمجھتے ہی نہیں — جانتے دل کو جو تھے بات بشر کونسے تھے

کیوں ان آہوں میں نہیں اب ہے الٰہی تاثیر — پہلے وہ نالے جو رکھتے تھے اثر کونسے تھے

کھیل اور کود میں جو اپنی بسر ہوتی ہے — عہد طفلی کے وہ دن ہائے ظفر کونسے تھے

دیگر

بظاہر ہم سے ملتا فتنہ گر کج ہے تو یوں ہی ہے
کہ جس کے دل میں شر ہو وہ بشر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

ابھی ہوتی صفائی ہے وہ جو آئینہ رو آ ئے
مرے دل میں کدورت بھی اگر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

خدا جانے کہ بچھڑیں یا نہ بچھڑیں رات بھی ہم تو
شب فرقت میں امید سحر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

عبث خوش غیر ہوتے ہیں مری اوسکی لڑائی کیا
اگر آزردگی بایکدگر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

زبانی جس طرح ہم نے کہا تجھ سے کہ یوں کہنا
حقیقت خط میں بھی اے نامہ بر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

یقین ہوتا اگر اوسکو تو اب تک کیا نہ وہ اتے
ہمارے حال کی اوسکو خبر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

لڑائیں غیر سے آنکھیں نہ کیونکر سامنے میرے
کہ اوس بیدید کو مد نظر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

ملائیں آسمان کو ہوں جو دل میں کارگر ہو سکے
مرے نالوں میں اے ہمدم اثر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

بتاتے ہو اسے جھوٹا بتو ساری خدائی کا
انا تم کہتے ہو سچ سچ ظفر کچھ ہے تو یوں ہی ہے

دیگر

جو وقت سرمہ اوس مژہ تر کی نوک ہے
چبھتی جگر میں بن کے وہ نشتر کی نوک ہے

کیا کیا خلش کرے اس دل مجروح میں مرے
پیکان تیر شوخ ستمگر کی نوک ہے

فرہاد سے جو عشق کی رہتی ہے نوک جھوک
جو نوک تیغ بن گئی پتھر کی نوک ہے

رہتا ہے مجکو گوشہ ابرو کا جو خیال
دل کی کریدتی مرے خنجر کی نوک ہے

آتا ہے ذکر نوک مژہ جب زبان پر
کٹتی زبان عاشق مضطر کی نوک ہے

کیا جان نوک چوک سے لکھتا ہے کس کو خط
جو یوں نکلتی خامہ دلبر کی نوک ہے

جو نوک خار دل میں کھٹکتی مرے ظفر
مژگان چشم شوخ فسونگر کی نوک ہے کی نوک ہے

دیگر

یہ خنجر ہے گلو قاتل بد خو دالے
پر مجھے کاش وہ اپنے تہ زانو دابے

کیونکہ دب جائیں نہ ہم زیر گر انباری غم
مجھے اسطرح جو بیٹھے تار پہلو دابے

چارہ گر زخم دل اپنا جو دکھاؤں تجکو
اونگلی دانتوں کے تلے اپنی ابھی تو دابے

تجھے منظور ہوئی خانہ خرابی کس کی
لکھ کے تعویذ جو صحرا میں پہ یہ دابے

قتل گر مجکو کیا اوسنے بلا سے لیکن
لاش کو میری وہ اپنے ہی سر کو دابے

کثرت لالہ و گل سے ہمیں معلوم ہوا
لاکھوں ہی چرخ نے ہیں خاک میں گلرو دابے

کیا تماشا ہے ظفر غیر تو بالکل نہ دبیں
اور ہر بات پہ مجکو وہ خفا جو دابے

دیگر

نہیں جو دسترس اپنی بہت پردہ نشیں تک ہے
تو اک در پردہ صدمہ سے بجان حزیں تک ہے

مطلع ثانی

پہونچ کیا فائدہ نالوں کی گرچہ چرخ بریں تک ہے
رسائی جب انہیں لیول نہ گوش مہ جبیں تک ہے

دل بیتاب کرتا ہے جو نالہ تو ہلا دیتا
زمیں سے آسماں تک آسماں سے یہ زمیں تک ہے

ترے یہ ناز بیجا اے صنم پھر کون اوٹھائیگا
خدا شاہد ہے تیری ناز برداری ہمیں تک ہے

پڑا رہ جائیگا اب کچھ نہیں جس وقت دم نکلا
بکھیڑا ہے جو ترے ساتھ اے غافل یہیں تک ہے

نہ رفتہ رفتہ طفل اشک دامنگیر ہوا اپنا
نکلتے ہی جو پہونچا چشم سے یہ آستیں تک ہے

گیا لطف سخن تو ذوق ہی کے ساتھ دنیا سے
جو تھوڑا سا رہا ہے اے ظفر کچھ تو ہمیں تک ہے

وفور گر یہ خط روز بے قیاس مٹے
مٹے نہ قاصد و دس پانچ پچاس مٹے

لکھا جو مژدہ وصل اوسنے خط میں ہی ہمکو
تمام حرف رقم میں ہیں پاس پاس مٹے

عجب مرے سے بسر زندگی پھر اپنی ہو
ورق سے دل کے جو نقش امید و یاس مٹے

ابھی ہی جلد کہیں قتل کر چکے وہ صنم
بلا سے دل کا مرے یہ کہیں ہرا مٹے

ستائے لاکھ ظفر آسمان کج رفتار
کبھی نہ جوہر مرد خدا شناس مٹے

دیگر

یونہیں سی گرچہ موج ہوا تیز روی ہے
مجنوں سے تیرے پہ نہ سوا تیز روی ہے

لاکھوں ہی سر اوڑائے جو پل میں عجب کہیں — تیغ نگہ یار بلا تیز روی ہے
سرگرم امتحان ہوئے بارہا جو ہم — برق جہان لیں آہ زرا تیز روی ہے
بڑھ کر ہے اس سے گردش چشم بتان کہیں — گو آسیا سے چرخ دلا تیز روی ہے
پائی حقیقت دل دیار ہے کیا اسے — جو موج جستجو میں سدا تیز روی ہے
گلگون ناز سے ترے آگے نہ بڑھ سکے — گلزار میں ہزار صبا تیز روی ہے
بحر جہان میں کشتی عمر روان ظفر — چلتی ہے باد سے سوا تیز روی ہے

دیگر

نہ گفتگو میں زرا شوخ مہ جبین سے رکے — اگر رکے بھی تو اغیار کچھ ہمیں سے رکے
لیا پیے بوسہ رہے وہ نہیں نہیں کرتے — غضب ہے ہم بھی نہ اونکی نہیں نہیں سے رکے
نکل کے چشم سے پہونچے ہیں تا سر دامن — نہ ایک لحظہ بھی آنسو تو آستین سے رکے
جو ہوسکے ڈھیر پہ آجائے تو ابھی نکلے — نہ تیرا کشتہ صنم پردہ زمین سے رکے
گئے ہیں ہائے غضب اوٹھکے میرے پہلو سے — نہ وہ مرے کسی ہمدم نہ ہمنشیں سے رکے
رہے ہمیشہ اوڑاتے اس آسمان کے دھوئیں — نہ ایک روز بھی نالے دل حزین سے رکے

کہو جو اوس سے ظفر وصل میں چنین و چنان
نہ کیون کہ آپکی وہ اس چنان چنین سے رکے

دیگر

شمشیر یار تا گلو آکے پھر گئی — کیون بن بچے تو میرا لہو آکے پھر گئی
ہر گشتگی بخت تجھے یہ بھی کہ ہجر میں — اے موت لاکھ بار جو تو آکے پھر گئی
قاتل نہ آگے بوالہوسون کا بڑھا قدم — اک خلق تیر تا سر کو آکے پھر گئی
دیکھا جو ماہ کو ابرو کی تیری شکل — آنکھون میں اپنے عربدہ آکے پھر گئی
جان لب پہ لاکھ بارہان انتظار میں — اے مست غفلت آیا نہ تو آکے پھر گئی
عارض کے رو بروئے ماہ دو ہفتہ پہ — اپنی طبیعت آئینہ رو آکے پھر گئی

تدبیر گھر میں یار کے جانے کی اے ظفر
آئی بھی گر سمجھ میں کبھو آ کے پھر گئی

صیاد نے گل اچھے باعث جلن کے کترے
فصل بہار میں پر مرغ چمن کے کترے

وحشی چشم تیراک جست میں عجب کیا
کان آہو ان دشت چین وختن کے کترے

جب جانے دختر رز کچھ تیز ہے کہ یارو
سب موئے ریش شیخ پر مکر و فن کے کترے

تار نفس ہمارا سو جائے ہو بریدہ
اے سیمبر جو ڈورے تو نے تن کے کترے

مقراض آہ و نالہ اپنی عجب کہیں کیا
موئے خطوط مہر چرخ کہن کے کترے

تحریر کیا وہ مضمون بے جا ہوئے تھے ایسے
خط تو خطو جو تجھے اس خستہ تن کے کترے

دست جنون عجب کیا لاشہ پہ بھی جو میرے
اے ہمدمو کوئی گل میں نے کفن کے کترے

صیاد خاک ہو پھر ہمکو ہوائے پرواز
پر ہی گئے اسیر دام محن کے کترے

اللہ رے تمہاری یہ تیزی طبیعت
تم نے تو اے ظفر کان اہل سخن کے کترے

دیگر

شفق گر رنگ پان سے اے مہ خود کام بھولی ہے
تو مسی کی دھڑی سے بھی تری اک شام بھولی ہے

ادا ہوتا کہیں پیغام بر سے کیون پیام اپنا
زبان ہمکو دہن میں کا دم پیغام بھولی ہے

وہ مژگان ہے جو وقت سرمہ پر اشکون کے قطرونسے
چمن میں حسن کے شاخ گل بادام بھولی ہے

ہمیں مردن جو دم دیتے ترے دمباز یاد آئے
برنگ شیشہ لاش عاشق ناکام بھولی ہے

بہار شکل دہان تنگ سے تیرے یہانتک خون
چمنستان ہر کلی اے سرو گل اندام بھولی ہے

کبھی جوراہ میں ہے اوس بسنتی پوش کو دیکھا
تو سرسون اگے آنکھون کے سر ہر گام بھولی ہے

ظفر خون ایک عالم کا ہیاس ظالم کی گردن پر
شفق کب یہ سر گردون نیلی فام بھولی ہے

دیگر

کبھی کا یون تو فلک ماہ و سال دشمن ہے
کمال اولون کا لیکن کمال دشمن ہے

ہمیشہ دور ہی کیونکر نہ پھر زمین سے رہے
فراق دوست ہے گردون وصال دشمن ہے

اوسکو دوست سمجھتے ہین وہ جو کچھ نہ کہے
کرے جو اوسنے جواب و سوال دشمن ہے

جو تو ہے مرد تو ہرگز لپٹ نہ دنیا سے
اگرچہ دوست نما ہے یہ زال دشمن ہے

گئے ہین حضرت دل کوے زلف مین تنہا
الٰہی خیر ہو وان بال بال دشمن ہ

ہزار رنج و مصیبت مین جان ہے اسکے سبب
کوئی بغل کا دل پہ ملال دشمن ہے

لگاؤ دختر رز کو نہ منہ سمجھ کر دوست
کہ عقل ہی کی ظفر یہ چھنال دشمن ہے

گرچہ عدو ہین ٹیڑھے چلتے تیرے رستے سے بہتیرے
پر مین وہ کیا چیز کہ سیدھے ہوگئے ایسے بہتیرے

کر دے یکدل ہم سے اوسکو ہمدم ایسا ایک نہین
اور ہین دوئی کے ڈالنے والے ایسے تیسے بہتیرے

ہڈی ہڈی مین جو اپنے درد ہے ایسا درد اوسکو کہا
تم سے بنے دمساز و ہوتے نالے نے سے بہتیرے

دشمن دین و ایمان پایا ایک نہ سمجھا اے کافر
دیکھے اس بت خانہ مین بت ایسے ویسے بہتیرے

کشتی گردون غرق ہو مدم آئین اگ ہم رونے پہ
طوفان دیدہ تر مین بھرین ہین تھوڑے کیسے بہتیرے

کوچے مین اوس بت کے تم ہو حضرت دل کس گنتی مین
ٹھوکرین کھاتے پھرتے ہیں وان ہم تم جیسے بہتیرے

بلبل و قمری نالہ موزون ہم سے بڑھ کر کیا کرتے
دیکھے اس آواز مین گرتے ہم نے لے سے بہتیرے

چکر بادہ الفت کو ہشیار رہے تو ہم ہی رہے
بہلے بہلے پھرتے ہین اس نشہ مے سے بہتیرے

دل کے کہان تک داغون سے آرائش ہوگی اور ظفر
صرف کئے اس گھر مین ہمنے اپنے پیسے بہتیرے

دیگر

بو الہوس شکوہ بیداد ہین سب سے کرتے
ہم تو شکر اے ستم ایجاد ہین سب سے کرتے

اسقدر یاد تمہیں غیر کہان کرتے ہین
آپکو ہم بھی بہت یاد ہین سب سے کرتے

کون رکھتا ہے تہ تیغ ستم سر اپنا
جان نثارون سے وہ ارشاد ہین سب سے کرتے

ہے طرفدار ترا ایک جہان اے ظالم
کوئی سنتا نہیں فریاد ہین سب سے کرتے

آ گیا ناک مین دم حضرت دل کے ہاتھون
کہ برا تجکو یہ ناشاد ہین سب سے کرتے

بت کسی سے بھی نہیں قول و قسم کے سچے
کہ دغا یہ ستم ایجاد ہین سب سے کرتے

باغ عالم مین کنارہ روش سوسن و سرو
اے ظفر مردم آزاد ہین سب سے کرتے

دیگر

دعوے بڑے بڑے جنہیں یان تیز کے
کچھ سوت سے نہ پیش چلی جز گریز کے

عشق بت فرنگ میں سینے پہ آبلے
ساغر پہ سرنگون دھرے اوپر ہیں میز کے

شبنم نے گل کے کان میں سیماب بھر دیا
کیا خاک پھر عزیاوڑین بلبل کی ریز کے

ہر دم تری نگاہ سے سینہ سپر ہے دل
کھاتا ہے زخم سیکڑوں اس تیغ تیز کے

دریائے اشک میں ہے فلک بلبلہ سا ایک
قائل ہیں اپنے دیدہ سیلاب ریز کے

بستر ہیں رہتے در پہ ترے شکل نقش پا
دو چار تیرے خاک نشین خاک بیز کے

کوچے میں اوسکے کثرت عشاق سے ظفر
آثار روزہ دیکھتے ہیں رستخیز کے

مارا دل اپنا سینا کو ہر بار کوٹ کے
قائل ہیں اپنے عمر میں ہم مارکوٹ کے

دے گا نہ بوسہ دردندان جو تو ہمیں
ہیرا ہی یار کھائینگے نا چار کوٹ کے

آنکھیں ہیں کیا ہی اوس بت کافر کی دیکھنا
گویا کہ بھر دیے در شہوار کوٹ کے

فریاد شب سنی دل نالان کی جب مری
ماتھے کو رہ گیا جرس اے یار کوٹ کے

برق جہان بھی سامنے تھرا گئی ترے
شوخی بھری ہے تجھمیں ستمگار کوٹ کے

کہتے تھے مست دیکھ فلک کو کسی نے جب
اس سقف کو بنایا ہے ہموار کوٹ کے

جوڑے نے اوسکے خوب ہی کمون سے راہکو
دل کو بنایا ٹھیک ظفر مار کوٹ کے

کہیں رونا مرا کچھ گر یہ یعقوب سے کم ہے
نہ میرا صبر صبر حضرت ایوب سے کم ہے

وہ احمق ہیں سمجھتے جو کہیں محبوب کا رتبہ
ہر اک محبوب عالم اوس مرے محبوب سے کم ہے

نظر میں اوسکی ہے نقصان جو کہتے ہیں زیادہ ہے
قمر کو ہم نے دیکھا اوسکے روئے خوب سے کم ہے

بہت شیرین سے گو رغبت تجھے فرہاد ہے لیکن
جو ہے مرغوب خاطر اپنا اوس مرغوب سے کم ہے

شراب ناز سے گو آنکھ اوسکی سرخ رہتی تھی
دم گر یہ ہماری چشم پر آشوب سے کم ہے

ہمارا اوس صنم کا عشق بس اللہ ہی جانے ہے
کہ اور آگاہ کوئی طالب و مطلوب سے کم ہے

زمیں مغلوب ہے اور آسمان ہے ظفر غالب
لگا کام پہ اوس غالب و مغلوب سے کم ہے

دیگر

خوب تھا جو زندگی جاہ و حشم میں کٹ گئی
ورنہ ساری عمر اپنی درد و غم میں کٹ گئی

حاصل عمرا لیوائے خضر ہم سمجھے اوسے
جو گھڑی آرام سے بزم صنم میں کٹ گئی

وصل پر بخلیں بجا وین خاک اے ہمدم بھلا
روٹھتے ملتے ہوئے شب لوئیں ہم میں کٹ گئی

تمنے پر سوئیں لکھے تھے جو گلے اے تو خطو
وہ عبارت یک قلم یان ایک دم میں کٹ گئی

نخل الفت سے ترے ہو کیا ثمر حاصل ہمیں
جز محبت کے مری عہد ستم میں کٹ گئی

اوسنے گل کھا کر قسم جو وصل کا وعدہ کیا
سب ظفر کیا ہم کو امید قسم میں کٹ گئی

دیگر

فدا ہونا بتوں پر محض نادانی کا تمنا ہے
خدا کے نام پہ مرنا مسلمانی کا تمنا ہے

مطلع ثانی

محبت اوس صنم کی صاف ایمانی کا تمنا ہے
نہ سمجھو کفر اسکو یہ مسلمانی کا تمنا ہے

پریشاں ہونا سنبل کا کیشہاک پر میری
خیال زلف جانان کا پریشانی کا تمنا ہے

محبت میں پری رو یو کے منہ سے کچھ نہ کچھ کہنا
مقرر ایک یہ بھی عقل دیوانی کا تمنا ہے

بانٹے ہیں جسے خورشید تابان اوج گردون پر
وہ آہ آتشیں کے شعلہ فشانی کا تمنا ہے

ترے ابرو پہ دیکھا جس نے خط چین ابرو کو
کہا اوسنے یہ اس تیغ صفا ہانی کا تمنا ہے

مٹاؤن دل سے اپنے کس طرح میں داغ سوز اسکو
یہ سوز غم میں میری سوختہ جانی کا تمنا ہے

لگا ہے کوئی مانند قمری طوق گردن سے
کہ یہ اے سرو قد الفت کے زندانی کا تمنا ہے

لگاؤن اے ظفر کیونکر نہ لب پر مہر خاموشی
کہ میں حیران ہون اور یہ میری حیرانی کا تمنا ہے

شکوہ بتو تمہارا جو کچھ کروں تو سچ ہے
تم نے جو کی برائی گر میں کہوں تو سچ ہے

الفت میں اے پریرو تیرے ہوں محو ایسا
ہشیار ہوں غلط ہے دیوانہ ہوں تو سچ ہے

میرا تو جیب کیا ہے دامان دشت کی بھی
گر دھجیاں اوڑائے دست جنون تو سچ ہے

فرقت میں رات ہمدم ہر نالہ کو ہم اپنے
بام سپہر کا گر کہویں ستون تو سچ ہے

آنکھوں میں ہے تصور رنگ حنا کا تیرے
بہتے اگر نگاریں ہیں اشک خون تو سچ ہے

آگے بھووں کے تیر اے آفتاب طلعت
گر ماہ نو کو کہویں ہم سرنگون تو سچ ہے

اوس مہ جبین سے ہم نے کی دوستی ظفر کیون
دشمن ہے گر ہمارا گردون دون تو سچ ہے

مست اے ساقی کب رعد کی للکارے سے ہشیار ہوے
مردم عرصہ بزم مے نقارے سے ہشیار ہوے

آگے تو سب دشمن غافل میری طرف سے رہتے تھے
تیرے ہی اے کافر اب سنکارے سے ہشیار ہوے

میرے نہ شور نالہ سے وہ مست تغافل شب چونکے
غیر کے در پہ اک ذرا کھنکارے سے ہشیار ہوے

حسرت دل اکدن یونہیں جل بجھ کر رہ جائیں گے
گر نہ یہ داغ سوزاں کے انگارے سے ہشیار ہوے

ہوتے تھے اوس رخ سے مقابل باعث غفلت باغیں گل
باد صبا کے منہ پہ طمانچہ مارے سے ہشیار ہوے

نفس بڑا دغاباز ہے اوسکے دیکھ کے دم کر اس سے حذر
غافل ہیں اس سانپ کے جو پھنکارے سے ہشیار ہوے

ہوے جو غافل یاد خدا سے شیخ جی صاحب رات ظفر
میخانہ میں مستوں کے ہنکارے سے ہشیار ہوے

دیگر

ہو غلط کیسے جو تدبیر ہے چلتی پھرتی
ہاں مگر باعث تقدیر ہے چلی پھرتی

چرخ فانوس خیالی ہے اور اس میں سب خلق
واہ کیا صورت تصویر ہے چلی پھرتی

خانہ چشم میں مشتاق جمال جانان
نگہ عاشق دلگیر ہے چلی پھرتی

رو برو تیرے جو اجائے پڑے بھی تو ابھی
نظر آتی بت بے پیر ہے چلی پھرتی

کوے قاتل سے نہیں پھرتی ہے یوں تو خلقت
پر وہاں دیکھ کے شمشیر ہے چلی پھرتی

نگہ یار سے میرے دل وحشی پہ چھری
کیا سر گردن نخچیر ہے چلی پھرتی

دخت رز کیا ہے سر بزم ترا نقد خرد
لیکے اے مست قدح گیر ہے چلی پھرتی

کون قاصد کے سوا وان مرا لیجاوے خط کہ کہیں آپ سے تحریر ہے چلتی پھرتی

ظفر اس بحر فنا میں کوئی دم کشتی عمر
ور زیر فلک چرخ ہے چلتی پھرتی

دیکھنا خال ذقن کو رخ جانان کے تلے کوکب سوختہ ہے مہر درخشان کے تلے

مطلع ثانی

کاجل آنکھون کا کہیں یار کی مژگا کے تلے پھول سوسن کا کھلا نرگس و ریحان کے تلے

مطلع ثالث

کب مہاسے ہیں خط عارض جانان کے تلے ہیں یہ بیضے پہ لاؤس گلستان کے تلے
نیش سے چھیڑتا ہے مراسیہ کر کٹ دم گونج بالے کی نہیں زلف پریشان کے تلے
نیچے خورشید کے ہے تار خطوط خورشے خط نہنون کے ہیں داغ میں سوزان کے تلے
وہ سہی قد جو دکھا دیوے زرا قدق پا پھولے گل مصدا بھی سرو گلستا کے تلے
دل سیپارہ کو رکھ لے تو لبون پر اپنے دیکھ یہ رحل ہے ربا ای قرآن کے تلے
شاخ صندل میں لگا سیب ہو طرفہ طلسم بیٹھے ہو ہاتھ کو رکھ کر جو زنخدان کے تلے
دیکھ اے دست جنون پردہ کر عشق کا فاش سینہ ہیں پوشیدہ گریبان کے تلے
کبھی زانو پہ ہے ہیہات کبھی سینہ پہ ہاے وہ ہاتھ کہ تھا گردن جانان کے تلے
حسرت اے طاقت پرواز کہ ہم اوڑ نہ سکے گر کے پھڑکا کیے دیوار گلستا کے تلے
دشت وحشت میں ہیں آسودہ ہزارون مجنون بید مجنون کے تلے نخل مغیلان کے تلے
اے ظفر ہوتی ہے مسجد میں جماعت کی نماز صف مژگان میں کہا ابروے جانا کے تلے

دیگر

ایک دن وہ تھا کہ تھے وہ لوگ ہم سے کانپتے ایک دن یہ ہے کہ ہم اوکے ستم سے کانپتے
کانپتا ہے رعد کیا نالون سے میرے روز شب ٹکڑے بادل کے ہیں میری چشم نم سے کانپتے

غم سے ہم ڈرتے نہیں کہ دین خدا کے سامنے
ہیں غم فرقت میں ہم ہجر صنم سے کانپتے

عشق میں تیرے جانباز محبت سر بکف
کب ہیں وہ ظالم تری تیغ دو دم سے کانپتے

نالہائے روز و شب سے ہوگئے یہ کان تنگ
ہم نہیں مطلق صدائے زیر و بم سے کانپتے

ہم نہیں ڈرتے کہے جو دل میں آئے غیر کے
بدگمان پہ ہیں ترے جھوٹے بھرم سے کانپتے

غیر ہو یا ہو یگانہ نہ خوف کیا گھمبیر سے
اے ظفر ہم ہیں فقط بلکے شکم سے کانپتے

دیگر

غفلت کی یوں بشر کے قیافے پہ مہر ہے
جیسے کہ خط کے بند لفافے پہ مہر ہے

کب سے نشان مسے کا دلا ناف یار پر
کر دی کسی نے مشک کے نافے پہ مہر ہے

تارا یہ ابر میں ہے دیا اس محافے میں
پردہ نشین ہے اور محافے پہ مہر ہے

کہتا ہے دل کہ آنکھ لگا خط پہ جائے مہر
تا یار سمجھے یہ کہ لفافے پہ مہر ہے

کیا آگے تیرے بولیں ظفر شاعران دہر
ہوکے گی سخن کے اضافے پہ مہر ہے

اگر کوئی معرکہ عشق میں بازو تو لے
قتل کے ہاتھ میں وہ پلے ترازو تو لے

غم جانوں کو ہے یوں دیکھنا اپنے قاتل
جیسے فصاد کوئی نظروں میں لہو تو لے

چین ہو خاک کہ پیچھے ترے دیوانہ کے
پھرتے ہیں ناز و ادا خنجر و چاقو تو لے

لوں رخ یار کا بوسہ مری طاقت ہے کہاں
ہاں دلا تیرا اگر لگتا ہے قابو تو لے

بھاگ جائیگا ارادہ ہے مقرر اون کا
بیٹھے بیٹھے جو اونہوں نے ہیں یہ زانو تول سے

ہولی گر کھیل ہے رنگ رخ عاشق زار
کیوں عبث غرہت کل تو نے یہ ٹیسو تو لے

رات دن ذکر الٰہی میں ظفر رہتے ہو تم
بے وضو نام تمہارا کوئی بدخو تو لے

اپنے اب کوٹھے سے وہ غیروں کی سرحد پہ چڑھے
ہم بھی کھلا دیں گے گر اپنی زور پہ چڑھے

چشم دریا باز سے کیا زور پہ ہے سیل سرشک
دیکھو یہ نالے ہیں کیا پانی کی آمد پہ چڑھے

دیکھو کیا سرو چمن کو تن کر ہے چوب درخت
دیدہ دل تو ہین اپنے اور ہی قد پہ چڑھے

کھو دیا سفلون نے جو کچھ تھا بزرگون کا کمال
بیٹھے ہین ارواح بن کر تربت جد پہ چڑھے

دیکھ لین لاکھون زنان فاحشہ مخمور مست
دھیان پھر ہستی تن اپنا کیون نہ ناکد پہ چڑھے

واہ ری افسردگیٔ دل کی کر بعد مرگ بھی
گر چڑھے تو غنچہ پژمردہ مر قد پہ چڑھے

باندھ کر جو تم لنگوٹا آج ہو اوٹھے ظفر
ہو یہ تم کوٹھے پہ اپنے کس کے گنبد پہ چڑھے

دیگر

شیرین تو ہے بات جو سکے دہن تن سے نکلی
ہے زہر کی بو یک سخن تن سے نکلی

آمو ختہ جانون کی سر گور کر اب تک
ہے بوئے کباب اسکے کفن تن سے نکلی

چمکے ہے سر جعد ترے یون در شب تاب
جون روشنی ہو سانپ کے من تن سے نکلی

لٹ زلف کی لہراتی ہے یون سر بہ خط تن
ناگن کوئی جیسے ہو چمن تن سے نکلی

تل ہے تپش عشق کر اک آگ شب و روز
ہے میر مسامات بدن تن سے نکلی تن سے نکلی

جب تک ہے صفائی نہیں کچھ کھلتی برائی
ہے بات بری رنج و محن تن سے نکلی

بوسہ وہ اگر دیوین ظفر لے لو ہے بہتر
ہے بوسے ہی سیب ذقن تن سے نکلی

دیگر

کی تو خطون نے شاید تدبیر اور ہی ہے
مضمون خط ہے بیڈھب تحریر اور ہی ہے

تصویر اوسکی کھینچے مانی کا منہ تو دیکھو
نقشہ ہے او رہی وہان تصویر اور ہی ہے

جو ہین اسیر الفت اوس زلف خم بخم کے
طوق اونکا اور ہی ہے زنجیر اور ہی ہے

کہدے کوئی صنم سے تم سے ملین کے چھپ کر
یارو یہیں آ گئی یہان تقدیر اور ہی ہے

ملتا ہے خاک غافل اس گردش فلک پہ
وان کا تو کر رہی کچھ تقدیر اور ہی ہے

تیغ نگہ ہے آفت مژگان بلائے جان ہے
یہ تیر او رہی ہے شمشیر اور ہی ہے

خطرہ ظفر نہ کجوان مقدونسے ہر گز
تیری بنائی حق نے توقیر اور ہی ہے

دیگر

مہر صفت دن گردش کے ہیں اپنے مقرر آئے ہوئے
جیسے بگولہ پھرتے ہیں خون دشت میں ہم بولائے ہوئے

کہتے ہیں وہ موت بلا سے کل کی آتی آج ہی آئے
جینے سے بیمار تمہارے اتنے ہیں تنگ آئے ہوئے

دیکھا جن کو خرم و خندان ہم نے گلشن ہستی میں
گل کی طرح پھر دو دن میں وہ آئے نظر مرجھائے ہوئے

آپ سے کب افلاک میں رہتے آٹھ پہر یوں چکر میں
غمزہ چشم کافر سے ہیں اوسکے یہ چکرائے ہوئے

دیکھتے ہی وہ میری صورت آگ جو مجھ پر ہوتے ہیں
کیا جانے ہیں کس کے میرے جانب سے بھڑکائے ہوئے

سینہ کریں گر چاک تو نکلیں لاکھوں پیکان تیرو کے
اتنے ہم نے تیر ہیں تیرے تم گر کھائے ہوئے

دل کو تمہارے آج قلق ہم حد سے زیادہ دیکھتے ہیں
سچ تو کہو تم پھرتے کیوں ہو اتنے ظفر گھبرائے ہوئے

لوگ تو ہیں اوسے صنم کہتے
بخدا اور کچھ ہیں ہم کہتے

ہو زیادہ کہیں نہ وہ برہم
اوس سے ہم حال دل ہیں کم کہتے

شمع سان اپنی شب گذرتی ہے
قصہ سوز و درد و غم کہتے

خط رخسار کو اسکیں تیرے ہم
سبزہ گلشن ارم کہتے

ماہ نو کو ہیں اپنا حلقہ گوش
تیری ابروے خم بخم کہتے

لب کو کہتے ہیں مے تو چشم کو ہم
جام زہر اب ہیں صنم کہتے

سرمہ آلود تیری مژگان کو
ہم تو ہیں خنجر دو دم کہتے

صفحہ چرخ جب سیاہ کیا
کیوں نہ ہم آہ کو قلم کہتے

اے ظفر دم کی ہے جو آمد و شد
ہیں اسے ہستی و عدم کہتے

دیگر

ساغر کی کہیں قیمت اضافہ ڈھونڈھتے
پر ہیں ساقی ہم کوئی صاحب قیافہ ڈھونڈھتے

دیکھ مجھ کو تو خط گھبرا گئے کیوں اتنا تم
زیر زانو خط جو رکھ کر ہو لفافہ ڈھونڈھتے

دیکھتے ہیں جو لوگ خال یار درپیش نظر
وہ کہیں اے مرد مان ہیں مشک نافہ ڈھونڈھتے

ذرہ ہائے خاک مجنوں اب تلک جوں گردباد
پھرتے ہیں صحرا میں لیلی کا محافہ ڈھونڈھتے

مال و زر دنیا کا جو کچھ چاہیے موجود ہے
دولت عقبیٰ ظفر ہیں ہم اضافہ ڈھونڈھتے

دیگر

دل کو جو ہمارے صنم ہاتھ میں لائے
اک پیش بہا طرفہ تم ہاتھ میں لائے

وہ پڑھ چکے مرے خط کو جو آئے بھی تو اک تیغ
کرنے کو مرے ہاتھ قلم ہاتھ میں لائے

کافی ہے فقط تلخی زہر اب غم عشق
کیوں آپ کھلانے مجھے سم ہاتھ میں لائے

اب جائیں کے دنیا سے تو لے جائیں گے کیا خاک
جب آئے تھے کیا اپنے تھے ہاتھ میں لائے

ہم آگے ہی زخمی ہیں ترا ہوکے تمہاری
کیوں کر کے میاں تیغ علم ہاتھ میں لائے

کس روز ترے کوچے میں پھو چتا ترا مجنوں
جو لڑکے نہ سنگ اپنے صنم ہاتھ میں لائے

لاکھوں ہی ظفر بحر محبت میں ہوئے غرق
پر گوہر مقصود وہ کم ہاتھ میں لائے

بوسہ لیا جو منہ سے بھرا منہ چٹاق سے
تھے چپ حیا سے بول اوٹھے وہ چاق سے

مطلع ثانی

صحبت منافقانہ ہے ہر جانفاق سے
کچھ اتفاق ہے تو کہیں اتفاق سے

دیکھا نہ تجکو ہم یوں ہیں محروم ہی چلے
آئے تھے تیری دید کو کس اشتیاق سے

چھٹا ہے کب ڈسا ہوا اوس تار زلف کا
تریاق بھی اگر کوئی لائے عراق سے

اب کیا اوٹھائیں خاک کر سب چور ہوگیا
شیشہ گرا جو دل کا اوس ابرو کے طاق سے

رکھ نبض پر نہ ہاتھ کہا مان اے طبیب
تو ہاتھ اوٹھا علاج مریض فراق سے

زہرہ ہی کیا خجل ہے در گوش سے ترے
شرمندہ مشتری بھی ہے در بلاق سے

دل بے جگر کی آگ کر سب ہوگیا سیاہ
سودائیوں کا تیرے لہو احتراق سے

تیرا مذاق شعر ظفر جانتا ہے کون
اوستاد ذوق تھا ترے واقف مذاق سے

آئینہ میں ہیں جو وہ ابرو بنا کر دیکھتے
کیوں کہیں میرے دل حیران میں آکر دیکھتے

پھر ہوا منظور اسکو دیکھیے کس کس کا خون
اپنے ہاتھوں میں جو ہیں مہندی لگا کر دیکھتے

حسن مدیدار سے ہے جنکی یاں آنکھوں میں دم
کیا تماشا ہے کہیں وہ آنکھ اوٹھا کر دیکھتے

با وفا یا بے وفا ہیں آپ سب کھل جائیگا
ہم نصیب اپنے ہیں تم سے دل لگا کر دیکھتے

دل چورائیں گے وہ کیا میرا جو یوں میری طرف
بزم میں ہر وقت ہیں آنکھیں چورا کر دیکھتے

رو برو تیرے رخ پر نور کے اے اشک ماہ
ہم قمر کو بھی کہیں ہیں آنکھ اوٹھا کر دیکھتے

رو برو اپنے جو خط اغیار کا آجائے گا
اے ظفر ہم سے ہیں وہ کا ہی چھپا کر دیکھتے

دیگر

کروں کیا یاد زلف دلربا جاتی نہیں جاتی
نہیں جاتی مرے دل کی پریشانی نہیں جاتی

مبصرا بروئے پر خم کے ہم ہیں یہ کسی سے بھی
بتائی تیری شمشیر صفا ہانی نہیں جاتی

حقیقت کو ہمارے عشق کی پہونچے گا کیا ناصح
کہاں تک تو کہیگی ہرگز عقل دیوانی نہیں جاتی

بھلا کر تو بھلا ہو گا صدا سن با نوا کی
نہیں کچھ بات یہ ایسی کہ جو مانی نہیں جاتی

ہوئی بر باد اپنی خاکمیدان محبت میں
سمند ناز کی پر توکی جولانی نہیں جاتی

گذر جائے نہ کیونکر جان سے قاصد کہ جاناں تک
خبر جاتی ہے مشکل سے بآسانی نہیں جاتی

یہ نقشہ ہو گیا ہے میرا سودائے محبت میں
مری صورت مرے یاروں سے پہچانی نہیں جاتی

نہیں پہونچاتے ہم تا گوش نازک خوش دماغوں کے
کہ جب تک بات کوئی خوب سی چھانی نہیں جاتی

طبیعت ہے جواں پیری بھی وہ اے ظفر تیری
سخن فہمی سخن سنجی سخن دانی نہیں جاتی

دیگر

وصل جاناں میں جو تھے عشرت کے دن وہ ٹل گئے
آگئے دن رنج کے راحت کے وہ دن ٹل گئے

ضعف پیری کا برا ہو کھو دیا سب کار سے
اب رہی طاقت کہاں طاقت کے وہ دن ٹل گئے

کنج تنہائی میں ہم ہے اور شب درد فراق
کثرت یاراں ہم صحبت کے وہ دن ٹل گئے

اب تو خون دل ہی ہم پیتے ہیں حسرت میں مدام
بادہ عیش دمے عشرت کے وہ دن ٹل گئے

آج کل الفت کہاں بغض و عداوت کے سوا
نام ہی الفت کا ہے الفت کے وہ دن ٹل گئے

اب تو بیزاری ہے ساقی دختر رز سے ہمیں
ای سے رغبت کیا کریں رغبت کے وہ دن ٹل گئے

عہد پیری میں کہاں جوش جوانی کی اومنگ
اے ظفر افسوس کیفیت کے ول دن نکل گئے

فقط کیا ایک دل ہی تم کو ہم مانگو تو دے دین گے ۔ عزیز اپنی تمھیں جان بھی صنم مانگو تو دے دین گے

جو دل مانگو تو دل دین گے جو مانگو جان تو جان دینگے ۔ علاوہ اور بھی کچھ پیش و کم مانگو تو دے دین گے

خطا کی یہ جو خط لکھا تمھیں اے نو خطو ہم نے ۔ مچلکا لکھ کر اس پہ یک قلم مانگو تو دے دین گے

جو مانگو حضرت دل بوسہ لب سبزہ رنگون سے ۔ مد پینگے پہ عوض اسکے جو سم مانگو تو دے دین گے

زکھودم ولا سون میں ہمیں اک بوسہ دے ڈالو ۔ اگر تم اس کے بدلے ہم سے دم مانگو تو دے دین گے

جو ہونگے ساایان سامری جس مہربان ہدو ۔ فقط اک جام مے کیا جام جسم مانگو تو دے دین گے

سیاہی مردم دیدہ کی بہتر خال عارض تم ۔ جو ہم سے اپنی آنکھون کی قسم مانگو تو دے دین گے

وہ ہین سر باز سر اپنا قلم سے آپکے سر کی ۔ جو ٹھکرانے کو تم ہر ہر قدم مانگو تو دے دین گے

نشانی وقت رخصت اور تو وہ دے چکے تم کو ۔ مگر اونسے ظفر کچھ رنج و غم مانگو تو دے دین گے

دیگر

طلب جو عشق جان میں ہین آبرو کرتے ۔ ظفر ہین آگ سے پانی کی آرزو کرتے

مطلع ثانی

اشارہ اپنے جو ابرو کا وہ کبھو کرتے ۔ ملک فلک سے پے سجدہ سر فرو کرتے

مطلع ثالث

نماز عشق میں جب ہم ہین سرفرو کرتے ۔ تو آب اشک سے سو بار ہین وضو کرتے

نہ روئے یار سے ہوتی جو نسبت کعبہ ۔ تمام عمر بھی عاشق اودھر نہ رو کرتے

جو سینہ چاک ازل ہی نہو وہ چارہ پذیر ۔ کر چاک جیب سحر میں کہیں رفو کرتے

وہ سنتے حضرت ناصح کر پھر نہ بات آتی ۔ جو ترک عشق میں کچھ اور گفتگو کرتے

برنگ گل تری الفت میں غیرت گلشن ۔ سرشک خون میں ہمیں کیا ہی سر خرو کرتے

عجب نہیں ہے اگر رفتہ رفتہ گم ہوتے
جو کوئے یار میں ہم دل کی جستجو کرتے

ظفر یہ جانتے گر ہم کہ چرخ دوں ہے دنی
تو اس سے کا ہکو پھر کوئی آرزو کرتے

یہ تو نے دوستی اغیار سے اے نازنیں چھوڑی
مگر ہم نے تو اب بھی تری الفت نہیں چھوڑی

یہ طفل اشک ابتر ہے مراد اس کی پکڑے گا
اگر اے دیدہ تر اسے میری آستیں چھوڑی

برنگ نقش پا آخر وہیں ہم مر مٹے لیکن
نہ کوچے کی تری ہرگز صنم ہم نے زمیں چھوڑی

اسیر غم نہ کیونکر ہوں کہ تو نے شب کو چھپ چھپ کر
نہ عادت گھر میں جانکل عدو کے مہ جبیں چھوڑی

گرفتاری سے کب اس بے وفا کی ہے کوئی چھوٹا
مگر دنیائے دوں جس نے نہ چرخ بریں چھوڑی

اسے لے تو کہیں لیچک غم فرقت سے ہم چھوٹیں
لیا ہے دل اگر تو نے تو کیوں جان حزیں چھوڑی

نہ کچھ ہی ساتھ اپنے لے گئے منعم بجز حسرت
ظفر یہ دولت وحشت یہیں کی سب یہیں چھوڑی

وہ حال مرا دیکھ ظفر کیوں نہیں لیتے
ہوں اسپہ فدا میری کیوں نہیں لیتے

کیا آپکو نقصان ہے کہ بوسہ کے عوض ہم
دیتے ہیں دل و جان وجگر کیوں نہیں لیتے

مرتے ہیں جب عذر نہیں ہم کو کسی طرح
شمشیر سے پھر کاٹ وہ سر کیوں نہیں لیتے

بدنام محبت میں ہوا جن کی عزیزو
وہ نام مرا بار دگر کیوں نہیں لیتے

کیوں لکھے وہ قاصد سے جس انداز ہیں کرتے
خط کو مرے دیکھ ایک نظر کیوں نہیں لیتے

پھرتی ہے گدایانہ جو افلاک کی کشتی
مرے گہر اشک سے بھر کیوں نہیں لیتے

گرو ہم نہیں وکو شب وصل ظفر کچھ
کورٹ پھر ودھر تا بہ سحر کیوں نہیں لیتے

دیگر

بتائیں کیا پیے ساغر شراب کے کتنے
اور اسپہ کھا گئے دو نے کباب کے کتنے

نشے میں ہوش کسے جو حساب یاد رکھے
لیے ہیں بوسے رخ بے نقاب کے کتنے

شب وصال میں چکادے جام مے ساقی
کہ منتظر ہیں مہ و آفتاب کے کتنے

نشہ میں اور بھی سنتے ہیں چھیڑ چھیڑ کے ہم
کلام میٹھے ہیں اوس بےحجاب کے کتنے

سوال بوسہ پہ دیتے تواق سے ہیں جواب
کڑے ہیں دیکھنا یہ بت جواب کے کتنے

ملا نہ میرے مرض کا طبیب کو نسخہ
اولٹ پلٹ کے اجزاء کتاب کے کتنے

نہ آیا نام حق اوس غیرت گلستان کو
ورق پڑھے ہیں گلستان کے باب کے کتنے

نہ آئی ہوش میں اتنی ہوئی خوشی ہم کو
لوڑھائے شیشہ بھی منہ پہ گلاب کے کتنے

خدا ہی جانے ظفر ان بتوں کی الفت میں
رہین ہیں کاٹنے یہ دن عذاب کے کتنے

دیگر

ظفر کہتے ہیں بندہ یا کہ ہیں منہ سے خدا کہتے
بتوں کو بے خودی میں ہم خدا جانے ہیں کیا کہتے

لگے رہتے ہیں ہر دم پاس تیرے مدعی اپنے
اگر پاتے تجھے تنہا تو کچھ مدعا کہتے

کسے مقدور ہے اتنا کہ آگے اسکے دم مارے
جو بے جا بھی وہ کہتے ہیں سب انکو ہیں بجا کہتے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے اپنے کوئی بات اونکی
خدا جانے کہ ہم سے حضرت ناصح ہیں کیا کہتے

یقین ہے غرق آب شرم سن کر بحر بھی ہوتا
اگر ہم جوش گریہ کا کچھ اپنے ماجرا کہتے

ہمارے زخم اے قاتل اگر منہ میں زبان رکھتے
مقرر یہ تجھے شاباش کہتے مرحبا کہتے

بلا سے گر عدو ہمکو برا کہتے ہیں کہنے دو
ظفر منہ سے نہیں اپنے کسی کو ہم برا کہتے

شب کو ہمارے پاس سے تم جو صنم چلے گئے
ہم بھی تمہارے جاتے ہی سوئے عدم چلے گئے

مر کے بھی تیرا مبتلا چھوٹے نہ اس عذاب سے
ساتھ ہی لے کے گور میں رنج و الم چلے گئے

بزم میں تیری مہ لقا آئے بھی گر تو کیا ہوا
شمع کی طرح چشم نم صبح کو ہم چلے گئے

آئے بھی وہ جو میرے گھر ٹھہرے نہ ایک لحظہ بھر
نکلیہ دل آرزو ہائے ستم چلے گئے

گرچہ برنگ گل بیٹھے باغ جہان میں ایک دم
شبنم گل کی طرح پھر روتے ہی ہم چلے گئے

کچھ بھی نہ ساتھ لے گئے قیصر و جم جہان سے
چھوڑ کے یاں کا سب انہیں جاہ و حشم چلے گئے

تھے جو رفیق و آشنا ڈھونڈھیں ظفر اونہیں کہاں
دے کے انہیں ہزار حسرت و غم چلے گئے

دیگر

ساتھ آہوں کے جو شب دل سے شرارے نکلے
تو خجالت سے نہ پھر چرخ پہ تارے نکلے

خاک جل کے جو دیکھے رخ روشن پہ ترے
کیا تماشا ہے کہ ہیں دن کو یہ تارے نکلے

سر ہی پٹکا کیے دروازہ پہ ہم ساری رات
سیر بھی دیکھنے تم گھر سے نہ پیارے نکلے

بعد آدھی شب وعدہ کے وہ مہوش آیا
آدھے نکلے مرے ارمان نہ سارے نکلے

وہ کس طرح نکلتے نہ تھے گھر سے باہر
شب کو گھبرائے مرے نالوں سے بارے نکلے

دیں گے اک آن میں شب خاک بیابان اوڑا
جانب دشت یہ وحشی جو تمہارے نکلے

دیگر

جلتے ہیں اسکے ہاتھ سے ہم دل جلے پڑے
یہ شعلہ خو تو جا کے پیچھے پھلے پڑے

ہم اس لیے کسی کی نہیں پڑتے بات میں
ناحق بری بھلی نہ ہمارے گلے پڑے

وعدے پہ دن ڈھلے کے نہ آئے وہ ہے غضب
ہم انتظار ہی میں رہے دن ڈھلے پڑے

دیتے نہیں ہیں بوسہ لب ایک دن انہیں
کرتے نہیں روز یو نہیں وہ آرے بلے پڑے

ہونے میں ذبح جسکو مزا آگیا ہے کچھ
کٹوائے ہیں گلا وہ چھری کے تلے پڑے

کس طرح سوز غم سے بچائے نہ شمع اشک
پروانے بزم میں ہیں ہزاروں جلے پڑے

مژگاں پہ اوسکیا شک دم سرمہ دیکھنا
اس فوج کے گلے میں ہیں کیا پر تلے پڑے

تڑپا ہے تیرا عاشق بیتاب جب ذرا
کیا کیا نہیں زمیں میں زلزلے پڑے

اتنا بھی دخت رز کو لگاؤ نہ منہ ظفر
ایسا نہو کہ آپکے حضرت گلے پڑے

دیگر

یوں ہی طبیعت اپنی ہوس پر لگی ہوئی
مکھی کی جیسے ناک مگس پر لگی ہوئی

خال سیاہ کب لب شیریں پہ ہے ترے
شکر سے ہے جدا کے مگس پر لگی ہوئی

آزاد کب کرے انہیں صیاد دیکھیے
رہتی ہے آنکھ باب قفس پر لگی ہوئی

یوں تو برستا ابر مژہ اپنا تھا مدام
بیڈھب جھڑی ہے اب کی برس پر لگی ہوئی

کب جھ سا ہوئے در جاناں گر نہیں
کچھ خاک رو سے اہل ہوس پر لگی ہوئی

فریاد دل کے سامنے اپنے شب فراق
اک مہر ہے دہان جرس پر لگی ہوئی

دود جگر کی اپنی سیاہی سی اے ظفر
ہے گنبد فلک کے کلس پہ لگی ہوئی

ہمارے دن نہ کبھی اے ہجوم یاس پھرے
برنگ مہر یون ہین عمر بھر اوداس پھرے

رقیب کوچہ قاتل سے بھاگ ہی نکلے
رہے ہین پانچ گاگر وان تو ہین پچاس پھرے

پھری نگاہ جو ہم سے تری تو پھر کیونکر
چھری گلے پہ نہ اے شوخ بے ہراس پھرے

ہزار پھیرے لے تو آنکھ پہ یہ دل تجھ سے
کبھی نہ اے بت نا آشنا شناس پھرے

عجب ہے اپنی بھی تاثیر آہ
کہ آج آ کے ہمارے وہ گھر کے پاس پھرے

برگشتہ برنگ دانہ پسیں کیون نہ مردم دانا
جو آسمان کی شب و روز یون خراس پھرے

گیا تو کوچہ قاتل مجھے مرا قاصد
ظفر نہ وان سے کہیں ہو کے بدحواس پھرے

دیگر

ہم ہین سرتاپا برے سب نیک و بد اپنے تئین ہے
پر نہیں اک کینہ و بغض حسد اپنے تئین ہے

صفحہ دل پہ ہمارے مہر داغ عشق ہے
عادت دعوی نہیں یون بے سند اپنے تئین ہے

ہم ہزارون تئین کہیں گے سروقامت کو ترے
راست ہی کہنے کی خصلت سرو قد اپنے تئین ہے

سر تلک بھی اپنا اے قاتل تجھے دیتے ہین ہم
ہے اگر مقدور کچھ تو اتنا حد اپنے تئین ہے

تنگ اسکے ہاتھ سے ہین کیجیے تدبیر کیا
نفس سرکش ایک بدخواہ اشد اپنے تئین ہے

دیکھ کر اخلاص میرا کہتا ہے آئینہ رو
کیا ہی جو مہر حسن اللہ الصمد اپنے تئین ہے

یون بھی ہم راضی ہین ہم کو بوسہ لب دو نہ دو
ہم تو ہین بے رد و کد کب رد و کد اپنے تئین ہے

دیر و کعبہ تئین جو تجکو جستجو ہے یار ہے
کیون نہیں تو ڈھونڈھتا اے بے خبر اپنے تئین ہے

ہم جہان کو کس طرح سے مول لے لین اے ظفر
کچھ نہیں گنجائش داد و ستد اپنے تئین ہے

دیگر

وہ کچھ تو ہم پہ ہین بہتان جوڑتے آئے
جو ہاتھ غصہ تئین اپنے مروڑتے آئے

ہوئی ہے سوختہ جانون سے کیا خطا اوپر
جلے پھپھولے جو تم جی کے پھوڑتے آئے

کبھی جو آئے وہ سنگ ستم سے ہائے غضب ہمارے شیشہ دل کو ہی توڑتے آئے
یہان تلک مجھے غفلت ہے جب ترے ہمدم خبر کو آئے تو شانہ جھنجھوڑتے آئے
گئے جو در پہ ترے ہم تو دور تک ہم کو سگون کی طرح سے دربان بھنبھوڑتے آئے
تمہارے آنے سے دل میں رہا نہ قطرہ خون اسے تو حضرت تم تم نچوڑتے آئے
صنم کے ہاتھ کا چھلا بڑی تھی دست آویز یہ مال نقد ظفر مفت چھوڑتے آئے

دیگر

چشم و گل وہو تم جنہیں جانا نہ جانئے ہم ہین اونہیں صراحی و پیمانہ جانئے
مجنون تو اپنے کام میں تھا خوب ہوشیار دیوانے ہین جو ہین اوسے دیوانہ جانئے
رہتا پری وشون کا جو اکسین خیال ہے دل ہی کو اپنے ہم ہین پری خانہ جانئے
اپنے دل خراب میں جو عشق ہے مقیم تو ہم مقام گنج ہین ویرانہ جانئے
شوق نظارہ جب سے ہے اے شمع رو ترا اہطائر نظر کو ہین پروانہ جانئے
ہم اپنے مرغ دل کی اسیری کے واسطے خط کو دام خال کو ہین دانہ جانئے
قیمت میں ہم جو بوسہ کے دیتےہیں نقد دل وہ سادگی سے ہین اسے بے عانہ جانئے
واقف کہیں جو راز محبت سے وہ تو ہم واعظ کے ہین کلام کو افسانہ جانئے
کیون دخت رز کو دل میں جگہ دین نہ زاہد ہین اسکو زہب جلسہ رندانہ جانئے
یاد خدا جو اپنی کہئے ہین زندگی بے یاد اوسکی ہوتا ہین مر جانے جانئے

جانان سے جان عزیز نہ رکھے جو اے ظفر
ہم ایسا آدمی کو ہین مردانہ جانئے

صبح پیری میں ہے شام غم بشر کے واسطے کچ ہے دن شب کے لیے ہے شب سحر کیواسطے

مطلع ثانی

گھر جو اٹے ہین مرے و لحظہ بھر کے واسطے مضطرب ہوتے ہین کیا کیا اپنے گھر کے واسطے

مطلع ثالث

داغ حسرت ہو جو پیری میں بشر کے واسطے
کیا عجب خورشید ہوتا ہے سحر کے واسطے

کند شمشیر اجل ہو جائے جس کے سامنے
وہ غضب برش ہے اوس تیغ کے واسطے

واہ رے قسمت کہ ہم کس کس کی ہیں جوں سنگ راہ
ٹھوکریں کھاتے خرام فتنہ گر کے واسطے

قطعہ

کیونکہ لیجاتے وہاں تک ہم خطا وار اپنا خط
ہے بڑی اس میں قباحت نامہ بر کے واسطے

ہے بجا کہنا جو کہتا یہ کہ تو مجھ کو نہ بھیج
چاہیے فہم و ذکا بھی کچھ بشر کے واسطے

ایضاً

رات دن ہم کو رہ ملک عدم کا ہے خیال
ساتھ کاے لیجائے گے اوس رہگذر کیواسطے

کر چکے برباد سب زاد عمل اپنا یہیں
حیف ہے رکھا نا کچھ ہم نے سفر کے واسطے

اوسکی قسمت میں کہیں اے عشق کوئی بھی عذر
غم کا کھانا رہ گیا ہاں اک ظفر کے واسطے

دیگر

تجھے جو اور ہی کچھ ہے صنم سمجھ لیں گے
وہ تیرے جو روستم ساری ہم سمجھ لیں گے

تمہاری شکل ہی سے ہمتو اپنے خط کا جواب
یقین ہے نامہ برو یکقلم سمجھ لیں گے

اندھیری گور کی اے عشق روشنی کے لیے
جگر کا داغ چراغ اپنا ہم سمجھ لیں گے

جو ہوگی چشم عنایت تری نواے ساقی
شراب خوار اوسے جام جم سمجھ لیں گے

جو دیگا عشق ترا ہم کو ذلت وخواری
ہم اپنے واسطے جاہ و حشم سمجھ لیں گے

ہمارے سینہ پہ داغ کو جو دیکھیں گے
یقین ہے تختہ باغ ارم سمجھ لیں گے

ہمارے ہاتھ سے اب کی تو بچ گئے اغیار
ظفر جو آئیں گے پھراون سے ہم سمجھ لیں گے

ملتے ہیں ہم سے پہ یہ دل میں عداوت رکھتے
جانتے ہم تو نہ ایسوں سے محبت رکھتے

ماہ و خورشید میں تیرا سا کہاں حسن و جمال
عید کو رکھتے اگر ایسے وہ صورت رکھتے

شبنم اشک کی میرے ہی یہ شادابی ہے
کہ تمہارے گل عارض میں طراوت رکھتے

نہ تو ہستی ہی کے مالک نہ عدم کے مختار
فی الحقیقت ہے کہ ہم کیا ہیں حقیقت رکھتے

نظر آتا ہے ہر اک شے میں انہیں جلوہ حق
جو کہیں آئینہ سان دلمیں کدورت رکھتے

معتقدم تم نہیں نالہ کے اثر کے تو نہو
ہم دکھا دیتے اگر نالہ کی طاقت رکھتے

ہم تہیدست ازل کے ہیں نہیں گانٹھ میں کچھ
ایک دم رکھتے ہیں بس کچھ نہیں دولت رکھتے

دم بھی اپنا نہیں آدم کا سنا ہے احوال
دیکے پردہ سے کسی کے ہیں امانت رکھتے

ہاں ہاں اپنا گنہگار ظفر ہے لیکن
ہیں پیمبرؐ سے ہم امید شفاعت رکھتے

یوںتو جو مجمع ہے اس میں دو برے اور دو بھلے
درد و غم عیش و طرب ہیں دو برے اور دو بھلے

نیک و بد ملجائے جب باہم تو مشکل ہے تمیز
مہر و کیں لطف و غضب ہیں دو برے اور دو بھلے

دین اور دانش بگاڑ اور چشم و عارض کا بناؤ
سچ ہے گن بنت العنب ہیں دو برے اور دو بھلے

گرندیں تو پاس دولت دیں تو عزت اور نفع
چار قصہ ہیں طلب ہیں دو برے اور دو بھلے

اونکی رحمت پر نظر ہے روزہ ستا ہے ظفر
کام اپنے روز و شب ہیں دو برے اور دو بھلے

دیگر

ساقی آئے شتاب میرے لیے
لائے جام شراب میرے لیے

ہوں وہ میکش کہ چرخ لاتا ہے
ساغر آفتاب میرے لیے

غیروان جائیں اور نہ میں جاؤں
ہے عجب انقلاب میرے لیے

کہا بلبل نے بس کفایت ہے
بوستان کی کتاب میرے لیے

کیا پلک ہے لگی پلک شب ہجر
نہیں قسمت میں خواب میرے لیے

شانہ اوس زلف میں پھرے ہیہات
اور ہو پیچ و تاب میرے لیے

تشنہ آب تیغ قاتل ہوں
ہے گوارا یہ آب میرے لیے

نعمت خلد سے زیادہ ہے
یان شراب و کباب میرے لیے

گر نہ جنت میں ہو وہ پاس ظفر
ہے برا یہ عذاب میرے لیے

دیگر

سناتے ہیں ساقی کو میخوار ڈھب کی — کہ ہو چاٹ کوئی مزیدار ڈھب کی

مزا ہے اسی میں کہ ہوں ونسے باتیں — جو دو چار بیڈھب تو دو چار ڈھب کی

ترا وصل ہو تو مرا درد جاوے — نہیں اور کوئیء دوا یار ڈھب کی

نہ کیوں دم بدم تیرے ابرو کو دیکھیں — ہماری ہے قاتل یہ تلوار ڈھب کی

ترے ڈھب پہ چڑھا جائیں اک بات میں ہم — کرے تو اگر یار گفتار ڈھب کی

کبھی تم سے ہیں اپنے ہی ڈھب کی کہتے — ہمارے کہیں کہتے زنہار ڈھب کی

ظفر زال دنیا سے مت کر لگاوٹ
کہ تیری نہیں ہے یہ مراد ڈھب کی

بھووں کے آگے جو خنجر کی دھار گر جائے — نگہ کے سامنے جم دھر کی دھار گر جائے

گلے پہ پھیر سمجھ کر ہمارے اے قاتل — کہ سخت جان ہے نہ خنجر کی دھار گر جائے

دل عدو پہ لگا دیکھ تو نہ تیغ نگاہ — کہیں نہ چوٹ سے پتھر کی دھار گر جائے

عجب نہیں ہے اگر میری سخت جانی سے — جو تیغ شوخ ستم گر کی دھار گر جائے

ظفر ہے تیری غزل کی وہ سنگ لاخ زمین
کہ تیغ جوہر سخنور کی دھار گر جائے

تھے بار غم تمہارے جتنے اوٹھانیوالے — اب ایک بھی نہیں تھے کتنے اوٹھانیوالے

بار غم محبت دل پہ اوٹھائیں ہم — بار ہوس تو ہیں یہاں اتنے اوٹھانیوالے

بے شر تھے جو کہ ہم دم زیر زمین گئے سب — قسمت کے رہ گئے ہیں فتنے اوٹھانیوالے

اس چشم نم کے آگے سر تو اوٹھائیں آ کر — بادل ہیں سر فلک پہ اپنے اوٹھانیوالے

جل جل کے خاک ہو خود اے ظفر یہاں سب
ہیں شعلہ شرارت جتنے اوٹھالے والے

اہل دنیا تو کہیں کچھ بھی مروت رکھتے
مشہ پہ ہے ملتے یہ ہیں دل میں عداوت رکھتے

مطلع ثانی

ہم بھیایوں میں سے ہیں صاف محبت رکھتے
آئینہ سان جو نہیں دل میں کدورت رکھتے

مطلع ثالث

کیا کسی سے کہیں ہم کیسی ہیں الفت رکھتے
نام الفت کا نہیں لینے کی طاقت رکھتے

اس پہ نازاں ہیں کہ مسجود ملائک ہیں ہم
گو حقیقت میں نہیں کچھ بھی حقیقت رکھتے

ہم سے ہوگا نہ کبھی راز محبت افشا
دل میں اپنے یا کسیکی ہیں امانت رکھتے

درہم داغ ودر اشک و زر زرد دی رخ
ہم بھی کیا عشق کی دولت سے دولت رکھتے

ان سے تشبیہ تجھے دیجے کس صورت سے
کہ مہ و مہر نہیں تیری صورت رکھتے

سن کے اس کان سے اوس کان اوڑ دیتے ہیں
کان میں ہم نہیں ناصح کی نصیحت رکھتے

قطعہ

ہم سے دیوانوں کا احوال عجب ہے ہمدم
کان بھی آنکھیں بھی اور اچھی ہیں صحبت رکھتے

لیک کیا فائدہ اس سے جو پڑھا لکھا تھا
یاد کچھ بھی نہ رہا اتنی ہیں غفلت رکھتے

کیا انہیں حشمت شاہی سے محبت ہووے
اے ظفر ہم تو فقیروں سے ہیں الفت رکھتے

دیگر

دیکھا بروکو آئینہ میں میری نظر سے
تالاب میں آجائے نظر تجکو مگر سے

مطلع ثانی

اک ایک سر شک اپنے ظفر دیدہ تر سے
بہتر مرے نزدیک ہے سو گنج گہر سے

دندان دہن سرخ میں ان سیم بروں کے
کیا در جگ لعلیں میں چمکتے ہیں گہر سے

تاروں سے ستاروں کو جو ہے کشش کی نسبت
ہر ناخن پا کو جو شباہت ہے قمر سے

گردوں پہ بتاتے ہیں جسے انجم شب تاب | اس آہ شرربار کے ہیں چند شرر سے
کب ہاتھ میں لچھا ترے ریشم کا ہے کالا | یہ سانپ ہے لپٹا ہوا صندل کے شجر سے
کس واسطے دیکھیں سر گردوں مہ نو کو | کیا اپنے وہ بہت رہے لب زخم جگر سے
تا ملک عدم جبکہ پہونچتے ہیں نفس سے | کیونکہ جان چھپاتے ہیں سب اس سہل سفر سے
خاک اونکی اگر کحل بصارت ہو عجب کیا | کشتے جو ہوئے ہوں ترے شمشیر نظر سے
چمکائے ہزار آپکو خورشید قیامت | ہم تاب ہو کیا تاب مرے داغ جگر سے

بے ذوق ذرا لطف نہیں شعر وسخن میں
اس رمز نہانی کو کوئی پوچھے ظفر سے

شب جو مجلس میں چمکی شوخ مہر دماغ کی بتی سی | گویا روشن ہو گئی گھر میں تمیں چراغ کی بتی سی
یہ جو خراش ناخن داغ سوزاں میں ہے دشت جنون | صنعت سے ہے تیری چراغ دل کے داغ کی وکی بتی سی
کیونکہ نہووے روشنی اس سے میخانہ میں اے ساقی | موج شراب آتشگون ہے صاف ایاغ کی بتی سی
سوئے خال شمع رو آیا جبکہ نظر بد مستوں کی | کہنے لگے ہیں یہ کیسی ہے چونچ ہیں زاغ کی بتی سی
ہے دل روشن مہر فروزاں اونکا کب اے شمع تیری | خاطر میں ہے آتی اہل کنج فراغ کی بتی سی
ہر شب جائے مشعل اپنے آگے جوش وحشت کے | نالہ سوزاں سے ہے روشن رہ میں داغ کی بتی سی
قافلے کی گنجائش کم ہے لیکن فکر کے روغن سے | ہم نے ظفر ہر بیت میں روشن مثل چراغ کی بتی سی

دیگر

بنا زیب مسی کا ملنا روئے آتشیں سے ہے | سلگتی آگ ہے جس جا دھواں اوٹھتا وہیں سے ہے
مسی لب پروانہ اوسکے کیوں ہو ہمسر ابر نیساں ہے | کہ روکش تاب دنداں کی برق آتشیں سے ہے
مسیکیں پیک اوسی دیکھ کر حیران ہے دل | کہ اوڑا ابر نیساں کس طرح چرخ بریں سے ہے
تیرے اس مصحف رخ پر ہے کیا زلف دوتا زیبا | دو بالا زیب اس جدول کو قرآن مبیں سے ہے
نہ کیوں دریائے خوبی کہوے اونکی جان جہاں کو ہے | تحمل یاں موج دریا جھلکے ہر چین جبیں سے ہے
شب ہجراں میں بہا دیا بہائے چشم پر نم نے | ٹپکتا آج تک پانی ہماری آستیں سے ہے
بہائے اشک خونیں ہم نے جس جا چشم گریاں سے | تو ہوتا لعل پیدا اب تلک اوس سرزمیں سے ہے

نہ کیوں شاہنشہی اپنی جہاں میں فخر شاہاں ہو — کہ فیض دو جہاں مجکو ہوا یہ فخر دین سے ہے

ظفر کنج قناعت میں ہو رہتے رات دن بیٹھے
ہوئی اب دل لگی شاید کسی پردہ نشین سے ہے

ہو گیا زلف سیہ کا کس کی یہ سودا مجھے — اک نظر آتا ہے پرچھاوان بلا کا سا مجھے

مطلع ثانی

ہو گئی الفت وفا والے دلبا دلون سے کیا مجھے — روز دکھلاتی ہے چشم اک اشک کا دریا مجھے

مطلع ثالث

جان تیری دوستی کا ہو بھروسا کیا مجھے — جب بھروسا ہی نہیں دم کا تو ہو سکتا مجھے
خندہ گل کیا خوش آئے مجکو صحن باغ میں — نالہ رولاتا ہے تیرا بلبل شیدا مجھے
ہو کے روپوش آہ مجھ سے حسرت دیدار میں — او بت تر ساخدا کو مان مت ترسا مجھے
عشق میں اوس خال کے کھاؤں جو گل میں ناتوان — حلقہ چشم نگیں سے چاہیے چھلا مجھے
تیرے جوڑے کی کھچاوٹ ہے کوئی کافر بلا — مارتی ہے یہ غضب کا کھینچ کر مکا مجھے

قطعہ

خواب میں مجھ سے ہوا وہ ماہ شب کو ہم کلام — میں نے پہچانا اوسے اور اوسنے پہچانا مجھے
پر کہاں ایسے نصیب اپنے جو وہ اے ظفر — یہ بھی ہے میرا خیال اک شکل دکھلاتا مجھے

دیگر

ابروی کی تیرے کمان سے کچھ نہ شباہت ملتی ہے — کافر تیری مژگاں کی بھی تیر سے صورت ملتی ہے
دل میں کدورت اور بھی زاہد اوسکے بڑھتی جاتی ہے — آ کر کوچہ قاتل میں جو خاک میں خلقت ملتی ہے
نازان داغ عشق پہ ہو کر کہتا ہے یہ دل اپنا — کس کی ایسی قسمت ہے یہ کس کو دولت ملتی ہے
کھاتے ہیں ہر روز ہزارون زخم تیغ جو رو ستم — عشق میں کیا ہی روزی ہمکو واری قسمت ملتی ہے

ہین در دندان تیرے مصفا ایسے جنکے سامنے صاف
خاک مین آب روے گہر اے کان ملاحت ملتی ہے

ملنے کی اوس یار کے ہر دم کرتے ہین تدبیر تو ہم
دیکھیے کب تک اپنی مراد دل اے الفت ملتی ہے

ورنہ بھاگے تیر ظفر آغوش کمانسے پھر کیونکر
پیر و جوان کی زیر گردون کوئی طبیعت ملتی ہے

دیگر

ترے کرم کی جو ہم پہ نگاہ پڑ جاتی
تو ہم کو کا ہیکو خوے گنہ پڑ جاتی

اوٹھاتا ہاتھ نہ تو قتل سے ترے اک خلق
جو پانون بھی پے عفو گنہ پڑ جاتی

ہین جتنے ٹیڑھے ابھی پل مین سیدھے ہو جاتے
جو اوکی تجھ پہ نظر کج کلاہ پڑ جاتی

جو گھر رقیب کے جاتا ہے ہم سے چھپ کے
برائی دل مین ہے بے اشتباہ پڑ جاتی

ہم اوسسے مانگتے بوسہ بھی نقد دل دیکر
جو لے دین کی کچھ رسم و راہ پڑ جاتی

چھوڑتا پیچھے اوسے اس بلا سے تھا مشکل
جو دل کے پیچھے وہ زلف سیاہ پڑ جاتی

جو کل کے وعدے پہ ہوتا یقین تو آئے گا
تو کچھ بھی کل مجھے ہے بیشک ماہ پڑ جاتی

برنگ شیشہ فلک پاش پاش ہو جاتا
جو صرف نالہ دل اپنی گاہ پڑ جاتی

جو محفل شعرا مین ظفر غزل پڑھتے
تو دھوم ایک طرف واہ واہ پڑ جاتی

خیر جان کی ہے جو میری جان اسکین خیر ہے
دیکھتے ہی خط کو آؤ یان اسکین خیر ہے

روٹھتے دل بیٹھتے ہین شر ہزارون کر بشر
کنج تنہائی مین بیٹھے یان اسکین خیر ہے

خط جانان کو دکھاتا ہون برابر جان کے
جانتا ہون اسکو حرز جان اسکین خیر ہے

حضرت دل کس لیے بے چین کرتے ہو مجھے
جاؤ سوے کوچہ جانان اسکین خیر ہے

بزم رندان مین نجاتا تم بنے گر شیخ جی
اپ کے بارے نہ بگڑے شان اسکین خیر ہے

نشہ لگانے مین خرابی اس خرد دشمن کے ہے
دختر رز سے بچے انسان اسکین خیر ہے

ہم بھی یہ بیڑا اوٹھاتے ہین کہ نشہ کر دین گے لال
کھانا ہاتھون سے عدو کے پاس اسکین خیر ہے

خط جو بھیجو تو خطون کو بھیجو اس عنوان ظفر
ہو خبر اس کی نہ کانون کان اسکین خیر ہے

دیگر

فقط کیا ہڈیاں ہی کو غم دلبر چبا ڈالے
جو ہو بالفرض لوہا بھی تو یہ کافر چبا ڈالے

تمہی کا سر فلک کو دیکھ بولے صبحدم میکش
کہ پیر چرخ نے کیا دانہ اختر چبا ڈالے

مقابل ہو اگر پستہ وہان تنگ سے تیرے
ابھی اوسکو یہ تیرا عاشق مضطر چبا ڈالے

بعد اوس سے کہیں جوش جنون مین تیرا دیوانہ
اگر زنجیر آہن اے پری پیکر چبا ڈالے

ہمارے مدعا کی بات ہین وہ یون چبا جاتے
کہ جون پانون کا بیڑا کوئی منہ مین دھر چبا ڈالے

جو کھائے دست طفلاں سے ترے کو ٹھوکیں اے جانان
تعجب کیا ترا مجنون جو وہ پتھر چبا ڈالے

غم ان آہو نگاہون کا ظفر یون کھا گیا دل کو
کہ جون شیر گرسنہ صید کو لیکر چبا ڈالے

دیگر

سخن ہین تیز ترے منہ سے یون نکل پڑتے
میان میان سے خنجر ہون جون اوگل پڑتے

صفائی عارض دلدار کچھ نہ پوچھو تم
نگہ کے پانون نہیں جمتے ہین پھسل پڑتے

رقیب بیچ کی چلتا ہے کچھ اگر مجھ سے
ہنسی کے مارے مرت پیٹ مین بل پڑتے

وفور گریہ کا آتا مرے اگر کچھ ذکر
تو سن کے حوض مین فوارے بھی اوچھل پڑتے

کبھی تو آنے کا اقرار ہے کبھی انکار
اسی طرح کی باتون مین وان خلل پڑتے

منا کے لاتے ہین جس وقت انہیں مرے ہمدم
تو اور روٹھ کے رستے مین ہین مچل پڑتے

اوٹھاؤ حضرت دل کو بھی کہیں اوٹھتے
یہ کوئے یار مین جس وقت ہین مچل پڑتے

عجب ہین حضرت دل بھی کہ شعلہ رویکو
برنگ موم ہین بس دیکھ کر پگھل پڑتے

جو آئے ہے دہل صبح کی ظفر آواز
شب وصال مین ہم سب کے ہین دہل پڑے

طاق ہین جو ترے بیداد گری مین غمزے
نہ تو وہ حور مین ہین اور نہ پری مین غمزے

زخمی تیغ نگہ کے ترے اے کافر کیش
چارہ گر کرتے ہین کیا چارہ گری مین غمزے

بے خبر دیکھ کے ہین چشم سیہ مست ترے
قتل کرتے ہین انہیں بے خبری مین غمزے

دیکھ کر چشم حقارت سے انہیں اے ناصح کر نہ تو ہم سے اس اشفتہ سری میں غمزے

کس روش آنکھ اوٹھا دیکھے چمن میں نرگس
کر نہیں خوب ظفر بے بصری میں غمزے

ہمارے آپ خفا ہو کے کیا سکانسے گئے تمہارے جانے سے یان ہم بھی اپنی جانسے گئے
گئے جو کوچہ قاتل میں آہ حسرت دل مری طرف سے وہ اے ہمدمو جہان سے گئے
نہ آیا شام کے وعدے پہ تو جو ماہ لقا خدنگ اہ گذر اپنے اسمان سے گئے
گئے جو ہم سے خفا ہو کے حضرت ناصح برا بھلا انہیں کہتے ہوئے زبان سے گئے
جو دور پھینکے تری جنبش دوا برو نے بشر مژہ گان سے فرشتہ سب آسمان سے گئے

قطعہ

گلی میں یار کی ہم آج شب کو اے ہمدم بتائیں کیا کہ کدھر سے گئے کہا سے گئے
صبا کی طرح سے آنکھون میں سب کی دال کے خاک نظر بچا کے ہر اک وان کے پاسبان سے گئے
لگایا تجھ سے جو دو روز ہم نے اپنا دل تو کچھ نہ پوچھو کہ آرام جاو دان سے گئے
ظفر جو پہونچے وہان ہم خدا خدا کر کے تمام عمر نہ پھر کوچہ بتان سے گئے

دیگر

کہاں طاقت اتنی کہیں یار مشہ سے لگائیں گے مشہ تیرے یکبار مشہ سے

مطلع ثانی

ترا اگر کہون وصف رخسار مشہ سے نکلیں پھو جھڑنے مرے یار مشہ سے
جو کچھ اوسنے کہتے ہون مشہ میں تو کہوین نہ کہتا انہیں کچھ خبر دار مشہ سے
چھپایا بہت راز دل ہم نے لیکن ہوا فاش آخر کو نا چار مشہ سے
دم جوش مستی مجھے ڈر ہے ساقی نہ بکار اوٹھیں کچھ یہ میخوار مشہ سے
اگر بات سیدھی بھی کہتا ہون اونکو سناتے ہین اولٹی وہ دو چار مشہ سے

جو تو چاہتا ہے بھلا تجکو کہوین
کسی کو برا کہہ نہ اے یار منہ سے

بتون مین خدا جانے کیا جلوہ دیکھا
کبھی ہم نہ کہوینگے زنہار منہ سے

اونہیں کے ہے دل مین بہت اُنکی الفت
جو کہتے ہین دنیا کو مردار منہ سے

محبت مین گر لاکھ صدمے ہون دل پر
ظفر کچھ نہ نکلے خبردار منہ سے

دیگر

یار غم واندو دل پر رنج سے کچھ تو ٹل جائے
کیا ہوتا گھر اپنے اگر تم آج نہ جاتے کل جاتے

خاک مین ملتا اس کے حق مین ہوتا اکسیر آپ اگر
میرےدل پا مال الم کو پانون سے آ کر مل جاتے

ہوتا ہے وہ شمع رو گر اپنا جو زیب بزم کبھی
رشک سے دشمن جو پروانہ جی مین اپنے جل جاتے

مد نظر آداب محبت اتناہے یان قاصد اشک
جب جاتے ہین اوس کوچے مینہین سر کے بل جاتے

ہوتی خبر گر پہلے مجھے میرے دشمن جانی جاتے ہین
حضرت دل پھر کاہکو یون میری بغل مین پل جاتے

چھوٹتے ہی پھر صاف جگر کے پار یہان ہوجاتے ہین
تیر نظر جس وقت تڑتے ہین اے بت سرکش چل جاتے

اونسے بیان جب کرتا ہون مین سوز محبت اپنا ظفر
میری طرف سے اور بھی وہ ہین اپنے جی مین جل جاتے

وہ بلندی مین حویلی گنبد مینوی ہے
کیا کرین وان کیونکہ جائین جائے بے قابوی ہے

ہم سے برگشتہ تری بھی آتی ہین نظر
تیری ابرو ہی فقط ظالم نہ کچھ خمروی ہے

کیا سنے عشق بتان مین وعظ تیرا واعظا
بھر رہا کانون مین اپنے نالہ ناقوسی ہے

بزم مین تیرے اونہیں لوگونکاہوتا ہے گذر
جن کو آتی چاپلوسی اور کانا پھوسی ہے

مجھ سے دیوانے کو پھر کیا خواہش ملبوس ہو
خاک کوئے یار تن پر پیرہن ملبوسی ہے

عیب ہے نزدیک اپنے یان لباس فاخرہ
اطلس و کمخواب سے ہمکو زیادہ سوسی ہے

اوس رخ روشن کے اگے شرم سے محفل مین شمع
منہ چھپاتی اپنا زیر برقعہ فانوسی ہے

پاس تو اپنے نہیں ہے جیسے اے آرام جان
ہم اور گھر ہے اکیلا عالم مایوسی ہے

زال دنیا نیک ہے ہر چند ظاہر مین ظفر
لیک باطن مین اسے دیکھا تو یہ بد خوی ہے

دیگر

اوس مصحف رخ کا تو ہم دھیان نچھوڑینگے
ایمان ہے وہ اپنا ایمان نچھوڑیں گے

مطلع ثانی

کیا بت فقط اپنا دل اور جان نچھوڑینگے
اس طرح کے کافر ہین اپنا ایمان نہ چھوڑینگے
گر خاک بھی ہم ہونگے کوچین ترے لیکن
اے بت بخدا تیرا دامان نہ چھوڑینگے
دنیا کے کبھی دھندے چھٹ جائین چھٹجائین
پر تجلو کسی عنوان اے جان نہ چھوڑینگے
آنکھون کے ہین ترے مخمور جو اے ساقی
وہ بادہ فروشو کی دوکان نہ چھوڑینگے
گو اشک بھی مژگان تک آئینگے یہان تو بھی
ہن باندھے وہ گریہ کا طوفان نہ چھوڑینگے
ہو حشر اگر برپا نالون سے مرے ہوئے
پر طرز تغافل وہ اک آن نہ چھوڑینگے
بتلاوے اگر کوئی دوکان طبیب عشق
تو ہم کبھی ہرگز وہ دکان نہ چھوڑینگے

بخشے ہے ظفر اپنے یہ ذوق عجب دل کو
ہم ذوق کا ہاتھون سے دیوان نچھوڑیں گے

دکھاتی ہے جو شمشیر قضا اپنی زبر دستی
کہیں دست دعا کی کام کچھ اتی سپر دستی
اگرچہ کیسا ہی ہو پہلوان ہے زیر ہو جاتا
کہیں پیش اجل چلتی کسی کی ہے زبر دستی
کوئی مارشیہ لپٹا ہوا ہے شاخ صندل مین
کہان ہے یہ سیہ چوڑی تری اے سیمبر دستی
جو اوس روئے عرق آلودہ کا تو کھینچ دے نقشہ
تو ہو معلوم اے مانی ایسی بھی تیری تر دستی
ہمیں جی چاہتا ہے ہاتھ پر ہر روز گل کھائین
عنایت کیجئے چھلا ہمیں اپنا اگر دستی
تقاضا ہے جو یہ مجھ سے کہ لا مانگا ہے دل ہوئے
کوئی تو رقعہ لایا ہے اوسکا نامہ بر دستی

غلط کہتے ہین جو کہتے ہین خط کہکشان اوسکو
کہ چرخ پیر کی ہے چوب یہ تو اے ظفر دستی

یون ہم سے الگ تم جو سر شام ہو بیٹھے
کیا سننے کو اغیار کے پیغام ہو بیٹھے
اے حضرت دل مانگ مین اوس زلف کی دیکھو
تم راہ مین دزدون کی سر شام ہو بیٹھے
کیون مہر سر چرخ برین کانپ نہ اوٹھے
تم جبکہ سحر اپنے لب بام ہو بیٹھے

مانند نگین صفحۂ عالم پہ عزیزو | گھر اپنے وہ منظور جس نام ہو بیٹھے
کس کے دہن و چشم کی ہے حسرت دل یاد | تم صحنتے جو یون پستہ و بادام ہو بیٹھے
کیا بیٹھے سر بستر گل عاشق شیدا | پہلو مین جو وہ شوخ گل اندام ہو بیٹھے
لاکھون کو عجب کیا جو تھا لاکے بٹھائے | کھینچے ہوئے تم ہاتھ مین صمصام ہو بیٹھے
تقصیر ہوئی کونسی مجھ پہ کرو ثابت | لوگون مین جو دیتے مجھے دشنام ہو بیٹھے
اوس بزم مین کس کس کا نہیں کام برآیا | اک حضرت دل وان نہیں ناکام ہو بیٹھے
کس کی لب میگون کی ظفر یاد ہے تم کو | یون لب سے لگائے جو لب جام ہو بیٹھے

دیگر

چشم وہ کیا ہے اور گلو کیا ہے | گر نہیں ساغر و سبو کیا ہے

مطلع ثانی

اولٹی سیدھی یہ گفتگو کیا ہے | تجھے منظور جنگجو کیا ہے
مین جو کہتا ہون بے وفا ہے رقیب | وہ مجھے کہتے ہین کہ تو کیا ہے
اشک بہتے نہ رخ پہ ہون جسکے | عشق مین اوسکی آبرو کیا ہے
جھوٹے وعدے جو ہم سے کرتا ہے | تیری مرضی دروغ گو کیا ہے
اوسکے نزدیک اے دل نادان | مین ہون کیا چیز اور تو کیا ہے
سوز غم خاک کر کے چھوڑے گا | خشک اس نے کیا لہو کیا ہے
دل ہی مین اپنے ڈھونڈ و تو اوسکو | دیر و کعبہ مین جستجو کا ہے
جو نہائے اوس آب خنجر سے | اوسکو پھر حاجت وضو کیا ہے
حیف اوسنے کبھی نہ یہ پوچھا | کہ ترے دل مین آرزو کیا ہے
روشنی مین حقیقت خورشید | تیری عارض کے رو برو کیا ہے
زلف جھک جھک کے کہہ رہی کافر | کان مین تیر موبمو کیا ہے
مست آیا ہے کون اے ساقی | میکدہ مین یہ ہاؤ ہو کیا ہے
ہے فلک پہ دماغ کیون تیرا | ذہن مین تیرے ماہرو کیا ہے

اگر وہ دوست اپنا بن جائے
اے ظفر دیکھیں پھر عدو کیا ہے

بات اک وہی تو ہم نے اپنی بنائی ڈھب کی
جس نے یان سنائی اپنی سنائی ڈھب کی

دل میں تو ہو کدورت کرتے عیان صفائی
آئینہ رو کہیں ہے یہ تو صفائی ڈھب کی

خط دیکھتا نہ میرا اور خط عدو کا پڑھتا
یہ تو کسی نے تجکو پٹی پڑھائی ڈھب کی

گر قتل کی ہمارے ٹھہرائی تو نے قاتل
صد شکر دل میں تیرے یہ بات آئی ڈھب کی

کہتا ہے دل کر چلیے کوچے میں اوس پری کے
دیوانہ نے ہمارے یہ تو سجھائی ڈھب کی

بک بک کے مغز میرا جاٹے ہے یون جو ناصح
اے عشق شاید اس نے یہ چاٹ پائی ڈھب کی

درمان درد دل کو جز وصول یار جانے
کب اور ہے طبیبو کوئی دوائی ڈھب کی

جب ہاتھ ہم لگاتے بیہلت وہ بگڑتے
ہم بھی کرین گے اون سے آج ہاتھا پائی ڈھب کی

رونق ہلال کی ہان ہوتی ہے شام ہی کو
لب پر مسی دھڑی کی تم نے جمائی ڈھب کی

دل پر لگے جو کوڑے زلفون کے تیرے کافر
بولا کہ واہ ہم نے کیا مار کھائی ڈھب کی

جاؤ ظفر گھر اوسکے شب بیٹھیں میں عدو کے
تدبیر ہمدمون نے یہ تو بتائی ڈھب کی

دیگر

ہم نے آئے جو ترے دم میں صنم خوب بچے
جانا ایمان ہے اللہ کی قسم خوب بچے

کہہ اوٹھے دیکھ کے اوس بت کو تجھ سے اور
شکر اللہ کی اس بات سے ہم خوب بچے

جوش طوفان سے ترے تھی نہ توقع کہ بچیں
بار افلاک سے کچھ اے دیدہ نم خوب بچے

ناتوانی سے سر دشت جنون بیٹھا ہون
خار ٹوٹے نہ مرے زیر قدم خوب بچے

بوالہوس داغ محبت جو نہ کھائے تو نے
نہ ہوئے صرف ترے دام و درم خوب بچے

تم کہیں وہ کہ جو بن کھائے کسی کو چھوڑو
بچ رہے تو سے جو اے حضرت غم خوب بچے

کہا گیا غم ہی جو اک روز اکیلیں خوب ہوا
روز کھانے سے ترے عشق میں غم خوب بچے

تیرے ہاتھون سے تو دشوار تھا بچنا قاتل
گر بچے ہم تہ شمشیر ستم خوب بچے

سبز رنگون کے نہ ہم جور ستم سے بچے
کھا گئے انکی محبت میں سم خوب بچے

زال دنیا تو ظفر کوئی بلا دل کش ہے
جو بچے اس سے وہ اللہ کی قسم خوب بچے

ہو گئی اونسے جو کچھ ردو بدل پرسونسے
کسی صورت نہیں پڑتی مجھے کل پرسون سے

یون تو پرسون ہی سے بیکل ہین ہم ایماہ جبین
لیک کچھ اپنا عجب حال ہے کل پرسون سے

جک ادائیکی نتھی بات کوئی پرسون تک
کیا سبب رکھتے ہو تم ہم سے جو کل پرسون سے

دیکھا پرسون سے نہیں تجکو جو اے ماہ لقا
آیا گر یہ سے بصارت مین خلل پرسون سے

تھی نہ پرسون تلک امید سنبھلنے کی ہمیں
گئے آنے کی تری سن کے سنبھل پرسون سے

پا پرسون سے نہیں اپنے جو وہ عیسیٰ دم
کیا مری جان کے در پے ہے اجل پرسون سے

لکھیں تو نے تو ظفر سیکڑون اور یارونسے
نہوئی آج تلک ایک غزل پرسون سے

دیگر

اوٹھائے ہم نے تم نے حسرت دل رنج وغم جیسے
کوئی ایسے اوٹھائے کیا نہ تم جیسے نہ ہم جیسے

ہمیں ہین دم مین جو اوسکے نہیں آتی نہ کچھ پوچھو
ہمیں اے ہمدمو دیتا ہے وہ دم باز دم جیسے

گل داغ جگر کی یہ بہار آئی نظر ہم کو
کہ خاطر مین نہیں آتی گلستان ارم جیسے

کشیدون مین کہیں روے زمین پر ایسے دیکھیں ہین
رکھے ہین شوخ تیری زلف پیچان پیچ وخم جیسے

کلیجے مین غم فراق نے یون نا سور ڈالا ہے
کسی گھر مین لگائے نقب و زد پر ستم جیسے

ہمیشہ کنج تنہائی مین اپنے پاس رہتے ہین
کہان غمخوار ملتے ہین عزیز و درد غم جیسے

برنگ نقش پا بستر لگائے در کو اوسکی
ظفر اوس در پہ لاکھون پڑے مشتاق ہم جیسے

دیگر

اک تیشہ مین گرا وہ آخر پچھاڑ کھا کے
فرہاد کو دیا اے شیرین پہاڑ کھا کے

مژگان ترے وہ کافر ہندوبچے ہین پلٹن
آہن جگر بھی اوسکی ٹھہرین نہ باڑ کھا کے

خوان فلک سے اوسکی قسمت مین بھی یہ روزی
جنگل مین غم سے مجنون رہتا ہے جھاڑ کھا کے

رکھیں دل عدو کو جو ہٹ کی آڑ مین وہ
کردے تمام آنا پچھن کو اڑ کھا کے

فرقت مین تیری ہم کو اے سرد مہر ہر روز
کہنا ہی کیا ہے غم گرم ذرہ اڑکھا کے

کھایا جو دل تو سینہ اے غم نکر دریدہ
مہمان بے مروت چل نہ پھاڑ کھا کے

دل پر ہجوم غم ہے آنکھون پھر جو یون ہین
اسکو ظفر رہے گی یہ بھیڑ بھاڑ کھا کے

ویگر

جب ہاتھ مین اے قاتل تو تیغ ستم پکڑے
لاکھون کو تھا ناحق پھر تیری قسم پکڑے

اوٹھے نہ اوٹھائے سے پامال ستم تیرا
کوچکی زمین تیری جون نقش قدم پکڑے

زندان محبت سے پھر چھوڑتے نہ جیتے جی
ایسے کسی ساعت مین یارب گئے ہم پکڑے

اے مہر لقا گر ہو آنے کی خبر تیری
شاید کر سحر تیرا بیمار علم پکڑے

افسانہ غم اپنا پھر اوس سے ہین کیونکر
جب درد سے پہلے ہی سر کو وہ صنم پکڑے

اے چارہ گرو تم سے کیا دخل کر پھر نکلے
کر دل سے اگر اپنے وہ تیر ستم پکڑے

لکھ ڈالے ظفر دفتر اشعار کے اک دم مین
ہاتھون مین ذرا اپنے جس وقت قلم پکڑے

ہم اپنی جان تک بیچاوین بت خود کام پر دیتے
کہیں کوڑی بھی یہ زاہد خدا کے نام پر دیتے

خرامان جب وہ ہوتا ہے تو لاکھون فتنہ محشر
اوسے اوٹھ اوٹھ کے تعظیمیں ہین کیا ہر گام پر دیتے

اوٹھا سکتے ہین وہ رنج و مصیبت کب محبت مین
جو کاہل ہین وہ دم اپنا راحت و آرام پر دیتے

جو کچھ پرواز کی رکھتے تو صیادان سنگین دل
اسیرون کے کتر کر پنکھ زر دام پر دیتے

تمہاری چشم کے کشتون کا یہ بھی اک کرشمہ ہے
کر ہین سب فاتحہ اوکی گل بادام پر دیتے

جو وہ خورشید رو ملتا تو کیون اس شور سے نالے
دو ہائی روز چڑھ چرخ نیلی فام پر دیتے

ظفر محفل مین اوکی ذکر آجاتا ہے گر اپنا
تو ہین دشنام کیا کیا وہ ہمارے نام پر دیتے

ویگر

نازو ادا جس وقت اسیں اوس ماہ جبین کے یاد آئے
جورو جفا و ظلم و ستم پھر چرخ برین کے یاد آئے

رنج نہان سے خون ہوا دل اپنا کیا کیا پہلو مین
دست نگارین جبکہ نگاہ پر وہ نشین کے یاد آئے

دل کی حالت کیسی ہوتی بس اپنے کہیں کر سکتے ہم
لطف جو بوسہ دینے میں وہ اس کی نہیں کے یاد آئے

عشق میں زلف و رخ میں کس کے محو ہے یہ شام و سحر
ہمکو نہ زاہد ہرگز جھگڑے کفر و دین کے یاد آئے

وصل کی شب بھر روتے ہی گذری ہم کو خوبی قسمت سے
دن جو ہمیں لاوہ فراق یار حسین کے یاد آئے

دیکھ کے سر پر خاک اوڑاتے اپنے بگولے صحرا میں
ڈھنگ جنون میں ہم کو قیس خاک نشین کے یاد آئے

رات گذاری ہم نے ظفر پھر ساری تارے گن گن کر
خال رخ پر نور جو ہمکو ماہ جبین کے یاد آئے

نہ تنگ کیوں ہمیں صیاد یوں قفس میں کرے
خدا کسی کو کیہان نہ بس میں کرے

بلند آہ شعلہ جو دل سے ہوا تو خاک
جلا کے خیمہ گردون کو اک نفس میں کرے

لگا کے کان سنے باغ میں نہ گل ہرگز
ہزار مرغ چمن نالے اوس ہوس میں کرے

نہ کہتے راز کبھی ایسے آدمی سے دلا
جو تنگ حوصلہ مذکور اوس کا دس میں کرے

عدو کو میرے برابر وہ شمع رو سمجھے
غضب ہے فرق نہ پروانہ وکس میں کرے

کہے ج وآتیکو دو دن میں شوخ وعدہ خلاف
تو پھر گذر کبھی شاید وہ دو برس میں کرے

ذرا بھی رحم نہیں ان میں ہیں یہ وہ کافر
خدا کسی کو بتون کی ظفر نہ بس میں کرے

دیگر

ہمارے راز دل کو ہے جو کہنے ہر کہیں تکتے
تو طفل اشک نظروں میں تری ہمیں اٹھیں تکتے

ہوائے وصل تیری ہم جو رکھتے ہیں تو جون ذرہ
زمین پر پاؤن اے خورشید وش اپنے کہیں تکتے

اوڑا دیتے دھوئیں تیرے ابھی دم میں اگر جھوکے
ہمارے صرصر نالہ کے اے چرخ بریں تکتے

دردندان کے تیرے سامنے اے بحر محبوبی
ہماری آنکھ میں ہیں کب بھلے درثمین تکتے

جو نقش لعل تو سن کے ترے ہوتے نمایاں ہیں
تو ہیں روئے زمین کو چار چاند اے مہ جبیں تکتے

حدیث سوز دل ہم گریبان اوس بزم میں کرتے
تو جلتے شمع آسا ان کے سب محفل نشین تکتے

ظفر جز شکر قاتل کے نہیں کرتے شکایت ہم
اگرچہ دمبدم لاکھوں ہیں زخم تیغ کین تکتے

دیگر

کہتے ہو تم ہمارے غم سامنے نہ آئے
اس واسطے تمہارے ہم سامنے نہ آئے

ابر بہار ساقی جوش و خروش پر ہے
مے بھی زیادہ آئے کم سامنے نہ آئے

یکبار تو جو آئے اے راحت دل و جان
پھر عمر بھر ہمارے غم سامنے نہ آئے

کھا جائیں غم میں تیرے سم سبزہ رنگ ہمتو
پر کیا کریں جو اپنے سم سامنے نہ آئے

تو رو برو ہمارے گر اے مسیح دم ہو
ہونٹھوں پہ یوں ہمارا دم سامنے نہ آئے

سیر جہان دکھا دے گر جام مے میں ساقی
شرمندگی کے مارے جم سامنے نہ آئے

تو ہے وہ مرد میدان دیکھے ظفر جو تجکو
رستم بھی ٹھونک کر پھر خم سامنے نہ آئے

جو اوس زلف نے کج ادائی دکھائی
نہ دی جس سے شکل رہائی دکھائی

مری آہ سوزاں نے اور آنسوؤں نے
عجب ہی لگائی بجھائی دکھائی

دکھاوے کرشمہ جو کچھ دختر رز
عدے شیخ کی پارسائی دکھائی

رسائی ہوئی غیر کی بھی یہاں تک
یہ آہ رسا نے رسائی دکھائی

ڈبو کر مرے دل کو چاہ ذقن میں
عجب سیر اے آشنائی دکھائی

یہ سنتے تھے آ جائگی اک دن قیامت
ستمگر تو نے روز جدائی دکھائی

ظفر دیکھتے ہیں بھلے تو بھلائی
بروں کو ہے دیتی برائی دکھائی

دیگر

ہم نے فقط نہ جلوہ نمائی کی سیر کی
روئے صنم میں ساری خدائی کی سیر کی

گلگشت باغ وصل ہوئی کب ہمیں نصیب
ہر روز خار زار جدائی کی سیر کی

دولت سے تیرے نالہ و آہ شرر فشان
ہر شب یہاں انار و ہوائی کی سیر کی

کب دیکھتا ہ سلطنت جم کو آنکھ سے
ہو جس بشر نے کوئے گدائی کی سیر کی

لڑوا کے ہم نے غیر سیاوس خانہ جنگ کو
کیا خوب آج واہ لڑائی کی سیر کی

دیکھا نہ ہم نے کوئی بھی کافر ترے سوا
اس بت کدہ میں ایک خدائی کی سیر کی

دیوان سے تیرے دیکھا نہ بہتر جو اے ظفر
دیوان انوری و سنائی کی سیر کی

دیگر

بلائیں لیجیے جو لب اوسکے رات چوم لیے ‏ ‏ تو اس کمال پہ عاشق کے ہات چوم لیے

وہ ہم ہیں ہادی راہ جنون کی مجنون نے ‏ ‏ قدم ہمارے سمجھ کر نجات چوم لیے

تری جو عالم تصویر کھینچ لی تصویر ‏ ‏ پھر اپنے آپ ہی مانی نے ہات چوم لیے

جواب نامہ ہمارا جولایاوان سے شتاب ‏ ‏ تو پاے نامہ برخوش صفات چوم لیے

دیگر

مشہ سے سنی یہ ہم نے خبر چار پانچ کے ‏ ‏ تم چھپ کے رات کو گئے گھر چار پانچ کے

نہ گنبد فلک کو ڈبو کر رہین گے یہ ‏ ‏ دشمن ہیں اپنے دیدہ تر چار پانچ کے

معلوم حوصلے ہون جو وہ امتحان کرین ‏ ‏ دو تین کے ادھر تو ودھر چار پانچ کے

ظالم ملین گے رشک سے دس پانچ خاک مین ‏ ‏ تو ساتھ یون پھرے گا اگر چار پانچ کے

نازو کرشمہ غمزہ و آن و ادا ترے ‏ ‏ ہم ہاتھ سے ہین خستہ جگر چار پانچ کے

کرتا ہے ہاتھ صاف وہ قاتل جو اندنون ‏ ‏ ہر روز کاٹے اوسے سر چار پانچ کے

دین کے عوض ہین پنج تن و چار یار پاک

قربان ہین ہمتو دل سے ظفر چار پانچ کے

جو وہ شکل سے ماہ سے صاف ملتی ‏ ‏ ہے زہرہ سے طبع پہ الطاف ملتی

جو ملتا ہے رخسار سے تیرے مصحف ‏ ‏ تو خط سے ہے تفسیر کشاف ملتی

جو دریا سے ملتا ہے شفاف سینہ ‏ ‏ تو گرداب سے ہے تری ناف ملتی

کسی سے نہیں خو بروئی کے باعث ‏ ‏ طبیعت تری طفل عداف ملتی

شریفون کی چرخ دنی کب سنے ہے ‏ ‏ مگر اس سے ہے دادا جلاف ملتی

طبیعت نہیں مدمیکشی کی تجھ سی ‏ ‏ تری زاہد اور اوسکی اوصاف ملتی

پری دیکھ اوس خوروش کو یہ حکم ہے ‏ ‏ نہیں قاف سے لیکے تا قاف ملتی

نہ ہوتا اگر چرخ دون سفلہ پرور ‏ ‏ نہ یون خاک مین قدر اشراف ملتی

تمہیں سے ہے آمیزش دحت زر کیا
ظفر ہے سبھی سے حراف ملق

دیگر

کسی کی شکل تمہاری نہیں برابر کی
نہ طرز اے زہرہ و جبین برابر کی

ہمارا نالہ پہ شور و صور اسرافیل
ہے چوٹ لبول اندو نگین برابر کی

بنائے دامن ابر اپنے جوش گریہ نے
جو چشم تر کی ذرا آستین برابر کی

ہے توڑ پھوڑ کر اک ایک سقف اور دیوار
ہمارے گریہ نے اے ہمنشین برابر کی

تمہارے وحشیون نے اس قدر اوڑائی خاک
کہ چند روز مین بالکل زمین برابر کی

جوڑی ہوئی ہین جو وہ دونون ابروے پہ خم
عجب ہی جوڑ ہے اے ہمنشین برابر کی

بدل کے قافیہ لکھون غزل اک اور ظفر
مگر ردیف ہو ساری یون ہین برابر کی

دیگر

جبھی مزا ہے محبت ہو گر برابر کی
وفا ہو دل مین ادھر اور ادھر برابر کی

ہمارے داغ جگر اور آہ ہو برابر کی
نہ کوئی سیف نہ کوئی سپر برابر کی

فروغ دیتا ہے خورشید کو مراپون داغ
کہ مہر و ماہ مین جیسے نظر برابر کی

جنون مین کم نہیں مجنون سے کیا عجب ہے کہ ہو
ہماری اوسکی ملاقات گر برابر کی

ہمارے عشق نے اور تیرے حسن نے پیارے
جہان مین دونون کی سبکو خبر برابر کی

مقابلہ مژہ یہ سے چاہتا ہے ہم
لگا دے تو بھی چھری چشم برابر کی

ترے سخن مین ہے استاد و ذوق کا وہ فیض
غزل نہ لکھی کسی نے ظفر برابر کی

دیگر

ساتھ کیون دشمنون کو لے بیٹھے
رہو ہم سمیلے چلے بیٹھے

کہیں آنکھون مین بہ نجائین کر ہم
دل گدازی سے ہین گھلے بیٹھے

دل مین لینے کو چٹکیان میرے
تم لگالو نہ چٹکلے بیٹھے

جی ڈرے ہے مرا کہ کوٹھے پہ
شام کو ہین وہ سر کھلے بیٹھے

کیا نزاکت سے بیٹھے ہین گویا
ہین وہ پھولون مین اب سے بیٹھے

دیکھا اشک آنکھ سے نکل ہی گئے
گھر مین لڑکے نہ چلبلے بیٹھے

آمدو شد سے دم کی بس یونہیں
جون ابھر کر ہون بلبلے بیٹھے

ہم بنا سے کی طرح گھلتے ہین
تم جو غیرون مین ہو کھلے بیٹھے

اے ظفر اس فنا کے دریا مین
کتنے ہین اوٹھ کے بلبلے بیٹھے

تیغ کو تیز کچھ نہیں کرتے
کام خون ریز کچھ نہیں کرتے

تیز کرتے ہین وہ چھری ہم پر
گفتگو تیز کچھ نہیں کرتے

مے سے ہے اجتناب زاہد کو
ہم تو پرہیز کچھ نہیں کرتے

کیا سبب باغ مین جو مرغ چمن
اے صبا ریز کچھ نہیں کرتے

اپ ہی تیز رو ہے تو سن عمر
اس سے مہمیز کچھ نہیں کرتے

کرتے نالہ تو حضرت دل ہین
درد انگیز کچھ نہیں کرتے

کیا ہی بے درد ہین وہ جو باتین
عشق آمیز کچھ نہیں کرتے

صف مژگان کی وہ قواعد دیکھ
ظفر انگریز کچھ نہیں کرتے

دیگر

دو گے جو اک بوسہ برابر سو کے صنم سمجھیں گے
اور تمھیں بھی حاتم عہد اللہ کی قسم ہم سمجھیں گے

تم جو رہو گے پاس ہمارے ہر دم فرقت جانان مین
ہمدم اپنا پھر نہ تمھیں کیون حضرت غم ہم سمجھیں گے

عشق ترا اے خسرو خوبان ذلت و خواری جو دیگا
فخر ووقار و شوکت وفر د جاہ و حشم ہم سمجھیں گے

کچھ ہی سمجھے زاہد ہمکو خوروشون کی الفت مین
اپنے دل پر داغ کو اپنا باغ ارم ہم سمجھیں گے

ہم نہیں عاشق ایسے ہین جو تجھ سے کبھی آزردہ ہون
جو روستم کو پیارے تیرے لطف وکرم ہم سمجھیں گے

چشم عنایت تیری ساقی ہم پر اگر ہو جائے گی
پھر تو اپنے حق مین اوسکو ساغر جم ہم سمجھیں گے

دل مین اپنے سمجھا کیا ہے کوئی رقیب بد خصلت
اک دن اوس سے خوب ظفر اللہ کی قسم ہم سمجھیں گے

دیگر

جو بزم یار میں واں دخت رز چھپی روشن ہے
تو یاں بھی نالہ سوزاں سے اک بتی سی روشن ہے

قطعہ

ترے رخسار تاباں سے ہو کیا مہتاب میرا اے گل
کہ یوں ہی گلشن گردوں میں اک بتی سی روشن ہے

فلک پر انجم شب تاب بھی ہیں منفعل اوس سے
مسی میں تیرے دانتوں کی غضب بتی سی روشن ہے

رقیبوں کی نہ کیوں آنکھوں میں اک اندھیر ہو جائے
ہماری اندنوں اے مہ جبیں رتی سی روشن ہے

بعینہ گر سپر سی ہے نظر وہ مردمک آتی
تو وہ تحریر سرمہ بھی ظفر کتی سی روشن ہے

میرے نزدیک ظلف بادہ پرتی اچھی
پہ کہیں ہے مے پیدا رکی مستی اچھی

آہ گریہ کو مرے دیکھ کے بولا وہ مست
کیا ہوا اچھی ہے کیا بدلی برتی اچھی

خانہ دل میں مرے تیری بدولت اے عشق
کیا ہجوم غم و حسرت سے ہے بستی اچھی

نہوا پر نہوا زخم دل اچھا اس پر
تری ابرو کی لگی تیغ رودتی اچھی

دل ہم اک بوسہ پہ دیتے ہیں نہ تو چھوڑا سے
ہاتھ لگتی ہے ترے جنس یہ سستی اچھی

جو بلندی کو سمجھتے ہیں بھلا نخوت سے
کبھی منہ سے کہیں کہتے کہ وہ پستی اچھی

ہے بشمیں جوش ظفر رہتے ہیں دنیا سے الگ
کہ کہیں الفت بیگانہ ہستی اچھی

دیگر

ہے جو بلبل کو بوئے گل آتی
یاد ہے دید روئے گل آتی

رخ گلگوں جو دیکھتی بلبل
نہ گلستاں میں سوئے گل آتی

خاک اوڑتی خزاں ہے گلشن میں
بن کے ہے کیا عدوئے گل آتی

ہو نہ بلبل عجب سے شادی مرگ
جبکہ ہے رو بروئے گل آتی

دل مرغ چمن میں کیا کیا ہے
حسرت دید روئے گل آتی

ہے قفس میں زباں پہ اپنی
ہر نفس گفتگوئے گل آتی

ظفر آتی ہے جان بلبل میں
جب قفس میں ہے بوئے گل آتی

دیگر

قاصد اوسنے ناڑ کے دھوکے
خط مرے پھینکے پھاڑ کے دھوکے

کرتا ہے کیا ہی گریہ و فریاد
صاف پتھر پہاڑ کے دھوکے

جائے تعویذ قفل تعویذی
چپیتے ہین اوسکو آر کے دھوکے

اشک مجنون نے آبدار کیے
کانٹے ہر ایک جھاڑ کے دھوکے

سرمہ مژگان یار پر کیا کیا
دے ہے خنجر کی باڑ کے دھوکے

میری وحشت تو بڑھ گئی بیڈھب
ہاتھ پیچھے اوجاڑ کے دھوکے

دے ہے ہر تیغ پر آب ظفر
آتش دل سے پہاڑ کے دھوکے

طبیعت جو اونکی نہیں ٹیڑھی سیدھی
تو باتین ہین کیون ہمیشہ ٹیڑھی سیدھی

چلے چال ٹیڑھی نہ کیونکر یہ کج رو
کرے ہے وضع چرخ برین ٹیڑھی سیدھی

فلک کو بھیجو کج ادائی سکھاوے
تری اک نظر مہ جبین ٹیڑھی سیدھی

خدا جانے کا کل مرے دل کی بگڑی
کر ہے سالس جان حزین ٹیڑھی سیدھی

لگے زخم دل پر نہ کیون ٹیڑھی ترچھی
وہ ہے برش تیغ کین ٹیڑھی سیدھی

جو بولے عدو یان تو سیدھا ابھی ہو
بتاتا ہے باتین وہ ہین ٹیڑھی سیدھی

قمار محبت مین ہاروگے پیارے
نہ چالین چلو ہر کہین ٹیڑھی سیدھی

کرین دل کو زیر و زبر و نہ مژگان
بلا ہے صف خشمگین ٹیڑھی سیدھی

قدم کوے الفت مین رکھنا سمجھ کر
ظفر ہے وہان کی زمین ٹیڑھی سیدھی

دل ہی مین فقط کھا کر غم کچھ نہیں کہنے کے
منہ سے بھی کبھی اپنے ہم کچھ نہیں کہنے کے

اغیار ترے آگے اے جان برا تجکو
کہوین کے زیادہ ہی ہم کچھ نہیں کہنے کے

مسجد مین پری کی بھی شمشیر جو ہوگی ہم
دیکھ ابروے جانان کا خم کچھ نہیں کہنے کے

غیر ایک کہے گا تو سو کہہ کے چھوڑیں گے / وہ دل میں نہ یہ سمجھیں ہم کچھ نہیں کہنے کے

گر یہ سے ترے مجھ پہ ہم چشم نہوں خندان / تجکو تو وہ اے چشم نم کچھ نہیں کہنے کے

دشنام ہی کیا اونکی اک ہم کو گوارا ہیں / کھالیں گے جو وہ دینگے ہم کچھ نہیں کہنے کے

جو جو ہیں ستم کرنے تم ہم پہ کرو پیارے / جب تک ہے یہان دم میں دم کچھ نہیں کہنے کے

طے منزل الفت کو چل پھر کے کرے کیونکر / پانون اپنے گئے ایسے جم کچھ نہیں کہنے کے

رندون سے اگر پوچھو کچھ شوکت میخانہ / جز تخت کہ عیش جم کچھ نہیں کہنے کے

وہ گرچہ ظفر ہم کو کچھ ہی کہیں کہنے دو / ہم کچھ نہیں کہنے کے ہم کچھ نہیں کہنے کے

دیگر

بتون پہ ہو کے فدا کیون خراب ایسے ہوئے / جو اک خدائی کے ہم پر عتاب ایسے ہوئے

جو منہ میں آیا وہ بکار ہی اوٹھے ساقی / نشے میں عشق کے ہم بے حجاب ایسے ہوئے

ڈرین عذاب جہنم سے کیا ہم اے واعظ / کہ ہم پہ ہجر کے لاکھون عذاب ایسے ہوئے

سوال مسئلہ عشق جب کیا ہم نے / نہ بولے کچھ علما لاجواب ایسے ہوئے

دل و جگر پہ مرے آئے ہے کباب کو رشک / کہ سیخ آہ پہ بھن کر کباب ایسے ہوئے

جو تیرے عارض پر نور کا پڑا پر تو / تو روشنی میں مہ آفتاب ایسے ہوئے

نہ چونکے شور قیامت سے بھی زہے غفلت / سرائے دہر میں ہم مست خواب ایسے ہوئے

چھپے ہی پھرتے ہیں آب بقا کو پیکر خضر / رہے نہ کام کے وہ کامیاب ایسے ہوئے

ہوئے تھے کیا مری چشم پر آب سے ہمسر / جو پانی پانی ہیں بحر و سحاب ایسے ہوئے

کچھ آج کل ہی نہیں منقلب نظر آیا / بہت زمانے کو ہیں ایسے ہوئے

تمہارے حضرت ناصح بگاڑا کیا اس نے / ظفر سے کس لیے برہم جناب ایسے ہوئے

دیگر

جو تو تان منہ سے وہ کافر نکالے / تو کوئی آرزو کیونکر نکالے

مطلع ثانی

جو آنکھیں مجھ پہ وہ دلبر نکالے — تو مشہ سے اف کوئی کیونکر نکالے

مطلع ثالث

گلون کے اونسے جب دفتر نکالے — تو خون کے ہم نے بھی محضر نکالے
نکالے کہیں یہ اشک گرم ہم نے — کہ چشم تر سے ہین اخگر نکالے
نہ نکلا خاک بھی فرہاد سے کام — رہون ہی کہسار کے پتھر نکالے
جو مانگون اون سے مین بوسہ تو مجھ پہ — ابھی چین بر جبین خنجر نکالے
کرے لاکھون ہی خون دست حنائی — اگر پردے سے وہ باہر نکالے
نکال ایسے بشر کو بزم سے تو — کہ جو ہر بات مین اک شر نکالے
نہیں عکس مژہ آنسو مین اپنے — کبوتر نے نئے ہین پر نکالے
عجب کیا یاد خال رخ مین ہر شب — جو آنکھیں مجھ پہ ہر اختر نکالے
کرے ہے چین ابرو قتل عالم — غضب اس تیغ نے جوہر نکالے
کہیں سب مہر نکلا گر سحر دم — وہ غرفہ سے رخ انور نکالے

نکل جائے ظفر دم ساتھ اسکے
جو دل سے تیر و دلبر نکالے

سلام

باندھی کمر ہے شہ نے شہادت کیواسطے — اے بخرتی شفاعت امت کیواسطے
سر کاٹا اوس جناب ہدایت مآب کا — بلوا کے گمرہون نے ہدایت کیواسطے
کھانا اگر ہے زخم تو پانی ہے آب تیغ — مہمان کربلا کی ضیافت کیواسطے

قطعہ

زین العبادہ آبروے دوجہان کی ہے — در یتیم بحر امامت کے واسطے
جاتا ہے ہائے دھوپ مین پیاسا برہنہ پا — کوئی نہیں ہے جائے اقامت کیواسطے

کرتے تھے آب خنجر و شمشیر سے وضو شبیر قتل گاہ میں عبادت کیواسطے
روح نبیؐ و روح علیؑ روح فاطمہؑ تھی لاش شہ کے گرد حفاظت کیواسطے

قطعہ

شبیر سے یہ عرض کی حر نے کہ یا امام آیا ہے یہ غلام بھی خدمت کیواسطے
گر حکم ہو تو پہلے ہوں میں آپ پر فدا حاضر ہے جان تک مری حضرت کیواسطے
کھو بیٹھے اپنی دولت ایمان و دین لعین دنیا میں چند روز کی ثروت کیواسطے
اے دل غم حسین میں شو رابہ سرشک شربت ہے تشنگی قیامت کیواسطے
رکھو ظفر پہ لطف و عنایت کی تم نظر شاہا جناب شاہ ولایت کیواسطے

ایضاً

اوسکو بھرا جسکا نانا احمدؐ مختار ہے جسکی ماں زہرا اے بابا حیدر کرار ہے
ایک تو بھائی حسنؑ سم سے جگر افگار ہے ایک بھائی اوسکا عباسؑ علم بردار ہے

آپ کھینچے ہاتھ میں اسلام کی تلوار ہے

قید ہو کر شام کو جسدم چلے زین العباؑ پاؤںمیں بیڑی گلے میں طوق اوپر پیادہ پا
تازیانے جب دکھاتے آن کر اہل جفا کہتے تھے کچھ رحم بھی اوپر کرو بہر خدا

ایک و مظلوم ہے اور دوسرے بیمار ہے

گو کر اہل ظلم دیتے شہ کو تھے رنج و تعب پر یہی فہس فہس کے فرماتے تھے شاہ تشنہ لب
کیا دکھاؤں اوکو برق تیغ قہر و غضب امت جد ہے کہیں اک آن میںیہ ہوںکا سب

لشکر اہل جفا ہوتا ابھی فی النار ہے

بازوے شہ کے ہوے جب شانوں سے جدا دیر تک عباسؑ کو رویا کیے وہ بادشاہ
جا کے آخر نعش پر رو رو بصد آہ و بکا کہتے تھے سرور کہ اکبر ہے ضعیفی کا عصا

پر تیہو جب ہاتھ ہی تن پر عصا بیکار ہے

ہیں در دولت سے ہوئے بہرہ ور شاہ گدا پھر بھلا اس در کے ہوتے کس سے کیجے التجا
آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں پر ظفر ہے آپکا آیئے اب تو مدد کے واسطے بہر خدا

یا حسینؓ ابن علی بندہ بہت نا چار ہے

تضمین

حق سے رسائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو اپنی بھلائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو
بگڑی بنائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو غم سے رہائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

کلمے سے ہوں معاف کیے تم نے جو قصور کلمے سے ہو نصیب تمہیں قصر خلد و حور
کلمے سے رہوے مہ پہ تمہارے ہمیشہ نور کلمے سے ہووے دل کی سیاہی تمہاری دور

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

کلمے کو تم صداقت اسلام جان لو کلمے کو اپنے دین کی صمصام جان لو
کلمے کو تم خدا کا اک انعام جان لو کلمے کو دل کا راحت و آرام جان لو

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

ایمان کو تمہارے ہو کلمہ سے تقویت کلمے سے ہو قوی تمہیں امید مغفرت
کلمے سے ہووے جلوہ نما حسن عاقبت کلمے سے آئے دل کی نظر نور معرفت

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

ہو دو جہان میں کلمے کی دولت سے دل غنی ہو جان کو نہ کلمے سے تکلیف جان کنی

ہووے اندھیری گور میں کلمے سے روشنی ہے صاف کلمہ اک اثر پاپ کداشی

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

کلمہ تمہارے واسطے ہے دافع بلا کلمہ تمہارے حق میں ہے ہر روز کی دوا
کلمہ کو مشکلات میں سمجھو گرہ کشا کلمہ کرے ہے آئینہ کی طرح دل صفا

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

کلمے کا ذکر چاہیے ہر شام و ہر سحر جب تک رہے زبان رہے کلمہ زبان پر
کلمہ یہ آب رحمت باری ہے اے ظفر دھوتا ہے کلمہ دل کی کدورت کو سر بسر

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

ایضاً

زور بازوے مصطفےٰ ہے علیؑ صفدر صد و ثنا ہے علیؑ
میری کشتی کا نا خدا ہے علیؑ میرا ہادی و رہنما ہے علیؑ

میرا حامی ہے پیشوا ہے علیؑ
میرے ہر درد کی دوا ہے علیؑ

تھا ابو بکرؓ یار غار نبیؐ تھا عمرؓ گرم کار و یار نبیؐ
اور عثمانؓ ہے جان نثار نبیؐ اور علی وہ کہ دار دار نبیؐ

میرا حامی ہے پیشوا ہے علیؑ
میرے ہر درد کی دوا ہے علیؑ

اوسکو لطف و کرم ہو گر منظور دم میں سب درد دکھ ہوں میرے دور
ہووے غم سے دل مرا رنجور میں جہان میں رہوں سدا مسرور

میرا حامی ہے پیشوا ہے علیؑ
میرے ہر درد کی دوا ہے علیؑ

ہے وہ مشکل کشا شہ مرداں کرتا ہے میری مشکلیں آسان
اے ظفر کس طرح نہ بادل و جان میں رکھوں رات دن یہ ورد زبان

میرا حامی ہے پیشوا ہے علیؑ
میرے ہر درد کی دوا ہے علیؑ

رباعیات

کاٹتے دن ہیں جو ہم باعث غم گن گن کے
شب بھی کرتے ہیں بسر تاروں کو ہم گن گن کے
کوئے جاناں کی زمیں اپنے پکڑتی ہے پاؤں
ہم ظفر اس لیے رکھتے ہیں قدم گن گن کے

ایضاً

یوں میں گر بیٹھے کی گر قسم کھائیو جائے ہے
اکیلے کھائیں گے جو غم تو غم کھائیو جائے ہے
کہے گر نیک و بد کوئی ظفر خاموشی اچھی ہے
کہ تو تو میں میں کھلجاتی ہے دم کھائیو جائے ہے

ایضاً

چاہنا جس کو چاہیے یوں ہیں
چارہ گر پھر نباہیے وہ ہیں
اے ظفر اور بھی وہ کھینچتے ہیں
اون پہ دم دیتے اپنا جن جن ہیں

بزبان پنجابی

اے مولا میرے مولا اے مولا میرے مولا
سر پہ میرے کھڑے کیے اکیلیں دو جن نے غم سو سولا
جیسے تیرو دھیں لگا ہے میں تو نہ چین سب چین بھر لی
جتنا دھندا دنیا کا دنیا سب کو لگا سائیں ڈھولا
پوتھی لکھنی پڑھنی نہ مانوں اپنے من کی پوتھی باچوں
اس مندر میں مورکھ لوگاں اپنا ڈالا کیوں رولا

ڈرنا ناہیں بیری سے میں کہتا داسوں سُم کھ ہوں
اپنے ساتھ اپنے لگوا رہے دس دس لایا ٹوٹولا

شوق رنگ اوپر رکھدوں دیتا مہر و گرم کی اپنی بجر
یہ ہے اولا یہ ہے اولا یہ ہے اولا یہ ہے اولا

ایضاً

جو جو گلاں سردی دو تاں جگ وچ اے دل جانی ٹا
ہوتی لاج تو ڈوب عی مردی ترتی پھر کر پانی ٹا

حوراں پریاں جگ وچ ڈٹھیں بھتی سے ان نوبال
پر کوئی سانو نجر نہ آیا سوہناں لو سادا سانی ٹا

اچھی لیتے گھرا ساڈی اک دن بھی ناچا حال
آ ے ساڈی ہوشوں اوتی تم جان نمانی ٹا

میں بھی تیڈے سنگ چلونگی بیٹھ کے یک بوریا وچ
روی پار نجادی پڑھ کر سانو دلبر جانی ٹا

شوق رنگ اپنا دل دیوے گا کیسے تجھیں اور ان نو
ایسو گماں نہ لاویں داوچ اپنی دکھ گمانی ٹا